قسط نمبر 1

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

تو ٹھہرا مصلحت پسند.....
اور میں موج ہوا سے لڑنے والی

بہت کچھ پڑھا تھا عشق کے بارے میں اور بہت سے قصے بھی سن رکھے تھے لیکن جب برتنا پڑا تو احساس ہوا کتنا جاں گسل ہے' کتنا کاری وار ہے اس کا..... کوئی لمحوں میں روح کا رشتہ اس گہرائی سے باندھ لے کہ اس کی تنگ پکڑ سے رہائی کا خیال ہی جان نکال دے۔ روز لڑنا' پھر اس لڑائی کو یاد کر کے ہنسنا اور اکیلے اکیلے رو کر ایک دوسرے کو سب ٹھیک ہے کہنا۔

یہ عشق ہی تو ہے جو کسی کا سایہ تک دیکھ کر جان لینے اور دینے کے درپے ہو جاتا' جلانے ستانے کو اپنی ریپو کو سائیڈ پہ رکھ کے فضول حرکت کرنا۔ ناراضگی میں ٹریولنگ کی ایک ایک تصویر لگا کر بتانا ئے ابو ظہبی جا کے بیٹھ جانا اور کوئی رابطہ نہ کرنے پہ خود ہی میسج کرنا۔

تیری یاد آ رہی ہے..... میرا دل نہیں لگ رہا ہے ادھر' مجھ سے بات کر اور اس ایک جملے پہ ساری ناراضگی بھول کر ایک ہو جانا..... ساتھ ہنسنا..... ساتھ رونا۔

''آ رہا ہوں' تو ناراض ہوتی ہے تو کرتا ہوں فضول حرکت' جو کسی کی نہیں سنتا اسے اتنی باتیں سناتی ہے' کچھ بھی کر لوں تیرے بنا نہیں رہ سکتا..... کبھی بھی۔'' اس دیوانگی کے بعد باقی کچھ نہیں بچتا۔

دو دیوانے..... جو خود کو داؤ پہ لگائے بیٹھے ہیں..... وقت کب بدلے گا؟
نصیب کب پلٹے گا؟
حالات سازگار ہوں گے یا نہیں؟
عشق کو منزل ملے گی یا نہیں؟
لیکن یہ عشق جسم سے روح نکلنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوگا۔

''واہ..... واہ.....'' بے حد خوب صورت لائنز پڑھ کر وہ مسحور سی ہو گئی تھی۔ کتاب کا کونا لبوں پہ لگاتی وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔

''کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں ایسے لوگ جو محبت کی وادیوں میں ایک ساتھ سفر کرتے ہیں۔'' وہ تکیہ سینے سے بھینچتی خود کلامی کرتی کتاب سائیڈ پہ رکھ کر رشک کی کیفیت میں غرق تھی۔ تب ہی سناٹے میں 4wd کا ہارن گونجنے لگا۔ وہ ایک دم سے چونک کر تکیہ بیڈ پر پھینکتی اپنے روم سے ملحق بالکونی میں آ کھڑی ہوئی۔

''اتنی رات کو کس کی سواری آئی ہے؟'' اس نے گردن موڑ کر وال کلاک کی سمت دیکھا' جہاں گھڑی تین بجنے کا عندیہ دے رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر مین گیٹ کی طرف دیکھا' ہارن کا شور ایک بار پھر فضا میں گونجا تھا' تب ہی واچ مین دروازے کے قریب ہی بنے اپنے کمرے سے آنکھیں ملتا برآمد ہوا اور بھاگتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔

غالباً آنے والا بے صبرا تھا تب ہی ہارن پہ ہاتھ رکھ کر شاید اسے ہٹانا بھول گیا تھا لیکن تب تک آہنی اور مضبوط گیٹ وا ہو چکا تھا' نیند کے نشے میں دھت واچ مین اس دیو ہیکل دروازے کو وا کرنے کی کوشش میں ہانپ سا گیا تھا۔ گیٹ کھلتے ہی تیز روشنی سے سارا منظر جیسے روشن ہو گیا تھا۔ عیشال کی آنکھیں تیز روشنی سے چندھیا سی گئی تھیں۔ 4wd زن سے داخل ہوئی تھی۔ واچ مین گیٹ بند کر رہا تھا کہ 4wd کا دروازہ کھٹاک سے کھلا' بلیک چمچماتے مضبوط جوتوں والے نے لال

اینٹوں سے مزین فرش پر قدم رکھا۔ عیشال نے آنکھیں مل کر نظریں دوبارہ جمائیں' اگلے ہی لمحے سمہان آفندی کو دیکھ کر چونک گئی۔

''اتنی رات کو یہ آ کہاں سے رہا ہے' شام تک تو گھر پہ تھا۔'' وہ بڑبڑا کر ہونٹ سکیڑتی اسی سمت نظریں جمائے کھڑی تھی۔ وہ بلیک جینز اور بلیک ہی جیکٹ میں ملبوس تھا۔ جیکٹ کی کھلی سلورز پ روشنی سے چمک رہی تھی۔ لائیٹ براؤن بالوں کی چمک دور سے ہی نظر آ رہی تھی۔

وہ غالباً واچ مین کے سو جانے پہ اس کی کلاس لے رہا تھا کیونکہ حویلی میں ڈے اینڈ نائٹ الگ الگ واچ مین ہوتے تھے۔ واچ مین کو مستعد رہنے کی ہدایت تھی۔

''ہونہہ حویلی کو اپنے کاندھوں پہ چلانے والا آدھی رات کو تشریف لا کر واچ مین بے چارے کی کلاس لے رہا ہے۔'' چند ثانیے بعد وہ اسے راہداری کی طرف مڑتا نظر آیا' وہ بالکنی سے ہٹ کر سیڑھیوں کی طرف آ گئی کیونکہ ان ہی سیڑھیوں سے گزر کر سمہان آفندی کو اپنے کمرے کی طرف جانا تھا۔

چند لمحوں میں ہی سیدھے ہاتھ میں بیگ لیے بائیں بازو پہ جیکٹ ڈالے جو تھوڑی دیر پہلے اس کے تن پہ سجی ہوئی تھی' غالباً سیڑھیاں چڑھتے اتار کر بازو پہ منتقل کر لی تھی۔ ہاف سلیوز ٹی شرٹ میں اس کے بازو کے کٹس نمایاں تھے۔

''ہونہہ..... اسٹائل تو ختم ہے کم بخت پہ۔'' وہ اس کی اونچی ناک کو دیکھتے منہ ٹیڑھا کر گئی۔

سمہان آفندی کی نظر گرل سے لگی کیا عیشال پر پڑ گئی' اس پہ ایک نظر ڈال کر وہ دوبارہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ عیشال اس وقت ملٹی کلر کے گھیر دار شلوار اور وہائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس گلے میں ملٹی کلر کا اسکارف لیے کھڑی تھی۔ ہنی کلر ڈ بالوں کی لٹیں چہرے اور شانوں پہ بکھر کر اسے حسین ترین بنا رہی تھیں۔ سمہان آفندی چپ چاپ خاموشی سے اس کے پاس سے گزر کر آگے بڑھنے لگا تو عیشال سلگ گئی۔

''کہیں سے آتے ہیں تو سلام کرتے ہیں۔'' وہ چوٹ کرنا نا بھولی۔ ویسے بھی ہر وقت دونوں کی ٹھنی رہتی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو چڑانے اور ستانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

''السلام علیکم!'' فرماں برداری سے حکم کی تعمیل کرتا وہ بنار کے آگے بڑھ گیا' جیسے جلد سے جلد اس سے پیچھا چھڑانا مقصود ہو۔

''والسلام! کہاں سے آ رہی ہے سواری' اتنی رات گئے؟'' وہ کون سا اس کے حسب منشا چلتی تھی جو جان چھوڑ دیتی' فوراً پیچھے لپکی۔

''چکوال گیا تھا' وہیں سے لوٹا ہوں۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ رہا۔

''کیا کتے پیچھے لگے ہیں' دو منٹ رک کر سکون سے بات نہیں کر سکتے تم۔'' عیشال اس کے پیچھے بھاگ کر ہانپنے لگی تھی۔

''کتنی بار کہا ہے آپ کہا کرو' بڑا ہوں تم سے۔'' اس کی بات کو قابل اعتناء جانے بناء اس نے گردن موڑ کر اس پہ ایک فہمائشی نظر ڈالی۔

''بڑے ہو تو ہوتے رہو' میری بلا سے' میں نے کہا تھا دنیا میں مجھ سے پہلے آؤ۔'' اس کی تنبیہہ کو ہمیشہ کی طرح رد کرتے منہ بنا کر کہا۔

سمہان آفندی نے لمبی سانس بھر کر قدموں کی رفتار مزید تیز کر دی تھی۔ نتیجتاً عیشال کو بھی بھاگتے ہوئے اس سے گفت وشنید کرنا پڑ رہی تھی۔

''نکلے کب تھے شام تک تو تم گھر پہ ہی تھے؟'' وہ انکوائری کر رہی تھی۔

''پانچ بجے نکلا تھا۔'' سمہان آفندی نے اس کی الجھن سلجھائی' اسے خبر تھی معلومات لیے بناء وہ اس کی جان نہیں چھوڑے گی۔ اس لیے شرافت سے جواب دے رہا تھا۔

''کیوں گئے تھے؟'' اگلا سوال ہوا' کبھی کبھی سمہان آفندی کا دل چاہتا کہ اس بے چین روح کے ماتھے پہ بڑا سا سوالیہ

نشان ریڈ مارکر سے بنادے یا کم از کم اس کی زبان کو تالا لگا دے مگر وہ صرف سوچ ہی سکتا تھا۔ وہ بھی احتیاطاً اگر جو اس مکھی کے چھتے جیسی عیشال کو بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ اس بری طرح چمٹتی کہ کیا ہی مکھیاں چمٹتی ہوں گی۔

''تایا جان نے بھیجا تھا۔'' سمہان آفندی نے چوہدری فیروز کا حوالہ دیا۔ یہ طویل راہداری تھی جس کے کافی آگے جا کر سمہان آفندی کا کمرا تھا یہ پُرسکون گوشا اس نے خود اپنی پسند سے منتخب کیا تھا۔

''تین بج گئے اور اس وقت لوٹ رہے ہو اتنی لانگ ناٹ اسٹاپ ڈرائیو کر کے آنے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ صبح آجاتے۔'' جانے عیشال کو کیسے اس کی بے آرامی کا خیال آ گیا۔

''دس بار کہا ہے رات کو سفر نا کیا کرو ہزار بلائیں ہوتی ہیں راستوں میں اوپر سے اونچ نیچ ٹیڑھے میڑھے راستے۔'' اس نے کلاس لے۔

''بے فکر رہو میں بلا پروف ہوں۔ اتنے سالوں سے حویلی میں تمہارے ساتھ ہوں' کچھ ہوا مجھے؟'' وہ لب دبائے اس پہ ایک مسکراتی نظر ڈال کے رہ گیا۔

''شٹ اپ۔'' وہ غرائی۔ اس کی مسکراہٹ مزید پھیل گئی۔

''روک تو وہ لوگ بھی رہے تھے لیکن صبح والد محترم کو مجھ سے کام تھا' اس لیے آنا پڑا ورنہ تمہارے حکم کی تعمیل کرتا۔ ویسے بھی آنے کا دل کس کم بخت کا چاہ رہا تھا۔'' سمہان آفندی نے گردن موڑ کر اسے دیکھا جو اس کے ساتھ چلتی بے حال ہو چکی تھی۔

''ہاں اتنے ہی تو فرماں بردار ہو میرے؟'' اس نے چڑ کر کہا۔ وہ شاید جوش میں اس کی آخری بات کو سنجیدگی سے نہیں لے پائی تھی۔ سمہان آفندی نے شکر ہی ادا کیا۔

''آٹھ دس گھنٹوں کی مسلسل ڈرائیو کے بعد تم نے کچھ کھایا بھی ہے یا صرف حکم کی تعمیل ہی کرتے رہے اور کیوں آنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا؟ ایسے کون سے ہیرے جڑے ہوئے تھے وہاں؟'' بالآخر فکرمندی کے بادل چھٹے تو اس کی گرفت میں وہ جملہ آ ہی گیا' سمہان آفندی ذہنی طور پر گولہ باری سہنے کے لیے تیار ہو گیا۔

''جہاں گیا تھا انہوں نے کافی تواضع کی' ان کی بیٹی نے چکن کڑاہی بہت لذیذ پکائی تھی۔ خود سرو کر رہی تھی۔'' سمہان آفندی نے سچائی سے گوش گزار کر دیا۔

''وہاں لڑکی بھی تھی؟'' عیشال نے ابرو اچکائے۔

''ہاں تو..... اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟'' سمہان آفندی کے قدم رک گئے۔

''اسی لیے آنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا؟'' وہ ہانپتے ہوئے اسے گھور رہی تھی۔ اس کے رکنے پہ شکر کا سانس لیا۔

''مے بی.....'' وہ پُرسوچ انداز میں ہونٹ سکیڑ کر بولا۔

''تو پھر آئے کیوں؟ بیٹھے رہتے وہاں تاکہ وہ تمہیں روز چکن کڑاہی سرو کرتی۔'' وہ چلبلائی۔

''کہا ناں والد محترم کی وجہ سے آنا ہوا' اگلی بار فرصت سے جاؤں گا۔ تین چار دن کی چھٹی گزارنے۔'' وہ اس کی جان سلگانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔

''کیوں جاگ رہی ہو اتنی رات گئے؟'' سمہان آفندی نے کلائی میں بندھی خوب صورت بلیک گھڑی میں ٹائم دیکھا۔

''پاگل ہوں' اس لیے جاگ رہی ہوں۔'' اسے جانے کیوں غصہ آنے لگا۔

''اطلاع پرانی ہے لیکن میں پاگل نہیں' بقول تمہارے لانگ ڈرائیو کی ہے اس لیے مجھے واقعی تھکن ہو رہی ہے' اگر تمہارے سوالنامے میں مزید سوال رہ گئے ہوں تو صبح پرچہ لے کر آ جانا' ابھی مجھے میرے کمرے میں جانے کی اجازت دو۔'' سمہان آفندی نے اس کا چہرہ بغور دیکھ کر عاجزی سے کہا۔

عیشال نے چونک کر دیکھا وہ دونوں کمرے کے دروازے کے باہر کھڑے تھے اور وہ منتظر تھا کہ عیشال جائے تو وہ بھی اپنے کمرے کو رونق بخشے۔

''پچھلے دنوں تم نے کمرے کی نئی انٹیریئر کروائی تھی دکھاؤ کیسا لگ رہا ہے کمرا۔ میں نے دیکھا نہیں ابھی تک۔'' اسے

جیسے اچانک یاد آ گیا' سب نے ہی تعریف کی تھی مگر اتفاق تھا جو وہ محروم رہی تھی دیکھنے سے کہ وہ ہر وقت تو کبھی ادھر کبھی ادھر نظر آتا تھا۔

''ابھی نہیں' ابھی جا کر سو جاؤ۔'' سمہان آفندی نے طویل سنسان راہداری پہ ایک نظر ڈالی' حویلی کے پیچھے جنگل تھے جہاں سے جانوروں کی آوازیں وقفے وقفے سے آتی رہتی تھیں۔

''کیوں ابھی کیوں نہیں؟'' عیشال نے ضدی لہجے میں پوچھا۔

''مناسب وقت نہیں۔'' سمہان آفندی نے ایک نظر اس کے سراپے پہ ڈالی اور اگلے ہی لمحے پھر اس کی نظر راہداری کا جائزہ لینے لگی۔

تہجد کا وقت تھا' داجان' دی جان یا کوئی بھی اس وقت اٹھ سکتا تھا اور انہیں یوں بے فکری سے گفت وشنید کرتے دیکھ کر پوچھ گچھ بھی ہو سکتی تھی۔ بھلے دونوں کزن تھے مگر حویلی میں اتنی آزادی نہیں کہ عورتیں یوں مردوں سے بے تکلف ہو کر راستہ روکے کھڑی باتیں کریں۔

حویلی کی تمام ہی عورتیں چوہدری حشمت کے اصولوں پہ چلتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کے شہری پوتے' پوتی بھی جب حویلی آتے تو اس ماحول کے مطابق چلتے تھے مگر وہ عیشال ہی کیا جو کسی اصول کو خاطر میں لائے۔ اس وقت بھی وہ جرح کر رہی تھی۔

''کیوں مناسب نہیں..... تم کوئی غیر ہو..... فرسٹ کزن ہو میرے' تمہارے کمرے کی انٹیریئر دیکھنے میں کیا برائی ہے۔'' وہ پیر پٹخ کے ٹھنکی۔

سمہان آفندی کا جی چاہا اس لڑکی کا سر پھاڑ دے۔ اس کی موٹی عقل میں کوئی بات گھستی جو نہیں تھی کہ اتنا کچھ پہلے جو بھرا ہوا تھا' ضد' غصہ' من مانی' انکار تو جیسے سننا گناہ تھا اس کی لغت میں۔

''رات کے ساڑھے تین بجے کسی نے ہم دونوں کو اس طرح راز و نیاز کرتے دیکھ لیا تو گولی مار دیں گے سو بہتر یہی ہے کہ تم جا کر سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو اور میرے کمرے میں کوئی ایٹمی نسخہ نہیں پڑا جس کی پروٹیکشن کے لیے مجھے لاک کی ضرورت پڑے' روم ان لاک ہی ہوتا ہے' صبح آ کر دیکھ لینا' میری غیر موجودگی میں بھی اجازت ہے' لیکن ابھی جاؤ اپنے کمرے میں۔'' سمہان آفندی نے اس کے صبیح چہرے پہ نظریں جما کے ایک ایک لفظ پہ زور دے کر اسے موقع کی نزاکت کا احساس دلایا۔ عیشال کو بھی جیسے اپنے حلیے کا احساس ہوا' اسے دھیان نہیں رہا تھا' واقعی اگر ابھی چوہدری حشمت یا شاہ زر شمعون میں سے کوئی بھی اس حلیے میں دیکھ لیتا تو ٹھیک ٹھاک اس کی کلاس ہو جانی تھی۔

حویلی کی عورتوں کو آج بھی اتنی آزادی نہیں تھی کہ وہ ماڈرن کپڑے پہن کر حویلی میں گھومیں یہ تو عیشال تھی جو ہر روایت کے پرخچے اڑا دیتی تھی۔ سمہان آفندی کے احساس دلانے پہ اس نے ٹی شرٹ کے گلے میں ہاتھ ڈال کر اسکارف کو ذرا سا کھینچا۔

''کوشش کیا کرو حویلی کے اصولوں پہ چلنے کی۔ شنائیہ کو ہی دیکھ لو' کراچی جیسے ماڈرن شہر میں رہتی ہے لیکن حویلی میں آتی ہے تو یہاں کے طور طریقوں کے حساب سے چلتی ہے۔'' سمہان آفندی نے چوہدری بخت کی بیٹی شنائیہ کی مثال دی جو ان دنوں حویلی میں رہ رہی تھی۔

''مجھے کسی کو نہیں دیکھنا سننا..... میں وہی کرتی ہوں جو میرا دل چاہتا ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر قطعیت بھرے لہجے میں کہہ کر پلٹ گئی۔

سمہان آفندی نے ایک نظر اس کی پشت پہ ڈالی اور اگلے ہی لمحے اپنے کمرے کے لاک پہ ہاتھ رکھ کر اسے گھمانے لگا' اسے خبر تھی اس سر پھری کو کچھ بھی کہنا فضول ہے وہ وہی کرتی تھی جو اس کا دل چاہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

شاہ شمعون اپنے من پسند چیتے سلطان کی پشت پہ سوار تھا' سلطان بھی اسے اپنی پیٹھ پہ سوار کیے نخ نخ کیے دوڑیں لگائے

جارہا تھا۔ بلیک شلوار سوٹ میں ملبوس بلیک چادر کو دونوں بازوؤں سے گزار کر پیچھے ڈالے اس کی وجاہت ہی نرالی تھی۔ وہ کھیت میں کام کرنے والے لوگوں کو دیکھ رہا تھا تب ہی چیخ و پکار کا بازار گرم ہوا تھا۔ مرد بھاگنے لگے اور عورتیں چیخ و پکار کر رہی تھیں۔

''ارے بیل بچے کو کچل دے گا۔'' ہجوم میں کوئی چلایا تھا۔ کھیت میں کام کرنے والی عورتیں بچے بھی ساتھ لاتی تھیں۔ جانے کس کا بچہ تھا جو کھیت کے بیچوں بیچ جا پہنچا تھا' بچے سارا دن اسی طرح کھیلتے' کودتے رہتے تھے اور مائیں آرام سے کام کرتی' انہیں آوازیں بھی لگاتی رہتی تھیں۔

صورت حال اس وقت کیشدہ ہوگئی تھی جب ایک بدمست بیل سرپٹ دوڑتا اسی طرف آتا نظر آیا۔ تمام لوگ بیل کی ٹکر سے بچنے کے لیے اپنے اپنے بچوں کو خوف زدہ ہو کر سائیڈ پر کر رہے تھے۔ چار سالہ بچہ کھڑا بیل کو دیکھ رہا تھا۔ یہ بیل نصر کے تھے جو ہل جوتنے میں استعمال ہوتے تھے اس کے پاس کئی بیل تھے' جنہیں اس نے آتے ہوئے ٹیوب ویل کے قریب پانی پیتے دیکھا تھا' یہ یہاں کیسے آ گیا؟ شور بڑھتا جا رہا تھا۔

بچے کی ماں اپنے بچے کو بچانے کے لیے پچھاڑیں کھا رہی تھی' اسے دوسری عورتوں نے پکڑ کے رکھا تھا' کسی میں ہمت نہیں تھی کہ آگے دوڑ کر بیل کے سامنے سے بچے کو ہٹا لے بیل کی رفتار اور اس کی نوکیلی سینگوں کو دیکھ کر سب کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔

شاہ زرشمعون سستی سے کھڑے سلطان کی پیٹھ پر سرعت سے سوار ہوا تھا اور اس کا برسوں پرانا ساتھی اس کا اشارہ پاتے ہی ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ عجیب منظر تھا' بیل سرپٹ دوڑے چلا آ رہا تھا' شاہ زرشمعون کا سلطان اس کے عین سامنے سفر کر رہا تھا' ان دونوں کے بیچ بچہ کھڑا تھا۔

بیل چند قدموں کے فاصلے پہ رک گیا تھا' اب اس کی نگاہیں سلطان اور سلطان کی پیٹھ پہ سوار شاہ زرشمعون پہ تھیں۔ اس سے پہلے کہ بیل دائیں طرف سینگ مار کر بچے کو قدموں تلے کچل دیتا۔ عین وقت پہ شاہ زرشمعون نے اسے بائیں طرف جل دے کر تیزی سے جھک کر بچے کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھایا تو اس سے دگنی تیز رفتاری سے مڑ کر بیل کے نتھنوں میں ڈالی رسی پکڑ کر سلطان کا رخ مضبوط پیڑ کی طرف کر دیا۔ اگلے ہی پل پیڑ کے گرد دو تین چکر لگاتے اس نے بیل کو نکیل ڈال دی۔ بیل آزادی کے لیے زور آزمائی کرنے لگا مگر شاہ زرشمعون کی لگائی گرہیں اتنی کمزور نہیں تھیں جو آسانی سے کھل جاتیں۔ سب نے بنا پلکیں جھپکے یہ سارا منظر دیکھا تھا' بیل دو تین چکر لگانے کے بعد تھک کر ستانے بیٹھ گیا تھا۔ بچے کی ماں اور سب لوگ تیزی سے بھاگتے ہوئے آئے تھے۔

''بہت شکریہ شاہ.....'' بچے کی ماں شکر گزار ہوئی۔ متفکر نظروں سے سلطان کی گود میں سوار اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ شاہ زرشمعون نے بچے کے ساتھ سلطان کی پیٹھ سے چھلانگ لگائی۔

''خوف زدہ ہے' اسے دیکھیں۔'' بچہ اس کی ماں کے حوالے کرتے اس نے اس کی سہمی ہوئی شکل کی طرف توجہ دلائی' بچے کی ماں وفور جذبات سے بچے کو چومنے لگی شاہ زرشمعون نے دلچسپی سے یہ منظر دیکھا۔

''آپ نے عین موقع پر جان بچالی۔'' سب اس کے گن گا رہے تھے۔ بلاشبہ گاؤں میں سب ہی اسے بہت پسند کرتے تھے۔ بھلے وہ اکھڑ' بددماغ مشہور تھا مگر بلا کا منصف' کبھی کسی کے ساتھ ناانصافی پسند نہیں کرتا تھا۔

ہر کوئی اپنے مسائل اسی سے کہتا تھا' اس سے پہلے سب چوہدری حشمت کے پاس جاتے تھے لیکن جب سے وہ چوہدھی حشمت کا بازو بنا تھا' سب اس سے ہی رابطہ کرتے تھے اور اس کی انصاف پسندی کے قائل بھی تھے۔ گو کہ فیصلے اب بھی زیادہ تر چوہدری حشمت ہی کرتے تھے اور انہیں عمل میں لانے کا فریضہ شاہ زرشمعون کرتا تھا۔

غریبوں کے لیے احساس' ان کے لیے درد اسے سب کی نظروں میں معتبر کرتا تھا' ہر کوئی اس کی مدح سرائی کرتے نظر آتے تھے۔

''میرا بیل؟'' نصر بھی دوڑتا ہوا آیا اسے خبر مل گئی تھی کہ بیل ادھر آ نکلا ہے۔

''تمہارا بیل کھیتوں میں کیسے گھس آیا نصر؟'' نصر سے باز پرس کرتے اس کے چہرے کی سرخی اور بھی گہری ہوگئی تھی۔
''شاہ..... مجھے نہیں معلوم' میرے بیل تو پانی پی رہے تھے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا کہ بیل بھٹک کر ادھر آنکلے اور کسی کی جان لینے کی کوشش کرے۔'' نصر نے گڑبڑا کر صفائی دی۔
''پھر آج کیسے ہوا؟''
''کھیتوں کا جو نقصان ہوا سو ہوا اگر آج ان میں سے کسی کی جان جاتی تو پتا ہے میں تمہارے ساتھ کیا کرتا؟'' شاہ زر شمعون غیض وغضب سے دھاڑا۔
''مجھے گولی مار دیتے..... مجھے خبر ہے شاہ مگر یقین کریں مجھے خود حیرت ہے' میرے بیل بہت سدھائے ہوئے ہیں۔'' نصر کو اس کے تیوروں کے سامنے صفائی دینا مشکل لگ رہا تھا۔
''ویرے..... بیل کو منجو نے تنگ کیا تھا' منجو نے جلتی سگریٹ بیل کی ٹانگوں پہ لگائی تھی تب بیل بھاگا تھا۔'' مجمع میں سے دس گیارہ سالہ بچا آٹھ سالہ بچے کو سامنے لاکر کہانی کے مرکزی کردار کو بے نقاب کر گیا تھا۔ شاہ زر شمعون کی نظریں دونوں بچوں پہ پڑیں تو رخ ان کی طرف پھیر گیا۔
''ادھر آؤ دونوں۔'' اس کے اشارہ کرنے پہ دونوں بچے قریب چلے آئے۔
''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے؟'' جس بچے کی شناخت منجو کے نام سے کی گئی تھی اسے بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا جو مارے ڈر کے سر جھکائے کھڑا تھا۔
''سچ بولو گے تو کچھ نہیں کہوں گا..... انعام بھی دوں گا لیکن جھوٹ کہا تو اسی بیل کے اوپر بٹھا دوں گا۔'' شاہ زر شمعون نے قدرے جھک کر کہا۔
''حیدر سچ کہہ رہا ہے۔'' بچے نے باریک آواز سے اعتراف کرلیا۔ وہ بھی اس کی دہشت سے واقف تھا' جانتا تھا جو کہتا ہے کر گزرتا ہے' اسے بیل پہ نہیں بیٹھنا تھا تب ہی سچ بتا دیا۔
''سگریٹ کہاں سے آئی تمہارے پاس؟'' ایک اور سوال پوچھا۔
''ویرے یہ سٹے بھی لگا رہا تھا' مجھے دکھا رہا تھا کہ دیکھو دو انگلیوں سے پکڑ کر سٹا لگاتے ہیں اور پھر منہ سے دھواں نکالتے ہیں۔'' شکایتی بچہ ایک بار پھر سرگرم ہوا اور معصوم مجرم سر مزید سینے تک جھکا گیا کہ اب تو اس کی خیر نہیں۔
''سگریٹ کہاں سے ملی' بتاؤ؟'' شاہ زر شمعون کا سوال اور اس کی گرفت بچے سے سچ اگلوا گئی۔
''یہاں کھیت سے ملی تھی' میں لے کر بھاگ گیا' دو تین کش لگا کر اسے دکھایا اور پھر سوچا بیل کے لگا کر دیکھوں' کیا کرتا ہے..... مجھے معاف کردو ویرے..... میں اب کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔'' منجو ساری بات سچائی سے بتا کر جھٹ کان پکڑ گیا تو شاہ زر شمعون کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی' ایک بار پھر سرخی اس کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔
''اچھے بچے چاکلیٹ کھاتے ہیں..... پھر سے دوبارہ ایسی حرکت کی تو اسی سگریٹ سے تمہاری ٹانگیں جلاؤں گا' کیسے اچھلو گے پتا ہے ناں؟'' شاہ زر شمعون نے کرتے کی جیب میں ہاتھ ڈال کر والٹ نکالا اور اس میں سے سو سو کے دو نوٹ نکال کر دونوں بچوں کو تھمائے۔
''جاؤ چاکلیٹ لے لو انعام ہے تم دونوں کا' سچائی جو بتائی۔'' دونوں پیسے لے کر اچھلتے کودتے چلے گئے۔
''آج سے کام کرتے ہوئے مجھے کوئی سگریٹ پیتا نظر نہ آئے' جسے پینی ہو وہ دو منٹ کا وقفہ لے کر تنہائی میں جا کر اپنے جگر کو جلا سکتا ہے' کسی کی بے دھیانی میں جلتی سگریٹ مجھے پھر سے نظر آئی تو اسی دن سے چھٹی' سمجھ آ گئی سب کو.....؟'' بچوں کو مسکراتی نظروں سے دیکھتے وہ پلٹا تو اس کی سپاٹ اور عصیلی زوردار آواز نے سب پہ خوف طاری کر دیا۔ مرتے کیا نا کرتے کے مصداق ہاں میں سر ہلایا کہ اس کے اصول اکثر ان کے فائدے کے لیے ہی ہوتے تھے اور ابھی بھی جو نقصان ہونے سے بچ گیا اس میں بھی ان کا ہی قصور تھا۔ جلتی سگریٹ اٹھا کر بچے کی حرکت نے کہرام مچا دیا تھا' کئی بچوں کی جان جا سکتی تھی۔

''وہ..... میں اپنا بیل لے جاؤں؟'' نصر گھگھیایا۔
''ہاں شوق سے۔'' شاہ زر شمعون بیل کی طرف اشارہ کرتے بجتے ہوئے سیل فون کی طرف متوجہ ہوا تھا' سیل فون کرتے کی جیب سے نکالتے اس نے سب کو کام کی طرف متوجہ کیا۔ مجمع منتشر ہو کر لوگ اپنے اپنے کاموں کی طرف بڑھ گئے تھے۔
''جی داجان.....'' الٹے ہاتھ سے سلطان کی لگام تھامتے سیدھے ہاتھ سے سیل فون کان سے لگائے وہ واک کرتے بات کر رہا تھا۔ سدھایا ہوا سلطان اپنی مخصوص چال میں اس کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔
''جی..... کھیتوں میں ہوں۔'' دوسری طرف چوہدری حشمت تھے نے اس سے پوچھا تھا۔
''کب تک فارغ ہو جاؤ گے؟'' چوہدری حشمت نے دریافت کیا۔
''ایک گھنٹا مزید لگے گا داجان' بھٹے کی فصل چیک کرنی ہے۔ اگر تیار ہوئی تو کل سے کٹائی کا کام شروع کرواؤں گا۔''
''فارغ ہوتے ہی' حویلی آ کر مجھ سے ملو۔'' چوہدری حشمت نے حکم صادر کیا۔
''جی داجان..... میں جلد ہی آتا ہوں۔'' وہ سعادت مندی سے جواب دے کر احتراماً لائن پہ ہی تھا تاکہ چوہدری حشمت خود ہی لائن منقطع کریں۔ وہ یہ گستاخی نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے ساتھ..... چوہدری حشمت نے لائن منقطع کی تو اس نے بھی جست لگا کر سلطان کی پیٹھ پہ سوار ہو کر اسے ایڑھ لگائی۔ وہ جلد سے جلد مطلوبہ مقام تک پہنچ کر کام مکمل کر کے حویلی لوٹنے کا ارادہ رکھتا تھا۔
چوہدری حشمت نے بلایا تھا۔ یقیناً کوئی ضروری کام ہوگا۔ اسی خیال سے اس نے سلطان کو اشارہ دیا اور سلطان ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

☆.....☆.....☆

شولڈر کٹ بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنائے بلو شارٹ شرٹ' اورنج شلوار دوپٹے میں بے حد حسین مکھڑے کے ساتھ بور ہوتے تاثرات سے وہ اس بڑے سے ہال نما کمرے کا بے فکری سے جائزہ لیتی چیونگم چبا رہی تھی۔ چوہدری حشمت کا ہال نما کمرا تاریخی نوادرات' پیتل اور تانبے کی آرائشی و زیبائشی چیزوں سے بھرا ہوا تھا' ان کے مضبوط بیڈ کے ساتھ ان کا حقہ رکھا ہوا تھا۔ چوہدری حشمت اپنی پگڑی اتارے ہاتھ پیچھے کمر پر باندھے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ قدیم سیٹی پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے کہنی گھٹنے پہ جمائے ہتھیلی کے پیالے میں چہرہ ٹکائے وہ کمرے کی ایک ایک چیز کی گنتی کر کے فارغ ہوتی تو ایک اچٹتی نگاہ ٹہلتے ہوئے چوہدری حشمت پہ بھی ڈال لیتی تھی۔
''سلام داجان..... حکم آپ نے یاد کیا تھا؟'' شاہ زر شمعون اپنی وجاہت کے ساتھ چادر شانے پہ درست کرتا چوہدری حشمت کے سامنے سر جھکا گیا تھا۔ یہ اس کا مخصوص انداز تھا۔
''والسلام! خوش رہ پتر۔'' چوہدری حشمت اس کے جھکے سر پہ ہاتھ پھیر کر اپنی مخصوص کرسی کی طرف بڑھ گئے۔
''پتر تو فارغ ہے ابھی؟'' چوہدری حشمت نے کرسی پہ بیٹھتے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
''جی داجان۔'' وہ ان کے سامنے رکھی کرسی پر مودب ہو کر بیٹھ گیا۔ شنائیہ کو اس اکڑو کو اتنا مودب دیکھ کر ہمیشہ سے بہت حیرت ہوتی تھی' وہ صرف بڑوں خصوصاً چوہدری حشمت کے آگے سر اٹھا کر بات نہیں کرتا تھا' نظریں بھی جھکی رہتی تھیں۔
شنائیہ سمیت حویلی کے تمام اراکین کو یہی لمحے انمول لگتے تھے ورنہ تو اس کی اٹھتی سرد اور عصیلی نظر جس پہ اٹھتی تھی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ جاتی تھی۔ حویلی میں سب ہی کی جان چوہدری جہانگیر کے بعد شاہ زر شمعون کے آگے ہی نکلتی تھی۔ چوہدری جہانگیر اس کے چچا جان تھے مگر وہ فطرتاً ان کا پرتو تھا۔ یہ اس کے وجود کی دہشت ہی تھی جو اسے دیکھتے ہی کانشس ہو کر بیٹھ گئی تھی۔
''پتر شنائیہ کو کراچی چھوڑ آ..... اس کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے' بخت کو فرصت نہیں ہے کہ اسے لینے آ سکے اور اس نے جانے کی جلدی مچائی ہوئی ہے۔'' چوہدری حشمت کے بائیں طرف اشارہ کرنے پہ شاہ زر شمعون نے چونک کر اس پر نظر ڈالی۔

یہ سن کر کہ داجان شاہ زر شمعون کو اس کا باڈی گارڈ بنا کر اسے ڈراپ کرنے کی ذمہ داری سونپ رہے ہیں شنائیہ کا دل ہی جیسے بند ہونے لگا مگر شاہ زر شمعون کی نظر خود پہ دیکھ کر اس نے زمانے بھر کی معصومیت اپنے چہرے پہ سجا کر پلکیں پٹپٹا کر دوپٹا شانوں پہ ٹھیک کرتے اس معصومیت میں مزید رنگ گھولنا چاہا۔

''داجان..... کراچی اور میں.....؟'' وہ جیسے مخمصے میں پھنس گیا مگر چوہدری حشمت کو انکار کرنے کی بھی جرأت نا تھی۔ وہ اسے سولی پہ چڑھنے کو بھی کہتے تو وہ سوال کیے بنا چڑھ جاتا مگر شنائیہ کا نام سنتے ہی جو بے زاری کے رنگ اس کے چہرے پہ آئے وہ شنائیہ کی خوبصورت سی ناک کے نتھنے پھلا گئے۔

''داجان میں بائی ایئر اکیلی چلی جاؤں..... آن لائن بکنگ.....'' شاہ زر شمعون کی عقاب جیسی نگاہ اس سرعت سے اس پہ پڑی تھی کہ اس سے بات پورا کرنا محال ہوا۔

''پتر یہ بات تو اچھی طرح جانتی ہے کہ ایسی آزادی حویلی کی عورتوں کو نہیں..... کیا تو کراچی میں بھی اکیلی ہر طرف سفر کرتی ہے؟ بات کرتا ہوں بخت سے' رنگ دکھا رہا ہے اس کا شہر میں رہنا۔'' چوہدری حشمت کو بھی اس کا بیچ میں بولنا گراں گزرا۔ ساتھ ہی چوہدری بخت کی بھی شامت آ گئی تو شنائیہ نے خاموشی میں ہی عافیت جانی..... یہاں تو سوچ سمجھ کر بولنا پڑتا تھا۔

یہ ٹھیک تھا کہ چوہدری بخت کا شجرہ نصب بھی اسی حویلی سے تھا مگر وہ سالوں سے کراچی میں مقیم تھے۔ پیشے سے ڈاکٹر تھے' ان کی اہلیہ' شنائیہ کی والدہ ماجدہ دیا بھی ڈاکٹر تھیں' دونوں پڑھے لکھے اور روشن خیال تھے..... انہوں نے دونوں بیٹیوں شنائیہ اور ماہم کو روشن خیالی سے پالا تھا۔ وہ بس چھٹیوں میں حویلی آتے تھے یا حویلی کے مکین کبھی کراچی آتے تو بخت اور دیا کی ہدایت پہ دونوں بیٹیاں ہی بہت تمیز سے رہتی تھیں۔ اب بھی ماہم کے کالج اور شنائیہ کی یونیورسٹی کی چھٹیاں تھیں۔ دونوں چوہدری بخت اور دیا کے ساتھ چند دنوں کے لیے آئی تھیں مگر زمرد بیگم کے اصرار پہ وہ شنائیہ کو چھوڑ گئے تھے کہ ماہم کے کالج کا مسئلہ تھا۔

وہ بے چاری سی شکل بنا کر رہ گئی تھی' جس پہ واضح درج تھا کہ وہ رکنا نہیں چاہ رہی تھی۔ مگر دیا نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کر کے رکنے پہ مجبور کر دیا' زمرد بیگم محبت کا اظہار کر رہی تھیں' دیا اور چوہدری بخت سے کم کم آنے اور جلدی جانے پہ گلہ کر رہی تھیں۔ ایسے میں انہوں نے شنائیہ کو کچھ دن حویلی چھوڑ دینے کا کہا تو دونوں انکار نہ کر سکے' شنائیہ منہ بسور کر رہ گئی۔ حویلی میں قیام کرنا تو قدم قدم پہ سوچ سمجھ کر بولنا' شنائیہ جیسی آزاد منش لڑکی کے لیے عذاب سے کم نا تھا' اٹھنا بیٹھنا' سونا جاگنا سب دوسروں کا طے شدہ تھا۔ حویلی میں مرضی کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ وہ یہاں آ کر خود کو قیدی تصور کرتی تھی' اوپلوں کی مہک سے اس کا جی متلانے لگتا' تو اڑتی مٹی سے ڈسٹ الرجی کی فکر لاحق ہو کر اسے ناک منہ پہ کپڑا لپیٹنے پہ مجبور کر دیتی تھی۔ حقیقتاً وہ بہت نخریلی اور نازک مزاج تھی۔

حویلی میں سب ٹیوب ویل کا پانی پیتے تھے مگر وہ منرل واٹر کی جگہ دوسرے پانی کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھی' حویلی میں اس کی نخریلی فطرت سے سب ہی آگاہ تھے' مگر شاہ زر شمعون کو اس کے نخرے ذرا نہیں بھاتے تھے۔ وہ حویلی سے بور ہو گئی تو اس نے بخت اور دیا سے کہا کہ وہ اسے لینے آ جائیں مگر دونوں کی مصروفیت نے انہیں اجازت نہ دی تو انہوں نے اسے مزید کچھ دن اور رہنے کا مشورہ دیا' جس پہ اس نے اکیلے آنے کی بات کی تو چوہدری بخت کے ساتھ دیا نے بھی جھاڑ پلائی کہ حویلی میں ایسی بات بھولے سے بھی نا کہے' انہیں چوہدری حشمت کے افکار کی خبر تھی۔ لیکن شنائیہ سے اب یہ بھول ہو چکی تھی جلد سے جلد حویلی سے بھاگنے کے لیے اس نے جھوٹ موٹ کہہ دیا تھا کہ اس کی کلاسز اسٹارٹ ہو گئی ہیں اور ہرج ہو رہا ہے۔

''سوری داجان.....'' وہ معصوم سی شکل بنا کر رہ گئی کہ مبادا وہ اسے چھڑوانے کا ارادہ ہی نا کینسل کر دیں۔

''جانتا ہوں تمہیں طویل سفر پسند نہیں لیکن سمہان رات گئے ہی چکوال سے لوٹا ہے' ابھی بھی صبح سے نکلا ہوا ہے' اسفند کے کام سے..... جانے کب لوٹے گا..... اس لیے یہ ذمے داری تمہیں سونپ رہا ہوں۔'' چوہدری حشمت نے تفصیل سے ذکر کر کے سب واضح کیا تو وہ جو سمہان آفندی کا نام لینے کا ارادہ رکھتا تھا چپ ہو گیا۔

''داجان کل سے فصل کی کٹائی شروع کروانی ہے۔'' شاہ زر شمعون نے دامن بچانا چاہا کہ کل سمہان آفندی فری ہوتا تو وہ اس مصیبت کو ڈراپ کر دیتا۔

''اس کی تم فکر نہ کرو وہ سمہان دیکھ لے گا۔'' چوہدری حشمت نے بھاگنے کی یہ راہ بھی بند کر دی تو اس نے سرینڈر کر دیا۔

''جی بہتر..... کب نکلنا ہے؟'' لمبی سانس بھر کے ہتھیار ڈال دیے۔

''سڑیل پوز تو ایسے کر رہا ہے جیسے اسے کالا پانی کی سزا سنائی گئی ہو.....'' شنائیہ کے وجود کے اندر جملہ شور مچانے لگا۔

''ہونہہ.....'' اس کے سائیڈ پوز سے جھلکتی تیکھی ناک کو نخوت سے دیکھ کر اس نے سر جھٹکا' منہ سے کچھ نا بول سکی کہ کہیں بدک کر ڈراپ کرنے سے انکار ہی نا کر دے۔

''ابھی..... آدھا' ایک گھنٹے میں نکل جاؤ' تمہاری دی جان سے کہلوا دیتا ہوں وہ صفراں سے کھانے پینے کی چیزیں بھی تیار کروا کر پیک کروا دیں گی۔'' چوہدری حشمت نے زمرد بیگم کا نام لے کر مزید کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

''جو حکم۔'' وہ مودب تھا۔

''جاؤ شنائیہ' تم تیار ہو جاؤ' کچھ وقت ہے تمہارے پاس۔'' چوہدری حشمت نے اس کی طرف رخ کیا تو وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

''تھینکس داجان مجھے بس دس منٹ لگیں گے میں نے اپنا سارا سامان پیک کر لیا ہے' پہلے ہی۔'' وہ جوش میں کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی' اس کے لفظوں اور تاثرات سے صاف ظاہر تھا اسے یہاں سے بھاگنے کی جلدی تھی۔

شاہ زر شمعون کی سرد نظروں نے اس کے سارے جوش کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ ست قدموں سے چوہدری حشمت کے کمرے سے نکل رہی تھی..... شاہ زر شمعون کو خبر تھی باہر نکلتے ہی اس نے مور کی طرح پنکھ پھیلا کر رقص شروع کر دینا ہے۔ وہ شنائیہ کے سارے رنگ بہت اچھی طرح پہچانتا تھا۔

☆.....☆.....☆

منزہ ٹوٹی ہوئی عینک لگائے ایمبرائیڈری مشین میں ریشم کا دھاگا ڈالنے میں منہمک تھیں' کتنی ہی بار کوشش کے بعد ریشم کا دھاگا سوئی میں جانے کو تیار ہوتا تھا۔ فجر کے بعد سے جو ایمبرائیڈری مشین سنبھالتی تھیں تو رات گئے تک اس کی گھر گھر چلتی رہتی تھی۔ بس ایک دھاگا سوئی کے پار کرنے کا عمل ہی جوکھم کا تھا۔ انہوں نے دوبارہ کوشش کرنا چاہی مگر ان کے ہاتھ سے دھاگا لے کر ان کے برابر بیٹھ کر ماورا انجمی نے مشین کا رخ ذرا سا اپنی طرف کیا اور اگلے ہی سیکنڈ اس نے دھاگا سوئی میں پرو دیا تھا۔

''ارے واہ کتنی جلدی چلا گیا تم سے.....'' منزہ خوش ہو گئیں۔ ان کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی' مگر چہرے کی ملاحت و نزاکت گواہی دیتی تھی کہ وہ کبھی کبھی حسین رہی ہوں گی۔

''کتنی بار کہا ہے آپ سے' گلاسز بنوالیں' کب تک یوں ہی کام چلائیں گی۔'' مشین کا رخ ان کی طرف کر کے ماورا اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بنوالوں گی..... بنوالوں گی۔'' منزہ نے ہمیشہ کی طرح آس میں رکھنا چاہا۔

''کب بنوائیں گی جب اس کا دوسرا شیشہ بھی جواب دے جائے گا؟ لائیں مجھے دیں میں ابھی جا رہی ہوں آپٹیکل شاپ پہ..... آتے ہوئے تیار ہو گیا تو لیتی آؤں گی۔'' ماورا نے ہاتھ بڑھا کر گلاسز اتارنا چاہا۔

''کہاں بنوالوں گی' ابھی لے جاؤ گی تو کام کیسے کروں گی' آپٹکل والے اتنی جلدی کہاں بنا کر دیں گے۔ دو تین دن تک دوڑیں لگوائیں گے۔'' منزہ نے چشمہ دینے سے انکار کیا۔

''ٹھیک ہے آپ میرے ساتھ شام کو کلینک چلیے گا' آنکھیں ٹیسٹ کروا کر نیا گلاسز بنوالیں گے۔ اس طرح پتا بھی چل جائے گا خدانخواستہ بینائی مزید کم تو نہیں ہو گئی۔'' ان کی بات مانتے اس نے انہیں شام کا پلان بتایا۔ منزہ نے سر ہلایا تاکہ بات آئی گئی ہو جائے۔

''کہیں جارہی ہو؟'' منزہ نے اپنی حسین بیٹی کو بغور دیکھا۔
دوپٹا سر پہ لیے وہ تیار کھڑی تھی' چہرہ میک اپ کے لوازمات سے عاری تھا مگر اس سادگی میں بھی وہ ہوش ربا لگ رہی تھی۔
''جی بتایا تھا ناں' آج انٹری ٹیسٹ ہے۔'' اس نے دوپٹا ٹھیک کرتے بیگ کی تلاش میں نگاہ دوڑائی جو اسے پلنگ پہ رکھا نظر آیا' دھاگا ڈالتے وقت اس نے وہیں رکھ دیا تھا۔
''ہاں دیکھو میں بھول گئی' جاؤ اللہ تمہیں کامیاب کرے' بہت اچھا ہو ٹیسٹ۔'' منزہ یاد آنے پہ دعائیں دینے لگیں۔
''میں چلوں تمہارے ساتھ؟ اکیلی گھبراجاؤ گی۔'' منزہ کی بات پہ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔
''میں کوئی چھوٹی سی بچی ہوں جو گھبراجاؤں گی۔'' وہ مسکرائی۔ ''آپ فکر نا کریں میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے دلاسا دیا۔
''لیکن یونیورسٹی کوئی قریب تھوڑی ہے' شہر کے دوسرے کونے میں ہے۔'' منزہ کو اب یونیورسٹی کی دوری کی فکر ہونے لگی۔
''مجھ اکیلی کے لیے تھوڑی دور ہے' ہزاروں لڑکیاں لڑکے روز آتے جاتے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں میں چلی جاؤں گی۔'' وہ ان کا تردد دور کررہی تھی۔
''سالن میں نے پکا دیا ہے' انوشا آ کر روٹیاں پکالے گی' آپ ناگھس جایئے گا کچن میں کام کرنے۔'' وہ تنبیہہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔
''کرائے کے پیسے تو ہیں ناں تمہارے پاس؟'' منزہ فکرمندسی ہوئیں۔
''جی ہیں۔'' اس نے تسلی دی۔
''سو پچاس اوپر ہی رکھنا' کیا معلوم کب راستے میں ایمرجنسی پیش آ جائے۔'' منزہ نے کہنے کے ساتھ ہی دوپٹے کا پلو ٹٹول کر قریب کیا' پلو کے ایک کونے میں گرہ لگی ہوئی تھی۔ منزہ اسے کھولنے لگی تھیں' جب گرہ کھلی تو اس میں سے پچاس اور سو کے نوٹ نکلے۔
''لو رکھ لو' کیا معلوم کب ضرورت پڑ جائے۔'' منزہ نے روپے اس کی طرف بڑھائے۔
''اماں میرے پاس ہیں' کل بچوں کی فیس آئی تھی اس میں سے میں نے پانچ سو رکھ لیے تھے۔'' وہ انہیں مطمئن کرنے کے جتن کررہی تھی۔
''پھر بھی رکھ لو.....'' منزہ نے زبردستی اس کی ہتھیلی پکڑ کر روپے اس کے ہاتھ میں تھمائے۔ ماورا اللہ حافظ کہتی تیزی سے دروازے کی طرف لپکی تھی۔ مبادا منزہ پھر کسی اور فکر میں مبتلا نا ہو جائیں۔ ماورا کے جانے کے بعد منزہ اپنی بیٹیوں کے لیے فکرمند تھیں۔
''گھنٹوں محنت کرتی ہیں میری بیٹیاں اور انہیں کیا ملتا ہے؟ قصور ان کا کہاں ہے؟ انہیں ایسی نا آسودہ زندگی دینے والی' ان کے ماتھے پہ غربت کا نشان چھوڑنے والی میں ہی تو ہوں۔'' منزہ کی ذہنی رو بھٹک گئی تھی۔ وہ کئی لمحے تک گم گشتہ ماضی میں سفر کرتی رہیں۔ سکھ آسائش' ناز نخرے اٹھانے والے..... کیا کچھ ناں تھا ان کے پاس مگر کیا کیا تھا انہوں نے؟ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ احساس ندامت اب جگر کو کاٹنے لگا تھا۔ مشین کو ایک طرف کر کے وہ بے دم سی ہو گئی تھیں۔ جب بھی یہ کسک اٹھتی تھی ان کی حالت غیر ہو جاتی تھی۔

☆.....☆.....☆

''کیا حال ہے برو؟'' سمہان آفندی صبح کا نکلا کچھ دیر قبل ہی لوٹا تھا۔ شدید بھوک لگ رہی تھی' وہ فریش ہو کر کچن کی طرف جارہا تھا کہ شاہ زر شمعون بھی چوہدری حشمت کے کمرے سے نکلتا نظر آیا۔ سمہان آفندی کا سامنا ہوا تو اس نے پُرجوش طریقے سے وش کرتے ہوئے' ہوا میں ہاتھ لہرا کر' دونوں کے ملن کا ڈنکا بجایا۔

''کہاں جارہے ہو؟'' شاہ زر شمعون نے اس کے فریش چہرے کی طرف نظر ڈالی۔
''صبح کا نکلا وہ ابھی لوٹا تھا مگر تھکن کا شائبہ تک نہیں تھا اس کے چہرے پہ' وہ اس وقت بھی ہنستا مسکراتا اس کے روبرو تھا۔
بڑوں سے شاہ زر شمعون ایک حد میں رہ کر ملتا تھا تو چھوٹے اس کے مزاج کے باعث خود ہی حد میں رہنے پہ مجبور تھے۔ اس کے سامنے کسی کی چوں کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ واحد سمہان آفندی تھا جو اس سے ایک ڈیڑھ سال ہی چھوٹا تھا مگر دونوں کی خوب بنتی تھی۔ شاہ زر شمعون' چوہدری حشمت کے بازوؤں جتنی اہمیت رکھتا تھا تو سمہان آفندی کو بھی ریڑھ کی ہڈی جیسی اہمیت حاصل تھی۔
چوہدری بخت اور چوہدری جہانگیر سالوں سے کراچی میں اپنی اپنی فیملی سمیت مقیم تھے۔ حویلی میں چوہدری فیروز تھے جنہیں جاگیرداری سے لگاؤ تو تھا مگر جب سے زمین جائیداد اور کھیتوں کی دیکھ بھال ایگری کلچر میں ماسٹرز کرنے والے ان کے بیٹے شاہ زر شمعون نے اپنے کندھوں پر لی تھی تب سے چوہدری حشمت کی ساتھ چوہدری فیروز کو بھی فراغت نصیب ہوئی تھی۔ وہ اکیلا ہی سب کچھ اتنی اچھی طرح مینج کر لیتا تھا کہ انہیں دخل دینے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔
دوسری طرف سمہان آفندی تھا' جو حویلی کا جن کہلاتا تھا۔ اس کے والد چوہدری اسفند حویلی کے سب سے چھوٹے بیٹے ہونے کے ساتھ بالکل بھی جاگیردارانہ مزاج نہیں رکھتے تھے۔ وہ آرکیٹیکٹ تھے اور اکثر دوروں پہ ہی شہر شہر گھومتے رہتے تھے لیکن سمہان آفندی میں دونوں کوالٹی تھی۔ وہ جاگیرداری بھی اچھی طرح ہینڈل کر لیتا تھا اور حویلی کے تمام ان ڈور اور آؤٹ ڈور کام بھی۔ سب کو اسی کا نام یاد رہتا تھا۔ وہ انجینئرنگ کے آخری سال میں تھا۔ ہر مسئلہ چٹکی بجا کر حل کر کے سب کو مخمصے میں ڈال دیتا تھا۔ جہاں شاہ زر شمعون کا غصہ' عجلت عود کر آتا وہیں اس کی دانائی سے دیے مشورے پہ وہ چپ بھی ہو جاتا تھا۔ جہاں اس کی اعلا وارفع' دانائی کی باتوں سے بات نا بنتی پھر وہاں شاہ زر شمعون کی گولی چلتی تھی۔
دلچسپ لیکن الگ الگ مزاج کے دو لوگ ایک دوسرے سے حسد و رقابت رکھنے کی بجائے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے جس پہ تمام ینگ جنریشن کو حیرت ہوتی تھی۔ سب کو سمہان آفندی کے لفظوں کے جال کا بھی پتا تھا وہ مقابل کو ایسے لپیٹ لیتا تھا کہ اگلا محبت میں جان بھی دے دے' اپنی اپنی انفرادیت کے بنا پہ دونوں پوتے چوہدری حشمت کی جان تھے۔
''ڈیڈ نے زمینیں دیکھنے کا کام سونپا تھا' اسی میں لگا ہوا تھا' ابھی لوٹا ہوں' غضب کی بھوک لگی ہے اس لیے ماما کو کہہ دیا تھا کھانا لگا دیں..... اب پیٹ پوجا کرنے جارہا ہوں۔'' سمہان آفندی نے تفصیل سے گوش گزار کیا۔
''میں بھی اسی مقصد سے اسی طرف جارہا ہوں' چلو ساتھ میں لنچ کرتے ہیں گو کہ لنچ کا ٹائم نہیں ہے۔'' شاہ زر شمعون نے کلائی میں بندھی قیمتی گھڑی میں وقت دیکھتے اس کے ساتھ قدم ملائے۔
''تم نے کیوں نہیں کیا لنچ؟'' سمہان کو حیرانگی ہوئی' وہ کھانے پینے کے معاملے میں ٹائم کا بڑا پابند تھا۔
''کھیتوں میں ٹائم لگ گیا' پھر دادا جان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔'' اس نے مصروفیت بتائی۔
''ابھی آتے ہوئے بڑی واہ واہ سنتا آرہا ہوں تمہاری' سنا ہے بڑی ہیرو والی پرفارمنس دی اپنے سلطان کے ساتھ۔'' انداز شرارتی تھا' شاہ زر شمعون ہنس دیا۔
ایسا منظر کم ہی دیکھنے میں آتے کہ وہ ہنس رہا ہو۔ ثنائیہ سمیت سب ہی کو حسرت رہی تھی کہ وہ ہنستا ہوا کیسا لگتا ہے۔
''میری جگہ تم ہوتے تو اس سے اچھی پرفارمنس دے سکتے تھے..... آئم شیور۔'' شاہ زر شمعون نے اس کا مان بڑھایا۔
''چھوڑو یار..... تیرے سامنے دال ہی نہیں گلتی۔'' سمہان آفندی نے مذاقاً کہا۔
''اب اتنا بھی جھوٹ نا بول۔'' شاہ زر شمعون نے گھرکا۔
دونوں ہنستے مسکراتے کچن کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے تھے۔ صغراں اور دیگر کچن کے ملازمین انہیں ایک ساتھ آتے دیکھ کر الرٹ ہو گئے۔ حویلی کے مرد حضرات کم ہی اس ڈائننگ ہال میں آتے تھے..... کھانا اور ناشتا مین ہال میں ہی لگتا تھا' جہاں سب اکھٹے ہی بڑی سے ڈائننگ میز پہ ایک ساتھ بیٹھتے تھے' ہاں سمہان آفندی اور شاہ زر شمعون کو وقت بے وقت

کھانے کا موقع ملتا تھا تو وہ دونوں اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کیا اکیلے کے لیے ملازموں کی دوڑیں لگوائیں' اسی لیے وہ دونوں اکثر کچن سے ملحق ہال میں ہی کھانا کھانا پسند کرتے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی صغراں جلدی جلدی کھانے کے لوازمات میز ہر رکھنے لگی۔

''آج تو بڑا اہتمام ہے صغرابی.....'' سمہان آفندی مینو دیکھ کے سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ شاہ زر شمعون بنا کچھ کہے اپنے مخصوص انداز میں خاموشی سے چیزیں پلیٹ میں نکالنے لگا۔

''جی کچھ چیزیں تو تیار تھیں اور کچھ ابھی تیار کی ہیں' شاہ کے ساتھ جو جائیں گی۔'' صغراں نے فروٹ سیلڈ کا باؤل رکھتے ہوئے اطلاع دی۔

''کہاں کی تیاری ہے؟' کولڈ ڈرنک اپنے گلاس میں انڈیلنے کے بعد سمہان آفندی اب اس کے گلاس میں بھی انڈیل رہا تھا۔ بھلے وہ اسے آپ جناب' بھائی نہیں کہتا تھا' بے تکلفی سے دوستوں کی طرح رہتا تھا مگر احترام ضرور کرتا تھا اور یہ احترام اس حویلی کا خاصا تھا۔

''کراچی.....'' شاہ زر شمعون نے مختصراً کہہ کر گلاس لبوں سے لگایا۔

''خیریت؟'' کباب کو فورک سے توڑتے وہ متجسس تھا۔

''شاہ زادی' ثنائیہ کو ڈراپ کرنے۔'' اس نے اتنے جلے بھنے لہجے میں کہا کہ سمہان آفندی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''ایسا کون سا لطیفہ سن لیا جو منہ پھاڑ کر ہنس رہے ہو۔'' عیشال اسی دم کچن میں داخل ہوئی تھی' دونوں کو خوشگوار موڈ کے ساتھ لنچ کرتے دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ ایسا منظر کم ہی دیکھنے کو ملتا تھا کہ حویلی کے دو تین مار خان ایک ساتھ نظر آئیں۔

''کیا چاہیے میم؟'' جینا نے مودب ہو کر پوچھا۔

''چائے پکانے آئی ہوں' اپنے ہاتھ کی چائے پینے کو دل چاہ رہا تھا۔'' عیشال نے کہتے ہوئے سائیڈ پر ہونے کا اشارہ کیا تو جینا مسکرا کر پیچھے ہٹ گئی کہ وہ اکثر اپنے لیے خود ہی چائے بناتی تھی۔ سمہان آفندی اسے دیکھتا رہ گیا۔

رات کے ساڑھے تین بجے کے بعد ابھی شام کو حویلی میں گھسا تو اس کی شکل دیکھنے کو نہیں ملی' جانے کہاں تھی اور اب کچن میں رونمائی ہوئی تھی۔ کتنے گھنٹوں بعد یہ چہرہ نظر آیا تھا' وہ گھنٹے' منٹ اور سیکنڈز بھی انگلیوں پہ گن کر بتا سکتا تھا۔

''صغراں بی' لوگوں سے کہیں اگر اچھی سی چائے پکا رہی ہیں تو میرے لیے بھی بنا دیں۔ دعائیں دوں گا۔'' اس نے وہیں سے اونچی آواز میں صغراں بی کو مخاطب کر کے کہا مقصد اسے سنانا تھا۔ وہ کوئی اچھا سا جواب دے کر منہ بند کرنا جانتی تھی مگر شاہ زر شمعون کی موجودگی محسوس کر کے اسے صبر کا کڑوا گھونٹ پینا پڑا..... اس کے تاثرات سے سمہان آفندی رج کے محظوظ ہوا۔ وہ اس کی کیفیت سے جان گیا تھا کہ ابھی شاہ زر شمعون نا ہوتا تو اسے کیسا تگڑا منہ توڑ جواب ملنا تھا۔

''میم..... سمہان صاحب.....''

''کہہ دیں اپنے سمہان صاحب سے بہری نہیں ہوں۔'' وہ زیادہ دیر تک پھر بھی ضبط نہیں کر سکی۔ صغراں نے پیغام دوبارہ نشر کرنا چاہا..... اس نے بھی اتنی تیز آواز سے کہا کہ وہ سن لے اور اس کے لبوں پہ محظوظ کن مسکراہٹ پھیل کر احساس دلا گئی کہ وہ فیض یاب ہو چکا ہے۔

''کیوں ستاتے ہو اسے؟'' شاہ زر شمعون نے دھیمی آواز میں گھرکا۔

''اس کی شکل ایسی ہے ہر وقت لڑنے مرنے کو تیار قنوطی ہو جاتی ہے بول کر بھڑاس نکال لیتی ہے' نا بولے تو شاید گھٹ کے مر جائے.....'' سمہان آفندی نے بظاہر مسکرا کر لیکن سنجیدگی سے جواب دیا تھا' شاہ زر شمعون نے اتفاق کرنے والے لہجے میں سر ہلایا۔

''کہہ تو ٹھیک رہے ہو' بہت ظلم ہوا اس کے ساتھ' بہت محرومی آئی ہے اس کے نصیب میں۔'' شاہ زر شمعون بھی جملہ جوڑ گیا۔ ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ وہ حویلی کی کسی لڑکی کو یوں ڈسکس کر رہے ہوں جو دونوں کی ہی کزن تھی' ایک تو عیشال کے ساتھ

سب کی ہمدردی تھی دوسرے دونوں میں دوستی بھی بہت تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ دونوں ہی حویلی کی عورتوں سمیت تمام عورتوں کی عزت کرتے تھے۔ کوکنگ رینج اور ڈائننگ میز کے درمیان کافی فاصلہ تھا' تب ہی ان کی سرگوشی میں کی گئی گفتگو عیشال اور باقی سب تک نہیں پہنچ سکیں تھی۔

''ویرے..... آپ کو بھی دوں چائے پئیں گے؟'' ان کی دھیمی سرگوشی سے بے نیاز عیشال نے اونچی آواز میں شاہ زر شمعون سے پوچھا سمہان آفندی تو منہ پھٹ تھا' خود کہہ گیا تھا' ایسے میں اس سے ناپوچھتی تو بداخلاقی ہوتی۔

''دے دو تو مہربانی ہوگی۔'' شاہ زر شمعون نرم لہجے میں بولا کہ اکثر وہ اس کے ساتھ نرمی برت جاتا تھا۔ وہ حویلی میں جتنی تنہا نظر آتی تھی اس کی کوشش ہوتی تھی اپنی سگی بہنوں کی طرح اس کی بھی فکر کرے۔

''جی.....'' وہ مطمئن ہو کر کھولتے پانی میں پتی ڈالنے لگی۔

''دیکھ لو برو' ڈیڑھ سال چھوٹا ہوں تم سے..... تمہیں آپ کہہ کر عزت دی جاتی ہے' ویرے کہہ کر پکارا جاتا ہے' ایک ہم ہیں..... تم اور تو جس کا مقدر ہے۔'' سمہان آفندی نے ٹھنڈی آہ بھرتے جیسے رونا رویا..... عیشال چلبلا کے رہ گئی' کیسا شمعون کے سامنے پکڑا تھا اس نے۔

''کیوں بھئی عیشال.....؟'' شاہ زر شمعون کو بھی حیرانی ہوئی تھی۔ وہ کم ہی کسی کے سامنے سمہان آفندی سے مخاطب ہوتی تھی۔ علاوہ لڑکیوں کے ہر کوئی اس کی توتڑاک سے ناآشنا تھا۔

''وہ..... ویرے.....!'' عیشال سمہان آفندی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے انگلیاں مروڑنے لگی۔

''کہہ دو' آپ جناب کے لائق بھی تو بندہ ہو۔'' اس کے دل کی بات خود سمہان آفندی نے کہہ کر اسے مشکل سے نکالا تھا۔ وہ جتاتی ہوئی نظر ڈال کر رہ گئی۔

''یہ فتویٰ بھی تم نے خود دیا ہے' اب اس کے لیے بھی اس بے چاری کو الزام نا دینا۔'' شاہ زر شمعون کے احساس دلانے پہ وہ مسکرایا۔

''عیشال..... کراچی جا رہا ہوں' کوئی پیغام بھیجنا ہے چچا جہانگیر کے نام تو دے دو۔'' شاہ زر شمعون کھانے سے فارغ ہو چکا تھا۔

چوہدری جہانگیر کے نام پہ اس کے چہرے پہ مردنی سی چھائی تھی۔ دونوں سے رخ موڑے چائے مگ میں ڈال رہی تھی۔

''جو لوگ آپ کے وجود سے ہی لاعلم ہوں' بھولے بیٹھے ہوں' جن کے نزدیک آپ کا ہونا نا ہونا کوئی معنی نا رکھتا ہو' ان لوگوں کو بار بار اپنی موجودگی کا احساس دلانے کا کیا فائدہ' ایسے بے خبروں کو کوئی کیا پیغام بھیجے گا ویرے۔'' دونوں کے آگے چائے کے مگ رکھ کر وہ تیزی سے کچن سے نکل گئی۔ آنکھیں بھر آئی تھیں' درد آنسوؤں کی شکل میں بہنے لگا تھا۔ جنہیں سب سے چھپانے کے لیے وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

''غلطی کسی کی' سزا کسی کی' بھگت یہ چھوٹی سی لڑکی رہی ہے۔'' شاہ زر شمعون نے دکھ سے کہا' اس کی انصاف پسند طبیعت اکثر عیشال کے معاملے پہ بے چین ہو جاتی تھی۔

سمہان آفندی کی ساری شوخی ہوا ہو گئی اس کی نظر شیف پہ رکھے مگ پہ جمی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی چائے وہیں چھوڑ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

''ایشان جاہ..... کیسا ہوا ٹیسٹ؟'' ٹیسٹ کا ٹائم ختم ہو چکا تھا' امیدوار اپنے اپنے پرچے جمع کروا کر روم سے نکل رہے تھے۔ جب عزیر نے ہانک لگائی۔

ایشان جان ٹی شرٹ میں انکا' گلاسز نکال کر آنکھوں پہ چڑھا گیا تھا۔ صحت مند چہرے کی سرخی' ہاتھوں میں موجود آئی فون' انگلی میں جھولتی مرسڈیز کی کی چین' برانڈڈ بلو جینز اور ٹی شرٹ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کس کلاس سے تھا۔

''سپر ب.....'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے اردگرد کئی لڑکے اور ایک لڑکی آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ سب کچھ اس

انداز سے آ کھڑے ہوئے تھے کہ نکلنے کا راستہ بلاک ہوگیا تھا۔
ماورا بھی ٹیسٹ سے فری ہوکر اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔ ان سب کی پُر جوش آواز پہ اس نے ایک نظر ان کے گروپ پہ ڈالی۔ چلتی پھرتی برانڈ کا مرقع بنے شخص کی پشت اس کی طرف تھی۔
''یعنی لسٹ کے ٹاپ تھری میں تمہارا نام آنے والا ہے؟'' کسی نے اسے چڑھایا۔
''نو ڈاؤٹ اباؤٹ اٹ لیکن ٹاپ تھری.....؟ نو مائے ڈیئر ٹاپ آف دالسٹ میرا ہی نام آئے گا۔'' اس نے غرور سے اکڑتے ہوئے کہا۔ ابھی ابھی سب ٹیسٹ سے فری ہوئے تھے اور سب نے رزلٹ کی پیشن گوئی بھی شروع کردی تھی۔ ماورا نے ان کی آوازوں سے سر جھٹک کر چیزیں بیگ میں منتقل کرنے کا کام انجام دیا۔
''اور جو ایسا نا ہوسکا؟'' ان میں سے ایک نے ڈرانا چاہا۔
''یار..... آج کل لڑکیاں ہر فیلڈ میں ٹاپ پہ ہیں اور ایم بی اے تو لڑکیوں کا کریز بن چکا ہے۔ اتنی خبطی' پڑھاکو ہوتی ہیں کہ مجھے تو ڈر ہے ٹاپ تھری میں اس بار لڑکیاں ہی بازی نا مار جائیں۔'' دوسرے نے خدشہ ظاہر کیا۔
''مڈل کلاس لڑکیوں کو بڑا تیر مارنے کا شوق ہوتا ہے۔ بے چاریوں کو ایک ہی آس ہوتی ہے کہ پڑھ لکھ کر ڈگری لیں اور اچھی سی جاب مل جائے جسے کر کے وہ اپنے حالات سدھار لیں..... پاگل لوگ..... فضول کلاس.....'' وہ حد درجہ استہزائیہ انداز میں گویا تھا۔
سب ہی آگاہ تھے کہ وہ بگڑا رئیس زادہ مڈل کلاس سے کس قدر چڑتا تھا۔ اس کے تجزیے پہ ماورا بری طرح چونکی۔ اس کے لہجے میں استہزا کا رنگ دیکھ کر اسے غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کرگئی۔ اب اس کے گروپ نے واک شروع کردی تھی۔ سب اس طرح لائن بنا کر چل رہے تھے کہ کاریڈور بزی ہوگیا تھا' پیچھے آنے والے کو آگے نکلنے کا راستہ ملنا مشکل تھا۔ ماورا ابھی کلاس سے نکل آئی تھی مگر ان کے گروپ کے خراماں خراماں چہل قدمی سے اس کی چال سست ہوگئی تھی۔
''عجیب لوگ ہیں مڈل کلاس کے باہر نکلنے کے اتنے شوقین مگر گھر سے باہر نکلتے وقت پھٹ پھٹی بائیک چلانے سے پہلے اس کی مینٹین چیک نہیں کرتے۔ اکثر تو ان کی بائیک کا پیٹرول ہی ختم ہوجاتا ہے' بیوی بچہ کندھے سے لگائے پیچھے پیچھے چل رہی ہوتی ہے اور میاں بائیک کو گھسیٹتا پیٹرول پمپ ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ اکثر ہی یہ منظر سڑک پہ دیکھنے کو ملتا ہے۔'' ایشان جاہ اپنے مشاہدے کی روشنی میں بول رہا تھا' اس کی بات کے اختتام پہ گروپ نے قہقہہ لگانا ضروری سمجھا۔
''سو فیصد درست۔'' کسی نے داد دی۔
ان کے پیچھے بحالت مجبوری سست قدموں سے چلتی ماورا کا ان کی بکواس پہ خون کھولنے لگا تھا۔ وہ ان کی فضول گوئی سے مستفید ہونے کا کوئی شوق نہیں رکھتی تھی مگر وہ سب یوں چیونٹی کی رفتار سے لائن میں چل رہے تھے کہ ماورا کی سماعت تک ساری باتیں پہنچ رہی تھیں۔
''مڈل کلاس کے لیے اتنا بغض اور جو کسی مڈل کلاس نے تجھ سے بازی لے لی' پھر کیا کرے گا؟'' عزیر نے دھیان واپس ٹیسٹ رزلٹ کی طرف لگایا۔
''کلاس میں لڑکیاں تو بہت ہی کم تھیں' ان میں سے کوئی مڈل کلاس سے تھی کیا؟'' ان کے گروپ کی اکلوتی لڑکی انشراح نے سوال اٹھایا۔ وہ بھی حلیے سے بروکن فیملی سے ہی لگ رہی تھی۔
''میں نے تو اتنا دھیان نہیں دیا' کوئی مڈل کلاس کی ٹاپر ہی کیوں ناں ہو مجھ سے آگے نہیں نکل سکے گی..... میں ایشان جاہ ہوں اور مجھے ہارنا ان دو ٹکے کی لڑکیوں کے بس کی بات نہیں۔'' ایشان جاہ کی لمٹ کو کراس کرتی بکواس نے ماورا کو سرتاپیر سلگا دیا تھا۔ اس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔
''ایکسکیوزمی گائز۔'' اس کی آواز غصے سے کچھ زیادہ ہی اونچی ہوگئی تھی۔ تب ہی ان سب کے قدم بے ساختہ رکے تھے اور سب کی مڑی گردن اس بات کا ثبوت تھی کہ اس کی آواز میں غیر معمولی پن نمایاں تھا۔ آسائشوں اور دولت میں کھیلنے والوں کے ایک ایک ممبر نے سر سے پاؤں تک اس پہ نظر ڈالی' اس کی معمولی چپل' اس کے پھیکے رنگوں والا سوٹ..... بس کہیں

چمک تھی تو چہرے پہ..... رنگ تھے تو آنکھوں میں..... وہ بھی غصے کے' سب اس پہ نظر جمائے کھڑے تھے' ماورا غصے کے تاثرات لیے پُراعتماد ان سب کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔

''یہ آپ سب کا پارک نہیں ہے جس میں آپ سب پچھلے سات منٹ سے چیونٹی کی رفتار سے واک کرنے میں لگے ہوئے ہیں' پیچھے آنے والوں کا راستہ بلاک کر کے..... آپ سب کو بھلے جلدی نا ہو' مگر دوسروں کو ہے۔'' وہ غصے سے گویا ہوئی۔

سب نے اچنبھے سے اس کی جرأت کو دیکھا' ایشان جاہ نے آنکھوں پہ چڑھا گلاسز انگلیوں کی مدد سے سر پہ منتقل کیا۔

''ایکسکیوزمی!'' وہ ان سب پہ ایک سخت نظر ڈال کر ترش لہجے میں کہہ کر عزیر کو راستہ دینے کا اشارہ کر رہی تھی۔ عزیر نے سرعت سے لائن توڑی تھی اور وہ رخ موڑ کر تیزی سے ان سب کے بیچ سے نکل گئی تھی۔ کچھ اس طرح کہ کسی سے بچ نا ہو سکے۔

''اوہنہ' کون تھی یہ تیکھی مرچ؟'' اس کے جانے کے بعد سہیل کی زبان میں سب سے پہلے کھجلی ہوئی۔

''آئے تھنک یہ ہمارے ساتھ ٹیسٹ دے رہی تھی۔'' انشراح نے ذہن پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

''لو تم نے مڈل کلاس کو یاد کیا اور محترمہ آ بھی گئیں سامنے۔ چہرے اور کپڑوں سے تو پکی کچی آبادی والی لگ رہی تھی۔'' سعید نے بھی لب کشائی کی۔ ایشان جاہ کی نظریں دور جاتی ماورا پہ تھیں' جو دائیں طرف مڑ کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

''اب دیکھتے رہو' اس وقت تو کچھ بولا نہیں گیا' جب محترمہ آگ بگولا ہو رہی تھیں۔'' عزیر نے ایشان جاہ کو رگیدا۔ اس کے تیور سنجیدہ ہو گئے تھے۔

''تم نے کون سا تیر مار لیا.....؟ اس کے اشارہ کرتے ہی دیوار سے لگ گئے۔'' سعید نے عزیر کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''ہاں تو' اتنے غصے میں تھی' تم سب تو اسے دیکھنے میں مصروف تھے اور جو وہ مجھے کچلتی گزر جاتی پھر.....'' عزیر نے معصوم بنتے ہوئے کہا تو سب فہمائشی نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

''اکڑ کتنی تھی اس میں' زبان تو ہوتی ہی لمبی ہے مڈل کلاس لڑکیوں کی۔'' انشراح نے بھی ناگواری سے کہہ کر منہ بنایا۔

''تم کیوں چپ ہو' تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا؟'' سعید نے ایشان جاہ کی خاموشی پہ چوٹ کی۔

''یہ خود کو بادشاہ اکبر سمجھ کر محترمہ کو انارکلی کی طرح دیوار میں چنوانے کا سوچ رہا ہے۔'' سہیل جو اس کا مزاج آشنا تھا قیاس کیا۔ سب ہنسنے لگے۔

ایشان جاہ کو ماورا کا انداز نہیں بھول رہا تھا۔ اتنی اکڑ' اتنی رعونت اور کتنے غصے سے وہ اسے مخاطب کر گئی تھی۔ اور یہی اسے اپنی شان کے خلاف لگا تھا کہ کوئی اس سے اونچے سروں میں بات کر کے چلا جائے اور وہ منہ دیکھتا رہ جائے۔ اس کی سلگتی نظریں انہیں راہوں پہ جمی تھیں جن سے گزر کر وہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

''بی جان..... رات کے کھانے کے لیے مینو بتا دیں' کچھ سمجھ نہیں آ رہا کیا پکواؤں..... آپ کہیں تو گوبھی پالک گوشت پکوالوں؟'' فائزہ حویلی کی بڑی بہو چوہدری فیروز کی بیوی تھیں۔ زمرد بیگم کے بعد حویلی میں کچن کے امور پہ ان کی ہی حکمرانی میں کھانے تیار ہوتے تھے۔ جن میں وہ اکثر سب سے چھوٹی دیورانی فریال کو بھی شامل کر لیتی تھیں۔ ان کی یہی دانائی حویلی کو دیورانی اور جٹھانی کی چپقلش سے دور رکھتی تھی۔

یوں تو حویلی کی چار بہوئیں تھیں مگر دو کراچی میں مقیم تھیں۔ حویلی میں بس فریال اور فائزہ ہی ہوتی تھیں اور ان کی اولادیں اس وقت شام کی چائے سے فراغت کا وقت تھا' جب فائزہ نے رات کے مینو کے لیے استفسار کیا تا کہ وہ تیاری شروع کروا سکیں۔ ہال میں زمرد بیگم اپنے مخصوص انداز میں تسبیح لیے بیٹھی تھیں۔ لڑکیاں اپنے اپنے کاموں میں مگن تھیں' کوئی ایل ای ڈی روشن کیے اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھ رہی تھی تو کوئی نیٹ پہ بزی تھی۔ کوئی اسائنمنٹ کی تیاری میں جتی ہوئی تھی۔

فریال بھی اس وقت ہال میں داخل ہوئی تھیں۔
''بھابی جان' صغراں مینو پوچھ رہی ہے۔'' فریال کچن سے پیغام لے کر آئیں۔
''یہی مسئلہ لیے تو میں بی جان کے پاس آئی ہوں۔ روز روز کیا پکاؤں یہ بھی ایک الگ دردسر ہے۔'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو فریال نے بھی ٹکڑا لگایا۔
''دردسر' مہم کہیں بھابی جان۔'' وہ مسکرا کر زمرد بیگم کے قریب ہی ٹک گئیں۔
''چچی جان آپ پہ بھی سمہان بھائی کا رنگ چڑھتا جا رہا ہے' ہر بات کا برمحل جواب دیتی ہیں۔'' یمنیٰ' فریال کی جملے بازی سے بے حد محظوظ ہوئی تھی۔ اس وقت بھی بے ساختہ سراہ گئی۔
''کیوں نہیں ہوگا لڑکی' مگر تم جملہ الٹا بول گئیں' اس پہ میرا اثر ہے' آخر کو ماں جو ہوں اس کی۔'' فریال نے مزا لیتے ہوئے تصحیح کی۔
''اگر جو آپ کسی کو نا بتائیں تو کوئی یقین نا کرے کہ آپ سمہان کی ماں ہیں۔ بہت چھوٹی لگتی ہیں چچی جان۔'' ندا نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
''لڑکیوں اب چڑھانے کی نہیں ہو رہی' تمہارے چچا جان نے سن لیا تو خوب مذاق اڑائیں گے' کل ہی کہہ رہے تھے ابھی تک سولہ سالہ لڑکیوں کی طرح کدکڑے لگاتی ہو' داماد اور بہو لانے کی عمر میں..... فقط اتنا جرم ہوا مجھ سے' انہوں نے پانی مانگا اور میں دوڑ کر لے آئی۔'' فریال نے منہ بسورتے ہوئے کہا تو لڑکیاں ان کے دلچسپ انداز بیاں پہ ہنس دیں..... مگر دھیمی آواز سے کہ حویلی میں اونچی ہنسی کی اجازت نا تھی۔
''ہاں تو اتنی تیز رفتاری دکھانے کی تمہیں ضرورت کیا تھی میرے دیور کو؟'' فائزہ نے بھی محظوظ ہوتے ہوئے خبر لی۔
''وہ کیا ہے ناں بھابی جان' بی جان نے ایک بار کہا تھا کہ میاں کے منہ سے بات نکلنے سے پہلے ہی وہ حکم بجالاؤ..... وہ تو جب پانی کا گلاس دوڑ کر لے آئی تو آپ کے دیور نے سر پہ ہاتھ مار کر کہا..... 'نیک بخت پہلے پوری بات تو سن لیتیں پانی لینے دوڑ لگا دی' میں پوچھ رہا تھا پانی آ رہا ہے شاور میں؟''
''توبہ ہے۔'' زمرد بیگم بھی مسکرائے بنا نا رہ سکیں۔ لڑکیوں کی ہنسی بے ساختہ تھی۔
''تسی کمال ہو چچی جان۔'' شاذمہ نے بھی سراہا..... فریال مسکرا کر شانے اچکا گئیں۔
''تمہاری بریکنگ نیوز میں تو مینو کا معاملہ ہی دب گیا۔'' فائزہ کو اپنا دکھڑا یاد آیا۔
''بتائیں بی جان..... پھر پکوالوں گوبھی پالک گوشت؟'' فائزہ پھر زمرد بیگم کے سر ہوئیں۔
''پالک اور گوبھی زود ہضم سبزیاں ہیں' رات کو نا پکواؤ تو اچھا ہے۔ کل دن میں پکوالینا' ابھی مکس سبزی پکوالو' لیکن سبزیوں کا انتخاب دیکھ کر کرنا۔''
''بہتر۔'' فائزہ نے بھی اتفاقیہ انداز میں سر ہلایا۔
''ساتھ بھنا بکرا بنوالو اور مچھلی فرائی کروالو..... کسی کا منہ نہیں بنے گا کھانے پہ۔'' زمرد بیگم نے مینو گوش گزار کر دیا۔
''ٹھیک کہہ رہی ہیں بی جان' کسی کو بکرا نہیں کھانا تو کسی کو مچھلی کی یاد آتی ہے۔'' فریال نے بھی تائید کی۔ فائزہ نے بھی شکر کی سانس لیا کہ مسئلہ حل ہوا۔
''ویسے بھی شاہ تو ہوگا نہیں ڈنر پہ اسی کے بڑے نخرے ہوتے ہیں۔'' فائزہ مطمئن تھیں۔
''کہاں جا رہے ہیں شاہ بھابی جان؟ اور یہ عیشال اور شنائیہ نظر نہیں آ رہیں؟'' فریال نے سوال کے ساتھ دونوں کی غیر موجودگی محسوس کی۔ ان کا خیال تھا وہ کوئی چائنیز ڈش بنوانے کا بھی مشورہ دے دیں' شنائیہ کو دیسی کھانے ذرا کم ہی پسند آتے تھے۔
''اوکے گائز..... میں جا رہی ہوں۔'' اس سے پہلے کہ فائزہ کوئی جواب دیتیں' شنائیہ اپنا بیگ اٹھائے ہال میں داخل ہوئی۔ سب ہی اسے دیکھنے لگیں۔

''بالآخر مقدمہ جیت ہی گئیں۔'' زرش واقف تھی کہ وہ جانے کے سلسلے میں چوہدری حشمت سے بات کرنے گئی تھی اور اب واپسی کی نوید سنا رہی تھی۔

''جا رہی ہو کس کے ساتھ؟ رکتیں نا کچھ دن مزید۔'' فریال اسے گلے لگائے اصرار کر رہی تھیں۔

''شاہ زر شمعون اسے کراچی چھوڑنے جا رہا ہے' فریال تم ذرا صغراں سے پوچھو' اسے میں نے جو چیزیں تیار کرنے کی ہدایت کی تھی اس نے شاہ زر شمعون کی گاڑی میں رکھوا دیں؟'' زمرد بیگم اطلاع دے کر انہیں ذمہ داری بھی سونپ گئیں تو وہ سر ہلا کر کچن کی طرف چل دیں۔

لڑکیاں اس کے اتنی جلدی جانے پہ گلے شکوے کر رہی تھیں۔ بلاشبہ ان سب سے اس کی بے حد دوستی تھی مگر یہاں کا ماحول اسے زیادہ دیر ان کے ساتھ رہنے نہیں دیتا تھا۔

''تم سب آؤ جلدی سے کراچی پھر مل کر بہت مزا کریں گے۔'' وہ سب کو دعوت دے رہی تھی۔

''داجان کہاں ہمیں حویلی سے باہر رکنے کی اجازت دیتے ہیں۔'' شازمہ نے منہ بنایا۔

حویلی کی دو اہم ہستیاں اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ کراچی میں مقیم تھیں مگر اس کے باوجود ان سب کا کم ہی چکر لگتا تھا۔ دو تین دن رکنا تو دور کی بات' ان سب کا وہاں کے ہوٹلز اور تفریحی مقامات کا سن کر جی چاہتا تھا کہ وہ بھی انجوائے کریں مگر حویلی کی عورتوں کو بلاضرورت باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔

''بات تو کر کے دیکھو..... کیوں نہیں دیں گے اجازت داجان..... کسی غیر کا گھر تھوڑی ہے..... دونوں چاچوؤں کا گھر ہے وہاں..... کبھی ہمارے ہاں رکو' کبھی جہانگیر چچا جان کی طرف.....'' وہ پُرجوش انداز سے سب کو سمجھا رہی تھی۔

''بی بی جی' شاہ زر شمعون کہہ رہے ہیں اگر آپ دو منٹ میں آ کر نہیں بیٹھیں تو وہ گاڑی کو لاک کر دیں گے اور ڈراپ کرنے بھی نہیں جائیں گے۔'' شنائیہ سب سے باتیں بگھار رہی تھی جب چوکیدار نے آ کر من وعن پیغام پہنچایا۔ وہ یقیناً گاڑی میں بیٹھا اس کا منتظر تھا۔

''یہ شاہ بھی ناں۔'' ندا کے ساتھ یہی پیغام سن کر سب ہی ہنسیں تھیں۔ وہ سب کے سامنے پھیکی سی پڑ گئی۔

''جاؤ بیٹا' ویسے بھی اندھیرا پھیلنے والا ہے' کیا ہی اچھا ہوتا جو تم کل صبح ہی نکلتیں۔ خیران کا حکم ہے' جاؤ۔'' زمرد بیگم اس کے سر پہ ہاتھ پھیر گئیں تو وہ بھی جلدی سے فائزہ کی طرف مڑی۔

سب اسے چھوڑنے قافلے کی صورت میں پارکنگ ایریا تک آئے تھے۔ ملازم نے اس کا سامان پہلے ہی گاڑی میں رکھ دیا تھا۔ شاہ زر شمعون لینڈ کروزر کی ڈرائیونگ سیٹ پہ براجمان غالباً غصے میں تھا۔ سمہان آفندی بھی پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔

''ہائے سمہان' تھینکس فار یور کمپنی۔'' شنائیہ بے ساختہ اسے کہہ گئی۔

''کمپنی اتنی اچھی لگتی تو آپ اتنی جلدی جانے کا فیصلہ کہاں کرتیں۔'' سمہان آفندی نے جیسے چڑایا۔

''آپ ہوتے کب ہیں حویلی میں حضور' آپ کے تو دورے ہی ختم نہیں ہوتے۔'' شنائیہ اس کی ہم عمر ہی تھی دونوں میں دوستی بھی خوب تھی۔ سمہان آفندی اس گلے پہ مسکرا کے رہ گیا کہ ایسا تو واقعی تھا' وہ سچ ہی کہہ رہی تھی۔

''عیشال کہاں ہے' اسے تو اللہ حافظ کہہ دوں۔'' شنائیہ نے متلاشی نظروں سے سب کے چہرے دیکھے..... سمہان آفندی نے آتے ہی ایک نظر میں جانچ لیا تھا کہ کیا مسنگ ہے۔

''جانے وہ کہاں ہے' دیر ہو جائے گی۔ تم بیٹھ جاؤ گاڑی میں۔'' فائزہ شاہ زر شمعون کے تیور دیکھ رہی تھیں جو شاید چوہدری حشمت اور سب کی موجودگی کے باعث خود پہ ضبط کر رہا تھا۔

''شاہ..... جہانگیر کی طرف بھی چکر لگا لینا..... اسے کہنا جلدی آ کر شکل دکھا جایا کرے' ایسی بھی کیا لاتعلقی۔'' فائزہ کی ہدایت پہ شنائیہ جھٹ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی تو شاہ زر شمعون گاڑی سے اتر کر چوہدری حشمت تک آیا۔ چوہدری حشمت کے لہجے کا دکھ شاہ زر شمعون کو ہمیشہ ہی محسوس ہوتا تھا' جو صرف چوہدری جہانگیر کے لیے تھا۔

''جی بہتر داجان' کہہ دوں گا۔'' وہ سعادت مند سے بولا۔

''دعائیں پڑھ کر سفر کا آغاز کرنا۔'' فائزہ ماں ہونے کے ناتے طویل سفر پہ متفکر تھیں۔ زمرد بیگم دعائیں پڑھ رہی تھیں جب اس نے ان کے آگے سر جھکایا تو اس پہ پھونکیں مار کر وہ دعائیں دینے لگیں۔

''رب کی امان میں۔''

''او کے برو طویل سفر ہے' کیپ آن بچ۔'' سمہان آفندی گویا ہوا۔ وہ مسکرا کر ڈرائیونگ سیٹ پہ آ بیٹھا۔

ملازم پہلے ہی کھانے پینے کی چیزوں اور تحفے تحائف سے گاڑی کو بھر چکے تھے۔ حویلی سے کوئی خالی ہاتھ جائے یہ حویلی کی روایت نہیں تھی۔

''بائے' ایوری ون' بائے بائے.....'' گاڑی گیٹ سے نکل رہی تھی جب شنائیہ سب کو الوداعی ہاتھ ہلا رہی تھی۔ شاہ زر شمعون بری طرح جل گیا۔

''اگر اتنا ہی افسوس ہو رہا ہے انہیں چھوڑ کر جانے کا تو گاڑی واپس اندر لے لیتا ہوں۔'' وہ پہلے ہی قافلے کی صورت میں اسے آتے دیکھ کر سلگ گیا تھا۔ اب بھی اس کا انداز اسے آگ لگا گیا تو وہ چپ نا رہ سکا اور شنائیہ دبک سی گئی کہ کہیں وہ گاڑی اندر ہی نا لے جائے۔ بائے کے لیے لہراتا ہاتھ اس نے مرے مرے انداز میں نیچے کر لیا۔ گاڑی گیٹ سے نکل گئی اور اپنے سفر پہ زن سے گامزن ہو گئی تھی۔ خطرناک حد تک انتہائی اسپیڈ پہ شنائیہ نے بے چارگی سے اس کی طرف ڈرتے ڈرتے دیکھا پھر نظریں سڑک پہ جما دیں' دعا گو تھی کہ وہ صحیح سلامت گھر پہنچ جائے۔

گاڑی نکلنے کے بعد سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ زرگل خان گیٹ بند کر رہا تھا۔ سمہان آفندی نے نچلا لب دانتوں تلے دباتے طائرانہ نگاہ چھت سے لے کر لان تک ڈالی' اسے خبر تھی وہ اس وقت کہاں ہو گی۔

☆.....☆.....☆

محبت کے بنا دنیا کے رنگ پھیکے ہیں۔ دنیا کو وجود میں لایا ہی اس لیے گیا تھا کہ آدم و حوا ایسی زندگی گزاریں جیسی کبھی کسی نے ناگزاری ہو۔ یہ محبت ہی تھی جو خالق حقیقی نے دنیا بنانے سے کئی برس قبل اپنے محبوب کو نور کی شکل میں اتار رکھا تھا۔

یہ محبت ہی ہے جو دنیاوی رشتے سے بندھ کر ہمیں وجود کی شکل دیتی ہے..... یہ محبت ہی ہے جسے فنا نہیں..... لیکن ضروری تو نہیں' ہر وجود ہی محبت کی تکمیل سے وجود میں آیا ہو کچھ مجھ جیسے بھی تو ہوتے ہیں جو نجانے کس لمحے کی گرفت میں آ کر نمو پا جاتے ہیں۔ بس فرق ہے تو اتنا کہ مجھے حلال کا سرٹیفکیٹ ملا ہوا ہے' ایک معتبر حوالہ میری ذات کے ساتھ ہے اگر یہ معتبر حوالہ بھی ساتھ نا ہوتا تو میں کیا کر لیتی۔

''ہونہہ معتبر حوالہ.....'' اس نے نفرت سے سر جھٹکا۔

ملک کے موسٹ پاپولر ان کاؤنٹر اسپیشلسٹ کی بیٹی جس کے ارمانوں' خواہشوں' خوشیوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا تھا' جس کے احساسات و جذبات کو محسوس کیے بنا مٹا دیا گیا تھا جس کا ہونا نا ہونا کسی کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

شاہ زر شمعون کے لینڈ کروزر کی آواز اس تک آئی تھی اسے احساس ہوا تھا کہ شنائیہ جا رہی ہے مگر کسی نے اسے بلانے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی' کسی کو اس کی کمی محسوس کب ہوتی تھی' خود ترسی کی انتہا کو چھوتی عیشال کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

''خبر تھی روتی دھوتی شکل والی یہاں بیٹھی جھولا جھولتی ٹسوے بہا رہی ہو گی۔'' وہ چھت پہ اپنے مخصوص جھولے پہ جھولتی رونے کا اہم فریضہ انجام دے رہی تھی۔ اس اچانک آواز پہ وہ بری طرح ڈر گئی' آواز کی سمت گردن گھمائی تو جھولے کی راڈ سے دایاں شولڈر ٹکائے سمہان آفندی کی فہمائشی نظریں خود پہ محسوس کر کے وہ ذرا سا رخ موڑ کر اپنے آنسو رخساروں سے صاف کرنے لگی۔

''کیوں آئے ہو تم یہاں؟'' اس نے اپنی تنہائی میں دخل اندازی کرنے پہ ناگواری کا اظہار کیا۔

''تم اتنی دیر سے نظر نہیں آ رہی تھیں اس لیے۔'' عیشال نے چونک کر اسے دیکھا' وہ کیا کہہ گیا تھا۔

''سب ہی شنائیہ کو سی آف کر رہے تھے' ایک تم ہی نہیں تھیں تو فکر ہوئی کہیں پنکھے میں پھندا ڈال کر لٹک تو نہیں گئیں۔ اسی لیے تلاش میں چلا آیا۔''

''عیشال اتنی بزدل نہیں ہے' نا ہی اتنی کمزور کہ اتنی بودی حرکتیں کرتی پھرے اور کوئی جائے یا آئے میری بلا سے' کون سا شنائیہ پہلی بار آئی یا گئی ہے۔'' حقیقت یہی تھی کہ سمہان آفندی کو اس کی زود رنج طبیعت کی وجہ سے ہر وقت اس کی طرف سے دھڑکا ہی لگا رہتا تھا۔ اسی خدشے کے پیش نظر وہ پھندے والی بات کہہ گیا' مگر اس کے جواب پہ اسے گونا گوسکون ملا تھا۔

''شنائیہ جی پوچھ رہی تھیں تمہارا۔'' اس نے موڈ چینج کرنا چاہا۔

''تو تم بتا دیتے میرے بارے میں شنائیہ جی کو۔'' اسے گھورتے ہوئے اس نے ''جی'' پہ زور دے کر کہا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

''کیوں مرچیں چباتی رہتی ہو ہر وقت..... شنائیہ جی سے کوئی لڑائی ہے کیا؟'' وہ ہمدرد بنا پوچھ رہا تھا۔

''مجھے کیوں ہونے لگی۔'' وہ صاف مکر گئی۔

''تو باقی سب کی طرح اچھے سے کیوں نہیں ملتیں؟'' جرح کی۔

''تم جو میرے بدلے اچھے سے یہ کام کر لیتے ہو..... سب سے اچھے سے مل کے۔'' اس نے جل کے سنائی۔

''میرا خیال ہے تمہیں کراچی والوں سے کوئی خاص دشمنی ہے اگر تمہیں خبر ہو کہ یہ ہوا ابھی کراچی سے ہو کر آئی ہے تو شاید تم کبھی اس ہوا میں سانس بھی نا لو۔'' سمہان آفندی اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ کر اسے چڑا گیا۔

''آپ یہاں سے تشریف لے جا سکتے ہیں۔'' اس کا منہ بن گیا۔ واضح اشارہ تھا وہ اس موضوع پہ اس وقت کسی سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔

''تمہیں تو خبر ہے سمہان آفندی صرف بڑوں کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔'' وہ مسکرا کر اسے چڑا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے تم یہاں بیٹھو میں ہی چلی جاتی ہوں۔'' عیشال کا یہاں سے جانے کا موڈ نہیں تھا۔

کمرے کے علاوہ یہ واحد اس کی دل پسند جگہ تھی جس میں اپنی تنہائی کے ساتھ وقت گزارنے کی عادت برسوں پرانی تھی۔ جب چھوٹی تھی اس وقت بھی سب کے سامنے آنسو آ جاتے' دل دکھی ہو جاتا تو وہ بھاگ کر اسی جھولے پہ آ کر اپنے آنسو بہاتی تھی کہ سب روتا دیکھ کر اسے گندی بچی نا کہہ سکیں۔ وہ بچپن سے ہی اپنی ذات کے حوالے سے بہت کانشس رہی تھی۔ اپنی ذات پہ کسی کا ایک فقرہ بھی اسے گھنٹوں سوچنے پہ مجبور کر جاتا تھا۔

''جتنا تم خود کو دکھی پوز کرتی ہو ناں یہ تمہاری صحت کے لیے اچھا ہے ہی نہیں' ویسے جو نہیں ہے اس کو سوچنے سے بہتر ہے کہ تم اپنے اردگرد محبت تلاش کرو..... حویلی میں ہر کوئی تم سے ہمدردی دکھاتا ہے' سب کو احساس ہے تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے' مگر تم دکھ کا اشتہار بنا کر سب کو تماشا دکھاتی رہتی ہو' الگ تھلگ رہتی ہو' سب کے درمیان رہو گی تو ان کی محبت محسوس ہو گی ناں۔'' سمہان آفندی نے نرمی سے سمجھایا۔

''مجھے کسی کی ہمدردی نہیں چاہیے' سنا تم نے۔'' وہ تڑخ کے کہہ گئی۔ ''اس حویلی نے میری ماں کو بھی آنسو دیے' اس حویلی کے مکینوں نے انہیں موذی مرض میں مبتلا کر دیا' وہ لاوارثوں کی طرح سسک سسک کے مر گئیں..... ان کا احساس کسی نے نہیں کیا..... یہاں تک کہ انہوں نے بھی نہیں جو نکاح کر کے انہیں لائے تھے۔ پانچ سال کی عیشال نے اپنی ماں کو اس شخص کے لیے ایڑیاں رگڑتے دیکھا ہے انہیں آخری بار دیکھنے کی آس لیے اپنی ماں کو تڑپتے دیکھا ہے۔ مجھے اس حویلی اور یہاں کے مکینوں کی محبت کی جھوٹی کہانیاں مت سنایا کرو سمہان آفندی..... تم یہاں سے ہو تو میری جڑیں بھی یہیں سے ہیں.....'' وہ حد درجہ تنفر سے کہتی چلی گئی۔

سمہان آفندی اس کی کدورت' اس کے لفظوں کی کاٹ اور دل میں پنپتے ہزاروں گلہ شکوہ سے بخوبی واقف تھا مگر ایک بار پھر جان کر وہ چپ سادھ گیا تھا۔

بے دلی سے جو لکھ دیا جائے
ہم تو وہ کردار ہیں کہانی کے

استہزائیہ انداز سے کہتے عیشال بھی جیسے تھک سی گئی تھی۔ کالے بادل کافی دیر سے منڈلا رہے تھے' بلا کا حبس تھا اور پھر

دیکھتے ہی دیکھتے بادل گرجنے لگے تھے۔ آسمان پہ بجلیاں چمکنے لگیں۔ یک دم موٹی موٹی بوندوں نے آسمان کے سینے سے زمین تک کا سفر شروع کر دیا تھا۔ وہ گھٹنوں پہ دونوں بازو لپیٹے تھوڑی گھٹنوں پہ جمائے زمین پہ بوندوں کا رقص دیکھ رہی تھی۔ جھولے کے راڈ سے بازو ٹکائے سمہان آفندی بھی پوری طرح بھیگ چکا تھا۔ مگر اسے اپنے بھیگنے سے زیادہ اس کے آنسوؤں کی کسک ہو رہی تھی جو بارش کے پانی کے ساتھ مل کر اپنا وجود تو پوشیدہ رکھ رہے تھے مگر وہ سمہان آفندی کی نظر سے مخفی نہیں تھے۔ وہ بغور اس بھیگی نازک سی لڑکی کو دیکھ رہا تھا' جسے بنا پلکیں جھپکے دیکھنے کی کوشش بارش ناکام بنانا چاہ رہی تھی مگر سمہان آفندی کی ضد پہ بوندیں بھی جیسے ہار رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

مادرایحیٰ کوئی ناسمجھ' ناپختہ لڑکی نہیں تھی' نا ہی اسے سطحی لڑکوں کو کبھی جواب دینے میں دلچسپی رہی تھی' جو آوازیں کستے تھے یا توجہ حاصل کرنے کے لیے الٹی سیدھی حرکتیں کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ ان جیسوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتی تھی کہ پلٹ کر جواب دے مگر آج جو کچھ ہوا خود اس کے لیے بھی تعجب کا باعث بنا تھا' وہ اتنی جلدی ٹمپر لوز نہیں کرتی تھی مگر مقابل کے لفظوں' جملوں اور انداز میں جتنی تحقیر تھی اس نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ نا چاہتے ہوئے بھی ان سے سختی سے کلام کر گئی تھی۔

وہ مڈل کلاس سے تھی' اس کلاس کی صعوبتوں سے واقف تھی' لوئر کلاس تو مانگ تانگ کے کسی ناں کسی طرح گزر بسر کر ہی لیتی ہے مگر مڈل کلاس سب سے مشکل صورت حال سے دوچار رہتی تھی۔ عزت نفس انہیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے نہیں دیتی۔ تن ڈھانپے تو پیر ننگے' پیر ڈھانپے تو سر..... لیکن پھر بھی یہ عظیم کلاس سب سے زیادہ ہنرمند اور تعلیم یافتہ لوگوں کو جنم دے رہی تھی۔ ایک بگڑا رئیس زادہ' سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہونے والا جب اس کلاس کی تحقیر کرے' گھمنڈ سے دھتکارتا اس کے ماتھے پہ لکھ دے تب ان جیسوں کو برداشت کرنا عبث ہوتا ہے۔ برانڈڈ کا سمبل بن کر گھومنے والوں کو اندازہ ہی کب ہوتا ہے کہ لوئر اور مڈل کلاس کیسے جی رہی ہے' کس طرح گھر کا ایک ایک فرد جب صبح نکلتا اور راتوں کو جب سب اکھٹا ہو کر اپنی تھکاوٹ' جھریوں' کام کی زیادتیوں کا تذکرہ کر کے مہینے کے شروع میں جب چند ہزار پاتے ہیں تو کیا احساسات ہوتے ہیں..... آدھی تنخواہ گھر آنے سے پہلے ہی تخمینہ لگا لیتے تھے کہ یہ تو ادھار میں جائیں گے اسے نکال دو اور جو باقی بچتا تھا اسے بار بار بجٹ بنا کر بھی پریشان رہتے تھے کہ پورا مہینہ کیسے چلے گا..... دال روٹی کہاں سے آئے گی' گیس و بجلی کے خوفناک بھوت سے بچ کر کہاں چھپیں گے؟ جس نے بھوک' غربت و افلاس کا گھونٹ ناپیا ہو وہ تو ہر بوند کو امرت ہی سمجھے گا' اسے کیا خبر کہ ایک طبقہ جو منرل واٹر افورڈ نہیں کر سکتا اس کے لیے واٹر بورڈ سے آنے والا پانی ہی کبھی بوند کی شکل میں نلکوں سے ٹپکنے لگے تو وہ اسے امرت سمجھتے ہیں۔ برانڈڈ سمبل لوگ' کافی شاپ میں بیٹھ کر بس لوئر مڈل کلاس پر چرچا ہی کر سکتے تھے۔

مادرا کا دل سخت کبیدہ ہوا تھا۔ اس نے گھر آ کر بھی اس فضول خیال سے سر جھٹکنا چاہا مگر ذہن ریلیکس نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی کلاس کی ہنسی اڑا کر عیش و عشرت کے ٹھیکیداروں نے اس کے پندار کو ٹھیس لگائی تھی' انہوں نے اس کی کلاس کا نہیں جیسے اس کا مذاق اڑایا تھا۔

''کیا ہوا؟ موڈ خراب لگ رہا ہے..... کیسا ہوا ٹیسٹ؟'' انوشا نے اس کے سامنے کھانا رکھتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔ وہ فریش ہو کر آئی مگر کچھ الجھی الجھی سی تھی۔

''ٹیسٹ تو بہت اچھا ہوا' تم دعا کرنا' ٹاپ آف دالسٹ میرا ہی نام آئے' اماں سے بھی کہہ دو دعا کریں۔'' جانے کیوں اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ شاید ایشان جاہ کا زعم تھا جو لاشعور میں ہلچل مچا گیا تھا۔

''دعا تک کی بات تو ٹھیک ہے کہ لسٹ میں نام آ جائے مگر یہ ٹاپ آف دالسٹ کی شرط کیوں دعا کے لیے۔'' انوشا اس سے دو سال بڑی تھی مگر اس بڑائی کے باوجود دونوں میں اچھی دوستی تھی۔

گھر میں لوگ ہی کتنے تھے' صرف دو بہنیں اور منزہ..... یحییٰ تو کئی سالوں پہلے ہی انہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ دونوں بچیوں کو تو ٹھیک سے باپ کی شکل بھی یاد نا تھی بس تصویر میں انہیں دیکھا تھا۔

"بس ہے ناں۔" اس نے بات آئی گئی کرنا چاہی۔

سے بات چیت اور مقابلہ بازی کی اجازت میں نہیں دے سکتی۔ آئندہ سے خیال رہے۔'' منزہ بھڑک کر اپنی بات مکمل کر کے جا چکی تھیں۔ انوشا نے ماورا کے چہرے کی طرف دیکھا' اس کے چہرے پہ سرخی سی دوڑ گئی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ منزہ کے غصے اور دکھی ہونے پہ وہ ملول ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

''جی..... جی بابا جان..... بخت آپریشن میں مصروف ہیں تب ہی ان کا نمبر بند جا رہا ہے۔'' چوہدری بخت اپنے روم میں لیب کوٹ کے ساتھ ماسک فیس سے ہٹاتے ہوئے داخل ہوئے تو دیا مستعدی سے سیل فون کان سے لگائے محو گفتگو تھیں۔ ان کی پشت دروازے کی طرف تھی' بخت اپنے روم سے ملحق واش بیسن کی طرف رخ کر چکے تھے۔

''بہتر بابا جان..... جی بہت شکریہ..... شاہ کا احسان ہے..... بہت طویل سفر ہے' بہتر ہوتا کہ ہوائی.....'' وہ سمجھ رہے تھے کسی معمول کے پیشنٹ کی کال پہ دیا بزی ہیں' مگر ان کے منہ سے بابا جان سن کر وہ چونک گئے۔ دیا کی ادھوری بات رہ گئی تھی' چوہدری بخت نے ہاتھ تیزی سے واش کرتے گردن موڑ کر دیا کے چہرے کی طرف دیکھا..... غالباً دوسری طرف سے کچھ سخت کہا گیا تھا تب ہی دیا گڑبڑا سی گئی۔

''جی بابا جان' بہتر' نہیں اکیلی تو ہوائی سفر نہیں کرتی شنائیہ..... آپ تسلی رکھیں.....'' دیا شد و مد سے اب صفائی دے رہی تھیں..... چوہدری بخت اپنی چیئر پہ بیٹھتے ہوئے ٹشو باکس سے کئی ٹشو نکال کر ہاتھ خشک کرنے لگے۔

''لیجیے بابا جان' بخت آ گئے..... ان سے بات کر لیجیے۔'' دیا نے جلدی سے کہہ کر فون بے ساختہ بخت کی طرف بڑھایا۔

''السلام علیکم بابا جان! کیسے مزاج ہیں؟'' شریک سفر کے اتنی جلدی فون پکڑانے پہ فہمائشی نظروں سے دیکھتے انہوں نے سیل فون دیا کے ہاتھ سے لے کر بے ساختہ کان سے لگایا تھا' جانے ان کے بیچ کیا موضوع زیر بحث تھا۔

''وعلیکم السلام! چوہدری بخت' یہ اچھی زندگی گزر رہی ہے تم دونوں میاں بیوی کی' شنائیہ تو چلو ہمارے پاس تھی مگر ماہم..... اسے گھر میں اکیلا نوکروں کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر تم دونوں ہمیشہ ہاسپٹل میں بیٹھے رہتے ہو۔ گھر میں جوان بچی اکیلی ہے' یہ بات تمہیں کیسے بے فکر رکھتی ہے؟'' چوہدری حشمت دوسری طرف غصے سے گویا تھے۔ چوہدری بخت بھی چھوٹتے ہی کلاس ہونے پہ گڑبڑا سے گئے۔ دیا کا عجلت میں فون دینے کی وجہ سمجھ آ گئی تھی۔

چوہدری بخت سرجن تھے' وہ ایک عرصہ سے کراچی میں مقیم تھے' ان کی شادی خاندان کی واحد ڈاکٹر لڑکی سے ہوئی تھی۔ دیا ان کی دور کی رشتے دار تھیں۔ جنہوں نے شوق میں ایم بی بی ایس تو کر لیا تھا مگر گھر والوں سے پریکٹس اور اسپیشلائزیشن کی اجازت ملنا ناممکن تھی۔ گھر والوں کا اتنا ہی احسان بہت تھا کہ انہوں نے ان کی خواہش پہ دیا کو ڈاکٹری پڑھنے کی اجازت دی لیکن ڈاکٹری کی ڈگری لے کر گھر ہی بیٹھنا تھا تو دیا کو اتنی محنت کرنے پہ افسوس ہوا لیکن ان کا افسوس چوہدری بخت سے شادی کر کے کافی حد تک دور ہو گیا۔

چوہدری بخت ایک روشن خیال انسان تھے' شادی کے بعد دیا کی خواہش کو دیکھ کر انہوں نے پریکٹس کروائی اور فیلڈ میں آنے کے لیے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ جہاں دیا شوہر کی مشکور تھیں' وہیں چوہدری حشمت کو چوہدری بخت کا عمل پسند نہیں آیا تھا۔ وہ عورتوں سے نوکری کروانے کے حق میں نہیں تھے لیکن لیڈی ڈاکٹر کی اہمیت اور انسانیت کی خدمت پہ چوہدری بخت نے روشنی ڈالی تو چوہدری حشمت نے اجازت دے دی کہ حویلی کی عورتوں کو بھی نجی مسائل کے لیے میل ڈاکٹرز کے پاس نا جانا پڑے۔ شنائیہ اور ماہم کی پیدائش بھی شہر میں ہی وقوع پذیر ہوئی تھی۔

چوہدری بخت اور دیا تب تک مستقل کراچی شفٹ ہو گئے تھے۔ تب تک چوہدری جہانگیر کی شادی نہیں ہوئی تھی اور چوہدری اسفند بھی زیر تعلیم تھے۔ دیا کا گائنا کالوجسٹ ہونا حویلی کی عورتوں کے لیے بہت مفید ثابت ہوا تھا۔ اسی باعث چوہدری حشمت بھی چپ رہتے تھے مگر ابھی دونوں کو ڈیوٹی پہ پا کر ماہم کی تنہائی کے خیال سے انہیں غصہ آ گیا تھا تب ہی انہوں نے دیا کو باتیں سنانا شروع کر دی تھیں اور انہوں نے مارے ڈر کے فون شریک سفر کو تھما دیا تھا۔

''بابا جان اکثر ہی ایسا ہوتا ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک گھر پہ ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی ایمرجنسی ہو جاتی ہے تو دونوں کو ہی

اتفاق سے ہاسپٹل میں رہنا پڑ جاتا ہے۔'' جوان بچوں کے ہونے کے باوجود چوہدری حشمت کے آگے بولنے کی ان میں جرأت نہ تھی۔

''ہم نے تم دونوں کو اجازت اس وقت دی تھی جب ہمیں خبر نہیں تھی کہ ہمیں حویلی کی عورتوں کو کچھ حدود میں رہنے کی اجازت دینا پڑے گی لیکن اب لگتا ہے ہمیں تم دونوں کے معاملے میں ایک بار پھر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔'' چوہدری حشمت کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔ چوہدری بخت سہنے پہ مجبور تھے۔ ان کے انداز پہ وہ کچھ متفکر نظر آ رہے تھے۔ دیا ان پہ نظریں جمائے ان کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''بہر حال' ہم نے یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ شنائیہ کو ہم نے شاہ زر شمعون کے ساتھ روانہ کر دیا ہے اگر تم دونوں میاں بیوی کو ہاسپٹل کے مریضوں سے زیادہ محبت ہے تو ہمیں بتا دو' ہم شاہ زر شمعون کو ہدایت کر دیتے ہیں' وہ شنائیہ کو چھوڑ کر آنے کی بجائے ماہم کو بھی ساتھ حویلی لے آئے گا۔ دونوں بچیاں ہماری نگرانی میں حویلی میں رہیں گی۔ تم دونوں میاں بیوی آرام سے ساری زندگی اپنا شوق پورا کرتے رہو۔'' چوہدری حشمت کے کہنے پہ چوہدری بخت ایک دم گڑبڑائے۔

''معافی چاہتا ہوں بابا جان کہ آپ کی دل آزاری ہوئی۔ بچیاں ہمارے پاس رہیں یا حویلی میں ہمارے لیے ایک ہی بات ہے لیکن بس بچیوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے..... آپ فکر نہ کریں ہماری پوری کوشش ہوگی ہم آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نا دیں' بالفرض آپ کا حکم سر آنکھوں پہ۔'' چوہدری بخت بہت عاجزی سے گویا ہوئے۔ وہ ان کی غیر موجودگی میں بھی ان کا حکم بجالانے کی حتی الامکان کوشش کرتے تھے مگر پروفیشن ایسا تھا تو کبھی کبھی یہ صورت حال ہو جاتی تھی ورنہ دونوں اپنی ٹائمنگ اس طرح سیٹ کرتے تھے کہ کوئی ایک تو گھر پہ ہو۔ جب کبھی ایمرجنسی میں ایسی صورت حال ہو جاتی تھی تب بھی وہ گھر سے لاپروا نہیں ہوتے تھے' بچیوں سے رابطے میں رہتے تھے۔ ان کے انداز پہ چوہدری حشمت کچھ نرم ہوئے تھے۔

''ٹھیک ہے خیال رکھنا بچیوں اور بہو کا..... اللہ حافظ۔''

''جی آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا' بی جان کو سلام کہیے گا اللہ حافظ۔'' چوہدری بخت نے بھی الوداعی کلمات ادا کرتے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

''کیا کہہ رہے تھے بابا جان؟'' دیا نے انہیں ریلکس ہو کر چیئر سے ٹیک لگاتے دیکھا تو بے ساختہ استفسار کر بیٹھیں۔

''وہی جو تمہیں کہہ رہے تھے' شاہ زر شمعون' شنائیہ کو چھوڑنے آ رہا ہے اور ماہم کو گھر پہ اکیلا چھوڑ کر ہم دونوں ہاسپٹل میں ہیں۔'' انہوں نے گفتگو کا لب لباب کہہ ڈالا۔

''ہاں مجھے بھی ڈانٹ رہے تھے کہ میں یہاں بیٹھی ہوں اور ماہم گھر پہ اکیلی ہے۔'' دیا نے بھی اپنا تجربہ شیئر کیا۔

''دیکھا جائے تو کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہے تھے۔ کتنی بار تم سے کہا ہے' خیال رکھا کرو جب میں ہاسپٹل میں تھا تو تم نا آتیں۔''

''میری پشنٹ کو ایمرجنسی ہو گئی تھی بخت' کال آئی تھی تب ہی آنا پڑا..... آپ کو خبر ہے اس فیلڈ کی مصروفیت کا۔'' دیا نے بیچارگی سے شریک سفر کو احساس دلایا۔

''بہر حال' آئندہ دھیان رکھنا' بابا جان نے واضح لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ اگر ایسا دوبارہ ہوا تو دونوں بچیوں کو ہمیشہ کے لیے حویلی میں شفٹ کر دو اور تم دونوں ہاسپٹل میں ڈاکٹری کرو۔''

''ایسا کہا انہوں نے؟'' دیا بھی چونکیں۔ ''خاک رہ پائیں گی بچیاں حویلی میں' شنائیہ کو ہی دیکھ لیں' چند روز صبر نا ہوا اس سے' رات ہی میں نے کہا تھا تین چار روز میں' میں اور آپ لینے آ جائیں گے مگر جانے کیسا شور مچایا ہوگا اس نے حویلی میں کہ شاہ زر شمعون چھوڑنے آ رہا ہے۔ ایک تو بابا جان ہوائی سفر کے خلاف بھی جانے کیوں ہیں گھنٹوں کا سفر دنوں میں کرنے کے قائل ہیں۔'' دیا نے بھی لمبی سانس لی۔

''اب تم انہیں ہوائی سفر پہ نہ کہنا کچھ..... میرے منہ سے نکل گیا غلطی سے تو مجھے اس پہ بھی جھاڑ پلا دی انہوں نے' شنائیہ نے بھی شاید ذکر کیا حویلی میں تب ہی پوچھ گچھ کر رہے تھے کہ کیا بچیاں اکیلی ہوائی سفر کرتی ہیں۔'' چوہدری بخت نے وارن

کیا۔
''میری مت ماری گئی ہے جو میں ان سے ایسی بات کروں' مجھے علم ہے کہ بابا جان کس مزاج کے ہیں۔'' دیا جیسے تنبیہہ کا برا مان گئیں۔
''ابھی کیا اسکیجول ہے تمہارا..... میں تو چند گھنٹے رکوں گا۔''
''نہیں میں بس نکل رہی ہوں اس سے پہلے کہ بابا جان ماہم کو فون کر کے خیریت پوچھنے کے ساتھ اس سے یہ پوچھ لیں کہ میں گھر پہنچی یا نہیں۔'' دیا جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹ کر بیگ میں رکھنے لگیں چوہدری بخت ان کے الہڑ انداز پہ بے ساختہ مسکرا دیئے۔ جوان بیٹیوں کی ماں ہونے کے بعد بھی وہ سسر سے ڈر کر جلدی جا رہی تھیں۔
چوہدری حشمت بہت دور رہ کر بھی اپنے اصولوں کی صورت ان سب کی زندگیوں میں بہت قریب تھے۔ بہت اہمیت رکھتے تھے' کہیں ڈر سے ان کی بات کو حرف آخر سمجھا جاتا تھا تو کہیں محبت سے لیکن بہر طور دونوں صورتوں میں عزت و مان کا رنگ گہرا ہوتا تھا۔ ان سب کو خبر تھی ان کے تجربہ کارانہ باتوں میں ہی ان کی زندگی کی بقا پوشیدہ ہے۔

☆.....☆.....☆

شنائیہ اس وقت زندگی کے سخت ترین امتحان میں پھنسی ہوئی تھی اگر ایسا کہا جائے تو یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا' کئی گھنٹے ہو گئے تھے اسے گاڑی میں سکڑ سمٹ کر بیٹھے۔ ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست ہو کر جیسے بولنا بھول گئے تھے بولتے بھی تو کس کے آگے۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ تو وہ کھڑوس ناک کی سیدھ میں دیکھتا ڈرائیو کرنے میں مصروف تھا' ہوں' ہاں بولنا بھی جیسے اس کی لغت میں شامل نہیں تھا۔ کہاں وہ تیز میوزک میں کراچی کی شاہراہوں پر ڈرائیو کرنے والی کہاں گھنٹوں سے چپکی بیٹھی تھی کہ اس کے آگے تو پہلو بدلتے بھی ڈر لگتا تھا کہ کچھ سنا نا دے۔ بوریت سے بچنے کا حل نکالنے کے خیال سے اس نے اپنا لیٹس ماڈل کا سیل نکال کر ڈیٹا کنکشن آن کر کے فیس بک لاگ ان کی تو اس گستاخی پہ شاہ زر شمعون نے ایک نظر اس کے سیل کی روشن اسکرین پہ ڈال کر دوسری گہری نظر شنائیہ پہ ڈالی۔ شنائیہ کو اس کی نظروں کی تپش محسوس ہوئی مگر اس نے اپنے ڈرتے دل کو بہادری پہ لیکچر دے کر 'بی بریو' کہنا سکھایا۔
''زیادہ سوشل ازم بھی آپ کی امیج پہ اچھا اثر نہیں ڈالتی۔ اپنی وال کی پرائیویسی چینج کرو۔ فیس بک پہ ساری پوسٹ پبلک ہیں تمہاری۔''
''ایں.....!'' شنائیہ کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ اسے ڈر تو تھا کہ اس کی طرف سے کوئی کمنٹ ضرور آئے گا مگر ایڈنا ہونے کے باوجود اس کی وال اس کی نظر میں رہتی تھی۔ یہ جان کر اس سے سانس لینا بھی دوبھر ہونے لگا۔ اسے اپنی وال کی اوٹ پٹانگ کی ساری پوسٹ اور اپنی فرینڈز کے کمنٹ میں ہنسی ٹھٹول بھی یاد آ گئی۔ ایک بار اس کی فرینڈ نے آپ کی نظر میں سڑیل کی کیا تعریف ہے سوال پوچھ کر اسے ٹیگ کیا تھا اور اس نے حویلی میں کھینچی تصویر کو گروپ کر کے شاہ زر شمعون کی تصویر کمنٹ میں پوسٹ کر دی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اسے دیکھا۔ انسان کو جس طرح مشکل میں اپنی غلطیاں یاد آتی ہیں بالکل اسی طرح اس وقت شنائیہ کو اپنی ساری غلطیاں یاد آ رہی تھی۔
''پا..... پانی کی بوتل کہاں ہے؟'' یہ نہیں تھا کہ وہ گفتگو کا موضوع تبدیل کرنا چاہتی تھی' حقیقتاً اس کا گلہ سوکھ گیا تھا۔
''شنائیہ چوہدری تمہاری ساری تیز طراری' خود اعتمادی کہاں چلی جاتی ہے جو اس کے آگے منمنانے لگتی ہو۔'' خود کی ڈری' سہمی آواز پہ خود کو گھرکنے لگی۔
''کھانے پینے کی چیزیں بیک سیٹ پہ ہیں۔'' اس نے اتنا احسان کیا کہ بتا دیا تھا۔ شنائیہ نے گاڑی کی اسپیڈ کو دیکھا اور دوسری نظر سے بیک سیٹ کو..... اور شاید یہ خود کو لعنت ملامت کا نتیجہ ہی تھا جو اس سے کہنے کی بجائے اس نے سیٹ سے اٹھ کر پچھلی سیٹ سے چیزوں کو نکالا تھا' بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی۔
''اتنا لمبا سفر ہے اب کیا بھوکی مروں اس کے ساتھ۔'' گرم گرم سینڈوچ کو دیکھ کر اس کی بھوک مزید بڑھ گئی۔
''شنائیہ چوہدری اس طرح منہ بند کر کے اس ہلاکو کے ساتھ سفر کرتی رہیں تو تمہاری لاش ہی کراچی پہنچے گی۔'' منرل واٹر

کی بوتل کو منہ سے لگا کر پانی پیتے اس کا ذہن بہت تیزی سے خود کو وارم اپ کر رہا تھا۔
''یہ کون سا طریقہ ہے پانی پینے کا۔ پیچھے دیکھو دی جان نے ڈسپوزیبل گلاس بھی رکھوایا ہوگا۔'' شاہ زر شمعون نے ناگواری سے اس کے لبوں سے لگی بوتل کو دیکھا۔
''گلاس لے کر کون پھرتا ہے ہر جگہ؟ یا اللہ میں نے کون سی غلطی کر دی واپس جانے کی بات کر کے..... مجھے لگا تھا سمہان آفندی مجھے ٹرمینل یا ایئر پورٹ تک ڈراپ کر دے گا' مگر یہ بلا پیچھے لگ گئی..... مما جانی۔'' اسے دیا کی یاد آنے لگی۔ انہوں نے رات ہی فون پہ کہا تھا کہ وہ دو تین دن میں لینے آ جائیں گی۔ اسی کی مت ماری گئی تھی جو اس نے چوہدری حشمت کے سامنے پڑھائی کا حرج ہونے کا جھوٹا ڈرامہ کیا تاکہ وہ اسے بھیج دیں اور گلے پڑ گیا یہ سفر۔
''شنائیہ چوہدری اگر زندہ سلامت پہنچنا چاہتی ہو تو اللہ کے دیے ہوئے دو کانوں سے فائدہ اٹھاؤ۔'' خود کو سمجھاتے ہوئے اس نے سینڈوچ باکس کھول کر سینڈوچ نکالا۔
''آپ کھائیں گے؟'' سینڈوچ منہ تک لے جاتے اسے دسترخوان کے اصول یاد آ گئے ورنہ اس پہ بھی کچھ سننے کو مل جاتا۔
''نہیں شکریہ' آپ پکنک انجوائے کریں' آن ڈرائیو۔'' وہی جلا سڑا جواب آیا تھا۔ ایک نظر اس پہ ڈال کر شاہ زر شمعون نے نگاہیں دوبارہ ونڈ اسکرین پہ جما دی تھیں۔
''جانے میٹھا بولتے ہوئے یہ شخص کیسا دکھتا ہوگا۔'' سینڈوچ کی بائیٹ لیتے شنائیہ نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ گرے شلوار سوٹ میں ہم رنگ چادر بازو سے لپیٹے وہ شاندار لگ رہا تھا۔
''ہونہہ مغرور انسان۔'' اس کی اونچی کھڑی ناک کو دیکھ کر منہ بناتے اس نے فلاسک سے چائے مگ میں نکالی۔
''موصوف کی نظر میں جب پکنک ہے تو' ڈھنگ سے تو انجوائے کروں۔'' خود کو باور کراتے اس نے مگ لبوں سے لگا کر سپ لیا۔
سورج غروب ہو رہا تھا لیکن روشنی اب بھی تھی۔ اس وقت وہ غیر آباد علاقے سے گزر رہے تھے۔ اردگرد بیابان جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ اچانک بارش شروع ہو گئی تو شنائیہ گلاس نیچے کیے بوندوں کو انجوائے کرنے لگی لیکن بارش بھی جلد رک گئی تھی۔ شاہ زر شمعون نے لینڈ کروزر کی رفتار مزید تیز کر دی تھی۔ اس نے گلاس اوپر کرنے کی ہدایت کی مگر وہ منظر دیکھنے میں اتنی منہمک تھی کہ اس کی احتیاط کو بھی نظر انداز کر گئی۔ سینڈوچ اور چائے انجوائے کر کے وہ تازہ دم ہو گئی تھی۔ سورج غروب ہونے کا بڑا دلکش منظر تھا' نکھرے نکھرے درختوں کے بیچ زرد سورج دیکھ کر اسے اپنے سیل فون کی گیلری میں قید کر لینے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ وہ بھول گئی کہ وہ کہاں اور کس کے ساتھ ہے۔
''روکو..... روکو گاڑی روکو جلدی سے۔'' وہ خوشی سے چلاتی اپنی طرف کا لاک چلتی تیز رفتار گاڑی میں کھولتی اسے ایک پل کو حیران کر گئی تھی۔
''روکو.....'' وہ اس بری طرح چلائی کہ شاہ زر شمعون کا پیر بے ساختہ بریک پہ جا پڑا' اگلے ہی لمحے اس نے گاڑی کے خانوں سے اپنی لوڈڈ پسٹل کی طرف ہاتھ بڑھایا..... وہ جب تک پسٹل نکال کر پوزیشن لیتا اس سے پہلے شنائیہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر دوڑی اور پھر کچھ وقت کے بعد۔
''آ..... آ..... شاہ۔'' ایک زوردار چیخ مار کر شنائیہ ٹیلے سے گر پڑی تھی۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

قسط نمبر 2

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

عیشال چودھری جہانگیر کی بیٹی جو حویلی میں رہتی ہے لیکن حویلی کی روایات پر عمل نہیں کرتی ہے کیونکہ اس کی طبیعت میں بغاوت وخود پسندی شامل ہوتی ہے۔ سمہان آفندی آدھی رات کو حویلی میں واپس آتا ہے تب عیشال اس سے الجھتی اس کا کمرہ دیکھنے کی بات کرتی ہے جس پر وہ تھکاوٹ اور وقت کا احساس دلا کر ٹال جاتا ہے۔ چودھری حشمت کے چار بیٹے' چودھری فیروز' چودھری بخت' چودھری جہانگیر اور سب سے چھوٹے چودھری مقیم ہیں' چودھری بخت اور چودھری جہانگیر شہر میں رہتے ہیں' چودھری بخت سرجن ہیں اور ان کی شادی خاندان کی واحد ڈاکٹر لڑکی دیا سے ہوتی ہے' شادی کے بعد انہوں نے خصوصی طور پر پریکٹس کی اجازت دلوائی تھی یہی وجہ ہے کہ اب دونوں ایک ہی ہاسپٹل میں ہوتے ہیں۔ منزہ اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ ایک چھوٹے سے علاقے میں رہائش پذیر ہے' شوہر یحییٰ کا انتقال ہو چکا ہے' اس لیے دونوں بچیوں کی تعلیم اور دیگر اخراجات پورے کرنے کی خاطر منزہ سلائی مشین سنبھال لیتی ہے' اورا کو انٹری ٹیسٹ دینے یونیورسٹی جانا ہوتا ہے' منزہ اسے نصیحت کرتی رخصت کرتی ہے' چودھری حشمت شاہ زر شمعون سے شنائیہ کو شہر چھوڑ آنے کا کہتے اسے حیران کر دیتے ہیں' شنائیہ کچھ دن حویلی رہنے آئی تھی لیکن اس کا دل یہاں نہیں لگتا تھا۔ شنائیہ' شاہ زر شمعون کے ساتھ کراچی آ رہی ہوتی ہے' لیکن راستے میں گاڑی رکوا کر تصویر بنانا چاہتی ہے جب ہی اس کے ساتھ حادثہ پیش آ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

☆

شاہ زر شمعون تیزی سے بھاگتا ہوا شنائیہ چودھری تک آیا تھا..... شنائیہ کا وجود خوف کی لپیٹ میں تھا۔ وہ ٹیلے کے اوپر چڑھ کر تصویر بنانے کے شوق میں گاڑی سے نکل کر تقریباً بھاگی تھی لیکن پھسلن ہونے کے باعث توازن قائم نہیں رکھ سکی اور اوندھے منہ زمین پر گری تھی۔ پاؤں بھی بری طرح مڑا گیا تھا جس کی بنا پر اس کے حلق سے چیخ برآمد ہوئی تھی۔ شاہ زر شمعون فوراً ہی اس کے قریب آیا اور اس کا غصہ سے لال ہوتا چہرہ دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔

''احمقوں کی ملکہ..... جی تو چاہ رہا ہے تمہیں یہیں چھوڑ کر چلا جاؤں۔'' شاہ زر شمعون آگ بگولہ ہوا۔ ''ہو گیا شوق پورا..... فلمی ہیروئن بننے کا؟'' اس صورت حال میں بھی وہ اس کا حال پوچھنے کے بجائے گھن گرج رہا تھا۔ ''اٹھو اب فوراً..... یا اللہ! یہ کس امتحان میں پھنسا دیا مجھے..... اب اٹھ جاؤ یا کرین منگواؤں تمہیں اٹھانے کے لیے؟'' وہ دھاڑا۔

شنائیہ نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ایک کراہ کے ساتھ ٹانگ بھی سیدھی نہ کر سکی۔

''مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔'' اذیت کے رنگ اس کے چہرے پہ پھیل گئے..... شاہ زر شمعون پنجوں کے بل بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا..... نازک سی سینڈل گرتے ہوئے پیروں سے نکل کر گئی تھی۔

''اٹھو.....'' شاہ زر شمعون کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ اسے کھڑا ہونے میں تکلیف ہو رہی ہے تب ہی آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا' وہ ایک نظر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر ڈال کر لڑکھڑا کر کھڑی ہو گئی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

وہ لنگڑاتی ہوئی اس کے ساتھ گاڑی تک آئی تھی۔ اس کی سینڈل اندر پھینک کر اسے بیٹھنے میں مدد کرنے کی اور سیٹ پہ بیٹھنے کے بعد شنائیہ چپ چاپ اپنے پیر کا معائنہ کرنے لگی..... کھٹ سے دروازہ بند کر کے وہ ڈرائیونگ سیٹ پہ آ گیا تھا۔

"چلیں، مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔" اس نے روہانسے لہجے میں کہا۔ اس جیسی نازک مزاج جو چھینک آ جانے پہ پورا گھر سر پہ اٹھا لیتی تھی اور یہاں تو پیر موڑنے کی بات تھی۔

"محترمہ ناہی کوئی اتنی سیریس چوٹ ہے اور ناہی میں ایسے چونچلے اٹھانے کے موڈ میں ہوں..... ایسی حرکتیں کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا..... جا رہی ہو نا گھر..... آرام سے بیڈ ریسٹ لینا..... پندرہ دن ٹریٹمنٹ کرواتی رہنا۔" شاہ زر شمعون کے صفاچٹ انکار نے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر دیئے۔ اسے درد ہو رہا تھا اور وہ بھگو کے جوتے مار رہا تھا۔

"یہ پکڑو فرسٹ ایڈ باکس..... زخم صاف کر کے کچھ لگا لو۔ ڈاکٹری فضاؤں میں پلی بڑھی ہو..... تھوڑی سی نرسنگ تو آتی ہی ہو گی۔" جانے کون سے خانے سے فرسٹ ایڈ کا چھوٹا باکس نکال کر اس کی گود میں رکھا تھا۔ شنائیہ کو کچھ تقویت ملی ورنہ تو کچھ بعید نا تھا کہ کیا ہو جاتا۔

"کھڑوس، سڑیل چاہتا ہے میری لاش کو ڈراپ کرے کراچی تا کہ آئندہ نوبت ہی نا آئے۔" وہ سوچ کے رہ گئی۔

"برائی اتنی جلدی ختم نہیں ہوتی۔" اسے شاید سوچ پڑھ لینے پہ بھی عبور حاصل تھا۔

"ایں.....!" شنائیہ نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا..... وہ ایک بار پھر گاڑی فل اسپیڈ سے دوڑا رہا تھا۔ اس نے اب کے سپاٹ تاثرات ہی رکھنے کا پلان کیا..... مبادا وہ اپنے بارے میں اس کے خیالات نا جان لے۔

☆

وہ خاموشی سے آ کر اپنی جگہ پہ لیٹ گئی تھیں، آنسو ان کی آنکھوں میں تیر رہے تھے..... سب کچھ کبھی کبھی اس طرح سامنے آ جاتا تھا کہ انہیں خود کو سنبھالنے میں گھنٹوں لگ جاتے تھے۔ ملال کا موسم کچھ اس طرح چھا جاتا تھا کہ وہ پہروں بولائی بولائی پھرتی تھیں۔ دو بیٹیوں کو اکیلے پالنا آسان نہیں تھا۔ یحییٰ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ شادی کے چند سال کی رفاقت کے بعد ہی دو بچیوں کی ذمہ داری منزہ پہ آ پڑی تھی۔ بیوگی کی چادر اوڑھ کر منزہ نے اس ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھانا چاہا تھا۔ اس ضمن میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہی تھیں۔ دونوں بیٹیاں ان کی انتھک محنت کی قدر دان تھیں۔ تب ہی تو وہ ان کے پڑھائے ہوئے ہر سبق کو حفظ کر لیتی تھیں۔ ان کی پوری کوشش ہوتی کہ وہ کبھی منزہ کو اپنے عمل سے دکھی نہ کریں۔ وہ اپنی ماں کو تکلیف پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں مگر ماورا سے یہ غلطی ہو گئی تھی۔

منزہ انہیں ہمیشہ اپنے پروں میں چھپا کر رکھتی تھیں تا کہ کبھی ان پہ کسی کی میلی نگاہ نہ پڑے۔ دو جوان بیٹیوں کی ماں ہونا آسان کب تھا مگر تعلیم و تربیت کے لیے انہیں زمانے کے ہم قدم ہونا ہی پڑتا تھا۔ وہ مخلوط تعلیمی نظام کے سخت خلاف تھیں، جہاں پڑھائی سے زیادہ دوستی پروان چڑھتی تھی، انوشا نے گریجویشن کرنے کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا مگر ماورا کو ایم بی اے کی ڈگری کا جنون تھا۔ منزہ نے یہاں بھی چاہا تھا وہ ویمن یونیورسٹی سے ایم بی اے کرے مگر پرائیویٹ ویمن یونیورسٹی کی فیس اتنی زیادہ تھی کہ وہ وہاں داخلے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں، نتیجتاً انہوں نے مخلوط یونیورسٹی میں تعلیم کی اجازت دے دی اور اب انہیں لگ رہا تھا کہ انہوں نے اجازت دے کر غلطی کر دی ہے۔

انہیں اپنے پیروں پہ دباؤ محسوس ہوا۔ بنا دیکھے بھی وہ لمس سے ہی پہچان گئی کہ ماورا کے ہاتھ ہیں۔ انہوں نے غیر محسوس طریقے سے آنسو صاف کیے، جانے کیا دکھ تھا جو اندر ہی اندر انہیں کھائے جا رہا تھا اور آنکھ سے آنسوؤں کی صورت بہتا رہتا تھا۔ کتنی ہی بار دونوں نے پوچھا تھا مگر وہ ٹال جاتی تھیں کہ ماضی کی یادیں آنسو بہانے پہ مجبور کر دیتی ہیں۔ دونوں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کو بخوبی احساس تھا منزہ کو شریک سفر سے بہت محبت تھی..... اکثر وہ ان کی تصویر لے کر انہیں آنسو بہاتے دیکھ چکی تھیں' پوری جوانی بیوگی میں کاٹ کر وہ اکثر اپنی تنہائی پہ آبدیدہ ہو جاتی تھیں۔

''اماں..... مجھے معاف کر دیں' پلیز۔'' وہ انہیں آنسو خشک کرتے دیکھ چکی تھی۔ مزید دلگرفتہ ہوئی۔ اس کی نظر میں اپنی ماں کی بہت عزت تھی۔

''میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں اب کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا آپ کو..... میں آپ کی دل آزاری کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' وہ لجاجت سے کہتی انہیں منا رہی تھی۔ منزہ نے اپنے پیر سمیٹ لیے تھے۔ انہوں نے بیٹیوں کو بہت محبت سے پالا تھا' خدمت کرواتے ہوئے بھی انہیں اچھا نہیں لگتا تھا کہ ان کی بیٹیاں ان کے پیر تک دبائیں۔

''اماں پلیز.....'' ان کی خاموشی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ ابھی تک ناراض ہیں۔ ماورا کا دل گداز ہو کر اسے یہاں تک لے آیا تھا۔ منزہ کو خاموشی سے رخ موڑے دیکھ کر لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

''ہاں پہلے غلطی کرو اور پھر چھوٹی بچی کی طرح رونا شروع کر دو۔ پتا ہے ناں ماں کتنی ہی ناراض کیوں نہ ہو آنسو دیکھ کر مان جائے گی۔'' اس کی آواز میں نمی محسوس کر کے منزہ نے رخ اس کی طرف کر کے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ بھی چھوٹی بچی کی طرح ان سے چمٹ گئی۔

''مجھے اپنی بیٹیوں کا پتا ہے' وہ اعلیٰ کردار کی ہیں' مگر جانو' مجھے دنیا کے مردوں کا بھی پتا ہے' تم لوگ بہت معصوم ہو' میں نہیں چاہتی میری بیٹیوں کے دامن کو بھی آگ لگے اور یہ آگ تاعمر ان کے وجود کو دھیرے دھیرے جھلساتی رہے۔ تمہارا جسم خاکستر ہوتا رہے..... سلگتے دل کی تپش کبھی وجود کو ٹھنڈا نہیں ہونے دیتی بیٹا۔'' اسے سینے سے چمٹائے وہ سمجھا رہی تھیں۔

انوشا نے چپکے سے جھانک کر اندر دیکھا اور اسے جھانکتے دیکھ کر منزہ نے دوسرا بازو بھی پھیلا دیا۔ وہ بھی مسکراتی ہوئی ان کی دوسری طرف آ کر لیٹ گئی تھی۔ دونوں ماں کے وجود کی گرمی اور ان کی بانہوں کے حصار میں پُرسکون ہو کر آنکھیں موند گئی تھیں مگر منزہ کی آنکھوں سے نیند کوروں عرصہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے باری باری دونوں بیٹیوں کے ماتھے پر پیار کیا' دونوں چھوٹی بچیوں کی طرح پُرسکون ان سے چمٹی ہوئی تھیں۔ منزہ کی آنکھوں کے منظر دھندلانے لگے تھے۔ وہ بھی اسی طرح اپنی ماں سے چمٹ کر سونے کی عادی تھیں' وہ کتنی ہی مصروف رہتی تھیں مگر منزہ انہیں ہر کام سے چھڑا کر پکڑ کر کمرے میں لے آتی تھیں۔

''مجھے نیند آ رہی ہے' آپ بس میرے پاس لیٹیں۔ کام بعد میں کر لیجیے گا۔''

منزہ دھونس سے کہتی لیٹ کر انہیں بھی زبردستی لٹا کر ان کے وجود کے گرد بازو حمائل کر دیتی کہ مبادا انہیں سوتا چھوڑ کر وہ پھر سے اٹھ کر کام میں نا لگ جائیں۔

''پکڑ تو آہستہ' نہیں جاتی تجھے چھوڑ کر۔'' ماں ہنس کر کہتی تھیں' منزہ نفی میں سر ہلا کر پھر سے پکڑ لیتی۔ بیتے منظر کو یاد کر کے ان کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی تھی مگر آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے' یادیں بہت دل شکن ہوتی ہیں۔

☆

سمہان آفندی کسی قدر منتشر سوچوں کی آماجگاہ لیے کچن تک آیا تھا مگر اس کے قدم کچن کی دہلیز پہ ہی ٹھٹک گئے۔ عیشال جہانگیر بڑے مصروف انداز میں کوکنگ رینج کے پاس کھڑی کچھ پکانے میں منہمک تھی۔ شام کے بعد سے وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ ڈنر پہ بھی غائب تھی سب نے بلایا مگر اس نے بھوک نہیں ہے کہہ کر انکار کھلوا دیا تھا۔ بعد میں بی جان کی ہدایت پہ ملازمہ نے دودھ کا گلاس' فروٹ اور بسکٹس پہنچا دیئے تھے تاکہ بھوک لگنے کی صورت میں وہ انہیں کھا لے مگر اس نے ان چیزوں کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ اب وہ جانے کوکنگ کا کون سا عظیم مظاہرہ کر رہی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اس وقت وہ بلو پلین ٹی شرٹ اور بلو پھولوں والی گھیر دار شلوار میں ہم رنگ اسکارف گلے میں ڈالے کھڑی تھی۔
اسے ہشاش بشاش دیکھ کر سمہان آفندی کو خوش گواریت محسوس ہوئی تھی۔ ورنہ شام کی اس کی زود رنجی نے اسے خاصا متفکر کر دیا تھا کہ جانے کب تک موڈ ٹھیک ہو کیونکہ اس کا تعین بھی آنسہ عیشال جہانگیر خود کرتی تھیں کہ کس ٹاپک پہ کتنے گھنٹے برہم رہنا ہے۔ رات کے دو بج رہے تھے پوری حویلی خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی اور وہ مزے سے اپنے لیے من پسند کھانا پکا رہی تھی۔ اس کی ہر ادا نرالی تھی۔ نفی میں سر ہلاتے سمہان آفندی اندر داخل ہوا تھا۔
''کیا چڑیلوں والا وقت ہے تمہارا ایکٹو ہلا رہنے کا؟'' سمہان آفندی کی اچانک آواز پہ وہ ڈر کے اچھل ہی گئی تھی۔ نوڈلز میں سبزیاں مکس کرتے ہاتھ ایک لحظے کو کانپے تھے مگر اگلے ہی پل سمہان آفندی کو دیکھ کر اس کی آنکھیں تن گئیں۔
''ابھی ساری وجیٹیبل گر جاتیں تو.....'' اسے تیکھی چتونوں سے گھورتے اب وہ سر جھٹک کر فرائی چکن مکس کرنے لگی۔
''گری تو نہیں ناں۔'' وہ فریج کی طرف بڑھا۔
''اور یہ کیا تم ہر وقت میری جاسوسی میں لگے رہتے ہو ہر جگہ ٹپک پڑتے ہو؟'' اب وہ دل کھول کر چلی سوس انڈیل رہی تھی۔
''بڑی خوش فہمی ہے جناب کو..... دور کریں..... سمہان آفندی کے پاس اتنا وقت نہیں کافی کا موڈ تھا سوچا صغراں بی سے کہہ دوں کچن میں ہوں گی مگر تم مل گئیں۔'' اس نے پُرزور نفی کر کے گوش گزار کیا تو وہ بری طرح جل گئی۔
''صغراں بی اپنے کمرے میں ہوں گی جا کے وہاں رابطہ کروان سے۔'' نان اسٹک پین چولہے سے اتار کر اس نے چکن وجیٹیبل نوڈلز کو پلیٹ میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔
''کیا بچیوں والی چیزیں کھاتی رہتی ہو ویسے خوشبو بڑی اچھی آ رہی ہے میں بھی ٹیسٹ کروں گا واؤ بے بی کارن بھی ڈالا ہے.....'' پلیٹ سے بھاپ اٹھتے دیکھ کر وہ اس کے سر ہو گیا۔
''اپنی صغراں بی سے رابطہ کرو۔ وہ اٹھ کر بنا دیں تو بھلے ٹیسٹ کرتے رہو۔'' اس نے صاف ہری جھنڈی دکھائی کتنے کروفر سے جھٹلایا تھا وہ بھلا کیونکر ناز اٹھاتی۔
''بہت ہی چھوٹا سا دل ہے..... ذرا سا ٹیسٹ نہیں کروا سکتیں؟'' سمہان آفندی کو اس کی بے مروتی پہ جیسے افسوس ہوا۔
''نہیں.....'' اس نے منہ بھر کر صاف چٹا انکار کر دیا تھا۔
''اچھا..... زحمت نہ ہو تو کافی بنا دو گی؟'' سمہان آفندی نے منہ بنا کر نوڈلز سے نظریں ہٹا کر لجاجت سے فرمائش کی۔
''زحمت تو ہو گی۔'' عیشال جہانگیر نے ایک جتاتی ہوئی نظر سمہان آفندی پہ ڈالی۔ وہ جل بھن گیا۔
''بے مروتی کی بھی حد ہوتی ہے ویسے بندہ اخلاقاً ہی پوچھ لیتا ہے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں سسرال جا کے رج کے ہمیں ذلیل ہی کرواؤ گی کہ کچھ سکھا کر نہیں بھیجا حویلی والوں نے۔'' سسرال کا نام سن کر عیشال جہانگیر نے اس پہ ایک سلگتی نگاہ ڈالی۔
''میں کہیں نہیں جاؤں گی آئی سمجھ۔'' وہ دھیمے سے غرائی۔
''اخلاقاً مہمانوں سے پوچھتے تو رہتے ہو تم..... اسپیشلی مہمان کراچی کے ہوں تو.....'' عیشال جہانگیر نے جتاتی ہوئی نظر ڈالی تھی..... سمہان آفندی کے مزاج کے باعث ہر ایک اس سے ریلیکس ہو کر بات کرتا تھا..... یہاں تک کہ شنائیہ چودھری کی کسی سے حویلی میں اتنی نہیں بنتی تھی جتنی سمہان آفندی سے وہ باتیں بگھارتی تھی اور وہ بھی اس کے دس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کام ہنس ہنس کر کرتا تھا۔ مگر عیشال جہانگیر سب حساب رکھتی تھی تب ہی جتانے سے بعض نہ آئی۔

"آپ یہ حساب کتاب کسی اور وقت لے سکتی ہیں آنسہ عیشال جہانگیر.....؟ میں سر درد سے نجات کے لیے کافی کی طلب میں آیا تھا۔ یہاں کافی ملنے کے آثار تو دور دور تک نہیں..... الٹا سر کا درد ہی بڑھتا محسوس ہو رہا ہے۔" عیشال جہانگیر کے لب سختی سے بھنچ گئے۔

"مجھے میرے سر نیم کے ساتھ مت بلاؤ۔" وہ ناگواری کا اظہار کرتی بے ساختہ ٹوک گئی۔

"جی بہتر..... اور کوئی حکم۔" مبادا اس کا موڈ پھر بگڑے وہ جلدی سے سر تسلیم خم کر گیا۔

"نہیں۔" اس نے شان بے نیازی سے کہا اور کیتل کی طرف متوجہ ہوئی۔ اگلے ہی پل دو مگوں میں کافی ڈال کر سلیقے سے کافی پہ فریش کریم جما کر اس نے دوسری کوارٹر پلیٹ میں اپنی پلیٹ سے نوڈلز شیئر کر کے اور کافی کا جھاگ سے بھرا مگ سمہان آفندی کی طرف بڑھایا تو اس کی آنکھیں حیرت سے مسکرانے لگیں۔

"بڑی جلدی شرم آ گئی؟"

"ناحق نظر لگا رہے تھے کھڑے ہو کر۔" اس نے بھی جان جلانے میں کسر نا چھوڑی..... مگ میں کافی بھی پوری نہیں تھی یعنی اس نے کافی بھی شیئر کی تھی۔ سمہان آفندی کے لب مسکرا دیئے جسے چھپانے کو وہ نوڈلز کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"واہ بھئی چھوٹے دل والے لوگ شیئر کر رہے ہیں۔" اس نے فورک اٹھا کر نوڈلز کو منہ میں رکھا۔

"چلو نوڈلز کھلا کھلا کر تم سسرالیوں کے دل تو جیت ہی لو گی۔" وہ جو اسی پہ نظر جمائے کھڑی تھی کہ ٹیسٹ کر کے کیا کہتا ہے وہ کسی اچھے جملے کی منتظر تھی مگر جملہ سن کر اس کا منہ بن گیا۔

"مجھے کسی کا دل نہیں جیتنا۔" اس نے سر جھٹکا۔

"بائی داوے یہ تم راتوں کو حویلی میں روح بن کر کیوں گھومتی رہتی ہو؟" وہ چیئر قریب کیے نوڈلز کھانے میں مگن ہو گیا۔

"آپ کیوں الو بنے حویلی کے چکر لگاتے رہتے ہیں اور بائی داوے..... ابھی کوئی آپ کو یوں میرے ساتھ کچن میں گفت و شنید کرتے دیکھ کر کچھ کہے گا نہیں..... کل تو بڑا فتویٰ دے رہے تھے جب روم دکھانے کو کہا تھا۔" وہ بھی بھلا ادھار رکھنے والی مخلوق تھی کہیں۔

"کبھی تو بخش دیا کرو۔" سمہان آفندی جیسا لفظوں کا کھلاڑی کبھی کبھی اس کی نوبال پہ بھی آؤٹ ہو جاتا تھا۔

"بے مثال شخص لاجواب کیوں ہو جاتا ہے؟" وہ جیسے چڑا رہی تھی..... سمہان آفندی کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"غلط فہمی....." اس نے جھٹلانا چاہا۔

"آپ دور کر لیں۔" وہ چڑاتی اپنی پلیٹ اور مگ اٹھا کر کچن سے نکلنے لگی اپنے کمرے میں آرام سے نیم دراز کوئی اچھا سا ناول پڑھتے چکن و کیٹیل نوڈلز اور کافی انجوائے کرنے کا موڈ تھا۔

"سنو....." سمہان آفندی نے بے ساختہ پکارا۔

"جی....." وہ رک گئی۔

"مہمان نوازی کے لیے شکریہ..... تم جیسی کنجوس سے چیزیں نکلوانے کا ناقابل فراموش واقعہ ہے میری زندگی کا۔" وہ چھیڑنے سے بعض نا آیا۔

"مینشن ناٹ..... میں کبھی کبھی فاش غلطی کر جاتی ہوں۔" وہ تڑخ کر جواب دیتی چلی گئی..... سمہان آفندی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

رات اپنے جوبن پہ تھی..... سی ویو کے ساحل کی دل فریبی ہمیشہ کی طرح عروج پر تھی..... اسٹریٹ لائٹس کے ساتھ گاڑیوں کی تیز روشنی نے دن کا سا سماں پیدا کر دیا تھا۔ آج یہاں شہر کی سب سے بڑی کار ریسنگ ہونے والی تھی۔ ریسنگ کے شیدائیوں کا جم غفیر امڈ آیا تھا۔ حصہ لینے والے تمام متوالے پُر امید تھے..... اپنے اپنے علاقے کے چیمپئن موجود تھے۔ جو بیسٹ کار ریسنگ کا ٹائٹل اپنے نام کروانے کا جوش لیے آئے تھے۔

''سب کی ایکسائٹمنٹ تو دیکھو جیسے ونر یہ ہی ہوں۔'' انشراح نے نخوت سے کہا۔

ایشان جاہ اور اس کا گروپ بھی اس ماحول کا حصہ تھا۔ ایشان جاہ اس کھیل کا پرانا کھلاڑی تھا اور آج بھی وہ اس مقابلے میں جیتنے کی نیت سے اترا تھا۔

''کوئی کتنا ہی شو آف کرے' کرنے دو چیمپئن تو اپنا ایشان جاہ ہی بنے گا۔'' عزیر پُر امید تھا۔ ایشان جاہ فاتحانہ انداز میں مسکرا دیا۔ ایسی کتنی ہی ریسنگ وہ جیت چکا تھا۔ وہ جس ریس میں اترتا تھا' فاتح بن کر ہی لوٹتا تھا۔ آج بھی وہ یوں پُر اعتماد تھا جیسے جیت کا ٹائٹل اپنے نام کروا لے گا اور یہ اعتماد کچھ بے جا بھی نہیں تھا۔

وہ اس عمر سے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتا تھا جب اس کے پیر بریک تک پہنچ بھی نہیں پاتے تھے..... مختلف ڈنڈوں اور اوزاروں کی مدد لے کر وہ بریک لگاتا تھا' پھر جب پیر پہنچنے کے قابل ہوئے تو نو عمری سے ہی اسٹیئرنگ جیسے اس کے ہاتھ کا کھلونا بن گیا تھا۔ ریسنگ کا باقاعدہ آغاز ہونے کا اشارہ مل رہا تھا..... سب کو پوزیشن سنبھالنے کے لیے کہا جا رہا تھا۔

''آل دا بیسٹ.....'' ماحول شور کی آواز سے گونج اٹھا۔

''چک دے.....'' ایشان جاہ کے دوستوں نے آل دا بیسٹ کہتے اس کا مورال بلند کیا۔ ایشان جاہ وکٹری کا نشان لہراتا ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ کر گاڑی کو اسٹارٹنگ پوائنٹ تک لے جانے لگا۔ ماحول میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ ہر کوئی اپنے سوار کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ بالآخر ریس شروع ہونے کی وسل بجی اور ماحول میں سیٹیوں' نعروں کے ساتھ ٹائروں کے شور سے کان پڑی آواز سننا مشکل ہو گئی۔ ہر کوئی چیخنے شور کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے کوشاں تھا۔

''کم آن ایشان' کم آن.....'' عزیر' سہیل' سعید اور انشراح بھی پُر جوش نعروں سے ایشان جاہ کو سپورٹ کر رہے تھے۔

مقابلہ بڑا سنسنی خیز ہوتا جا رہا تھا' یوں تو ایشان جاہ کا مقابل دور تک نہیں ہوتا تھا مگر آج حریف کچھ زیادہ ہی زور آور ثابت ہو رہے تھے۔ مقابلہ برابری کا چل رہا تھا کسی ایک کی ذرا سی بھی چوک اسے ہرا سکتی تھی' لیکن ایشان جاہ پھر ایشان جاہ تھا' اس نے لاسٹ منٹ میں اتنی خوب صورتی سے گاڑی کو پیچھے چھوڑا کہ شائقین داد دیے بغیر نا رہ سکے۔

''اپنا شیر جیت گیا۔'' سب کی رکی سانسیں بحال ہوئی تھی۔ ایشان جاہ وکٹری لائن کے بعد گاڑی دوڑاتا ان تک آیا تو ماحول میں شور مچ گیا۔

''شیر ہے اپنا شیر۔'' سعید اسے سراہے بنا نہ رہ سکا۔ وہ گاڑی سے نکل کر ان تک آیا تھا۔ تینوں ہی اس پہ چڑھ دوڑے تھے۔

''کانگریٹس چیمپ.....'' انشراح بھی کھلکھلائی تھی۔

''تھینکس ڈیئر۔'' وہ مسکرا کر چابیاں جھلا رہا تھا' مبارک باد دینے والے امڈ آئے تھے۔ وہ مسکرا مسکرا کر پرنس بنا کھڑا تھا۔

''مجھے ہارنا کبھی پسند نہیں۔'' بھیڑ کو چیر کر خرم اس تک آیا تھا۔ یہ وہی حریف تھا جس نے ایشان جاہ کو ٹف ٹائم دیا تھا۔

''تم نے للو پنجو سے مقابلہ کیا ہوگا' تمہارے مقابل کبھی ایشان جاہ جیسا فاتح آیا نہیں' تب ہی ورنہ تم یہ جملہ سوچ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بھی نا سکتے ڈیئر' بولنا تو دور کی بات ہے۔'' سہیل کے تن کے بولنے پہ خرم تو بل کھا کے رہ گیا۔ ایشان جاہ نے مسکراتی نگاہ خرم پہ ڈالی۔

''حقیقت تو یہ ہے کہ تم ہار چکے ہو۔'' ایشان جاہ کا لہجہ جتاتا ہوا تھا۔ نظریں مسکرا رہی تھیں۔ خرم کئی ثانیے اسے غصے سے گھورتا رہا۔

''شکل دیکھی تھی خرم کی..... لگ رہا تھا رو پڑے گا۔'' جیت کا جشن منانے کے لیے وہ سب دودریا کے ریسٹورنٹ میں بیٹھے کھانا کھاتے ہوئے آج کی ریس پر بحث بھی کر رہے تھے۔

''ایسا ویسا..... ایک پل کو تو لگا اس کا جھگڑا کرنے کا موڈ ہے۔'' سہیل کی بات کو سعید نے آگے بڑھایا..... سب نے تائیدی انداز میں سر ہلایا..... ایشان جاہ کولڈ ڈرنک کے سپ لیتے انہیں سن رہا تھا۔

''جھگڑا کرتا تو اسے بھی لگ پتا جاتا' اسے خبر نہیں ایشان جاہ کس چیز کا نام ہے۔ انکل نے تو شوٹ پہلے کرنا ہے' پوچھنا بعد میں ہے کہ بیٹا جی مسئلہ کیا ہے؟'' عزیر چونکہ ایشان جاہ کی پوری فیملی سے واقف تھا اس لیے گوش گزار کر گیا۔

''ہیسلوٹلی انکل ٹوچ اگریسو ہیں' ہم سب کی تو جان جاتی ہے ان سے۔'' انشراح نے بھی ایشان جاہ کی کزن ہونے پہ اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''یاد نہیں پچھلی بار کالج کے گروپ کی آپس میں لڑائی کے دوران غلطی سے بوتل ایشان کو لگ گئی تھی اور انکل نے کالج سیل کروا دیا تھا..... وہ تو مینجمنٹ نے ہفتوں منت سماجت کی اور ایشان نے بھی اصرار کیا تو انکل نے کالج کھولنے کی اجازت دی۔'' سہیل بھی کالج کا واقعہ گوش گزار کر گیا کہ وہ سب ساتھ ہی پڑھتے آ رہے تھے۔

''یو آر سو لکی ایشان' انکل دنیا کے بیسٹ فادر ہیں' تیرے ایک اشارے پہ کسی کی بھی جان لے لیں۔'' عزیر بھی ایشان کے والد محترم کی پرسنالٹی' ان کے انداز کا شیدائی تھا۔

''سو تو ہے' ون آف دا بیسٹ ڈیڈ ہیں میرے۔'' ایشان جاہ کے لہجے میں باپ کے لیے بے حد مان و فخر تھا۔

''گائز' میں بھی لکی ہونے جا رہا ہوں' مجھے بھی مبارک باد دے دو انگیجمنٹ ہونے جا رہی ہے میری۔'' سعید نے موضوع گفتگو بدلتے تذکرہ چھیڑا تو سب پُرجوش ہو گئے۔

''کب..... واٹ..... کس کے ساتھ؟'' کتنے ہی ایسے جملے سب کی طرف سے ادا ہوئے تھے۔

''چند روز میں..... بس پاپا کا آرڈر ملا تو ہم نے بھی ہاں کر دی۔ کزن ہے' مجھے پسند ہے۔'' سعید مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔

''یار..... عشق پروان چڑھا رہا تھا اور دوستوں کو بتایا تک نہیں۔'' سہیل نے ایک دھپ رسید کی۔

''کانگریچولیشنز ڈیئر۔'' ایشان جاہ خوش دلی سے گویا ہوا۔

''ایسے نہیں..... انگیجمنٹ کی پارٹی میں آ کر وش کرنا۔'' سعید نے کہا۔

''ہاں' ہاں' ہم سب آئیں گے۔'' انشراح نے یقین دلایا۔ کافی دیر سب گپ شپ ہو رہی تھی گو کہ رات کافی ہو چکی تھی مگر وہ جس کلاس سے تھے وہاں یہ عام سی بات تھی۔ تب ہی تو چار چار لڑکوں کے ساتھ انشراح بھی ریلیکس بیٹھی ہوئی تھی۔ انشراح' ایشان جاہ کی خالہ زاد تھی اور باقی سب کلاس فیلو تھے..... اب یونیورسٹی میں بھی سب نے ساتھ ہی ایڈمیشن کے لیے ٹیسٹ دیا تھا۔

''او کے' کل ملتے ہیں۔'' وہ سب رخصت ہونے کے لیے اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ انشراح کو پک اینڈ ڈراپ ایشان جاہ ہی دیتا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ایشان جاہ اپنی پارک کی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھا تھا' تب ہی ایک تیز رفتار کار اسے پیچھے سے سائیڈ مارتی گزر گئی تھی۔ اس کی پشت اس طرف تھی وہ اس صورت حال کے لیے قطعاً تیار نا تھا۔ تب ہی اچھل کر سامنے فٹ پاتھ پہ گرا تھا۔ اس کا ماتھا فٹ پاتھ سے لگا اور خون کا فوارہ بہنے لگا تھا۔

''ایشان.....!'' انشراح چلائی تو باقی دوست بھی اپنی اپنی گاڑیوں سے نکل کر اس تک بھاگ کر آئے تھے۔

''یہ تو خرم کی کار لگ رہی ہے۔'' سہیل کی نظر دور جاتی کار پہ تھی۔ ایشان جاہ کی بند آنکھیں دیکھ کر ان سب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔

☆

''ٹریولنگ لاہور ٹو کراچی..... بائے روڈ۔'' کا اسٹیٹس لگا کر شنائیہ چودھری دوستوں کے کمنٹ پڑھ پڑھ کر دل مسوس رہی تھی۔

''واؤ انجوائے۔'' جب تک روشنی تھی وہ گلاس سے نظریں جمائے باہر دیکھ کر وقت گزار رہی تھی' مگر جیسے جیسے اندھیرا پھیلنے لگا اس کی آنکھیں بھی اندھیرے سے دھندلانے لگیں' ایک یہ مصروفیت بھی ختم ہوگئی تھی' اوپر سے دوستوں کے مزے کرو جیسے کمنٹ پڑھ کر شاہ زر شمعون کو دزدیدہ نظروں سے گھورتے اس کا جی ہی جل گیا۔

''خاک مزے کروں.....؟ شارٹ کٹ کے چکر میں جانے کون سے جنگل جھاڑ سے لے کر جا رہا ہے..... بائے روڈ کے بجائے بائے جنگل کا اسٹیٹس لگانا چاہیے تھا مجھے..... دو ہٹلر ہو نہہ..... سر جھٹک کر اس نے دکھتی ایڑی پہ نظر ڈال کر دونوں پیر سیٹ پہ رکھ کر اور شال خود پہ پھیلا کر اس کا ارادہ آنکھیں موندنے کا تھا تاکہ سفر تو کسی قدر غنودگی کے عالم میں کٹ جائے۔

''میری لائف کا بورترین سفر.....'' وہ منہ بسور گئی۔

ایڑی سے اٹھتی درد کی ٹیسیں اسے الگ زود رنج کر رہی تھیں' جیسے تیسے زخم صاف کر کے اس نے مرہم لگا کر بینڈ ایج کی تھی۔ مگر اس جیسی نازک مزاج اتنے بڑے زخم پہ واویلا نہیں کر رہی تھی یہی خاصا حیران کن تھا اس کے لیے..... تھوڑی دیر پہلے اس نے پیٹ بھر کے کباب' پلاؤ اور نگٹس' کھائے تھے' کافی پی کر تازہ دم ہوگئی تھی۔ اس نے شاہ زر شمعون سے بھی پوچھا تھا جواب میں اس نے صرف کافی کا کہا تھا۔

''انسان ہے یا مشین..... بھوک پیاس نہیں لگتی اسے۔'' وہ کافی تھماتی سوچ کے رہ گئی۔

اسی لمحے شاہ زر شمعون کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ نیند پہ خلل پڑنے کے باعث شنائیہ چودھری کو کوفت ہونے لگی۔ ہر دس منٹ بعد تو اس کا سیل فون بجنے لگتا تھا۔ جانے کون کون فون کر کے اپنے دکھڑے روتا رہتا تھا۔ حویلی کے ایک ایک بندے کا فون آچکا تھا۔ چودھری حشمت' فائزہ' زمرد بیگم سب نے ہی بات کی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے کام کے کئی بندوں کی کال تھی..... وہ گفتگو سے اندازہ لگا رہی تھی' خود اس کا دل چاہ رہا تھا' وہ کسی دوست سے بات کر کے ٹائم پاس کرے مگر ہائے ری قسمت' وہ اس کے سامنے بات بھی کرتی تو کیسے..... اس پہ بھی وہ دس اعتراض اٹھا دیتا۔

''ٹھیک ہوں جگر.....'' شاہ زر شمعون نے سیل فون کان سے لگایا تھا۔ لہجہ کسی قدر نرم تھا۔

''اس سڑیل کا جگر کون ہو سکتا ہے' جس سے بات کرتے اس کی ٹون ہی بدل گئی۔'' شنائیہ اس کے چہرے پہ پھیلے نرم تاثرات کو حسرت سے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں بہت اچھا گزر رہا ہے..... فلمی سین کی طرح ہاتھ لہرا لہرا کر لوگ گاڑی رکوا لیتے ہیں۔'' وہ کہہ رہا تھا اور شنائیہ چودھری بے ساختہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''یااللہ! اب یہ ساری رپورٹس داجان تک نا پہنچا دے اور پپا تک گئی تو دونوں طرف سے شامت آ جائے گی..... لیکن یہ رپورٹ دے کس کو رہا ہے؟'' وہ سوچ کے رہ گئی' سوال پوچھنے کی ہمت نا تھی۔

''اس کے ساتھ رہ کے تو مجھے خود سے سوال جواب کرنے کی بیماری لگ جائے گی۔'' وہ تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی۔

شاہ زر شمعون نے اپنا سیل اچانک اس کی طرف بڑھایا تھا۔ سمہان آفندی محظوظ ہوا۔ وہ شاہ زر شمعون کو بہت اچھی طرح جانتا تھا..... اس کے لب و لہجے نے ظاہر کر دیا تھا کہ وہ کس قدر چڑا ہوا ہے۔ شنائیہ چودھری جو اتنی دیر سے فون پہ کون ہے؟ کا تعین کر رہی تھی' اس کے سیل فون ایک دم سے بڑھانے پہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پہ درج سوال پڑھ کر بھی اس نے جواب خاک دینا تھا۔ اسی نے سیل فون لے کر کان سے لگایا' فون دینے پہ ہی اندازہ ہو گیا تھا دوسری طرف کوئی اپنا ہی ہے۔

''ہیلو۔'' اس کی ڈری سہمی باریک آواز سن کر سمہان آفندی نے اپنی ہنسی کو بامشکل روکا۔

''کیسی ہیں شنائیہ جی..... کیسا گزر رہا ہے سفر؟'' وہ یقیناً ان دونوں کی حالت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

اندھیری رات کا سفر' ایک سیڑیل مزاج' جسے بولنا گناہ لگتا تھا' دوسری طرف شوخ چنچل لیکن شاہ زر شمعون کے سامنے بزدل شنائیہ اسے اچھی طرح خبر تھی اس کی کتنی جان جاتی تھی اس کے سامنے۔

''تم تھوڑا سا وقت نہیں نکال سکتے تھے۔'' شنائیہ چودھری دبے دبے لہجے میں جیسے منمنائی..... سمہان آفندی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

میں تو اک عام سپاہی تھا حفاظت کے لیے
شاہ زادی' یہ تیرا حق تھا تجھے 'شاہ' ملے.....!

سمہان آفندی نے جس شرارتی انداز سے برمحل شعر پڑھا تھا (اسے وہ خود ہی شعر کہہ سکتا تھا) اور اس کے بعد اس کا قہقہہ سن کر شنائیہ چودھری کا جی چاہا اسے خوب سنائے لیکن شاہ زر شمعون کی موجودگی میں یہ ناممکن تھا۔ اسپیکر اس کے کان سے لگتے آن ہو چکا تھا اور یہ شعر شاہ زر شمعون نے بھی ''سماعت'' فرما لیا تھا اور اسے گھور کر دیکھا۔ وہ ایک دم چور سی ہو کر سمہان آفندی کو دل میں کوستی اسپیکر آف کر گئی تھی۔

''میں گھر پہنچ گئی زندہ سلامت تو بات کرتی ہوں۔'' شنائیہ چودھری نے اس کی ''گھوری'' کی زد میں خاک بات کرنا تھی۔ اس نے بے ساختہ فون شاہ زر شمعون کو واپس تھمایا۔

''بولو اب۔'' شاہ زر شمعون نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''کب تک پہنچ جاؤ گے؟ اپنی رفتار کے حساب سے تم نے آدھے سے زیادہ سفر تو طے کر لیا ہو گا؟'' سمہان آفندی نے اندازہ لگایا۔

''آٹھ بجے تک پہنچ جاؤں گا' ان شاء اللہ۔'' شاہ زر شمعون نے تسلی دی۔

''او کے برو..... لانگ جرنی ہے بی سیف اینڈ کیپ آن ٹچ۔ ویسے تو تُو سوپہ اکیلا بھاری ہے لیکن بھائی کی ضرورت جہاں ہو وہاں بس کال کر دینا جان حاضر ہو جائے گی۔'' سمہان آفندی نے جس بے ساختگی سے کہا تھا شاہ زر شمعون مسکرا دیا تھا۔

''جانتا ہوں تمہیں۔'' چند ایک بات کے بعد دونوں نے الوداعی کلمات کہہ کر کال بند کر دی تھی۔

''پیچھے جا کر سیٹ پہ لیٹ جاؤ۔'' شاہ زر شمعون کو بھی جیسے اس گھڑی احساس ہو گیا تھا کہ وہ کئی گھنٹوں سے سکڑ سمٹ کر سیٹ پہ بیٹھی ہے' تب ہی آفر کی کہ ابھی صبح ہونے میں کئی گھنٹے باقی تھے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''جس اسپیڈ سے گاڑی چل رہی ہے' مجھے سیٹ سے لڑھکنے کا کوئی شوق نہیں۔'' گو کہ وہ اس کے سامنے ڈر کر ہی بولتی تھی مگر جب بھی اس کے آگے زبان کھلتی تھی مزاج کے مطابق وہ کچھ ایسا بول جاتی کہ وہ اسے ''ایک گھوری'' کا مستحق ضرور سمجھنے لگتا تھا۔

''بس لائٹ آف کردیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ روشنی چبھ رہی ہے۔'' وہ جلدی سے کہہ کر شانوں تک پڑی شال چھپاک سے سر تک تان گئی تھی' شال کے اندر منہ کرکے بھی اسے اندازہ تھا ''ایک گھوری'' تو ضرور ملی ہوگی لیکن چند ثانیے بعد لائٹ آف ہوگئی تو اسے تسلی ہوئی۔

''سٹریل نے لائٹ تو بند کی۔''

☆

''یہ تم اس وقت حویلی میں کیا کرتی پھر رہی ہو اتنی رات گئے؟'' عیشال جہانگیر بڑے موڈ میں پلیٹ میں نوڈلز' کافی کا مگ دوسرے ہاتھ میں تھامے گنگناتی ہوئی کچن سے اپنے کمرے کی اور بڑھ رہی تھی' تب ہی چودھری حشمت تہجد پڑھنے کی نیت سے اٹھے تھے' اپنے کمرے سے باہر نکل کر آئے تو عیشال جہانگیر کو یوں ریلیکس پھرتے دیکھ کر ناگواری کا اظہار کرنا بھولے..... ان کی نظریں اس کے ہاتھ میں موجود چیزوں پر پڑیں تو ان کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

سمہان آفندی بھی شاہ زر سمعون سے بات کرکے فری ہو چکا تھا۔ اس کی سماعت سے چودھری حشمت کا لہجہ ٹکرایا تو وہ بے ساختہ اوٹ میں ہوگیا کہ اسے اس وقت دیکھ کر کہیں عیشال جہانگیر ان کے غصہ کی زد میں آجائے۔ سمہان آفندی کو تو شاید وہ کچھ نا کہتے مگر عیشال کی کلاس ضرور ہو جانی تھی کہ بہر حال حویلی کی عورتوں کے لیے کچھ قواعد وضوابط تھے جس کی وہ پابند تھیں۔

''وہ داجان.....'' عیشال جہانگیر بھلے جتنی نڈر و منہ پھٹ تھی مگر چودھری حشمت کے آگے اس کی بھی گھگی بندھ جاتی تھی۔ اس وقت وہ بری پھنسی تھی' کچھ بولنا عبث تھا۔ خیر ہوتی کہ چودھری حشمت کا گزر ہوگا تو وہ سوچ سمجھ کر نکلتی۔

''یہ وقت ہے کھانے پینے کا۔'' چودھری حشمت اسے کڑی نظروں سے دیکھ رہے تھے اسے ہاتھ میں موجود پلیٹ کا بوجھ اٹھانا مشکل لگنے لگا تھا۔

''داجان..... بھوک لگ رہی تھی۔'' عیشال جہانگیر منمنائی۔

''بھوک تو لگے گی' جب دسترخوان لگا ہوا ہو' ملازم تمہیں بلانے آئیں اور تم انہیں انکار کہلوا دو تو اس وقت بے وقت کی بھوک تو لگے گی۔'' چودھری حشمت سخت برہم نظر آرہے تھے' عیشال سے کوئی جواب نا بن پڑا۔

''عیشال..... ہم تمہیں کچھ زیادہ رعایت دیتے ہیں' اس کی کئی وجوہات ہیں' لیکن اس رعایت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ تم حویلی کے اصولوں کے خلاف چلتی رہو' اپنی مرضی' من مانی کرتی پھرو اور ہم بیٹھے تماشا دیکھتے رہیں..... ہم پہلی اور آخری بار تمہیں وارننگ دے رہے ہیں آئندہ سے کھانے کے دسترخوان پہ تمہاری موجودگی لازم ہونی چاہیے..... یوں آدھی رات کو یہ تماشا دوبارہ نا ہو۔'' وہ سختی سے باور کروا رہے تھے۔

''جی داجان۔'' وہ بے ساختہ سر ہلا گئی' یوں سستے میں جان چھوٹنے کی امید جو نا تھی۔

''اور یہ تمہارا حلیہ کیا ہے؟'' وہ جان چھوٹنے پہ ٹھیک سے شکر بھی نا کر پائی تھی کہ ان کی طرف سے آتے استعجابیہ سوال پہ پھر لرز گئی۔

غالباً اب ان کا دھیان اس کے پہناوے کی طرف گیا تھا۔ جہاں سمہان آفندی بے ساختہ لب دانتوں تلے دبا گیا' وہیں عیشال جز بز ہو کر خفیف سی ہوگئی۔ دونوں ہاتھ بزی تھے جو وہ اسکارف کو ٹھیک کر پاتی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''کیا ہے یہ؟'' چودھری حشمت حیرت سے نکلے تو ان کی آواز میں پہلے سے کہیں زیادہ سختی اور سرد مہری عود کر آئی تھی۔ عیشال کا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والا حال ہو گیا تھا۔

''ہم تمہارے رنگ ڈھنگ دیکھ رہے ہیں عیشال..... ہمیں یہ گستاخی ذرا بھی برداشت نہیں کہ تم حویلی کے اصولوں کو چیلنج کرتی پھرو۔ ہمیں مجبور نہ کرو کہ ہم حویلی سے دور کہیں اور تمہارا ٹھکانا کرنے کے متعلق سوچیں.....'' سمہان آفندی بے طرح متفکر ہو رہا تھا۔ عیشال بھی ان کی انتہا پسندانہ فیصلوں سے آگاہ تھی۔ اسے بھی تشویش نے آلیا۔ جانے وہ اس کے متعلق کیا حکم صادر فرماتے۔

''تمہارے حلیے کی بابت تو ہم تمہاری دی جان' بہو فائزہ اور فریال سے صبح بات کریں گے کہ ان کی نظر اب تک تمہارے اس پہناوے پہ کیوں نہیں پڑی۔'' عیشال کو افسوس ہونے لگا' اب اس کی وجہ سے سب کی شامت آنی تھی۔

''داجان..... کسی کی غلطی نہیں ہے' یہ میری پسند ہے۔'' وہ جی داری سے سارا الزام اپنے سر لے گئی۔

''کیا تم بے خبر ہو کہ حویلی میں اپنی پسند کوئی معنی نہیں رکھتی؟ کیا تم انجان ہو' اس حویلی میں اپنی پسند کو اپنانے کا حق کسی کے پاس نہیں؟ اس حویلی میں وہی ہوتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ تمہیں کہاں جانا ہے' کہاں آنا ہے' کیسے رہنا ہے' یہ ہم منتخب کریں گے' تم نہیں.....'' چودھری حشمت جلال میں آ گئے تھے۔

''داجان.....'' سمیان آفندی بے ساختہ سامنے آیا۔

چودھری حشمت اس پکار پہ چونک سے گئے تھے۔ عیشال جہانگیر کو بھی جیسے تقویت ملی تھی۔ وہ یوں آ رہا تھا جیسے ابھی ابھی اپنے کمرے سے نکل کر راہداری میں داخل ہوا ہو..... کم از کم دیکھنے والے کو ایسا ہی لگ رہا تھا' وہ ان دونوں کے سامنے آ کر یوں کھڑا ہوا جیسے معاملہ سمجھنا چاہ رہا ہو۔

''اپنے کمرے میں جاؤ' ہم تم سے صبح بات کرتے ہیں۔'' سمہان آفندی کی دخل اندازی کام کر گئی تھی۔ اس کے حلیے کو مدنظر رکھ کر چودھری حشمت نے سمہان آفندی کا خیال کر کے اسے کمرے میں جانے کا اشارہ کیا تھا۔ عیشال بھی جان چھوٹی لاکھوں پائے کے مصداق سر پہ پیر رکھ کر بھاگی تھی۔

''کہو' تم کیوں جاگ رہے ہو اس وقت؟'' چودھری حشمت کے سوالوں کی زد میں وہ آ گیا۔

''سر میں درد سا محسوس ہو رہا تھا' آنکھ کھل گئی' اب سوچا ہے تہجد ہی پڑھ لوں آپ کے ساتھ..... پھر آپ سے فیصلوں کے متعلق بات کرنی ہے۔ شاہ بول کر گیا ہے کٹائی شروع کروا دوں۔ آج ہی سے کرا دوں کام شروع یا کل سے؟'' وہ جلدی میں ان کے سامنے آ تو گیا تھا کہ عیشال جہانگیر کی جان خلاصی ہو مگر انہیں روکنے کی وجہ جلدی میں گھڑ گیا۔

''فصل دیکھ لو تم بھی..... شاہ کے حساب سے تو آج ہی سے شروع کر دو..... اسے زیادہ سمجھ بوجھ ہے ان معاملوں کی۔'' وہ چودھری حشمت کا دھیان وقتی طور پر بٹانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''ہاں یہ تو ہے' پھر میں صبح ہی کام شروع کروا دوں گا۔'' وہ سعادت مندی سے کہہ گیا۔

''کہاں تک پہنچا شاہ' تمہاری بات ہوئی اس سے' سب خیر ہے؟'' چودھری حشمت اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگے تو وہ ان سے ایک قدم کا فاصلہ رکھ کر مودب چلنے لگا۔

''جی ابھی بات ہوئی ہے میری صبح آٹھ بجے تک پہنچ جائے گا۔ سب ٹھیک ہے۔'' اس نے بتایا۔

''چلو پھر ساتھ ہی تہجد پڑھو گے یا اپنے کمرے میں؟'' وہ اپنے دروازے پہ رک گئے تھے' سمہان آفندی کے قدم بھی ٹھٹکے۔

''جیسا آپ کا حکم ہو۔'' وہ مودب ہوا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''چلو ساتھ ہی پڑھتے ہیں آج۔'' چودھری حشمت پوتے کی اس اعلیٰ درجے سعادت مندی پہ جہاں نثار ہو گئے وہیں پوتی کی گستاخی یاد کر کے ان کے لب بھنچ گئے تھے۔ سمہان آفندی ان کے پیچھے ان کے کمرے میں داخل ہوا۔

دوسری طرف عیشال کی بھوک اڑن چھو ہو گئی تھی۔ سمہان آفندی نے اسے اس وقت تو بچا لیا تھا مگر صبح کیا ہو گا؟ جب اس کے ساتھ سب کی شامت آئے گی؟ وہ پریشانی سے کمرے میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔

''چھوڑو..... صبح کی صبح ہی دیکھی جائے گی..... ابھی سے سوچ سوچ کر کیوں خون جلاؤں۔'' سرکش مزاج کے باعث کسی بھی معاملے پہ زیادہ دیر گھلنے کی بجائے وہ سر جھٹک کر فلور کشن پہ بیٹھ کر چکن و کیٹیبل نوڈلز کھانے لگی۔

''پہلے سمہان کی جھک جھک اور پھر دادا جان کی کلاس نے سب ٹھنڈا کر دیا۔'' وہ منہ بسور کر قدرے ٹھنڈی کافی کے گھونٹ بھرنے لگی۔

☆

رکے تو گردش اس کا طواف کرتی ہیں
چلے تو اس کو زمانے ٹھہر کے دیکھتے ہیں

وہائٹ شلوار سوٹ میں ملبوس دو دو پسٹل دائیں بائیں لگائے کنپٹیوں میں سفیدی لیے..... انگلیوں میں سگریٹ دبائے رعب و سرد مہری چہرے پہ سجائے چودھری جہانگیر تیز رفتاری سے ہاسپٹل میں انٹر ہوئے تھے۔ ان کی صورت اجنبی نہیں تھی..... ہسپتال میں کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ دو تین گن مین ان سے کچھ فاصلے پہ اردگرد کے ماحول کو نظروں میں رکھے چل رہے تھے۔

''سر روم نمبر ون زیرو ٹو۔'' ان کے سوال سے پہلے ہی رسپشن پہ موجود بندے نے روم نمبر بتا دیا تھا اور وہ تیزی سے سیڑھیاں طے کر گئے تھے..... جوتوں کی دھمک سے اردگرد موجود لوگ سیڑھیوں پہ دبک سے گئے تھے۔ پسٹل، مشین گن اور گن مین کا بھرم ہی کافی تھا۔ ہر کوئی متجسس نظروں سے چودھری جہانگیر اور ان کے قافلے کو دیکھ رہا تھا۔

''ڈیڈ.....'' دروازہ کھلا اور وہ سب جو ایشان جاہ کو گھیرے میں لیے اس کے ساتھ بیٹھے تھے اچانک دروازہ کھلنے پہ سب الرٹ ہو گئے گن مین باہر ہی گیٹ پہ رک گئے تھے۔ نیم دراز ایشان جاہ، چودھری جہانگیر کو دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''کیسے ہوا یہ؟'' چودھری جہانگیر اس کی طرف بڑھ کر بے ساختہ اس کے ماتھے سے بندھی پٹی پہ استفسار کر رہے تھے۔ ایشاہ جاہ ان کی آمد پہ متحیر تھا، یقیناً ان میں سے ہی کسی نے کال کی ہو گی۔

''انکل یہ ایکسیڈنٹ نہیں ہے، ریس ہارنے والے نے جان بوجھ کے ایشان کو ٹارگٹ کرتے ہار کا بدلہ لینا چاہا ہے۔'' ایشان جاہ سے پہلے ہی عزیر بول اٹھا۔

''نام اور حلیہ بتاؤ صرف.....'' چودھری جہانگیر بے ساختہ گردن موڑ کر سرد لہجے میں کہتے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ عزیر نے فراٹے سے حلیہ اور نام گوش گزار کر دیا۔ سونے پہ سہاگہ سہیل نے گاڑی کا نمبر بھی ریمائنڈ کروا دیا۔

''صرف دو گھنٹے میں وہ لاک اپ میں اپنی ہڈیاں سہلا رہا ہو گا..... چاہو تو آ کر اس کی اوقات یاد دلا سکتے ہو۔'' ایشان جاہ کے بینڈیج لگے زخم کو نرمی سے چھوتے چودھری جہانگیر کا سرد و خشک لہجہ ایک لمحے کو سب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پھیلا گیا تھا۔

''اس کی اوقات یاد دلانے کے لیے آپ ہی کافی ہیں ڈیڈی۔'' ایشان جاہ فخریہ لہجے میں بولا..... اسے خبر تھی خرم کا برا وقت شروع ہو چکا ہے۔

ایشان جاہ کے چہرے پہ غرور کا رنگ تیزی سے پھیلا تھا اور پھیلتا بھی کیوں نہیں اس کے ماتھے پہ ذرا سی چوٹ لگنے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سے بے ہوش ہونے کی خبر سن کر چودھری جہانگیر جس طرح اپنا لاؤ لشکر لے کر آئے تھے' جس طرح خرم کی شامت کا کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو گیا تھا' اس پہ ایشان جاہ کیونکر ناراض ہوتا۔ ایسے والد بھی تو سو میں سے ایک ہوتے ہیں۔

''زیادہ لگی تو نہیں؟'' چودھری جہانگیر متفکر تھے۔

''نہیں ڈیڈ..... اتنا کمزور نہیں آپ کا بیٹا' بس وار پیچھے سے کیا تھا ورنہ منہ توڑ جواب تو اسے وہیں مل جاتا۔'' ایشان جاہ کی رگوں میں بھی چودھری گھرانے کا خون گردش کر رہا تھا لب و لہجہ آتش فشاں تھا۔

''او کے چلو تمہیں ڈراپ کر دوں گھر۔'' چودھری جہانگیر نے کہا۔

''آئم فائن ڈیڈ ٹرسٹ می' آپ اپنا کام کریں میں چلا جاؤں گا۔'' ایشان جاہ نے یقین دلایا تو چودھری جہانگیر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ان کے نکلتے ہی ان کا لاؤ لشکر ایکٹو ہو گیا اور ایک بار پھر راہداری میں جوتوں کی دھمک گونجنے لگی۔

''باپ رے باپ انکل ہیں کہ انڈر ٹیکر۔'' سعید چودھری جہانگیر کی چند منٹ کی دھماکے دار انٹری پہ حقیقتاً بھونچکا رہ گیا تھا۔ اس کی ایک آدھ بار ہی ملاقات ہوئی تھی' ان سے بظاہر سرسری مگر اس وقت ان کا جو روپ تھا وہ ان سب کے اعصاب پہ سوار ہو گیا تھا۔

''خرم تو گیا۔'' سہیل دھپ سے ایشان جاہ کے پاس بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ چودھری جہانگیر کے جاتے ہی سب شروع ہو گئے تھے۔ انشراح چپ کر کے کھڑی تھی۔ وہ کزن تھی اس لیے چودھری جہانگیر کے انداز سے بخوبی واقف تھی یہ سب اس کے لیے نیا نہیں تھا۔

''ایشان جاہ تو سچ میں لکی ہے' اگر ابھی میں ایسے کسی ہاسپٹل میں پڑا ہوتا ناں تو میرے پیارے آ کر پہلے مجھے دو تھپڑ رسید کرتے تھے بعد میں کسی اور کی باری آتی۔'' سعید از حد متاثر ہو کر ٹانگیں لمبی کر گیا۔ ایشان جاہ مسکرا دیا۔

''اٹھو بھئی' چلنے کی کرو میرا تو دم گھٹ رہا ہے یہاں۔'' انشراح دواؤں کی اسمیل سے چڑی ہوئی لگ رہی تھی۔

''ایشان میں ڈرائیو کر لوں گی۔'' انشراح نے اس کی طبیعت کے پیش نظر کہا۔

''ابھی اتنا بھی زخمی نہیں ہوا کہ ڈرائیو نا کر سکوں' بے فکر رہو تمہیں بخیریت ڈراپ کر دوں گا۔'' ایشان جاہ بیڈ سے پیر نیچے لٹکاتے انشراح سے کہتے جوگرز پہننے لگا۔ باقی سب جوگرز اتارے ریلیکس بیٹھے چائے کولڈ ڈرنک انجوائے کر رہے تھے۔

''بل کی ادائیگی؟'' عزیر کو ہی خیال آیا۔

''ڈیڈ نے کر دی ہوگی۔ جہاں ڈیڈ کے قدم پڑیں وہاں مجھے ٹینشن نہیں ہوتی۔'' ایشان جاہ کے لہجے میں چودھری جہانگیر کے لیے فخر ہی فخر تھا۔ بلیک اسٹائلش سی برانڈڈ شارٹ جیکٹ اٹھا کر پہننے لگا' جس سے اس کی وجاہت مزید بڑھ گئی تھی۔ ان سب کی گاڑیاں گھروں کی طرف چل دی تھیں۔

☆

چودھری جہانگیر نے روم سے نکلتے ہی تمام چیک پوسٹ کو الرٹ کر دیا تھا۔ ہائی پروفائل کیسز کو ڈیل کرنے والے ایس ایس پی چودھری جہانگیر کے کام میں بھلے دیر ہو سکتی تھی' ایک گھنٹے سے بھی قبل خرم کو ان کے ٹارچر روم میں پہنچا دیا گیا تھا۔ خرم اس شہر میں نیا اور جذباتی لڑکا تھا' جسے گھر جانا بھی نصیب نہیں ہوا تھا..... وہ یوں اریسٹ ہونے پہ ہکا بکا ہوتے ہوئے بھی اپنے پاپا کو میسج کرنے میں بالآخر کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ ورنہ جانے اسے کہاں غائب کر دیا جاتا کہ اس کے پرکھوں کو بھی خبر نا ہوتی۔ وہ پریشان نظر نہیں آ رہا تھا' اسے اپنے باپ کی پہنچ پہ ناز تھا' مگر وہ اپنے جرم کا تعین نہیں کر پا رہا تھا۔ ہاں اس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نے ایشان جاہ کو ٹکر ضرور مار کر خار نکالی تھی' مگر اس کی نظر میں وہ اتنا بڑا کام نہیں تھا کہ اسے یوں راستے سے ہی اٹھوا کر اریسٹ کر لیتے..... وہ ایشان جاہ کے بیک گراؤنڈ سے بھلے ناواقف تھا مگر اسے اپنے مالدار باپ پہ بھی بھروسہ تھا کہ ان کی جیب میں بھی بڑے بڑے آفیسرز رہتے تھے' تب ہی وہ ریلیکس تھا' لاپروائی سے چیونگم چبا رہا تھا اور آتے جاتے آفیسرز اسے بے چاری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ کس کی کسٹڈی میں بند تھا یہ اسے خبر نا تھی ابھی۔

لیکن یہ بے خبری بھی جلد ہی دور ہوگئی جب کسی نے گیٹ کھول کر جلدی سے سائیڈ ہونے میں عافیت جانی' آنے والے نے تیز رفتاری سے داخل ہو کر خرم کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ ابھی وہ چودھری جہانگیر کے نقوش بھی ڈھنگ سے نا دیکھ پایا تھا کہ انہوں نے اس تک پہنچتے ہی اس پہ تھپڑوں کی بارش کر دی۔ پہلا زوردار تھپڑ لگتے ہی خرم جیسا لاابالی انسان ایک طرف لڑھک گیا..... اسے کالر سے گھسیٹ کر چودھری جہانگیر نے سامنے کھڑا کیا۔ انہیں بھی اندازہ ہو گیا تھا وہ ان کے تھپڑوں کی تاب لانے کے قابل نہیں تب ہی اسے کالر سے دبوچ کر انہوں نے مزید کئی تھپڑ اس کے سجے سنورے منہ پر جڑ دیے۔ پل بھر میں اس کے منہ کا جغرافیہ بدل گیا' گال سوج گئے' ہونٹ پھٹ گیا' آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔

''سر..... پلیز..... سر..... پلیز مجھے میرا قصور تو بتائیں۔'' خرم پٹتا رہا اور اذیت کے ساتھ گھگیائے جا رہا تھا۔

''سر..... سیٹھ وسیم آئے ہیں' اپنے صاحبزادے کی تلاش میں۔'' ان کے ماتحت آفیسر اندر داخل ہو کر گویا ہوا۔ اشارہ خرم کی طرف تھا..... باپ کی آمد کا سن کر خرم کو اپنی موت ٹلتی محسوس ہوئی۔

''کہہ دو' یہاں ان کا بیٹا نہیں ہے' جب تک وہ ثبوت لائیں گے' ہم اسے یہاں سے غائب کر چکے ہوں گے۔'' چودھری جہانگیر کا سرد لہجہ' سرخ آنکھیں' خرم جیسے منحنی جوان کے جسم میں پھریری دوڑا گیا تھا۔ ان کے لفظوں نے اس کے سارے کس بل ڈھیلے کر دیئے تھے..... اب اسے اپنی موت یقینی لگنے لگی۔

''سر پلیز' مجھے معاف کر دیں' میرے بابا سے ملنے دیں۔'' خرم ہاتھ پاؤں جوڑنے لگا۔ اسے آج تک کسی نے پھولوں سے نہیں مارا تھا اور یہاں تو آج اس کی درگت بن گئی تھی۔

''سر..... یہ فون کر چکا ہے اپنے باپ کو۔ وہ شیور ہیں کہ ان کا بیٹا یہیں ہے۔'' چودھری جہانگیر کا حکم سننے کے بعد آفیسر نے مودب ہو کر کہا۔ چودھری جہانگیر کے چہرے پہ پھر بھی تشویش کی کوئی لہر نا آئی۔

''ایشان..... تمہارا مجرم' میری کسٹڈی میں ہے بولو کیا کروں اس کے ساتھ۔'' سیٹھ وسیم باہر بیٹھے تھے اور چودھری جہانگیر سیل فون نکال کر بیٹے کو کال کر بیٹھے تھے کہ وہ اس کا مجرم تھا۔ وہ جو طے کرتا وہ عمل کرتے' پھر بھلے ساری دنیا ایک طرف ہوتی' وہ سب کو دیکھ لیتے۔

''شہر میں نیا آیا ہے شاید' چھوڑ دیں ڈیڈ' جتنی اب تک آپ اس کی خاطر کر چکے ہوں گے اسے سمجھ آ گئی ہوگی کہ اس نے کس کو ٹکر مار کر خود کو ٹھوکر لگائی ہے' اب سے وہ چودھری جہانگیر کے بیٹے ایشان جاہ کے راستے میں آنے سے پہلے ہزار بار سوچے گا ضرور اور پھر بھی موقع ملنے پہ نا سنبھلا تو اگلی بار ان کاؤنٹر کر دیجیے گا۔'' ایشان جاہ کی اسپیکر سے آتی تمسخر اڑاتی آواز پہ خرم کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے' وہ فارن سے لوٹا تھا' اسے خبر نہیں تھی ایشان جاہ کس چڑیا کا نام ہے' بس ریسنگ کا شوق اسے مہنگا پڑ گیا تھا' چودھری جہانگیر نے جان بوجھ کر اسپیکر کھولا تھا۔

''او کے..... تمہارے صدقے بخش دیا اسے۔'' چودھری جہانگیر ایک جتاتی ہوئی نظر خرم پہ ڈال کر بولے تھے۔ خرم کی جان میں جان آئی مگر اب بھی وہ سہمی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''لو یو ڈیڈ.....'' ایشان جاہ چہکا اور چودھری جہانگیر اسے پیچھے لانے کا اشارہ کرتے اپنے روم کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں سیٹھ وسیم اور ان کا سالا موجود تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

چودھری جہانگیر کو آتا دیکھ کر دونوں الرٹ ہو کر کھڑے ہو گئے تھے۔ چودھری جہانگیر نے ان پہ ایک نظر ڈالنا بھی ضروری خیال نہیں کیا۔ اپنی چیئر پہ بیٹھتے سگریٹ کیس سے سگریٹ نکال کر انہوں نے لبوں میں دبا کر جھٹکے سے لائٹر جلا کر شعلہ دکھایا۔ سیٹھ وسیم اور ان کا سالا خاموشی سے ان کے سرد مہر بارعب انداز کو دیکھ رہے تھے۔ اسی اثناء میں خرم بھی آفیسر کے پیچھے داخل ہوا تھا۔

"یہ.....!" سیٹھ وسیم بیٹے کی کٹی پھٹی شکل دیکھ کر پھڑ پھڑا کر کھڑے ہو گئے۔ چودھری جہانگیر کی انگلی میں موجود نیلم کی انگوٹھی زخم بن کر خرم کے چہرے پہ واضح ہو گئی تھی۔ بکھرے بال اور سرخ چہرہ' پھٹے ہونٹ' سوجی آنکھیں' جن سے پانی بہہ رہا تھا' بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر سیٹھ وسیم آگ بگولہ ہونے لگے۔

"کس نے کیا میرے بیٹے کا یہ حال؟" وہ چلائے۔

"میں نے۔" چودھری جہانگیر نے جھٹکے سے لائٹر بند کر کے میز پہ پھینکا۔

"تم نے اسے کس جرم میں اٹھایا ہے چودھری.....؟ اور اس وحشیانہ طور سے ٹارچر..... میں ابھی فون کرتا ہوں..... تمہاری....."

"شکر کرو..... میرے بیٹے نے اسے چھوڑنے کا کہہ دیا..... ورنہ تمہیں اس کا ناخن تک نا ملتا۔" چودھری جہانگیر سگریٹ کا کش لے کر دھواں اڑاتے جتنی زور سے دھاڑے' سیٹھ وسیم کے ہاتھ میں موجود لاکھوں کا سیل فون گرتے گرتے بچا' جو انہوں نے اپنے کانٹیکٹ استعمال کرنے کے لیے نکالا تھا۔

"لے جاؤ اسے میری نظر کے سامنے سے' میرے بیٹے نے تو اسے چھوڑنے کا کہہ دیا کہیں ایسا نا ہو کہ میرا ارادہ بدل جائے' تمہارے بھرم دیکھ کر۔" چودھری جہانگیر کے لہجے میں ایسی گھن گرج تھی کہ خرم کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔

"اور ہاں آئندہ سے میرے بیٹے کے مقابل اس وقت آنا جب جیتنے کا زعم اور ہارنے کا ظرف ہو۔" چودھری جہانگیر اب کے خرم کی طرف دیکھ کر اسے وارن کر رہے تھے وہ شدومد سے گردن ہلانے لگا۔

"پپ..... پاپا میری غلطی تھی..... چلیں یہاں سے۔" نجات کا عندیہ سن کر خرم فوراً وہاں سے نکلنے کی کر رہا تھا..... چند لمحوں میں ہی اس پہ واضح ہو گیا تھا کہ وہ مزید کچھ دیر یہاں رکا تو واقعی اس کے ساتھ وہی سب کچھ ہوتا جس کا ذکر چودھری جہانگیر کر رہے تھے۔ جب تک سیٹھ وسیم اپنے کانٹیکٹس گھماتے' جانے وہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتا۔

بیٹے کے اقرار اور سالے کے ہاتھ کے دباؤ کی وجہ سے سیٹھ وسیم کچھ ٹھنڈے ہوئے' وہ بھی برسوں سے اسی شہر میں کاروبار کر رہے تھے۔ چودھری جہانگیر کی شہرت سے اچھی طرح واقف تھے۔ جو بات بعد میں کرتے تھے' ان کا وِنٹر پہلے..... لیکن یہ بھی تھا کہ مظلوم ان کا نشانہ کبھی نہیں بنتا تھا۔

"شکریہ چودھری....." سیٹھ وسیم کا سالا ہی معاملہ سنبھال رہا تھا۔ چودھری جہانگیر درخود اعتنا جانے بنا لاپروائی سے کش لگا رہے تھے۔

"نکلو بھائی..... چودھری کا موڈ بدل گیا تو خبر ہے پھر آپ کو۔" سالہ سیٹھ وسیم کے کان میں منمنایا تو سیٹھ وسیم نے دزدیدہ نظروں سے چودھری جہانگیر کو دیکھا۔

"اور ہاں سیٹھ..... باہر نکل کر اپنے کانٹیکٹس ضرور گھما لینا۔ میں یہیں بیٹھا ہوں۔" وہ سب باہر کی طرف قدم بڑھا رہے تھے جب چودھری جہانگیر کا چیلنجنگ لب ولہجہ سماعت سے ٹکرایا۔

چودھری جہانگیر نے گھنی مونچھوں تلے عنابی لبوں سے دھواں چھوڑتے ایک جتاتی ہوئی نظر سیٹھ وسیم پہ ڈالی تھی۔ وہ تینوں جلدی سے نکل گئے۔ سر جھٹک کر وہ دھویں کے مرغولے میں نظریں جمائے بیٹھے تھے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نیند سے تو بس واجبی سا تعلق رہ گیا تھا' ساری ساری رات آنکھوں میں کٹ جاتی تھی' بنا کسی سرپرست کے دو جوان بیٹیوں کے ساتھ تن تنہا شب بسر کرنا آسان کب تھا۔ وہ عورتیں خوش قسمت ہیں جن کے گھروں میں مرد ہوتے ہیں اور وہ بے فکری اور اندیشوں کو کھلا چوڑ کر مست ہو کر نیند کے مزے لیتی ہیں۔ ان جیسی اکیلی عورت تو کئی کئی لاک لگا کر بھی مٹی اور سمینٹ سے بنی چھت کے نیچے بھی خود کو غیر محفوظ ہی سمجھتی تھی۔

وہ شاید غنودگی میں چلی گئی تھیں' کسی احساس کے تحت ان کی آنکھ کھلی تھی۔ انہوں نے آنکھیں کھلنے کے اسباب کو تلاشنا چاہا۔ ماورا اور انوشا ان کے دائیں بائیں ہی سو رہی تھیں۔ ان کی بے آرامی محسوس کر کے بنا آہٹ کیے انہوں نے اٹھ کر دونوں کے سروں کو تکیے پہ رکھا۔ انہیں عجیب سی سرسراہٹ کا احساس ہوا۔ ماورا کے جھولتے ہاتھ کو اس کے پہلو میں رکھتے' منزہ کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کی نظریں بے ساختہ کمرے کے دروازے کی طرف اٹھ گئی تھیں' دروازہ لاک تھا مگر دبی دبی آوازوں سے وہ لاک کو بھی غیر محفوظ سمجھنے لگیں۔ دونوں بیٹیوں پہ باری باری نظر ڈال کر وہ خوف زدہ نظروں سے لوہے کے پرانے گیٹ اور ٹین کی چھتوں پہ ڈال رہی تھیں' حواس کو قابو میں رکھتے انہوں نے کمرے میں موجود اکلوتی لوہے کی کھڑکی کی طرف قدم بڑھائے تھے' غیر محسوس طریقے سے بنا آواز کیے' کھڑکی کو تھوڑا سا کھول کر انہوں نے صحن پہ نظر دوڑائی۔ صحن تو خالی تھا مگر اس کی نیچی دیوار پہ انہیں کوئی بیٹھا ہوا نظر آیا تھا۔ ان کا دل حلق میں آ گیا۔ دیوار پہ بیٹھا شخص گلی کی طرف منہ کیے دبی آواز میں سرگوشی کر رہا تھا' یعنی نیچے کوئی اور بھی اس کا ساتھی تھا..... جانے وہ دو تھے یا دو سے زیادہ۔ ان کا ارادہ صحن میں کودنے کا تھا اور صحن سے ہی ان کے کمروں کے دروازے تک رسائی کون سا مشکل تھی۔ جانے ان کے کیا ارادے تھے۔

منزہ کی حیثیت کے مطابق یہ پرانی طرز کا بنا گھر تھا' اس کا لونی کا ہر گھر ہی تقریباً ٹین کی چھتوں سے آراستہ تھا۔ منزہ کی نظریں دیوار پہ بیٹھے شخص پہ تھیں جو شاید صحن میں چھلانگ لگانے کی تیاری کر رہا تھا۔ ان کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔

''چور' چور' چور.....'' منزہ نے چیخنے کے ساتھ سامنے پڑی قینچی اٹھا کر زور زور سے کھڑکی بجانا بھی شروع کر دی تھی۔ ماورا اور انوشا بری طرح ڈر کر اٹھ گئیں..... اور معاملہ سمجھنے میں انہیں ایک سیکنڈ لگا تھا۔ اسی دم کبھی کبھار وسل بجا کر فرض پورا کرنے والے چوکیدار کی وسل کی آواز بھی گونجی تو دیوار پہ بیٹھا شخص جو پہلے ہی منزہ کے شور پہ بوکھلا گیا تھا' وہ اندر کودنے کی بجائے باہر ہی چھلانگ لگا گیا۔

ماورا تو منزہ کا ساتھ دینے لگی تھی..... انوشا حواس کو قابو میں کرتی ساتھ والے شاہد صاحب کو کال کر کے صورت حال بتانے لگی۔ تب ہی باہر سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں آنے لگیں چوکیدار کی وسل بھی بار بار گونجنے لگی تو محلے کی کھڑکی' دروازے کھلنے لگے۔ ان کا دروازہ زور زور سے بج رہا تھا' تینوں سہمی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں' سیدھی' سادھی عورتیں چور' اچکے ڈاکوؤں کا بھلا کیا مقابلہ کر لیتیں۔

ماورا نے آگے بڑھ کر تیزی سے چھری اٹھائی تھی جو حفظ ماتقدم کے طور پر منزہ پاس ہی رکھتی تھیں' انوشا نے بھی بطور ہتھیار موٹا سا ڈنڈا اٹھا لیا تھا کہ جینے کے لیے لڑنا تو پڑتا ہے اور ان باریکیوں کو انہوں نے کم عمری سے ہی محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے سر پہ مرد کا سایہ اور کوئی سرپرست نہیں تھا' دیکھنے والوں کو وہ کھلی دکان مال مفت لگتی تھیں۔ وہ ایک عرصے سے اس محلے کی مکین تھیں' محلے میں کافی ایکا تھا۔ کافی لوگ ان سے ہمدردی رکھتے تھے تو کچھ بری نگاہ والے بھی تھے کہ کسی کو عزت اور ذلت پہ مجبور تو نہیں کر سکتے تھے۔ ماورا دروازہ کھول کر صحن میں نکل آئی' انوشا اور منزہ بھی ہم قدم

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھیں..... کمرے میں بند وہ کب تک محفوظ رہ سکتی تھیں..... کمروں سے تو ان کی آواز بھی باہر نہیں جاتی..... صحن سے تو یہ کافی حد تک ممکن بھی تھا۔

''منزہ بہن دروازہ کھولیں..... میں ہوں شاہد۔'' اب کے دروازہ بجنے کے ساتھ پڑوسی شاہد صاحب کی آواز بھی آئی تو ماورا نے ہاتھ میں لہراتی چھری پہ گرفت کم کر کے چابی کی تلاش میں منزہ کی طرف دیکھا اور صحن کی لائٹ جلائی۔

چابی منزہ کے آنچل سے بندھی رہتی تھی' منزہ نے بھی آواز سن لی تھی' آگے بڑھ کر انہوں نے آنچل سے بندھی چابی سے لاک کھولا۔ شاہد صاحب اپنا لائسنس یافتہ ریوالور لیے کھڑے تھے' ان کے ساتھ ان کی بیگم بھی تھیں' محلے کے کئی مرد بھی آ گئے تھے' شور سن کر عورتیں نیند سے آنکھیں ملتی تجسس کے ہاتھوں دروازوں' کھڑکیوں میں کھڑیں تماشا دیکھ رہی تھیں' تو کہیں کسی گھر سے چھوٹے بچوں کے رونے کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں۔ مردوں کو دیکھ کر ماورا اور انوشا تو ذرا سائیڈ پہ ہو گئیں۔ منزہ دروازے پہ کھڑی آنکھ کھلنے کے بعد سے ساری صورت حال دہرانے لگیں۔

''چور تھے میں نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا' میں نے سیٹی بھی بجائی..... کیا واردات کر کے گئے؟'' اسی دم چوکیدار بھی آ گیا تھا اور اب رپورٹ دے رہا تھا۔

''صرف سیٹی بجائی..... گن بھی رکھ لو..... سیٹی سے مرنے والے ہیں وہ لوگ؟'' شاہد صاحب نے ساری کہانی سن کر چوکیدار کی خبر لی۔

''میں اکیلا کیا کر لوں گا..... سب اٹھو تو مل کر پکڑیں چور کو..... مہینے کے تیس روپے دے کر تم لوگ تو مجھے قربانی کا بکرا ہی سمجھ لیتے ہو۔'' چوکیدار برا سا منہ بنا کر سیٹی بجاتا آگے بڑھ گیا۔

''منزہ بہن آپ بس چوکنی رہا کریں اور شور مچانے سے پہلے مجھے فون کر دیا کریں۔'' شاہد صاحب نیک طبع انسان تھے ایک عرصے سے منزہ کو منہ بولی بہن بنا رکھا تھا' منزہ کو بھی ان کا بڑا آسرا تھا' ہر اچھے برے وقت میں وہ ساتھ دینے آ جاتے تھے۔

''جی بہتر بھائی صاحب' بہت شکر گزار ہوں آپ کی..... اس وقت بھی آپ کی نیند خراب ہوئی ہماری وجہ سے۔'' منزہ مردوں کی نظریں صحن کے اندر جھانکتے دیکھ کر آدھے سے زیادہ دروازہ بھیڑ چکی تھیں۔ انوشا اور ماورا تو صحن میں چارپائی پہ بیٹھ گئی تھیں' کھلے دروازے سے وہ دونوں نظر نہیں آ رہی تھیں مگر لوگوں کی نظروں نے منزہ کو دروازہ بھیڑنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

''زحمت کیسی بہن' پڑوسی ہی کام آتے ہیں' اپنے تو بعد میں آتے ہیں۔'' شاہد صاحب کی بیگم صائمہ نے مروتاً کہا تو منزہ مسکرا دیں۔

''بہت شکریہ صائمہ بہن..... اچھے پڑوسی بھی نصیب سے ملتے ہیں۔''

''چلیں اب آپ آرام کریں' صبح بات کرتے ہیں۔'' شاہد صاحب کو بھی منزہ کا بار بار دروازہ بھیڑنا اور لوگوں کا اچک اچک کر دیکھنا کھل رہا تھا۔ انہوں نے رخصتی لی تو منزہ بھی اللہ حافظ کرتی دروازہ بند کر کے اندر چلی آئیں۔

''صبح کے چار بج رہے ہیں۔ نیند حرام کر دی منحوس چور نے' صبح اسکول بھی جانا ہے' نیند پوری نا ہوئی تو ٹکریں مارتی پھروں گی اسکول میں سب کو۔'' انوشا صحن کی چارپائی پہ ہی لیٹ گئی۔

وہی صحن جو اندھیرے میں ڈوبا کچھ دیر قبل علاقہ غیر لگ رہا تھا' دیوار پہ بیٹھا شخص خوف کی علامت بن گیا تھا مگر منظر بدلتے ہی وہ تینوں اسی صحن میں نارمل بیٹھی تھیں' ہاں ابھی بھی خوف کا تاثر ذہن و دل سے محو نہیں ہوا تھا مگر اس میں کمی ضرور آ گئی تھی کہ اتنے سارے لوگ جاگ رہے ہیں۔ کون دوبارہ ایسی ہمت کرے گا۔ کبھی کبھی انسانوں کی بھیڑ سے وحشت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی یہ ہی بھیڑ سکون کا باعث بھی بن جاتی ہے' اکیلے پن کا احساس زائل کر دیتی ہے۔

''اٹھ ہی گئی ہو تو وضو کر کے تہجد پڑھ لو..... فجر کی اذان بھی ہونے والی ہے۔'' منزہ بھی چارپائی پہ بیٹھ گئی تھیں۔

''اماں یہ گھر بالکل بھی محفوظ نہیں ہے' صحن کی دیواریں بہت نیچی ہیں' کوئی بھی مرد با آسانی پھلانگ کر صحن میں داخل ہو سکتا ہے بنا سیڑھی کے۔'' کافی دیر سے خاموش بیٹھی ماورا دیواروں پہ نظریں جمائے بولی تو دونوں تائیدی انداز میں سر ہلانے لگیں۔

''ٹین کی چھت کبھی محفوظ پناہ گاہ نہیں ہوتی' ابھی تو انکل شاہد تھے' جو آ گئے' اکثر وہ شہر سے باہر ہوتے ہیں' پھر کبھی ایسی صورت حال ہوئی تو کیا کریں گے؟ ویسے بھی محلے میں کافی نئے لوگ آ گئے ہیں' پرانے واقف کار گھر بیچ کر یہاں سے کوچ کر گئے ہیں۔ نئے آنے والے لوگ کس شہر سے ہیں' کیسی شہرت رکھتے ہیں' کیسی نیت والے ہیں' ہمیں خبر نہیں۔'' ماورا سنجیدگی سے رونما ہونے والے واقعے کے تناظر میں اپنا تجزیہ پیش کر رہی تھی جو حقیقت پہ مبنی تھا۔

''کہہ تو ٹھیک رہی ہو بہت ہی عجیب و غریب لوگ آ کر بس گئے ہیں محلے میں۔'' منزہ کو بھی اندر جھانکتی نظریں یاد آ گئیں۔

''اس کا حل کیا ہے تمہاری نظر میں؟'' انوشا دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے کروٹ ان کی طرف بدل کر اس سے دریافت کرنے لگی۔

''بہتر حل تو یہی ہے کہ ہم یہاں سے شفٹ کر جائیں' کوئی ایک کمرے کا فلیٹ کرائے پہ لے لیں' فلیٹ میں کم از کم نیچی دیوار اور ٹین کی چھت کا ڈر نہیں ہوگا پھر اوپر نیچے گھر ہونے کی وجہ سے بھی غیر محفوظ نہیں ہوں گے۔'' ماورا کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' انوشا پُرجوش ہو کر اٹھ گئی۔

''لیکن شفٹ ہونا کون سا آسان ہے بیٹا' پچاس' ساٹھ ہزار ایڈوانس' کم سے کم دس سے بارہ ہزار کرایہ پہ ایک کمرا بھی مل جائے تو غنیمت' پھر بروکری دینے کی جھنجٹ الگ' کہاں سے لائیں گے ہم لاکھ روپے' یہ سب کرنے کے لیے۔ برسوں سے اس گھر میں ہیں' پانچ ہزار میں گزارا کر رہے ہیں' اتنے سستے میں کرایہ پہ فلیٹ کہاں ملے گا' جب کہ اس گھر کا ایڈوانس بھی نہیں دیا ہوا میں نے۔'' منزہ بھی سب جانتی تھیں انہوں نے بارہا ایک محفوظ پناہ گاہ کا سوچا تھا مگر پیسوں کا نا ہونا اس سوچ کو عملی جامہ پہننے نہیں دیتا تھا' ماورا بھی چپ سی ہو گئی تھی' انوشا جس جوش سے اٹھی تھی سمندر کی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

''کوشش کرتے ہیں..... آج نہیں تو شاید ایک آدھ سال میں ہم اس قابل ہو جائیں کہ اپنا ٹھکانا بدل کر رات کو سکون کی نیند تو سو سکیں۔'' ماورا نے عزم سے کہا۔

''جہاں اتنے سال کٹ گئے اس گھر میں بخیر و عافیت' کچھ سال اور کٹ جائیں گے۔ ان شاء اللہ..... اور تم دونوں نے کون سا ساری زندگی یہاں میرے ساتھ رہنا ہے' چند سال میں تم دونوں کی شادی ہو جائے گی پھر تم دونوں اپنے اپنے گھر کی ہو جاؤ گی' مجھ بڈھی کو پھر کیا پریشانی ہوگی' یہاں ہے ہی کیا لوٹنے کو..... میری اصل دولت تو تم دونوں ہو۔'' منزہ کو یہ حل ہی مناسب لگا تھا' وہ اب جلد سے جلد اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

''یہ اچھی رہی' بات مسائل سے شروع ہوئی اور شادی کے ذکر پہ رک گئی۔ اب مل گیا تمہیں پکا حل؟'' انوشا کھلے بالوں کو لپیٹ کر جوڑا بناتی ماورا سے استفسار کر رہی تھی۔ ماورا پھیکے سے مسکرا دی کہ جب تک پیسہ نا ہو تب تک شفٹ ہونے کا صرف سوچ ہی سکتی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''میں چائے پکانے جارہی ہوں سر میں درد ہونے لگا ہے' کچی نیند سے اٹھ کر' پھر تھوڑی دیر سوؤں گی تاکہ اسکول میں اونگھتی نا رہوں۔'' انوشا چارپائی سے پیر لٹکائی چپل گھسیٹ کر پیر میں ڈالنے لگی۔

''اور نماز؟'' منزہ نے ابرو اچکائے۔

''چائے چولہے پہ رکھ کر آرہی ہوں وضو کر کے اماں حضور' آپ شروع تو کریں نماز۔'' انوشا کھلکھلا کر کچن کی طرف بڑھ گئی اور ماورا بھی مسکرادی۔

☆

بے آرامی کے باوجود سکڑ سمٹ کر منہ تک شال ڈالے شنائیہ چودھری کو غضب کی نیند آرہی تھی۔ بار بار جھٹکا لگنے اور ہلکی سی بھی رفتار کم یا زیادہ ہونے پہ کئی بار یوں ہوا کہ اسے لگا اس کا سر بری طرح ڈیش بورڈ سے ٹکرا جائے گا۔ گو کہ شاہ زر شمعون کی ڈرائیونگ کی وہ فین ہو چکی تھی (دل ہی دل میں) اونچے نیچے کھڈوں' پلوں سے لانے کے باوجود بھی اسے زیادہ جھٹکے محسوس نہیں ہوئے تھے۔ وہ بہت متوازن ڈرائیو کر رہا تھا' بہت اسموتھ انداز تھا' ورنہ کچھ لوگوں کے ہاتھ اسٹیئرنگ پہ ہوں تو یوں لگتا ہے ڈریگن کوسٹر پہ بیٹھے ہوں اور موت کے کنویں میں گاڑی چل رہی ہو۔ وہ بار بار نیند میں جھول رہی تھی' شاہ زر شمعون نے کئی بار اس کے مدہوش انداز کو دیکھا تھا' کافی کلر بال شال سے نکل کر شولڈر پہ بکھرے نظر آرہے تھے' کبھی شال سر اور منہ سے سرک جاتی تو اس کا خوابیدہ سکڑا سمٹا حسن سامنے ہوتا' گاڑی کی لائٹ بند تھی۔ سڑکیں بھی ویران تھیں' ایسے میں اسے کسی کے دیکھ لینے کا اندیشہ نہیں تھا' ہاں جب بار بار شال اس کے سر سے سرکتی تو وہ غصے سے کہنا نا بھولتا۔

''عبایا لینے کی عادت ہوتی تو یہ تکلف آپ کو بار بار نہیں کرنا پڑتا۔'' شنائیہ جو پہلے ہی شال کے بار بار اترنے سے جھنجلائی ہوئی تھی اس فتویٰ پہ بل کھا کے رہ گئی۔

''لو جی اب میں لاہور تو کراچی بائے روڈ عبایا میں سفر کروں' میری مت ماری گئی ہے.....؟ ٹپکل مشرقی مرد ہونہہ.....'' وہ سر جھٹک کے دل ہی دل میں کہہ کے رہ گئی۔

''اور اس جنگل جھاڑ میں ہے کون مجھے دیکھنے کے لیے کہ عبایا کا تکلف کروں؟'' جملہ اس کی طرف پھینک کر چھپاک سے شال ایک بار پھر سر تک تان لی اور اس کے بعد سے کتنی ہی بار اسے نیند کے جھٹکے لگے تھے۔

شاہ زر شمعون نے گلاس سے ٹکے اس کے سر پہ نظر ڈالی۔ شنائیہ کے پیر گیئر تک آنے لگے تھے' لب بھینچ کر دو انگلیوں کی مدد سے اس نے اس کی چھوٹی انگلی کو پکڑ کر اس کا پیر پیچھے کرنا چاہا تھا کہ نرم و نازک پیر کی چھوٹی انگلی پکڑ کر پیر اٹھائے ہی تھے کہ شنائیہ نے جھٹکے سے پیر کھینچ لیے..... شال بھی منہ سے سرک گئی تھی۔

''کک..... کس کیڑے نے کاٹا میری انگلی پہ؟'' وہ ایک دم سے اپنے پیر کا جائزہ لینے لگی۔ کیڑا سن کر شاہ زر شمعون کے ماتھے پہ تیوری چڑھ گئی۔

''پہلے ہی پیر زخمی ہے میرا' اب کس نے کاٹ لیا؟'' وہ اونچی آواز میں خود سے باتیں کرتی انگلی کا معائنہ کر رہی تھی۔

''محترمہ..... میں نے پیر ہٹانا چاہے تھے آپ کے گیئر پہ آرہے تھے' کسی نے نہیں کاٹا..... کہا بھی تھا پیچھے جا کر سو جاؤ مگر تمہیں سنائی نہیں دیتا۔ ساری ساری رات فیس بک پہ جاگنے والوں کو آج بڑی نیند آرہی ہے۔'' شاہ زر شمعون ہو اور طعنہ نا مارے یہ ہو ہی نہیں سکتا اور یہ تھا بھی سچ۔

''ممما جانی.....'' شنائیہ چودھری ہونٹ چبا کر دل میں پکارنے لگی۔

''یہ شخص کیا میری وال پہ ہی سوتا ہے آ کر..... صبر کرو بیٹا' گھر جا کر ہی بلاک کرتی ہوں تمہیں' ایڈ تو کبھی مر کے نا کروں۔'' وہ آئندہ کا لائحہ عمل بنانے لگی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''جا کر پیچھے سو جاؤ۔'' شاہ زر شمعون نے ایک بار پھر موقع دیا۔
''میں نہیں سو رہی۔'' وہ شال شانوں پہ رکھ کر آنکھیں پھاڑ کر اسے دکھانے لگی۔
نیند بھگانے کے خیال سے اس نے تھرماس سے چائے نکالی اس کا خیال تھا چائے پی کر نیند بھاگ جائے گی مگر چائے کی چسکیاں ختم ہوئیں تو وہ پھر سے اندھیرے منظر سے بور ہو کر آنکھیں موند گئی۔ اس کے ضدی اور ہٹیلے انداز کو شاہ زر شمعون نے سخت نظروں سے دیکھا جب اس کا سر پھر ڈولنے لگا تھا۔
''الٰہی خیر کیا ہو گیا؟'' شنائیہ کو اپنے کان کے پردے پھٹتے محسوس ہونے لگے تھے۔ اس کی آنکھیں پٹ سے کھلی تھیں مگر آنکھیں کھلتے ہی آفتاب کی تیز کرنوں سے پھر سے بند ہو گئیں۔
''ہیں.....! صبح ہو گئی؟'' اجلا اجلا منظر اسے اپنا وہم لگ رہا تھا۔ وہ مندی مندی پلکیں جھپک کر تیز دھوپ کو دیکھنے کے قابل بنا رہی تھی۔
''اف..... یہ شخص شور کیوں کر رہا ہے؟'' شاہ زر شمعون ہارن پہ ہاتھ رکھ کر جیسے ہٹانا بھول گیا تھا۔ وہ سر جھٹک کر نظر پھیر گئی اور اس کی مندی مندی آنکھیں چوپٹ ہو گئیں۔ دل خوشی سے بھنگڑا ڈالنے لگا..... لینڈ کروزر اس کے گھر کے بڑے سے دروازے پہ کھڑی تھی۔
''ارے گھر آ گیا؟'' وہ بچوں جیسی سرخوشی سے اسے دیکھ رہی تھی جو نان اسٹاپ کئی گھنٹے ڈرائیو کر کے بھی چاق و چوبند نظر آ رہا تھا..... اس کا جی چاہ رہا تھا گاڑی سے اتر کر بھاگتی ہوئی اندر چلی جائے..... آج سے پہلے گھر پہنچنے کی اتنی خوشی اسے کبھی نہیں ہوئی تھی..... اس کے اندازے کے مطابق تو وہ بہت جلدی پہنچ گئی تھی۔
''جی..... گڈ مارننگ' لیکن لگتا ہے آپ کے چوکیدار کی صبح ابھی نہیں ہوئی۔'' وہ جتاتی ہوئی آواز میں سنا گیا۔
''ہونہہ.....'' شنائیہ منہ ٹیڑھا کر کے رہ گئی۔ بالآخر گیٹ کھل گیا تھا..... وہ زن سے لینڈ کروزر اندر لے گیا۔
''مما جانی.....'' لینڈ کروزر کی آواز سن کر دیا اور چودھری بخت نکل آئے تھے۔ شنائیہ بھاگتی ہوئی دیا کے گلے لگی لیکن اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی جسے ابھی کسی نے محسوس نہیں کیا تھا۔
''السلام علیکم چچا جان' سلام چچی جان۔'' شاہ زر شمعون بھی اتر آیا تھا۔
''وعلیکم السلام' کیسے ہو برخوردار؟'' چودھری بخت نے شاہ زر شمعون کو گلے لگا کر پوچھا۔
''الحمدللہ۔'' اس نے سر تسلیم خم کیا۔
''وعلیکم السلام! سفر میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟'' دیا مسکرا کر پوچھ رہی تھیں۔ انہیں شاہ زر شمعون کی سعادت مند طبیعت بہت اچھی لگتی تھی..... سعادت مند تو سمہان آفندی بھی بہت تھا مگر چوں کہ شاہ زر شمعون کے مزاج سے سب واقف تھے' اس لیے سب کو اس کا انداز زیادہ محسوس ہوتا تھا۔
''تکلیف تو ہوئی ہے جس کا تذکرہ بھی آپ سے جلد ہی ہو جائے گا چچی جان۔'' شاہ زر شمعون نے ہلکے پھلکے انداز میں ذو معنی بات کی تو وہ دونوں تو نا سمجھ سکے شنائیہ سلگ کے رہ گئی۔ اب وہ اس کے رحم و کرم پہ نہیں تھی' اب اس کی باڈی لینگویج بھی بدل گئی تھی' جسے شاہ زر شمعون نے بہت اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔
''لمبے سفر سے لوٹے ہو پہلے فریش ہو کر ناشتا کر لو پھر بات کرتے ہیں۔''
''ہاں..... ہاں میں اسپیشل ناشتا بنواتی ہوں شاہ کے لیے۔'' چودھری بخت نے احساس دلایا تو وہ بھی ہمنوا ہو گئیں۔
''میں بس تھوڑی دیر میں واپسی کے لیے نکلوں گا چچا جان۔'' شاہ زر شمعون نے اپنا لائحہ عمل بتایا۔
''پاگل ہو گئے ہو اتنا طویل سفر طے کر کے آئے ہو' ناریسٹ کیے نکلو گے..... کوئی ضرورت نہیں ہے آج آرام کرو کل

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

چلے جانا۔'' چودھری بخت نے اس کے پروگرام میں ترمیم کی۔
''مجھے چچا جہانگیر کی طرف بھی جانے کا حکم دیا ہے' داجان نے۔ کل تک تو بہت دیر ہوجائے گی' حویلی میں بھی کام ہیں۔'' اسے بڑوں کا حکم ماننے کی عادت تھی' گستاخی نہیں کرتا تھا مگر وہ اپنے تحفظات بھی ضرور گوش گزار کرتا تھا۔
''ہونہہ..... شوتو ایسے کرتے ہیں موصوف جیسے ان کے بنا حویلی میں کسی کو سانس نہیں آئے گی۔'' وہ جل گئی۔
''ہاں تو ٹھیک ہے ناشتا کر کے آرام کرو' پھر ہمارے ساتھ لنچ کر کے شام کو جہانگیر کی طرف چلے جانا' ڈنر کا موڈ وہاں ہو تو ٹھیک' ورنہ ہمارے ساتھ کرو' پھر صبح اسی وقت نکل جانا مجھے ہاسپٹل ڈراپ کر کے' سنا تم آرہے ہو تو میں نے ایک دن کی چھٹی بھی لے لی کہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر شطرنج کی دو چار بازیاں کھیلوں گا' حویلی کا کام سمہان آفندی دیکھ لے گا۔''
چودھری بخت بڑے ٹھنڈے مزاج کے تھے ان کی ینگ جنریشن سے بہت اچھی دوستی تھی۔ خصوصاً دونوں بھتیجوں سے..... ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا مگر انہیں یہ کمی شاہ زر شمعون اور سمہان آفندی زیادہ محسوس نہیں ہونے دیتے تھے۔ اپنا پن تو ایشان جاہ بھی دکھاتا تھا مگر اس کے انداز میں شہری محبت زیادہ جھلکتی تھی اور وہ ٹھہرے بدیسی متوالے۔
''چلیں جو آپ کا حکم۔'' ان کا پروگرام سن کر اس نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔
''ہونہہ..... فرماں بردار کہیں کا۔'' شنائیہ نے بھی ان سب کی تقلید میں ساتھ قدم بڑھائے۔
''ارے یہ تمہارے پیر کو کیا ہوا؟'' دیا نے اس کی چال کی لڑکھڑاہٹ دیکھی تو بے ساختہ سوال کر بیٹھیں..... وہ تشویش سے اس کے الٹے سیدھے انداز میں کیے بینڈ یج کا جائزہ لے رہی تھیں۔
''مما جانی..... وہ دراصل.....'' روہانسے لہجے میں شنائیہ کی رام کہانی شروع ہوگئی تھی۔ شاہ زر شمعون نے کان بند کر کے قدموں کی رفتار چودھری بخت کے ساتھ تیز کردی تھی تاکہ اس دکھی داستان سے بچ سکے۔

☆

حویلی میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ سب ناشتے میں مگن تھے..... چودھری اسفند حویلی میں نہیں تھے..... حویلی کی عورتوں کے علاوہ صرف چودھری حشمت اور سمہان آفندی ہی تھا۔ لڑکیاں بڑی مودب ہو کر ناشتا کر رہی تھیں..... وجہ چودھری حشمت کی موجودگی تھی۔ چودھری حشمت کے گمبھیر چہرے کو دیکھتے ہوئے سمہان آفندی نے ایک نظر عیشال جہانگیر پہ ڈالی تھی۔ وہ سر جھکائے ناشتا کر رہی تھی۔ اس کے تاثرات کا اسے اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ ناشتے سے فراغت کے بعد فصل کی کٹائی شروع کروانے کے لیے اسے کھیت کے لیے نکلنا تھا' مگر اس کا ذہن بہت باریکی سے چودھری حشمت کے رویے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسکائی بلو کرتے اور وہائٹ شلوار میں تیار ہو کر وہ اپنے کمرے سے نکلا تو نذیراں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ٹھٹک سے گئے۔
''چودھری صاحب نے آپ کو یاد کیا ہے۔'' نذیراں حویلی کی پرانی ملازمہ تھی اپنے مخصوص انداز میں پیغام رسانی کر کے چلتی بنی تھی۔ پُرسوچ انداز میں سمہان آفندی نے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔ وہ ان کی گمبھیر خاموشی سے پہلے ہی پریشان ہو رہا تھا اور یہ بلاوا بھی یقیناً عام نوعیت سے ہٹ کر تھا۔
''جی داجان' آپ نے یاد فرمایا؟'' وہ چند ساعتوں کے بعد ان کے روبرو تھا۔
''کہیں جانے کی تیاری ہے؟'' انہوں نے اس کی تیاری کے پیش نظر سوال کیا۔ یوں تو وہ ہر وقت ہی ٹک سک سے تیار رہتا تھا..... سمہان آفندی کو محسوس ہو گیا وہ بر سبیل تذکرہ دریافت کر رہے ہیں۔
''جی داجان..... کھیتوں پہ جا رہا تھا' شاہ نے فصل کی کٹائی شروع کرنے کا کہا ہے ناں۔'' وہ یاد دلا گیا۔
''ہاں..... ہاں۔'' وہ چونکے جیسے کسی گہری سوچ میں ہوں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''تھوڑا رک کر چلے جانا۔''

''جی جیسا آپ کہیں۔'' اس نے سر تسلیم خم کیا۔ وہ سمجھ گیا تھا انہیں اس سے کوئی ضروری بات کرنی ہے یا حویلی میں اس کی موجودگی چاہیے۔

''فی الحال اپنی دی جان' بہو فائزہ اور فریال کے ساتھ عیشال کو بھی بلا لاؤ' میں نے بات کرنی ہے ان سب سے۔'' سمہان آفندی لمبی سانس لے کر رہ گیا۔ بلآخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا..... انہوں نے سب کو یاد کر لیا تھا' سمہان آفندی سعادت مندی سے سر ہلا کر ان کے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

وہ ہال میں پہنچا تو زمرد بیگم' فائزہ اور فریال وہیں مل گئیں..... ملازماؤں سے دسترخوان سمیٹوا رہی تھیں۔ لنچ کا مینو ڈسکس ہو رہا تھا اس نے پیغام دیا تو تینوں ہی چونک گئیں۔

''الٰہی خیر..... کوئی مسئلہ ہوا ہے جو بابا جان نے ہم تینوں کو اکٹھے یاد کر لیا؟'' فریال کی استعجابیہ آواز سب سے پہلے نکلی تھی۔ فائزہ اور زمرد بیگم سوالیہ نظروں سے سمہان آفندی کو دیکھ رہی تھیں۔

''داجان نے مجھے بس آپ لوگوں کو پیغام دینے کو کہا ہے آپ لوگ پہنچیں داجان منتظر ہیں۔'' سمہان آفندی سہولت سے ماں کو گوش گزار کر کے طائرانہ نگاہ ہال پہ ڈال رہا تھا' لڑکیاں اپنے اپنے کمروں میں جا چکی تھیں' سب اسکول' کالج اور یونیورسٹی کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔ زمرد بیگم' فائزہ اور فریال تو اسی دم اٹھ کر دوپٹا سر پہ جماتی چودھری حشمت کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

سمہان آفندی نے عیشال کے کمرے کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ اس کے لب بھنچ گئے تھے' ماتھے پہ غصے سے لکیریں پڑنے لگی تھیں..... درحقیقت اسے اس گھڑی عیشال پہ بلا کا غصہ آ رہا تھا' جس کی اوٹ پٹانگ حرکتوں کی وجہ سے باقی سب کی بھی شامت آ گئی تھی۔ جانے کیا سوچ اس کے من میں سمائی رہتی تھی کہ کچھ بھی کرنے سے پہلے وہ نتائج سے بے پروا ہو جاتی تھی۔ اس کے کمرے کے دروازے کے باہر رک کر اس نے خود پہ ضبط کرتے دروازے پہ دستک دی۔

''کون؟ آ جاؤ۔'' اندر سے آواز آئی تو سمہان آفندی نے دروازہ کھولا۔

سامنے ہی عیشال جہانگیر وہائٹ یونیفارم میں ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑی تھی۔ غالباً بالوں کو ہائی پونی ٹیل کرنے کا ارادہ تھا' پونی دانتوں میں دبا رکھی تھی۔ آواز سن کر وہ اسی پوزیشن میں پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

''داجان نے یاد کیا ہے۔'' سمہان آفندی کو غیر متوقع طور پر دیکھ کر اس کے بالوں کو پکڑے دونوں ہاتھ پہلو میں آ گرے تھے' ہاتھ سے چھوٹتے ہی شہد رنگ بال ریشم کی طرح اس کے شانوں اور پشت پہ پریشانی سے بکھر گئے تھے۔ لپ گلوس سے چمکتے گلابی لب نیم وا ہوئے تھے۔

''کیوں؟'' اس نے ابرو اچکاتے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

''آدھی رات کو مغربی لباس میں آپ جوروحوں کی طرح بے چین پھرتی رہتی ہیں حویلی میں' اس پہ ایوارڈ سے نوازنے اور آپ کو داد سے نوازنے کے لیے دی جان' تائی جان اور مما کو بھی مدعو کیا گیا ہے۔'' نہایت ترش لب و لہجے میں سمہان آفندی اسے گوش گزار کر گیا تھا۔ عیشال جہانگیر کی روشن پیشانی پہ لکیریں پڑنے لگی تھیں۔ چہرے پہ کسی قدر پریشانی کے تاثرات امڈ آئے تھے۔

''مجھے لگا تھا داجان رات کا قصہ بھول گئے ہوں گے تمہاری آمد کے بعد..... مگر اب..... میں کیا کروں؟'' وہ پریشانی سے چلتی اس تک آئی تھی۔

''جائیں اور جا کر ایوارڈ وصول کریں اور کیا کرنا ہے آپ نے۔'' وہ بدستور تیکھے لہجے میں بول رہا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''پلیز سمہان..... ایسے تو طنز مت کرو..... ہیلپ می پلیز۔'' وہ لجاجت سے کہہ کر ہونٹ چبانے لگی۔
''اگر سوچ سمجھ کر حرکتیں کرو تو اس وقت کا سامنا نا کرنا پڑے' تمہیں تو خود تماشا کرنے کا شوق ہے ناں' بھگتو اب۔'' وہ ٹھیک ٹھاک اس کی کلاس لے رہا تھا۔
''ایسا کون سا گناہ کر دیا میں نے' کیا میں اپنی مرضی سے کپڑے بھی نہیں پہن سکتی' بے وقت بھوک نہیں لگ سکتی؟'' اس کی باغیانہ فطرت زیادہ دیر لجاجت کا مظاہرہ کرنے سے قاصر تھی بالآخر وہ چڑ ہی گئی اور ناگواری سے بولی۔ سمہان آفندی غصے سے نفی میں سر ہلانے لگا۔
''ابھی بھی تمہیں کوئی ندامت محسوس نہیں ہو رہی' تمہاری وجہ سے باقی سب کی بھی شامت آئے گی..... اور تمہیں اپنی غلطی نظر نہیں آ رہی۔ تم نئی نہیں ہو اس حویلی میں' بچپن سے یہیں پلی بڑھی ہو یہاں کے اصول تمہیں ازبر ہیں پھر بھی اصول توڑتے تمہیں خوف محسوس نہیں ہوتا کہ تم غیروں سے نہیں اپنوں سے بغاوت کر رہی ہو۔'' سمہان آفندی کو اس کا انداز مزید بھڑکا گیا تھا۔
''ایسا کر کے تم اپنے لیے مزید دشواریاں پیدا کر رہی ہو جو تمہیں تمہارا کند ذہن دکھا نہیں پا رہا۔'' سمہان آفندی بہت کم اس پہ بھڑکتا تھا..... حویلی کے مردوں میں سب سے زیادہ خود پہ کنٹرول اسے ہی تھا۔ وہ عیشال کی زود رنجی سے بھی واقف تھا تب ہی ہر گھڑی اس سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا تھا' جواباً وہ بھی مورچہ سنبھال کر گولہ باری کرتی رہتی تھی مگر اس کی الٹی سیدھی حرکتیں اسے کس قدر مہنگی پڑ سکتی ہیں وہ بے وقوف اس حقیقت سے شاید واقف نہیں تھی۔ سمہان آفندی اسے گھور رہا تھا۔
''پہلے کون سی آسانیاں ہیں اس حویلی میں' میرے لیے۔'' عیشال نے سر جھٹکا۔
''دیر ہو رہی ہے' داجان منتظر ہیں۔'' سمہان آفندی نے بحث موخر کر کے گزرتے وقت کا احساس دلایا۔
عیشال تن فن کرتی اس سے پہلے اس کی سائیڈ سے کمرے سے نکل گئی۔ سمہان آفندی بھی لپکا اور اسے دو تین قدموں میں ہی جا لیا۔
''اب داجان کو تاویلیں دینے مت کھڑی ہو جانا۔ خاموشی سے غلطی مان کر معافی مانگ لینا' اس وعدے کے ساتھ کہ آئندہ غلطی نہیں دہراؤں گی۔'' بھلے وہ اس پہ بھڑاس نکال گیا تھا مگر در پردہ وہ اس کے لیے فکر مند بھی تھا۔
''مجھے ڈکٹیٹ مت کرو..... مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں' کر لوں گی فیس اکیلے..... تمہیں میرا حمایتی بننے کی ضرورت نہیں۔ پھانسی پہ تو نہیں چڑھا دیں گے نا داجان..... جاؤ یہاں سے' میرے پیچھے مت آؤ' اپنا کام کرو۔'' وہ حسب عادت اپنے مزاج کے عین مطابق شروع ہو گئی تھی۔ گردن موڑ کر اس نے ساتھ چلتے سمہان آفندی کو غصے سے دیکھا تھا۔
''مدد مانگنے پہ کیسے منہ بھر بھر کر باتیں سنا دیں اور اب ہمدرد بنے مشورے سے نواز رہے ہو۔'' وہ بڑبڑائی۔
''شٹ اپ.....'' سمہان آفندی اس کی بڑبڑاہٹ سن کر دھیمے سے غرایا۔
''ہونہہ.....'' عیشال جہانگیر سر جھٹک کر چودھری حشمت کے کمرے تک پہنچی۔
دونوں آگے پیچھے اندر داخل ہوئے تو تینوں معزز خاتون خاموشی سے ایک دوسرے کو تکتی نظر آئیں۔ چودھری حشمت اپنی مخصوص کرسی پہ براجمان تھے..... ان دونوں کو ساتھ آتے دیکھ کر فریال کسی قدر چونکی تھیں..... آخر ماجرا کیا تھا جو یوں پیشی ہوئی تھی..... ماحول کی گمبھیرتا سے عیشال جہانگیر کا دل ایک لمحے کو کانپا تھا۔

☆

مادرا یحییٰ اور انوشا گھر کی اشیاء خورد و نوش کے لیے قریبی سپر مارکیٹ آئی تھیں..... سپر مارکیٹ سے چیزیں معیاری اور

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مناسب قیمتوں میں مل جاتی تھیں جو قریبی جنرل اسٹور سے انہیں سستی ہی لگتی تھیں۔ منزہ انہیں یوں اکیلے باہر جانے دینے کے حق میں کبھی نہیں رہی تھیں مگر ان کی طبیعت تھوڑی ناساز تھی انہیں راضی کر کے کہ اب وہ دونوں بڑی ہوگئی ہیں اکیلی ہی نکل آئی تھیں۔ سپر مارکیٹ میں انہوں نے تیزی سے ضروری اشیاء اپنی ٹرالی میں ڈالی تھیں۔

''بل بنوا لیتے ہیں ماورا..... میرا خیال ہے چیزیں پوری ہوگئی ہیں۔'' انوشا نے ٹرالی پہ نظر ڈالتے ماورا یحییٰ سے کہا تو اس نے بھی تائیدی نظروں سے ٹرالی کو دیکھتے سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے' چلو بل بنوا لیتے ہیں' دیر ہوگئی تو اماں نہیں چھوڑیں گی۔'' دونوں باتیں کرتے کاؤنٹر کی طرف بڑھنے لگی تھیں' کاؤنٹر ایک سے زائد تھے' اس کے باوجود بھی تمام کاؤنٹر پہ رش تھا' وہ دونوں اردگرد پہ نظر ڈالتی اپنی باری کا انتظار کرنے لگیں۔

''انوشا اسپیکٹی کے پیکٹس رکھے تھے؟'' ماورا یحییٰ' انوشا سے کنفرم کر رہی تھی۔

''ہاں رکھے تو تھے شاید' دیکھ لیتی ہوں۔'' انوشا کنفیوز ہو کر ٹرالی میں موجود پیکٹس کو اٹھا کر چیک کرنے لگی۔

اسی وقت ماحول میں ایک دم سراسیمگی سی پھیل گئی۔ چند ایک لوگ بڑی بڑی گن لگائے اسٹور میں داخل ہوئے تھے..... چند پولیس یونیفارم میں تھے۔ ہر طرف سسپنس پھیل گیا تھا..... ہلچل بھرے ماحول میں ہر کوئی اپنی اپنی جگہ پہ ساکت ہوگیا تھا..... ماورا یحییٰ اور انوشا کی نظریں بھی اس تیز رفتار قافلے پہ پڑی تھیں..... دونوں سب کی طرح ساکت نہیں ہوئی تھیں بلکہ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس قافلے کو لیڈ کرتے سب سے آگے وہائٹ شلوار سوٹ میں بائیں ہاتھ میں پسٹل پکڑے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے چیمبر چڑھاتے وہ تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھے تھے..... ان کے پیچھے کچھ سول لباس اور کچھ یونیفارم میں پولیس اہلکار بھی لپکے تھے۔

''بابا.....!'' ماورا یحییٰ کی استعجابیہ آواز نکلی۔

''بابا..... او میرے اللہ..... چودھری جہانگیر آپ کے والد ہیں؟'' ان کے ساتھ ہی بل بنوانے کے انتظار میں کھڑی خاتون نے ماورا یحییٰ کی استعجابیہ آواز سنی تو چونک کر استفسار کرنے لگیں۔

''چودھری جہانگیر..... یہ یحییٰ فراز ہیں ناں؟'' ماورا یحییٰ بے یقینی سے عورت سے الٹا دریافت کرنے لگی۔ عورت بے ساختہ ہنس پڑی وہ سمجھ گئی تھی ماورا یحییٰ کو کوئی دھوکا ہوا ہے۔

''ارے نہیں' یہ تو مشہور و معروف ایس ایس پی چودھری جہانگیر ہیں..... ان کاؤنٹر اسپیشلسٹ کی شہرت رکھتے ہیں۔ مجرموں کے حوالے سے.....'' عورت کہہ رہی تھی اور ماورا بے یقین کھڑی تھی۔

''چودھری جہانگیر..... ان کاؤنٹر اسپیشلسٹ.....!'' انوشا کو دیکھتے ماورا یحییٰ نے استعجاب بھرے انداز سے دہرایا..... انوشا کی تو اس سے بری حالت تھی..... وہ تو کچھ کہنے کے بھی قابل نا رہی تھی شاید.....!!!

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

قسط نمبر 3

عشق دی جانی

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شاہ زر شمعون شنائیہ کو گرتے دیکھ کر فوراً اس کے پاس آجاتا ہے اور اسے اپنے عتاب کا نشانہ بناتا ہے جس پر شنائیہ اس کی ہدایت کے مطابق گاڑی میں بیٹھ جاتی ہے شنائیہ اپنے پیر میں تکلیف محسوس کرتے شاہ زر شمعون کو اسپتال چلنے کا کہتی اسے مزید غصہ دلا جاتی ہے شاہ زر شمعون اس پر احسان جتاتا اسے فرسٹ ایڈ باکس تھما دیتا ہے۔ منزہ کو یحییٰ کے بغیر بیٹیوں کی پرورش کرنا مشکل لگتا ہے وہ ماورا کے یونیورسٹی والے معاملے کو لے کر پریشان ہوگئی تھی تب ہی ماورا ان سے معافی مانگتی آئندہ محتاط رہنے کا کہتی ماں کو منا لیتی ہے۔ سمہان آفندی عیشال جہانگیر کو آدھی رات کے وقت کچن میں دیکھ کر چونک جاتا ہے۔ عیشال جہانگیر اپنے لیے کھانا پکا رہی ہوتی ہے تب سمہان آفندی اسے کافی تیار کرنے کا کہتا ہے عیشال جہانگیر اسے کافی بنا کر دیتی کچن سے نکل کر کمرے میں جا رہی ہوتی ہے تب اسے چوہدری حشمت روک کر اس کے حلیہ کے حوالے سے بات کرتے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں تب سمہان آفندی ہی اسے چوہدری حشمت کے عتاب سے بچاتا ہے۔ ایشان جاہ ریس جیتنے کے بعد اپنے دوستوں کے ساتھ ساحل سمندر پر آجاتا ہے سب دوست اسے سراہ رہے ہوتے ہیں ایسے میں خرم اپنی ہار کا بدلہ لینے کی غرض سے ایشان جاہ کو اپنی گاڑی سے ہٹ کرتا گاڑی بھگا لے جاتا ہے ایسے میں سہیل خرم کی گاڑی پہچان کر باقی دوستوں کو بتاتا انشراح حیران کر دیتا ہے۔ چودھری جہانگیر اپنے زخمی بیٹے (ایشان) کو دیکھتا ہے اس کے دوستوں سے حادثے کے بارے میں تفتیش کرتا ہے اور خرم کا نام اور حلیہ جان کر وہ اپنے ماتحت سے اسے فوراً اپنے سامنے لانے کا کہتا اسپتال سے چلا جاتا ہے۔ شنائیہ شاہ زر شمعون کے ساتھ گھر پہنچ جاتی ہے چودھری بخت خوش دلی سے شاہ زر شمعون کا استقبال کرتے باقی حویلی والوں کا احوال دریافت کرتے ہیں' شاہ زر شمعون انہیں سب کے بارے میں بتاتا چودھری جہانگیر کے حوالے سے بات کرتا ہے۔ ماورا یحییٰ اور انوشہ گھر کی اشیا خورونوش لینے مارکیٹ آتی ہیں ایسے میں دونوں چودھری جہانگیر کو دیکھتے اپنے والد یحییٰ کا گمان کرتی ششدر رہ جاتی ہیں۔

URDUSOFTBOOKS.COM(اب آگے پڑھیے)

(☆)

عیشال جہانگیر کمرے کے بیچوں بیچ مجرموں کی طرح کھڑی تھی' اس سے ذرا فاصلہ رکھ کر سمہان آفندی بھی مودب کھڑا تھا' لیکن چودھری حشمت کے کرسی کی طرف اشارہ کرنے پر وہ ان کے بائیں طرف بیٹھ گیا۔ دائیں طرف لائن سے لگی کرسیوں میں سب سے پہلے زمرد بیگم' فائزہ اور پھر فریال براجمان تھیں۔ زمرد بیگم کی تو بات ہی کیا..... دونوں نے سلیقے سے دوپٹا سر پہ لے رکھا تھا' دونوں اطراف لائن سے لگی کرسیوں کے عین وسط میں چودھری حشمت اپنی مخصوص کرسی پر براجمان تھے۔ ان کی پگڑی آج سر کے بجائے میز پر رکھی ہوئی تھی' کمرے میں گمبھیر خاموشی طاری تھی'

www.urdusoftbooks.com

سمہان آفندی تو اس 'پیشی' کی وجوہات سے آشنا تھا مگر پھر بھی متفکر عیشال جہانگیر کو دیکھ رہا تھا' جو کالج یونیفارم میں بے حد معصوم لگ رہی تھی' تینوں خواتین متجسس' کچھ فکرمندی سی بیٹھی ہوئی چودھری حشمت کے بولنے کی منتظر تھیں' عیشال جہانگیر کو مجرموں کی طرح کھڑا دیکھ کر انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ بات عیشال کے حوالے سے ہی ہے شاید..... تب ہی تو اسے کٹہرے میں کھڑا رکھا ہے۔ کمرے میں موجود اشخاص جتنے سہمے ہوئے تھے عیشال جہانگیر اس کے برعکس پُرسکون چہرہ لیے اپنے پیر کے انگوٹھے کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ سب کو یہاں اس لیے بلایا گیا ہے کہ آپ سب کو ایک بار پھر یہ باور کروایا جائے کہ حویلی میں رہنے والوں کے لیے کچھ اصول ہیں جن پہ چلنا اس حویلی کی عورتوں کے لیے لازم و ملزوم ہے۔'' چودھری حشمت نے بات شروع کی تو سب نے دم سادھ لیا۔ انہیں اس تمہید کی سمجھ نہیں آ رہی تھی' کس نے گستاخی کی..... کیا ہوا تھا؟ ان تینوں کے ذہنوں میں سوال اٹھ رہے تھے' مگر وہ ایک دوسرے سے پوچھنے کی گستاخی نہیں کر سکتی تھیں' تب ہی چودھری حشمت کی طرف ہمہ تن گوش ہوئیں۔

''ہونہہ..... آگ لگے اس حویلی اور اس کے اصولوں کو۔'' عیشال جہانگیر نے نفرت سے سر جھٹکا اور اس کی نفرت بھری سوچ کا عکس ایک لمحے کو اس کے حسین چہرے پر جھلملایا تو سمہان آفندی بے ساختہ پہلو بدل گیا کہ کہیں چودھری حشمت یہ رنگ دیکھ کر آپے سے باہر نہ ہو جائیں۔

''حویلی کی دہلیز سے باہر نکلنے والے قدموں کی نگرانی ہماری ذمہ داری ہے لیکن حویلی کے اندر کی ذمہ داری ہم نے آپ تینوں معزز خواتین پہ چھوڑ رکھی ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ آپ تینوں حویلی کی ہانڈی روٹی میں اس قدر الجھ گئی ہیں کہ اب یہ ذمہ داری بھی ہمیں اپنے سر لینے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔'' چودھری حشمت کا سرد لہجہ ان تینوں کو کچھ بدحواس سا کر گیا' ان کی اٹھی تیز نظریں ان سب کو جز بز کر گئی تھیں۔

''ٹانگیں درد کرنے لگی ہیں اور دا جان کی تمہید ہی ختم نہیں ہو رہی جو کہنا' سننا ہے جلدی کہہ سن کر فارغ کریں۔'' اس کے چہرے پہ بے زاری پھیل گئی تھی۔ سمہان آفندی لب بھینچے اس کے انداز اور تاثرات پہ نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

URDUSOFTBOOKS.COM

فکر و تردد کی ایک بھی لکیر اس کے چہرے پہ ڈھونڈنے سے نہیں مل رہی تھی۔ جس کے لیے عدالت لگی تھی وہی لاپروا اور بے نیاز نظر آ رہی تھی۔ جب کہ باقی سب متفکر چودھری حشمت کی گفتگو کا لب لباب جاننے کی لیے بے چین تھیں۔

''ایسی کون سی کوتاہی ہو گئی ہم سے؟'' زمرد بیگم نے دھیمی آواز میں دریافت کیا۔

''صائقہ کے جانے کے بعد عیشال کی ذمہ داری ہم نے آپ تینوں کو سونپی تھی مگر ہمیں اچھی طرح احساس ہو گیا کہ آپ سب نے اپنے فرائض بااحسن انجام نہیں دیے۔ عیشال کا جو رنگ' روپ ہمارے سامنے ہے اس پہ ہم یہ سب کہنے پہ مجبور ہیں۔'' سب کی نظریں بے ساختہ عیشال جہانگیر پہ ٹھہر گئی تھیں۔ وہ سب بھی اس کی گستاخانہ حرکات سے واقف تھیں۔ اکثر ہی سب پیار و محبت یا چودھری حشمت کے ڈراوے سے اسے باز رکھنے کی سعی کرتی تھیں مگر ان سب کی ذرا سی چوک پہ وہ پھر سے کچھ ایسا کر جاتی تھی کہ وہ سب سر پکڑ کر بیٹھ جاتیں۔ ان سب کی کوشش ہوتی تھی وہ خود ہی اسے سمجھا لیں اور بات چودھری حشمت کے کانوں تک نا پہنچے لیکن جانے اب کے اس نے کیا کیا تھا کہ ان سے پہلے چودھری حشمت تک بات پہنچ گئی تھی اور انہوں نے یہ عدالت لگائی تھی۔

''کھانے کی میز پہ غیر حاضر رہنا' حویلی میں مغربی لباس پہن کر گھومنا' کیا یہ سب آپ تینوں کی نظروں میں نہیں

www.urdusoftbooks.com

ہے؟ کب اور کہاں سے لیا گیا یہ لباس..... شاپنگ پہ تو آپ سب ساتھ ہی جاتی ہیں..... کیا آپ میں سے کسی کی نظر نہیں پڑی؟" چودھری حشمت غیض وغضب سے ان تینوں سے مخاطب تھے۔ جسے مجرم بنا کر بیچ میں کھڑا کر رکھا تھا' اس سے تو کچھ پوچھنا گوارا نہیں کر رہے تھے۔ تینوں ہی پریشان نظر آنے لگیں۔

"داجان..... یہ ملبوسات میں نے اپنی دوست سے منگوائے تھے' اس کی امی کی بوتیک سے..... اس کا علم تو دی جان یا تائی جان کو بھی نہیں۔" کافی دیر سے خاموش کھڑی عیشال جہانگیر نے لب کھولے تو چودھری حشمت اس کی آواز پہ یوں چونکے جیسے وہ اس کی موجودگی کو ہی فراموش کیے بیٹھے ہوں۔

"آپ میری تربیت کے لیے ان سب کو قصوروار نا ٹھہرائیں بلاشک وشبہ ان سب نے میرے لیے اپنی مقدور بھر کوشش کی لیکن تربیت سے بھی بڑھ کر ایک چیز ہے جو لاکھ اچھی سیکھی ہوئی بات بھلا دیتا ہے اور وہ ہے خون..... میری رگوں میں چودھری جہانگیر کا خون گردش کر رہا ہے جو اپنی مرضی کرنے والے ہٹ دھرم انسان ہیں..... کسی کی نہیں سنتے..... مجھ سے بہتر تو آپ لوگ ان کی فطرت سے آشنا ہیں..... اثر تو مجھ میں بھی آئے گا ان کا انہی کا خون جو ہوں۔ جو کچھ کہنا ہے' مجھے کہیں' میری وجہ سے دی جان' تائی' چاچی کو باتیں نا سنائیں۔" عیشال جہانگیر بے خوفی سے بولی..... تینوں خواتین آنکھیں پھاڑے اس کی جی داری کو "ملاحظہ" فرما رہی تھیں۔

چودھری حشمت کی پیشانی شکن آلود ہوئی تھی غصے سے عیشال کی طرف دیکھا۔ سمہان آفندی نے مٹھی بھینچ لی تھی' اس کا دل چاہا کہ اٹھ کر اس کے کرارے ہاتھ لگائے۔ سمجھا کر لانے کے باوجود بھی وہ اپنی ستراطی' بقراطی ہانکنے سے باز نا آئی تھی۔

URDUSOFTBOOKS.COM

"چودھری جہانگیر اس حویلی کا مرد اور ہمارا بیٹا ہے۔ اب کیا تم حویلی کے مردوں اور اپنے باپ سے مقابلہ بازی کرو گی؟" چودھری حشمت کا غصہ دوچند ہونے لگا پہلے ہی انہیں اس کی زبان درازی پہ غصہ تھا۔

"میں ان سے مقابلہ نہیں کر سکتی داجان..... کیونکہ مجھ میں ابھی احساس باقی ہے۔" اس کا لہجہ طنزیہ ہوا۔

اس کی بے خوفی پہ تینوں خواتین جز بز ہوئیں۔ سمہان آفندی بائیں ہاتھ کی مٹھی کی اوک بنا کر بے ساختہ لبوں پہ رکھ گیا۔ وہ شروع سے ہی بنا سوچے سمجھے بولنے کی عادی رہی تھی لیکن وہ دیکھ رہا تھا رفتہ رفتہ اس کے لہجے کی کڑواہٹ بڑھتی جا رہی تھی' وہ بڑی بے خوف نظر آنے لگی تھی۔

"ہمیں تمہارے لہجے سے گستاخی اور بغاوت کی بو آ رہی ہے عیشال.....؟" چودھری حشمت اس کے انداز دیکھ کر حیران ہوئے' اس کا انداز انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

"بچی بن ماں' باپ کے پلی ہے' میں سمجھا دوں گی اسے۔" زمرد بیگم کو عیشال سے خاص لگاؤ تھا' بھلے وہ عزیز بیٹے کی بیٹی تھی مگر اس کے حصے میں آئی محرومی پہ اکثر ہی اسے خاص رعایت مل جاتی تھی۔

"ابھی جاؤ' کالج کو دیر ہو رہی ہوگی..... ہم کچھ سوچتے ہیں' تمہارے بارے میں۔" چودھری حشمت نے اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ وہاں سے نکل آئی..... باقی سب بھی اگلے حکم کا انتظار کرنے لگے کہ محفل برخاست ہوئی یا ابھی انہیں ایک بار پھر حویلی کے اصولوں پہ عمل پیرا ہونے کی نصیحت سننی ہے۔

عیشال کو کاریڈور میں ہی خبر مل گئی کہ ڈرائیور اس کا انتظار کر کے باقی سب کو کالج و یونیورسٹی کے لیے لے کر نکل گیا ہے اور اس کی چھٹی ہو گئی تھی۔ کالج یونیفارم کو اس نے بے زاری سے دیکھا اور چینج کرنے کے خیال سے اپنے روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔ سمہان آفندی ابھی تک محفل کا حصہ بنا ہوا تھا جہاں تینوں خواتین کو ان کے فرائض ایک بار پھر یاد دلائے جا رہے تھے۔ جبکہ سمہان آفندی کی سوئی چودھری حشمت کے جملے میں اٹک گئی تھی جو آخر میں انہوں نے

www.urdusoftbooks.com

عیشال جہانگیر کے لیے کہے تھے۔

''ہم کچھ سوچتے ہیں تمہارے بارے میں۔''

(☆)

وہ دونوں بے حد الجھ گئی تھیں۔ سارا راستہ دونوں آٹو میں اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھی ہوئی تھیں..... جو کچھ آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا..... ذہن وہ کسی صورت قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ گروسری رکشے میں رکھے وہ دونوں گھر کی طرف گامزن تھیں۔

''السلام علیکم!'' رکشہ رکنے کی آواز سن کر ان کے دستک دینے سے پہلے ہی منزہ نے دروازہ کھول دیا تھا۔ رکشے والے کو پیسے دے کر دونوں شاپر اٹھائے دہلیز سے اندر آرہی تھیں۔

''والسلام! شکر ہے تم دونوں جلدی لوٹ آئیں۔ ورنہ دل ہولتا رہتا۔'' منزہ نے کچھ شاپر دونوں کے ہاتھوں سے لے کر ان کا بوجھ کم کرتے بے ساختہ کہا۔

ماورا اپنے پیچھے دروازہ بند کرتی پلنگ تک آئی تب تک انوشا بھی شاپرز رکھ کر سستی سے پیر اوپر کر کے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا' تم دونوں بہت نڈھال لگ رہی ہو؟ تھک گئی ہو شاید' کہا بھی تھا قریبی جنرل اسٹور سے راشن لے لوں گی لیکن تم دونوں مانتی نہیں ہو۔'' منزہ پانی کا گلاس اور جگ لے آئی تھیں' گلاس بھر کر انہوں نے ماورا کو تھمایا۔

''اماں..... بابا کی تصویر کہاں ہے؟'' گلاس تھامتے ماورا نے بے ساختہ منزہ سے استفسار کیا۔

''بابا کی تصویر.....! کیوں کیا ہوا' خیریت؟'' منزہ اس اچانک سوال پہ بری طرح چونکیں۔ منزہ نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے

URDUSOFTBOOKS.COM

''ایسا کیا ہوا ہے کہ تم لوگ آتے ہی بابا کی تصویر کے متعلق پوچھ رہی ہو؟'' منزہ نے بول کر اپنی حیرت کو ان کی نظروں میں غیر اہم کرنا چاہا' ماورا نے ان کے ہاتھ سے جگ لے لیا اور وہ گلاس کو پانی سے بھرنے لگی۔

''اماں..... ہم سپر اسٹور میں بابا کے ہم شکل کو دیکھ کر حیران رہ گئے..... اگر جو ہمیں خبر نہ ہوتی کہ وہ انتقال فرما چکے ہیں تو کچھ بعید نا تھا کہ ہم ان سے جا کر بات بھی کر لیتے..... ایک لمحے کو انہیں چلتے پھرتے دیکھ کر ہم دونوں فراموش ہی کر گئے کہ ہمارے بابا اب اس دنیا میں نہیں ہیں..... ہم یتیم ہیں' ماورا تو انہیں بابا تک کہہ کر پکار بیٹھی..... مگر وہ کوئی اور تھے..... مگر اتنی مماثلت..... ہم دونوں متحیر رہ گئے۔'' انوشا کا سکتہ ٹوٹا تو وہ تیزی سے اپنی حیرت بھری داستان سنا گئی..... منزہ لڑکھڑا کر پلنگ پہ بیٹھ گئیں' ان کے چہرے پہ زردی پھیلنے لگی تھی۔

''مردے کب زندہ ہوتے ہیں۔'' وہ یاسیت سے بولیں۔

''اسی بات کی تو ہمیں حیرانگی ہے..... آپ دیکھتیں تو آپ بھی دنگ رہ جاتیں..... اتنی مماثلت..... اماں پلیز بابا کی تصویر دکھائیں۔'' ماورا حیرت کا اظہار کر کے بچوں کی طرح ضد کرنے لگی۔ کتنی ہی بار دونوں نے ضد کی تھی کہ وہ تصویر فریم کروا کر دیوار پہ لگوالیں تاکہ باپ کا چہرہ ہر دم تو نگاہوں کے سامنے رہے..... مگر منزہ کی دلیل کے آگے چپ کر جاتی تھیں کہ وہ گھر میں تصویریں لگانے کے حق میں نہیں تھیں اور ایک اکلوتی تصویر بھی جو خراب ہو جاتی تو دوسری وہ کہاں سے لاتیں۔ وہ دونوں بھی بڑی احتیاط سے اس تصویر کو کبھی کبھی دیکھتی تھیں کہ ایک آخری شبیہہ تھی ان کے بابا کی۔

''دیکھ لینا..... ایسی بھی کیا بے چینی..... ہو جاتی ہے مماثلت اداکاروں' سیاست دانوں تک کے ڈپلیکیٹ موجود

www.urdusoftbooks.com

ہیں اس میں اتنی حیرانگی کیسی۔'' منزہ نے بات کو نیا رخ دے کر ان کے ذہن سے اس خیال کو نکالنے کی سعی کی۔

''ہاں' کہہ تو آپ ٹھیک رہی ہیں۔ وہ چودھری جہانگیر تھے اور ہمارے بابا کا نام تو یقیناً سرفراز ہے' لیکن اماں آپ ساتھ ہوتیں تو آپ بھی دنگ رہ جاتیں۔'' انوشا بولی اور منزہ کا دل دھک سے رہ گیا تھا نام سن کر..... ایک موہوم سی امید تھی کہ انہوں نے کسی اور کو دیکھا ہو مگر نام کے بعد شک کی گنجائش ہی باقی نا رہی..... انہوں نے ساتھ نا چلنے پہ بے ساختہ شکر ادا کیا۔

URDUSOFTBOOKS.COM

''تم لوگوں کو ایک اجنبی کا نام کیسے پتا چلا..... تم دونوں نے ان سے بات چیت کی؟'' منزہ نے دھیمی آواز میں استفسار کیا۔

''قسم لے لیں اماں! ہم نے کوئی بات نہیں کی..... ہمیں آپ کی ہدایات یاد ہے..... وہ تو جب ماورا کے منہ سے بے اختیار بابا نکلا تو ساتھ کھڑی خاتون نے بتایا کہ یہ ایس ایس پی چودھری جہانگیر ہیں۔'' انوشا نے جلدی سے پوزیشن کلیئر کی' مبادا یہ سمجھ کر انہوں نے کسی مرد سے بات کی ہے منزہ خفا نا ہو جائیں۔ انوشا کی صفائی پہ منزہ کو تھوڑی تسلی ہوئی۔

''اماں..... بابا کی موت حادثاتی ہوئی تھی' یہ کنفرم ہے ناں؟ کہیں ایسا تو نہیں وہ اس حادثے میں معجزانہ طور پر بچ گئے ہوں؟'' ماورا پُرسوچ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی' اس کا ذہن ایک الگ ٹریک پہ ہی چل رہا تھا۔

''کیا بکواس ہے ماورا..... اب کیا میں تمہارے باپ کی ڈیتھ سرٹیفکیٹ اور قبر کی تختی کی تصویر لا کر دکھاؤں تب تمہیں ماں کی بات کا اعتبار آئے گا کہ تم یتیم ہو؟'' منزہ بھڑک اٹھیں..... ماورا ابھی ہوئی تھی اسی وجہ سے یہ سوال ذہن کے ساتھ لبوں تک بھی آ گیا تھا..... سوال کرنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ زیادہ بول گئی ہے۔ انوشا کو بھی اس کے سوال کی تک سمجھ نہیں آئی تھی مگر منزہ کا بھڑکنا اسے بھی بے جا نہیں لگا۔

''سوری اماں..... میرے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ ہمارے بابا زندہ ہیں اور آپ نے ہم سے جھوٹ کہا' بس حیرت انگیز طور پر مماثلت دیکھ کر ذہن میں خیال آیا تو.....'' ماورا کو بھی اپنی حماقت کا اندازہ ہو گیا تھا' یقیناً اس کی بات سے منزہ کو تکلیف پہنچی تھی..... لیکن وہ بے خبر تھی کہ وہ انجانے میں وہ سب کہہ گئی تھی جس سے منزہ کا دل بے قابو ہونے لگا تھا۔

''ختم کرو اب یہ تکرار جا کر فریش ہو جاؤ دونوں..... میں چائے لاتی ہوں.....'' منزہ کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ درحقیقت وہ تنہائی چاہ رہی تھیں۔

''سوچ سمجھ کر تو بولا کرو..... جاسوسی کہانیاں پڑھ کر تم خود کو زیرو زیرو سیون سمجھنے لگی ہو..... شکر کرو اماں نے سستے میں جان چھوڑ دی۔ ورنہ ٹھیک ٹھاک کلاس لگ جانی تھی تمہاری۔'' ماورا ایکی کو چیت لگاتے انوشا پلنگ سے اٹھنے کے لیے کھسکتے اسے احساس دلا گئی۔

URDUSOFTBOOKS.COM

''ہاں واقعی' کہہ تو ٹھیک رہی ہو' جانے کیوں میرے منہ سے بلا ارادہ نکل جاتا ہے الٹا سیدھا اور اماں ہر بار مجھ سے خفگی کا اظہار کر جاتی ہیں۔'' ماورا نے منہ بسورتے جیسے خود پہ افسوس کیا۔

''چلو خیر ہے' اب اتنی مماثلت دیکھ کر تو کوئی بھی دھوکا کھا سکتا ہے اور کسی کے بھی ذہن میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے' جو تمہارے ذہن میں آیا۔'' انوشا دبی زبان میں بولی' ماورا نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

''انوشا..... تمہارا نیٹ پیکج ہے؟'' ماورا کے ذہن میں اچانک ایک خیال سرعت سے آیا۔

''نہیں کیوں؟'' انوشا کو بھی پہ مشرق سے اچانک مغرب تک جاتی گفتگو کی سمجھ نہیں آئی۔

www.urdusoftbooks.com

''وہ خاتون کہہ رہی تھیں چودھری جہانگیران کاؤنٹر اسپیشلسٹ کی پہچان رکھتے ہیں' کافی مشہور ہیں میں ان کے بارے میں جاننا چاہ رہی ہوں..... کسی سے ان کے متعلق پوچھنے کی بجائے کیوں نا گوگل سے ان کے بارے میں پوچھیں' جب وہ اتنے مشہور ہیں تو گوگل سے تو ان کا کوئی نا کوئی سراغ مل ہی جائے گا۔'' ماورا کے آئیڈے پہ ایک پل کو انوشا بھی عش عش کر اٹھی۔

''ہاں وہ خاتون بھی بتا رہی تھیں مشہور ہیں بہت..... اکثر ٹی وی چینل پہ انٹرویو بھی دے چکے ہیں لیکن ہم لوگ نا سیاست سے دلچسپی رکھتے ہیں نا سیاسی ٹاک شوز اور نیوز چینل دیکھتے ہیں۔'' انوشا نے بھی متفق ہو کر سر ہلایا۔

''لیکن ان کو سرچ کر کے تم نے کرنا کیا ہے؟ اماں کو خبر ہو گئی کہ ہم اپنے بابا کے ہم شکل کے متعلق جاسوسی کر رہے ہیں تو ہم دونوں کا سیکنڈ ہینڈ موبائل اٹھا کر چولہے پر رکھ دیں گی۔'' انوشا نے پوچھنے کے ساتھ منزہ کا ردعمل بھی ماورا کے سامنے رکھا۔

''افوہ..... اماں کو بتائے گا کون..... اور ہم کون سا کسی غلط نیت سے کسی مرد کو سرچ کریں گی..... باپ کی عمر کے ہیں وہ ہمارے۔'' ماورا نے انوشا کو تیکھی نظروں سے دیکھا۔

''ابھی تو سیل فون کا اکاؤنٹ صفر ہے' کل اسکول سے واپسی میں بیلنس ڈلواتی آؤں گی تب نیٹ پیکج کر کے سرچ کر لینا..... لیکن دیکھ کے بھئی..... اماں سے جوتے پڑے تو تم اکیلی ہی کھانا۔''

''او کے یاد سے کرواتی آنا۔'' ماورا نے یہ ذمہ داری بھی اس کے سر ڈال دی..... کیوں کہ وہ آج کل گھر پہ ہی ہوتی تھی۔ یہ خیال پہلے آ جاتا تو وہ بیلنس ڈلواتی ہی گھر آتیں..... وہ دونوں دبی زبان میں گفتگو کر رہی تھیں کہ کچن میں موجود منزہ تک ان کی آواز نہ پہنچے۔ چولہے پہ چائے کا پانی رکھتے منزہ نے ماچس کی تلاش میں ہاتھ مارا۔

''چودھری جہانگیر تو تم میرے اتنے قریب ہو؟'' تیلی رگڑنے سے شعلہ بلند ہوا..... ان کی نظر رنگ بدلتی آگ پہ تھی۔

URDUSOFTBOOKS.COM

(☆)

شنائیہ ناشتے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ بیڈ پہ گرتے ہی ساری رات کی اکڑی کمر نے بیڈ کی نرماہٹ کو محسوس کیا تو ایک سکون جسم میں سرایت کرنے لگا' تاہم اس کے پیچھے ہی آئی تھی وہ سفر کی روداد اور اس کے پیر کے زخم کے متعلق پوچھنا چاہتی تھی جو سب کے سامنے تو اس نے سفر کر کے سنا دیا تھا لیکن اب اپنا کارنامہ بڑھا چڑھا کر بیان کر رہی تھی جس میں جھوٹ کی آمیزش بھی شامل تھی۔

''یہ کیا حماقت تھی شنائیہ..... اس طرح جنگل بیابان میں سیلفی کے چکر میں کوئی پاگل ہوتا کیا؟ حال ہی میں اسی سیلفی کے چکر میں ایک لڑکا شیر کے پنجرے میں گر کر اس کا نوالہ بن چکا ہے..... تم نئی نسل کے سر پہ سیلفی کا بھوت کچھ زیادہ ہی سر چڑھ کر بولنے لگا ہے۔'' چودھری بخت نے ناشتے کی میز پہ ہی اس کی کلاس لی تھی۔ شاہ زر شمعون بھی نکھرا ستھرا چاک و چوبند محسوس ہو رہا تھا۔ وہ منہ بسور کے رہ گئی تھی۔ شاہ زر شمعون نے اچٹتی نگاہ اس کے بسورتے چہرے پہ ڈالی اور اس کے سامنے ہوتی کلاس پہ شنائیہ مزید پشیمان ہو گئی۔

''سوری پپا..... لیکن مجھے کیا خبر تھی کہ میں جس راستے سے آ رہی ہوں وہاں میرے ساتھ یہ حادثہ بھی ہو جائے گا مجھے تو لگا تھا پاکستان میں ہوں ایسے مناظر نہیں دیکھ سکتی لیکن جن راستوں سے ہو کر آئی ہوں' وہ افریقہ کے جنگلات سے کم نہیں لگے۔'' ایکسکیوز کرتے ہوئے بھی وہ درپردہ شاہ زر شمعون پہ چوٹ کر گئی کہ وہی اسے ان راستوں سے لایا تھا' وہ بھی اس کی چوٹ کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ تب ہی ایک غصلی نظر اس پر ڈال کر رہ گیا۔ چودھری بخت اور دیا کا

www.urdusoftbooks.com

احساس نا ہوتا تو وہ اس کے چودہ طبق نا سہی سات آٹھ تو ضرور ہی روشن کر دیتا۔

اب بھی وہ کمرے میں آ کر تفصیلی احوال سنا رہی تھی اور ماہم کا ہنستے ہنستے برا حال تھا۔

''خوف ناک تو نا کہیں آپی..... اتنے تو ہینڈسم ہیں ویرے..... سچی میں جب اپنی دوستوں کو ویرے شاہ اور ویرے سمہان کی تصاویر دکھاتی ہوں تو سب آہیں بھرتی ہیں..... نمبر مانگتی ہیں کہ ہماری سیٹنگ کرا دو.....'' ماہم نے اختلاف کرتے ہوئے ''حالات'' سے آگاہ کیا۔

''او بھئی نا کرو اس ہلاکو کی تصویریں کسی کو سینڈ..... پتا چل گیا تو طبل جنگ بجا دے گا..... سمہان کی تو پھر بھی خیر ہے۔'' شنائیہ نے جیسے وارننگ دی۔

''توبہ ہے آپی آپ تو بری طرح دشمن ہو گئی ہیں ویرے شاہ کی۔'' ماہم اس کے دلچسپ انداز پہ ہنس دی۔

''دشمن..... جانی دشمن کہو..... اس کی تو یہی آرزو تھی کہ میرا خون بہا کر میری لاش یہاں ڈیلیور کرے۔ وہ تو میں ڈھیٹ ثابت ہوئی جو تمہارے سامنے زندہ بیٹھی سفر کی آپ بیتی سنا رہی ہوں..... ورنہ اس سڑیل کے پلان کے مطابق تو تم 'ایک تھی شنائیہ آپی' کہنے پہ مجبور ہو جاتیں۔'' اس کے ناک چڑھا کر بولنے پہ ماہم ''توبہ توبہ'' کرتی ہنس رہی تھی۔

URDUSOFTBOOKS.COM

''میری تو نسلوں کی توبہ جو میں کبھی اس سڑیل' بے مروت' بے رحم انسان کے ساتھ سفر کروں..... اللہ نے زندگی دی ہے مجھے..... میں تو صدقہ نکالوں گی اپنا.....'' وہ نازک مزاج حسینہ اپنے زندہ لوٹ آنے پہ شکر ادا کر رہی تھی۔

''تو کس نے کہا تھا' حویلی میں شور مچا کر شاہ کو تکلیف دینے کو..... میں نے کہہ بھی دیا تھا کہ ہم لینے آئیں گے مگر تم میں صبر و برداشت کا مادہ سرے سے ہے ہی نہیں۔'' اسی گھڑی دیا بھی کمرے میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے اس کی لن ترانیاں سن لی تھیں تب ہی اسے سرزنش کرنا نہ بھولیں۔

''مما جانی آپ کو مس کر رہی تھی۔'' شنائیہ منہ بسورتی ہوئی بولی۔ دیا فرسٹ ایڈ باکس بھی ساتھ لیتی آئی تھیں۔

''کل کو سسرال بھی جانا ہے..... وہاں بھی مس کرو تو ایسے ہی شور شرابہ کر کے ملنے چلی آنا۔'' مسکراتی نظر اپنی پری چہرہ بیٹی پہ ڈال کر فرسٹ ایڈ باکس بیڈ پہ رکھ کر انہوں نے شنائیہ کو پیر آگے بڑھانے کا اشارہ کیا..... ناشتے کے بعد ان کا سلی سے زخم دیکھنے کا ارادہ تھا' تب ہی وہ آ گئی تھیں۔ سسرال کے ذکر پہ وہ ناک چڑھا کر رہ گئی۔

''شکر ہے کوئی تشویش کی بات نہیں۔'' اس کی بینڈیج کھول کر دیا نے ایڑی کا بغور معائنہ کر کے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ شنائیہ لمبی سانس لے کر رہ گئی۔

''ماہم میں جب تک بینڈیج کر رہی ہوں تم شیف کو لنچ کا اہتمام کے لیے ڈشز بتا دو۔ ابھی تو شاہ آرام کرنے گیا ہے' ہو سکتا ہے تھوڑی دیر میں وہ جہانگیر بھائی کی طرف جائے پتا نہیں لنچ وہاں کرے گا یا یہاں..... بہر حال اہتمام تو کروانا ہے۔'' ماہم کو ہدایات کرتیں دیا جیسے خود کلامی کر رہی تھیں۔

''ایک شخص کے لیے آپ اتنی کانشس کیوں ہو رہی ہیں مما جانی..... اگر موصوف نے چچا جہانگیر کی طرف لنچ کیا تو سارا اہتمام بے کار جائے گا۔ بہتر ہے آپ ان صاحب سے پوچھ لیں کہ وہ لنچ کرنا کہاں پسند فرمائیں گے۔'' شنائیہ چودھری نے حد ادب ملحوظ رکھتے شاہ زر شمعون کے لیے تکریم کے القاب استعمال کیے اگر جو دیا اس کے منہ سے سڑیل' ہلاکو جیسے القاب سن لیتیں تو اس کے ٹھیک ٹھاک لتے لیتیں۔ اسے اس کی آؤ بھگت کبھی بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ اب بھی منہ بنا کر کہہ گئی اور وہ کتنا فضول کہہ گئی تھی' یہ دیا کی گھوری نے جتا دیا تھا۔

''اتنی بڑی ہو گئی ہو..... مگر تم میں عقل نامی چیز نام کو نہیں' ہم تو اجنبی مہمانوں کے لیے بھی اہتمام کرتے ہیں۔ شاہ

www.urdusoftbooks.com

تو پھر اپنا بچہ ہے۔ حویلی سے جڑا ہر شخص ہمارے لیے اہم ہے' یہ بات پلو سے باندھ لو سب کی عزت و احترام تم پہ فرض ہے پھر کبھی اتنی سطحی بات کر کے میری پرورش کو شرمندہ مت کرنا....." دیا برا مان کر دوٹوک لہجے میں وارننگ دے گئیں۔

"مما ٹھیک کہہ رہی ہیں..... ہم جب کبھی حویلی جاتے ہیں بھلے جتنے دن رکیں..... دی جان' تائی' چاچی' داجان سب ہر روز ناشتے' کھانے پہ اتنا اہتمام کرواتے ہیں کہ کیا ہی سالوں بعد آئے دل عزیز مہمان کی خاطر مدارت ہوتی ہو۔" ماہم بھی ہمنوا ہوئی۔

دل سے معترف تو شنائیہ بھی تھی کہ چند دن اکیلی رہی تھی مگر ہر وقت ہی کچھ نا کچھ اس کے لیے پکوا کر اسے چکھانے کا کہہ کر ٹھیک ٹھاک کھلایا جاتا تھا اور وہ دہائی دیتی رہ جاتی تھی۔

"سوری مما جانی....." وہ اتنی تنگ دل نہیں تھی بس شاہ زر شمعون کی ناز برداری دیکھ کر زبان بے ساختہ پھسل گئی تھی۔

URDUSOFTBOOKS.COM

"میں ہاسپٹل جا رہی ہوں..... ایک سے دو گھنٹے لگیں گے۔ تمہارے پاپا گھر پہ ہوں گے..... شاہ اٹھ جائے تو اسے اسنیکس وغیرہ دے دینا' چائے کے ساتھ..... تب تک میں بھی آ جاؤں گی..... لنچ ساتھ کریں گے' خیال رکھنا تم دونوں..... یہ نہ ہو وہ جو بمشکل رکا ہے' اسے کچھ گراں گزرے۔" دیا مرہم پٹی سے فارغ ہو کر ہدایت دیتی اپنا فرسٹ ایڈ باکس اٹھا کر جانے لگیں۔

"میں تو اب سوؤں گی..... ساری رات اونگھتی رہی ہوں' سکڑ سمٹ کر سیٹ پہ ٹانگیں بھی جڑ سی گئی ہیں۔" پیر سیدھے کرتے شنائیہ چودھری نے ماہم کو اپنا پلان بتایا۔

"اور مما نے جو ہدایت کی ہے؟" ماہم کو خبر تھی وہ گھر کے کاموں میں کبھی دلچسپی نہیں لیتی' مگر اب پوچھنا لازم تھا۔

"یار وہ سڑیل مشین ہے' ساری رات جو بندہ دو مگ کافی پہ اپنے شہر سے یہاں تک آیا ہے..... اسے شاہی دستر خوان سے کیا مطلب ہوگا..... تم بھی آرام کرو' وہ حضرت پانی' کافی پہ چلنے والوں میں سے ہیں۔" شنائیہ نے لاپروائی سے کہا دیا کے نہ ہونے کا فائدہ اٹھاتی وہ ماہم کو بھی آرام کا کہہ گئی تھی۔

"آپ سو جائیں' میں دیکھ لوں گی سب کام' اٹھیں گے تو۔" ماہم نے اسے تسلی دی کہ وہ آرام سے بے فکر ہو جائے اور وہ اس کی بات سننے سے پہلے ہی غافل ہو گئی تھی۔

☆

چودھری حشمت کے کمرے میں لگی عدالت کا دورانیہ طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا تھا۔ انہوں نے سختی سے جتا دیا تھا کہ وہ نئی نسل کی کسی بھی غلطی کو نہیں بخشیں گے..... وہ سب اپنے اصولوں کو ذرا سخت کر لیں..... عیشال جہانگیر کے بعد فائزہ اور فریال کو اس عدالت سے رہائی ملی تھی۔ وہاں سے نکلنے کے بعد فریال سیدھی عیشال جہانگیر کے پاس آئیں کہ وہ تمام مغربی لباس کو ضائع کر دے یا انہیں دے دے تاکہ وہ خود انہیں چودھری حشمت کی ہدایت پہ آگ لگا دیں۔

عیشال جہانگیر کو سن کر غصہ تو بہت آیا' فریال بھی سمجھتی تھیں کہ اگر آگ لگانے والی بات پہ عمل کیا گیا تو وقتی طور پر تو شاید عیشال جہانگیر چپ کر کے کپڑے دے دے لیکن یہ آگ لگی تو عیشال جہانگیر کی فطرت میں مزید بغاوت جنم لے لے گی۔ تب ہی فائزہ سے صلاح مشورہ کر کے انہوں نے محبت سے اسے تنبیہ کی۔ انہیں خبر تھی جوان بچوں سے زور زبردستی کرنا حویلی کا شیوہ ہے لیکن یہ ہی چیز بغاوت کو جنم دیتی ہے۔ اپنوں کو دشمن بناتی ہے' تب ہی وہ عیشال جہانگیر

www.urdusoftbooks.com

سے پیار سے مخاطب تھیں۔ انہوں نے چودھری حشمت کا پیغام بھی سنادیا تھا' کپڑوں کو آگ لگانے سے متعلق انہوں نے صرف اتنا کہا تھا کہ وہ کپڑے اب استعمال نا ہوں یا انہیں دے دے تاکہ وہ اپنے پاس رکھ لیں لیکن عیشال نے یقین دلایا تھا کہ اب وہ اس لباس میں کسی کو نظر نہیں آئے گی۔ فریال اسے محبت سے پچکارتی چلی گئیں۔ اس نے بھی سر جھٹکا تھا۔ کرنے کو تو وہ اب بھی اپنی سی کرنے کا اعلان کر دیتی لیکن اس کی وجہ سے جس طرح تینوں کو بھی کٹہرے میں لایا گیا تھا یہ اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ اپنی ذات سے ان لوگوں کو باتیں نہیں سنوانا چاہتی تھی۔

سمہان آفندی کو فصل کی کٹائی کے لیے نکلنا تھا' چودھری حشمت نے اسے بھی جانے کی اجازت دے دی تھی۔ کمرے میں اب صرف زمرد بیگم باقی رہ گئی تھیں۔ جنہیں چودھری حشمت نے ضروری بات کا کہہ کر روک رکھا تھا۔ سمہان آفندی جانتا تھا' بات یقیناً عیشال جہانگیر کے متعلق ہی ہونی تھی تب ہی وہ چاہتا تھا سن کر اٹھے لیکن چودھری حشمت کے حکم پہ وہ ان کے کمرے سے نکل تو آیا تھا' لیکن اس کا دماغ ابھی بھی اس بند کمرے کے پیچھے ہی رہ گیا تھا۔ جو بات ہونی تھی وہ جلد یا بدیر سامنے تو آ ہی جاتی' فکر کرنے سے وقت کون سا جلدی کٹ جاتا۔ سر جھٹک کر وہ کھیتوں کے لیے نکلنے والا تھا تب ہی عیشال جہانگیر بے فکری آتی نظر آئی..... سمہان آفندی اسے آتا دیکھ کر رک گیا۔

URDUSOFTBOOKS.COM

''مل گیا سکون؟ تمہارے بھوسا بھرے دماغ میں میری بات نہیں سماتی؟ جب کہا تھا کہ دادجان کے سامنے کچھ نا کہنا' معافی مانگ لینا' اس کے باوجود.....'' عیشال جہانگیر جو اسے ان دیکھا کر کے آگے بڑھنے لگی تھی اس کا گریز دیکھ کر سمہان آفندی دو قدم آگے بڑھ کر اس کے راستے میں آ کھڑا ہوا..... اس کے تیور اور غصے کا عیشال جہانگیر پہ چنداں اثر ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

''کون سا گناہ عظیم سرزد ہو گیا مجھ سے' جو میں معافیاں مانگتی پھروں اس حویلی کے مکینوں سے.....؟ گناہ تو حویلی والوں سے ہو گیا ہے' جو مجھے میری ماں کے ساتھ ہی دفن نہیں کیا انہوں نے' جب میری ماں چین سے نہیں جی سکی تو میں کہاں چین سے جیوں گی؟'' وہ حد درجہ استہزائیہ انداز میں اس سے گویا ہوئی۔

''یعنی تم یہ ساری حرکتیں جان بوجھ کر ہم سب کو پریشان کرنے کے لیے کرتی ہو؟'' سمہان آفندی آج اس راز سے پردہ اٹھا دینا ہی چاہتا تھا۔

''کہہ سکتے ہو۔'' وہ کمال لاپروائی سے بولی۔ کالج یونیفارم تبدیل کر کے اس نے آرام دہ شلوار سوٹ پہن لیا تھا..... نارنجی رنگ اس کے شعلہ جوالہ چہرے سے مسابقت رکھ رہا تھا۔ سمہان آفندی نے لب بھینچ لیے۔ وہ سنجیدگی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ کم عمر ہونے کے ساتھ وہ اسے بے حد جذباتی اور کسی قدر بے وقوف بھی لگ رہی تھی۔

''صائقہ تائی کے ساتھ جتنی زیادتی ہوئی اسے ہم سب دل سے مانتے ہیں لیکن کسی کو سزا' جزا دینا ہمارا کام نہیں.....'' اس نے ہمیشہ کی طرح سمجھانا چاہا۔

''جو کچھ میری ماں کے ساتھ ہوا اگر یہ سب فریال چاچی کے ساتھ ہوتا تب میں دیکھتی تم کیسے مجھے سزا اور جزا کی کہانی سناتے۔'' وہ درشتی سے اس کی بات کاٹ کر جتا گئی۔ سمہان آفندی کے لب ایک ثانیے کو بھینچ گئے۔

''تم سے بحث کرنے کا ٹائم نہیں ہے میرے پاس' میں بس یہ چاہتا ہوں تم اپنے لیے مشکلات کھڑی مت کرو۔'' اسے سمجھ نہیں آتی تھی وہ اسے کیسے سمجھائے ساری دنیا پہ اس کی عملیت و ذہانت کی دھاک جمی ہوئی تھی' ایک وہی ماں کی باتوں کو اہمیت نہیں دیتی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

''پہلے کون سی آسانیاں ہیں میرے لیے حویلی میں؟'' اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔
''خیر میں کچن کی طرف جارہی ہوں' مجھے بھوک محسوس ہورہی ہے' ٹینشن تھی جانے داجان کیا کہیں' اس چکر میں ٹھیک سے ناشتا بھی نہیں کیا..... اب جب کہ فیصلہ محفوظ ہے اور آنے میں چند دن لگیں گے تو تب تک کیوں نا میں کھاتی پیتی رہوں۔ تم بھی اپنا ٹائم ضائع نہ کرو..... جس بحث کا کوئی حاصل وصول نہیں اس کا ذکر کر کے کیا فائدہ..... جاؤ کھیتوں میں جا کے اپنا کام کرو..... تمہیں میرے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' وہ اپنی بات کہتے آگے بڑھ گئی۔ سبحان آفندی کئی ثانیے لب بھینچے کھڑا رہا' اسے اندازہ نہیں تھا کہ فائدہ تو درکنار وہ اس انداز کے باعث مزید کتنا نقصان اٹھا سکتی ہے۔
چودھری حشمت کا لہجہ اسے آج بہت عجیب محسوس ہوا تھا جیسے وہ کوئی فیصلہ کر چکے تھے..... وہ ان کے قریب رہتا تھا ان کے تمام انداز اسے ازبر تھے۔ کچھ معاملے کو بھانپ لینے کی اس کی حس بھی خاصی تیز تھی تب ہی وہ متفکر تھا اور جس کا مسئلہ تھا وہ بھوک مٹانے کچن کو چل دی تھی۔ وہ بھی سر جھٹک کر حویلی کے خارجی راستے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆

انہوں نے جس اہم بندے کو دن دہاڑے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں اریسٹ کیا تھا اس نے تھوڑی سی مزمت کے بعد ہی منہ کھول کر بندے کا نام اور ٹھکانا بتا دیا تھا۔ چودھری جہانگیر کو چند گھنٹے لگے تھے اس اہم سیاسی رکن کو اریسٹ کرنے کا آرڈر لینے میں..... ان کا کیس اس قدر مضبوط تھا کہ اریسٹ وارنٹ کے لیے انہیں تگ و دو نہیں کرنی پڑی۔ اہم سیاسی رکن کے اریسٹ ہونے پر راتوں رات کھلبلی مچ گئی تھی۔ فون کی گھنٹیاں جو بجنا شروع ہوئیں تو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں..... لیکن سب کو خبر تھی' کیس کس کے ہاتھ میں تھا..... مخالف پارٹی چودھری جہانگیر کی مدح سرائی میں لگی ہوئی تھی' تو متاثرہ پارٹی ان کے خلاف بیان بازی کر رہی تھی..... ان کو معطل کروانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی۔ وہ آرام دہ انداز میں کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بے فکری سے سگریٹ کے کش پہ کش لگا رہے تھے۔ اسی لمحے اس کے نمبر پہ شاہ زر شمعون کی کال آئی۔
''کیسے ہو برخوردار؟'' انہوں نے کال ریسیو کر کے حال پوچھا۔
''السلام علیکم! الحمدللہ آپ کی دعا ہے چچا جان۔'' وہ آرام کر کے اٹھ چکا تھا۔ یوں بھی اجنبی ماحول میں اسے نیند نہیں آتی تھی اور خصوصاً دن میں تو بالکل نہیں' گو کہ کمرے میں پردے برابر کرنے کے بعد رات کا گماں ہو رہا تھا لیکن اس کے باوجود اس کی آنکھ نہیں لگی تھی' ایک لمحے کے لیے بھی۔ چودھری بخت کے اصرار پہ وہ رک تو گیا تھا مگر وقت گزر نہیں رہا تھا۔
''بخت بھائی کا فون آیا تھا بتا رہے تھے تم آئے ہوئے ہو' میں بھی گھر جا رہا ہوں' آجاؤ ساتھ لنچ کرتے ہیں۔'' چودھری جہانگیر جیسے اکھڑ' سرد مزاج جب اپنوں سے بات کرتے تھے تو ان کی ٹون ہی الگ ہوتی تھی۔ ان اپنوں میں بھی چند ایک کو ہی وہ قابل اعتنا گردانتے تھے' ورنہ اکثریت کو ان کی سرد مہری اور لاتعلقی کا رونا تھا۔
''چچی جان نے یہاں لنچ پہ خاصا اہتمام کروالیا ہے' اس لیے شام کی چائے آپ کی طرف پیوں گا' آپ کے ساتھ..... آپ کے پاس وقت تو ہے ناں؟ کیونکہ ابھی نیوز چینل اور سوشل میڈیا پہ بس آپ کے ہی چرچے ہو رہے ہیں۔ پراؤڈ آف یو چچا جان' آپ جس طرح نڈر ہو کر کام کرتے ہیں مجھے بہت اٹریکٹ کرتا ہے آپ کا یہ روپ۔'' شاہ زر شمعون دل سے سراہ رہا تھا' کچھ باتوں سے اختلاف کے باوجود سچ تھا کہ تمام لوگ چودھری جہانگیر کے مداح تھے۔

www.urdusoftbooks.com

"نڈر تو تم بھی بہت ہو۔" چودھری جہانگیر مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔ شاہ زر شمعون بھی ہنس دیا۔

"جن کے بڑے آپ جیسے نڈر لوگ ہوں ان چھوٹوں کو تو عادتاً تقلید کرنا ہوتی ہے۔" وہ در پردہ ان کی بڑائی جتا گیا تو وہ اس کے انداز پہ مسکرا دیے۔

"شام کو ملتے ہیں پھر ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔" چودھری جہانگیر نے کہا تو شاہ زر شمعون نے بھی الوداعی کلمات کہہ کر کال بند کر دی۔

کانسٹیبل ٹفن کا ڈبا لیے منتظر کھڑا تھا کہ کب چودھری جہانگیر فری ہوں اور وہ مدعا بیان کرے۔

"سر یہ قدیر رانا کے لیے ان کے گھر سے کھانا آیا ہے۔"

"واپس کر دو۔" ان کی فری ہوتے ہی کانسٹیبل نے ٹفن کی طرف اشارہ کر کے بتایا تھا۔ انہوں نے چھوٹتے ہی دو ٹوک انداز میں جو کہا اسے سن کر کانسٹیبل کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"سر....." وہ منمنایا۔ اتنی اہم شخصیت کے لیے آیا کھانا واپس کرنا اس کے لیے اچنبھے کی بات تھی۔

"وہ سرکاری مہمان ہے اور اسے سرکاری کھانا ہی ملے گا اس کے لیے کوئی شاہی دسترخوان نہیں سجے گا۔" چودھری جہانگیر نے جتاتے ہوئے کہا تو کانسٹیبل مستعد ہو گیا۔

URDUSOFTBOOKS.COM

"جی سر۔"

"میں نکل رہا ہوں' کوئی بھی بات ہو تو مجھے اطلاع دے دینا۔" وہ اپنے ماتحت کو پیغام دیتے باہر نکل گئے۔ ان کے نکلتے ہی سب نے سکون کی سانس لی۔

☆

"ہم عیشال کے رنگ ڈھنگ سے پریشان ہو گئے ہیں زمرد بیگم' ہمیں اس کے انداز میں بغاوت کی بو آ رہی ہے۔ ہر وہ کام کرنے لگی ہے جس کی حویلی میں اجازت نہیں۔" چودھری حشمت دونوں ہاتھ پیچھے کمر پہ باندھے ٹہل رہے تھے۔ زمرد بیگم کافی دیر سے ان کے اس انداز کو دیکھ رہی تھیں۔

برسوں کا ساتھ تھا' وہ انہیں بہت اچھی طرح جانتی تھیں' وہ جب بھی کسی پریشانی کا شکار ہوتے تو اسی طرح گھنٹوں کمرے میں ٹہلتے اور جب کسی نتیجے پہ پہنچ جاتے تو ٹہلنا بند کر دیتے تھے' چہرے پہ سنجیدگی کی لکیریں اس بات کی غمازی تھیں کہ وہ کسی گہری اور فیصلہ کن سوچ میں غرق ہیں۔ زمرد بیگم نے پریشانی کے متعلق استفسار کیا اور وہ بے ساختہ بول اٹھیں۔

"بچے جب محرومیوں کی کوکھ میں پلتے ہیں تو ان کی شخصیت کا شیرازہ اسی طرح بکھرا ہوا ہوتا ہے' چودھری جی عیشال چھوٹی عمر سے ہی سب دیکھتی آئی ہے ہم سب نے بھی تو اسے کوئی کہانی نہیں سنائی' اس نے جتنا تلخ ماحول دیکھا وہی تلخی اس کے اندر رچ بس گئی ہے۔ دیکھا جائے تو اس کے مزاج میں ضد اور بچپنا بھرا ہے' بس جذباتی اور غصیلی ہے' میں سمجھاؤں گی اسے' آپ فکر نا کریں۔" زمرد بیگم نے عیشال کو گودوں میں کھلایا تھا' وہ اس کے مزاج سے واقف تھیں۔ عیشال جہانگیر کی مشکل بنا کر انہیں یقین بھی دلایا کہ وہ اس کی سرکشی کو سنبھال لیں گی۔

"ضد اور من مانی وہ پہلے بھی کرتی رہی ہے زمرد بیگم اور ہم بھی نرمی برتتے رہے کہ بچی ہے لیکن آج وہ جس سرکشی سے جہانگیر اور اس کا خون ہونے کا باور کروا رہی تھی' وہ فراموش نہیں کر سکتے ہم..... اس کے اندر کوئی لاوا پک رہا ہے' بہتر تو یہ ہی ہے کہ یہ لاوا تیار نہ ہونے دیا جائے۔" چودھری حشمت کی عمیق نظریں بڑی باریکی سے ایک ایک رموز کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ زیرک نگاہ رکھتے تھے۔ یہ تو جیتی جاگتی گستاخ عیشال جہانگیر کا معاملہ تھا جو انہیں جتا گئی تھی

www.urdusoftbooks.com

کہ اس کی رگوں میں کس کا خون ہے..... وہ چین سے بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھی۔

''عیشال کا مزاج بدلنے کے لیے پھر کیا حل ہے آپ کے پاس؟'' زمرد بیگم نے جاننا چاہا۔

''جتنا ہم اسے جانتے ہیں وہ باتوں سے تو کبھی نہیں مانے گی اور جس دن اس کی بغاوت اور سرکشی بڑھی اس دن حویلی کی بنیادیں ہل جائیں گی اور اس بار ہم ایسا کرنے کی اجازت کسی کو نہیں دیں گے..... اس سے پہلے کہ حویلی کی بنیاد ایک بار پھر ہلے ہم جلد از جلد عیشال کی شادی کردیں گے۔'' چودھری حشمت آنے والے دنوں کو سوچ کر متفکر ہوئے تو انہوں نے فوراً حل پیش کردیا۔

''عیشال کی شادی.....! ابھی تو بی اے میں داخلہ لیا ہے اس نے..... اور ہے بھی بہت چھوٹی۔'' زمرد بیگم ان کا فیصلہ سن کر بے ساختہ بول اٹھیں۔ یہ اجازت بھی انہیں تنہائی میں حاصل تھی ورنہ سب کے سامنے انہیں بھی چودھری حشمت کے ہر فیصلے پہ سر جھکانے کی روز اول سے عادت تھی جب کہ تنہائی میں وہ حویلی کے سرپرست سے زیادہ شوہر بن کر زمرد بیگم سے صلاح و مشورہ کرتے تھے۔

''انیس سال کی ہوگئی ہے عیشال اور آپ اسے پھر بھی چھوٹی عمر کہہ رہی ہیں..... ذرا اپنا وقت بھی یاد کریں' گیارہ سال کی عمر میں آپ ہمارے نکاح میں آ گئی تھیں اور تیرہ سال کی عمر میں فیروز آپ کی گود میں کھیل رہا تھا۔'' چودھری حشمت ٹہلنا ترک کر کے زمرد بیگم کو ان کا وقت یاد دلا رہے تھے۔ زمرد بیگم شرما سی گئیں۔

''وہ زمانہ اور تھا تب تو صرف شادی اور ہانڈی روٹی کی فکر ستاتی تھی جبکہ اب بچے اور بچیاں کریئر بنانا چاہتے ہیں۔ پڑھ لکھ کر ڈگری حاصل کر کے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔'' زمرد بیگم نے دونوں ادوار کا موازنہ پیش کیا تھا۔

''حویلی کی عورتوں کے لیے زمانہ ایک جیسا ہی ہے زمرد بیگم' ہاں آج اتنا فرق ہے کہ ہم نے بچیوں کی شادی جلدی نہیں کی' لیکن اب اس کا بھی آغاز ہوا جاتا ہے۔ سب سے پہلے عیشال کی شادی کرنے کا سوچا ہے ہم نے۔'' چودھری حشمت اپنے فیصلے پہ مہر ثبت کر چکے تھے۔

''حویلی میں عیشال سے بڑے بچے بھی ہیں..... لڑکیوں میں ندا سب سے بڑی ہے..... سب سے پہلے اس کی ہونی چاہیے۔'' زمرد بیگم نے چودھری فیروز اور فائزہ کی بیٹی ندا کا نام لیا..... جو حویلی کی لڑکیوں میں سب سے بڑی تھی' جب کہ لڑکوں میں شاہ زر شمعون کا نمبر سرفہرست تھا۔ ندا' شاہ زر شمعون سے تین سال چھوٹی تھی' بنیادی طور پر لڑکے اور لڑکیوں میں بڑے بچے چودھری فیروز اور فائزہ کے ہی تھے۔ شاہ زر شمعون کو نئی نسل میں پہلوٹی کی اولاد کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔

''آپ کیا سوچ رہی ہیں اس بات کا ہمیں احساس ہے..... ہم جلد ہی شہر جائیں گے..... بچوں کے رشتے کے لیے ہم نے کچھ لوگوں سے ذکر کر رکھا ہے..... انہوں نے بلاوا بھیجا ہے' لیکن ہم پہلے عیشال کی شادی کریں گے۔'' زمرد بیگم کو ایک نظر دیکھتے چودھری حشمت نے انہیں اپنے لائحہ عمل سے آگاہ کیا اور زمرد بیگم انہیں حیرت سے دیکھتی رہیں۔

''عیشال کے لیے کوئی لڑکا ہے آپ کی نظر میں؟'' زمرد بیگم نے انہیں اتنا مطمئن دیکھا تو سوال کیا۔

''ہاں..... نظر میں کیا ہے' سمجھو بات طے کر رکھی ہے ہم نے۔'' چودھری حشمت نے جیسے بم پھوڑا۔

''ہم پہلے جہانگیر سے بات کرلیں پھر آپ سب کے سامنے ایک ساتھ اعلان کریں گے.....'' چودھری حشمت مطمئن تھے۔ زمرد بیگم نے لمبی سانس خارج کی' انہیں اندازہ تھا اب یہ پنڈورا باکس اسی وقت کھلے گا جب چودھری حشمت چاہیں گے۔ کسی بھی قسم کا اصرار بے سود ہوتا' وہ ایک بار فیصلہ کرتے تھے۔

www.urdusoftbooks.com

''لیکن یہ بات ابھی اپنے تک ہی رکھیے گا' کسی سے ذکر نا کیجیے گا..... یہ ہماری آپس کی بات ہے۔''

''برسوں بیت گئے ہیں آپ کی ہم سفری میں چودھری جی..... آپ کو آج بھی مجھے ایک ایک بات کی یاددہانی کروانے کی ضرورت ہے۔'' زمرد بیگم ان کی تنبیہہ پہ جتا گئیں تو چودھری حشمت شریک سفر کے گلہ کرنے پہ ذرا سا مسکرائے۔

URDUSOFTBOOKS.COM

ماورا سے کل تک کا انتظار نہیں ہو رہا تھا' تب ہی ٹیوشن پڑھنے کے لیے آئے بچے کو سو کا نوٹ پکڑا کر اس نے موبائل کارڈ منگوانے بھیج دیا تھا۔ ماورا نے انوشا سے سیل فون لے کر جلدی سے ریچارج کر کے سستا سا نیٹ پیکج کیا۔ انوشا بچوں سے فری ہو کر ماورا یحییٰ کے پاس چلی آئی۔

''زیرو زیرو سیون' کوئی کامیابی ملی؟'' انوشا نے دبی زبان میں چھیڑا۔ منزہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں اور وہ دونوں آرام سے اپنا کام کر رہی تھیں۔

''امیزنگ یار..... کیا بندہ ہے' یہ چودھری جہانگیر نام ڈالنے کی دیر تھی گوگل پہ..... جانے کتنے کارنامے سامنے آ گئے ان کے۔'' ماورا کی آواز میں حیرانی کے ساتھ جوش کا رنگ بھی نمایاں نظر آ رہا تھا۔

''یہاں تو ہر طرف محترم کا طوطی بول رہا ہے' جانے ہم کیوں اب تک ان سے انجان تھے..... ملک اور شہر میں کئی کارنامے انجام دیے ہیں محترم نے اور اب بھی قدیر رانا کو اریسٹ کر کے کسٹڈی میں رکھا ہوا ہے۔'' ماورا یحییٰ کی نظریں اسکرین پہ تھیں اور وہ انوشا کو تفصیلات بتا رہی تھی۔ انوشا بھی مارے اشتیاق کے قریب کھسک آئی اور اب دونوں چھوٹی سی اسکرین پہ جھکی ہوئی تھیں۔

''اف..... اس تصویر میں دیکھو..... پورے بابا لگ رہے ہیں۔'' ماورا یحییٰ نے سامنے نظر آتی ایک تصویر اسے دکھائی۔

''ہاں' واقعی لیکن ہمارے بابا تو گارمنٹ فیکٹری میں سپروائزر تھے اور یہ ٹھہرے گورنمنٹ کے بندے۔'' انوشا نے افسوس کا اظہار کیا' ماورا کا انگوٹھا اسکرین کو آگے پیچھے کرتے ایک لمحے کو ٹھٹکا۔

''کیا ہوا؟'' انوشا کو اس کے غور سے تصویر دیکھنے پہ حیرانی ہوئی۔

''میں نے اس بندے کو کہیں دیکھا ہے' لیکن یاد نہیں آ رہا' کہاں؟'' ماورا یحییٰ کی پُرسوچ آواز ابھری۔

چودھری جہانگیر کی مختلف جگہوں کی تصاویر موجود تھیں کسی سیمینار کی' سیکوریٹی انتظامات کی' کسی تقریب کی' تصاویر میں مختلف لوگ تھے لیکن ایک تصویر میں کسی نے چودھری جہانگیر کو گلے لگا رکھا تھا۔ اس شخص کا سائیڈ پوز دیکھ کر ماورا یحییٰ ٹھٹکی تھی۔ دونوں جس محبت سے ایک دوسرے کو گلے لگائے کھڑے تھے وہ پروفیشنل نہیں پرسنل ریلیشن ظاہر کر رہا تھا' ایسے میں اس شخص کو دیکھ کر ماورا کو اپنا چونکنا بھی بے جا نہیں لگا۔

''پہلے ہم بابا کے ہم شکل کو ڈھونڈ رہے تھے اب تم ایک اور کہانی لے آؤ۔'' انوشا جیسے جھلائی۔

''نہیں یار مجھے پکا یقین ہے میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔'' ماورا یحییٰ بضد ہوئی۔

''دیکھا ہوگا..... آ جائے گا یاد بھی۔'' انوشا نے جیسے تسلی دی۔

''محترم چودھری صاحب پنجاب سے ہیں لیکن عرصہ دراز سے کراچی میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی کا ذکر کر رہے ہیں۔'' سرچ کرتے ہوئے چودھری جہانگیر کے انٹرویو کا لنک بھی سامنے آ گیا تھا' جس کے اہم پوائنٹس ماورا یحییٰ انوشا کو سنا رہی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

''مٹی ڈالو اس بندے پہ..... ہماری بلا سے تیر مارتا پھرے۔'' انوشا بے زار ہوئی جس دیس نہیں جانا اس کے کوس کیا گننا کے مترادف جب وہ ان کا کچھ لگتا ہی نہیں تھا تو اس کے بارے میں سرچ کر کے کیا فائدہ ہوتا' تب ہی وہ بے زاری کا اظہار کر گئی..... لیکن ماورا یحییٰ دلچسپی سے لگی ہوئی تھی۔

''ارے..... تمہارا تو انٹری ٹیسٹ کا رزلٹ بھی آنے والا تھا..... سرچ کر کے دیکھو..... کیا معلوم اپ لوڈ ہو چکا ہو رزلٹ۔'' انوشا کو بے ساختہ یاد آیا تو وہ پُر جوش ہوئی۔

''ارے ہاں۔'' ماورا کو بھی جیسے یاد آ گیا..... وہ چودھری جہانگیر اور ان کے کارناموں کو ایک لمحے کے لیے بھول بھال کر رزلٹ سرچ کرنے لگی..... یوں تو اس کا جا کر دیکھنے کا موڈ تھا دیکھے تو ٹاپ آف دا لسٹ کون تھا لیکن جب آن لائن کی سہولت تھی تو جانے کی کیا ضرورت۔

''پچانوے فیصد او واؤ.....!'' مارکس دیکھ کر اسے خود یقین نہیں آ رہا تھا' انوشا ایک بار پھر قریب کھسک آئی' جو بیزاری سے دور چلی گئی تھی۔

''لو جی' میرا خیال ہے تمہاری ٹاپ آف دی لسٹ والی دعا پوری ہو گئی۔'' انوشا نے سنتے ہوئے کہا۔

''شش..... امی نے سن لیا تو.....؟ میں تو اب بھول بھی گئی..... چھوڑو۔'' ماورا نے سر جھٹکا۔

''کچھ بھی کہو..... لیکن میرا نہیں خیال کہ اس سے زیادہ ہائی مارکس کسی نے لیے ہوں گے۔'' انوشا پُر امید تھی۔

ماورا یحییٰ کے دل کو بھی یہ بے چینی لگ گئی تھی کہ ٹاپ پہ کون ہے' لیکن وہ اس خیال کو خود پہ حاوی نہیں ہونے دے رہی تھی۔ یہ تو یونیورسٹی جا کر ہی خبر ہوتی کہ کون فرسٹ تھا اور کون سیکنڈ۔

(☆)

ایشان جاہ کے محل نما بنگلے میں انشراح اور باقی کے تینوں دوست بھی براجمان تھے۔ وہ سب بھی انٹری ٹیسٹ کا رزلٹ چیک کر رہے تھے۔ سب کے اچھے نمبر آئے تھے مگر ایشان جاہ کا منہ لٹک گیا تھا۔

''ارے کیا ہوا' کیوں اتنا فضول سا منہ بنا رکھا ہے۔ نوے فیصد مارکس لیے ہیں تو نے' عیش کر۔'' سعید نے اس کے کندھے پہ ہاتھ مارا..... وہ سب بے تکلفی سے ایشان جاہ کے روم میں براجمان تھے۔ سہیل ریوالنگ چیئر پہ بیٹھا جھول رہا تھا۔ سعید اور ایشان جاہ بیڈ پہ بے تکلفی سے براجمان تھے تو انشراح ذرا نزاکت سے ٹکی ہوئی تھی۔

''نوے فیصد کیوں' سو فیصد کیوں نہیں۔'' ایشان جاہ نے ضدی لہجے میں کہا۔

''ٹیسٹ چیک کرنے والے تیرے' میرے ابا ہوتے تو ممکن تھا۔'' سہیل نے چڑایا۔

''بس کرو ایشان..... ٹاپ آف دی لسٹ تم ہی ہو گے' ہم سب کو ہی دیکھ لو پچاس فیصد سے ساٹھ فیصد پہ آئے۔ نوے فیصد تو پھر بھی بہت زیادہ ہے..... ڈونٹ وری کوئی اتنا جینئس نہیں ہو گا بیس ہزار اسٹوڈنٹس میں۔'' انشراح نے اس کا غم غلط کرنا چاہا۔

''اور جو کوئی ہوا تو؟'' ایشان جاہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

''لڑکا ہو تو جان سے مار دینا..... اور لڑکی ہوئی تو آنکھ۔'' سعید ہنسا۔ باقی سب نے بھی قہقہہ لگایا۔

''شٹ اپ..... جب تک لسٹ نہیں دیکھ لوں' چین نہیں آئے گا۔'' ایشان جاہ نے انہیں ڈپٹ کر جیسے خود کلامی کی۔

''افسردہ ہونے کی بجائے خوشی مناؤ کہ ہم سب ساتھ ہیں اگر جو کوئی ایک بھی لسٹ سے آؤٹ ہوتا تو افسوس ہوتا۔'' عزیز نے اہم نکتے کی طرف دھیان دلایا۔

www.urdusoftbooks.com

''ہاں واقعی اگر میں رہ جاتی تو اکیلی کیا کرتی اگر ٹیسٹ کلیئر نا ہوتا۔'' انشراح کو بھی جیسے ممکنہ صدمہ نا ملنے کی خوشی ہوئی' جس پہ وہ خوش تھی کہ ایک بار پھر وہ سب ساتھ ہوں گے۔

''او کے گائز..... بریکنگ نیوز سن لو..... جس منگنی کے لیے میں نے تم سب کو انوائٹ کیا تھا وہ کینسل ہو گئی ہے..... اگلی تاریخ کا اعلان ہوتے ہی تم سب کو مدعو کرلوں گا۔'' سعید نے ہاتھ اٹھا کر ایک سانس میں کہا۔ سب اس کے شستہ لہجے پہ ہائے وائے کرتے منگنی کینسل ہونے کی وجہ ہی فراموش کر بیٹھے۔ دیر تک ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے رہے۔

سب اپنے اپنے گھر جانے کے لیے اٹھے تو ایشان جاہ انہیں چھوڑنے پورچ تک آیا۔ انشراح ابھی رکنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ وہ ایشان کے ساتھ کھڑی ان تینوں کو الوداع کر رہی تھی' ایشان جاہ پہلے ہی ملازم کو کمرے کی صفائی کا کہتا ہوا آیا تھا۔ ان سب کی گاڑیاں نکلی ہی تھیں اور ابھی چوکیدار گیٹ بند کرنے کی سوچ ہی رہا تھا جب تیز ہارن کے ساتھ شاہ زر شمعون کی لینڈ کروزر اندر داخل ہوئی۔

ایشان جاہ جو اندر پلٹنے لگا تھا تیز ہارن پہ اس کی نظریں بے ساختہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے شاہ زر شمعون پہ پڑی' انشراح بھی حیرت سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ شاہ زر شمعون گاڑی پارک کر کے سیدھا ایشان جاہ کی طرف آیا جو اندر داخل ہوتے وہ بھی اسے دیکھ چکا تھا۔

URDUSOFTBOOKS.COM

''ہیلو برادر' سرپرائز دیا آپ نے تو.....؟'' ایشان جاہ خوش دلی سے دو قدم آگے بڑھا۔ شاہ زر شمعون کو اچانک دیکھ کر اسے حیرانی ہو رہی تھی۔

نئی نسل خصوصاً ان لڑکوں کی آپس میں بڑی اچھی بنتی تھی' سب ہی اپنی اپنی جگہ سوا سیر تھے' مگر جب بھی ایک دوسرے سے ملتے تھے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی بجائے بڑا ہی تسلیم کرتے تھے۔

''اچھا نہیں لگا سرپرائز؟'' شاہ زر شمعون دل فریبی سے مسکراتے ایشان جاہ کے گلے لگ گیا۔

''بہت اچھا لگا..... اتنے دنوں بعد مل رہے ہیں ہم۔'' اس نے گرم جوشی سے بھینچ لیا۔

''میں تو پھر بھی آ گیا تمہارے شہر' تم بھی گاؤں آ جایا کرو میری محبت میں۔'' الگ ہوتے شاہ زر شمعون نے خوش دلی سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''ان شاء اللہ جلدی چکر لگاؤں گا اور آپ کے ساتھ رائیڈنگ بھی کروں گا۔ مجھے آپ کے سلطان کی نسل کے گھوڑے بہت پسند ہیں سمہان کیسا ہے؟ اسے بھی ساتھ لے آتے۔'' ایشان جاہ اور سمہان آفندی تقریباً ہم عمر ہی تھے اور ایشان جاہ اور شاہ زر شمعون کی عمر میں بھی اتنا ہی فرق تھا جتنا سمہان آفندی اور شمعون میں..... تینوں جب بھی اکٹھے ہوتے تھے تو خوب رنگ جمتا تھا۔ حویلی سے دور اکثر ان کی محفل ڈیرے پہ ہی جمتی تھی۔

''بس اچانک آنا ہوا چچا بخت کی طرف..... اس لیے سمہان کو کھیتوں پہ لگا کر آیا ہوں۔'' شاہ زر شمعون سمہان آفندی کو ساتھ نا لانے کی وجہ گوش گزار کر گیا۔

''کب تک ہیں کراچی میں؟ مہمان نوازی کا موقع دیں۔'' ایشان جاہ واقف تھا' وہ کم ہی کراچی کا رخ کرتا تھا۔

''صبح ہی نکل جاؤں گا' اسی لیے تو چچا جان اور تم سب سے ملنے چلا آیا۔'' بات کرتے ہوئے شاہ زر شمعون کی نظریں چند قدم پیچھے کھڑی انشراح پہ پڑی اور منہ پھیرنے کے ساتھ ہی اس نے تھوڑا سا رخ بھی پھیر لیا تھا۔ وجہ اس کا پہناوا تھا۔ اس وقت وہ ٹائٹ ٹی شرٹ جینز میں دوپٹے سے بے نیاز بال بکھرائے کھڑی تھی۔

بحیثیت ایشان جاہ کی خالہ زاد وہ انشراح سے اچھی طرح واقف تھا' مگر اس وقت اسے دیکھ کر اس کے ماتھے پہ بل

www.urdusoftbooks.com

پڑ گئے تھے۔ ایشان جاہ تو اس ماحول اور مغربی طرز کے پہناوے کا عادی تھا لیکن اسے حویلی کے لوگوں کے بارے میں بھی خبر تھی تب ہی اس نے شاہ زر شمعون کی نظریں اور ماتھے کے بل دونوں کا سراغ جلدی لگا لیا تھا۔

''انشراح جا کر مام سے کہو شاہ آئے ہیں۔'' ایشان جاہ نے بہانے سے انشراح کو ہٹایا تو وہ چلی گئی۔

شاہ زر شمعون کو کوفت ہوئی' یہ چودھری جہانگیر کا گھر تھا' وہ کن لوگوں سے ملتے جلتے ہیں' ان کے گھر کن لوگوں کا آنا جانا ہے' یہ اس کے علم میں نہیں تھا' نا وہ چھوٹا ہونے کے ناتے ان سے کوئی سوال کر کے ان پہ پابندی عائد کر سکتا تھا۔ چودھری جہانگیر کا ہمیشہ سے الگ مزاج رہا تھا' وہ اپنے انداز سے زندگی گزارنے کے عادی تھے لیکن اگر ابھی اس کی بجائے چودھری حشمت نے انشراح کو یوں اس حلیے میں جوان پوتے کے ساتھ دیکھا ہوتا تو چودھری جہانگیر لاکھ عزیز ہونے کے باوجود کٹھہرے میں ضرور جا کھڑے ہوتے..... وہ سر جھٹک کے رہ گیا۔

''آئیں اندر چلتے ہیں..... ڈیڈ کو خبر ہے آپ آ رہے ہیں؟''

''ہاں' میں نے چچا جان کو اطلاع دی تھی۔'' وہ لاؤنج میں براجمان ہوا تو صبا بھی چلی آئیں اور ان کے پیچھے آتی انشراح کو دیکھ کر اسے خود پہ ضبط کرنے میں مشکل ہونے لگی۔

صبا چالیس سے لگ بھگ ایک فیشن ایبل خاتون تھیں' اس وقت بھی ریڈ اورنج کلر کا جوڑا پہنے نک سک سے سرخی پاؤڈر لگائے بالوں کو آئرن کر کے اسٹریٹ کیے اس سے بظاہر لگاوٹ جتا رہی تھیں۔ حویلی کے ایک ایک بندے کے متعلق پوچھ رہی تھیں..... مگر ان کے انداز میں مصنوعی پن اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ آج تک کوئی ان سے مکس اپ نہیں ہو سکا تھا۔ چودھری بخت کی بیوی دیا بھی سالوں سے کراچی میں مقیم تھیں' پیشے سے ڈاکٹر تھیں مگر ان کا پہننا اوڑھنا' رکھ رکھاؤ دیکھ کر یہی گماں ہوتا تھا کہ وہ حویلی کی چار دیواری میں ہی جی رہی ہیں' دونوں بیٹیوں شنائیہ اور ماہم کو بھی انہوں نے حویلی کے اصولوں پہ ہی پابند کر رکھا تھا' مگر مزاج کی نزاکت دور کرنے میں وہ ناکام رہی تھیں۔ خصوصاً شنائیہ کے حوالے سے..... ماہم پھر بھی ہر ماحول میں ایڈجسٹ ہو جاتی تھی' مگر شنائیہ تو اڑیل گھوڑے کی طرح رسی تڑاتی تھی۔ وہ دونوں گھرانوں کا ناچاہتے ہوئے بھی موازنہ کر گیا تھا۔

''آ گئے برخوردار.....'' اسی گھڑی چودھری جہانگیر لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔ حسب عادت' انہوں نے وہائٹ شلوار سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ چہرے پہ نیند کا خمار واضح تھا۔

'السلام علیکم! آپ سے ملے بغیر کیسے جا سکتا تھا۔'' شاہ زر شمعون احتراماً کھڑا ہوا تھا چودھری جہانگیر نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا۔ ساتھ ہی پہلو میں بیٹھ گئے۔ ایشان جاہ نے اٹھ کر انہیں جگہ دی تھی' وہ سامنے والے صوفے پہ منتقل ہو گیا تھا۔

URDUSOFTBOOKS.COM

''میں لنچ کے بعد سو گیا تھا تمہاری چچی جان سے کہہ دیا تھا کہ شاہ آئے تو اٹھا دینا۔'' چودھری جہانگیر اپنائیت سے گویا ہوئے۔

''ناحق میری وجہ سے آپ کی نیند خراب ہوئی۔'' وہ معذرت خواہانہ لہجے میں گویا ہوا۔ انشراح' صبا کے ساتھ لگ کر صوفے کے ہتھے پہ بے تکلفی سے براجمان تھی۔ وہ بڑی گہری نظروں سے شاہ زر شمعون کو جانچ رہی تھی۔ مل تو پہلے بھی کئی بار چکی تھی مگر آج تک ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

''ارے نہیں..... یوں بھی ڈیوٹی پہ واپس جانا ہے کال بھی بس آنے ہی والی ہو گی..... تم سناؤ' حویلی میں سب کیسے ہیں؟'' انہوں نے استفسار کیا۔

''جی سب ٹھیک ہیں' دا جان آپ کو بہت یاد کر رہے تھے۔ انہوں نے خصوصاً آپ کے لیے پیغام بھیجا ہے کہ

www.urdusoftbooks.com

حویلی کا چکر لگالیں۔" شاہ زر شمعون نے چودھری حشمت کا پیغام پہنچایا۔ حویلی کے ذکر پہ چودھری جہانگیر کے چہرے پہ ایک ثانیے کو سناٹا چھا گیا تھا' مگر اگلے ہی لمحے انہوں نے خود کو کمپوز کرلیا۔

"ان شاء اللہ جلد چکر لگاؤں گا' صبا' نرمین کہاں ہے اور جلدی چائے کا انتظام کرو' پتا بھی ہے شاہ ہوا کے گھوڑوں پہ سوار آتا ہے۔ زیادہ دیر رکے گا نہیں۔" چودھری جہانگیر بیٹی کے متعلق محبت سے پوچھتے صبا کو ہدایت کرنے لگے۔

"نرمین کو چنگ سینٹر گئی ہے واپسی میں ٹائم ہے ابھی' ایشان لے آئے گا یا ڈرائیور کو پک کرنے بھیجوں گی۔" انہوں نے لاپروائی سے کہا۔

URDUSOFTBOOKS.COM

"ایشان تو کلب جائے گا' میں خود پک کرلوں گا اپنی بیٹی کو۔" چودھری جہانگیر محبت سے بولے تو شاہ زر شمعون سختی سے لب دانتوں تلے دبا گیا۔ اس کے تصور میں عیشال جہانگیر چلی آئی جو حویلی میں بولائی بولائی خود سے لڑتی بھڑتی پھرتی تھی۔ چودھری جہانگیر تو جیسے بھولے بیٹھے تھے کہ ایک بیٹی ان کی حویلی میں بھی ہے جس کے لیے ان کے اس عالیشان بنگلے میں جگہ تھی نا ان کے دل میں اس کے لیے ذرا سی بھی گنجائش۔

شاہ زر شمعون' چودھری حشمت کے حکم پہ یہاں آتو گیا تھا مگر جانے کیوں وہ یہاں سے اٹھنے کے بہانے سوچنے لگا۔ صبح سے چودھری بخت کے گھر قیام تھا' اتنی الجھن تو اسے وہاں بھی نہیں ہوئی تھی' اپنی برداشت کو آزماتے اس کے بے ریا اور کھرے مزاج پہ یہ چائے اسے بڑی بھاری پڑنے والی تھی۔

☆

ایک تھکا دینے والا دن کھیت میں گزار کر آیا تو حویلی میں داخل ہوتے اس نے اپنی تمام حسوں کو ایکٹو کرلیا' وہ جاننا چاہتا تھا آیا چودھری حشمت کیا فیصلہ سنایا؟ اتنا تو اسے فصلوں کی کٹائی نے نہیں تھکایا تھا جتنا یہ سوال تھکا گیا تھا' بات اس کی ذات کے متعلق ہوتی تو وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچتا..... لیکن ذات عیشال جہانگیر کی ملوث تھی جس کے متعلق خود کو سوچنے سے وہ روک نہیں پاتا تھا۔

"آ گیا پتر۔" سب سے پہلے زمرد بیگم نے اسے دیکھا۔ وہ سلام کر کے ان کے ساتھ چوکی پہ بیٹھ گیا۔

"ماں صدقے' تھک گیا ہے میرا بچہ۔" زمرد بیگم نے اپنے دوپٹے کے آنچل سے اس کے چہرے پہ پسینے کی بوندوں کو سمیٹا۔ وہ ان کی محبت پہ مسکرا دیا۔

"نہیں دی جان..... آپ کو تو پتا ہے میں تھکتا نہیں۔" اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"ہاں پتا ہے' رب سوہنے نے میرے پتروں کو بڑی طاقت دی ہے۔" زمرد بیگم واری صدقے ہونے لگیں۔

"حویلی میں تو سب خیریت ہے ناں دی جان؟" جب زمرد بیگم کے انداز سے بھی اسے کچھ نا ملا تو اس نے گھما پھرا کے پوچھ ہی لیا۔

"ہاں پتر' الحمدللہ تو ہاتھ منہ دھولے میں چائے کے ساتھ تیرے لیے کچھ منگواتی ہوں۔" زمرد بیگم نے ملازمہ کی تلاش میں نظر دوڑائی۔

"صبح میرے جانے کے بعد ابا جان نے زیادہ غصہ تو نہیں کیا؟" اس نے کریدا۔

"نہیں ٹھنڈے ہو گئے تھے۔" زمرد بیگم نے اطمینان دلایا۔

"کہہ رہے تھے کوئی فیصلہ کریں گے اس بارے میں کچھ کہا انہوں نے؟"

"ہاں فیصلہ تو کرلیا ہے انہوں نے' پر کہہ رہے تھے سب کے سامنے خود ہی سنائیں گے۔" زمرد بیگم کہہ رہی تھیں اور سمہان آفندی کے حواس جاگ اٹھے۔

www.urdusoftbooks.com

''آپ کو بھی نہیں بتایا' کیا فیصلہ ہے؟'' وہ سب جان لینا چاہتا تھا۔
''نہیں پتر' تجھے تو ان کے مزاج کا پتا ہے جب مرضی ہوگی تو خود ہی بتادیں گے۔'' زمرد بیگم کے جواب نے اس کی پریشانی میں مزید اضافہ کردیا' مگر اسے اعصاب کو قابو میں رکھنا آتا تھا۔
''سمہان صاحب..... چودھری صاحب کا حکم ہے' آپ تیاری کرلیں..... وہ تھوڑی دیر میں شہر کے لیے آپ کے ساتھ نکلیں گے۔'' اسی ثانیے نذیراں چودھری حشمت کا پیغام لے کر آ گئی تھی۔ سمہان آفندی ایک لمحے کو چونکا۔
یہ اچانک شہر جانے کا پلان کیوں؟ کیا فیصلے میں شہر جانے کا بھی کوئی عمل دخل تھا؟ اس کا ذہن تیزی سے کڑیاں جوڑ رہا تھا۔ نذیراں پیغام دے کر جا چکی تھی۔
''جا پتر جا کر نہا دھو کر کچھ کھالے' دوپہر کا کھانا بھجوادیا تھا کھیت پہ' تو نے کھایا تھا ناں؟'' زمرد بیگم کو فکر لگ گئی۔
''جی جی دی جان۔'' وہ سعادت مندی سے گویا ہوا۔
''سارا دن کا تھکا ہارا آیا ہے بچہ اور پھر شہر کے لیے لمبا سفر کرنا ہے۔ چودھری جی بھی ناں' جو ٹھان لیں وہ کر کے ہی رہتے ہیں۔'' زمرد بیگم بڑبڑائیں' سمہان آفندی کے کان کھڑے ہوگئے تو گویا اس کا شک درست نکلا تھا۔ کسی نا کسی حد تک زمرد بیگم بھی فیصلے سے آگاہ تھیں لیکن اسے خبر تھی وہ کبھی چودھری حشمت کے خلاف جا کر کام نہیں کرتیں سو ان سے کچھ معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔
''جا تو نہا لے' میں کھانے کا کہتی ہوں' راستے کے لیے بھی کچھ تیار کروادوں گی۔'' زمرد بیگم اس سے پہلے اٹھ گئی تھیں۔ اس نے لمبی سانس لی۔

☆

ہاتھ کی لکیروں کو
پڑھنے والا بولا تھا
عمر تیری لمبی ہے
سوچ کے دل یہ کانپا تھا
سوچ سوچ ہانپا تھا
زندگی کو جینے کی
خواہشیں نہیں باقی
اس کے بعد زیست میں
راحتیں نہیں باقی
اس کے بن گزرتی ہے جو
کس قدر بے رنگی ہے
اور سوچو تو ذرا
عمر میری لمبی ہے!

''تیری عمر بڑی لمبی ہے دو سو سال جیے گی۔'' اس کی انگلیاں تھام کر وہ بغور اس کی لکیروں کو پڑھ رہا تھا۔
''ہاں' ساری دنیا چلی جائے گی' اور میں اکیلی گھومتی رہوں گی' ہے ناں۔'' آنکھیں دکھا کر اس نے اپنی انگلیاں چھڑائیں۔

www.urdusoftbooks.com

''اچھا ہے ناں..... ہم تم ہوں گے بادل ہوگا..... رقص میں سارا جنگل ہوگا۔'' وہ گنگنانے لگا وہ گھور کر رہ گئی۔
''اتنے اونچے خواب نا دیکھو.....'' اس نے جتایا۔
''وہ خواب ہی کیا' جس کی تعبیر تم نہیں۔'' جواب سرعت سے دے کر وہ لاجواب کر گیا تھا۔
ان کی آنکھیں ایک ہی مرکز پہ جمی ہوئی تھیں' کانوں میں بس جملوں کی گونج تھی۔
''محبت کے پنچھی کو کبھی قید نا کرو' اسے آزاد چھوڑ دو' اگر اسے محبت ہوگی تو اونچی سے اونچی اڑان کے بعد بھی وہ لوٹ آئے گا۔'' کتنے یقین بھرے لفاظ تھے' اور کسے خبر تھی جب پنچھی لوٹے گا تو گھونسلہ ہی طوفان کی نذر ہو کر اپنا وجود کھو چکا ہوگا۔
URDUSOFTBOOKS.COM
کبھی کبھی ہم سب کچھ ہار جاتے ہیں کبھی خود سے' کبھی قسمت سے اور کچھ کھونے کا ملال تا عمر دل سے چپکا رہتا ہے' آنسو بہت تیزی سے منزہ کی آنکھوں سے نکل کر تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔

(☆)

''ارے آپ' اتنی جلدی آ گئے؟'' وہ دن چڑھے تک سوتی رہی تھی۔ لنچ کے لیے اٹھانے پہ بھی نہیں اٹھی تھی۔ سب نے اس کے بنا لنچ کیا تھا۔ وہ شاہ زر شمعون سے شرمندہ تھی۔ اس کی غیر موجودگی پر جانے وہ کیا سوچ رہا ہو' اس کی بھی ساری رات جاگتے ڈرائیو میں گزری تھی' لیکن چودھری بخت کے اصرار کے باوجود کمرے میں لیٹا رہا تھا' نیند نہیں آئی تھی اسے۔ شنائیہ سو کر اٹھی تو خبر ہوئی شاہ زر شمعون' چودھری جہانگیر کی طرف گیا ہوا ہے۔
''چلا گیا ہٹلر؟'' اور وہ جو ماہم سے مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی اس کا جواب سن کر منہ بسور گئی۔
شاور لے کر وہ فریش سی لان کی چیئر پہ آ کر بیٹھ گئی تھی سورج غروب ہو رہا تھا' ایسے میں جب شاہ زر شمعون کی لینڈ کروز پورچ میں آ کر رکی اور وہ بلیک شلوار سوٹ میں برآمد ہوا تو شنائیہ چودھری ایک دم سے سرپیٹ کے رہ گئی۔ اس نے ایک نظر خود پہ ڈالی شاور لے کر اس نے بلیک شلوار کا سوٹ پہن رکھا تھا گیلے بال شولڈر اور پشت پہ بکھرے ہوئے تھے' ایسے میں جب شاہ زر شمعون اس کے پاس سے گزرنے لگا تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھی۔ اس کے جلدی لوٹ آنے پہ..... وہ تو سوچ رہی تھی ڈنر کر کے ہی لوٹے گا' مگر وہ تو جلدی لوٹ آیا تھا۔
شاہ زر شمعون کے قدم بے ساختہ ٹھٹکے تھے' کالے لباس میں اس کا گلابی چہرہ گواہی دے رہا تھا کہ محترمہ نیند پوری کر چکی ہیں..... صبح کے ناشتے کے بعد وہ اب ایک دوسرے کے روبرو تھے۔
''جی اگر آپ کو برا لگ رہا ہے' میرا آنا تو واپس چلا جاتا ہوں۔'' وہ پہلے ہی خاصا برہم تھا' شنائیہ چودھری کے استفسار نے اسے مزید کھولا دیا۔
''ایسا کیا کہہ دیا میں نے.....؟ اور کائنڈلی آپ کسی اور کا غصہ مجھ پہ مت نکالیں۔'' وہ اس کا موڈ بھانپ گئی تھی کہ وہ برہم ہے' جس پہ اسے حیرت بھی ہوئی تھی کہ جانے ایسا کیا ہوا تھا چودھری جہانگیر کے ہاں جو وہ اتنی جلدی لوٹ آیا تھا۔
''میں کسی کا غصہ کسی دوسرے پہ نہیں نکالتا' آپ کو کس نے کہا تھا سفر کی روداد پورے سیاق و سباق سے حویلی والوں کو سنا دیں۔ مما فکر مند ہو رہی ہیں' میرے لیے۔ ان کے کئی فون آ چکے میرے پاس..... داجان تک بات گئی تو میں آپ کا کارنامہ پوری سچائی سے انہیں گوش گزار کر دوں گا۔'' اس نے واضح لفظوں میں ایک طرح سے دھمکی دی۔
''پلیز داجان کو کچھ نا بتایئے گا' انہوں نے کچھ ایسا ویسا فیصلہ سنا دیا میرے خلاف تو میں تو ماری جاؤں گی ناں۔''
شنائیہ چودھری جو بہت لاپروا نظر آ رہی تھی اس کی دھمکی پہ ایک دم سے پریشان ہو گئی۔

www.urdusoftbooks.com

''پلیز شاہ' داجان سے کچھ نا کہیے گا۔ میں نے تو صرف شازمہ کو بتایا تھا' مجھے کیا خبر تھی وہ پوری حویلی میں بات پھیلا دے گی..... آپ نے بھی تو سمہان کو بتایا تھا۔'' وہ ملتجی ہوتے ہوئے صفائی دے رہی تھی۔ صفائی دیتے ہوئے وہ ایک دم سے اسے بھی قصوروار ٹھہرا گئی' شاہ زر شمعون جو اس کے ملتجی لہجے پہ متحیر تھا کہ وہ اور التجائیہ لہجہ و انداز..... دو الگ چیز تھی..... اور اگلے ہی پل اسے بھی قصوروار ٹھہرا کر اس نے اس کی سوچ کی تائید کردی کہ وہ بے کار میں حیران ہوا' بھلے چند سیکنڈز کے لیے ہی سہی۔

شاہ زر شمعون نے اب کے اسے ذرا دھیان سے دیکھا..... بلیک شیفون کے سوٹ میں کسی بھی قسم کے میک اپ سے چہرہ عاری تھا۔ اس کے سامنے شنائیہ چودھری اب معصوم لگ رہی تھی۔ وہ اسٹائلش کپڑے ضرور پہنتی تھی لیکن اس میں عریانیت نہیں ہوتی تھی۔ دوپٹا بھلے کندھے پہ جھول رہا تھا' جیسے ابھی بھی پڑا ہوا تھا مگر وہ اسے دوپٹے کے بغیر کبھی نظر نہیں آئی تھی۔ جس میں بہت حد تک چودھری بخت اور دیا کی تربیت کا بھی ہاتھ تھا۔

''مجھے خبر ہے کہ کس سے کیا بات کرنی ہے اور کون کس مزاج کا ہے' آپ کی طرح بریکنگ نیوز بیچ چوراہے پہ نہیں دیتا۔'' قصوروار ٹھہرائے جانے پہ وہ بھنا گیا تھا۔

''آپ داجان سے کچھ نہیں کہیں گے ناں؟'' اس کے انداز پہ وہ معصوم بن کر پوچھ رہی تھی۔ پتا تھا گیند اس کی کورٹ میں ہے ذرا اس نے تیور دکھائے تو گلے پڑ جائے گا۔

''سوچتا ہوں۔'' وہ اس پہ ایک سنجیدہ نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔

''ہونہہ..... آنکھیں ہیں یا غوری میزائل۔'' وہ سر جھٹک کر دونوں ہاتھوں سے بالوں کو اٹھا کر دو تین بل دے کر شانے پہ دھر گئی۔ سوچ تو یہی تھی جیسے یہ بل خود کے بالوں کو نہیں اس کلف لگے انسان کو دے رہی ہو لیکن آہ کچھ زیادہ ہی زور سے بل پڑ گئے۔

URDUSOFTBOOKS.COM

''کم بخت گولہ باری نا کرے' سڑیل منہ نا کھولے تو رج کے ہینڈسم ہے۔'' شنائیہ چودھری کی نظریں اس کی بلیک قمیص والی پشت پہ جمی تھیں۔

''ہونہہ.....'' اس نے بے ساختہ سر جھٹک کر اندر کی راہ لی۔ ایک بار پھر اپنے کمرے میں آرام کرنے کا ارادہ تھا تب ہی رخ اپنے کمرے کی طرف کیا۔

وہ جانے کتنی ہی دیر آرام کرتی رہتی' فرینڈز سے گروپ چیٹ کرتی رہتی' ملازمہ رات کے کھانے کے لیے بلانے آئی تو اسے وقت گزرنے کا احساس ہوا۔ وہ پہنچی تو سب کھانے کی میز پہ موجود تھے' وہ بھی خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی' اپنی پلیٹ میں چاول نکال کر کھانے لگی تو دیا نے تنبیہی نظروں سے دیکھتے دوپٹے کی طرف اشارہ کیا۔ ان کے اشارہ کرنے پہ وہ شانوں پہ پڑا دوپٹا بے ساختہ اٹھا کر سر پر رکھ گئی تھی کہ دیا کو ننگے سر کھانا کھانا خود پسند تھا نا وہ بیٹیوں کے اس عمل کو پسند کرتی تھیں۔ بظاہر اس نے غیر محسوس طریقے سے اس عمل کو کیا تھا مگر شاہ زر شمعون کی نظریں بھلے اپنی پلیٹ پہ مرکوز تھیں وہ چودھری بخت کے سوالوں کے جوابات دے رہا تھا مگر وہ لاپروا کبھی نہیں رہتا تھا' اردگرد سے۔

''ایک ہی شہر میں رہنے کے باوجود اکثر ملنا نہیں ہو پاتا ہمارا' بس فون پہ ہی رابطہ رہتا ہے' آج بھی سوچا تھا تمہارے ساتھ جہانگیر کی طرف چلوں گا تو ایمرجنسی کال آ گئی' اس لیے ہاسپٹل جانا پڑا' لیکن تمہاری خاطر جلدی لوٹ آیا کہ تمہارے لیے چھٹی کی تھی..... جہانگیر کے گھر تو سب ٹھیک ہے شاہ۔'' چودھری بخت استفسار کر رہے تھے' ان کا خیال تھا شاہ کو تین چار گھنٹے تو لگ ہی جائیں گے جہانگیر کی طرف لیکن وہ جب اپنے تئیں ہاسپٹل سے لوٹ کر آئے تو خبر ہوئی وہ تو ایک گھنٹے میں ہی لوٹ آیا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

نگہت نواز

تمام قارئین' رائٹرز اور اسٹاف کو میرا پر خلوص اور محبت بھرا اسلام قبول ہو۔ جی تو ہم آپ لوگوں کو اپنے آپ سے ملواتے ہیں تو جناب قارئین مابدولت کا نام نگہت نواز ہے' ہم کاسٹ کے اعتبار سے راجے ہیں' 15 جون کو سرگودھا کے ایک خوب صورت گاؤں میں پیدا ہوئی' ہمارا گاؤں بہت خوب صورت اور تھوڑا ماڈرن بھی ہے۔ ہم آٹھ بہن بھائی ہیں جن میں مجھے سب سے بڑی ہونے کا شرف حاصل ہے' میں ایم اے کی اسٹوڈنٹ ہوں لیکن پڑھتی بہت کم ہوں یہی میری سب سے بڑی خامی ہے۔ غصہ بہت زیادہ اور بہت جلد آتا ہے' پتا نہیں کیوں۔ میری امی کو مجھ میں بہت خامیاں نظر آتی ہیں' ویسے تو خوبیاں بھی مجھ میں بہت ہیں۔ حساس بہت ہوں' کسی کا برا نہیں سوچتی' مغرور لوگوں سے سخت نفرت ہے۔ بہت باتونی ہوں' جھوٹ اور جھوٹے لوگوں سے سخت نفرت ہے' سمعیہ میری بہت اچھی دوست ہے جو کہ کامرہ میں رہتی ہے۔ باقی دوستیں بہت جلد بنالیتی ہوں' ثمینہ' ارم سدرہ' عائشہ' آنسہ اور شزادی بیسٹ فرینڈز ہیں۔ جیولری کا بہت شوق ہے' میک اپ میں لپ اسٹک بہت پسند ہے۔ پنک اور آف وائٹ کلر پسند ہے' کوکنگ کا بہت شوق ہے۔ بریانی اور چکن کریلے بہت پسند ہیں' آئس کریم اور چاکلیٹ کھانے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہوں' عاکف اسلم کے گانے بہت شوق سے سنتی ہوں۔ امی' ابو' چاچی' خالہ' دادا اور دادو سے بہت زیادہ پیار کرتی ہوں' اللہ ان سب کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے' آمین ثم آمین۔ پسندیدہ شخصیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پاک ہیں۔ پسندیدہ رائٹرز میں نزہت جبیں ضیاء' سمیرا شریف طور' ماہا ملک اور عمیرہ احمد پسند ہیں۔ آنچل سے وابستگی بہت پرانی ہے لیکن سمیرا شریف کے ناول ''ٹوٹا ہوا تارا'' کی وجہ سے باقاعدگی سے پڑھنا شروع کیا۔ ماہا ملک کا ناول ''جو چلے تو جاں سے گزر گئے'' بہت مرتبہ پڑھا اور ہاں دوغلے لوگوں سے سخت نفرت ہے' دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

''جی چچا جان سب خیریت تھی' بس قدیر رانا کے کیس کی وجہ سے کال آ گئی تھی انہیں۔''

''ہاں آج کل تو اسی کے چرچے ہیں ہر طرف۔'' چودھری بخت کا لہجہ فخریہ ہوا بھائی کے لیے۔

''اب کے آپ کی بات ہو جہانگیر بھائی سے تو کہہ دیجیے گا صبا اور نرمین کو تو بھیج دیا کریں ایشان کے ساتھ..... اتنے قریب رہ کر بھی نہیں ملتے..... حویلی والے تو ویسے ہی دور ہیں۔'' دیا نے افسردگی سے کہا تو چودھری بخت سر ہلانے لگے..... دیا کو رشتوں کے درمیان رہنا ہمیشہ سے اچھا لگتا تھا مگر شروع سے ہی بخت اور پھر ان کا ایسا سیٹ اپ بن گیا کہ وہ دونوں پھر شہر کے ہو کر رہ گئے..... پھر بچیوں کی تعلیم بھی آڑے آ جاتی تھی' اپنوں کی شکل میں ایک چودھری جہانگیر کی فیملی ہی قریب تھی جن سے ملنے کی دیا کوشش کرتی تھیں تاکہ اپنے پن کا احساس قائم رہے گو کہ صبا کا انداز انہیں بھی بہت بناوٹی اور مصنوعی لگتا تھا۔ نرمین اور ایشان جاہ قدرے بہتر تھے۔

شاہ زر شمعون کو ایک سے ڈیڑھ گھنٹا گزارنا وہاں کسی عذاب سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ جب کہ یہاں تک چڑھی شنائیہ چودھری تھی' لیکن ان سب کے باوجود اسے یہاں اتنی بے زاری محسوس نہیں ہو رہی تھی جتنی وہاں تھی۔ ایک پل کو تو اسے لگا کہ اسے یہاں سے جلدی نکل جانا چاہیے' کہیں ایسا نا ہو کہ اس کا ضبط جواب دے جائے اور اس سے کوئی گستاخی ہو جائے..... چودھری جہانگیر کے روکنے کے باوجود وہ جلدی اٹھ آیا تھا۔ کھانے کے بعد جب تک کافی آئی' چودھری بخت تب تک حسب وعدہ شطرنج کی بساط بچھا چکے تھے۔

www.urdusoftbooks.com

''اماں کو اٹھاؤ تو' کھانا نہیں کھائیں گی؟'' انوشا کو فکر ہونے لگی۔ رات ہوگئی تھی لیکن منزہ ابھی تک کمرے سے نہیں نکلی تھیں۔ ان کی بے آرامی محسوس کر کے دونوں نے انہیں تنگ نہیں کیا تھا لیکن اب کافی دیر ہو چکی تھی۔

''میں دسترخوان لگاتی ہوں' تم انہیں اٹھاؤ۔'' انوشا نے اسے ذمہ داری سونپ کر کچن کی راہ لی۔ ماورا یحییٰ سر ہلا کر منزہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

منزہ دروازے کی طرف پیٹھ کیے لیٹی ہوئی تھیں۔ ماورا یحییٰ کمرے میں داخل ہو کر ان کے پلنگ تک آئی تھی۔ ان کے سامنے بیٹھ کر وہ نرمی سے ان کے بازو پہ ہاتھ رکھ گئی تھی۔

''کیا ہوا ہے اماں' آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' ماورا ان کی غائب دماغی اور خالی خالی نظروں سے گھبرا سی گئی۔ صبح تک تو وہ ٹھیک تھیں' لیکن اب چند گھنٹوں میں جیسے بجھ سی گئی تھیں۔ جانے بیٹھے بٹھائے انہیں کیا ہو جاتا تھا۔ وہ آرام کا کہہ کر کمرے میں لیٹتی تھیں اور اٹھتے وقت پہلے سے کہیں زیادہ نڈھال ہوتی تھیں۔ ماورا یحییٰ پوچھنے کے ساتھ ان کی پیشانی پہ ہاتھ لگا کر حرارت محسوس کرنے کی سعی کر رہی تھی۔

''جسم گرم ہو رہا ہے آپ کا..... بخار محسوس ہو رہا ہے کیا؟'' وہ فکرمند سی ہوئی۔

''ارے نہیں' چادر اوڑھ کر لیٹی رہی ہوں اس لیے جسم گرم لگ رہا ہے۔'' منزہ حواس میں لوٹ آئی تھیں' وہ اس کے سامنے ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں کہ وہ روتی رہی ہیں لیکن سوجی آنکھیں سب ظاہر کر گئی تھیں۔

''اماں..... آپ روتی رہی ہیں لیکن کیوں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''میں کب روئی۔'' انہوں نے جھٹلانا چاہا لیکن آواز میں بدلاؤ نے انہیں بھی احساس دلا دیا کہ بہتے آنسوؤں نے ہر مقام پہ اپنا نشان چھوڑا ہے۔

''شاید بابا اور ان کی تصویر کا ذکر چھیڑ کر ہم نے آپ کو دکھی کر دیا۔'' ماورا یحییٰ کو جیسے سراغ مل گیا تھا۔ وہ خوش تھیں لیکن ان دونوں نے جب سے سپر اسٹور میں ملنے والے شخص کے متعلق ذکر کر کے یحییٰ فراز کی تصویر دکھانے کا تقاضا کیا تھا تب سے منزہ بجھی بجھی نظر آنے لگی تھیں۔ اکثر ہی کسی نا کسی ذکر پہ وہ کھو جاتی یا دکھی ہو کر کمرا نشین ہو جاتی تھیں۔

URDUSOFTBOOKS.COM

''اماں' آپ بابا سے بہت محبت کرتی تھیں؟'' ماورا یحییٰ کو جیسے جاننے میں دلچسپی ہوئی۔ منزہ جس طرح ان کے ذکر پر ٹوٹ جاتی تھیں' اس سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ان کے عشق میں گرفتار تھیں اور ان کی دوری کا احساس انہیں توڑ پھوڑ دیتا تھا۔

''بتائیں ناں اماں آپ بابا سے بہت محبت کرتی تھیں؟'' ماورا یحییٰ نے ایک بار پھر سوال دہرایا۔

''کیوں نہیں کرتی ہوں گی' اتنے تو ہینڈسم ہیں ہمارے بابا۔'' انوشا بھی چلی آئی تھی۔ وہ دسترخوان لگا چکی تھی اور اب ان دونوں کو بلانے کی غرض سے آئی تھی۔ ماورا یحییٰ کا سوال سن کر اس نے بے ساختہ جواب دیا تھا۔ منزہ کی نظروں میں تصویر لہرا گئی تھی۔

''وجاہت و شجاعت کا نمونہ..... مرنے مارنے کو تو وہ ہر گھڑی تیار رہتا تھا۔''

''بتائیں ناں اماں آپ بہت محبت کرتی تھیں ناں بابا سے۔'' ماورا یحییٰ مصر ہوئی۔

''شرم کرو لڑکی' ماں سے کیسے سوال کر رہی ہو۔'' منزہ نے مسکرا کر ذرا رعب سے کہا تو ان کی مسکراہٹ سے دونوں نے ہاں ہی اخذ کیا۔

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

لیلیٰ نواز

السلام علیکم! دوستوں کیسے ہیں آپ سب؟ میرا نام لیلیٰ نواز ہے' پہلی بار انٹری دی ہے۔ 25 اگست 1998ء کو شہر سرگدھا میں پیدا ہوئی۔ ہم چار بہنیں اور ایک بھائی ہے' میرا چوتھا نمبر ہے۔ بڑی آپی کی شادی ہوگئی ہے اور ان کے کیوٹ سے دو بچے ہیں۔ آنچل سے پانچ سال کا رشتہ ہے' رائٹرز میں نازیہ کنول نازی اور سمیرا شریف طور بہت پسند ہیں۔ فیورٹ کلر میرون ہے اور کوکنگ بہت شوق سے کرتی ہوں۔ کھانے میں جوں جائے کھالیتی ہوں اور نماز پانچ وقت کی پڑھتی ہوں' گفٹ لینے اور دینے کا بہت شوق ہے' لباس میں شلوار قمیص اور فراک بہت پسند ہے۔ اب آتے ہیں موسم کی طرف سردی کا موسم بہت پسند ہے' گلاب کا پھول فیورٹ ہے اور زندگی میں ایک بار سمندر کے ساحل پر جانا چاہتی ہوں اور حج کرنا چاہتی ہوں۔ آخر میں ایک بات کہنا چاہوں گی "جب تک آپ دوسروں کی عزت نہیں کریں گے۔ آپ کی عزت بھی کوئی نہیں کرے گا' اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

"چلو دسترخوان بیٹھو' رزق کو انتظار نہیں کرواتے۔" منزہ اٹھ کر بیٹھ گئیں' ماورا اور انوشا ان کی تقلید میں دسترخوان تک آ گئی تھیں۔

URDUSOFTBOOKS.COM

"میں نے محبت ہی تو نہیں کی تم سے۔" ماورا کے سوال کا جواب ایک ہچکی کی صورت دل میں کھپ گیا تھا۔

(☆)

تھوڑی دیر کا کہا گیا انتظار جب گھنٹوں کا سفر کرنے لگا تو گھڑی کی سوئیوں کی طرح اس کے غصے کا گراف بھی بڑھنے لگا۔ سیل فون چارج پہ لگا کر وہ کمرے سے نکلی' ارادہ سمہان آفندی کی خیریت مطلوب کرنے کا تھا۔ شومئی قسمت کہ وہ اسے اسی طرف آتا دکھائی دیا۔ عیشال جہانگیر کے دونوں ہاتھ لڑاکا عورتوں کی طرح دائیں بائیں کمر پر ٹک گئے تھے۔ اسے راستے میں کمر پہ ہاتھ دھرے دیکھ کر سمہان آفندی قریب آ کر رکا تھا۔

"سچ بتاؤ کہاں جا رہے ہو.....؟" پاؤچ سے نظر ہٹا کر وہ اس کی تیاری پہ بغور کمنٹ کر رہی تھی۔ دلفریب خوشبوؤں میں بسا وہ اس کی مشکوک نظروں کی زد میں تھا۔

"ایمان داری سے کہوں تو مجھے بھی اس سفر کا علم نہیں کہ داجان کس نیت سے اچانک یہ پلان بنا گئے اور کہاں جا رہے ہیں۔" اس نے پوری سچائی سے بتایا۔

"ہوں....." تو وہ پُرسوچ انداز میں لبوں کو دائرے میں گردش دینے لگی۔

"ہو سکتا ہے سزا کے طور پر تمہارے لیے داجان لڑکا دیکھنے جا رہے ہوں شہر تا کہ تمہیں حویلی بدر کیا جا سکے۔" اس نے شرارتاً کہا تو ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر کیے بغیر عیشال جہانگیر کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا تھا۔

"اور تم ساتھ میں اس لڑکے کا انٹرویو لینے جا رہے ہو' میٹرک کس دن میں کیا' کوئی نشہ تو نہیں کرتے' ہے ناں؟" چلبلا کر اس نے پوچھا۔ تیکھے چتونوں سے اسے گھور رہی تھی..... سارا دن کے اعصاب شکن سوچوں کے بعد سمہان آفندی اس سفر پہ اندر ہی اندر بے حد الجھا ہوا تھا۔ ابھی بھی اس کی تفتیش پہ یہ جملہ اس کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا تھا۔ صرف اسے ستانے کے لیے لیکن اس کے ری ایکشن نے اسے قہقہہ لگانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"کوئی مضائقہ بھی نہیں اس میں..... آخر کو لڑکی والوں کی طرف سے کسی ناں کسی کو تو یہ سوال کرنا ہی ہے ناں..... میں سہی..... اور تمہیں تو خبر ہے میرا انتخاب تو ہمیشہ سے اعلیٰ ہی ہوتا ہے۔" سمہان آفندی نے جیسے اس کی جان

www.urdusoftbooks.com

جلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

''اگر تم نے بھولے سے بھی ایسا کچھ کیا تو میں اس حویلی کو آگ لگانے میں ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہیں کروں گی۔''

وہ ایک دم سے شعلہ جوالا بن گئی۔ وارننگ دیتے از حد سنجیدہ تھی۔ سمہان آفندی نے بے حد دلچسپی سے اس کی دھمکی کو سنا' اس کے انداز کو ملاحظہ کیا تھا۔ حد سے زیادہ جذباتیت بھی پاگل پن ہوتا ہے اور وہ پاگل ہی تھی اسے بہت اچھی طرح اندازہ تھا۔

''چلو یہ بھی ان گناہ گار آنکھوں کو دکھا دیں گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بائیں سائیڈ مڑ کر زینے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ کوئی سخت سی بات کرنے لگی تھی مگر وہ سفر کو نکل رہا تھا تب ہی اس کی زبان پکار بیٹھی۔

''سمہان.....''

''جی حکم.....'' وہ نیچے جاتی سیڑھیوں کے دوسرے اسٹیپ پہ تھا' جب ایک ثانیے کو رک کر گردن دائیں طرف گھما کر اسے دیکھنے لگا۔ سرعت سے شانے پہ پڑا دوپٹا سر پہ لیتی وہ جلدی جلدی زیر لب کچھ پڑھتی تیزی سے گرل تک آئی اور اس پر پھونک مارنے کے لیے گرل پہ قدرے جھکی۔

''تم خود بھی دعائیں پڑھ کر حصار کر لینا' اب جاؤ' داجان انتظار کر رہے ہوں گے۔ اللہ کی امان میں۔'' وہ جس معصومیت سے چند سیکنڈ میں یہ سارا عمل کر گئی تھی سمہان آفندی نظر اٹھا کر اسے بس دیکھتا رہ گیا تھا۔

(☆)

وہ پورچ تک آیا تو چودھری حشمت اسے وہیں ٹہلتے ہوئے مل گئے۔

''ماشاءاللہ..... بڑا وجیہہ لگ رہا ہے ہمارا پوتا۔'' چودھری حشمت نے بھی سراہا تو وہ بے ساختہ جھینپ گیا۔

''بھئی سچی بات ہے اللہ نے ہمیں بیٹے وجیہہ دیے تو اصل سے سود تو لاجواب ہوگا ہی..... ایک شاہ ہے اور ایک تم..... ہماری تو نظریں ہی تم دونوں پہ زیادہ نہیں ٹکیں کہ کہیں ہماری ہی نظر نا لگ جائے۔''

''داجان..... جب آپ آج تک اتنی سحر انگیز پرسنالٹی رکھتے ہیں' ماشاءاللہ اتنے ایکٹو ہیں تو ہم پہ تو آپ کے خون کا ہی اثر ہونا ہے ناں۔'' سمہان آفندی احتراماً ان کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ وا کر گیا تھا۔

چودھری حشمت کو دونوں پوتوں کی سعادت مندی اور احترام دینے کا انداز مزید ان کی کمزوری بنا گیا تھا۔ ایک پوتا ان کے حکم پہ کراچی کے سفر پہ تھا تو دوسرا سارے دن کی تھکن کے باوجود ماتھے پہ شکن لائے بنا خوش دلی سے سفر کو تیار تھا۔ جب کہ کھیتوں کے لیے وہ چودھری فیروز کو مقرر کر کے جا رہے تھے۔

''شاہ سے کوئی بات ہوئی تمہاری؟'' چودھری حشمت فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئے تو دروازہ بند کرتے سمہان آفندی گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پہ آ کر براجمان ہو گیا۔

''جی ہوئی تھی..... شاہ تو شنائیہ جی کو چھوڑتے ہی واپسی کے لیے نکل رہا تھا' وہ تو چچا بخت نے اصرار کر کے روک لیا' شاہ کہہ رہا تھا صبح ہی نکل جائے گا۔'' سمہان آفندی اگنیشن میں چابی لگاتے شاہ زر شمعون سے ہوئی گفتگو گوش گزار کر رہا تھا۔ شاہ زر شمعون نے اسے کال کر کے اطلاع دی تھی جب وہ کھیتوں میں تھا۔

''ہاں' اچھا کیا بخت نے' شاہ کو کب اپنی پروا ہوتی ہے..... وہ شام تک لوٹ آئے گا تو ہم بھی تب تک لوٹ ہی آئیں گے۔'' چودھری حشمت اندازہ لگاتے ہوئے بولے۔ سمہان آفندی پوچھنا تو چاہتا تھا وہ کہاں اور کیوں جا رہے ہیں لیکن چپ رہا۔

رات گہری ہونے لگی' ہر سو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ چاند کی ابتدائی تاریخ تھی..... ابھی وہ حویلی کے حدود میں ہی

www.urdusoftbooks.com

تھے جب سمہان آفندی کے نمبر پہ شاہ زر شمعون کی کال آنے لگی۔

''شاہ کی کال آرہی ہے ماشاءاللہ کتنی لمبی عمر ہے۔'' سمہان آفندی نے خوشگواری سے کہا۔

''ماشاءاللہ! دیکھو کیا کہہ رہا ہے۔'' چودھری حشمت نے کہا اور سمہان آفندی نے کال پک کرلی۔

''کتنی لمبی عمر ہے شاہ! ابھی میں اور داجان تمہارا ہی ذکر کررہے تھے۔'' سمہان آفندی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہت اچھا جناب! محبت ہے آپ کی..... تم نے دل سے یاد کیا اور شاہ آ گیا..... اس وقت داجان کے پاس کیا کررہے ہو؟'' شاہ زر شمعون نے محبت سے کہتے ہوئے استفسار کیا۔

''داجان کو لے کر شہر جارہا ہوں۔'' اس نے پروگرام سے آگاہ کیا۔

شاہ زر شمعون شطرنج کی بازی جیتنے کے بعد اپنے کمرے میں آرام کرنے آیا تھا۔ اسے حویلی کی فکر لگی رہتی تھی، تب ہی اس نے سمہان آفندی کو کال کی کہ ایک وہی تھا جسے وقت بے وقت کال کرسکتا تھا۔

''خیریت یوں اچانک شہر.....؟'' شاہ زر شمعون متفکر ہوا۔

''میں لاعلم ہوں۔'' اس نے اپنی پوزیشن بتائی۔ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالتے سمہان آفندی متوازن اسپیڈ سے گاڑی چلاتے دوسرے ہاتھ سے سیل فون کان سے لگائے بات کررہا تھا۔ یوں بھی چودھری حشمت کی موجودگی میں وہ تیز رفتاری سے ڈرائیو نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی نظریں اردگرد کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔

اچانک برق رفتاری سے دو جیپ دائیں اور بائیں سے نمودار ہوئی تھیں۔ جیپ کے نمودار ہوتے ہی اندھا دھند فائرنگ شروع ہوگئی تھی۔ ایک سیکنڈ کے بھی ہزارویں حصے میں سمہان آفندی نے فون والا ہاتھ کان سے ہٹا کر چودھری حشمت کی گردن کے گرد کرکے انہیں جھکایا تھا۔ ساتھ ہی دائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ چھوڑ کر اس نے گاڑی کے خانوں سے اپنے دونوں پسٹل نکال لیے تھے۔ دونوں جیپ اب ان کی گاڑی کی سیدھ میں قریب آرہی تھی۔ سمہان آفندی کے ہاتھ سے سیل فون گر کر چودھری حشمت کی گود میں آ گرا تھا۔ گولیوں کے شور سے علاقہ گونج اٹھا تھا۔ کال پہ موجود شاہ زر شمعون گولیوں کی آواز سن کر بے ساختہ چیخنے لگا تھا۔

''داجان..... سمہان.....!'' لیکن اسے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ اب کے فائر کی آواز بے حد قریب سے آئی تھی۔ سیل فون پہ اس کی گرفت سخت ہوئی تھی۔ اعصاب بری طرح کشیدہ ہوگئے تھے۔ صرف گولیوں کی گھن گرج تھی..... داجان اور سمہان آفندی کی کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔

''سمہان.....!'' شاہ زر شمعون پوری قوت سے چلایا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

قسط نمبر 4

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

چودھری حشمت عیشال جہانگیر کو اپنی عدالت میں بلا لیتے ہیں جبکہ گھر کی باقی خواتین بھی ان کے حکم پر شش و پنج کی کیفیت میں ان کے سامنے بیٹھی ہوتی ہیں چودھری حشمت اس کے مغربی پہناوے کو اعتراض کا نشانہ بناتے حویلی کی خواتین سے اس غفلت کی وجہ دریافت کرتے ہیں جس پر عیشال جہانگیر انہیں اپنی دوست کی مدد سے یہ ملبوسات حاصل کرنے کا بتاتی ہے تب چودھری حشمت سب کو جانے کا کہہ کر زمرد بیگم کو روک لیتے ہیں ان سے عیشال کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔

دوسری طرف ماورا اور انوشا مال میں چودھری جہانگیر کو دیکھ کر الجھتی گھر آ کر منزہ سے یحییٰ کی تصویر دکھانے کی بات کرتی منزہ کو چونکا جاتی ہیں منزہ ان دونوں سے وجہ دریافت کرتی ہے جس پہ ماورا اسے مال میں چودھری جہانگیر کا بتاتی اس کی شباہت یحییٰ سے بتاتی اسے حیران کر جاتی ہے منزہ یحییٰ کے مرنے کا بتا کر انہیں اس موضوع کو ختم کرنے کا کہتی ہے، لیکن دونوں تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر فیٹ پر چودھری جہانگیر کو سرچ کرتی ہیں لیکن ایک تصویر پر ماورا چونک جاتی ہے تب ہی انوشا اسے انٹری ٹیسٹ کے نمبر چیک کرنے کا کہتی اس کی توجہ تصویر سے ہٹا جاتی ہے۔

شنائیہ ناشتہ کی ٹیبل پر سب کو سفر کی روداد سناتی حیران کر جاتی ہے تب ہی چودھری بخت اسے اس حرکت پر شاہ زر شمعون کے سامنے سرزنش کر جاتے ہیں وقتی طور پر شنائیہ چودھری بخت سے معذرت کرتی کمرے میں آ کر ماہم کو پوری تفصیل سے سفر کا احوال سناتی ہے شاہ زر شمعون چودھری جہانگیر سے فون پر رابطہ کرتا ان سے ملنے چلا جاتا ہے۔

ایشان جاہ اپنے دوستوں کے ساتھ انٹری ٹیسٹ کا رزلٹ دیکھ کر مایوس ہو جاتا ہے سب اسے حوصلہ دیتے ہوئے اپنے گھر کے لیے رخصت ہو جاتے ہیں تب ہی شاہ زر شمعون کی آمد ہوتی ہے۔ شاہ زر شمعون ایشان جاہ کے ساتھ کھڑی انشراح کو دیکھ کر چونک جاتا ہے۔

انشراح کا لباس اسے مہذب نہیں لگ رہا ہوتا ہے انشراح ایشان جاہ کی خالہ زاد کزن ہوتی ہے۔

چودھری حشمت زمرد بیگم سے عیشال کی شادی کی بات کرتے انہیں حیران کر جاتے ہیں تب ہی زمرد بیگم عیشال جہانگیر کی تعلیم کی بات کرتی ہے چودھری حشمت زمرد بیگم کو اپنا وقت یاد دلاتے عیشال جہانگیر کی بات طے ہونے کی نوید سناتے ششدر کر جاتے ہیں۔

چودھری جہانگیر شہر کی زندگی میں مصروف ہو کر اپنی بیٹی عیشال جہانگیر کو بالکل فراموش کر گئے ہوتے ہیں شاہ زر شمعون چودھری جہانگیر سے مل کر شدت سے محسوس کرتا ہے شاہ زر شمعون چودھری حشمت کی خواہش پر چودھری جہانگیر کے گھر آیا ہوتا ہے مگر اب اس کا دل یہاں نہیں لگ رہا ہوتا ہے تب ہی معذرت کرتا وہ چودھری بخت کے گھر واپس آ جاتا ہے۔

چودھری حشمت حویلی سے شہر جانے کے لیے نکلتے ہیں کہ اچانک راستے میں شاہ زر شمعون کی کال آ جاتی ہے سمہان آفندی کال ریسیو کرتا اس کا حال دریافت کرتا ہے کہ عین اسی وقت ان کی گاڑی پر حملہ ہو جاتا ہے دوسری طرف شاہ زر

Download From - PakDigestNovel

شمعون گولیوں کی آواز واضح سن رہا ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

☆

"سمہان!"

عیشال جہانگیر کی دلدوز چیخ نکلی تھی۔ وہ ایک دم سے لڑکھڑا کر منڈیر کو تھام گئی تھی۔

سمہان آفندی نظر سے اوجھل ہوا تو وہ بھی چھت پر آ گئی تھی۔ سمہان آفندی کی گاڑی گیٹ سے نکلی تو اس کی نظر میں آ گئی۔ ایک ہی طویل راستہ تھا جو حویلی سے مین روڈ کو جاتا تھا اور چھت سے تادیر گزرتی ہوئی گاڑی نظر آتی تھی گو کہ علاقہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا چاند کی ناکافی روشنی میں کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ سوائے گاڑی کی ہیڈ لائٹس کے جس کی تیز روشنی راستے کو واضح کر رہی تھی۔

وہ منڈیر پہ کہنی ٹکائے اس کی گاڑی کو اداسی سے دور جاتا دیکھ رہی تھی۔ وہ حویلی میں رہتا تو لڑ بھڑ کر وہ خود کو بہلائے رکھتی تھی ورنہ تو حویلی کے بڑے بڑے دالان باغ اور پھول بھلیوں جیسے کمرے اسے کاٹ کھانے کو دوڑتے تھے۔ جانے وہ کب لوٹتا ابھی وہ ان سوچوں میں غلطاں تھی کہ اچانک گھات لگائے دو جیپ نمودار ہوتے ہی جس طرح آگ کے شعلے اگلنے لگیں اور جیپ قریب آنے کے بعد جس طرح اس میں سے ایک کے بعد کئی لوگ سمہان آفندی کی گاڑی کی ونڈ اسکرین پہ گولیاں چلانے لگے عیشال جہانگیر کی دنیا جیسے ڈولنے لگی۔

"سمہان!" بے بسی سے دل پکڑ کر پوری قوت سے چلاتی وہ تیزی سے نیچے کی سیڑھیوں کی طرف بھاگی تھی۔

"دی جان! بابا جان، چچا جان!"

وہ دیوانوں کی طرح چیختی آ رہی تھی رنگ فق ہو چکا تھا گولیوں کی آواز سے جس طرح حویلی کے در و دیوار گونجنے لگے تھے اس سے پہلے ہی حویلی میں مرا سیمگی سی پھیل گئی تھی۔ خواتین جو روزمرہ کے معمولات انجام دے رہی تھیں سب چھوڑ چھاڑ دل کر ایک دوسرے کے قریب ہال میں جمع ہو گئی تھیں۔

"الٰہی خیر!" زمرد بیگم کی تسبیح تیزی سے دانے گرانے لگی۔

"اسفند!" فریال اونچی آواز سے چودھری اسفند کو آواز دیتی زمرد بیگم کے قریب آ گئیں۔

"اماں! سمہان نکلا ہے بابا جان کو لے کر۔" ان کا دل پھڑ پھڑانے لگا تھا۔

"اللہ! شاہ بھی نہیں ہے اس وقت حویلی میں۔" فائزہ کو بھی ہول اٹھنے لگا انہیں اپنے نڈر بیٹے کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔

چودھری اسفند اتفاق سے حویلی میں ہی مقیم تھے۔ چودھری فیروز بھی تیزی سے دیوالو اڑستے اپنے کمرے سے نکلے تھے۔ حویلی کی حفاظت پہ مامور ہٹے کٹے شوٹر جست لگا کر جیپ میں سوار ہو رہے تھے۔

"دی جان!..... وہ..... سمہان کی گاڑی پہ فائر کر رہے ہیں وہ لوگ....."

اسی لمحے گرتی پڑتی عیشال جہانگیر ان کے بیچ آئی تھی۔ حواس باختہ تھے چہرے کا رنگ فق ہو چکا تھا۔ قریب تھا کہ وہ اپنے پیروں تلے آئے دوپٹے سے الجھ کر منہ کے بل گرتی..... عدا نے آگے بڑھ کر اسے تیزی سے سنبھالا تھا۔

"اللہ رحم!" فریال دل پکڑ کر زمین پہ بیٹھتی چلی گئی تھیں۔ عیشال جہانگیر نے ان کے وہم کی تصدیق کر دی تھی۔ سمہان آفندی کی گاڑی نکلنے کے چند منٹ بعد ہی فائرنگ کی شدید آواز سن کر ان کا دل پہلے ہی بیٹھا جا رہا تھا۔

فائزہ نے آگے بڑھ کر فریال کو سنبھالا تھا۔ ساری لڑکیاں تیزی سے دعائیں پڑھنے لگی تھیں۔ ملازمین بھی بھاگے چلے آئے تھے۔

Download From - PakDigestNovel

"اسفند! بابا جان اور میر اسمہان!"

چودھری اسفند تیزی سے بھاگتے ہوئے آئے تو فریال کی ممتا نے جیسے دہائی دینا شروع کردی۔ پسٹل لہراتے چودھری اسفند ایک نظر بیوی پہ ڈال کر تیزی سے باہر جا چکے تھے۔ وہ پیشے سے آرکیٹیکٹ تھے مگر انگلیاں گولی چلانا نہیں بھولی تھیں۔ ایک جیپ پہلے ہی نکل چکی تھی۔

چودھری فیروز کے بعد چودھری اسفند کے بیٹھتے ہی جیپ حویلی کا گیٹ عبور کر گئی تھی۔ شاذمہ اور زرش چھت کو جاتی سیڑھیوں کی طرف بھاگی تھیں۔ زمرد بیگم کے چہرے پہ سفیدی پھیل گئی تھی۔ فریال آنسو بہا رہی تھی۔ اس کے حواس جیسے اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

"اللہ رحم..... رحم اللہ.....!" فریال کو کندھے سے لگا کر تھپکتے ہوئے فائزہ رب العزت کو پکار رہی تھیں۔

☆

شاہ زر شمعون فون کان سے لگائے چیختا ہوا کمرے کا دروازہ کھول کر چودھری بخت کی طرف جانے لگا تھا' لیکن اس کی غیر متوقع چیخ سن کر سب دروازے خود ہی کھلنے لگے تھے' پیچھے دیا' شنائیہ چودھری اور ماہم بھی تھیں۔

"کیا ہوا شاہ' کیوں چیخ رہے ہو؟" چودھری بخت تعجب سے اسے دیکھ رہے تھے وہ سیل فون کان سے لگائے جس طرح دادا جان اور سمہان آفندی کا نام لے کر چیخ رہا تھا' چودھری بخت پریشان نظر آنے لگے تھے۔

"سب خیریت ہے؟"

شنائیہ چودھری اور باقی سب شاہ زر شمعون پہ نظریں جمائے متفکر نظر آ رہے تھے۔

"سمہان اور دادا جان پہ کسی نے حملہ کر دیا..... سمہان مجھ سے بات کر رہا تھا حملے سے پہلے' لیکن اب دوسری طرف خاموشی ہے۔"

وہ بے چینی سے لب کچلتا اب بھی سیل فون کان سے لگائے کھڑا تھا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے اس کی انگلیاں مٹھی کی صورت بھنچ رہی تھیں۔

"لیکن کس نے..... کیوں.....؟" چودھری بخت بھی شاکڈ رہ گئے۔

"اگلے ہی پل انہوں نے چودھری فیروز کا نمبر ملایا تھا مگر وہ فون ریسیو نہیں کر رہے تھے۔

"یقیناً حویلی میں اس وقت سب پریشان ہوں گے' کس کے پاس اتنا وقت ہوگا کہ وہ فون ریسیو کر کے حملے کی تفصیلات بتائے۔" دیا نے جیسے سمجھانا چاہا' شاہ زر شمعون اسی لیے کال کاٹ کر کسی کو کال نہیں کر رہا تھا کہ موقع پہ آتی آوازیں بھی اس کے لیے اہم تھیں۔

"کوئی فون نہیں اٹھا رہا' اسفند کے نمبر پہ بھی رسپانس نہیں ہے۔ حویلی میں صرف خواتین ہی ہوں گی..... جانے انہیں خبر ہے بھی یا نہیں..... اطلاع دی تو وہ سب پریشان ہو جائیں گی۔"

چودھری بخت پریشانی سے گھبرا گئے تھے۔ شاہ زر شمعون کے سیل فون کے اسپیکر سے آتی گولیوں کی گھن گرج سے سب ہی سراسیمہ ہو گئے تھے۔

"اللہ ان کی حفاظت فرمائے گا۔ میں نفل پڑھنے جا رہی ہوں۔" دیا فوراً جائے نماز کے لیے متلاشی نظریں دوڑانے لگی تھیں۔

"چچا جان! مجھے ابھی اور اسی وقت نکلنا ہے' میری فلائیٹ کروائیں جلد سے جلد۔"

شاہ زر شمعون کے اعصاب پہ بہت بھاری تھا کہ وہ فون پہ اپنوں پہ چلتی گولیوں کی گھن گرج سنتا..... اپنی بے بسی پہ وہ لب کچلتا مٹھی بھینچتا رہا۔

Download From - PakDigestNovel

"میں کوشش کرتا ہوں۔" چودھری بخت تیزی سے آن لائن بکنگ کے لیے کال کر چکے تھے۔ شاہ زر شمعون کو بھوکے شیر کی طرح دائیں بائیں فون کان سے لگائے ٹہلتے دیکھ کر دونوں ہی چودھری حشمت اور سمہان آفندی پہ چلتی گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے سکتے میں آ گئی تھیں، چودھری بخت آن لائن ٹکٹ بک کروا رہے تھے اور شاہ زر شمعون کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر وہاں پہنچ جائے۔

☆

سمہان آفندی کو چند سیکنڈز لگے تھے ساری صورتحال کو بھانپ کر مقابل کا وار سمجھنے میں۔

"داجان! آپ گھبرائیے گا نہیں۔" تحیر زدہ چودھری حشمت کی گردن کے گرد سے اپنا بازو ہٹا کر دوسرے ہاتھ میں بھی پسٹل منتقل کر کے دونوں پسٹل والے ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھ کر اس نے گاڑی کی رفتار انتہائی حد تک بڑھا دی تھی۔ اب وہ سیدھ کی بجائے سرکل میں گاڑی چلا کر حملہ آوروں کو ڈاج دے رہا تھا مگر حملہ آور بھی آج انہیں ختم کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ تب ہی دو تین بندے جیپ سے کود کر اس کی گاڑی پہ قریب سے فائر کرنے لگے۔

تب ہی حویلی کے شوٹر گولیوں کی بوچھاڑ کرتے حملہ آوروں کی جیپ کا رخ بدلنے پہ مجبور کر گئے۔ شوٹرز نے سمہان آفندی کو گھیرے میں لے لیا تھا اور سمہان آفندی کا نشانہ دونوں جیپ کے ڈرائیور بن گئے۔ جیپ کنٹرول سے باہر ہوتی اس سے پہلے ہی چودھری فیروز اور چودھری اسفند کی گولیوں نے اس میں موجود لوگوں کا مزاج پوچھ کر انہیں ٹھنڈا کر دیا تھا۔ رات کی تاریکی میں ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اڑتا غبار حویلی کی دونوں جیپ رک گئی تھیں۔ سب اتر کر تیزی سے سمہان آفندی کے پاس آئے تھے۔

"ٹھیک ہو میری جان؟" چودھری اسفند سمہان آفندی کے کندھے تھام گئے۔

"میں ٹھیک ہوں ڈیڈ! آپ لوگ داجان کو لے کر حویلی جائیں اور ہوشیار رہیں۔"

پسٹل تانے چوکنا ہو کر ارد گرد پہ نظر دوڑاتے متفکر باپ کو ایک مسکراہٹ دے کر وہ انہیں مطمئن کرنے کے ساتھ ہدایت بھی کر گیا۔ دشمن کی لاشیں خون میں لت پت تھیں۔

"اور تم کہاں جا رہے ہو؟"

سمہان آفندی شوٹرز کو جیپ میں سوار ہونے کا اشارہ کر رہا تھا اس کے چہرے سے ہویدا تھا کہ وہ کچھ پلان کر گیا تھا۔

چودھری اسفند نے تحیر سے پوچھا تھا۔ چودھری فیروز کی ہمراہی میں چودھری حشمت بھی گاڑی سے نکل آئے تھے۔ انہیں بھی صحیح سلامت دیکھ کر سب کی جان میں جان آئی تھی۔

"گجر کی جسارت کا انعام دینے اس کے ڈیرے پہ۔" سمہان آفندی نے سرد لہجے میں کہا تھا۔ وہ دشمنوں کو بہت اچھی طرح پہچان گیا تھا۔

"ابھی نہیں جو کچھ بھی کرنا ہے ہم پوری پلاننگ اور طریقے سے کریں گے دشمنوں کی طرح رات کے اندھیرے میں حملہ نہیں کریں گے....." چودھری اسفند نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"وہ اب تک ٹھکانا بدل چکا ہوگا۔ اسفند ٹھیک کہہ رہا ہے سمہان!" چودھری فیروز نے بھی کہا تو سمہان آفندی خود پہ کنٹرول کرنے لگا وہ اپنے بڑوں کی بات کو حرف آخر سمجھتا تھا۔

"تو ٹھیک ہے نا سمہان؟" چودھری فیروز باپ کی طرف سے مطمئن ہو کر اس سے استفسار کر رہے تھے۔ جو تن تنہا دونوں پسٹل تانے نڈر ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ان کی نظر پڑی تو ایک پل کو انہیں بے پناہ خوف محسوس ہوا کہ اگر ایک آدھ گولی اسے چھو جاتی تو.....؟

Download From - PakDigestNovel

''الحمدللہ تایا جان!'' وہ مسکرا رہا تھا' لگ ہی نہیں رہا تھا کچھ دیر قبل وہ اعصاب شکن صورتحال سے نبرد آزما موت کی بساط پہ کھڑا تھا۔

''داجان آپ کے پوتے کو کچھ نہیں ہوا؟'' وہ پسٹل دائیں ہاتھ سے بائیں پہ منتقل کر کے چودھری حشمت کے ہاتھ تھام گیا جو اسے ٹٹول رہے تھے۔

''گجر نے حملہ کر کے اپنی موت کو جلدی بلانے کی کوشش کی ہے۔'' چودھری فیروز بھی پہچان گئے تھے یہ گجر کے کارندے تھے۔

گجر سے ان کی سالوں کی زبانی کلامی لڑائی چل آ رہی تھی۔ پہلے اس نے زمینوں پہ ناجائز قبضہ کر لیا تھا' کورٹ کچہری اور پنچائیت سے زمینیں واپس تو مل گئیں مگر گجر ہمیشہ انہیں اذیت پہنچانے کے ہتھکنڈے ڈھونڈتا رہتا تھا' پچھلے سال اپنی فصلوں کو بچانے کے لیے اس نے سیلاب کا پانی چودھری حشمت کے کھیتوں کی طرف کر دیا تھا' جس سے ان کی فصلوں کو خاصا نقصان پہنچا تھا' پنچایت میں بات ہوئی تھی' گجر قصوروار ٹھہرایا گیا تھا' معاملہ کافی گرم ہو گیا تھا' پورا ہرجانہ بھرنے کے بعد گجر کو ان سے خار ہو گیا تھا۔ وہ موقع کی تلاش میں تھا کیسے حویلی والوں کو خون کے آنسو رلائے۔

گجر کو جیسے ہی خبر ملی شاہ زر شمعون شہر سے باہر گیا ہوا ہے اور چودھری حشمت بے وقت شہر جا رہے ہیں' اس نے حویلی کی بنیادوں کو ہلانے کا اچھا موقع جانا۔

شاہ زر شمعون کی موجودگی میں انہیں ذرا حد میں ہی رہنا ہوتا تھا کہ وہ بولنے کا موقع کم ہی دیتا تھا پہلے اس کی گن بولتی تھی لیکن یہ سب پلان کرتے وہ سمہان آفندی کو فراموش کر گئے تھے اور یہیں ان سے غلطی ہو گئی تھی۔

گاؤں کے سب ہی لوگ سمہان آفندی کو سیدھا سادا شوخ و شرارتی سا کھلنڈرا نوجوان سمجھتے تھے لیکن انہیں خبر نہیں تھی کہ وہ لاوا تھا جو اندر ہی اندر پلتا تھا اور جب پھٹتا تھا تو سب کچھ اپنے سنگ بہا لیے جاتا تھا۔ سمہان آفندی کا یہ روپ سب کو شاکڈ کر گیا تھا۔

☆

منزہ تہجد کے لیے اٹھی تھیں۔ نیند سے تو بس اب واجبی سا تعلق رہ گیا تھا۔ پلکیں موند کر' کروٹیں بدل کر جب وہ تھک جاتی تھیں تو بند آنکھوں کے پیچھے چلتی تصویروں اور منظروں سے ہوک سی اٹھتی محسوس ہوتی تھی۔ بعض مناظر اتنے جان لیوا ہوتے تھے کہ وہ گھبرا کر آنکھیں کھول دیتی تھیں۔

اب بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا' تب ہی آنکھیں کھول کر انہوں نے گہری سانسیں لی تھیں۔

کمرے کا منظر ان کے سامنے تھا۔ ماورا اور انوشا سو رہی تھیں' چور والے واقعے کے بعد سے انہوں نے ماورا اور انوشا کا پلنگ بھی اپنے کمرے میں لگوایا تھا' دونوں کمروں کا دروازہ اندر سے نہیں تھا' باہر صحن سے ہی رابطہ تھا۔ اس دن تو خوش قسمتی سے دونوں ان کے پاس ہی سو رہی تھیں۔ اگر جو وہ اپنے کمرے میں ہوتیں اور کسی بھی ضرورت کے تحت گیٹ کھول کر صحن میں نکلتیں اور دیوار پہ بیٹھا شخص اندر کود جاتا تو.....!

اس سوچ سے ہی گھبرا کر انہوں نے دونوں کو اپنے کمرے میں ہی سونے کا انتظام کرنے کو کہا تھا' جس پہ دونوں نے ذرا بھی اعتراض نہیں کیا کہ وہ بھی سب سمجھتی تھیں۔

منزہ وضو کر کے آئیں تو انہیں سینے میں درد محسوس ہوا' جسے نظر انداز کرتے انہوں نے جائے نماز پہ نیت باندھ لی' نماز کے دوران انہیں درد کی لہریں تیز ہوتی محسوس ہو رہی تھیں' پیاس سے گلہ سوکھ رہا تھا' نماز مکمل کر کے انہوں نے پانی کی بوتل اٹھا کر پانی گلاس میں انڈیلنا شروع کیا تو درد کی لہر سے گلاس ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا..... اسٹیل کے گلاس

Download From - PakDigestNovel

کی آواز سے ماورا اور انوشا بھی ہڑبڑا کر جاگ گئی تھیں۔
"کیا ہوا اماں؟"
انہیں چند سیکنڈ لگے تھے صورت حال سمجھنے میں' بے دم سی منزہ کو بازو پکڑے دیکھ کر وہ دونوں تیزی سے ان تک آئی تھیں..... دونوں نے انہیں تھام کر پلنگ پہ بٹھایا تھا۔
"کیا تکلیف ہے اماں؟"
ماورا ان کا بازو سہلانے لگی تھی' جسے منزہ نے تھاما ہوا تھا۔ انوشا گلاس میں پانی لے آئی تھی۔
"پانی پئیں اماں!" انوشا نے گلاس ان کے لبوں سے لگا دیا تھا۔
منزہ نے بمشکل دو تین گھونٹ لیے تھے۔
"سینے میں درد سا ہو رہا ہے۔" منزہ نے خود پہ قابو پا کر کہا تھا۔ درد برداشت کرنے کی اذیت ان کے چہرے سے عیاں تھی۔
"انوشا' شاہد انکل کو کال کرو' اماں کو ہاسپٹل لے چلتے ہیں۔"
ماورا' انوشا کو ہدایت کر رہی تھی' منزہ کی حالت دیکھ کر وہ دونوں حواس باختہ ہو رہی تھیں۔ ایک وہی تو ان دونوں کے لیے شجر سایہ دار تھیں۔ اگر جو انہیں کچھ ہو جاتا تو.....!
"نہیں..... اس وقت شاہد بھائی کو زحمت نا دو..... وہ کون سا ہمارے سگے ہیں' جو بار بار انہیں زحمت دے کر ان کا ظرف آزمائیں..... میں ٹھیک ہوں اب..... کمی آ رہی ہے تکلیف میں۔" منزہ اس حالت میں بھی انہیں خودداری کا پاٹ پڑھا رہی تھیں' نحیف آواز میں کہیں وہ اذیت کو برداشت کر رہی تھیں' انوشا نے شاہد صاحب کو کال کرنے کے لیے سیل فون اٹھایا تھا لیکن پھر رکھ دیا۔
"پھر ہم دونوں ہی لے کر چلتے ہیں آپ کو..... انوشا ایمبولینس کو کال کر لو۔" ماورا کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔
"دو جوان لڑکیوں کے ساتھ میں ایمبولینس میں غیر مردوں کے ساتھ جاؤں گی..... پاگل ہوئی ہو..... فجر ہونے ہی والی ہے' تھوڑی دیر میں..... صبح چلیں گے ہسپتال۔" منزہ نے اس عمل سے بھی روک دیا تو دونوں کو اس گھڑی شدت سے گھر میں مرد کی کمی محسوس ہوئی۔ وہ دونوں بے بسی سے منزہ کو دیکھ رہی تھیں' جو لمبی لمبی سانس لے کر خود کو "ٹھیک" ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ماورا ان کا بازو سہلا رہی تھی تو انوشا سر..... دونوں متفکر سی بار بار وال کلاک کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ گو کہ چند لمحوں بعد منزہ کے چہرے کی بشاشت لوٹنے لگی تھی انہوں نے دونوں کو سو جانے کو بھی کہا مگر انہیں نیند اب کہاں آنی تھی۔

☆

سب کے سمجھانے پہ سمہان آفندی چپ تو ہو گیا تھا مگر گجر کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا ارادہ پھر کبھی پہ ٹالتا وہ اپنی گاڑی کی طرف آیا تھا۔
چودھری حشمت کو محافظوں کی جیپ میں پہلے ہی حویلی کے لیے روانہ کر چکے تھے' اور اب چودھری فیروز اور چودھری اسفند کی جیپ بھی سمہان آفندی کی گاڑی کے ساتھ نکلنا تھی۔
اگنیشن میں چابی ڈالتے اس کی نظر بریک کے پاس پڑے اپنے سیل فون پہ پڑی تھی۔
"ارے بروالائن پر تھا۔"
اس نے زیر لب کہتے بے ساختہ جھک کر سیل فون اٹھایا تھا اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی' کال ابھی تک چل رہی

Download From - PakDigestNovel

تھی۔

"برو لائن پہ ہو؟"

سمہان آفندی سیل فون کان سے لگا کر بے ساختہ استفسار کر گیا۔

"ہاں..... ہاں..... سمہان..... لائن پر ہی ہوں..... کیا ہوا ہے اور کس نے حملہ کیا ہے.....؟ تم اور داجان تو ٹھیک ہو نا.....؟" دوسری طرف سے شاہ زر شمعون جیسے اس کی آواز سننے کا ہی منتظر تھا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ رک گئی تو اس کی تشویش مزید بڑھ گئی کہ جانے کس نے بازی مار لی اور اب جب سمہان آفندی کی آواز سنائی دی تو وہ ایک سانس میں کئی سوال پوچھ بیٹھا اس کی بے قراری اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

"ہم دونوں ٹھیک ہیں برو..... ٹینشن نا لو۔" سمہان آفندی کو بخوبی احساس تھا کہ اس وقت وہ کس طرح پنجرے میں قید شیر کی طرح ادھر سے ادھر ٹہل رہا ہوگا۔

کم بختوں نے حملہ بھی تو اس کی کال کے درمیان کیا تھا اور اسے کال بند کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔

"کھا میری قسم!"

شاہ زر شمعون کو جہاں شکر کی سانس آئی وہیں وہ کچھ بے یقین سا بھی تھا۔ اتنی گھن گرج کے بعد سمہان آفندی اور چودھری حشمت ٹھیک تھے تو یہ کوئی معجزہ ہی ہو سکتا تھا۔

"تمہاری قسم برو! اب میں تم سے جھوٹ بولوں گا..... اتنی بے اعتباری اپنے سمہان آفندی پہ.....؟" وہ مسکرا کر اس سے گلہ کر رہا تھا اس کی فکر دور کر رہا تھا۔

"تجھ پہ خود جتنا بھروسہ ہے..... بے یقینی اس لیے ہے کہ شاید میں پریشان نا ہو جاؤں اس لیے تو سچ چھپا رہا ہے۔" شاہ زر شمعون کے جواب شکوہ پہ سمہان آفندی کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں..... صورت حال بگڑتی تو شاید ایسا کر بھی لیتا لیکن اب دشمن زخم چاٹ رہا ہوگا..... چھپنے کے لیے ٹھکانا ڈھونڈ رہا ہوگا..... الحمدللہ! تمہارے داجان اور سمہان آفندی کی گرد کو بھی نا چھو سکے۔"

"الحمدللہ!" شاہ زر شمعون نے کلمہ شکر ادا کیا تھا۔

"کون تھے سمہان.....؟" اگلے ہی لمحے وہ سرد لہجے میں دشمنوں کے نام جاننا چاہ رہا تھا۔

"تم آجاؤ برو..... پھر سب کچھ بتا دوں گا۔"

سمہان آفندی ٹال گیا' وہ اس کا مزاج آشنا تھا' کچھ بعید نا تھا نام جاننے کے بعد وہ حویلی واپس آنے کی بجائے سیدھا گجر کے ڈیرے پہ جا پہنچا۔ بڑوں کی تنبیہہ نے تو سمہان آفندی کو روک لیا تھا مگر شاہ زر شمعون شاید غصے میں آپے سے باہر ہو جاتا۔

"میں دو گھنٹے میں بائی ایئر پہنچ رہا ہوں' حویلی۔"

"کیا ضرورت تھی اتنی ایمرجنسی میں آنے کی آرام سے آجاتے۔"

سمہان آفندی کو اس کی بے وقت آمد پہ چوکنا رہنا تھا' مبادا گجر پھر اوقات دکھاتا۔

"میرے اپنوں پہ گولیاں چلتی رہیں اور میں بے بسی سے فون کان سے لگائے بھسم ہوتا رہا..... تجھے میری اذیت کا اندازہ ہے.....؟ جی چاہ رہا تھا کہ ان سب کا سینہ چھلنی کر دوں۔"

شاہ زر شمعون ابھی تک سلگ رہا تھا۔

"مجھے اندازہ ہے برو..... تم نا سہی تمہارے سمہان آفندی نے یہی کیا ہے..... ایک ہی بات ہے۔ اچھا پہنچ کر مجھے

Download From - PakDigestNovel

کال کر لینا میں ٹائم پہ ایئرپورٹ لینے آ جاؤں گا۔"
سمہان آفندی کی گاڑی حویلی کے اندر داخل ہو گئی تھی۔
"نہیں..... نہیں آنا بس گاڑی بھیج دینا۔" شاہ زر شمعون نے منع کیا تو وہ ہامی بھر گیا۔
"چلو اب میں ایئرپورٹ کے لیے نکل رہا ہوں حویلی پہنچ کر بات کرتا ہوں..... دھیان رکھنا اپنا۔" وہ نصیحت کر رہا تھا۔
"یو ٹو برو..... ساتھ خیریت کے آئیں..... رب کے حوالے....."

☆

حویلی میں جمگھٹا لگ گیا تھا جیسے..... چودھری حشمت محافظوں کے ساتھ بخیر و عافیت داخل ہوئے تو سب نے شکر ادا کیا لیکن سب کی متلاشی نظریں ان کے پیچھے بھٹک رہی تھیں گیٹ سے گاڑیاں اندر داخل ہونے کی آوازیں آ رہی تھیں لیکن سب متفکر تھے جیسے لمحوں میں اس اعصاب شکن صورت حال سے نکلنا چاہتے ہوں۔ ملازم تک متفکر نظر آ رہے تھے۔
"چودھری جی سمہان!" زمرد بیگم اپنی چوڑیوں کی سلامتی پہ پرسکون نگاہ ڈال کر پریشان نظروں سے استفسار کر گئیں۔
عیشال جہانگیر متوحش نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی کہ مبادا وہ کوئی غیر متوقع جملہ نا کہہ دیں۔
"شیر ہے وہ ہمارا..... دوسرا شیر..... اسے کیا ہوگا..... رب کا کرم ہے اس پہ..... تم سب پریشان نا ہو۔"
چودھری حشمت نے فخریہ لہجے میں کہا تو سب کی دبی سانسیں بحال ہوئیں۔
اسی گھڑی چودھری فیروز چودھری اسفند کے پیچھے سمہان آفندی بھی داخل ہوا تو سب کی جان میں جان آئی تھی..... اس پہ نظر پڑتے ہی عیشال جہانگیر کے سینے سے جیسے بھاری سل ہٹی تھی اور اب وہ کھل کے سانس لے پا رہی تھی۔ شاہ زر شمعون کی کال کے باعث وہ تھوڑا پیچھے رہ گیا تھا۔
"ویرا! اس وقت مجھے آپ پہ اتنا فخر محسوس ہو رہا ہے کہ میں بتا نہیں سکتی میں نے اور شاذمہ نے سارا منظر دیکھا..... شکر ہے سوہنے رب کا..... آپ ٹھیک ہیں۔"
شاذمہ اور زرش نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گاڑیوں کی روشنی میں سارا منظر دیکھا تھا گاڑیوں کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ نیچے آئی تھیں۔ زرش وفور جذبات سے کہتی نم آنکھوں سے سمہان آفندی کے بازو سے لگ گئی تھی۔ سمہان آفندی نے مان سے بازو سے لگی بہن کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا۔
زمرد بیگم فائزہ فریال سب ہی اس کے گرد آ گئی تھیں۔ گلے لگا کر اس کی سلامتی پہ شکر کر رہی تھیں۔
عیشال نے ذرا سا رخ موڑ کر اپنی ڈبڈبائی آنکھوں کو صاف کیا تھا..... مگر آنسو خشک ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔
مرد حضرات ہال میں ہی براجمان ہو گئے تھے۔ فائزہ کی ہدایت پہ لڑکیاں ملازماؤں کے ساتھ مل کر چائے کافی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئیں تھیں۔
شاہ زر شمعون کی آمد کا سن کر وہ سب ہال میں ہی بیٹھ کر اس کی آمد تک انتظار کا ارادہ رکھتے تھے حویلی کی عورتیں بھی مستعد ہو گئی تھیں۔
"شکر ہے رب کا سمہان صاحب! اللہ نے آپ پہ کرم کیا اور کچھ بھی نہیں ہوا۔"
حویلی کے تمام ملازمین اس سے مل کر محبت کا اظہار کر رہے تھے۔
"کرم تو مجھ پہ ان لوگوں کا ہے صغراں بی! جو مجھے رب کی امان میں بھیجتے ہیں۔"

Download From - PakDigestNovel

ہال میں اچھا خاصا شور تھا ایسے میں جب سمہان آفندی نے صغراں بی کو جواب دیتے عیشال جہانگیر کی ڈائمنڈ کی نوز پن پہ ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر اس کے سائیڈ پوز کو نظر میں رکھتے ہوئے جواب دیا تو اس کی طرف کان لگائے کھڑی عیشال جہانگیر نے بے ساختہ چہرہ اس کی طرف پھیرا مگر تب تک سمہان آفندی' چودھری فیروز کی پکار پہ ان کی طرف رخ پھیر چکا تھا۔

"آپ اتنے اچھے ہیں کہ ہر کسی کے دل سے آپ کے لیے بس دعا نکلتی ہے۔ اللہ آپ کی عمر لمبی کرے خوش رہیں۔"

صغراں بی دعاؤں سے نوازتی کچن کی خبر لینے چلی گئی تھیں۔

آج ساری رات یہ حادثہ زیر بحث رہنا تھا پھر شاہ زر شمعون بھی آ رہا تھا' مردوں کا آج رت جگے کا پلان تھا تو بھلا خواتین کیسے سو سکتی تھیں..... کسی نے انہیں مستعد رہنے کو کہا بھی نہیں مگر آج کا واقعہ اتنا چھوٹا ہرگز نہیں تھا کہ سب چین سے سوتی رہتیں۔

عیشال جہانگیر نے ایک نظر سمہان آفندی پہ ڈالی جو چودھری فیروز کی کسی بات پہ سر ہلاتا اپنے سیل فون کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ غالباً کسی کی کال آئی تھی۔ وہ بے دلی سے پلٹ گئی۔ سمہان آفندی نے سیل فون کان سے لگاتے ایک گہری نظر دور جاتی عیشال جہانگیر کی پشت پہ ڈالی تھی۔

☆

چودھری بخت کے ساتھ سب ہی یہ جان کر قدرے پرسکون ہو گئے تھے کہ دونوں خیریت سے ہیں' سب شاہ کو صبح جانے پہ اصرار کر رہے تھے مگر وہ دل ہی دل میں پہلے ہی رکنے کو اپنی حماقت سے تشبیہہ دے چکا تھا' مزید رک کر اپنا ضبط آزمانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

"ضدی انسان ہے' پہلے سنی ہے اس نے کسی کی جواب سنے گا۔"

شنائیہ چودھری کو بھی سب کی خیریت کا جان کر سکون ملا تھا لیکن اس کے اس گھڑی نکلنے پہ وہ غصہ ہو رہی تھی۔ ابھی حویلی والوں پہ حملہ ہوا تھا اور وہ ایک اور اکڑو جانشین اس وقت حویلی کی طرف سفر کرتا تو کچھ بعید نا تھا گھات لگائے دشمن پھر سے وار کرنے کا سوچتے۔ مگر خود کو عقل کل سمجھنے والا شاہ زر شمعون کسی احتیاط کو خاطر میں لانے کا قائل ہی کہاں تھا..... اس کی نگاہ میں' چودھری بخت نے چودھری جہانگیر کو بھی کال کر دی تھی اور وہ بھی غصے میں آ گئے تھے۔

"کس میں ہمت ہوئی چودھری جہانگیر کے باپ اور بھتیجے پہ گولیاں چلانے کی..... میں اس کی نسلوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"لو..... ہمارے خاندان میں سارے ہٹلر بھرے پڑے ہیں۔" شنائیہ چودھری نے اسپیکر سے آتی چودھری جہانگیر کی آواز پہ بے ساختہ سر پہ ہاتھ مارا' تاشاہ زر شمعون اور باقی سب بھی تھے جس کے باعث چودھری بخت نے اسپیکر آن کر دیا تھا۔

اور ان کی نسلوں کو زندہ نا چھوڑنے' گھر میں گھس کر مارنے کی' خون کی ندیاں بہا دینے والے ڈائیلاگ سن کر اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ اس نے شاہ زر شمعون کو بغور دیکھا جو ایئر پورٹ کے لیے نکلنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اپنی گاڑی کسی کے ہاتھ بھجوا دینے کی ہدایت کر رہا تھا اور چودھری بخت اسے تعاون کی یقین دہانی کروا رہے تھے۔

"ہاں' ہم تو جیسے اس کی گاڑی لے کر ہیروں کی اسمگلنگ کے لیے نکل جائیں گے ناں۔"

اس نے ناک سکیڑی..... شنائیہ چودھری کو لگتا تھا ایک وہی حویلی میں کھسکا ہوا ہے مگر نا جی..... اوپر سے نیچے تک سب ہی ملوث تھے۔ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔

Download From - PakDigestNovel

"نہیں چچا جان! آپ یہاں رہیں یہاں چچی جان اور شنائیہ ماہم اکیلی ہو جائیں گیں جب کہ وہاں حویلی میں سب ہیں آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں میں کچھ سیکیورٹی گارڈز کا جاتے ہی بندوبست کرواتا ہوں آپ کے لیے۔"

چودھری بخت بھی باپ اور بھتیجے پہ حملے کا سن کر بے چین ہو گئے تھے۔ وہ بھی ساتھ چلنا چاہ رہے تھے مگر شاہ زر شمعون نے سہولت سے منع کر کے انہیں اپنے اقدام سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ سب ٹھیک ہے سننے کے بعد دیا اور چودھری بخت نے سب سے فرداً فرداً بات کی تھی۔ شنائیہ نے بھی سمہان آفندی کو کال کر کے اس کی خیریت دریافت کر کے شکر ادا کیا تھا۔

"اکیلا کہاں ہوں برخوردار! جہانگیر بھی یہیں ہوتا ہے اور تمہیں تو اس کی پہنچ کا اندازہ ہے ہم ٹھہرے مریضوں کے مسیحا..... ہماری کسی سے کیا دشمنی ہوگی..... تم گارڈز کا تکلف نا کرنا۔" چودھری بخت نے انکار کرنا چاہا۔

"بے شک یہاں چچا جان ہیں لیکن ان کی خود کی اتنی ذمہ داریاں ہیں کہ وہ اکثر اپنے گھر سے لاپروا ہو جاتے ہیں آپ ہاسپٹل میں ہوتے ہیں گھر میں مرد کی اشد ضرورت ہے بھلے یہاں آپ کا کوئی دشمن نا ہو..... لیکن آپ کی جڑیں حویلی سے ہیں۔ ہو سکتا ہے دشمن ہم پہ وہاں سے وار کرے جہاں اسے آسان ہدف لگے۔" شاہ زر شمعون کا انداز قطعیت بھرا لیکن احترام کے لبادے میں ملبوس تھا۔

وہ اپنا مطمع نظر بہت اچھی طرح واضح کر گیا تھا۔ ایک لمحے کو چودھری بخت بھی قائل ہو کر چپ سے ہو گئے۔ دیا بھی شاہ زر شمعون کی بات سے متفق نظر آ رہی تھیں..... اگر ان کا خود کا بیٹا ہوتا تو شاید انہیں گارڈ کی بھی ضرورت نا پڑتی۔

"اگر جو ہو سکے تو آپ لوگ بھی حویلی آ جائیں اپنوں کے درمیان..... میں ہوں سمہان ہے وہاں ہم ہیں ناں آپ کے بیٹے آپ کے محافظ۔"

شاہ زر شمعون بھی ان کے چہروں سے ان کا درد جان گیا تھا تب ہی اپنائیت بھرا احساس دلا گیا اور ان کے چہروں پہ رونقیں لوٹنے لگیں۔

"ہاں حویلی میں رہیں تا کہ یہ ہلا کو دہلا دہلا کر جان ہی نکال دے۔"

شنائیہ چودھری بظاہر خاموش تھی مگر سارے جوابات اس کے اندر سر پٹخ رہے تھے۔

"جان لینے کی طاقت صرف قدرت کو حاصل ہے لیکن بہر حال احتیاط اچھی چیز ہے متفق ہوں تم سے۔"

چودھری بخت اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ گئے تھے وقت رخصت وہ سب سے مل رہا تھا۔

"اتنے عرصے بعد تو آتے ہیں اور اتنی جلدی واپسی۔" ماہم ماں سے شکوہ کر گئی تو شاہ زر شمعون کے لب مسکرا دیئے۔

"ایں..... یہ واقعی مسکراتا بھی ہے یا میری آنکھوں کا دھوکا ہے؟ چٹکی لو خود کو شنائیہ چودھری!" وہ تحیر سے آنکھیں پھیلائے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے کھڑی تھی اور اسی طرح دائیں ہاتھ سے بائیں بازو پہ چٹکی لے گئی۔

"تم آؤ اب کے حویلی..... زیادہ دن کے لیے..... گھومنے کا پلان بنائیں گے۔" شاہ زر شمعون آفر کر رہا تھا ماہم کو بھی حیرت ہو رہی تھی لیکن شنائیہ چودھری کی تو مرنے والی کیفیت تھی۔

"اگر آپ خود کو چیک کر کے فری ہو چکی ہیں کہ حواسوں میں ہیں یا نہیں تو اللہ حافظ۔" وہ سب سے مل کر اس کی طرف آیا تھا اور سرد لہجے میں کہتا پلٹ گیا۔

"ہونہہ! بڑا آیا ہر خبر پہ نظر رکھنے والا۔" وہ ناک چڑھا کے رہ گئی تھی۔

☆

کچھ رشتے بے نام ضرور ہوتے ہیں کچھ احساس بتائے نہیں جاتے کچھ جذبے آشکار نہیں ہو پاتے کچھ محسوسات کو لفظوں کا پیراہن نہیں پہنایا جاتا لیکن یہ سب اپنا وجود رکھتے ہیں اور اتنی شدت سے رکھتے ہیں کہ "کہنے" کی بھی ضرورت

Download From - PakDigestNovel

محسوس نہیں ہوتی۔

وہ نوعمری سے ایک ہی سپنا دیکھتی آرہی تھی ایک ہی تصویر نگاہوں میں بسائے گھوم رہی تھی اس حویلی میں اگر اس کے رہنے کی کوئی وجہ تھی تو وہ وجہ "سمہان آفندی" تھا۔

بچپن میں بھی جب وہ اداس ہوکر سیڑھیوں پہ سر گھٹنوں میں دیے بیٹھی روتی رہتی تھی تو وہ چپکے سے اس کے اوپر والی سیڑھیوں پہ آ کر بیٹھ جاتا تھا اس سے رونے کی وجہ پوچھتا اور وہ ڈانٹ کر اسے جانے کو کہتی تھی مگر وہ اسے چڑا تا رہتا اور وہ رونا بھول کر اس سے لڑنے لگ جاتی تھی۔

بچپن کے دنوں میں ہی فریال سب بچوں کو ٹیوشن پڑھا رہی تھیں وہ سب بچوں سے باری باری پوچھ رہی تھیں بڑے ہوکر کیا بنو گے؟

"میں سمہان کی دلہن بنوں گی!"

اپنی باری آنے پہ اس نے فوراً کہہ دیا تھا۔ فریال کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ سمہان آفندی ماں کے سامنے شرما گیا تھا۔

"تم کیوں شرما رہے ہو؟"

تحیر سے نکل کر فریال کا ڈنڈا سمہان آفندی کے بازو کو چھو گیا تھا۔

"مجھے کیوں مارا.....؟ اسے ماریں نا..... بے شرمی کی بات تو یہ کر رہی ہے..... آپ کے بیٹے کو خراب کر رہی ہے۔"

چھوٹا سمہان بازو سہلاتے تب بھی بولنے سے نہیں چوکا تھا۔

"موٹی! میں پاگل نہیں ہوں جو تیرا دلہا بنوں جا کوئی اور ڈھونڈ۔"

وہ بچپن میں قدرے گول مٹول سی عیشال جہانگیر کی پونی کو کھینچ کر بھاگ گیا تھا۔

"سمہان!"

فریال ہنسی روکتی بظاہر سنجیدگی سے اسے پکار بیٹھی تھیں مگر وہ یہاں ہوتا تو سنتا کتابیں بکھرائے بھاگ چکا تھا۔

"یہاں آؤ عیشال!" فریال نے اسے اپنے قریب بلایا تھا وہ ڈرتی ڈرتی ان کے پاس گئی تھی کہ شاید اسے بھی مار پڑے گی۔

"کس نے سکھائی آپ کو یہ بات..... بچوں کو تو بہت سارا پڑھنا ہوتا ہے یہ شادی کا خیال کہاں سے آیا آپ کے ذہن میں؟" وہ اسے گود میں بٹھائے نرمی سے پوچھ رہی تھیں۔

"یوں ہی..... خود سے..... ہم گڑا گڑیا کی شادی کر رہے تھے ناں تو سمہان نے کہا میری گڑیا کو اس کا گڈا بہت مارے گا تب میں نے کہا کہ میں تم سے شادی کرلوں گی اور اپنی گڑیا کا بدلہ تمہیں مار مار کے لوں گی..... لیکن آپ کہہ رہی ہیں کہ بچوں کی شادی نہیں ہوتی انہیں بہت سارا پڑھنا ہوتا ہے تو ٹھیک ہے میں بہت سارا پڑھنے کے بعد سمہان سے شادی کرلوں گی۔"

تین سالہ عیشال جہانگیر اپنی آنکھیں پٹپٹا کر کہہ رہی تھی اور فریال اس "انتقاماً شادی" کی پلاننگ کا سن کر ہنستے ہوئے برا حال تھا۔

"سنا صائقہ بھابی! آپ کی بیٹی کیسا انوکھا انتقام پلان کر رہی ہے میرے بیٹے کے لیے۔"

فریال مرچیں کوٹتی صائقہ کو آواز لگا گئی تھیں۔ جنہوں نے ایک پل کو ہاتھ روک کر بس مسکرانے پہ اکتفا کیا تھا پھر سب نے ہی اسے کئی دنوں تک چھیڑا تھا۔

"بڑی ہوکر کیا بنو گی؟" اور وہ سابقہ جواب پوری شدومد سے دیتی تھی ہاں اس میں اب ایک اور جملے کا اضافہ ہوگیا تھا۔

Download From - PakDigestNovel

"میں نے انتقام لینا ہے سمہان سے اپنی گڑیا کا۔" سب ہنستے رہتے تھے۔
بچپن کی بات تھی آئی گئی ہوگئی لیکن شاید عیشال جہانگیر اس بات کو فراموش نہیں کر سکی تھی تب ہی بالکنی میں دیوار سے پشت ٹکائے وہ اندھیری رات میں ستاروں کی ٹمٹماہٹ دیکھتے مسکرا رہی تھی بچپن کی سرگوشیاں جیسے سماعتوں پہ دستک دے رہی تھیں۔
"کیا جن بھوت کا سایہ ہوگیا تم پہ جو اکیلے اکیلے مسکرا رہی ہو۔"
جانی پہچانی آواز قریب سے سنائی دی تو وہ بے ساختہ دائیں طرف نگاہ کر گئی تھی۔ سمہان آفندی گرل سے کمر ٹکائے دائیں پیر کو بائیں پیر سے ملا کر قینچی بنائے دونوں ہاتھ دائیں بائیں گرل پہ دراز کیے بلو جیکٹ میں ملبوس استفسار کر رہا تھا۔
عیشال جہانگیر نے اسے بغور دیکھا تھا' کچھ لمحے قبل اس شخص کو مصیبت میں دیکھ کر اس کی دنیا ڈول گئی تھی۔ وجود معنی کھونے لگا تھا' اسے خبر تھی دشمن کتنا ہی زور آور ہو وہ اسے پچھاڑ دے گا لیکن اس کی جان کی سلامتی کی فکر تھی' جس طرح زرش نے بتایا اور وہ جتنی بے فکری سے مسکراتا ہوا کھڑا تھا' اسے دیکھ کر اسے جہاں اس کے مضبوط اعصاب کا ادراک ہوا وہیں اپنی بے اختیاری کھلنے لگی۔
سب نے اسے دیکھنے کے بعد جس طرح اپنے جذبے لٹائے تھے ایک وہی حسرت و یاس سے سب کا منہ تکتی کھڑی رہ گئی تھی۔ بظاہر کزن کے علاوہ کوئی رشتہ نہیں تھا دونوں میں..... کبھی کسی طرف سے "اظہار" نہیں ہوا تھا۔ "اقرار" کی مہر ثبت نہیں ہوئی تھی لیکن جانے کیوں اسے لگتا تھا دل ایک ہی لے پہ دھڑکتے ہیں' وہ لاکھ چاہنے کے باوجود اس پہ ظاہر نہیں کر پا رہی تھی کہ اسے زندہ سلامت دیکھ کر اسے کتنی خوشی ہو رہی ہے' کتنا سکون مل رہا ہے۔ بے اختیاری کا یہی احساس ایک پل میں اسے زود رنج کر گیا تھا۔
"کچھ لوگوں کو اپنی محبت ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی..... کچھ اختیار ایسے ہوتے ہیں جو دکھائی نہیں دیتے' صرف روح کے نہاں خانوں میں سنائی دیتے ہیں..... اور جس کی رسائی روح کے نہاں خانوں تک ہو وہ بے اختیار کب ہوتا ہے.....؟"
عیشال جہانگیر بے طرح چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی' وہ کیا کہہ رہا تھا؟ وہ اس کی سوچ کیسے پڑھ گیا تھا' کیا یہ اظہار تھا.....؟ وہ چونک کر اسے دیکھ رہی تھی۔
"آج شاید میری موت یقینی تھی....." سمہان آفندی اس کی تحیر بھری نظروں کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا' اس کے جملے پہ بے چینی عیشال جہانگیر کی چہرے پہ در آئی تھی۔
"کیوں یقینی تھی.....؟ کیسے ٹلی.....؟"
اس کے چہرے پہ ان ہی سوالوں کا عکس جھلملا رہا تھا' مگر لب نیم وا ہو کر رہ گئے تھے۔ ان سے لفظوں کی ادائیگی نہیں ہو پائی تھی مگر سمہان آفندی اس کے چہرے پر آئے سوال پڑھ گیا تھا۔
"کچھ لمحوں پہلے اسی گرل سے لگی ایک لڑکی نے بلو آنچل سر پہ ڈال کر عقیدت سے دعائیں پڑھ کر مجھے اللہ کی امان میں سونپا تھا پھر اللہ اپنے پاس رکھوائی امانت میں خیانت کیسے ہونے دیتا.....؟"
اس قدر واضح الفاظ لیکن ان کے معنی کیا تھے وہ الجھ سی گئی تھی۔
وہ تو لڑکی تھی..... فطری شرم و حیا کے لبادے میں ہوتی تھی' کیا وہ نہیں "کہہ" سکتا تھا۔
"نیند نہیں آ رہی!" اس نے کمال لاپروائی سے کہا۔
"سچ سچ بتانا..... اگر جو مجھے واقعی کچھ ہو جاتا تو تم کیا کرتیں؟" وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔

Download From - PakDigestNovel

"افسوس ہی کرتی کہ اب لڑنے والا نہیں ہے' کس سے لڑوں گی۔ زبانی جمع کہاں خرچ کروں گی؟ یہی ٹینشن لگی ہوتی۔" اس نے بھی سر جھٹک کر جواب دیا۔

"میں.....؟" وہ جیسے کچھ جاننا چاہتا تھا۔

"ہاں تو..... اور کیا وہ بھی ایک کائیاں تھی۔ مجال ہے جو مقابل کو خوش فہم ہونے کا موقع دیتی۔

"کبھی تو سچ بول دیا کرو۔" وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔

"کیسا سچ؟" وہ انجان بن گئی۔

"چلو جی وقت آنے پہ پوچھیں گے فی الحال تو چینج کر کے ریلیکس ہونے جا رہا ہوں۔"

اس پہ ایک نظر ڈالتا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

نکالتا ہے نا دل میں اتارتا ہے مجھے
ہمیشہ مار محبت کی مارتا ہے مجھے

پرسوچ انداز سے اس کی پشت کو تکتی وہ بھی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی کہ ابھی شکرانے کے نفل بھی پڑھنے تھے۔

☆

مردوں کی محفل لاؤنج میں جمی ہوئی تھی' شاہ زر شمعون بھی آ چکا تھا۔ بنا فریش ہوئے' اس نے آتے ہی سمہان آفندی سے سارے واقعے کی تفصیلات جانی تھیں۔ باقی آنکھوں دیکھا حال چودھری حشمت' زرش اور شاذمہ نے گوش گزار کر دیا تھا۔

"بھئی ہمارا سمہان تو چھپا رستم نکلا۔ جس کا ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے' جس طرح تن تنہا یہ میدان میں کھڑا تھا سچ کہوں تو ایک پل کو دل بھی کانپا تھا لیکن اس کی جی داری کو سلام ہے بھئی....." چودھری فیروز سمہان آفندی کو سراہ رہے تھے۔ چودھری اسفند بے ساختہ نازاں ہوتے بیٹے کے شانے پہ ہاتھ مار کے رہ گئے۔ شاہ زر شمعون بھی سراہتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شاہ زر شمعون کی پریشانی و فکرمندی بھی دور ہو گئی تھی۔

"اس کی قابلیت پہ تو مجھے پورا بھروسہ تھا اب اس کی بہادری پہ بھی ہو گیا' اندازہ تو تھا کہ جگر ہے اس کے پاس..... لیکن آج تو تم نے واقعی کمال کر دیا' سمہان۔" شاہ زر شمعون بھی سراہ رہا تھا۔ سمہان آفندی گرے کلر کا آرام دہ شلوار سوٹ پہن چکا تھا اور اس میں بھی اس کی وجاہت نمایاں تھی۔ وہ سر خم کیے بیٹھا تھا۔

"گجر کی اتنی ہمت کے میرے اپنوں پہ گولیاں چلوائے' دیکھنا صبح تک اس کی حویلی کو نیست و نابود کر دوں گا۔" شاہ زر شمعون اسے اپنے ارادوں سے آگاہ کر رہا تھا۔

"نہیں شاہ! تم کچھ نہیں کرو گے..... ہم پنچایت میں بات لے کر جائیں گے' رپورٹ لکھوائیں گے' پھر جہانگیر نے بھی کہا ہے ہم کوئی الٹا سیدھا عمل نا کریں' وہ خود پنجاب پولیس سے رابطہ کر کے کام کروائے گا' ہم خاندانی لوگ ہیں' گجر کی طرح اٹھائی گیر اور بدمعاشوں والی حرکت نہیں کریں گے۔"

چودھری حشمت کے قطعیت بھرے انداز پہ شاہ زر شمعون بھی سر جھکا گیا تھا۔

"لیکن داجان! یہ تو سمہان کی ہوشیاری کام آ گئی اگر جو گاڑی بلٹ پروف نا ہوتی اور آپ یا سمہان کو کچھ ہو جاتا پھر..... گجر نے جتنی جرات کی اس پہ تو اسے سبق سکھانا ہی چاہیے۔" شاہ زر شمعون مودب ہو کر بھی اپنا نقطہ نظر واضح کر گیا۔

"بے شک گجر کو سبق سکھائیں گے لیکن قانونی اور پنچایتی طریقے سے۔" چودھری حشمت نے جیسے مہر ثبت کر دی تھی۔

Download From - PakDigestNovel

کچھ کہنے کی گنجائش ہی نا رہی تھی' شاہ زر شمعون چپ ہو گیا تھا۔ سمہان آفندی نے ایک نظر شاہ زر شمعون کے چہرے پہ ڈالی تھی' اور اس کے ان روٹھے انداز پہ مسکرا دیا تھا۔

☆

سچ چاٹ جاتے ہیں زندگی ساری
دکھ بڑے باکمال ہوتے ہیں

صبح تک کا انتظار بے حد اعصاب شکن تھا' گو کہ منزہ اب خود کو نارمل ظاہر کر رہی تھیں اور ان کا ارادہ ہاسپٹل جانے کا قطعاً نہیں لگ رہا تھا۔ منزہ اپنی باڈی میں بے حد پین بھی محسوس کر رہی تھیں جسے وہ بے آرامی سے تشبیہہ دے رہی تھیں۔ بقول ان کے بازو میں وقتی درد تھا' ڈرنے کی کوئی بات نہیں تھی لیکن دونوں نے ان کی ایک نہیں سنی اور ضد پکڑ لی۔

انوشا نے اسکول سے چھٹی کر لی تھی۔ ناشتے کے بعد دونوں کی زبردستی پر انہیں ہاسپٹل آنا ہی پڑا' جہاں کنڈیشن سن کر ڈاکٹر نے ہارٹ اٹیک کی علامت کا خدشہ ظاہر کیا تھا' اس پر دونوں مزید گھبرا گئی تھیں۔ شک تو انہیں بھی ہوا تھا جس طرح منزہ سینے پہ ہاتھ رکھے کراہ رہی تھیں۔

پچھلے کچھ مہینوں سے انہیں مسلسل بخار رہنے لگا تھا' جسم میں تھکاوٹ بھی محسوس ہو رہی تھی اور رات جس بری طرح چکرا رہے تھے تو ڈاکٹر نے ای سی جی کے ساتھ بلڈ کے ٹیسٹ بھی لکھ کر دیئے تھے۔ لیب دور تھا' ٹیسٹ کروانے میں کافی وقت لگ جانا تھا۔

"ماورا! میں جب تک اماں کے ساتھ ہوں جاؤ تم لگے ہاتھوں یونیورسٹی سے ایڈمیشن فارم بھی لے لو..... ایسا نا ہو ڈیٹ نکل جائے۔" انوشا نے یونیورسٹی کی عمارت کو لیب کے پاس دیکھا تو راہ دکھانے لگی۔

"اماں! برا نہ مان جائیں۔"

منزہ اندر ٹیسٹ کروا رہی تھیں اور دونوں باہر بیٹھی ہوئی تھیں۔ انوشا کی بات اس کے دل کو بھی لگی تھی ورنہ اتنی دور دوبارہ آنا پڑتا فارم وغیرہ کے لیے۔

"لو برا کیوں مانیں گی..... فارم ہی تو لینے جا رہی ہو اور پھر اب تو روز کا آنا جانا ہوگا' آٹو باہر انتظار کر رہا ہے اسی پہ چلی جاؤ' تاکہ پیدل نا چلنا پڑے' میں یہاں ہوں اماں کے پاس' جب تک فری ہوتے ہیں تم ہو بھی آؤ گی۔" انوشا کے مشورے پہ وہ سر ہلا کر دوپٹا سر پہ جماتی اٹھی تھی اور تھوڑی ہی دیر بعد فارم کی آخری تاریخ کے متعلق پوچھ کر پلٹی تو لسٹ کی جانب رش دیکھ کر اس کے قدم بھی بے ساختہ اسی سمت اٹھ گئے' دیکھے تو وہ کس نمبر پہ تھی' مگر رش اس قدر تھا کہ اسے صرف سب کے سر ہی نظر آ رہے تھے۔

"اوہ نو! ایشان جاہ' تم سیکنڈ نمبر پہ ہو۔" ابھی وہ اچک اچک کر دیکھنے کی کوشش ہی کر رہی تھی جب ایک تیز آواز ابھری۔

"ایشان جاہ!" وہ اس نام پہ چونکی تھی' اب کے اس نے دھیان سے دیکھا تھا' اس دن کی طرح ان کا گروپ لسٹ کے آگے کھڑا تھا۔

"مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

ایشان جاہ کا پرتکبر لہجہ سن کر جہاں ماورا یحییٰ کے ماتھے پہ بل پڑے وہیں کئی ایک نے اسے تحیر سے دیکھا تھا۔

قدرے فاصلے پہ دوسری جگہ بھی لسٹ لگی ہوئی تھی' دیکھنے میں ناکام ہو کر ماورا یحییٰ دوسری سمت جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ رش ذرا کم ہوا تھا۔

"فرسٹ پہ کون ہے؟"

Download From - PakDigestNovel

ایشان جاہ غرایا تھا' ماورا یحییٰ کو اس کی پشت ہی نظر آ رہی تھی' وہ آج بھی برانڈ سمبل بنا گھوم رہا تھا۔
''کوئی ماورا یحییٰ ہے۔'' اسی کے گروپ میں سے کسی نے افسوس کے ساتھ اس کا نام لے کر اعلان کیا تھا' ماورا یحییٰ اپنا نام سن کر بے ساختہ چونکی تھی۔
وہ تیزی سے دوسری طرف لپکی تھی اور ٹاپ آف دا لسٹ اپنا نام دیکھ کر اس کے اندر ایک سکون سا پھیل گیا تھا شاید جیت کا..... ایشان جاہ کے غرور کو شکست سے دوچار کرنے کا سکون۔
''مارکس تو دیکھو پڑھا کو بی بی کے پچانوے فیصد' سو فیصد ہی لے لیتیں۔''
اب کے انشراح کی جلی بھنی آواز آئی تھی' اس نے درزدیدہ نظروں سے ان کے گروپ کی طرف دیکھا تھا' وہ سب بے حد دکھی نظر آ رہے تھے' جب کہ ایشان جاہ شدید طیش میں لسٹ کو یوں گھیرے کھڑا تھا جیسے اس کے پیچھے دھکم پیل کرنے والے کیڑے مکوڑے ہوں۔ وہ بھی یقیناً صرف لسٹ چیک کرنے آیا تھا' ان میں سے کسی کی نظر ماورا یحییٰ پہ پڑتی اس سے پہلے ہی وہ پلٹ گئی تھی۔ اسے اتنی خوشی تھی کہ اس نے بنا انتظار کیے آٹو میں بیٹھتے ہی انوشا کو میسج کر دیا۔
''ٹاپ آف دی لسٹ ماورا یحییٰ!''
وہ بھی بے حد خوش ہوئی تھی۔ فوراً ہی جوابی میسج مبارک باد کا آیا تھا۔
ماورا یحییٰ کو رہ رہ کر ایشان جاہ کا پرجلال چہرہ لطف دے رہا تھا۔

☆

''بس یوں سمجھو نمو تمہاری شنائیہ موت کے منہ سے واپس آئی ہے۔ اف میری جگہ تم ہوتیں تو تمہارا تو ہارٹ ہی فیل ہو جاتا۔''
شنائیہ چودھری یونیورسٹی میں براجمان اپنی اکلوتی سہیلی کو سفر کی جھوٹی رام کہانی سنانے میں مصروف تھی۔
''ہائے میرا تو سن کر ہی ہارٹ فیل ہو رہا ہے۔'' نمو نے جذباتی ہو کر کہا۔ ''شاہ زر شمعون کے بارے میں سن کر۔''
نمو عرف نائمہ نے جملہ مکمل کیا تھا اور شنائیہ چودھری جو فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگی تھی بھونچکی رہ گئی۔
''ایں!'' اسے نائمہ کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا۔
''کیا بندا ہے یار' تیرا کزن۔'' وہ از حد متاثر ہو چکی تھی۔
''چھوڑو..... بے حد سڑیل ہے' بات تک کرنے کی تمیز نہیں۔ ہر وقت پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہے' تمام راستے میں اس سے خوف زدہ رہی۔''
شنائیہ چودھری کو اس کی تعریف ایک آنکھ نا بھائی ناک چڑھا کر پرزور نفی کی۔
''سڑیل بھی اسی لیے ہے کہ ابھی تک اس کی زندگی میں کوئی رنگ نہیں..... لڑکی نہیں..... دیکھنا کل کو کوئی آ گئی نا تو خود ہی موم کی طرح پگھل جائے گا۔'' نائمہ نے دعویٰ کیا۔
''کبھی نہیں.....'' اسے رتی برابر یقین نا ہوا۔
''شرط لگاؤ!'' نائمہ پرجوش ہوئی۔
''لڑکی آئے گی کہاں سے..... اس سڑیل کو موم کرنے..... جو موم کرنے آئے گی اس نے اسی کی اگربتی بنا دینی ہے۔ پتا ہے مجھے۔'' وہ بری طرح جلی ہوئی تھی۔
''اگر ایسا ہے تو یوں کرو اپنے کزن کو کسی لڑکی میں انوالو کر کے دیکھ لو' سچ سامنے آ جائے گا۔'' نائمہ نے شرطیہ لہجے میں کہا۔

Download From - PakDigestNovel

"اب میں لڑکی کہاں سے لاؤں۔" شنائیہ جھنجلائی۔
"نظر گھماؤ اپنے اردگرد..... کوئی نا کوئی مل ہی جائے گی۔"
"نظر گھماؤ....." نائمہ نے شرارتاً کہا تھا مگر شنائیہ چودھری نے عملاً اپنے اردگرد نظر دوڑائی تھی' کوئی لڑکی کچپ میں ڈبو کر سموسہ کھا رہی تھی' تو کوئی کتاب میں سر دیئے بیٹھی تھی۔ آخر میں اس کی نظر نائمہ پہ آ کر رک گئی تھی اور اگلے ہی پل اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔
"کوئی ملی؟" نائمہ نے اس کی آنکھوں کی چمک اور چہرے کی مسکراہٹ سے اندازہ لگایا' اسے لگا اس کا ذہن کام کرنے لگا ہے۔ "دیکھا' کیا کہا تھا ناں کوئی مل جائے گی۔" نائمہ ایوارڈ لینا چاہ رہی تھی۔
"کوئی اور کیوں' تم کیوں نہیں.....؟" شنائیہ نے ابرو اچکائے۔
"وہاٹ!" نائمہ اچھلی۔
"ہاں تو..... تم میری بیسٹ فرینڈ ہو..... اب میں ہر کسی پہ ٹرسٹ کر کے اپنے فیملی میٹرز ڈسکس کر کے کسی کی منت تھوڑی کر سکتی ہوں' کہ میرے کزن کو پٹا کر ثابت کرو کہ وہ اتنا بھی سڑیل نہیں ہے' جتنا میں اسے سمجھتی ہوں۔" شنائیہ چودھری نے اس کام کے لیے نائمہ کو ڈیوٹی کر دیا تھا۔
"دیکھ لو' مروا نا دینا۔" نائمہ ڈر رہی تھی۔
"کچھ نہیں ہوتا اب اتنا بھی دم خور نہیں ہے۔" اس نے سمجھانا چاہا۔
"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں اس روئے زمین پہ اس جیسا کوئی سڑیل نہیں۔" نائمہ نے تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے یاد دلایا۔
"اس..... واقعی' نکل گیا ہوگا منہ سے۔" وہ سر جھٹک گئی۔
"آج سے کیا بلکہ ابھی سے اس پلان کو شروع کرتے ہیں۔ تم ابھی شاہ زر شمعون کو کال کرو..... اور اسے دوستی کی آفر کرو' جتنا سڑیل ہے' اتنی جلدی تو نہیں مانے گا' لیکن ہفتہ دس دن میں "ہاں" کر ہی دے گا۔ پھر آگے پلان کریں گے' لاؤ اپنا سیل فون دو' میں شاہ کا نمبر ملا کر دیتی ہوں۔" شنائیہ چودھری ایکسائیٹڈ تھی۔
"کیوں میرے منگیتر سے مجھے پٹوانے پہ تلی ہو۔" نائمہ نے اپنا سیل فون اسے تھماتے ڈرتے ہوئے کہا۔
"اوہو..... تو ہم کون سا سیریس ہو رہے ہیں' اس سڑیل کی زندگی میں بس ذرا سا رنگ بھرنا چاہ رہی ہوں' میں کال ملاتی ہوں اسے' دیکھو بڑے آرام سے بات شروع کرنا' سمجھو تمہارا امتحان ہے' ویسے خیر مجھے اتنی فیلڈنگ کی ضرورت تو نہیں ہونی چاہیے منگیتر کو پٹا کر تمہیں تجربہ تو ہو چکا ہوگا۔" اس کی لن ترانیاں جاری تھیں اور نائمہ نے اس کی تعریف پہ اسے دھپ رسید کی تھی۔
"فون اٹھا نہیں رہا تو چھوڑ دو۔" نائمہ نے جیسے اس مذاق سے دور رہنا چاہا۔
"ارے اٹھائے گا تو اس کا اچھا بھی۔" شنائیہ نے کہتے کے ساتھ ہی اسے منہ پہ انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا اور اگلے ہی لمحے سیل فون نائمہ کی طرف بڑھا دیا تھا' غالباً کال ریسیو ہو چکی تھی۔
"ہیلو!" نائمہ نے سنبھل کر فون کان سے لگایا تھا۔
شاہ زر شمعون جو کھیتوں پہ تھا انجان نمبر سے کال آنے پہ نظر انداز کرتا رہا لیکن جب کال مسلسل آنے لگی تو اس نے ریسیو کر لیا..... غیر متوقع طور پہ لڑکی کی آواز سن کر وہ چونک گیا تھا۔
"کون؟" اس کی گھمبیر لیکن سخت آواز ابھری تھی نائمہ کے ہاتھ میں سیل فون ڈولنے لگا۔

Download From - PakDigestNovel

"جی میں فرحانہ بول رہی ہوں۔" سب کچھ اتنی جلدی ہوا تھا کہ نائمہ کو ڈھنگ کا نام تک سوچنے کی فرصت نا ملی عجلت میں وہ اپنے منگیتر فرحان کے نام کافی میل ورژن بول گئی۔ شنائیہ چودھری اس کے ساتھ سر جوڑے ایئر پس سے گھسی آواز کو سننے کی کوشش کرنے لگی۔

"میں کسی فرحانہ افسانہ کو نہیں جانتا محترمہ رونگ نمبر!"

وہ درشتی سے کہہ کر شاید کال کاٹنے لگا تھا شنائیہ چودھری نے اسے ٹہوکا دیا کہ وہ جلدی سے اسے گھیرنا شروع کرے ورنہ کچھ بعید نا تھا کال کاٹ کر وہ نمبر بلاک لسٹ میں ڈال دیتا۔

"شاہ زر شمعون! میں آپ کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں' یہ رونگ نمبر نہیں ہے' میں نے رمیٹ نمبر ہی ڈائل کیا ہے۔ میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں آپ مجھے اچھے لگتے ہیں۔"

نائمہ اپنے امتحان میں "پاس" ہونے کے لیے "محنت" کرنے لگی تھی۔ اس کے ساتھ کان لگائے شنائیہ چودھری نے اسے بے ساختہ پیٹھ تھپتھپا کر شاباشی دی تھی۔ جبکہ دوسری طرف شاہ زر شمعون کا چہرہ جہاں سرخ ہوا وہیں اس ادھر اسیل فون بھی ایکٹو ہو گیا۔

"محترمہ! کہیں اور ٹرائی کریں۔" اس نے غالباً بھانپ لیا تھا کہ وہ فلرٹ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

"شمعون! کائنڈلی آپ مجھے ایسی ویسی لڑکی نا سمجھیں میں حقیقتاً آپ کے لیے سنجیدہ ہوں' مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے..... اگر آپ نے انکار کیا تو میں کنوئیں میں کود کر اپنی جان دے دوں گی..... آپ کو دیکھنے کے لیے روز اپنے گھر کی چھت پہ آتی ہوں..... اگر آپ نے انکار کیا تو چھت سے کود کر یا زہر کھا کر آپ کو بدنام کر دوں گی۔" نائمہ نے ایسی کہانی سنائی تھی کہ جس سے شاہ زر شمعون کو لگے کہ وہ اس کے گاؤں کی ہی کوئی الہڑ دوشیزہ ہے..... اس شاطرانہ کہانی پہ شنائیہ نے اب کے پھر پیٹھ تھپتھپائی تھی۔

"اچھا..... واقعی؟" شاہ زر شمعون نے ہنکارا بھرا تو دونوں کو لگنے لگا منزل دور نہیں۔

"میں آپ کو بلیک میل نہیں کر رہی شاہ زر لیکن میں واقعی اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں..... اگر آپ نا مانے تو میں واقعی خودکشی کر لوں گی..... آپ کے بنا بھی کوئی زندگی ہے۔"

نائمہ کے "جملوں" پہ شنائیہ چودھری تو عش عش کر اٹھی' دوسری طرف اس کا چہرہ سرخ ہوا ہو گا نجانے شرم سے یا غصے سے..... وہ سوچ کے رہ گئی۔

"محترمہ! اگر آپ چھت سے نا کودیں زہر کھا کر کنوئیں میں نا کودیں تو میں خود آپ کے ہم سفر تک رپورٹ پہنچا دوں گا کہ مسٹر فرحان سے گھنٹوں بات کرنے والی نائمہ میرے لیے جان دینے لگی ہے..... یا پھر آپ کے والد کے نمبر پہ کال کر کے بتاؤں کہ آپ کی دختر نیک اختر کراچی کی یونیورسٹی میں بیٹھ کر پنجاب میں انقلاب چلانے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

شاہ زر شمعون کہے جا رہا تھا اور نائمہ کا رنگ فق ہونے کے ساتھ ہاتھ دل پہ آن ٹھہرا تھا تو شنائیہ ہارٹ اٹیک کے قریب پہنچ گئی تھی۔

"آ..... آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں نائمہ.....!" وہ تو ہکلا گئی۔

"محترمہ آپ کا سی این آئی سی نمبر بھی آ گیا ہے' میرے پاس لوکیشن بھی ٹریس ہو گئی ہے' اس سے پہلے کہ میں آپ کے منگیتر فرحان کو کال کر کے آپ کی رپورٹ دوں یا آپ کے والد کو..... فیصلہ آپ کریں' لیکن یہ بتانے کے بعد کہ آپ کو یہ ٹاسک دیا کس نے؟"

نائمہ کی ہونق نظروں کے ساتھ ہی شنائیہ نے بھی نفی میں سر ہلانا شروع کر دیا تھا وہ نائمہ کی چٹکی لینے لگی کہ وہ کسی صورت

Download From - PakDigestNovel

اس کا نام نا لے مگر نائمہ کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے وہ بازو جھٹک کر فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"مس..... سوری..... شاہ زر شمعون..... وہ مجھے شنائیہ نے کہا کہ آپ سڑیل ہیں میں آپ کی زندگی میں رنگ بھروں..... تو....."
نائمہ بے ربط ہو رہی تھی' نظریں شنائیہ پہ تھیں جو اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا دبا کر گردن بائیں طرف لٹکا گئی تھی لیکن اس کا کوئی جذباتی ڈرامہ نائمہ کو سچ بتانے سے روک نہیں سکتا تھا۔ شاہ زر شمعون لوکیشن میں یونیورسٹی کا نام اور نائمہ کی کال لسٹ میں شنائیہ چودھری کا نمبر دیکھ چکا تھا' لیکن اسے کنفرم کرنا تھا۔
"او کے....." اس کا شک درست نکلا تھا۔
"پلیز آپ میرے منگیتر اور بابا کو کال مت کیجیے گا۔"
نائمہ التجا کر رہی تھی اور شنائیہ چودھری کا جی چاہ رہا تھا وہ کہیں روپوش ہو جائے۔
"چلیں نہیں کرتا' لیکن دوبارہ کسی کے کہنے پہ آپ نے زحمت کی تو مجھے بھی زحمت کرنا پڑے گی۔" بے حد جتاتا ہوا دھمکی آمیز لہجہ تھا۔ نائمہ جی جی کرتی رہ گئی۔ وہ کال کاٹ چکا تھا۔
"احمق' ڈفر' گدھی..... اسے میرے بارے میں سب بتا کر تم نے اسے بے وقوف بنانے کا پلان کر کے الٹا مجھے بے وقوف بنا دیا۔"
نائمہ کو بھی سمجھ آ یا تھا کہ شنائیہ نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہے۔
"بالکل نہیں یار!" وہ جھلائی۔
"پھر منٹوں میں میرے بارے میں اطلاع اسے خدائی فوجدار نے دے دی؟"
نائمہ بگڑی..... اسے اپنی قابل رحم حرکت یاد آ گئی۔
"میں تو خود بھول گئی تھی کہ سڑیل بھلے انگریزی لٹریچر میں ماسٹرز ہے مگر سوفٹ ویئر کا کیڑا بھی ہے۔ اکاؤنٹ سیل فون ہیک کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ابھی بھی تمہارے نمبر سے اس نے منٹوں میں تمہاری ساری انفارمیشن نکال لی۔" شنائیہ چودھری سر پیٹ کے رہ گئی کہ وہ کیوں کر بھول گئی تھی اس اینٹی وائرس کو۔
"یا اللہ! اتنا خطرناک انسان" نائمہ کو چکر آنے لگے۔ شنائیہ چودھری کو غشی کے دورے پڑنے لگے..... نائمہ کے حواس بحال ہوئے تو اسے ساری صورتحال پہ بے حد ہنسی آنے لگی۔ اس نے شنائیہ کی اڑی اڑی رنگت دیکھ کر بے ساختہ چھیڑ اتھا۔ "سانوں کی" کا اشتہار لگا کر' بہادر" نظر آنے کی لاکھ کوشش کر رہی تھی مگر دل ہی دل میں بے حد مضطرب تھی۔
"اب تیرا کیا ہوگا شنائیہ!" نائمہ زور سے ہنسی تھی اور شنائیہ کا جی چاہ رہا تھا کہیں ڈوب مرے۔

☆

صبح ہوتے ہی پورے گاؤں میں حویلی والوں پہ حملے کی خبر پھیل گئی تھی۔ سب ہی حویلی والوں کی بے حد عزت کرتے تھے۔ ان سے ہمدردی رکھتے تھے' حویلی والے اچھے برے وقت میں ہمیشہ گاؤں والوں کا ساتھ دیتے تھے' کھیتوں پہ کام کرنے والے محنت کشوں کو بہترین اجرت دیتے تھے' ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔
گجر کو وہ لوگ پسند نہیں کرتے تھے' وجہ اس کی بدمعاشی اور ناانصافیاں' من مانیاں تھیں۔
چودھری حشمت نے پنچائیت کے ارکان سے بات کی تھی اور انہوں نے پنچائیت بلانے کی بات کی تھی۔ چودھری جہانگیر نے پنجاب پولیس میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنا شروع کر دیا تھا' گجر اور اس کے بیٹے غائب تھے۔
چودھری حشمت جس اہم کام کے سلسلے میں شہر جا رہے تھے وہ تو نہیں ہو سکا تھا لیکن ان کی اپنے دوست سے فون پہ

Download From - PakDigestNovel

بات ہو چکی تھی اور انہوں نے چند ایک روز میں خود حویلی آنے کا عندیہ دے دیا تھا جس پہ چودھری حشمت مطمئن سے ہو گئے تھے۔ عیشال جہانگیر کا فیصلہ تو اپنے تئیں وہ کر کے مطمئن بیٹھے تھے انہیں خبر تھی اسے نیل کون ڈال سکتا ہے۔

"اف مما! میں بتا نہیں سکتی، یرانے کیا مقابلہ کیا یوں لگ رہا تھا اندھیری رات میں گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس میں کوئی انگلش فلم دیکھ رہے ہوں۔"

لاؤنج میں خواتین کی محفل جمی ہوئی تھی سب وہیں براجمان تھیں گزشتہ واقعہ زیر بحث تھا ایسے میں زرش نے آنکھوں دیکھا حال سنایا تھا۔

"تمہیں کس نے بتایا کہ انگلش فلموں میں ایسے ایکشن سین ہوتے ہیں..... تم نے دیکھے ہیں کیا؟" یمنیٰ نے چھیڑا۔

"سنا تو ہے..... ایسے ہی سین ہوتے ہیں انگلش فلموں میں۔" زرش نے اس شرارت پہ اسے بے ساختہ گھورا تھا۔ ایک آدھ بار تو ان سب نے چھپ کر ایک آدھ مووی دیکھی تھی لیکن یہ بات بڑوں کے علم میں نہیں تھی۔ الگ تھلگ بیٹھی عیشال جہانگیر بظاہر ان سب کا حصہ تھی مگر خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

"اماں میں کل حویلی میں قرآن خوانی کروانے کا سوچ رہی ہوں تاکہ آفات و بلیات دور ہوں ہماری حویلی سے۔" فریال نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"اچھا خیال ہے کروالو۔" زمرد بیگم نے سراہا۔

"اسفند نے جمعہ کو غریبوں کو کھانا کھلانے کا سوچا ہوا ہے انہوں نے بابا جان سے بات بھی کی ہے۔" فریال مزید کہہ رہی تھیں۔ زمرد بیگم کے ساتھ فائزہ بھی سر ہلانے لگیں۔

"اچھا اقدام ہے..... صدقے کے بکرے منگوائے تھے وہ آ گئے؟ آ جائیں تو حویلی کے مردوں کا ہاتھ لگوا کر سارے بکرے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دو۔"

زمرد بیگم نماز کے لیے اٹھنے لگی تھیں۔

"جی اماں میں دیکھ لوں گی۔" فائزہ نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی تو زمرد بیگم سر ہلاتی اٹھ گئیں۔

"لڑکیوں کل کی قرآن خوانی کے لیے تیاریاں کر لو۔ دریاں، چادریں دیکھ لو..... کم پڑے تو بتا دو اور منگوا لوں گی اور سپارے بھی دیکھ لینا یاد سے۔"

فریال نے تمام لڑکیوں پہ طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تھا سب نے تعاون کی یقین دہانی کے ساتھ سر ہلایا تھا۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگی تھیں۔ عیشال جہانگیر سستی سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ وہ سیڑھیوں پہ ہی تھی تب ہی اسے اپنے پیچھے قدموں کی تیز دھمک سنائی دی تھی۔ اس نے بے ساختہ نظر گھما کر دیکھا تھا تیز رفتاری سے سمہان آفندی اس کے پیچھے تھا۔

"کس بات کی جلدی ہے؟"

وہ اس کی ہر گھڑی عجلت والی فطرت پہ یوں بھی چڑ جاتی تھی۔ ہر گھڑی ادھر سے ادھر چھلاوا بنا گھومتا رہتا تھا مجال ہے جو ٹک کے حویلی میں بیٹھتا۔

"بینک سے پیسے نکلوانے ہیں اور چیک میرے روم میں پڑے ہیں دیر ہو گئی تو بینک بند ہو جائے گا۔"

اس نے جلدی کی وجہ گوش گزار کر کے تیزی سے نکلنا چاہا مگر نکل نا پایا کہ عیشال جہانگیر اس سے اوپر والی سیڑھیوں کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ اس نے بے چارگی بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس حویلی میں کتنے ہی مرد ہیں ایک تمہیں ہی کیوں عجلت ہوتی ہے ہر کام کی؟" وہ چڑ گئی..... سمہان آفندی اس

Download From - PakDigestNovel

کے بگڑے موڈ کو نا سمجھی سے دیکھنے لگا..... اسے وہ غصے میں لگ رہی تھی مگر وہ غصہ کس بات پہ تھی..... وہ یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"کسی اور کا غصہ ہے تو اسی پہ اتارو..... مجھ پہ کیوں اتار رہی ہو؟" اس نے احساس دلایا کہ وہ بلاوجہ اس کی کلاس لے رہی تھی۔

"جب راز دارانہ طور پر بلٹ پروف گاڑی کے مالک تھے تو یوں جان کی بازی لگانے کی کیا ضرورت تھی.....؟ خود کو ہیرو سمجھتے ہو؟" دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے وہ تیکھے چتونوں سے گھورتی "برس" رہی تھی۔ سمہان آفندی لب دبا کر بے ساختہ مسکرا دیا۔

تو یہ "وجہ" تھی غصہ کرنے کی۔

"سمجھنے کی کیا ضرورت ہے میں ہوں ہی ہیرو۔"

بے حد شرارت سے کہتے اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی طرف اشارہ کیا تھا۔ مسٹرڈ جیکٹ بلیک جینز میں وہ کچھ کم لگ بھی نہیں رہا تھا عیشال جہانگیر اسے گھور کے رہ گئی۔

"زیادہ اوور اسمارٹ نا بنا کرو آئی سمجھ..... اگر جو کچھ ہو جاتا تمہیں.....؟"

"تو.....؟" وہ شرارت سے اس کے غصیلے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عیشال جہانگیر اس کی شرارت کو دیکھتے لب بھینچ گئی۔

"اللہ کی بندی! اس وقت مجھے راستہ دو پرامس میں جلد لوٹ کر آؤں گا پھر تمہارا جب اور جہاں گھٹنوں مجھے گھورنے کا دل ہو بلا لینا میں حاضر ہو جاؤں گا لیکن ابھی مجھے جانے دو جلدی ہے۔" وہ اتنی بے چارگی سے دونوں ہاتھ اس کے آگے جوڑ کے بولا کہ عیشال جہانگیر اسے گھورتی گرل سے لگ کر راستہ دے گئی۔

"تھینکس مادام۔" سمہان آفندی تیزی سے دو سیڑھیاں پھلانگ گیا۔

"سمہان!" وہ بے ساختہ پکار بیٹھی۔

"جاتے ہوئے اپنا حصار باندھ کر جانا..... یہی کہنا تھا نا؟" اس کی پکار پہ وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا تھا اور وہ جو واقعی یہی کہنے والی تھی کہ گزشتہ واقعے کے بعد سے اب تک اسے ہول اٹھ رہے تھے کہ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو.....؟

"ویری فنی!" وہ لب بھینچ گئی تھی۔ سمہان آفندی مسکراتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

بہاریں ساری میں اوروں میں بانٹ دوں گی مگر
جو تجھ کو چھو کے چلیں وہ ہوائیں میری ہیں.....!

وہ اس کی پشت کو اس وقت تک تکتی رہی جب تک وہ نظر سے اوجھل نہیں ہو گیا تھا۔

☆

سنا ہے جان لیتے ہو سنو یہ جان دینی ہے!
سنا ہے مار دیتے ہو سنو میں مرنے آیا ہوں
سنا ہے روک دیتے ہو سنا ہے ٹوک دیتے ہو
بتاؤ کیا نہیں کرتا وہی میں کرنے آیا ہوں!!

اس نے جو کرنا تھا وہ کر تو لیا تھا اور اب جلے پیر کی بلی بنی ٹانگوں کو جب آزما چکی تو تھک کے بیٹھ گئی۔ کئی گھنٹے گزر گئے تھے لیکن شاہ زر شمعون نے ابھی تک "کچھ" نہیں کیا تھا یہاں تک کہ اس نے شنائیہ چودھری کو کال کر کے جلی کٹی بھی نہیں سنائی تھی کہ اسے "سکون" ہی مل جاتا۔

Download From - PakDigestNovel

"ہر بات منہ پہ مارنے والا چپ ہے تو کیوں.....؟ اس کے دماغ میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔" وہ سوچ سوچ کے تھک گئی تھی۔

گھر آ کر اس نے ماہم سے اپنی "پریشانی" شیئر کی تھی۔ پہلے تو ماہم نے سنجیدگی سے ساری کہانی سنی اور اختتام پہ اس کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"آپ کو کس نے کہا تھا آپی یہ حماقت کرنے کو۔" وہ دل کھول کر ہنس رہی تھی۔

"پاگل کتے نے کاٹ لیا تھا مجھے جو میں اس سڑیل کی زندگی میں رنگ بھرنے کا سوچ رہی تھی۔ مجھے لگا تھا جل کٹڑا تھوڑا سا مسکرانے لگے گا۔"

ماہم کی ہنسی سے وہ مزید دلبرداشتہ ہوگئی اور اب سوچ کر اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا کہ کہیں وہ چودھری بخت یاد یا سے شکایت نا لگا دے پھر تو اس کی کم بختی آ جانی تھی اور اگر چودھری حشمت کو بتا دیتا تو وہ تو شاید کالا پانی کی سزا سنا دیتے۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا مزید اس کی "خاموشی" نے اسے اتنا ڈرا دیا تھا کہ یونیورسٹی سے آ کر اس نے لنچ تک نہیں کیا تھا۔

"اس پل پل کے مرنے سے تو اچھا ہے بندی ایک وقت میں ہی مر جائے..... اس سڑیل نے عزت افزائی کے لیے فون نہیں کیا تو کیا ہوا میں خود ہی قصیدہ سن لوں۔ تاکہ اس جاں کنی سے تو جان چھوٹے..... آر یا پار..... تخت یا تختہ۔"

اس صورتحال سے بچنے کے لیے اس نے آیت الکرسی کا ورد کرتے شاہ زر شمعون کا نمبر ملا دیا۔

"پتا نہیں مغرور انسان کال ریسیو کرے گا بھی یا نہیں۔" وہ منہ بڑبڑائی۔

"جی ریسیو کر لیا ہے فرمائیں کیسے زحمت کی۔" کال ریسیو ہو چکی تھی اس کی بڑبڑاہٹ سن کر شاہ زر شمعون نے بے ساختہ جملہ پھینکا تھا۔ وہ ایسی ہی کسی کال کا "منتظر" تھا۔ اسے خبر تھی اس کی "حد" کہاں تک ہے۔ شنائیہ چودھری اس کا جملہ سن کر مزید بوکھلا گئی۔ جانے اس کے سامنے ہی وہ کیوں بے وقوفانہ حرکتیں کر جاتی تھی۔

"السلام علیکم! وہ شاہ..... دراصل میں نے "کلیئر" کرنے کے لیے کال کی تھی۔" وہ اٹک اٹک کر شروع ہوئی تھی۔

"والسلام علیکم! جی کریں کلیئر" دوسری طرف سے کلیئر پہ زور دے کر کہا گیا تھا۔ شنائیہ نے اپنے خشک ہوتے گلے کو تر کیا۔ اس کی حوصلہ افزائی نے مزید بوکھلا دیا۔

"وہ..... نائمہ نے مجھ سے شرط لگائی تھی کہ وہ آپ کو پٹ اپنے جال میں پھنسا کر دکھائے گی اور یہ کہ آپ کا مزاج اس لیے سخت ہے کہ آپ کی زندگی میں کوئی ہے نہیں..... میں نے تو بہت جھٹلایا کہ میرا کزن ایسا نہیں ہے وہ کبھی نہیں مانے گا مگر وہ مجھے چیلنج کر گئی کہ ایسا کر دکھائے گی تو مجھے آپ کا نمبر دینا پڑا....." شنائیہ چودھری بہت اچھی طرح سمرائز کر کے کہانی سنا گئی تھی۔ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر سارا قصور نائمہ کے کھاتے میں ڈال کر خود کو "معصوم" ٹھہرا گئی تھی۔

"اب یہ بتائیں آپ کی میں کیا مدد کروں فرضی کہانی مجھ کو سنانے کا شکریہ.....!"

شاہ زر شمعون نے طنزاً کہا تھا۔ شنائیہ چودھری کا سانس لینا دوبھر ہو گیا۔

"وہ..... وہ..... شاہ..... میں سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ جلدی سے منمنائی کہ وہ یقین اکر لے۔

"محترمہ! یہ معصومانہ کہانیاں میں سنتا ہوں نا مجھے ان پر رتی برابر یقین ہے..... ایک لمحے کو مان بھی لوں کہ آپ "سچ" فرما رہی ہیں تو میں سڑیل ہوں میری زندگی میں رنگ نہیں..... یہ ساری راز کی باتیں نائمہ کو الہام ہوئیں ہیں؟" وہ بے وقوف تو کبھی نہیں رہا تھا اب بھی پتے کا سوال کیا تو شنائیہ چودھری بری طرح سٹپٹا گئی۔

"محترمہ! آپ کیمسٹری پڑھ رہی ہیں وہی پڑھیں میری کیمسٹری کسی کے ساتھ بنانے کی آپ کو ضرورت نہیں۔" وہ

Download From - PakDigestNovel

روکھے لہجے میں گویا تھا۔
"ہونہہ! الجبرا' فزکس جیسا انسان کیمسٹری بنائے گا جسے سیب گرا کیوں گرا؟ کیسے گرا سوچنے سے فرصت نا ہو۔" وہ جلبلا گئی۔
"اور کیمسٹری میچ کرنے کا اتنا شوق ہو رہا ہے تو آپ آن لائن میرج بیورو کیوں نہیں کھول لیتیں' ہر گھڑی آن لائن رہنے کا کچھ تو ثواب کمائیں۔" اس کے طعنے اور تشنے جاری تھے۔ ہونٹ دبا کر شنائیہ چودھری الجھن کا شکار تھی۔
"میں آئندہ دھیان رکھوں گی..... آپ پلیز میری اس حرکت کا کسی سے ذکر نہیں کیجیے گا۔" وہ التجا کر گئی تھی۔
"کیا میں نے آپ کی پردہ پوشی کی ضمانت دی ہوئی ہے؟ ایسی حرکتیں کرتے ہوئے سوچنا چاہیے نا لیکن آپ جیسے فارغ الدماغ لوگوں کے پاس سوچنے کے لیے وقت ہو تب نا۔" وہ بھڑاس نکال رہا تھا۔
"اللہ حافظ۔"
"ایں....." بنا کچھ کہے' کوئی آس تھمائے اس نے کال کاٹ دی۔
"اس شخص کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے ہائے اللہ کیا کروں؟" وہ ایک بار پھر کمرے میں لیفٹ رائٹ کرنے لگی اور ایک سوچ کے آنے پہ رک گئی۔
"سمہان آفندی! ہاں اس سے بات کرتی ہوں' اس سے فیور مانگتی ہوں' وہی اس سڑیل کو منا سکتا ہے۔"
اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے تیزی سے سمہان آفندی کا نمبر ڈائل کیا تھا۔
"السلام علیکم! جی شنائیہ کہیے کیسے مزاج ہیں؟" سمہان آفندی بینک پہنچ گیا تھا' جب شنائیہ کی کال آئی' بینک میں تھوڑا رش تھا' سمہان آفندی اپنی باری کا انتظار کرتے کال پک کر گیا تھا۔
"سمہان! میں تھوڑی مشکل میں ہوں' پلیز ہیلپ می؟" سمہان آفندی اس کے لہجے کی پریشانی بھانپ کر چونک گیا۔
"سب ٹھیک تو ہے شنائیہ جی! چچا جان' چچی جان' ہاہم....." وہ متفکر ہوا..... دور رہنے والے عزیزوں کے لیے وہ چوکنا رہتا تھا۔
"اوہو..... سب ٹھیک ہے' سوائے میرے۔" وہ فوراً ہی اس کی بات کاٹ گئی تھی۔ سمہان آفندی کو چونکنا پڑا' ایسا کیا ہو گیا تھا کہ وہ پریشان ہو گئی تھی۔
"میں حاضر ہوں' کہیں کیا مسئلہ ہے؟"
وہ سنجیدگی سے دریافت کرنے کے ساتھ تعاون کی یقین دہانی کروا گیا تھا اور جب اس نے اس کی پریشانی کی "داستان" سنی تو بینک میں موجود لوگوں کا خیال نا ہوتا تو وہ کئی لمحوں تک تو قہقہہ لگاتا رہتا۔
"تم بھی ہنس رہے ہو..... ہنسو..... جب وہ سڑیل مجھے دیوار میں چنوا دینے کا فیصلہ لے آئے گا تب اور ہنسنا..... ابھی بھی اتنا روڈلی بات کر کے کال کاٹ دی....." وہ روہانسی ہو رہی تھی۔
ضبط کے باوجود بھی سمہان آفندی ہلکے سے قہقہے پہ قابو نا رکھ سکا تھا۔ جسے سن کر وہ رونکھی ہو گئی۔
"آپ کو کس حکیم نے مشورہ دیا تھا کنوئیں میں چھلانگ لگانے کو۔" اس نے لب دبا کر کہا۔
"نیم حکیم میں..... خود ہی تھی....." وہ آرام سے اعتراف کر گئی۔
"آپ ٹینشن نا لیں مجھے شاہ کا پتا ہے' وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا..... جتنا آپ ڈری ہوئی ہیں۔" وہ ہنسا۔
"میں کوئی نہیں ڈری ہوئی اس سے..... بس شکایت لگا کر میری شامت نا لے آئے۔"
شنائیہ چودھری نے "ڈر" کو جھٹلایا تو سمہان آفندی مسکرا دیا۔

Download From - PakDigestNovel

"بے فکر رہیں بروشکایت لگا کر شاہت لانے کا قائل نہیں' خود ہی سزا دیتا ہے۔" اس نے سمجھایا۔
"تم مجھے "ڈرانے" کی کوشش تو نہیں کر رہے ہو ناں کہ وہ مجھ سے جنگ پلان کر رہا ہے۔" شنائیہ چودھری چونک گئی۔
"توبہ توبہ کتنا منفی سوچتی ہیں آپ' بروایسا نہیں ہے کہ اپنوں سے جنگ پلان کرے..... وہ اپنوں کے لیے جان دے دیتا ہے۔"
"تم بڑے حمایتی ہو اس کے..... اتنی محبت سے کسی اور کا ذکر کرتے تو شاید یقین آ جاتا۔"
سمہان آفندی سے بات کر کے شنائیہ چودھری کو کسی قدر سکون ملا تھا۔ "مسئلہ" اس کے علم میں لانے کے بعد وہ کچھ بے فکری ہو گئی تھی کہ اگر شاہ کچھ کرتا بھی تو سمہان اسے سنبھال لے گا۔
"شنائیہ جی میں بینک میں ہوں' فری ہو کر پھر بات کرتا ہوں۔" اس کا نمبر آ گیا تھا آگے بڑھتے اس نے اطلاع دی تو اس نے بھی اس کی مصروفیت کا خیال کرتے کال بند کر دی۔

☆

تیز میوزک کا شور' تھرکتے قدم' شور ہنگامہ کچھ بھی ایشان جاہ کو اٹریکٹ نہیں کر پا رہا تھا' جب کہ اس کا گروپ ہمیشہ کی طرح انجوائے کر رہا تھا۔
یہ نائٹ کلب کا منظر تھا' جہاں امراء کی اولادیں لائف انجوائے کرنے کے نام پہ حرام حلال کی تمیز بھلائے محو رقص تھیں۔
وہ سب بھی اکثر یہاں آ کر انجوائے کرتے تھے۔ صبح سے ایشان جاہ کا موڈ آف تھا جس کے باعث سب نے یہاں کا پلان کیا تھا۔ تاکہ اس کا موڈ چینج ہو سکے' پر ناکام رہے تھے۔ ایشان جاہ بے زاری سے کونے میں کھڑا تھا۔
"تم انجوائے کیوں نہیں کر رہے؟" انشراح جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس لوک پلک سنوارے اسے ڈھونڈتی آ گئی تھی۔
"بس دل نہیں چاہ رہا تھا۔" وہ بے زار تھا۔
"کم آن ایشان تمہارا موڈ ٹھیک کرنے کو ہی تو ہم سب یہاں آئے تھے۔ لعنت بھیجو..... فرسٹ اور سیکنڈ پہ..... تم نے تو دل سے ہی لگا لیا ہے۔"
انشراح کے اشارہ کرنے پہ وہ تینوں بھی ڈانسنگ فلور چھوڑ کر آ گئے تھے۔ سعید کے سمجھانے پہ ایشان جاہ کے لب بھنچ گئے۔ حقیقتاً اسی باعث صبح سے اس کا موڈ خراب تھا کہ کوئی اور فرسٹ پہ تھی اور وہ سیکنڈ ہو گیا۔ ہمیشہ خود کو ٹاپ آف دا لسٹ دیکھنے والے ایشان جاہ سے پہلی بار یہ ناکامی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔
"تم سب انجوائے کرو یار..... میں گھر جا رہا ہوں۔"
وہ جیکٹ اٹھا کر کندھے پہ ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا تو سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے..... کہ جب وہ جانے کا فیصلہ کر چکا تھا تو اسے روکنا بے کار تھا کہ وہ روکے سے رکنے والا نہیں تھا۔
"تم رکو گی یا چل رہی ہو۔" وہ انشراح سے دریافت کرنے لگا کہ وہ گاڑی لے کر نہیں آئی تھی ایشان نے ہی اسے پک کیا تھا۔
"میں بھی چل رہی ہوں' صہبا آنٹی سے بھی ملنا تھا مجھے۔" انشراح بھی تیار ہو گئی تو' وہ ان تینوں کو ہائے کرتا باہر نکل گیا۔
"ختم کرو نا ایشان یہ کوئی اتنا بڑا معاملہ تو نہیں ہے کیوں بلاوجہ اسٹریس لے رہے ہو؟" وہ پارکنگ سے گاڑی نکال کر لے آیا تھا تب تک انشراح اردگرد کا جائزہ لینے لگی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی ایشان جاہ نے گاڑی خاموشی سے گھر جانے والے راستے پہ ڈال دی تو انشراح کو اس کی سنجیدگی توڑنے کے لیے بولنا ہی پڑا۔

Download From - PakDigestNovel

"تم سب کہہ رہے ہو ختم کرو..... مجھے کوئی ماورا یحییٰ شکست دے کر چلی گئی اور تم سب....." وہ درشتی سے کہہ کر چپ رہ گیا' انشراح بھی اس کے غصے پہ کچھ نا بول سکی۔

"تم سب کے لیے یہ اتنی بڑی بات نہیں ہوگی لیکن میرے لیے ہے۔ کون پیدا ہو گیا ایسا جو ایشان جاہ کو پیچھے چھوڑ گیا؟" وہ سلگ رہا تھا۔

"اگر ابھی ماورا یحییٰ میرے سامنے آ جائے تو میں پوری شدت سے اپنی گاڑی اس پر سے گزار دوں' اتنا غصہ ہے مجھے اس ان دیکھی لڑکی پہ....." وہ دل کی بھڑاس نکال رہا تھا' انشراح نے چپ رہنے میں ہی عافیت جانی کہ کہیں وہ مزید نا بھڑک جائے..... اچھا تھا بول کر غصہ نکال لیتا' ورنہ جانے کتنے دن تک اس کا موڈ آف رہتا۔

گاڑی بنگلے کے احاطے میں رکی تو اس کے ساتھ انشراح بھی نکل آئی۔ سامنے ہی ماڈرن سی صہبا نزاکت سے بیٹھی تھیں۔

ارے' تم لوگ بڑی جلدی آ گئے..... چلو اچھا ہے..... ڈنر ساتھ کر لیں گے۔"

"مام! مجھے بھوک نہیں ہے..... پلیز کسی کو ڈنر پہ بلانے کے لیے نا بھیجیے گا' میں سونے جا رہا ہوں۔"

ایشان جاہ کہتا ہوا چلا گیا تھا۔ صہبا نے بالوں کو انگلیوں سے پیچھے کرتے حیرانی سے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

"اسے کیا ہوا' موڈ کیوں آف ہے؟" صہبا حیرانی سے انشراح سے دریافت کر رہی تھیں۔

"ٹیسٹ میں سیکنڈ آیا ہے' تب سے موڈ آف ہے۔" انشراح نے گوش گزار کیا۔

"اوہو..... اچھا..... فرسٹ پہ کون ہے؟" صہبا کو بھی حیرانگی ہوئی۔

"کوئی ماورا یحییٰ ہے..... جانے کون ہے' کیسی ہے؟ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے' کلاس میں جب ساتھ ہوگی تو کہیں ایشان اسے دیکھ کر کچھ کر نا بیٹھے۔"

انشراح کو بھی سے تشویش ہو رہی تھی کہ وہ بہت اچھی طرح ایشان جاہ کی فطرت سے آگاہ تھی۔ وہ دشمن کو سبق سکھائے بغیر چین سے بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھا۔

"عجیب لڑکا ہے' اتنا انا کا مسئلہ تھا تو پہلے کہتا' جہانگیر اثر و رسوخ استعمال کر کے اس لڑکی کو ہی لسٹ سے نکال دیتے' بٹ ڈونٹ وری..... ایشان کو اس لڑکی سے زیادہ تکلیف ہوئی تو اس کا ایڈمیشن ہی کینسل کروا دوں گی..... جہانگیر کب ایشان کو پریشان دیکھ سکتے ہیں۔ انہیں ابھی بھی خبر ہوئی تو کچھ بعید نہیں وہ ابھی فوراً کوئی ایکشن لے لیں۔"

صہبا فخریہ انداز سے گویا تھیں پھر زمین بھی آ گئی تھی' موضوع بدل گیا۔

ڈنر سے فارغ ہو کر انشراح نے اپنے ڈرائیور کو کال کر کے بلا لیا تھا۔

☆

"اف کیا بتاؤں کہ کیسا روتا بسورتا چہرہ تھا ایشان جاہ کا..... اور اس کا پورا گروپ حالت سوگ میں تھا جیسے....."

ماورا یحییٰ دبی آواز میں انوشا سے ڈسکس کر رہی تھی۔ دونوں رات کا کھانا کھانے کے بعد اب کچن سمیٹ رہی تھیں۔ منزہ اپنے کمرے میں تھیں۔ انہیں تھوڑی سستی بھی ہو رہی تھی' کھانا بھی انہوں نے برائے نام کھایا تھا' انوشا نے انہیں دودھ کے ساتھ دوا دے دی تھی۔ خوراک کی کمی کسی صورت تو پوری کرنی تھی۔

لیب سے ٹیسٹ کروانے کے بعد وہ گھر آ گئی تھیں' رپورٹ چند روز بعد ملنا تھی۔ دونوں کو منزہ کے سامنے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا' دونوں ان کے لیے بھی فکر مند تھیں' منزہ نے جلدی سے کچن سمیٹ کر سونے کو کہا تھا دونوں کچن میں لگ گئیں' یہ سن کر کہ ایشان جاہ کا گروپ بھی موجود تھا' انوشا کو مزا آیا تھا' ساتھ ہی ڈر بھی محسوس ہوا۔

"مجھے تو ڈر لگ رہا ہے ماورا..... جیسا تم اس کا حلیہ اور مزاج بتا رہی ہو' وہ بگڑا رئیس زادہ لگ رہا ہے' تمہیں ساتھ پڑھنا

Download From - PakDigestNovel

ہے اس کے دیکھ لو..... کہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نا پہنچائے..... تم سے بیر نا باندھ لے۔" انوشا کو جہاں بہن کی برتری پہ خوشی ہوئی وہیں تشویش نے بھی آلیا..... منزہ ناسن لیں اس خیال سے دنوں دبی آواز میں گفتگو کررہی تھیں۔

"تم ناحق ایسا سوچ رہی ہو میں نے کون سا اس کی کوئی بھینس چرالی ہے..... میں نے تو اپنا ٹیسٹ دیا اور اس کے مارکس لیے..... مقابلہ بازی تو ان سب نے کی۔" ماورا ایجی کی بات بھی بجا تھی۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو لیکن پھر بھی دھیان سے رہنا۔" انوشا نے بہن ہونے کے ناتے فکرمندی سے کہا تو وہ سر ہلانے لگی۔

"اماں آواز دے رہی ہیں شاید۔"

ماورا نے کان کمرے کی جانب لگائے تھے۔ دھیان دینے پہ انہیں منزہ کی پھنچی پھنچی آواز سنائی دی تھی۔

"کیا ہوا اماں؟" دونوں بھاگی بھاگی کمرے تک گئی تھیں لیکن منزہ کو درد سے کراہتے دیکھ کر دونوں پریشان ہوگئیں۔

"کہاں درد ہو رہا ہے اماں!" انوشا تشویش میں مبتلا تھی۔

منزہ جیسے حواسوں میں نہیں تھیں۔ انہیں بری طرح چکر آرہے تھے۔ ماورا ایجی نے سیل فون اٹھا کر شاہد صاحب کو کال کی تھی مگر انہوں نے بتایا کہ وہ گھر پہ نہیں ہیں..... شہر سے باہر ہیں منزہ کی طبیعت کا سن کر انہوں نے اپنے بیٹے کو کال کرنے کو کہا تھا مگر انہوں نے معذرت کرلی تھی جس کے باعث ماورا ایجی نے کال بند کرکے ایمبولینس کو کال کرکے بلوالیا تھا۔

منزہ جیسے ہوش وخرد سے بیگانہ ہو رہی تھیں۔

ابھی ٹیسٹ کی رپورٹس بھی نہیں آئی تھیں کہ ان کی طبیعت مزید خراب ہونے لگی تھی، شکر تھا کہ رات زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ دونوں انہیں ہاسپٹل لے آئی تھیں۔

جہاں چیک اپ کے بعد ایمرجنسی میں ٹریٹمنٹ ہو رہا تھا جس میں انہیں دو گھنٹے لگ گئے تھے۔

منزہ اب قدرے حواسوں میں تھیں، ڈاکٹر نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی تھی کہ وہ کسی صورت دو جوان بیٹیوں کے ساتھ ہاسپٹل میں ایڈمٹ نہیں ہوسکتی تھیں۔

انہیں بٹھا کر ماورا پے منٹ کرنے چلی گئی تھی مگر شاید اس کے پاس پیسے کم پڑ گئے تھے تب ہی اس نے اشارے سے انوشا کو بلایا تھا، انوشا نے بھی احتیاطاً پیسے رکھ لیے تھے جواب یقیناً کام آرہے تھے۔ منزہ بے دم سی سر دیوار سے ٹکائے بیٹھی تھیں۔

"سلام ڈاکٹر صاحب!"

کوئی ڈاکٹر داخل ہوا تھا، تب ہی اسٹاف الرٹ ہوگیا تھا، منزہ نے بھی نظر اٹھا کر دیکھا تھا، چودھری بخت اپنی نائٹ ڈیوٹی جوائن کرنے آئے تھے، انہیں دیکھ کر منزہ کے چہرے کا رنگ جتنی تیزی سے متغیر ہوا اتنی ہی تیزی سے انہوں نے چہرے پہ دوپٹے کا نقاب کرکے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔ اردگرد پہ نظر ڈالتے چودھری بخت ان کے پاس سے گزر کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

منزہ کی سانس تیز چلنے لگی تھی، نقاب ان کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔ آج شاید منزہ کے امتحان کا دن تھا۔

Download From - PakDigestNovel



قسط نمبر 5

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شاہ زر شمعون مسلسل گولیوں کی آوازیں سنتا سمہان آفندی کو پکارتا ہے مگر دوسری طرف سے صرف گولیوں کی آوازیں آتی ہیں جس پر شاہ زر شمعون پریشان ہو کر چودھری بخت کو تمام صورت حال سے آگاہ کرتا واپس جانے کی بات کرتا ہے۔ چودھری بخت کے لیے بھی یہ پریشانی کی بات ہوتی ہے لیکن اس وقت وہ حویلی جانے سے قاصر ہوتے ہیں جب ہی فوراً شاہ زر شمعون کو بائے ایئر بھیجنے کی تیاری کرتے ہیں۔ عیشال جہانگیر چھت سے سمہان آفندی کی گاڑی کو نظروں سے اوجھل ہوتا دیکھ رہی ہوتی ہے کہ اچانک اس کی گاڑی پر حملہ ہوتا دیکھ کر وہ پریشانی سے نیچے پہنچ کر سب کو آگاہ کرتی ہے اس کی زبانی ساری صورت حال جان کر حویلی کی خواتین پریشان ہو جاتی ہیں۔ گبر کو جیسے ہی خبر ملی تھی کہ چودھری حشمت کسی کام سے جا رہے ہیں اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ان کی گاڑی پر حملہ کر دیا تھا اور یہ بات سمہان سمجھ گیا تھا بڑی ہوشیاری سے وہ دشمن کو شکست دیتا حویلی آ جاتا ہے تب شاہ زر شمعون اس سے فون پر رابطہ کرتا اس کی خیریت دریافت کرتا ہے۔ منزہ کی اچانک طبیعت خراب ہو جاتی ہے جس پر ماورا اور انوشا پریشان ہوتی منزہ کو سنبھالنے کی کوشش کرتی ہیں منزہ اپنی طبیعت سنبھالنے کی سعی کرتی دونوں کو مطمئن کر دیتی ہیں لیکن دن چڑھنے پر وہ منزہ کو اسپتال لے جاتی ہیں۔ عیشال جہانگیر سمہان سے محبت کرتی ہے لیکن اس بات کا اظہار وہ کبھی نہیں کرتی بچپن کی لڑائی میں ایک بار اس نے یہ بات سب کے سامنے کی تھی جس پر سب نے اس کا مذاق بنایا تھا لیکن جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی وہ سمہان کو دل میں جگہ دے گئی تھی اسے اپنے سامنے دیکھ کر عیشال سکون کا سانس لیتی ہے۔ شنائیہ اپنی دوست نائمہ کو شاہ زر شمعون کے حوالے سے بتاتی اس کی خوبیوں کا بھی ذکر کر جاتی ہے جس پر نائمہ اس سے متاثر ہو جاتی ہے شنائیہ اسے سرپرائز اور جانے کیا کچھ کہتی نائمہ کے تاثرات شاہ زر شمعون کی طرف سے زائل کرنے کی کوشش کرتی شرط لگا جاتی ہے کہ اگر جو وہ شاہ زر شمعون کو اپنی طرف متوجہ کر لے تو وہ اس کی گرویدہ ہو جائے گی تب نائمہ جوش میں آ کر شاہ زر شمعون کو کال کرتی اس سے بات کرتی ہے لیکن دوسرے ہی لمحے شاہ زر شمعون نائمہ کی تمام لوکیشن کے ساتھ اس کے مگیتر کی بھی بات کرتا اسے ششدر کر جاتا ہے نائمہ فوراً خوفزدہ ہوتی شنائیہ کا نام لے جاتی ہے۔ منزہ کو بینچ پر بٹھا کر ماورا اور انوشا دوا لینے چلی جاتی ہیں تب منزہ کی نظر ڈاکٹر بخت پر پڑ جاتی ہے اور وہ اپنا چہرہ چادر میں چھپانے کے ساتھ رخ بھی موڑ جاتی ہے ایسے میں اسے ایک شخص پہچان لیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

آج شاید منزہ کے امتحان کا دن تھا۔ چودھری بخت تو چلے گئے تھے مگر اک دوسرا شخص ان کے سامنے اچانک آ کھڑا ہوا تھا۔ ہونٹوں پہ مکروہ ہنسی لیے ہوئے۔ شاطر نگاہیں منزہ پہ گڑی ہوئی تھیں۔ منزہ کی نظر میں زمین آسمان گھوم گئے تھے۔ جس صورت کے بھی نظر نا آنے کی انہوں نے دن رات دعائیں مانگی تھیں آج وہی مکروہ چہرہ ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے اس گھناؤنے انسان کی نظروں سے خود کو کہیں غائب کر دیں۔ وہ فاتحانہ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

پچاس، پچپن کے لگ بھگ، میلے کپڑوں، بڑی ڈاڑھی اور چہرے پہ وہی عیاری و مکاری لیے الوؤں جیسی شاطرانہ نگاہوں سے انہیں دیکھ کر پہلے دانتوں کی نمائش کر رہا تھا۔ منزہ نے چور نظروں سے ماورا اور انوشا کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں کاؤنٹر کی طرف مصروف تھیں، صد شکر کہ ان کی نظر منزہ کی طرف نہیں تھی، ان دونوں نے اس شخص کو نہیں دیکھا تھا لیکن وہ دونوں کسی بھی لمحے آ سکتی تھیں۔ اس شخص کی بابت استفسار کر سکتی تھیں اور وہ یہی نہیں چاہتی تھیں۔

"یہ انوشا اور ماورا ہیں ناں؟" ان کی نظروں کا تعاقب کر کے اس شخص نے مکاری سے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

اپنی بیٹیوں کا نام اس وحشی انسان کے منہ سے سن کر منزہ کے نڈھال وجود میں بلا کا ابال اٹھا۔ جی چاہا آگے بڑھ کر اس خبیث انسان کا منہ ہی نوچ لیں، لیکن قدرت کو بھی شاید ان پہ رحم آ گیا تھا۔ تب ہی ہسپتال میں ایکسیڈنٹ کا کوئی ایمرجنسی کیس آ گیا، اچانک سے شور اور رش بڑھا تو اس بھیڑ کا فائدہ اٹھا کر منزہ تیزی سے ماورا اور انوشا کی طرف لپکیں تاکہ انہیں لے کر باہر نکل سکیں۔ منزہ کو تیزی سے قریب آتے دیکھ کر دونوں نے جلدی سے انہیں تھام لیا۔

"اماں آرام سے گر جائیں گی۔"

"جلدی گھر چلو، میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں۔" منزہ کے چہرے پہ درج پریشانی اور جلدی گھر چلنے کی رٹ نے ان کے قدموں میں بھی بجلی بھر دی۔

"اماں..... طبیعت تو ٹھیک ہے، آپ پریشان کیوں نظر آ رہی ہیں؟" انوشا کو تشویش ہونے لگی لیکن اسے جواب دینے کی بجائے منزہ نے قریب سے گزرتے رکشہ کو ہاتھ کا اشارہ دے کر روک لیا۔ رکشہ میں بیٹھتے ہی منزہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ بدبخت ان کے پیچھے آ رہا تھا۔ چال متوازن نہیں تھی، جس کے باعث وہ کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ منزہ کو رکشہ میں بیٹھتے دیکھ کر اس نے بھی ایک رکشہ کو اشارہ کیا۔ منزہ کا دل حلق میں آ گیا۔ پسینے چھوٹنے لگے۔

"بھائی تیز چلاؤ، جلدی نکلو یہاں سے۔" منزہ نے ڈرائیور کو ہدایت کی۔

"اماں کیا ہوا ہے، کس سے خوف زدہ ہو رہی ہیں؟" ماورا کو ان کے انداز پہ حیرانی ہو رہی تھی۔ انوشا بھی حیرانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میں کیوں پریشان ہونے لگی، خوف زدہ کہاں ہوں، بس گھر جانا ہے جلدی۔" منزہ وزدیدہ نظروں سے پیچھے دیکھتی انہیں مطمئن کر کے لاپروا نظر آنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ دونوں مطمئن ہوئی تھیں یا نہیں لیکن وہ سارا راستہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتی رہی تھیں کہ کوئی رکشہ ان کا پیچھا تو نہیں کر رہا، گھر آ کر بھی تیز رفتاری سے تالا کھول کر انہوں نے دونوں بیٹیوں کو گھر میں داخل کر کے ایک بار پھر دروازے سے سر نکال کر گلی میں جھانک کر اچھی طرح جائزہ لیا تھا، کسی کے نظر نا آنے پہ دروازہ بند کر کے وہ لمبی سانس لینے لگیں جیسے طویل مسافت سے لوٹی ہوں۔ ان کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ یہ شخص یہاں کیسے اور کیوں آ گیا؟ ان کا سکون درہم برہم ہو چکا تھا۔

❁.....☆.....❁

"ویرے....." شاہ زر شمعون کھیتوں میں کھڑا فصلوں کی کٹائی کروا رہا تھا، کھیتوں میں کام کرنے والے محنت کش ہاتھ چھاؤں کی پروا کیے بغیر کام کر رہے تھے۔ اس کا ذہن سابقہ واقعے پہ الجھا ہوا تھا۔

خواہش تو یہ تھی مگر جو اس کے ڈیرے پہ چھلنی کر آئے مگر چودھری جہانگیر اپنے طور پر گھر پہ گرفت سخت کر چکے تھے تو چودھری حشمت نے پنچایت کا در کھٹکھٹایا تھا۔ شاہ زر شمعون اور سمہان آفندی کو پنچایت سے بڑوں کی تنبیہ تھی کہ وہ کوئی بھی اقدام جذبات میں آ کر نا اٹھائیں۔ سو ان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ سمہان آفندی تو چپ کر گیا تھا کہ وہ وقت پہ کام نکلوانے کا قائل تھا۔ بڑوں کا حکم ہوتا تو وہ گھر کے ڈیرے کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا لیکن منع کرنے کی صورت میں وہ اس بات کو شاہ زر شمعون کی طرح سوچ سوچ کر کڑھنے کا قائل نہیں تھا، شاہ زر شمعون بس اجازت ملنے کی دعا کر رہا تھا۔ اس بات کو بھی وہ کھیتوں میں کام کروا رہا تھا جب کسی نے پیچھے سے پکارا، آواز نسوانی تھی، تب ہی حیرت کے ساتھ اس نے اس بات کو دیکھا۔

"ویرے..... مجھے انصاف چاہیے۔" میں، بائیس سالہ لڑکی نے اپنا آنچل اس کے پیروں پہ رکھ دیا۔

"یہ کیا کر رہی ہو، سر پہ لو آنچل۔" وہ بے ساختہ ناگواری کا اظہار کر گیا۔ لڑکی نے روتے ہوئے جلدی سے دوپٹا سر کے ساتھ جسم پہ پھیلا لیا۔

"کیا بات ہے، کیوں اپنے سر پہ سجا آنچل کو میرے قدموں میں رکھ رہی ہو؟" شاہ زر شمعون اسے پہچان گیا تھا، وہ ان کے گاؤں کی تھی۔

"جب عزت آبرو نا بچی تو سر پہ آنچل سجا کر کیا کروں، ویرے۔" لڑکی بری طرح رو دی۔ شاہ زر شمعون ایک پل کو ساکت رہ گیا۔

"پوری بات بتاؤ، کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟" اسے احساس ہو رہا تھا مسئلہ گمبھیر ہے اور انصاف نا ملنے پہ وہ لڑکی اس تک آئی تھی۔

"میں نور یہ ہوں، ویرے بہت آس لے کر آپ تک آئی ہوں کہ آپ مجھے انصاف دلوائیں گے۔ میرا بھائی گھر کے کام کاج کرتا تھا، آدمی کی بہن سے محبت کرتا تھا، وہ لڑکی بھی محبت کرتی تھی۔ ایک ہفتہ پہلے میرا بھائی اور وہ لڑکی بھاگ گئے۔ گھر کے کچھ آدمیوں نے ہمارے گھر آ کر بہت ہنگامہ کیا اور مجھے اٹھا کر لے گئے، تین دن تک میں ان درندوں کی قید میں رہی اور جب وہ لوگ آپ لوگوں کے خوف سے بھاگے ہوئے ہیں تو مجھے بھی نکلنے کا موقع مل گیا۔ میری ماں، بھائی نے کوئی غلط کام نہیں کیا کیونکہ ان کی نظر میں عزت اتار کے لے لیا گیا لیکن مجھے چین نہیں آ رہا، ویرے میرے ساتھ کیے کی سزا مجھے کیوں ملی؟ سب مجھے چپ رہنے کو کہہ رہے ہیں، ویرے لیکن میرے اندر آگ لگی ہوئی ہے، انصاف دلاؤ، ورنہ میں گاؤں کے پیپل بیچ خود کو آگ لگا لوں گی۔ مر تو اب بھی گئی ہوں ویرے، لیکن گھر اور اس کے آگے بڑھ رہے تو میں خود کو بھی آگ لگا دوں گی۔" نور یہ بات کرتے ہوئے زار و قطار روتی رہی تھی، شاہ زر شمعون نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ہاتھوں کی رگیں تن گئی تھیں اتنا ظلم، اتنی بربریت ان کے علاقے میں، ایسے کتنے ہی قصے آئے دن ان کے گاؤں سے سننے کو ملتے تھے۔

"گھر جاؤ اور بھول جاؤ اس واقعے کو ایک بھیانک خواب کی طرح۔" نظریں جھکا کر وہ اتنا ہی کہہ سکا، اس کا دکھ

اس کا دردبانٹنے کے لیے اس کے پاس لفظ نہیں تھے۔

"ویرے وہ گجر؟" نوریہ کو جیسے افسوس ہوا وہ بہت آس لے کر اس کے پاس آئی تھی لیکن وہ اسے گھر جانے اور سب بھولنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ کیا یہ سب اتنا آسان تھا؟ اس کی آس ٹوٹنے لگی تھی۔

"گجر کی موت یقینی ہے تم جلدی اس کی موت کی خبر سنو گی وعدہ ہے شاہ زر شمعون کا تم سے۔" وہ بولا تو اس کے لہجے میں شیر کی دھاڑ تھی۔ سارا خون چہرے پہ سمٹ آیا تھا۔ نوریہ کی برستی آنکھوں میں ملال کا رنگ پھیکا پڑنے لگا تھا۔ وہ بے حد ممنون ہو کر دعائیں دے رہی تھی۔

"رب العزت تمہارے نصیب کی خوشیاں جلد دکھائے گا ان شاء اللہ دھیان سے گھر جاؤ اور آئندہ خودکشی کا خیال بھی دل میں نالانا خودکشی بزدل لوگ کرتے ہیں اور تم ہا ہمت لڑکی ہو اب گھر جاؤ۔" نوریہ اپنا سارا درد اسے منتقل کر کے چلی گئی اور اس کے اندر بھانبھڑ جل رہے تھے۔ گجر کو تو پہلے ہی جہنم واصل کرنے کے متعلق سوچ رہا تھا لیکن اب جتنی دیر ہوتی اس کا نشہ خون اتنا ہی بلند ہوتا لیکن بڑوں اور خصوصاً داجان کی تنبیہ نے اسے خون کے گھونٹ پینے پہ مجبور کر دیا تھا۔ وہ جلد سے جلد داجان سے نوریہ کی آپ بیتی شیئر کر کے گجر کا کوئی فیصلہ چاہ رہا تھا۔

❁.....☆.....❁

رات منزہ کی اچانک طبیعت خرابی پھر ہاسپٹل کی ٹینشن میں وہ بالکل ہی فراموش کر گئی تھی کہ صبح اس کا یونیورسٹی میں پہلا دن ہے۔ ہاسپٹل سے تو جلدی واپسی ہو گئی تھی لیکن منزہ کا خوف زدہ روپ دیکھ کر انہیں کسی قدر حیرانی ہو رہی تھی، اس پر ان کے جسم پہ جگہ جگہ ابھرے نیل کے نشان انہیں مزید متفکر کر گئے تھے۔ یہ نشانات پچھلے کچھ دنوں سے ایک آدھ جگہ دیکھ کر منزہ نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا لیکن اب ان نیلوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔ ڈاکٹر بھی رپورٹس آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

منزہ کی گری گری صحت جہاں دونوں کو متفکر کر رہی تھی وہیں منزہ کا خوف زدہ روپ بھی سمجھ سے باہر تھا۔ شاید وہ بیماری کے خوف میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ دونوں کو یہی لگ رہا تھا گرمیوں کے دن شروع ہو گئے تھے تو لوڈ شیڈنگ بھی شروع ہو گئی تھی۔ ساری رات پسینے سے تر ہوتے گزر گئی تھی کہ کیلی عورتیں ہوا کے گزر کے لیے دروازہ کھڑکی کھول کر بے فکری سے سو بھی نہیں سکتی تھیں۔ فجر کے وقت کہیں جا کر لائٹ آئی دو گھڑی کو آنکھ لگی تو انوشا نے اسے جگا کر یاد دلایا کہ آج یونیورسٹی کا پہلا دن ہے۔ گو کہ یونیورسٹی کا پہلا دن جان کر آنکھیں چوپٹ کھل گئی تھیں لیکن ابھی جانے میں کافی ٹائم تھا پھر نیند بھی پوری نہیں ہوئی تھی اس خیال سے پھر آنکھیں موند گئی۔ آنکھ اس وقت کھلی جب انوشا اسے ہلا جگا کر تھک گئی آخر میں منزہ کی آواز ہی اسے جگانے کا محرک بنی تھی۔

"سات بج گئے ہیں اور تم ابھی تک سو رہی ہو۔ پہلے ہی دن لیٹ ہو جاؤ گی۔" سات بجنے کا سن کر وہ جلدی سے چادر پھینک کر اٹھ بیٹھی۔ جلدی جلدی تیار ہونے اور ناشتہ کرنے میں بھی اسے دیر ہو گئی تھی۔

"اللہ حافظ اماں۔" آگے پیچھے دونوں دروازہ عبور کر گئی تھیں۔

"دھیان سے جانا اللہ کی حفاظت میں۔" منزہ دروازے تک انہیں چھوڑنے آئیں۔ دونوں جب تک گلی میں نظر آتی رہیں منزہ دروازہ وا کیے ان کی پشت کو تکتی رہیں۔ دونوں پیچھے مڑ کر ان کی طرف ہاتھ ہلا کر گلی سے مڑ گئیں تو دروازہ بند کر کے منزہ اندر چلی گئیں۔

"تم جلدی نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ پہلا دن ہے اور میں لیٹ ہو جاؤں گی۔ پبلک ٹرانسپورٹ کا تو اللہ حافظ ہے۔ اب کرے بس جلدی سے آ جائے۔" پرس کندھے پہ لٹکائے فائل سینے سے چپکائے صبح کی تیز چمکیلی روشنی میں دونوں لڑکی سے قدم بڑھا رہی تھیں۔

"خود پڑی سو رہی تھیں اور سارا ملبہ مجھ پہ خیر ہے پہنچ جاؤ گی وقت پہ پریشان نا ہو میرا اسکول تو آ گیا میں چلی تم یہاں سے جانا اور یونیورسٹی پہنچ کر مجھے ٹیکسٹ کر دینا۔" انوشا جلدی جلدی بولتی روڈ کراس کرنے لگی سامنے پرائیویٹ اسکول کا بڑا سا بورڈ نظر آ رہا تھا۔

"کروں گی اللہ حافظ۔" اور اسنے بھی اپنی مطلوبہ بس کی جانب قدم بڑھائے۔

❁.....☆.....❁

عیشال جہانگیر کا کالج جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے طبیعت خرابی کا بہانہ کر کے جان چھڑالی تھی۔ ناشتے کی میز پہ سب کالج یونیورسٹی کے لیے تیار اور عیشال جہانگیر معمول کے حلیے میں دیکھ کر چودھری حشمت نے آنکھوں کو سکیڑا تھا لیکن ان کی طرف سے کوئی سوال نہیں ہوا تھا۔

عیشال جہانگیر نے شکر ادا کیا کہ جواب طلبی سے بچ گئی تھی لیکن سہمان آفندی مزید متفکر ہوا تھا کہ چودھری حشمت کی خاموشی اسے کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔

"عیشال..... تم کالج کے لیے تیار نہیں ہوئیں بچے؟" ڈرائیور کے ہارن دینے پہ لڑکیاں افراتفری سے ناشتا جلدی جلدی پورا کر کے اٹھنے لگیں تو اس کے پُرسکون انداز کو دیکھتے چودھری اسفند نے استفسار کیا۔

"چاچا جان میری طبیعت رات بھر ٹھیک نہیں رہی سر میں بہت درد رہا سر ابھی بھی بھاری ہو رہا ہے اور گلا تو بس بے حد ہی آواز بھی مشکل سے نکل رہی ہے۔" اس نے آواز میں نقاہت پیدا کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ بولنے کے دوران جھوٹی کھانسی کھانسنے لگی۔ چودھری حشمت نے کچھ نہیں کہا بس خاموش نظروں سے اس کی پلیٹ میں موجود آم کا اچار، کٹوری میں موجود دہی، گھی میں تر بہ تر پراٹھے اور انڈے کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر سہمان آفندی بھی اس کی پلیٹ دیکھ کر سر پیٹ کے رہ گیا۔ جھوٹ بول رہی تھی تو کم از کم جھوٹ کا بھرم تو رکھ لیتی۔

"اور ہو..... خیال رکھو بچے یہ گلہ خراب کرنے والی چیزیں مزید تو مت کھاؤ۔" چودھری اسفند نے بھی احساس دلایا تو عیشال چونک کر اپنی پلیٹ کو دیکھنے کے بعد چور نظروں سے چودھری حشمت کو دیکھنے لگی انہیں اپنے ناشتے کی طرف دیکھ کر سکون کا سانس لیتے اس کی نظر سہمان آفندی سے مل گئیں جو خشمگیں نظروں سے اسے ہی گھور رہا تھا۔

اب اس کی شان میں کون سی گستاخی کر دی میں نے۔" وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

"طبیعت زیادہ خراب ہے تو تائی یا چاچی کو لے کر ڈاکٹر کے پاس چلی جانا۔" چودھری فیروز نے بھی فکرمندی سے کہا تو سہمان آفندی سر ہلانے لگی۔

"طبیعت نہیں اس لڑکی کا دماغ خراب ہے۔" بیٹھے بٹھائے بلاوجہ چھٹی کرنے پہ وہ اسے تیکھی نظروں سے دیکھ رہا تھا ناشتا کر کے گیا ہے بڑی بہو؟" چودھری حشمت کو شاہ زر شمعون کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ تب ہی فاخرہ سے

استفسار کیا۔

"جی بابا جان۔" انہوں نے مختصراً بتا کر مطمئن کیا۔ تب ہی فریال نے سمہان آفندی کو ڈپٹ کر ناشتہ کرنے پر اصرار کیا۔

"کیوں بھئی سمہان! کیا مسئلہ ہے؟ ماں کو شکایت کیوں ہوگئی' ٹھیک سے کھایا نہیں رہے کیا' پچھلے واقعے کی وجہ سے ڈسٹرب ہو' میری جان؟" چودھری اسفند نے محبت سے دریافت کیا۔

"نہیں ڈیڈ' چودھری اسفند کا بیٹا اور داجان کا پوتا اتنا کم زور نہیں کہ اتنے چھوٹے موٹے واقعے کو خود پہ اثر انداز ہونے دے۔" وہ مسکرا دیا۔

"پھر کیا بات ہے؟" چودھری اسفند مطمئن نا ہوئے۔

"اوکم آن ڈیڈ' آپ بھی مما کی باتوں میں آ گئے۔ بتا تو ہے یہ چار وقت کا ایک وقت کھلانے پہ مصر رہتی ہیں ماں ہیں ناں' اس لیے انہیں ہٹا کٹا بیٹا بھی کمزور لگتا ہے۔" وہ چودھری اسفند کو ہنس کر ٹال گیا تھا۔

"ہاں یہ تو درست کہا تم نے تمہاری ماں کو مطمئن کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔"

عیشال جہانگیر اپنی جگہ افسردہ ہوگئی تھی' ماں باپ کا سایہ ان کی محبت بھری تکرار' روک ٹوک' ڈانٹ' ڈپٹ میں پوشیدہ محبت خیال' سینے سے لگانا' اس کے حصے میں تو کچھ نہیں آیا تھا' یادداشت کے بنوں پہ کوئی خوب صورت لمحہ نہیں تھا۔ وہ تو تھی داماں تھی۔ وہ اپنا اور سمہان آفندی کا موازنہ کرنے لگی۔ سمہان آفندی اسے یک دم بہت امیر اور بے حد خوش قسمت لگنے لگا۔ اس کے پاس فکر کرنے والی ماں تھی' مان اور محبت جتانے والا باپ تھا اور اس کا تو کوئی بھی نہیں تھا۔

ماں تو منوں مٹی تلے اس وقت جا سوئی جب اس نے بچپن کی انگلی بھی نہیں چھوڑی تھی اور باپ' باپ تو جیتے جی ہی اس پہ مٹی ڈال کر فاتحہ پڑھ چکا تھا۔ اسے تو یاد بھی نہیں رہتا تھا کہ عیشال جہانگیر نامی کوئی بیٹی حویلی میں بھی موجود ہے۔ ایشان جاہ اور زرمین اُن کی دانست میں تو یہ وہی بچے ان کے اپنے تھے۔ ہاتھ کی لکیروں پہ نظریں جمائے اس کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"کیا چھپا ہے ان لکیروں میں جنہیں بڑے غور سے پڑھ رہی ہو؟" اس کی مسکراتی نگاہ ماں باپ سے ہٹ کر عیشال جہانگیر پہ آ کر رک گئی تھی۔ جواباً ہتھیلی سامنے کیے اپنے ہاتھ کی لکیریں بغور جانچ رہی تھی۔

"سیاہ بختی..... محرومی..... کک..... خلش..... سب ہی کچھ تو ہے ان لکیروں میں۔" سر جھٹک کر میز پہ ہتھیلی رکھ کر وہ تلخی سے مسکرائی۔ گلاس میں اورنج جوس ڈالتے سمہان آفندی کا ہاتھ ایک لمحے کو رکا۔ ایک اچٹتی نگاہ عیشال جہانگیر پہ ڈالی' پھر جوس انڈیلنے لگا۔ ساتھ ہی بایاں ہاتھ بڑھا کر دوسرا گلاس بھی قریب کیا اور اس میں بھی جوس انڈیل کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"تلخی کا کڑوا گھونٹ پینے سے بہتر ہے خوشی کا احساس کر کے آب حیات کو امر سمجھ کر پی لو' پھر تلخی کا کڑوا گھونٹ اپنا احساس خود کھو دے گا۔" سمہان آفندی نے گلاس اس کی طرف بڑھایا' میز پہ اس وقت وہ دونوں ہی رہ گئے تھے' اس کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم یہ سب کہہ سکتے ہو سمہان آفندی' جو ماں' باپ کے سائے میں پلا بڑھا ہو' ان کی محبت کی چھاؤں میں سویا ہو' وہ اس اکیلی بچی کی محرومی کا اندازہ کیسے کر سکتا ہے' جو اندھیرے کمرے میں سونے سے ڈرتی ہو' بادل کی گرج' بجلیوں کے

بھونکنے کی آوازوں سے ساری رات تکیہ بھگو بھگو کر آنسو بہاتے جس کی راتیں کٹی ہوں' اس بچی کو تم دنیا اچھی ہے کا سبق پڑھاؤ گے تو یہ سبق وہ کبھی نہیں پڑھ سکے گی' کیونکہ وقت نے لمحہ بہ لمحہ جو کڑا سبق اسے ازبر کروایا ہے وہ اسے بھول کر دوسرا چیپٹر کھولنے نہیں دیتا۔" اسے جذبات اور احساسات کو لفظوں میں بیان کرنے کا فن آتا تھا' وہ بہت اچھی طرح واقف تھا کہ اس کے پاس ایک غور و فکر کرنے والا صحت مند دماغ ہے' زندگی' محبت' کا فلسفہ حقیقت کے قریب تر سناتی ہے لیکن یہ سب کرنے کے بعد وہ جس طرح تنہا نظر آتی تھی یہی سمہان آفندی کو نا قابل برداشت لگتا تھا۔

اس کی محرومیاں دور کرنا اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ کب کا دور کر چکا ہوتا' لیکن افسوس تو اس بات کا تھا نا صائقہ دوبارہ زندہ ہو سکتی تھیں نا چودھری جہانگیر کے اندر احساس پیدا ہو سکتا تھا' دونوں کام ہی ناممکنات میں سے تھے۔

"پاگل لڑکی..... خوش رہا کرو۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا' اس کی قنوطیت اور رد کھ کے آگے اس جیسا لفظوں کا کھلاڑی بھی آؤٹ ہو جاتا تھا۔

"تم خوش قسمت ہو سمہان آفندی' اس لیے خوش رہتے ہو' ہر کوئی خوش قسمتی لے کر پیدا نہیں ہوتا۔" وہ تلخی سے اسے ازبر کرواتی اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ ایک بار پھر لاجواب ہو گیا۔ وہ چند ثانیے کھڑی اسے دیکھتی رہی کہ شاید اس کی طرف سے کوئی جواب آئے پھر تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

سمہان آفندی بھی ڈھیلے ڈھالے انداز میں کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا گیا تھا۔

❁.....☆.....❁

بھاگ بھاگ کر ڈیپارٹمنٹ تک آنے کے باوجود بھی ماورا لیٹ ہو چکی تھی۔ کلاس نا صرف اسٹوڈنٹس سے بھر چکی تھی' بلکہ لیکچرار بھی آ چکے تھے۔ اور غالباً آدھی کلاس کا تعارف بھی ہو چکا تھا۔

"سر' میں اندر آ سکتی ہوں؟" ماورا یحییٰ دروازے پر کھڑی سہمی محسوس کر رہی تھی۔ اس کی آواز پہ کلاس میں موجود سب کی نگاہیں ماورا یحییٰ پہ جم گئیں۔

"آ جائیں؟" لیکچرار نے احسان کرنے کے انداز میں اجازت دی۔

"بس میں سفر کرنے والے لیٹ تو ہوں گے ہی۔" انشراح نے نخوت سے دبی زبان میں کہا۔

ایشان جاہ کا گروپ پہلی رو کی سیٹوں پر براجمان تھا' سب نے ایک دوسرے کو ٹہوکا دیا۔ انشراح کے استہزائیہ انداز پہ ان سب کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ایشان جاہ نے ماورا یحییٰ پہ تیز نظر ڈالی۔

"شکریہ۔" اجازت ملنے پہ ماورا اندر قدم رکھتی کلاس کا جائزہ لینے لگی۔ سامنے کی ساری رو بھر چکی تھیں۔ اس کی نظر ایشان جاہ اور ان کے گروپ پہ بھی پڑی سر جھٹک کر وہ پیچھے کی رو میں بیٹھ گئی۔

"پہلا دن' پہلی کلاس اور آپ آدھا گھنٹا لیٹ۔" لیکچرار کے طنزیہ لب و لہجے پہ ماورا پہلو بدل کے رہ گئی۔ کچھ اسٹوڈنٹس مسکرانے لگے تو ایشان جاہ کے لبوں پر بھی تمسخرانہ مسکراہٹ آ گئی۔ اپنے میڈل کلاس حلیے اور غصیلے روپ کی وجہ سے وہ انہیں بھولی نہیں تھی۔

"سب کا تعارف تو تقریباً ہو ہی گیا' افسوس آپ اس سے محروم رہیں' ہو سکے تو اپنا مختصر تعارف کروائیں' میں ہمدان ہوں' آپ کا لیکچرار اور آپ؟" اب کے لیکچرار کے انداز سے ماورا کو تھوڑی تقویت ملی۔ ورنہ جس طرح انہوں نے آتے ہی طنز کیا اس سے وہ تھوڑی کانشس ہو گئی تھی۔

"میں ماورا بجیٰ ہوں۔" اس نے اب نہایت خود اعتمادی سے بات کی اور اس نے محسوس کیا کہ اس کے نام لینے کی دیر تھی' کلاس میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ سب نے ایک بار پھر مڑ کر دیکھا لیکن اب کی بار سب کی نظروں میں استعجاب تھا۔

ایشان جاہ کا پورا گروپ منہ کھولے بیٹھا تھا' تعارف کے دوران ہر لڑکی کا نام اس نے ذہن نشین کیا تھا' ذہن مستعد تھا کہ ماورا بجیٰ ہے کون؟ اور اب جب وہ سامنے تھی تو ایشان جاہ اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

"تو آپ ہیں ماورا بجیٰ' جس نے انٹری ٹیسٹ میں ٹاپ کیا؟" لیکچرار ہمدان بھی متاثر ہوئے تو وہ انکساری سے سر اثبات میں ہلا گئی۔ رشک و حسد کی ملی جلی کیفیت میں ڈوبی کئی نگاہیں اس پہ جمی ہوئی تھیں اور ایشان جاہ کی آنکھیں شعلہ اگلنے لگی تھیں۔

"لو جی' یہ تیکھی مرچ ٹاپ آف دی لسٹ نکل آئیں' ہم سب کا تو ذہن ہی نہیں گیا اس کی طرف کہ یہ پٹاخہ بھی ہو سکتی ہے۔"

پہلا دن تھا' پڑھائی تو نہیں ہوئی' تعارف سنتے اور کرواتے وقت گزر گیا۔ دوسری کلاس کی طرف جاتے ایشان جاہ کا گروپ سر پیٹ رہا تھا۔ ایشان جاہ کی سرد نگاہ ماورا بجیٰ کی پشت پہ جمی ہوئی تھی' ماورا بجیٰ کی نظروں نے بھی ان سب کے شاکڈ انداز ملاحظہ فرمائے تھے۔ ان کے ہونق اور غصیلے تاثرات پہ اس نے ذرا بھی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ سب پھر سابقہ انداز میں کاریڈور بلاک کیے چل رہے تھے۔ غالباً یہ ان سب کی عادت تھی۔ اس بار ان کے پیچھے چل کے راستہ مانگنے کی بجائے وہ سائیڈ سے ہوتی ان سے آگے نکل گئی تھی۔ اسی طرح جس طرح اسے ٹاپ آف دی لسٹ کی پہلی کرسی سے گرا کر آگے بڑھ گئی تھی۔ انشراح اور باقی سب جانے کیا کیا کہہ رہے تھے' وہ کب کسی کی سن رہا تھا' اس کی نظریں تو اس پہ جمی ہوئی تھیں' جانے وہ اس کے لیے کون سی سزا سوچ رہا تھا۔ وہ تو اپنی قابلیت کے بل بوتے پہ ٹاپ پہ آئی تھی' اس نے تو کوئی مقابلہ بازی شروع نہیں کی تھی' وہ قابل تھی' جو بنا مقابلے کی فضا کیے جیت گئی تھی مگر اس کی جیت' ایشان جاہ کو ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

❁.....☆.....❁

"یہ آئی ڈی کو کیا ہو گیا' او یس کیوں نہیں ہو رہی رات تو ٹھیک چل رہی تھی۔" صبح صبح سیل فون ہاتھ میں لیے وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے کوشش کر رہی تھی لیکن اس کی آئی ڈی تھی کہ اوپن ہو کر نہیں دے رہی تھی' ای میل' پاسورڈ اس نے سب چیک کر کے دیکھ لیا لیکن نتیجہ ہنوز تھا۔ سیل فون رکھ کر اس نے لیپ ٹاپ سے کوشش کی لیکن آئی ڈی وہاں سے بھی لاگ آؤٹ تھی۔

"اف....." وہ تھک ہار کے بیٹھ گئی' یہ خیال کے آئی ڈی ہیک ہو چکی ہے' اسے رونا آنے لگا' کتنی ہی یادیں اور تصاویر وال پہ تھیں۔

"ہونا ہو یہ شاہ زر شمعون کی ہی حرکت ہے' اسے ہی پتہ ہے میرے اکاؤنٹ سے' پوچھتی ہوں' کس کے کہنے پہ میرا اکاؤنٹ چھینا۔" رونے سے فارغ ہو کر شدید غصے میں مبتلا شاہ زر شمعون کو کال ملا گئی' اس کی دانست میں اس نے زیادہ سوشلزم اپنا سے مزا چکھایا تھا اور یہ سوچ اتنی گہری ہو گئی کہ اس نے فوراً ہی اس کا نمبر ملا دیا تھا۔

شاہ زر شمعون جو ابھی ابھی حویلی لوٹا تھا' ثنائیہ کی کال آتے دیکھ کر نظر انداز کر گیا' اس کا ذہن گہرا اور نور یہ میں الجھا ہوا

تھا۔ وہ اسی حوالے سے چودھری حشمت سے بات کرنے آیا تھا' کال دوبارہ آنے لگی تو اسے لامحالہ ریسیو کرنی پڑی۔

"آخر آپ کو مجھ سے دشمنی کیا ہے' جو آپ نے میرا اکاؤنٹ ہتھیا لیا' حد ہوتی ہے کسی بات کی' آپ کو میرا سوشل ایپ یوز کرنا پسند نہیں تو اب آپ اتنی اوچھی حرکتیں کریں گے؟ میرا اکاؤنٹ چاہیے تھا تو بول دیتے' میں خود دے دیتی' ہیک کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ حرکت آپ کو زیب نہیں دیتی۔" کال ریسیو ہوتے ہی وہ شروع ہو گئی تھی۔ اسے بولنے کا موقع دیے بغیر' کڑے لفظوں میں وہ کچھ زیادہ بول گئی' اکاؤنٹ کا غم اتنا زیادہ تھا کہ وہ یہ تک فراموش کر گئی کہ وہ شاہ زر شمعون سے مخاطب تھی۔

شاہ زر شمعون نے بے توجہی سے اس کی باتیں سننا شروع کیں لیکن جیسے جیسے ستار ہا فشار خون بلند ہوتا رہا تھا' وہ پہلے ہی شدید طیش میں تھا اور اس کی باتوں نے مزید کھولا دیا تھا۔

"محترمہ ثنائیہ چودھری' آپ جیسی بے وقوف' احمق لڑکی اپنے اکاؤنٹ کا غم منا رہی ہے تو منا تی رہے' لیکن مجھے یہ سب باتیں بتانے کا مقصد؟ مجھے ہزاروں ضروری کام ہیں' آپ کی طرح فارغ نہیں جو کچرا جمع کر کے اپنے پاس رکھوں' آپ کے اکاؤنٹ میں علاوہ فضولیات کے ہے ہی کیا' کون سا ایٹمی نسخہ ہے جو میں ہیک کر کے امیر ہو جاؤں گا؟ آپ میں ذرا بھی سوجھ بوجھ ہوتی تو مجھے کال کرنے سے پہلے سو بار سوچتیں' مجھے کال نا کرتیں۔ اچھا ہوا ہیک ہو گئی' اب بیٹھ کر انتظار کریں کہ ہیکر آپ کی پرسنل انفو اور تصاویر کو کیسے مس یوز کرے گا۔" اسے بے حد غصہ آیا' اچھی طرح دل کی بھڑاس نکالنے کا موڈ تھا لیکن چودھری حشمت کے دروازے تک پہنچ کر اس نے کال کاٹ دی۔

دوسری طرف ثنائیہ ہکا بکا رہ گئی۔ اس کے لہجے میں جو بے زاری اور لفظوں میں کاٹ تھی وہ پہلی بار محسوس ہوئی' یقیناً وہ ذہنی طور پر کسی مسئلے میں الجھا ہوا تھا اور اس نے بنا خیال کیے کال کر کے بکواس کر دی۔ ایک پل کو ثنائیہ چودھری کو جہاں شرمندگی ہوئی وہیں اس کی باتوں نے اسے متفکر کر دیا۔ اس کی باتوں سے تو یہی ظاہر تھا کہ اکاؤنٹ اس نے ہیک نہیں کیا' اگر کرتا تو جھوٹ نا بولتا' لیکن اب وہ کیا کرے' کس سے مدد لے؟ شاہ زر شمعون سے تو امید نہ تھی کہ اتنی باتیں سنانے کے بعد وہ اس کی کوئی مدد کرتا۔ وہ تھک کر بیٹھ گئی' ایک وہی تو تھا جو اس کی مدد کر سکتا تھا لیکن اس نے اسی کو الزام دے کر اسے دشمن بنا لیا تھا۔

"اف..... میں بہت بڑی بے وقوف ہوں' بنا پوچھے' بنا جانے اس پہ چڑھ دوڑی۔" وہ کمرے میں ٹہل کر اپنے مسئلے کا حل سوچنے لگی۔

❁.....☆.....❁

"السلام علیکم!" وہ سر جھٹک کر چودھری حشمت کے کمرے میں داخل ہوا تو چودھری حشمت کے ساتھ سہمان آفندی کو حساب کتاب میں الجھا دیکھ کر ان دونوں کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ حویلی کے اکاؤنٹس سہمان آفندی ہی دیکھتا تھا۔

"وعلیکم السلام' خیریت ہے پتر جلدی آ گیا؟" اس کی بے وقت آمد پہ دونوں چونکے تھے۔

"دجان..... جب تک گجر کا وجود زمین سے نہیں مٹے گا' تب تک مجھے چین نہیں آئے گا' وہ گاؤں سے باہر ہے لیکن میری اطلاع کے مطابق وہ گاؤں میں ہی چھپا بیٹھا ہے۔" اس کے غصیلے انداز کو دونوں نے حیرانی سے دیکھا۔ وہ اپنی بلند پرواز کا شکار نظر آ رہا تھا۔

"پترا ابھی ہم پنچایت میں ہی جانے والے تھے۔ سمہان کے ساتھ تو اتنا پریشان نا ہو۔" چودھری حشمت کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ آپے سے باہر کیوں ہورہا ہے۔

"جب تک بات میری فیملی پہ حملے تک تھی میں آپ سب کے حکم کی تعمیل کررہا تھا لیکن جب ایک لڑکی اپنا دوپٹا میرے پیروں پہ رکھ کر انصاف کا تقاضا کرے میں تب بھی چپ بیٹھا رہوں' داجان یہ میری ذات پہ تازیانہ ہے۔ میری برداشت سے باہر ہے کہ مجرم آزاد پھر تا رہے اور میں تماشائی بنا رہوں۔" وہ بے حد کرب سے گویا ہوا' اس کے انداز پہ دونوں ایک بار پھر چونک گئے۔ اس نے نوریہ کا مسئلہ جب دونوں کے سامنے بیان کیا تو ان کے چہرے بھی سرخ ہونے لگے۔

"سمہان..... حساب کتاب ہم پھر دیکھیں گے۔ ابھی شاہ کے ساتھ پنچایت کی بات کرنے جارہے ہیں۔ غضب الٰہی اتنا ظلم۔" چودھری حشمت کو بھی یہ سب سن کر دھچکا لگا تھا' تب ہی سب سمیٹ کر اپنی پگڑی اٹھا کر پہنتے' پیروں میں کھیڑیاں ڈالتے وہ چلنے کو تیار ہو گئے تھے۔

"میں بھی چلوں آپ دونوں کے ساتھ؟" سمہان آفندی نے انہیں جاتے دیکھ کر استفسار کرنے لگا۔

"تو حویلی میں رہ پتر' حویلی میں بھی ضرورت پڑ سکتی ہے تیری' اور ہم تو بات کرنے جارہے ہیں پنچایت بلانے کی۔" چودھری حشمت کہتے ہوئے چلے گئے تو وہ بھی احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔

"سمہان..... فری ہو تو شنائیہ کی آئی ڈی ریکور کروا' احمق لڑکی کی آئی ڈی ہیک ہوگئی ہے' کوئی مس یوز کر کے اسے مشکل میں نا ڈالے' ریکور کر کے سیکیور بھی کر دینا تاکہ پھر ہیک نا ہو' اس کی آئی ڈی کا لنک سینڈ کر رہا ہوں۔" شاہ زر شمعون نے گو کہ غصے میں شنائیہ کو باتیں سنا دی تھیں لیکن اس کے حوالے سے متفکر بھی تھا۔ اس کے پاس وقت نہیں تھا تب ہی سمہان آفندی کے ذمہ کام لگا گیا۔

"او کے برو' ابھی کر دیتا ہوں۔" سمہان آفندی بھی شاہ زر شمعون کے ہمراہ چودھری حشمت کے کمرے سے نکل آیا تھا۔ اس نے حکم کی تعمیل کی تو شاہ زر شمعون مشکور ہو گیا۔

"تھینکس سمہان....." شاہ زر شمعون سیل فون سیدھا کیے سمہان آفندی کو لنک سینڈ کر رہا تھا۔

"تو ٹیڈ برو' شنائیہ جی ہم دونوں کی کزن ہیں اور اپنے گھر کی عورتوں کی حفاظت کرنا اور ان کے کام آنا ہمارا فرض ہے۔" سمہان آفندی احتراماً کہہ گیا تو شاہ زر شمعون مسکرا کر اس کا شانہ تھپتھپاتا اپنے لینڈ کروزر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

❁.....☆.....❁

کاش کہ انسان اتنا اختیار ہوتا کہ ماضی میں جا کر اپنے غلط فیصلوں کو سدھار سکتا' ان ہی غلط فیصلوں کو جنہیں ماضی میں کرتے وقت احساس نہیں ہوتا کہ یہی غلط فیصلے حال اور مستقبل کی ساری رعنائی کو نگل جائیں گے۔ انوشا اور مادرا کے جانے کے بعد منزہ اکیلی رہ گئی تھیں' بے حد فقاہت محسوس ہو رہی تھی' پچھلے کئی ماہ سے وہ اپنے اندر بڑی تبدیلی محسوس کر رہی تھیں' وجود جیسے دیمک زدہ ہو گیا تھا' صحت تیزی سے گر رہی تھی' چکر آنا معمول کا حصہ بن گئے تھے' مشین پہ بیٹھتے ہی تھکن کا احساس ہونے لگتا اور جسم پہ جا بجا نیل کے دھبے' جنہیں دیکھتے ہوئے ڈاکٹر جہاں خاموش ہو گیا' وہیں منزہ کے سوال پر بھی انہوں نے کوئی واضح جواب نہیں دیا کہ جب تک ٹیسٹ رپورٹس نہیں آجاتیں وہ حتمی طور پہ کوئی رائے دینے سے قاصر تھے سو وہ بھی چپ رہ گئی تھیں۔

دونوں نے زبردستی ناشتا کروا کر دوائیں کھلا دی تھیں دوپہر کے لیے سالن بھی تیار کر گئی تھیں' لیکن انہیں بھوک کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا' وہ بے دلی سے پلنگ پہ لیٹی رہیں۔

دروازے پہ دستک ہوئی تو صائمہ کا خیال کر کے انہوں نے دروازہ وا کر دیا کہ صائمہ آئے دن چکر لگا لیتی تھیں لیکن دروازہ کھولنے پہ جو ہیبت چہرہ نظر آیا اس نے ان کے ہاتھ پاؤں ایک سیکنڈ میں ٹھنڈے کر دیے' ان کی آواز حلق میں ہی دب گئی۔

"کیسی ہو رانی؟" وہ خباثت سے ہنسا۔ بدحواس ہو کر منزہ نے پورا زور لگا کر دروازہ بند کرنا چاہا مگر وہ انہیں دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔

"تجھے کیا لگا تھا' تو نے مجھے دھوکا دے دیا اور یہاں چھپ کر بیٹھی رہے گی اور مجھے خبر نہیں ہو سکے گی۔" وہ ارد گرد کا جائزہ لے کر ہنسا' منزہ خوف زدہ ہو کر دیوار سے لگ گئیں۔

"سالوں لگ گئے تجھے ڈھونڈتے لیکن دیکھ آخر ڈھونڈ ہی لیا تجھے۔" وہ منزہ کا ڈرا سہما روپ مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"ارے تو مجھ سے اتنا ڈر کیوں رہی ہے' میں وہی ہوں جس سے تجھے محبت تھی۔" وہ جیسے چڑا رہا تھا اور اس کی باتیں منزہ کو کوڑے کی طرح لگ رہی تھی۔

"کیوں آئے ہو یہاں' نکل جاؤ یہاں سے۔" منزہ دبی آواز میں چلائیں ان کی سانس پھولنے لگی تھی۔ خوف زدہ ہو کر دیوار سے لگی انہیں لگ رہا تھا وہ کسی بھی وقت زمین پہ گر جائیں گی۔

"برسوں بعد ملی ہے' اتنی آسانی سے کیسے چلا جاؤں' تجھے کہاں کہاں ڈھونڈا' دیکھ لنگڑا بھی ہو گیا' ایک بار پولیس کے ہتھے لگ گیا تھا' سالوں نے مار مار کے ٹانگیں ہی توڑ دیں۔" وہ یوں روداد سنا رہا تھا جیسے برسوں بعد ملنے والے ایک دوسرے کو حال احوال سناتے ہیں۔

"بیٹیاں کہاں ہیں تیری' ملوانا ان سے۔" وہ آرام سے پلنگ پہ بیٹھ گیا' اس کے اطمینان پہ منزہ خوف سے دہری ہو گئیں مگر بیٹیوں کے استفسار پہ ان کا خون کھول اٹھا۔

"نکلو یہاں سے' دفع ہو جاؤ' ورنہ میں سب کو چیخ چیخ کے بلا لوں گی۔" منزہ نے ہمت مجتمع کر کے دھمکی دے ڈالی کہ کسی طور تو وہ جائے۔

"بلا لو' میں بھی سب کو بتا دوں گا۔" اس پہ چنداں فرق نہ پڑا' الٹا اور پھیل کر بیٹھ گیا۔ منزہ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کس طرح نکال باہر کریں' محلے میں کسی نے دیکھ لیا یا کوئی ابھی گھر آ گیا تو وہ کیا جواب دیں گی۔

"بڑی بہار لگ رہی ہے' ٹھیک ہے جا رہا ہوں' لیکن تجھے تو پتا ہے میں خالی ہاتھ کوئی کام نہیں کرتا' خرچہ پانی دے تو میں جانے کی سوچوں۔" وہ فوراً اپنی اوقات پر آ گیا تو منزہ نے اپنے آنچل میں لگی گرہ کھول کر روپے نکال کر سیدھے کیے اور اس کی ہتھیلی پر دھر دیے۔

"بس اتنے سے؟" وہ چند سو کو دیکھ کر گھورنے لگا۔

"میرے پاس اتنے ہی ہیں' غریب عورت ہوں۔"

"تو کم عقل ہے' جو غریب ہے' دو دو جوان بیٹیاں ہیں تیری کیش کرا۔"

"نکل جا ذیشان یہاں سے ورنہ تمہیں قتل کر دوں گی یا خود کو۔" اس کی گھٹیا بات پہ پلنگ پہ سبزی کاٹنے کی نیت سے رکھی چھری اٹھا کر منزہ نے لہرائی تو اس کی بے فکری بھی ہوا ہونے لگی' بھلے منزہ کمزور اور بوڑھی ہوگئی تھیں لیکن وہ ان کے ارادوں سے اچھی طرح واقف تھا اور پھر اسے کون سا منزہ کے دکھ درد دور کرنے تھے وہ تو پیسوں کے لالچ میں آیا تھا' وہ اسے مل گئے تھے۔

"رسی جل گئی پر بل نہیں گئے تیرے' جا رہا ہوں ابھی لیکن پھر آؤں گا اور اگلی بار یہ چھوٹی رقم نہیں لوں گا' موٹی رقم تیار رکھنا' ورنہ تیری بیٹیاں تو ہیں ہی۔" وہ اپنی اوقات دکھا کر دروازہ عبور کر گیا تو منزہ نے دوڑ کر دروازہ بند کر دیا' مبادا پھر نا آ جائے۔

دروازہ بند کر کے وہ سر پکڑ کر رونے لگی تھیں' ابھی تو بچیاں نہیں تھیں' وہ پھر آنے کی دھمکی دے گیا تھا' اگر جوان کے سامنے آ جاتا تو..... وہ کیا کریں گی؟ اتنی جلدی وہ دوسرا ٹھکانا کہاں سے کریں جو اس گھٹیا انسان سے بچ سکیں۔

آنسوؤں کی بارش ایک بار پھر شروع ہوگئی تھی۔ انہیں انوشا اور ماورا کی فکر ہونے لگی۔ جلد سے جلد دونوں کی شادی کر دینا ہی ان کے نزدیک بہترین حل تھا۔ رشتے کی غرض سے بات کرنے کے لیے وہ صائمہ کی طرف جانے کا سوچ رہی تھیں مگر ابھی جو کچھ ہوا اس کے باعث ان کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔

❁.....☆.....❁

آئی ڈی ریکور کر کے سیکیور کرنے کے بعد شائستہ کو ای میل اور پاسورڈ سینڈ کر کے وہ ہال میں آیا تو عیشال جہانگیر کو منہ بسورے زمرد بیگم کے پاس بیٹھے دیکھ کر چونک گیا۔

"سسہمان..... تو فارغ ہے بچے؟" زمرد بیگم اسے دیکھ کر کھل اٹھیں۔ جیسے انہیں مسئلے کا حل مل گیا ہو۔

"جی' دی جان' حکم کریں۔" وہ مودب ہو کر سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"عیشال کو کالج ڈراپ کر دے پتر' اس کی سہیلی کا فون آ گیا ہے' کالج سے' وہ کیا بولتے ہیں....." زمرد بیگم ذہن پہ زور دینے لگیں۔

"پرنسپل دی جان۔" عیشال جہانگیر نے ہولے سے کہا۔

"ہاں ہاں وہی ہے..... اسے کالج جانا ہے ڈرائیور تو بچیوں کو چھوڑنے کے بعد شہر گیا ہے کام سے' اب واپسی میں بچیوں کو لیتا ہی آئے گا' تو عیشال کو چھوڑ آ' واپسی میں ڈرائیور سب کے ساتھ لیتا آئے گا۔" زمرد بیگم کی بات کے اختتام پہ اس نے ایک نظر عیشال جہانگیر پہ ڈالی۔ اس کے آنے سے پہلے وہ منہ بسور کے بیٹھی تھی اور اب منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔

"بہتر دی جان۔" وہ مودب ہو کر کہا۔

"جا پتر چادر لے آ۔" زمرد بیگم نے کہا تو وہ چادر لینے اندر چلی گئی' چند منٹ میں ہی واپس آئی تو دوپٹا سر پہ لے کر گرے رنگ کی بڑی سی چادر کو وجود کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ اس کے ڈھکے چھپے حلیہ کو دیکھ کر سمہان آفندی کو سکون حاصل ہوا۔ ان معاملوں میں اس نے کبھی کسی کو تنگ نہیں کیا تھا۔ وہ حویلی میں ہی اٹھی سیدھی حرکتیں کرتی تھی جب کہ باہر نکلتے اس کا یہی روپ ہوتا تھا۔ اس نے یونیفارم نہیں پہنا تھا مگر وہائٹ شلوار قمیص پہ وہائٹ دوپٹا یونیفارم جیسا ہی لگ

رہا تھا۔

"جاؤ پتر..... دھیان سے جانا دونوں۔" نکلنے سے پہلے سمہان آفندی نے سر جھکایا تو زمرد بیگم سر پہ ہاتھ پھیرنے کے ساتھ دعائیں دینے لگیں۔

"اللہ حافظ دی جان۔" سمہان آفندی آگے بڑھ گیا تو وہ بھی ان سے دعا لیتی تیزی سے پیچھے لپکی۔

"پہلے جھوٹ موٹ بیماری کا بہانہ کر کے چھٹی کروا اور پھر پریکٹیکل کا شور مچا کر کالج کی دوڑ لگواؤ' یہ اچھی حرکت ہے۔" گاڑی کی سمت چلتے ہوئے وہ عیشال جہانگیر کو گھور کر بولا۔

"تمہارا جانے کا موڈ نہیں تھا تو دی جان کو انکار کر دیتے' اب مجھے باتیں مت سناؤ۔" حسب عادت وہ چڑی کہ وہ احسان جتا رہا تھا۔

"ڈرائیور کی بجائے تمہیں میرے ساتھ کالج جانے کا شوق چرایا ہے' باتیں تو سناؤں گا۔" وہ اپنی سواری تک پہنچ گیا تھا۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے عیشال جہانگیر نے ٹھٹکے چتونوں سے اسے گھورا۔

"تم میں کوئی سرخاب کے پر لگے ہیں جو میں تمہارے ساتھ جانے کے لیے مروں گی۔" تڑخ کے کہتے وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی۔

"یہ تو تم بہتر جانتی ہو گی۔" اس نے کہتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"اب اگر زیادہ باتیں سنائیں گے تو میں اتر جاؤں گی۔" وہ دھمکی پہ اتر آئی۔

"حویلی میں ساری پابندیاں عورتوں کے لیے ہیں' عورتیں سائیکل' اسکوٹی' جہاز اڑا رہی ہیں اور داجان ہمیں گاڑی تک چلانے کی اجازت نہیں دیتے۔ محتاج بنا کر رکھا ہے حویلی کے مردوں کا اور وہی مرد ذرا سے کام پہ طعنے دیتے ہیں۔" اب وہ خود ترسی کی کیفیت میں ڈوب کر غصے کے سمندر سے ابھرنے کا پلان کر رہی تھی۔

"یہ کیئر اور فکر ہے جنہیں تم پابندی سمجھتی ہو' اپنی سوچ کا نظریہ بدلو زندگی آسان لگے گی۔" نرم لہجے میں کہتے اس نے ہارن دیا تو چوکیدار نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

"تم بھی حویلی کے حاکم مزاج مردوں میں سے ہی ہو ناں' تمہیں میری باتیں کہاں سے درست لگیں گی؟" وہ استہزائیہ انداز میں کہتے آنچل سر پہ جمانے لگی۔

"بے شک میری جڑیں بھی حویلی سے ہیں لیکن میں اپنی بصیرت کے مطابق جو دیکھتا ہوں' وہ تم نہیں دیکھ سکتیں۔ مانا حویلی میں عورتوں کے لیے کچھ قواعد و قانون ہیں لیکن ان اصولوں سے کسی کی آزادی مجروح نہیں ہوتی کھانے' پینے' پڑھنے' شاپنگ تمام چیزوں کی آزادی ہے لیکن ایک حد میں رہ کے اور یہ حد تمہاری بقا کے لیے کتنی ضروری ہے یہ تم ابھی نہیں جان پا رہیں لیکن ایک دن اس بات کو تم بھی مانو گی' جو پابندیاں ہیں وہ تمہارے مفاد میں ہیں لیکن ان کی سمجھ تمہیں ابھی نہیں آئے گی۔" ڈرائیو کرتے وہ ناصحانہ انداز میں اسے سمجھا رہا تھا اور وہ ان سنی کیے باہر کے نظارے سے لطف اندوز ہونے لگی۔

"اس کچھوے کی رفتار سے چلتے رہے تو پریکٹیکل کی کلاس بھی نکل جائے گی۔" زیادہ دیر چپ رہنا اس کے مزاج کے برخلاف تھا۔ ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پہ سمہان آفندی نے گاڑی کی رفتار سلو کر رکھی تھی۔

"ان کم از کم اسی طرح تمہاری جان کی سلامتی تو رہے گی۔ تیز رفتاری کے باعث خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو گیا تو....."

"تو.....؟" سوال کر کے وہ اس کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئی۔

"تو.....حویلی میں مجھ سمیت سب کو افسوس ہوگا کہ حویلی میں بھونچال لانے والی نہیں رہی' حویلی میں سب امن ہے۔" شرارت سے کہہ کر وہ لب دبا گیا اور وہ جو کسی اچھے جواب کی منتظر تھی' جھلس کے رہ گئی۔

"شٹ اپ....." وہ دھیمے سے غرائی' اس کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

"تم سے کبھی اچھی امید نہیں ہوگی۔" اسے غصہ آنے لگا۔

"رکھنا بھی مت۔" مہر شہرت کر کے اس کے شور مچانے پہ اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ ابھی آدھا راستہ ہی طے ہوا تھا کہ جب اونچے نیچے راستے پہ چلتے ٹائر دھماکہ سے پھٹ گیا۔

"شٹ....." سمہان آفندی کی ڈرائیونگ میں مشاقی کام آئی تھی جو وہ گاڑی کو ہینڈل کر کے بریک لگا گیا تھا۔ تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکلا' پچھلا ٹائر جواب دے گیا تھا۔

دوسرے ٹائر کی تلاش میں اس نے گاڑی پہ نظر ڈالی اور دوسرے پل ہی باہوں میں انگلیاں پھنسا گیا۔ دوسرے ٹائر میں ہوا کم تھی' اسے میٹھین کر کے اس نے ٹائر گاڑی میں رکھ دینے کی ہدایت زرگل خان کو کی تھی مگر ٹائر کی غیر موجودگی ظاہر کر رہی تھی زرگل خان بھول گیا ہوگا۔

"کیا ہوا؟" وہ بھی باہر نکل آئی۔

"ٹائر پنکچر ہو گیا۔" گہرے جینز اور ہائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس کے لائٹ براؤن بال دھوپ میں چمک رہے تھے۔

"دوسرا ٹائر بھی گاڑی میں نہیں۔" مضبوط کلائی سامنے کر کے اس نے گھڑی میں وقت دیکھنے کے ساتھ اردگرد نظر دوڑائی' اس وقت وہ گاؤں کی حدود میں ہی کھڑے تھے۔ دور دراز کھیت نظر آ رہے تھے مگر کھیت میں بھی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا کہ فصل ابھی تیار نہیں تھی۔

"اف اتنی لاپروائی' میری کلاس بھی نکل جائے گی۔ تم دھیان نہیں رکھ سکتے تھے اب ہم کیا کریں گے؟" اسے مورد الزام ٹھہرا کر وہ پریشان نظر آنے لگی۔ وہ بچوں کے بل بیٹھ کر اوزار نکالے ٹائر کو چیک کر رہا تھا کہ شاید بات بن جائے۔

"ہونہہ....." وہ گاڑی سے ٹیک لگا کر ہاتھ سینے پہ باندھ گئی۔

"ٹائر تو اس قابل نہیں کہ استعمال کیا جا سکے' تھوڑا آگے ایک ورکشاپ ہے میں ٹائر کا بندوبست کر کے آتا ہوں۔" ٹائر کا معائنہ کر کے وہ ہاتھ جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور میں؟" وہ ٹھٹکی۔

"تم تب تک ان کھیتوں میں گانا گا لو۔" اس کے معصومانہ سوال پہ وہ جھنجھلا کر بولا۔ وہ پیر پٹخ کے رہ گئی۔

"اللہ کی بندی..... دھوپ میں کہاں خوار ہوگی' میرے ساتھ۔ تم اندر بیٹھ کر ویٹ کرو میں جلدی آ جاؤں گا۔" اس نے گاڑی کے اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بھی دھوپ کی تمازت کا احساس کرتی اندر بیٹھ گئی۔

"شیشے اوپر چڑھا لو' لاک کر کے بیٹھنا' میں جب تک نا آؤں باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے تنبیہہ کی۔ عیشال جہانگیر خاموشی سے اسے خود سے دور جاتے دیکھ رہی تھی۔

❁.....☆.....❁

ایئرپورٹ جانے والے ہر راستے پہ جگہ جگہ ناکہ بندی لگی ہوئی تھی۔ خفیہ ایجنسیز کی معلومات کے مطابق قدیر رانا کا اہم کارندہ ملک سے فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اپنے انٹرورسوخ اور سیاسی پارٹی کی سپورٹ کی بناء پہ قدیر رانا کو ضمانت مل گئی تھی اور باہر نکلتے ہی وہ اپنی گردن تک آنے والے سارے مہروں کو ایک ایک کر کے منظر سے غائب کر رہا تھا لیکن چودھری اس کیس کے پیچھے پڑ گئے تھے' قدیر رانا کی ضمانت پہ انہیں شدید غصہ تھا' جس ملک میں لوگ اسٹریٹ آرڈر کی آڑ میں بیٹھے ہوں' وہاں قدیر رانا جیسے منی لانڈرنگ کرنے والے سیاسی قاتل کو بچانے کے لیے ان جیسوں کے آقا جب میدان میں آ جاتے تھے تو چودھری جہانگیر جیسے انڈر افسر کو ٹیشن آ جاتا تھا' جو انہیں قانونی طور پر کام کرنے نہیں دیتے تھے۔ ضمانت' وارنٹ' عدالت کی آنکھ مچولی سے بہتر انہیں ان کاؤنٹر لگتا تھا' ناثبوت' ناپیشی' سیدھی سزا۔ اس وقت بھی جگہ جگہ چیکنگ کا عمل جاری تھا۔ دو تین موبائل مارک کے کنارے کھڑی ہوئی تھیں۔ موبائل میں موجود اہلکار جو کسی تھے کچھ اہلکار سڑکوں پہ پھیل کر ہر گاڑی کو چیک کر رہے تھے۔ چودھری جہانگیر پراڈو سے ٹیک لگائے' بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں سگریٹ دبائے وائرلیس پہ بات کرتے وقفے وقفے سے سگریٹ کے کش لگا کر فضا میں دھواں چھوڑ رہے تھے۔ اسی لمحے ان کے موبائل پہ کال آنے لگی تھی۔ کال ان کی عزیز بیٹی نرمین کی تھی۔

"بولو بیٹا۔" وائرلیس رکھ کر انہوں نے کال ریسیو کی۔

"پپا..... مجھے پی ایس ایل کے میچز دیکھنے دبئی جانا ہے' آج ہی اپنی دوستوں کے ساتھ' آپ میری ٹکٹ کروا دیں۔" نرمین نے بہت لاڈ سے کہا۔

"او کے بیٹا کروا دوں گا۔ ابھی تھوڑا بزی ہوں' گھر آ کر کرواتا ہوں۔" چودھری جہانگیر کے لہجے میں زمانے بھر کی محبت امڈ آئی تھی۔

"پپا بھولیے گا نہیں۔" نرمین یاد دہانی کروائی۔

"نہیں بھولتا اپنی بیٹی کی باتیں۔" اور اس مان بھری محبت پہ اٹھلاتی نرمین خوشی خوشی فون بند کر گئی تھی۔

اسی لمحے وائرلیس پہ پیغام آنے لگا اور اس سے ملنے والی معلومات نے ان کے لب بھینچ دیے' جس کارندے کے لیے وہ سڑکوں پہ جال بچھائے بیٹھے تھے وہ قدیر رانا کے ہم نوالہ ہم پیالہ کے پرائیوٹ ملیارے سے کل رات دبئی پہنچ چکا تھا اور اب لندن کے لیے محو پرواز تھا۔ جب تک مجرموں کے سہولت کار موجود تھے تب تک ساری فورس بے بس منہ ہی تک سکتی رہ سکتی تھی۔ چودھری جہانگیر کو شدید غصہ آنے لگا۔ قدیر رانا کا سہولت کار ملک ذوالفقار اب ان کی ہٹ لسٹ پہ آ گیا تھا۔ جو پرائیویٹ ایئر لائنز کا مالک تھا۔

❁.....☆.....❁

ہماری چند تصویریں محفوظ کر لیجے
مستقبل میں سوال ہوتا آخر وہ شخص کیسا تھا

منزہ جب کبھی خود کو تنہا محسوس کرتیں اس تصویر کو سامنے رکھ لیتی تھیں۔ اس کی کورس کی کتابوں میں سے ایک کتاب میں اپنی تصویر شرارتاً رکھتے اس نے یہ شعر پڑھا تھا' جب منزہ غصہ کرتے ہوئے اسے تصویر رکھنے پہ ڈانٹ رہی تھی۔ اپنے سامنے تو اس نے تصویر کتاب سے نکال کر اسے تھما دی تھی مگر جانے کب وہ پھر تصویر دوسری کتاب میں رکھ گیا تھا ... بلاشبہ اس کی وہی حرکت چغلی سے اس وقت نہایت بری لگی تھی اب ان کے برے وقت کا سہارا تھی۔ جب بھی ان کا دل

دکھوں سے بھر جاتا تھا وہ چپکے سے تصویر نکال لیتی تھیں۔ تصویر میں موجود چوبیس پچیس سالہ شخص اب یقیناً پینتالیس سے اوپر کا ہو چکا ہوگا' ناک' نقش ناسہی رنگ وروپ میں ضرور فرق آیا ہوگا۔ کالے سیاہ بالوں میں تھوڑی سفیدی بھی جھلکنے لگی ہوگی۔ اکڑی ہوئی مونچھوں میں شاید کمی بھی آ گئی ہوگی انہیں کسی فرق سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' اس تصویر کو دیکھ کر ہی وہ بھولے بسرے ان لمحوں میں قید ہو جاتی تھیں جہاں سے نکلنے کے لیے انہوں نے غلط راستوں کا انتخاب کیا تھا' عارضی پل کو منزل گردان لیا تھا اور وہ پل میں ہی گر گیا تھا۔ نامنزل ملی نا راستہ باقی بچا' اس لاحاصل سفر سے کچھ ملا تھا تو صرف تھکن' ایسی تھکن جس پہ پاؤں سے زیادہ روح و دل پہ آبلے پڑ گئے تھے۔

انہیں لگا تھا امتحان ختم ہو گیا لیکن ماضی کے بدنما صفحے پھڑ پھڑا کر ایک بار پھر سے ان کے سامنے کھل گئے تھے اور ان سے جھلکتی عریانیت انہیں اذیت دینے لگی تھی۔ مستقل آنسو بہانے کی صورت میں آنکھیں دن بہ دن اندر کو دھنستی جا رہی تھیں' کچھ آنسو تصویر پر بھی گرے تھے۔ دفعتاً ان کے اعصاب کھنچے' وجود میں ڈر کی ایک لہر دوڑ گئی' دروازے پہ دستک کی آواز سے وہ خوف زدہ ہو گئیں تھیں چند لمحے یونہی بے حس و حرکت بیٹھی رہیں' نظریں بے ساختہ دیوار پہ لگی گھڑی کی سمت گئیں' ابھی بیٹیوں کے آنے کا وقت نہیں ہوا تھا' پھر کون ہو سکتا تھا؟ دروازے پہ' کیا پھر وہی غنیمت؟ اس تصور سے ہی ان کے وجود پر کپکپی طاری ہونے لگی۔ وہ دستک کو ان سنی کیے کمرے میں دبکی بیٹھی رہیں۔

''منزہ آپا.....'' دستک کے ساتھ جب صائمہ کی آوازیں بھی آنے لگیں تو ان کے کپکپاتے جسم کو قرار ملا۔ ہاتھ میں موجود تصویر کو جلدی سے کتاب کے اندر منتقل کر کے وہ جلدی جلدی دوپٹے سے آنکھیں رگڑنے لگیں۔ کتاب کو واپس ریک کے اندر منتقل کر کے کرسی میں نالا ڈالتے وہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھیں مگر اس زور کا چکر آیا کہ انہوں نے بے ساختہ کمرے کا دروازہ تھام لیا' ورنہ تو گر ہی جاتیں' چند ثانیے گھومتے سر کو اعتدال میں آنے میں لگے تھے۔

''کون؟'' انہوں نے اپنا وہم دور کرنا چاہا' صبح انجانے میں دروازہ کھولنے کا مزا وہ چکھ چکی تھیں۔

''میں ہوں آپا..... صائمہ۔'' باہر سے صائمہ کی آواز آئی تو انہوں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

''آپا بڑی دیر کر دی دروازہ کھولنے میں' میں تو اب ناامید ہو کر جا ہی رہی تھی۔''

''ہاں بس چکر آ رہے ہیں تو اٹھنے میں دیر ہو گئی' کمرے میں ہی آ جاؤ' صحن میں دھوپ ہے۔'' منزہ انہیں لیے کمرے کی طرف بڑھ گئیں' پلنگ پر بیٹھ کر وہ لمبی لمبی سانس لینے لگیں جیسے طویل پیدل چلی ہوں۔ آج کل انہیں بڑی جلدی تھکن ہو جاتی تھی۔

''میں سبزی لینے جا رہی تھی' سوچا آپ سے بھی پوچھتی چلوں' کچھ منگوانا ہے بازار سے تو بتا دیں اور پھر ایک ضروری بات بھی کرنی تھی آپ سے۔'' صائمہ نے آنے کی وجہ بیان کرتے ان کی دلچسپی بڑھائی۔

''آپ نے کچھ عرصہ پہلے انوشا کے رشتے کے لیے کہا تھا ناں' میری بہن ایک رشتہ بتا رہی تھی' لڑکا اچھا کھاتا کماتا ہے' آپ کہیں تو بلوا لوں' ان لوگوں کو؟'' صائمہ کی بات پہ منزہ کو ازحد مسرت ہوئی' ابھی وہ اسی سلسلے میں بات کرنے صائمہ کی طرف جانے کا سوچ رہی تھیں اور صائمہ خود رشتے کی بات کرنے آ پہنچی تھیں۔

''تم نے بڑی اچھی خبر دی صائمہ' بالکل بلوا لو میں خود تمہاری طرف آنا چاہ رہی تھی اسی سلسلے میں بات کرنے' جلد سے جلد دونوں بیٹیوں کی شادی کرنا چاہ رہی ہوں' جو ہو سکے تو مادرا کے لیے بھی لڑکا دیکھو' دونوں بیٹیوں کی ساتھ شادی کر دوں گی۔'' منزہ کو یہی بہترین حل لگ رہا تھا' ایک تو ان کی بیماری' دوسرا بے حس معاشرہ اور اس خبیث کے خوف سے

وہ بیٹیوں کو اسی طرح لاوارث چھوڑ کر جاتیں تو مرنے کے بعد قبر میں بھی بے سکون رہتیں۔

''ان شاء اللہ! دونوں بچیوں کی شادی ہو جائے گی' آپ پریشان نا ہوں' بس اپنا خیال رکھیں' پھر میں کل بلا لوں لڑکے والوں کو آپا؟'' صائمہ اٹھتے ہوئے دلاسا دیتی استفسار کرنے لگیں۔

''ہاں' ہاں بلا لو' اللہ جلد سے جلد میری بیٹیوں کو اپنے گھر کا کرے' آمین۔'' صائمہ کے جانے کے بعد منزہ کتنی ہی دیر تک بیٹیوں کے اچھے نصیب کے لیے دعا گو رہیں تھیں۔

❀.....☆.....❀

چودھری حشمت اور شاہ زر شمعون پنچائیت کی جگہ پہ پہنچے تو مجمع ادراس کے خاص کارندے انہیں دیکھ کر بھاگتے کو پر تولنے لگے۔ وہ گاؤں سے باہر نکل کر بھی دیکھ چکا تھا' چودھری جہانگیر نے پنجاب پولیس کو جس طرح اس کے پیچھے لگا دیا تھا اس کی وجہ سے وہ واپس بھاگ کر گاؤں آ گیا تھا کہ گاؤں ہی اس کی محفوظ پناہ گاہ تھا۔ وہ چھپ چھپا کے رہ رہا تھا' بار بار پنچائت کی طرف سے بھی بلاوا آنے لگا تو لامحالہ پنچائت سے پہلے وہ پنچائت کے ارکان کو اپنی جھوٹی مظلومیت کی داستان سنانے لگا کہ چودھری حشمت کے بیٹے چودھری جہانگیر نے کیسے شہر میں موجود اس کے بیٹوں کو بھی ننگ کر رکھا ہے اور یہ کہ چودھری حشمت اور سمہان آفندی پہ حملہ اس نے نہیں کروایا' وہ چھپتے چھپتے ننگ آ گیا تھا تب ہی معصوم بن کر پنچائیت میں بات کرنا چاہ رہا تھا کہ کسی طرح اس کی گلو خلاصی ہو سکے۔

''انہیں اس وقت بلا کر تم لوگوں نے ثابت کر دیا کہ تم سب بھی ملے ہوئے ہو۔'' مجر شاہ زر شمعون اور چودھری حشمت کو دیکھتے پنچائیت کی اراکین کو الزام دیتے غصہ کرنے لگا۔

''مجر ہوش میں رہ کر بات کر' جس طرح ہزار بار کے بلاوے کے بعد تو آ کر دہائی دے رہا ہے کہ تو معصوم ہے' اسی طرح یہ بھی خود آئے ہیں' کیا ابھی تجھے ہم نے بلایا؟ ہم تو پنچائیت لگانے کا پیغام بھجوا رہے تھے تجھے' اور گاؤں بھر میں مشہور کہ تو گاؤں میں نہیں' چودھری حشمت کو ہم نے نہیں بلایا۔ یہ خود آئے ہیں۔'' پنچائیت کے سنیئر رکن چودھری حمید نے مجر کو سناتے ہوئے کہا تو مجر کے چہرے پہ میں نا مانوں والے تاثرات آ گئے۔ اسے لگ رہا تھا اس نے یہاں آ کر غلطی کر دی اور اب وہ پھنس گیا تھا۔

''ہمیں کسی نے نہیں بلایا' ہم خود پنچائیت کے معزز اراکین تک تمہارے گندے کھیل کا مقدمہ لے کر آئے ہیں۔ تم نے ہم پر' ہمارے پوتے پر حملہ کیا' تمہارے آدمی بھولو کی بہن کے بھاگنے پہ تم نے نوریہ کی عصمت دری کروائی' تمہارے گناہ تو ایسے ہیں کہ تمہیں بیچ چوک میں پھانسی دی جائے..... مجر۔'' چودھری حشمت اپنے جاہ و جلال میں آ چکے تھے۔ مجر بھی بحث بازی پہ آ گیا تھا۔ پہلے تو وہ انکاری رہا کہ اس نے کچھ نہیں کیا بعد میں اس نے ڈنگ کی چوٹ پہ اقرار کر لیا کہ وہ انہیں ختم کرنا چاہتا ہے' پنچائیت کے اراکین نے معاملہ گرم ہوتے دیکھ کر بحث سے منع کرتے پنچائیت لگانے کی بات کی تو مجر نے انہیں بھی گالیاں دینا شروع کر دیں۔

''اے چپ..... تم جیسے دو ٹکے کے لوگ پنچائیت لگا کر مجر کو مجرم ثابت کرو گے؟ اس گاؤں میں صرف مجر کی حکومت ہو گی' صرف اسی کا قانون چلے گا اور یہ سب اسی وقت ہو گا جب تو مرے گا چودھری حشمت۔'' چودھری حشمت اور شاہ زر شمعون کو اکیلے دیکھ کر مجر کچھ زیادہ اچھلنے لگا تھا' بات کے اختتام پر اپنے پیچھے کھڑے بھولو سے گن لے کر مجر کا ارادہ ابھی اور اسی وقت چودھری حشمت اور شاہ زر شمعون کو ختم کرنے کا تھا۔ دونوں کو خالی ہاتھ اور بنا پاڈی گارڈ کے دیکھ

کراسے اپنا کھیل آسان لگنے لگا تھا۔

پنچائیت کے ارکان بھی گجر کی بات پہ متوحش ہو گئے تھے۔ وہ پنچائیت کے ارکان کو بھی قتل کی دھمکی دے رہا تھا' اس کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے تھے' اس کی نفرت اور دشمنی کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ شاہ زر شمعون کا خون ابل رہا تھا۔ حد ادب کو ملحوظ رکھتے بڑوں کے درمیان زبانی تلخ کلامی پہ وہ خاموش کھڑا تھا لیکن اس کی ہر حس آنکھ بن کر گجر کے ساتھ ارد گرد کو بھی بھانپ رہی تھی۔ گجر کے لفظوں کی گرمی بڑھی اور اس نے گن کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس تیزی سے چودھری حشمت کو مضبوط پیڑ کی آڑ میں کرتے' اپنی کمر میں اڑسے پسٹل نکالے تھے اسے ذرا دیر نہیں ہوئی تھی۔ ساتھ ہی فضا میں گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونج گئی تھی۔ پہلی دو گولیوں میں ہی بھولو اور گجر شاہ زر شمعون کا نشانہ بن گئے تھے۔ دوسرے نے وفاداری نبھائی اور گولی شاہ زر شمعون کے بازو میں لگ گئی تھی۔

"شاہ....." چودھری حشمت پوتے کو گولی لگتے دیکھ کر چیخے مگر اگلے ہی لمحے شاہ زر شمعون نے اس کی وفاداری کا انعام اس کے بھیجے کو اڑا کر دیا۔

"شاہ..... تو ٹھیک ہے پتر؟" چودھری حشمت حواس باختہ سے اس کے قریب آ کر بازو دیکھنے لگے۔ پنچائیت کی ارکان جنہوں نے درختوں کی آڑ میں زمین پہ لیٹ کے جان بچائی تھی' وہ سب بھی کھڑے ہو گئے' گجر اور اس کے ساتھیوں کی لاش اور شاہ زر شمعون کے بازو سے بہتے خون کو سب خوف زدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ شاہ زر شمعون اپنے درد کو فراموش کر گیا تھا۔ اس کے چہرے پہ سکون پھیل گیا تھا' نور یہ سے کیا وعدہ ایفا ہو گیا تھا۔

❁.....☆.....❁

سمہان آفندی کے نمبر سے آئے ای میل اور پاس ورڈ کو دیکھ کر شائیہ اچھل پڑی۔ اس نے اسی وقت آئی ڈی لاگ ان کی اور جب اوپن ہو گئی تو وہ بے ساختہ سمہان آفندی کو کال کر گئی۔ سمہان آفندی جو در کشاپ کی تلاش میں نکلا ہوا تھا' صد شکر کہ در کشاپ مل گئی تھی۔ وہ ٹائر لے کر آ رہا تھا جب اس کا سیل فون بجنے لگا۔

"یقیناً بے صبری سے صبر نہیں ہو رہا ہو گا۔" نعیشال جہانگیر کا خیال کرتے اس نے سیل فون نکالا۔ دوسرے ہاتھ میں ٹائر منتقل کرتے اس نے اسکرین پہ شائیہ کا نمبر دیکھ کر کال ریسیو کی۔

"جی شائیہ جی! آئی ڈی مل گئی؟" اس نے بے ساختہ گفتگو کا آغاز کیا' سمجھ گیا تھا کہ اس نے اسی سلسلے میں فون کیا ہے۔

"ہاں' مل گئی۔ تھینکس' لیکن تمہیں کیسے خبر ہوئی؟" وہ حیران ہوئی۔

"بروز نے کہا تھا ریکور کرنے کو آپ پاس ورڈ چینج کر کے کوئی اسٹرونگ پاس ورڈ لگا کر بے فکر ہو جائیں۔ نہیں ہو گی پھر ہیک' کبھی سیکیور کر دی ہے۔" وہ اسے سمجھا کر مطمئن کر رہا تھا۔

"اس..... یعنی تم بھی اس کھیڑوں کی طرح اس فن سے واقف ہو؟ یا اللہ کتنے خطرناک کزنز ہیں میرے۔" شائیہ چودھری کو یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ سمہان آفندی بھی اس دشت کا سیاح تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ کبھی اپنے متعلق چیزیں شو نہیں کرتا تھا' بھلے بولتا شاہ زر شمعون سے زیادہ تھا۔

"جی آداب عرض ہے۔" وہ مسکرایا۔

"مجھے بھی سیکھنا ہے' مجھے سکھاؤ۔" وہ ضدی ہوئی۔

"آن لائن تو نہیں سکھا سکتا' آ جائیں حویلی کچھ ماہ کے لیے پھر سکھا دوں گا۔" اس نے آفر دی۔

"اچھا....." حویلی میں رہنے کے خیال سے ہی اس کا منہ بن گیا۔

"سیکھ گئی تو سب سے پہلے اسی کی آئی ڈی اڑاؤں گی' بہت بنتا ہے اس سڑیل کے پاس تھی نا آئی ڈی اس کے کہنے پہ کہیں تم مجھے بے وقوف تو نہیں بنا رہے ناں۔" اپنے خطرناک ارادے بتا کر وہ مشکوک ہوئی' سمہان آفندی بھی اس کے ارادے جان کر ہنس پڑا لیکن اس کے شک کرنے پہ اسے سنجیدہ ہونا پڑا۔

"انہوں پہ شک نہیں کرتے شائیہ جی! آپ کی آئی ڈی آپ کے اپنے ہی شہر کے ہیکر کے پاس تھی۔ کہیں تو لوکیشن بھی ٹریس کر دوں؟"

"نہیں' تم کہہ رہے ہو تو یقین کر لیتی ہوں' پھر تو سڑیل کو میں نے بلاوجہ باتیں سنا دیں' آئی ڈی کے غم میں اس نے بھی تھوڑی سی ڈانٹ پہ اکتفا کیا' حیرت ہے دیسے' ورنہ میں تو سوچ رہی تھی دیوار میں نا چنوائے لیکن کوئی سخت سزا ضرور پلان کرے گا۔" وہ مزے سے اظہار خیال کر رہی تھی۔

"اگر آپ نے گستاخی کی ہے اور وہ سستے میں چھوڑ گے ہیں تو آپ کا اندازہ درست ہے' بروز آج کل گاؤں کے مسائل اور پچھلے حملے کے واقعے میں الجھے ہوئے ہے' آئندہ خیال رکھیے گا۔" سمہان آفندی نے گھما پھرا کر ڈرانے کی کوشش کی' وہ چلتے ہوئے اپنی گاڑی کے قریب آ گیا تھا۔ وہ جوں جوں قریب آتا جا رہا تھا' اس کی نظریں گاڑی کے اندر طواف کر رہی تھیں' قدموں کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔

گاڑی کے قریب آ کر اس کی نگرد و چند ہو گئی تھی' کال ڈسکنیکٹ کرتے اس نے دوسرے ہاتھ میں موجود ٹائر نیچے گرا کر نعیشال جہانگیر کا نمبر ملایا مگر فون گاڑی کے اندر سے آنے لگی تو اس نے جھک کر دیکھا' نعیشال جہانگیر کا سیل فون سیٹ پہ پڑا ہوا تھا' اور وہ خود کہاں تھی؟ اس کے ماتھے پہ لکیریں پڑنے لگیں' ارد گرد نظر دوڑائی تو وہ ہر سمت قدم بڑھا کر دیکھ چکا تھا' دور تلک سناٹا تھا' اس کے دل کو جیسے کسی نے دبوچ لیا تھا۔

"نعیشال....." وہ پوری قوت سے چلایا۔ اس کے دل کی دنیا نعیشال کی غیر موجودگی پہ ایک سیکنڈ میں ڈول گئی تھی۔

"نعیشال....." وہ پاگلوں کی طرح اسے آوازیں دے رہا تھا۔

"سمہان..... مجھے بچاؤ' آ..... آ....." نعیشال کی خوف زدہ آواز جانے کہاں سے آئی تھی۔ آواز کی سمت بھاگتے اس نے اپنی جیب سے پسٹل بھی نکال لیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

❁

www.PakDigestsNovel.Blogspot.Com

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

گزشتہ قسط کا خلاصہ

چودھری بخت منزہ کو دیکھے بغیر اپنے روم میں چلے جاتے ہیں' جب کہ ایک دوسرا شخص منزہ کو پہچان کر اس کے قریب چلا آتا ہے۔ منزہ اسے دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہے' جب کہ وہ شخص انوشا اور ماورا کی بابت پوچھتا منزہ کی پریشانی مزید بڑھا دیتا ہے۔ اسی وقت ہاسپٹل میں ایمرجنسی کیس آ جاتا ہے' جس سے ہاسپٹل میں رش بڑھ جاتا ہے۔ منزہ اس موقع کا فائدہ اٹھاتی انوشا اور ماورا کو اپنے ساتھ لے کر وہاں سے نکل جاتی ہے۔ وہ شخص منزہ کا پیچھا کرتا ہے۔ شاہ زر شمعون کو گجر پر غصہ ہوتا ہے اور وہ ان سے انتقام لینا چاہتا ہے' لیکن اس بات کی اجازت چودھری حشمت کی طرف سے نہیں ہوتی' جب ہی وہ خود پر ضبط کر رہا ہوتا ہے۔ تب ہی ایک لڑکی اس کے پاس آ کر اس سے مدد مانگتی' گجر کے مظالم کے قصے سناتی ہے۔ شاہ زر شمعون حویلی آ کر وہ ساری بات چودھری حشمت کو بتاتا ہے' تب وہ پنچائیت بلانے کا کہتے' شاہ زر شمعوں کو بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔ ماورا یونیورسٹی آتی ہے تو کلاس میں اس کے تعارف کے ساتھ ہی ایشان جاہ کو اور اس کے گروپ کو اس کے ٹاپ کرنے کا علم ہو جاتا ہے' ماورا نے اپنے طور پر کوئی مقابلے بازی نہیں کی ہوتی جب کہ ایشان جاہ کو اس کا سر فہرست آنا ناگوار گزرتا ہے۔ وہ شخص منزہ کا پیچھا کرتا اس کے گھر تک پہنچ جاتا ہے۔ اس وقت انوشا اور ماورا اسکول اور کالج گئی ہوتی ہیں۔ وہ شخص منزہ کو ماضی کے حوالے سے ڈراتا اس سے پیسے وصول کرتا چلا جاتا ہے۔ تب منزہ خوفزدہ ہوتی دونوں بیٹیوں کی شادی کے حوالے سے سوچتی صائمہ (بہنائی) سے رشتے کی بات کرتی ہے۔ پنچائیت میں گجر اور چودھری حشمت میں تلخ کلامی ہو جاتی ہے اور ایسے میں گجر کے آدمی چودھری حشمت پر حملہ کر دیتے ہیں۔ شاہ زر شمعون چودھری حشمت کو بچانے کے چکر میں خود گھائل ہو جاتا ہے' لیکن وہ گجر کے آدمیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ سمہان آفندی عیشال جہانگیر کو کالج لے کر جا رہا ہوتا ہے کہ راستے میں گاڑی خراب ہو جاتی ہے۔ وہ مکینک کو لینے جاتا ہے' تب عیشال جہانگیر کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ گاڑی میں ہی بیٹھ کر اس کا انتظار کرے لیکن واپس آ کر اسے گاڑی میں نا پا کر وہ پریشان ہو جاتا ہے' تب ہی عیشال جہانگیر کی چیخ سنائی دیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

عیشال کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ اس کی تلاش میں وہ کافی آگے نکل آیا تھا' آواز کا تعاقب کرتے اسے عیشال جہانگیر نظر آ گئی' بے حد خوف زدہ اور سہمی ہوئی تھی۔

''سمہان.....'' اس کے صحت مند چہرے اور کسرتی وجود کو دیکھتے عیشال جہانگیر کے چہرے پر سکون پھیلا تھا۔ اس کا نام پکارتی وہ خوف زدہ نگاہوں سے جنگلی کتوں کو دیکھ رہی تھی۔ جنہوں نے اسے گھیرے میں لیا ہوا تھا کہ وہ ذرا سی بھی حرکت کرے اور وہ سب اس پر ٹوٹ پڑیں۔

Download From - PakDigestsNovel

www.paksociety.com

نے بے ساختہ دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔ جنگلی کتوں کو دم دبا کر بھاگتے ہی بنی تھی۔

"اور کیوں فائر کیے ان خون آشام کتوں پر کرتے ناں۔" کپڑے جھاڑتے وہ اس تک آئی۔ سمہان آفندی ہاتھ میں پسٹل لیے کھڑا اردگرد پر نظر ڈال رہا تھا۔ فضا میں چیل کوؤں کا شور بھی پھیل گیا تھا۔ حواس بحال ہوتے ہی وہ جرح کرنے لگی۔ اس کی چلتی زبان دیکھ کر اطمینان ہوا کہ وہ "خیر" سے ہے۔

"کتوں کی بجائے تم پر ناکر دیتا..... جب کہا تھا کہ گاڑی کے اندر لاک کر کے بیٹھنا..... تو تم یہاں تک کیسے پہنچیں۔" اس نے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔ ذرا سی دیر میں اس نے کیا کچھ نا سوچ لیا تھا۔ اس کا غصہ دوچند ہو گیا تھا۔ ہر معاملے میں وہ بلا کا ضبط رکھتا تھا' اسے حویلی میں سب سے زیادہ اپنے اعصاب کو قابو میں رکھنا آتا تھا' لیکن واحد عیشال جہانگیر تھی جس کے معاملوں میں وہ خود پر قابو رکھنے سے قاصر رہتا تھا۔

"کیا ہے' بازو کیوں کھینچ رہے ہو۔ میں تو کچے آم توڑنے آئی تھی۔ مجھے کیا خبر تھی یہاں جنگلی کتے بیٹھے ہیں۔" وہ منہ بسور کر بازو چھڑانے لگی۔

"جانے وہ کون سی گھڑی ہوگی جب تمہیں عقل آئے گی۔" بازو جھٹک کر اس نے چلنے کا اشارہ کیا۔

"اور مجھے یہاں چھوڑ کر تمہارا نمبر کیوں بزی تھا۔ کال کی تو خبر ملی..... صارف دوسری لائن پر مصروف ہے۔" وہ تیکھی چتونوں سے گھورنے لگی۔

"شنائیہ کی کال تھی۔" وہ سادگی سے بتا گیا۔

"یہ شنائیہ جی تمہیں کچھ زیادہ کال نہیں کرتیں؟" وہ جانے کیوں جیلس ہونے لگی۔

"تمہاری طرح وہ بھی کزن ہیں میری' جس طرح تمہاری وجہ سے دھوپ میں چل رہا ہوں' اسی طرح انہیں بھی مجھ سے کام ہو سکتا ہے' لیکن تم میں عقل ہو جب نا..... نا موقع نا محل اور تم تفتیش کرنے کھڑی ہو گئیں کہ شنائیہ مجھے کال کیوں کرتی ہیں..... اب چلو گی.....؟" اس بے وقت کی راگنی پر وہ ٹھیک ٹھاک تپ گیا تھا تب ہی جھلا کر آگے بڑھنے کا ہاتھ سے اشارہ کیا۔ جس میں پسٹل دبا ہوا تھا۔

"مجھ میں اور شنائیہ جی میں فرق ہے..... اوکے۔" اس کے انداز پر سمہان آفندی ہاتھ سینے پر باندھے۔

"جی مادام..... اب چلنے کی گستاخی کریں گی۔"

"ہونہہ..... یہ تم نے کیا عقل کی رٹ لگائی ہوئی ہے۔ الحمدللہ صاحب عقل ہوں۔"

"جی آپ میں کتنی عقل ہے' ابھی ملاحظہ فرمایا میں نے۔ میں نے ذرا دیر کی ہوتی آنے میں تو جنگلی کتوں کا نوالہ بن چکی ہوتی۔" وہ بھی ساتھ چلنے لگا۔ احتیاطاً پسٹل ہاتھ میں ہی تھا۔

"پچھلی بار بھی تم نے غضب کی پرفارمنس دی تھی اور آج بھی..... تم پسٹل چوبیس گھنٹے ساتھ لے کر گھومتے ہو کیا.....؟" اس کی نظریں سمہان آفندی کے ہاتھ میں موجود جدید پسٹل پر تھیں۔

"موسٹلی!" اردگرد نظر دوڑاتے ہوئے جواب دیا۔

"تم اتنے خطرناک انسان ہو' مجھے تو خبر ہی نہیں تھی۔" اس نے متاثر کن لہجے میں کہا۔

"اب تو خبر ہو گئی ناں' اب بچ کے رہنا' سوچ سمجھ کے بولنا۔" دونوں باتیں کرتے ہوئے گاڑی کی طرف چل رہے تھے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے۔ جدید پسٹل لیے مجھے ڈراؤ گے اور میں چپ کر کے بیٹھ جاؤں گی۔ کوئی نہیں میں اپنی ہی کروں

Download From - PakDigestsNovel

Web Library for Pakistan http://pklibrary.blogspot.com

بولی۔ سمہان آفندی نے بے ساختہ اسے دیکھا۔ چادر شاید گاڑی میں رہ گئی تھی۔ اس وقت صرف دوپٹا تھا جو سر سے سرک کر کندھوں پر آ گیا تھا۔ دوڑ بھاگ میں بال بھی کھل کر بکھر گئے تھے۔ اڑتے بالوں اور دھوپ کی تمازت سے گلابی چہرہ لیے وہ باغی تیوروں کے ساتھ بھی اچھی لگ رہی تھی۔

"تم تو ان بے چین روحوں میں سے ہو جو مرنے کے بعد بھی لوگوں کا جینا حرام کر دیں۔ میں کوئی پاگل ہوں جو تمہیں مار کر اپنی ساری زندگی برباد کروں' چڑیل بن کر پیچھا ہی لے لینا ہے تم نے میرا۔" مذاق اڑاتا وہ گاڑی تک آیا۔ پسٹل ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے اسے بیٹھنے کو کہا۔

"میں نہیں بیٹھ رہی پہلے تم ٹائر بدلو۔ اف..... اب تو کلاس کا وقت بھی ہو گیا ہے۔" کلائی میں بندھی رسٹ واچ میں ٹائم دیکھتے وہ منہ بسور گئی۔ وہ ٹائر قریب کیے اوزار نکالے ٹائر بدلنے لگا۔ دھوپ کی تمازت کو دیکھتے عیشال سورج کی طرف بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ سمہان آفندی کے پیچھے آ کھڑی ہوئی کچھ اس طرح کہ اس کے وجود کا سایہ سمہان آفندی کو دھوپ کی تمازت سے بچا رہا تھا۔ سمہان آفندی اس کا عمل بھانپ گیا تھا۔ جب بولا تو لفظ بے حد نرم تھے۔

"اندر بیٹھ جاؤ آرام سے۔ میں اتنا نازک نہیں کہ دھوپ کی تمازت برداشت نا کر سکوں کیوں خود کو جلا رہی ہو؟"

"تم جو جل رہے ہو۔" بڑے ہی اختصار سے لفظ کہے تھے' مگر اس اختصار میں جو رنگ تھے۔ انہوں نے سمہان آفندی کے ہاتھ ایک پل کو ساکت کر دیے تھے۔ کوئی جواب نا بن پڑا کہ وہ اکثر ہی لاجواب کر جاتی تھی۔ ابھی وہ ٹائر لگا کر ٹشو سے ہاتھ صاف کر کے کھڑا ہی ہوا تھا کہ اس کا سیل فون بجنے لگا۔

"جی داجان۔" چودھری حشمت کا نمبر دیکھ کر اس نے جھٹ کال ریسیو کی۔ ٹائر اور اوزار گاڑی کے اندر رکھتے اس نے عیشال جہانگیر کو اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"شاہ کو گولی لگی..... پر کیسے..... اوہ نو.....!" کال پر بات کرتے اس کے چہرے پر ایک دم تناؤ کی کیفیت آ گئی تھی۔ شاہ کو گولی لگ گئی۔ سن کر عیشال جہانگیر بھی شاکڈ ہو کر سمہان آفندی کی شکل دیکھنے لگی تھی۔ اس کے چہرے پر سوچ کی لکیریں تھیں۔

"جی..... میں دس منٹ میں حویلی پہنچتا ہوں۔" دوسری طرف سے شاید شاہ سے متعلق امید افزا خبر ملی تھی۔ تب ہی چہرے کا تناؤ کم ہوا تھا۔ کال بند کرتے اس نے تیزی سے گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک پر ڈال دی تھی۔

"ویرے کو گولی لگی.....؟" وہ حیرانی سے استفسار کر رہی تھی۔ گاڑی کا رخ حویلی کی طرف دیکھ کر اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

"شاہ کو بازو میں گولی لگی ہے' لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں ٹریٹمنٹ ہو گی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ گجر کو ابدی نیند سلا دیا شاہ نے۔ داجان فوراً حویلی پہنچنے کو کہہ رہے ہیں۔" جواب دیتے اس نے اسپیڈ مزید بڑھائی' عام حالات ہوتے تو وہ اس کی جان کو آ جاتی مگر شاہ کے بارے میں سن کر وہ بھی جلد سے جلد حویلی پہنچنا چاہتی تھی اور پھر گجر کی موت کے بعد اس کے بیٹے جانے کیا ری ایکٹ کرتے۔ ان ہی اسباب کے بنا پر چودھری حشمت نے اسے فوراً حویلی پہنچنے کا حکم دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

اگلی کلاس بھی تعارفی رنگ لیے ہوئے تھی' مگر لیکچرار ذرا کریٹیو مائنڈ تھے۔ چند سوالات دے کر پوری کلاس کو جوابات لکھنے کی ہدایت دے کر ریلیکس ہو کر بیٹھ گئے کہ وہ اسٹوڈنٹس کو پرکھنا چاہتے تھے۔ سوالات آسان اور کورس سے جڑے ہوئے تھے۔ ماورا یحییٰ جیسی ذہین و فطین لڑکی کے لیے جہاں آسان تھے وہیں کئی ایک بغلیں بھی جھانک رہے تھے۔ جن

Download From - PakDigestsNovel

کی نظر سب پر تھی۔ کئی ایک کو وہ ٹوک چکے تھے۔ سب پر سے ہوتی اس کی نظر ماورا یحییٰ کے رواں ہاتھوں پر پڑی۔ سر جھکائے وہ تیزی سے لکھنے میں مصروف تھی۔ اس نے نخوت سے سر جھٹکا اور پھر سے لکیریں کھینچنے لگی۔

"TIMES UP" کا نعرہ لگاتے لیکچرار کی نظر ایشان جاہ پر پڑی۔ جو انہیں اپنا اسائنمنٹ دینے آیا تھا۔ انہوں نے ایشان جاہ کے ذمہ لگا دیا کہ وہ تمام اسٹوڈنٹس سے اسائنمنٹ پیپر لے۔ ایشان جاہ کئی ایک کلاس فیلو سے پیپر لے کر ماورا یحییٰ کے پاس آیا تو وہ اپنا نام لکھ کر فارغ ہو چکی تھی۔ ایشان جاہ کی نظر اس کی خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں الجھ گئی۔ اسائنمنٹ اٹھا کر دینے کے بجائے ماورا یحییٰ نے آگے سرکا دیا۔

"اسائنمنٹ اٹھا کر دینے کی عادت ڈالیں۔ میں آپ کا نوکر نہیں ہوں۔" سلگتے لہجے میں دبی زبان سے کہتا وہ آگے بڑھ گیا' کچھ لڑکے اب اپنا نام لکھ رہے تھے وہ اپنے گروپ کی طرف آیا۔

"کیا ہوا' موڈ کیوں بگڑا ہوا ہے؟" سعید نے اسائنمنٹ پیپر پکڑاتے استفسار کیا۔

"پیپر اٹھا کر دیتے نواب زادی کی شان گھٹ رہی تھی۔" اس کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔

"اوہ....." سب کی نظریں ماورا یحییٰ پر جم گئیں۔ لیکچرار کی موجودگی میں سب دبی زبان میں مصروف تھے۔ تب ہی کسی طرف سے ایشان جاہ کے نام کی پکار پڑی اور انشراح نے سرعت سے ماورا یحییٰ کے اسائنمنٹ پیپر اپنے اسائنمنٹ پیپر سے اٹیچ کر کے اپنے پیپر ماورا یحییٰ کے نام سے جوڑ دیے۔

"اوئے یہ کیا کر رہی ہو؟" عزیر نے سرگوشی کی۔

"شش۔" انشراح انہیں چپ کرواتی جلد ہی اپنی کارستانی سے فارغ ہو کر ماورا یحییٰ کے نام کا اسائنمنٹ سب سے اوپر رکھ گئی۔ ایشان جاہ مزید چند اسائنمنٹ لے کر آیا تو باقی کے اسائنمنٹ کے نیچے دکھ کر روسٹرم پر رکھا آیا۔

"دیکھنا ابھی کیسی عزت افزائی ہوتی ہے محترمہ کی۔" انشراح دبی زبان میں اپنے گروپ میں مزے سے کہہ رہی تھی۔ سب ہی سرگوشی میں خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ ماورا یحییٰ کی ممکنہ بے عزتی پر کھلکھلا رہے تھے۔

"کس کی عزت افزائی؟" ایشان جاہ نے یونہی پوچھ لیا۔

"اسی مڈل کلاس نواب زادی کی۔" انشراح نے لب بھینچے۔

"کس طرح؟" اسے حیرانی ہوئی۔

"انشراح نے اسائنمنٹ پیپرز بدل دیے ہیں۔" عثمان نے اسے آگاہ کیا۔

"وہاٹ؟" وہ بری طرح چونک کر انشراح کو دیکھنے لگا۔ انشراح بھرپور طریقے سے مسکرائی۔ ایشان جاہ کی نظر بے ساختہ لیکچرار پر اٹھی تھیں' جو جانے کس کے پیپرز پر نظر ڈال رہے تھے اور ان کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے انہوں نے صفحہ پلٹ کر نام دیکھا اور پھر پوری کلاس کو۔

"کون ہیں یہ ماورا یحییٰ.....؟ کھڑی ہوں ذرا۔" لیکچرار کی دبنگ اور خشک آواز پر ماورا یحییٰ جہاں بری طرح چونکی ایشان جاہ کے گروپ کے ارکان میں گرم جوشی بڑھ گئی۔

"یس سر' میں ماورا یحییٰ۔" وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اگر آپ کو ٹرک اور بسوں کے پیچھے لکھے شعر لکھنے کا اتنا شوق ہے آڑی ترچھی لکیروں کا جال بننے کا اتنا دل کرتا ہے تو آپ کسی نچلے درجے کے اسکول میں جا کر یہ فرائض انجام دیں۔ اس کلاس میں کیا کر رہی ہیں۔ اسائنمنٹ کے نام پر یہ کیا خرافات تھمائی ہے آپ نے..... آپ جیسے نان سیریس لوگ ہی ہوتے ہیں جو کسی حق دار کا حق مار کر سیٹ ہتھیا لیتے

Download From - PakDigestsNovel

سے نیچے گر گئے تھے۔ ماورا یحییٰ جو سمجھ رہی تھی انہوں نے اسے شاباشی دینے کے لیے کھڑا کیا ہے وہ ان کے اس انداز اور گرے ہوئے پیپرز کو دیکھ کر ذلت کے احساس سے گڑھ کے رہ گئی۔ اوپر سے کلاس فیلوز کی نظریں اور دبی دبی ہنسی اسے خفت میں مبتلا کر دینے کے لیے کافی تھی۔

لیکچرار برس رہے تھے اور ایشان جاہ کا گروپ مزے لے رہا تھا۔ ماورا یحییٰ نے ایک خاموش نظر ایشان جاہ پر ڈالی۔ اس کی دانست میں ایشان جاہ نے یہ حرکت کر کے اپنی بھڑاس نکالی تھی۔ سر جھکا کر پیپر اٹھا کر وہ دوبارہ اپنی جگہ پر جا کے کھڑی ہو گئی۔ کلاس کا ٹائم ختم ہو گیا تھا۔ لیکچرار جی بھر کر سنا کر جا چکے تھے۔ اسٹوڈنٹس بھی چہ میگوئیاں کرتے نکلنے لگے تو ماورا یحییٰ بھی اپنی چیزیں سمیٹتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چچ چچ بے چاری۔" انشراح نے ماورا یحییٰ کے قریب سے گزرتے پر اس کے زخموں پر نمک چھڑکنا ضروری سمجھا۔

"تم جیسے گرے ہوئے لوگ ایسی ہی گھٹیا حرکت کر کے دوسروں کو ذلیل کر کے خوش ہوتے ہیں۔ مقابلہ کرنا ہے تو سامنے سے آ کر کرو ناں یوں بزدلوں کی طرح ہارنے کے ڈر سے پیپر بدل کر تم نے میری نہیں اپنی اوقات دکھائی ہے۔ تم جیسوں کو ایسی ہی اوچھی حرکت زیب دیتی ہے۔" ماورا یحییٰ ایک پل کو ان کے سامنے رکی تھی۔ ان سب کے خوشی سے پُر چہرے اور ایشان جاہ کے اسائنمنٹ پیپرز جمع کرنے پر وہ سمجھ گئی کہ یہ حرکت ایشان جاہ نے کی ہے۔ مگر وہ یہ بات لیکچرار کے سامنے ثابت نہیں کر سکتی تھی۔ تب ہی جب انشراح نے مذاق اڑایا تو ماورا یحییٰ سخت لفظوں میں سنا گئی۔ ذلت و بے عزتی کے احساس نے آنکھوں کی سطح گیلی کر دی تھی۔ وہ ان سب کو جانتی تک نا تھیں..... مگر ان سب نے جیسے اس سے بیر باندھ لیا تھا۔ اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں تھی۔ ایشان جاہ غصے سے لال ہو گیا تھا۔

"کس قدر زبان دراز ہے یہ لڑکی۔ کیسے چیلنج کر گئی۔ تم نے کچھ کہا کیوں نہیں ایشان۔" انشراح مچلی۔ سب کو ایشان جاہ کی خاموشی محسوس ہوئی تھی۔

"اسے تو میں بعد میں دیکھ لوں گا۔ لیکن تمہیں ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی انشراح۔" وہ جب بولا تو باقی سب بھی چونکے۔

"کیا.....؟"

"وہ تمہیں اتنا سنا گئی اور تم یہ کہہ رہے ہو۔" انشراح کو برا لگا۔ وہ تو اپنے عمل پر داد چاہ رہی تھی۔

"میں تنہا ہی مقابلہ کروں گا اس سے۔ تب دیکھتا ہوں کتنے پانی میں ہے۔" اس نے سر جھٹکا۔ سب باتیں کرتے آگے بڑھنے لگے مگر ایشان جاہ کو رہ رہ کر اس کی آنکھوں کی نمی یاد آ رہی تھی۔ حقیقتاً اس کی بہت بے عزتی ہوئی تھی۔

❁.....❁.....❁

حویلی میں ہر چار چھ ماہ کے وقفے سے مرحلہ وار صفائی کا آغاز کیا جاتا تھا جس میں فیصلہ کیا جاتا تھا کہ غیر استعمال شدہ چیزوں کا کیا کیا جائے۔ بیشتر چیزیں اسٹور کا حصہ بن جاتی تھیں لیکن جب اسٹور میں بھی گنجائش نا بچی کچھ رکھنے کی تو سب کو سمجھنا پڑا کہ اب اسٹور میں صفائی کی ضرورت ہے۔ پرانا کاٹھ کباڑ نکال کر پھنکوانے کی نیت سے الگ رکھا گیا تو پرانے بکسے اور صندوق کے تالے بھی کھلنے لگے۔ ملازماتیں رنگ آلود صندوق ہال میں لے آئیں کہ دیکھیں کیا چیزیں پھینکنے والی ہیں۔ وہ سب کپڑے دیکھنے میں اس حد تک مگن تھیں کہ تینوں خواتین کا چوکنا ملاحظہ نا کر سکیں۔

"دیکھنا یہ ٹشو کا دوپٹا مجھ پر کیسا لگ رہا ہے۔" شازمہ نے ریڈ دوپٹا اٹھا کر سر پر لیا۔ زرش اور بہنوں سے رائے لینے لگی۔

"اتارو انہیں اور رکھو واپس صندوق میں۔" فائزہ کے ایک دم سے ناگواری سے بولنے پر شازمہ سمیت سب ہی ایک

Download From - PakDigestsNovel

www.PakDigestsNovel.Blogspot.com

پل کو چیں۔

"کیا ہوا مما آپ غصہ کیوں ہو رہی ہیں۔" شازمہ کو ڈانٹ پڑنے پر یمنیٰ نے ماں سے سوال کیا۔ جواب نا پا کر اس کا رخ زمرد بیگم کی طرف ہوا۔

"دی جان..... یہ کس کے کپڑے ہیں؟" فریال تو پہلے ہی سوال جواب سے بچنے کے لیے سبزیوں میں مصروف ہوگئی تھیں۔ زمرد بیگم کو بھی یہ سوال بھاری گزرا تھا۔ ابھی وہ کوئی جواب دے ہی نہیں پائی تھی کہ چودھری حشمت اور شاہ زر شمعون کو آتے دیکھ کر سب میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ شاہ زر شمعون کے بازو سے بندھی پٹی اور آستین پر خون کے نشانات ان سب کو پریشان کر گئے۔

"چودھری جی یہ سب..... کیا ہوا پتر؟" زمرد بیگم چودھری حشمت کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتی آگے بڑھ کر شاہ زر شمعون کو تھام گئیں۔ فائزہ بھی چودھری حشمت کی موجودگی میں جھجکتی بیٹے کے قریب آ گئیں۔

سمہان آفندی اور عیشال جہانگیر بھی اسی لمحے داخل ہوئے تھے اور سمہان آفندی جس تیزی سے شاہ زر شمعون تک آیا سب کو تشویش ہونے لگی کہ بات کچھ خاص ہے۔

"تم ٹھیک ہو نا بھائی.....؟ کہا بھی تھا میں بھی ساتھ چلتا ہوں؟" سمہان آفندی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ عیشال جہانگیر نے چادر اتار کر سائیڈ پر رکھی دوپٹا پھیلا کر اوڑھنے لگی۔ فریال نے اسے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ ان کے قریب جا بیٹھی۔

"میں ٹھیک ہوں بھائی۔ خبر نہیں تھی کہ گجر وہاں اپنے حواریوں کے ساتھ موجود ہے ورنہ تمہیں بھی ضرور لے جاتا۔" مسکرا کر اس کا گلہ دور کرنے کی کوشش کی۔ خواتین متجسس نگاہوں سے چپکی کھڑی تھیں کہ اصل حقائق سے آگاہ ہوں۔ چودھری حشمت کے آگے تو ان میں سوال کرنے کی بھی ہمت نا تھی۔

"میں ٹھیک ہوں آپ سب فکر نا کریں۔ گولی چھو کر گزر گئی ہے۔" ان کے متفکر چہروں پر طائرانہ نگاہ ڈالتے انہیں تسلی دی۔

"گولی؟" فائزہ ماں تھیں اس لیے تشویش سے بازو تھام گئیں۔ کوئی چودھری فیروز کو بھی بلا لایا تھا۔ چودھری اسفند شہر گئے ہوئے تھے۔ چودھری حشمت نے تفصیل سے سب کو گجر سے سامنا اور وہاں بیتنے والا منظر دہرا دیا تھا۔ سب کی آنکھوں میں خوف سمٹ آیا تھا۔

"اللہ میرے پوتوں کی حفاظت فرمائے۔" پوتوں سے جہاں چودھری حشمت کو بے حد محبت تھی وہیں زمرد بیگم بھی شاہ کے بازو کو دیکھ کر ہول اٹھی تھیں چند روز پہلے ہی سمہان آفندی اور چودھری حشمت پر جان لیوا حملہ ہوا تھا اور اب ایک بار پھر شاہ نشانے پر آ گیا تھا۔

"بابا جان اب گجر کے قتل کی وجہ سے پولیس اور پنچایت کے چکروں سے کیسے نکلیں گے.....؟" چودھری فیروز جہاں بیٹے کو زندہ سلامت دیکھ کر خوش ہوئے وہیں آنے والا کل انہیں ڈرانے لگا۔ سب ہی متفکر نظر آ رہے تھے۔

"بے فکر رہو۔ ہمارے ہوتے پولیس اور پنچایت ہمارے پوتوں کو چھو بھی نہیں سکتی۔ ہم راستے میں ہی جہانگیر سے سارے معاملات طے کر آئے ہیں۔ اس نے کہا ہے کہ ہم بے فکر رہیں۔ اس قتل میں شاہ کا نام نہیں آئے گا۔ پنچایت پولیس تو ویسے ہی گجر کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اس کی موت کو کراس فائرنگ کا نام دیا جائے گا۔ یہ سب جہانگیر اپنے تئیں ڈیل کر لے گا۔ رہے گجر کے بیٹے۔ تو ان میں اتنا دم نہیں کہ ہمارے سامنے آئیں۔ پنچایت کے لوگ بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ انہوں نے خود دیکھا ہے خون خرابہ کرنے کی نیت گجر کی تھی۔ شاہ نے تو سیلف ڈیفنس میں گولیاں چلائیں۔" چودھری

Download From - PakDigestsNovel

www.PakDigests.com

فریال اور فائزہ کے اشارے پر کچن میں کھانے کے انتظامات دیکھنے کے خیال سے اٹھنے لگیں۔ تب ہی چودھری حشمت کی نظریں صندوق اور نیچے بکھرے کپڑوں پر پڑیں۔ ان کی آنکھیں لہو رنگ ہونے لگیں۔

"کس نے نکالے ہیں یہ کپڑے۔ اٹھاؤ انہیں اور آگ لگادو..... دوبارہ یہ کپڑے نظر نا آئیں۔" چودھری حشمت کے ایک دم سے دھاڑنے پر سب ہی سراسیمہ سے ہوگئے۔ زمرد بیگم نے ملازمہ کو جلدی اٹھانے کا اشارہ کیا۔ جو سہمی کھڑی تھی۔ لڑکیاں بری طرح چونکیں کہ اتنے اچھے کپڑوں کو جلانے کا کیوں کہہ رہے ہیں۔

عیشال جہانگیر چونکہ ابھی آئی تھی اس لیے کپڑوں کا راز جاننے سے قاصر تھی۔ ہاں اس کی آنکھوں میں الجھن صاف نظر آرہی تھی اور سمہان آفندی یہ الجھن دیکھ کر سر تھام گیا کہ اب وہ اس الجھن کو سلجھن بنا کر ہی دم لے گی اور وہ یہ ہی نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی گورکھ دھندے میں پھنسے۔

❁.....❁.....❁

چودھری جہانگیر سے سارے معاملات جان کر شاہ زر شمعون کی کال پر تمام گارڈ کو مستعد دیکھ کر چودھری بخت اور دیا کو بھی حیرانی ہوئی تھی۔ شاہ زر شمعون نے حسب وعدہ گاؤں پہنچنے کے اگلے ہی روز گارڈز کی کافی تعداد چودھری بخت کے بنگلے پر تعینات کروادی تھی۔ اس کی ہدایت کے مطابق وہ ہر آئے گئے پر نظر رکھیں گے۔ ان سب کے لیے الگ سے کافی مقدار میں کھانا پکتا تھا۔ اس کے علاوہ چودھری بخت اور دیا کو ٹیرس پر ان کی موجودگی سے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ الٹا وہ ریلیکس ہوگئے تھے۔

دیا اور چودھری بخت نے تو تفصیلی بات کی تھی۔ ماہم بھی شاہ کی کارگزاری پر بے حد متاثر نظر آرہی تھی کہ سہلیوں پر مزید بھرم پڑے گا۔ سوائے شنائیہ چودھری کے ہر کوئی ہی متاثر تھا۔

"ہونہہ..... درندہ ہے پورا۔ انسان کو بھی ایسے شوٹ کرتا ہے جیسے لوگ چیونٹی کو مارتے ہیں۔" اسے سن کر بے حد عجیب لگا کہ شاہ زر شمعون نے کئی بندوں کو مارا ہے۔ اس کے خاندان میں خون خرابہ کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن وہ نازک احساسات والی لڑکی تھی۔ ہمیشہ سے گاؤں اور ان کے مسائل سے دور آزاد ماحول میں پلی بڑھی تھی لیکن وہاں سے آتی خبروں سے اس کا فشار خون بلند کر جاتا تھا۔ پہلے سمہان اور چودھری حشمت پر حملہ پھر شاہ زر شمعون کے ہاتھوں کئی لوگوں کا قتل..... اسے عجیب لگا۔ شاہ زر شمعون کو بھی گولی لگی یہ جان کر اسے تشویش بھی لاحق ہوئی۔ ساتھ ہی شکر ادا کیا کہ اس کے والدین روشن خیال تھے اور شہری زندگی جی رہے تھے۔ بوریت سے بچنے کے لیے اس نے نائمہ کے گھر جانے کا پلان بنایا۔ وہاں سے دونوں کا شاپنگ پر جانے کا ارادہ تھا۔

دیا کو اپنے جانے کا بتا کر ابھی وہ گاڑی کا دروازہ کھولنے ہی لگی تھی جب تین چار گارڈز ہتھیاروں سے لیس جیپ میں سوار ہونے لگے۔ پانچواں جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے کندھے اچکا کر اگنیشن میں چابی گھمائی۔ جیپ میں بھی یہ ہی عمل دہرایا گیا۔ اب کے وہ چونکی۔ جیپ میں سوار ان سب کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔

"جانا ہے تو جاتے کیوں نہیں؟" کھڑکی سے سر نکال کر اس نے جیپ کے ڈرائیور کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"میم پہلے آپ چلیں۔ ہم آپ کو فالو کریں گے۔" ڈرائیور نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

"کیوں، تمہارے صاحب نے تم سب کو کراچی گھمانے کی ذمہ داری مجھے سونپی ہے جو میں تم سب کو لیے لیے پھرتی رہوں۔" وہ بری طرح جھنجھلائی۔

"شاہ جی کی سخت ہدایت موصول ہوئی ہے کہ کسی بھی فرد کو اکیلا باہر نا جانے دیا جائے..... جو بھی باہر جائے گا چند گارڈز

Download From - PakDigestsNovel

www.PakDigestsNovel.com

"وہاٹ.....؟" شنائیہ چودھری اس کی بات پر بری طرح چونکی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ شاہ زر شمعون نے ایسی کوئی ہدایت جاری کی ہے۔

"آپ سب اپنا کام کریں۔ میں اس پروٹوکول کی عادی نہیں۔ یہ آپ کے شاہ جی پر ہی جچتا ہے۔" وہ جل کے کہتی دوبارہ سے کار اسٹارٹ کرنے لگی۔

"میں نے کہا ناں..... آپ سب میرے پیچھے نہیں آئیں گے۔" جیپ اسٹارٹ ہوتے دیکھ کر وہ چراغ پا ہوئی۔

"میم ہم شاہ کے حکم پر چلیں گے۔ ہمیں یہی ہدایت ہے آپ کو اعتراض ہے تو آپ خود شاہ سے بات کرلیں۔ وہ جو کہیں گے ہم عمل کریں گے۔" اس کی گھوری اور ڈانٹ پر ڈرائیور بے چارا جان کی امان چاہتے اسے راہ دکھا گیا۔ شنائیہ چودھری جیپ میں سوار ملک الموت ٹائپ لوگوں کو دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی اور کوئی چارہ نہیں ملا تو سیل فون اٹھا کر اس نے کال ملائی۔

دوسری طرف لنچ سے فارغ ہو کر سب کی محبت بھری جھاڑ سن کر فائزہ کی زبردستی پر شاہ زر شمعون اپنی خواب گاہ میں کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے آیا تو سمہان آفندی بھی ساتھ چلا آیا۔ دونوں ہی آنے والے واقعات پہ فکر مند تھے کہ کہیں ان کی فیملی کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ جہانگیر کی اطلاع کے مطابق گجر کے بیٹے فرار تھے۔ دونوں کو ہی کراچی میں مقیم چودھری بخت کی فیملی کی فکر تھی۔ اسی بنا پر اس نے پہلے ہی گارڈز تعینا کروا دیے تھے۔ سمہان آفندی نے بھی اس عمل کو سراہا تھا۔ چودھری جہانگیر اور ایشان جاہ تو اپنی فیملی کو پروٹیکٹ کر سکتے تھے۔ پھر چودھری جہانگیر کی پولیس پارٹی بھی موجود تھی۔ جب کہ چودھری بخت خاصے شریف واقع ہوئے تھے۔ سمہان آفندی کافی دیر بیٹھ کر چلا گیا تھا۔ تاکہ وہ آرام کر سکے۔ ابھی لیٹنے کی نیت کو عملی جامہ پہنا کر اس نے آنکھوں پر بازو رکھا تھا کہ سیل فون بجنے لگا۔ اسکرین پر شنائیہ چودھری کا نام دیکھ کر اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ آرام کرنے کا وقت غارت ہوتا نظر آرہا تھا۔

"ارشاد....." اس نے سیل فون کان سے لگایا۔ اسے جب کچھ کہنا ہوتا تھا تب ہی کال کرتی تھی۔ ورنہ عام حالات میں تو مہینوں بیت جاتے تھے وہ زحمت نہیں کرتی تھی۔ خیر خیریت کے لیے بھلے سمہان آفندی کو وقت بے وقت کال کرلیتی تھی۔

"یہ کیا بلائیں پیچھے لگا دی ہیں میرے..... مجھے شاپنگ پر جانا ہے اور ایک فوج میرے پیچھے چلنے کو تیار ہے۔" شاہ زر شمعون کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی وہ غصہ سے بولی۔

"وہ بلائیں نہیں آپ کے پروٹیکشن کے لیے بھیجے گئے گارڈز ہیں۔" اس نے خلاف عادت نرمی سے جواب دیا۔

"مجھے نہیں چاہیے اپنے پیچھے کوئی فوج..... وہاں انسانوں کا قتل آپ کریں اور یہاں ہم محصور ہو کر رہ جائیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔" وہ ناگواری کا اظہار کر گئی۔

"آپ جس ماحول کی ہیں وہاں رہ کر میرا تیرا کرنے کی عادی ہیں لیکن ہم گاؤں والوں کی ہر چیز سانجھی ہوتی ہے۔ آپ کے لیے بھلے گاؤں میں بسنے والے آپ کے خونی رشتے اہم نا ہوں آپ اپنی فیملی کا حصہ نا سمجھیں مگر ہمارے لیے ہے اور اپنی فیملی کے لیے مجھے جو بہتر لگے گا میں کروں گا..... گجر کوئی شریف زادہ نہیں تھا جس کا میرے ہاتھوں قتل ہونے کا آپ کو دکھ ہو رہا ہے۔ اس جیسے درندوں کو اگر مجھے بار بار قتل کرنے کو کہا جائے تو میں بار بار یہ عمل کروں گا۔ گجر کے بیٹے مفرور ہیں ممکن ہے وہ پلٹ کر میری فیملی پر وار کریں اس لیے یہ سیکورٹی آپ کے لیے ضروری ہے۔ امید ہے آپ گارڈز کے ساتھ تعاون کریں گی۔ وہ حکم کے غلام ہیں۔" سرد لہجے میں کہتے وہ اس کی ہڈیوں میں پھریری دوڑا گیا تھا۔

Download From - PakDigestsNovel

www.PakDigests1.com

"میں چچا جان سے بات کر چکا ہوں اور وہ میرے فیصلے سے مطمئن ہیں۔ آپ بھی اپنا شوق پورا کرلیں..... اگر آپ نے گارڈز کو زیادہ زچ کیا تو مجھے مجبوراً دادا جان تک اطلاع پہنچانی پڑے گی کہ محترمہ شائستہ چودھری اکیلی کراچی کی شاہراہوں پر گاڑی دوڑتی پھرتی ہیں۔" اس کی بات سن کر شائستہ چودھری کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یعنی آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟" وہ بھڑکی۔

"آپ گارڈ کے بناء نکل کے دکھائیں پھر میں دکھاؤں گا کہ دھمکی کو عملی جامہ کیسے پہناتے ہیں؟" اس کھلم کھلا چیلنج پر وہ لب بھینچ گئی۔

"بھاڑ میں جائے شاپنگ۔" جھلا کر اس نے اگنیشن سے چابی نکال لی۔

"ایز یور وش۔" دوسری طرف سے چڑایا گیا۔ چابی ڈیش بورڈ میں پھینک کر کال ڈسکنیکٹ کیے بنا وہ ڈرائیونگ سیٹ سے باہر نکل آئی۔ دروازہ زوردار طریقے سے بند کرتے اس نے ٹائر پر لات مار کر غصہ کم کرنا چاہا۔ جب کہ دوسری طرف اس کے جھلاہٹ بھرے مکالمے پر شاہ زر شمعون کے لبوں پر ایک لمحے کو مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

❁.....❁.....❁

یونیورسٹی سے وہ سخت بددل ہو کر لوٹی تھی۔ ایشان جاہ نے جتنی گری ہوئی حرکت کر کے اسے پوری کلاس کے سامنے تماشا بنایا تھا وہ اسے رہ رہ کر ملول کر رہا تھا۔ ہتک عزت کے خیال سے ذہن و دل سلگ رہا تھا۔ گھر آ کر اس کا منہ سر لپیٹ کر پڑ جانے کا ارادہ تھا لیکن گھر میں داخل ہونے پر منزہ اور انوشا کو گھر کی صفائی ستھرائی' نئی بیڈ شیٹ بچھاتے دیکھ کر استفسار سے پہلے منزہ نے خود ہی بتا دیا کہ لڑکے والے انوشا کو دیکھنے آ رہے ہیں' ساتھ ہی اس کے ذمہ کام بھی لگا دیا تو وہ لمبی سانس بھر کے ان کے ساتھ کام میں مصروف ہوگئی۔ انوشا نے دو تین بار کھانا کھا لینے کو بھی کہا مگر اس نے بھوک نہیں ہے کہہ کر ٹال دیا۔ کاموں سے فراغت کے بعد انوشا نے شاور لے کر نیا جوڑا پہنا تو وہ بھی کمر سیدھی کرنے کی نیت سے لیٹ گئی مگر آرام نصیب میں نہیں تھا۔ اسی دم صائمہ کی مدعیت میں چند فربہ خواتین پسینے کے بھپکے چھوڑتی گھر میں داخل ہوئیں۔ انوشا کو تیار ہونے کا کہہ کر وہ ان کی واضع داری کے لیے کچن میں مصروف عمل ہوگئی۔

شربت کے ساتھ لوازمات کی ٹرے لے کر انوشا گئی تو لڑکے والوں نے اصرار کر کے اسے بھی بلوا لیا کہ بھئی اپنی دوسری بیٹی کو بھی بلائیں۔ کہیں کوئی بات گراں نا گزرے' ناچار منزہ کی پکار پر وہ دھیلے منہ سے چلی آئی اور انوشا کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"ماشاءاللہ..... بیٹیاں تو آپ کی دونوں ہی خوب صورت ہیں۔" ایک خاتون نے دونوں کا ایکسرے کرتے ہوئے کہا تو منزہ مسکرا دی۔

"صائمہ لڑکی تو تم نے بہت اچھی دکھائی' دل خوش کر دیا۔" دوسری صائمہ کے واری صدقے ہو رہی تھی۔

"بہت اچھی بچیاں ہیں۔ عادات و اطوار میں بہترین ہیں۔ آپا نے بیٹیوں کی تربیت بہت اچھی کی ہے۔" صائمہ حق پڑوس ادا کرنے لگیں۔ خواتین پُرسوچ انداز میں سر ہلانے لگیں۔ منزہ بھی خوش اخلاقی سے مسکراہٹ سجائے بیٹھی تھیں۔

"ہم برسوں سے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ آپ لوگ بے فکر ہو کر رشتہ طے کریں۔ بہت سیدھے لوگ ہیں۔" صائمہ اپنی طرف سے مزید معلومات فراہم کر رہی تھیں۔ ماورا یحییٰ نے ایک نظر خواتین پر ڈالی جو گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والی لگ رہی تھیں۔

"آپ کی ساری باتیں سچ ہوں گی صائمہ بہن۔ ہمیں بھی بچیاں پسند آئی ہیں۔ خیر سے میرے بھی دو بیٹے ہیں۔

Download From - PakDigestsNovel

دیکھنے لگی جوان کی بات پر خوش نظر آنے لگی تھیں۔

"انوشا میں ابھی شادی نہیں کروں گی۔" منزہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھیں جو وہ انہیں اشارہ کر کے اس فیصلے سے منع کرتی' سو انوشا کے کان میں منمنائی۔

"ابھی چپ کرو۔ بعد میں بات کریں گے۔" انوشا نے اس کا ہاتھ دبا کر سرگوشی کی تو وہ لمبی سانس بھر کر رہ گئی۔

"بسمہ اللہ کریں بہن۔ نیک خیال میں دیری کیسی۔ ایک گھر کی دو بیٹیاں ہوں وہ بھی اتنی سلجھی ہوئی کہ سمجھیں آپ کے بیٹوں کے نصیب جاگ گئے۔" صائمہ اپنا کردار بخوبی نباہ رہی تھیں۔ منزہ کو بھی آس ہونے لگی کہ جلد سے جلد ان کی دونوں بیٹیاں بیاہی ہو جائیں گی۔

"کہہ تو آپ ٹھیک رہی ہیں۔ ہمیں یوں تو سب پسند آیا مگر....."

"مگر....." خاتون کہتے کہتے رک گئیں تو منزہ کو بے چینی ہونے لگی۔

"بہن بات ساری یہ ہے کہ میں کرتی ہوں صاف بات۔ بن باپ کی بچیاں ہیں۔ آپ کے گھر کے حالات ہمارے سامنے ہیں کہ ہم جہیز کی امید نہ رکھیں۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ اس گھر سے کچھ ملنے کی امید نہیں۔ ایک اکیلی ماں مانگ تانگ کر کتنا جہیز جمع کر سکے گی۔ دو بیٹوں کا۔" خاتون بے رحمی سے بول رہی تھیں اور وہ تینوں جیسے ساکت رہ گئیں۔ صائمہ بھی پہلو بدلنے لگیں۔

"اس مہنگائی کے دور میں بھائی' باپ والی لڑکیوں کو اچھا جہیز نہیں مل رہا تو یہاں سے تو آس ہی فضول ہے..... اگر ہم یہ مسئلہ چھوڑ بھی دیں..... اللہ واسطے ترس کھا کر لڑکیوں کو رخصت بھی کروا لیں تو بھی دنیا کے لوگوں کو کیا جواب دیتے پھریں گے کہ لڑکیوں کے والد نہیں..... آپ بتا رہی ہیں بچیاں چھوٹی تھیں تب ہی آپ کے شوہر کا انتقال ہو گیا..... میں آپ پر شک نہیں کر رہی آپ سچ ہی کہہ رہی ہوں گی منزہ بہن لیکن معاف کیجیے گا۔ دو بچیوں کے ساتھ جو عورت برسوں سے اکیلی رہ رہی ہو لوگ ایسی عورتوں کا یقین کم ہی کرتے ہیں۔ لوگ تو یہ ہی کہیں گے کہ ہو سکتا ہے طلاق لے کر جھوٹ موٹ شوہر کی موت مشہور کر دی ہو..... کیونکہ خیر سے آپ کے آگے پیچھے کچھ بھی نہیں ہے نا بچیوں کا ننھیال ددھیال۔ شادی تو دو خاندانوں کے بیچ ہوتی ہے ناں۔ ہم کہاں تک یقین دلاتے پھریں گے کہ بچیاں حلال ہیں۔" منزہ کا دل چاہا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خاتون کی فراٹے سے چلتی زبان کو دیکھ رہی تھیں۔ جو نا خوف الٰہی سے لرز رہی تھیں نا شرم و حیا سے بند ہو رہی تھی۔

کم و بیش یہی حال انوشا اور ماورا یحییٰ کا بھی تھا۔ صائمہ الگ چپ رہ گئی تھیں۔ خاتون کی باتوں کا عکس ایک پل کو ان کے چہرے پر بھی نظر آیا۔

"کیا معلوم واقعی ایسا ہو..... ہم بھلے برسوں سے پڑوسی ہیں لیکن منزہ نے اس وقت بھی یہ ہی کہانی سنائی تھی۔ کیا معلوم کتنا جھوٹ ہے کتنا سچ۔"

"ہو سکتا ہے' میری باتیں آپ کو بری لگ رہی ہوں' لیکن میں سچ بولنے کی قائل ہوں بہن..... کیا کوئی ایسی چیز ہے جس سے آپ ثابت کر سکیں کہ یہ دونوں آپ کے شوہر کی ہی بیٹیاں ہیں۔" خاتون نے حد کر دی تھی۔ منزہ پیلے زرد چہرے سے دیوار سے لگ گئی تھیں۔

"آپ لوگوں کی تشریف آوری کا شکریہ آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" ماورا یحییٰ کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

انوشا بھی اس گری ہوئی سوچ پر رشتے کا خیال دل سے نکالتے اٹھ کر منزہ کو تھامنے لگی تھی۔ ماورا کے ایک دم سے

Download From - PakDigestsNovel

www.PakDigestsNovel.Blogspot.com

"کیوں بہن میں تو کہہ رہی تھی شریف لڑکیاں ہیں، یہ تو گز بھر کی زبان لیے بیٹھی ہے۔" خاتون نے چمک کر صائمہ کی طرف رجوع کیا۔

"آپ جیسی گری سوچ والے منہ کھولنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ بہتر ہوگا آپ جانے کی تیاری کریں اور جاتے جاتے یہ ضرور ثبوت دیتی جایئے گا کہ جن بیٹوں کا رشتہ لے کر آپ در در جھانک کر لڑکی والوں کی کھلی اڑا رہی ہیں وہ آپ ہی کے بیٹے ہیں اسے کیسے ثابت کریں گی؟" ماورا یحییٰ تلخ ہوگئی۔ عورت بھڑک گئی۔

"لڑکی کیا بک رہی ہے؟"

"آپ جو "فرما" رہی تھیں میں وہی "بک" رہی ہوں۔"

"ماورا.....!" منزہ نے خفیف آواز میں اسے پکار کر چپ رہنے کا اشارہ کیا مگر وہ انہیں باہر کی راہ دکھا گئی۔

"ہم پر انگلی اٹھانے سے پہلے لڑکی اپنے اصل کو پہچان۔ ہم خاندان والے ہیں۔ تمہارے تو آگے پیچھے کا پتا نہیں۔ جانے حلال بھی ہے یا نہیں۔" خاتون زہر بجھی تیر چلا کر ایک کے پیچھے دوسری نکل گئیں تو پیچھے صرف صائمہ رہ گئیں۔ ماحول پر خوفناک سناٹا طاری ہوچکا تھا۔ منزہ کا چہرہ خوفناک حد تک پیلا پڑ گیا تھا۔ وہ بے دم سی ہوگئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

کچے پر کپڑوں کا ڈھیر رکھ کر ان پر پیٹرول چھڑک کر ملازمہ نے آگ دکھائی اور شعلے نے لپک کر انہیں گھیرے میں لے لیا تھا۔ ملازمہ ڈنڈے کی مدد سے کپڑے کو اوپر نیچے کررہی تھی تاکہ کپڑوں کا نام ونشان تک مٹ جائے۔ فضا میں دھواں جلنے کی ناخوشگوار بو پھیلنے لگی تھی۔ لڑکیاں عجیب نظروں سے یہ سب دیکھتی اپنے اپنے کام میں مگن ہوگئی تھیں۔ پوچھنے پر بھی کسی نے نہیں بتایا تھا کہ کس کے کپڑے ہیں اور پھر کپڑوں کا یہ حشر ہوا تھا۔ مزید اقرار پر انہیں بھی ناخوشگوار صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑسکتا تھا۔ حویلی کے مکین جس بات کا جواب نا دینا چاہیں، اسے سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ باقی سب تو حویلی کے رنگ ڈھنگ میں رنگی ہوئی تھیں، مگر بالکنی سے سارا منظر دیکھتی عیشال جہانگیر کی متجسس نگاہیں ایک شخص کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس کے علم میں تھا بنگ جنریشن میں کوئی آگاہ ہونا ہو، وہ ضرور ہوگا۔

"سمہان....." شومئی قسمت کہ وہ گزرنے لگا تھا۔ جب اس کی نظر پڑی اور اس نے بے ساختہ اسے آواز دی۔

"اب کیا ہے؟" وہ دامن بچانا چاہ رہا تھا۔

"یہ تم اتنی بے زاری کیوں دکھا رہے ہو۔ کون سا قلعہ تعمیر کرنے کا کہہ دیا۔" اس کے لفظوں سے بے زاری محسوس کرکے وہ ناک چڑھا گئی۔

"آپ کو ناگوار گزرا تو اس گستاخی کے لیے معافی کا خواستگار ہوں، حکم کریں کس لیے یاد فرمایا۔" وہ سرخم کرکے اس کے روبرو آ گیا۔ وہ لب بھینچ کر گھورنے لگی۔

"گھورنے کا عمل بعد میں سرانجام دیا جاسکتا ہے۔" احساس دلا رہا تھا کہ وہ غیر اہم فریضہ چھوڑ کر اہم کام کی طرف دھیان دے۔

"زیادہ بنا مت کرو میرے آگے۔" وہ لفظ چبا کر بولی۔

"میری اتنی مجال۔" وہ لب دبا گیا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ ٹھیک ٹھاک اس کی کلاس لیتی مگر اٹھتا ہوا دھواں اسے بار بار اپنی طرف متوجہ کررہا تھا۔

"ان کپڑوں کی کیا کہانی ہے؟" وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر پوچھ بیٹھی۔

Download From - PakDigestsNovel

www.PakDigestsNovel.com

"وہی جو جل رہے ہیں۔" اس نے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے کیا پتا میں تو تمہارے ساتھ ہی آیا تھا۔" وہ صاف دامن بچا گیا۔

"زیادہ معصوم بننے کی ایکٹنگ مت کرو۔ تم پر سوٹ نہیں کرتا۔" وہ ناک پھلا گئی۔

"کیا سوٹ کرتا ہے؟ وہ بتا دو وہی کرلوں گا۔" وہ تابعدار بنا کھڑا تھا۔

"سمہان آفندی! ڈونٹ ایور ٹرائے ٹو ڈائیورٹ می..... تم بن رہے ہو میرے سامنے صاف صاف قبول کرلو کہ تم ان کپڑوں کی کہانی سے واقف ہو..... ایسا ہو نہیں سکتا کہ دا جان کے رابیٹ ہینڈ سمہان آفندی اور ویرے شاہ اس حقیقت سے لاعلم ہوں..... سچ بتاؤ کیا کہانی ہے؟" وہ دوٹوک لہجے میں جتا گئی کہ وہ اس کے بہلاوے میں نہیں آئے گی۔

"قسم سے کیا ایس ایس پی چودھری جہانگیر کی بیٹی ہونے کا ثبوت دیا ہے اس گھڑی تم نے..... بنا کسی صفائی کے ڈائریکٹ جرم قبول کروا رہی ہو۔ وہ بھی زبردستی میری جگہ ابھی کوئی اور ہوتا تو تم نے ابھی تک اس سے قبول بھی کروالینا تھا۔" وہ بھی سمہان آفندی تھا جلا کر خاک کردینے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔

"تو تم نہیں بتاؤ گے؟" وہ گھورنے لگی پھر عیشال جہانگیر کا حوالہ موڈ بگاڑ گیا۔

"کچھ پتا ہو تو بتاؤں ناں۔ بقول تمہارے شاہ کو پتا ہے۔ اس سے پوچھ لو۔" وہ ہری جھنڈی دکھا گیا۔

"میں ویرے سے زیادہ بات نہیں کرتی۔"

"میں نے پابندی نہیں لگائی۔" وہ ہنسا۔

"تم ہوتے کون ہو مجھ پر پابندی لگانے والے..... ہونہہ....."

"تو اور کیا۔"

"کپڑوں کو دیکھ کر دا جان کا اتنا ہائپر ہو جانا عام بات نہیں ہے۔ آخر کس کے کپڑے تھے؟" پُرسوچ انداز میں بڑبڑا کر وہ لب کاٹنے لگی۔

"ہر اینگل سے اچھی طرح سوچ لو۔ جواب مل جائے تو مجھے بھی بتا دینا۔ اب تو تجسس میں ڈال کر تم نے مجھے بھی بے چین کردیا ہے۔" وہ حقیقتاً لفظوں کا کھلاڑی تھا۔

"سمہان آفندی..... میں تمہیں جتنا جانتی ہوں ناں اس سے یہ صاف ظاہر ہے تم جیسا گھاک آدمی کبھی قبول نہیں کرے گا کہ اسے سچ پتا ہے۔" وہ لڑنے والے انداز میں دونوں ہاتھ کمر پر رکھ گئی۔

"پھر کوشش کرکے اپنی ننھی سی جان کو کیوں ہلکان کر رہی ہو۔" وہ ہنسا۔

"یعنی تم جانتے ہو؟" وہ مشکوک ہوئی۔ وہ یہاں سے بھاگنے کی راہ ڈھونڈنے لگا۔ ورنہ تو وہ کچھ نا کچھ اگلوا ہی لیتی۔

"نہیں، میری ماں....." وہ بے ساختہ ہاتھ جوڑ گیا۔

"شٹ اپ..... میں تمہاری ماں نہیں۔" ناگواری سے ٹوک گئی۔

"سوری، بچوں کی ماں کہنے والا تھا لیکن بچوں نے بھی احتجاج کردینا ہے اس زیادتی پر..... ایسی ماں۔"

"خون ہی پی جاؤں گی میں تمہارا۔" وہ ہنکاری۔ وہ ہنستے ہوئے نکل ہی رہا تھا جب زرش ہانپتی کانپتی ان دونوں تک آئی۔

"اچھا ہوا ویر آپ مل گئے۔ میں آپ کو ہی ڈھونڈ رہی تھی۔"

"تمہیں بھی اس کی بیماری لگ گئی؟" وہ در پردہ چوٹ کر گیا۔ عیشال جہانگیر کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔

Download From - PakDigestsNovel

www.PakDigestsNovel.com

''چھوڑو۔کام کی بات کرو۔'' اس نے دھیان بٹایا۔

''آج میری سہیلی کے بھائی کی شادی ہے۔پلیز داجان سے اجازت دلوادیں۔میری پکی والی سہیلی ہے۔ابھی جو کچھ ہوا اس پر داجان شاید منع کردیں لیکن ویسے آپ اجازت دلوا سکتے ہیں۔'' زرش بہت آس و محبت سے اکلوتے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے لے دوں گا اجازت تم تیار رہنا۔میں خود لے جاؤں گا۔'' حقیقتاً وہ حویلی کے لیے اچھا ہونا تھا تو ماں باپ کا اچھا بیٹا ہونے کے ناتے اچھا بھائی بھی تھا۔جب کبھی کسی کو کوئی بات چودھری حشمت سے منوانا ہوتی تھی تو سب اس کا سہارا لیتے اور ابھی تو سگی بہن نے کہا تھا۔

''تھینک یو ویر۔'' زرش خوشی سے کھل اٹھی۔

وہ محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر گیا تو وہ اچھلتی ہوئی بھاگ گئی۔عیشال جہانگیر نے دلچسپی سے اس منظر کو دیکھا تھا۔کاش کہ اس کا بھی کوئی بھائی ہوتا اور وہ اسی مان سے اس سے کام کرواتی۔وہ سر جھٹک گئی۔کچھ خواہشات ناممکنات کی سرحدوں پر ہوتی ہیں۔اس کی اکثر خواہشیں بھی ان ہی سرحدوں میں رہی تھیں۔

''میں بھی اپنے کپڑے نکال لوں۔'' وہ بھی زرش کے ساتھ شادی میں جانے کے لیے تیار تھی۔خبر ہوگئی تھی وہ کچھ نہیں بتائے گا سو کوشش فضول تھی۔

''مجھے شدت سے ایک محاورہ یاد آرہا ہے۔'' اس کی زبان میں کھجلی ہوئی۔اندازہ ہوگیا۔کوئی تپانے والا جواب ہی ہوگا۔تب ہی چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

''بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ۔'' وہ لب دبا گیا۔

''تمہاری شادی میں نہیں جارہی جو آگ لگ رہی ہے۔'' حسب عادت وہ بھڑکی۔

''فکر نا کرو اپنی شادی میں تمہیں بطور چیف گیسٹ انوائیٹ کروں گا۔'' لہجہ شریر ہوا۔

''کیوں؟'' ابرو اچکائے۔

''آفٹر آل دلہن کے آنسو پونچھنے والا کوئی اپنا تو ہو۔'' جان سلگانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

''تم سے شادی کر کے دلہن کو ساری عمر ہی رونا ہے اس کے آنسو پونچھنے کی کیا ضرورت ہے دریا بنا لینا۔'' وہ جوابی وار کر کے پلٹ گئی تو وہ بھرپور طریقے سے مسکرا دیا۔نظر اٹھتے ہوئے دھوئیں پر پڑی۔

''یہ جھلی مروائے گی۔''

❁.....❁.....❁

وہ اپنی دھن میں کمرے کی طرف جارہی تھی ملازمہ کو آئرن کے لیے کپڑے دے کر تھوڑی دیر آرام کا ارادہ تھا ابھی وہ راہداری میں ہی تھی جب تیز رفتار بیرر دھاڑن بجاتی اندر داخل ہوئی اور چودھری جہانگیر پورے کروفر سے باہر نکلے۔عیشال جہانگیر ایک پل کو انہیں دیکھ کر ساکت رہ گئی۔وہ اپنے مخصوص شلوار سوٹ میں ملبوس کھیڑیاں پہنے اسی سمت آرہے تھے۔انگلیوں میں سگریٹ سلگ رہی تھی۔عیشال جہانگیر کو تو ٹھیک سے یاد بھی نہیں تھا کہ آخری بار ان سے کب سامنا ہوا تھا۔اس وقت بھی وہ شاید حویلی کے معاملات کے باعث آئے تھے۔اس کے لیے تو ان کے پاس بھولنے سے بھی وقت نہیں تھا۔ان کی نظر بھی اس پر پڑ چکی تھی تب ہی اس تک آ کر رک گئے۔وہ راستے میں ہی کھڑی تھی۔اس کے آگے سے گزر کر ہی وہ اندر جاسکتے تھے۔

Download From - PakDigestsNovel

صورت دیکھ رہے تھے مگر دونوں کے انداز میں کوئی گرم جوشی اپنائیت نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ بے گانگی سے کھڑی رہی تو انہوں نے ناگواری سے کہا۔

"ہر آئے گئے سے بھلے سلام دعا بھول جاؤں آپ سے نہیں بھولوں گی آپ کے ہر بار آنے اور جانے پر سلام ہی تو کرتی آرہی ہوں' سلام کی حد تک ہی تو جانتی ہوں آپ کو' کیوں جیسے اجنبی پر نظر پڑ جائے اور اسے سلام کردیں۔" استہزائیہ انداز میں بولی تو چودھری جہانگیر کی پیشانی پر ناگواری کی لکیریں واضح ہوگئیں۔

"بہت بدلحاظ ہوگئی ہو تم چھوٹے بڑے کی تمیز ہی بھول بیٹھی ہو۔" انہیں جیسے ناگوار گزرا۔

"وقت و حالات کے عنایت کیے ہوئے تحفے ہیں..... خزاں میں سانس لے کر میں خوشبو تو بکھیرنے سے رہی۔" وہ بے دھڑک بول گئی۔ چودھری جہانگیر اب کے بری طرح چونکے۔ انہیں اس کے اندر بغاوت صاف نظر آنے لگی۔

"اتنا مت پھڑ پھڑاؤ' تمہاری اڑان اس حویلی کی چار دیواری تک محدود ہے۔" غصہ دبا کر انہوں نے اسے اس کی دوسرے معنوں میں اوقات یاد دلائی۔

"میں اپنا دائرہ پہچانتی ہوں کسی کے مزار پر اپنا آشیانہ نہیں بناتی۔" وہ حد درجہ تلخ گوئی کا مظاہرہ کر گئی۔

"مروگی..... اپنی ماں کی طرح تم بھی اسی حویلی میں سسک سسک کے مروگی۔" چودھری جہانگیر کا جلال عود کر آیا۔ وہ کسی بھی اینگل سے باپ نہیں لگ رہے تھے۔ وہ یوں نفرت کا اظہار کر رہے تھے جیسے مقابل ان کی بیٹی نہیں ان کی دشمن صائقہ ہوں۔

"چلیں اچھا ہے' مر جاؤں گی۔ کم از کم قاتل کو مقتول کا درد تو نہیں ہوگا۔" وہ جیسے ان کا ضبط آزما رہی تھی۔ ان کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔

"گیٹ لاسٹ!" وہ پوری قوت سے دھاڑے۔

"جانے لگیں تو اطلاع بھجوا دیجئے گا۔ سلام کرنے آجاؤں گی۔" وہ کہہ کر چلی گئی۔

چودھری حشمت سے مل کے سارے معاملات طے کرتے ہوئے وہ کافی دیر تک اپنا غصہ کنٹرول کرتے رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

"آج کے لوگوں میں احساس مروت اور زبان میں لگام نہیں' انہیں اپنے علاوہ سارے کیڑے مکوڑے لگتے ہیں۔" خواتین کے جانے کے بعد تینوں ہی ملول بیٹھی رہیں۔ صائمہ بھی افسوس کا اظہار کرتی چلی گئیں۔

منیزہ نڈھال سی ہوگئی تھیں۔ ان کا موڈ بحال کرنے کی دونوں کی ہر کوشش بے سود ہوئی تھی۔ وہ اکیلے میں وقت گزارنا چاہتی تھی۔ ماورا کافی دیر تک دل کا غبار لفظوں کے ذریعے نکالتی رہی۔ انوشا نے اس کے بگڑے موڈ کی وجہ پوچھی تو اس نے یونیورسٹی میں ہونے والی بے عزتی کا سارا احوال کہہ سنایا۔ انوشا کو بے حد افسوس ہوا۔

"غریب اور بے سہارا ہونا جرم ہے ہمارا' ہر ایک کو تضحیک کرنے کا لائسنس ملا ہوا ہے جیسے۔" ماورا یحییٰ مسلسل بول رہی تھی۔

"چھوڑو..... مت دل جلاؤ اپنا برا بھلا بولنے سے کوئی نہیں سدھرنے والا' لوگ بے حس' ضمیر فروش اور خود غرض ہیں' صرف اپنے مفاد کو سوچتے اور اپنی عزت کروانا چاہتے ہیں' اپنی خوشی کے لیے دوسروں کی زندگیوں کو کھنڈر بنانے والوں کو ذرا احساس نہیں ہوتا کہ وہ کتنی نیچ حرکت کر رہے ہیں۔ وقتی طور پر خوشی اور کامیابی تو شاید انہیں مل جائے مگر رہتی دنیا تک وہ نشان عبرت ہی بن جاتے ہیں۔" انوشا اسے سمجھا رہی تھی اور دوسرے کمرے سے ان کی تمام باتیں سنتی منیزہ جیسے گڑھتی

Download From - PakDigestsNovel

www.PakDigestsNovel.Blogspot.Com

جارہی تھیں۔

وقتی خوشی اور جیت واقعی انسان کو نشان عبرت بنا دیتی ہے۔ وہ بن تو گئی تھیں۔ ہر گزرتا دن ان کے لیے ذلت ہی تو لے کر آرہا تھا۔ ان کے کردار کی سیاہی سے ان کی بیٹیوں کے دامن داغ دار ہو رہے تھے۔ ان پر انگلیاں اٹھ رہی تھیں۔ آج جو کچھ ان کے گناہ گار کانوں نے سنا وہ انہیں سنگسار کرنے کے مترادف تھے۔

"نفرت ہے مجھے ایسے لوگوں سے جو صرف اپنے لیے جیتے ہیں..... اپنی خوشی کے لیے دوسروں کی زندگیوں میں زہر گھول دیتے ہیں۔" ماورا بے حد نفرت سے گویا تھی اور منزہ نے دل پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"اگر جو انہیں میری اصلیت کا علم ہو جائے تو میں کیسے ان کی نفرت سہہ پاؤں گی۔" آنسو ان کے رخسار پر بہہ رہے تھے ان کی حالت اتنی دگرگوں ہو رہی تھی ذہنی حالت اتنی خراب تھی کہ اگر دونوں بیٹیوں کا خیال نا ہوتا تو وہ اب تک خودکشی کر چکی ہوتیں۔

"یا اللہ..... میرا پردہ رکھ لینا میری بیٹیوں کے سامنے..... مجھ میں ان کی نفرت سہنے کا حوصلہ نہیں..... میرا بھرم رکھ لینا۔" اشک بہاتے گھٹی گھٹی آواز سے وہ دعا گو تھیں۔ ایک ناسور ان کے اندر پل پل کر انہیں کھوکھلا کر گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

اس کا موڈ آف ہو گیا تھا چودھری جہانگیر سے سامنا ہو کر سارا پلان چوپٹ ہو گیا تھا کمرے میں جانے کی بجائے وہ حویلی کے پچھلے حصے میں آ بیٹھی اس کا خیال تھا چودھری جہانگیر جلد ہی چلے جائیں گے مگر جب اسے بیٹھے بیٹھے کافی دیر ہو گئی سر میں درد بھی محسوس ہونے لگا تو وہ کچن میں آ گئی۔ کچن کی حالت سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ چودھری جہانگیر کی تواضع کی جا چکی ہے۔

"آپ کے والد آئے ہیں۔ آپ ملیں ان سے؟" جینا نے اسے دیکھتے ہی گرم جوشی سے اطلاع دی کہ شاید وہ لاعلم ہو ان کی آمد سے۔

"میں چائے پینے آئی تھی کچن میں۔" خشک لہجے میں کہہ کر وہ ساسر کے لیے نگاہ دوڑاتی برنر آن کر گئی۔ جینا نے جب دیکھ لیا کے کوئی رسپانس نہیں دیا تو خود ہی سائیڈ پر ہو کر برتن دھونے لگی۔

جب تک چائے تیار ہوئی پاپ کارن بنا کر جمبو سائز ڈسپوزیبل باؤل میں بھر چکی تھی۔ جینا اپنا کام کرتے اسے بھی دیکھتی رہی تھی۔ جانتی تھی وہ کتنی من موجی ہے موڈ ہوتا تو گھنٹوں باتیں بگھارتی ورنہ منہ کھولنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔

"پاپ کارن اور چائے کا مگ لے کر کچن سے نکل کر وہ اپنے کمرے کا رخ کر رہی تھی جب صغراں پیغام لے کر حاضر ہوئی۔

"چودھری جی (چودھری حشمت) نے حکم دیا ہے سب ہال میں جمع ہو جائیں۔ تقریباً سب آ گئے ہیں آپ بھی چلی جائیں۔ بی بی جی (زمرد بیگم) آپ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔" اس نے ایک کوفت بھری سانس لی۔

"ایسی کیا آفت آ گئی اس حویلی میں جو میلا لگائے بیٹھے ہیں سب..... اپنی مرضی سے دو پل بھی نہیں جی سکتی کیا؟" پاپ کارن باؤل اور سیدھے ہاتھ میں موجود مگ کو دیکھ کر اس نے تلخی سے سوچا اور دونوں کو اسی طرح تھامے ہال میں داخل ہوئی۔

چودھری حشمت اور چودھری جہانگیر کے ساتھ چودھری اسفند بھی براجمان تھے۔ وہ شہر سے لوٹ آئے تھے خبر ملتے ہی لیکن چودھری جہانگیر کی آمد کے بعد سب کچھ کنٹرول میں آ گیا تھا۔

زمرد بیگم کے ساتھ فائزہ فریال اور چاروں لڑکیاں موجود تھیں۔ شاہ زر شمعون بھی پاس ہی براجمان تھا۔ یہ بیٹھک اسے کسی خاص فیصلے کا پیش خیمہ لگ رہی تھی کہیں نا کہیں خطرے کی گھنٹی عیشال جہانگیر کے سر پر بجتی محسوس ہو رہی تھی مگر وہ

Download From - PakDigestsNovel

دائیں ہاتھ میں چائے کا مگ تھامے پاپ کارن کھاتے داخل ہوتی عیشال جہانگیر کو دیکھتے سب ہی اس کے غیر سنجیدہ انداز پر جز بز ہو گئے۔ چودھری جہانگیر نے سرد نگاہ ڈالی تو چودھری حشمت بھی اس کے بے فکرے انداز کو دیکھ کر ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئے۔ صوفے پر آلتی پالتی مار کر گود میں باؤل رکھ کر چائے کی چسکی لے کر اس نے سب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر جیسے خاموشی کی زبان میں ارشاد فرمایا کہ اب جلسے کا آغاز کیا جائے۔

"ہونہہ ریوڑیاں ملیں گی سب کو۔" تلخی سے سر جھٹک کر اس نے پاپ کارن منہ میں رکھے۔ سمہان آفندی اسی پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ پیچھے ہو کر دیوار سے لگ کر ہاتھ سینے پر باندھے اس کے انداز ملاحظہ کرتے اسے شدید غصہ آ رہا تھا۔

یوں سب کی طلبی ہوئی ہو ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا تھا۔ ایسا اسی وقت ہوتا تھا جب حویلی میں کوئی خاص فیصلہ ہونے والا ہو اور سب کو مطلع کرنا ہو۔ نئی نسل تو یوں بھی بڑوں کے سامنے چپ ہی رہتی تھی مگر آج تو جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

"بخت اور اس کی فیملی کی غیر موجودگی ہمیں بھی محسوس ہو رہی ہے لیکن وہ دور ہے ہمیں احساس ہے..... آپ سب کو یہاں اس لیے اکٹھا کیا گیا ہے کہ ہم آپ سب کو مطلع کرنا چاہ رہے ہیں کہ نئی نسل اب ماشاءاللہ شادی کے قابل ہو گئی ہے' لڑکیوں میں ندا سب سے بڑی ہے تو ہم سب سے پہلے اس کے فرض سے سبکدوش ہوں گے۔" ماحول میں پہلے ہی خاموشی تھی۔ چودھری حشمت نے بولنا شروع کیا تو سب نے جیسے سانس بھی روک لی۔

اس محفل میں کوئی غیر سنجیدہ موڈ اور حرکت میں ملوث تھا تو وہ عیشال جہانگیر تھی۔ چودھری جہانگیر اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ ان کے ماتھے کی لکیریں گہری ہونے لگی تھیں۔ وہ دیکھ رہے تھے۔ اس کی دلچسپی نا ہونے کے برابر تھی۔

چودھری حشمت کی بات ختم ہوئی تو اسے چونکنا پڑا' جانے کیوں اسے ندا کے چہرے کا رنگ اڑتا محسوس ہوا۔

"یہ لڑکے کی تصویر ہے۔ ہم اسی سلسلے میں شہر جا رہے تھے لیکن صبح ہی ہمارے دوست نے تصویر بھجوا دی لڑکے کی فیملی ہمارے پرانے واقف کاروں میں سے ہے..... اچھے لوگ ہیں..... آپ سب تصویر دیکھ لیں۔" چودھری حشمت نے تصویر ساتھ کھڑے سمہان آفندی کی طرف بڑھائی۔ تصویر تھامتے اسے کسی قدر سکون محسوس ہوا۔ بات ندا کی تھی اور وہ بلاوجہ پریشان رہا۔ اس نے سب سے پہلے تصویر زمرد بیگم کو تھمائی' انہوں نے ایک سرسری نظر ڈال کر فائزہ کو دی پھر فریال' اسی طرح سب سے گھومتی ہوئی تصویر آخر میں عیشال جہانگیر تک پہنچی۔

"کب تک منگنی کا ارادہ ہے؟" زمرد بیگم نے ہی استفسار کیا' عیشال جہانگیر نے ایک نظر تصویر پر ڈالی اور دوسری نظر سر جھکائے بیٹھی ندا پر تصویر میں موجود بڑی بڑی مونچھوں اور خوفناک تاثرات والا شخص یقیناً لڑکیوں میں کسی کو پسند نہیں آیا تھا لیکن سب نے اپنے تاثرات چھپا لیے تھے۔

"وہ لوگ منگنی کرنا نہیں چاہتے جلد شادی کے خواہاں ہیں' ہمارا بھی خیال ہے عید سے پہلے اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں' تمہارا کیا خیال ہے فیروز خان.....؟" زمرد بیگم کو جواب دے کر چودھری حشمت نے فیروز خان سے استفسار کیا کہ ندا ان کی بڑی بیٹھی تھی' شاہ زر شمعون بھی انہیں دیکھنے لگا۔

"آپ اور بی جان جیسا مناسب سمجھیں بابا جان۔" فیروز خان نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

"داجان..... یہ شخص ندا آپی کے لیے بالکل مناسب نہیں..... بہت بڑی عمر کا لگ رہا ہے اور بہت سخت گیر' خوفناک بھی۔" سمہان آفندی جو عیشال کے ناگوار تاثرات پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ دعا گو تھا کہ وہ اپنی کتر کتر چلتی زبان پر قابو رکھے۔ نظر ملنے پر نفی میں سر ہلاتے منہ پر انگلی رکھ کر سمہان آفندی نے اسے اس مسئلے سے دور رہنے کا اشارہ بھی کیا مگر وہ

Download From - PakDigestsNovel

www.PakDigestsNovel.blogspot.com

کب کسی کی سنی تھی۔ عیشال کا بولنا تھا کہ ماحول پر موت کی سی خاموشی چھا گئی۔

سمہان آفندی کی نظر بے ساختہ چودھری حشمت اور چودھری جہانگیر کے تاثرات کا جائزہ لینے لگی۔ چودھری حشمت یوں چونکے جیسے اب تک اس کی موجودگی سے ہی لاعلم ہوں۔ چودھری اسفند اور شاہ زر شمعون خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ چوہدری حشمت کے فیصلوں پر اعتراض اٹھانے کی کسی میں ہمت نہیں تھی لیکن عیشال جہانگیر کب کسی حدوقید کی پروا کرتی تھی اس کے اختلاف رائے پر سب چونکے تھے۔

"ابھی تم بہت چھوٹی ہو عیشال' بہتر ہوگا بڑوں کے معاملات میں بولنا چھوڑ دو۔" چودھری حشمت چپ ہی رہے مگر چودھری جہانگیر کو عیشال کی گستاخی ایک آنکھ نا بھائی' تب ہی سرد لہجے میں اسے سرزنش کی۔

"بے شک میں چھوٹی ہوں مگر مجھے یقین ہے یہاں موجود کسی کو بھی یہ شخص پسند نہیں آیا..... لیکن کسی میں اختلاف کرنے کا حوصلہ نہیں۔" عیشال جہانگیر نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔ اس کی جی داری پر سب ہی پہلو بدلنے لگے۔ لڑکیوں نے تو مارے خوف کے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ زمرد بیگم' فائزہ اور فریال بھی جز بز ہو رہی تھیں۔ سمہان آفندی غصہ دبائے کھڑا تھا' نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں جو چودھری جہانگیر کی طرف متوجہ تھی۔

"بابا جان کے کیے گئے فیصلے کی مخالفت کا حوصلہ کسی میں نہیں تو یہ جرأت تم میں کیسے آ گئی۔" چودھری جہانگیر نے سرخ آنکھیں اس پر مرکوز کردیں۔

"بات سچ اور حق کی ہو تو ڈر کیسا..... مجھے پسند نہیں آیا میں نے اپنی رائے کا اظہار کردیا۔"

"اپنی رائے' پسند ناپسند کو زندگی سے نکال پھینکو تو تمہارے حق میں بہت بہتر ہوگا ورنہ تمہاری زبان کٹوانے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" چودھری جہانگیر اس بری طرح دھاڑے کہ فائزہ اٹھ کر بے ساختہ عیشال تک آ گئیں۔

"آپ تو سمجھداری دکھائیں' بچی ہے۔" چودھری جہانگیر کا گھٹنا دبا کر چودھری اسفند انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ عیشال مسلسل چودھری جہانگیر کو دیکھ رہی تھی' وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی مگر فائزہ کے ہاتھ کے دباؤ سے زیادہ حلق میں گھلتے نمکین پانی نے اسے کچھ کہنے کے قابل نہ چھوڑا۔

"بابا جان چھوٹے بڑے کا فرق بھول کر جلد سے جلد اسے حویلی سے رخصت کرنے کی کریں ورنہ اس کے انداز بتا رہے ہیں کہ کوئی چاند ضرور چڑھائے گی۔" وہ ایک عورت کے تناظر میں اس سے نفرت کا اظہار کر رہے تھے تو دوسری کے کردار پر اسے پرکھ رہے تھے۔ درحقیقت عیشال جہانگیر دو عورتوں کے حصے کا تاوان بھگت رہی تھی اور وہ اس بھگتان کے اسباب سے بھی لاعلم تھی۔

ان کے آناً فاناً تقاضے پر سمہان آفندی کا دل دھڑک اٹھا۔ سب ہی بری طرح چونکے۔ چودھری حشمت پُرسوچ انداز میں سر ہلا گئے۔

"بہتر ہو تو اس تصویر والے سے ہی نکاح کر کے رخصت کردیں اسے۔" چودھری جہانگیر نے بے رحم لہجے اور نفرت بھرے انداز سے کہا۔ سمہان آفندی کا دل مٹھی میں آ گیا تھا۔ عیشال جہانگیر سے مزید ضبط محال ہوا تو وہ جھٹکے سے ہال سے نکل گئی۔

"بن ماں کی بچی ہے جہانگیر..... کبھی تو نرمی سے کام لیا کرو۔" چودھری حشمت نے جیسے ناصحانہ انداز میں سرزنش کی۔

"نرمی سے ہی تو کام لیا تھا بابا جان' کیا ہاتھ لگا۔" جھلا کر ماضی ادھڑ بیٹھے پھر فوراً سنبھل کر بولے۔ "اب میں کسی کے ساتھ نرمی سے کام نہیں لیتا۔" چودھری جہانگیر سرخ آنکھوں سے خلا میں دیکھنے لگے حویلی آ کر وہ ہمیشہ سے کرب کا شکار

Download From - PakDigestsNovel

www.PakDigestsNovel.blogspot.com
ہوجاتے تھے۔ اس ہم انداز تفکلو پر لڑکیاں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں تو بڑے نظریں چرانے لگے سوائے شاہ زر شمعون اور سمہان آفندی کے جو یہ سوچ رہے تھے کہ حویلی کی یادوں کو خوشگوار کیسے بنایا جائے۔

❁.....❁.....❁

شنائیہ چودھری کا شاپنگ آؤٹنگ سب کا موڈ غارت ہوگیا تھا۔ وہ گاؤں میں بیٹھا حکم چلا رہا تھا اور وہ اپنے ہی شہر اور گھر میں محصور ہوکر رہ گئی تھی۔ وہ سخت برہم تھی۔ اس نے احتجاجاً دیا اور چودھری بخت سے بھی شاہ زر شمعون کے عمل کی شکایت کی۔ دونوں نے جب شاہ زر شمعون کے فیصلے کی تائید کی اور اسے بھی عمل درآمد پر زور دیا تو وہ مزید بور ہوگئی۔ ماہم تو آگے پیچھے گارڈز والے پروٹوکول پر بہت خوش تھی۔ وہ گانے سن کر فیس بک چلا کر بور ہوگئی تو بیڈ پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم تو شاپنگ کے لیے جارہی تھیں' گئی نہیں؟" دیا کمرے میں آئیں اور اسے بےزار دیکھ کر سوال کیا۔

"مجھے نہیں جانا کہیں ان باڈی گارڈز کے ساتھ۔" وہ منہ بنا کر کشن دبوچ گئی۔

"شاہ نے یہ اقدام ہماری حفاظت کے لیے ہی کیے ہیں بیٹا' ویسے بھی حالات اتنے برے ہیں کہ بچیوں کے لیے تو گارڈز ہونا ہی چاہیے کم از کم والدین کو ان کی واپسی تک دھڑکا تو نا لگا رہے۔" جب دیا مطمئن تھیں تو وہ کب تک اختلاف کرتی سو چپ رہی۔ وہ دیا کے بولنے کی منتظر تھی۔ اسے لگ رہا تھا دیا کسی خاص مقصد سے آئی ہیں۔ اور وہی ہوا۔ اگلا جملہ ان کے منہ سے نکلا تو وہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔

"حویلی سے بابا جان کی کال آئی تھی' وہ حویلی میں اب شادیوں کا آغاز کرنا چاہ رہے ہیں' بتا رہے تھے ندا کے لیے انہوں نے رشتہ بھی دیکھ لیا ہے اور جلد ہی بات پکی کردیں گے لڑکیوں میں ندا سب سے بڑی ہے تو اسی کی پہلے ہوگی۔"

"شکر ہے..... کچھ تو تبدیلی آئے گی لائف میں' شادی انجوائے کروں گی' کیسا ہے لڑکا..... آپ نے دیکھا ہے؟" وہ ایکسائیٹڈ ہوئی۔

"ہاں' بابا جان نے تصویر واٹس اپ کی تھی' تمہارے پپا کو انہوں نے مجھے بھی کردیں۔ تم بھی دیکھ لو۔" دیا نے اپنا سیل فون اس کے آگے کیا۔ "لڑکے" کی تصویر دیکھ کر ایک پل کو اس کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"مما.....! یہ کس اینگل سے لڑکا ہے؟ بڈھا کھوسٹ لگ رہا ہے۔ جب کہ ندا تو بہت پیاری اور نازک سی ہے۔" وہ تصویر دیکھتے ہی اٹھ بیٹھی۔ لہجہ شاکڈ تھا۔

"میرے سامنے تو کہہ دیا۔ اپنے پپا اور حویلی والوں کے سامنے بھولے سے بھی نہ کہنا' یہ بابا جان کا فیصلہ ہے۔" وہ تنبیہ کرنے لگیں۔

"لیکن کیوں مما' بابا جان کو جوڑ بھی تو دیکھنا چاہیے۔ ندا کی بھی تو کوئی پسند ناپسند ہوگی۔" اسے اختلاف ہوا۔

"ندا کی پسند ناپسند کوئی معنی نہیں رکھتی۔ شادی اسی سے ہوگی جسے بابا جان پسند کریں گے۔ حویلی میں پسند ناپسند کا اختیار کسی کو نہیں' خاص طور پر لڑکیوں کو تو بالکل نہیں۔" دیا حقیقت پسندی سے اسے حویلی کے رموز سمجھا رہی تھیں۔

کل کو ندا کی شادی بھی ہوجاتی اور پھر ایک دن ان کی بیٹی کی باری بھی آنی تھی۔ انہیں اپنی نخریلی بیٹی کی فکر ہوئی تو وہ چلی آئیں کہ اس کے کان میں بات ڈال دیں۔ تاکہ وہ بھی ذہنی طور پر تیار رہے۔

"کل کو بابا جان ایسے ہی کسی خوفناک آدمی سے میری شادی طے کردیں گے تو..... آپ اور پپا کچھ نہیں کہیں گے؟" وہ وہی سوال کر گئی جس کا جواب دیا سمجھانے آئی تھیں۔ وہ فکرمندی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"بابا جان کا فیصلہ ہی حرف آخر ہے' وہ ہمارے بڑے اور سرپرست بھی ہیں۔" دیا نے واضح کیا۔

Download From - PakDigestsNovel

www.PakDigestsNovel.com

"صرف ظاہری شکل وصورت اور عمر میں تضاد کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مانا یہ لڑکا خوب صورتی اور عمر کے خانے میں فٹ نہیں مگر خاندانی ہے ہو سکتا ہے یہ ندا کو بہت خوش رکھے۔" دیا نے روشن پہلو دکھایا۔

"ساتھ چلنے اور زندگی کو انجوائے کرنے کے لیے ذہنی ہم آہنگی رکھنے والا ہم سفر چاہیے ہوتا ہے جو آپ کے ساتھ چلتے ہوئے نامناسب نا لگے۔ خاندانی رکھ رکھاؤ کا اچار ڈالنا ہے؟" وہ سخت بدمزا ہوئی۔ اس کے انداز پر دیا کو چونکنا پڑا۔

"تم کسی کو پسند تو نہیں کرنے لگیں؟" دیا کے تشویش سے بھرے سوال اور مشکوک نظروں سے اس کا اپنا سر پیٹ لینے کو دل چاہنے لگا۔

"نہیں مام میں تو پسند ناپسند بتا رہی ہوں۔ ابھی کوئی ایسا بنا ہی نہیں جسے شنائیہ چودھری پسند کرے۔" وہ اکڑی' دیا کو کسی قدر سکون ہوا۔

"اور کبھی پسند آنا بھی نہیں چاہیے۔ ورنہ لوگ میری تربیت پر انگلی اٹھائیں گے۔ پسند کی شادی کا کوئی وجود ہی نہیں ہے' حویلی میں اور تمہیں اپنی حد یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔" دیا نے دوٹوک لفظوں میں واضح کر دیا۔

"میں کسی کو پسند نہیں کرتی لیکن ایسے کسی رشتے کے لیے ندا کی طرح کبھی نہیں مانوں گی۔" اس نے اعلان کیا۔

"آج تو یہ فضول جملہ بول دیا لیکن آئندہ نا سننوں میں۔ تم بچوں کو صحیح غلط کی تمیز ہی کہاں ہوتی ہے' فلمی ہیرو کو دیکھ کر اسے آئیڈیالائز کرنے لگتی ہو' یہ جانے بنا بھی کہ اس کی ظاہری چمک دمک تمہارے مستقبل کو کتنے اندھیرے میں لے جا سکتی ہے' شادی وہیں ہوگی جہاں بابا جان چاہیں گے یہ ذہن میں بٹھا لو اپنے۔" دیا ایک ایک جملے پر زور دے کر چلی گئیں اور شنائیہ ایک نئی ٹینشن میں مبتلا ہو گئی۔ تصویر والے لڑکے کا تصور کرتے اس نے بے اختیار جھرجھری لی تھی۔

❁.....❁.....❁

وہ حد درجہ اداس تھی۔ اکیلے پن کے احساس سے اس کی آنکھیں بار بار پانی سے بھر رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے کاجل بار بار بہہ رہا تھا۔ زرش نے اسے جلدی تیار ہونے کا کہا مگر چودھری جہانگیر سے ہونے والے سامنے کے بعد اس کا موڈ کچھ کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا لیکن بیٹھی رہتی تو دماغ مزید خراب ہوتا اس لیے وہ اٹھ کر تیار ہونے لگی۔ چودھری جہانگیر کے رویے نے اسے دکھی کر دیا تھا۔ کہنے کو تو وہ اس کے باپ تھے مگر شاید ہی انہوں نے کبھی اسے بحیثیت باپ کے گلے لگایا ہو' پیار بھری نظر سے دیکھا ہو' مہینوں بعد حویلی کا چکر لگاتے تھے اور ہر بار پہلے سے زیادہ دوری پر نظر آتے تھے' اگر ان کا ایسا مزاج سب کے ساتھ ہوتا تو شاید وہ صبر کر لیتی مگر ان کا رویہ صرف اسی کے ساتھ اتنا روڈ ہوتا تھا..... کیوں.....؟ وہ وجہ جاننے سے قاصر تھی۔

ماں بچپن میں مر گئی تھی اور چودھری جہانگیر نے کبھی باپ کا پیار اس کے حصے میں آنے ہی نہیں دیا تھا جب کہ کراچی میں مقیم بیٹی نرمین اور بیٹے ایشان جاہ کے لیے ان کی جان بھی حاضر رہتی تھی۔ وہ بھول بیٹھے تھے کہ حویلی میں ان کی ایک اولاد بھی رہتی ہے جو ان کے قرب و محبت کو ترستی ہے' کوئی بہن بھائی نا ہونے کی وجہ سے اپنی باتیں کسی سے شیئر نہیں کر پاتی تھی۔ اسی محرومی' کمی نے اسے اس ماحول اور لوگوں سے باغی بنا دیا تھا۔ ہر وہ کام کرتی تھی جس کی حویلی میں ممانعت تھی۔ حویلی میں سب ہی اس کے ساتھ نرم رویہ رکھتے تھے۔ چودھری اسفند کو وہ زیادہ عزیز تھی۔ وہ جب بھی اپنے بچوں کے لیے کچھ لاتے تو اس کے لیے بھی ضرور لاتے تاکہ اسے محسوس نہ ہو مگر ماں باپ کی کمی ایسا خلا تھی جو کسی کے التفات اور ہمدردی سے پر نہیں ہو سکتی تھی۔ ایسے میں چودھری جہانگیر کا اس کے لیے نفرت بھرا لہجہ اور انداز اس کے نازک سے دل و احساسات کو مزید مجروح کر دیتا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آتا کہ آخر اس نے ایسا کون سا جرم کر دیا ہے کہ چودھری جہانگیر اس سے

Download From - PakDigestsNovel

www.PakDigestsNovel.Blogspot.com

چودھری جہانگیر کی گاڑی کے ٹائر چرچرائے تو پرفیوم اسپرے کرتے اس کے لبوں پر پراسرار سی مسکراہٹ پھیل گئی وہ جس طرح آئے تھے اسی طرح واپس چلے بھی گئے تھے۔ بالوں کو شولڈر پر بکھیرے دوپٹا دونوں شانوں پر پھیلائے وہ ہال میں چلی آئی۔ بلیک جینز شرٹ پر مسٹرڈ شارٹ جیکٹ پہنے سمہان آفندی کلائی میں بندھی گھڑی میں وقت دیکھ رہا تھا۔

"کہاں ہے یہ زرش ☆ مجھے تو کہہ گئی دس منٹ میں ہال پہنچو۔" کلائی میں پڑی چوڑیوں کو ٹھیک کرتی وہ موڈ چینج کر کے آئی تھی آواز پر سمہان آفندی نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

بلیک میکسی میں بالوں کو بائیں شولڈر پر ڈالے مناسب میک اپ اور جیولری میں وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ ایک پل کو اس کے احساسات عجیب سے ہو گئے کہ اگر جو کوئی اور اس کا نصیب بن گیا تو کیا ہوگا۔

"تمہیں کیا ہوا؟ سنجیدہ اور غصے میں لگ رہے ہو۔" وہ اس کے رنگ ڈھنگ پر چوٹ کر گئی اور اسے واقعی اس پر شدید غصہ تھا۔

"تم جو کچھ کرتی پھر رہی ہو اس پر تمہیں کون سے تمغے سے نوازوں' یہ سوچ رہا ہوں۔ کیا ضرورت تھی تمہیں وہ سب بکواس کرنے کی' کیوں کرتی ہو ہر بات سے اختلاف؟ کیوں حویلی کی دیگر لڑکیوں کی طرح خاموش رہ کر یہاں کے اصولوں پر زندگی نہیں گزارتیں؟" وہ برس پڑا۔

"کیوں کہ میں ڈمی نہیں ہوں۔ جو حویلی کے مردوں کے اشاروں پر چلتی رہوں۔" وہ بھڑک اٹھی' بڑی مشکل سے اس نے اپنا موڈ ٹھیک کیا اور پھر سے وہی ذکر اس کی جان جلانے لگا۔

"جب کسی کو اس رشتے میں کوئی اعتراض نہیں تو تمہیں کیا تکلیف ہے۔ کیا ملے گا اس بغاوت سے۔ تم نے آج جو حرکت کی وہ کم تھی.....؟ جہانگیر چچا تو بضد تھے کہ تصویر والے سے ہی تمہارا نکاح کروا دیا جائے مگر بھلا ہو ڈیڈ کا وہ آڑے آگے ورنہ ابھی اسی خوفناک چہرے والے سے نکاح کی تیاری کر رہی ہوتیں۔" وہ بھڑاس نکالنے لگا۔

"کر کے تو دیکھتے..... میں بھی بتا دیتی۔" اس نے بال جھٹکے۔

"اپنی بہادری بعد کے لیے سنبھال کر رکھو آگے بہت ضرورت پڑنے والی ہے' لیکن اللہ کا واسطہ ہے ابھی منہ بند رکھنا سیکھو' ہاتھ جوڑتا ہوں تمہارے آگے۔" بولنے کے ساتھ وہ واقعی ہاتھ جوڑ گیا۔ عیشال جہانگیر جو اس کی غیر مبہم باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی اس کے ہاتھ جوڑنے پر ایک دم دیکھنے لگی غضب کی ڈریسنگ اس کی وجاہت کو مزید بڑھا رہی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے اب سے تمہاری بات رکھنے کی کوشش کروں گی' بتا دینا کب اور کہاں بہادری دکھانی ہے۔" اس کا جملہ پکڑ کر چھیڑ گئی' وہ ان کے ایک دم سے مان جانے پر حیران ہوتا خود بھی مسکرا دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

میں بہت شرمندہ ہوں منزہ بہن' مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ اس مزاج کے ہیں۔" منزہ صائمہ کے ساتھ ہاسپٹل آئیں۔ شاہد اور صائمہ وقت بے وقت ان کے بہت کام آتے تھے۔ ایسے میں صائمہ کو اپنے عزیز کی عیادت کے لیے جانا پڑا تو انہوں نے منزہ کو ساتھ لے لیا۔ منزہ بھی چلی آئیں کہ ان کی ٹیسٹ رپورٹ بھی آج ہی ملنا تھی لگے ہاتھوں وہ بھی ڈاکٹر کو دکھا سکتی تھیں۔ صائمہ گزشتہ واقعے پر افسوس کا اظہار کر رہی تھیں۔

"تمہارا کیا قصور صائمہ' تم نے تو خلوص نیت سے کام کیا' لیکن لوگ..... خیر جانے دو..... تم اپنی عزیز سے ملو۔ میں تب تک ڈاکٹر کو رپورٹس دکھا کر آتی ہوں۔" رپورٹس انہوں نے آتے ہوئے راستے سے لے لی تھیں اور اب منزہ ڈاکٹر کو دکھانا چاہ رہی تھیں۔ صائمہ سر ہلا کر چلی گئیں تو وہ بھی بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگیں۔

Download From - PakDigestsNovel

نے انہیں آنے سے منع کیا تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک صائمہ کے ساتھ چلی جائے گی لیکن انہوں نے انکار کردیا تھا۔ اپنی باری آنے پر وہ اندر گئیں۔ ڈاکٹر رپورٹس دیکھ رہا تھا اور وہ جب اس کے تاثرات سے کچھ اخذ نا کر پائیں تو چپ کر کے بیٹھی رہیں۔

"تو میرا شک درست نکلا۔" ڈاکٹر نے لمبی سانس بھر کے چشمہ آنکھوں پر سے اتارا۔ انداز میں افسوس کا رنگ نمایاں تھا۔

"کوئی ساتھ آیا ہے آپ کے..... کوئی فیملی ممبر؟" ڈاکٹر کے چہرے پر ایک دم سے تردد کی کیفیت طاری ہوئی۔

"میں اپنی پڑوسن کے ساتھ آئی ہوں۔ خیریت ہے ڈاکٹر صاحب.....؟" منزہ کو ان کے انداز پر حیرت ہوئی۔

"گھر میں کوئی سرپرست' کوئی مرد جس سے بات کرسکوں؟"

"میں اور میری بیٹیاں ہی ہیں۔ بات کیا ہے ڈاکٹر صاحب.....؟" منزہ کو ان کے سوالات عجیب لگ رہے تھے۔

حقیقت جان کر ڈاکٹر ایک لمحے کو ہونٹ سکوڑ گیا۔ چند ثانیے خاموشی کے بعد ڈاکٹر تذبذب کی کیفیت میں انہیں دیکھتا رہا۔ جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ منزہ کی چھٹی حس انہیں کسی خطرے کا پیغام دے رہی تھی۔

"عموماً ہم پیشنٹ سے اس کی بیماری ڈسکس نہیں کرتے کہ وہ اس بات کو لے کر مزید طبیعت خراب کرلے گا۔ تب ہی آپ کے سرپرست اور مرد کے حوالے سے استفسار کیا۔ لیکن..... آپ کی دو ہی بیٹیاں ہیں تو وہ یہ سب جاننے کے بعد کیسا بی ہیو کریں۔" ڈاکٹر پُرسوچ انداز میں بولا۔

"میں اپنی بیٹیوں کو کوئی تکلیف دہ صورت حال نہیں دینا چاہتی۔ جو بھی ہے آپ مجھے ہی بتادیں۔" انہوں نے جی کڑا کرلیا۔

"آپ کے ٹیسٹ رپورٹس سے بلڈ کینسر کا مرض تشخیص ہوا ہے جو لاسٹ اسٹیج پر ہے....." ڈاکٹر نے کہا اور منزہ کی نگاہوں میں دونوں بیٹیوں کا عکس ڈول گیا۔ ڈاکٹر بھی بتاتے ہوئے دکھی تھا۔ شاید یہ جان کر کے دنیا میں دو بیٹیاں ہی ان کی کائنات ہیں۔

"کتنا وقت ہے میرے پاس؟" منزہ کو اپنی ہی آواز اجنبی لگی۔

"شاید کچھ ماہ' شاید سال' یا پھر کچھ دن..... موت کا وقت تو صرف اوپر والے کو پتا ہے۔" ڈاکٹر نے آزردہ لہجے میں کہا تو منزہ کے لبوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔

رب العزت نے کیا خوب انصاف کیا تھا۔ جینے اور خوشیوں کی ہوس میں زندگی کو اپنے اشاروں پر چلانے کا عزم رکھنے والی کو زندگی میں ہی موت کی آگاہی دے دی گئی تھی۔ موت اچانک ہوتی تو شاید انہیں احساس تک نہ ہوتا۔ وہ سوچتی رہتیں کہ ابھی انہیں دس بیس سال اور زندہ رہنا ہے لیکن ان کا وقت پورا کر کے ان کو احساس دلایا گیا تھا کہ وہ لمحہ لمحہ خود سے قریب آتی موت کے قدموں کی آہٹ اسی زندگی میں محسوس کریں کیا' خوب انصاف تھا اس کا۔ تھکے قدموں کو گھسیٹتی منزہ کی نگاہ آسمان کی طرف اٹھ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

"تم لوگ جلدی نہیں آسکتے تھے.....؟" شازمہ انہیں دیکھتے ہی چونکی۔ تینوں کو واپسی میں تھوڑی دیر ہوگئی تھی۔ وہ سب لوٹ کر آئے تو ہال میں ہی لڑکیاں اور باقی خواتین بھی مل گئیں۔

"کیوں ایسا کیا ہوگیا جو ہمیں جلدی لوٹ کر آنا چاہیے تھا۔" عیشال نے چادر اتار کر سائیڈ پر رکھتے سوال کیا۔

Download From - PakDigestsNovel

.com

سمہان آفندی کے کان اعلان کا سن کر کھڑے ہو گئے۔

"دن کو اتنا دھما کے دار اعلان تو کیا داجان نے اب اور کون سا اعلان باقی بچتا ہے۔" عیشال نے منہ بنایا۔

"بھئی وہ تو ندا کی شادی کا اعلان تھا ناں..... یعنی لڑکیوں میں ندا بڑی ہے تو..... اب لڑکوں کی بھی باری آئے گی ناں.....؟" یمنیٰ نے دانائی سے سمجھایا تو وہ ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"یعنی ویرے شاہ کی شادی کا اعلان؟" زرش اچھلی۔

"ہاں..... ناں۔" شازمہ بھی پُرجوش ہوئی۔

"کس سے لڑکی کی تصویر دکھائی داجان نے؟" سمہان آفندی نے بھی دلچسپی لی۔

"یہ ہی اہم کام تو نہیں ہو سکا۔ آپ لوگ موجود جو نہیں تھے۔" شازمہ نے منہ بگاڑا۔

"دی جان سے پوچھو۔ شاید انہوں نے تصویر دیکھی ہو۔" زرش نے سب کا دھیان زمرد بیگم کی طرف کیا تو لڑکیاں ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ عیشال جہانگیر چینج کرنے کے ارادے سے اپنے کمرے کی طرف جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"آئندہ سے اتنا تیار ہو کر کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔" وہ سیڑھیوں پر چلتی ایئر رنگ اتار رہی تھی۔ پیچھے سے آتے سمہان آفندی نے ایک دم سے کہا۔ ایک پل کو وہ ٹھٹکی۔

"کیوں.....؟"

"بس کہہ جو دیا۔" وہ حتمی لہجے میں کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

شادی میں ہر کوئی ہی اس کی تعریف کر رہا تھا۔ سب ہی اس کے متعلق بار بار پوچھ رہے تھے اور ایک وہ تھا جو تعریف کی بجائے آئندہ تیار نا ہونے کا کہہ رہا تھا۔

"اب بندہ اتنا بھی جل کٹڑا نا ہو سب نے ہی میری تعریف کی۔" وہ منہ بنا گئی۔

"میں یہ ہی تو نہیں چاہتا کہ کوئی تمہاری تعریف کرے آئی سمجھ۔" وہ بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ جرح کرنے والے انداز سے وہ اسے گھور رہی تھی۔

"بڑا شوق ہے تمہیں تعریفیں سننے کا۔" موڈ بدل کر سخت نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ کوئی سخت سا جواب دینے ہی لگی تھی جب شاہ زر شمعون کو آتے دیکھ کر الرٹ ہو گئی۔

"لوٹ آئے تم لوگ؟" شاہ زر شمعون قریب آ گیا تھا۔ عیشال جہانگیر دوپٹا سر پر لیتی انداز نارمل کر گئی۔ شاہ زر شمعون نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سمہان آفندی کی طرف متوجہ ہوا۔

"نیند نہیں آ رہی تھی تو سوچا تم سے تھوڑی گپ شپ ہی کر لوں۔"

"نیند کہاں سے آئے گی جناب کو..... داجان نے شادی کی پھلجھڑی جو چھوڑ دی ہے..... سچ بتاؤ بروٗ تصویر دیکھی۔" وہ چھیڑنے لگا تھا اور شاہ زر شمعون کے چہرے پر شرم کی سرخی بکھر گئی۔ عیشال جہانگیر دو دوستوں کی چھیڑ چھاڑ میں خود کو مس فٹ محسوس کرتے اپنے کمرے کے دروازے پر رک گئی۔ وہ دونوں آگے بڑھ گئے لیکن اسے دونوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"او نہیں بھئی۔" شاہ زر شمعون، سمہان آفندی کے ہم قدم تھا۔

"اب صبح ہی دیکھنا تصویر..... یقیناً ناشتے کی میز پر ہی تصویر کشائی ہو گی۔" شاہ زر شمعون نے اس کے اشتیاق پر

Download From - PakDigestsNovel

www.PakDigestsNovel

"بازو کا زخم کیسا ہے اب.....؟" وہ روزمرہ کی باتیں کرتے راہداری میں گم ہو گئے تھے عیشال جہانگیر بھی اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔

❁.....❁.....❁

صبح ناشتے کی میز پر ہر کوئی متوجہ تھے کہ چودھری حشمت کب شاہ زر شمعون کی شادی کا اعلان کریں لڑکیاں یونیورسٹی کے لیے معمول کے مطابق تیار بیٹھی تھیں۔ انہیں بھی شدت سے انتظار تھا کہ ان کی روانگی سے قبل اعلان ہو جائے۔ سب چوری چوری چودھری حشمت کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ جو ناشتا کرنے میں مگن تھے۔ بالآخر وہ لمحہ بھی آ گیا جب وہ سب سے مخاطب ہوئے۔

"یوں تو ہم ندا کی شادی کا اعلان کر چکے ہیں کیونکہ ندا لڑکیوں میں بڑی ہے۔" عیشال جہانگیر کو ایک بار پھر ندا کے چہرے پر سایہ پھیلتا محسوس ہوا۔ جسے چھپانے کو وہ سر جھکا گئی تھی۔

"لیکن اس سے بڑا شاہ ہے تو ہم نے طے کیا ہے کہ ندا سے پہلے شاہ کی شادی کی جائے۔"

"بہت اچھا خیال ہے ماشاءاللہ....." زمرد بیگم نے سر ہلایا۔

فائزہ کے چہرے پر بھی بیٹے کی شادی کا سن کر چمک دوڑ گئی تھی۔ ندا بھی ان کی بیٹی تھی لیکن ان کی خود کی دلی خواہش تھی کہ چونکہ شاہ زر شمعون ندا سے بڑا ہے تو پہلے اس کی ہو اور اب چودھری حشمت ان کے دل کی بات کر رہے تھے۔ چودھری اسفند اور چودھری فیروز قدرے مطمئن بیٹھے تھے۔ جیسے انہیں سب پتا ہو البتہ تمام خواتین متعجب نظروں سے چودھری حشمت کو دیکھ رہی تھیں۔

"اس جمعہ کو شاہ اور عیشال کی منگنی کی رسم ادا کی جائے گی اور جلد ہی شادی۔" سب ہی چودھری حشمت کے بولنے کے منتظر تھے اور جب انتظار کے بعد وہ سب کہہ گئے تو کئی اشخاص بے یقینی سے ان کی صورت تکتے رہے۔

"شاہ زر شمعون کے لیے ہم نے عیشال کا انتخاب کیا ہے۔ گھر کی بچی گھر میں ہی رہے گی۔"

اسے لگا تھا اس کی سماعت کو دھوکا ہوا ہے لیکن جب چودھری حشمت نے ایک بار پھر نام دہرائے تو عیشال جہانگیر شاکڈ سی ہو کر بے ساختہ سمہان آفندی کی طرف دیکھنے لگی کم و بیش اس کے چہرے پر بھی ایسی ہی بے یقینی کے تاثرات تھے۔

"شاہ زر شمعون اور عیشال جہانگیر.....؟" اس سے آگے وہ سن نہیں سکی۔

ذہن سن ہو گیا تھا۔

(ان شاءاللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

Download From - PakDigestsNovel

قسط نمبر 7

عشق دیوانگی

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

چودھری حشمت فون پر سمہان آفندی کو شاہ زر شمعون کے زخمی ہونے کی اطلاع دے کر پریشان کر دیتے ہیں وہ عیشال جہانگیر کو تمام صورت حال سے آگاہ کرتا واپس حویلی لے آتا ہے۔ یونیورسٹی کے پہلے دن ہی لیکچرار چند سوال دے کر خود محو انتظار ہوتے ہیں تب سب سے پہلے ایشان جاہ اسائنمنٹ جمع کرانے جاتا ہے تو لیکچرار اسے سب کے اسائنمنٹ جمع کرنے کی ذمہ داری دے دیتے ہیں ایسے میں انشراح اپنا پیپر ماورا یحییٰ کے پیپر سے اٹیچ کر دیتی ہے جس کی وجہ سے ماورا یحییٰ کو کلاس کے سامنے بے عزتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حویلی میں اسٹور روم سے ایک بڑا صندوق لا کر ہال میں رکھا جاتا ہے جس میں پرانے کپڑے دیکھ کر تمام لڑکیوں کو تشویش ہوتی ہے کہ آخر وہ کپڑے کس کے ہیں تب دی جان ان کپڑوں کو آگ لگانے کی بات کرتی سب کو حیران کر جاتی ہیں عیشال جہانگیر سمہان آفندی سے کپڑوں کے حوالے سے پوچھنا چاہتی ہے جس پر سمہان لاعلمی کا اظہار کرتا اسے مایوس کر جاتا ہے۔ شاہ زر شمعون نے گاؤں جاتے ہی چودھری بخت کے بنگلے پر گارڈ پر تعینات کرا دیے ہوتے ہیں اس کے مطابق گجر کے آدمی شہر میں موجود حویلی سے جڑے لوگوں کو ضرور پریشان کر سکتے تھے اس لیے وہ ان کی حفاظت کے لیے گارڈ بھیج دیتا ہے جبکہ شنائیہ کو گارڈ کی موجودگی میں کہیں آنا جانا سخت ناپسند لگتا ہے تب وہ شاہ زر شمعون سے فون پر الجھتی ہے دوسری طرف خلاف عادت شاہ زر شمعون اسے نرمی سے سمجھاتا ہے۔ صائمہ (منزہ کی ہمسائی) کے توسط سے آنے خواتین منزہ کی بیٹیوں کو دیکھ کر غیر مناسب گفتگو کرتی ہیں جس پر ماورا سختی سے ان کے ساتھ پیش آتی انہیں گھر سے نکال دیتی ہے صائمہ بھی منزہ سے شرمندہ ہوتی ہے۔ چودھری جہانگیر کی حویلی آمد ہوتی ہے تب ان کا سامنا کافی عرصے بعد عیشال جہانگیر سے ہوتا ہے تب وہ اسے اپنے عتاب کا نشانہ بنا کر آگے بڑھ جاتے ہیں کچھ دیر بعد ہی چودھری حشمت اسے ہال میں بلوا لیتے ہیں اور سب کی موجودگی میں ندا کی شادی طے ہونے کی خبر دیتے لڑکے کی تصویر بھی سب کے سامنے کر دیتے ہیں جس پر عیشال جہانگیر اپنی رائے دیتی چودھری جہانگیر کے غصہ کو مزید ہوا دے جاتی ہے۔ دوسری طرف منزہ ڈاکٹر کے پاس اپنی رپورٹ لینے جاتی ہے تو اسے کینسر جیسی سنگین بیماری کا ادراک ہوتا ہے وہ پریشان ہو لی بیٹیوں کے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگتی ہے وہ مرنے سے پہلے دونوں بیٹیوں کی شادی کرنا چاہتی ہے۔ چودھری حشمت ندا کے ساتھ شاہ زر شمعون کی شادی بھی طے کر دیتے ہیں حویلی میں جہاں یہ بات خوشی کی ہوتی ہے وہیں یہ بات سمہان آفندی اور عیشال جہانگیر کو پریشان کر دیتی ہے کیونکہ عیشال جہانگیر کی شادی چودھری حشمت نے شاہ زر شمعون سے طے کر دی ہوتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁.....❁.....❁

''عیشال اور شاہ.....'' ہر کوئی بے یقینی سے دہرا کر ایک دوسرے کو تحیر بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سب کیوں نا

بے یقین ہوتے..... دو ایک جیسے مزاجوں کا سنگم کبھی کسی نے سوچا جو نہیں تھا۔ شاہ زر شمعون اڑیل' ضدی' جذباتی اور غصیلا تھا تو کم و بیش یہ ہی عناصر عیشال جہانگیر میں پائے جاتے تھے۔ فرق تھا تو اتنا کہ وہ جذبات میں حد سے زیادہ بے وقوفی کر جاتی تھی۔

"بخت کو ہم نے فون پر سب بتا دیا ہے۔ جہانگیر باپ ہے' عیشال کی شادی کہاں ہوگی' فیصلے کا اختیار اسے ہے' مگر اس نے ہم پر چھوڑ دیا۔" چودھری حشمت کہہ رہے تھے اور عیشال بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔ چودھری اسفند عیشال جہانگیر کو محبت سے دیکھنے لگے۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔ اس اہم اعلان کے موقع پر والدین کا سایہ اس سے دور تھا۔ وہ اس کے دلی جذبات سمجھ رہے تھے۔ ہمدردی کے ساتھ انہیں افسوس بھی ہوا۔

"بہت اچھا فیصلہ ہے بابا جان..... ماشاء اللہ عیشال اپنی بچی ہے' گودوں میں کھلایا ہے اسے۔" فائزہ نے محبت سے کہا تو ماحول میں خوشگواریت طاری ہوگئی۔ چودھری فیروز بھی مطمئن ہو کر شاہ زر شمعون کو دیکھنے لگے جو چودھری حشمت کا فیصلہ سننے کے بعد سر جھکا گیا تھا۔

"بھابی تو کافی تک چڑھی ملی ہے ہمیں۔" شازمہ کھلکھلا کر سرگوشی کرنے لگی تھی۔ لڑکیاں دبی آواز میں ہنسنے لگیں۔

"تو بالآخر اس کی سرکشی کی لگام کھینچنے کا انتظام ہو ہی گیا..... کتنا سمجھاتا رہا اسے لیکن اس نے ایک نا مانی۔" اس کی سرکشی کو شاہ زر شمعون کس طرح سدھار سکتا تھا۔ چودھری حشمت بخوبی واقف تھے۔ تب ہی تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا۔

سمہان آفندی کی نگاہ بے ساختہ عیشال جہانگیر پر اٹھی تھیں۔ وہ اس پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی۔ اسی لمحے ڈرائیور کی گاڑی کا ہارن بجا تو لڑکیاں تیزی سے اٹھنے لگیں۔

"ماشاء اللہ' سوہنا رب میرے بچوں کو خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔" زمرد بیگم شاہ زر شمعون کے جھکے سر پر ہاتھ پھیر کر اشارے سے عیشال کو بلانے لگیں تو فریال کے ہلانے پر وہ مراقبے سے نکل کر ان کے پاس آئی۔

"سوہنا رب' میری بچی کا دل شاد رکھے۔" زمرد بیگم نے عیشال جہانگیر کے قریب آ کر سر جھکانے پر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جاؤ بیٹا' ڈرائیور ہارن بجا رہا ہے۔" چودھری فیروز کے کہنے پر عیشال جہانگیر نے ایک سلگتی نگاہ سمہان آفندی پہ ڈالی۔ سمہان آفندی نے نگاہ پھیر کر شاہ زر شمعون کی طرف رخ کر لیا۔

"مبارک ہو برو....." شاہ زر شمعون ہولے سے مسکرایا۔ عیشال جہانگیر کی نگاہوں میں خون اتر آیا۔ ساعتوں میں آگ لگ گئی۔ سمہان آفندی نے ایک بار پھر لب سختی سے دانتوں تلے دبا لیے تھے۔ اس کے پیر کو بری طرح کچلتی وہ ہال سے نکل گئی تھی۔ اپنے پیر کو اک نظر دیکھنے کے بعد سمہان آفندی نے بے ساختہ اس کی پشت کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر اپنی نگاہ کو پابند کرنے لگا کہ اب وہ شاہ زر شمعون سے جڑنے جا رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

"اماں..... کل آپ رپورٹس لینے گئی تھیں' صائمہ آنٹی کے ساتھ..... نہیں ملی تو بتا دیں میں یونیورسٹی سے واپسی پر لیتی آجاؤں گی....." یونیورسٹی کے لیے تیار ہوتی ماورا کو اچانک یاد آیا تو بالوں کو بل دیتے وہ بے ساختہ منزہ کی طرف گھوم گئی۔ منزہ ایک پل کو لرز گئیں۔ صد شکر کہ ماورا ان کی طرف سے رخ پھیر گئی تھی اسی اثناء میں منزہ تاثرات پر قابو پا گئیں۔

"رپورٹس تو مل گئی..... سب ٹھیک ہے..... پریشانی کی کوئی بات نہیں' تم ٹینشن نا لو....." خشک ہوتے گلے کو تر

کرنے کے لیے منزہ نے جلدی سے چائے کا گھونٹ لیا۔ مبادا مزید کچھ کہنے کی صورت میں آواز کی لڑکھڑاہٹ پہ قابو نا پاسکیں تو مشکل میں پھنس جائیں گی اور ایک بار ماورا کو شک ہوجاتا تو پھر اسے مطمئن کرنا دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔

انوشا کے اسکول میں اسمبلی سے پہلے کوئی ارجنٹ میٹنگ تھی جس کے باعث وہ جلدی چلی گئی تھی اور پہلے ہی دن ہونے والے تماشے نے ماورا کو اتنا بددل کردیا تھا کہ اس کا یونیورسٹی جانے کا دل نہیں تھا لیکن ابھی کلاسز اسٹارٹ ہوئی تھیں' چھٹی کر کے لیکچرار کے سامنے وہ خود کو تماشا بنانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ سو بے دلی سے ہی سہی وہ تیار ہورہی تھی۔

"مجھے دکھائیں رپورٹس' رپورٹس کے مطابق ڈاکٹر نے دوائیں بھی تو دی ہوں گی۔" ماورا یحییٰ فکرمندی سے ان کے زرد چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ رپورٹس ٹھیک ہیں سن کر دل کو تقویت ملی تھی ورنہ منزہ کی بیماری نے انہیں دہلا سا دیا تھا۔ لے دے کر وہ تینوں ہی ایک دوسرے کا سہارا تھیں کیونکر نا متفکر ہوتیں۔

"دوائیں کچھ خاص نہیں ہیں۔ بس خون کی کمی ہے..... کہا ہے خون بنانے والی غذائیں لیں۔ جیسے پالک' کلیجی' کھجور وغیرہ....."

"آپ مجھے رپورٹس تو دکھادیں تاکہ تسلی ہوجائے ورنہ آپ کی صحت دیکھ کر فکر ہورہی ہے۔" بالوں میں کیچر لگا کر وہ منزہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ منزہ کا دل لرزنے لگا۔

"رہنے دو..... صائمہ سے منگوالوں گی' جو منگوانا ہوا..... دھوپ میں کہاں خوار ہوتی پھرو گی اور رپورٹس کی بھی تم نے خوب یاد دلائی' کل کی افراتفری میں جانے کہاں رکھ کے بھول گئی ہوں..... مل ہی نہیں رہی۔" منزہ بہانے تراشتی بالآخر اسے قائل کر گئی تھی۔

منزہ کل صائمہ کے ساتھ ہاسپٹل سے واپس آرہی تھیں کہ راستے میں صائمہ کو کسی کی کال آ گئی..... صائمہ نے انوشا کے لیے کئی لوگوں کو کہہ رکھا تھا۔ وہ لوگ اسی وقت آنا چاہ رہے تھے۔ صائمہ اس اچانک آمد کو ٹالنا چاہ رہی تھیں' لیکن جب انہوں نے ہولڈ کروا کر منزہ سے ذکر کیا تو انہوں نے بلانے کا عندیہ دے دیا۔ جو خوفناک حقیقت ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اس میں وہ جلد سے جلد بیٹیوں کو ان کے گھر کا کرنا چاہتی تھیں۔ ان کے پہنچنے کے کچھ ہی لمحوں بعد لڑکے والے آ گئے تھے جس کا فائدہ اٹھا کر انہیں رپورٹس چھپانے کا موقع مل گیا تھا۔ ماورا اور انوشا کا دھیان بھی آنے والوں کی خاطر مدارت کی طرف تھا۔

"معقول لوگ تھے' اللہ کرے مثبت جواب آئے۔ ان کی طرف سے....." منزہ جواب کا انتظار کررہی تھیں۔

"آجائے گا جواب' اتنی فکرمند نا ہوں..... اتنی تو پیاری ہے انوشا۔"

"ہاں' رب العزت نے جتنی حسین بیٹیاں دی ہیں ان کے نصیب بھی اتنے ہی خوب صورت بنائے..... انوشا کی بات پکی ہوجائے تو میں تمہارے لیے بھی لڑکا دیکھنا شروع کردوں گی..... دونوں کو ساتھ رخصت کروں گی۔" منزہ نے اپنا فیصلہ سنادیا جو اپنی بیماری جاننے کے بعد مزید اٹل ہوگیا تھا۔

"اب ایسی بھی اندھیر نہیں مچی ہوئی' میں کوئی نہیں کررہی شادی وادی....." اس نے منہ بنایا۔

"تم سے پوچھ کون رہا ہے..... اور یوں آرام سے بیٹھ کر تم باتیں بنارہی ہو' یونیورسٹی سے دیر نہیں ہورہی تمہیں؟ دو دن میں ہی جوش ٹھنڈا ہوگیا تمہارا..... داخلہ تو بڑے شوق سے لیا تھا اور اب مارے باندھے جارہی ہو جیسے....." منزہ نے کوشش کر کے سابقہ لب و لہجے میں ذرا سختی سمو کے کہا تو ماورا یحییٰ منہ بسورنے لگی۔ منزہ اس کا دھیان رپورٹس کی طرف سے ہٹانے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔ وہ گھڑی کی جانب دیکھتی جلدی سے بیگ لینے کو اٹھی تو منزہ نے تھک کر

دیوار سے سر ٹکالیا..... ایک رکا ہوا آنسو آنکھ کے کونے میں آ کر ٹھہر گیا..... کوئی ہولے ہولے دل کو نوچ رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

دھیان در بے دھیانی میں
تمہاری بھیگتی باتوں کی ندیا کی روانی میں
کہانی ہی کہانی میں
اگر بے جادہ و منزل
کوئی خواہش دلوں کی کوکھ سے پیدا ہوئی
تو کون دیکھے گا
ہمارے نام کی سچائی کو
خواہشوں کے بے نسب مہتاب چہروں کو
رشتہ بے نام کو ہم نام کرنے میں
کہانی کو کسی آغاز سے انجام کرنے میں
کہیں اظہار کرنے میں
ہمیں اقرار کرنے میں
ابھی ٹھہرو!
ابھی کچھ دن لگیں گے

ناشتے سے فارغ ہو کر سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ میز پر وہ اکیلا ہی رہ گیا تھا۔ چونکا اس وقت جب ملازمائیں آ کر میز سے برتن اٹھانے لگیں۔ وہ اٹھ کر کمرے میں آ گیا۔ کمرے میں آ کر بھی اس کی غائب دماغی عروج پر تھی۔ اوپر سے بظاہر وہ پُرسکون ساکت دریا جیسا نظر آ رہا تھا۔ تب ہی تو اتنی بڑی بات سن کر بھی اس کے چہرے کا رنگ متغیر نہیں ہوا تھا۔ جسے دیکھ کر عیشال جہانگیر کی کھولن دوچند ہو گئی تھی۔ لیکن وہ اندر سے بے حد منتشر ہو گیا تھا۔ سمندر کی پرزور لہریں بپھر کر اس کے اندر طلاطم برپا کیے ہوئے تھیں۔ وہ غائب دماغی سے کبھی ایک دراز کھول رہا تھا تو کبھی دوسرا..... دراز کے اندر کی چیزوں کو بے دھیانی سے آگے پیچھے کرتے وہ یک دم فراموش کر چکا تھا کہ وہ کمرے میں کیا سوچ کر آیا تھا اور آج اس کے کاموں میں کون سے کام سرفہرست تھے۔ وہ بے حد پنکچوئیل تھا۔ وقت کا صحیح استعمال اس کی نظر میں بے حد اہم تھا۔ وہ ہر چیز کو پلان کرنے کا عادی تھا۔ زندگی کی ایک ایک چیز پلان کا حصہ تھی۔ وہ کبھی بھی بے ترتیبی کا قائل نہیں رہا تھا۔ نا رشتوں میں' نا زندگی میں' لیکن اس کے گمان کے برخلاف چودھری حشمت نے جس طرح ترتیب الٹ دی تھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا.....

شاہ زر شمعون اور عیشال..... وہ کبھی تصور میں بھی ایسا نہیں سوچ سکتا تھا..... کوئی اور ہوتا تو شاید وہ اختلاف کا پہلو بھی نکال لاتا مگر چودھری حشمت نے سمہان آفندی کے مقابل جسے لا کھڑا کیا وہ کوئی اور نہیں شاہ زر شمعون تھا۔ جس کے لیے سمہان آفندی جان کی بازی تک لگا سکتا تھا۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ اس کے اندر کی گہرائی کا اندازہ شاید ہی کوئی لگا سکتا' لیکن جو کچھ ہوا وہ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ منتشر ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا سمہان' کچھ ڈھونڈ رہے ہو..... مجھے بتاؤ' میں مدد کر دوں.....؟" فریال کمرے میں داخل ہوئیں اور اسے پریشان دیکھ کر ٹھٹھک گئیں۔ وہ کچھ الجھا الجھا پریشان نظر آ رہا تھا' کمرہ بھی بے ترتیب تھا۔

"کچھ کھو گیا ہے سمہان؟" فریال فکرمندی سے استفسار کر رہی تھیں۔ ان کا سوال اسے مزید بے چین کر گیا تھا۔ وہ غائب دماغی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ جو جواب طلب نگاہ جمائے کھڑی تھیں۔

"مام..... بہت اہم چیز "مس" ہو گئی ہے....." وہ جیسے تھک کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"اللہ خیر کرے ایسی کیا چیز تھی؟ ہٹو میں ڈھونڈ دیتی ہوں۔" فریال آگے بڑھ کر دراز کے اندر جھانکنے لگیں۔

"کیا چیز ہے.....؟" فریال متفکر تھیں۔

"ڈیپازٹ سلپ۔" خود کو دنیا پر آشکار نا کرنے والا سمہان آفندی پلک جھپکتے لوٹ آیا۔

"ڈیپازٹ سلپ.....؟" فریال نے حیرت سے دہرا کر دراز کے اندر دیکھا' چیک بک کے ساتھ ہی سلپ موجود تھی۔

"بیٹا' اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات تھی..... سلپ تو بینک سے بھی با آسانی مل جاتی تمہیں اور یہ تو سامنے ہی موجود تھی۔" فریال نوٹوں کی گڈی اور سلپ نکال لائیں۔ انداز میں تحیر تھا۔

"کبھی کبھی با آسانی مل جانے والی چیزیں بھی دسترس سے دور ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی سامنے موجود چیز سامنے ہو کر بھی نظر کے فریب کے باعث دستیاب نہیں ہوتی۔ ہر نظر کی قسمت میں گوہر مقصود نہیں ہوتا....." وہ مسکرا کر بولا۔

"واہ..... واہ اپنے بیٹے کی فصاحت و بلاغت پر تو مجھے کبھی شک نہیں گزرا..... خوب غور و خوض کرنے والا زرخیز دماغ پایا ہے ماشاء اللہ۔" فریال اسے جان نثار نظروں سے دیکھ کر مسکرا دیں تو ایک پل کو وہ بھی مسکرا دیا۔

"تم تو شاید اپنی مصروفیات کے باعث غائب دماغی کا مظاہرہ کر گئے..... لیکن سچ میں حویلی میں ہر کوئی شاکڈ ہے۔ بابا جان کے فیصلے پہ ہر کوئی حیرت بھری خوشی میں مبتلا ہے۔ کسی کے گماں میں جو نہیں تھا کہ شاہ اور عیشال کا جوڑ بنے گا..... خیر گماں کرنے کی بھی ہمیں اجازت کہاں ہے۔ فیصلوں کا اختیار تو بابا جان کو ہی حاصل ہے اور ہماری کیا مجال کہ ہم کوئی فیصلہ کریں' لیکن اچھا ہے..... چلو خوشی کی خبر تو یہ ہے شادیوں کا آغاز حویلی میں ہو گیا..... شاہ کے بعد ندا یا شنائیہ کی باری ہو گی یا تمہاری..... سچی مجھے تو یہ سوچ کر ہی خوشی ہو رہی ہے کہ میری بھی بہو آئے گی۔" فریال خود ہی سوال و جواب کرتی آخر میں بچوں کی سی خوشی کا اظہار کر گئیں تو نا چاہتے ہوئے بھی سمہان آفندی کے اندر درد کے تار جھنجھنا اٹھے۔

"جانے کیسی ہو گی میری بہو' اب بابا جان کے موڈ کا بھی تو کچھ پتا نہیں کہ گھر کی ہی بچیوں میں سے انتخاب کریں گے یا باہر کی لائیں گے..... خیر جو بھی ہو گی اپنے بیٹے کی نسبت سے مجھے بے حد عزیز ہو گی۔" فریال اپنے کبھرو جوان پر واری صدقے ہو رہی تھیں۔

"موٹی میں پاگل نہیں جو تیرا دلہا بنوں جا کوئی اور ڈھونڈ....." فریال سمہان آفندی کے انکار کو سنجیدگی سے لیے شاید عیشال جہانگیر کی بچپن کی کہی بات کو فراموش کر گئی تھیں۔ مگر سمہان آفندی نہیں بھولا تھا۔ بچپن میں بھی انکاری ہوا تھا اور اب نا چاہتے ہوئے بھی ایک بار پھر اس کا جواب انکار کی صورت میں ہی ہونا تھا۔

ہم میں سے اکثر کچھ لمحوں کی گردش سے نکل نہیں پاتے۔ جو کچھ انجانے میں کر گزرتے ہیں کبھی کبھی وہی جانتے بوجھتے کرنا پڑتا ہے۔ دل خوشی ہو یا نا ہو..... اس سے سروکار نہیں ہوتا۔ بس گردش اپنے ساتھ لیے سفر کرتی ہے۔

❁.....❁.....❁

آزاد منش شنائیہ ان دنوں بے حد جھنجھلائی ہوئی تھی۔ وجہ شاہ زر شمعون کا فرمان تھا جس کے باعث وہ قیدیوں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور جھنجھلاہٹ کا شکار تھی۔ دیا اور چودھری بخت نے بھی زور دیا تھا کہ وہ پابند رہے۔ جہاں کہیں

جانے کو نکلتی گارڈز جیپ میں سوار پہلے سے تیار ملتے..... یونیورسٹی جانے تک گارڈز کی جیپ پیچھے رہتی تھی۔ سوشل سرگرمیاں تو نا ہونے کے برابر ہی رہ گئی تھیں اس پابندی کے بعد۔ یونیورسٹی جانا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ ایک قافلے کی صورت میں یونیورسٹی پہنچتی تھی اور واپسی تک گارڈز منتظر رہتے تھے۔ چونکہ گھر میں کل چار ہی افراد تھے اور ہر کسی کو اپنی اپنی جگہ ہاسپٹل' کالج' یونیورسٹی جانا ہوتا تھا تو ان سب کو میچ کرنے کے لیے شاہ زر شمعون نے مزید کچھ گارڈز بھیج دیے تھے تاکہ گھر کی نگرانی پر بھی کوئی مامور رہے۔

"واہ..... کیا ٹور ہے بھئی..... کاش کہ ایسا ایک آدھ کزن میرا بھی ہوتا۔" نائمہ از حد متاثر ہوئی تھی۔ اسے باڈی گارڈ کے ساتھ آتے جاتے کم ہی لوگوں نے دیکھا تھا کیونکہ وہ لاتعلقی کا مظاہرہ کرتی اپنی گاڑی اندر لیے جاتی تھی اور گارڈ باہر ہی انتظار کرنے کے پابند تھے۔

"یہ سب شاہ زر شمعون کا کارنامہ ہے۔" یہ سن کر نائمہ متاثر ہو کر آہیں بھرنے لگی تو وہ برا سا منہ بنا گئی تھی۔ اس وقت بھی وہ جھنجھلا کر گاڑی کو پارک کرنے کے لیے متلاشی نظروں سے جگہ دیکھ رہی تھی۔ تب ہی ایک گاڑی سائیڈ دیتی اس سے ذرا آگے جا کر رک گئی۔

"ہیے سائیڈ کیوں دی.....؟" چلاتی ہوئی باہر نکلتے اس نے گاڑی کی باڈی پر نظر ڈالی۔ گاڑی پر ڈینٹ پڑ گیا تھا۔

"اوہو' کچھ زیادہ لگ گئی۔" طلحہ اپنی گاڑی سے نکل کر اس تک آیا۔ استہزائیہ انداز میں کہنے لگا۔ اس کے انداز نے شنائیہ چودھری کو آگ بگولہ کر دیا۔ وہ اس کا کلاس فیلو تھا اور خاصا بگڑا نواب مشہور تھا۔

"غلطی پر شرمندہ ہونے کی بجائے آپ کی ہنسی ظاہر کر رہی ہے کہ آپ نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے۔" شنائیہ اسے گھور رہی تھی۔

"ہاں..... کہہ سکتی ہو۔" وہ اس کی گاڑی سے ٹیک لگا گیا۔

"وجہ....." اس نے بھویں اچکائیں۔

"ایویں' ٹکرانا تو تم سے چاہ رہا تھا مگر تم موقع ہی نہیں دیتیں تو گاڑی ٹکرا دی....." طلحہ کی فضول گوئی نے شنائیہ چودھری کا غصہ دوچند کر دیا۔

"آپ شاید اپنے حواسوں میں نہیں اس لیے سمجھ نہیں پا رہے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بہتر ہوگا' اپنی حد میں رہیں۔" اسے غضب ناک نظروں سے دیکھتے وہ پلٹ گئی۔ اس کے منہ لگ کر اپنی زبان گندی کرنا اسے قطعاً ناپسند تھا۔ تب ہی تو عرصہ سے اس کی فضول گوئی کو نظر انداز کر رہی تھی۔

"کیا ہے میری حد.....؟" وہ سامنے آ کھڑا ہوا۔

"راستہ چھوڑیں....." وہ مکمل طور پر اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔

"جب تک میری حد نہیں بتاؤ گی جانے نہیں دوں گا۔ بہت عرصہ سے تمہارے نخرے دیکھ رہا ہوں' ہو کیا چیز تم جو ذرا لفٹ نہیں کرواتیں۔" شنائیہ چودھری کا مسلسل نظر انداز کرنا غالباً اسے گراں گزرا تھا۔ تب ہی وہ آج سارے حساب بے باق کرنے کو تلا ہوا تھا۔ بات کرتے ہوئے اس کا ہاتھ شنائیہ کے لہراتے آنچل کی طرف بڑھا تھا۔ وہ سائیڈ سے نکل رہی تھی اور طلحہ اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"جب تک جواب نہیں دو گی' جانے نہیں دوں گا۔" اس کی دھمکی اور دوپٹے کی طرف طلحہ کے بڑھتے ہاتھ نے چودھری گھرانے کے خون کو اتنا گرما دیا کہ فضا میں "چٹاخ" کی زوردار آواز گونج اٹھی۔

"یہ ہے تمہاری اوقات..... امید ہے اب تسلی ہو گئی ہوگی۔" آنچل جھٹک کر شنائیہ چودھری غیض و غضب سے

کہتی نفرت بھری نظر ڈال کر پلٹ گئی۔ کافی اسٹوڈنٹس نے اس منظر کو دلچسپی سے دیکھا تھا۔ گال پہ ہاتھ رکھے طلحہ شاکڈ رہ گیا تھا۔ اسے شائیہ چودھری سے اس جی داری کی امید نہیں تھی۔ ذلت کے احساس نے اس کے چہرے کے نقوش بگاڑ دیے تھے۔

❀.....❀.....❀

عیشال جہانگیر کالج آ تو گئی تھی لیکن صبح سے کلاسز بنک کیے جلے پیر کی بلی بنی چکر کاٹ رہی تھی۔ چودھری حشمت نے شاہ زر شمعون کے ہاتھوں اسے نکیل ڈالنے کا فیصلہ سنایا تھا وہ کیسے چین سے بیٹھ سکتی تھی۔ حیرت تو اسے سمہان آفندی کے خاموش رہنے پر بھی ہوئی تھی اور یہ ہی وجہ اسے زیادہ کھولا رہی تھی۔ ایسا کیسے ممکن تھا کہ وہ سمہان آفندی کے علاوہ کسی اور کو سوچتی..... چودھری حشمت کے بے رحمانہ فیصلے کو سوچ سوچ کر جب سر دکھنے لگا تو بیگ گھاس پر رکھ کر دھپ سے بیٹھی کال ملا کر سیل فون کان سے لگا لیا۔

بلو جینز پر وہائٹ شرٹ پہنے سمہان آفندی مرر کے آگے کھڑا کف فولڈ کر رہا تھا۔ بجتے ہوئے سیل فون کو دیکھتے اس نے ہاتھ روک کر ایک نظر اسکرین پر ڈالی اور نظریں عیشال جہانگیر کے نام پر ساکت رہ گئیں۔ وہ لاشعوری طور پر ایسی ہی کسی چیز کا منتظر تھا۔ اس کال کا پس منظر اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کے حساب سے تو اس نے بہت دیر کر دی تھی اور اب جب متوقع کال آ گئی تو وہ کئی ثانیے ڈریسنگ مرر کے سامنے رکھے سیل فون کو دیکھتا رہا۔ جانتا تھا وہ کس آگ میں جل رہی ہوگی۔ وہ کب تک اس حقیقت سے دور بھاگ سکتا تھا۔ کبھی نا کبھی تو سامنا کرنا ہی تھا۔ ایک حویلی میں رہتے وہ کہاں تک اس کے سوالوں سے بچ سکتا تھا۔ بات کرنے میں ہی عافیت تھی۔ فون اٹھاتے ہی کال کٹ گئی تھی۔

"پک اپ دا فون رائیٹ ناؤ....." اگلے ہی سیکنڈ میسج ٹون کے ساتھ عیشال جہانگیر کا جھنجلایا ہوا پیغام موصول ہوا۔ لمبی سانس بھر کے وہ کال بیک کرنے ہی لگا تھا جب ایک بار پھر عیشال جہانگیر کالنگ کے حروف جگمگانے لگے۔ اس سے اتنا صبر نہیں ہوا تھا کہ وہ حویلی لوٹ کر بات کر لیتی۔ وہ جس آگ میں گھری ہوئی تھی شاید اس کے لیے انتظار گراں تھا۔

"ارشاد....." اس نے سابقہ انداز اختیار کرتے ہشاش بشاش لب و لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔

"کال پک کرنے سے بھی ڈر لگنے لگا ہے کیا.....؟" اس نے چھوٹتے ہی ٹکا کے طنز کیا۔

"جناب کال پک کرنے کے علاوہ بھی ضروری کام ہوتے ہیں مجھے..... کلاس بنک کر کے تم فون پر لگی ہوئی ہو..... خیر بتاؤ کیوں کال کی.....؟"

"اپنا لیکچر اپنے پاس رکھو تو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔" دوسری طرف سے اس کا سلگتا لہجہ سمہان آفندی کے دل کو سلگانے لگا۔

"تم نے دھمکیاں دینے کے لیے کال کی ہے.....؟"

"داجان نے اتنا بڑا فیصلہ سنا دیا اور تم چپ رہے....." وہ جیسے اس کے ٹھنڈے لہجے پر آگ بگولہ ہوئی۔

"کہاں چپ تھا۔ برد کو تمہارے سامنے مبارک باد دی، تمہیں بھی اسپیشلی دوں کیا.....؟ ویسے میں سوچ رہا ہوں، تم نے تو کبھی میری عزت کی نہیں اب مجھے ہی تمہاری کرنی پڑے گی۔ آپ جناب سے مخاطب کرنا پڑے گا..... برد سے جڑ کر معتبر جو ہو گئی ہو....." وہ چھیڑ رہا تھا۔

"شٹ اپ..... شرم آنی چاہیے تمہیں ایسی باتیں کرتے..... میں کبھی ویرے سے شادی نہیں کروں گی۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فون سے نکل کر سمہان آفندی کا سر پھاڑ دے۔

''داجان کے فیصلے کے بعد کوئی کچھ نہیں کرسکتا' تم جانتی ہو..... ویرے بہت اچھی چوائس ہے تمہارے لیے۔'' اس کی بغاوت پر تشویش سے کہا۔

''تم اپنا منہ بند رکھو..... میرے لیے کیا اچھی چوائس ہے کیا نہیں' یہ میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں..... مجھے تم جیسے بزدل انسان کی رائے کی ضرورت نہیں۔'' وہ فوراً اس پر چوٹ کرگئی۔ سمہان آفندی ذہنی طور پر ان سب جذباتی حربوں کے لیے تیار تھا۔ اسے خاموش پاکر وہ غصے میں ہر حد پار کرسکتی تھی اور یہیں سمہان آفندی کو اپنا آپ ''شو'' کرنا تھا کہ وہ ان جملوں سے نام نہاد غیرت کا مظاہرہ کرنے نا اٹھ کھڑا ہو۔

''تم جذباتی ہو' کسی قدر بے وقوف بھی..... داجان نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔ تمہیں ویرے ہی سدھار سکتا ہے۔''

''اگر مزید کچھ کہا تو تمہارا منہ نوچ لوں گی۔'' اس کی بات کاٹ کے دھاڑی۔ ''میں عیشال ہوں' کٹھ پتلی نہیں جو تم سب کے اشاروں پر ناچوں..... خوش فہمی تھی' تھوڑی سی کہ تم ساتھ دو گے لیکن یہ میری بھول تھی۔ اپنی وے اب جو کرنا ہے میں خود کرلوں گی..... مجھے تمہاری بھی ضرورت نہیں۔'' تڑخ کے کہتی وہ کال کاٹ گئی۔ لب دانتوں تلے دبائے پُر سوچ انداز میں انگوٹھا نچلے لب پر رکھے وہ چند ثانیے تک ہل بھی نا سکا۔ وہ کیا ٹھانے بیٹھی تھی اسے تشویش ہوئی۔

''بزدل..... کم ہمت.....''

''عیشال' ڈرائیور آ گیا ہے' آجاؤ۔'' شازمہ نے دور سے دیکھتے ہی آواز لگائی تو سیل فون بیک میں رکھتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

ڈرائیور گاڑی کے اندر مستعد بیٹھا تھا۔ شازمہ' ندا' زرش' یمنیٰ اندر بیٹھ چکی تھیں' صرف اسی کا انتظار ہو رہا تھا۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی کہ آچانک تیزی سے گزرتی بائیک عیشال جہانگیر کے سامنے آ گئی۔ اسپیڈ کی وجہ سے بروقت بریک لگتے بھی بائیک سوار بائیک نا سنبھال پایا اور عیشال جہانگیر بائیک کی زد میں آ گئی۔ ڈرائیور تیزی سے اس تک آیا۔ شازمہ' زرش جو آرام سے اندر بیٹھی باتیں کررہی تھیں' شور اور ٹائر کے چرچرانے پر متوجہ ہوئیں دیکھنے والوں کو یہ ہی لگا تھا کہ غلطی بائیک والے کی ہے۔ سو سب مل کر اس کا گریبان پکڑ چکے تھے۔ عیشال کہنی کے بل گری ہوئی تھی۔

''عیشال.....'' ندا سمیت تمام لڑکیاں گاڑی سے اتر کر تیزی سے اس تک آئیں۔

❁.....❁.....❁

''ہیلو ماورا' میں ثانیہ.....'' ماورا یحییٰ لائبریری کی طرف جارہی تھی جب اس کی کلاس فیلو نے ساتھ چلتے ہوئے اپنا تعارف کروایا' ماورا اپنی دھن میں چلی جارہی تھی۔ اپنے نام کی پکار پر اس نے بے ساختہ دائیں طرف نگاہ کی۔ خاصی خوش شکل لڑکی ہاتھ بڑھائے مسکراہٹ بھری نگاہ سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''السلام علیکم! میں ماورا یحییٰ' ہیلو ہائے کو نظر انداز کرنے ماورا یحییٰ نے خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔

''میں کیا' پوری کلاس ہی جانتی ہے کہ تم ماورا یحییٰ ہو۔'' ثانیہ ہنسی۔ ماورا کے چہرے پر ایک پل کو تحیر کا رنگ پھیلا۔ اگلے ہی پل اسے کل کی بے عزتی یاد آ گئی تو اسے لگا ثانیہ اسی تناظر میں مذاق اڑا گئی ہے۔

''انٹری ٹیسٹ کی ٹاپر اتنی عام سی تو نہیں کہ بندہ اسے بھول جائے' یقین کرو مجھے تو اتنا اشتیاق ہوا تھا نام دیکھ کر ملنے کا۔ میں کلاسز اسٹارٹ ہونے کی دعا کررہی تھی کہ جلد سے جلد کلاسز اسٹارٹ ہوں اور میں اس ہستی سے مل کر پوچھ

سکوں کہ بہن ایسا کیا کھاتی ہو جو اتنی جینئس ہو؟" اس کی سوچ کے برعکس ثانیہ نے جب دلچسپ انداز میں آب بیتی سنائی تو ماورا یحییٰ کے لبوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"وہی سب کچھ جو آپ کی خوراک کا حصہ ہے۔" وہ ہنسی۔

"ایک تو یہ آپ جناب سائیڈ پر رکھ دو۔ اب سے ہم پکی والی سہیلیاں ہیں..... اور یہ طے میں نے نام دیکھتے ہی کرلیا تھا۔" ثانیہ نے استحقاق سے کہا تو ماورا اس کے بے تکلفانہ انداز پر مسکرا دی۔

"پھر دوستی پکی سمجھو ناں....." اس کی مسکراہٹ سے کوئی نتیجہ اخذ نا کرنے پر ثانیہ نے تشویش بھری نظروں سے سوال کیا۔

"بالکل۔" ماورا یحییٰ کو بھی وہ سیدھی سادی اور مخلص طبیعت کی ثانیہ اچھی لگی۔ دونوں کا رخ لائبریری کی طرف تھا۔

"ماورا اب جب ہم دوست بن چکی ہیں تو میرا مشورہ ہے تم ایشان جاہ کے گروپ سے دور رہنا۔ کل تمہیں ذلیل کرنے کی حرکت ان کے گروپ کی تھی۔ میں نے انشراح کو خود کا پیاں بدلتے اور ان کے گروپ کو آپس میں باتیں کرتے دیکھا تھا لیکن کچھ کہہ نا سکی کہ وہ سب بڑے گھرانے سے ہیں اور ہم تم ٹھہرے مڈل کلاس..... سوچ کے رہنا ان جیسوں سے۔" ثانیہ کے ذکر نے اسے پھر کل والی بے عزتی یاد دلا دی تو اس کے اندر تک کڑواہٹ پھیل گئی۔

"صحیح کہہ رہی ہو میں خود ان جیسوں سے دور رہنا چاہتی ہوں مگر یہ گروپ جان بوجھ کر تنگ کرنے والوں کا ہے ناں ان سے ہار برداشت ہوتی ہے نا کسی کی تعریف۔" ماورا یحییٰ نفرت بھرے انداز میں کہہ رہی تھی اور ان کے پیچھے چلتے ایشان جاہ کو سعید نے ٹہوکا دے کر نظروں ہی نظروں میں اشارہ کیا۔ باقی سب کینٹین میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں لائبریری جا رہے تھے۔ ثانیہ کی مبارک باد نے ہی ایشان جاہ کو جھلسا کر پھر سے ہار کی یاد تازہ کروا دی اوپر سے ان کے گروپ کے متعلق دونوں کے خیالات نے مزید سونے پر سہاگہ والا کام کیا۔

"کل تو پہلا ہی دن تھا۔ وہ سب کیوں تنگ کر رہے تھے تمہیں..... کوئی دشمنی رہی ہے تمہاری کبھی ان سے..... جانتی ہو انہیں.....؟" ثانیہ کو حیرانی ہوئی۔

"تم نے شاید انٹری ٹیسٹ کی لسٹ بغور نہیں دیکھی ایشان جاہ سیکنڈ نمبر پر ہے اور یہ ہی ہار انہیں مجھ سے دشمنی پر مجبور کر گئی ہے۔ رہی میری بات تو میں ان جیسوں سے دوستی تو درکنار دشمنی رکھنا بھی پسند نا کروں....." ماورا یحییٰ نے نخوت سے کہا۔ سیکنڈ نمبر کا طعنہ ایشان جاہ کو چابک کی طرح ایک بار پھر لگا۔ وہ اپنی ہار کا زخم بھول نہیں پا رہا تھا اور وہ مزید اسی زخم پر چابک مار رہی تھی۔

"واہ..... حد ہے بھئی..... ہار گئے تو برداشت کرنا چاہیے ناں۔" ثانیہ کو جیسے معاملے کی سمجھ آ گئی۔

"جیت کے نشے میں دھت کم ظرفوں میں ہار برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔" ماورا یحییٰ لائبریری کی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ اس کا جھلساتا لہجہ ایشان جاہ کو خاکستر کرنے لگا۔ جی تو چاہا اس کے وجود کو منظر سے غائب کر دے مگر وہ لائبریری میں گم ہو چکی تھی۔ وہ دونوں بھی ان کے پیچھے داخل ہو گئے۔ لائبریرین کے پاس کئی لوگ کھڑے تھے۔ ان میں ماورا یحییٰ اور ثانیہ بھی تھیں۔ ثانیہ تو کتابیں دیکھنے ریک کی طرف بڑھ گئی۔ وہ لائبریرین کے فری ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ ایشان جاہ بھی خاموشی سے جا کر کھڑا ہو گیا تو اس کی آمد پر ماورا یحییٰ کے چہرے پر ایک پل کو ناگواری کی لہر اٹھی۔ اگلے ہی پل وہ رخ ہی پھیر گئی۔

"جی آپ کہیں کیا چاہیے.....؟" لائبریرین فارغ ہو کر ان تک آیا۔

"اکنامک آف پاکستان کی بک چاہیے۔" دونوں نے یک زبان کہا تو لائبریرین جہاں دونوں کو تحیر سے دیکھنے لگا

وہ دونوں بھی چونک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔
"آپ دونوں ساتھ ہیں.....؟" لائبریرین یہی سمجھا کہ دونوں ساتھ ہیں۔
"بالکل نہیں۔" قطعی لہجے میں کہہ کر ماورا یحییٰ نے چند قدموں کی دوری اختیار کرنے کے ساتھ رخ بھی پھیر لیا۔
اس کے انداز نے ایشان جاہ کے اندر آگ لگادی۔ وہ یوں بھاگ رہی تھی جیسے اسے چھوت کی بیماری ہو۔
"فی الحال تو ابھی ایک ہی کتاب ہے۔ اب آپ دونوں آپس میں طے کرلیں کہ کسے زیادہ ضرورت ہے۔"
لائبریرین لوٹا تو اس کے ہاتھ میں مطلوبہ کتاب کی ایک ہی جلد تھی۔ کتاب رکھ کر وہ دوسرے اسٹوڈنٹس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ دونوں کی نگاہ کتاب پہ جمی ہوئی تھی۔
"یہ بک میں لوں گا' کیونکہ پہلے میں نے کہا تھا۔" ایشان جاہ نے دھونس جماتے ہوئے کتاب پر ہاتھ رکھا تو ماورا یحییٰ اس کے انداز پر تنفر سے کہہ گئی۔
"آپ ہی رکھ لیں' آپ کو زیادہ ضرورت ہے کہیں پھر پیچھے نا رہ جائیں۔" طنز کرتے ماورا یحییٰ لائبریری سے نکلنے لگی تھی۔ منزہ کی یاد دہانی کے باوجود وہ خود پر ضبط نہیں کر پا رہی تھی۔
ان سب نے جس طرح اسے ذلیل کیا تھا اس پر اس کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا جتانا ایشان جاہ کو تھپڑ سے کم نہیں لگا۔ وہ خون کے گھونٹ پیتے اس کی پشت کو دیکھتا رہ گیا۔
"اگر لڑکی نا ہوتی تو اب تک اس کا حلیہ بگڑ چکا ہوتا۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔
"دفع کرو چھوٹے سے گھر کی چھوٹی سوچ والی لڑکی ہے۔" سعید نے اسے بہلانا چاہا۔ لائبریرین واپس آیا تو کتاب جوں کی توں دیکھ کر سر نفی میں ہلا کے رہ گیا۔ کہاں تو ایک ساتھ دو دعویدار آئے تھے اس کتاب کے اور کہاں دونوں ہی چھوڑ کر پلٹ گئے۔ اسے شاید خبر نہیں تھی انا و ضد کی جنگ میں اکثر عقل ہی ہار جاتی ہے۔

❁.....❁.....❁

شاہ زر شمعون اصطبل میں گھوڑے کی پیٹھ سہلاتا اپنی ہی سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔
"مبارک ہو شاہ جی' سنا ہے آپ کی شادی کا اعلان ہوگیا ہے۔" اصطبل کی صفائی پر مامور ملازم نے اسے خاموشی سے سلطان کی پیٹھ سہلاتے دیکھ کر ڈرتے ہوئے مبارک باد دی۔ اس کے دبنگ انداز کے باعث ہر کوئی منہ کھولتے ہوئے کئی بار سوچتا تھا۔ حالانکہ وہ بلاوجہ کسی پر رعب نہیں جماتا تھا۔ نا ہی ملازموں سے بدتمیزی کا قائل تھا۔ مگر اس کے غصیلے انداز اور کم گو طبیعت کے باعث ہر ایک ہی کو وہ ذرا فاصلے پر نظر آتا تھا۔
"خیر مبارک....." سرسری سا کہہ کر وہ دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔ شادی' ذمہ داری' فیملی ان خیالات کی یلغار ہوتے ہی وہ ایک بار پھر پُرسوچ انداز میں ایک نقطے پر نگاہ جما گیا۔ ایک تو اس کی شادی کا اعلان ہی غیر متوقع تھا اور پھر عیشال سے۔
"کیا وہ ذہنی طور پر عیشال سے شادی کے لیے تیار ہے.....؟" یہ سوال اسے پھر سے سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ چودھری حشمت کا فیصلہ اسے کچھ بے چین سا کر گیا تھا مگر ان کے فیصلے کے خلاف جانے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ لمبی سانس بھر کے رہ گیا۔

❁.....❁.....❁

وہائٹ شرٹ کی آستین کہنیوں تک چڑھائے سن گلاسز لگائے سیہان آفندی پورچ کی طرف جا رہا تھا۔ جب لڑکیاں آتی نظر آئیں۔ منظر کافی حیران کن تھا۔ عیشال جہانگیر بیچ میں تھی اور اس کے دائیں بائیں وہ سب فکرمندی

سے چلی آرہی تھیں۔ندا نے توازن راہ ہمدردی عیشال کا بازو بھی تھام رکھا تھا۔
''خیریت.....؟ یہ جلوس کی شکل میں کیوں چل رہی ہیں آپ سب.....؟'' قریب آنے پر اس نے استفسار کیا۔
''عیشال کا بائیک سے ایکسیڈنٹ ہوگیا۔بازو پر چوٹ لگی ہے لیکن ہڈی سلامت ہے۔پیر پر بھی چوٹیں آئی ہیں۔ شکر ہے زیادہ سیریس نہیں ہیں.....ہم ہاسپٹل سے ہوتے آرہے ہیں۔'' ندا نے کہا اور گلاسز آنکھوں سے اٹھا کر سر پر ٹکائے سمہان آفندی نے ایک گہری نظر اس کے سراپے پر ڈالی۔بایاں بازو ندا نے تھام رکھا تھا۔وہائٹ یونیفارم کی آستین پر جگہ جگہ خون کی بوندیں تھیں۔شرٹ مٹی سے آلودہ ہورہی تھی۔سمہان آفندی نے گہری نظر اس کے چہرے پر ڈالی' وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔
''ندا آپی ذرا سی چوٹ آئی ہے' مرہم پٹی ہوگئی ہوں جو آپ راہ چلتے بندے کو پوری روداد سنانے لگیں۔دیکھ نہیں رہیں مصروف لوگ ویل ڈریسڈ کہیں جانے کو تیار کھڑے ہیں۔ان کا ٹائم بلاوجہ ضائع کرنے والی بات ہے۔جائیں جناب.....آپ کے اہم کام آپ کے منتظر ہوں گے۔'' وہ حد درجہ کدورت سے اس کے وجیہہ چہرے پر تلخ نگاہ ڈال کر بولی۔
''توبہ ہے عیشال' سمہان نے پوچھا تو بتادیا۔'' ندا سرزنش کرگئی۔سب ہی عیشال جہانگیر کے تند و تیز لب و لہجے سے واقف تھے اور سمہان آفندی سے اس کی نوک جھونک سے آشنا تھے۔ایسے میں جب اس نے کہا تو کسی کو خاص حیرت نہیں ہوئی۔شازمہ' یمنیٰ' زرش تو آگے نکل گئی تھیں۔پیچھے وہ تینوں ہی رہ گئے تھے۔
اس کے لہجے کی کڑواہٹ اور جلتے بجھتے شعلوں جیسے لب و لہجے پر سمہان آفندی نے ایک بار پھر ایک گہری نگاہ ڈالی۔عیشال جہانگیر بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ مچلی تھی۔درحقیقت سمہان آفندی کو چاک و چوبند اور معمول کے امور نپٹاتے دیکھ کر وہ مشتعل ہورہی تھی۔اس کی جان سولی پر ٹنگی ہوئی تھی اور وہ اپنے کام میں الجھا ہوا تھا۔ابھی بھی نک سک سے تیار کہیں جانے کو تیار کھڑا تھا۔اتنے بڑے فیصلے کے بعد اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا.....اس کی روٹین میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی.....وہ اسے نظر انداز کرتی آگے بڑھ گئی تھی۔
اسے اس کی دیوانگی سے خوف آنے لگا تھا۔کیا حویلی کی تاریخ ایک بار پھر خود کو دہرا رہی تھی' کیا حویلی کے در و دیوار ایک بار پھر بغاوت برداشت کرسکیں گے؟ سمہان آفندی کے ماتھے پر شکنوں کا جال سا بچھ گیا تھا۔اس نے پلٹ کر عیشال جہانگیر کی پشت پر نگاہ ڈالی۔اس کی چال میں بھی لڑکھڑاہٹ تھی اور نگاہوں سے جھانکتی بے خوفی نے سمہان آفندی کو سن کردیا تھا۔صاف ظاہر تھا' ایکسیڈنٹ ہوا نہیں کروایا گیا تھا۔اس کے انداز پر وہ از حد متفکر ہوگیا تھا۔

❁.....❁.....❁

''منزہ آپا' اچھا ہوا آپ خود ہی آگئیں۔میں ابھی آپ کے گھر خوش خبری سنانے آنے ہی والی تھی۔'' منزہ سے انتظار گراں گزرا تو وہ خود صائمہ کی طرف آگئیں۔صائمہ انہیں دیکھتے ہی خوشی سے بتانے لگیں تو ان کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔
''کیسی خوش خبری بہن؟'' آتو گئی تھیں لیکن بیٹی کی ماں تھیں چاہتے ہوئے بھی دل کی بات زبان پر نہ لاسکیں کہ کوئی جواب آیا؟ مبادا دنیا کو یہ نا لگے کہ بیٹیاں بھاری پڑ رہی ہیں۔ورنہ یہاں تو ایسا معاملہ تھا کہ وہ کسی سے اپنا درد بھی بانٹ نہیں سکتی تھیں۔
''لڑکے والوں نے ہاں کردی آپا۔انہیں آپ کی انوشا بہت پسند آئی ہے.....'' صائمہ نے خوشی سے اطلاع دی۔
''اللہ تیرا شکر۔'' منزہ کے لبوں سے بے ساختہ کلمہ شکر ادا ہوا۔

"وہ لوگ کہہ رہے تھے آپ بھی لڑکے کو دیکھ لیں تاکہ بات جلد آگے بڑھے۔" صائمہ نے مزید اطلاع دی تو منزہ خوش ہوگئیں۔ وہ لوگ لڑکے کی تصویر ساتھ لائے تھے اور منزہ کو تصویر میں لڑکا کافی معقول لگا تھا۔ اب بس جا کر ایک نظر روبرو دیکھنا تھا۔

"جب کہو میں چلنے کو تیار ہوں۔"

"ٹھیک ہے آپا میں آج ہی انہیں کال کر کے دن پوچھ لیتی ہوں پھر چلیں گے ہم....." منزہ کا عندیہ جاننے کے بعد صائمہ نے آگے کا لائحہ عمل بتایا تو منزہ بھی مطمئن ہو کر انہیں دعائیں دیتی اٹھ گئیں۔

"تو محلے میں مٹر گشت کر رہی ہے اور میں گھر میں تالا دیکھ کر مایوس ہو کر واپس پلٹ رہا تھا۔" منزہ خوشی کا احساس لیے صائمہ کے گھر سے نکلی تھیں۔ ابھی چند قدم ہی چلی ہوں گی کہ بھیانک آواز نے ان کے قدموں کو لرزا دیا۔ وہ بدبخت ان کے بند دروازے پر کھڑا تھا۔

منزہ نے ڈرتے ہوئے بے ساختہ پیچھے پلٹ کر صائمہ کے دروازہ کی طرف دیکھا تھا کہ آیا وہ موجود تو نہیں لیکن ان کے نکلتے ہی صائمہ دروازہ بند کر چکی تھیں۔ بند دروازہ دیکھ کر انہیں کسی قدر سکون ہوا۔ بھری دوپہر تھی جس کے باعث گلی سنسان تھی لیکن کسی بھی وقت کوئی نکل کر آ سکتا تھا۔ منزہ تیز قدموں سے دروازے تک آئیں۔

"کیوں آئے ہو تم پھر یہاں؟" وہ بھنچے بھنچے انداز میں چلائیں۔

"پیسے چاہئیں۔" دانت دکھاتے ہوئے مدعا بیان کیا۔

"میرے پاس کوئی پیسے نہیں ہیں۔" منزہ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"تالا کھول گھر کے اندر جا کے تسلی سے دیکھ پیسے اندر ہوں گے۔" اس نے آرام سے مشورہ دے رہا۔ منزہ نے نفرت بھری نگاہ ڈالی۔

"میرے پاس پیسے نہیں ہیں میں قسم کھانے کو تیار ہوں..... کیوں مجھ غریب کے پیچھے پڑ گئے ہو۔" وہ روہانسی ہوئیں۔

"بس بس زیادہ لیکچر نہیں..... غریب ہے تو اس میں تیرا قصور ہے میرا نہیں۔" ان کے روہانسے انداز کو نظر انداز کرتے وہ کمال لاپروائی سے کہہ کر جیسے ناک پر سے مکھی اڑانے لگا۔

"پیسے نہیں ہیں میرے پاس جاؤ یہاں سے محلے میں سے کسی نے دیکھ لیا تو بدنامی ہوگی۔ اگر اب تم دوبارہ یہاں آئے تو میں پولیس میں کمپلین کر دوں گی....." اس کی آئے روز کی آمد سے منزہ حد درجہ خوف زدہ ہوگئی تھیں۔ محلے والوں اور بیٹیوں کے دیکھ لینے پر وہ کیا تاویل دیتیں.....؟ کیا بہانہ بناتیں..... وہ کسی طور نہیں چاہتی تھیں کہ انوشا یا مادرا اس خبیث کی نظروں کے سامنے آئیں۔

"دھمکی....." وہ خباثت سے ہنسا۔

"میں کر گزرنے والوں میں سے ہوں۔ یہ بات تم بہت اچھی طرح سے جانتے ہو۔" دھمکی کو سنجیدگی سے نا لینے پر وہ پھنکاریں۔

"ہاں میری رانی..... مجھ سے بڑھ کر تجھے کون جان سکتا ہے..... ٹھیک ہے اب سے نہیں آؤں گا تو خود آ کر پیسے پہنچا دیا کرنا..... لیکن دیکھ لے رقم موٹی ہونی چاہیے۔ تجھے تو پتا ہے میرے شوق ایسے ہیں کہ پیسے کم پڑ جاتے ہیں۔ یہ میرا کارڈ ہے۔ فون نمبر ایڈریس سب ہے۔ ایزی پیسہ منی آرڈر جو آسان لگے کر دینا..... کبھی خود بھی چلی آنا پرانے وقتوں کو یاد کر لیں گے۔" منزہ تو اس کے حلیے کو دیکھتے کارڈ پر ہی حیرت زدہ تھیں۔ اوپر سے اس کی بکواس نے ان کا رخ

نفرت سے بھیر دیا۔

"جارہا ہوں' جلدی پیسے بھجوا دینا۔ ایسا نا ہو مجھے پھر آنا پڑے۔" وہ دھمکی دیتے جانے لگا تو منزہ شکر ادا کرتے لرزتے ہاتھوں سے تالا کھولنے لگیں۔ ہاتھوں میں لرزش اتنی زیادہ تھی کہ چابی بھی تالے میں نہیں جارہی تھی۔

❁.....❁.....❁

عیشال جہانگیر کے ساتھ ہوئے حادثے پر عورتیں مقدور بھر ہمدردی کررہی تھیں۔ ان سب کی دانست میں یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا۔ زمرد بیگم نے اکیلے میں ڈرائیور کو بلا کر خاص تنبیہ کی تھی کہ یہ بات چودھری حشمت تک نا پہنچے مبادا وہ اسے عیشال کے لیے مزید کوئی سخت فیصلہ سنادیں۔ ڈرائیور بھی سر ہلا کر چلا گیا تھا۔

"نظر لگ گئی ہے بچی کو..... ٹھہرو میں نظر اتارتی ہوں۔" فائزہ کو عیشال سے یوں بھی خاص لگاؤ تھا۔ صائقہ کے جانے کے بعد اس کی پرورش فائزہ اور فریال نے ہی کی تھی۔ اور اب چودھری حشمت کے فیصلے کے بعد بہو کے روپ میں وہ انہیں مزید عزیز ہوگئی تھی۔ فریال نیم گرم دودھ میں ہلدی ڈال کر لے آئیں تو فائزہ نظر اتارنے لگیں۔ اسے کوفت ہونے لگی تو ان سب سے جان چھڑا کر وہ لان میں چلی آئی۔

شاہ زر شمعون اسے اصطبل سے پورچ کی طرف جاتا نظر آرہا تھا۔ فان کلر کے شلوار سوٹ میں اس کی وجاہت نمایاں تھی۔ بھلے وہ لاکھ وجیہہ تھا' مگر وہ اس کے لیے ویسے جذبات نہیں رکھتی تھی جو صرف سمہان آفندی کے لیے تھا۔ اسی اثناء میں مین گیٹ پر ہارن بجا تھا۔ شاہ زر شمعون بھی اپنی جگہ پر ایک ثانیے کو رک گیا۔ چوکیدار نے تسلی کر لینے کے بعد گیٹ وا کردیا۔ پراڈو زن سے اندر داخل ہوئی تھی۔ چودھری جہانگیر پراڈو سے برآمد ہوئے اور اتنی جلدی دوبارہ آمد پر جہاں وہ حیران ہوئی وہیں شاہ زر شمعون بھی حد ادب میں رک گیا۔ اسے دور سے ہی دونوں مصافحہ کرتے اور گلے ملتے نظر آرہے تھے۔ دونوں کے درمیان کیا باتیں ہورہی تھیں وہ اس کا لب لباب تو نا سمجھ سکی لیکن شاہ زر شمعون انہیں گرم جوشی سے اندر کی طرف اشارہ کرتے نظر آیا تھا۔ چودھری جہانگیر آگے بڑھ آئے تھے۔ وہ زرگل کی طرف متوجہ ہوکر غالباً اسے کوئی ہدایت کرنے لگا تھا۔

"وہ بیلوں کے درمیان جہاں بیٹھی تھی وہاں سے اسے دیکھنا مشکل تھا' جانے اس کے دل میں کیا سمائی چودھری جہانگیر کو راہداری پر آتے دیکھ کر وہ ایک دم سے نکل کر ان کے سامنے آ گئی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔" اس کی آمد کو انہوں نے ناگواری سے دیکھا۔ پچھلی ملاقات کا عکس ان کے چہرے پر جھلملایا۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" انہیں دیکھتے ہی اس کے ذہن میں بجلی سی کوند گئی تھی' جس کو عملی جامہ پہنانے کو وہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

اس سے پہلے کہ چودھری جہانگیر کوئی جواب دیتے ان کے ہاتھ میں موجود سیل فون بجنے لگا۔ اس پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد چودھری جہانگیر نے کال ریسیو کی۔ عیشال کے لیے کچھ کہنا انہوں نے گوارا نہیں کیا تھا۔ ہاں ان کے قدم ضرور رک گئے تھے۔

"ہاں بیٹا بولو....." چودھری جہانگیر کے شیریں لہجے اور دوسری طرف سے آتی زمین کی چہکتی آواز نے عیشال کے اندر غم و غصہ بھر دیا۔

"بیٹا اب لوٹ آؤ..... تمہاری مما بہت مس کررہی ہیں' انہوں نے مجھے سختی سے کہا ہے کہ تمہیں جلد دبئی سے بلوا لوں۔" اس پر سخت نظر رکھتے وہ نرم لہجے میں فون پر نرمین سے کہہ رہے تھے۔ عیشال جہانگیر اپنی جگہ جز بز ہورہی تھی۔

ایک بار جی میں آیا ان کے سامنے سے ہٹ جائے مگر بات کرنا بھی ضروری تھی۔
"ڈیڈ یہاں بہت مزہ آرہا ہے۔ ہمارا گروپ مزید آؤٹنگ کے لیے پلان کررہا ہے۔ آپ پلیز مام کو منالیں ناں..... میرے اچھے ڈیڈ ہیں ناں....." کہاں وہ اپنی زندگی کے اہم مسئلے پر ان کے سامنے گومگو کی کیفیت میں کھڑی تھی اور کہاں نرمین سیر وسیاحت کی داستان بے فکری سے سنا رہی تھی۔ نرمین کی چہکتی آواز عیشال کا چہرہ دھواں دھواں کرگئی تھی۔
"او کے سمجھا دوں گا لیکن صرف دو دن کے لیے۔" چودھری جہانگیر مان و پیار سے بیٹی سے گویا تھے اور عیشال جہانگیر لب کچلتی ادھر ادھر دیکھنے پر مجبور ہوگئی تھی۔
"یو آر سو سوئیٹ' تھینکس ڈیڈ' لو یو۔" نرمین ایکسائٹمنٹ میں کچھ زیادہ ہی تیز آواز میں گویا تھی یا فون کا والیم ہی کچھ زیادہ تھا کہ سامنے کھڑی عیشال جہانگیر بھی دوسری طرف کی ساری آواز سننے پر مجبور تھی۔ محبت و مان کا جوابی اظہار کرکے فون بند کردیا گیا تھا۔
"بولو کیا بات کرنا تھی تمہیں۔" فون کان سے ہٹاتے ہی چودھری جہانگیر کی ٹون بدل گئی۔ خشک و اجنبی لب ولہجہ عیشال کی سماعتوں میں آگ برسانے لگا۔ کتنا تضاد تھا۔ میلوں دور بیٹھی بیٹی سے کال پر بات کرتے ان کے لہجے کی چاشنی صاف محسوس جاسکتی تھی اور وہ جو چند قدم کے فاصلے پر روبرو تھی اس کی سماعت میں زہر گھولا جارہا تھا۔
"داجان نے میری شادی طے کردی ہے۔" سب کچھ نظر انداز کرکے اسے اپنا مسئلہ تو بتانا ہی تھا۔
"باخبر ہوں آگے کہو۔" ان کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں دبی سگریٹ راکھ بن رہی تھی مگر وہ شاید اس کی موجودگی میں کش نہیں لگا رہے تھے۔ عیشال کو لگنے لگا ان کے لفظوں کی حدت سے وہ بھی جلی سگریٹ کی طرح دھیرے دھیرے راکھ ہونے لگی ہے۔
"میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے مدعا بیان کیا۔
"پھر کیا کرنا چاہتی ہو؟" انہوں نے لفظ چبائے۔
"حویلی میں مجھ سے بڑی لڑکیاں موجود ہیں پھر میری سب سے پہلے کیوں.....؟" اس نے جرح کی۔
"کیونکہ جو رنگ ڈھنگ تمہارے ہیں وہ حویلی کی دیگر لڑکیوں کے نہیں۔" اس کی ذات کو تماشا بنا کر وہ اس کے رنگ ڈھنگ کا رونا رو رہے تھے۔ عیشال جہانگیر کا جی چاہا چیخ چیخ کر حویلی سر پر اٹھالے لیکن اسے ضبط کرنا تھا۔ ایک چودھری جہانگیر ہی آخری آس تھے۔ وہ اپنے پیروں پر کلہاڑی نہیں مار سکتی تھی۔
"مجھے ویرے شاہ سے شادی نہیں کرنی۔" وہ بے خوف بول گئی۔
"پھر کس سے کرنی ہے..... کسی کو پسند کررکھا ہے' محبت رچا بیٹھی ہو؟ اگر ایسی بھنک بھی پڑی تو یاد رکھنا حویلی میں ہی مقبرہ بنواؤں گا تمہارا۔ تمہاری ماں کو بھی محبت کا بھوت سوار تھا' کیا ہوا.....؟ ایڑیاں رگڑتی محبت کی بھیک مانگتی مر گئی..... یاد رکھنا حویلی میں محبت سے بڑا کوئی گناہ نہیں..... بابا جان نے سب بتایا ہے مجھے..... میری بلا سے بابا جان کسی کالے چور سے بیاہ دیں تمہیں' لیکن شاہ زر شمعون کا انتخاب کرکے انہوں نے تم پر احسان کیا ہے سمجھو..... شریف لڑکیوں کی طرح حکم کی تعمیل کرو' اگر جو مجھے ذرا تمہاری شکایت سننے کو ملی تو اپنے پسٹل کی ساری گولیاں تمہارے اندر اتارتے مجھے ذرا دیر نہیں لگے گی....." چودھری جہانگیر تنفر و کروفر سے کہتے اس پر ایک سخت تادیبی نظر ڈال کر آگے بڑھ گئے تھے۔ عیشال جہانگیر ہکا بکا اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ وجود جمود کا شکار ہوگیا تھا۔ بس ایک نگاہ تھی جو چودھری جہانگیر کے تعاقب میں ان کے پیچھے گئی تھی۔ وہ احاطے میں مڑ بھی گئے تب بھی وہ کئی ثانیے بے حس و حرکت اسی سمت

تکتی کھڑی رہ گئی..... دل کی بستی پر زوروں کی آندھی چل پڑی تھی۔ بہتے آنسوؤں کو رگڑتے اس نے رخ پھیرا اور ایک ثانیے کو لرز سی گئی..... شاہ زر شمعون جانے کب وہاں آ کھڑا ہوا تھا اور اب اس کے آنسوں سے تر چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

شنائیہ کا موڈ سخت خراب تھا۔ یونیورسٹی جاتے ہی طلحہ کی حرکت و جرأت نے اسے چراغ پا کر دیا تھا جس کا انعام بھی وہ اسے دے چکی تھی۔ اس کا ارادہ ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ سے طلحہ کی شکایت کرنے کا تھا' لیکن بات بڑھتی تو دیا اور چودھری بخت کو بھی سب بتانا پڑتا۔ اوپر سے شاہ زر شمعوں کے کارندے بھی ڈیرا ڈالے بیٹھے تھے ان کے طفیل بات شاہ زر شمعون تک بھی جا پہنچتی اور وہ یہ ہی نہیں چاہتی تھی۔ نائمہ بھی آج یونیورسٹی نہیں آئی تھی۔ سارا وقت اس کا موڈ خراب ہی رہا۔ دیا گھر میں موجود تھیں۔ وہ انہیں اپنی آمد سے متعلق اطلاع دینے سلام کی صورت پہنچ گئی کہ دیا اور چودھری بخت کی خاص ہدایت تھی کہ کہیں بھی آنے اور جانے سے متعلق انہیں بروقت اطلاع دی جائے۔ وہ اور ماہم مقدور بھر اس اصول کا احترام کرتی تھیں جس کے باعث وہ سب اپنی اپنی مصروفیات کے باوجود قریب نظر آتے تھے۔

"مما..... آپ کہیں جا رہی ہیں؟" سلام و جواب کے بعد اس نے تحیر سے پوچھا۔ دیا' وارڈ روب کھولے کپڑوں کی سلیکشن کر رہی تھیں۔ سوٹ کیس بیڈ پر کھلا رکھا تھا اور اس میں چیزیں رکھنے میں ماہم ان کی مدد کر رہی تھی۔ پیکنگ کے تناظر میں سوال کرتے وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میں نہیں..... ہم سب جا رہے ہیں۔" کپڑے ہینگر سے نکال کر بیڈ پر بیٹھی ماہم کو تھماتے دیا نے پُرسکون انداز میں کہا۔

"ہم سب.....! لیکن کہاں.....؟ ابھی تو کوئی چھٹی بھی نہیں ہے....." وہ متعجب ہوئی۔

"حویلی....." ماہم نے شرارت سے آنکھیں نچائیں اور حویلی کا نام سن کر وہ مزید ڈھیلی پڑ گئی۔

"حویلی..... اتنی جلدی پھر..... ابھی تو ہم آئے تھے وہاں سے..... پھر جانا ہے..... کس کا بلاوا ہے.....؟" وہ سخت بدمزہ ہوئی اور بے زاری کا رنگ اس کے چہرے کے ساتھ لہجے میں بھی نمایاں ہو گیا۔ دیا نے تشمیں نظروں سے گھورا۔ جس پر وہ تھوڑی مدھم پڑ گئی۔ چپ تو ہو گئی لیکن تجسس کے ہاتھوں مجبور آئی بروز اچکا کر ماہم سے اشارے میں وجہ دریافت کرنے لگی۔

"ویرے شاہ زر شمعوں اور عیشال کی منگنی ہو رہی ہے جمعہ کو..... اس لیے بلاوا آیا ہے۔" ماہم نے مسکراتے ہوئے اپنے تئیں بڑا زبردست دھماکا کیا تھا۔ وہ اچھل ہی تو گئی۔

"ہیں.....! شاہ زر شمعون اور عیشال کی منگنی.....؟" مارے تحیر کے کھڑی ہو کر آنکھیں پھاڑے بے یقینی سے باری باری دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے انداز دیکھ کر ماہم تو ہنسنے لگی کہ اسے اس سے ایسے ہی ری ایکشن کی امید تھی۔

"ہائے بے چاری عیشال..... چچ چچ چچ..... سچی مجھے تو سخت دلی ہمدردی محسوس ہو رہی ہے اس مظلوم لڑکی سے..... اللہ رحم کرے بڑی عجیب و غریب خبریں سننے کو مل رہی ہیں حویلی سے..... پہلے وہ انکل نما آدمی ندا کے لیے اور اب عیشال اور شاہ..... اف....." وہ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا عیشال کو..... خوش نصیب ہے جو اسے شاہ جیسا ہم سفر مل رہا ہے..... لاکھوں میں ایک ہے۔" دیا نے لتاڑنے کے انداز میں اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"ہاں لاکھوں میں ایک خونخوار درندہ ہے۔" بالوں کو جھٹکتے بڑبڑا کے رہ گئی۔ دیا تو نا سن سکیں۔ البتہ ماہم محظوظ ہوتے

سننے لگی۔
"کتنی مظلومیت بھری زندگی گزاری ہے عیشال نے اور اسے مل کون رہا ہے شاہ..... آہ بے چاری کی ساری زندگی ظلم کے آگے سرنگوں ہوتے ہی گزر جائے گی..... ہائے مجھے تو بڑا افسوس ہو رہا ہے عیشال کے لیے۔" وہ عیشال کے دکھ میں کچھ زیادہ دکھی ہو کر بولی۔

❀.....❀.....❀

"رشتے ناتے تو آسمانوں پر ہی طے ہوتے ہیں اگر آپ کو ہمارا بیٹا پسند ہے تو کیوں نا جلد ہی رشتہ پکا کر دیں۔"
منزہ، صائمہ کی مدعیت میں لڑکا دیکھنے آئی تھیں۔ لڑکے والوں کی آؤ بھگت طور طریقوں کو دیکھتے منزہ کافی مطمئن تھیں اور جب لڑکے سے ملیں تو انہوں نے جیسے مہر ثبت کر دی۔ یاسر انہیں بہت پسند آیا تھا۔ سلجھا ہوا گورنمنٹ ادارے سے منسلک تھا۔ منزہ کو یہ رشتہ ہر لحاظ سے قابل قبول لگا تھا۔ یاسر کے گھر والے پہلے لوگ تھے۔ جنہوں نے منزہ کی بیتی زندگی میں جھانکنے کی کوشش کی نا مین میخ نکال کر ان کا دل برا کیا۔ ان کی پسندیدگی کو دیکھتے یاسر کی ماں یسریٰ بیگم نے خواہش ظاہر کی تو منزہ نے بھی تائید کی۔
"بالکل میری طرف سے رشتہ پکا ہی سمجھیں۔"
"بہت شکریہ..... پھر ہم جلد ہی آ کر اپنی بہو کے ہاتھ پر پیسے رکھنے اور دوپٹا اوڑھانے آئیں گے ہمارے ہاں انگوٹھی نہیں چلتی ناں....." یسریٰ بیگم نے اپنی رسومات کا ذکر کیا تو منزہ نے کوئی اختلاف نا کیا۔
"ہماری طرف سے کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ آپ کے ہاں جو رسومات ہوتی ہیں آپ انہی پر چلیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" منزہ نے خوش دلی سے کہا تو صائمہ نے مٹھائی کی پلیٹ اٹھالی۔
"بس پھر منہ میٹھا کریں۔ آپ دونوں کو رشتہ بہت مبارک ہو۔"
"خیر مبارک۔" منزہ کافی خوش نظر آ رہی تھیں۔ انوشا کا رشتہ طے ہو گیا تھا ان کے لیے یہ بڑی خوشی کی بات تھی۔

❀.....❀.....❀

چودھری جہانگیر کی آمد پر حویلی میں یوں بھی کھلبلی سی مچ جاتی تھی۔ وہ خاص الخاص گجر کے کیس کے سلسلے میں تشریف لائے تھے۔ چودھری حشمت کے ساتھ ان کی میٹنگ چل رہی تھی۔ پھر شاہ زر شمعون کو بھی بلوا لیا گیا تا کہ ایک بار پھر اس کے بیان کی روشنی میں وہ تمام معاملہ طے کر لیں۔ بعد میں سمہان آفندی اور چودھری فیروز کے ساتھ چودھری اسفند بھی اس محفل کا حصہ بن گئے۔ چودھری جہانگیر ان سب کو نارمل رہنے کی یقین دہانی کرتے اطلاع دے رہے تھے کہ معاملہ سیٹ ہو چکا ہے۔ گجر کے بیٹوں کی طرف سے ابھی تک کوئی کیس فائل نہیں کیا گیا وہ خود مفرور ہیں۔
"ٹینشن نہیں ہے چاچو، گجر کے بیٹے سامنے آئے تو اسے بھی دیکھ لیں گے۔"
"بالکل دیکھ لیں گے، لیکن تم لوگوں نے پہل بالکل نہیں کرنی..... شاہ اسپیشل میں تمہیں کہہ رہا ہوں۔" شاہ زر شمعون کے لاپروائی سے کہنے پر چودھری جہانگیر نے وارن کرنے والے انداز میں کہا تو وہ مسکرا دیا۔
"ٹھیک ہے، پھر میں چلتا ہوں..... یوں تو اب کوئی مسئلہ نہیں ہوگا..... لیکن پھر بھی کوئی بات ہو تو مجھے فوری اطلاع دیجیے گا۔" سگریٹ لائٹر اور سیل فون اٹھاتے وہ چودھری فیروز سے مصافحہ کرنے لگے۔
"رکیے ناں کھانا کھا کر چلے جاتے۔" چودھری فیروز نے چھوٹے بھائی کو روکنا چاہا کہ وہ پھر طویل سفر کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔
"حویلی میں جن بھوتوں کا سایہ ہے، جن کا خوف چودھری جہانگیر کو زیادہ دیر ٹکنے نہیں دیتا۔" کافی دیر سے خاموش

سمہان آفندی سوچ کے رہ گیا۔

"جہانگیر..... جمعہ کو شاہ اور عیشال کی منگنی رکھی ہے۔ تم بہو اور بچوں کو لے کر آ رہے ہو ناں۔" چودھری حشمت کے کہنے کی دیر تھی۔ ماحول میں ایک دم سے سناٹا چھا گیا۔ چودھری جہانگیر کے چہرے پر گمبھیر تاثر پھیل گئے۔ ماتھے پر شکنوں کا جال سا بچھنے لگا۔ ان کی نظر غیر ارادی طور پر شاہ زر شمعوں پر اٹھ گئی جو تمام بڑوں کے سامنے چودھری حشمت کے منہ سے اپنی اور عیشال کی منگنی کا سن کر سر جھکا گیا دہیں سمہان آفندی لب دانتوں تلے دبا کر مٹھی لبوں پر رکھ گیا۔

"مشکل ہے بابا جان..... اتنی جلدی دوبارہ آ سکوں۔" چودھری جہانگیر کی لاتعلقی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور اس لاتعلقی کا عظیم مظاہرہ تو شاہ زر شمعوں ابھی راہداری پر ملاحظہ کر چکا تھا کہ ایک بیٹی جانے کیوں باپ کے آگے کھڑی آنسو بہا رہی تھی اور باپ اس کے آنسوؤں کی رتی برابر پروا کیے بنا گزر گیا تھا۔ اس گھڑی عیشال کا دکھ اسے اپنے دل میں اترتا محسوس ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتا۔ وہ تیزی سے نکل گئی اور وہ کھڑا دیکھتا رہ گیا۔ بات تو پہلے بھی دونوں کے درمیان کم ہی ہوتی تھی اور اب تو رشتے کے اعلان کے بعد دونوں ہی ایک عجیب سے احساس سے دوچار ہو گئے تھے۔

"تم باپ ہو جہانگیر' بیٹی کی منگنی پر تمہارا ہونا لازمی جز ہے۔" چودھری فیروز' شاہ زر شمعون کے والد ہونے کے ناتے نہیں بلکہ عیشال جہانگیر کے تایا ہونے کی حیثیت سے بولے۔

"میرے ہونے نا ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے بھائی جان..... اس کی پرورش تو آپ لوگوں نے ہی کی ہے..... منگنی بھی آپ لوگ ہی کر دیں۔" وہ حد درجہ ناگواری سے گویا تھے۔ ایک طرف ان کی ذات کا وہ پہلو تھا جہاں وہ اپنوں کے مسئلے کے لیے دوسرے شہر سے آئے بیٹھے تھے اور ایک پہلو یہ تھا کہ سگی بیٹی کے معاملے پر ان کی ناگواری ہر انداز سے عیاں تھی۔ سمہان آفندی انہیں دیکھ کے رہ گیا۔ چودھری اسفند بھی دکھ بھری سانس بھر کے رہ گئے۔

"تمہاری موجودگی ضروری ہے جہانگیر..... تھوڑا سا وقت نکال لو..... بائی ایئر آنا جانا کر لو بھلے سے..... کیونکہ ہم شاہ اور عیشال کی منگنی کی بجائے نکاح کا سوچ رہے ہیں اور نکاح میں باپ کی موجودگی لازم ہے۔" چودھری حشمت کے منہ سے نکلتے لفظ سمہان آفندی کو ساکت کر گئے۔ سب حیرت و خوشی کے ملے جلے جذبات کا اظہار کر گئے تھے۔

"او کے بابا جان' میں کوشش کروں گا۔" چودھری جہانگیر ہتھیار ڈالتے چودھری حشمت کے آگے سر جھکا کر پیار لیتے پلٹ گئے تو چودھری اسفند اور چودھری فیروز بھی انہیں باہر تک چھوڑنے کے ارادے سے آئے..... کمرے میں اب صرف سمہان آفندی' شاہ زر شمعون اور چودھری حشمت رہ گئے تھے۔

"سمہان' جمعہ کے دن کی ساری ذمہ داری تمہارے سر ہے برخوردار..... اپنی دی جان سے پوچھ لو وہ کس کس کو مدعو کرنا چاہ رہی تھیں اس حساب سے مہمانوں کی لسٹ' کھانا اور قاضی کی ذمہ داری تمہاری۔" وہ ہر کام اس کے ذمے سونپ کر مطمئن ہو جاتے تھے اور وہ سب کچھ اتنا اچھا آرگنائز کرتا تھا کہ چودھری حشمت سمیت سب ہی داد دینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ لیکن اب کی بار چودھری حشمت نے جو کام اسے سونپے تھے وہ جان لیوا تھے۔

"جی بہتر' دا جان۔" اذیت سے مٹھی بھینچ کر اس نے اپنا ضبط آزمایا پھر اس سے مزید بیٹھنا دوبھر ہونے لگا۔ وہ کوئی بہانہ تلاش ہی کر رہا تھا جب چودھری حشمت نے اسے کسی کام کے لیے خود زمرد بیگم کی طرف روانہ کر دیا۔ اس نے نکلنے میں ایک پل کا بھی تعامل نا کیا کہ کہیں اس کا ضبط نا چھوٹ جائے اور وہ خونی رشتوں کے آگے اٹھ کھڑا ہوا۔

اس گھڑی ایسی آگ میں گھرا ہوا تھا جسے بجھانے کے لیے اسے خود سے لڑنا تھا اور خود سے کی جانے والی لڑائی اکثر انسان کو ریزہ ریزہ کر جاتی ہے۔

اقرأ فاطمہ ضیاء الدین

السلام علیکم! امید ہے کہ سب خوش و خرم زندگی گزار رہے ہوں گے۔ میرا نام اقرأ فاطمہ ہے' 4 اگست 1999ء کو اپنے گھر میں رونق بخشی' ہم سات بہن بھائی ہیں' پانچ بھائی اور دو بہنیں۔ میں سب سے چھوٹی ہوں۔ مجھے ڈریسنگ میں فراک پاجامہ بہت پسند ہے۔ کھانے میں سب کھالیتی ہوں' صرف پالک کے علاوہ۔ پھلوں میں کیلا اور آم بہت پسند ہے' مٹھائی میں لڈو پسند ہے۔ ابھی تک کھانا پکانے سے ناآشنا ہوں' خوبی کوئی نہیں یا پھر مجھے پتا نہیں' ہاں خامیاں بہت ساری ہیں جن میں سب سے بڑی خامی میں کسی بھی بات پر بہت جلدی دکھی ہو کر رونے لگ جاتی ہوں۔ میری ایک دوست ہے میری ہم راز' میری سب سے پیاری سنبل آپی! میری اکلوتی بہن ہے۔ میں آنچل اور حجاب بہت شوق سے پڑھتی ہوں' پسندیدہ رائٹرز ام مریم' نازیہ کنول نازی' نادیہ فاطمہ رضوی اور نائلہ طارق ہیں' اس کے ساتھ اجازت' اللہ حافظ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

مبشرہ کائنات

عزیزان من اور عزیزان آنچل' آداب عرض ہے! مابدولت کو مبشر کائنات کے نام سے جانا جاتا ہے میں ضلع منڈی بہاؤالدین کے گاؤں قادرآباد سے تعلق رکھتی ہوں۔ ہم پانچ بہنیں اور دو بھائی ہیں' بہنوں میں مابدولت کو سب سے چھوٹا ہونے کا شرف حاصل ہے مجھ سے چھوٹا ایک بھائی ہے۔ تعلیمی قابلیت ایم اے اردو اور بی ایڈ ہے' کچھ حد تک تنہائی پسند ہوں' مخلص ہوں اور مخلص لوگوں کو پسند کرتی ہوں۔ دوغلے پن سے سخت نفرت ہے' اکثر طبیعت اداس رہتی ہے مگر بظاہر مسکراتی رہتی ہوں۔ تو جناب آتے ہیں پسند اور ناپسند کی طرف' پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان' پسندیدہ پرفیوم ہاٹ فار یو۔ سفید رنگ اٹریکٹ کرتا ہے' مطالعہ کا شوق ہے ایک دوست کے توسط سے آنچل پڑھنے کو ملا۔ پھولوں میں سرخ گلاب اور ٹیولپ پسند ہیں' پھلوں میں آم پسند ہے۔ دوستانہ طبیعت کے باعث دوستیں بھی بہت سی ہیں' سب ہی بہت اچھی ہیں جن سے خوشی اور غمی شیئر کرتی ہوں۔ لمبے سفر سے کتراتی ہوں' زیادہ شور و ہنگامے سے دل کو کوفت ہوتی ہے' عبادت میں دلی سکون محسوس کرتی ہوں۔ اپنی خوبی یہ اچھی لگتی ہے کہ مخلص ہوں اور دل سے محبت کرتی ہوں' محض دکھاوے کے لیے نہیں۔ بری عادت غصے میں کچھ بھی بول جاتی ہوں بعد میں ندامت ہوتی ہے۔ کمزور دل کی مالک ہوں کسی کے ذرا سے دکھ پر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ سب سے زیادہ پیار اپنی ماں سے ہے۔ اللہ نگہبان۔

''ہمیں خبر نہیں تھی' ہمارا پوتا اتنا شرمیلا ہے۔ اب تو سر اوپر کرلو سب جا چکے.....'' شاہ زر شمعون کے جھکے سر کو دیکھتے چودھری حشمت نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔ شاہ زر شمعوں نے اپنا لوڈڈ پسٹل ان کے سامنے رکھ دیا۔

''داجان..... مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے' آپ پلیز ٹھنڈے دل سے سنیے گا۔'' شاہ زر شمعوں کے سنجیدہ لب و لہجے پر چودھری حشمت چونکے..... ان کی متفکر نظریں پسٹل کو دیکھ رہی تھیں۔

❁.....❁.....❁

بند کمرے میں مردوں کی میٹنگ نے سب کو کافی تجسس میں ڈال دیا تھا۔ ایسے میں لڑکیوں سے تجسس برداشت نہیں ہوا تو وہ سب چپکے سے حجرے کی کھڑکی' دروازوں سے آ لگیں اور منگنی کی بجائے نکاح کی خبر سنتے ہی سب سرپٹ

دوڑتی ہال میں موجود تمام خواتین کو مطلع کر آئیں۔ ہر کوئی حیرت و خوشی کے ملے جلے تاثرات کا اظہار کر رہا تھا۔

"تم لوگ سچ کہہ رہی ہو.....؟" ندا عیشال جہانگیر کے ساتھ ہال میں بیٹھی۔ اس کے پیر پر آئیوڈیکس ملتے اب گرم پٹی باندھ رہی تھی۔ اس نے ہانپتی کانپتی شازمہ زرش اور یمنیٰ سے استفسار کیا۔

"ہاں تو ہم کیوں جھوٹ بولنے لگیں۔ لو ویرا آ گیا..... یہ بھی وہیں تھے۔ پوچھ لیں ان سے....." ندا کی بات کا برا مانتے ہوئے سمہان آفندی کو آتے دیکھ کر زرش نے تصدیق کی ذمہ داری اسے سونپ دی۔ سمہان آفندی جو چودھری حشمت کے حکم کی تعمیل میں زمرد بیگم کی تلاش میں ہال تک آیا تھا۔ سب کو سر جوڑے دیکھ کر ایک ثانیے کو چپ رہ گیا۔

"کیا واقعی بابا جان نے منگنی کی بجائے نکاح کا فیصلہ کیا ہے سمہان.....؟" فریال نے استفسار کیا۔

"جی داجان کا یہ ہی فیصلہ ہے۔ آپ سب مہمانوں کی لسٹ مجھے دے دیں تاکہ میں قاضی اور دیگر انتظامات دیکھ سکوں....." سمہان آفندی کو اپنی پشت جلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ہال میں قدم دھرتے وہ اسے ندا سے مرہم پٹی کرواتے دیکھ چکا تھا' نکاح کا سنا تھا کہ عیشال جہانگیر نے پیر ندا کی گرفت سے نکال لیے تھے۔

"فریال کل ہم بازار کے چکر لگا لیتے ہیں۔ اتنی ایمرجنسی میں تیاری تو پوری کرنی ہے ناں' اکلوتے بیٹے کا نکاح ہے ماشاءاللہ۔" فائزہ خوشی سے کہتی عیشال جہانگیر کی دور سے بلائیں لیتی فریال سے خوشی کی کیفیت میں کہہ رہی تھیں۔

"جی بھابی بالکل چلیں' میں نے بھی تو تیاری کرنی ہے' آخر کو چاچی ہوں۔" فریال شوخی سے کہہ کر ہنسنے لگیں تو فائزہ بھی ساتھ دینے لگیں۔

"کیوں پریشان ہے پتر' بیٹھ جا..... یہ سب تو اپنی اپنی بولیاں بولنے کے بعد ہی تیری سنیں گی۔" زمرد بیگم نے یہی سمجھا کہ وہ جواب ناپا کر کھڑا ہے تو اسے پکڑ کر پاس بٹھالیا۔

"واہ بھئی عیشال' بھابی بنی نہیں اور نند سے خدمت کروانا شروع بھی کر دیا۔" زرش ندا اور اس کے بیچ آ کر چھیڑنے لگی تھی۔ لڑکیاں ہنس رہی تھیں۔ یہ ہی چھیڑ چھاڑ اگر ابھی کسی اور حوالے سے ہوتی تو یقیناً اس کے چہرے پر اس وقت کوئی اور ہی رنگ ہوتے۔ سمہان آفندی کی نگاہ غلط اس پر پڑ گئی تھی۔ عیشال جہانگیر نے نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔

❁.....❁.....❁

دکھاں میناں مار مکایا
سکھاں دا اے کال نی مائے
جندڑی میتھوں سنبھدی ناہیں
اک واری فیر پال نی مائے

ماں جو بچے کے لیے ایسا ستون ہے کہ اس کے سائے میں آ کر بچہ ہر فکر و غم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس گھڑی ماں کی کمی اسے شدت سے محسوس ہو رہی تھی کہ اس کا جی چاہا صائقہ کی قبر کی مٹی سے لپٹ کر اپنا وجود بھی مٹی میں ملا دے۔ عیشال جہانگیر کے دل کو جیسے پتنگے لگ گئے تھے۔ منگنی کی اطلاع ہی جان جلانے کو کافی تھی کہ نکاح کا شوشہ اسے زندہ دیوار میں چنوا گیا۔ وہ جلے پیر کی بلی بنی چھت پر پھر رہی تھی۔ کسی کل چین نہیں تھا۔

چودھری جہانگیر سے بات کر کے اسے منہ کی کھانی پڑی تھی اور ایک وہ جس کے لیے دل سلگ رہا تھا۔ وہ حویلی کا محافظ' تابعدار تھا حویلی کے اصولوں کو سرنگوں ہونے سے بچانے کے لیے اپنی جان تک داؤ پر لگا دیتا تھا' پھر اس کے نزدیک عیشال جہانگیر کے جذبات کی کیا اہمیت تھی۔ وہ شاید یہ سوچے بیٹھا تھا کہ عیشال جہانگیر رو دھو کر چپ کر جائے گی۔ وقت و حالات کے آگے گھٹنے ٹیک کر مخالف سمت سے آنے والی ہوا کے سمت سفر کرنے لگے گی مگر شاید یہ اس کی

بھول تھی وہ قربان تو ہو سکتی تھی لیکن قربانی نہیں دے سکتی تھی۔ عیشال جہانگیر کی ڈکشنری سے مفاہمت کا لفظ ہی مٹا ہوا تھا۔ وہ بلا سوچے سمجھے فیصلہ کرتی تھی نفع و نقصان سے مبرا۔ سب سوچکے تو اس کے قدم چھت کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ اپنی مخصوص جگہ پر جھولے میں بیٹھ کر وہ جب ماتم منا کر تھک گئی تو بے دردی سے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

''اس حویلی اور اس کے لوگ برسوں یاد رکھیں گے کہ ان کے یہاں کسی عیشال جہانگیر نے جنم لیا تھا۔'' عزم سے کہتی وہ اپنی جگہ سے تیزی سے اٹھی اور اس کے قدم منڈیر کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

حویلی کے دوسری طرف غیر آباد پتھریلی زمین تھی۔ اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ منڈیر پر چڑھ گئی تھی۔ اس کی سوچ کا عکس اس کے چہرے پر جھلملایا تھا اس گھڑی پیر کی موچ' ہاتھ کی سوجن سب کہیں گم ہو گئی تھی۔ اندھیری رات میں اسے باز رکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ بے فکری سے دوسری طرف کا جائزہ لیتی آنکھیں موند گئی تھی۔ جب ہی اندھیرے میں ایک ہیولہ تیزی سے اس تک آیا۔ قریب تھا کہ وہ دوسری طرف چھلانگ لگا کر زندگی کی بساط الٹ دیتی مگر وہ کبھی بھی اس سے لاپروا نہیں رہا تھا۔ اس کے ہر اٹھتے قدم کی خبر رکھتا تھا۔ تب ہی ایک جست میں منڈیر پر چڑھ کر اس کا بازو دبوچ کر اسے اپنے ساتھ گھسیٹ لیا۔ منڈیر خاصی اونچی تھی۔ گرنے پر دونوں کو خاصی چوٹ لگ سکتی تھی۔ مگر اپنا بیلنس سنبھالتے وہ اسے چارپائی کی طرف دھکیل گیا۔

''چھوڑو مجھے.....'' چارپائی پر گرنے کی وجہ سے عیشال جہانگیر جہاں چوٹ سے محفوظ رہی وہیں حواس بحال ہونے پر اٹھ کر چلانے لگی۔

''پاگل لڑکی..... دماغ ٹھکانے پر ہے تمہارا۔'' وہ اس کا بازو جھٹک گیا۔

چند ثانیوں میں کیا ہوا تھا وہ تو آنکھیں بند کیے چھلانگ لگانے لگی تھی' گری بھی تھی لیکن پتھریلی زمین پر نہیں' چارپائی پر..... تحیر سے اندھیرے میں موجود مہمان آفندی کو دیکھتے بپھر کر اس کا گریبان تھام گئی۔

''بزدل' گھٹیا انسان مرنے بھی چین سے نہیں دیتے۔'' وہ چلائی۔

''کیسا شور ہے' کون ہے وہاں.....؟'' غیر متوقع طور پر ایک تیسری آواز سن کر دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے تھے۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

شہ زوری

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

عیشال جہانگیر کی شادی چودھری حشمت نے شاہ زر شمعون سے طے کردی ہوتی ہے جہانگیر نے سب کچھ چودھری حشمت پر چھوڑ دیا ہوتا ہے۔ دوسری طرف مادرا منزہ سے رپورٹس کے حوالے سے بات کرتی ہے تو وہ اپنی بیماری کا چھپائی رپورٹس مل جانے کا بتاتی ہے تب مادرا رپورٹس دکھانے کی بات کرتی منزہ کو پریشانی میں مبتلا کر جاتی ہے منزہ بہانے تراشتی بالآخر مادرا کو مطمئن کر دیتی ہے۔ یونیورسٹی میں طلحہ اپنی گاڑی سے شنائیہ چوہدری کی گاڑی کو جانتے بوجھتے نقصان پہنچا جاتا ہے جس پر شنائیہ چوہدری اس سے وجہ دریافت کرتی ہے طلحہ ڈھٹائی سے اپنی غلطی تسلیم کرتا شنائیہ کا رستہ روک جاتا ہے جس پر شنائیہ اسے رستہ چھوڑنے کا کہتی تھپڑ مار دیتی ہے ذلت کے احساس سے طلحہ کے چہرے کے نقوش بگڑ جاتے ہیں۔ صائمہ کے توسط سے منزہ کی بیٹی انوشا کا رشتہ طے ہو جاتا ہے منزہ اپنی بیماری کی وجہ سے بیٹیوں کی شادی جلدی کرنا چاہتی ہے اس لیے وہ صائمہ سے مادرا کے لیے بھی رشتہ تلاش کرنے کا کہتی ہے۔ عیشال جہانگیر چودھری جہانگیر سے ابھی شادی نہ کرنے کا کہتی انہیں غصہ دلا جاتی ہے وہ عیشال جہانگیر پر اپنا غصہ ظاہر کرتے اسے مار دینے کی دھمکی دے کر آگے بڑھ جاتے ہیں باپ کے اس رویہ پر عیشال جہانگیر رونے لگتی ہے تب اس کے آنسوں سے تر چہرہ دیکھ کر شاہ زر شمعون سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ چودھری فیروز عیشال اور شاہ زر شمعون کی منگنی پر چودھری جہانگیر کو حویلی آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ چودھری جہانگیر ٹال مٹول سے کام لیتے ہمیشہ کی طرح اپنی ذمہ داری سے کترانا چاہتے ہیں تب چودھری حشمت منگنی کے بجائے نکاح کا کہتے چودھری جہانگیر کو آنے کا حکم دیتے ہیں۔ عیشال جہانگیر باپ کے رویے سے مایوس ہو کر خودکشی کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن عین وقت پر سمہان آفندی اس کی کوشش کو ناکام بنا دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

☆.....☆.....☆

"شاہ! کیا بات ہے کیا پریشانی ہے؟" چودھری حشمت اس کے کمبھیر چہرے کی طرف تعجب سے دیکھ رہے تھے دوسری نظر اس کے پسٹل پہ تھی۔

"حویلی کا ہر ایک گوشہ گواہ ہے کہ آپ کے فیصلے کے بعد کسی میں انکار تو دور اختلاف کی بھی ہمت نہیں ہے جب ہمارے ماں باپ آپ کے فیصلے کے خلاف چوں تک نہیں کر سکتے تو ہم اپنے اندر اتنی جرأت و بہادری کہاں سے لائیں....." شاہ زر شمعون کی تمہید پہ چودھری حشمت کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ وہ پُرسوچ نظروں سے اس پہ نظر جمائے بیٹھے تھے۔

"بحالت مجبوری آپ سے ایک درخواست کرنے جا رہا ہوں..... گستاخ لگوں تو آپ بے شک اس پسٹل کی ساری گولیاں میرے اندر اتار دیجیے گا..... اس گستاخی کے لیے پیشگی معذرت چاہتا ہوں....." شاہ زر شمعون جیسا بے خوف

بات کرنے سے قبل کوئی الجھن پیش نہیں آئی تھی جتنی اس گھڑی درپیش تھی۔

"عیشال کی محرومیوں پہ مجھے ہمیشہ سے اس سے دلی ہمدردی محسوس ہوئی ہے' ہمیشہ اس کی تکلیف پہ دل دکھا ہے..... بالکل اسی طرح جس طرح ندا شاذمہ یا یمنی کا دکھ محسوس کرتا رہا ہو..... ہمیشہ یہی گمان رہا کہ اس حویلی میں میری تین نہیں چار بہنیں ہیں' عیشال کو ہمیشہ بہن کی نگاہ سے دیکھا ہے..... اس سے مزید کوئی اور رشتہ باندھنے سے قاصر ہوں۔" وہ اپنی الجھن گوش گزار کر رہی گیا جسے سن کر چودھری حشمت کے چہرے پہ اطمینان بھرے تاثرات ظاہر ہوئے۔

"شادی سے پہلے ہر لڑکی بہن ہی لگتی ہے' اس میں ایسی کوئی بات نہیں..... کزن کو بہن کہہ دینے سے وہ محرم نہیں ہو جاتی۔" ساری کہانی سننے کے بعد چودھری حشمت اس مسئلے کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہ تھے' ان کے تئیں یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔

"رشتے صرف خون کے ہی سگے نہیں ہوتے داجان' کچھ رشتوں کو دل خون سے زیادہ اہمیت دے دیتا ہے' میرا عیشال کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ اس لیے آپ سے ہاتھ جوڑ کر فیصلے میں نظر ثانی کی درخواست کر رہا ہوں..... آپ کے حکم سے کبھی سرتابی نہیں کی..... سب جاننے کے بعد بھی آپ کہیں گے تو یہ حکم بھی بجا لاؤں گا لیکن اس حکم کی تعمیل کے بعد آپ کا شاہ اپنی ہی نظروں میں گر جائے گا اور یہ میری موت سے کہیں بڑھ کر ہوگا..... موت میں تو ایک بار جان نکلتی ہے جبکہ اس تعمیل کے بعد میں پل پل مروں گا۔" چودھری حشمت کے فیصلے کے بعد سے وہ ایک عجیب سی وحشت کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ کسی طور عیشال کے لیے نہیں سوچ سکا تھا اور اب یہی وحشت اس کے لفظوں سے عیاں تھی۔ چودھری حشمت بھنویں سکیڑ کر اس کے جھکے سر اور جھکی نظروں کو بغور دیکھ رہے تھے۔ وہ اندھے فیصلے کرنے کے عادی تھے مگر وہ اختلاف بھی سر اور نظریں جھکا کر کر رہا تھا' اپنی جان کو داؤ پہ لگا کر اپنے تحفظات گنوا رہا تھا۔

"کم سے میری پہلی اور آخری درخواست سمجھ کر قبول کر لیں۔ وعدہ رہا' زندگی میں آپ کے کسی حکم کو نہ ماننے کی گستاخی کرنے سے پہلے شاہ زر شمعون کٹ کے مرنا پسند کرے گا..... عیشال کے علاوہ آپ جہاں چاہیں' جس سے چاہیں شادی کر دیں' سر تک نہ اٹھاؤں گا..... پلیز داجان اپنے فیصلے میں ترمیم کر لیں۔" وہ جس معاملے کو اہمیت دینے کو تیار نہ تھے وہ اس کی جان پہ بنی ہوئی تھی۔ چودھری حشمت سوچ میں پڑ گئے' یہ چودھری حشمت کے فیصلے کی تکریم ہی تھی جو شاہ زر شمعون نے اپنے تحفظات اپنے والدین تک سے بیان نہیں کیے تھے۔ ان کے فیصلوں کی حرمت کا اس قدر خیال تھا کہ وہ ان کے روبرو ہی التجا کر رہا تھا۔ یہ چودھری حشمت کا کردار ہی تھا جو جاہ و جلال میں لپٹا ہونے کے باوجود اس کے دل کے بے حد قریب تھا۔

کئی ثانیے کے لیے کمرے میں مکمل خاموشی چھائی رہی۔ شاہ زر شمعون کے پاس بھی جیسے اب بولنے کو کچھ نہ بچا تھا۔ سو وہ چپ ہو کر ان کے بولنے کا منتظر تھا اس کی ہر حس سماعت بنی ہوئی تھی۔

"سنا تھا اصل سے سود پیارا ہوتا ہے لیکن جب تم اور تمہارے..... چند سال بعد سمہان دنیا میں آیا تو ہمیں اس جملے کی حقیقت سمجھ آئی..... اتنا پیار تو ہم اپنے چاروں بیٹوں سے نہیں کرتے جتنا تم دونوں سے کرتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف ہماری دلی کیفیات نہیں بلکہ تم دونوں کی ذہانت' لیاقت' بہادری' تعظیم اور فرماں برداری ہے..... جو کام ہمارے بیٹوں کو کرنا تھا وہ تم دونوں نے چھوٹی عمر میں

کر کے چھوڑ دی..... جب کہ ہماری خواہش تھی کہ وہ بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرے..... بخت نے ڈاکٹری پڑھی اور گاؤں کی بجائے شہری مریضوں کا علاج کرنے لگا جہاں پہلے ہی ڈاکٹرز کی کمی نہیں تھی..... رہا جہانگیر..... اس نے تو ہماری محبت کا سب سے زیادہ ناجائز فائدہ اٹھا کر سب سے زیادہ من مانی کی اتنی کہ حویلی کی بنیادوں کو ہلا ڈالا..... بھلا اسفند تو اس نے تو الگ ہی مزاج پایا ہے..... حویلی میں رہتا ضرور ہے لیکن اس میں حویلی والا مزاج نہیں..... لوگوں کے گھر بناتا ہے لیکن اپنا گھر حویلی میں بھی قبول نا کر سکا..... عجیب درویش منش طبیعت پائی ہے اس نے..... فیصلہ کرنے پہ اکثر ہمیں ہی اللہ اور رسول ﷺ کی حدیث سنانے لگ جاتا ہے۔" برسوں بعد جیسے چودھری حشمت کی زبان کے بند قفل کھلے تھے۔ بیٹوں کا مزاج یاد کر کے ان کے لبوں پہ دھیمی مسکان پھیل گئی تھی۔ وہ جیسے بیٹوں کے بچپن سے لڑکپن میں سفر کر رہے تھے۔

"بیٹوں نے بھلے کہیں نا کہیں ہم سے اختلاف کیا لیکن انہی بیٹوں کے طفیل ہمیں تم اور سمہان ملے..... درحقیقت تم دونوں ہمارے بازو ہو تم دونوں کی طرف سے ہمیں ذرا جو بھی ٹھیس لگی تو سمجھو ہمیں مات ہو گئی۔" وہ جذب سے کہہ رہے تھے..... شاہ زر شمعون نے بے ساختہ پہلو بدلا تھا..... ٹھیس پہنچانے میں تو شاید اس نے پہل کر دی تھی۔

"یہ تم پہ مان ہی تھا جو ہم نے تمہاری رضا جانے بنا عیشال سے تمہاری بات طے کر دی..... لیکن اب تمہارے تحفظات....." وہ ایک ثانیے کو رکے..... شاہ زر شمعون کو ان کی خاموشی سے بے چینی ہونے لگی..... وہ کئی ثانیے تک گہرے مراقبے میں چلے گئے۔ جب کبھی کسی گہری سوچ میں ڈوبے تو سامنے موجود شخص کو فراموش کر جاتے تھے۔

"جاؤ تمہارا عذر ہم نے سن لیا..... ہم کچھ سوچتے ہیں اس کے بعد ہی حتمی فیصلے سے آگاہ کر سکیں گے۔" شاہ زر شمعون کے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ وہ سوچنے پہ تیار ہو گئے تھے۔ ان کا اشارہ پاتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بہت شکریہ دادجان۔" شاہ زر شمعون کو ان کے ٹھنڈے انداز پہ حیرانی ہوئی..... وہ واقعی اس سے بہت محبت کرتے تھے تب ہی اس کا انکار سننے کے بعد بھی نرمی برت رہے تھے۔

"اسے بھی لیتے جاؤ اور پھر کبھی ہمیں امتحان میں مت ڈالنا..... اپنے پتوں پہ گولی چلانے سے پہلے ہم خود مرنا پسند کریں گے۔" انہوں نے ناگواری سے اس کے پسٹل کی طرف اشارہ کیا تو وہ کچھ شرمندہ سا ہو کر پسٹل اٹھا کر ان کے کمرے سے نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

"کون ہے.....؟" اپنی چھٹی حس کے باعث سیڑھیوں پہ قدموں کی آہٹ پا کر وہ پہلے ہی عیشال جہانگیر سے کافی پیچھے اکر تیزی سے فاصلہ بنا گیا..... ایسے میں آواز آئی تو وہ چند قدم چل کر مزید چھت کے دروازے سے قریب ہو گیا..... آنے والے نے چھت کی لائٹ آن کر دی تھی۔

"او ہو تم دونوں ہو۔" روشنی نے سارا منظر روشن کر دیا تھا۔ آنے والی ندا تھی جو شاید ہوا خوری کے خیال سے اوپر آئی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر مطمئن ہوئی۔

"جی ہم ہیں..... چھت کا گیٹ لاک کرنے آیا تھا مگر کوئی موقع دے تب ناں۔" سمہان آفندی کے نارمل لب و لہجے پہ ندا کو ذرا بھی شک نا گزرا کہ حویلی کے تقریباً سارے کام وہ خود ہی کرتا تھا۔

عیشال نے حسب عادت

کرنے دو..... نیچے چلو میرے ساتھ ورنہ پھر اس سے لڑنے کھڑی ہو جاؤ گی۔ نیند نہیں آ رہی تو ہم کوئی مووی دیکھ لیتے ہیں۔" نداہڑی ہونے کے ناتے بہت سمجھدار معاملہ فہم اور محبت کرنے والی لڑکی تھی۔ حویلی میں عیشال کی سب سے زیادہ کسی سے بنتی تھی تو وہ ندا ہی تھی۔ ندا اشارہ کر کے سیڑھیوں سے واپس پلٹنے لگی تو وہ خونخوار نظروں سے سمہان آفندی کو گھورتے اس تک آئی۔

"کب تک دکھوالی کرو گے میری.....؟ چھت سے نا کودی تو کیا ہوا کمرے میں اپنی کلائی تو کاٹ ہی سکتی ہوں..... اب کیا میرے روم کے باہر چوکیداری کرو گے؟" وہ جو ندا کے کچھ نا سمجھنے پہ ٹھیک سے شکر ادا بھی نا کر سکا تھا اس کی دبی سرگوشی پہ سن سا ہو گیا۔

"اپنی خواہشات سے نکل آؤ عیشال..... اپنوں سے جنگ مت کرو..... بہت پچھتاؤ گی..... خود غرضی کبھی بھی چین سے جینے نہیں دیتی۔" وہ ناصحانہ انداز اختیار کر گیا درحقیقت اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کس طرح اسے سمجھائے کہ وہ راضی ہو جائے۔

"شٹ اپ بند کرو اپنا لیکچر..... یہاں جینا بھی کون چاہتا ہے۔" درشت لہجے میں کہتی وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی کہ ندا سیڑھیوں پہ انتظار کر رہی تھی۔ سمہان آفندی کئی ثانیے تک ہل بھی نا سکا۔

☆﴿.....☆.....﴾☆

"ماشاءاللہ بڑے ہی اچھے اور شریف لوگ ہیں۔ یاسر تو تصویر سے زیادہ اچھا لگا..... وہ لوگ جلد ہی رسم کے لیے آنا چاہ رہے ہیں بس جلدی سے یہ معاملہ بھی نبٹ جائے گا ان شاءاللہ۔" منزہ خوشی سے دونوں کو یاسر کے گھر ہوئی گفتگو سے آگاہ کر رہی تھیں۔

"واؤ کانگریٹس انو....." ماورا یحییٰ نے انوشا کو ٹہوکا دیا تو وہ جھینپ کے مسکرا دی۔

"شادی کا کب تک ارادہ ہے ان لوگوں کا؟" ماورا کو ایکسائٹمنٹ ہونے لگی۔

"میری تو خواہش ہے جلد سے جلد کر دوں لیکن یاسر کا بڑا بھائی اگلے ماہ کینیڈا سے آئے گا تو اس کے آنے کے بعد ہی یہ لوگ بہن تاریخ دیں گی۔ ان شاءاللہ دو تین مہینوں میں رخصت ہو جائے گی انوشا۔" منزہ نے مسکراتے ہوئے انوشا کو دیکھا تو اس کے چہرے پہ تردد کی لکیریں نمودار ہو گئیں۔

"اماں..... ہمارا کون سا باپ بھائی ہے جو اتنی جلدی شادی کے انتظامات کر لے گا..... آپ کہاں سے کریں گی اتنی جلدی سب کچھ؟" انوشا کو جہاں بات طے ہو جانے کی خوشی تھی وہیں اپنے حالات سے بھی واقفیت تھی۔ تب ہی فکر و تردد سے کہنے لگی۔

"بیٹا اوروں کی طرح میں اپنی بیٹیوں کو عالی شان جہیز تو نہیں دے سکوں گی لیکن تھوڑا سکون ہے کہ تم دونوں کے لیے کچھ زیور رکھے ہوئے ہیں۔ دو دو تولے کے دو سیٹ ہیں جو اسی دن کے لیے سنبھال رکھے تھے کہ اپنی بیٹیوں کو دوں گی۔" منزہ کو ایک اسی طرف سے آسرا تھا۔ ان کے پرانے ٹھوس سونے کے دو سیٹ ٹرنک میں آج بھی کپڑوں کی پوٹلی میں رکھے ہوئے تھے۔ لاکھ حالات برے آئے فاقے کیے، مصیبتیں آئیں لیکن انہوں نے اس سیٹ کی کبھی کسی کو ہوا تک نا لگنے

"ہاں بیٹا! ہاں سے پہلے ہمارے حالات بہت اچھے تھے۔" مادرا کہنا تو یہی چاہتی تھی کہ بابا کے ہوتے لیکن اس نے ہونٹوں پہ زبان پھیر کر دھیان بٹا دیا تو منزہ عجب یاسیت بھرے لہجے میں تائید کر گئی۔ دکھ درد کی لہریں وجود کو گھیرنے لگیں آنکھیں نمناک اور لہجہ گلوگیر ہونے لگا۔ موت کا پروانہ ان کے ہاتھ لگ چکا تھا..... وہ کتنی بے بس تھیں کہ اپنی بیٹیوں کی خوشیاں دیکھنے تک کی مہلت بھی نہیں مانگ سکتی تھیں۔

"ہم شادی کی بات کر رہے تھے..... کیا کیا تیاری کرنی ہوگی؟" مادرا یحییٰ نے جب دیکھا کہ منزہ پھر سے قنوطیت کا شکار ہونے لگی ہے تو وہ انہیں کھینچ کر حال میں لے آئی۔ خود کو سنبھالتی منزہ بھی مسکرا دیں۔

"اس ماہ کمیٹی بھی کھلنے والی ہے پچاس ہزار میں بہت اچھی تو نہیں لیکن بہتر دعوت کر لیں گے۔ ان شاء اللہ۔"

"اور میں نے جن کو چنگ سینٹرز میں اپلائی کیا تھا وہاں سے جوائننگ کال آ چکی ہے کل سے جوائن کروں گی۔ دو کوچنگ سینٹرز ہیں۔ ایک ایک گھنٹے کی کلاس ہے۔ سیلری بھی اچھی ہے....." منزہ کی بات کو مادرا نے آگے بڑھایا تو تینوں کو ہی کسی قدر سکون کا احساس ہوا۔

"میری تو دعا ہے جلد ہی مادرا کے لیے بھی اچھا رشتہ مل جائے اور میں دونوں بیٹیوں کو ایک ساتھ اپنے گھر کا کر دوں۔" انوشا کی طرف سے تسلی ہونے کے بعد انہیں مادرا کی فکر ہونے لگی تھی۔ صائمہ سے بھی انہوں نے کوشش تیز کرنے کی درخواست کی تھی اور انہوں نے تعاون کی ہامی بھر لی تھی۔

"مجھے نہیں کرنی کوئی شادی وادی..... پہلے ایم بی اے کروں گی..... پھر اچھی سی جاب آپ کے لیے بہت اچھا گھر لوں گی پھر....."

"بس بس ساری زندگی میرے سینے پہ مونگ دلنے کا ارادہ ہے۔" اس کی بات کاٹ کر منزہ گھرکنے لگیں۔ اس کی لمبی پلاننگ دیکھ کر ان کا دل بھر آیا تھا۔

"ہاں ساری زندگی آپ کو تنگ کرنے کا ارادہ ہے۔ نہیں چھوڑوں گی آپ کو۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

"سسرال جا کر پورے کرتی رہنا سارے خواب اتنی زندگی بھلا کس نے دیکھی ہے..... بس رب العزت کی رضا میں راضی رہنا سیکھو..... اس کی پلاننگ کے آگے انسان کی ساری پلاننگ مٹی میں مل جاتی ہے..... ضدی لڑکیاں ہمیشہ زمانے کی ٹھوکروں میں رہتی ہیں۔" منزہ بات کرتے ہوئے جیسے تھک گئی تھیں۔

"کوئی مناسب رشتہ ملا تو میں تمہیں بھی انوشا کے ساتھ رخصت کر دوں گی۔" منزہ نے حتمی لہجے میں کہا تو انوشا کے اشارہ کرنے پہ وہ چپ رہ گئی..... کہ بہر حال آخری فیصلہ تو ان کا ہی تھا۔

☆.....☆.....☆

ماہم روم میں داخل ہوئی مگر اگلے ہی پل الٹے پاؤں باہر نکل گئی۔ شائستہ چودھری کا کمرہ کسی دکان کا منظر پیش کر رہا تھا۔

"آ جاؤ ماہم..... واپس کیوں چلی گئیں؟" اس کی نظر ماہم پہ گئی تب ہی آواز دے بیٹھی۔ ماہم اجتناب بھری نظروں سے ساس کے کمرے کو دیکھ رہی تھی۔ وارڈ روب کے سارے ڈریس بیڈ پہ تھے جیولری جوتی میک اپ کا ایک میلہ سا لگا ہوا تھا تو دوسری طرف کارپٹ پہ ٹشوز براؤن بریڈ گرین ٹی زیرو کیلوریز دودھ براؤن شوگر ڈائٹ بسکٹ منرل واٹر کے کارٹن ٹھونس ٹھونس کے بھر رہی تھی۔

"پھر یہ سب کیا ہے؟" ماہم اپنے لیے بیٹھنے کی جگہ بنانے لگی۔
"حویلی جانے کی تیاری کر رہی ہوں..... سنا نہیں تھا' مما کہہ رہی تھیں اچھی طرح پیکنگ کرلو۔" اس نے اطمینان سے اس کی لاعلمی میں اضافہ کیا۔
"ہاں تو..... مما نے اس لیے کہا کہ انہیں آپ کی عادات کا اچھے سے اندازہ ہے' پچھلی عید پہ بھی آپ کی فیورٹ لپ اسٹک گھر رہ گئی تھی اور اس غم میں آپ نے عید کا دن غصہ میں گزارا تھا۔"
"آہ..... مت یاد دلاؤ' دل دکھتا ہے۔" وہ آہ بھر کے رہ گئی۔
"ڈریس جیولری تک تو ٹھیک ہے لیکن یہ راشن پانی کی کیا ضرورت پڑ گئی؟" اسے اب تک سمجھ نہیں آ رہی تھی۔
"حویلی کے دیسی گھی والے کھانے کم از کم مجھ سے نہیں کھائے جاتے..... ایک دن میں ہزاروں کیلوریز کا اضافہ توبہ....." اس نے سوچتے ہی جھرجھری لی۔ "اسی لیے اپنی خوراک کا تھیلے کے جا رہی ہوں۔ منرل واٹر کے نام پہ وہاں کا گندا پانی مجھ سے نہیں پیا جاتا..... دودھ کے نام پہ بھینس کا دودھ یخ....." اس نے کراہیت سے منہ پہ ہاتھ رکھا۔
ماہم ٹھنڈی سانس لینے لگی' اس نازک مزاج حسینہ کی ہر بات ہر کل ہی جدا تھی' وہ حیرانگی کا جتنا اظہار کرتی کم تھا۔
"ان سب کو چھوڑیں' پہن کیا رہی ہیں' یہ بتائیں۔" ماہم نے بیڈ کی طرف پیش قدمی کی۔ وہ بھی ڈیسائیڈ نہیں کر پا رہی تھی اس لیے اٹھ کر اس تک آئی تاکہ سوٹ دکھا کر اس کی رائے لے سکے۔
"یہ یلو بلو کلر والا لائیٹ سا سوٹ فائنل کرنے کا سوچ رہی ہوں..... ٹھیک ہے ناں؟" بلو سوٹ ہر اینگل سے دکھا کر وہ رائے جاننا چاہ رہی تھی۔
"لائٹ چھوڑیں' کچھ ہیوی سا نکالیں کیونکہ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق داجان نے منگنی کا پلان کینسل کر کے شاہ اور عیشال کے نکاح کی تقریب رکھ دی ہے۔" ماہم نے علم میں اضافہ کیا۔
"ہیں..... انہی خیر' پہلے منگنی اب نکاح..... یہ نا ہو ہمارے پہنچنے تک سڑیل کی رخصتی طے ہو جائے....." حیرت کا اظہار کرتے وہ ہنسنے لگی..... ماہم نے بھی ساتھ دیا۔
"پھر یہ پنک میکسی فائنل کرلوں.....؟ اسٹائلش بھی ہے اور ہیوی بھی۔" وہ تنقیدی نظروں سے ڈریس کو دیکھ رہی تھی۔
"بہت خوب صورت ہے دلہن تو آپ ہی لگیں گی' اسے پہن کر..... یہ نا ہو عیشال کی جگہ لوگ آپ کو ہی دلہن سمجھ لیں۔"
"توبہ استغفار' لاحول ولا قوۃ' کیسی باتیں کر رہی ہو' اس سڑیل سے کوئی بھی رشتہ جوڑنے سے بہتر ہے میں کنوئیں میں کود جاؤں۔" وہ بدکی' اس کے منہ بنا کر بولنے پہ ماہم کو ہنسی آئی۔

☆.....☆.....☆

ایک طرف کہی ان کہی کے بیچ پنپتے رشتے کا دکھ کھا رہا تھا تو دوسری طرف ایک عذاب جاں پہ مسلط تھا۔ وقت جیسے جیسے بیت رہا تھا' اس کی ٹینشن بڑھنے لگی۔ مرنے کی کوشش بھی ناکام بنا دی گئی تھی۔ وہ کیا کرے.....؟ یہی سوچ اسے پریشان کیے ہوئے تھی۔ چودھری حشمت سے بات کرنے کے متعلق سوچ کر بھی اسے تسلی نہیں ہو رہی تھی' یقیناً اس گستاخی پہ وہ اسے مزید سخت سزا دینا چاہتے تھے لیکن کیا کی

دوسری بار مرنے کی کوشش کرنے سے پہلے کیا یہ بہتر نہیں کہ جینے کے لیے کوشش کی جائے..... اگر میرے نے بھی
ہاں تو میں خود داجان سے کہہ دوں گی یہ شادی نہیں کر سکتی..... پھر بھلے وہ خود کو گولی مار دیں..... کم از کم خودکشی کے لیے
ان تو نہیں کرنا پڑے گا۔" بڑبڑاتے ہوئے اس نے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھانی..... شاہ زر شمعون کی تلاش
سے اس کے دروازے تک لے آئی' کومکو کی کیفیت میں کئی ثانیے اس کے بند دروازے پہ کھڑی رہی..... بات کرے یا نہ
کرے؟ دستک دے یا رہنے دے۔

وہ اسی ادھیڑ بن میں جھنجلا کر دروازہ ناک کر گئی چونکہ ذہن پریشانیوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا اس لیے خیالوں کی یورش
میں دروازے پہ ہاتھ ذرا زور سے پڑ گیا۔ قدموں کی آہٹ نزدیک آنے لگی تو وہ مزید متوحش ہوئی۔

"تم.....!" دروازہ کھولنے پہ شاہ زر شمعون کو جو صورت نظر آئی اس نے راہداری پہ نظر ڈالنے پہ مجبور کر دیا لیکن راہداری سنسان تھی۔

"مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔" جھجکتے ہوئے وہ ہمت مجتمع کرنے لگی۔ ہمت سے کہیں زیادہ اسے اپنی پوزیشن آکورڈ لگ رہی تھی۔

"بولو۔" شاہ زر شمعون کا انداز دوٹوک تھا۔ وہ جلد سے جلد اس کی بات سن کر اسے چلتا کرنے کے موڈ میں تھا لیکن اس کی الجھن یہ تھی کہ کیسے کچھ کہے۔

"کیا پریشانی ہے؟" اسے عیشال کی خاموشی پہ جھنجلاہٹ ہونے لگی لیکن اس نے لہجہ نارمل ہی رکھا۔ جانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ وہ بھی اسی الجھن کا شکار ہے جس سے نکلنے کے لیے وہ چودھری حشمت سے بات کرنا چاہتا تھا۔

"ویرے..... وہ میں....." بات مکمل نہیں کر سکی' لہجہ گلوگیر ہو گیا' آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے۔

"میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی..... آپ پلیز داجان کو روک لیں' ایسا کرنے سے۔" رندھی آواز میں وہ بالآخر بول گئی۔ وہ اس کی بہتی آنکھوں کو دیکھنے لگا۔ اس گھڑی اسے اس پہ بے حد ترس آیا..... کس قدر تنہائی کا شکار تھی وہ کہ دل کی بات سننے کو باپ بھی تیار نہ تھا۔ وہ اس رشتے کو لے کر خود ہی الجھن کا شکار تھا اور جب اس نے عیشال کو جہانگیر سے بات کرتے سنا تو وہ چودھری حشمت سے بات کرنے کے متعلق سوچ رہا تھا' اس سوچ پہ فوراً عملی جامہ پہنا بھی گیا تھا۔

"فکر نا کرو' میں نے داجان سے بات کی ہے' امید ہے وہ ہمارے حق میں فیصلہ سنائیں گے کیونکہ مجھے بھی یہ فیصلہ منظور نہیں۔" وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی' وہ واقعی چودھری حشمت سے بات کر چکا ہے؟ اس کے چہرے پہ بے یقینی دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے بے ساختہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھ گیا۔

"تمہیں ہمیشہ بہن ہی سمجھا ہے ایک یہی رشتہ کافی ہے' خوش رہو۔" وہ ہولے سے مسکرا کر ہاتھ ہٹا گیا اور اسے جیسے اپنی سماعت پہ یقین نہیں آیا تھا۔

☆.....☆.....☆

دن بھر کی روداد ایک دوسرے سے شیئر کرتے دونوں صبح کے لیے اپنے کپڑے نکال رہی تھیں' اکثر انوشا ہی دونوں کے کپڑے تیار کر کے رکھ دیتی تھی' لیکن آج کپڑے آئرن کرنے کی ذمہ داری ماروا نے لے لی تھی' انوشا اس تبدیلی پہ اسے

جیسے بچ کر کے وہ کھلکھلا دی..... اسی دم صحن میں کسی چیز کے گرنے کی زوردار آواز سنائی دی۔

منزہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں' کھانے کے بعد میڈیسن دے کر دونوں نے انہیں آرام کرنے کی تلقین کی تھی۔ وہ خاموشی سے لیٹ گئیں تو دونوں اپنے معمول کے کام انجام دینے لگیں آواز پہ ایک دوسرے کی شکل دیکھتے دونوں تیزی سے صحن کی طرف بھاگیں۔

"اماں....." منزہ کو صحن کے بیچوں بیچ گرے دیکھ کر دونوں کی چیخ سے مشابہ آواز نکلی تھی۔ دونوں سرعت سے سیدھا کر کے انہیں اٹھانے کی کوشش کرنے لگیں۔ چہرہ زرد ہو رہا اور آنکھیں بند تھیں۔

"انوشا..... پانی لے آؤ۔" منزہ کا سر گود میں رکھے وہ تیز آواز میں چلائی تو انوشا تیزی سے صحن میں رکھے کولر کی طرف بھاگی۔

"اماں....." ان کا رخسار تھپتھپاتے ماورا انہیں مسلسل آوازیں دے رہی تھی۔ انوشا پانی لا کر منزہ کے لبوں سے لگا چکی تھی۔

"چہرے پہ بھی ڈالو پانی۔" انوشا نے پانی کے چھینٹے مارنا شروع کر دیے..... دونوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ بالآخر تھوڑی سی کوشش سے منزہ کے حواس بحال ہونے لگے۔

"آپ ٹھیک ہیں اماں؟" انوشا رونے والی ہو گئی۔

"ہاں ہاں..... میں ٹھیک ہوں..... واش روم جانے کی لیے نکلی تھی' ایک دم سے چکر آیا تو گر گئی' فکر نا کرو ٹھیک ہوں۔" خود کو تندرست ثابت کرتے وہ اٹھ کر بیٹھنے لگیں لیکن اس کوشش میں کراہ کے رہ گئیں..... کمر سے اٹھتی لہروں نے درد کا احساس دلایا' گرنے کی صورت میں وہاں تکلیف موجود تھی۔ دونوں نے سہارا دے کر اٹھایا تو ان کی فکر دور کرنے کے لیے وہ آہستہ آہستہ خود چلنے لگیں۔

"جب دوائیں کھا رہی ہیں تو طبیعت میں بہتری کیوں نہیں آ رہی ہے اماں؟" انوشا کو رہ رہ کر ان کے چہرے کی زردی آزردہ کر رہی تھی۔

"کہاں ہے رپورٹ دکھائیں مجھے..... جب رپورٹس میں سب ٹھیک ہے تو آپ کو چکر کیوں آ رہے ہیں..... یہ نیل کیسا ہے جسم پہ اور سانس کیوں پھول جاتا ہے؟ صحت الگ دن بہ دن گرتی جا رہی ہے' رپورٹ لے کر ہم کسی دوسرے ڈاکٹر کے پاس جائیں گے۔ دوسری جگہ علاج کروائیں گے۔" ماورا یحییٰ کے اعصاب پر بھی یہ سب بھاری تھا' منزہ کی ظاہری صحت جس طرح زوال کا شکار تھی' ماورا ان کے بازو کو تھام کر اپنا ارادہ ظاہر کر گئی۔ بازو کے نیلے دھبوں کو وہ افسوس سے دیکھ رہی تھی۔

"ارے بھئی تم دونوں تو بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہو..... بندی بشر ہوں کیا چکر نہیں آ سکتا..... حد ہے بی پی لو ہو سکتا ہے' گرمی کی شدت بھی تو دیکھو کتنی ہے۔" منزہ نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر بات آئی گئی کرنے کی سعی کی۔

"جو بھی ہے' بہر حال ہم کسی دوسرے ڈاکٹر کے پاس جائیں گے۔ آپ مجھے رپورٹ دے دیجیے گا۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

رہی تھی کی بات اس سے پہلے کہ اس کے بعد۔" منزہ براہ راست کرن پر پھیر کر لیٹ گئیں دونوں بے چارگی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں چہرہ دوسری طرف کیے منزہ کے آنسو خاموشی سے بہنے لگے تھے کچھ بعید نہ تھا صبح اٹھتے ہی دونوں پہلی فرصت میں رپورٹ کا تقاضا کر کے دوسرے ڈاکٹر کے پاس لے جاتیں اور یہی وہ نہیں چاہتی تھیں تب ہی غصہ دکھا کر لیٹ گئیں۔

☆.....☆.....☆

محبت کی سب سے کڑی اور خوب صورت سزا یہی ہے کہ آپ اکیلے ہی سلگتے رہیں جب تپ کر کندن بن جائیں تو جان لیں آپ کا پیار سونا تھا لیکن جب محبت میں چمکن محسوس نہ ہو چند روز کی اداسی پہ محبت کے خیالوں سے ہاتھ جھاڑ لیں تو سمجھ لیجیے گا پیتل اور سونا میں فرق ہوتا ہے۔ اپنے اقدار روایت کی پاسداری کرتے خود کو فراموش کر دینا آسان نہیں ہوتا..... وہ بھی خود کو سمجھانے میں لگا ہوا تھا حویلی میں ایک دم سے جو آندھی اٹھی تھی اس میں توازن برقرار رکھنے کی سعی کر رہا تھا۔

چودھری حشمت اور شاہ زر شمعون کے مقابل کھڑا ہو کر ان کے فیصلوں کو چیلنج کرنے کے بارے میں ہمت جرأت رکھنے کے باوجود بھی نہیں سوچ سکتا تھا لڑتے دشمنوں سے ہیں وہ تو اس کے اپنے تھے جن کے لیے وہ اپنی جان کی بازی لگا سکتا تھا۔ بالکنی کی گرل سے کمر ٹکائے دونوں ہاتھ گرل کے دائیں بائیں پھیلائے وہ اس وقت چمکتے چاند کو دیکھ رہا تھا جو اسے اپنی پہنچ سے بہت دور نظر آ رہا تھا۔

"لوگ اتنے فارغ ہو گئے ہیں کہ چاند پہ ریسرچ کر رہے ہیں۔ جاؤ جا کر نکاح کی تیاری کرو۔" وہ شاہ زر شمعون کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی لیکن راہ میں سمہان آفندی کو دیکھ کر طنز کرنے سے خود کو باز نہ رکھ سکی۔ شاہ زر شمعون سے ہوئی گفتگو کے بعد اسے کچھ تسلی ہو گئی تھی کہ بات بن جائے گی لیکن اگر نہ بھی بنتی تو وہ علی الاعلان یہ بات سب کے سامنے کہنے کا ارادہ رکھتی تھی کہ وہ یہ شادی کسی قیمت پہ نہیں کرے گی۔

چودھری حشمت کے غیر متوقع فیصلے نے اسے بوکھلاہٹ کا شکار کر دیا تھا۔ تب ہی چودھری جہانگیر سے مدد مانگی سمہان آفندی سے آس لگائی شاہ زر شمعون تک اپنے خیالات پہنچا آئی تھی۔ وہ کھل کر بغاوت پہ آمادہ ہو چکی تھی۔

"بے فکر رہو سب کچھ ٹھیک ہو گا ایسی ارینجمنٹ کروں گا کہ برسوں یاد رکھو گی۔" وہ اس مڈبھیڑ کے لیے تیار ہو گئی تھی تو جواب دینا مجبوری تھی۔ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے اس نے ہاتھ سینے پہ باندھ کر دانت کچکچائے۔

"تھوڑی سی غیرت باقی بچی ہے تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرو۔" وہ باخبر تھا اس کی طرف سے ایسے ہی غیرت کو تازیانہ لگانے والے جملے آئیں گے۔

"بہتر اور کوئی حکم۔" سمہان آفندی مسکراتے ہوئے خود کو لاپروا ظاہر کر رہا تھا اور اس کوشش میں کامیاب بھی تھا جس کی وجہ سے مثال جہانگیر کا فشار خون بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا تھا۔

"اگر یہی تمہارا اصل روپ ہے تو وہ سب کیا تھا جو میں سمجھتی رہی؟" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے وجود کے پرخچے اڑا دے۔

"سب سے جیتے مسکراتے بات کرنا میری فطرت ہے کیوں تمہیں کون سی غلط فہمی ہو گئی؟" وہ الٹا اس سے

دستبردار ہو جائے گا' سنا تھا غیرت مند مرد اپنی من پسند چیز کسی کو نہیں دیتا لیکن تم تو خود کو غیرت مند بھی ثابت نا کر سکے۔"
انگارہ لفظ سمہان آفندی کو سلگانے لگے تھے' مٹھیاں بھینچ کر وہ ضبط کے کن مراحل میں تھا یہ اس کے چہرے سے اندازہ لگانا بے حد مشکل تھا۔ جتنے بڑے بڑے لفظ وہ اس کے منہ پہ مار رہی تھی اسے برداشت کرنا عام بات ہرگز نہیں تھی مگر وہ سیلف کنٹرول پرسن تھا..... یوں بھڑکانے پہ بھڑکنا اس کا شیوہ نہیں تھا۔

"بہادری صرف یہ نہیں ہے کہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے اپنوں کے آگے کھڑے ہو کر ان کا گریبان پکڑ لیں' انہیں ماریں' گالیاں دیں' جنگ کریں' یہ سب بہت آسان ہے لیکن اصل بہادری خود سے جنگ ہے' خود سے لڑتے رہنا ہے..... ایک اپنی تسکین کے لیے اپنوں کے خلاف اٹھ کر جنگ کرنے کو تم بہادری سمجھتی ہو تو معذرت..... میں اتنا بہادر نہیں ہوں..... میرے لیے تمہارے طعنے ہی ٹھیک ہیں کیونکہ میں تمہاری طرح خود غرض نہیں ہوں..... میں کیا چاہتا ہوں..... میری کیا چاہت ہے..... سب کو بھول کر اپنوں کے لیے سب کچھ فراموش کرنے کو تیار ہوں..... یہاں تک کہ اپنا وجود بھی....." بہت ضبط کرتے ہوئے بھی وہ بہت کچھ کہہ گیا جس میں عیشال جہانگیر کے سارے سوالوں کے جوابات تھے۔

"اور میں..... میں تمہاری اپنی نہیں.....؟ میری مرضی کے خلاف کچھ ہو رہا ہو تو تم بھی حویلی والوں کی طرح تماشا دیکھو گے کچھ کرو گے نہیں؟" وہ غصے سے سوال کر گئی..... اس کی وفاداری پہ تو کبھی شک تھا ہی نہیں۔

"تمہارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی ذمہ دار تم خود ہو' بہت بار سمجھایا بہت منتیں کیں تمہاری مگر تمہیں من مانی کی لت لگ گئی ہے' ہر گھڑی حویلی میں تماشا کرنے کی عادی ہو..... جب سب کچھ خود کرتی آ رہی ہو تو دادا جان سے انعام تو وصول کرنا ہی پڑے گا ناں' اپنی فائل سب سے پہلے اوپر لانے کی اتنی جلدی تھی تو مجھے کہہ دیا ہوتا' ویسے ہی سفارش کر دیتا دادا جان سے۔" وہ بھگو بھگو کے مار رہا تھا۔

درحقیقت اس کی جلت پسندی' ہر معاملے میں ٹانگ اڑانے کی فطرت اور باغیانہ روش نے اسے اس دوراہے پہ لا کھڑا کیا تھا لیکن وہ ماننے کو تیار نہ ہوئی۔

"تم سب چاہتے ہو میں حویلی کے باقی اشخاص کی طرح اندھی' گونگی' بہری بن جاؤں' تو ایسا کبھی نہیں ہوگا..... نور یہ کے ساتھ زیادتی ہوئی تو گجر کو مار کر اسے انصاف دلایا گیا' نماآ آپی کے لیے باپ کی عمر کے بندے کا انتخاب کرتے تم لوگوں کو نظر نہیں آ رہا کہ ان کے ساتھ بھی زیادتی ہو رہی ہے.....؟ وہ تو تم لوگوں کے پرفیکٹ سانچے میں ڈھلی سیدھی سادی لڑکی ہیں' کبھی چوں نہیں کرتیں' پھر انہیں کیوں سزا مل رہی ہے.....؟ تمہارے نزدیک تو میں مجرم ہوں' سزا کی مستحق ہوں' لیکن بہادری صرف اپنے لیے نہیں' دوسرے کے مفاد کے لیے بھی ہونی چاہیے..... اس حویلی میں انصاف کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں میں انصاف کا فقدان پایا جاتا ہے اور تم ان ہی ریت رواجوں اور اپنوں کی سپورٹ کے لیے ان ظالموں میں سے ہو تو..... ہونہہ..... پہلے ذرا میں اس معاملے سے نبٹ لوں' پھر تمہیں بھی دیکھ لوں گی....." جی بھر کے ساری کڑواہٹ اس پہ انڈیل کر آخر میں اسے دھمکاتی وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور وہ کئی محاذ پہ لاجواب ہو کر کھڑا ہی رہ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"مجھے تو آج تک سمجھ نہیں آئی کہ [illegible]

"مردتم لوگ میری توبہ جو پھر کبھی تم لوگوں کو اپنی خوشی سیلیبریٹ کرنے کے لیے انوائیٹ کروں....." سعید برا مان کے منہ بنا گیا۔

"بخش دو بے چارے کو۔" انشراح نے سعید کی مسلسل کھنچائی پہ اس کی سائیڈ لی۔ سعید نے منگنی طے ہو جانے کی خوشی میں ان سب کو ٹریٹ دی تھی۔ وہ سب دوریا کے ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کھانے کے ساتھ انصاف کرتے سب سعید کی کھنچائی بھی برابر کر رہے تھے۔ خاصا خوشگوار ماحول تھا۔ ایشان جاہ بھی ان سب کے ساتھ انجوائے کر رہا تھا۔ ہنستے مسکراتے ایشان جاہ کی نظریں سامنے تھیں۔

کچھ اوباش لڑکے نشے میں بیٹھے ہوئے تھے اور ویٹرس انہیں سرو کرتے کچھ ہچکچاہٹ کا شکار ہوتی پریشان نظر آ رہی تھی۔ چیزیں رکھنے سے پہلے ہی ان میں سے کوئی نا کوئی ہاتھ بڑھا کر ہاتھ پکڑ کرنے کے بہانے اس سے چیزیں لے لیتا' باوردی ویٹرس اس کے قریب سے گزری تو جانے کیوں ایشان جاہ کو اس کی آنکھوں میں آنسو نظر آئے۔

"کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ویٹرس کو بھی نہیں چھوڑتے۔" ویٹرس دوبارہ ٹرے میں چیزیں رکھ کے لے کر آئی اور وہ سب پھر سے وہی حرکتیں کرتے اشارہ کرنے لگے تو ایشان جاہ کو اپنا غصہ دبانا مشکل لگنے لگا۔

"کیوں' کیا ہوا؟.....او.....!" سب نے تعجب سے کہا اور اس کی نظروں کی تقلید کرتے ان کی آنکھیں بھی وہ منظر دیکھنے لگیں تو سب کے منہ معنی خیزی سے کھلے رہ گئے۔

"چھوڑو یار' یہ ویٹرس کون سی شریف زادیاں ہوتی ہیں' اگر یہ خود ٹھیک ہوتی تو گھر میں بیٹھ کر بچوں کو ٹیوشن پڑھا رہی ہوتیں یا سلائی کڑھائی کر کے گزارا کر رہی ہوتیں' رات کے اس پہر اس جگہ ویٹرس کی نوکری کرنے والیاں کیریکٹر لیس ہی ہوتی ہیں..... تم فوڈ انجوائے کرو....." سعید نے ناگواری سے کہہ کر اسے کھانے کی طرف راغب کیا۔

"ہاں بالکل....." انشرح لڑکی ہونے کے باوجود ویٹرس کو حقارت سے دیکھ رہی تھی۔ غیش فا سائشات میں پلنے والی کو کسی کے معاشی حالات جاننے کی فکر کب تھی۔ وہ تو بس تنقید کرنا جانتی تھی۔

"ضروری نہیں کہ سب شوق سے یہاں موجود ہوں اگر یہ لڑکی ویٹرس نا ہوتی تو اس کے چہرے پہ پریشانی نہ ہوتی۔" ایشان جاہ کا اختلاف سن کر سب کے منہ حیرت سے کھل گئے۔

"نخرا دکھا کر جھانا تو مڈل کلاس لڑکیوں کا خاصا ہے۔" عزیر نے بات آگے بڑھائی۔

"نہیں' میں اتفاق نہیں کرتا..... یہ کام اپر کلاس لڑکی بھی کرتی ہے۔"

"او بھائی..... خیر ہے کل تک تو سب سے زیادہ مڈل کلاس کے خلاف بولتا تھا یہ چند دنوں میں کیا ماجرا ہو گیا کہ تو فیور کر رہا ہے؟" سہیل اچنبھے سے اسے دیکھنے لگا۔

"یہاں کلاس کی بات نہیں ہو رہی' ایک لڑکی کی بات ہے' مجھے نہیں پتا یہ کس کلاس سے ہے' ہاں اتنا ضرور پتا ہے کہ اگر لڑکی کی بھی مرضی ہوتی تو وہ ان حرکتوں پہ پریشان ہونے کی بجائے خوش ہوتی۔"

"خیر تو ہے بڑی سائیڈ لے رہا ہے' آج کل مڈل کلاس لڑکیوں کی۔" انشراح نے کریدا۔

"کم آن تم لوگ بات کو غلط رخ پہ لے جا رہے ہو' مجھے صرف اس لڑکی پہ ترس آ رہا ہے' کسی کی بہن بیٹی ہو گی۔" کچھ سوچتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سب اچنبھے سے دیکھنے لگے۔

"اس ٹیبل پہ آب ویٹرس کو مت بھیجنا..... کسی میل ویٹر کو کہو اس ٹیبل کو اٹینڈ کرے۔" منیجر اس کی ہدایت پہ اچھنبے سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیوں سر؟"

"وہ سب نشے میں ویٹرس سے بدتمیزی کر رہے ہیں اور وہ بے چاری نوکری بچانے کے چکر میں ان کی حرکتیں برداشت کر رہی ہے۔" ایشان جاہ نے رسانیت سے معاملہ گوش گزار کیا۔

"سر یہ تو روز کے معاملات کا حصہ ہے' کوئی نئی بات نہیں' یہاں کی ویٹرس کو سب اندازہ ہے کسٹمر کو کیسے ڈیل کرتے ہیں' آپ فکر نا کریں۔" منیجر نے اس کی بات کو اہمیت نہ دی۔ صاف لفظوں میں اپنے کام سے کام رکھنے والا انداز تھا۔

"بہت اچھے' یعنی تم خود ایکسیپٹ کر رہے ہو کہ یہ سب تمہارے ریسٹورنٹ میں عام بات ہے اور تم لوگ ویٹرس کو ہراساں کرنے میں ان آوارہ لوگوں کا ساتھ دیتے ہو اور وہ سب بے چاری تنخواہ دار ملازمہ ہونے کے باعث یہ سب جھیلتی ہیں۔" استہزائیہ انداز لیے ایشان جاہ کی آواز تیز ہوئی۔

"سر آپ کیوں ٹانگ اڑا رہے ہیں آپ بھی ہمارے کسٹمر ہیں' خوش ہو کر جائیں۔" منیجر اسے ٹالنا چاہ رہا تھا مگر ایشان جاہ کا خون کھول اٹھا۔

"ٹانگ تو ابھی اڑائی نہیں ہے' ابھی صرف پیار سے سمجھا رہا ہوں' اس ٹیبل کو میل ویٹر سے اٹینڈ کرواؤ ورنہ میری ایک کال پہ تمہارا ریسٹورنٹ سیل ہو جائے گا..... سو بہتری اسی میں ہے کہ مجھے زحمت نا دو۔" ایشان جاہ نے سرد لہجے میں کہا تو منیجر اس کے دھمکی آمیز انداز پہ چپ رہ گیا۔

"آپ کی تعریف.....؟" اسے بھرم کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"سر یہ ان کا ڈنٹرا اسپشلسٹ چودھری جہانگیر کے بیٹے ہیں۔" پاس کھڑے ویٹر نے منیجر سے سرگوشی کی تو اس کی آنکھیں مزید کھل گئیں۔ کون ان سے نا آشنا تھا۔

"لو کے سر میں کرتا ہوں۔" منیجر نے اسے مطمئن کیا تو وہ اپنے گروپ کی طرف آ گیا' جہاں وہ سب تھے۔ سامنے والی ٹیبل پہ موجود لڑکے میل ویٹر پہ شور کرنے لگے تھے۔ ویٹرس کا پوچھ رہے تھے اور اس کے آف کرنے کا سن کر اسے باتیں سنا رہے تھے۔ ایشان جاہ کا جی چاہ رہا تھا نشے میں دھت ان سب کو دوسری دنیا میں بھیج دے۔ وہ کولڈ ڈرنک لے کر سائیڈ پہ جا کھڑا ہوا جہاں سے سمندر کا منظر بے حد واضح تھا۔

"غربت کے باعث ان جیسے حرام خوروں کی حرکتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں' کون شریف زادی یہاں کام کرنا چاہتی ہے' گھر میں سلائی کڑھائی کر کے بھی دیکھ لیا' چھ لوگوں کا پیٹ پالنا بے حد مشکل کام ہے' یہاں پیسے تو اچھے ہیں لیکن جب ان جیسے حرام خوروں سے واسطہ پڑتا ہے تو اسی سمندر میں ڈوب کر مر جانے کو دل کرتا ہے' جانے ان امیروں کو ہم غریبوں کا خدا کیوں نہیں ہوتا۔" اس طرف چینجنگ روم تھا' وہی ویٹرس یونیفارم چینج کر کے گھریلو حلیے میں ساتھی ویٹرس کے ساتھ نکلی تو ان کی گفتگو ایشان جاہ کو کئی لمحے ساکت کر گئی۔

☆.....☆.....☆

ان لڑکیوں کو دیکھ کر سرگوشیاں کرنے لگیں۔

سب ایکسائیٹڈ ہو گئیں۔

"مما..... میری وہائٹ شرٹ نہیں مل رہی۔" اسی گھڑی سمہان آفندی ہال میں داخل ہوا۔ اس نے بھی شاذمہ کی باتیں بغور سنی تھیں۔ عیشال جو یہ سب سن کر برا سا منہ بنا گئی تھی' سمہان آفندی کو دیکھنے پہ ایک کڑی نگاہ اس پہ ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ وہائٹ یونیفارم میں کچھ بھی الجھی سی اسے بھی الجھا گئی تھی۔

چیخ کر کے جب تک لڑکیاں کلچ سے فارغ ہوئیں' چودھری بخت اور دیا کی آمد کا شور مچ گیا علاوہ چودھری حشمت کے سب ہی استقبال کے لیے آ گئے تھے۔

"السلام علیکم!" دیا زمرد بیگم' فائزہ اور فریال سے گرم جوشی سے مل رہی تھیں تو سمہان آفندی اور شاہ زر شمعون چودھری بخت سے..... چودھری فیروز اور چودھری اسفند بھی محفل کا حصہ بن گئے تھے۔

"پچھلی بار جس طرح رسی تڑا کر بھاگی تھیں' اس بار ایسا کوئی ارادہ تو نہیں.....؟" شاذمہ نے شنائیہ چودھری کو چھیڑا۔

"فکر نا کرو' اس بار اماں ابا کے ساتھ ہی بھاگوں گی۔" وہ کھلکھلائی۔

"سمسٹر تو ابھی ختم ہوا ہے' ٹھہر جاؤ کچھ دن' مزا کریں گے۔" یمنیٰ نے اصرار کیا تو وہ مسکرا کر ندا سے ملنے لگی۔

"سمجھ نہیں آ رہی' تمہیں مبارک باد دوں یا تعزیت کروں..... سڑیل سے شادی کر کے سمجھو جہنم میں زندگی گزار کر آخرت میں جنت پکی تمہاری۔" عیشال سے ملتی شنائیہ چودھری نے دھیمی آواز میں جس بے ساختگی سے کہا اس پہ عیشال کی نظر نے بے ساختہ اس کے پیچھے کا سفر کیا تھا..... اس کی نظروں کی تقلید میں شنائیہ نے یونہی ذرا سی گردن گھمائی اور اپنے عین پیچھے شاہ زر شمعون کو دیکھتے اس کی روح فنا ہونے لگی۔ وہ جس طرح خشمگیں نظروں سے گھور رہا تھا' اسکائی بلو سوٹ میں فریش فریش سی شنائیہ چودھری کی جان ہی تو نکل گئی۔

"آ..... وہ..... کیسی ہیں دی جان۔" شنائیہ چودھری موقع سے فوراً فرار ہو گئی۔

عیشال جہانگیر کی نظریں شاہ زر شمعون کی طرف تھیں۔ وہ آس سے اس کی طرف دیکھتے نظروں ہی نظروں میں چودھری حشمت کے جواب کے متعلق سوال کر رہی تھی۔ اس کی پریشان شکل دیکھتے' لب بھینچے شاہ زر شمعون نے نفی میں سر ہلایا تو عیشال جہانگیر بددل ہو گئی۔

مہمان آنے لگے تھے' وقت بیتا جا رہا تھا' نکاح کی تیاری زور و شور سے جاری تھی۔ قوی امید بھی تو نہیں تھی کہ فیصلہ ان کے حق میں آئے گا بھی یا چودھری حشمت اپنی ہی منوائیں گے۔ آنے والا وقت کیا لے کر آ رہا تھا' اب تو شاہ زر شمعون کے چہرے پہ بھی تردد کی لکیریں واضح ہونے لگی تھیں۔ جنہیں چھپائے وہ خود کو نارمل پوز کر رہا تھا۔

"بہت بہت مبارک ہو بچے۔" چودھری بخت نے گرم جوشی سے شاہ زر شمعون کو گلے لگا لیا۔ انہیں یوں بھی اس سے بڑی محبت تھی۔

☆.....☆.....☆

ماورا کو میچنگ دوپٹہ نہیں مل رہا تھا۔ جس کی تلاش میں اس نے الماری کا کونا کونا دیکھ لیا تھا۔ اپنی الماری میں دیکھ لینے کے بعد وہ منزہ کے کمرے میں رکھی خستہ حال الماری کی طرف بڑھی۔ اس الماری میں پرانی چیزوں کا ایک جہان آباد تھا۔ انوشا اور اس کی کتنی ہی چھوٹی چھوٹی فراکیں اور جوتیاں رکھی ہوئی تھیں جنہیں منزہ نے نشانی کے طور پر سنبھال کے رکھا تھا۔ یہ الماری خالصتاً منزہ کے تصرف میں [illegible]

رپورٹ کھول کر پڑھنا شروع کی اور جوں جوں اس کی نظریں مارک ہوئی چیزوں کا جائزہ لے رہی تھیں اس کے پیروں تلے سے زمین سرکتی جا رہی تھی۔

"یہاں کیا کر رہی ہو؟" منزہ کسی کام سے کمرے میں آئیں اور اسے الماری کے پاس کھڑے دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ جس طرح چور ہر کھٹکے پہ سہم جاتا ہے اسی طرح منزہ بھی الماری کے پٹ کھلے دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ ماورا یکی چہرے پہ بے یقینی آنکھوں میں آنسو لیے ڈبڈبائی نظروں سے پلٹی تو اس کے ہاتھ میں رپورٹ دیکھ کر منزہ دیوار سے جا لگیں۔

"اماں.....!" بے حد درد کے ساتھ اس نے پکارا آنسو عارض پہ بہہ نکلے..... منزہ کی آنکھیں بھی جھلملانے لگیں۔ اپنی جان سے زیادہ عزیز بیٹیوں کو زمانے کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر کس ماں کا مرنے کو دل چاہتا ہے لیکن وہ وقت و قسمت کے ہاتھوں شکست کھا کر بے بس و لاچار ہو گئی تھیں۔ مزید مہلت مانگیں تب ہی ناکام و نامراد رہ جاتیں۔ خوف زدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتے جھٹ آگے بڑھ کر رپورٹ اس کے ہاتھ سے لے کر انہوں نے کپڑوں کے نیچے دبا دی۔

"تم میری اچھی بیٹی نہیں ہو ماں کا چھپایا ہوا سچ کھوج نکالا....." پر درد مسکراہٹ کے ساتھ وہ دکھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ایک بے بس ماں کی تڑپ پہ ماورا سسکنے لگی۔

"آپ نے جان بوجھ کے چھپایا ہم سے کیوں اماں.....؟" وہ انہیں تھام کر شدت سے رو دی۔

"کوئی خوشی کی خبر تھی جو بتا کر تم لوگوں کو خوش کرتی..... مرنا تو طے ہے ناں..... پہلے سے بتا کر کیوں دکھی کرتی اپنی بیٹیوں کو لیکن تمہیں چین نہیں ڈھونڈ نکالا میری موت کا پروانا۔" منزہ رسانیت سے کہتے درد سے مسکرائیں تو ماورا سے اپنی چیخ پہ قابو رکھنا مشکل ہو گیا۔ اس کا جی چاہا چیخ چیخ کر بین کرے اس فیصلے پر دل کھول کر احتجاج کرے۔

"شش..... بس..... آواز نا نکلے..... انوشا کو کچھ پتا نہیں چلنا چاہیے۔ جلد ہی اس کی شادی ہے..... میں نہیں چاہتی وہ بچی جان کر دکھی ہو..... اس تلخ حقیقت سے بچانا تو تمہیں بھی چاہ رہی تھی لیکن تم....." منزہ محبت سے اسے دیکھنے لگیں جس کے منہ سے لفظ نہیں نکل پا رہے تھے۔ بس آنسو بہہ رہے تھے۔

"تمہیں میری قسم ہے ماورا..... انوشا کو کچھ نہیں بتاؤ گی..... تم تو میری بہت بہادر بیٹی ہو ناں....." منزہ اس کے آنسو پونچھتی اسے پچکار رہی تھیں اور اس کا دل جیسے درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

"میں اب بالکل بہادر نہیں ہوں اماں..... ہمیں چھوڑ کر آپ کہیں نہیں جائیں گی..... ہمارا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں دہائی دینے لگی۔ منزہ کے پاس کوئی طفل تسلی ہوتی تو دیتیں ناں بس روتی رہیں اور اس کے آنسو پونچھتی رہیں۔

"آپ میرے ساتھ چلیے گا ہم دوسرے ڈاکٹر کو دکھائیں گے کوئی نہ کوئی بہتری نکل آئے گی....." وہ پُر امید تھی۔

"سب بے کار ہے بیٹا..... زندگی ہی اتنی تھی..... بہت کم وقت ہے میرے پاس اور مجھے اپنی دونوں بیٹیوں کو ان کے گھر کا کرنا ہے۔ بس اللہ جلد سے جلد تمہارا بھی جوڑ ملا دے تاکہ میں چین سے مر تو سکوں۔" منزہ اپنی بے بسی پہ جتنا ماتم کریں کم تھا۔

"عیشان..... کوئی پرابلم ہے بیٹا؟ کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں الجھے الجھے نظر آرہے ہو۔" ایشان جاہ کو ذرا فرصت سے بیٹھے تب ہی صبا کو پوچھنے کا موقع مل گیا۔

"نہیں مام مجھے کیا پریشانی ہوگی..... فٹ ہوں۔" اس نے نظریں ایل ای ڈی کی بڑی سی اسکرین پہ جمارکھی تھیں۔ جہاں کسی میچ کے ہائی لائٹس چل رہے تھے۔

"جب سے ایم بی اے میں داخلہ لیا ہے تب سے چپ چپ نظر آرہے ہو انشراح بتا رہی تھی کسی لڑکی نے پہلی پوزیشن لی ہے اور تم اسی باعث ڈسٹرب ہو....." صبا نک سک سے تیار جدید ملبوسات زیب تن کیے مناسب میک اپ کیے براجمان تھیں۔ وہ ہمیشہ اسی طرح تیار رہتی تھیں جیسے کہیں جا رہی ہوں۔ ایشان جاہ انشراح کی کارستانی پہ لب بھینچ کے رہ گیا۔ وہ پیٹ کی اتنی ہلکی تھی کہ جب تک دس لوگوں کو بتا نہیں دیتی اسے سکون نہیں ملتا تھا۔

"کہو تو جہانگیر سے کہہ کر اس لڑکی کا داخلہ کینسل کروادوں۔" صبا اسے خوش دیکھنا چاہتی تھیں تب ہی زعم سے کہہ گئیں۔

"نہیں مام یونیورسٹی سے نکال کر طاقت کے بل پہ کیسی جیت' مزا تو تب ہے جب اسے مقابلے میں ہراؤں۔" وہ پُرعزم تھا۔

"چلو جیسی تمہاری مرضی....." صبا نے سر کو جھٹکا۔

"تیاری کرلو حویلی جانے کی۔"

"کیوں خیریت.....؟" اسے حیرانگی نے گھیر لیا' ابھی کچھ وقت پہلی ہی تو شاہ زر شمعون ہو کر گیا تھا پھر خبر ملی' چودھری جہانگیر صبح ہی حویلی سے لوٹے تھے ایسا کیا ہو گیا تھا کہ صبا اسے حویلی کے لیے تیاری کرنے کو کہہ رہی تھیں۔

"حویلی میں شادی کا آغاز ہوا چاہتا ہے' ندا کے لیے لڑکے کا انتخاب کیا جا چکا ہے اور جمعہ کو شاہ زر شمعون اور عیشال کا نکاح ہے۔"

"وہاٹ.....!" صبا کے اطلاع دینے پہ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

"تمہاری طرح مجھے بھی حیرانی ہوئی تھی..... سچ کہوں تو مجھے تو بالکل یقین نہیں آرہا' کہاں بانکا سجیلا شاہ زر شمعون اور کہاں میسنی عیشال..... ضرور یاں کی طرح رجھایا ہوگا..... کوکھ اپنا رنگ تو جماتی ہے ناں۔" صبا کے لہجے میں سوتیلی بیٹی کے لیے حد درجہ نفرت و حقارت تھی۔

"عیشال اتنی بری تو نہیں' انوسنٹ سی ہے۔" ایشان جاہ نے سائیڈ لی۔ گو کہ عیشال اس سے بڑی تھی' سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھی۔ سوتیلا رشتہ ہونے کے باعث کھلے عام نفرت کا اظہار کرتی تھی لیکن وہ حقیقت شناس تھا' جانتا تھا اس نے محرومی زندگی گزاری ہے' ماں تو تھی نہیں' چودھری جہانگیر بس ان دنوں کے باپ کا کردار ہی نبھاتے تھے' ایسے میں وہ عیشال کو حق بجانب سمجھتا تھا اور وہ نفرت کا برملا اظہار کر جاتی تھی تو ان لوگوں نے بھی اس کے ساتھ کبھی اپنا پن نہیں دکھایا تھا اور ان سب کے رویوں کی سب سے بڑی وجہ خود چودھری جہانگیر تھے' جنہوں نے عیشال جہانگیر کے وجود کو کبھی تسلیم ہی نہیں

"مرنے والی کو تو بخش دیں..... ماما سوئن تھیں آپ کی لیکن اب تو نہیں ہیں ناں۔" ایشان جاہ نے جیسے یاد
"ہاں دفع کرو ہمیں کیا لینا دینا حویلی کے معاملات سے..... بھئی میرا تو وہاں جانے کے خیال سے ہی دم گھٹنے لگتا
"صبیحہ نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔
"میشال کا نکاح ہے ڈیڈ کی موجودگی تو لازم ہوگی ہمیں بھی جانا چاہیے۔" اس نے خیال ظاہر کیا۔
"ہاں مجبوری ہے جانا تو پڑے گا دنیا دکھاوے کو..... اور جاتے جاتے وہ جنم جلی میری زندگی میں زہر گھول گئی میشال کی
ورت میں..... اس عورت کا تصور کرتے ہی مجھے آگ لگنے لگتی ہے۔" صبیحہ صائقہ کے لیے بغض لیے بیٹھی تھیں یہ
نتے ہوئے بھی کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہیں ان کی نفرت میں برسوں بعد بھی کمی نہیں آئی تھی۔

☆.....☆.....☆

چودھری حشمت کی آمد ہوئی تو تمام لڑکیاں کھسکنے کی کرنے لگیں۔ وہ سب اٹھ کر ہال سے ملحق لاؤنج کو رونق بخش چکی
ں اور اب شنائیہ چودھری اپنا جوڑا پھیلائے ان سب سے داد چاہ رہی تھی۔
"سوٹ تو غضب کا ہے شنائیہ" سب ہی تعریفی کلمات کہہ رہی تھیں اور وہ چمک چمک کر میچنگ چیزیں دکھا رہی
ی۔
"میشال کون سی بیوٹیشن کو بلوایا ہے تم نے؟" میشال جہانگیر اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی ایسے میں شنائیہ چودھری کی
رم جوشی اور چہکنا سا ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا اوپر سے اس کے سوال نے اسے کیا تمام ہی لڑکیوں کو چونکایا۔
"ہا..... ہم سب نے تو اس بارے میں سوچا ہی نہیں..... گاؤں بھر کے لوگ ہوں گے عزیز رشتے دار..... ہم سب
بوتھالے کے نکاح انجوائے کریں گے۔" شازمہ کو فکر لاحق ہوئی۔

(ایڈیٹر) editorhijab@aanchal.com.pk

(انفو) infohijab@aanchal.com.pk

(بزمِ سخن) bazsuk@aanchal.com.pk

(عالمِ انتخاب) alam@aanchal.com.pk

(شوخیٔ تحریر) Shukhi@aanchal.com.pk

رومنٹک کی آئیڈیاس کلاسز کی ہیں.....
حصتی کی ڈیمانڈ کردے گا۔"

"ہیں..... یہ سڑیل کس کو کہا تم نے..... ہمارے دیرے کو؟" ایکسائٹمنٹ میں حسب عادت روانی سے بول کر وہ زبان دانتوں تلے دبا گئی' وہ بھول گئی تھی کہ وہ اپنے گھر میں نہیں بلکہ حویلی میں ہے اور حویلی میں اس کے حمایتی بیٹھے ہیں' یمنی نے کمر پر ہاتھ رکھ کر سوال کیا تو وہ مسکین سی شکل بنا گئی۔

"ہاں وہ کیا ہے ناں بس عادت سی ہوگئی ہے' اتنا تو سڑیل ہے ہنستا مسکرانا بھی نہیں آتا..... عیشال تم پلیز نکاح کے بعد اسے ہنسنا مسکرانا اور تھوڑا سا نرم لہجے میں بات کرنا سکھا دینا۔" وہ پھر حسب عادت شائلیمار ایکسپریس بن گئی تو باقی سب تو ہنسنے لگیں لیکن عیشال کو کوفت ہونے لگی۔ اس کا جی چاہا شنائیہ چودھری کو روک کے کہہ دے کہ بی بی کسی اور موضوع پہ بات کرو۔

"میں اپنے لیے چائے بنانے جارہی ہوں' تم لوگ پیو گی؟" شنائیہ اس ٹاپک سے ہٹنے کو تیار ہی نہیں تھی۔ عیشال جہانگیر کو جانا ہی مناسب لگا۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ" سب نے سگنل دیا تو عیشال اٹھ کھڑی ہوئی۔

"عیشال کچن میں جارہی ہو تو پلیز اپنی نگرانی میں ملازمہ سے سنیکس تیار کروالینا..... میں نے کروکیٹس فرائی کرنے دیے ہیں' اس سے کہنا براؤن بریڈ کے ویجیٹیبل سینڈوچ بھی بنا دے۔" شنائیہ چودھری نے پیچھے سے آواز لگائی تو مہمان کا خیال کرتی عیشال جہانگیر سر ہلا کر جانے لگی۔

"ارے جلدی سے مجھے وائی فائی کا پاس ورڈ بتاؤ میرا نیٹ پیکج ایکسپائر ہوگیا' آتے ہوئے سڑیل کزن کے نکاح کا اسٹیٹس ڈالتی آئی ہوں..... مزے مزے کے کمنٹس آئے ہوئے ہوں گے۔" وہ پُرجوش انداز میں بولی۔

"توبہ ہے شنائیہ کتنی سوشل ہو کوئی ایونٹ تو چھوڑ دیا کرو۔" شازمہ گھر کتی پاس ورڈ بتانے لگی اور وہ ان سب کو کمنٹ سنا کر لوٹ پوٹ ہونے لگی۔ اس کی تمام باتوں کو منتاشاہ زر مسکراتی اس کی پشت پر اک سرد نگاہ ڈال کر آگے بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

عیشال جہانگیر کچن میں داخل ہوئی تو صغراں بی مہمانوں کے لیے چائے کے ساتھ لوازمات سے پرٹرالی لیے مہمان خانے کی طرف جانے کو تیار تھی۔ وہ بھی سامنے میں پانی بھر کے برنر جلانے لگی۔ اسی لمحے مخصوص پرفیوم کا احساس ہوا تو اس نے بے ساختہ گردن موڑ کر دیکھا۔ سمہان آفندی کچن کی دہلیز پہ کھڑا اسے دیکھ کر کشمکش و پیچ میں تھا' اندر جائے یا واپس پلٹ جائے۔ اسے دیکھتے ہی وہ جس طرح خونخوار بلی کی طرح اس پر جھپٹنے لگتی تھی اس پہ وہ تھوڑا احتیاط کرنے لگا تھا۔ عیشال جہانگیر اسے دیکھ کر جس طرح لاپروائی سے سر جھٹک کر اپنا کام کرنے لگی اس پہ وہ اندر داخل ہوا۔ ملازماؤں سے خالی کچن دیکھ کر وہ چند ثانیے کھڑا رہا۔

"صغراں بی کہاں ہیں؟"

"معلوم نہیں۔" مختصر پیرائے میں جواب دے کر وہ کیبنٹ کھول کر مگ نکالنے لگی۔

"تمہارا مطمئن انداز ظاہر کررہا ہے کہ تم نے حقیقت کو قبول کرلیا ہے' ویری گڈ۔" اس کی پشت کو دیکھتے بے ساختہ سراہا۔

"ہاں مطمئن ہوں' لگی

"تائی جان تمہیں ڈھونڈ رہی تھیں غالباً نکاح کا ڈریس دلانے کے لیے بازار لے جانا چاہ رہی ہیں۔" اس نے سر جھک کر گوش گزار کیا اس کے نرم لہجے میں کہنے پہ وہ بے ساختہ اس کی سمت پلٹی نگاہوں میں شرارے دوڑنے لگے۔

"ان سے کہو زحمت نہ کریں گانا ہے تو سفید جوڑا (کفن) لے آئیں ہو سکے تو تم ضرور جانا تمہاری چوائس تو ہر معاملے میں اعلیٰ ہے ناں۔" انداز استہزائیہ تھا۔

"کیوں خود اذیتی کا شکار ہو رہی ہو..... کیوں حقیقت کو قبول نہیں کر رہیں..... شاید بہت اچھا ہے وہ....."

"شٹ یور ماؤتھ سمہان آفندی..... ورنہ یہ چھری تمہارے سینے میں اتار دوں گی۔" وہ رسانیت سے گویا تھا لیکن اس کی بات کاٹ کر عیشال جہانگیر جس طرح پھل کاٹنے والی چھری اٹھا کر غرائی اس کے چہرے کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کو ساکت رہ گیا۔

"اپنے کام سے کام رکھو نکاح کی تیاری کرو..... میرے معاملات میں تمہیں کسی بھی قسم کی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے..... جاؤ کراچی سے خاص مہمان آئے ہیں اپنی فطرت کے عین مطابق جا کر سب سے ہنستے مسکراتے بات کرو..... اس سے پہلے کہ میں پھر کوئی غلط فہمی پال لوں میرے معاملات سے دور رہو..... مجھے کم ہمتوں کے مشورے کی بھی ضرورت نہیں۔" غصے میں اس نے مگ سنک میں پٹخا اسی دم صغراں کچن میں داخل ہوئیں۔

"کچھ چاہیے تھا سمہان بیٹا.....؟" وہ چند ثانیے کھڑی ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرتے لگی عیشال کو کچن سے آگے دیکھ کر وہ اسی سے استفسار کرنے لگیں۔

"جی آپ کی ہی تلاش میں آیا تھا میرے لیے جوشاندہ بنا دیں اور ساتھ ہی سر درد کی گولیاں بھجوا دیجیے گا۔" وہ سنبھل کر تقاضا کر گیا جس کے لیے کچن تک آیا تھا۔

"بہتر میں ابھی بنا دیتی ہوں طبیعت زیادہ خراب ہے؟" صغراں بی نے پوچھا۔

"نہیں بس سر درد ہے میں اپنے کمرے میں ہوں وہیں بھجوا دیجیے گا۔" سمہان آفندی کچن سے نکل گیا تو اس کی بدلی آواز اور تھکا ہوا چہرہ عیشال جہانگیر کے دھیان میں آیا..... وہ بیمار کیسے ہو گیا..... ہر گھڑی چاق و چوبند حویلی میں چھلاوا بنا ایک سے دوسرا کام کرتا رہتا تھا۔ حویلی میں شاذ ہی اسے کبھی بیماری کے نام پہ آرام کرتے کسی نے دیکھا ہو۔

☆.....☆.....☆

"کتنی بورنگ ہو تم سب..... کہیں سے لگ رہا ہے چند روز بعد حویلی کے جانشین کے نکاح کی تقریب ہے..... میں رہنے تو نہیں آئی اتنی دور سے۔" لڑکیاں لاؤنج میں براجمان ایل ای ڈی پہ کوئی پروگرام دیکھ رہی تھیں۔ جب کشن پہ بیٹھی شنائیہ چودھری نے انہیں شرم دلاتے ریموٹ پر قبضہ کیا۔

"آپ ہی بتا دیں آپ کی بوریت دور کرنے کو کیا کریں شنائیہ آپی؟" زرش نے دلچسپی لی تب ہی کونے میں مطلوبہ چیز کو دیکھ کر شنائیہ چودھری کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ بے ساختہ اس جانب چل دی۔

"ڈھولکی نکال لی مگر اس پہ موجود گرد صاف کرنے کی کسی کو فرصت نہیں۔" وہ ڈھولکی اٹھا کر لاؤنج کے بیچوں بیچ رکھ کر شو میں سے کئی شو ایک ساتھ نکال کر ڈھولکی کی گرد صاف کرنے لگی۔

"اس فضول ڈرامے کو تو دیکھنا بند کرو تمہارا..... تمہیں کیسے دیکھ لیتی ہو" ٹشو سے سائیڈ پہ رکھی ہوئی

نہیں ڈھولکی بجانا آتی ہے شنائیہ..... باؤ اسٹرونگ۔" ندا کو خوشگوار حیرت ہوئی چھلوں کو ٹائٹ کرتی وہ جس طرح ہاتھ مار کر ڈھولکی کی تال چیک کر رہی تھی اس پہ سب ہی حیران ہوئے۔

"اسکول میں کلوز فرینڈ کی منگنی ہوئی تو اس سے سیکھی تھی۔ اب آجاؤ سارے۔" شنائیہ چودھری ڈھولکی سنبھال چکی تھی، لڑکیاں دفور شوق سے اس کے گرد جم گئیں۔ کونے میں بیٹھی عیشال جہانگیر نے اس کے اشتیاق کو بغور دیکھا یوں لگ رہا تھا اس نکاح کی سب سے زیادہ خوشی شنائیہ چودھری کو ہے۔

"تم بھی تو آؤ مہمان خصوصی۔" شنائیہ چودھری نے عیشال جہانگیر کو بیچ میں آنے کی دعوت دی۔

"میں سنیں سے آپ کے جوہر دیکھ رہی ہوں ماشاء اللہ خاصی مہارت رکھتی ہیں۔" عیشال جہانگیر کے تیز لہجے پہ شنائیہ زیادہ توجہ دے سکی کہ ایک کے بعد ایک گانوں کے بخیے ادھیڑنے لگے تھے۔

ڈھولکی پر تھاپ پڑی تو ارد گرد سے گزرنے والے اشخاص اور ملازمائیں تک دلچسپی سے دیکھنے آئیں اور پھر اس کا حصہ بن گئیں۔ فائزہ، فریال اور دیبا بال میں بیٹھی شاید نکاح کو ڈسکس کر رہی تھیں۔ مرد حضرات بھی فاصلے پہ وہیں براجمان تھے لاؤنج کی طرف سب نے مسکراتی نگاہ ڈالی تھی۔ اس کا جوش و خروش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

تب ہی شاور زر شمعون کا گزر لاؤنج سے ہوا..... گانوں کی آوازیں اس تک بھی آ رہی تھیں اور اب ملاحظہ کر کے اس نے سب کے بیچ بیٹھی ڈھولکی بجاتی اور سُر بکھیرتی شنائیہ چودھری کا انداز ملاحظہ کیا تو محسوس ہوا اس کے نکاح کی سب سے زیادہ وہی خوشی منا رہی تھی۔ اس کی سرد نظریں خود پہ محسوس کر کے شنائیہ ذرا سا ہچکچائی ضرور مگر گانا نہ چھوڑا..... وہ سرد نگاہ ڈالتا ہال میں چلا گیا۔ سمہان آفندی گلابی آنکھوں سے لاؤنج میں داخل ہوا تو وہ سب گانا بھول کر دوسرے گانے کی سلیکشن کر رہی تھیں۔

"کیا ہوا سمہان..... طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں؟" شنائیہ چودھری نے اسے دیکھتے بے تکلفی سے کہا۔ جہاں سمہان آفندی بار بار عیشال جہانگیر کے نوٹس کرانے پہ چونکا وہیں عیشال نے بے حد تیکھی نظر اس پہ ڈالی لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔

"نئی نیند سے جاگا ہوں اور کوئی بات نہیں۔" جب تک کھڑا رہتا عیشال جہانگیر کی نظروں کی چبھن کی زد میں رہتا اس سے بچنے کے لیے وہ تیزی سے ہال کی طرف بڑھ گیا۔

"خیر ہے یہ سارے ہال کی طرف دوڑ کیوں لگا رہے ہیں؟" زرش نے تشویش سے سوال کیا تو سب ہی چونکیں۔ عیشال جہانگیر نے اس خاموشی پہ جہاں شکر ادا کیا وہیں اس کا ہر عضو کان بن گیا تھا۔ نگاہ باریکی سے سب کے حرکات و سکنات کا جائزہ لینے لگی ملازمائیں چوکس ہو چکی تھیں۔

"دی جان اور داجان کے علاوہ سب ہی موجود ہیں اور اب ویرے شاہ اور سمہان بھی وہیں گئے ہیں۔" شاذمہ بیچ کڑی سے کڑی جوڑ رہی تھی۔

"دی جان کو میں نے داجان کے بلاوے پہ ان کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا تھا لیکن اس بات کو بھی کافی دیر ہو چکی ہے دی جان ابھی تک باہر نہیں آئیں جانے کون سے صلاح مشورے ہو رہے ہیں۔" یمنی کے نیوز بریک کرنے

"مطلب.....؟" وہ پھر حیرانی کا اظہار کر گئی تو عیشال جہانگیر کا دل چاہا کہ اس کے منہ پہ ٹیپ لگا دے کم از کم مطلب مطلب کی گردان تو بند ہو۔

اس سے پہلے کہ کوئی اسے آسان لفظوں میں تشریح کر کے بتاتا' چودھری حشمت اور ان کے ساتھ آتی زمرد بیگم کو دیکھ کر سب چپ ہو گئیں۔

"تم سب بھی آ جاؤ بیٹا۔" چودھری حشمت چند قدم آگے بڑھے تو زمرد بیگم نے ان سب کو ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے دیکھ کر ہال میں آنے کی دعوت دی۔

"الٰہی خیر! اب کیا ہوا.....؟" عدا کو بھی تشویش لاحق ہوئی۔ عیشال جہانگیر کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔ دل دھڑکنے لگا۔ ہر گھڑی اعلان کا انتظار کرنے والی اس لمحے کچھ بے کل سی ہو گئی تھی۔ جانے کون سا فیصلہ ہونے جا رہا تھا' کوئی نیا فیصلہ..... یا ان کے فیصلے پہ نظر ثانی؟

☆.....☆.....☆

ہال کا ماحول مکمل سکوت لیے ہوئے تھا سب کے چہروں پہ حیرانگی تھی' سب اس بلاوے کے پس منظر سے ناواقف تھے..... علاوہ شاہ زر شمعون اور عیشال جہانگیر کے..... شاید اس ضمن میں کوئی اعلان ہونے جا رہا تھا..... شاہ زر شمعون کو ٹینس تھا تو عیشال جہانگیر آگے کی پلاننگ میں مصروف کہ اگر فیصلے میں ترمیم نا ہوئی تو اس کا لائحہ عمل کیا ہو گا؟ سمہان آفندی خاموش تھا لیکن حیران نہیں..... اس کے تئیں یہ میٹنگ نکاح کی تقریب کے حوالے سے ایک بیٹھک تھی جس کے لیے اسے خیندے بالخصوص جگا کر اس محفل کا حصہ بننے کی دعوت دی گئی تھی۔

"حویلی میں یوں تو ہمارا فیصلہ حرف آخر سمجھا جاتا ہے اور کوئی اس سے اختلاف نہیں کرتا لیکن اب کے ہم نے جو فیصلہ کیا اس پہ ہمیں اختلاف کا سامنا کرنا پڑا....." چودھری حشمت نے کہا' شاہ زر شمعون بے ساختہ سر جھکا گیا..... سب ششدر رہ گئے۔ عیشال جہانگیر کے دل میں پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔

"اختلاف.....! کس نے کیا.....؟" سب کی نظریں سوال کرنے لگیں' سمہان آفندی کی نگاہ عیشال جہانگیر پہ اٹھیں۔

"کہیں وہ تو....." اس کی سوچیں منجمد ہو گئیں۔ ساری حسیں جاگ اٹھیں' ہر عضو کان بن گیا۔

"اختلاف کرنے والے نے جو توجیہہ دی اس پہ ہم کئی گھنٹے سوچتے رہے اور....." چودھری حشمت کئی ثانیے چپ رہے ماحول میں ایک بے چینی سی طاری ہو گئی۔

"ہم نے شاہ زر شمعون اور عیشال کی منگنی اور پھر نکاح کا اعلان کیا تھا لیکن شاہ نے جب اپنی جان گروی رکھ کر کہا کہ وہ عیشال سے شادی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ عیشال کو ہمیشہ بہن کی نگاہ سے دیکھتا آ رہا ہے تو ہمیں سوچنا پڑا۔" سمہان آفندی چونک کر شاہ زر شمعون کو دیکھنے لگا..... ورنہ تو دونوں کے درمیان ایک عجیب سی دیوار اٹھ گئی تھی' جسے شاید شاہ نے تو محسوس نہیں کیا لیکن سمہان آفندی جیسے دانستہ دوری اختیار کر گیا تھا۔

سب ہی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے' فائزہ اور فیروز نے بیٹے کو دیکھا..... اس نے انہیں بھی لاعلم رکھا تھا اور یہ ہی بالا اختلاف پہنچا دیا تھا۔

"تو جب تک تم لوگ شاہ زر شمعون اور عیشال کا نکاح کینسل کر کے [illegible]" چودھری حشمت

"دیکھا..... میں نے کتنا صحیح سڑیل کا خطاب دیا ہے تمہارے بھائی کو..... داجان نے جس سے نکاح طے کیا اسے بیاہ کے بیٹھا ہے۔" شنائیہ چودھری نے جل کے یمنیٰ چودھری کو ٹہوکا دیا۔

"چپ کرو..... مجھے برا محسوس ہو رہا ہے' کتنی خوشی سے تیاری کر رہے تھے اور اب..... نکاح کینسل..... اوہ نو....." ف بسورنے لگی۔

میشال جہانگیر کے اندر اطمینان پھیل گیا تھا۔ شاہ زر شمعون بھی پُرسکون ہو گیا تھا۔ اسے دکھ تھا کہ چودھری حشمت کے ر میں تکلیف تھی' بھلے وہ اپنا سابقہ فیصلہ ختم کرنے کا اعلان کر چکے تھے لیکن افسردہ بھی تھے اور کسی الجھن کا شکار بھی نظر ے تھے۔

"شادی تو تمام بچوں کی کرنی ہے' بھلے ایک رشتہ نا جڑ سکا' جس کا ہمیں افسوس ہے..... شاہ زر شمعون چونکہ ہمارا بڑا بیٹا اس لیے ہم اس کی ہی شادی پہلے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں..... اسی جمعہ کو شاہ زر شمعون کا نکاح میشال کی بجائے شنائیہ ہوگا آپ سب تیاری کر لیں' وقت کم ہے....."

"ہیں..... اوہ..... ارے..... اچھا....." حیرانی' خوشی' ہنسی سب کے مختلف ری ایکشن ان سب کے چہرے سے ہرا تھے۔ میشال جہانگیر کے لبوں پہ ذومعنی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

سمعان آفندی بھی دلچسپی سے شاہ زر شمعون اور شنائیہ چودھری کو دیکھنے لگا' اس کی جان کتنی جاتی ہے شاہ سے' وہ اچھی ح واقف تھا۔ شنائیہ کا نام سن کر شاہ زر شمعون بھی شاکڈ رہ گیا تھا' آسمان سے گر کر کھجور پہ اٹکنا غالباً اسے ہی کہتے ہیں۔ جو بھی تھا اسے قبول کرنا تھا کہ کسی سے بھی کر دیں شادی کہہ کر اس نے اپنی ضمانت خود ضبط کروائی تھی۔ سب کے کے بے فکری سے سیب کترتی شنائیہ چودھری کے حلق میں سیب کا ٹکڑا پھنس گیا تھا۔

"اور بولو میرے بھائی کو سڑیل..... شنائیہ بھابی....." شازمہ نے اس کی زبردست چٹکی لی تو لڑکیاں سر نیچے کر کے دبی زمیں کھی کھی کرنے لگیں۔

شنائیہ چودھری نے دھندلی آنکھوں سے چودھری بخت کو آگے بڑھ کر خوش دلی سے شاہ زر شمعون کو گلے لگاتے اور دیا اس کی بلائیں لیتے دیکھا تو اسے چکر آنے لگے۔

"سڑیل شاہ زر شمعون کا نکاح میرے ساتھ....." اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا تھا۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شاہ زر شمعون چودھری حشمت سے بات کرتے عیشال جہانگیر سے نکاح سے انکار کر دیتا ہے۔ چودھری حشمت اس کی بات مان جاتے ہیں لیکن فی الحال حویلی میں اس حوالے سے بات نہیں کرتے۔ سمہان آفندی عیشال جہانگیر کو اس کے مقصد میں کامیاب ہونے نہیں دیتا جس پر وہ جھنجلاتی اسے اپنے غصہ کا نشانہ بناتی ہے۔ عیشال چودھری شاہ زر شمعون سے بات کرتی اسے نکاح سے انکار کرنے کا کہتی ہے جس پر شاہ زر شمعون اسے داجان سے بات کرنے اور نکاح سے انکار کی وجہ بتا کر مطمئن کر جاتا ہے۔ منزہ کی طبیعت کی خرابی کے باعث ماورا اسے ڈاکٹر کے پاس چلنے اور رپورٹس دکھانے کی بات کرتی اسے پریشان کر جاتی ہے منزہ اس بات کو ٹال جاتی ہے شنائیہ چودھری بخت اور دیا کے ساتھ عیشال کے نکاح کی تقریب کے لیے حویلی آ جاتی ہے اور عیشال کی مہندی اور ڈھولکی کی باتیں کرتے عیشال کو غصہ دلا جاتی ہے۔ ماورا کو کپڑوں کی الماری سے منزہ کی رپورٹس مل جاتی ہے اور وہ بیماری کا جان کر ششدر رہ جاتی ہے منزہ اب کچھ عرصے کی مہمان تھی یہ بات ماورا کو دکھ سے دوچار کر دیتی ہے۔ منزہ ماورا کو تسلی دیتی انوشا سے یہ بات چھپانے کا کہتی ہے۔ دوسری طرف حویلی میں چودھری حشمت شاہ زر شمعون کی بات پر غور کرتے عین نکاح سے ایک دن پہلے شاہ زر شمعون کا نکاح شنائیہ چودھری سے کرنے کا کہتے سب کو خوش و حیران کر جاتے ہیں شنائیہ اس رشتے پر خوش نہیں ہوتی وہ مدد طلب نظروں سے اپنی ماں (دیا) کو دیکھ کر رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁.....❁.....❁

''سمہان، وقت کم رہ گیا ہے، کل ہی رخصتی (مردان خانہ) میں دعائے خیر کا انتظام کر لو۔'' چودھری حشمت کا رخ سمہان آفندی کی طرف ہوا، جو بے یقینی کا شکار تھا۔ یہ جو کچھ ہوا وہ اتنا غیر متوقع تھا کہ اسے اپنی سماعت پر لمحے بھر کو شک گزرا لیکن اس نے کچھ غلط نہیں سنا تھا۔ عیشال جہانگیر کے چہرے پر پھیلا سکون اور شاہ زر شمعون کے پُرسکون اعصاب نے احساس دلایا کہ بازی پلٹ گئی ہے۔

''آپ فکر نہ کریں داجان..... سب ہو جائے گا۔'' آواز کی بشاشت لوٹ آئی تھی۔ عیشال جہانگیر نے سکون کا سانس لیتے شنائیہ چودھری کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونق انداز پر اسے ہنسی آنے لگی تھی۔

''کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں؟'' جانے کیسے چودھری حشمت کے منہ سے نکلا۔ ان کی نظریں شاہ زر شمعون پر تھیں، وہی تو تھا جس کی باعث فیصلے میں ترمیم ہوئی تھی، کہیں شنائیہ کو بھی بہن بنائے تو نہیں بیٹھا تھا؟ جب وہ سر خم کر گیا تو چودھری حشمت کی نگاہ سب پر گردش کرنے لگی۔ شنائیہ چودھری کا جی چاہا وہ احتجاج کرے مگر آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی تھی۔

گئے۔ دیا کے چہرے پر بھی اطمینان بخش مسکراہٹ سج گئی تو شائیہ کا دل ایک دم سے بے زار ہو گیا تھا جبکہ شاہ زر شمعون انکساری سے مسکرا دیا تھا۔

"ہم نماز پڑھ لیں' اب رات کے کھانے پر ملاقات ہوگی۔" چودھری حشمت اُٹھے تو باقی سب بھی ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے تھے۔

"شہری بہو مبارک ہو بھابی۔" فریال نے دبی آواز میں فائزہ کو ٹہوکا دیتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دیں۔

"فاطمی بتا دو بروُ اب تو نکاح کے انتظامات کر لوں ناں یا مزید کوئی ٹوئسٹ باقی ہے' تمہاری طرف سے؟"

سمہان آفندی نے قریب آ کر چھیڑا تو شاہ زر شمعون کے لیے اس کے دل میں عزت مزید بڑھ گئی تھی۔

"کر لو یار..... آگے کنواں' پیچھے کھائی والا معاملہ ہے..... ایک ہی لائف لائن تھی' جو میں نے یوز کر لی' اب تو بھگتنا ہی ہے بس۔" شاہ زر شمعون نے بھی دلچسپ انداز میں جواب دیا تو سمہان آفندی کھل کے مسکرایا۔ ساری بے زاریت دور ہو گئی تھی۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے عیشال جہانگیر کو دیکھا' تو یہ وجہ تھی اس کے اطمینان کی۔ شاہ زر شمعون نے نظر ثانی کی اپیل دائر کر رکھی تھی اور وہ اس سے واقف تھی۔ اسے پورا یقین تھا اس کی طرف سے مایوس ہو کر وہ اپنا انکار پہنچانے اس کے پاس ضرور گئی ہوگی۔

"شائیہ جی' گرومنگ کی ایکسٹرا کلاسز کی وجہ سے اپنا میک اَپ تو آپ خود ہی کر لیں گی لیکن آپ کو مہندی میں ہی لگاؤں گی۔ پوری حویلی میں' سب سے اچھی مہندی لگاتی ہوں' کیوں بھئی گواہی دو۔" شائیہ چودھری کے فق چہرے کو دیکھتے عیشال جہانگیر کو بہت مزا آ رہا تھا۔ وہ ٹھیک ٹھاک بدلہ لے رہی تھی۔ ماہم' شائیہ کے انداز دیکھ کر بہن کو ٹہوکا دے گئی تو وہ پھیکے سے مسکرا دی۔

"ہاں' عیشال مہندی بہت اچھی لگاتی ہے' اسی سے لگوانا۔" سب نے گواہی دی تو عیشال شرارت بھری نظروں سے شائیہ کو دیکھنے لگی۔

"چلو ڈھولکی بجاتے ہیں۔ شائیہ جی نے کیا رنگ جمایا ہے آ کر..... پھر سے رونق لگاتے ہیں۔" عیشال جہانگیر گن گن کے بدلہ لے رہی تھی۔

"ویسے شائیہ جی' ویرے کو کتنے دنوں میں ہنسنا' بولنا اور مسکرانا سکھا دیں گی....." اس نے قریب آ کر رازدارانہ انداز میں پوچھا اور شائیہ کا دل شدت سے رونے کو چاہا۔

"بس کرو عیشال' بے چاری صدمے میں ہے۔" شازمہ نے بھی ہنسی اُڑائی تو شانے اُچکاتے اس کی نظر سامنے اُٹھ گئی۔ شاہ زر شمعون ہال سے نکل رہا تھا۔ بڑے اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے۔

"ویرے....." وہ تیزی سے اس کے پیچھے آئی اس کی پکار پر شاہ زر شمعون کے قدم رکے تھے۔

"بہت شکریہ ویرے۔" وہ تشکر کے احساس سے گویا ہوئی۔

"خوش رہو۔" اس کے پُرسکون چہرے کی طرف دیکھتے شاہ زر شمعون مسکرا کر دعا دیتے واپس پلٹ گیا تو وہ بھی فرحت بھری سانس لیتے واپس اندر جا کر شائیہ کو چھیڑنے کا ارادہ لیے پلٹی مگر اُچھل کر دو قدم پیچھے ہوئی۔ اس کے عین پیچھے سمہان آفندی آ کھڑا تھا۔ اس کا شک درست نکلا۔ وہ بات کر چکی تھی' تب ہی شکریہ ادا کر رہی تھی۔

اب کچھ بھی ہوجائے..... مرنے کی کوشش نہیں کروں گی۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہنے سے ذرا نا جھجکی۔

"چلو شکر ہے، تمہیں عقل تو آئی۔ یعنی اب میں تم سے پہلے چین کی نیند سو سکوں گا۔ ورنہ تو اس چوکیداری نے خاصا تھکا دیا تھا مجھے اور کوئی حکم میرے لائق....." لب دبائے وہ شریر مسکراہٹ سے گویا ہوا تو وہ رخ موڑ گئی۔

"جی نہیں....." وہ نخوت سے بولی تو سبحان آفندی کو شائستہ کا انداز یاد کر کے ہنسی آنے لگی۔ بے چاری بری پھنسی تھی۔ اس کی ہنسی کو بے عزتی گردان کے وہ پیر پٹختی چلی گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

ماورا یحییٰ بڑی بے چینی سے اپنے سے آگے لائن میں بیٹھی عورتوں کو دیکھ کر پھر سامنے موجود مردوں کی لائن کو دیکھنے لگی۔ دونوں لائنیں خاصی لمبی تھیں، جانے اس کا نمبر کب آتا..... بے چینی سے کلائی میں بندھی گھڑی میں اس نے وقت دیکھا۔ منزہ سے اصرار کر کے وہ رپورٹس لیے ہاسپٹل چلی آئی تھی۔ یہ ایک بڑا پرائیوٹ ہاسپٹل تھا۔ اسی ہاسپٹل میں منزہ کا مرض تشخیص ہوا تھا لیکن اب منزہ نے دوسرے ڈاکٹر کو دکھانے کا سوچا تھا اور اسی سلسلے میں وہ رپورٹس لیے بیٹھی تھی۔ ہاسپٹل میں ایک ہی مرض کے کئی اسپیشلسٹ موجود تھے۔ قسمت آزمانے کے لیے وہ دوسرے ڈاکٹر تک رسائی کر رہی تھی مبادا کوئی امید افزا خبر مل جائے۔ یونیورسٹی سے دو کلاسز لے کر وقتِ مقررہ پر وہ ہاسپٹل چلی آئی تھی لیکن نمبر لینے کے بعد بھی اسے انتظار کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

"یا اللہ! اتنے مرض دیتا ہی کیوں ہے کہ مسیحا بھی تنگ آجائے۔" اتنے بڑے سے ہال میں ہر ڈاکٹر کے مریض اپنی اپنی لائن میں براجمان تھے۔ وقفے وقفے سے ناموں کی پکار ہوتی تو مریض اپنی باری پر خوش ہوتے بیماری سے عاجز آئے اُٹھ کھڑے ہوتے۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے، اتنی ینگ تو ہو۔" ساتھ بیٹھی آنٹی نے انتظار کی صعوبتوں کو دور کرنے کے لیے گفتگو کا آغاز کرنا چاہا۔ اس سے پہلے وہ اپنے سامنے والی سے محوِ گفتگو تھیں۔ وہ اپنی باری آنے پر ڈاکٹر کے کمرے میں جا چکی تھی اس لیے وہ اب ماورا سے مخاطب تھیں۔

"والدہ کی رپورٹس چیک کروانے آئی ہوں۔" اس نے کہا۔

"رپورٹس چیک کروانے کے لیے بھی لمبا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ کیا ہوا تمہاری اماں کو؟" خاتون کو جہاں یہ جان کر سکون ہوا کہ اسے کوئی مرض نہیں، وہ سوال کر گئیں۔

"بلڈ کینسر۔" اس نے بے حد دکھ سے کہا۔ اس موذی مرض کا نام لیتے ہی اس کی نظر میں اپنی کمزور و نحیف ماں کا چہرہ آ گیا تھا۔

"اوہ..... اللہ شفا دے، اس موذی مرض سے، ڈاکٹر جنید اس مرض کے اچھے ڈاکٹر ہیں، جن سے تم ملو گی لیکن اس ہاسپٹل میں اس مرض کے سب سے قابل ڈاکٹر چودھری بخت ہیں۔ اپنی والدہ کو انہیں دکھاؤ۔" آنٹی نے اس کے علم میں اضافہ کیا تو وہ مزید معلومات لینے کی غرض سے ان کی طرف گھوم گئی۔

"چودھری بخت کا روم کون سا ہے اور ٹائمنگ؟"

بہت شکریہ میں پتا کرلوں گی۔" وہ شکر ہوئی سائی کے اندر سے خاتون کی آواز نے ساتھ ہی کام بتا دیا تو وہ اُٹھ کر چلی گئیں۔

اللہ اللہ کر کے مادرا یحییٰ کے نام کی پکار ہوئی تو وہ شکر کا سانس لیتی' دھڑکتے دل سے ڈاکٹر کے روم میں داخل ہوئی۔ دل ہی دل میں بہتری کی دعا کر رہی تھی۔

ڈاکٹر نے کیس ہسٹری سننے کے ساتھ رپورٹس بغور دیکھیں اور ان کے چہرے پر کوئی امید افزا لہر نہیں تھی۔ مادرا آس اور امید سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ڈاکٹر خرم ہمارے بہت قابل ڈاکٹر ہیں' جنہوں نے یہ ٹیسٹ کروائے۔ رپورٹس کے مطابق تو میں کوئی امید افزا خبر آپ کو نہیں دے سکتا۔ بہر کیف زندگی و موت تو اللہ کے اختیار میں ہے..... آپ یہ رپورٹس ہمارے سینئر ڈاکٹر چودھری بخت کو دکھائیں..... ممکن ہو ان کا تجربہ آپ کی والدہ کی زندگی بچانے میں کام آجائے۔" ڈاکٹر جنید بڑی اعلیٰ ظرفی سے اپنے سینئر ڈاکٹر کی بڑائی تسلیم کرتے مشورہ دینے لگے تو مادرا یحییٰ چونک گئی۔ باہر بیٹھی آنٹی نے بھی یہی نام لیا تھا اور ڈاکٹر بھی ان کی مدح سرائی کر رہے تھے۔

"ڈاکٹر بخت ملیں گے اس وقت؟" ڈاکٹر کی باتوں کی روشنی میں مادرا کو خوشی تو نہیں ہوئی لیکن وہ چودھری بخت سے مل کر تسلی کر لینا چاہتی تھی۔ اب تو یونیورسٹی کا ٹائم بھی ختم ہو گیا تھا۔ بھلے اسے شام تک یہیں بیٹھنا پڑتا وہ ماں کے لیے انتظار بھی کر سکتی تھی۔

"چودھری بخت ان دنوں چھٹیوں پر اپنے گاؤں گئے ہوئے ہیں۔ ان کے آنے پر ہی آپ ان سے مل سکیں گی۔ اپنی والدہ کو بھی چیک اَپ کے لیے لے آئیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔" چھٹی کا سن کر اس کا چہرہ ایک دم بجھ گیا۔ اس کے پاس وقت نہیں تھا اور ڈاکٹر کی غیر موجودگی آڑے آ رہی تھی۔

"کب تک آئیں گے ڈاکٹر بخت؟" انتظار کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

"آپ ریسپشنسٹ سے معلومات لے لیجیے۔ میرے علم میں نہیں۔" ڈاکٹر نے کہنے کے ساتھ گھنٹی بجا کر نیکسٹ پیشنٹ بھیجنے کا عندیہ دیا تو مادرا یحییٰ رپورٹس سنبھال کر نکلنے لگی۔

ایشان جاہ اور اس کا گروپ اسی دم ہاسپٹل میں داخل ہوا تھا۔ عزیر کے چچا ہاسپٹلائز تھے۔ وہ ان سے ملنے آیا تو سب ہی ساتھ آ گئے تھے۔

"اوئے' یہ اپنی مادرا یحییٰ ہی ہے ناں؟" سعید نے ٹہوکا دیتے تیز آواز سے کہا تو سب ہی اس کی نشاندہی پر ریسپشن کی طرف دیکھنے لگے۔

"اپنی.....؟" انشراح نے گھورا تو وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

"کلاس بنک کر کے یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟" عذیر بھی تشویش میں مبتلا ہوا۔ ایشان جاہ کی نظر بھی اس پر پڑ چکی تھی۔ دو کلاس کے بعد وہ سارا دن نظر نہیں آئی تو ایک تشویش ضرور ہوئی تھی مگر اسے یہاں دیکھ کر وہ بھی کسی قدر حیران ہوا تھا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ڈاکٹر صاحب جلد لوٹ آئیں..... انہیں ایمرجنسی کی کال کی جائے تو.....؟" قریب سے گزرتے وہ دانستہ قدموں کی رفتار سست کر چکا تھا۔ مادرا یحییٰ کا بے قراری سے کیا سوال اسے حیران کر گیا تھا۔

تو وہ دُکھی دل سے کارڈ اُٹھا کر پلٹی۔ اس کی نظر بھی ایشان جاہ کے گروپ پر پڑی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تحیر کا رنگ جھلکا لیکن اگلے ہی لمحے وہ سر جھٹک کر خارجی راستے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

ایشان جاہ نے کارڈ سنبھال کر پرس میں رکھتے اسے دیکھ لیا تھا۔ بیگ اور ہاتھ میں موجود کتابیں ظاہر کر رہی تھیں وہ یونیورسٹی سے ڈائریکٹ آئی تھی۔

چودھری بخت اور دیا اسی ہاسپٹل میں ہوتی تھیں' جانے وہ کس ڈاکٹر کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ معلوم ہوتا تو شاید وہ کوئی فیور دے دیتا۔ وہ ریسپشن سے جا کر کنفرم کرنا چاہ رہا تھا مگر وہ سب سنتے تو جان کو آ جاتے..... سو وہ خاموشی سے نذیر کے چچا سے ملنے چلا گیا لیکن ان سب کو وہیں چھوڑ کر جانے سے پہلے وہ ریسپشن پر ضرور آیا تھا لیکن وہ مادرا یحییٰ کے حوالے سے معلومات حاصل کرنے میں ناکام ٹھہرا تھا۔

❁.....❁.....❁

حقیقتاً شائیہ چودھری کے حواس سلب ہو گئے تھے۔ سب کے درمیان وہ جس طرح ضبط کیے بیٹھی تھی' اس کا دل ہی جانتا تھا۔ پھر وہ زیادہ دیر ان سب کے درمیان بیٹھ نہیں سکی' حویلی میں اپنے اور ماہم کے مخصوص کمرے میں آ کر بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ شاہ زر شمعون وہ بدتمیز اور اکڑو' جس سے بات کرتے بھی اس کی جان جاتی تھی' چودھری حشمت نے اس سے نکاح طے کر دیا تھا' جس کی پابند نا ہوتے ہوئے بھی وہ کئی ہفتوں سے میلوں دُور اپنے شہر میں پابند بیٹھی تھی۔ اس سے بڑھ کر تو اس کی ساری آزادی ہی سلب ہو جانی تھی اور پھر حویلی میں مستقل رہنا..... مٹی' گرد و غبار کی آلودہ فضا میں سانس لینا' اسے سوچتے ہی جھرجھری آ گئی تھی۔

''مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے' میرے کمرے میں آئیں۔'' کچھ دیر بعد اس نے دیا کو میسج کیا۔ یہ اس کا اپنا گھر تو تھا نہیں جو وہ انہیں سب کے بیچ سے اُٹھا کر اکیلے میں بات کر لیتی یا کسی ملازم کے ہاتھ پیغام بھیج کر بلا لیتی..... اپنا گھر ہوتا تو وہ کہیں بھی بات کا آغاز کر سکتی تھی مگر حویلی میں اور بھی عورتیں تھیں جن کے سامنے وہ بات نہیں کر سکتی تھی۔

''صبر کرو' آتی ہوں۔'' دیا کو بھی اس کی ذہنی حالت کا اندازہ تھا لیکن وہ سب کے درمیان سے اُٹھ کر ایک دم سے جانا اچھا خیال نہیں کر رہی تھیں۔ فائزہ اور فریال ان سے شاپنگ کے متعلق باتیں کر رہی تھیں۔

''میری جان پر بنی ہے اور کسی کو پروا ہی نہیں۔'' خود ترسی میں گھرتی وہ روہانسی ہوئی۔ اسی وقت دیا اندر داخل ہوئیں اور وہ اکیلی نہیں تھیں' دانائی کا مظاہرہ کرتی وہ چودھری بخت کو بھی ساتھ لے آئی تھیں۔ انہیں شائیہ چودھری کی بے چینی کی وجہ سمجھ آ گئی تھی۔ وہ ان کے اعتراضات بھی جانتی تھیں' شاید وہ اسے قائل نا کر سکیں' تب ہی بہانے سے چودھری بخت کو بھی ساتھ لے آئی تھیں۔ دیا کو دیکھ کر وہ بے چینی سے ان کی طرف لپکی مگر چودھری بخت کو دیکھ کر کسی قدر سنبھل گئی۔

''کیوں پریشان ہو..... بیٹھ جاؤ سکون سے۔'' دیا نے صوفے پر بیٹھنے کے ساتھ اسے بھی پکڑ کے بٹھا لیا تو چودھری بخت بھی سامنے صوفے پر براجمان ہو گئے۔

''اس اچانک فیصلے کو سن کے میری بیٹی پریشان ہو گئی ہے۔ آئے تو ہم یہاں نکاح کی تقریب اٹینڈ کرنے تھے

لفظوں میں ان تک پہنچائے۔

"پپا..... میں یہ نکاح نہیں کرنا چاہتی....." اس نے جھجکتے ہوئے کہا تو چودھری بخت کے ماتھے پر لکیریں ابھر آئیں۔

"لیکن کیوں.....؟"

"آپ لوگ جانتے ہیں' مجھے گاؤں کی زندگی سے کتنی اُلجھن ہوتی ہے..... یہاں کی آب وہوا..... ماحول..... سہولتیں..... میں کن کن چیزوں پر کمپرومائز کروں گی؟" دیا لمبی سانس بھر کے رہ گئیں' وہی اعتراضات جوان کے علم میں تھیں۔

"یہ اعتراضات تو بے بنیاد ہیں میری نظر میں..... یہ تو ہمارے اپنے ہیں۔ ہمیں تردد کی بھی ضرورت نہیں تمہیں یہاں بیاہتے ہوئے' ورنہ ایسی ٹیلنٹڈ لڑکیاں بھی ہیں جو شہری علاقوں سے گاؤں میں' اجنبیوں کے گھر بیاہی جاتی ہیں اور پھر سسرال کا ماحول' رہن سہن تو ہر جگہ کا الگ ہوتا ہے' خواہ شہر میں سسرال ہو یا گاؤں میں۔ تمہارے لیے تو پلس پوائنٹ یہ ہے کہ یہاں تمہارے اپنے ہیں۔ تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" اس کے سارے مفروضوں کو چودھری بخت اپنائیت کے لبادے میں لپیٹ کر نفی کرنے لگے تو شنائیہ چودھری کو گھبراہٹ ہونے لگی۔

"لیکن پپا کچھ تو مزاج کے حساب سے ہو..... میرے لیے ایڈجسٹ کرنا مشکل ہے..... میں نہیں کرسکوں گی۔ ان وجوہات کے علاوہ لائف پارٹنر کا ہم مزاج ہونا' انڈراسٹینڈنگ کا ہونا ضروری ہے..... مجھے نہیں لگتا میں ایک حاکم مزاج مرد کے ساتھ خوش رہ سکوں گی۔" اب کے وہ دل کڑا کر کے بول گئی تو پہلی بار چودھری بخت نا صرف چونکے بلکہ ان کے چہرے سے غصہ بھی جھلکنے لگا۔ انہوں نے ایک خاموش نظر دیا پر ڈالی اور وہ ان شکایتی نظروں کا مفہوم جان کر کچھ شرمندہ سی ہوگئیں۔

"لڑکیوں کو ہر جگہ اور ہر حال میں ایڈجسٹ کرنے کی عادت ہونی چاہیے' رہی بات حاکم مزاج کی تو مرد حاکم ہی اچھا لگتا ہے۔ شاہ زر شمعون میں بے انتہا خوبیاں ہیں' مرد کی غیور طبیعت کی تمہیں ابھی سمجھ نہیں آئے گی' یہ اس کی شان ہوتی ہے اور شاید شہری فضا میں رہنے کے باعث ہماری دی ہوئی آزادی کے باعث ہی آج تم اعتراض اُٹھا رہی ہو۔ بابا جان شاید صحیح کہتے تھے کہ بچیوں کو حویلی کے رنگ میں پروان چڑھاؤ..... تمہارے خیالات جان کر مجھے حقیقتاً دکھ ہوا ہے شنائیہ..... میں نے کبھی بیٹا نا ہونے کا غم نہیں کیا..... میرے لیے تم اور ماہم بیٹے سے کم نہیں ہو لیکن آج..... شاہ زر شمعون مرد ہو کر بابا جان کے فیصلے پر چوں نا کر سکا اور تم اعتراض کر رہی ہو۔" چودھری بخت کو شنائیہ چودھری سے ایسی بے وقوفانہ اعتراض کی بالکل اُمید نہیں تھی۔ انہیں خاصا ناگوار گزرا تھا جس کا انہوں نے دُکھ کے ساتھ برملا اظہار بھی کیا۔

"پپا میں آپ کو ہرٹ کرنا نہیں چاہتی لیکن....." اس نے مذید کچھ کہنا چاہا مگر چودھری بخت ہاتھ اُٹھا کر اسے خاموش کرا گئے۔

"دیا..... اسے سمجھانا تمہاری ذمہ داری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ بات یہیں ختم ہو جائے ورنہ اپنوں کے آگے بیٹی کے ہاتھ شرمندہ ہونا میرے لیے مرنے کے برابر ہوگا۔" چودھری بخت سرد لہجے میں کہتے ہوئے چلے گئے

زرشمعون ان کی باتیں سن کر کھڑا رہنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ شائیہ چودھری اس سے رشتہ جوڑنا نہیں چاہتی تھی' یہ احساس ہی اسے سلگا گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

''انشراح اور ایشان نہیں لوٹے ابھی تک.....؟'' اشائکش کپڑوں میں طرح داری شاہ تک سک سے تیار صبا کے روبرو براجمان تھیں۔ شاہ' صبا کی چھوٹی بہن تھیں لیکن خود کو سینت سینت کر رکھنے میں وہ صبا سے بھی چار ہاتھ آگے تھیں۔ تب ہی سال' دو سال کا فرق دیکھنے والے کو دس سال کے برابر ظاہر کرتا تھا۔ وہ کہیں سے بھی انشراح کی ماں نہیں لگتی تھیں۔ سب انہیں بڑی بہن ہی سمجھتے تھے اور جب کوئی اس حیرت کا اظہار کرتا تو وہ مزید اپنا خیال رکھ کر اس فرق کا بھرم رکھنے میں جت جاتی تھیں۔

''میں نے ایشان کو کال کی تھی کہہ رہا تھا دوست کے انکل کو دیکھنے ہاسپٹل گیا ہے..... میں نے کہہ دیا ہے انشراح کو تمہاری طرف ڈراپ نا کرے' یہیں لے آئے کہ تم یہیں ہو۔ دیر تو یہ لوگ واقعی کر رہے ہیں' تمہیں بھوک لگ رہی ہو تو کھانا لگوا دوں؟ جانے یہ لوگ مزید کتنی دیر لگائیں؟''

''آپا..... انتظار کر لیتے ہیں۔ دونوں آنے والے ہوں گے۔'' شاہ نے انکار کر دیا۔

''دیکھ لو' یا ہو دونوں باہر سے کھا کر آئیں اور ہم انتظار ہی کرتی رہ جائیں۔'' صبا نے مسکراتے ہوئے کہا تو شاہ بھی مسکرا دی۔

''ہاں یہ بھی ممکن ہے۔ ویسے آپا جب بھی دونوں کو ساتھ دیکھتی ہوں مجھے بڑا سکون ملتا ہے۔ ایشان ساتھ ہوتا ہے تو مجھے انشراح کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ آپ جہانگیر بھائی سے بات کر کے ذرا منگنی کی تاریخ تو طے کر لیں۔ کم از کم بچے انگیج تو ہو جائیں۔'' شاہ نے پسندیدگی کا اظہار کرتے دلی خواہش کا اظہار بھی کر دیا تو صبا بھی سر ہلانے لگیں۔

''ہاں' میں بھی یہی سوچ رہی ہوں بچوں کو انگیج کر دیا جائے۔ اب خود اس خیال کو عملی جامہ پہناؤں گی۔ بس نکاح کی تقریب سے لوٹ آؤں' کرتی ہوں جہانگیر اور ایشان سے بات۔'' صبا نے ہامی بھری تو شاہ مطمئن ہو گئیں کہ عرصہ سے دونوں بہنوں نے نسبت طے کر رکھی تھی اپنے تئیں۔

''نیشال اور شاہ زرشمعون کا نکاح ہو رہا ہے ناں؟'' شاہ نے کنفرم کرنا چاہا۔ کچھ دنوں پہلے صبا نے گاؤں جانے کے متعلق بتانے پر یہ اطلاع دی تھی۔ صبا کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

''نہیں' وہ تو کینسل ہو گیا' شاہ زرشمعون نیشال کو بہن سمجھتا ہے اس لیے نکاح کینسل کر دیا گیا۔ اب اس ڈائن کی بیٹی کا نکاح ہو جاتا تو اچھا تھا لیکن یہ بھی اچھا ہے کہ بابا جان اسے خاندان سے باہر پھینک دیں۔ حویلی میں اس کا سایہ نا ملے۔ شاہ سے نسبت کے بعد وہ ساری زندگی حویلی میں ہی رہتی۔ اچھا ہی ہوا جو ہوا۔'' صبا نفرت سے گویا تھیں۔

''آپ کو کس بات کی فکر ہے' جہانگیر بھائی کون سا اسے اہمیت دیتے ہوں گے۔'' شاہ کا لہجہ بھی کم و بیش بہن کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔

''جہانگیر خود بھی حویلی جانا پسند نہیں کرتے اور میری بھی کوشش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ دن حویلی میں قیام نا کریں'

ہی تو آپ کو چھوڑ کر کہیں جاتے نہیں۔" ثناء نے چھیڑتے ہوئے کہا تو صبا باتوں کو بھلتی نئی نویلی دلہن کی طرح شرمانے لگیں۔

❁.....❁.....❁

"کرلی تسلی.....؟ لاؤ رپورٹس دو۔ انوشیا نے دیکھ لیا تو مشکل ہو جائے گی' کچھ بعید نہیں شادی نہ کرنے کا شور مچا دے..... آج کال آئی تھی' یسریٰ بہن (انوشا کی ساس) کی کہہ رہی تھیں ایک دو دن میں تاریخ رکھنے آئیں گے وہ لوگ۔" وہ گھر میں داخل ہوئی تو اس کے مرجھائے چہرے کو دیکھتے ہی منزہ بھانپ گئیں..... توقع کے عین مطابق ناکامی ہی ہوئی تھی۔ اس کا دھیان بٹانے کے لیے منزہ نے انوشا کی سسرالیوں کا تذکرہ کیا۔ اس کے باوجود اس کے وجود میں ہلچل نہ ہوئی۔

"رپورٹس دو' میں انہیں جلا دیتی ہوں..... یہ خیال پہلے آتا تو تم بھی اس حقیقت سے لاعلم رہتیں۔" منزہ کو افسوس ہوا کہ یہ خیال انہیں پہلے کیوں نہ آیا۔ انہوں نے مادرا یحییٰ کے بیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ اپنا بیگ پیچھے کر گئی۔

"نہیں اماں' میرے پاس رہنے دیں..... میں اسے سنبھال کے رکھ لوں گی۔ انوشا کی نظر بھی نہیں پڑے گی۔" رپورٹس دینے سے معذوری ظاہر کرتے اس نے رکھوالی کی بھی ذمہ داری لے لی۔

"اسے تعویذ بنا کر رکھنے سے کون سا ثواب ملنا ہے۔" منزہ کو چڑیں۔

"ابھی اس کی بہت ضرورت پڑے گی..... میں پتا کر کے آئی ہوں..... چودھری بخت اس مرض کے بہت قابل ڈاکٹر ہیں' لیکن وہ آج کل چھٹیوں پر اپنے گاؤں گئے ہوئے ہیں' وہ جیسے ہی آئیں گے میں آپ کو ان کے پاس لے کر جاؤں گی۔ ایسے میں پرانی رپورٹس کا ہونا بہت ضروری ہے۔" منزہ اپنے تئیں علاج کا باب بند کر گئی تھیں۔ مادرا یحییٰ کے لبوں سے نکلتے لفظوں نے انہیں کئی ثانیے کے لیے ساکت کر دیا تھا۔

"ڈاکٹر چودھری بخت..... گاؤں....." لب پھڑ پھڑا کے رہ گئے۔

"ڈاکٹر زنیک تعریف کر رہے تھے چودھری بخت کی..... پھر ایک آنٹی نے بھی گواہی دی کہ بہت شفاء ہے ان کے ہاتھوں میں..... ان شاء اللہ آپ کو بھی شفاء ملے گی ان کے ہاتھوں۔" چودھری بخت کی جلدی واپسی کی دعا کرتی وہ پُر امید تھی۔ خود کو کئی بار ریمائنڈ کروا چکی تھی روز ہاسپٹل کال کر کے ان کی واپسی کے متعلق کنفرم کرنا ہے۔

"ہم لینڈ لارڈ گھرانے سے نہیں ہیں مادرا' جو علاج کے نام پہ روپیہ پانی کی طرح بہائیں..... جانتی بھی ہو اس مرض کا علاج کتنا مہنگا ہے۔ جب لاسٹ اسٹیج ڈکلیئر ہے تو لکیر پیٹنے سے فائدہ؟ کوئی ڈاکٹر میری موت کا دن بدل نہیں سکتا۔ بھلے سے کتنا ہی قابل اور تجربہ کار ہو..... میں کسی بھی قیمت میں کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤں گی۔" منزہ نے قطعیت سے کہا تو مادرا یحییٰ ان کی پھولتی سانس کو دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ ان کے ایک دم سے بھڑکنے کی وجہ اسے سمجھ نہیں آئی تھی اور وہ اس کی کسی نہ کسی بات پر ناراض ہو جاتی تھیں۔

اس وقت بھی غصے کا تاثر دیتی منہ موڑ گئیں تو مادرا یحییٰ کو ان پر ترس آنے لگا۔ یقیناً اتنی خوفناک حقیقت نے انہیں چڑچڑا کر دیا تھا۔ وہ چھوٹے بچوں کی طرح ذرا ذرا سی باتوں پر غصہ ہونے لگی تھیں۔ مادرا اپنی سی سوچ پر انہیں منانے کی سعی کر رہی تھی' اس بات سے قطع نظر کہ وہ جانے انجانے میں ان کے سامنے ماضی کی راکھ اٹھا کر لے آئی تھی۔

چودھری بخت کی ایک جھلک انہیں بھولی نہیں تھی۔ ان کا سامنا کرنا..... انہیں اپنی بیماری سے آگاہ کرنا انہیں مرنا پسند تھا مگر ان کے سامنے مجبور و لاچار بن کے جانا نامنظور تھا۔

❁.....❁.....❁

شام کی چائے کے ساتھ سب ہال میں جمع ہو گئے تھے۔ نکاح کا تذکرہ زوروں پر تھا۔ چودھری بخت کی جھاڑ کے بعد دیا سے بھی کافی سخت سست سننے کو ملا تھا۔ اس نکاح کی افادیت اور شاہ زر شمعون کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے دیا کتنی ہی بار اس کی کم عقلی پر ماتم کناں ہو چکی تھیں۔ جب جھنجلا گئیں تو اسے سمجھانے کا کام ماہم کے سپرد کر کے کمرے سے نکل گئیں..... ماہم کی ہر بات بھی بے سود گئی تھی۔ دیا اور چودھری بخت کی تربیت کا اتنا اثر تو تھا کہ وہ کبھی انکار نہیں کر سکتی تھی۔ ماہم نے خوش نظر آنے کا کہا تو وہ جل کے سنا گئی۔

"باہر سب تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں' حلیہ ٹھیک کر کے ہنستے مسکراتے آؤ' ذرا جو کسی کو شک ہوا کہ تم بے دلی سے مانی ہو' میرا مرا منہ دیکھو گی۔" دیا کا میسج سیل فون پر موصول ہوا تو وہ سر پر ہاتھ رکھ کے رونی صورت بنا گئی۔

"ساری زندگی آزادی دے کر آخر میں یوں بے زبان جانور کی طرح کھونٹے سے ہی باندھنا تھا تو آزادی کیوں دی؟" وہ ماہم کے سامنے گلہ کرنے سے نہ چوکی۔

"تم پاگل ہو آپی..... فضول میں خود بھی ٹینشن لے رہی ہو اور مما' پپا کو بھی دے رہی ہو..... ویرے شاہ' بہت اچھے ہیں۔" ماہم بھی تعریف کر گئی تو وہ منہ بسور گئی۔

دیا کے حکم پر پہنچ کر کے مسکراہٹ سجا کے آئی تو ہال میں خالصتاً عورتوں کی محفل جمی ہوئی تھی۔ لڑکیاں ڈھولکی لیے رونق لگائے بیٹھی تھیں۔ فریال' فائزہ اور دیا سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ ان کے سامنے زیورات کے ڈبے کھلے ہوئے' کپڑے پھیلے ہوئے تھے۔ زمرد بیگم بھی بہوؤں کے ساتھ آ بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھ کر لڑکیوں نے پاس بلا لیا مگر فائزہ کے اشارہ کرنے پر وہ ان کے پاس چلی آئی۔

"دیکھو تو ذرا..... یہ کنگن تمہیں آ بھی رہے ہیں یا نہیں۔" قریب آنے پر فائزہ نے جھٹ اس کے ہاتھ تھام کر گولڈ کے بیش قیمت کنگن پہنا دیے کوئی اور وقت ہوتا تو وہ کنگن کی خوب صورتی پر بچھ جاتی مگر اس وقت مصنوعی مسکراہٹ ہی سجا سکی۔

اسی گھڑی شاہ زر شمعون ہال میں داخل ہوا۔ اس کی نظر بے ساختہ شائستہ چودھری پر اٹھیں۔ پنک سوٹ میں ہم رنگ دوپٹہ شانوں پر پھیلائے کالے گھنے بالوں کو ڈھیلے ڈھالے انداز میں کلپ سے جکڑے وہ خود بھی پنک پنک سی ہو رہی تھی۔

"خالصتاً زنانہ محفل میں مخل ہونے پر معذرت چاہتا ہوں۔" اس کی آواز پر شائستہ چودھری کی نظریں کنگن پر جم گئی تھیں۔

"یہاں کون سا کوئی غیر عورتیں ہیں بیٹا۔" دیا نے مسکرا کر اس کی خفت دور کرنا چاہی..... بلیک شلوار سوٹ میں وہ بلا کا وجیہہ لگ رہا تھا۔ انہوں نے ایک نظر شاہ زر شمعون اور دوسری اپنی ناعاقبت اندیش بیٹی پر ڈالی' جس کا منہ تھوڑا پھولا ہوا تھا..... بھلے ان کی نظروں کی تپش پر وہ بار بار مسکرا رہی تھی۔

سب مراد نے ضبط کی تو کس میں اس کے چہرے کی سرخی بڑھ گئی۔ خیر دانستہ نگاہ شناسا یہ چودھری پر اٹھ گئیں..... جس کی نظریں کنگن پر ہی تھیں۔

"کوشش کروں گا حکم بجالاؤں چچی جان لیکن برسوں کی عادت لمحوں میں تو نہیں جاسکے گی۔" وہ بھی جواباً جملہ داغ گیا تو سب کو کسی قدر حیرت ہوئی۔

"اوہو تبدیلی....." فریال ہی چھیڑ گئیں تو وہ لب دبا کر مسکرا دیا۔ جلدی سے مطلب کی بات پر آیا ورنہ فریال اصل کام بھلا دیتیں۔

"چچی جان' سمہان کے کمرے سے کچھ ضروری کاغذات لینے ہیں۔ وہ حویلی میں ہے نہیں..... اسے کال کرنے کی کئی بار کوشش کی مگر شاید سگنل ایشو ہے' نیٹ ورک نہیں مل رہا۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس کے کمرے سے کاغذات لے لوں؟" وہ بہت ادب سے سوال کر رہا تھا۔ دیا تو اس تمیز اور انداز پر نہال ہی ہو گئیں۔

"کیسی بات کر رہے ہو شاہ..... تمہارے بھائی کا کمرہ ہے' بلا اجازت جاسکتے ہو..... اس میں مجھ سے یا سمہان سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔" فریال نے حیرت کے ساتھ مان بھرے انداز سے کہا تو وہ سر ہلا گیا۔

جیشال بظاہر ان سب کا ساتھ ڈھولکی بجانے میں دے رہی تھی' بظاہر وہ اس سے ناراض تھی مگر نظریں اسے ہی ڈھونڈ رہی تھیں جو کافی دیر سے نظر نہیں آرہا تھا۔ طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی اس کی اور اب حویلی میں نہیں ہے' سن کر اس کا منہ بن گیا۔

"کون سے خزانے دفن ہیں' حویلی سے باہر جو یہ شخص حویلی سے باہر بھاگتا ہے۔" وہ جل ہی تو گئی..... پھر اس کا دل وہاں نہ لگا تو وہ اُٹھ گئی۔

فریال کی اجازت کے بعد وہ سمہان آفندی کے خواب گاہ میں داخل ہوا۔ سمہان آفندی سے بات ہو جاتی تو وہ آسانی سے پیپرز کے متعلق پوچھ لیتا لیکن نیٹ ورک کی وجہ سے پرائے سیکنڈز کے کام میں گھنٹوں لگنے تھے۔ اس کے کمرے کی ایک ایک دراز چیک کرنے کے بعد وہ ریک کی طرف آیا۔ دُنیا جہاں کی کتابوں کے ذخیرے اس نے جمع کر رکھے تھے۔ وہ کتابوں سے نیچے بنے دراز کھنگال رہا تھا۔ مختلف فائلز کی ورق گردانی کرتے بالآخر اسے مطلوبہ فائل مل ہی گئی تو شکر کا سانس لیتے' باقی ساری چیزوں کو سلیقے سے رکھتے وہ لمحہ بھر کو چونکا۔ اسے اپنی نظر پر دھوکے کا گمان ہونے لگا اور اسی شک کو دُور کرنے اس نے دراز سے وہ چیز نکال لی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ حیرت تھی۔

❁.....❁.....❁

کچھ چہرے یادوں پر اتنے اَنمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں کہ سالوں کی پڑی گرد بھی بس ایک پھونک کی منتظر ہوتی ہے اور سب کچھ پہلے کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ چودھری جہانگیر ریوالونگ چیئر پر جھولتے ماضی کی بھول بھلیوں میں گم تھے۔ اسی اثناء میں ان کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ اپنی تنہائی میں مخل ہونے والے اس فون کو انہوں نے ناگواری سے گھورا۔ اس وقت وہ کسی سے بھی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ بجتے ہوئے سیل فون نے سارا سحر توڑ دیا تھا۔ ناگواری سے فون اٹھا کر چیک کیا۔ چودھری حشمت کا نمبر دیکھ کر فوراً ہی کال پک کی۔

"السلام علیکم بابا جان۔" خود کو پوشیدہ رکھنے میں انہیں کمال حاصل تھا۔ وہ معمول کے لب و لہجے میں گویا

ہونے کی خبر سن کر تم آنے کا ارادہ ہی ملتوی کر دو۔" چودھری حشمت نے خدشہ ظاہر کیا اور جب چودھری جہانگیر نے بولنا شروع کیا تو ان کے خدشوں کی تصدیق ہو گئی۔

"بابا جان عیشال کا نکاح کینسل ہونے کا سن کر میں پہلے ہی آپ سیٹ ہوں۔ میں صرف خانہ پُری کی نیت سے آ رہا تھا لیکن جب نکاح نہیں ہو رہا تو کیا میرا آنا ضروری ہے؟" وہ ناگواری کا اظہار کر گئے۔ عیشال کا نکاح شاہ زر شمعون سے نہیں ہو رہا۔ چودھری حشمت نے صبح ہی انہیں یہ مژدہ سنایا تھا جسے سن کر وہ سخت بدمزا ہو گئے تھے۔

"کیسی بات کر رہے ہو جہانگیر..... ہم تمہیں اس فیصلے میں ترمیم کی توجیہ بھی بتا چکے ہیں اسی باعث شاہ کا نکاح شائیہ سے ہونے جا رہا ہے۔ تمہارے دونوں بڑے بھائیوں کی اولاد کا رشتہ ہونے جا رہا ہے۔ مانا فیروز گاؤں میں ہوتا ہے لیکن بخت سے تو تمہارا شہر میں بھی واسطہ رہتا ہے۔ بھائیوں کی ہی خاطر آ جاؤ..... حویلی کی پہلی خوشی ہے۔" چودھری حشمت نے ناگواری کا اظہار کیا تو وہ کئی ثانیے چپ رہے۔

"جی میں کوشش کرتا ہوں لیکن بابا جان آپ جلد سے جلد عیشال کا رشتہ پہلی فرصت میں طے کریں اور میری ریکویسٹ ہے آپ سے کہ اس کے لیے لڑکا باہر ہی دیکھیں..... اس کے رنگ، ڈھنگ حویلی کے لیے مناسب نہیں....." ہامی بھرتے ہوئے وہ راہ بھی دکھا گئے۔

"ہم بھی یہی محسوس کر رہے ہیں۔ شاہ زر شمعون سے نکاح نہ ہونا، یہ بھی حکم ایزدی ہے۔ اس میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ہو گی۔ بہر حال عیشال کی پرورش ہم نے کی ہے۔ ہم ہی اس کے لیے کوئی بہترین لڑکا دیکھیں گے..... تم کیوں فکر کر رہے ہو؟ پہلے کب تمہیں اس کے حوالے سے ہم نے زحمت دی ہے، جو آگے دیں گے۔" چودھری حشمت کو ان کی شادی کی بات اچنبھے میں ڈال رہی تھی۔

"میں مانوں نہ مانوں، بیٹی تو میری ہی ہے، ماضی میں بھی حویلی میں جتنے تماشے ہوئے صائقہ کی وجہ سے ہوئے۔ اب مزید تماشا عیشال کرے گی تو مجھے گوارا نہیں ہو گا۔" چودھری حشمت اختلاف کا پہلو تو رکھتے تھے مگر اس کے باوجود وہ بولنے سے اجتناب کر گئے کہ بات پھر طویل ہو جاتی اور وہ جانے انجانے میں بیٹے کے زخم ادھیڑ ڈالتے۔ اسی سوچ کے پیش نظر انہوں نے بحث کو طول دینا مناسب نہ جانا۔

"عیشال ہماری ذمہ داری ہے..... تم اس کی فکر نہ کرو، ہمیں اپنی ذمہ داری نبھانا آتی ہے۔ شاہ کے نکاح سے فارغ ہوتے ہی ہم جلد ہی کچھ کرتے ہیں۔" چودھری حشمت کے یقین دلانے پر مطمئن ہوتے وہ حویلی آنے کی حامی بھر گئے تو چند ایک باتوں کے بعد چودھری حشمت نے بھی فون بند کر دیا، مگر حویلی سے جڑا سرا ایک بار پھر ان کے زخم ہرے کر گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

وقت بے کیف گزر رہا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد معمول کی گپ شپ تھی۔ نکاح سے متعلق باتیں اور زیورات و کپڑے زیر بحث تھے۔ ان سب سے اکتا کر وہ چھت کی طرف آ گئی اور اپنی ہی طرح اس ماحول سے بے زار عدا اسے چھت کی سیڑھیوں پر مل گئی تھی۔

"یہاں کیا کر رہی ہیں عدا آپی؟" بوریت دور کرنے کے لیے اس کے پاس بیٹھ گئی۔ یہ نوٹس کیے بنا کہ عدا کا سیل فون روشن ہوا تھا اور وہ کسی قدر گڑبڑا کر گود میں دھری کتاب سامنے کر گئی تھی۔

کتنے ہی لوگوں نے اس کا نام لیا تھا۔ سمہان ہوتا تو ابھی یہ کام ہو جاتا..... سمہان آئے تو وہ کام کرے۔ وہ سر جھٹک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ندا آپی! جب سے آپ کی شادی کی بات شروع ہوئی ہے آپ بہت اداس نظر آ رہی ہیں؟" اس کے سوال پر ندا چونکی، پھر سنبھل گئی۔

"نہیں تو..... تمہارا وہم ہوگا۔" جھٹلانا چاہا۔

"آپ انکل ٹائپ شوہر قبول کر لیں گی؟" وہ بغور ندا کو دیکھ رہی تھی۔ ندا بے ساختہ سر جھکا گئی۔

"کرنا پڑے گا۔ بڑوں کا حکم جو ہے۔" جھکے سر کے ساتھ دھیمی آواز نکلی۔

"اُف..... میں آپ کی جگہ ہوتی تو کبھی نہ کرتی۔" عیشال جہانگیر نے اپنے دل کی بات کی اور حقیقتاً بھی ایسا ہی تھا وہ تو شاہ زر شمعون کے لیے راضی نہیں تھی۔

"اللہ نہ کرے، تم کبھی میری جگہ ہو۔" ندا نے دہل کے کہا تو وہ منہ بنانے لگی۔

"تم کیوں اتنی بے زار لگ رہی ہو؟" خود پر سے توجہ ہٹانے کو ندا نے سوال کیا۔

"پتہ نہیں۔" وہ بے زاری سے کہہ گئی۔

"کہیں میری بھابی نہ بننے کا غم تو نہیں ستا رہا ناں؟" ندا نے چھیڑا تو وہ ہاتھ جوڑ گئی۔

"توبہ کریں، جو خیالات ویرے کے ہیں، وہی میرے..... سگے بھائی جتنی عزت کرتی ہوں ان کی..... واجان نے تو کہرام ہی مچا دیا تھا فیصلہ سنا کے..... شکر ہے ویرے نے فیصلے میں ترمیم کروا دی۔"

"پھر تو تمہیں خوش ہونا چاہیے۔" ندا نے یہ سب جان کے سکون محسوس کیا۔ ورنہ سب کے ہی دل میں کہیں نہ کہیں یہ خیال تھا کہ یہ سوچ تو شاہ کی تھی۔ مبادا فیصلے کی تبدیلی پر عیشال ہرٹ ہوئی ہو۔

"حویلی میں میرا دل نہیں لگتا..... کالج سے واپس لوٹنے کو دل نہیں کرتا..... آپ جانتی ہیں حویلی میں میری بات آپ، تائی، چچی جان، دی جان اور سمہان کے علاوہ کسی سے زیادہ نہیں ہوتی۔ سب کے اپنے شوق، فیشن، میگزین، ڈرامے....."

"باقی سب تو حویلی میں ہی ہیں، جن کے نام تم نے لیے..... علاوہ سمہان کے..... کہیں سب کے ساتھ تم بھی تو سے مس نہیں کر رہیں.....؟" ندا نے شوخی نظروں سے اسے دیکھا۔

"توبہ کریں، وہ ملک الموت مس کرنے کی چیز ہے۔" وہ بدک کر کہہ گئی۔ ندا پر اپنی دلی کیفیت ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ہر وقت تو اس کے کان کھاتی رہتی ہو، جہاں دیکھتی ہو بے چارے کی شامت بلا لیتی ہو۔" ندا نے جیسے کچھ گلوانا چاہا مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

"وہ ہے ہی اسی لائق۔ خود لڑاکا طیارہ ہے..... چپ بھی رہوں تو کوئی نہ کوئی بات کر کے غصہ دلاتا ہے۔ اسے میری جان جلانے کا شوق ہے۔" اس نے ہوا میں ہاتھ نچا کر کہا۔

اسی وقت پیچھے سے ان دونوں کے نام کی پکار پڑی۔ ندا جو اس کے چہرے پر غور کر رہی تھی، چونک کر اسے بھی

"الہ دین کا جن قبضے میں ہے تمہارے۔ ہر کام میں ایفی شینسی....." جھٹ کال ریسیو کرنے پر وہ ساری ناراضگی بھول کے خبر لینے لگی۔

"سیل فون ہاتھ میں تھا..... تمہاری کال آئی تو ریسیو کر لی۔"

"آن ڈرائیو بلیو ٹوتھ یوز کرتے شرم آتی ہے۔" وقفے وقفے سے سنائی دیتے ہارن پر چڑ کے بولی تو وہ ہنس دیا۔

"او کے جی آئندہ سے فرمائش پوری کرنے کی کوشش کروں گا..... مزید میرے لائق کوئی حکم؟" سرخم کرتے وہ تشویش سے حویلی کا احوال دریافت کرنے لگا تو اس کا دل چاہا کہ سیل فون اس کے سر پر دے مارے۔ اس کا حال پوچھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

"ہاں آپ کے ہجر میں حویلی والے آٹھ آٹھ آنسو رو رہے ہیں۔ سب کے کام رُکے ہوئے ہیں۔" جل کے کہہ گئی تو اس کا قہقہہ بکھر گیا۔

"اور آپ نے غالباً مجھے میری اوقات یاد دلانے کے لیے کال کی ہے۔" وہ گزشتہ جھڑپوں کے تناظر میں چھیڑنے لگا۔

"ہونہہ....." وہ سر جھٹک گئی۔ "زیادہ ہیرو بننے کی کوشش مت کرو۔ میں نے کام کے سلسلے میں کال کی ہے ورنہ میں اپنی ناراضگی بھولی نہیں ہوں اب تک۔" تروٹھے لہجے میں صاف جتا گئی تو وہ اس لڑکی کے پل میں تولہ پل میں ماشہ والے لہجے پر بھرپور طریقے سے مسکرا دیا۔

"ہاں جی مطلبی لوگ ہیں..... کام پر ہماری یاد آتی ہے۔" لہجہ دکھی کر گیا۔

"پھر تو حویلی کے سارے لوگ مطلبی ہوئے جو تمہیں کام کے لیے یاد کر رہے ہیں۔" اس نے بھی فوراً بدلہ اتارا۔

"اپنوں کے لیے جان بھی حاضر ہے حکم کریں محترمہ۔"

"میرا نام عیشال ہے محترمہ وحترمہ نہ بولو مجھے۔" وہ چڑ گئی۔ اسٹیئرنگ پر ہاتھ کو گردش دیتے مسکرا دیا۔

"مجھے آئس کریم کھانی ہے مگر آئس کریم ہے نہیں۔" سمہان آفندی نے اسٹیئرنگ پر موجود بائیں ہاتھ کی کلائی کو نظر کے سامنے کیا۔ اس بے تکی بات پر رات کے دو بجے کوئی بھی سر پیٹ لیتا۔ مگر سننے والا سمہان آفندی اور کہنے والی عیشال جہانگیر تھی جس سے وہ ہر بات کی توقع ہر وقت رکھتا تھا۔

"لیکن میں تو حویلی میں نہیں ہوں۔ دو ڈھائی گھنٹے لگ جائیں گے پہنچنے میں۔" اس نے جیسے اپنی مجبوری بتائی۔

"پتہ ہے لیکن مجھے آج کی تاریخ میں آئس کریم چاہیے ورنہ مجھے نیند نہیں آئے گی۔" وہ بضد ہوئی۔

"کسی ملازم کو بھیج کے منگوا لو۔" اس نے جیسے راہ دکھائی۔

"سب اپنے کوارٹرز میں سونے جا چکے ہیں اور میں روم سے نکلنے والی نہیں..... داجان نے مجھے پھر سے بے وقت کمرے سے باہر دیکھ لیا تو جانے اب کیا سزا منتخب کریں اور ابھی میرا ایسا کوئی موڈ نہیں۔ اللہ اللہ کر کے تو جان چھوٹی ہے..... تم منگوا کے دو۔ میں کسی سے نہیں کہہ رہی۔" وہ اپنی بات کہہ کر کال کاٹ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

وہ غنودگی میں چلا گیا تھا لیکن سیل فون کی بجتی دھیمی رنگ ٹون سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وقت کا تعین کر کے اس

زرشمعون کی خوابیدہ اور مخمور آواز سن کر وہ لمحے بھر کو چپ سی ہو گئی۔

"جو بات کرنی ہے وہ نہ دن کی روشنی میں ممکن ہے نہ سب کے سامنے۔" وہ سنجیدگی سے گوش گزار کر گئی تو اس کی نظر بے ساختہ وال کلاک پر اٹھ گئیں۔ ڈھائی بجے کا وقت تھا' جانے کیا خاص بات کرنی تھی محترمہ کو۔

"کیا بات ہے؟" وہ خنجر ہوا۔

"میں آپ سے نکاح نہیں کرنا چاہتی' آپ داجان کو انکار کر دیں۔" آرام سے کہہ گئی تو غصے کے ساتھ اسے خود پر افسوس بھی ہونے لگا۔ ایسے کون سے کانٹے لگے تھے اس میں کہ ہر لڑکی نکاح سے انکاری تھی۔ پہلے عیشال کو کہ وہ خود اس کے لیے الگ نظریہ رکھتا تھا اور اب یہ۔

"نکاح آپ کرنا نہیں چاہتیں..... آپ کریں انکار داجان کو..... میں کیوں کروں؟" اس کے انکار پر شائیہ چودھری ایک لمحے کو سن سی ہو گئی۔

"وہ..... عیشال کے معاملے میں بھی تو آپ نے کیا ناں..... ایک بار اور....." وہ گڑبڑائی۔

"محترمہ' عیشال والا معاملہ الگ تھا..... میں داجان کی ہر بات کو حرفِ آخر سمجھتا ہوں' تب ہی آپ سے نکاح کا سن کر بھی چپ رہا' اگر آپ کو اعتراض ہے تو شوق سے انکار کریں تاکہ میں بھی احمقوں کی ملکہ سے نجات حاصل کر لوں۔" وہ جل ہی تو گیا تھا۔

"تو آپ انکار نہیں کریں گے۔" احمقوں کی ملکہ کا خطاب سن کر شائیہ چودھری غصے میں جلا ہوئی لیکن لہجہ نرم ہی رکھا۔

"اگر آدھی رات کو آپ نے صرف یہی کنفرم کرنے کے لیے کال کی ہے تو میری طرف سے بہت بڑا انکار ہے۔" وہ کمالِ سکون سے گویا ہوا تو شائیہ چودھری اس انکار پر جل گئی۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں آپ کو پسند نہیں کرتی اور خود کہہ رہی ہوں آپ سے نکاح کرنا نہیں چاہتی' اس کے باوجود آپ انکار نہیں کریں گے؟ امیزنگ..... مجھے تو لگا تھا آپ میں سیلف ریسپکٹ اور ایگو اوروں سے کہیں زیادہ ہے۔" اس کے استہزائیہ انداز اور اس درجہ بدزبانی پر شاہ زرشمعون کے چہرے پر سرخی سی پھیل گئی تھی۔

"محترمہ' مجھے ایگو اور سیلف ریسپکٹ آپ جیسی چھوٹی ذہنیت والوں کو دکھانے کا قطعاً شوق نہیں' جو اپنے فیصلے کے خلاف آواز اٹھانے کا دم نہ ہوتے دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے کے قائل ہیں۔" اس نے بھی ادھار نہ رکھا' مگر ضبط کی کوشش میں بھی خون کی گردش تیز ہو گئی تھی۔ "جب چچی اور چچا جان کے آگے دال نہ گلی تو آپ کو میں ہی قربانی کا بکرا نظر آنے لگا..... پہلے خونی رشتوں کو قائل کرنے کی کوشش تو کریں..... بھرم تو رکھیں' ماں باپ کی عزت کا' پھر بڑی بڑی باتیں کیجیے گا۔" شاہ زرشمعون کو اس پر بہت غصہ آیا۔

"میرے والدین کی آنکھوں میں آپ کی نادیدہ خوبیوں کی پٹی جو بندھی ہوئی ہے' کیسے اتاروں؟" اس نے بھی جواباً گولے داغے تو وہ سلگ اٹھا۔

"محترمہ آپ کو جو کہنا ہے' خود کہیں..... مجھے زیادہ تنگ نہ کریں اور یہ ہی آپ کے حق میں بہتر ہوگا ورنہ ایسا نہ ہو اس حویلی میں آج آپ کی زندگی کی آخری رات ہو۔" غیض و غضب سے وہ دھاڑا۔

شادی کروں گی..... کیسے مرد ہیں آپ؟" یہ جملے اس کی غیرت پر زبردست تازیانہ تھے اور یہ انکشاف کے وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے اسے حیرت زدہ کر گیا تھا۔

"میں اُن مردوں میں سے نہیں ہوں جو نام نہاد مردانگی دکھانے کو ہر دم تیار رہتے ہیں..... اچھا ہوا جو آپ نے بتا دیا کہ آپ کسی اور کو پسند کرتی ہیں۔ مزا تو اب آئے گا..... بلائیں اپنے چاہنے والے کو مقابلہ مرد سے ہو تو بات بھی ہے آپ جیسی کمزور عورت کو دکھا کے کیا فائدہ' داجان نے آپ کو میرے نام سے منسوب کر دیا ہے اور اب یہ میری غیرت کا امتحان ہوگا کہ میں خود سے منسوب لڑکی کو کسی اور کے لیے چھوڑ دوں..... جائیں محترمہ بلائیں اپنے نام نہاد عاشق کو یا پھر مجھے اس کا نمبر دو' میں خود اس کا وجود مٹا کر آپ کو بتاؤں گا کہ غیرت مند مرد اپنی ہونے والی بیوی کی عزت کیسے رکھتا ہے۔" شائستہ چودھری نے جب دیکھا کہ وہ بات نہیں مان رہا تو اس نے یوں ہی پسندیدگی کا شوشہ چھوڑا مگر جواباً وہ جتنے بڑے بڑے دعوے کر رہا تھا' اسے سن کر اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تو اس نے جھٹ کال ڈسکنکٹ کر دی تھی۔

❁.....❁.....❁

"بڑا بنتا ہے' ایک آئس کریم منگوا کر نہیں دے سکتا۔" اسے کال کیے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اب تو آس بھی دم توڑ چکی تھی لیکن ابھی تک کوئی بھی ملازم حویلی سے باہر جاتا اسے نظر نہیں آیا تھا۔ وہ کمرے میں دائیں بائیں چکر لگا کر اپنا غصہ ضبط کرنے میں ناکام ہوئی تو بالکنی میں آ کر سمہان آفندی کی راہ دیکھنے لگی۔

"سارے زمانے کے کام ہو جاتے ہیں' بس ایک آئسکریم نہیں آئی ابھی تک میرے لیے..... آئے ذرا۔" چلتے ہوئے وہ تیز آواز میں بڑبڑا رہی تھی۔

"آ گیا..... توڑ دو ٹانگیں۔" جانی پہچانی آواز پر اس نے سرعت سے گردن موڑ کر سیڑھیوں کی جانب دیکھا' وہ اوپر آ رہا تھا۔ وائٹ جینز' ٹی شرٹ پر بلیو شارٹ جیکٹ پہنے وہ اسے مبہوت کر گیا' وہ اتنی متحیر ہوئی کہ بے اختیاری میں چند قدم طے کر کے رُک گئی۔

"تم.....!" چہرے پر خوش گوار حیرت کے رنگ سمہان آفندی کی ساری تھکن زائل کر گئے تھے۔

"یقین کر لو میں ہی ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہتے ہوئے آئسکریم کا شاپر اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ رہی تمہاری آئسکریم۔" عیشال بے یقینی سے کبھی سمہان آفندی کو تو کبھی اس کے ہاتھ میں موجود شاپر کو دیکھ رہی تھی۔

"تمہاری کال آئی تو راستے میں تھا۔ ملازم کو کال کی لیکن کسی نے پک نہیں کی تو دو گھنٹے کا سفر ایک گھنٹے میں طے کرنا پڑا..... جانتا تھا آئسکریم کے غم میں تمہارا غصہ آسمان کو چھو رہا ہوگا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ اس کی بے یقین صورت لطف دے گئی تھی۔

"آئسکریم پگھل جائے گی۔" اس کے چہرے سے نظر ہٹا کر سمہان آفندی نے اس کی توجہ اس طرف دلائی اور پلٹ کر اپنے کمرے میں جانے لگا۔

"سمہان....." پکار بے ساختہ تھی۔

انداز کی تلی سنی تو اسے سکون ملا۔

''اور ہاں' آئسکریم لا کر دی ہے تو اس کا مطلب صلح ہرگز نہیں..... میں اب بھی تم سے سخت ناراض ہوں۔'' وہ نخوت سے ناک پھلا گئی تو وہ ہنس دیا۔

''تم جیسی لڑکی کو مجھ سے بہتر کون جانتا ہے' جب تک سزا نہیں دو گی' تمہیں چین کہاں آئے گا خیر..... ہم بھی جان کی بازی لگائے گھومتے ہیں۔ جب چاہیے ہو بتا دینا۔''

''اگر لفظوں سے کوئی جنگ جیتی جاتی تو تمہیں ضرور بھیجتی اس محاذ پر۔'' وہ پتلیاں سیکڑ کا بولی۔

''جسم تھکا ہوا ہے' زبان کو نہ تھکاؤ..... جاؤ آرام کرو جا کر۔ صبح کے لیے سب نے تمہارے نام بہت سے کام پینڈنگ میں رکھے ہوئے ہیں..... اللہ کا غضب اور کوئی حویلی میں اس قابل ہے ہی نہیں جیسے.....'' فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے وہ نخوت سے گھورنے لگی تو وہ ہنس دیا۔

''کم از کم تعریف میں تو تنقید کا تڑکا نہ لگایا کرو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''تعریف' ہونہہ..... آپ جا سکتے ہیں..... آئسکریم دینے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔'' اس کی بات پر وہ مسکرا کر نفی میں سر ہلاتا آگے بڑھ گیا۔ وہ اسے راہداری میں گم ہوتے دیکھنے لگی۔

❁.....❁.....❁

میڈیکل رپورٹس کو کافی دیر دیکھنے کے بعد اس کے آنسو بہنے لگے تھے۔ یونیورسٹی جانے کو بھی دل نہیں کر رہا تھا۔ ہر گھڑی منزہ کی فکر ستانے لگی تھی۔ منزہ اس کی اتری صورت دیکھ کر زبردستی یونیورسٹی بھیج رہی تھیں تاکہ اس کی سوچ منتشر ہو مگر یونیورسٹی آ کر بھی اس کی سوچ منزہ کے گرد ہی گردش کرتی رہی تھی۔ ہاسپٹل کے نمبر پر کال کر کے وہ ڈاکٹر سے بخت کے لوٹ آنے کی دعا کر رہی تھی مگر ہاسپٹل سے ان کی واپسی کی کوئی خبر نہ ملی تو وہ رپورٹس کو دیکھتے آنسو بہانے لگی۔ ہر گزرتا دن منزہ کی سانسیں کم کر رہا تھا اور یہ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ یونیورسٹی میں رپورٹس کو دیکھتی آنسو بہا رہی تھی۔ کینٹین کی طرف جاتے ایشان جاہ نے اس کے مکمل کو بے حد حیرانگی سے دیکھا' منزہ کے دکھ نے اسے آس پاس سے بے خبر کر دیا تھا۔ یک دم اس کا جی اُچاٹ ہونے لگا تو اگلی کلاس لینے کا ارادہ ترک کر کے رپورٹ کو بیگ میں رکھ کر آنسو ہتھیلیوں سے صاف کرتی وہ گھر جانے کے ارادے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''مادرا.....'' وہ رک کر حیرت سے ایشان جاہ کو دیکھنے لگی۔ اسے اپنی سماعت کا دھوکا لگا۔

''کوئی بڑی پرابلم ہے' آپ کے ساتھ؟'' اس کے سوال پر مادرا یحییٰ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات بکھرے۔

''کل آپ کو ہاسپٹل میں دیکھا تھا..... آج بھی آپ رپورٹس کو دیکھ کر رو رہی تھیں..... ہاسپٹل میں آپ کسی ڈاکٹر کے متعلق بھی کنفرم کر رہی تھیں..... مجھے بتا دیں کس ڈاکٹر کی ضرورت ہے آپ کو..... بی کاز اس ہاسپٹل میں میرے چچا اور چچی جان ڈاکٹر ہیں' سو ان کے ریفرنس سے آپ کا کام آسان ہو جائے گا۔'' پہلے پہل تو مادرا یحییٰ کو یقین ہی نہ آیا کہ ایشان جاہ سامنے کھڑا یہ سب کہہ رہا ہے اور جب وہ اپنی پوری بات کر چکا تو اس کے لب ناگواری سے بھنچ گئے۔

''مجھے آپ کے ریفرنس کی ضرورت نہیں' شکریہ۔ کسی اور کا کام کریں۔'' وہ سرد مہری سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

سردی سمٹ آئی۔

''معافی چاہتا ہوں..... انسانیت کے ناتے مجبور ہو کر آپ سے پوچھ بیٹھا لیکن افسوس' آپ انسانیت کے بھی لائق نہیں ہیں۔'' ایشان جاہ کو اس سے ایسے ردعمل کی امید نہیں تھی۔ یہ سچ تھا کہ وہ ساری مقابلے بازی فراموش کر کے اس کی مدد کرنا چاہ رہا تھا مگر مادرایجی کے انداز نے اسے جھلسا دیا تھا۔

''مفاد پرست جاگیرداروں کے منہ سے انسان اور انسانیت کی باتیں زیب نہیں دیتیں..... دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے ہر گھڑی تیار لوگ' اپنائیت کا ڈھونگ رچاتے کب پیروں تلے زمین کھینچ لیں کیا پتہ.....'' وہ طنزیہ مسکرائی' ایشان جاہ کے چہرے سے غصہ جھلکنے لگا تھا۔

''دوری بنائے رکھیں مجھ سے' پھر کبھی میرے سامنے ہیرو بننے کی کوشش مت کیجیے گا۔'' اس کے آنسو دیکھ کر جو ہمدردی تھوڑی دیر پہلے وجود میں آئی تھی' اب اس کی جگہ غصے اور افسوس نے لے لی تھی' جو مادرایجی کے لیے آنے والے دنوں میں یقیناً اچھی خبر لے کر آنے والی ہرگز نہیں تھی۔

❁.....❁.....❁

حسب عادت وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آ رہا تھا جوتوں کی دھمک پر شاہ زر شمعون نے پیچھے مڑ کر دیکھا' بلیک شرٹ' گرے جینز میں خوشبوؤں میں بسا سمہان آفندی تھا۔

''گڈ مارننگ برو۔'' وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

''گڈ مارننگ۔'' دھیمی آواز میں سر کے اشارے سے جواب دیا۔

''ناراض ہو؟'' سمہان آفندی کے لیے اس کا ٹھنڈا رویہ حیران کن تھا۔ ''کوئی مسئلہ ہے برو؟'' اسے اس کے انداز کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ حویلی کے ایک ایک بندے کا مزاج آشنا تھا۔

''الحمدللہ سب ٹھیک ہے..... کل تو نے مجھے نظر انداز کیا تھا' آج میں کر رہا ہوں۔'' بنا پہیلیاں بجھوائے شاہ زر شمعون نے واضح انداز میں جتایا۔

''میں نے کب نظر انداز کیا..... اور کیوں کروں گا؟'' اس گلہ پر وہ اچنبھے کا شکار ہو کر الٹا اسی سے استفسار کرنے لگا۔

''یہ تو اپنے آپ سے پوچھ۔'' شاہ زر شمعون کا انداز نروٹھا تھا۔

''ٹرسٹ می برو..... میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں..... جان دینے کی حد تک محبت ہے تم سے' تمہیں کبھی نظر انداز کر ہی نہیں سکتا..... پھر بھی انجانے میں کچھ برا لگا تو معاف کر دو' چھوٹے بھائی کو۔'' یہ سچ تھا کہ شاہ زر شمعون کی عزت گزشتہ واقعے کے بعد اس کی نظر میں دو چند ہو گئی تھی اور انہی دنوں وہ اس سے کھچا کھچا رہنے لگا تھا' اسی سوچ کے پیش نظر اس نے معافی مانگنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اسے لگا تھا شاہ زر شمعون کو کچھ محسوس نہیں ہوا لیکن اس نے واضح الفاظ میں جتا دیا تھا۔ معافی مانگتے وہ دائیں کان کی لو چھو گیا تو شاہ زر شمعون کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تو بھلے عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے لیکن اندر سے بہت بڑا ہے۔'' انداز معنی خیز تھا۔

''میں نے کون سا گاؤں کی مٹیار کو لے کر بھاگنے کا پلان بنا لیا ویرے جو ایسا کہہ رہے ہو سیرے لیے۔'' وہ شرارت سے بولا۔

"سوچ کے لیے میں سنجیدہ ہوں۔"

"بھاگوں گا نہیں بردو..... جب کبھی ایسا وقت آیا سب کے سامنے اسے لاکھڑا کروں گا..... پھر چاہے زندگی یا موت..... بھاگتے تو بزدل ہیں اور تمہارا سمہان آفندی بزدل نہیں ہے۔" ایک لمحے کے لیے شاہ زر شمعون بھی چپ سا ہو گیا اور اس چپ میں بہت سے معنی و اسرار پنہاں تھے۔

❁.....❁.....❁

ماورا یحییٰ گھر آئی تو منزہ بازار جانے کے لیے نکل رہی تھی۔ انوشا ابھی اسکول سے نہیں لوٹی تھی۔ کلاس چھوڑنے پر سرزنش کرتی منزہ نے اسے دروازہ اچھی طرح بند کرنے کا کہا' حکم کی تقلید کر کے وہ ابھی کمرے میں آرام کی غرض سے آئی ہی تھی کہ دروازہ بجنے لگا تھا۔

"معاف کرو....." دروازہ کھولنے پر عجیب سے نظر آتے شخص کو دیکھ کر اس نے کہا۔

اس شخص کی آنکھوں کی بڑھتی چمک اور لبوں پر پھیلتی مسکراہٹ سے سراسیمگی محسوس کرتی ماورا یحییٰ سر پیٹ کے رہ گئی۔ صائمہ کے دھوکے میں اس نے دروازہ بنا پوچھے کھول دیا تھا۔ اکیلے پن کا دھیان رکھتے وہ سرعت سے دروازہ بند کرنا چاہ رہی تھی لیکن دروازے پر ہاتھ رکھ کر اس کی کوشش کو ناکام بنا دیا گیا تھا۔

"میں بھکاری نہیں ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"پھر کون ہیں..... کیوں مسلسل دروازہ بجا رہے تھے؟"

"میں یحییٰ سرفراز ہوں..... کہاں ہے تمہاری ماں؟"

"یحییٰ سرفراز.....!" ماورا یحییٰ بری طرح چونک کر اس شخص کا جائزہ لینے لگی۔ آنکھوں میں بے حد حیرت در آئی تھی۔

ولدیت کے خانے میں درج نام سن کر اپنے والد سے غیر مشابہ شخص کو روبرو پا کر اس کے حواس سلب ہونے لگے تھے۔

"کون یحییٰ سرفراز..... کیسے جانتے ہیں آپ میری اماں کو؟" اس کے معصومانہ سوال پر اس نے دانتوں کی نمائش کی اور ماورا یحییٰ کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

عشق دی بازی



(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

چودھری حشمت شاہ زر شمعون اور شنائیہ کی نسبت طے کرنے کے بعد سب سے رضامندی پوچھتے ہیں۔ چودھری بخت خوشی کا اظہار کرتے ہیں چودھری بخت کی نظر میں شنائیہ کو شاہ زر شمعون کی صورت اچھا بر ملا تھا۔ سمہان اس فیصلے پر حیران ہوتا ہے اسے شک گزرتا ہے کہ اس فیصلے کی تبدیلی میں ضرور عیشال کا ہاتھ ہے دوسری طرف عیشال جہانگیر شنائیہ کو تنگ کرتی اس سے بدلہ لیتی ہے۔ مادرا ایجنٹ منزہ کی رپورٹ لے کر اسپتال جاتی ہے وہ کسی اور ڈاکٹر سے بھی مشورہ کرتے منزہ کی بیماری کا علاج کروانا چاہتی ہے ڈاکٹر جنید اسے رپورٹس ڈاکٹر چودھری بخت کو دکھانے کا مشورہ دیتے ہیں مادرا ریسپشن سے ڈاکٹر چودھری بخت کا معلوم کرتی ہے چودھری بخت ان دنوں چھٹی پر تھے لہذا مادرا ایجنٹ مایوس ہو جاتی ہے۔ شنائیہ چودھری بخت اور دیا کے سامنے اس رشتے سے انکاری ہو جاتی ہے۔ چودھری بخت پہلے شنائیہ کو نرمی سے سمجھاتے ہیں پھر سختی سے دیا کو اسے سمجھانے کا کہتے کمرے سے نکل جاتے ہیں دیا بھی اس رشتے پر خوش ہوتی ہیں جب ہی وہ شنائیہ کو اس ماحول میں ایڈجسٹ ہونے کا کہتی ہیں۔ ایشان جاہ یونیورسٹی میں مادرا ایجنٹ کو اداس و پریشان دیکھتا ہے تو از راہ ہمدردی اس سے اداسی کی وجہ پوچھتا ہے جس پر مادرا ایجنٹ اسے غصہ سے سناتی ششدر کر جاتی ہے ایشان جاہ مادرا ایجنٹ سے بدظن ہوتا بدلا لینے کا سوچتا ہے۔ شنائیہ چودھری شاہ زر شمعون سے مدد مانگتی اسے رشتے سے انکار کرنے کا کہتی ہے جس پر شاہ زر شمعون برہم ہوتا ہے اسے خود ہی رشتے سے انکار کرنے کا کہتا ہے۔ منزہ مادرا ایجنٹ سے رپورٹس لے لیتی ہیں ان کے خیال میں اگر یہ رپورٹس انوشا نے دیکھ لیں تو شادی سے ہی انکار کر دیتی جبکہ وہ اپنی موت کی خبر پا کر ہی اس کی شادی جلدی کرنا چاہ رہی ہوتی ہیں مادرا منزہ سے ڈاکٹر چودھری بخت کا ذکر کرتی ہے جس پر وہ چونکنے کے ساتھ علاج سے انکاری ہو جاتی ہے۔ چودھری حشمت چودھری جہانگیر کو عیشال کے نکاح نہ ہونے کا بتا کر انہیں حویلی آنے کا کہتے ہیں جس پر وہ انکار کر دیتے ہیں چودھری حشمت سختی سے انہیں ہر حال میں شنائیہ اور شاہ زر شمعون کے نکاح میں شامل ہونے کا کہتے ہیں۔ منزہ باہر کام سے جاتی ہے ایسے میں دروازے پر ہونے والی دستک پر مادرا دروازہ کھولتی ہے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ بھکاری سمجھ کر ٹالنا چاہتی ہے لیکن جب وہ منزہ کا پوچھ کر اپنا نام بتاتا ہے تو مادرا چونک جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁.....❁.....❁

"تم دروازے پر کھڑی کیا کر رہی ہو؟" گلی کے نکڑ سے ہی منزہ کی نظریں اپنے گیٹ کی طرف تھیں اور دروازے پر کھڑے اس شخص کو دیکھ کر جہاں ان کا دل مادرا کو گھر میں اکیلا سوچ کے لرزا دو ہیں انہوں نے اپنے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔ ان کا

ورنہ سنسان گلی اور اجنبی کی پراسرار آمد نے خوف زدہ کرنے کے ساتھ ساتھ تجسس کے ہاتھوں اسے وہیں جمار ہنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن اس کا اجنبی سے مخاطب ہونا منزہ کو ایک آنکھ نہیں بھایا تھا تب ہی دہائی دینے کی شروع ہو گئی تھیں۔

"ہزار بار کہا ہے کسی ایرے غیرے بھکاری کے لیے بھی دروازہ نہ کھولنا مگر..... بیزی لے کر جاؤ میں آتی ہوں۔" ایک نظر ماورا پر ڈال کر یحییٰ کو سخت نظروں سے گھورتی منزہ کی سانس تیز تیز چلنے لگی تھیں۔ بھاگم بھاگ آنے کی وجہ سے ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے مگر انہوں نے دروازے کا سہارا لے کر خود کو سنبھال رکھا تھا۔

"اماں یہ.....!" ماورا نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا شاید نام کی مماثلت بتانا چاہ رہی تھی تب ہی منزہ نے سرد نظر ڈالی تو ماورا نظروں کا مفہوم سمجھ کر بیزی کا شاپر تھامے دروازے سے پلٹ گئی۔

"بڑا رعب ہے بیٹیوں پر....." وہ ہنسا ماورا کچن میں جا چکی تھی۔ یہ تسلی کرتے کہ وہ صحن میں کھڑی ہو کر ان کی باتیں نہیں سن رہی منزہ نے دروازہ بھیڑ دیا۔

"میں نے منع کیا تھا یہاں آنے سے۔" منزہ دھیمی آواز سے غرائیں۔

"تو نے پیسے نہیں پہنچائے تو مجھے آنا ہی پڑا۔" معصومیت سے جواب دیا۔

"پیسے پیڑ پر نہیں لگے ہوئے کہ توڑ توڑ کر تمہیں بھرتی رہوں اور میری بیٹیاں محنت کرتی ہیں تب اس گھر کا چولہا جلتا ہے اور اوپر سے تم آ گئے ہماری زندگی خراب کرنے....."

"پیسے نہیں دے سکتی تو دونوں بیٹیاں مجھے دے دے وہی کما کر مجھے پال لیں گی۔" اس درجہ بے غیرتی پر منزہ نے بپھر کر زمین پر پڑا پتھر اٹھا لیا۔

"چلا جا یہاں سے دفع ہو جا..... ورنہ تیرا سر پھاڑ دوں گی..... خبردار جو اپنی گندی زبان سے پھر میری بیٹیوں کا نام بھی لیا۔" منزہ کے سر پر خون سوار ہو گیا تھا آواز حتی الامکان دھیمی رکھی تھی تاکہ دیوار کے اس پار نہ جا سکے اور ماورا کچھ سن لے..... دوسری طرف گلی میں کسی کے دیکھ لیے جانے کا خطرہ بھی موجود تھا۔

"اگر ایسی ویسی بات برداشت نہیں تو پہلے دے دیا کر۔" وہ تول مول کے گر سکھا رہا تھا۔ پتھر نیچے پھینک کر منزہ نے مٹھی میں دبے چھوٹے سے بٹوے کی زپ کھولی اور اس میں سے اکلوتا سو کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"بس یہی ہے میرے پاس لے اور دفع ہو جا تیری کہیں کوئی عزت ہو یا نہ ہو مگر میری اور میری بیٹیوں کی ہے۔" وہ اسے دھتکارنے لگیں۔

"یہ تو کیا مجھے بھکاریوں کی طرح سو پچاس پکڑا دیتی ہے۔" نوٹ جھپٹتے ہوئے وہ انہیں گھورنے لگا۔

"ویسے تو نے بیٹیوں کو ان کے باپ یعنی میری تصویر تک نہیں دکھائی.....؟" باپ کا لفظ سن کر چونکی ماورا لہجہ بدل کے چلانے لگا تو منزہ نے ایک نفرت بھری نظر اس پر ڈالی۔

"تو باپ کہلانے کے لائق ہے؟ اگر جو خوف الٰہی نہ ہوتا تو تیرا نام ہی کاٹ دیتی ولدیت کے خانے سے....." وہ غضب ناک ہوئیں۔

"اچھا اچھا..... زیادہ اکڑ مت دکھا..... مزید پیسے کب دے گی یہ بتا؟" وہ بحث سے بیزار ہوا۔

"چند روز میں کمیٹی مل جائے گی..... پھر میں تجھے موٹی رقم دے دوں گی لیکن اس وعدے کے ساتھ کہ تو آئندہ یہاں آ کر ہماری زندگی میں کوئی تماشا نہیں کرے گا۔" منزہ کو یہی حل مناسب لگا کہ دس بیس ہزار پکڑا کر اس سے جان چھڑا لیں۔

ے بری کہ وہ زبان کی کسی پی ہے۔

❁.....❁.....❁

"کیا کروں.....؟ کس سے کہوں کہ مجھے اس ہٹلر سے نکاح نہیں کرنا۔" سوچ سوچ کر اس کا سر پھٹنے لگا تھا۔ چودھری بخت دیا تو اس بارے میں کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھے اس ہٹلر کے منہ پر بھی انکار کر کے دیکھ چکی تھی مگر وہ الٹا ضد میں آ گیا اس کی باتوں سے وہ اتنی ہراساں ہوئی کہ رات کو جب بھی آنکھ کھلتی نظر بار بار دروازے تک جاتی اور دروازے کو مقفل دیکھ ہر بار کسی قدر تسلی ہوتی۔

ماہم کی صبح جلدی ہو گئی تھی وہ فریش ہو کر کمرے سے باہر چلی گئی تو شانیہ چودھری نے دوڑ کے دروازہ مقفل کر لیا تھا۔

"اتنے خطرناک انسان سے نکاح کروں.....؟ جس کے ڈر سے سکون کی نیند اڑ گئی۔" منہ چڑھا کے کشن گود میں دبوچ آنکھیں موند کر سوچنے لگی۔

"کس سے مدد لوں..... کس سے.....؟ دی جان..... نہیں۔" سوچتے ہوئے وہ کچھ مطمئن ہوئی لیکن اگلے ہی پل اپنے دل کی خود ہی نفی کی۔

"نہیں..... وہ داجان کے خلاف کبھی نہیں جائیں گی..... پھر کون..... سمہان.....؟" اس کا خیال آتے ہی وہ ایک دم پُر امید ہو گئی۔

"ہاں اس سے کہتی ہوں۔" اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ جھٹ سیل فون کی تلاش میں نظر دوڑانے لگی لیکن اسی وقت دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"اکیلا پا کر کہیں گن لے کر تو نہیں آ گیا ہلاکو....." اس نے دروازہ تھوڑا سا کھولا۔

"بی بی جی ناشتا لگ گیا ہے آ جائیں سب انتظار کر رہے ہیں آپ کا۔" ملازمہ پیغام لیے حاضر ہوئی تھی۔

"تم چلو میں آتی ہوں۔" ملازمہ سے کہہ کر وہ اندر آ گئی۔

"فون کرنے کے بجائے روبرو بات کر کے زور دوں گی تاکہ سمہان اس جلاد سے میرا پیچھا چھڑا دے۔" یہ حتمی بات سوچ وہ جلدی سے فریش ہونے چلی گئی۔

اس نے ڈائننگ ہال میں قدم رکھا تو فریال اور فائزہ کو ملازموں کو ہدایت دیتے پایا دونوں سب کی پسند کا ناشتہ ان کے آگے رکھتی ملازماؤں کو ہدایت دے رہی تھیں نکاح کی تیاری کے سلسلے میں لڑکیوں نے آج کالج سے چھٹی کی تھی۔ مردوں میں اس وقت صرف سمہان آفندی ہی اسے میز پر براجمان نظر آیا تھا۔ موقع پا کے وہ اس کے برابر والی کرسی خالی دیکھ کر فوراً بیٹھ گئی۔

"صبح بخیر۔" سیب کی قاش کھاتے انگریزی اخبار پر نظریں جمائے وہ اس میں مگن تھا جب اس نے آہستگی سے وش کیا۔

"صبح بخیر....." ایک نظر اس پر ڈال کر خیر مقدمی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیتے وہ دوبارہ اخبار کی جانب متوجہ ہوا۔ تو شانیہ چودھری طائرانہ نگاہ ڈال کر ہال کا جائزہ لینے لگی کہ آیا یہ مقام بات کرنے کے لحاظ سے موزوں ہے بھی یا نہیں کہ سارے تقریباً آگے پیچھے آتے دکھائی دیے۔

سب سے آگے داجان تھے۔ جو چودھری بخت سے کچھ کہتے ہوئے آ رہے تھے پھر انہوں نے گردن موڑ کر کسی کو اشارہ کیا شاہ زر شمعون کو ایک دم آتے دیکھ کر اس نے سراسیمگی سے سر جھکا لیا تھا۔ سب کو آتے دیکھ کر عورتیں بھی محتاط ہو گئی تھیں

تھا اور اسی لمحے ناشتہ لیے اندر آتی ان کے پیچھے سے گزرتی عیشال جہانگیر نے شنائیہ کا سرگوشی میں کہا جملہ بغور سن لیا تھا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی مہمان آفندی کو اس کے برابر بیٹھے دیکھ کر ہی وہ لب بھینچ کر رہ گئی تھی اور اب شنائیہ کا سرگوشی کرتا لہجہ اس کے اندر برق دوڑا گیا' اس نے رفتار دانستہ دھیمی کر لی تاکہ مہمان آفندی کا جواب بھی سن لے مگر اس کی طرف سے خاموشی رہی تو خالی کرسی پر بیٹھ گئی جوان دونوں سے خاصی دور لیکن نظروں کے سامنے تھی۔ شاہ زر شمعون کی نگاہ شنائیہ پر پڑی جو اپنے مزاج کے برخلاف سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کی رات کی فون پر کی گئی بکواس یاد آئی تو لب ایک بار پھر بھنچ گئے۔

"السلام علیکم!" خواتین نے سر پر دوپٹا درست کرتے ہوئے سب پر مشترکہ سلامتی بھیجی' کسی نے با آواز بلند تو کسی نے سر ہلا کر جواب دیا پھر سب نے اپنی اپنی کرسی سنبھالی' شاہ زر شمعون کو عین اپنے سامنے براجمان ہوتے دیکھ کر شنائیہ چودھری مزید سٹپٹائی۔

لمبی چوڑی میز پر یہاں سے وہاں تک ناشتہ سجا ہوا تھا' پائے' نہاری' مرغ چھولے' روغنی نان' آلو کے پراٹھے' کچوری اور حلوہ بھی موجود تھا تو ساتھ ہی شہری مہمانوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے بریڈ' بٹر' جیم' کارن فلیکس کا ناشتا بھی موجود تھا۔

❁.....❁.....❁

"ہزار بار سمجھایا ہے کہ کسی بھی اجنبی کے لیے دروازہ مت کھولا کرو مگر تمہاری سمجھ میں نہیں آتا اور اس سے باتیں بھی کرنے لگیں۔" منزہ کے حکم کی تعمیل میں وہ کچن میں آ تو گئی تھی مگر سبزی بناتے ہوئے اس کا سارا دھیان باہر کی طرف تھا کچھ منزہ کی تربیت آڑے آ رہی تھی جو وہ صحن میں کھڑی ہو کر سن گن نہ لے سکی' منزہ کا ردعمل نیا نہیں تھا' نہ ہی ان کی ڈانٹ ڈپٹ نئی تھی' ان کی زندگی کے کچھ اصول تھے جن پر وہ خود بھی سختی سے عمل کرتی اور بیٹیوں کو بھی خاص ہدایت تھی اس لیے ماورا کو ان کے انداز پر حیرانی نہیں ہوئی لیکن حیرانی کا باعث تو وہ شخص تھا اور اس کا نام۔

وہ اسی ادھیڑ بن میں شلجم کاٹ رہی تھی جب منزہ آ کر برسنے لگیں' ان کے غصے کو دیکھ کر وہ بدحواس ہو گئی۔

"میں نے صائمہ آنٹی کے دھوکے میں گیٹ کھولا تھا اماں اور سامنے یہ شخص آ گئے۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"میں دروازہ بند کرنے لگی تھی لیکن جب وہ آپ کا پوچھ کر اپنا نام بتانے لگے تو میں حیرت میں گھر گئی تھی۔" ماورا نے سادگی سے کہا اور منزہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ جانے وہ کیا کیا بول گیا تھا..... منزہ سپاٹ نظروں سے اس کے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں۔

"یحییٰ سرفراز..... یہ نام تو ہمارے بابا کا ہے ناں؟ پھر یہ آدمی کون تھا' آپ کا کیوں پوچھ رہا تھا؟" چھری ہاتھ میں لیے سبزی کاٹنا بھول کر وہ الجھن بھرے انداز میں سوال کر رہی تھی' ایک سکون کی لہر منزہ کے اندر تیزی سے پھیل گئی تھی یعنی اس نے زیادہ کچھ نہیں بتایا تھا۔

"یحییٰ سرفراز..... اب ایک اول آخر تمہارے ابا کا تو نام ہونے سے رہا..... دنیا میں ہزاروں لوگ ایک نام لیے گھوم رہے ہیں..... اب کیا تم ہر اجنبی کے نام پر حیران ہو کر اس کا منہ تکنے لگو گی؟ اور وہ پوچھے گا کیوں نہیں..... اکثر پیسے مانگنے آتا ہے..... دے دیتی ہوں کچھ نہ کچھ..... جس در سے ملنے کی آس ہو ضرورت مند سارے در چھوڑ کر اسی کے آگے کھڑا صدا لگاتا ہے۔" اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے منزہ نے سبزی کی ٹوکری اپنے آگے گھسیٹ کر ماورا کے ہاتھ سے چھری لے لی لہجہ نارمل ہی رکھا' حالانکہ دل سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

سوچ کی لکیریں واضح تھیں۔ منزہ کا دل اندر ہی اندر کانپ رہا تھا۔ وہ دزدیدہ نظروں سے بار بار اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"آپ ان کی مدد کرتی ہیں..... لیکن وہ تو کہہ رہے تھے وہ بھکاری نہیں ہیں۔" آٹے میں نمک ڈالتے ہوئے مادرا جیسے پوری کہانی میں کوئی سرا ڈھونڈ رہی تھی۔

"کچھ بھکاریوں کو اپنی انا بڑی عزیز ہوتی ہے وہ کب مانتے ہیں کہ بھیک مانگ رہے ہیں وہ تو اسے ضرورت کا نام ہی دیتے ہیں اور ہم پر بھی فرض ہے کہ ہم ان کی انا کا خیال کرتے رہیں انہیں بھکاری نہ سمجھیں۔" منزہ یقیناً بہت برا پھنسی تھیں بمشکل آواز کی لڑکھڑاہٹ پر قابو پا کر وہ اس کے ذہن میں اٹھنے والے سوالوں کے تسلی بخش جواب دینا چاہ رہی تھیں تاکہ کوئی کمزور پہلو اسے تجسس میں نہ ڈال دے۔

"کہیں بابا کا ہم شکل نظر آتا ہے تو کہیں ہم نام سامنے آجاتے ہیں تو مکمل ہمارے بابا..... افسوس.....!" مادرا دکھی ہوگئی۔

"قبر سے اٹھالاؤ باپ کی ہڈیوں کو..... ماں کی بات کا تو تمہیں یوں بھی یقین نہیں....." منزہ چھری سبزی کی ٹوکری میں پھینک کر اٹھنے لگیں۔

"اماں..... میں نے ایسا تو نہیں..... بس ہم نام بندے کو دیکھ کر افسوس ہوا کہ کاش ہمارے بابا بھی زندہ ہوتے..... ہمارے ساتھ ہوتے۔" اس نے جھٹ منزہ کا ہاتھ تھام کر انہیں اٹھنے سے روک کر دلی خواہش بیان کی اس کے چہرے کی حسرت و محرومی دیکھ کر منزہ کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔

"یہ حسرت بھری روٹی اور آرزوؤں بھری سبزی سے کسی کا پیٹ نہیں بھرے گا بہتر ہے ہاتھ ذرا تیز چلاؤ۔" سرزنش کرتے ہوئے منزہ نے آٹے کی طرف دھیان دلایا جس میں وہ پانی کچھ زیادہ ڈال گئی تھی اور احساس ہوتے ہی افسوس سے ہونٹوں کو دانتوں تلے کچلا اس شخص کی دوبارہ آمد یقیناً ان کے لیے خطرے کی گھنٹی بن سکتی تھی وہ جلد سے جلد اس خبیث انسان سے پیچھا چھڑانا چاہ رہی تھیں۔

❁.....❁.....❁

چودھری جہانگیر ناشتے میں مصروف تھے۔ دن خاصا چڑھ آیا تھا مگر رات اہم آپریشن کے باعث ان کی واپسی صبح ہی ہوئی تھی یوں تو ان کے پیشے میں کوئی وقت مقرر نہیں تھا سو ان کے سونے جاگنے کھانے پینے کے الگ ہی معمولات تھے۔ اس وقت طرح دار سی صبیحہ اسٹائلش کپڑوں میں مناسب میک اپ کیے شوہر کے روبرو بیٹھی انہیں کمپنی دے رہی تھیں۔

"ارے..... ایشان آج جلدی آگئے یونی سے؟"

مادرا سے ہوئی جھڑپ کے باعث موڈ اتنا خراب تھا کہ وہ دوستوں کو بنا بتائے ہی لوٹ آیا تھا..... راستے میں دوستوں کی کال آئی تو اس نے غیر تسلی بخش جواب دے کر فون بند کر دیا تھا۔ اسے دیکھ کر صبیحہ نے حیرانی کا اظہار کیا تو وہ ان دونوں کے پاس آ کر رک گیا۔

"ہائے ڈیڈ....."

"بیٹھو..... کچھ منگواؤں تمہارے لیے.....؟" کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صبیحہ نے پاس بیٹھنے کو کہا۔

"ابھی موڈ نہیں..... آرام کروں گا..... آئی ایم سو ٹائرڈ۔" ایشان جاوید نے بیزاری سے کہا تو ناشتے کرتے چودھری جہانگیر نے عزیز از جان بیٹے کی طرف دیکھا۔

"کیوں نہیں چاہ رہا؟" چودھری جہانگیر نے نوالہ بنا کر ایشان جاہ کے منہ کی طرف بڑھایا تو باپ کی محبت میں اس نے بے ساختہ منہ کھولا..... چودھری جہانگیر نے نوالہ منہ میں ڈالا ساتھ ہی ایشان جاہ نے ہاتھ اٹھا کر بس کا اشارہ کرتے ہوئے دوسرے نوالے سے منع کیا۔

"جب سے کلاس اسٹارٹ ہوئی ہے کم و بیش روز ہی اس کا موڈ خراب رہتا ہے اور یقیناً یہ سب اسی لڑکی کی وجہ سے ہو رہا ہوگا۔" صہبا نے اندازہ لگاتے ہوئے سوال کیا تو ایک بار پھر مادرا کا انداز یاد کرتے ہوئے ایشان جاہ کا جہاں حلق کڑوا ہوا وہیں چودھری جہانگیر چونکے۔

"کون لڑکی..... کیا معاملہ ہے؟" چودھری جہانگیر نے استفسار کیا۔

"جانے کون لڑکی ہے جس نے انٹری ٹیسٹ میں ٹاپ کر کے ہمارے بیٹے کو نیچا دکھایا اور مسلسل ٹینشن کا باعث بنی ہوئی ہے۔" صہبا نے اجنبی لڑکی کے متعلق ناگواری سے بتایا تو چودھری جہانگیر کی نظریں ایشان جاہ کی طرف اٹھ گئیں۔

"اگر زیادہ اری ٹیٹ کر رہی ہے تو نام اور حلیہ بتاؤ مجھے..... پھر کراچی تو کیا پورے پاکستان میں کسی یونیورسٹی میں داخلہ نہیں ملے گا اسے۔" چودھری جہانگیر کے اثر و رسوخ سے وہ اچھی طرح واقف تھا اسے بس بتانے کی دیر تھی مگر آج والے واقعے کے بعد سے اسے مزید چڑ ہو گئی تھی۔ اس مادرا سے جانے کس بات کا گھمنڈ تھا۔ وہ چودھری جہانگیر کی مدد سے نہیں بلکہ خود اس کا غرور توڑنا چاہ رہا تھا جس کا اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں کرنا ڈیڈ..... ورنہ میں پہلے ہی آپ سے کہہ دیتا..... مجھے اسے صحت مندانہ مقابلے میں مات دینی ہے..... جو جیت کی بساط وہ بچھائے بیٹھی ہے میں اسے اس کی ہار کی بازی بنا دوں گا۔" اس کے چہرے سے عزم جھلک رہا تھا۔

"گڈ..... یہ تو شیروں والی بات کی ہے تم نے۔" ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ناشتا ختم کرنے کا سگنل دیتے ہوئے چودھری جہانگیر اسے سراہا۔

"آج اتفاق سے آپ دونوں ایک ساتھ ہیں تو چلیں میں بھی لگے ہاتھوں بات ہی کر لوں۔" انہیں اکٹھا دیکھ کر صہبا کو اپنی بات یاد آ گئی۔

"ایسی کیا بات ہے جس کے لیے ہم دونوں کا ساتھ ہونا ضروری تھا؟" کرسی تھوڑا پیچھے کیے وہ آرام دہ حالت میں بیٹھ گئے۔

"ضیاء کا اصرار ہے کہ ہم ایشان اور انشراح کی منگنی جلد کر دیں میں سوچ رہی ہوں ہم نکاح میں گاؤں تو جا ہی رہے ہیں..... وہیں سب کو ایشان اور انشراح کی منگنی کے لیے مدعو کر لیں گے اور وہاں سے واپسی پر منگنی....."

"ایک منٹ مما..... یہ آپ سے کس نے کہا کہ میں انشراح سے شادی کروں گا؟" صہبا کی پٹر پٹر چلتی زبان پر چودھری جہانگیر کے ماتھے پر لکیریں پڑنے لگیں تو ایشان جاہ بھی بری طرح چونکا تھا۔

"لو کہنا کس نے ہے..... میں نے عرصہ سے ضیاء سے خواہش ظاہر کر رکھی تھی انشراح کے لیے..... صبح سے رات تک تم لوگ ساتھ ہوتے ہو غضب کی انڈر اسٹینڈنگ ہے دونوں میں..... کیا ہمیں نظر نہیں آتا؟" صہبا کو ایشان جاہ کا ردعمل عجیب لگا ان کا تو خیال تھا ایشان جاہ ہاں ہی کرے گا مگر خلاف توقع اس کا چونکنا ان کی سمجھ سے بالاتر تھا چودھری جہانگیر کہنا تو بہت کچھ چاہتے تھے مگر ان سے پہلے ایشان جاہ بول پڑا تھا۔

بات ڈال دیں تا کہ وہ بھی کل سے نہ ہیں۔ بتائی پھر انہوں نے صفائیت انکار ان کے منہ پر دے مارا تو صبا کا منہ کھلا رہ گیا..... چودھری جہانگیر دونوں ماں بیٹے کی باتیں سنتے ہوئے چائے کی چسکی لے رہے تھے۔

"اور انشراح..... اس کا کیا ہوگا؟ وہ تو تمہیں ہی اپنا لائف پارٹنر سمجھے بیٹھی ہے۔" صبا کو اس کا انکار انتہائی ناگوار گزرا تھا۔

"شی از اے اسمارٹ گرل..... وہ مجھے بہت اچھی طرح جانتی ہے اگر اس نے ایسی کوئی خوش فہمی پال رکھی ہے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں ہمارے درمیان آج تک اس حوالے سے کوئی بات نہیں ہوئی..... انشراح خود اس بات کی گواہ ہے۔" وہ چڑا۔

کچھ دیر پہلے ایک لڑکی کے ذکر پر اس کے چہرے کا رنگ کچھ اور تھا..... تیور کچھ اور تھے وہ جو بظاہر اس کی حریف تھی اجنبی تھی لیکن اب ذکر کزن کا تھا..... دوست کا تھا مگر انداز لب و لہجے میں بلا کی اجنبیت تھی۔

"آپ بھی کچھ کہیں.....؟" ایشان جاہ کی طرف سے ناکام ہونے پر صبا نے پریشانی سے چودھری جہانگیر کو دیکھا۔

"ویل..... میں کیا کہوں..... ایشان جاہ کی طرح تم نے مجھے بھی سرپرائز کر دیا ہے۔" چودھری جہانگیر کا گمبھیر لہجہ بھی ایشان جاہ کے بگڑے موڈ کو ٹھیک نہ کر سکا۔

"سرپرائز کی کیا بات ہے جہانگیر..... انشراح میری بھانجی ہے بچپن سے آنا جانا ہے..... وہ اپنے گھر میں کم اور یہاں زیادہ پائی جاتی ہے آپ انجان تو ہیں نہیں جو آپ سرپرائز ڈ ہو گئے اور آپ کا بیٹا منہ پر انکار کر رہا ہے۔" صبا برا مان گئیں۔

"تم نے کسی کو پسند کر رکھا ہے..... کوئی آئیڈیل وغیرہ کا چکر.....؟" صبا کے گلے کو نظر انداز کرتے چودھری جہانگیر نے ایشان جاہ کی طرف دیکھا تو وہ ایک ثانیے کو چپ سا رہ گیا اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت در آئی۔ جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکا۔

"نو....." جواب قطعیت سے دینا چاہا مگر جانے اندر سے زوردار قہقہے کی آواز کیوں آئی تھی۔

"صبا بیگم..... آپ یہاں بڑے آرام سے اپنے بیٹے کا رشتہ جوڑے بیٹھی ہیں اور بیٹے نے انکار کر دیا..... جانے ایشان کی پسند کا معیار کیا ہے لیکن میں یہاں آپ دونوں کو یاد دلا دوں کہ بچوں کی شادی کا فیصلہ بابا جان ہی کرتے ہیں اس بارے میں نہیں سوچا آپ دونوں نے.....؟" چودھری جہانگیر کے سوال پر ایک لمحے کو دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"کم آن ڈیڈ..... میری پسند کا کھلونا یورپ سے لا کر دینے والے ڈیڈ کے منہ سے یہ انیس سو اسی کے ڈائیلاگ کم از کم میں نہیں سن سکتا..... شادی میں اپنی مرضی سے کروں گا..... دادا جان کو ہینڈل کرنا آپ کا کام ہے..... ایکسکیوزمی۔" اپنی بات واضح انداز میں جتا کے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ یہ چودھری جہانگیر کا دیا ہوا مان ہی تھا جو غرور بن کر ایشان جاہ کے لہجے سے جھلکنے لگا تھا۔

"آپ نے بھی تو کبھی اپنے والد کی مانی نہیں..... اب میرے بچوں کو مت پھنسائیں..... گاؤں کے دقیانوسی ماحول کے گھٹے ہوئے فیصلوں میں اگر بابا جان گاؤں کی کسی جاہل گنوار مٹیار یا حویلی کی کسی لڑکی کا رشتہ میرے چاند سے بیٹے سے جوڑیں گے تو کیا وہ آپ کے اور میرے لیے قابل قبول ہوگا؟ جب آپ حویلی میں وہاں کی ان پڑھ عورتوں میں نہ رہ سکے تو میرا ایشان کیسے رہے گا؟" نفرت و نخوت کے اظہار میں سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتے ہوئے ڈگری یافتہ دیوار نیوں جٹھانیوں کو بھی جاہلوں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔

"کہہ تو ٹھیک رہی ہو....." انہوں نے مطمئن انداز میں کرسی پر بازو پھیلائے۔

"لیکن اس خوش فہمی میں تم بھی نہ رہو کہ انشراح کے لیے وہ مان جائے گا..... اپنے بیٹے کے لیے میں زبردستی کا رشتہ کبھی

"وہ لڑکی کون ہے' جس کی وجہ سے ایشان ڈسٹرب ہے..... کوئی نام پتا؟" چودھری جہانگیر جیسا زیرک انسان شاید سوچ پڑھنے میں بھی کمال رکھتا تھا' جس کیفیت کو ایشان جاہ کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا' چودھری جہانگیر اس کی تھاہ کو چھو آئے تھے۔

"اب اس لڑکی کا کہاں سے ذکر آ گیا..... یقیناً بیٹے کا خلجان دور کریں گے' لڑکی کو سبق سکھا کر۔" صبہا کو ان سے یہی امید تھی' تب ہی حیرانی کا اظہار کر کے ذہن پر زور دینے لگیں' چودھری جہانگیر نے سگریٹ نکال کر سلگا لیا۔

"انشراح نے نام تو بتایا تھا شاید..... ہاں ماورا....." وہ اپنی یادداشت سے نام نکال لینے پر خوش ہوئیں۔

"ماورا....." چودھری جہانگیر دھوئیں کے مرغولے میں نام دہرانے لگے تھے۔

❁.....❁.....❁

سب اِدھر اُدھر ہوئے تو شنائیہ چودھری سب سے نظر بچا کر حویلی کے پچھلے حصے کی طرف آ گئی۔ گھنے پیڑ کے نیچے سب بنچ پر بیٹھتے شنائیہ چودھری کو یہ مقام خاصا معقول لگا جہاں وہ آرام سے بات کر سکتی تھی۔

"سمہان' میں حویلی کے پیچھے باغ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں' جلدی آؤ مجھے ضروری بات کرنی ہے۔" سمہان آفندی کا نمبر ملا کے اس نے ایک ہی سانس میں کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ سمہان آفندی ایک لمحے کو سوچتا رہا کہ آیا اسے جانا چاہیے یا نہیں۔

لیکن اگلے ہی لمحے اپنی فطرت سے مجبور' شنائیہ چودھری کی پریشانی کا احساس کرتے ہوئے اس کے قدم باغ کی طرف اٹھے' جانے ایسی کیا بات تھی جو ضروری تھی' ناشتے کی میز پر بھی وہ ذکر کر چکی تھی اور اب وہاں منتظر تھی۔

"تھینکس ٹو اللہ تم حویلی میں تھے..... خدشہ تھا کسی نہ کسی کام سے حویلی سے باہر نہ نکل گئے ہو۔" بلو جینز پر ڈھیلی ڈھالی وہائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس' شنائیہ چودھری اسے دیکھتے ہی شکر ادا کرنے لگی۔

"خیر ہے' شنائیہ جی..... اتنی چلچلاتی دھوپ میں آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟ بات تو اندر بیٹھ کر بھی ہو سکتی ہے۔" اسے بہت عجیب لگ رہا تھا اس بلاوے پر یہاں آتے ہوئے ساتھ ہی گرم تھپیڑوں نے گرمی کا شدت سے احساس دلایا' لیکن گھنے پیڑوں کی چھاؤں اس وقت کسی نعمت سے کم محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"اندر سب جو موجود ہیں' مجھے تم سے اکیلے میں بات کرنا تھی..... میرا خیال ہے' یہ مناسب جگہ ہے بات کرنے کے لیے۔" لہجے میں اطمینان تھا' اس جگہ کا انتخاب کرنے پر اس نے جیسے خود کو شاباشی دی۔

"ایسی کیا بات ہے' جو سب کے سامنے نہیں ہو سکتی؟" وہ آزاد ماحول میں پلی بڑھی تھی اسے شاید ان نزاکتوں کا اتنا احساس نہیں تھا' جتنا اس گھڑی وہ کر رہا تھا کوئی بھی انہیں اس طرح دیکھ کر کچھ بھی سوچ سکتا تھا۔ بنچ پر شنائیہ چودھری سے فاصلہ رکھ کر بیٹھنے کے بجائے وہ مضبوط پیڑ سے ٹیک لگا کر کھڑا رہا۔

"ہمناں....." شنائیہ چودھری نے منہ بنایا۔

"فرمایئے آپ کے کیا کام آ سکتا ہوں؟" اسے خبر تھی اس وقت یہاں کسی کا بھی آنا تقریباً ناممکن تھا لیکن وہ بھی پھر بھی اس کی پریشانی سن کر جلد سے جلد جانے کے موڈ میں تھا یوں تنہائی میں باتیں کرنا اسے کچھ مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ عزت تو وہ پہلے بھی شنائیہ چودھری کی بہت کرتا تھا اور اب شاہ زر شمعون کی نسبت سے اس کا مقام مزید بلند ہو گیا تھا۔

"پلیز کسی طرح یہ نکاح رکوا دو....." وہ بے دھڑک کہہ گئی تو وہ چونکا۔

سوچ سکتی۔

"آپ نے یہ بات کسی سے کی..... میرا مطلب ہے کسی کے سامنے انکار کیا؟" وہ کوئی بھی جواب دینے سے پہلے مکمل معلومات لینے کے حق میں تھا۔ شائیہ چودھری منہ بسور کر رہ گئی۔

"مما پپا سے کہہ کر دیکھ لیا انہوں نے انکار کو موت سے تشبیہ دی شاہ زر شمعون سے بھی کہا..... مجھے لگا تھا کہ وہ میری ناپسندیدگی جان کر خود انکار کر دے گا مگر وہ الٹا اڑ گیا کہنے لگا کہ خود ہی انکار کرو....." سمہان آفندی کے چہرے پر تردد چھایا گویا وہ ہر حربہ آزما لینے کے بعد اس سے مدد کی خواہاں تھی۔

"ہٹلر نے عیشال کے لیے منہ پھاڑ کے انکار کر دیا تھا..... ریزن دیا بہن ہے..... میں اسے اپنے چاچا کی بیٹی لگتی ہوں ناں.....!" وہ یوں چڑ کے بولی کہ ضبط کے باوجود بھی سمہان آفندی کے لبوں پر تبسم پھیل گیا جسے اس نے جلدی سے چھپا لیا۔

"معاف کیجیے گا تھوڑا پرسنل سوال کر رہا ہوں..... آپ کے انکار کے پیچھے کیا وجہ ہے آئے مین آپ کسی اور کو پسند کرتی ہیں..... کوئی کمٹ منٹ وغیرہ.....؟" اس نے جھجک کے سوال کیا۔ شائیہ چودھری کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے سرخی جھلکی پھر وہ نارمل ہو گئی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" سمہان آفندی نے سوال تو کر لیا تھا مگر اس کے جواب آنے تک ایک عجیب سی سوچ نے اسے گھیر لیا تھا اگر جو وہ ہاں کہتی تو اسے شاہ زر شمعون کے لیے بے حد دکھ ہوتا لیکن اس کا انکار سن کر کسی قدر خوشی ملی۔

"جب ایسی کوئی بات ہی نہیں تو بلاوجہ اس رشتے سے انکار..... شاہ بہت اچھا ہے شائیہ جی..... بھائی کے متعلق کوئی مجھے حلف اٹھا کر بھی اسے برا کہے تو میں اس کا یقین نہیں کروں گا پھر آپ اتنے اچھے انسان کو اپنانے سے کیوں منع کر رہی ہیں..... آپ نے بھائی کا سخت روپ دیکھا ہے بس..... وہ اندر سے بہت نرم ہے اپنوں سے بے حد محبت کرتا ہے..... یہ آپ سب کی فکر ہی تھی جو اتنی دور سے بیٹھ کر اس نے آپ سب کی رکھوالی کے انتظامات کیے۔"

"تم چاہے جتنی تعریف کرو لیکن مجھے شاہ کا حاکمانہ انداز پسند نہیں..... میں ساری زندگی اس کے ماتحت نہیں گزار سکتی مجھے شاہ کا مان سخت ناپسند ہے اگر تم جیسے مزاج کا ہوتا سوفٹ لائیٹ..... تو بے دھڑک ہاں کر دیتی....." شائیہ چودھری شاید روانی میں ایسا کہہ گئی تھی مگر سمہان آفندی یک دم چونکا اور جب بولا تو لہجہ پہلے سے زیادہ سنجیدہ تھا۔

"جہاں محبت ہوتی ہے وہاں کوئی حاکم اور محکوم نہیں ہوتا شائیہ جی..... بالفرض ایسا ہوتا بھی ہے تو دونوں فریقین ہمیشہ ایک منصب پر برابر جان نہیں رہتے مرد حاکم ہوتا ہے تو کبھی محکوم بننا بھی گوارا کر لیتا ہے کیونکہ نکاح جیسے رشتے کی خوب صورتی ہی یہی ہے..... رہی میرے مزاج کی بات تو میرا اصل مزاج تو صرف اس بندی پر کھلے گا جو میری زندگی میں آئے گی..... اسی طرح شاہ کے سخت روپ کے پیچھے جو حساس دل ہے اس کی خبر بھی صرف ہماری بھابی یعنی آپ کو ہو گی..... ایک بات واضح کر دوں..... مرد جیسا نظر آتا ہے ویسا ہوتا نہیں..... اس کا اصل روپ وہی عورت جان سکتی ہے جو اس کے اندر اتر چکی ہو....." اس نے بڑے سبھاؤ سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں نے تمہیں مدد کے لیے بلایا ہے اور الٹا تم مجھے قائل کرنے کے لیے دلیلیں دے رہے ہو....." وہ چڑ سی گئی۔ بھابی سن کے تو منہ ہی بن گیا..... حوالہ جو شاہ زر شمعون کا تھا۔

"آپ کے انکار کی کوئی معقول وجہ ہوتی تو میں یقیناً کوشش کرتا لیکن اس بچکانہ سوچ پر کیا کہوں سوائے اس کے کہ آپ کی سوچ غلط ہے..... آپ حویلی میں نہیں رہتیں لیکن حویلی کے اصولوں سے واقف تو ہیں کہ داجان کے فیصلے پتھر کی لکیر ہوا کرتے

چودھری کو یہی لگا کہ وہ اس کی مدد کرنا نہیں چاہتا تب ہی باتیں گھڑ رہا ہے اور اسی لیے اس نے تنگ کے گیند اس کی طرف اچھال دی۔

شنائیہ چودھری کے سوال پر ایک لمحہ کو دل رکا..... اس کی تو نہیں لیکن یعشال کی شادی کا سن کر اس پر جس طرح افسردگی سی چھا گئی تھی..... جانے اپنی باری میں کیا ہوتا؟

"اور میرا جواب ہے شاید ہاں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو شنائیہ اسے حیرت سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

حقیقت جان کر ایسی حماقت کون کرتا ہے؟
بھلا بے فیض لوگوں سے محبت کون کرتا ہے؟
بتاؤ جس تجارت میں خسارہ ہی خسارہ ہو
بنا سوچے خسارے کی تجارت کون کرتا ہے؟
ہمیں ہی غلط فہمی تھی کسی کے واسطے ورنہ
زمانے کے رواجوں سے بغاوت کون کرتا ہے؟
خدا نے صبر کرنے کی مجھے توفیق بخشی ہے
ارے! جی بھر کے تڑپاؤ شکایت کون کرتا ہے؟
زمانے کی نگاہوں سے ہیں دلوں کے بھید پوشیدہ
خلوص دل سے رب جانے محبت کون کرتا ہے؟
کسی کے دل کے زخموں پر مرہم رکھنا ضروری ہے
مگر اس دور میں محسن یہ زحمت کون کرتا ہے؟

کمرے میں آ کر وہ جل بھن رہی تھی سارے منظر نے موڈ غارت کر دیا تھا۔

شنائیہ چودھری کا سمہان آفندی سے حد سے زیادہ فری ہونا اسے سخت ناگوار گزرتا تھا یوں تو حویلی میں ساری لڑکیاں ہی اس سے فری تھیں۔ وہ اچھا بھائی اور اچھا کزن تھا سب کے کام آتا تھا پر شنائیہ سے اسے ہمیشہ سے ایک چڑ سی محسوس ہوتی تھی شاید اس لیے کہ وہ شہری ماحول کی پروردہ تھی چودھری جہانگیر کے شہر سے تھی جس طرح چودھری جہانگیر کو اس کی گنوار ماں سے نفرت تھی اسی طرح اسے شہری لوگوں سے..... شنائیہ چودھری سے چڑنے کی دوسری وجہ سمہان آفندی بھی تھا۔ اس کی خوش خلقی کے تو سارے پنڈ میں چرچے تھے مگر جب وہ ہنس ہنس کر صنف مخالف سے بھی خوش اخلاقی جھاڑنے لگتا تو اسے سخت زہر لگتا تھا۔

"وہ شخص اس قابل ہی نہیں ہے کہ میں اسے سوچوں..... بھاڑ میں جائے مجھے اب اس سے کوئی امید ہی نہیں رکھنی۔" بے دردی سے آنسو ہاتھوں کی پشت سے رگڑتی وہ خود ترسی کے سمندر میں ڈوبتی جا رہی تھی..... نہ قول و قرار تھے نہ دلی کیفیات کبھی بیاں ہوئی تھیں بس کبھی ان کہی کے بیچ ایک بے نام سا رشتہ تھا جسے وہ پہلے بھی رد چکا تھا غلط فہمی سے تشبیہ دے چکا تھا پھر کس زعم میں وہ خود کو اہم گردانتی..... اپنے جذبوں پر نہال ہوتی۔

ناشتہ کرنے کے باعث اس کے قدم کچن کی طرف اٹھے تھے لیکن باغ کی طرف سے پہلے شنائیہ چودھری اور پھر سمہان

پہلے کہ وہ کچھ کہتا حویلی سے پھپھی وہاں سے چلی گئی اور اب خود بھی کی کیفیت میں مبتلا ہوگئی تھی۔

"میرا وجود بے کار ہے اس حویلی میں..... سب اپنی دنیا میں مگن ہیں..... میرا کوئی نہیں..... جس سے امید تھی وہ بھی اجنبی بن کے ہنسی اڑاتا ہے..... سب جان کے انجان بن کے میرے درد کا تماشا دیکھتا ہے..... اس کی اپنی دنیا ہے..... جس میں میں کہیں بھی نہیں ہوں..... وہ بھی حویلی کے ظالموں میں سے ہے..... نجانے میں نے کیوں اسے اوروں سے مختلف سمجھنے کی غلطی کر رکھی ہے اور یہ غلطی میں مسلسل کر رہی ہوں....." خود اذیتی میں گھری وہ خود ہی بول رہی تھی..... آنسو بے دردی سے رگڑ رہی تھی اور جس کے لیے یہ سب کر رہی تھی وہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

"تمہیں کیا ہوا..... اتنی چپ چپ کیوں ہو؟ کئی دنوں سے نوٹس کر رہی ہوں کچھ پریشان ہو..... کیا پھر کوئی حرکت کی ایشان جاہ یا اس کے گروپ نے؟" وہ کوچنگ سینٹر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی چند دن ہی ہوئے تھے اسے کوچنگ سینٹر میں پڑھاتے ہوئے۔ چند گھنٹوں کا اچھا معاوضہ مل رہا تھا تو اسے کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوا اس کی غائب دماغی اور پُرسوچ انداز کو تشویش بھری نظروں سے دیکھتی انوشا نے سوال کیا تو وہ اپنے خیالوں سے چونک گئی۔

کوئی ایک بات ہوتی تو وہ اسے بتاتی بھی منزہ کی بیماری کا دھچکا ہی سب سے بڑا تھا اس پر اس ڈاکٹر بخت کی مسلسل چھیڑوں نے اسے افسردہ کر رکھا تھا تو ایشان جاہ سے جھڑپ اور پھر یحییٰ سرفراز نامی بندے سے متعارف ہو کر وہ بہت الجھی رہی تھی۔

اس نے دانستہ انوشا سے اپنے باپ کے ہم نام شخص کی آمد چھپائی تھی وہ نہیں چاہتی تھی وہ جس قدر پریشان ہو رہی ہے انوشا بھی ہو اور اس پر ستم یہ کہ منزہ سن لیتیں تو ان کی ناراضی الگ سہنی پڑتی۔

"تنگ تو نہیں کیا لیکن....." ماورا نے سنبھل کر صبح کی گفتگو اور ایشان جاہ سے مڈبھیڑ کا احوال کہہ سنایا تو مارے حیرت کے انوشا کی آنکھیں ابل پڑیں۔

"ہیں..... واقعی..... یہ تو بڑا پوزیٹو سائیڈ دکھا رہی ہو اس کا..... مجھے یقین نہیں آ رہا کہ وہ واقعی تمہاری مدد کرنا چاہ رہا ہے امیزنگ..... تم بھی ناں..... بتا دینا تھا اسے شاید وہ کوئی مدد ہی کر دیتا جب اس کے تایا اور تائی جان اسی ہاسپٹل میں ہوتے ہیں تو..... جانے کیوں رپورٹس ٹھیک آنے کے باوجود اماں کی طبیعت میں بہتری نہیں آ رہی..... تم نے ٹھیک کہا جو دوسرے ڈاکٹر کا پتا کرنے لگیں۔" انوشا سن کر از حد متاثر ہوئی کہ ایشان جاہ نے مدد کی پیشکش کی ماورا نے حقیقت چھپا کر ہی کہانی سنائی تھی۔

"اب کے وہ مدد کرنا چاہے تو سن لینا۔" انوشا لہجہ بدل کے نصیحت کرنے لگی۔

"چھوڑو..... اس میں بھی اس کی کوئی نہ کوئی چال ہو..... جب اکڑ سے دال نہ گلی تو روپ بدل کے مددگار بن کے آ گیا۔" نخوت سے سر جھٹکا۔

"ایک تو تم ہر بات کا منفی پہلو دیکھتی ہو..... ضروری تھوڑی ہے کہ ایک بندہ ہر بار غلط ہو۔" انوشا نے اس کی طرف داری کی۔

"جب ایک چیز کی بنیاد ہی غلط ہے تو وہ آگے جا کر اچھی کیسے ہو سکتی ہے؟ کل تک مجھے نیچا دکھانے والا آج مہربانی کے موڈ میں ہے تو کوئی تو بات ہو گی ناں۔" ماورا ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے مت مانو..... لیکن آئندہ وہ کوئی اچھی بات کرے تو تم بھی لڑنے نہ کھڑی ہو جانا۔" انوشا کی بات پر ماورا اسے

ڈھونڈو گر ہو سکے۔" انوشا نے ہنستے ہوئے ہاتھ جوڑے آخر میں لہجہ شرارتی ہو گیا تھا۔

"اماں نے تمہاری یہ سطحی باتیں سن لیں ناں تو مجھ سے زیادہ بہتر کلاس لیں گی تمہاری اور مجھ سے تعاون کی امید نہ رکھنا کیوں کہ اس وقت تم مجھے ڈیزرونگ لگ رہی ہو۔" وہ منہ پھلا کر تن کر بولی تو انوشا کھلکھلا کے ہنس دی تھی۔

❁.....❁.....❁

نکاح کی تیاری کے سلسلے میں سب کو بازار جانا تھا فائزہ نے زمرد بیگم سے شہر جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے چودھری حشمت سے اجازت لے لی فائزہ نے سب کو تیار ہونے کو کہا تو لڑکیوں میں کھلبلی مچ گئی۔

شائستہ چودھری نے تو سنتے ہی صاف منع کر دیا تھا البتہ دیا اور ماہم جا رہی تھیں اس کے بے زاری سے منع کرنے پر دیا سب کی سامنے گھور کے رہ گئیں اور سر درد کا بہانہ بنا کر دوا دینے کے بہانے اس کی ٹھیک ٹھاک کلاس لے لی تھی۔

عیشال جہانگیر کا موڈ بے حد خراب تھا ندا کے اصرار پر وہ راضی ہو گئی کہ حویلی میں بیٹھ کر وہ کر بھی تو کیا؟ روتے رہنے سے کون سا اس کے مسئلے حل ہو جاتے اور جس کے لیے یہ رونا دھونا تھا وہ جانے کہاں کی خاک چھان رہا تھا۔

چونکہ نکاح کی تقریب بڑے پیمانے پر تھی تو اسے بھی اپنی تیاری کرنا تھی پہلے تو بے دلی کی وجہ زبردستی نکاح تھی لیکن اب کوئی قدغن نہیں تھی وہ بڑی اچھی طرح اس تقریب کو انجوائے کر سکتی تھی۔

وہ تیار ہو کر آئی تو دونوں گاڑیاں روانگی کے لیے تیار تھیں چونکہ شائستہ چودھری اور زمرد بیگم کو چھوڑ کے تقریباً تمام ہی خواتین تھیں اس لیے دو گاڑیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ پہلی گاڑی تقریباً بھر چکی تھی جس میں فریال فائزہ اور دیا کے ساتھ زرش براجمان تھی جب کہ دوسری گاڑی میں لڑکیوں نے ہلہ بول دیا تھا جس میں ندا شازمہ یمنیٰ اور ماہم ٹھنس کے بیٹھی تھیں۔ دونوں گاڑیوں کو بھرا دیکھ کر عیشال جہانگیر کا منہ بن گیا تھا۔

"مجھے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھنے کی کوئی خواہش نہیں..... تم آجاؤ فرنٹ سیٹ پہ....." وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولے کھڑی تھی جبکہ چاروں پیچھے ٹھنسا ٹھنس بیٹھی تھیں۔

"ڈرائیور اپنا ہی ہوگا عیشال ڈرنے کی کیا بات ہے۔" یمنیٰ نے سوچا کہ وہ گلاب خان (ڈرائیور) کے ساتھ بیٹھنے سے گھبرا رہی ہے تو دلاسا دینے لگی اور ڈر کی بات غالباً عیشال کے دل پر تازیانہ بن کے لگی تھی تب ہی وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے لگی۔

"ڈرائیور اپنا ہو یا پرایا آگے بیٹھنے میں کیا حرج ہے؟ جب گاڑی حویلی کی ہے تو....." تردد کو ایک طرف رکھ کے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرنے ہی لگی تھی جب ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے سمہان آفندی کو دیکھ کر سب ہنسنے لگیں۔

"کیوں عیشال..... ڈرائیور تو اپنا ہے ناں.....؟" اسے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ہوتا دیکھ کر اور سب کے جملوں اور ہنسی پر وہ جز بز ہونے لگی..... سمہان آفندی نے اچنبھے سے ان کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کی اسے فرنٹ سیٹ پر دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، صد شکر جوگلاسز کے باعث کسی کو نظر نا آسکیں..... عیشال جہانگیر کھسک کے تقریباً دروازے سے جا لگی تھی۔

"تم ساتھ جا رہے ہو سمہان؟" ندا کو بھی حیرت ہوئی۔

"جی..... گلاب خان کو ایمرجنسی میں گھر جانا پڑ گیا اس کے بچے کی طبیعت خراب ہے اس لیے داجان نے میری ڈیوٹی لگا دی اگر زیادہ برا لگ رہا ہوں تو کہہ دیں میں دوسرے ڈرائیور کو یہاں بھیج دیتا ہوں اور میں دوسری گاڑی میں چلا جاتا ہوں۔"

پڑے گا تم ہو تو تسلی ہے اب۔" ندا نے فوراً کہا تو عیشال جہانگیر ندا کے بیچ انگل دینے پر منہ باہر کی طرف کر کے رخ پھیر گئی تب ہی زرش دوسری گاڑی سے نکل کر بھاگتی ہوئی ان کی گاڑی تک آئی اور پیچھے ایک نظر ڈال کر کھٹ سے عیشال کی طرف کا دروازہ کھلا عیشال جہانگیر جو دروازے سے چپکی بیٹھی تھی گرتے گرتے بچی..... بچی نہیں..... بازو تھام کر اسے بچایا گیا تھا بڑی سی سیاہ چادر میں اس نے خود کو چھپا رکھا تھا۔ عیشال جہانگیر نے بایاں ہاتھ ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے سرعت سے اپنے بازو پہ اس کی گرفت کو دیکھا وہ سب زرش کی طرف متوجہ تھیں ان کی نظر سے یہ منظر اوجھل رہا تھا۔ اسے سنبھلتے دیکھ کر سمہان آفندی نے سرعت سے ہاتھ ہٹا لیا تھا۔

"بڑی بے مروت لڑکیاں ہو تم سب..... یہاں سب مزے سے گھسی بیٹھی ہو اور مجھے مما اور دونوں تائیوں کے ساتھ بور ہونے کو اکیلا چھوڑ دیا میرے لیے بھی جگہ بناؤ اس میں۔" زرش کھڑکی پر جھکی سب کو لعنت ملامت کر رہی تھی۔

"ہم تو خود پھنس کے بیٹھے ہیں سانس بھی مشکل سے آ رہا ہے۔" شازمہ نے ہری جھنڈی دکھائی۔

"عیشال چلو آگے کھسکو شاباش۔" پیچھے سے ناامید ہو کر زرش نے اسے آگے دھکیلتے ہوئے سیٹ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو مجبوراً عیشال جہانگیر کو آگے کھسکنا پڑا۔

"دروازہ ہی بند نہیں ہو رہا اور آگے تو ہو کون سا اسی نوے کلو وزن ہے تمہارا جو پوری سیٹ پر پھیل کر بیٹھی ہو۔" زرش نے مزید آگے نہ کھسکنے پر کلاس لی تو وہ مزید آگے ہوتی چڑ گئی۔

"اب کیا گیئر پر چڑھ جاؤں؟" جھنجلائے انداز پر سمہان آفندی نے ہاتھ لبوں پر رکھ کر مسکراہٹ چھپائی۔

سمہان آفندی کے اتنے قریب بیٹھنے پر وہ پہلے ہی حواس باختہ ہو رہی تھی آنکھوں پر چڑھے بلیک گلاسز کے پیچھے چھپی آنکھیں مسکراتی محسوس ہو رہی تھیں گرے جینز بلیک ٹی شرٹ میں گلاسز چڑھائے وہ ہینڈسم دل کی دنیا کو زیر و زبر کر رہا تھا۔

"میرا بھائی کھا نہیں جائے گا تجھے..... کھسک....." زرش نے بھی ادھار نہ رکھا تو مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہ گیئر کے مزید قریب ہوئی تو زرش نے کھٹ سے دروازہ بند کر لیا۔

"اگر سیٹ ایڈجسٹمنٹ ہو گئی ہے تو چلوں؟" اس نے مسکراتی نظروں سے سوال کیا۔ عیشال جہانگیر نے تو جل کر منہ پھیر لیا کہ صبح کے دونوں منظر بھولی نہیں تھی سب نے ہاں میں جواب دیا تو اس نے بھی اگنیشن میں چابی گھمائی۔

"سمہان..... طویل سفر ہے اچھا سا سونگ ہی لگا دو۔" پیچھے سے ندا نے ہانک لگائی تو سب کی کھی کھی پر عیشال جہانگیر لب بھینچ گئی سمہان آفندی نے لب دبا کر فرمائش پوری کی۔

ساکوں ڈھول منانوناں ایں
ساکوں یار منانوں ناں ایں
بھانویں سردی بازی لگ جاوے

گانا لگتے ہی سب پُرجوش ہو گئیں سمہان آفندی نے چہرہ بے ساختہ کھڑکی سے باہر کر کے سائیڈ مرر دیکھنے کے بہانے اپنے تاثرات چھپائے جز بز ہوتی عیشال نے کھا جانے والی نظر ڈال کر بے ساختہ اسے گھورا تھا۔

❁.....❁.....❁

سب چلے گئے تو حویلی میں سناٹا بولنے لگا تھا اکیلے پن کے خیال سے زمرد بیگم کافی دیر اس کے پاس بیٹھی رہیں گاؤں کی

سمہان آفندی کا آسرا بھی ختم ہو گیا تھا وہ بھی تاج بن گیا تھا جس پر وہ خرید بدول ہوئی کی ایسے میں سب نے بازار جانے کا شور مچایا تو اس نے منع کر دیا جس کے نتیجے میں دیا نے خاصی عزت افزائی بھی کی..... دیا نے سب کے سامنے سر درد کا بہانہ بنایا اور اب واقعی سوچ سوچ کے اس کا سر پھٹنے لگا تھا لیکن مسئلے کا کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی' مرد حضرات اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے' چودھری بخت' چودھری فیروز اور چودھری اسفند کے ساتھ اپنی بزرگوں کی زمینوں اور کھیتوں کی سیر کو نکلے ہوئے تھے۔

دستک یقیناً ملازمہ دے رہی تھی زمرد بیگم نے کہا تھا کہ وہ چائے کے ساتھ شام کا میٹھا ملازمہ کو بتا دے اس کا کچھ کھانے پینے کا موڈ نہیں تھا' تب ہی نظر انداز کر دیا تھا اور اب دستک نے احساس دلایا کہ خواہ وہ نظر انداز کر دے مگر حویلی کی خدمت پر مامور وفادار ملازم اپنے فرائض تن دہی سے سرانجام دیتے ہیں۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھی رہی کہ ملازمہ خود ہی تھک کر چلی جائے گی مگر جب دستک نہ رکی اور آواز کی شدت بڑھنے لگی تو غصے سے کھولتے ہوئے اس نے تیزی سے دروازہ کھولا بری طرح دھکیلنے کے باعث دروازہ زوردار آواز سے دیوار سے جا لگا تھا' توقع کے عین مطابق ملازمہ کھڑی تھی جو اس کے جارحانہ انداز اور غصیلے تیور کے ساتھ دروازہ پٹخنے پر سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں؟ ذرا سینس نہیں تم جاہل گنوار لوگوں میں کہ دروازہ نہیں کھل رہا تو کوئی وجہ ہو گی سینس نہیں تو کسی کی پرائیویسی کا ہی خیال کر لو لیکن نہیں..... میں بھی کس کے منہ لگ رہی ہوں' جسے مینرز اور پرائیویسی کے مفہوم و معنی تک نہیں آتے ہوں گے..... حویلی والوں نے بس بھیڑ' بکریوں کی طرح نوکروں کی فوج جمع کر رکھی ہے کسی کو ایجوکیٹ نہیں کیا....."

ملازمہ تو اس کے غصیلے چہرے کو دیکھ کر پہلے ہی سراسیمہ ہو گئی تھی اور جب شائستہ چودھری بری طرح پھٹ پڑی تو وہ بھاگنے کے لیے پر تولنے لگی۔

"وہ میں..... آپ کے لیے چائے....."

"زہر ڈال کے لاؤ اس چائے میں....." وہ کاٹ کھانے کو دوڑی تو ملازمہ ہکلا کے رہ گئی۔

راہداری سے گزرتے' شاہ زر شمعون نے دروازہ کھلنے سے لے کر اس کے سارے جملے پورے سیاق و سباق کے ساتھ سننے کا شرف حاصل کیا اور اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ ترک کر کے اس کے کمرے تک آیا جہاں ملازمہ بے چاری اس "حکم" پر اسے "تشویش" سے دیکھ رہی تھی۔ شاہ زر شمعون کو دیکھ کر جہاں اس کی زبان رکی وہیں ملازمہ نے سکون کا سانس لیا۔

"تم جاؤ۔" اندھا کیا چاہے دو آنکھیں..... شاہ زر شمعون کا اشارہ پاتے ہی ملازمہ سرپٹ دوڑی' ایک پل کو اسے مزا بھی آیا کہ کیسے صاحب کے سامنے آنے پر بی بی جی کی آواز بند ہو گئی تھی۔ ملازمہ راہداری میں غائب ہوئی تو شاہ زر شمعون اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"سب سے پہلے تو اپنی آواز آہستہ رکھنا سیکھیں..... یہ آپ کا محل نہیں' حویلی ہے اور یہاں کسی کو اونچی آواز میں بولنے کی قطعاً اجازت نہیں۔" سرد لہجے میں باور کراتے وہ اسے لب بھینچنے پر مجبور کر گیا۔

"خدمت پہ مامور لوگ آپ کے لیے ملازم ہوں گے لیکن حویلی میں نسل در نسل لوگ یہ فرائض ادا کرتے ہیں' ان کی وفاداری اور جاں نثاری پر ہم نے کبھی انہیں ملازم نہیں سمجھا وہ اس حویلی کا حصہ تصور کیے جاتے ہیں۔" اس کے سرد لیکن کڑے لہجے پر شائستہ چودھری دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"[illegible]

اتارنے کا آپ کوئی حق نہیں رکھتیں..... خیال رکھیے گا آئندہ کبھی کسی ملازم سے بدتمیزی سے پہلے سوچ لیجیے گا۔" تنبیہ کر کے وہ پلٹا ہی تھا کہ اسے رکنا پڑا۔

"ایک منٹ..... یہ ورنہ..... لیکن..... آئندہ..... آپ دھمکی کس بات کی دے رہے ہیں پہ کر کیا لیں گے آپ میرا.....؟" ایک تو وہ پہلے ہی چڑی بیٹھی تھی سونے پر سہاگہ وہ آ کر بھاشن دینے لگا اور جس کی وجہ سے اس کا سکون غارت ہوا' وہی اس پر برسے یہ اس سے زیادہ دیر برداشت نہ ہو سکا تو سارے ڈر ایک طرف رکھ کے وہ بھڑک اٹھی۔

"آپ کا کون کیا بگاڑ سکتا ہے..... چھید والا گھڑا بھی کبھی کارآمد ثابت ہوا ہے؟" استہزائیہ انداز سے گھورتے ہوئے وہ اسے مزید سلگا گیا۔

"جب اتنی ہی برائیاں ہیں مجھ میں تو کیوں خوشی خوشی نکاح کر رہے ہیں..... جائیے جا کر منع کر دیجیے دادا جان کو تاکہ وہ آپ کے لیے آرڈر پر عقل مند پری تیار کروا لیں۔" موقع پر چوکا لگاتے اس نے رگیدنا مناسب خیال کیا تاکہ وہ بلبلا کر پیچھے ہٹ جائے مگر اس کی کوشش پر وہ مسکرا دیا' اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کی چاہ تھی لیکن اپنا مذاق اڑتے دیکھ کر مزید آگ بگولہ ہونے لگی۔

"محترمہ..... اگر آپ سوچ رہی ہیں کہ یوں تیلی دکھا کر مجھے بھڑکا سکیں گی تو آپ کی عقل کو سلام' ٹھیک ہے آپ سے شادی کرنا میری خواہش نہیں لیکن اب ضد بن گئی ہے..... لگا لیں ایڑی چوٹی کا زور یہ نکاح تو اب ہو کر ہی رہے گا چاہے آپ پنکھے سے لٹک جائیں یا حویلی کی چھت سے کود جائیں....." اس کے ہٹیلے لہجے پر وہ جھلس ہی تو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

شاپنگ سینٹر آ کر تو سب اِدھر اُدھر ہو گئی تھیں فائزہ' فریال' دیا سامان دیکھتے ہوئے صلاح مشورے سے کام لے رہی تھیں تو لڑکیاں من پسند چیزیں دیکھ کر پُرجوش ہو رہی تھیں' ڈرائیور پارکنگ میں ہی بیٹھا ہوا تھا لیکن سبحان آفندی ان کی حفاظت کے خیال سے ان سب سے فاصلہ رکھے ان کے پیچھے چل رہا تھا' اس کی نظریں عیشال جہانگیر پر تھیں' لڑکیاں آگے نکل کر دائیں بائیں دکانوں میں گھس گئیں اور وہ ایک جگہ رک گئی تھی' چند قدم آگے آ کر سبحان آفندی نے اس کی نظروں کا مرکز دیکھا فیملی ڈمی لگی ہوئی تھی' میل اور فی میل ڈمی کے ساتھ چھوٹا سا بابا ڈمی بھی موجود تھا اور تینوں ہی ڈریسز کمال کے تھے۔

"ڈریس پسند آیا؟" اس کی محویت نوٹ کر کے اس نے یہی اخذ کیا کہ سوٹ پسند آ رہا ہے..... ایک دم قریب سے آواز سن کر اس نے بے ساختہ گردن موڑی' وہ ساتھ ہی کھڑا تھا۔

"یہ فیملی پسند آئی ہے۔" سر جھٹک کر ادھر ادھر نظر ڈالتی وہ مستدری سے آگے بڑھنے لگی۔

"ناراض ہو؟" وہ ہم قدم ہوا' پلکوں پر چمکتے آنسو جنہیں وہ بڑی مہارت سے سب سے چھپا گئی تھی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکے۔

"میں کیوں ناراض ہونے لگی بھلا۔" وہ نخوت سے جھٹلانے لگی' وہ اس کے انداز پر مسکرا دیا' ناراض بھی تھی اور جھٹلا بھی رہی تھی۔

"شائستہ جی' اس نکاح کی وجہ سے تھوڑی ڈسٹرب ہیں' اتنی عجلت میں اعلان ہوا شاید اسی لیے وہ اسے قبول نہیں کر پا رہیں..... انہوں نے اسی سلسلے میں بات کرنے کے لیے بلایا تھا۔"

"تو مجھے کیوں بتا رہے ہو..... میں نے کون سا تمہاری داڑھی کے تنکے تلاش کر لیے....." اس کے کہنے پر وہ

"جب سمندر میں اترتے ہیں تو چھوٹی موٹی لہروں کی پروا نہیں کرتے پیراک کی نگاہ تو تھاہ میں موجود سیپ کے اندر موجود موتی پر ہوتی ہے کیوں کہ اس موتی کی اہمیت اس کی نظر میں ان لہروں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔" ساتھ چلتے وہ دھیمے سروں میں گویا ہوا عیشال جہانگیر نے بے ساختہ اسے دیکھا۔

وہ کیا سمجھانا چاہ رہا تھا؟ کیا وہ جان گیا تھا کہ وہ جلن محسوس کر رہی ہے.....؟ اس کی بے گانگی پر کلس رہی ہے.....؟ آیا کیا یہ اظہار تھا.....؟ اس کے ہونق چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ ہولے سے مسکرایا۔ سیاہ لباس میں ملبوس اس روشنیوں سے بھرے ماحول اور طرح دار بے حجاب حسیناؤں کے آگے وہ اپنے وجود کے گرد لپٹی چادر کو تھوڑی کی طرف انگلیوں سے پکڑے اتنی معصوم لگ رہی تھی کہ سمہان آفندی اسے دیکھتا ہی رہا۔

"پریشان نہ ہو..... صبر سے انتظار کرو..... میری پوری کوشش ہے کہ وہی ہو جو تم چاہتی ہو لیکن اس کے لیے تمہیں موجودہ روش چھوڑنا ہوگی..... اچھی لڑکی بن کے سب کو دکھانا ہوگا جو جان جانے پر بھی اف نہیں کرتی....." جانے وہ کیا سمجھانا چاہ رہا تھا عیشال جہانگیر نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"حاصل ولا حاصل کو قسمت کی گھٹی میں ڈال کر کوشش کیے بنا قربان ہو جانا میری نظر میں بڑا کارنامہ نہیں..... اپنے مفاد کے لیے آواز اٹھانا اور باقی پر سانوں کی کابور ڈلگانا میرا شیوہ نہیں..... کنڈیشنل چیزیں میرے پاس نہیں رہتیں اور افسوس میں ڈمی نہیں بن سکتی۔" اس کے دوٹوک انداز پر سمہان آفندی نے گہرا سانس لیا اگر وہ حویلی کا وفادار نہ ہوتا تو اس کی جرأت کو سلام ضرور پیش کرتا۔

❁.....❁.....❁

کمیٹی والی نے کمیٹی لے جانے کی نوید دی تو منزہ کو از حد خوشی ہوئی انوشا کے سسرالی شادی کی تاریخ طے کر گئے تھے اور اب وہ جلد سے جلد سارے انتظامات کرنا چاہ رہی تھیں اوپر سے اس خبیث کے آنے کا ڈر بھی بار بار ستا رہا تھا۔ کمیٹی ملنے کی خوشخبری ملی تو اس کا دیا کارڈ وہ بٹوے میں دبا گئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ دروازے پر آ کر ان کی پریشانی میں اضافہ کرتا وہی اس کے منہ پر پیسے مار آنے کا سوچ رہی تھیں۔

وہ ایک گنجان علاقے میں کھڑی تھیں تنگ و تاریک گلیاں جگہ جگہ چائے خانے اور پان کے کھوکھے اور اس پر عجیب و غریب لوگوں کا رش اور ان کی لپکتی نظریں دیکھ کر منزہ نے چادر سے چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ تھوڑی کوشش سے انہیں فلیٹ مل گیا اندھیرے میں ڈوبی تنگ سیڑھیاں دیکھ کے انہیں ہول اٹھنے لگے ایک بار تو دل میں سمایا کہ واپس لوٹ جائیں مگر پھر دل کڑا کر کے باقی کی سیڑھیاں طے کر کے انہوں نے دروازے پر دستک دے ہی دی۔

"اوہو..... میری رانی آئی ہے.....!" چند ثانیے بعد دروازہ کھل گیا اور یحییٰ سرفراز انہیں دیکھتے ہی چہکنے لگا اس کا چہکنا منزہ کو ایک آنکھ نہ بھایا۔

"میں پیسے دینے آئی تھی..... یہ رکھو دس ہزار اور آج کے بعد پھر کبھی میرے گھر کا دروازہ نہ بجانا ورنہ پولیس کو یہاں لانے میں مجھے ذرا دیر نہیں لگے گی۔" پرس کھولتی منزہ نے دھونکنی کی طرح چلتی سانس کے باوجود ایک ہی سانس میں سب کہہ دیا۔

"ارے ایسی بھی کیا بے رخی؟ ٹھیک ہے تو کہہ رہی ہے تو پھر نہیں آؤں گا تیرے دروازے پر لیکن مجھے تیری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی بیٹھ جا تھوڑی دیر اندر آ کر۔" دس ہزار کا سن کر وہ اندر آنے کی دعوت دینے لگا۔

"دیکھ گر جائے گی اندر آ کر پانی پی لے..... تو تو مجھے دھتکار کے بھگا دیتی ہے لیکن میں ایسا نہیں کروں گا آ جا اندر..... کون سا نامحرم ہوں جو مجھ سے ڈر رہی ہے۔" اس کی قینچی کی طرح زبان چل رہی تھی' منزہ کو کھڑے کھڑے واقعی چکر آ رہے تھے کچھ بعید نہ تھا وہ اس اجنبی علاقے میں اس خبیث کے سامنے بے ہوش ہو جاتیں..... دل کڑا کر کے وہ اندر آ ہی گئیں۔

"تو بیٹھ' میں تیرے لیے پانی لاتا ہوں۔" وہ لنگڑاتا ہوا ایک طرف کو بنے کچن کی طرف چلا گیا تو منزہ لکڑی کی کرسی پر بیٹھ گئیں کہ وہی اس کمرے میں قدرے صاف ستھری تھی۔

گھر کیا تھا کباڑ خانہ تھا کوئی چیز ترتیب سے نہیں تھی..... میلا کچیلا بستر' کھڑکیوں پر ٹنگے غلیظ پردے' گندے برتنوں پر چلتے کاکروچ اور ناخوش گوار بو سے انہیں ابکائی آنے لگی۔

"چائے پی میرے ہاتھ کی' اپنے لیے بنا رہا تھا' زیادہ بن گئی شاید دل کو پتا تھا تو آئے گی۔" وہ پانی کے ساتھ چائے کے دو کپ بھی لے آیا تھا۔ اس کی بکواس پر منزہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا بیٹھنے کے باعث حواس قدرے بحال ہونے لگے تھے' مگر انہوں نے اس گھر کا پانی تک پینا گوارا نہیں کیا۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے..... میں یہ پیسے دینے آئی تھی۔" لفافہ دل گیا تھا' اپنی محنت کی کمائی دیتے ہوئے دل ضرور دکھا تھا مگر اس سے جان چھڑانے کے لیے یہ تکلیف بھی برداشت کرنا تھی۔ لفافہ اس کی طرف بڑھاتے' پرس اٹھا کر جانے کی نیت سے کندھے پر ڈالنے لگیں تو اس نے پرس کھینچ لیا۔

"چلی جانا' اتنی جلدی کیا ہے بیٹھ جا تھوڑی دیر..... تیری ناراضی ختم نہیں ہوئی اب تک معاف کر دے مجھے..... ایک موقع دے میں سدھر جاؤں گا..... اپنی دونوں بچیوں کے ساتھ' ہم ساتھ رہیں گے۔" وہ جانے کون سے سہانے سپنے دکھا رہا تھا' وہ نفرت سے منہ پھیر گئیں' لبوں پر تلخ مسکراہٹ سج گئی۔

"خواب دیکھنا چھوڑ دو یحییٰ سرفراز..... تمہیں تو میں نے اپنی زندگی سے اسی دن نکال پھینکا تھا' جس دن تمہارے گھر سے بھاگی تھی اور اب اتنے سالوں بعد تم نظر آئے تو مجھے خوشی ہوئی کہ برسوں پہلے میں نے بہت اچھا فیصلہ کیا تھا' میں تمہاری کسی بات میں نہیں آؤں گی..... یہ پکڑو دس ہزار اور میری بات پر سنجیدگی سے غور کرنا یہ نہ ہو مجھے سختی سے عمل کرنا پڑے۔" لفافہ اس کی گود میں پھینکتے ہوئے نفرت و نخوت سے کہہ کر انہوں نے اپنا پرس کھینچا جو وہ دبوچے بیٹھا تھا تاکہ منزہ اٹھ کر نہ جا سکیں اس کے بت بنے رہنے پر منزہ نے پرس کھینچ کر نکالا اور تیزی سے نکل گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

سعید کی منگنی تھی ان کا سارا گروپ پیش پیش تھا' سعید نے پوری کلاس کو مدعو کیا تھا' کلاس فیلوز کو دیکھ کر جانے کیوں ایشان جاہ کو یہ گمان ہونے لگا کہ ماورا بھی آئے گی گو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کیسے ان کے گروپ سے بدکتی ہے لیکن جانے کیوں کلاس کے لڑکے لڑکیوں سے مل کے اس کا خیال بار بار آ رہا تھا۔

چوہدری جہانگیر نے جب آئیڈیل کا پوچھا تو جانے کیوں وہ ایک لمحے کو رک گیا تھا' اس کے لیے بے حد حیران کن تھا کہ اس کے ذہن و دل میں ماورا کا نام آیا تھا۔

"اس مغرور لڑکی نے اتنا زچ کر دیا ہے کہ چوبیس گھنٹے مجھے صرف اسی کا دھیان رہنے لگا ہے۔" خود کو بہلاتے ہوئے وہ قدرے الگ تھلگ گوشے کی طرف آ گیا' باقی سب وہیں اسٹیج پر چڑھ دم کے بعد ہنسی مذاق میں لگے ہوئے تھے۔

سوٹ میں وہ معمول کے حلیے سے خاصا مختلف اور متین لگ رہا تھا۔

"بہت موڈی ہوتے جا رہے ہو..... الگ تھلگ رہنے لگے ہو کچھ عرصہ سے بہت چینج محسوس کر رہی ہوں میں تمہارے اندر۔" شکایتی نظروں سے دیکھتی انشراح سامنے براجمان ہوئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" ایشان جاہ کو اس کا گلہ بے تکا لگا۔

"شاید یہ تبدیلی تم نے خود بھی محسوس نہیں کی لیکن میں کم و بیش اٹھارہ بیس گھنٹے تمہارے ساتھ ہوتی ہوں اور مجھے تم بہت بدلے بدلے لگ رہے ہو۔" وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

"میچور ہو رہا ہوں شاید۔" اس نے ہنس کر ٹالنا چاہا انشراح کئی ثانیے اسے سنجیدگی سے دیکھتی رہی۔

"صبا آنٹی کا مما کو فون آیا تھا کہ تم مجھ سے شادی کے لیے راضی نہیں ہو..... وجہ پوچھ سکتی ہوں؟" اس نے بے دھڑک سوال کیا لہجہ سنجیدگی لیے ہوئے تھا ایشان جاہ نے بے ساختہ اسے دیکھا شاید وہ جواب لینے ہی بیٹھی تھی۔

"وجہ کیا ہونی ہے..... مجھے نہیں لگتا کہ ہم ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں اور ہمیں شادی کر لینا چاہیے بس....." اس نے لاپروائی سے کہا۔

"کون ہے وہ جسے دیکھ کر تمہیں لگتا ہے کہ وہ تمہارے لیے بنی ہے..... کون سی کمی ہے مجھ میں جو تمہیں کسی اور کو ڈھونڈنا پڑ رہا ہے؟" انکار سن کر انشراح کو بے حد برا لگا اس لیے جب بولی تو لہجہ کسی قدر تیکھا تھا۔

"کون ہے..... کہاں ہے..... کب ملے گی.....؟ یہ تو ٹھیک سے میں بھی نہیں جانتا لیکن ملے گی ضرور اتنا پتا ہے۔" وہ مطمئن تھا اور اس کا اطمینان انشراح کو سلگا گیا۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔" انشراح نے بلا جھجک اپنی خواہش ظاہر کی۔

"کم آن انشراح ہم اچھے دوست ہیں ایک دوسرے کے موڈ مزاج کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں..... دوستی کا رشتہ اور شادی کرنا دو الگ باتیں ہیں بھلے میں تمہارے لائف پارٹنر کی امیج پر پورا اترتا ہوں..... لیکن میرے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہے تو میں کیا کروں؟" اس نے نرمی سے اسے سمجھایا انشراح کے آنسو بہہ نکلے تو ایشان جاہ نے لب بھینچ لیے۔

"اگر تم حقیقت کو قبول کیے بنا اسی طرح ری ایکٹ کرتی رہو گی تو شاید ہماری دوستی بھی نہ رہے۔" اس کے سنجیدہ لہجے پر انشراح اس کی صورت تکنے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

"اب طبیعت کیسی ہے ماں؟" سستی سے لیٹی منزہ کو وہ دونوں تشویش سے دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے کیا ہونا ہے..... ٹھیک ہوں..... بس تھک گئی ہوں سفر کی عادت جو نہیں رہی۔" منزہ نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے انہیں بہلایا۔

یحییٰ سرفراز کو پیسے دینے کے چکر میں انہیں بڑی خواری اٹھانا پڑی تھی اور واپس آ کر وہ بستر پر پڑھے گئی تھیں سفر کی طوالت نے الگ ہڈیوں کو دکھا دیا تھا۔

"کہا بھی تھا آپ نہ جائیں ہم دونوں لے آتے جا کر۔" انوشا نے فکرمندی سے ان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو منزہ مسکرا دیں۔

مما ثلت پڑنے لگی تھیں۔

"آپ بے فکر رہیں اماں ہم اچھی طرح کور کر کے رکھتے ہیں۔" انوشا نے دلاسا دیا۔

"کمیٹی مل گئی ہے لیکن دس ہزار کم ہیں' کمیٹی والی نے بعد میں دینے کا کہا ہے۔ ہم چالیس ہزار میں ہی بجٹ بنانے کی کوشش کریں گے..... باقی کے دس ہزار شادی کے موقع پر لے لوں گی۔" اب دس ہزار کی کمی پر منزہ کو کوئی نہ کوئی کہانی تو سنانا ہی تھی' دونوں سر ہلانے لگیں۔

"مادرا..... میرے پرس سے چالیس ہزار نکال کر کہیں اچھی طرح سنبھال کے رکھ دو..... مجھے بھولنے کی بیماری ہے۔" انوشا نے قریب رکھا پرس اٹھا کر مادرا کی طرف بڑھایا۔

"ٹھیک ہے اماں..... ہم پہلے انوشا کی شاپنگ شروع کر دیتے ہیں؟" مادرا پرس کی زپ کھولتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ہاں' یہی مناسب ہے' شکر ہے' یاسر اور لڑکوں سے مختلف ہے..... اس نے صاف منع کر دیا کہ اس کی شاپنگ کی جائے اور نہ ہی وہ پیسے لے گا' اپنی ساری تیاری خود کرے گا..... ورنہ اس کی شاپنگ کے لیے پیسے کہاں سے آتے؟" منزہ کو تسلی ہوئی' انوشا ہونے والے شوہر کی تعریف اور افکار پر مسکرانے لگی۔

"اماں پیسے کہاں رکھے ہیں؟" مادرا نے پورا پرس دیکھ کر پوچھا۔

"لاؤ مجھے دو۔" منزہ یہی سمجھیں کہ اسے نہیں مل رہا تب ہی پرس لے کر خود دیکھنے لگیں لیکن جیسے جیسے پرس کی چیزیں چھان رہی تھیں ان کے چہرے پر تشویش کے آثار بڑھنے لگے تھے۔

"آرام سے اماں..... مل جائیں گے۔" مادرا کو بھی ان کے انداز پر تشویش ہوئی' منزہ نے سارا پرس پلنگ پر الٹ دیا' وہ ایک ایک چیز کو دیوانوں کی طرح دیکھ رہی تھیں' سب کچھ تھا کچھ نہیں تھا تو پیسوں کا لفافہ۔

"کیا ہوا اماں..... آپ نے پرس میں ہی رکھا تھا ناں؟" ان کی غیر ہوتی حالت پر دونوں کو تشویش ہوئی۔

منزہ سر پر ہاتھ رکھ کر دیوار سے جا لگیں' سارا معاملہ ان کی سمجھ میں آ گیا تھا پرس دبوچے رکھنے کے بہانے وہ ہاتھ کی صفائی دکھا گیا تھا۔ پیسوں کی گمشدگی پر ان کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

سسی دی بادی

ریحانہ آفتاب

گزشتہ قسط کا خلاصہ

منزہ اچانک آ جاتی ہے اور وہ دروازے پر کھڑی مادرا یحییٰ کو اس شخص سے باتیں کرتے دیکھ کر سختی سے اسے
جانے کا کہتی ہے اور پھر مادرا کے اندر جاتے ہی وہ اس شخص سے آمد کی وجہ پوچھتی ہے۔ شنائیہ کسی بھی صورت
زر شمعون سے شادی کرنا نہیں چاہتی لیکن اس کی مدد کے لیے دیا بھی تیار نہیں ہوتی ایسے میں اسے سمہان کا
ل آتا ہے تو وہ ناشتے کی ٹیبل پر سمہان کو اکیلے میں ملنے کا کہتی ہے۔ یحییٰ سرفراز کے جانے کے بعد منزہ مادرا پر
ہ کرتی ہے تب مادرا یحییٰ سرفراز کے حوالے سے پوچھتی ہے مگر منزہ ٹال جاتی ہے مادرا انوشا سے یحییٰ سرفراز
متعلق بات کرتی ہے۔ ایشان جاہ انشراح سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے صبا کے پوچھنے پر وہ اسے
ف دوست تسلیم کر کے انہیں حیران کر دیتا ہے دوسری طرف مادرا سے بھی بدلا لینے کا سوچ چکا ہوتا ہے اور اس
ت سے چودھری جہانگیر کو بھی آگاہ کر دیتا ہے۔ ایشان جاہ کی بات سے وہ بھی طیش میں آ جاتے ہیں اور خود مادرا
راستے سے ہٹانے کا کہتے ہیں جس پر ایشان جاہ منع کر دیتا ہے۔ شنائیہ سمہان سے نکاح رکوانے کا کہتی اسے
ران کر دیتی ہے سمہان وجہ جاننا چاہتا ہے جس پر شنائیہ اپنی ناپسندیدگی کا بتاتی ہے تب سمہان شاہ زر شمعون کی
ریف کرتا ہے دوسری طرف عیشال جاہ شنائیہ اور سمہان کو باتیں کرتا دیکھ کر تلملا جاتی ہے۔ نکاح کی شاپنگ کے
ران سمہان عیشال جہانگیر کو منانے کی کوشش کرتا ہے اسے شنائیہ سے ہوئی بات بھی بتاتا ہے لیکن عیشال کچھ سننا
یں چاہتی۔ منزہ کی کمیٹی کھلی تھی لیکن عین وقت پر یحییٰ سرفراز آ کر سارے پیسے چرا لے گیا وہ مادرا اور انوشا کے
منے افسردہ ہوتی پیسوں کا رونا روتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁.....❁.....❁

''آہ..... اتنا ظلم..... ظالم کو ذرا رحم نہیں آیا.....؟ اب کیسے اپنی بچی کی شادی کی تیاری کروں گی؟'' منزہ واویلا
کرنے لگیں۔ دونوں ان کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے انہیں سنبھالنے لگیں۔

''اماں..... حوصلہ کریں کیا ہوا ہے بتائیں تو سہی۔'' مادرا ان کے ہاتھ پاؤں سہلانے لگی۔ انوشا بھاگ کے
نی کا گلاس لے آئی مگر منزہ نے گلاس ہاتھ سے دور کر دیا۔ دل اتنا برا ہو رہا تھا کہ وہ سدھ بدھ کھو بیٹھی تھیں۔

''کیا میرے چوری ہو گئے ابا.....؟'' ان کے دگرگوں انداز سے دونوں نے یہی نتیجہ اخذ کیا۔

"اماں..... پیاری اماں' رونے سے آپ کی طبیعت مزید خراب ہو جائے گی۔ نکل آئے گا کوئی نا کوئی حل..... یقین نا۔" ماں کی اندرونی حالت جانتی' انہیں اس بے قراری سے روتے دیکھ کر مادرا ان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں کر کے خود بھی سسک پڑی۔

"اللہ غارت کرے ان بسوں میں سفر کرنے والے چور اچکوں کو۔" انوشا بھی آنکھیں خشک کرتی ماں کی حالت پہ دلگرفتہ تھی۔

"شادی میں بہت کم وقت ہے' ہم کہاں سے پیسے لائیں گے؟ چوری کرنے والے کو ذرا شرم نہیں آئی۔" منزہ بس نہیں چل رہا تھا یحییٰ سرفراز کا سر قلم کر دیں۔ پیٹ کاٹ کاٹ کر سالوں کمیٹی بھری تھی۔ اس آس پہ کہ بیٹیوں کے کام آئے گی اور بروقت کمیٹی ملنے کی نوید ملی تو اس حسن اتفاق نے ان کی آدھی پریشانی دور کر دی لیکن جو ہوا وہ بھی انہیں جا رہا تھا۔

یحییٰ سرفراز سے انہیں اس درجہ کی بے غیرتی کی امید تو تھی تب ہی وہ اسے قابل بھروسہ نہیں سمجھ رہی تھیں اور پھر بھی وہ انہیں تہی دامن کر گیا تھا۔ پولیس کا ڈراوا وہ اسے دے تو آئی تھیں لیکن بنا کسی سرپرست کے دو جوان بیٹیوں کو لے کر وہ تھانے جا کر شکایت درج کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ بس اپنی بے بسی پر آنسو ہی بہا سکتی تھیں اور وہی کر رہی تھیں۔ برسوں بیت گئے تھے..... یحییٰ سرفراز جیسے ناگ سے بچنے کے لیے انہوں نے ساری زندگی بیوگی کی چادر میں گزار دی لیکن وہ ایک بار پھر انہیں ڈس گیا تھا۔ منزہ روتے روتے بے دم سی ہو کر سر دیوار سے لگا گئی تھیں۔

"اماں..... شادی کی تاریخ آگے بڑھا دیں' مزید وقت لے لیں' اگر وہ لوگ منع کر دیں تو بے شک رشتہ ختم کر دیں..... مجھے شادی کی بالکل جلدی نہیں ہے۔" انوشا اس گھڑی خود کو مجرم سمجھنے لگی تھی۔ اس کی وجہ سے منزہ بوڑھی ہوئی جا رہی تھیں۔ شادی اور نئی زندگی اسے اپنی ماں سے زیادہ ہرگز عزیز نہیں تھی۔ منزہ ساکت نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"وقت لے لوں..... وقت ہی تو نہیں ہے میرے پاس۔" خلاء میں گردش کرتی نظروں کے ساتھ منزہ کے لب ہولے سے لرزے تھے۔ انوشا دور تھی سمجھ نا سکی۔ مادرا یحییٰ ان کی خود کلامی سن کر ان کا ٹھنڈا ہاتھ سختی سے جکڑ کر شدت سے دبوچ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

"کہاں چھپی بیٹھی ہو..... پہلے تو آ کر خوب رونق لگائی لیکن جیسے ہی تمہاری امی آئی تو منہ سر لپیٹ کے پڑ گئیں۔" شائستہ چودھری ہال میں آئی تو حویلی کی تمام عورتیں' لڑکیاں براجمان تھیں۔ شہر سے کی گئی شاپنگ سب پہلے بھی کئی بار دیکھ چکی تھیں لیکن ایک بار پھر بازار سجا گیا تھا۔ سب اپنی میچنگ چیزیں لگا لگا کے دیکھ رہی تھیں تو کوئی ڈریسز پہن کر سب کی رائے لے رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی یمنیٰ نے کلاس لی۔

"کوئی مجھے منہ نہیں لگاتا..... میری خوشی' ناخوشی کی ذرا اہمیت نہیں ہے..... آپ دونوں کی نظر

سست سنا کر منہ ٹھیک رکھنے کا درس دینے لگی تھیں۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپی کی..... ورنہ تو خوب رونق لگاتیں۔" ماہم نے بہن ہونے کے ناتے طرف داری کی۔

"ہاں جانتے ہیں بہت نازک مزاج ہے ہماری بھابی کا..... اللہ جانے ہمارے سڑیل ویرے کے ساتھ کیسے نبھے گی۔" شازمہ نے لگے ہاتھوں چھیڑا۔

"ادھر آ کے بیٹھو کیا ہوا ہے طبیعت کو؟" زمرد بیگم نے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا تو وہ میرے مرے قدموں سے پاس آ گئی۔ فائزہ فریال کے ساتھ دیا بھی موجود تھیں جبکہ لڑکیاں ذرا فاصلے پہ براجمان تھیں سوائے عیشال جہانگیر کے۔

"سر میں درد ہے دی جان۔" اب اسے کچھ تو کہنا تھا۔

"تم لڑکیوں کو جب دیکھو سر درد رہتا ہے ایک ہمارا وقت تھا کسی بیماری تکلیف کی خبر نہیں تھی یہ تو اب بڑھاپے میں ہڈیوں جوڑوں اور سر درد کا پتا چلا ہے..... موافیشن ہی ختم نہیں ہوتا تم لڑکیوں کا ڈائی لائیٹ ہائی (ہائی لائیٹ) اسٹرلنگ (اسٹریکنگ) جانے کیا کیا کروا کے تم لڑکیوں نے بالوں کا ناس مار رکھا ہے۔" زمرد بیگم کی نرم آواز میں ماڈرن فیشن کی تفصیل سن کر لڑکیاں کھی کھی کرنے لگیں تو تینوں بہوئیں بھی مسکرانے لگی تھیں۔

"اور اماں کٹ ڈاؤن بھی۔" فریال نے لقمہ دیا۔

"ہاں..... ہاں وہ بھی۔" زمرد بیگم نے شدومد سے سر ہلایا تو سب ہی ہنسنے لگیں۔ شائیہ چودھری خاموشی سی بیٹھی رہی۔

"سر دیکھو کتنا خشک ہے مالو کبھی تیل ہی نہ ڈالا ہو۔ فائزہ تیل کی بوتل پکڑانا مجھے۔ بہو ڈاکٹری نسخوں میں کیا تیل لگانے کے نقصانات زیادہ بتائے گئے ہیں جو بچی کے بال بے رونق کر رکھے ہیں۔" فائزہ کو ہدایت کرتے زمرد بیگم دیا سے استفسار کرنے لگیں تو وہ گڑبڑائیں۔

"اماں آج کی بچیاں تیل لگانا پسند ہی نہیں کرتیں۔" دیا نے منمنا کے کہا تو زمرد بیگم مزید جوش ہو گئیں۔

"دیکھتی ہوں کیسے نہیں لگاتی..... ابھی لگاؤں گی تو شائیہ کو خود فرق محسوس ہو گا..... سارا درد بھاگ جائے گا۔" فائزہ کے بوتل پکڑانے پہ زمرد بیگم نے شائیہ چودھری کو پکڑ کے پاس بٹھا لیا..... تیز خوشبو کے تیل کو بے چارگی سے دیکھتے وہ مدد طلب نظروں سے دیا کو دیکھنے لگی تو وہ نظر چرا گئیں..... اس وقت کچھ بول کر ساس صاحبہ سے اتنے لوگوں کی موجودگی میں صلواتیں نہیں سننی تھیں۔

"اماں میں نظر اتارنے کے لیے چیزیں لاتی ہوں..... مجھے تو سخت نظر لگ رہی ہے..... اپنی بہو پہ۔" زمرد بیگم نے ہتھیلی بھر کر تیل اس کے سر پہ ڈالا تو تیل کی چپ چپ محسوس کر کے وہ کراہ کے رہ گئی۔ اوپر سے تیز خوشبو نے منہ ناک پہ دوپٹا رکھنے پہ مجبور کر دیا اور دوسری طرف فائزہ اپنا توتلی سنا کے نظر اتارنے کا سامان لینے چلی گئیں اور جب لوٹیں تو نظر اتارنے کے سامان کے ساتھ کچھ بھی وہ بکا کر لائی تھیں۔

"توبہ ہے تائی جان..... کوئی نظر وظر نہیں ہے آپ کی بہو کو..... لے کے ہم سب کو مرچوں کی دھونی دے کر
نسنے پہ لگا دیا۔" زرش دوپٹا منہ پہ رکھے دہائی دینے لگی' لڑکیاں جو شائیہ چودھری کی درگت بننے پہ ہنس رہی
اب کھانسنے چھینکنے پہ مجبور ہو گئی تھیں۔
شائیہ چودھری لال ہوتی ناک کے ساتھ آنکھوں میں آئے پانی کو پونچھتی بے ساختہ اوپر دیکھ کر شکوہ کر گئی تھی۔
"میں نے کون سا گناہ کیا ہے جو اتنی بھیانک سزا؟" لیکن زیادہ دیر ہال کی چھت کو نا دیکھ سکی..... زمرد بیگم نے
کے زور سے سر جھکانے پر اسے مجبور کر دیا تھا۔
"ہائے میرے پروٹین ٹریٹمنٹ والے ہال۔" تیل میں چپڑے بال دیکھ کر اس کا غم غلط نہیں ہو رہا تھا۔
"آپ تو ہٹیں سامنے سے۔" وہ بھاگتی ہوئی ہال سے نکلی' اچانک سامنے آ جانے والے شاہ زر شمعون کو دیکھتے
چلائی تو اس کے حلیے کو دیکھتے وہ سائیڈ پر ہو گیا۔ وہ دوڑ کر کمرے میں گھس گئی جبکہ شاہ زر شمعون کے چہرے پہ
ہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

گھر میں جیسے مردنی سی چھا گئی تھی۔ منزہ پہلے ہی بیمار تھیں' اس صدمے سے کھانا پینا چھوڑ کر بستر سے لگ
ئیں۔ دونوں کا ہی دل اسکول' یونیورسٹی جانے کو تیار نہیں تھا' لیکن منزہ کے سختی سے کہنے پہ دونوں بے دلی سے تیار
ئی تھیں۔
دونوں ہی وقفے وقفے سے منزہ کو کال کر کے ان کی خیریت پوچھتی رہی تھیں۔ جب سے ان کی بیماری سامنے
ئی تھی تب سے ماورا نے جیب خرچ بچا کر سیکنڈ ہینڈ موبائل فون منزہ کے حوالے کر دیا تھا تاکہ دونوں کے باہر
نے کی صورت میں وہ رابطے میں رہ سکیں۔ اس کی بار بار کی گئی کال پہ منزہ نے خیریت کی اطلاع کے ساتھ.
ھائی پہ توجہ دینے پہ زور دیا مگر دل پھر بھی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بے دلی سے کلاسز اٹینڈ کر رہی تھی۔ ایشان جاہ اور
ں کے گروپ کی غیر موجودگی پہ اس نے شکر ادا کیا تھا۔
"غالباً رات سعید کی منگنی کی تقریب کے بعد سب نڈھال ہوں گے۔" ثانیہ کے خیال ظاہر کرنے پہ اس نے
ئی تاثر نہیں دیا۔ ثانیہ نے اس کے اترے چہرے کی وجہ پوچھی تو چند ماہ پہلی بنی دوست کو اپنے گھریلو حالات
نا اسے مناسب نہیں لگا لیکن اس کے اصرار پہ اس نے پیسوں کی چوری کا معاملہ گوش گزار کر دیا تو وہ بھی افسوس
رنے لگی۔
"ایک غریب' جب دوسرے غریب کو لوٹتا ہے تو [illegible] سمجھ میں نہیں آتا۔ امیروں کے پیسے
ک اکاؤنٹ سے دوسرے' دوسرے سے تیسرے میں گھومتے رہتے ہیں لیکن انہیں پکڑنے' لوٹنے والا کوئی
یں..... غریب کی عمر بھر کی پونجی لٹ جائے تو وہ کس کا در کھٹکھٹا کر انصاف مانگے.....؟" ثانیہ ملکی حالات
واقعات پہ گہری نظر رکھنے والی لڑکی تھی۔ پبلک ٹرانسپورٹ میں پرس' بٹوے کی چوری عام بات تھی۔ منزہ نے انہیں

مسائل در مسائل تھے جو کم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ مزید کلاس لینے کا موڈ نا ہوا تو وہ پوائنٹ کے لیے
ڑھنے لگی۔

"آپ مادرا ہیں؟" وہ ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیاں طے کر رہی تھی جب پیچھے سے آ کر ایک شخص نے اسے
خاطب کیا۔

"جی.....!" مادرا یحییٰ نے حیرانگی سے اس شخص کو دیکھا' چہرے مہرے سے وہ شخص یونیورسٹی کا نہیں لگ رہا
تھا۔

"میرے ساتھ آئیں..... چودھری صاحب نے آپ کو یاد کیا ہے۔"

"چودھری صاحب.....! کون چودھری.....اور مجھے کیوں یاد کرنے لگے؟" مادرا یحییٰ نے حیرت کے ساتھ
خاصے رعب سے مقابل سے استفسار کیا۔

"ان کا ڈائریکٹ اسپشلسٹ ایس ایس پی چودھری جہانگیر باہر آپ کے منتظر ہیں' ملنا چاہتے ہیں۔" وہ سرکاری
سپاہی تھا۔ سرکاری انداز میں بیان کر گیا تو مادرا یحییٰ کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔

"مجھ سے ملنے کے منتظر ہیں لیکن کیوں.....؟ کیسے جانتے ہیں وہ مجھے.....؟" جس شخص کو وہ اشتیاق سے گوگل
پہ سرچ کر کے اس کے کارناموں سے متاثر ہوئی تھی' وہ اس سے ملاقات کے منتظر تھے.....؟

بے تحاشا سوالات اس کے گرد چکر کاٹ رہے تھے۔ دل میں عجیب سی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

"کیا بات ہے چودھری جی..... کیوں اس قدر پریشان نظر آ رہے ہیں؟" چودھری حشمت کے بلاوے پہ
زمرد بیگم ان کے کمرے میں موجود تھیں۔ انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے وہ ایک ٹانگ پہ کور کے پھر سابقہ انداز میں ہاتھ
پیچھے کمر پہ باندھے ٹہلتے رہے..... خاموش بیٹھی زمرد بیگم نے کافی دیر انتظار کیا کہ وہ خود ہی اس بلاوے کا مدعا بیان
کر دیں مگر جب وہ گہری سوچ میں غلطاں چہل قدمی کرتے رہے تو زمرد بیگم کو استفسار کرنا ہی پڑا..... ان کی آواز
سن کر وہ یوں چونکے جیسے ان کی موجودگی فراموش کیے ٹہل رہے ہوں..... لمبی سانس لیتے وہ اپنی مخصوص کرسی کی
طرف بڑھے تھے۔

"ہم عیشال کے حوالے سے بہت پریشان ہیں' زمرد بیگم۔" کرسی سنبھال کر انہوں نے جب گفتگو کا آغاز کیا تو
لہجہ پُرسوچ ہونے کے ساتھ پریشان کن بھی تھا۔

"ایسا کیا ہو گیا..... اب کیا کر دیا بچی نے؟" زمرد بیگم..... ان کے خیال میں تو اب وہ پُرسکون تھی..... ہاں
ابھی بھی سب لڑکیاں ہال میں بیٹھی ہنسی مذاق کر رہی تھیں مگر وہ شاید اپنے کمرے میں تھی۔

"کچھ نہیں کیا اس نے..... لیکن ہم کچھ کرنے کا موقع بھی نہیں دینا چاہتے اسے۔ شاہ سے نسبت طے کر کے
ہم پُرسکون ہو گئے تھے' ہمیں لگا تھا اس سرکش لڑکی کو شاہ زر شمعون جیسا شخص ہی سدھار سکتا ہے لیکن....." چودھری
بخت رکے' شاید اپنے فیصلے میں ترمیم پہ انہیں افسوس تھا۔ زمرد بیگم چپ ہی رہیں۔

ہاں تو ٹھیک کام میں دیر کیسی..... شاہ کا بھی سمہان جی تو حویلی کا بچہ ہے..... آپ اس نے اور عیشال کے بارے میں کیوں نہیں سوچ رہے؟ عیشال' سمہان سے چند برس چھوٹی ہے جب کہ اس کی اور شاہ کی عمروں میں کافی فرق ہے..... لیکن اب جب کہ شاہ نے خود ہی بہن کا عذر دے کر آپ سے فیصلے میں ترمیم کروالی تو افسوس کو چھوڑ کر آپ سمہان اور عیشال کی بات طے کر دیں۔" زمرد بیگم کے دھیان دلانے پہ چودھری حشمت کئی ثانیے خاموش رہے پھر ان کا سر پوری شدت سے نفی میں ہلا۔

"نہیں..... سمہان اور عیشال کا جوڑ ہماری نظر میں مناسب نہیں..... عیشال بہت منہ زور ہے..... کئی بار تو ہم نے خود اسے سمہان سے بحث مباحثہ کرتے دیکھا ہے..... وہ سمہان پہ حاوی ہو جائے گی۔" چودھری حشمت سختی سے انکاری ہوئے۔

"کزن اور شوہر میں فرق ہوتا ہے چودھری جی..... سمہان نرم مزاج رکھتا ہے..... جو شیلہ ضرور ہے لیکن افہام و تفہیم کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتا..... گستاخی معاف..... حویلی کے تمام مردوں میں وہی سب سے زیادہ خود پہ قابو رکھ کر سارے معاملات کو دانائی سے حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ باقی سب حواس چھوڑ جاتے ہیں مگر وہ ہر مشکل صورت حال میں بھی چوکس نظر آتا ہے۔ میرے خیال میں عیشال جیسی منتشر لڑکی کو سمہان اچھے سے سنبھال سکتا ہے....." زمرد بیگم کی دلیل پہ چودھری حشمت بھی ایک لمحے کو سوچ و بچار میں پڑ گئے۔

"ہاں..... بات تو آپ کی بھی اپنی جگہ سولہ آنے سچ ہے۔ اگر ہم عیشال کو موقع دے کر یہ عمل کر بھی دیں تو جہانگیر سخت ناراض ہوگا' اس کی شدید خواہش ہے ہم عیشال کو حویلی میں نا رکھیں..... وہ پہلے بھی ناگواری کا اظہار کر چکا ہے..... چاہتا ہے اسے دور بیاہیں۔" پُرسوچ انداز میں انہوں نے چودھری جہانگیر کی خواہش بھی گوش گزار کر دی تو زمرد بیگم کا منہ بن گیا۔

"جہانگیر اور اس کی خواہشوں کو تو آپ رہنے دیں' خود تو کبھی حویلی میں رہنا گوارا نہیں کرتا اور ایک بن ماں باپ کی بچی کو بھی حویلی بدر کرنے کی اس نے خوب کہی..... جانے کب نفرت ختم ہوگی اس کی؟ بجائے اس کے بیٹی کے بیاہنے' پرائے ہونے سے پہلے وہ اسے اپنی محبت کا احساس دلائے' شہر میں بیٹھا باتیں بگھار رہا ہے..... ہے تو میری ہی کوکھ سے لیکن جانے اتنا خود غرض اور بے حس کیوں ہے.....؟" زمرد بیگم' عیشال کے لیے حقیقتاً فکر مند تھیں۔

شریک سفر سے غور و خوض کے بعد چودھری حشمت جیسے کسی حتمی نتیجے پہ پہنچ گئے تھے۔

"یوں تو ہم بھی چاہتے ہیں کہ عیشال کو حویلی سے باہر' غیروں میں بیاہا جائے کیونکہ اس لڑکی کی باغیانہ روش کی حویلی میں گنجائش نہیں..... یہ حویلی ایک اور باغی کو برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی لیکن آپ کی دلیل بھی خاصی معقول لگی ہے ہمیں..... کل کو وہ اجنبیوں کے گھر ہنگامہ کرے گی اور بات حویلی تک پہنچے گی تو ہم سے پہلے جہانگیر ہی اسے شوٹ کر دے گا..... سمہان کی خوبیوں کا عیشال کے مزاج سے موازنہ کر کے آپ نے ہمیں سوچنے پہ مجبور کر دیا ہے..... ہم سوچتے ہیں..... شاہ کے نکاح کے بعد ہم عما کی رخصتی کریں گے اور شنائیہ کی تعلیم مکمل

ول سکیں گے اور نا اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹیں گے....." زمرد بیگم نے سکون کا سانس لیا ان کے لیے یہی خوشی کی
ت تھی کہ چودھری حشمت نیم رضامند ہو گئے تھے۔ اب اللہ کرے عیشال کوئی ایسی ویسی حرکت نا کرے جس
سے ان کا بنا بنایا کام بگڑ جائے۔

"ایک بات اور زمرد بیگم' ہمیں خبر ہے' آپ کے ذہن میں کیا چل رہا ہے..... آپ بھلے عیشال کو ڈھکے چھپے
لفظوں میں حویلی میں سکون سے رہنے کا مشورہ دے دیں لیکن ہماری اور آپ کی گفتگو' آپ کے خیالات کا ایک
رف بھی کسی پہ ظاہر نا ہو..... خیال رکھیے گا۔" اور زمرد بیگم جو واقعی یہی سوچ رہی تھیں کہ عیشال کو سمجھائیں گی
چودھری حشمت کے پکڑ لینے پہ جز بز ہو کر خفت سے مسکرا دیں۔

"چودھری جی' آپ ہر بار یہ سب کہہ کر ہمیں پرایا ظاہر کر دیتے ہیں..... کیا ہم نہیں جانتے کہ آپ کی کون سی
ت چھپانی ہے' کون سی عیاں کرنی ہے۔" زمرد بیگم زچ ہوئیں تو چودھری حشمت مسکرا دیے تھے۔

❁.....❁.....❁

منزہ کو کسی کل چین نہیں تھا' ان کے کہنے پہ بیٹیاں گھر سے نکلیں تو نحیف ہاتھوں سے انہوں نے کارڈ پہ درج نمبر
ایا..... وہ نمبر جو انہوں نے کبھی نا ملانے کا سوچا تھا۔ اپنا سارا غصہ اس پہ نکال کر منزہ تھک سی گئی تھیں مگر ان کے
ندازے کے مطابق وہ جھوٹا انسان صاف مکر گیا تھا کہ دس ہزار کے علاوہ اس نے پرس میں ہاتھ بھی نہیں ڈالا.....
مگر منزہ اس انسان کے ساتھ سالوں رہ چکی تھیں اس کے سارے انداز انہیں آج بھی ازبر تھے۔ وہ اپنے وقت کا
کمال جیب کترا تھا اور ہاتھ میں اس قدر صفائی تھی کہ گود میں رکھے پرس سے مطلوبہ چیز نکالنا اس کے لیے بائیں
ہاتھ کا کھیل تھا۔ جانے وہ کیوں لاپروائی کر گئی تھیں۔ اس انسان کو بک جھک کے کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا وہ معصوم بن
کر قسمیں کھا رہا تھا' منزہ سے اور کچھ نا ہو سکا تو لعنت ملامت کے ساتھ بددعا دے کر انہوں نے کال ہی کاٹ
دی۔ بعد میں اس کی کال آتی رہی' ایک نئی مصیبت کے پیچھے لگ جانے پہ پریشانی سے سوچتے انہوں نے فون ہی
سوئچ آف کر دیا تھا۔

سوچ سوچ کے دماغ ماؤف ہو رہا تھا لیکن پیسوں کا بندوبست تو کرنا ہی تھا..... لے دے کے ایک شاہد
صاحب ہی تھے' اس کے علاوہ تو کوئی ان کے پہچان کا نہیں تھا اور تب ہی وہ ہمت کر کے صائمہ کے دروازہ تک
آ گئی تھیں۔ اتفاق سے شاہد صاحب بھی گھر پہ تھے۔ دونوں میاں بیوی نے خوشدلی سے خوش آمدید کہا' منزہ کی
حالت دیکھ کر دونوں نے ہی طبیعت کا پوچھا اور احوال سناتے منزہ نے پیسوں کی چوری کا معاملہ گوش گزار کر دیا۔
دونوں ہی افسوس کا اظہار کرتے..... انہیں حوصلہ دینے لگے تھے۔

"جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا بھائی صاحب..... اس وقت تو آپ کے سامنے عرض لے کر آئی ہوں کہ ہو سکے تو مجھے
پچاس ہزار ادھار دے دیں۔ انوشا کی شادی کے بعد میں ہر ماہ آپ کو تھوڑے تھوڑے پیسے دے کر قرض لوٹا دوں
گی۔" منزہ جیسی خوددار عورت کے لیے یہ ڈوب مرنے کا مقام تھا کہ وہ محض منہ بولے بھائی سے پیسوں کی التجا
کر رہی تھیں۔ صائمہ جو ان کے دکھ میں خود کو شریک ظاہر کر رہی تھیں یہ مطالبہ سن کے ان کے تو لب ہی بھینچ گئے۔

گندیدہ دیتے میاں کے تاثرات جانتے والی صائمہ نے جلدی سے لب کھولے۔
''ذرا اندر آیئے' ایک منٹ کے لیے..... آپا ایک ضروری کال کرنا یاد آ گئی..... آپ تب تک چائے پئیں۔''
صائمہ نے بظاہر مسکرا کر کہا تھا اور تیز تیز قدموں سے اندر چلی گئی تھیں پیچھے پیچھے شاہد صاحب بھی۔
منزہ نا سمجھ نہیں تھیں..... ناموافق حالات نے انہیں زندگی کا دگنا سبق پڑھایا تھا لیکن پھر بھی خاموشی سے بیٹھی رہیں۔
''آپ کا دماغ چل گیا ہے؟ پچاس ہزار دینے کو تیار ہو گئے' سود دو سو کر کے وہ قرض چکائیں گی' آئے گا آپ کے وارے؟ اور اس کا بھی کوئی بھروسہ نہیں کہ قرض لوٹائیں گی بھی..... نا کوئی آگے نا پیچھے' کیسے اتنی بڑی رقم بطور قرض دے دیں۔'' ان کے شک کو یقین کی سند مل گئی تھی' صحن سے ذرا دور ہی کمرے تھے اور صائمہ کی آواز اتنی دھیمی ہرگز نہیں تھی کہ وہ سن نا سکیں..... اندر صائمہ' شاہد صاحب کی کلاس لے رہی تھیں۔
''مجبور عورت ہے..... سر پہ شادی ہے۔'' شاہد صاحب منمنائے۔
''دنیا مجبور عورتوں سے بھری پڑی ہے..... تو کیا اب آپ قرض دو مہم شروع کر دیں گے' سب کے لیے؟ ہزار دو ہزار کی بات ہوتی تو میں منع بھی نا کرتی لیکن پچاس ہزار کون سی معمولی رقم ہے جو یوں اجنبیوں پہ لٹاتے پھریں ہم۔ بے حد پکی عورت ہے' منہ سے شوہر' میکے' سسرال کی بھاپ تک نہیں نکالتی' مجھے تو ان عورتوں کی باتیں رہ رہ کر یاد آتی ہیں کہ جانے شوہر ہے بھی یا جان بوجھ کے مار رکھا ہے' پچاس ہزار چوری کی داستان بھی مجھے جھوٹی لگ رہی ہے۔ خود ہی کسی کو دے آئی ہوں گی۔'' اور اس سے آگے سننے کی منزہ میں ہمت تھی نا سکت۔
''آہستہ بولو..... وہ سن لیں گی۔'' شاہد صاحب کی دبی زبان میں سرزنش سنائی دی۔
''جا کے بہانہ بنا دیں کوئی۔'' صائمہ نے پٹی پڑھائی' تو شاہد صاحب سر ہلاتے صحن کی طرف آئے..... صائمہ بھی پیچھے پیچھے آئیں تا کہ سہولت سے انکار کر دیں لیکن منزہ کو منظر سے غائب دیکھ کر دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے۔

❁.....❁.....❁

ہزاروں خدشے اور سوالات ذہن میں لیے سول ڈریس میں ملبوس بندے کی ہمراہی میں نپے تلے قدم اٹھاتی مادرا ایکی' خارجی راستے سے کافی قریب چلی آئی تھی تب ہی دور سے اسے پراڈو کے باہر چودھری جہانگیر اور سول ڈریس میں موجود ان کے کچھ سپاہی نظر آئے جنہیں دیکھتے ہی مادرا نے جلدی سے چادر کا نقاب اچھی طرح کر لیا' چودھری جہانگیر ایک پیر ٹائر کے اوپر رکھے لائٹر سے سگریٹ سلگانے میں مگن تھے لیکن قدموں کی چاپ پہ سگریٹ سلگاتے نظر ضرور اٹھائی تھی۔
''سر مس مادرا.....!'' سپاہی قریب آ کر گویا ہوا..... تصویر میں موجود اپنے بابا سے مکمل مشابہ رکھنے والے شخص کے روبرو کھڑے رہنا اس کے لیے اچنبھے سے کم نہیں تھا..... وہ ان کا ایک ایک نقش جانچ رہی تھی۔ تصویر اور مقابل کھڑے شخص میں کوئی فرق نہیں تھا۔

اس میں بھیج کر منتظر تھے اور سامنے آئی تھی چادر میں لپٹی لپٹائی غربت کی ماری لڑکی..... جس کا پہناوا ہی اس کی اس کا ڈھونڈرا پیٹ رہا تھا اور ان جیسا زیرک انسان ایک نظر میں اسے تول گیا تھا۔

"تو تم ہو مادرا؟" گمبھیر لہجے میں استفسار کیا تو مادرا یحییٰ جو انہیں انہماک سے دیکھنے میں مصروف تھی چونک گئی۔

"جی....."

"سنا ہے بہت اچھی ہو پڑھائی میں..... ٹاپ کرتی ہو؟" سگریٹ کا کش لگاتے انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے سپاہیوں کو گاڑی سے دور ہونے کا اشارہ کیا۔

چودھری جہانگیر اس کی آنکھوں کو بغور دیکھ رہے تھے۔ ان کے استفسار پہ مادرا یحییٰ کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا یا آیا وہ سراہ رہے تھے یا تفتیش کر رہے تھے۔

"آئندہ سے تم کوئی پوزیشن نہیں لوگی..... تمہیں پڑھنے کا' ٹاپ کرنے کا شوق ہے تو بیرون ملک' تمہارے تعلیمی اخراجات اٹھانے کو میں تیار ہوں..... جاؤ' باہر جا کر پڑھو..... نام کماؤ..... لیکن یہاں رہ کر تم پوزیشن لے کر میرے بیٹے کو نیچا دکھا کر ڈسٹرب کرنا چاہو گی تو ایسا میرے ہوتے تو ممکن نہیں....." مادرا یحییٰ ان کی پیش کش کو تحیر سے سن رہی تھی۔ ناجان ناپہچان..... وہ تو شاید اس سے پہلی بار مل رہے تھے اور اتنی بڑی آفر..... ان کی بات مکمل ہوئی تو وہ چونکی۔

"بیٹا.....؟"

"ایشان جاہ....." وہ شاید اس کی آنکھوں میں درج سوال پڑھ گئے تھے۔ وہ یک دم چونکی' چہرے کے گرد کیے حجاب پہ انگلیاں مزید سخت ہو گئیں..... ذہن میں کوندا سا لپکا' اسے گوگل پہ جس تصویر نے چونکایا تھا اس کا سرا اب جا کے ملا تھا..... وہ ایشان جاہ کی تصویر تھی۔

سامنے کھڑا شخص ہو بہو اس کے باپ کی کاپی تھا لیکن وہ خود کو ایشان جاہ کا باپ بتا رہا تھا۔ گویا وہ اپنے بیٹے کی راہ کا کانٹا دور کرنے کے لیے اس سے ملنے آئے تھے۔ اس ملاقات کا مفہوم سمجھتے ہی مادرا یحییٰ کی تیوری پہ بل پڑنے لگے..... ان کی شخصیت کا بھرم اپنی جگہ مگر ان کی باتیں سن کر اسے بلا کا غصہ آیا تھا۔

"سر..... سب سے پہلے تو آپ کی آفر کے لیے شکریہ..... میری ادنیٰ سی رائے تو یہی ہے کہ یہ آفر آپ اپنے بیٹے کو دیں..... وہ بیرون ملک جا کے ڈگری لے تاکہ آپ کے نام کی واہ واہ ہو..... اور آپ کو مجھ جیسی لڑکی سے ڈیل کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑے۔ میں یہیں ٹھیک ہوں..... پھر بھی آپ کے بیٹے کو مجھ سے تکلیف ہے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے..... میں نے اسے ٹارگٹ کبھی نہیں کیا..... ہار اور جیت کا مزا مقابلے میں آتا ہے اگر آپ یا آپ کا بیٹا بنا مقابلہ کیے جیتنا چاہتے ہیں تو اعلا ڈگری خرید کر دی دیں..... یہ جیت تو ہار سے بھی بدتر ہو گی جسے ذہانت نہیں طاقت سے اپنے نام کیا گیا ہو..... اگر آپ اپنے بیٹے کے لیے ایسی بدترین جیت کے خواہاں ہیں تو ٹھیک ہے' پیسہ مادر دونوں آپ کے پاس ہے..... اپنی سی کوشش کر لیں..... لیکن معذرت چاہتی ہوں..... آپ

مظاہرہ کرکے ان کے ماتھے پہ لکیروں میں اضافہ کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

"یعنی تم میرے بیٹے کو چیلنج کر رہی ہو؟" لہجہ خشک ہوا۔

"جی سر..... یہ مقابلہ بازی میں نے شروع نہیں کی لیکن اگر یہ آپ لوگوں کی انا کا مسئلہ بن گیا ہے تو پھر ٹھیک ہے میں ویسا ہی پڑھوں گی جیسا پڑھتی آ رہی ہوں میں آگے بڑھ گئی تو خوش قسمتی سمجھوں گی اپنی اور آپ کا جیت گیا تو بجائے شور کے کھلے دل سے اپنی ہار اور اس کی ذہانت تسلیم کروں گی..... جس کی آپ کے بیٹے میں ہے۔" اپنی بات پورے وثوق سے کہہ کر وہ چند ثانیے رک کر ان کے بولنے کی منتظر رہی لیکن جب وہ یونہی غ سے آنکھوں سے دیکھتے رہے تو ایک لمحے کو ماورا یحییٰ کے جسم میں پھریری سی دوڑ گئی..... ساری بہادری جی داری بھاگنے لگی تھی مگر جلد ہی وہ خود کو ان کے سحر سے نکال گئی۔

"چلو تمہارا چیلنج منظور ہے لیکن میری بھی شرط ہے تم ہاریں تو یونیورسٹی چھوڑ دو گی..... آیا تو تمہیں راہ ہٹانے کے خیال سے تھا لیکن میرا بیٹا بزدل ثابت ہو یہ بھی مجھے گوارا نہیں۔"

"منظور ہے۔" چند ثانیے کی بھی دیر کیے بنا وہ قبول کر گئی تھی اور پھر ان کے آگے سے نکل گئی۔

چودھری جہانگیر اس کی جی داری پہ اس کی پشت کو تکتے رہ گئے لیکن وہ زیادہ دیر سوچ نا سکے۔ صبیحا کی کال آ گئی وہ سب ایئرپورٹ پہنچ گئے تھے اور ان کے منتظر تھے۔

"بس میں ایئرپورٹ کے لیے ہی نکل رہا ہوں۔" مختصر بات کرتے انہوں نے سپاہیوں کو گاڑی میں سوار ہونے کا اشارہ کیا۔

"مجھے اس لڑکی کی ساری ڈیٹیل چاہیے کون ہے' کہاں رہتی ہے' کس کی سپورٹ حاصل ہے؟ سب کچھ....." ان کے حکم پہ سپاہی سر ہلا گیا۔

چودھری جہانگیر کو اس کے انداز پہ بے حد حیرانی ہو رہی تھی جن کے قدموں کی چاپ سے ایک زمانہ سہم جاتا ہے ان کے سامنے وہ ان کے بیٹے کو چیلنج کر گئی تھی۔ جی داری کا مظاہرہ کر گئی تھی اور انہوں نے خاموشی سے سب برداشت کر لیا تھا..... ایسا کیا تھا اس لڑکی میں.....؟

"یا آنکھیں.....؟" وہ چونک گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

"اف..... شوق کا بڑا بھاری مول چکانا پڑتا ہے۔" دونوں ہاتھوں میں لگی مہندی کو دیکھتے جھنجلا کر اس نے للچائی نظروں سے سامنے پلیٹ میں موجود سینڈوچز اور گرم بھاپ اڑاتی چائے کو دیکھا..... چونکہ کل نکاح کی تقریب تھی سب ہی تیاری میں مگن تھیں تو وہ بھی پُرسکون گوشے میں بیٹھ کر اپنے ہاتھوں پہ مہندی لگانے لگی تھی اس دوران غضب کی بھوک لگنے لگی تو وہ کچن میں چلی آئی۔ جیا نے اس کی فرمائش پہ سینڈوچ اور چائے میز پہ رکھ دیے اور کام سے باہر چلی گئی تو سینڈوچز کی طرف ہاتھ بڑھاتے اس کے ہاتھ بے ساختہ رک گئے۔

ی کرلی وہ دعا تو کی کہ جیا بی آپ اس کی تھوڑی مدد کردے..... مدد کی دعا تو بجائے ہوئی مگر جیا کی جلتی سہان
ندی کو دیکھ کر وہ خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے لگی۔
"سینڈوچز سامنے پڑے ہیں اور تم ان پہ ریسرچ کر رہی ہو اگر کھانے کا موڈ نہیں ہے تو میرے نام کردو مجھے
ک ہی یہاں کھینچ لائی ہے۔" سامنے موجود چیزوں اور عیشال جہانگیر کو ہاتھ نیچے کیے بیٹھے دیکھ کر اس نے تحیر کا
ہار کیا۔
"خبردار جو میری چیزوں پہ نظر بھی لگائی تو....." وہ جلدی سے مہندی لگے ہاتھوں کے گھیرے میں پلیٹ اور مگ
پرے کر گئی مبادا وہ ہاتھ نا مار دے۔
"اوہ....." سہان آفندی مہندی سے رچے ہاتھوں کو دیکھ کے لب سکیڑ گیا۔ ہاتھ دھرے بیٹھنے کی وجہ سمجھ آ گئی
ں۔
"ہر وقت پنجے مارنے والے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں آج اوہو.....!" وہ محظوظ ہوا۔
"جاؤ یہاں سے دل مت جلاؤ پہلے ہی بھوک سے دماغ خواب ہو رہا ہے۔" اس کا مذاق اڑاتا لہجہ ایک آنکھ
ں بھایا۔
"تم جیسی چھوٹے دل والی سے تو توقع نہیں کہ سینڈوچز آفر کرو گی لیکن خاکسار کے لائق کوئی خدمت ہے تو
و.....شاید مشکل آسان ہو جائے۔" اس کی معصوم صورت دیکھ کے جیسے ترس آتا تھا۔
"بہت شکریہ..... مجھے آپ کے ہاتھ سے کھانے کا کوئی شوق نہیں۔" وہ منہ پھلا گئی۔
"یہ کس نے کہا میں نوالے بنا کر کھلاؤں گا..... بڑی خوش فہمی ہے۔" وہ بے ساختہ ہنسا۔
"گیٹ لاسٹ!" وہ اس کی ہنسی پہ بری طرح جل گئی تو وہ بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ چھری اٹھا کر اس کی
یٹ میں موجود سینڈوچز کے ٹکڑے کر کے ہر ٹکڑے پہ ٹوتھ پک لگا کر پلیٹ اس کی طرف کھسکاتے اسٹرا نکال کر
ں کے مگ میں ڈال گیا تو وہ حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔ میز پہ یہ دونوں چیزیں موجود تھیں مگر اس کا دھیان ہی
ی پہ نہیں گیا کہ انہیں اس طرح بھی استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔
"اب کیا کھلا بھی دوں.....؟" وہ اس کی حیرانی پہ چڑانے لگا۔
"تھینکس۔"
"انجینئرنگ کی ڈگری کا بڑا عملی مظاہرہ کیا ہے تھینکس۔" پیٹ میں کچھ گیا تو لامحالہ تعریف نکل گئی..... وہ
رپور طریقے سے مسکرا دیا۔
"نظر لگانے سے اچھا ہے کھا لو۔" احسان کرتے پلیٹ کی سمت اشارہ کیا۔
"ناجی آپ کھائیں لگ رہا ہے عرصہ سے فاقہ زدہ جو ہیں۔ مہندی کے خشک ہونے تک تم نے اوپر ہی چلے
ا تھا۔" اس نے مذاق اڑایا۔
صفراں بی کچن میں آ گئی تھیں وہ انہی فرمائش کر کے وہیں بیٹھ گیا..... جب تک صفراں بی اس کے لیے کچھ تیار

اک انگلی پہ نچاتے تھے زمانے بھر کو
ہم بھی کسی دور میں فنکار ہوا کرتے تھے

زندگی انہیں اس مقام پہ لے آئے گی کہ قدم قدم پہ تذلیل سہنا پڑے گی اگر جو ذرا گماں ہوتا تو وہ کبھی ایسی نادانی نہیں کرتیں لیکن یہ احساس بھی اب ہو رہا تھا جب وہ وقت کے زیر عتاب آ گئی تھیں..... دور حکومت میں انگلیوں پہ سب کو نچاتے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ بھی وقت کی گردش کا شکار ہو سکتی ہیں۔

"کیا ہوا اماں..... طبیعت زیادہ خراب ہے؟" مادرا یکی یونیورسٹی سے لوٹی تو انہیں بے سدھ دیکھ کر پاس بیٹھ گئی۔

"میں ٹھیک ہوں..... تم کیا روز روز کلاس چھوڑ کر گھر آ جاتی ہو۔" اٹھ کر دروازہ کھولنے اور واپس آ کر لیٹنے تک منزہ کی سانسیں تیز ہو گئی تھیں..... مادرا کو بے وقت آتے دیکھ کر انہوں نے غصہ کیا۔

"مجھ سے نہیں ہو رہی پڑھائی..... ہر گھڑی آپ کی طرف دھیان رہتا ہے۔" وہ لاچاری سے مسئلہ بتا گئی اور یہ سچ ہی تھا ان کے اکیلے پن کا احساس اسے یونیورسٹی میں بے چین رکھتا تھا۔

"میں نے ساری زندگی تمہارے ساتھ نہیں رہنا' عادت ڈال لو۔" منزہ نا چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گئیں..... اس تلخی میں بچھڑنے کا درد تھا تو جوان بیٹیوں کو بے آسرا چھوڑ دینے کا غم انہیں کھوکھلا کر رہا تھا۔

"آپ کو کچھ نہیں ہو گا' ڈاکٹر بخت کے آتے ہی میں آپ کو ان کے پاس لے جاؤں گی..... ان شاء اللہ کوئی بہتری نکل آئے گی۔" مادرا پُر امید تھی جب کہ منزہ کا منہ بن گیا تھا۔

"دفع کرو اس بات کو..... ابھی تو بس شادی کی ٹینشن ہے ہم کہاں سے کریں گے سب کچھ۔" منزہ ناگواری سے ٹوک کر پھر سے پریشان ہوئیں۔

ایک شاہد صاحب کا ہی آسرا تھا مگر صائمہ نے جس طرح کی باتیں کی تھیں اس پہ اب وہ ان کا سامنا بھی کرتیں تو جانے شرمندگی کیسے چھپاتیں..... بھولے سے بھی بیٹیوں کے آگے تذکرہ کر کے ان کا دل خراب نہیں کرنا چاہتی تھیں لیکن کوئی حل نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔

"انوشا کی شادی ہو گی اور ان شاء اللہ بہت اچھی ہو گی..... جو پیسے گئے وہ انوشا کا صدقہ سمجھ کر بھول جایئے۔" وہ مطمئن تھی۔

"کیسے ہو جائے گا سب کچھ..... کیا زمین سے سونا نکلے گا۔" منزہ کو اختلاف ہوا۔

"آپ کے پاس دو سیٹ ہیں' انوشا کو ایک دے کر میرا والا بیچ دیں' ان پیسوں سے ہم اچھے سے شادی کر لیں گے انوشا کی۔"

"ایک بیٹی کا حق مار کر' میں دوسری پہ سب لٹا دوں' کبھی نہیں۔" منزہ کو یہ تجویز ذرا نا بھائی تو سختی سے انکاری ہوئیں۔

"جب میں خود آپ سے کہہ رہی ہوں تو حق مارنے والی بات کہاں سے آ گئی اور مجھے ویسے بھی سونے کے

کھانے کے بعد منزہ کو دوا بھی دینی تھی وہ اسی خیال سے اٹھی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا' جو تم پلان کیے بیٹھی ہو۔" منزہ نے پیچھے سے آواز لگائی لیکن آواز کی کمزوری پہ ان کی آواز بھرا گئی تھی..... آنسو چھلکنے لگے تھے' ایک بیٹی' عورت ہونے کی لاج انہوں نے نہیں رکھی تھی اور رب العزت نے دو بیٹیاں دے کر انہیں احساس دلایا تھا کہ بیٹی کی ماں ہونا کتنا مشکل ہوتا ہے۔

❁.....❁.....❁

چودھری جہانگیر اور ان کی فیملی کی آمد کا شور سننے کے ساتھ اس نے حویلی میں غیر معمولی چہل پہل بھی محسوس کی تھی مگر ان سب کے باوجود وہ کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ ان کی فیملی کی آمد کا سن کر اسے آگ لگ گئی تھی۔ اپنی تنہائی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ یہاں وہ تن تنہا جھلس رہی تھی' حویلی کی اونچی اونچی دیواروں سے سر پٹخ رہی تھی اور وہ شہر میں زندگی کی رونقیں سمیٹ رہے تھے۔

سوکن کا دکھ تو صائقہ کو چودھری جہانگیر کے نکاح میں آنے کے چند ماہ بعد ہی مل گیا تھا' اسے محروم رکھ کر جب چودھری جہانگیر صہبا کے ساتھ زندگی کا سفر شروع کر چکے تھے صائقہ نے تب بھی اف نہیں کی تھی۔ سالوں' انہیں بیوی کا درجہ نا دینے والے چودھری جہانگیر جب ایشان جاہ کے والد کہلانے لگے تو صائقہ کو اپنے اندر سے دھواں اٹھتا محسوس ہونے لگا..... وہ ان کی بیوی تھیں مگر چودھری جہانگیر تو انہیں نظر بھر کے دیکھنا بھی گناہ سمجھتے تھے..... ان کا حکم تھا' ان کے حویلی آتے ہی وہ حویلی کے کسی کونے میں پناہ ڈھونڈ لیں تا کہ انہیں صائقہ کی منحوس شکل بھی نا دیکھنا پڑے۔

صائقہ کا یہ سارا درد و کرب دیکھنے کو تب عیشال جہانگیر موجود نہیں تھی لیکن جب کبھی سوچتی تھی تو اپنی مرحومہ ماں کا سارا درد اپنی رگوں میں دوڑتا محسوس ہوتا تھا۔ اس کا کرب آنکھوں سے بہنے لگتا تھا۔ چودھری جہانگیر کی بے حسی' خود غرضی نے اس کے اندر اس قدر زہر بھر رکھا تھا۔

ان سب کا سامنا کر کے وہ کبھی خوش نہیں ہوتی تھی..... عیشال سب کی آمد کا سن کر کمرا نشین ہو گئی لیکن کمرے سے نکلنا ہی پڑا' وہ ان کے لیے کب تک قیدی رہ سکتی تھی۔

کل کے سوٹ کا دوپٹا اس نے فائزہ کو پیکو کروانے کے لیے دیا ہوا تھا اور اب انہی کی تلاش اسے کمرے سے باہر نکلنے پہ مجبور کر گئی تھی۔ شومئی قسمت کہ فائزہ اسے ہال میں ہی مل گئیں..... جہانگیر اور ان کی فیملی کو دیکھ کر اس نے فوراً قدم موڑنا چاہے لیکن صہبا کی نظر اس پر پڑ گئی تھی۔

"ارے عیشال آؤ بیٹا....." سامنے صہبا ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے صوفے پہ براجمان تھیں..... وہ خاص خوب صورت نہیں تھیں مگر انہوں نے خود کو بڑا سنبھال کر رکھا ہوا تھا..... دو جوان بچوں کی ماں لگتی ہی نہیں تھیں۔

ایشان جاہ اور نرمین اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ نرمین کے انداز میں کسی قدر نخوت آ گئی تھی' ایشان جاہ کا انداز کسی قدر بہتر تھا..... وہ خود سے چھوٹی عیشال کے لیے سگی بہن نرمین جیسے ہی جذبات رکھتا تھا' یہ الگ بات کہ نا کبھی اس نے بڑے بھائی جیسا مان دکھایا نا کبھی عیشال نے اسے سگے بھائی جیسی اہمیت دی۔

جو اس گھڑی ان کے درمیان اکیلی تھیں۔

''میرے روم میں ہے' میں بھجواتی ہوں کسی کے ہاتھ۔'' فائزہ نے سلام کرنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تو ان کا اشارہ سمجھتے ہوئے بھی وہ انجان بن کر پلٹ کے جانے لگی۔

''ایسی بھی کیا بے رخی عیشال..... ہم اتنی دور سے آئے ہیں دو گھڑی ہمارے پاس بھی بیٹھ جاؤ۔'' صہبا نے لہجے میں لگاوٹ سمو کے کہا..... ایسا وہ صرف چودھری جہانگیر کو متاثر کرنے کے لیے کہہ رہی تھیں۔ عیشال ان کی بناوٹی محبت کو بچپن سے دیکھتی آ رہی تھی' تب چھ سالہ عیشال محبت و نفرت کی تعریف نا سمجھنے والی بھی ان کے انداز پہ سہم کر شاکی ہو جاتی تھی۔

''معاف کیجیے گا آپ کے ہم دو ہمارے دو کے فوٹو فریم میں' میری کہیں جگہ نہیں نکلتی..... اللہ حافظ۔'' تلخی سے کہتی ان کی خوشحال فیملی پہ ایک نگاہ ڈال کر وہ چلی گئی۔

''ہاؤ رڈ.....'' نرمین نے ناک چڑھائی۔

''کتنی بدتمیز ہے یہ لڑکی..... کیسے جواب دینے لگی ہے' میری اولاد ہوتی تو بتاتی ابھی..... پوری ماں پہ گئی ہے' جانے کیسی تربیت ہوئی ہے اس کی۔'' صہبا اپنی بھڑاس نکال رہی تھیں' تربیت کا سن کر فائزہ اپنی جگہ چور سی بن گئیں جبکہ ماں کے ذکر پہ چودھری جہانگیر کی رگیں تن گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

''کون سی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے' جو میں یہاں پھنس گئی ہوں' شنائیہ چودھری نے گیلے بالوں کی لٹوں کو ناک کے قریب کیا اور بالوں سے آتی بو پہ برا سا منہ بنا کر بالوں کو ڈائریکٹ سے ڈرائے کرنے لگی۔ کئی بار شمپو کر کے دیکھ لیا تھا کنڈیشنر مل کے سونگھ لیا مگر جانے کون سا تیل تھا جس کی بو جا کے نہیں دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے نائمہ کی کال آئی تھی اور اس کا نکاح شاہ زر شمعون سے سن کر وہ بھی اچھل پڑی تھی۔ اسے خوش نصیب اور جانے کیا کیا گردان رہی تھی..... اور اس نے جل کے فون ہی بند کر دیا تھا۔ ساری دنیا اس نکاح پہ خوش تھی' سوائے اس کے۔

شاہ زر شمعون نے چیلنج کر دیا تھا مگر وہ چاہ کر بھی اسے نیچا نہیں دکھا پا رہی تھی۔ انکار کے تمام حربے آزما کے دیکھ لیے تھے اور الٹا دیا کے ہاتھوں ہر بار ذلیل ہی ہوئی تھی۔ ابھی وہ ٹھیک سے سکون کا سانس بھی نا لے پائی تھی کہ پیغام آ گیا کہ ہال میں سب بلا رہے ہیں۔ پیغام سن کر اسے کوفت ہوئی لیکن حکم حاکم مرگ تھا سو بجالانا فرض تھا۔

ہال میں پہنچی تو ہر کوئی ڈیسنٹ پینٹ میں مصروف تھا۔ لڑکیاں ہاتھوں' پیروں میں پیچ لگائے بیٹھی تھیں تو کوئی فیشل کرنے کی کوشش میں ایک دوسرے کا منہ رگڑ رہی تھیں..... کچھ مہندی سے بیل بوٹے ہتھیلیوں پہ بنا رہی تھیں' خالصتاً عورتوں کی محفل تھی۔

''لو آ گئی شنائیہ۔'' کسی نے دیکھتے ہی ہانک لگائی۔

جانے کس نے پکڑ کے اپنے پاس بٹھا لیا اور سب گول دائرے میں بیٹھ کر اس کے ابٹن ملنا شروع ہو گئیں۔ وہ

اب جلدی سے اچھے بچوں کی طرح لگا لو..... بال مضبوط اور چمکدار ہو جائیں گے۔" باؤل ہاتھ میں لیے فریال اس کے سر کے پیچھے کھڑی تھیں۔

"قدرتی نعمتوں کی اتنی بے قدری..... کھانے کے بجائے انہیں نالیوں میں بہادوں....." انڈوں کی بو کو سوچتے کراہیت آنے لگی..... وہ سوچ کے رہ گئی دونوں پیر آگے کیے دائیں بائیں ہاتھ پھیلائے وہ پہلے ہی قابل رحم حالت میں ابٹن لگوا رہی تھی اس پہ مستزاد فریال سر پہ آ کھڑی ہوئی۔ جب تک یہ ٹارچر جاری رہا اس نے آنکھیں حتی الامکاں بند ہی رکھیں۔

"کمال ہے..... نکاح سے انکاری لوگ بڑے آرام سے سروسز لے رہے ہیں۔" تراشیدہ ناخن کو ابٹن سے زرد ہوتا دیکھ کر وہ پہلے ہی صدمے میں تھی..... اوپر سے چنبیلی کے تیل کی مہک دماغ پہ چڑھ رہی تھی جسے ابٹن میں ملایا گیا تھا۔ وہ جلد سے جلد پھر سے شاور لینے جا رہی تھی..... جب اس کے بالوں پہ لگے آمیزے اور ہاتھوں پیروں کی زرد رنگت دیکھ کر شاہ زر شمعون شانے اچکا کر چوٹ کر گیا۔

"زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں..... میں ہاری نہیں ہوں..... اگر میں چپ ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سرینڈر کر دیا..... یا نکاح کے لیے بخوشی راضی ہوں۔ آپ سے کوئی بھی رشتہ جوڑنے کے لیے کبھی راضی نہیں ہوں گی..... بھلے نکاح نہیں رکوا پا رہی لیکن آپ کو اتنا زچ کر دوں گی کہ آپ کو اپنی یہ ضد آگے چل کے خود ہی حماقت لگے گی..... ابھی نظر آنے والی جیت کو خود ہار سمجھتے اپنے بال نوچنے لگیں گے۔" وہ اپنے عزائم سے آگاہ کر رہی تھی جنہیں سن کر شاہ زر شمعون کے چہرے پہ حیرت پھیل گئی۔

"اوہ..... اتنی خطرناک پلاننگ؟ بڑی دور اندیش نکلیں آپ تو۔" وہ سراہ رہا تھا اور اس کے لفظوں میں استہزائیہ رنگ محسوس کر کے وہ لب بھینچ گئی..... وہ دو قدم آگے آیا۔

"محترمہ..... پہلے تو میں آپ کی خوش فہمی کم غلط فہمی دور کر دوں کہ آپ جو ابھی کچھ نہیں کر پا رہیں تو نکاح کے بعد تو میرا حق ہو گا آپ پر..... تب کون سا تیر مار لیں گی..... ہم بھی دیکھیں گے۔ ویسے اطلاع کے لیے عرض ہے مجھے اڑیل گھوڑے اور گھوڑیوں کو سدھانا بہت اچھے طریقے سے آتا ہے۔" سراسر مذاق اڑانے والے لہجے میں وہ قدرے اس کی طرف جھک کر بولا۔

"جا کے آئینے میں اپنی شکل اور حلیہ اچھی طرح دیکھ لیں..... آپ پہ حویلی کا رنگ بڑی اچھی طرح چڑھ گیا ہے۔" زرد ہاتھ پاؤں گردن، گھریلو ٹوٹکوں کا آمیزہ لگا کر اونچا باندھا گیا جوڑا..... اس وقت وہ آئینہ دیکھتی تو شاید خود کو بھی پہچان نا پاتی..... وہ درست کہہ رہا تھا، مگر وہ نخوت سے ہونہہ کر کے گزر گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

"ان کا وکٹر اسپشلسٹ چودھری جہانگیر..... ایشان جاہ کے والد ہیں..... آئی کانٹ بلیو دس....." کچن میں برتن سمیٹتی مادر ایکی دھیمی آواز میں انوشا کو آج کی روداد سنا گئی تھی۔ اس کی کوئی بیسٹ فرینڈ نہیں تھی..... ایک انوشا ہی تھی جس سے وہ ہر بات کر لیتی تھی۔

دور سے انہیں اور ان کے خوفناک چہرے والے سپاہی کو دیکھ کر میں حجاب کرتی..... اگر جو چہرہ دیکھ لیتے تو جان جاتے کہ میرے چہرے کا رنگ کس قدر اڑا ہوا تھا۔" صبح کی کیفیات یاد کر کے وہ جھرجھری لینے لگی۔

"اندر سے اتنی ڈری ہوئی تھی پھر بھی اتنا لمبا چوڑا لیکچر دے آئی انہیں۔" انوشا نے چڑایا۔

"ڈر اس وقت تک لگا جب تک ان کی آمد کا مقصد پتا نہیں تھا۔ لیکن انہیں ایشان جاہ کی طرف داری کرتے دیکھ کر پہلے حیرانی' پھر دکھ اور آخر میں غصہ آ گیا۔ کس قدر خوش قسمت ہے یہ ایشان جاہ۔"

"دکھ کس بات پر ہوا.....؟" انوشا نے حیرت کا اظہار کیا۔

"بابا کا ہم شکل جب دشمن اول کے لیے بولے تو خوشی کیسے ہو..... دکھ ہی ہونا ہے ناں۔" وہ افسردگی سے گویا تھی..... انوشا سر ہلانے لگی۔

"کہہ تو تم ٹھیک ہی رہی ہو..... لیکن اب.....؟ کیا سوچا ہے..... جو سچ کہوں تو مجھے تمہارے لیے بہت ڈر لگنے لگا ہے۔ تم سبجیکٹ چینج کر لو..... کچھ بھی کر کے اس ایشان جاہ نامی مخلوق سے پیچھا چھڑا لو..... مبادا کل کو کوئی نقصان اٹھانا پڑے..... پہلے تو صرف وہی مقابل تھا اب تو اس کے ہائی پروفائل والے والد محترم بھی کود پڑے ہیں..... ہم کمزور عورتیں ان جیسوں کا کیا بگاڑ لیں گی.....؟" انوشا متفکر ہوئی..... ایک لمحے کو ماورا یحییٰ بھی چپ رہ گئی..... کرنے کو تو وہ انہیں چیلنج کر آئی تھی لیکن انوشا کو لاحق خدشے اس کے اندر بھی سر اٹھانے لگے تھے..... ایشان جاہ کے غرور' گھمنڈ کی تو وہ خود امین تھی اور اب اس کی مضبوط بیک گراؤنڈ کو دیکھ کر اسے بھی کوئی غلط فہمی نا رہی تھی۔

کسی کام سے کچن کو آتی منزہ ساکت ہو کر دیوار سے جا لگی تھیں..... زمین و آسمان نگاہوں میں گھوم گئے تھے۔

چودھری جہانگیر کا بیٹا..... ایشان جاہ..... ماورا کا کلاس فیلو؟ چودھری جہانگیر نے اپنے بیٹے کے لیے دھمکی دی..... وہی لڑکا جو رزلٹ پہ ماورا سے الجھا تھا..... منزہ کو سب یاد آ گیا اور اب کہانی کا لب لباب سن کر ان کے ہاتھ پاؤں سن ہو گئے تھے۔

آج وہ ماورا سے ملے تھے..... شکر ہے' اس نے حجاب کر رکھا تھا اگر جو انہیں ذرا سا بھی شک ہو جاتا تو کچھ بعید نا تھا' وہ انہیں ڈھونڈ نکالتے..... کیا وہ ان کا سامنا کر سکتی تھی.....؟ یقیناً نہیں..... انہیں بے چینی نے آ گھیرا تھا۔

ایک طرف موت کی آہٹیں نزدیک سے نزدیک تر ہوتی جا رہی تھیں تو دوسری طرف ماضی کا خوفناک پرندہ ہر طرف سے انہیں دبوچنے کو تیار بیٹھا تھا..... زندگی کے دن کم رہ گئے تھے۔

"پھر کیا کروں..... لڑکی ہونے کے غم میں منہ چھپا کر گھر بیٹھ جاؤں..... ان جاگیرداروں کو میسج دوں کہ وہ آج بھی حاکم ہیں اور ہم ان کے محکوم.....؟" ماورا یحییٰ کا لہجہ سخت تھا۔

"نہیں..... تم بندوق لے کر ان کے سامنے تن کے کھڑی ہو جاؤ اور ایک ایک کو بھون دو۔" منزہ سے مزید ضبط محال ہوا تو وہ ایک دم سامنے آ کر برس پڑیں..... دونوں ہی انہیں دیکھ کر سراسیمہ ہو گئیں۔

"ماورا..... کل سے یونیورسٹی جانا بند..... بہت ہو گئی پڑھائی..... اب گھر بیٹھو آرام سے..... تمہارے لیے کوشش تیز کرتی ہوں تاکہ جلد ہی تمہیں نبٹا سکوں..... بس اب سے یونیورسٹی کا ذکر تمہاری زبان پر نہیں آئے۔"

آج نکاح کی تقریب تھی..... گاؤں کے کسانوں سے لے کر معزز مہمان تک سب ہی مدعو تھے تو گاؤں کے خالی علاقے کو اس تقریب کے لیے منتخب کیا گیا تھا' جس کی سجاوٹ اور انتظامات سبحان آفندی نے سنبھال رکھے تھے اور جس پہ کئی دنوں سے کام جاری تھا..... صبح ہوتے ہی وہ پھر سے انتظامات دیکھنے جانے لگا تو ایشان جاہ بھی ساتھ ہولیا۔

شاہ زر شمعون نے کہا تھا کہ وہ اکیلا بور ہوگا لیکن دونوں نے اسے دھوپ میں پھرنے کی بجائے آرام کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ فریش نظر آئے..... اسے مانتے ہی بنی کہ چودھری حشمت نے بھی آج کے دن معمول کی ذمہ داری چھوڑ کر اسے حویلی میں رہنے کا ہی حکم دیا تھا..... دور دراز کے مہمان آرہے تھے..... مردانے میں رونق لگی ہوئی تھی تو عورتیں ان کے چائے پانی کا بھی خیال رکھ رہی تھیں۔

ایک بار پھر بیوٹی پارلر کھل گیا تھا اور سب پھر سے مساج' مینی کیور اور پیڈی کیور میں لگ گئی تھیں۔ فائزہ اپنی بیٹیوں کو جلدی جلدی سب کر لینے کا کہہ رہی تھیں تو دیا ماہم اور شنائیہ کی گرومنگ چیک کر رہی تھیں..... فریال زرش کو نیل آرٹ کا مشورہ دے رہی تھیں۔

سب ہی اپنی اپنی بیٹیوں کو خوب سے خوب تر لگنے کے مشورے دے رہی تھیں اور اس گھڑی خود ترسی اسے پھر سے گھیرنے لگی..... صائقہ کی کمی سر اٹھانے لگی' اس کی ماں ہوتی تو اسے بھی سکھاتی' سمجھاتی' مشورہ دیتی..... گو کہ فائزہ اور فریال نے ایک دو بار اسے بھی اچھے سے تیار ہونے کا کہا تھا۔

"عیشال..... تم بلیک سوٹ پہن رہی ہو ناں..... آئی میک اپ اسموکی کرنا' تمہاری آنکھوں پہ بہت سوٹ کرتا ہے۔" فریال نے مشورہ دیا۔

"چاچی اور نہ ہو جائے نکاح کی مناسبت سے۔" وہ ہچکچائی۔

"لپ اسٹک لائٹ رکھنا....." شاذمہ نے بات آگے بڑھائی تو وہ سر ہلا گئی لیکن اس کے باوجود بھی غم غلط نہیں ہو رہا تھا۔ کچھ محرومیوں کا ازالہ کبھی نہیں ہو سکتا' خواہ وہ کوئی کتنی ہی کوشش کر لے..... فائزہ اور فریال ہر جگہ اس کی ڈھال بن جاتی تھیں' کوشش کرتی تھیں اسے ماں کی کمی محسوس نا ہو..... مگر ماں نہیں بن سکتی تھیں چاہے جتنی محبت جتا لیتیں۔

"تمہیں کیا ہوا جو اتنی دکھی ہو رہی ہو؟" ندا نے اس کی خاموشی نوٹ کی..... وہ غیر ارادی طور پر اپنے ہاتھوں کی مہندی پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"میری مہندی کا رنگ ہلکا چڑھا ہے....." بولتی بھی تو کیا۔

"مہندی اچھی نہیں ہوگی۔" ندا نے قلق دور کرنا چاہا۔

"ارے نہیں' کہتے ہیں ناں' جس لڑکی کی ساس زیادہ محبت کرے اس کی مہندی کا رنگ گہرا چڑھتا ہے۔" یمنی نے شوشا چھوڑا۔

"اوہ..... اوہ..... یعنی عیشال کی ساس اس سے زیادہ محبت نہیں کرے گی.....؟" زرش کو جیسے صدمہ ہوا۔

"تمام پہلے فریش تو ہونے دیں۔" وہ دہائی دیتا ماں کو محبت سے تمام کرمنہ کھول گیا۔
"عیشال تو ٹینشن میں آ گئی ہے ساس جو محبت نہیں کرے گی۔" ماہم نے سب کا دھیان واپس اس کی طرف کیا۔
"کوئی بات نہیں عیشال..... تم ساس بدل لینا۔" شاذمہ نے چٹکلہ چھوڑا تو سب کے قہقہے بلند ہونے لگے۔
"ہائے نہیں....." عیشال کی نظر فریال پہ جمی ہوئی تھیں ساتھ ہی سمہان آفندی کو بھی دیکھ رہی تھی جو تھکا ہوا ہونے کے باوجود چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔
"جانے کس مٹی سے بنا ہے۔" وہ نظر جھکائے سوچ کے رہ گئی..... اس کی ہر وقت کی بے سکونی اسے تھکا دیتی تھی مگر وہ شخص نہیں تھکتا تھا اس کے جھکے سر پر ایک گہری نظر ڈال کر سمہان آفندی فریش ہونے چلا گیا تھا۔
"جیولری میں کیا پہن رہی ہو؟" نمانے اس کا دھیان اپنی طرف مبذول کروایا۔
"سمجھ نہیں آ رہی..... بہت ساری جیولری ہے..... بتائیں کیا پہنوں۔" نما کے یاد دلانے پر اسے اپنا مسئلہ یاد آیا جس کے لیے وہ ہال میں آئی تھی۔ ساتھ لایا جیولری باکس سامنے کر کے وہ پوچھ بیٹھی۔
"بتائیں ان میں سے کون سا پہنوں.....؟" وہ رائے چاہ رہی تھی۔
"مجھے بھی دکھاؤ۔" یمنیٰ نے دور سے ہانک لگائی تو عیشال ایک ایک ایئر رنگز اپنے کان سے لگا کر سب کو دکھا کر رائے لینے لگی۔
"یہ سلور والے اچھے لگیں گے یہ پہنو۔" ملازمہ کو سمہان کے کھانے کے لیے ہدایت کر کے فریال پلٹ آئی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی رائے دی تو باقی سب کا ووٹ بھی اسی کو ملا۔
"شکر ہے یہ مسئلہ تو حل ہوا....." اسے سکون ملا۔ اسی ٹائم میں نرمین اور صبہا ہال میں داخل ہوئیں اور ڈھیروں جیولری بکھری دیکھ کر نرمین آگے بڑھ کر اشتیاق سے دیکھنے لگی۔
"اوواؤ..... بہت خوب صورت اور نازک ہے..... کہاں سے لی.....؟" نرمین ایئرنگ اپنے کان سے لگا کر دیکھنے لگی..... اسی لگا تھا کہ ان لڑکیوں میں سے کسی کا ہوگا۔
"شہری ہیں لیکن لگتا ہے آپ نے شہری مینرز نہیں سیکھے کہ کسی کی چیز کو اجازت کے بغیر ہاتھ نہیں لگاتے۔" عیشال جہانگیر نے جھپٹ کر نرمین کے ہاتھ سے ایئرنگ لے لی..... نرمین تقریباً ہم عمر تھی اور اسے ایسے رویے کی امید نہیں تھی تب ہی بوکھلا گئی۔
"اللہ کی پناہ..... انسانوں کی طرح بی ہیو کرو عیشال تم تو بالکل جانوروں جیسا ری ایکٹ کر رہی ہو..... لیکن شاید حویلی والوں کو ابھی احساس نہیں ہوا کہ جانوروں کو باندھ کر رکھتے ہیں یوں کھلا چھوڑ کر دوسروں کو امتحان میں نہیں ڈالتے۔" صبہا کے تیز لہجے پہ ہال میں ایک لمحے کو سناٹا چھا گیا تھا۔ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگی تھیں صبہا کی نزاکت اتراہٹ اور لہجے کی کڑواہٹ سے سب واقف تھے۔
"تم بھی کیا نکے نکے کی چیزوں کو ہاتھ لگانے لگیں..... تمہارے پپا نے کب کوئی کمی چھوڑی ہے..... ترسے

ملوؤں سے گلی اور سر پہ ٹکی کی۔
''چھوٹے لوگوں کا حق مار کر آج تک کوئی بڑا نہیں کہلا سکا میرا حق کھانے والوں کو کبھی چین نہیں آئے گا۔''
عیشال جہانگیر کو سارے لحاظ بالائے طاق رکھتے' مقابلے کے لیے اٹھتے دیکھ کر سب ہی سراسیمہ سی ہو گئیں۔ سب جانتے تھے جب وہ شیرنی بپھرتی تھی تو حویلی میں کسی کے کنٹرول میں نہیں آتی تھی..... فریال جلدی سے اس کے پاس آئیں اور اسے تھام کر ندا کو اسے وہاں سے لے جانے کا اشارہ کیا۔
''بدتمیز..... کرتی ہوں میں شکایت جہانگیر سے..... ذلیل کروانے لائے ہیں حویلی میں.....؟'' صبہا دھمکانے لگیں وہ مڑ کر کچھ کہنے والی تھی لیکن ندا اسے لے کر باہر نکل گئی۔
''کس قسم کی گھٹیا لڑکی ہے یہ.....؟'' صبہا کا غصہ کنٹرول میں نہیں آ رہا تھا ہاتھ میں موجود فون کو استعمال میں لاتے وہ چودھری جہانگیر کا نمبر ملانے ہی لگیں جب فائزہ ان کے سیل فون والے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ گئیں۔
''خونی رشتوں کو ترسی بن ماں باپ کے پلی ہے صبہا..... تھوڑی سی رعایت تو دے دو' بچی ہے۔ ہم سب سمجھائیں گے اسے..... تم جہانگیر سے کچھ نا کہو' پہلے ہی بہت نفرت کرتے ہیں بچی سے اور پھر خوشی کا موقع ہے۔''
فریال بھی فائزہ کا ساتھ دینے لگیں' دیا نے بھی درگزر کا مشورہ دیا تو صبہا وقتی طور پر تو ٹھنڈی ہو گئیں تھیں۔

❁.....❁.....❁

صبہا کی بکواس سن کر عیشال کا موڈ چوپٹ ہو گیا تھا۔
''کیوں اپنے لیے مشکلات کھڑی کر رہی ہو..... صبہا آنٹی کے مزاج کا اچھی طرح پتا ہے کہ کیسے رائی کا پہاڑ بنا لیتی ہیں بالکل منہ لگنے کی ضرورت نہیں ہے ان کے..... اب تیار ہو کر ہی باہر نکلنا میں تمہاری چیزیں بھجواتی ہوں' کسی کے ہاتھ۔'' ندا لیکچر دے کر جا چکی تھی وہ کئی لمحے خود کو ٹھنڈا کرتی رہی..... تیار ہو کر آئی تو حویلی بھائیں بھائیں کر رہی تھی' سب چلے گئے تھے اور کسی کو اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ اسے پھر سے غصہ آنے لگا..... چودھری جہانگیر کی گاڑی نکلتی دیکھی تو مزید شعلوں میں گھر گئی۔
کلائی میں موجود چوڑیاں اتار کر اس نے پوری طاقت سے فرش پہ دے ماریں' چوڑیاں چھن چھن کی آواز کے ساتھ دور تک بکھر گئی تھیں۔ سیڑھیوں سے نیچے اترتا سمہان آفندی اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔
''تم..... گئی نہیں.....؟'' حویلی میں کوئی نہیں تھا..... ملازم تک چلے گئے تھے' بس حویلی کی حفاظت پہ مامور نشانے باز اپنی پوزیشن سنبھالے موجود تھے۔
''نہیں..... اور اب مجھے جانا بھی نہیں..... بھاڑ میں جائیں حویلی کی خوشیاں.....'' تیز لہجے میں کہتی باقی کی چوڑیاں اتار کر اس نے سیڑھیوں پہ پھینک دیں..... جو ایک ردھم کے ساتھ ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں..... اس کے ہٹ دھرم انداز پہ سمہان آفندی کے چہرے پہ الجھن در آئی تھی..... اگر وہ نہیں جاتی تو کتنی بڑی مشکل میں پڑ جاتی' اس کا اسے اندازہ نہیں تھا' مزید کچھ کہے بنا وہ اس کے سامنے سے گزر کر تیزی سے سیڑھیاں طے کرنے لگی مگر ٹوٹی ہوئی چوڑیاں ہیل کے نیچے آ کر اس طرح اس کا توازن بگاڑ گئی کہ سنبھل کر ریلنگ کو تھامتے ہوئے بھی اس کا پیر

"ریلیکس....." اس کے وجود کو گرنے سے بچانے کے لیے وہ ڈھال بن کر اس کی پشت پہ آیا پیچھے سے اسے تھام لیا۔

"بیٹھو سکون سے۔" چوڑی کا ٹکڑا نکال کر اچھی طرح چیک کرنے لگا کہ کہیں کوئی ذرہ ایڑی کے اندر تو نہیں رہ گیا' سینڈل کے اسٹریپ کھول کر اسے سنبھلنے کا اشارہ کرتے اوپر کی سیڑھیوں کو تیزی سے پھلانگ گیا۔

سیڑھیوں پہ بیٹھ کر وہ اپنے پاؤں کا معائنہ کرنے لگی۔ اسی اثناء میں جوتوں کی آواز پہ اس کی نظر اٹھی۔ وہ ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس لیے آیا تھا..... سیڑھیوں پہ جوتوں کے بل بیٹھتے کاٹن پایوڈین میں بھگو کر اس کی ایڑی تھام کر زخم صاف کرنے لگا۔

"چھوڑو میں کرلوں گی....." اس نے پیر کھینچا۔

"چپ کر کے بیٹھی رہو..... ورنہ ایک ہاتھ لگاؤں گا۔" سختی سے ڈپٹ کر پیر کی انگلیوں کو اپنے مضبوط ہاتھ سے پکڑ کر پیر کھینچنے کی حرکت کو ناکام بنادیا۔

"اپنی حرکتوں سے خود کو ہی تکلیف پہنچاتی ہو' کبھی تو عقل سے کام لیا کرو۔" فہمائشی نظریں اس کے چہرے سے ہوتی جا بجا بکھری چوڑی کے ٹکڑوں پر تھیں۔

"اپنا کام کرو..... زیادہ دادا ابا بننے کی ضرورت نہیں..... حویلی میں سارے عقل مند ہیں ایک میں ہی کم عقل ہوں جسے سمجھانے کو ساری حویلی امڈ آتی ہے۔" وہ کسی حال میں ادھار رکھنے والی نہیں تھی۔

editorhijab@aanchal.com.pk (ایڈیٹر)

infohijab@aanchal.com.pk (انفو)

bazsuk@aanchal.com.pk (بزمِ سخن)

alam@aanchal.com.pk (عالمِ انتخاب)

Shukhi@aanchal.com.pk (شوخیٔ تحریر)

husan@aanchal.com.pk (حسنِ خیال)

''سمہان..... عیشال یہاں نہیں ہے..... تم اچھی طرح اسے حویلی میں دیکھ لو..... وہ اپنے روم میں ہوگی..... کسی کو غلط فہمی ہوگئی تھی کہ وہ جا چکی ہے..... لیکن وہ یہاں نہیں ہے.....'' دوسری طرف فریال فکرمند تھیں۔

''جی محترمہ کے چوٹ لگ گئی ہے..... آپ سب سے یہی کہیں' میں آرہا ہوں لے کر۔'' اس پہ نظریں جمائے اب وہ پٹی باندھ رہا تھا۔

''چلو ٹھیک ہے.....'' فریال مطمئن ہو کر فون بند کر گئیں۔

''میں نے کہا ناں' میں نہیں جاؤں گی..... پھر جھوٹ کیوں کہا تم نے.....؟'' پیر اس کے ہاتھ سے چھڑا کر وہ ایڑی کا جائزہ لینے لگی۔

''سب دیر سے لوٹیں گے..... کیا کرو گی اکیلی حویلی میں؟'' فرسٹ ایڈ باکس بند کرتے اسے غصہ آنے لگا۔

''سو جاؤں گی آرام سے۔'' اس کے اطمینان میں ذرا فرق نہ آیا۔

''میں جب تک باکس رکھ کر ہاتھ دھو کر آؤں تب تک تم شرافت سے سینڈل پہن کر کھڑی ہو کر چلنے کی تیاری کرو۔''

''تم زبردستی کرو گے میرے ساتھ؟'' وہ گھورنے لگی۔ بلیک شیفون کے سوٹ' چوڑی دار پاجامے اور بڑے سے دوپٹے میں بالوں کو کرل کر کے بائیں شانے پہ دھرے وہ دلکش لگ رہی تھی۔

''ضرورت پڑنے پہ وہ بھی کر گزروں گا..... جو شرافت سے نا مانیں..... اٹھو شاباش۔'' فرسٹ ایڈ باکس اٹھا کر دوبارہ سیڑھیوں کی طرف دوڑا تو وہ منہ بسور کر رہ گئی۔

''وہ زبردستی لے جائے گا.....'' وہ واقعی ڈر گئی تھی یا موڈ بدل گیا تھا..... چپ چاپ فرنٹ سیٹ پر براجمان ہوگئی' منہ بگڑا ہوا تھا مگر جا رہی تھی۔

گاڑی حویلی سے نکالتے اس نے گردن موڑ کر عیشال جہانگیر پہ ایک مسکراتی نگاہ ڈالی..... اعصاب کسی قدر پُرسکون ہوئے تھے۔ کچھ غیر معمولی محسوس کر کے سمہان آفندی نے اردگرد کا غیر محسوس طریقے سے جائزہ لیا تھا۔

''عیشال اپنی طرف کا شیشہ چڑھاؤ۔'' تازہ ہوا کی دیوانی..... اے سی کی ٹھنڈک کو خاطر میں لائے بنا اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیے اندھیرے میں لہلہاتے پیڑوں کا نظارہ کر رہی تھی۔

''کیوں.....؟'' حکم پہ اعتراض کرتے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''آئی سے..... شیشہ اوپر کرو۔'' خلاف معمول اس کی آواز دھاڑ کا روپ دھار گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے عیشال جہانگیر لرز گئی..... اس نے بے ساختہ سمہان آفندی کی طرف دیکھا' ہمیشہ سوفٹ تاثرات رکھنے والا اس گھڑی سخت تاثرات سجائے ہوئے تھا..... نگاہیں بیک ویو مرر پہ لگی ہوئی تھیں' ہاتھ بے ساختہ پسٹل کی طرف بڑھے تھے..... اس کے انداز میں کچھ غیر معمولی پن ضرور تھا اس نے جلدی سے حکم کی تعمیل کی اور اس کے حکم کی تعمیل کتنی سودمند رہی یہ بھی اس پہ جلد کھل گیا جب اندھیرے میں چھپی جیپ اس کی گاڑی کو نکلتے دیکھ کر اپنی ہیڈ لائٹس آن کر گئی۔ سمہان آفندی کا پلس ٹو تھری آن تھا

"ایکشن....." اس کا اشارہ ملنا تھا کہ حویلی کے نشانہ بازوں نے گولیاں برسانا شروع کر دی تھی۔

"سمہان....." گولیوں کی آواز سے عیشال جہانگیر سخت خوفزدہ ہو گئی تھی۔

عیشال جہانگیر کے باعث وہ یوٹرن لینے میں ہچکچا رہا تھا مگر دشمن کی جیپ کا رخ حویلی کی طرف دیکھ کر وہ بھاگ کھڑا ہونا یہ ناممکن تھا..... اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ اسے چھوڑ کر واپس آتا..... تب تک جانے کتنا نقصان ہو جاتا۔

"میں اگر گاڑی سے نکل بھی جاؤں تو بھی تم نہیں نکلو گی..... گاڑی بلٹ پروف ہے..... ڈونٹ وری تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔" دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں پسٹل تھامے جبکہ ہتھیلیاں اسٹیئرنگ پہ تھیں ہدایت کرتے بالآخر اس نے اسپیڈ سے یوٹرن لے ہی لیا تھا۔ ٹائر بری طرح چرچرائے تھے..... مٹی کی چادر سامنے تن گئی تھی۔ ذرا کی ذرا اس کی طرف دیکھتے وہ اپنی طرف کا شیشہ نیچے کر کے فائر شروع کر چکا تھا۔

دشمن کی نگاہ ان کے ہر عمل پہ تھی' تب ہی انہوں نے حویلی کو نقصان پہنچانے کا اس وقت پلان بنایا جب مکین نا ہوں مگر حویلی کو نقصان پہنچانے کا خواب ان کے گلے میں ہڈی بن گیا تھا..... وہ بے خبری میں مارنا چاہ رہے تھے لیکن مقابل باخبر سمہان آفندی تھا' جس نے نکاح کی تیاری کے ساتھ ساری تیاری کر رکھی تھی اور نقل و حرکت کو محسوس کرتے ہی حویلی میں کسی کو بتائے بنا نشانے بازوں کو چوکنا رہنے کا اشارہ کر رکھا تھا۔ حویلی میں اپنی جگہ سنبھالے نشانہ بازوں کا مقابلہ اور سمہان کی گن سے نکلتے ہوئے شعلوں نے جیپ میں سوار لوگوں کو بوکھلا دیا تھا تب ہی اپنا دفاع کرنے کو وہ جواباً فائر کر رہے تھے۔

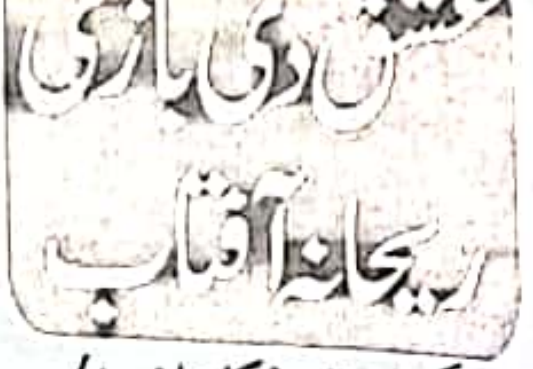
دروازہ کھول کر وہ جیپ کی ٹائر کو نشانہ بنانا چاہ رہا تھا مگر اس کا ارادہ بھانپ کر عیشال جہانگیر سختی سے اس کا بازو تھام گئی۔

"تم نہیں اترو گے..... میں اترنے نہیں دوں گی تمہیں....." گولیوں کی گھن گرج میں وہ بے ساختہ چلائی۔

دوسری جیپ نے حویلی کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر کے جان بچانے کی ٹھان لی تھی..... ان کے مقابل صرف سمہان آفندی تھا۔ نشانے بازوں سے بھری ایک جیپ کو حویلی سے نکلتے اور فائر کرتے دیکھ کر جیپ میں سوار دشمن قریب آتی سمہان آفندی کی گاڑی پہ گولیاں برساتے تیزی سے نکلے تھے۔ گاڑی مڑی اور عیشال جہانگیر سیٹ پہ لڑھک گئی تھی۔

"عیشال....." سمہان آفندی کی خوفزدہ آواز نکلی تھی۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)



(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

پیسے چوری ہوجانے پر ماورا منزہ کو تسلی دیتی ہے جبکہ انوشا شادی کی تاریخ آگے بڑھا دینے کا کہتی منزہ کی پریشانی میں اضافہ کر جاتی ہے۔ منزہ اپنی طبیعت کے باعث اس کی شادی جلدی کرنا چاہتی ہے۔

شائیہ چوہدری کو حویلی کے رسم و رواج کے مطابق نکاح کے لیے تیار کیا جاتا ہے دوسری طرف عیشال اس منظر سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ شائیہ کا مذاق بھی اڑاتی ہے شاہ زر شمعون بھی اس کی تیاری کو دیکھ کر استہزائیہ مسکراتا ہے۔

منزہ پہلے ہی بیمار ہوتی ہے اب کھانا پینا بھی چھوڑ دیتی ہے۔ ماورا اور انوشا دونوں ہی پریشان ہوجاتی ہیں۔ ماورا سے یونیورسٹی میں چوہدری جہانگیر ملنے آتے ہیں اور اسے ایشان جاہ سے دور رہنے کا کہتے ہیں اور اسے دوسرے ملک جا کر تعلیم مکمل کرنے کی پیشکش کرتے ہیں جس پر ماورا ایشان جاہ کو تعلیمی میدان میں ہرانے کی بات کرتی انہیں مزید غصہ دلا جاتی ہے۔

چوہدری حشمت، زمرد بیگم سے عیشال جہانگیر کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ اس کی شادی اب وہ فوراً کرنا چاہتے ہیں۔ زمرد بیگم سہان کا نام لیتی انہیں سوچ میں ڈال دیتی ہیں۔ ان کے خیال میں یہ رشتہ مناسب تھا لیکن چوہدری حشمت سہان کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اس رشتے سے انکار کر دیتے ہیں۔ زمرد بیگم انہیں فوری کسی فیصلے سے روکتی دونوں کو کچھ وقت دینے کا کہتی ہیں جس پر چوہدری حشمت خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔

منزہ پریشان ہوتی شاہد صاحب (ہمسائے) سے مدد مانگنے پہنچ جاتی ہے۔ وہ نیک سیرت انسان ان کی مدد بھی کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی بیگم روک دیتی ہیں اور منزہ ان کی باتیں سنتی ہوئی مایوس ہو کر واپس آ جاتی ہیں۔ ماورا یونیورسٹی سے واپس آتی ہے تو ماں (منزہ) کو پریشان دیکھ کر فکر مند ہوجاتی ہے۔

چوہدری جہانگیر اپنی فیملی کے ساتھ حویلی آتے ہیں۔ صبا سب سے خوش اخلاقی سے ملتی ہے اور اپنی بیٹی نرمین سے بھی سب کا تعارف کراتی ہیں تب ہی عیشال کو دیکھ کر وہ سب کی موجودگی کا خیال کرتی، عیشال سے بھی محبت سے ملتی ہیں۔

ماورا یحییٰ انوشا کو چوہدری جہانگیر کا یونیورسٹی آنا اور اسے دھمکانا بتا کر حیران کر جاتی ہے۔ منزہ ان دونوں کی باتیں سن لیتی ہے اور ماورا کو یونیورسٹی جانے سے منع کر دیتی ہے۔

نکاح کی تقریب میں سارا گاؤں موجود تھا۔ عیشال جہانگیر تیار ہو کر کمرے سے نکلتی ہے تو حویلی میں کوئی بھی نہیں

سمہان آفندی نے برق رفتاری سے اپنی طرف کا شیشہ اوپر چڑھایا ہوا اس نے فائر کے لیے پیچھا کیا تھا۔ بے قراری سے اس کے کندھے کو جھنجھوڑنے لگا۔

"عیشال..... "اس گھڑی دشمن سے بھری جیپ سے شعلے برساتے لوگ اور ان کا تعاقب کرتے حویلی کے ملازم اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ وہ بے پناہ وحشت آنکھوں میں بھرے نادیدہ گولی کو ڈھونڈ رہا تھا گولی کی آواز کان کے قریب سے گزری تھی۔ تو کیا عیشال.....؟

اس سے آگے اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے۔

"عیشال.....!" پسٹل والے ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالے دوسرا پسٹل ڈیش بورڈ پر پھینک کر وہ اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ اس کے وجود پر بکھرے اس کے کرلی بالوں نے چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ اس کا رخسار تھپتھپانے کے ساتھ آواز دینے لگا۔ تب ہی اس نے مندی مندی آنکھیں کھول دیں۔

"تم ٹھیک ہو.....؟" اس نے بے قراری سے پوچھا۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر سمہان کو کسی قدر تقویت پہنچی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے سمہان....." وہ ڈرے سہمے انداز میں بولی۔ گاڑی تیزی سے ٹرن کرنے پر اس کا سر زور دار طرح ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بے دم ہو گئی تھی۔ فائر کی آواز دل دہلا رہی تھی۔ عیشال کی موجودگی میں شیشہ نیچے کرنے کو وہ اپنی سب سے بڑی بے وقوفی گردان رہا تھا گو کہ گاڑی بلٹ پروف تھی۔ صرف معمولی سا شیشہ نیچے تھا لیکن گولی گزرنے کے لیے جگہ ہی کتنی چاہیے ہوتی ہے؟ دشمن نے جاتے جاتے نشانہ بڑا تاک کے لیا تھا لیکن اس کی ماہرانہ ڈرائیونگ بے حد کام آئی تھی۔ اگر جو وہ چوک جاتا اور عیشال کو کچھ ہو جاتا تو وہ خود کو کبھی معاف نہیں کر پاتا۔

"کچھ نہیں ہوتا.....!" اسے محفوظ دیکھ کر سکون کی سانس لیتے اس نے گاڑی کی رفتار ایک دم سے بڑھا دی تھی۔

"کون تھے یہ لوگ..... ہم پر فائر کیوں کر رہے تھے.....؟" اب گولیوں کی گھن گرج بند ہو چکی تھی۔ میدان خالی دیکھ کر وہ حواس باختہ سی سوال کر رہی تھی۔ بے حد اعصاب شکن صورت حال اچانک سے وقوع پذیر ہو گئی تھی گو کہ چودھری گھرانے سے تعلق رکھنے اور حویلی میں رہنے کی وجہ سے گولیوں کی گھن گرج اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی مگر دشمن اس طرح اچانک سامنے آ کر وار کرے آج سے پہلے اس صورت حال کا سامنا نہیں ہوا تھا..... تب ہی تو جب کبھی وہ سفر پر ہوتا تو وہ سولی پر لٹکی رہتی تھی۔ حویلی والوں نے کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا تھا مگر یہی اچھائی ان کے لیے دشمن پیدا کر گئی تھی۔ کچھ حاسدین بھی تھے جو حویلی کی اونچی عمارت کے دبدبہ اور چودھری حشمت سے خائف اولاد کے نام و شہرت کو نقصان پہنچانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

غیر معمولی نقل و حرکت پر وہ پہلے ہی چوکس تھا۔ حویلی کی پہلی خوشی بڑے پیمانے پر منعقد کی گئی تھی جس میں پورا گاؤں امڈ آیا تھا۔ دور دراز سے مہمان مدعو تھے ایسے میں وہ کسی کو تناؤ کا شکار نہیں دیکھ سکتا تھا۔ خصوصاً شاہ زر شمعون کو..... اس کی زندگی کا اہم موڑ تھا اور اس کی اپنے طور پر کی گئی کارکردگی کتنی پُر اثر تھی یہ دشمن کے دم دبا کر بھاگنے سے ثابت ہو گیا تھا۔ وہ بے خبری میں حویلی کی بنیادوں کو ہلانے کے ارادے سے آئے تھے لیکن انہیں منہ کی کھانی پڑی تھی۔

ان کی جیپ میں بارود سے بھرا بیگ بھی تھا۔ یقیناً وہ حویلی کو نقصان پہنچانے آئے تھے لیکن وہی جیپ ان سب کا مقبرہ نا بن جائے اس لیے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

کر... اسے چھوڑ کر چلا جاتا اور پیچھے یہ صورت حال ہو جاتی تو..... وہ سوچ کر ہی دہل گئی۔

"اسی لیے کہتا ہوں' بہادری کا مظاہرہ غیر ضروری جگہوں پر دکھا کر اپنی انرجی مت ضائع کیا کرو۔" ناصحانہ انداز میں کہتے وہ بلیو ٹوتھ پر مصروف ہو گیا۔ عیشال اختلاف کیے بغیر اس کی بات توجہ سے سننے لگی۔

"کیسے غائب ہو گئی جیپ.....؟ تم لوگ سرچ کرو..... وہ دور نہیں گئے ہوں گے..... میں وہیں آ رہا ہوں۔" وہ جھنجھلائے انداز میں مزید رفتار بڑھا گیا۔

"کیا ہوا.....؟" وہ اسے تشویش سے دیکھنے لگی۔

"وہاں جا کر کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے..... وہاں پہلے ہی اتنی فائرنگ ہو رہی ہے کہ سب اسے بھی خوشی کا حصہ سمجھ رہے ہیں' ورنہ اب تک کسی نا کسی کی کال آ جاتی..... اچھا ہی ہے' جو وہ سب بے خبر ہیں..... تم بھی نارمل رہنا' کسی کو کچھ نہیں بتانا۔" اس نے سمجھایا۔

"تم کہاں جا رہے ہو..... جیپ کے پیچھے.....؟ بالکل نہیں..... تم کہیں نہیں جاؤ گے۔" پنڈال قریب آنے پر وہ اس کا ارادہ جانتے ضدی لہجے میں کہنے لگی۔

"بچوں جیسی باتیں مت کرو عیشال..... جو کہا ہے وہ کرو۔" دبے لہجے میں چلایا۔ گاڑی پنڈال کے باہر رک گئی تھی۔

"تم لاکھ چیخو' چلاؤ لیکن تمہیں جانے نہیں دوں گی۔ جاؤ گے تو میں بھی ساتھ چلوں گی۔" وہ سیٹ پر مزید پھیل کے بیٹھ گئی۔ بجے سنورے چہرے پر بدحواسی تھی۔ بال بھی بکھر گئے تھے لیکن اس قسم کی صورت حال کو اتنے قریب سے دیکھ کر بھی وہ چاق و چوبند اپنے مضبوط اعصاب کا ثبوت دے رہی تھی۔

"تمہاری موجودگی سے پہلے ہی جیپ ہاتھ سے نکل گئی..... اترو اب....." اس نے نرم آواز لیکن سخت لہجے میں کہا۔

"نہیں اتروں گی..... جتنا برا بھلا کہنا ہے کہہ لو..... تمہیں دشمن کے پیچھے نہیں جانے دے سکتی..... اگر تمہیں کچھ ہو گیا..... کیا کروں گی میں.....؟ تم ایک ہی ہو میرے لیے اس دنیا میں....." ضدی لہجے میں وہ جس بے ساختگی سے کہہ گئی..... سمہان آفندی کئی لمحے تک ساکت رہ گیا تھا۔

بلیو ٹوتھ میں ہلچل ہوئی تو اس پر نظریں جمائے وہ کال کی طرف متوجہ ہوا۔

"اچھی طرح دیکھ لیا.....؟ ٹھیک ہے واپس آ جاؤ..... حویلی اور پنڈال کی سیکیورٹی مزید بڑھا کر سب کو الرٹ رہنے کا کہو..... گاؤں کے داخلی اور خارجی راستے پر بھی نظر رکھو..... کوئی غیر متعلقہ گاڑی یا لوگ نظر آئیں تو مجھے رپورٹ کرو۔" غالباً جیپ کے پیچھے جانے والے گارڈ اسے بتا رہا تھا' جنہیں سن کر وہ انہیں ہدایت دینے لگا۔

"چلو اب اترو..... نہیں جا رہا میں کہیں..... تمہارے ساتھ اندر چل رہا ہوں۔" اگنیشن سے چابی نکالتے اسے اترنے کا کہا اور اس کی بے اعتبار نگاہوں کو دیکھ کر خود بھی اتر آیا۔ اسے اترتے دیکھ کر عیشال جہانگیر کو سکون ہوا تو وہ بھی گاڑی سے اتر گئی۔ پنڈال کے باہر سیکورٹی پر مامور لوگوں کو ہدایت کرتے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

وہ پنڈال کے اندر داخل ہوئی تو کئی نظریں دونوں کا طواف کرنے لگیں۔

"جو کہا ہے اس پر عمل کرنا..... کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں' خوشی کے موقع پر بلاوجہ سب پریشان ہوں گے۔" ارد گرد لوگوں پہ مسکراتی نگاہ ڈالتے سر کے اشارے سے سلام کرتے وہ دبے لفظوں میں ساتھ چلتی عیشال کو پٹی پڑھا رہا تھا۔

آگے جا کر پنڈال کو دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا تھا۔ پردے کا خیال رکھ کے زنانہ مردانہ حصہ الگ الگ تھا۔

روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔

سہبان آفندی کی لمبے کمان کی طرح تنی ابرو اور سرمی آنکھوں کے تیور میں ہی الجھ گیا۔ نادیدہ نظروں سے دیکھتی وہ آگے بڑھ کر عورتوں کے پورشن میں چلی گئی تھی۔ سہبان آفندی اس کے لہراتے آنچل اور پشت پہ بکھرے بالوں کو دیکھتا رہ گیا۔

ایک اور ہستی تھی جس نے ان دونوں کی آمد اور انہیں باتیں کرتا بڑی گہری نظروں سے دیکھا تھا اور اب اس کی نظروں کا مرکز سہبان آفندی بن گیا تھا۔

"اوہو..... یہ تو ضرورت سے کچھ زیادہ ہی ہینڈسم ہے..... جانے پہلے نوٹس کیوں نہیں لیا میں نے....."

❀ ❀ ❀

دلہن بنی شنائیہ اس وقت زندگی کے سب سے مشکل وقت سے گزر رہی تھی۔ پنڈال بھانت بھانت کی عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ "دلہن" دیکھنے کی کوشش میں سب اسٹیج کے گرد مجمع کی صورت امڈ آئی تھیں۔

لائیٹ پنک کلر کا بیش قیمتی لہنگا سوٹ' جیولری پہنے' بیوٹیشن سے میک اپ کروائے وہ بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ اس زبردستی نکاح پر وہ پہلے ہی جھنجھلائی ہوئی تھی کہ پنڈال آ کر اس کا پتا پانی ہو گیا تھا۔

پنڈال میں قدم دھرتے ہی اس کا اور اس سے ذرا فاصلے پر شاہ زر شمعون کا جس طرح گولیوں کی گھن گرج سے استقبال ہوا اس پہ وہ نازک دل حسینہ اچھل کے ماہم سے تقریباً جڑ ہی گئی تھی۔

"کیا ہوا..... دشمن ملک سے کوئی جنگ چھڑ گئی کیا.....؟" ساری ناپسندیدگی' جھنجھلاہٹ بھول کر خوف کے مارے ماہم سے سرگوشی کی۔

"ارے نہیں..... یہ تو آپ اور ویرے شاہ کے نکاح کی خوشی میں ہیں..... چودھریوں کی تو شان ہی یہی ہے....." گو کہ ماہم بھی اس کی طرح شہری ماحول میں پلی بڑھی تھی' لیکن اسے شنائیہ چودھری سے زیادہ معلومات تھیں۔

"استغفراللہ..... اس سے تو بہتر تھا' ڈائریکٹ توپ ہی فائر کر دیتے..... خیر سے حویلی کے عظیم الشان شہنشاہ کا نکاح ہے۔" وہ جل ہی تو گئی۔ ماہم اس کی ہنر بڑاہٹ پہ ہنس دی۔

اسے اسٹیج پر بٹھا دیا گیا تھا۔ عورتیں مجمع لگائے اسے دیکھنے کے شوق میں موجود تھیں۔ گھونگھٹ کو ذرا اوپر کر کے شاذمہ نے سر پر سیٹ کر دیا تھا تاکہ سب آرام سے دلہن کا چہرہ دیکھ سکیں۔ لیکن برا ہو اس آتشی شوق کا ہر فائر پہ اس کا دل دہل جاتا اور گاؤں کی سیدھی سادھی عورتیں اس کی نازک مزاجی پر کھی کھی کرتی "شیرنی دلہن" سے محفوظ ہوتی رہیں۔

"مما..... اللہ کا واسطہ اس جنگ و جدل کے ماحول کو بدلوا دیں ورنہ مجھے ہارٹ اٹیک ہو جائے گا۔" دیا قریب آئیں تو وہ روہانسی ہو کر منہ بسور گئی۔ دیا اپنی پریوں جیسی نازک مزاج بیٹی کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ اس کے چہرے پر پھیلا خوف انہیں مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

"لو جی..... گولیوں کی آواز سے یہ اتنی ہی خائف اور ویرے چلاتا پہلے ہے' سوچتا بعد میں ہے۔" زرش نے بھی اس کا جملہ سن لیا تھا۔ شاہ زر شمعون کے "خواص" سن کر اس کا منہ ہی کڑوا ہو گیا۔

"یہ جنگلی وحشی ہی رہ گیا تھا میرے نصیب میں۔" وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

فائزہ کسی دور پرے کی خاتون کے ساتھ اسٹیج پر چڑھیں تو اسے بھی منہ سیدھا کرنا پڑا۔

"ہائے میرے ویرے دا [illegible]

کو آنکھیں پھاڑے دیکھنے لگی۔

"یہ تو گائے بھینسوں کو پہناتے ہیں ناں.....؟" وہ اپنی سوچ کے پنچھی اڑا رہی تھی اور اگلے ہی لمحے مرنے والی حالت ہوگئی..... جب خاتون نے وہ نوٹوں والا ہار اس کے گلے میں ڈال کر دیسی گھی کا لڈو منہ میں تقریباً ٹھونس ہی دیا تھا۔

پھر تو جیسے کوئی بند ٹوٹ کر سب کی راہیں کھول گیا۔ عورتیں آ کر اس کے منہ میں لڈو ٹھونستی رہیں اور نکاح کی تقریب کو یادگار بناتی رہیں۔ اسے ابکائی آنے لگی' گلے میں کوئی پھندا سا لگتا محسوس ہوا تو ہاتھ بے ساختہ گردن کو چھو گیا۔ اس کی نظر اپنے قدموں میں بیٹھے چند سالہ بچے پر پڑی وہ ہار میں سے پچاس' پچاس کے نوٹ نوچ کر اپنی جیب گرم کرنے کے چکروں میں اس کے گلے کا پھندا بنا رہا تھا۔ اس کے دیکھنے پر چوری پکڑے جانے پر بچے نے آنکھ مار کر معاملہ رفع دفع کرنے کے لیے معصوم سا منہ بنا لیا تھا۔

اس گھڑی اسے اپنی حالت کی قربانی کے جانور سے کم نہیں لگ رہی تھی۔



اک خواب سہانہ ٹوٹ گیا
امید گئی ارمان گئے
اے دنیا ہم سے چال نا چل
ہم ساری حقیقت جان گئے

ایم بی اے کے بعد سی ایس ایس کا امتحان پاس کر کے کسی اعلا عہدے پر فائز ہونا اس کا خواب تھا۔ بچپن سے روکھی' پھیکی کھا کر بدرنگ جوڑے پہن کر بھی اس کے خواب نئے تھے۔ وہ سونے کا چمچہ لے کر پیدا نہیں ہوئی تھی' نا ہی سنڈریلا کی طرح اسے کسی شہزادے کا انتظار تھا۔ جو اسے شہزادی بنا کر اپنے محل میں لے جاتا اور نہ ہی اس نے کسی خوش گمانی کو جگہ دی تھی' نا خوش فہمی کو اجازت۔ خودداری کے سنگلاخ پہاڑوں نے ہمیشہ اپنی راہ پر لگائے رکھا تھا۔ سہل اور چور راہوں کی کھوج میں نا منزہ نے کبھی لگنے دیا نہ لگی۔

غیر معمولی تعلیمی ریکارڈ امین تھا کہ وہ اپنی منزل کو پانے کے لیے کتنا جی مار رہی تھی۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا' لیکن ایم بی اے میں داخلے کے بعد سے جانے کیوں مشکلات کھڑی ہونے لگی تھیں۔

وہ جسے لگتا تھا اس کی آنکھیں صرف خواب دیکھنے کے لیے نہیں بنیں' وہ منزل کا سراغ پا لیں گی' وہی آنکھیں منزل کے پہلے پڑاؤ پہ ہی دھندلانے لگی تھیں۔ ایشان جاہ نامی جن اس کے خوابوں کو دبوچ گیا تھا اور اب منزہ نے یونیورسٹی جانے پہ پابندی لگا دی تھی۔ ماں سے سوال جواب کی عادت نہیں تھی۔ ان کا حکم حرف آخر تھا لیکن اپنے خوابوں پر قدغن لگانے والی ہستی کو وہ کبھی معاف نہیں کر سکتی تھی..... اس کی اونچی اڑان کو ایشان جاہ کی مقابلہ بازی نگل گئی تھی اور وہ بے پر کی ہو کر پھڑ پھڑا رہی تھی۔ خاموشی سے لیٹی وہ چھت کو دیکھتی غیر محسوس طریقے سے آنکھ کے کناروں کو رگڑ رہی تھی۔

"اب کیا کرو گی..... اماں نے تو پابندی لگا دی' یونیورسٹی جانے پر.....؟" انوشا کو بھی اس فیصلے سے بہت دکھ ہوا تھا۔ لیکن وہ سمجھتی تھی کہ ان کی ماں کے لیے بیٹیوں کی ذمہ داری کتنی بڑی ہے۔ جب بہن ہو کر انوشا کو ماورا کے لیے دھڑکا لگ گیا تھا تو منزہ تو ماں تھیں..... حیثیت و رتبے میں بے مول تھیں۔ پہلے ایشان جاہ اور اب چودھری جہانگیر کا سامنا کر کر وار کرنا' اکیلی تنہا عورتوں کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ وہ ان جیسوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔

رنے پر دکھ اور غصہ اب آنسو کی صورت اختیار کر گئے تھے۔
ین ان کی طبیعت کے پیش نظر اس نے سوال تھی نہیں کیا۔ برسوں سے دیکھا خواب دل کی دہلیز پر اپنیاں رگڑ رہا تھا۔
"کر کیا ہے..... سوچ رہی ہوں تمہاری طرح اسکول ٹیچر بن جاؤں..... بچوں کی ڈائری لکھ لکھ کر کاپیاں بھر
کر کے سر کھپاتی رہوں تاکہ یہ ایم بی اے کا خناس تو ذہن سے نکلے..... "مجروح ہنسی کے ساتھ دبی آواز میں گویا ہوئی۔
نوشابہ کو بھی افسوس ہوا۔
"تمہارے اسکول میں کوئی ویکنسی ہے تو پرنسپل سے پوچھ کے مجھے کال کر دینا۔ ڈیوٹی دینے آ جاؤں گی۔" وہ خود کو ہلکا
ظاہر کرتے کہہ رہی تھی مگر نوشابہ اس کا دکھ سمجھتی تھی۔
"ابھی رہنے دو چند روز بعد اماں کو منانے کی کوشش کریں گے جب تک ان کا غصہ بھی کم ہو جائے گا۔" نوشابہ نے دلاسہ
دیا۔
"ان کا غصہ بھلے کم ہو جائے گا۔ لیکن جب تک اس روئے زمین پر ایشان جاہ اور چودھری جہانگیر جیسے زور آور لوگ
ہیں ان کے اندیشے ختم نہیں ہوں گے۔" ایشان جاہ اور چودھری جہانگیر کا ذکر کرتے اس کے لہجے میں دنیا جہاں کی حقارت
سما آئی تھی۔
"وہ جو ان بیٹیوں کی غریب ماں میں دم ہی کتنا ہوتا ہے جو میں بھی انہیں آزماتی رہوں..... ایم بی اے کی ڈگری کے
بغیر بھی تو لوگ جی رہے ہیں..... میں بھی جی لوں گی۔" نوشابہ سے زیادہ وہ خود کو سمجھا رہی تھی۔ اپنے خوابوں کو تھپک تھپک
کے سلا رہی تھی۔ ان کی سرگوشیاں منزہ کی آمد پر ایک دم سے بند ہو گئی تھیں لیکن آنکھوں کے گوشے نم ہی تھے۔

عورتوں کے پورشن میں مردوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ تب ہی سبحان آفندی اسے باہر آنے کا ٹیکسٹ کر گیا۔
"کیا ہوا..... سب خیر تو ہے.....؟" اس کے بلاوے پر عیشال جہانگیر تیزی سے دونوں پورشن کے بیچ بنے حصے کی
طرف آئی تھی۔ جہاں سبحان آفندی پہلے ہی موجود تھا۔ وہ اب بھی فون پر مصروف پل پل کی رپورٹ لے رہا تھا۔ اسے
بدحواس دیکھ کر شہادت کی انگلی کان سے لگے بلیوٹوتھ سے ہٹا کر ایک پل کو مسکرایا۔
"کچھ نہیں ہوا..... چھوٹے دل کی لڑکی۔ دادجان نے پھولوں کے زیور بھیجے ہیں..... دی جان تک پہنچا دو..... حویلی
کی تمام خواتین کے لیے ہیں۔" باسکٹ اٹھا کر اسے تھمائی۔ جس میں موتیا اور گلاب کے زیور موجود تھے۔
"ماشاءاللہ..... دادجان نے کیا حس لطیف پایا ہے جو اس عمر میں بھی ان نزاکتوں کا خیال ہے۔ میرے خیال میں حویلی
کی نوجوان نسل کو ان سے ٹیوشن لینے کی ضرورت ہے۔" باسکٹ کو پُرشوق نظروں سے دیکھتی وہ جانے کس جذبے کے زیر
اثر منہ بسور کے کہہ گئی۔
"کہنا کیا چاہ رہی ہو..... میں سمجھا نہیں۔" وہ بغور اسے دیکھتا پوچھنے لگا۔
"تم جیسے شعلے اگلنے والوں کی سمجھ میں پھولوں کی بات آ بھی نہیں سکتی۔" وہ چڑ گئی۔
"پھر کوشش کیوں کرتی ہو.....؟" اس کا شرارتی انداز ہوا۔

"تم جیسوں کے لیے اردو لغت میں بڑا پراثر محاورہ ہے..... ان تلوں میں تیل نہیں....." وہ جل کے بول گئی اور اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"اور تم نے بھی سنا نہیں..... بڑا پُراثر جملہ ہے..... ناامیدی کفر ہے۔" اس پر ایک بھرپور نظر ڈال کر وہ مسکراتے ہوئے پلٹ گیا۔

اس کی چوڑی پشت کو نظروں میں رکھتے وہ زنانہ حصے کی طرف آ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

"نکاح مبارک۔" دعا ختم ہونے کے بعد ایک شور سا اٹھا تو شاہ زر شمعون نے ایک لمبی سانس لی۔

بلیک شلوار سوٹ اور بلیک واسکٹ میں معمول سے مختلف انداز لیے وہ خاصا وجیہہ لگ رہا تھا۔

اس نازک حسینہ سے نکاح کون سا آسان تھا۔ جس کے چڑیا جیسے دل کی خبر اس تک بھی آ چکی تھی کہ فائرنگ کا سلسلہ رکوا دیا جائے۔ خوف زدہ ہو رہی ہے۔ لامحالہ اسے بند کرنے کا حکم دینا پڑا کہ اگر جو وہ بدحواس ہوتی تو قبول ہے کون کہتا۔

"نکاح مبارک۔" سن کر بڑی ٹھنڈی آہ بھری۔ "برو..... خیر تو ہے.....؟" نکاح کے وقت وہ پاس ہی کھڑا تھا۔ اس کی حرکت ملاحظہ کر کے چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔

"کھا کر پچھتانے والوں میں شمار ہو گیا ہوں..... آہ تو ٹھنڈی ہی نکلے گی ناں....." جواباً وہ بھی شوخی سے گویا ہوا تو دونوں ہی ہنس دیے۔

"مبارک ہو۔" وہ گلے لگ کر مبارک باد دے گیا۔

"جزاک اللہ..... ارینجمنٹ بڑی اعلیٰ کی ہے تو نے۔" وہ جب سے کاموں میں مصروف تھا۔ شاہ زر شمعون کو اس سے بات کرنے کا موقع بھی ابھی ملا تھا۔

"بے فکر رہو برو..... رخصتی پر مزید اچھا ارینج کروں گا..... بہت مزے دار تھیم ہے میرے پاس۔" وہ پُرجوش تھا۔

"ایک آدھ تھیم میری اور اپنی شادی کے لیے بھی بچا لینا' میرے بھائی۔" ایشان جاہ بھی سمہان آفندی کے پیچھے ہی کھڑا تھا۔ اس نے کہا تو دونوں کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تیری تو خیر ہے ایشان..... میں اور سمہان دیکھ لیں گے..... ہاں اس کے لیے فکر مند ہوں کہ ہمیں ارینج کرنے کا موقع بھی دے گا یا نہیں....."

"ہیں..... کیوں سمہان..... یہ میں کیا سن رہا ہوں..... کہیں بھاگنے' واگنے کا پلان تو نہیں میرے بھائی.....؟" شاہ زر شمعون کا معنی خیز جملہ ایشان جاہ کو بھی شوخی پہ مجبور کر گیا۔

"توبہ ہے برو..... ایسا کون سا میں نے کسی مہارانی کو پٹار کھا ہے' جو مشکوک ہو رہے ہو۔" وہ جھینپ کے بولا۔

"یہ تو تو اپنے آپ سے پوچھ۔" شاہ زر شمعون کا لہجہ ہنوز معنی خیز تھا۔ اپنے جذبوں کو سات پردوں میں چھپا کر رکھنے والے سمہان آفندی کو یہ معنی خیزی بھی الارم جیسی لگی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

ایشان جاہ کا سیل فون کافی دیر سے وائبریٹ کر رہا تھا۔ وہ اس شور و ہنگامے سے ذرا باہر نکل آیا تھا۔

ہوں یونی میں..... وہ سارا پروگرام کینسل کر آئی۔"

"اتنی جلدی واپسی.....؟" سعید کو تعجب ہوا۔

"ہاں ڈیڈ کو ایک میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے صبح..... مام کو بھی گاؤں میں رہنا کچھ خاص پسند نہیں۔ اس لیے۔"

"چل ٹھیک ہے..... لیکن حیرت ہے یہ رات کی تقریب کیوں.....؟ گاؤں والے تو دن کی چلچلاتی دھوپ میں تقریب کرنے کے اسیر ہیں۔"

"بس جی تبدیلی کی لہر ہے..... ویسے گاؤں میں اب بھی یہی رواج ہے..... دادا جان وغیرہ بھی دن کے خواہاں تھے، وہ ایونٹ آرگنائز رسمیہ آفندی کو اپنی کریٹی ویٹی دکھانا تھی تو اس نے دادا جان سے مل پاس کروالیا اور واقعی بہت مزے کا تھیم ہے۔ خوابناک ماحول، لائٹنگ، سجاوٹ، فورارے، ان میں تیرتی بطخیں، فش، اونچے اونچے درختوں پر تا حد نگاہ رنگ برنگی روشنی سب کچھ بہت اوسم ہے۔ ان فیکٹ رسمیہ کی اس خوبی نے تو اسیر کر لیا۔ اپنی شادی میں اسی سے آرگنائز کرواؤں گا۔" نگاہ دوڑاتے وہ ساری خوب صورتی سعید کے گوش گزار کر رہا تھا۔

"تمہارے خاندان میں سارے تیس مار خان ہی بھرے ہوئے ہیں۔" سعید ہنسا۔

"اس میں کوئی شک نہیں۔" برا منانے بنا وہ فراخ دلی سے اعتراف کر گیا۔

"ایک ضروری بات کرنا تھی لیکن تو صبح یونی آ رہا ہے تو پھر مل کے ہی بات کر لیں گے۔" سعید کال کرنے کی وجہ سے پہلو تہی کرنے لگا۔

"بتا ناں کیا بات ہے..... صبح تک کیا انتظار کرنا۔" اس نے اصرار کیا۔ سعید کے پیٹ میں مڑوڑ اٹھ رہا تھا۔ اس نے بھی بتانے میں دیر نہیں کی۔

"تو یونی نہیں آیا لیکن انکل آئے تھے۔ خیر ہے..... تو نے بھیجا تھا؟" سعید نے بالآخر سوال کر ہی لیا۔

"یونیورسٹی آئے تھے.....! کون..... ڈیڈ.....؟" ایشان جاہ چونکا۔

"تجھے خبر نہیں.....؟" سعید بھی حیران ہوا۔

"نہیں.....!"

"خیریت ہے؟" سعید کی آواز میں تشویش تھی۔

"حیرت کی کیا بات ہے..... ڈیڈی کی فیلڈ ہی ایسی ہے۔ کہیں بھی، کبھی بھی پہنچ جاتے ہیں۔" ایشان جاہ کو اس میں کوئی بات قابل توجہ نہ لگی۔

"ہاں اتنا تو مجھے بھی پتا ہے..... لیکن انہیں ماورا یحییٰ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟" سعید نے پھر استفسار کیا۔ اب کے ایشان جاہ بری طرح چونکا۔

"ماورا یحییٰ.....! ڈیڈ اس سے ملے.....؟" وہ حیران ہوا۔

"ہاں کافی دیر دونوں کی بات چیت ہوئی..... ان کے درمیان کیا بات ہوئی۔ یہی پوچھنے کے لیے تو تجھ سے بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن لگتا تو مجھ سے بھی زیادہ لاعلم ہے۔" اس کی لاعلمی سعید کو مزید حیران کر گئی۔

"میرے علم میں نہیں..... ڈیڈ نے تو مجھ سے کوئی ذکر نہیں کیا..... یا شاید موقع نہیں ملا ہوگا..... وہ ماورا یحییٰ سے ملنے کیوں گئے.....؟" ایشان جاہ کو تشویش ہونے لگی۔ جانے چودھری جہانگیر کس حوالے سے ملے تھے اور ان کے درمیان کیا بات چیت ہوئی تھیں۔

پانی صاحب نکاح کے بول دہرا رہے تھے اور شائیہ کے اندر انکار کی آوازیں چکرانے لگیں لیکن جب چودھری بخت اس کے پہلو میں آ بیٹھے چودھری حشمت کا ہاتھ اس کے سر پر آیا تو ساری مزاحمت دبک سی گئی۔

لرزتے ہاتھوں سے اس نے اپنی آزادی کو شاہ زر شمعون کے نام گروی رکھ دیا۔ اس کے ہاں کرنے پر جو سکون چودھری بخت اور دیا کے چہرے پر پھیلا تھا اس نے احساس دلایا کہ وہ کہیں نا کہیں اس کی متوقع بچکانہ حرکت پر متفکر تھے۔ مگر اس نے سمجھداری کا مظاہرہ کر کے ان کے سر کو جھکنے سے بچا لیا تھا مگر شاہ زر شمعون کے آگے اپنا جھکا وجود اسے آگ بگولہ کرنے لگا۔

شومئی قسمت کہ نکاح کے بعد شاہ زر شمعون کو لا کر اس کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔ مبارک باد دینے والیاں منہ میٹھا کروا رہی تھیں اور اس کا جی متلانے لگا۔

"پلیز بس کر دیں میری طبیعت خراب ہو جائے گی اتنی مٹھائی کھا کر۔" جب عورتوں کو اس پر رحم نہ آیا تو وہ سارے لحاظ بالائے طاق رکھ کے ٹوک گئی۔

"گاؤں کی خالص مٹھائی کھانے سے انکار مت کریں شاید اس کی وجہ سے تھوڑی مٹھاس آپ کی کڑوی زبان پر بھی آ جائے۔" وہ شاہ زر شمعون ہی کیا جو زبانی گولہ باری کر کے اس کا جگر نہ جلاتا۔ نکاح کے بعد گھونگھٹ کو ہٹا کر دوپٹا سر پہ سیٹ کر دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے شاہ زر شمعون کو گھورنے میں خاصی آسانی ہوئی۔ جواباً اس نے ایک استہزائیہ نظر اس کے سراپے پر ڈالی۔

"مبارک ہو نا کر کے بھی آخر کو آپ میری پابند ہو ہی گئیں۔" اس کے پھولے منہ اور کٹیلی نظروں سے وہ از حد حظ اٹھا رہا تھا۔ شائیہ چودھری کی تو روح ہی جھلس گئی۔ وہ جواب دینے سے قاصر تھی۔ موو ی میکر انہیں اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے۔

"ویسے حیرت ہے منٹ منٹ میں اسٹیٹس اپ ڈیٹ کرنے والوں نے ڈیڑھ گھنٹا گزرنے کے بعد بھی اب تک نکاح پیرمنی کی اپ ڈیٹ اپلوڈ نہیں کی۔" وہ گن گن کے بدلے لے رہا تھا۔ شائیہ گونگی بہری بن کے کیمرے کی لائٹ کو دیکھنے لگی۔

ہر چہرہ کھلا ہوا تھا۔ حویلی کے مکین پہلی خوشی پر بھرپور مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ فائزہ بیٹے بہو کی بلائیں لیتے نہیں تھک رہی تھیں تو زمرد بیگم نظر بد سے بچانے کی دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ فریال لڑکیوں کے ساتھ ہنسی ٹھٹھول میں ساتھ دے رہی تھیں۔ عیشال جہانگیر کے لیے یہ تقریب بڑی دلچسپی کا باعث بنی تھی۔ کیسے منٹوں میں چند مائن اور چند بول کے بعد کوئی اپنا بن بیٹھتا ہے۔

لڑکیاں دو ہی چیز تو مانگتی ہیں۔ ایک محبت دوسری پناہ اور وہ بھی اس شخص سے جو من پسند ہو اور جب نکاح کے نام پر یہ دونوں چیزیں من پسند شخص سے حاصل ہوں تو زندگی کے رنگ ہی جدا ہو جاتے ہیں۔ وہ بڑی محویت سے شاہ زر شمعون اور شائیہ چودھری کو کیمروں کی روشنی میں دیکھ رہی تھی۔ دونوں ایک ساتھ اتنے اچھے لگ رہے تھے۔ اس کی نگاہ کسی کو کھوجنے لگی۔ فیملی فوٹو کی بات لگی اور ایک کے بعد سب باری باری تصویریں بنانے لگے۔ مہمان کافی حد تک کھانا کھا کر جا چکے تھے۔ زنانہ پورشن کی حرمت مجروح نا ہو اس سلسلے میں پہلے سے ارینج کیا ہوا پردہ کھول دیا گیا تھا تاکہ گھر کے مردوں کا داخلہ ممکن ہو سکے۔ [illegible]

"کہاں ہو.....؟" جب کافی دیر وہ نظر نہیں آیا تو وہ اسے تلاش کرتے ہوئے کرن کو دیکھ کر جائزہ لے رہی تھیں۔ حویلی کے تمام اشخاص ہی موجود تھے۔ سوائے اس کے۔

"تمہارے پیچھے۔" فوراً جواب آیا۔ وہ بے ساختہ مڑی اور اسے اپنے پیچھے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

"پیچھے کھڑے ہو کر کیا جاسوسی کر رہے ہو.....؟" ارد گرد موجود لوگوں کا خیال کرتے ہوئی اس نے دبی آواز میں پوچھا۔

"تمہارے لیے کنگن لایا تھا۔" غیر محسوس انداز میں دھیرے سے گویا ہوا تو عیشال جہانگیر کی آنکھیں اس کے ہاتھ میں دیکھ کر تحیر سے کھل گئیں۔

"ارے واہ..... ابڑی جلدی سیکھ گئے تم تو۔" وہ جھٹ کنگن تھام کر پہننے لگی۔

"اجی سیکھنا سکھانا کیا..... باہر پڑے ہوئے ملے تو سوچا تمہیں دے دوں تاکہ تمہارا رونا تو کم ہو۔" اس نے چڑایا۔

عیشال نے جھٹ کنگن پہن لیے تھے۔ اب ہاتھ سے نوچ کر اتارنے لگی کنگن تو اترے نہیں البتہ موتیا کے پھول نکل کر اس کے ہاتھ میں آ گئے تو اس نے وہی اس کے منہ پر دے مارے..... وہ بے ساختہ مسکراہٹ چھپا گیا۔

"فضول انسان۔" وہ دبے دبے لفظوں میں اس کی شان میں قصیدہ پڑھ رہی تھی۔

بظاہر مجمع میں ان کی حرکات و سکنات کی طرف کوئی متوجہ نہیں تھا۔ سب کی نظریں اسٹیج کی طرف تھیں مگر نرمین کی نظریں ان پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے ساتھ بیٹھی صبا بہت بیزار نظر آ رہی تھیں۔

"جانے کب یہ چونچلے ختم ہوں گے اور ہمیں ایئرپورٹ جانا نصیب ہوگا۔ بھلے ایئرپورٹ پر انتظار کر لیں۔ یہاں تو میرا دم گھٹ رہا ہے۔ مزارے سے لے کر کسان تک کو تو مدعو کر رکھا ہے۔ جیسے عام منادی کروا دی ہو ان لوگوں نے..... بندے کا کوئی اسٹینڈرڈ ہوتا ہے۔ نکاح سے زیادہ تو مجھے لنگر کے لیے آنے والے لوگ لگے۔ دیکھا نہیں تھا۔ کیسے بھوکوں ننگوں کی طرح وہ غلیظ عورتیں کھانوں پر ٹوٹ پڑی تھیں۔" کلائی میں بندھی قیمتی گھڑی کو دیکھتے ہوئے صبا نے ناگواری سے ذکر کیا۔

"ایسے ہتھکنڈوں سے امیج بڑھتا ہے مام۔ حویلی والے دکھا رہے ہیں کہ ان کے دل میں کتنا درد ہے غریبوں کے لیے اور یہ کہ وہ کتنی اہمیت دیتے ہیں ان کم تر لوگوں کو..... ایویں تو سارا گاؤں حویلی والوں کے گن تو نہیں گاتا ناں..... واجان یا کسی تایا چاچا کا اپنے ایریا سے کھڑا ہو کر سیاست میں قدم رکھنے کا موڈ تو نہیں ہے ناں.....؟ ہو سکتا ہے یہ اسی کی کڑی ہو۔" نرمین بھی استہزائیہ انداز میں گویا ہوئی۔ صبا اتفاق کرتی سر ہلا رہی تھیں، مگر نرمین کی نظریں عیشال اور سبحان آفندی کی نوک جھونک پر الجھ گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁.....❁

سگریٹ کا دھواں اڑاتے جہانگیر خاصے الگ تھلگ گوشے میں بیٹھے سب کی کارروائی دیکھ رہے تھے۔ وہ جتنی دیر حویلی یا گاؤں میں رہتے تھے اعصابی تناؤ کی کیفیت میں گھرے جاتے تھے۔ اس وقت بھی اسٹیج پر موجود منظر کو دیکھتے وہ کہیں دور چلے گئے تھے۔

اسٹیج پر سکڑی سمٹی بیٹھی صائقہ اور وہ بے زاری سے سب کے درمیان ایجاب و قبول کرتے ان کے دل میں کس قدر غصہ تھا یہ وہی جانتے تھے۔ خوشی صائقہ کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی اور وہ بھرے بیٹھے تھے۔

"ڈٹھا آسے..... سیاست کرتی تھی" جانے وہ اپنی ہی کس کہی بات کو یاد کر کے تلخی سے مسکرائے تھے۔

"بورائیکی سے ملنے آپ یونیورسٹی گئے تھے؟"

"ہاں۔" سوال کرنے کے بعد اسے جیسے یقین تھا کہ جواب انکار میں ہوگا۔ سعید کو کوئی دھوکا ہوا ہوگا لیکن چودھری جہانگیر کے فوراً جواب نے اسے ایک دھچکے کو چپ کروادیا۔

"خیریت..... آپ جانتے ہیں اسے.....؟"

"جولڑکی میرے بیٹے کو اسٹریس میں رکھے اسے جاننا تو ضروری ہے ناں....." چودھری جہانگیر کے جواب نے اس کے اندازے کی تسلی کروادی تھی۔

"کیا ضرورت تھی آپ کو اس سے ملنے یا بات کرنے کی؟ ڈیڈ وہ لڑکی بہت بدتمیز اور بدلحاظ ہے..... اس نے آپ سے کوئی مس بی ہیو تو نہیں کیا ناں.....؟" ایشان جاہ کو اپنی ہمدردی اور اس کا صاف جواب خوب یاد تھا۔

"بدتمیز تو خیر نہیں ہے لیکن ضرورت سے زیادہ بہادر اور خود پہ خاصا گھمنڈ ہے اسے..... گیا تو اسے سمجھانے تھا..... آفر بھی دی بیرون ملک تعلیم کی..... لیکن وہ الٹا مجھے چیلنج کر گئی کہ مقابلہ کریں..... چور راہ ڈھونڈ کر جیتنے کی کوشش..... ہار سے بدتر ہوگی اس کے الفاظ تو مجھے ٹھیک سے یاد نہیں لیکن مفہوم کم و بیش یہی تھا۔" چودھری جہانگیر حافظے پر زور دیتے جواب دینے لگے۔

"اس نے یہ سب بکواس کی آپ سے.....؟" ایشان جاہ کا خون کھولنے لگا۔

"ہاں۔" انہوں نے اعتراف کیا۔

"آپ نے جواباً کچھ نہیں کہا.....؟" اسے حیرانی ہوئی۔

"کہہ تو بہت کچھ سکتا تھا اور اب بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں لیکن چپ رہا کیونکہ لڑکی کے لہجے میں جو گھمنڈ تھا مجھے اس نے خاموش کروادیا۔ ہم اسے جتنا جواب دیں..... طاقت و زور سے پیچھے دھکیل دیں۔ اس کا گھمنڈ نہیں ٹوٹے گا۔ اسی لیے خاموشی سے اس کا چیلنج قبول کرلیا..... اب تمہیں اپنی قابلیت سے اس کا گھمنڈ توڑنا ہے۔ اسے نیچا دکھا کر بتانا ہے کہ مقابلہ برابری کا ہوتا ہے۔ باقی رہی اس کی جسارت اور مجھے چیلنج کرنے کی غلطی..... اس کے ساتھ مزید کیا کرنا ہے۔ اس کا فیصلہ تم مجھ پر چھوڑ دو..... وہ ساری زندگی تعلیم..... نوکری اور گھر کے لیے خوار رہے گی در در بھٹکے گی..... اسے اتنا تھکا دوں گا کہ وہ اس لمحے کو کوسے گی جب اس نے چودھری جہانگیر کو چیلنج کرنے کی غلطی کی....." چودھری جہانگیر کو ایک دم وہ منظر یاد آ گیا تھا۔ جواب سے جھانکتی دو پُراعتماد آنکھیں کس تنفر سے انہیں چیلنج کر گئی تھیں۔

ایشان جاہ کا پارہ یہ سب سن کر مزید چڑھنے لگا تھا۔ اس کی اتنی مجال کہ وہ چودھری جہانگیر کو اس کے لیے چیلنج کر گئی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ایکی کو بھسم کردے۔

❁.....❁.....❁.....❁

اللہ اللہ کر کے تقریب کا اختتام ہوا اور مختلف گاڑیوں میں بھر کے ان سب کا قافلہ حویلی کی طرف بڑھنے لگا۔ مہمان نوازی میں عیشال جہانگیر پر خاص نظر رکھی ہوئی تھی کہ کہیں وہ پھر نہ "رہ" جائے۔ حویلی آتے ہی چودھری جہانگیر کی فیملی تو اپنا ساز و سامان لپیٹنے لگی۔

"یہ بھی کوئی آنا اور جانا ہوا.....؟" چودھری فیروز نے گلہ کیا۔

"صبح ہیڈ کوارٹر میں ایک اہم میٹنگ ہے۔ جانا ضروری ہے۔" چودھری جہانگیر مصروفیت بتا کر دامن بچا گئے تو کوئی

[illegible] کے بعد سمہان آفندی اور شاہ زر تمعون سے مل کر دوبارہ آنے کا وعدہ کر رہا تھا۔ صبیحہ سب سے ملی [illegible] سے بیٹل جہانگیر کے جولاتعلقی سے بیٹھی سینڈل کے اسٹریپ کھولنے کے ساتھ ایڑی پر موجود زخم کا معائنہ [illegible] حل کا حصہ ہو کر بھی نہیں تھی۔

"کبھی کراچی آ کر ہمارے گھر کو بھی رونق بخشیں۔" سب سے مل کر نرمین سمہان آفندی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ حویلی میں اس کی بے تکلفی تو کسی سے بھی نہیں تھی۔ سمہان سے بھی یہ اس کی پہلی بالمشافہ گفتگو تھی جس کا عکس سمہان آفندی کے چہرے پر بھی جھلملا رہا تھا۔

"جی ضرور۔۔۔؟" اس نے انکساری سے ہامی بھری۔ چوہدری جہانگیر کی بیٹی ہونے کے ناتے اس سے سلام دعا ہی تھی۔

"آپ بھی دوبارہ تشریف لائیے گا۔" وہ بھی اخلاقاً عود کر گیا تو نرمین دلفریبی سے مسکرا دی۔

"ضرور کہیں لیکن آج سے گاؤں میں مجھے بہت ٹریکشن محسوس ہونے لگی ہے..... کوشش کروں گی جلد دوبارہ آ کر آپ کو میزبانی کا شرف بخشوں۔" اس کی اتنی لمبی چوڑی تقریر اور دلفریب انداز پہ سمہان آفندی جیسا لفظوں کا کھلاڑی ایک لمحے کو ضرور ہوا تھا۔ لفظوں کو پرکھنے کا گر اسے بہت اچھی طرح آتا تھا۔ کون سا لفظ کہاں سے آ رہا ہے اس حوالے سے اس کی پوری معلومات تھی۔

"حویلی والے بڑے مہمان نواز ہیں۔ ہزار بار آئیں..... آپ کو افسوس کا موقع نہیں ملے گا۔" اپنی ذات کی طرف سے بات گھما کر وہ اسے حد دکھا گیا لیکن سامنے بے باک نرمین تھی۔

"حویلی والوں کا تو نہیں لیکن آپ میزبان جیسے کاموں میں آسانی ہوگی..... ویسے آج آپ بڑے [illegible] لگ رہے تھے۔" نرمین اس کے کہنیوں تک فولڈ ہوئے آستین اور مضبوط کلائی میں بندھی گھڑی کو دیکھتے تعریف کر گئی۔

"آپ حویلی میں نہیں رہتیں۔ اس لیے یہاں کے ماحول اور انداز سے ناواقف ہیں..... حویلی میں اس بے باکی کو [illegible] کیا جاتا..... بہتر ہوگا کہ آئندہ احتیاط کریں۔" ایک سپاٹ نظر ڈال کر وہ پلٹ گیا۔ نرمین کو اس کا اندازہ سا لگا گیا تھا۔ اتنی دیر سے بیٹل جہانگیر نے بھی یہ منظر بغور دیکھا تھا۔ برے منہ کے ساتھ سمہان آفندی کو پلٹ کر جاتے دیکھ کر اس کی نظروں میں نرمین کے لیے مزید کڑواہٹ آ گئی تھی۔

"[illegible] جہانگیر چچا اور ان کی فیملی واپس کراچی جا رہی ہے ہم بھی چلیں؟" شنائیہ چوہدری دیا کے کان میں منمنائی۔

"ہاں کہیں گے تاکہ لوگوں کو بولنے کا موقع ملے۔ دلہن نکاح ہوتے ہی بھاگ گئی۔" کاٹ دار جملے اور دیا کی گھوری پر [illegible] ہو کے رہ گئی۔

❁ ❁ ❁ ❁

[illegible] کس بات کا خوف ہے۔۔۔؟ میرے ہوتے تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں..... بھاڑ میں جائے [illegible] سب کچھ تمہارا جو قبول کرنا ہی ہوگا..... میں سب کو راضی کر کے ہی دم لوں گا..... ساری دنیا تمہیں چھوڑ سکتی [illegible] خود کو کیا سمجھنا چھوڑ دو..... میں ہوں تمہارا اپنا..... پوری دنیا کو تمہارا بنا کر دکھاؤں گا۔" وہ جوش سے [illegible]

"میں نے کہا ناں..... سب مان جائیں گے..... تمہاری خاطر میں سب کو چھوڑ دوں گا یقین نہیں کیں چھوڑ سکتا۔"

آنسو پونچھ کر وہ ایک لمحے کو اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تم اتنے سچے ہو اگر جو کبھی میں خود پیچھے ہٹ جاؤں؟" جانے کیوں وہ سوال کر گئی تھی۔ وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا تھا۔

"تم پہ زور زبردستی نہیں ہے..... تم پیچھے ہٹیں یا اپنی خوشی سے گئیں تو ساری عمر کا جوگ لے لوں گا..... سمجھ جاؤں گا میری محبت میں ہی کوئی کمی تھی۔ جو تم رک نا سکیں لیکن اتنا جانتا ہوں مجھ سے بڑھ کے تمہیں کوئی اتنی محبت نہیں کر سکے گا..... جب کبھی لگے کہ تمہیں میری ضرورت ہے..... بس ایک بار آواز دے دینا۔" دعویٰ کیا' کیا تھا ان کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔ لفظ گنجلک تھے جو انہیں جکڑے جا رہے تھے۔

"جب کبھی لگے کہ میری ضرورت ہے..... بس ایک بار آواز دے دینا۔" آخری جملے کی بازگشت بڑھنے لگی تھی۔ ساتھ ہی آنسوؤں کی روانی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک دم سے وہ چونک گئیں۔ یوں جیسے کوئی جھماکا ہوا ہو۔ ازل سے اپنی آگ میں جھلستے جیسے انہیں کنارہ نظر آنے لگا تھا۔ نجات کا کوئی سرا ہاتھ لگا تھا۔ وہ سرعت سے اٹھیں۔ ٹرنک کھول کر اس میں سے ڈائری نکال کر واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئیں۔ یہ سارا کام انہوں نے بہت احتیاط سے کیا تھا۔ تاکہ سوئی ہوئی بیٹیوں کی نیند خراب نہ ہو..... بلیو کلر کا نائیٹ بلب نا کافی روشنی دے رہا تھا لیکن ان کے لیے اتنی روشنی ہی کافی تھی۔ ان کا ذہن بڑی تیزی سے سالوں کا سفر طے کر رہا تھا اور قلم بڑی روانی سے ڈائری کے صفحات پر رواں تھا۔ وقفے وقفے سے وہ انوشا اور ماورا کے چہروں کو بھی دیکھ رہی تھیں۔

"تم آج بھی اتنے ہی زور آور ہو..... اگر جو خبر ہو جاتی کہ مقابل کون ہے تو شاید تم جسارت نہ کرتے....." وہ استہزائیہ مسکراہٹ سجا گئیں۔ استہزاء کا یہ رنگ بھی اپنے لیے تھا۔ خود اذیتی سی خود اذیتی تھی۔



کمرے میں آتے ہی دوپٹا کھینچ کے اتارتے وہ واش روم کی طرف بھاگی۔ اسے ابکائی آ رہی تھی۔ ٹھنڈے پسینے آنے لگے تو وہ روم میں آ گئی۔ دیا بھی اس کے پیچھے چلی آئیں۔

"ٹھنڈے پسینے آ رہے ہیں..... فوڈ پوائزن ہو گیا ہے مجھے....." وہ بے دم سی ہو کر بیڈ پر گر گئی۔

"کچھ نہیں ہوا ہے وہم نا کرو..... اتنی ہیوی چیزیں پہننے اور زیادہ مٹھائی کھانے کی وجہ سے جی گھبرا رہا ہوگا۔ ایسے نہیں ہوتا فوڈ پوائزن..... سکنجبین لے کر آئی ہوں' پی لو..... زبان کا ذائقہ بدل جائے گا۔ تمہیں عادت جو نہیں ہے اتنی مٹھائی کھانے کی۔" دیا نے سکنجبین کا گلاس تھمایا تو وہ غٹا غٹ پی گئی۔ دل و دماغ کو کچھ سکون ملا۔

"مجھے نہیں پتا..... ڈاکٹر کو بلائیں جلدی۔"

"بیٹا کیا ہو گیا ہے..... تمہاری ماں ڈاکٹر بیٹھی ہے۔" اس کے واویلا کرنے پر دیا کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہونے

"نہیں..... کوئی اور ڈاکٹر بلائیں..... مجھے باہر کے ڈاکٹر کو دکھانا ہے..... جلدی کریں۔ مجھے کچھ ہو جائے گا۔ بری رح چکر آ رہے ہیں۔ جانے شوگر ہائی ہو گئی ہے یا بی پی کے ساتھ میں بھی گر رہی ہوں۔" اس کے واویلا کرنے پر دیا کے ہ پاؤں پھولنے لگے۔ وہ عجیب فضولیات بک رہی تھی۔ لامحالہ انہوں نے چودھری بخت کو کمرے میں آنے کے لیے ں کی۔ شنائیہ کی بہکی بہکی باتوں میں قدرے کمی آ گئی۔

سب عورتیں لوٹ آئے تھے۔ چودھری جہانگیر کی فیملی ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہو چکی تھی۔ ان کی حفاظت کے خیال سے سہمان آفندی نے محافظوں کی گاڑی ساتھ کرنا چاہی لیکن چودھری جہانگیر کے انکار کے باعث وہ خاموش ہو گیا تھا۔ چائے بھی کا دور چل رہا تھا۔ مردوں کی بیٹھک لگ چکی تھی۔ لڑکیاں جیولری کپڑوں کو ترتیب سے رکھنے کے جتن میں سارا پھیلاوا پھیلائے تقریب پر بحث کر رہی تھیں۔

سہمان آفندی محافظ کے بلاوے پر باہر آیا تھا۔ ساری باتیں پھر سے دہرا کر وہ مزید چوکنا رہنے کی ہدایت دے رہا تھا۔ اچانک غائب ہو جانے والی جیپ کا سراغ بھی نہیں مل سکا تھا۔ مبادا وہ دوبارہ حملہ آور ہوتے۔

"کب ہوا یہ..... جیپ..... کب ہوا یہ.....؟ تو نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟" جانے کب شاہ زر شمعون وہاں آ گیا تھا اور ان کی ساری باتیں سن کر وہ کئی سوال ایک ساتھ کر گیا۔ سہمان آفندی ایک لمحے کے لیے گڑبڑا گیا۔

"تمہاری خوشی خراب کرنا نہیں چاہتا تھا..... ناؤ ایوری تھنگ از انڈر کنٹرول..... بس تشویش ہے کہ اس اچانک غائب ہو جانے والی جیپ کی..... شوٹرز کی جیپ ذرا دیر کو گڑھے میں پھنسی تھی اور پھر غائب..... اتنی جلدی گاؤں سے جیپ کا نکلنا ممکن نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے جیپ گاؤں میں ہی موجود ہے اور گاؤں سے ہی کوئی پروٹیکٹ کر رہا ہے انہیں۔" نشانہ باز کو جانے کا اشارہ کر کے اندر کی طرف قدم بڑھاتے سہمان آفندی نے شاہ زر شمعون کو بھی چلنے کا اشارہ کیا۔ اس کے کزی سے کزی جوڑنے پہ ساتھ چلتا شاہ زر شمعون بھی چونکا۔

"کون پروٹیکٹ کرے گا انہیں..... گجر کے حواری؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ سہمان آفندی نے بھی اس کی سمت نگاہ کی۔

"ہو سکتا ہے..... تب ہی داخلی اور خارجی راستے کی نگرانی کا حکم دیا ہوا ہے..... اب گاؤں کا ایک ایک گھر تو چیک کرنے سے رہے....." وہ لب سکیڑ گیا تو شاہ زر شمعون بھی سر ہلانے لگا۔

"خیر جو بھی ہے میں دیکھ لوں گا..... تم ٹینشن لے کر خوشی خراب نا کرو..... دم درود کرو..... بھابی بیگم کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔" اس کا دھیان بٹانے کے لیے سہمان باتوں کا رخ شنائیہ کی طرف موڑ گیا تو وہ سر جھٹک گیا۔

"شہری ماحول کے کمزور نازک لوگ..... جانے کیسے سروائیو کریں گے..... ایک چھینک مارنے پر کون ڈاکٹر کو بلانے بھاگے گا..... داجان نے بھی لینک پیس متھے مار دیا ہے۔" وہ جھنجھلا کر بولا تو سہمان آفندی کا قہقہہ بے ساختہ بلند ہوا تھا۔

"خوش ہے ناں.....؟ اب تو کوئی شکایت نہیں؟" چودھری حشمت پوتوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ تب ہی شاہ زر شمعون سے استفسار کیا۔

مردوں کی بیٹھک لگی ہوئی تھی جس میں وہ دونوں بھی شامل ہو گئے تھے۔ چودھری حشمت کے سوال پر سب کے چہروں پر مسکراہٹ پھیلی گئی تھی۔

"کیوں شرمندہ کر رہے ہیں داجان..... میری اتنی مجال کہ شکایت کروں.....؟ مجھے تو ابھی تک افسوس ہے میری وجہ سے آپ کا دل دکھا۔" وہ سر جھکا کر شرمساری سے گویا ہوا تو چودھری حشمت کا دل بڑا ہو گیا۔

"دکھ تو بہت افسوس ہوا تھا لیکن جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے تو فکر نہ کر..... خوش رہ۔" چودھری حشمت ناصحانہ

"اور ہاں بھئی سمہان..... تم نے تو سارے انتظامات اعلا طریقے سے نمٹائے دل جیت لیا۔ ہمیں تو انعام سے نوازنا چاہیے....." اب کے چودھری حشمت کا رخ روشن سمہان آفندی کی طرف ہوا۔

"عزت افزائی کے لیے شکریہ داجان..... آپ کے تعریفی لفظ کسی انعام سے کم نہیں۔" وہ کھلے چہرے کے ساتھ مسکرایا۔

"یہ بات تو ٹھیک کہی ہاہا جان آپ نے..... انتظامات' کھانا سب کچھ اے ون تھا' واقعی انعام تو بنتا ہے۔" چودھری فیروز نے اپنا والٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"جتنے مرضی نکال لو۔" کھلی پیش کش کی۔ چودھری اسفند بیٹے کی مدح سرائی پر اس کے شانے پر بازو پھیلا کر سینہ چوڑا کر گئے۔

"تایا جان شرمندہ کر رہے ہیں آپ سب۔" وہ انکساری کا مظاہرہ کرنے لگا۔

"آج بڑے ہو گئے خود کے اکاؤنٹ میں پیسے ہیں تو جھجک رہے ہو..... یاد کرو جب ٹی شرٹ اور شارٹس میں چاکلیٹ کے پیسے مجھ سے لینے آتے تھے۔" چودھری فیروز بچپن کا حوالہ دے گئے تو وہ کھل کر مسکرا دیا۔

"جتنا بھی بڑا ہو جاؤں' چاکلیٹ کے لیے پیسے تو آپ سے ہی لوں گا۔" ان کا دل رکھنے کے لیے وہ والٹ سے ہزار کا نوٹ نکال کر والٹ ان کی طرف بڑھا گیا۔

"تم کیش انعام دو..... لیکن ہم تو سمہان آفندی کو منہ مانگا انعام دینے کا سوچ رہے ہیں..... بولو سمہان کیا چاہیے.....؟" چودھری حشمت شاہ بن گئے تھے۔ وہ بے ساختہ چونکا۔ منہ مانگے انعام کا سن کر اس کے ذہن میں ایک ہی خیال آیا تھا۔ وہ ایسا کر سکتا تھا لیکن جانے اس کے منہ کھولنے کے بعد حالات کیا ہو جاتے' شاید یہ وقت مناسب نہیں تھا۔

"اگر ابھی سمجھ نہیں آ رہا تو کوئی بات نہیں..... بعد میں مانگ لینا..... ہم کون سا بھاگے جا رہے ہیں۔" چودھری حشمت کی بات سے دل کو تقویت ملی۔

"سمہان کو تو آج دہرے انعام سے نوازیں داجان..... اس نے جانے کیا کچھ سنبھال رکھا تھا اور ماتھے پر شکن لائے بنا....." شاہ زر شمعون نے آج کی تازہ صورت حال ان سب کے گوش گزار کی۔ جسے سن کر تشویش کے ساتھ سب اسے سراہ بھی رہے تھے اور آگے کی منصوبہ بھی کر رہے تھے۔

❁.....❁.....❁.....❁

حویلی میں سناٹے کا راج تھا۔

گو کہ سب کے ساتھ اس نے چائے پی لی تھی مگر دن بھر کی تھکن کا اثر زائل کرنے کے لیے ایک اور کپ کی طلب نے کچن لے میں آئی تھی۔ کچن کے اندر کا سناٹا ظاہر کر رہا تھا کہ چائے نہیں ملے گی۔ وہ دہلیز سے ہی پلٹنے لگا تھا۔ جب یک دم تیزی سے عیشال جہانگیر کچن سے برآمد ہوئی اور ٹکراؤ سے بچنے کے لیے اپنے قدموں کو بے ساختہ بریک ائے۔ ورنہ تو اس کے ہاتھ میں موجود چائے کا مگ سامنے والے پر الٹ چکا ہوتا۔

"الٰہی خیر..... کیا شالیمار ایکسپریس بنی پھر رہی ہو' ابھی مجھ ننھی سی جان کو جلا کر مار دینا تھا تم نے..... پہلے ہی حیرت تھا کہ کیا کچن میں آسیب کا سایہ ہو گیا جو دور سے جلنے والی روشنی سامنے آنے پر اندھیرے میں بدل گئی تو کیسے.....؟" سے دیکھ کر دل کو تقویت ہوئی تھی۔ وہ بھی اس کی لمبی چوڑی تقریر پر قہر بار نظروں سے گھورنے لگی۔

"کیا ہر وقت کھائی پیتی رہتی ہو؟" تیکھے بھر کر منہ میں [illegible]

سامان لیے چڑھ دوڑی تو وہ ہاتھ سینے پر باندھ گیا۔

وہ معمول کے حلیے میں تھی۔ اورنج شارٹ شرٹ پہ ملٹی کلر کی گھیر دار شلوار پہ دوپٹا لیے جو شانوں سے ہوتا نیچے تک آ رہا تھا۔ میک اپ صاف ہو چکا تھا لیکن ابھی بھی ہلکے ہلکے رنگ جھلک دکھا رہے تھے۔

"اگر آپ نے اچھی طرح ریسرچ کر لی ہو تو راستہ دیں تاکہ میں تو نکلوں..... ایک تو رات کو کمرے سے نکلتے داجان کا چھاپا اتنا ڈراتا ہے کہ حد نہیں۔" مسلسل اپنی طرف دیکھنے پر چوٹ کر کے خدشہ ظاہر کرتی وہ دائیں بائیں بھی نظر ڈالنے لگی کہ کہیں واقعی داجان نہ آ جائیں۔ تسلی کر کے اس پر نظر جمائی۔ وہ ابھی تک جینز اور کرتے میں ملبوس تھا۔ کرتے پہ بٹنیں کہیوں تک فولڈ آستین تھکن کی روداد سنا رہی تھی مگر چہرے پر ایک شکن تک نہ تھی۔

"ایسے کیسے جانے دوں..... پہلے میرے لیے بھی چائے بنا دو۔" آرام سے فرمائش کر گیا۔

"پہلے آتے شرم آ رہی تھی اب میں دوبارہ کچن کی لائٹ جلا کر اپنی شامت بلاؤں۔" وہ آہستہ آواز میں چلائی۔

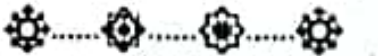
"اپنے لیے بنا رہی تھیں تو اخلاقاً میرے لیے بھی بنا لیتیں ناں۔" اس نرالی منطق پر وہ بھنویں سکیڑ کر گھورنے لگی۔

"مجھے کیا تمہارے فرشتوں نے پیغام دیا کہ جناب عزت مآب سمہان آفندی کو بے وقت چائے کی طلب کچن تک کھینچ لائے گی؟" اس بری طرح جل کے بولنے پہ اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا لیکن وقت نامناسب تھا۔ سو ہاتھ لبوں پہ رکھ کر اس نے قہقہے کو مسکراہٹ میں بدل دیا۔

"فرشتے تا حال میں بذات خود آپ کو دست بدست پیغام دے رہا ہوں کہ محترمہ عیشال آپ جب کبھی وقت بے وقت اپنے لیے چائے بنائیں تو مجھ ناچیز کو بھی یاد رکھیں۔ فی الحال اس چائے کے لیے شکریہ....." اتنی سنجیدگی سے بولنے کے بعد وہ جس تیزی سے اس کے ہاتھ سے مگ لے کر سرعت سے پلٹ گیا وہ کئی لمحے بھونچکی کھڑی رہ گئی۔ نظر خالی ہاتھ پہ پڑی تو سمجھ آیا وہ کتنی چالاکی سے مگ اڑا لے گیا ہے۔

"سمہان.....!" وہ دبی آواز سے چلائی۔

"رشین سیلڈ پہ گزارا کرو..... چائے پی کر تمہیں نیند نہیں آئے گی۔ صبح کالج بھی جانا ہے۔ شاباش کمرے میں جا کے سو جاؤ..... گڈ نائیٹ....." بنا مڑے وہ ہڑی جھنڈی دکھا گیا تو وہ پیر پٹخ کے رہ گئی تھی۔



صبح ناشتے کی میز پہ سب موجود تھے۔ لمبی سی میز پر انواع و اقسام کے اشتہا انگیز ناشتہ کے لوازمات وافر مقدار میں موجود تھے۔ چودھری بخت اور ان کی فیملی کو جانے کی تیاری کرتے دیکھ کر سب ہی گلہ کرنے لگے۔

"رات جہانگیر چلا گیا اور اب تم جانے کی نوید سنا رہے ہو۔ کیا حویلی میں اتنے ہی برے لوگ رہتے ہیں کہ تم شہری لوگ یہاں آتے ہی بھاگنے کی کرتے ہو؟" چودھری حشمت دکھی انداز میں ناگواری کا اظہار کر گئے تو چودھری بخت شرمندہ سے ہو گئے۔

عورتیں، لڑکیاں بھی ان کے جانے کا سن کر اداس ہو گئی تھیں۔ ابھی تو ٹھیک سے سب شنائیہ کو چھیڑ بھی نہیں سکی تھیں اور وہ جانے کے لیے سامان باندھ رہی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے بابا جان، میری اور دیا کی مصروفیت سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ پھر بھی کئی دن رہ لیے کہ حویلی کی پہلی خوشی تھی، ہم آپ [illegible] کی خوشی میں شریک ہونا چاہتے لیکن قسمت نے اس خوشی کو

بخت نرمی سے والد محترم کو سمجھا رہے تھے۔

ان سب کے جانے کا سن کر شاہ زر شمعون نے عین اپنے سامنے بیٹھی شنائیہ چودھری پر نظر ڈالی' حسب معمول یہاں سے جانے کی خوشی اس کے چہرے پر تھی۔ رشتہ بدلہ تھا تو دیکھنے کا انداز بھی بدل گیا تھا۔ شنائیہ چودھری نے نظروں کی تپش پر نگاہ اٹھائی اور اسے مسلسل اپنی طرف دیکھتے پا کر پلیٹ پر نظر جما دیں۔

"اگر تمہیں ہاسپٹل کے مریضوں اور ان کے اہل خانہ کی اتنی ہی فکر ہے تو بولو' تمہیں روکنے کو ہم خود مریض بن کر اسٹریچر پر لیٹ جاتے ہیں..... تب تو رک جاؤ گے ناں.....؟"

"استغفار' کیسی بات کر رہے ہیں بابا جان۔" چودھری حشمت کے جلے انداز پر چودھری بخت کچھ پریشان سے ہو گئے۔ دیا کے چہرے پر بھی فکرمندی جھلکنے لگی۔

"عمر رسیدہ ہونے کے بعد انسان مزید وہمی ہو جاتا ہے۔ کیا پتا کون سا پل آخری ہچکی ثابت ہو۔ کم از کم دم نکلتے ہوئے اپنوں کا چہرہ تو نگاہوں کے سامنے ہو..... جانے تم اور جہانگیر ہمیں کس جرم کی سزا دے رہے ہو.....؟" چودھری حشمت ناشتے سے ہاتھ کھینچ کر معمولی انداز میں کرسی پیچھے کر گئے۔ ماحول میں ایک دم سے خاموشی پھیل گئی تھی۔ چودھری بخت شرمساری سے اٹھ کر ان کے گھٹنے تھام گئے۔

"ایسی باتیں نا کریں بابا جان۔ مانتا ہوں' ہماری غلطی ہے جو آپ سے دور رہتے ہیں لیکن آپ تسلی رکھیں' میرے فیوچر پلان میں یہی ہے کہ گاؤں میں ہسپتال بنوا کر ہم ہمیشہ کے لیے واپس آ جائیں گے۔ یہیں حویلی میں آپ کے پاس رہیں گے....." چودھری بخت کے فیصلے اور چودھری حشمت کے انداز کو دیکھ کر دیا کے ساتھ فائزہ' فریال اور زمرد بیگم کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔

"سچ کہہ رہے ہو ناں.....؟" چودھری حشمت نے بے یقینی سے پوچھا۔ چودھری بخت نے مسکراتے ہوئے ان کے گھٹنے پہ دباؤ ڈالتے اثبات میں سر ہلایا۔

"بس تو پھر فکر اور دیر کس بات کی۔ شاہ اور سمہان جلد ہسپتال کے لیے مناسب جگہ ڈھونڈ نکالیں گے اور اسفند اپنی آرکیٹیکٹ کی ڈگری کو ہسپتال کی تعمیر میں استعمال کرے گا۔ باقی ساز و سامان لانے کے لیے فیروز اور پوری حویلی موجود ہے۔ اس میں کیا مشکل ہے....." چودھری حشمت منٹوں میں سب طے کر گئے تو چودھری اسفند کے ساتھ چودھری فیروز کے چہرے بھی ان کے لوٹنے کی خبر پہ کھل اٹھے۔ شاہ اور سمہان نے بھی تائیدی انداز میں ساتھ دینے کی ہامی بھری تو چودھری بخت نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔

"جیسے آپ کی مرضی' بھلے کل سے کام شروع کروا دیں۔ میں قائم ہوں اپنے فیصلے پہ لیکن ابھی خوش دلی سے ہمیں جانے کی اجازت دیجیے۔" وہ عاجزی سے گویا ہوئے۔

"واپس آنے کی خبر دے کر تم نے دل خوش کر دیا..... خوشی سے جاؤ۔" اس جذباتی ڈرامہ میں شنائیہ چودھری کو جانے کا معاملہ کھٹائی میں پڑتا لگ رہا تھا۔ چودھری بخت کا یہ فیصلہ جانے پہلے سے طے شدہ تھا یا دا جان کی زود رنجی نے کروایا تھا۔ وہ انجان تھی۔ فیصلہ سننے کے بعد تفکر نے آ لیا تھا کہ وہ سب مستقل حویلی شفٹ ہو جائیں گے۔ شہر میں رہتے تو ایک آس رہتی کہ کل کو شاہ زر شمعون سے لڑ بھڑ کے وہ واپس چلی جائے گی' لیکن اس فیصلے نے تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے تھے۔ آگے کیا کرنا تھا۔ یہ بعد کی بات تھی۔ ابھی تو یہاں سے جانے کی خوشی ہی بہت تھی

"تم سب جانے کی تیاری کرو..... میں شنائیہ کو ہم روک رہے ہیں..... نکاح ہو گیا ہے..... کل کو رخصتی بھی ہوتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں ہماری پوتی حویلی میں رہ کے حویلی کے طور طریقوں کو پہلے ہی سمجھ لے تاکہ بعد میں مشکل نہ ہو....."
چودھری حشمت کے فیصلے سے پانی پیتی شنائیہ کو اچھو لگ گیا۔ باقی سب کے چہرے کھل اٹھے تھے۔ عیشال جہانگیر نے مصروف انداز میں ایک نظر اٹھا کر اس کے ہونق چہرے کو دیکھا۔ سمہان نے مسکراہٹ روکی اور ساتھ ہی شاہ کو ٹہوکا دے گیا جو چودھری حشمت کے فیصلے پہ عش عش کر اٹھا تھا۔
چودھری بخت اور دیا ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ اس جذباتی منظر کے بعد انکار کر کے وہ انہیں دکھی کرنا نہیں چاہ رہے تھے۔
"ٹھیک ہے بابا جان..... جیسی آپ کی مرضی۔" اور شنائیہ کی آخری آس بھی دم توڑ گئی تھی۔ وہ دھندلی آنکھوں سے دیا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جو نظر چرا رہی تھیں۔
"مجھے چھوڑ کے مت جاؤ....." اس کے خاموش لب دہائی دے رہے تھے۔ ماہم اس کا ہاتھ تھپکنے لگی۔
"چلو جی مستقبل قریب کا اندیشہ کے ڈاکٹر کے لیے ہم کہاں مارے مارے پھریں گے..... ہسپتال کے لیے زمین دیکھنے کا کام آج سے ہی شروع کر دیتے ہیں۔ میرے بھائی....." ناشتے سے فارغ ہو کر وہ لوگ نکل رہے تھے اور شنائیہ دیا سے لپٹ کر ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ ایسے میں شاہ زر شمعون کا دل جلانے والا جملہ سماعت کی نذر ہوا تو مزید جل بھن گئی۔
"غالباً لوگ رخصتی کی پریکٹس کر کے فیلنگ کرائمنگ کا اسٹیٹس اپ لوڈ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" اس کی سوجی آنکھوں اور گلابی ناک پہ استہزائیہ نظر ڈالتے شاہ زر شمعون براہ راست چوٹ کرنے سے نا چوکا۔
"کہاں تو لوگ حویلی آنے سے کتراتے تھے لیکن آئے..... کہاں نکاح سے انکاری تھے لیکن قبول ہے کہہ گئے..... اور اب بھاگنے کے دروازے بھی بند ہو گئے..... ہمدردی حاصل کرنے کے لیے جلدی سے پوسٹ لگائیں تاکہ میں بھی آ کر دکھی سا کمنٹ کر دوں....." جانے وہ کس بات کا بدلہ لے رہا تھا۔ شنائیہ بھی مشتعل ہو گئی۔
"منالیں جشن اپنی جیت کا..... میں بھی دیکھتی ہوں کب تک اس جیت کا خمار رہتا ہے..... بہت شوق ہے ناں مجھے حویلی میں رکھنے کا..... پورا کریں..... نفل پڑھیں، شکرانے کے..... لیکن یاد رہے..... اتنا عاجز کر دوں گی کہ خود شہر چھوڑنے جائیں گے....." وہ جس قدر خاموش تھی۔ وہ حاوی ہو رہا تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی نکاح کر کے اس کے اندر غصے کا آتش فشاں پہلے ہی پک رہا تھا اور اب اس کے طعنوں اور ہرزہ سرائی پہ وہ پھٹ پڑی۔
شاہ زر شمعون کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔ وہ دو بدو جواب دے کر شاہ زر شمعون کو چیلنج کر گئی تھی۔
"ویٹ اینڈ سی۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہی تھی اور وہ لب بھینچے شرر بار نظروں سے دیکھتا رہ گیا تھا۔
(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

عشق دی جانت

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

سمہان آفندی بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہوا انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیتا ہے، عیشال جہانگیر یہ سارا منظر دیکھ کر بے ہوش ہو جاتی ہے سمہان اس کی طرف سے فکر مند ہوتا دشمن کے پیچھے جانے کے بجائے گاڑی پنڈال کی طرف موڑ لیتا ہے جہاں نکاح کی تقریب تھی۔ دلہن بنی شنائیہ خود کو دنیا کی مظلوم لڑکی سمجھتی ہے شادی میں شریک سب اسے مبارک باد دے رہے ہوتے ہیں ایسے میں شنائیہ چودھری کو شادی کے شادیانے بھی کسی دھماکے سے کم نہیں لگ رہے ہوتے وہ دیا (ماں) سے کہہ کر شادیانے بند کرا دیتی ہے دوسری طرف یہ خبر شاہ زر شمعون تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ ماورا کا خواب، خواب ہی رہ جاتا ہے وہ تعلیم حاصل کر کے اپنی مشکلیں کم کرنا چاہتی ہے لیکن چودھری جہانگیر کے یونیورسٹی آنے اور منزہ کو یہ بات پتا چلنے پر وہ ماورا کو یونیورسٹی جانے سے روک دیتی ہے ماورا اب انوشا کے اسکول میں جاب کرنا چاہتی ہے لیکن انوشا اسے سمجھاتی ہے۔ پنڈال پہنچ کر سمہان آفندی عیشال جہانگیر کو کسی کو بھی واقعہ کی تفصیل بتانے سے منع کر دیتا ہے اور خود جیپ کے پیچھے جانا چاہتا ہے جس پر عیشال بھی ساتھ جانے پر ضد کرتی ہوئی اس کی اہمیت کا احساس دلاتی ہے سے حیران کر جاتی ہے سمہان آفندی اس کی بات مان کر پنڈال میں آ جاتا ہے۔ سعد، ایشان جاہ کو فون پر چودھری ہانگیر کا یونیورسٹی آنا اور ماورا ایکی سے ملاقات کا بتا کر حیران کر دیتا ہے۔ ایشان جاہ اس بات سے بے خبر ہوتا ہے۔ وہ عد کو واپس آ کر بات کرنے کا کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیتا ہے۔ ایشان جاہ چودھری جہانگیر سے اس حوالے سے بات کرتا ے تو چودھری جہانگیر ماورا ایکی کا گھمنڈ توڑنے کا کہتے ہوئے ایشان جاہ کے غصہ میں اضافہ کر جاتے ہیں۔ تقریب اختتام پر چودھری جہانگیر کی فیملی حویلی آتے ہی جانے کی تیاری کرنے لگتی ہے۔ سب جہانگیر سے شکوہ کرتے ہیں تو م میٹنگ کا کہہ کر دامن بچا جاتے ہیں۔ زمین پہلی بار سمہان آفندی سے ہم کلام ہوتی ہے اور اسے کراچی آنے کی ت دیتی ہے۔ منزہ کو دن بدن خراب ہوتی طبیعت خوف میں مبتلا کر جاتی ہے ایسے میں انہیں اپنا ماضی یاد آتا ہے اور ری لکھتی ہیں۔ دیا اور چودھری بخت بھی جانے کی تیاری کرتے ہیں۔ شنائیہ خوش ہوتی ہے اور اپنی تیاری مکمل تی ہے لیکن عین وقت رخصت چودھری حشمت شنائیہ کو روک لیتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)



ھے ایسا فیل ہو رہا ہے مما کہ میں آپ کی سگی اولاد نہیں ہوں۔ سچ بتا دیں کہاں سے اٹھایا تھا مجھے.....؟ پہلے کاح اور اب زبردستی حویلی میں قیام..... کس کس بات کا رونا روؤں..... میری تو زندگی ہی برباد ہو گئی۔" ہائے

حویلی سے تعلق رکھنے کے باوجود چودھری بخت کا مزاج الگ تھا۔ وہ بیٹیوں کے بہت قریب تھے۔ جس ایک رعب شروع سے رکھا تھا اور یہ ضروری بھی تھا کہ دیا جب ماں ہونے کے ناتے کمزور پڑ جاتی تھیں تو چودھری بخت کا رعب ہی کام آتا تھا۔ جیسے نکاح سے انکاری ہونے کا فیصلہ انہوں نے بڑے اچھے سے ہینڈل کر لیا تھا۔

"پریشان ہے میرا بچہ.....؟" ہاتھ تھام کر اسے مقابل بٹھا کے وہ دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھام گئے تھے۔ پریشانی چہرے سے صاف ظاہر تھی لیکن اس نے جس طرح شدومد سے نفی میں سر ہلایا تو چودھری بخت مسکرا دیے۔

"تم میری بہت اچھی اور سمجھدار بچی ہو..... ماں، باپ کی عزت رکھتے تم نے خاموشی سے نکاح کیا اور یہ تمہارے حق میں کتنا اچھا فیصلہ ہے اس کا احساس تمہیں جلد ہو جائے گا۔"

"ہونہہ خوب احساس ہوگا..... ساری زندگی لڑتے مرتے گزر جائے گی۔" سپاٹ چہرے کے ساتھ وہ سن رہی تھی لیکن مزاحمت اندر ہی اندر جاری تھی۔

"مجھے بھی احساس ہے تمہاری پڑھائی متاثر ہوگی، لیکن ابھی ہم بابا جان کو ناراض نہیں کر سکتے۔ ابھی ان کی بات مان لو..... چند روز میں، میں خود بابا جان کو پڑھائی کا احساس دلا کر تمہیں بلوا لوں گا یا خود لینے آ جاؤں گا۔"

"پرامس ناں.....؟" چند روز کا سن کر دل کو تقویت ملی تب ہی اس نے وعدہ لینا چاہا۔

"پرامس۔" اس کے نروٹھے انداز اور بچکانہ حرکت پر چودھری بخت بھرپور طریقے سے مسکرا کر اسے یقین دلا گئے تو اسے سکون ملا۔ ان کی باتیں سنتی دیا اور ماہم نے بھی سکون کا سانس لیا تھا کہ وہ آسانی سے مان تو گئی۔

❁.....❁.....❁

"اماں....." گیلے ہاتھوں کو دوپٹے سے خشک کرتی ماورا یکدم تیزی سے اندر آئی اور اس سے دگنی تیزی سے منزہ نے ڈائری بند کر کے گاؤ تکیہ کے نیچے دبا دی تھی لیکن یہ منظر ماورا یحییٰ کی نظروں سے مخفی نا رہ سکا تھا۔ اس انداز پر اسے حیرانی بھی ہوئی لیکن اس نے سرعت سے اپنی حیرانی پر قابو پایا۔

"ہاں بولو، کیا ہوا.....؟" منزہ نے غیر محسوس طریقے سے ڈائری کو مزید کھسکاتے ہوئے دریافت کیا تو وہ بھی ان دیکھا کر گئی۔

"دوپہر کے لیے کیا پکاؤں، یہی پوچھنے آئی تھی۔" انہیں مشکل میں ڈالنا اچھا نہیں لگا تو وہ جلدی سے مدعا بیان کر گئی۔ بیماری کے باعث شاید وہ اپنی موت کو ذہنی طور پر قبول کر چکی تھیں، تب ہی یادداشت رقم کر رہی تھیں۔ اس کا دل بوجھل ہو گیا تھا۔

"گھر میں کوئی سبزی نہیں ہے..... مجھے بھی دھیان نہیں رہا کہ ہانڈی کا وقت ہونے والا ہے۔ بس جا رہی ہوں مارکیٹ سبزی لینے۔" منزہ نے جلدی سے کہا تو وہ سر ہلانے لگی۔

یوں تو اسکول اور یونیورسٹی جانے سے پہلے ہی اکثر دونوں کی کوشش ہوتی تھی کہ کوئی ایک کھانا پکا کر جائے تاکہ منزہ کو مشکل نہ ہو۔ یونیورسٹی جانے پر پابندی کے بعد سے وہ گھر پر تھی تو انوشا بے فکری سے اسکول چلی جاتی تھی۔ اس کے جانے کے بعد اس نے ناشتے کے برتن دھو کر کچن سمیٹ دیا تھا۔ اب کھانے کی تیاری کرنا باقی تھا لیکن منزہ غالباً اتنی مصروف تھیں کہ یہ بات فراموش کر گئی تھیں۔

دیکھ کر رنگ قدرے بحال ہوا۔

''خیر خیریت کے بعد شادی کی تیاریوں کا ذکر کر رہی تھیں۔ پیسوں کی گمشدگی کا ذکر شاید ان سے بھی پہلے ہو چکا تھا۔ تب ہی وہ اس حوالے سے افسوس کر رہی تھیں۔ ان کی گفتگو سنتی مادرا کو تو یہی احساس ہوا اور جلد ہی کال بند کر کے منزہ نے اس کی تصدیق بھی کر دی۔

''بشریٰ آنٹی کیا کہہ رہی تھیں اماں؟'' منزہ کی افسردگی دیکھ کر وہ بے ساختہ استفسار کر گئی۔

''پیسوں کی چوری کا بتا کر میں نے استدعا کی تھی کہ شادی کی تاریخ ایک ماہ بعد کی رکھ لیں انہوں نے سوچنے کا وقت لیا تھا اور اب کہہ رہی تھیں کہ وقت آگے نہیں بڑھا سکتیں..... ان کا بیٹا دبئی سے آئے گا۔ اس کی چھٹی منظور ہوئی ہے۔ کینسل نہیں ہو سکتی، لہٰذا ہم اسی تاریخ پر شادی کر دیں، ورنہ بیٹا پھر دو سال بعد آئے گا اور اس کی شمولیت کے بنا وہ شادی نہیں کر سکتیں۔''

''اوہ.....'' یہ سب سن کر اسے بھی افسوس ہوا۔

''ایک ماہ میں کوئی لہ دین کا چراغ تو نہیں ملے گا لیکن سوچا تھا ہاتھ پاؤں مار کر نئی کمیٹی ڈال کر منتیں کر کے لے لوں گی لیکن اب..... نا میرے پاس وقت ہے نا پیسہ.....'' آزردہ لہجا سے ماں کے قریب لے آیا۔

''آپ کیوں ٹینشن لے رہی ہیں۔ میں نے آپ سے کہا ناں میرے حصے کا زیور بیچ کر پیسے پورے کر لیں اور تھوڑے سے پیسے مجھے دے دیں تاکہ میں ہاسپٹل کے خرچ کے لیے رکھ دوں۔''

''تمہارے ساتھ حق تلفی ہے یہ۔'' وہ ہاسپٹل کی بات نظر انداز کر گئیں۔

''میں اپنی خوشی سے کہہ رہی ہوں اماں، کیسی حق تلفی.....؟'' وہ سمجھانے لگی۔

''تو پھر دونوں کا زیور بیچ دیتی ہوں..... انوشا کے پیسوں سے اس کی شادی کے اخراجات اٹھا کر باقی پیسے جو بچیں گے اسے کیش کی صورت دے دوں گی اور تمہارے پیسے اٹھا کر رکھ دوں گی۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے..... میری فکر ناں کریں..... آج کل زیورات سنبھالنا ایک الگ مسئلہ ہے۔ یہی مناسب حل ہے۔'' مادرا ایکی نے بھی سراہا تو منزہ کے دل کو بھی بات لگی۔

''بس ٹھیک ہے..... ابھی کر لیتی ہوں یہ کام تاکہ ہم شادی کی تیاری تو شروع کر دیں۔'' منزہ پُرجوش ہو گئیں۔

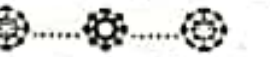
''میں بھی چلوں آپ کے ساتھ.....؟'' ان کی طبیعت کے پیش نظر اس نے استفسار کیا۔

''چھوٹی بچی تھوڑی ہو جو میں ہر جگہ تمہیں ساتھ لے کر گھوموں گی..... مارکیٹ میں ہزار طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ تم اپنے کام نپٹاؤ تب تک میں لوٹ آؤں گی۔'' منزہ نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''جیسی آپ کی مرضی۔'' اکیلی عورت کو کتنی فکریں دامن گیر ہوتی ہیں، وہ ماں کی پریشانی دیکھ کر سمجھ سکتی تھی۔

''میں ٹرنک سے زیور نکالتی ہوں تم ایک گلاس پانی پلاؤ ذرا۔'' وہ پانی لے کر آئی تو منزہ زیور کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ شاید اس زیور سے جڑی یادیں دل شکن تھیں اور برسوں پرانی نشانی کو بیچنا آسان کب تھا۔ دل سے ہوک کو دبانا تھا۔ منزہ کی ہدایت پر ایکی نے زیور [illegible]

کمرے کی طرف اٹھے۔ قبل اس کے کاؤنٹر بنا کراس نے ڈائری کا دیدار کرنا چاہا عین ڈائری کی مسندی تیران کرنے کے ساتھ اس کے تجسس کو ہوا دے گئی۔ متلاشی نظریں ٹرنک پر لگے تالے پر گئیں۔ شاید ڈائری اس میں مقفل ہو چکی تھی اور اس کی کڑی میں لگا تالا اس کے تجسس کو مزید ہوا دے رہا تھا۔



''شکر ہے تیری شکل تو نظر آئی۔'' وہ سب سر جوڑے کھڑے تھے ایشان جاہ کی شکل دیکھ کر سب نے بے ساختہ خوشی کا اظہار کیا۔

''بس تھوڑا لیٹ ہو گیا۔ کلاس لینے کا موڈ نہیں میں تم سب سے ملنے چلا آیا۔'' وہ بے تکلفی سے بیٹھ گیا۔

''ہاں دل بھی کہاں چاہے گا مادرایچی جو آج نہیں آئی۔''

''شٹ اپ۔'' سعید نے بے ساختہ چھیڑا تو وہ منہ بنا گیا۔

''تم لوگوں کی سرد جنگ تو جنگ عظیم کی طرف جاتی نظر آ رہی ہے۔''

''جنگ عظیم کہاں نسل در نسل کہو جس میں اب فیملی بھی انوالو ہوتی جا رہی ہے۔'' عذیر کی معنی خیزی کو سہیل نے آگے بڑھایا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو تم لوگ۔'' وہ اکتایا۔

''اچھا ہم بکواس کر رہے ہیں پھر بتا انکل مادرایچی کو کون سی شاباشی دینے آئے تھے؟'' سعید کے تیزی سے بولنے پر اس کا منہ ایک دم سے کڑوا ہو گیا۔ انشراح اس ساری گفتگو میں خاموش سامع بنی ہوئی تھی چودھری جہانگیر اور مادرا کی ملاقات کی خبر سے وہ کل ہی آگاہ ہوئی تھی۔ گو کہ یہ خبر نہیں تھی کہ بات کیا ہوئی۔ اس نے صبا سے کنفرم کرنا چاہا تھا مگر وہ خود بے خبر تھیں اور گاؤں میں نکاح کی تقریب کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ اب ایشان جاہ یونیورسٹی تو آ گیا تھا اور وہ سب اس سے تمام حقیقت جاننا چاہتے تھے۔ انشراح نے کچھ نہیں کہا مگر وہ بھی متجسس تھی۔

''دراصل مام نے ڈیڈ کو انفارم کر دیا تھا کہ کوئی لڑکی ہے جو مجھے چیلنج کر گئی ہے۔ اسی لیے ڈیڈ اس سے ملنے چلے آئے تھے۔'' اس نے گول مول بات کی۔

''اوہ..... یعنی اسے سبق سکھانے آئے تھے۔ یعنی وہ ہار مان کر پیچھے ہٹ گئی۔ تب ہی آج یونی نہیں آئی۔ کہیں مارے ڈر کے چھوڑ تو نہیں دی پڑھائی.....؟ چلو اچھا ہوا۔'' عذیر نے ہاتھ جھاڑ کر خس کم جہاں پاک کے محاورے پر عمل کیا۔

''میرے علم میں نہیں آج وہ کیوں نہیں آئی لیکن وہ ڈر کے پیچھے نہیں ہٹی اس نے ڈیڈ کو چیلنج کیا ہے کہ اپنے بیٹے سے کہیں مجھے مقابلے میں ہرا کر دکھائے.....''

''یہ تو شیرنی نکلی..... باپ رے باپ انکل کو چیلنج.....'' سب ہی شاکڈ رہ گئے۔

''یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ مادرا جیسی تیکھی مرچ کتنی جی دار ہے لیکن وہ انکل جہانگیر کے سامنے یوں چیلنج کرے گی یہ ہمارے گمان میں بھی نہیں تھا۔''

''یا تو وہ ضرورت سے زیادہ بے وقوف ہے یا حد سے زیادہ بہادر..... اسے اندازہ نہیں ہے کہ وہ کن لوگوں سے بھڑ

کا تحیر انداز، ماورا کی بہادری، جی داری کی تشہیر اسے ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ اس کا غصہ دوچند ہوا تھا۔ کل سے اس کے اندر بھانبھڑ جل رہے تھے۔ آیا تو اس سے دو دو ہاتھ کرنے کے ارادے سے تھا لیکن اس کی غیر حاضری نے مزید کھولا دیا تھا۔ اس کے غرانے پر وہ سب لوگ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے۔

''کول ہو جا..... یقیناً وہ نہیں جانتی وہ کن لوگوں سے الجھ رہی ہے..... تو خون نا جلا اپنا۔'' عذیر نے ٹھنڈا کرنا چاہا تو وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

''خون میرا نہیں اب اس کا جلے گا..... جب اس نے خود میرے ہاتھوں ذلیل ہونے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ تو ہم تم کون ہوتے ہیں اسے بخشنے والے۔'' ماورا ایکی کا چیلنج اس کی مردانگی پر پہلے ہی تازیانہ بن کر لگا تھا اور اب چودھری جہانگیر کے سامنے دوبارہ چیلنج کر کے اس نے جیسے اپنی موت کو خود دعوت دے دی تھی۔

''سبق تو اسے واقعی سکھانے کی ضرورت ہے۔ اس کی جرأت کا انعام تو اسے ملنا ہی چاہیے لیکن سوچنا یہ ہے کہ کیسے..... اغوا..... اس قسم کی صورت حال میں یہی ہوتا ہے؟''

''ربش..... ایشان جاہ اتنا گرا ہوا نہیں جو پرانے وقتوں کے فارمولے استعمال کر کے اپنی بدکرداری ظاہر کرتے مردانگی کا بھرم رکھے۔'' سہیل کی بات پہ اس کا منہ بن گیا۔

''پھر.....؟'' باقی سب بھی جاننا چاہتے تھے اس کا طریقہ واردات کیا ہوگا۔

''جو بھی ہوگا، ہٹ کر ہوگا، ڈونٹ وری۔'' اس تمام عرصہ میں وہ پہلی بار مسکرایا تھا، ساتھ ہی نظر اچانک انشراح پر پڑی۔ باتیں کرتے وہ سب فراموش کر گئے تھے کہ ان کے درمیان ایک لڑکی بھی موجود تھی۔ اسے احساس ہوا تو وہ بات مختصر کر گیا۔

انشراح کے چہرے پر بھی حیرت و غصہ تھا۔ ماورا ایکی کا ذکر اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔ ایشان جاہ جس طرح بول رہا تھا۔ وہ لڑکی جس طرح اس کے ذہن پر حاوی ہو گئی تھی۔ یہ سب دیکھ کر اس کے اندر آگ بھڑک اٹھی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا..... چپ چپ کیوں ہو؟'' موضوع گفتگو بدلنے کی نیت سے وہ انشراح کو مخاطب ہوا۔

''سن رہی ہوں..... ایک اجنبی اور دو ٹکے کی لڑکی کس طرح تمہارے ذہن پر حاوی ہو گئی ہے۔'' لہجہ کچھ تیکھا تھا اور یہ انداز اس وقت سے تھا جب سے اس نے رشتے سے منع کیا تھا۔ ایشان جاہ لب بھینچ گیا۔ اس کا لب و لہجہ نازیبا ہی لگا تھا۔

''تم دونوں کی کوئی لڑائی ہوئی ہے کیا؟'' سعید نے ان کے بیچ سرد جنگ محسوس کی تو سوال کیا۔

''لڑتے دشمنوں سے ہیں، لیکن یہ تو خیر سے کزن ہے..... او کے گائز میں چلتا ہوں ابھی صرف تم سب سے ملنے آیا تھا۔'' گول مول جواب دے کر وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

''ایشان..... میں بھی آف کر رہی ہوں، مجھے بھی ڈراپ کر دو۔'' انشراح بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''لیکن باہر تو تمہاری گاڑی موجود ہے اور ویسے بھی مجھے دو چار کام ہیں..... پھر ہائی وے تک جانا ہے۔'' وہ گلاسز آنکھوں پر چڑھاتا نکل گیا جبکہ انشراح اس کے گریز کو گہری نظر سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

چودھری بخت دیا اور ماہم حویلی سے کیا گئے اس کی تو جیسے دنیا ہی اندھیر ہو گئی۔

''فلمی انداز میں جس طرح دوڑ کر محترمہ اپنے کمرے میں گئی ہیں، یقیناً بیڈ پر گر کر رونے کا شغف پورا کر کے خود کو فلمی ہیروئن سمجھیں گی، جسے گاؤں کے چودھری نے قید کر رکھا ہے.....'' دیا کی گاڑی نکلنے پر وہ جس طرح اپنے کمرے کی طرف بھاگی تھی اس پر شاہ زر شمعون کا بے لاگ تبصرہ سمہان آفندی کے پیٹ میں بل ڈال گیا۔

''توبہ ہے برو..... تمہارے اندر یہ حس مزاح بھی ہے..... قسم لے لو، نکاح سے پہلے تک تو خود مجھے بھی اندازہ نہیں تھا، اب کھل رہا ہے یہ سب۔''

''تجھے کہاں سے نظر آئیں گی میری خوبیاں..... تیرے پاس فرصت ہو تب ناں۔'' سمہان آفندی جی بھر کے محفوظ ہونے کے ساتھ چھیڑ بھی گیا تو شاہ زر شمعون بھی معنی خیزی سے جتا گیا۔

''نوٹس کر رہا ہوں..... اکثر و بیشتر..... نو بال پہ باؤنسر مار رہے ہو مجھے..... جب کہ میں پچ پر بھی نہیں ہوں۔'' وہ ہنسی کے درمیان بولا۔

''تو آ جا پچ پہ روکا کس نے ہے..... خیر تو یہ ڈیلی سوپ ٹائپ ڈرامہ دیکھ..... میں ذرا کھیتوں کی خبر لوں۔'' شنائیہ کے کمرے کی طرف اشارہ کرتے شاہ زر شمعون نکل گیا تو وہ سوچ میں پڑ گیا کہ وہ کہاں تک ''باخبر'' ہے۔ کسی کام کے لیے اسے بلایا گیا تو وہ اس سمت چل دیا۔ جب کہ شنائیہ چودھری ڈھیلے ڈھالے انداز میں سنبلتی ہوئی ادھر آ نکلی۔ انداز سے وہ کوئی مجذوب ہی لگ رہی تھی۔

''کیا ہوا بھابی بیگم..... بھری دوپہر میں یوں بولائی بولائی پھر رہی ہیں سب خیر تو ہے؟'' سمہان کھانے کی ٹیبل پر منتظر بیٹھا تھا۔

اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر اسے شاہ زر شمعون کی فلمی منظر کشی یاد آئی تو لب ایک بار پھر مسکرا دیے۔ ہال میں داخل ہوتی عیشال نے نزدیک کھڑی شنائیہ اور مسکراتے ہوئے سمہان آفندی کو چبھتی نظر سے دیکھا۔ اس کے ہلتے لب وہ دیکھ چکی تھی لیکن دور ہونے کے باعث اس کی بات سن نا سکی۔ دونوں کی نظر ابھی اس پر نہیں پڑی تھی۔ وہ سستی سے اس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھ گئی، جس کے درمیان مناسب فاصلہ تھا لیکن عیشال جہانگیر کو یہ نزدیکی بھی کھلنے لگی۔ ساری کرسیاں خالی تھیں۔ اسے بھی اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھنا تھا۔

''آپ نے کھانا نہیں کھایا؟ باقی سب تو کھا چکے ہیں۔''

''ملازمہ آئی تھی بلانے لیکن اس وقت موڈ نہیں تھا۔ اب بھوک محسوس ہو رہی ہے۔''

''ساری چیزیں ٹھنڈی ہو گئی ہیں..... رکیں جینا آتی ہے تو گرم کروا تا ہوں آپ کے لیے۔'' میزبانی کے ناتے کہہ گیا۔

''جینا..... بھابی بیگم کے لیے کھانا گرم کروا دیں۔'' اتفاق سے جینا میز صاف کرنے آئی تو سمہان آفندی شنائیہ کی طرف اشارہ کرتے حکم دے گیا۔

''نہیں..... یہ سب رہنے دو اتنا آئلی فوڈ کھا کر تو میرا گلا اور دل ہی بند ہو جائے گا۔ مجھے پاستہ بنوا دو لیکن آلیو آئل

کے سنجیدہ چہرے اور خائف انداز کو اس نے بار یکی سے محسوس کیا۔
"ٹرائفل کی شکل تو بڑی اوسم ہے۔ گارنیشنگ کمال کی ہے۔" شنائیہ چودھری کی نظریں ٹیبل پر موجود ٹرائفل باؤل پر تھیں۔
"شکل کی طرح سیرت بھی پیاری ہے بھابی بیگم آپ چکھ کر تو دیکھیں۔"
"جب اچھی ہے تو مزید لو۔" اسے تھوڑا سا کھاتے دیکھ کر شنائیہ کو حیرانی ہوئی۔
"میٹھا زیادہ نہیں کھا سکتا۔ مجبوری ہے۔" وہ جواب تو شنائیہ کو دے رہا تھا مگر نظریں عیشال جہانگیر پر ہی تھیں۔ جو خاموشی سے سیب کی قاشیں کاٹ رہی تھی۔
"کھالو..... شنائیہ جی اتنا اصرار کر رہی ہیں۔" چھری سائیڈ پر رکھ کر سیب کی قاش اٹھاتے جس طرح مسکرائی، سمہان آفندی ایک نظر دیکھ کے رہ گیا۔
"میں کھا چکا لیڈیز..... آپ لوگ انجوائے کریں۔" وہ اٹھنے لگا۔
"میرے آتے ہی تمہیں اٹھنے کی پڑ گئی..... ابھی تو بڑے آرام سے بیٹھے تھے۔" لب و لہجہ طنزیہ ہوا۔
"اس حویلی میں تم سے زیادہ ایکٹو میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔" شنائیہ چودھری طنز سمجھے بنا عیشال کی بات کو بڑھاتے سمہان کو سراہنے لگی۔
"دیکھا کتنی تعریف کے قابل ہو۔" استہزائیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر آئی۔
"یہ تو لوگوں کا حسن نظر ہے جنہیں ہم میں خوبیاں نظر آتی ہیں ورنہ تو ہم بھی عام سے ہی ہیں..... خاص تو آپ ہیں جنہوں نے اہم جانا۔" وہ کب سے گولہ باری کر رہی تھی۔ ضبط کرنے کے باوجود وہ ایسا جملہ کہہ گیا جس سے شنائیہ سرہلا کر رہ گئی۔
"آپ دو لیڈیز اور میں اکیلا..... اس لیے میں تو چلا..... کھیتوں پر بھی جانا ہے..... بھابی بیگم برو کے لیے کوئی میسج دینا ہے تو میں تیار ہوں۔" وہ شرارت سے کہتا وہ کھڑا ہو گیا۔
"یہ کیا تم نے بھابی بیگم کی رٹ لگا رکھی ہے۔" وہ بگڑی۔ عیشال جہانگیر نے تیز نظر شنائیہ چودھری پر ڈالی ایک لمحے کو سمہان آفندی بھی چپ ہو گیا۔
"شنائیہ جی..... غالباً آپ بھول رہی ہیں کہ آپ کا تازہ تازہ نکاح ہوا ہے ویرے شاہ سے اور اس نسبت سے آپ ہماری بھابی بیگم ہی ہیں نا صرف میری بلکہ سمہان آفندی کی بھی..... آخر کو حویلی میں آپ کے اکلوتے دیور کے فرائض انہوں نے ہی تو انجام دینے ہیں..... شہر میں شاید رشتوں کو کسی اور ناموں سے پکارنے کی عادت ہے لیکن گاؤں میں حوالوں کو اہمیت دی جاتی ہے..... خیر سیکھ جائیں گی آپ بھی..... آپ کو سکھانے پڑھانے کے لیے ہی تو دادا جان نے حویلی میں مہمان بنایا ہے..... حویلی میں کوئی بھی مشکل ہو تو یہ ہمارے سمہان آفندی حاضر ہیں..... الہ دین کے چراغ سے کچھ کم خوبیاں اپنے اندر نہیں رکھتے..... استفادہ کیجیے گا۔" سمہام آفندی پہ کٹیلی نگاہ ڈال کر شنائیہ کو سناتے وہ ہال سے نکل گئی۔
"لف

جن چیزوں کو برسوں سے سینت سینت کر کلیجے سے لگا کر رکھا گیا ہو، برا وقت پڑنے پر انہیں خود سے جدا کرنے کا سوچیں بھی تو دل تڑپنے لگتا ہے اور جب دل پہ پتھر رکھ کر سر بازار اس انمول شئے کا مول کوڑیوں کی صورت ملے تو دل مزید بوجھل ہو جاتا ہے۔ ناچاہتے ہوئے بھی منزہ زیور بیچنے جیولر کی شاپ پر آ گئی تھیں لیکن سنار جس طرح ٹھونک بجا کر محدب عدسے کے پیچھے سے زیور کو پرکھ رہا تھا وہ ساکت بیٹھی تھیں۔ دونوں سیٹ کی مجموعی قیمت اتنی کم بتائی کہ منزہ کچھ پل کو بول ہی نا سکیں۔ ان کے تئیں بھاری سیٹ تھے۔ قیمت اچھی ملنی چاہیے تھی لیکن سنار نے کاروباری داؤ پیچ لگاتے پرانے ٹانکے، ہاتھ اور مشین کے زیورات کے وہ وہ نقصان و فوائد گنوائے کہ لاکھوں کا زیور انہیں لوہا پیتل لگنے لگا۔

''ٹھیک ہے پھر آپ ایک کے ہی پیسے دے دیں۔'' کم پیسوں سے بددل ہو کر منزہ نے مادرا کے لیے سنبھال کر رکھنے والا سیٹ اٹھا کر رومال میں لپیٹنا شروع کر دیا۔

ابھی مادرا کی شادی نہیں ہو رہی، ضروری بھی نہیں تھا کہ سیٹ بیچا جاتا۔ قیمت اچھی ملتی تو شاید وہ بیچ بھی دیتیں عرصے سے سینت سینت کر زیور اسی لیے رکھا تھا کہ بیٹیوں کے حسن میں اضافہ کرے گا لیکن حالات نے انہیں فروخت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پیسوں کی اشد ضرورت پر انہیں ہر حال میں انوشا کا سیٹ تو بیچنا ہی تھا..... سیٹ واپس پرس میں جاتے دیکھ کر سنار مزید چند سو بڑھا کر الجھانے لگا لیکن منزہ سرے سے انکاری ہو گئیں تو وہ بھی سیٹ کو مزید پرکھ کر پیسے گننے لگا۔

باہر نکلتی منزہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ سیٹ سنار کے پاس تھا اور رقم ان کے پرس میں لیکن دکھ کا احساس ان کی پلکیں بھگونے لگا تھا۔ ایک ضرورت کو پوری کرنے کے لیے برسوں پرانی نشانی کو بازار میں بیچ آنا ایسا ہی تھا جیسے جسم سے کلیجہ نوچ کے نکال لیا گیا ہو۔ کندھے سے لٹکتے پرس کو دبوچے آنسو بہاتے وہ اپنے دکھ پر اتنا غافل ہو گئی تھیں کہ سامنے سے آتی تیز رفتار بائیک کی زد میں آ کر فٹ پاتھ سے جا لگیں۔ بائیک والا تو موقع سے فرار ہو گیا لیکن پل بھر میں مجمع جمع ہو گیا روڈ بلاک ہو چکا تھا۔ منزہ حواس سے بیگانہ ہو چکی تھیں۔ پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔

''کوئی ایمبولینس کو فون کرو..... پولیس کیس بن جائے گا۔'' مجمع میں بھنبھناہٹ تھی۔ تب ہی ایک گاڑی نے تیز ہارن دے کر بھیڑ کو منتشر کیا اور گاڑی کافی حد تک منزہ کے قریب آ کر رکی تھی۔ گاڑی میں موجود شخص نے حادثہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا تھا۔ لوگوں کے بے حسی کو قہر بھری نظروں سے دیکھتے وہ منزہ کی سمت بڑھا آیا تھا۔

''ٹھیشال..... بیٹا یہ رسٹ واچ سمہان کے کمرے میں رکھ آنا..... صبح سے ڈھونڈ رہا ہے۔ وہ تو مجھے ابھی یاد آیا کہ رات میرا سر دباتے ہوئے اس نے گھڑی اتاری تھی اور میرے کمرے میں ہی بھول گیا تھا۔'' وہ کاریڈور سے گزر رہی تھی جب فریال نے آواز دے کر ہاتھ میں موجود گھڑی اس کی سمت بڑھائی۔

"بس سر میں درد تھا۔ دوا نہیں لی کہ تمہارے چچا جان مذاق اڑاتے ہیں کہ ذرا سی چھینک آئے تو دوا کھا لیتی ہوں..... سمجھان کمرے میں آیا تو سر دبانے لگا تھا۔" فریال کی عادت تھی ہر بات کو پورے سیاق و سباق اور مزاح کے رنگ میں لپیٹ کر سناتی تھیں۔ وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

"خیال رکھا کریں اپنا..... سارا دن کاموں میں مصروف رہتی ہیں۔" اور واقعی یہ سچ ہی تھا حویلی میں فریال اور فائزہ ہی زیادہ الرٹ رہتی تھیں، لڑکیوں کو کم ہی زحمت دیتی تھیں۔

"ذمہ داریاں ہیں بیٹا..... تم یہ اس کے کمرے میں رکھ آؤ..... ادھر ادھر رکھ کر میں پھر بھول جاؤں گی۔" فریال مسکرا کر پلٹ گئیں تو وہ کئی ثانی رسٹ واچ کو ہتھیلی پہ لیے دیکھتی رہی۔ اس کے پاس ہر برانڈ کی رسٹ واچ تھی لیکن وہ زیادہ تر یہی پہنتا تھا۔ شاید بہت پسند تھی۔

رسٹ واچ کو دیکھتے احساسات جانے کس نہج تک جا پہنچے تھے کہ وہ بے ساختہ اپنی بائیں کلائی پہ باندھ کر مختلف زاویے سے اپنی کلائی کو دیکھنے لگی۔ لب آپ ہی آپ مسکرانے لگے تھے۔ یہ سچ تھا کہ اسے دیکھ کر، اس کے ہونے کا احساس کرتے ایک سکون اندر پھیل کر اسے "مطمئن" رکھتا تھا لیکن خلاف توقع بات یا سمجھان آفندی کی ذرا سی بھی توجہ کہیں اور دیکھ کر وہ اس حد تک جلن محسوس کرتی تھی کہ پھر زبان سے آگ ہی نکلتی تھی۔ وہ شخص تصور میں بھی خود سے دور لگتا تو وہ الجھنے لگتی تھی۔

"ارے واہ..... اعلیٰ چوائس بندے کی لا پروائیاں۔" اس کا خیال تھا روم لاک ہوگا وہ بعد میں رسٹ واچ کسی اور ٹرے بھیج پر رکھ دے گی لیکن دروازے کو ہاتھ لگایا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

کمرے میں قدم رکھتے ہی وہ لڑکھڑا کر دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھ گئی۔ لڑکھڑانے کی وجہ گہری تاریکی تھی یوں کہ وہ روشنی سے آئی تھی تو کئی لمحے پلکیں جھپک جھپک کر آنکھوں کو اس تاریکی کا عادی بنانے لگی۔ دوسرا پیر بھی اندر رکھ کر اس نے دائیں طرف دیوار پر ہاتھ رکھ کر سوئچ بورڈ ٹٹولنے کی کوشش کی اور بٹن آن ہوتے ہی کمرہ روشن ہو گیا تھا۔

"اللہ کی پناہ، پہلے بجلی بچاؤ مہم پر عمل کرتے کمرا مکمل تاریک اور بٹن دباتے جیسے سورج اتر آیا ہو۔" سفید روئی کے گالوں جیسا دیز قالین، سفید فرنیچر اور سفید ہی ریشمی پردے..... بالکنی کا سلائیڈنگ ڈور کھلا ہوا تھا۔ جس کے باعث سفید ریشمی پردہ ہوا کے دوش پہ لہرا رہا تھا۔ بالکنی میں موجود جھولا۔ ایک ایک شے کو دیکھتی وہ عش عش کر رہی تھی۔ قدم بے ساختہ بالکنی میں جھولے کی طرف اٹھ گئے اور وہ فوراً جھولے پر بیٹھنے سے خود کو روک نہ سکی..... بالکنی کے اس پار دور تک پھیلی ہریالی کو دیکھنے میں وہ اس حد تک مگن تھی کہ "کھٹ" سے واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے ناگواری سے اس خوب صورت منظر سے نظر موڑ کر بے توجہی سے دوسری سمت دیکھا اور لبوں سے مسکراہٹ ہوا ہونے لگی۔ بلیک جینز اور بنیان میں ملبوس گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتا وہ حیران نظروں سے روشن کمرے کو دیکھ رہا تھا اور وہ سامنے ہی تو ہونق بنی بیٹھی تھی۔

"تم.....!" وہ خاصا حیران ہوا۔

"وہ..... میں....." وہ اپنی جگہ چوری بن گئی، جھولے پر بیڈ پہ رکھی وہائٹ شرٹ اٹھا کر پہنتا

کروہ نارمل انداز میں گفتگو کرنے لگا لیکن وہ یوں بلا اجازت آنے اور پڑے جانے پر خاصا برہم نظر آرہی تھی۔

"نہیں تو..... چچی جان نے کہا تم کھیتوں میں جا چکے ہو انہوں نے مجھے رسٹ واچ دے کر کہا کہ تمہارے کمرے میں رکھ دوں تو..... میں وہی رسٹ واچ رکھنے آئی تھی۔" وہ گڑبڑا کر جھولے سے اتر کر چند قدم قریب آ گئی تھی۔ ریسٹ واچ دینے کے لیے اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تو کلائی میں بندھی گھڑی دیکھ کر مزید خفت کا شکار ہوئی۔

"جڑا ہوا ہے میرا وقت..... تیرے وقت کے ساتھ
بندھی ہوئی ہے تیرے ہاتھ پر گھڑی میری....."

شرٹ کے بٹن بند کرتا وہ مرر کے آگے کھڑا بال بناتے اس کی کلائی کی طرف دیکھ کر بے ساختہ بڑبڑایا۔

"کچھ کہا تم نے.....؟" وہ دوری کے باعث ٹھیک سے سن نا سکی۔

"میری رسٹ واچ پر قبضہ جما کر تم مجھے دینے آئی تھیں؟"

"تھوڑی دیر کو پہن لی تو درد اٹھ رہا ہے..... یہ لو اپنی رسٹ واچ۔" آج شاید خجالت کا دن تھا خفیف سی ہو کر وہ جلدی سے رسٹ واچ اتارنے لگی۔ آستین فولڈ کرتے زیر لب مسکراتے وہ جوتے پہننے کے خیال سے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر پہلی بار اس قسم کے تاثرات دیکھنے کو ملے تھے۔

"پکڑو....." وہ منہ بگاڑ کر گھڑی اس کی طرف بڑھا گئی۔

"مہربانی۔"

"جب تک چاہو کمرے پر غور و خوض کر سکتی ہو..... میں نکلتا ہوں۔" وہ نکلنے کے لیے پر تولنے لگا۔ شاید اس کی موجودگی میں وہ زیادہ دیر رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے پرفیوم اسپرے کیا تو کمرے میں بڑی سحر انگیز خوشبو پھیل گئی تھی۔

"سمہان....." وہ دہلیز سے چند قدم پیچھے ہی تھا۔ جب پیچھے سے اس نے آواز دی۔

"حکم....." وہ ایڑیوں کے بل گھوما۔

"مجھے سیم ایسا ہی روم اپنے لیے چاہیے..... تیار کر کے دے سکتے ہو؟" اس کے روم سے وہ از حد متاثر ہوئی تھی۔ اپنا نفیس سا کمرہ اس کے مقابل اب بیکار لگ رہا تھا۔ تب ہی فرمائش کر گئی۔

"ہو جائے گا۔" وہ تقاضہ سن کر ہولے سے مسکرایا۔

"کب.....؟" وہ بے صبری سے سوال کر گئی۔ نظریں دیواروں پر آویزاں پینٹنگز پر تھیں جو زیادہ تر سفید تھیم پر ہی مشتمل تھیں۔ وہائٹ سوٹ اور نیٹ کے ریڈ دوپٹے میں کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی وہ کھلی کھلی لگ رہی تھی۔

"اللہ نے چاہا تو بہت جلد....." بھرپور نظروں سے دیکھتے گویا ہوا۔ جانے کیا تھا لہجے میں کہ وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

دال چنا، جواب گندم۔

"چلتا ہوں....." اس کے ہونق چہرے پر ایک مسکراتی نگاہ ڈالتے گلاسز اٹھا کر وہ نکل گیا تھا۔

وہ اس کے کمرے میں موجود تھی۔ اسے جانے کا کہتا تو یہ غیر اخلاقی حرکت ہوتی تب ہی عجلت میں خود نکل گیا۔ مبادا

ئی دیکھ لے۔

"لائٹ....."

روم کے بند دروازے کو اس نے عجلت میں کھولا تو کمرے میں مکمل اندھیرا دیکھ کر یقین ہوگیا کہ وہ کمرے سے جا چکی ہے لیکن وہ پھر بھی تیزی سے بک ریک کی طرف بڑھا اور اس کی رکی سانس جیسے بحال ہوگئی۔

"شکر..... اس نے نہیں دیکھا۔" پلٹ کر ریک سے ٹیک لگاتے اس نے بے ساختہ شکر ادا کیا۔

"جس دن خبر ہوگئی، حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گی محترمہ....." شریر مسکراہٹ کے ساتھ بے ساختہ مسکرایا تھا۔

❁.....❁.....❁

منزہ کی بے ہوشی طویل ہو رہی تھی گو کہ چند ایک خراشوں اور ماتھے پر چوٹ کے علاوہ بڑے حادثے سے بچ گئی تھیں لیکن ان کی گرتی صحت کے طفیل بے ہوشی تشویشناک بن رہی تھی۔ ڈاکٹر ہوش میں لانے کے جتن کر رہے تھے۔ بینچ پر بیٹھا ایشان جاہ بھی فکر مند تھا۔ خاتون کون تھیں اور کہاں سے آئی تھیں.....؟ وہ لاعلم تھا۔ اپنی ضروری چیزیں لے کر وہ پارکنگ سے گاڑی نکال رہا تھا۔ جب خاتون کی زوردار چیخ پر سرسری نگاہ پڑی تو وہ عجیب سے احساسات میں گھر گیا تھا۔ شکل وحلیے سے امیری نہیں جھلک رہی تھی تو کہیں سے بھکارن بھی نہیں لگ رہی تھیں لیکن یوں سرراہ آنسو بہاتے دیکھ کر اسے بہت عجیب لگا تھا۔ ابھی وہ ان کے رونے کے اسباب کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا کہ پلک جھپکتے بائیک والے کی ٹکر سے وہ فٹ پاتھ سے جا ٹکرائیں۔ لوگوں کی بے حسی پر اسے جی بھر کے غصہ آیا تھا۔ تب ہی وہ انہیں اٹھا کر ہاسپٹل لے آیا اور اب ان کی بے ہوشی ایک معمہ بن گئی تھی لیکن جلد ہی نوید ملی کہ وہ ہوش میں آچکی ہیں۔

پُرسکون سانس لے کر وہ ٹیبل پر رکھے منزہ کے پرس کی طرف متوجہ ہوا۔ پرس سے آتی رنگ ٹون پر وہ ایک لمحے کو شش وپنج میں مبتلا ہوا کہ کھول کر دیکھے یا نہ دیکھے..... یقیناً پرس کے اندر موجود ان کا سیل فون بج رہا تھا۔ ان کی فیملی کی پریشانی کے خیال سے اس نے پرس میں سے موبائل نکالنے کا ارادہ کر ہی لیا۔ فون نکالنے تک کال مس ہوگئی تھی۔ نام کی جگہ ہوم لکھا دیکھ کر اندازہ ہوگیا کہ ان کے گھر والے فکر مند ہیں۔ وہ کال ملانے ہی لگا تھا جب ایک بار پھر کال آنے لگی۔

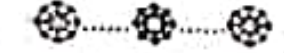
"ہیلو..... اماں آپ ٹھیک تو ہیں..... اور کہاں ہیں آپ.....؟ کب سے کال کر رہی ہوں..... ریسیو کیوں نہیں کر رہی تھیں۔ فکر ہو رہی ہے مجھے آپ کی۔" کال پک کرتے ہی بے چین اور فکر مند لہجہ سماعت سے ٹکرایا۔

"آپ کی والدہ کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ بے ہوش ہوگئی تھیں لیکن اب ٹھیک ہیں..... ڈاکٹر ٹریٹمنٹ کر رہے ہیں۔"

"ایکسیڈنٹ.....! کہاں..... کیسے..... اماں کہاں ہیں..... ان کا فون آپ کے پاس کیسے؟" اجنبی آواز پر مادرانہ حس بدحواس ہو کر ایک ساتھ کئی سوال کر گئی۔

"انہیں ہاسپٹل لے کر آیا ہوں..... آپ کی کال آنے لگی تو ریسیو کر لی تاکہ اطلاع دے سکوں۔" وہ نرمی سے معلومات دے رہا تھا۔

"کس ہاسپٹل میں ہیں اماں..... میں آرہی ہوں انہیں لینے۔" ہاسپٹل کا نام سن کر وہ تیزی سے کال کاٹ گئی۔ فون رکھنے کی غرض سے ایشان جاہ نے پرس میں ہاتھ ڈالا اور بے اختیاری میں اس کے ہاتھ رومال لگ گیا۔ زیور اور پیسے پرس



''کیا ہوا؟ کس سے ہاسپٹل کی بات کر رہی تھیں..... اماں ٹھیک تو ہیں.....؟'' انوشا بھی اسکول سے لوٹ آئی تھی۔ مادرا نے اسے بتایا تھا کہ منزہ زیور بیچنے کے ارادے سے نکلی تھیں۔

منزہ کو نکلے کافی دیر ہوگئی تھی۔ اسی لیے وہ بار بار کال کر رہی تھی لیکن کال ریسو نہیں ہو رہی تھی اور جب ہوئی تو اجنبی مرد انہ آواز نے جو نیوز دی اس نے مزید بدحواس کر دیا تھا۔

''اماں کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے..... چادر اوڑھو جلدی..... ہم ہاسپٹل چل رہے ہیں۔'' عجلت میں الماری سے انوشا کی چادر نکال کر اس کی طرف اچھالتی وہ اپنی چادر اوڑھنے لگی۔

''کیسے ایکسیڈنٹ ہوا..... چوٹ زیادہ لگی ہے کیا؟'' انوشا تیزی سے چادر لیتے دھڑکتے دل سے استفسار کر رہی تھی۔

''تفصیل کا پتا نہیں..... تمہارے پاس کچھ پیسے ہیں؟'' بیمار ماں پہلے ہی موت و زندگی کی کشمکش میں تھی۔ ایسے میں ان کا ایکسیڈنٹ..... مادرا یحییٰ کو شدت سے رونا آ رہا تھا لیکن وہ ضبط کیے حواس سلامت رکھے اپنا پرس چیک کرتی انوشا سے استفسار کر رہی تھی۔

''ہاں..... آج ہی سیلری ملی ہے..... میں پرس لے کر آتی ہوں۔''

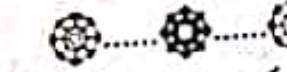
''یہ لو.....'' انوشا پرس سے لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا گئی۔

''اپنے پاس ہی رکھو..... ضرورت پڑی تو نکال لینا۔'' وہ تیزی سے تالا لگاتی گویا ہوئی۔ دونوں تیزی سے گھر سے نکل کر اسٹاپ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

''اللہ خیر کرے..... میرا دل ہول رہا ہے' کیسی آزمائش ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی..... ہماری بیماری اماں.....'' رکشہ میں بیٹھتے انوشا کا دل اتنا گداز ہوا کہ آنسو بہانے لگی۔ یہ جان کر کہ منزہ شادی کے لیے زیور بیچنے گئی تھیں اور حادثہ ہوگیا اسے اپنی ذات مجروح لگنے لگی..... پہلے وقت پر کمیٹی نہ ملنے کی ٹینشن، کمیٹی ملی تو پیسوں کی چوری کا دکھ..... اب زیور بیچنے نکلیں تو ایکسیڈنٹ ہوگیا..... اسے رہ رہ کے ماں کی بے بسی پہ رونا آ رہا تھا۔

''پریشان نہ ہو..... بہتری کی دعا کرو..... اللہ رحم کرنے والا ہے۔'' آنسو چادر میں جذب کرتے مادرا یحییٰ کا لہجہ گلوگیر ہوا۔

انوشا، منزہ کی بیماری سے ابھی تک لاعلم تھی۔ اگر جو باخبر ہو جاتی تو جانے کیا ہوتا..... وہ بہت چھوٹے دل کی مالک تھی، تب ہی منزہ نے اس سے چھپائے رکھنے کی تلقین کی تھی۔ دونوں ماں کی خیریت کے لیے دعا گو تھیں اور راستہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔



''شنائیہ..... بیٹا کچن میں جا کے ذرا جینا یا صغراں کو اطلاع دے دو کہ شہر سے شاہ کے مہمان آئے ہیں..... جلدی سے کچھ اہتمام کر کے گیسٹ روم میں بھجوا دے۔'' زمرد بیگم نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہوئے انہوں نے شنائیہ کو

"جی دی جان..... ابھی کہہ آتی ہوں۔" سعادت مندی قابل دید تھی۔

"جیتی رہو..... بعد میں میرے کمرے میں آجانا..... باتیں کریں گے۔" حویلی میں سب ہی اس کے تک چڑھے انداز سے واقف تھے تب ہی زمرد بیگم نرمی سے کمرے میں آنے کا کہہ کر چلی گئی تھیں۔ وہ بھی پیغام کی ترسیل کے لیے کچن کی جانب چل دی۔

"کچھ چاہیے تھا بی بی جی؟" جینا اسے دیکھ کر الرٹ ہوئی' سب کو ہی اس کی ڈانٹ پھٹکار سے ڈر لگتا تھا۔ نازک مزاجی کے باعث ہر کوئی اس سے محتاط ہی رہتا تھا کہ وہ لحاظ کیے بنا عزت کا جنازہ نکال دیتی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے..... بس تمہاری مدد کرنے آئی ہوں..... شہر سے تمہارے شاہ صاحب کے گیسٹ آئے ہوئے ہیں..... دی جان نے ان کی خاطر مدارت کے لیے کہا ہے....." جینا تو اس کی مدد کی بات سن کر ہی حیران ہوگئی، گیسٹ کا سن کر تیزی سے ڈیپ فریزر سے فش کے پیکٹ نکال لیے اور پھر مٹن کی تلاش میں لگ گئی۔

"یہ کیا..... اسمیل سے ہی دو میننگ ہو جائے گی مجھے....." ناگواری کا اظہار کر کے وہ دوپٹا ناک پر رکھ گئی۔

"بی بی جی فش ہے اور یہ مٹن....." جینا حیرانگی سے اس کے انداز ملاحظہ کر رہی تھی۔

"رکھو واپس انہیں اور چکن نکال کر لاؤ۔" دوپٹے کو گلے میں ڈال کر پیچھے سے گرہ لگاتی وہ مستعد کھڑی ہوگئی۔

"لیکن....." جینا تذبذب کا شکار نظر آرہی تھی لیکن وہ مالکن تھی اور اب تو حویلی کی بہو بھی بن گئی تھی۔ سو اس کی بات سے انحراف ناممکن تھا۔

"ایک چولہے پہ پاستا بوائل کرنے کے لیے رکھو..... دوسرے میں یہ رکھو اور یہ فرائی کرو..... ساتھ ہی انڈے بوائل کر لو۔" وہ کچن کیبنٹ سے اپنی چیزیں نکال کر شیلف پہ رکھنے لگی گو کہ یہ نقصان کا سودا تھا لیکن اسے مقابلے میں نقصان بھی منظور تھا۔ جینا پریشان سی اس کے حکم کی تعمیل کرتے چکن الگ کرنے لگی۔ ثنائیہ چودھری سبزیوں کی کٹنگ کر کے چلی سوس اور سویا ساس نکال رہی تھی۔ جینا تو آنے والے لمحے کا سوچ کر پریشان تھی۔

"اف تھک گئی میں..... یہ سب دے کر آنے کے بعد ذرا لیموں پانی بنا دو میرے لیے..... چکر آنے لگے کھڑے کھڑے....." وہ بے دم سی ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی تو جینا سر ہلاتی ٹرالی گھسیٹتی باہر نکل گئی تاکہ کسی مرد ملازم کے حوالے ٹرالی کر سکے۔ حویلی کی عورتوں کی طرح حویلی کی ملازماؤں کو بھی غیر مردوں کے سامنے آنے کی اجازت نہیں تھی، جس پر ملازمائیں پُرسکون رہتی تھیں کہ حویلی والے ملازماؤں کی عزت کو بھی اہمیت دیتے تھے۔

❁.....❁.....❁

وہ بل پے کر کے آیا تو منزہ لڑکھڑاتی ہوئی باہر نکلیں۔

"آنٹی آپ آرام کرتیں ناں..... مجھے آپ کی کنڈیشن ٹھیک نہیں لگ رہی۔" ایشان جاہ نے آگے بڑھ کر انہیں تھام لیا۔ پیروں پر خراشیں آئی تھیں جب کہ ماتھے پر بینڈیج بندھی ہوئی تھی لیکن منزہ گھر جانے پر بضد تھیں۔

"بہت دیر ہوگئی ہے..... مجھے گھر جانا ہے۔ تمہارا بہت شکریہ بیٹا' میں ٹھیک ہوں۔" ہوش میں آنے کے بعد سے منزہ اسے کافی دیر سے ہاسپٹل میں دیکھ رہی تھیں۔ نرس کی زبانی خبر ہوئی کہ وہ ہی انہیں ہاسپٹل لایا ہے۔ ایکسیڈنٹ

"وہ..... میرا پرس.....؟" دفعتاً انہیں دھیان آیا تو فکرمندی سے اپنے بازو ٹٹولنے لگیں۔

"جی یہ ہا....." ایشان جاہ نے پرس ان کے سامنے کیا تو ان کے چہرے پہ پھیلتے سکون کو وہ کوئی نام نہ دے سکا۔

"بہت شکریہ بیٹا....." وہ ممنون ہوئیں۔ سرعت سے انہوں نے پرس چیک کیا' پیسوں اور زیور کی موجودگی پر مطمئن ہو کر وہ پھر اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں۔

"آپ کی بیٹی آتی ہی ہوگی..... اس کی کال آرہی تھی تو میں نے بتا دیا..... انتظار کرلیں تھوڑا....."

"نہیں بتانا تھا۔ پریشان ہوگئی ہوں گی دونوں۔" منزہ افسردگی سے زیرلب گویا ہوئیں۔

حالت کے پیش نظر وہ اٹھنے کے قابل بھی نہیں تھیں۔ ڈاکٹر ڈرپ لگا رہے تھے لیکن انہوں نے سختی سے انکار کردیا تھا۔ مزید کئی گھنٹے ہاسپٹل میں رہ کر بل نہیں بڑھا سکتی تھیں۔ ان کی بڑبڑاہٹ پر ان کے چہرے سے ہوتی نظر سامنے اٹھی تھیں۔ دو لڑکیاں سامنے سے چلی آرہی تھیں۔ جانے کیوں اسے نظروں کا دھوکا لگا لیکن جب شکلیں واضح ہونا شروع ہوئیں تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

"مادرا یحییٰ.....!" استعجابیہ انداز میں اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ ایک نظر بے حال بیٹھی منزہ پر ڈال کر ایک دم کھڑا ہوا۔

"اماں..... آپ ٹھیک تو ہیں، زیادہ تو نہیں لگی.....؟" دونوں اردگرد سے غافل ماں کی طرف متوجہ ہو کر انہیں تھام گئیں۔ انوشا تو اماں کے ساتھ بنچ پر ہی بیٹھ گئی تھی۔ جب کہ مادرا اب بھی فکرمندی سی کھڑی تھی۔ انہیں ہشاش بشاش دیکھ کر دونوں کی جان میں جان آئی۔ ایشان جاہ قدرے الگ ہو کر بھیڑ کا حصہ لگ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں..... بس معمولی سی چوٹیں ہیں۔ تم لوگوں کو گھر سے نکلنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں آجاتی ناں گھر۔" دلاسہ دے کر اس حالت میں بھی وہ بیٹیوں کے لیے متفکر تھیں۔ ان کے سوال نظرانداز کر کے انوشا منزہ کے ہاتھ سہلانے لگی۔

"میری ہی غلطی تھی کہ بائیک کے سامنے آگئی لیکن اس بچے نے مدد کی اور ہاسپٹل لے آیا....." منزہ نے کہتے ہی آنکھوں سے اشارہ کیا تو انوشا کی نظریں بھی وہیل ڈریسڈ بندے کی طرف اٹھیں۔

"تھینک یو سو مچ سر....." انوشا شکر گزار تھی..... مادرا کی پیٹھ اس طرف تھی اس نے گردن موڑ کر "بندے" کو دیکھنا اور ایشان جاہ کو سامنے دیکھ کر وہ چونک گئی۔

"آپ نے ہاسپٹل پہنچایا..... یا آپ نے ہی ایکسیڈنٹ کیا.....؟" وہ تلخی سے استفسار کرنے لگی' انوشا نے چونک اس کے بگڑے نقوش دیکھے۔ اس کے یوں بھڑکنے کی وجہ سمجھ نہیں آئی' منزہ بھی تحیر میں مبتلا ہوئیں۔ ایک اجنبی سے طرح بات کر رہی تھی۔

"اپنی والدہ سے پوچھ لیں' میری باتوں پر تو آپ نے ویسے بھی اعتبار نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔" دو قدم آگے ہو لے سے مسکرایا۔

"مادرا..... بتایا تو ہے میں بائیک کے آگے آگئی تھی....." منزہ بیٹی کو فہمائشی نظروں سے دیکھ کر رہ گئیں۔ انوشا نے

"انوشا..... تم اماں کے پاس رہو میں بل بھر کے آتی ہوں۔" اسے مکمل نظر انداز کر کے وہ انوشا سے مخاطب ہو کر آگے بڑھنے لگی۔

"بل پیڈ ہے۔ دوائیں آنٹی کے پرس میں رکھ دی ہیں میں نے..... ٹائم پر دے دیجیے گا۔" اس کی آواز پر اس کے بڑھتے قدم تھم گئے۔

"بل آپ نے کیوں بھرا..... کتنا بل ہے؟" ناگواری سے کہہ کر وہ پرس ٹٹولنے لگی۔

"خبر نہیں تھی کہ آپ بل بھریں گی آ کر..... ورنہ یہ گستاخی نہ کرتا....." وہ مسکرا رہا تھا اور ماورا بل کھا کے رہ گئی۔

"پیسے تو تمہیں لینے پڑیں گے بیٹا..... یہ ہمارے اصولوں کے خلاف ہے۔" منزہ کو بھی خیال آیا۔

"جذبہ ہمدردی کی کیا قیمت ہوتی ہے آنٹی..... اگر آپ کی نظر میں اس بے لوث جذبے کی کوئی قیمت ہے تو دے دیں۔" وہ انہیں لاجواب کر گیا لیکن ماورا کی انا کا خون کھولنے لگا تھا۔

"ہر جگہ دھن دولت کی نمائش اچھی نہیں ہوتی یہ کچھ پیسے ہیں اگر کم ہوں تو بتا دیں۔" اس نے ہزار کے دو نوٹ نکال کر اس کی سمت بڑھائے جب کہ اس کے انداز کی تلخی اور غصے کو انوشا کے ساتھ منزہ نے بھی محسوس کیا تھا۔

"آنٹی آپ خاصی سمجھدار ہیں انہیں سمجھائیں ورنہ آئیں میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔" منزہ کو ثالث بنا کر وہ آفر کر گیا تو ماورا کے سر سے لگی اور پیروں تلے بجھی۔

"مسٹر ایشان جاہ..... میں پہلے ہی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ ہمدردی کا رشتہ کہیں اور قائم کریں۔ ہیرو بننے کی ناکام اداکاری کہیں اور کیجیے گا..... بڑی مہربانی ہوگی۔" وہ اس قدر کڑوے لہجے میں بولی کہ انوشا اس کے منہ سے نام سن کر شاکڈ رہ گئی۔ منزہ کا چکراتا ذہن بھی کام کرنے لگا۔

"یہ تم لوگ جانتے ہو ایک دوسرے کو.....؟" منزہ نے حیرت سے سوال کیا۔ ماورا لب بھینچے کھڑی رہی۔ اسی کے سبب تو وہ تعلیم کو خیرباد کہہ کر پابند سلاسل ہو گئی تھی اور وہ مسیحا سامنے کھڑا تھا۔ اسے بے حد کوفت ہو رہی تھی۔

"جی آنٹی..... ماورا میری کلاس فیلو ہیں..... مجھے ایشان جاہ کہتے ہیں۔" وہ یوں دوستانہ انداز میں تعارف کروا رہا تھا۔ جیسے بہت الجھے مراسم رہے ہوں۔ انوشا تو حیرانی سے باری باری دونوں کے چہرے دیکھنے لگی۔ منزہ لڑکھڑا کر بینچ پر بیٹھ گئیں۔

"ایشان جاہ..... چودھری جہانگیر کا بیٹا.....؟" وہ حیرت سے اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ اب سمجھ آیا کہ یہ چہرہ کیوں آشنا لگ رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

"نکاح میں شرکت نہ کرنے کا بہت افسوس ہوا لیکن سکھر میں عزیز کی ڈیتھ ہو گئی تو جانا پڑا۔" شاہ زر شمعون کے چند بے تکلف دوست آئے ہوئے تھے۔

"اب تمہارے افسوس پر میں دوبارہ نکاح تو نہیں پڑھوا سکتا....." شاہ زر شمعون نے بے تکلفی سے کہا۔

"پڑھوا لے..... کم از کم تیرے نکاح کی بریانی نہ کھانے کا افسوس تو کم ہوگا۔" دوسرے نے افسردگی سے کہا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

تو شاہ زر شمعون نے انہیں میز کی طرف چلنے کا اشارہ کیا تو وہ سب اٹھ کر میز تک آ گئے۔

"بھوک تو بڑی زوروں کی لگ رہی ہے۔ مگر شکوہ، بھی وغیرہ بنوالے ہمیشہ کی طرح.....؟" تیسرے نے ندیدے پن سے ڈشز کے کور ہٹا کر دیکھنا شروع کر دیا۔

"یہ.....!" کسی کی صدمے سے چور آواز نکلی ان کی حیرت دیکھ کر شاہ زر شمعون نے چونک کر ڈشز کی شکل دیکھی۔ چکن و ٹیشیل پاستا، منچورین، و ٹیشیل سینڈوچز اور بوائل انڈے پر چھڑکی ہوئی کالی مرچ دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر خود بھی یقین نہیں آیا۔

"تیتر، بٹیر کھانے والے اب بوائل انڈے کھائیں گے.....؟" کسی نے دلسوز لہجے میں دہائی دی۔

"ہم عرصہ سے شہر میں رہ رہے ہیں لیکن ہم پر شہری رنگ نہ چڑھا۔ تو شہری بھابی لاتے ہی رنگ بدل گیا۔" ڈرامائی انداز میں کسی نے شرم دلائی اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تیسرے نے مینو سے بددل ہو کر کولڈ ڈرنگ اٹھائی ہی تھی مگر اگلے ہی لمحے کلی کرنے کو دل چاہا۔

"اے بھائی..... نکاح میں گفٹ نالانے کا بدلہ اب تو ہمیں ڈائٹ کوک پلا کر لے گا.....؟" برا سا منہ بنا کر بوتل ایک طرف رکھ دی۔ شاہ زر شمعون کو دوستوں کے سامنے شرمندگی کا سامنا تھا۔ یہ کارستانی کس کی ہے وہ سمجھ چکا تھا۔ لب بھینچ گئے تھے۔ شہر تو تھا نہیں جو آرڈر پہ ہوم ڈلیوری ہو جاتی۔

مزید انتظار کر کے تواضع کا ایک اور موقع دینے کا موڈ کسی کا نہیں تھا۔ وہ سب بے دلی سے جانے لگے۔ حویلی میں شاید یہ پہلا موقع تھا جو مہمان بنا کھائے پیے چلے گئے تھے۔ وہ بھی شہر سے آئے مہمان..... اس کا چہرہ مارے غصے کے لال ہو گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

"سر....." چودھری جہانگیر سگریٹ انگلیوں میں دبائے کسی کیس کی فائل اسٹڈی کر رہے تھے۔ تب ہی ایک سپاہی آ کر سیلوٹ مار کر مخاطب ہوا۔

"بولو خیر دین۔" مصروف انداز میں اشارہ کیا۔

"سر آپ نے جس لڑکی کی ہسٹری نکالنے کو کہا تھا اس کے بارے میں ساری معلومات حاصل کر لی ہے۔"

"گڈ..... کیا رپورٹ ہے؟" انداز ہنوز مصروف تھا۔

"سر مادرا اور اس کی ایک بہن ہے بھائی کوئی نہیں..... باپ کا انتقال برسوں پہلے ہو چکا ہے۔ ماں برسوں پہلے ...دون سندھ سے آ کر یہاں آباد ہوئی تھی اور دو بیٹیوں کے ساتھ رہتی ہے۔ ماں سلائی کڑھائی کا کام کرتی ہے۔ بڑی ...اسکول میں پڑھاتی ہے۔ گھر میں کسی مرد کا داخلہ نہیں ہے۔ پڑوسی نے بہن بنایا ہوا ہے، وہی اچھے برے وقت میں ...آتا ہے۔ باقی ماں بیٹی بہت شریف ہیں اور لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں..... بڑی بیٹی کی شادی طے ہو چکی ..."

"ہوں....." ساری معلومات سنتے چودھری جہانگیر فائل چھوڑ کر کرسی کی پشت سے لگ گئے۔

...کسی پہنچی ہوئی ...

تھا۔

"ہوں..... ٹھیک ہے تم جاسکتے ہو۔" کئی لمحے سوچنے کے بعد اسے جانے کی اجازت دی تو سپاہی مؤدب ہو کر چلا گیا۔

ماورا یحییٰ کو دیکھ کر انہیں جو شک ہوا تھا اس کی تسلی کے لیے انہوں نے معلومات نکلوائی تھیں لیکن ساری باتوں میں کوئی بھی قابل گرفت پہلو نہ تھا۔ مجبور عورتیں محنت کر کے عزت سے پیٹ پال رہی تھیں۔ ماورا یحییٰ کو بھول کر وہ کسی اور ہی سمت سوچنے لگے تھے۔

"مردے زندہ کب ہوتے ہیں.....؟ جو خبر ہوتی کہ تم زندہ ہو تو پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالتا میں۔" آنکھیں سلگنے لگی تھیں۔ فائل بند کر کے انہوں نے دور پھینک دی تھی۔

❁.....❁.....❁

"دی جان....." وہ تنے ہوئے چہرے کے ساتھ زمرد بیگم کے کمرے میں دستک دے کر حاضر ہوا۔

"ہاں پتر بول۔" زمرد بیگم متوجہ ہوئیں، لیکن اس کی خونخوار نظریں ان کے پہلو میں بے تکلفی سے بیٹھی شنائیہ چودھری پر تھیں۔ وہ بھی اسے دیکھ کر "الرٹ" ہو گئی تھی۔ اندازہ تو تھا جو کارنامہ انجام دیا ہے اس پر مڈبھیڑ تو ہو گی لیکن اتنی جلد یہ اسے بھی اندازہ نہیں تھا۔

"آپ سے مہمانوں کے لیے کھانا تیار کروانے کا کہہ کر گیا تھا؟"

"ہاں پتر..... شنائیہ کے ہاتھ جینا کو پیغام بھجوایا تھا کیا جینا نے اب تک چیزیں تیار نہیں کیں؟" گو کہ زمرد بیگم کی تعظیم میں وہ بہت ضبط کر رہا تھا لیکن اس کے چہرے سے چھلکتے غصے کو دیکھتے زمرد بیگم، شنائیہ پر بھی نظر ڈال گئیں۔

"دی جان..... میں نے جینا کو پیغام دے دیا تھا۔ بلکہ اس کی ہیلپ بھی کی تھی۔" مشکوک نظروں کے جواب میں معصوم سی شکل بنا کر انہیں متاثر کرنے کی کوشش بھی کی۔

"کیا پیغام دیا تھا آپ نے جینا کو؟" اس کا بہت سرد لہجہ تھا۔

"یہی جو دی جان نے کہا شہر سے آپ کے مہمان آئے ہوئے ہیں۔" معصومیت کی انتہا پر تھی وہ۔ من وعن دہرا دیا۔

"غالباً آپ نے اسی لیے مدد کی کہ ان خرافات کو ڈشز کا نام دے سکیں۔" وہ دبے لہجے میں غرایا۔

"بات کیا ہوئی ہے پتر؟" زمرد بیگم کو اس کے بگڑے تیور کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"دی جان جینا کو اچھی طرح پتا ہے کہ کس مہمان کے لیے کیا بنانا ہے..... لیکن آپ کی پوتی نے اپنا سارا دماغ ضائع کر کے مہمانوں کے سامنے میری خوب بے عزتی کروائی..... بوائل انڈے، منچورین، وٹشیل پاستہ، روکیٹس..... کھانے کے نام پر یہ چونچلے آپ شہری لوگ کرتے ہوں گے۔ چودھری گھرانے میں جب تک تیز مرچ مسالے میں مرغ، مٹن، نہاری، پائے نا پکیں..... پتا ہی نہیں چلتا کہ مہمان کی خاطر ہوئی ہے....." زمرد بیگم کو بتانے کے بعد اس کی توپوں کا رخ شنائیہ چودھری کی طرف تھا۔ چبا چبا کر بولتا اس کا ہر لفظ خوشی دے رہا تھا..... اسی جھنجھلاہٹ

"دی جان..... شہری مہمان سن کر مجھے لگا کہ ماڈرن لوگ ہیں اس لیے میں نے وہ سب بنوادیا۔" وہ اس معصومیت سے وضاحت دے گئی کہ زمرد بیگم اس کی حمایت پر اتر آئیں۔

"چل غصہ نا کر ابھی دو منٹ میں ککڑ میں مرغ منٹن پکوا دیتی ہوں....." انہوں نے اسے بہلانا چاہا۔

"بن بھی جائے تو کیا فائدہ دی جان..... وہ لوگ ناراض ہو کر چلے گئے....." دھیمے لہجے میں کہا۔

"بڑے ہی نمدیدے دوست ہیں آپ کے..... ایک ذرا من پسند کھانا نا ملنے پر چلے گئے..... رزق کی قدر ہی کوئی نہیں۔" وہ آرام سے بیٹھی زخموں پر نمک چھڑک گئی تو شاہ زر شمعون کا جی چاہا اس کا روسٹ بنادے۔

"یہ تو کل کی آئی بچی ہے..... اسے کیا خبر کہ حویلی کے طور طریقے کیا ہیں..... لیکن جینا کو تو خیال کرنا چاہیے تھا..... پوچھتی ہوں اس سے..... لو بھلا بتاؤ اتنی دور سے آئے مہمان کھائے پیے بنا چلے گئے۔" زمرد بیگم افسوس کرتیں جینا کی کلاس لینے کے خیال سے نکلنے لگیں تو دبے پاؤں شنائیہ چودھری بھی ان کے پیچھے بھاگنے لگی لیکن ایسا کب ممکن تھا۔ وہ بیچ میں کھڑا تھا۔ سامنے سے بچ نکلنے کی کوشش پر بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا۔

"ہائے..... دی جان۔" اس جسارت پر چلا کر اس نے کمرے سے نکلتی زمرد بیگم کو پکارنا چاہا مگر شاہ زر شمعون کا مضبوط ہاتھ اس کا منہ بند کر گیا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ.....؟" جھنجھلا کر منہ سے اس کا ہاتھ ہٹایا۔ زمرد بیگم جا چکی تھیں۔ اب وہ کھل کر اپنے غصے کا اظہار کر سکتا تھا۔

"تو یہ سب مجھے ذلیل کرنے کی سازش تھی آپ کی۔" بھنچے لفظوں میں چلایا۔

"جی..... اور آپ کا ری ایکشن بتا رہا ہے یہ سازش خاصی کامیاب رہی..... خیر سے۔" وہ منہ بگاڑ کر بولی اور ساتھ ہی بازو چھڑانے کی کوشش کی مگر شاہ زر شمعون نے بازو کو جھٹکتے مزاحمت ناکام بنادی۔

"جو مقابلہ کرتا ہے..... میرے ساتھ کرو۔ مجھ سے جڑے لوگوں کو تکلیف نہ دو۔" اس کا انداز وارن کرنے والا ہوا۔

"مقابلے میں سب جائز ہے..... اگر دوستوں کو تکلیف نا پہنچتی تو آپ اتنا چراغ پا کیسے ہوتے۔" استہزائیہ مسکراہٹ لبوں پر در آئی۔

"بچ بچ بڑی بے عزتی ہوئی شاہ زادہ شاہ زر شمعون کی..... دوست بنا کھائے پیے باتیں سنا کر چلے گئے۔ کیا مزے کا سین ہوگا....." وہ محظوظ ہو رہی تھی، ہنس رہی تھی جبکہ اسے پتنگے لگ ہوئے تھے۔

"اس طرح کی حرکتوں سے دور رہو۔"

"بڑی خوشی سے نکاح پڑھوا کر جوڑا ہے خود سے اب تو آپ کے کسی بھی معاملے سے دور نہیں رہ سکتی۔" استہزائیہ انداز میں کہا۔

"تم مجھے چیلنج کر رہی ہو.....؟" وہ سلگ اٹھا۔

"چیلنج تو پہلے ہی کر چکی ہوں..... ابھی تو اپنے وار پر خوش ہو رہی ہوں..... آپ کو تلملاتے دیکھ کر..... کہا تھا نا اتنا

ہوں داجان کی مرضی کے بنا ہم کیسے یہاں سے جا سکتے ہیں۔"
"زبان سے بات کریں..... بازو چھوڑیں درد ہو رہا ہے۔" چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔
"ذرا سی تکلیف برداشت نہیں اور آئی ہو مقابلہ کرنے۔ ویسے سوچ رہا ہوں..... داجان کو رخصتی کے لیے راضی کرلوں اور ابھی رخصتی لے لوں..... شہر جانا نصیب ہی نہ ہو....." وہ ایک دم دہل کر اسے دیکھنے لگی رنگ فق ہونے لگا نکاح کو تو وہ بھول ہی گئی تھی۔ اگر جو وہ ایسا کروالیتا۔
"جو کرنا ہے کریں..... میں بھی بھاگ جاؤں گی حویلی سے....." اپنی کمزوری کا ذکر پسند نہ آیا تو بلا سوچے سمجھے بات منہ سے نکل گئی اور وہ کتنی غلط بات کر گئی تھی یہ شاہ زر شمعون کے جارحانہ تیور نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ ہاتھ اٹھنے اٹھتے رہ گیا تھا اور ضبط کی کوشش میں چہرہ سرخ ہو گیا تو بھپر کر اس کا منہ دبوچ لیا۔
"آج تو یہ بات منہ سے نکال دی..... پھر کبھی یہ گھٹیا بات کی یا میری عزت کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کی تو ٹانگیں توڑ کر حویلی کے تہہ خانے میں چھوڑ آؤں گا..... باہر نکلنے کی حسرت لیے مر جاؤ گی۔" آنکھیں شعلہ اگلنے لگیں لفظ بھسم کر رہے تھے جبڑوں اور بازو پر گرفت ناقابل برداشت حد تک بڑھ گئی تھی۔ درد کے مارے آنسو نکل آئے تھے۔
"میری عزت ہو اور عزت بن کر رہو۔" شاید اس کے آنسوؤں اور گلابی ہوتے چہرے پر ترس آ گیا تھا۔ تب ہی ایک گہری نظر ڈال کر بازو چھوڑ کر دھکیلتا ہوا چلا گیا۔
"وحشی..... جنگلی۔" دکھتے بازو کو دباتی وہ اسے مختلف القابات سے نوازتی رہی تھی۔

نرمین بے تکلفی سے صوفے پر بیٹھی ٹیب میں مصروف تھی۔ کانوں میں ہینڈ فری لگی ہوئی تھی، جانے سونگ سن رہی تھی یا کسی سے ویڈیو چیٹ کر رہی تھی۔ تب ہی فریش فریش سی صبہا داخل ہوئیں۔
"اچھی سی کافی اور سینڈوچز لے آؤ۔" ملازم کو ہدایت کرتی وہ اسی سمت آ رہی تھیں۔
"تم سوئی نہیں..... آرام کرلیتیں تھوڑا۔" بیٹی کو دیکھتے فکرمندی سے کہا تو اس نے کانوں سے ہینڈ فری اتاری۔
"اب تو شام ہونے والی ہے مام..... اس وقت کہاں نیند آئے گی۔" بے چارگی سے کہا۔
"میں نے تو اپنی نیند پوری کرلی..... گاؤں کا سفر اور وہاں رکنا..... توبہ میرے تو اعصاب جواب دے جاتے ہیں۔" صبہا نے ناگواری کا اظہار کر کے ایل ای ڈی آن کیا۔
"اوور آل نکاح کی تقریب اچھی رہی۔" نرمین نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔
"خاک اچھی رہی..... مجھے تو ذرا مزا نہیں آیا۔ شنائیہ کا حال دیکھا تھا..... جیسے مارے باندھے بیٹھی ہو..... بخت بائی نے مرنے جینے کی قسم دے کر تیار کیا ہوگا بیٹی کو..... ورنہ کون نہیں جانتا کہ شنائیہ کو میری طرح کتنی چڑ ہے گاؤں اور حویلی سے....." صبہا تنک کے انحراف کرنے کے ساتھ تبصرہ بھی فرما گئیں۔
"ہاں یہ تو ہے۔" نرمین بھی سر ہلایا۔
"ڈاکٹر ہیں دونوں میاں بیوی لیکن جہالت نہ گئی ان کے اندر سے....." جانے صبہا کو کس بات کا غصہ تھا۔
"چھوڑیں ان کا ذکر۔

"ہاں اچھا تھا لیکن فنکشن ہوتا کیا اور کس طرح ہوتی ہے یہ میں تمہاری اور ایشان کی شادی میں سب کو دکھاؤں گی..... دیکھنا سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی جب فائیو اسٹار ہوٹل میں بیسٹ ویڈنگ پلانز سے ارینج کرواؤں گی....." صہبا جیسی خود پرست عورت کو بس اپنا ہاتھ ہی اوپر رکھنے کی خواہش رہتی تھی۔

"ایشان نے تو انشراح کے لیے منع کر کے دل ہی توڑ دیا۔ ادھر ثناء اور انشراح بھی اپ سیٹ ہے۔ دیکھ لو کئی دنوں سے آئی نہیں..... ورنہ تو یہیں نظر آتی تھی۔" صہبا دکھی ہوئیں۔

"ایشان کی اپنی خواہش ہوگی۔ انشراح اور خالہ کو بھی یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آپ کیوں زور دے رہی ہیں انشراح کے لیے جب ایشان کی مرضی نہیں۔" نرمین نے سمجھایا۔

"کہاں زور دے رہی ہوں چپ کر کے بیٹھ گئی کہ ایشان کی مرضی نہیں ہے تو کیا فائدہ زبردستی کر کے..... اب میں دیا بھابی کی طرح جاہل و دقیانوسی ماں تو ہوں نہیں جو اپنے بچوں کو قربانی کا بکرا بنا دوں....." صہبا کے ایک ایک انداز سے نخوت جھلک رہی تھی۔

"انہوں نے شنائیہ کو گاؤں میں پڑنے کے لیے شاہ سے رشتہ جوڑ دیا..... میں تو اپنے بچوں کے لیے امریکہ، یورپ سے رشتہ لاؤں گی۔" تفاخر ہی تفاخر تھا ان کے لہجے میں۔

"مام..... آئے ایم ان لو....." نرمین نے بے تکلفی سے کہا۔ صہبا کے لب مسکرائے۔ انہوں نے بچوں کے ساتھ ہمیشہ ہر طرح کی بات کی تھی۔ کچھ گھر کا ماحول بھی کھلا ڈلا تھا شاید تب ہی وہ بلا جھجک کہہ گئی۔

"کون ہے..... کہاں رہتا ہے اور فیملی بیک گراؤنڈ کیا ہے اس کا.....؟"

"ڈونٹ وری، مجھے پسند آجائے بس..... تمہارے ڈیڈ کو تو چٹکی میں منالوں گی....." وہ اشتیاق سے سوال کرتے نوید دے گئیں۔

"مجھے سمہان آفندی سے شادی کرنی ہے۔ مجھے وہ ہر حال میں چاہیے مام....." اپنی پسند بتا کر نرمین ضدی لہجے میں اصرار کر گئی..... انداز ایسا تھا جیسے سمہان آفندی جیتا جاگتا انسان نہ ہو..... من پسند کھلونا ہو جو اس کے ضد کرنے پر صہبا اسے لا دیں گی۔

"ڈیڈ کو کیسے ہینڈل کرنا ہے..... داجان کو راضی کر کے یہ سب کیسے ممکن بنانا ہے..... یہ سوچنا آپ کا کام ہے..... مجھے بس سمہان آفندی چاہیے..... ہر حال میں، ہر قیمت پر....." گاؤں کی دقیانوسیت پہ ناک منہ چڑھانے والی صہبا بیٹی کی فرمائش پر حیران رہ گئی تھیں۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شنائیہ دیا کو چودھری حشمت کے کہنے پر اپنا سامان واپس رکھتے دیکھ کر بلیک میل کرتی ہے، شنائیہ بھی واپس کراچی جانا چاہتی ہے لیکن دیا اسے سمجھاتی ہیں پر شنائیہ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں ہوتی ہے۔ ایسے میں چودھری بخت اسے جلد کراچی بلانے کی بات کرتے اسے تسلی دیتے ہیں۔

مادر ایکی منزہ کو ڈائری لکھتے دیکھ لیتی ہے اور اس کی بابت ابھی پوچھنا ہی چاہتی ہے کہ منزہ اس سے ڈائری چھپا لیتی ہے اور اسے کام میں مصروف کر دیتی ہے مادر اہر صورت وہ ڈائری پڑھنا چاہتی ہے جب ہی منزہ کے گھر سے جانے کے بعد وہ منزہ کے کمرے کی تلاشی لیتی ہے لیکن اسے ڈائری کہیں نہیں نظر آتی ہے۔

ایشان جاہ یونیورسٹی آتا ہے تو سب دوست اس سے چودھری جہانگیر کے یونیورسٹی آمد اور مادر اسے ملاقات کی بابت پوچھتے ہیں جس پر ایشان جاہ غصہ میں آتا مادر ایکی کو سبق سکھانے کی بات کرتا سب کو حیران کر جاتا ہے۔

دیا اور چودھری حشمت کے جانے کے بعد شنائیہ اداس ہو جاتی ہے تب سمہان اسے کمپنی دیتا عیشال جہانگیر کو سلگاتا ہے۔

منزہ مادر ایکی کے کہنے پر زیور بیچنے سنار کے پاس آتی ہے اور حادثہ کا شکار ہو جاتی ہے۔ ایشان جاہ منزہ کو اسپتال لے کر آتا ہے اور تب ہی مادر ایکی کی کال آتی ہے تو ایشان جاہ حادثہ اور اسپتال کا نام بتا کر اسے پریشان کر دیتا ہے۔

فریال عیشال جہانگیر کو سمہان آفندی کے کمرے میں اسی کی گھڑی رکھنے کے لیے بھیجتی ہیں عیشال اس کے کمرے میں آ کر کھوجی جاتی ہے تب سمہان کمرے میں آتا اس کی محویت توڑتا گھڑی لے کر واپسی کے لیے قدم بڑھا دیتا ہے لیکن پھر کچھ یاد آنے پر واپس کمرے میں آتا ہے تو عیشال جہانگیر کمرے میں موجود نہیں ہوتی۔

مادر انوشا کے ساتھ اسپتال آتی ہے اور سامنے ایشان جاہ کو دیکھ کر حادثہ کا ذمہ دار اس کو قرار دیتی غصہ سے پیش آتی ہے جس پر منزہ اسے سمجھاتی ہے ایشان جاہ منزہ کو گھر چھوڑنے کی پیشکش کرتا ہے جس پر مادر ایکی انکاری ہو جاتی ہے ایشان جاہ اسپتال کا بل ادا کر دیتا ہے اور یہی بات مادر ایکی کو مزید غصہ دلا جاتی ہے منزہ کو اپنے پرس اور اس میں موجود رقم کی فکر ستاتی ہے۔

شاہ زر شمعون کے دوست شہر سے اس سے ملنے آتے ہیں اور نکاح میں شرکت نہ کرنے پر معذرت کرتے ہیں زمرد بیگم شنائیہ سے ملازمہ کو بتانے اور مہمانوں کی خاطر مدارت کرنے کا کہتی ہیں شنائیہ ملازمہ کے ساتھ مل کر مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرتی ہے جس پر شاہ زر شمعون کے دوست ناک منہ چڑھا کر حویلی سے رخصت ہو جاتے ہیں شاہ زر شمعون شنائیہ پر برہم ہوتا ہے زمین صہبا سے سمہان اور اپنے رشتے کی بات کرتی انہیں حیران کر جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁.....❁.....❁

"زمین بیٹا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" صہبا اپنی جگہ سے اُٹھ کر بے ساختہ اس کے قریب آئیں اور اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھ کر تشویش سے دیکھنے لگیں کہ کہیں [illegible]

''جب ٹھیک ہو تو ایسی دل دہلا دینے والی باتیں کیوں کر رہی ہو؟'' صہبا کچھ پریشان سی تھیں۔

''اس میں دل دہلا دینے والی بات کہاں ہے مام؟ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کی بیٹی کی پسند کتنی منفرد ہے۔ آپ نے شاید غور سے کبھی سمہان آفندی کو نہیں دیکھا، میں نے بھی پہلی بار غور سے دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ ہی از ماسٹر پیس آف دس ورلڈ۔'' نرمین کی پرورش اور تربیت ان خطوط پر ہوئی تھی کہ وہ بے باکی سے اپنی پسند ناپسند ماں پر ظاہر کر دیتی تھی۔

''اس میں تو کوئی دو رائے نہیں کہ سمہان آفندی بہت اچھا ہے لیکن کیسے؟ آئی مین تم سمجھ رہی ہو ناں میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں؟ وہاں کا لائف اسٹائل اور لوگ..... تم کیسے رہ پاؤ گی؟'' صہبا کی حیرت اور پریشانی دیدنی تھی۔

''میں نے کب کہا کہ میں گاؤں میں رہنے جا رہی ہوں؟'' نرمین اُلٹا تعجب کا اظہار کر گئی۔

''تم نے ہی کہا ناں سمہان سے شادی کرو گی؟'' صہبا الگ حیران تھیں۔

''ہاں..... تو اس سے یہ مطلب کہاں نکلتا ہے کہ شادی کے بعد میں حویلی میں جا کے رہنے لگوں گی۔ ڈیڈ بھی تو سالوں پہلے اس شہر میں آپ کے لیے آئے تھے شادی کے بعد سمہان کو یہاں ہمارے گھر آ کر رہنا ہو گا لیکن ہے تھوڑا سیلف میڈ بندہ شاید نا مانے، اس میں مجھے کوئی حرج نہیں کہ اسی سوسائٹی میں ہم الگ گھر میں رہیں۔'' نرمین اپنی طرف سے سب طے کر چکی تھی۔

''مجھے نہیں لگتا سمہان ایسا کچھ کرے گا۔ اسے گاؤں سے انسیت ہے، بچپن سے وہیں پلا بڑھا ہے۔ تمہارے ڈیڈ کو تو گاؤں سے کوئی لگاؤ نہیں، تب ہی شہر میں بسیرا ہے، ورنہ تو شاید ہم بھی وہیں رہتے۔''

''وہ آپ مجھ پہ چھوڑ دیں، سمہان کو کیسے راضی کرنا ہے یہ میرا مسئلہ ہے، آپ پہلے یہ ڈیڈ کو بتائیں تاکہ وہ داجان سے بات کریں، یہ نا ہو سمہان کو کوئی اور لے اُڑے۔'' اچانک لہجے میں کڑواہٹ آ گئی تھی۔

''تم نے تو مشکل میں ڈال دیا ہے، جانے جہانگیر کیسا ری ایکٹ کریں کہ وہ خود کب وہاں جانا پسند کرتے ہیں اور اب تم نے بیٹھے بٹھائے یہ فرمائش کر دی۔ مجھو سمہان ہو گیا تمہارا لیکن دوسرا کون لے اُڑے گا سمہان کو؟'' صہبا بیٹی کے خدشات پر سوال کر گئیں۔

''اور کون ہو سکتا ہے عیشال کے علاوہ۔'' اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''مطلب تم نے کچھ محسوس کیا؟'' صہبا کے کان کھڑے ہوئے۔

''ہاں دراصل وہ، ہر گھڑی سمہان کے آس پاس ہی نظر آئی تھی۔ بس مام مجھے سمہان آفندی چاہیے۔ ایک ایئر رنگ چھونے پر اس کی جان نکل گئی تھی، جب سمہان آفندی اس سے چھین لوں گی تب دیکھوں گی کیسے جل کے بھسم ہوتی ہے۔'' نرمین نفرت و تکبر سے بولی۔

''اگر عیشال درمیان میں سے تو سمجھو یہ معاملہ اب میری زندگی کے لیے بھی اہم بن گیا ہے۔ اس دو ٹکے کی لڑکی کی یہ اوقات کے وہ میری بیٹی کی برابری کرے۔ اب تو تم فکر ہی نا کرو، جہانگیر کو منانا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ عیشال کو جینے دوں، کم از کم یہ میرے جیتے جی تو ہو نہیں سکتا۔'' صہبا کے لہجے میں نرمین سے زیادہ کدورت و نفرت تھی۔ نرمین مطمئن تھی، جانتی تھی صہبا نے کہہ دیا تو کر کے ہی دم لیں گی۔

❁.....❁.....❁

''مجھے پوری امید ہے اگر چار چھ ماہ میں حویلی میں رہی تو میری موت واقع ہو جائے گی تم سب کس طرح رہتی ہو یہاں؟'' کالج، یونی سے آ کر وہ سب لنچ سے فارغ ہو کر ہال میں آ بیٹھی تھیں۔ وہ سب لنچ کے بعد اسی طرح مل بیٹھتی تھیں، سب کی مائیں بھی آ جاتی تھیں اور یوں دن بھر کی باتیں ایک دوسرے سے کرتے تھے۔ عیشال ڈائجسٹ پڑھنے میں مگن تھی۔ پرشکن

"جلدی سے اپنے الفاظ واپس لیں آپی ورنہ کے خدانخواستہ کچھ ہوگیا تو شائیہ آپی کا دشمن اول ویرے شاہ سے بڑھ کے کون ہے۔" سنا ہے کل ہی انہوں نے ویرے کے شہری مہمان بھگا دیے انگریزی تو اسع سے اور ویرے بہت خفا بھی ہوئے۔"

زرش ویرے سے گویا ہوئی تو شائیہ کا منہ گزشتہ واقعہ یاد کر کے نا صرف کڑوا ہو گیا بلکہ جبڑے بھی دکھنے لگے۔ اس کے وحشیانہ سلوک کے بعد تو حویلی میں ایک منٹ بھی رہنے کی روادار نہ تھی لیکن اس کے ناروا سلوک کو منظر عام پر لا کر یہاں سے نکلتی بھی تو کیسے؟ اول تو کوئی مانتا ہی نہیں اور جو مان لیتا تو شاہ زر شمعون سے پوچھتا نہیں کہ اس حرکت کی وجہ کیا ہے؟ پھر تو اسی کے بول کھلنا تھے۔ دیا سے دوری اور واپس آنے کی بات تو ہوئی لیکن وہ کچھ بتائے بنا ضد کرتی رہی کہ کچھ بھی کر کے اسے جلدی لینے آئیں یا بلوانے کا کوئی ذریعہ کریں۔ اس کے رونے سے دیا ایک دم پریشان ہو گئی تھیں۔ دلاسہ بھی دیا کہ جلدی کچھ کرتی ہیں لیکن اسے خبر تھی جب چوہدری بخت سے ذکر کریں گی تو اس کی بچکانہ حرکت جان کر وہ کچھ دن بعد کا ہی مشورہ دیں گے کہ دا جان کو ناراض نہیں کر سکتے تھے۔ غیبی امداد ملنے کی امید تو کم ہی تھی جو کرنا تھا اسے ہی کرنا تھا لیکن پہلے تو اول درجے کی بوریت کا حل نکالنا تھا۔ صبح تو لڑکیاں اپنے اپنے کالج، یونی چلی گئی تھیں اور پیچھے وہ تعلیم سے محروم بچی کی طرح ان کے ہاتھ میں کتابیں، فائل کو حسرت سے تکنے لگی۔ فائزہ اور فریال نے ان کی غیر موجودگی میں مقدور بھر کمپنی دینے کی کوشش کی تھی لیکن اتنی بڑی حویلی کے اتنے سارے کام ان کے منتظر تھے۔ زمرد بیگم بھی اشراق اور چاشت کی نماز میں مصروف ہوئیں تو وہ آن لائن خود کو مصروف کرنے کی کوشش کرنے لگی لیکن حویلی سے دل اتنا بے زار تھا کہ اسٹیٹس چھوڑ کر وہ بھاگنے کے طریقے سوچنے لگی۔ جانے کب آنکھ لگ گئی اور ابھی کھلی تو وہ ان سب کو دیکھ کر بے ساختہ دہائی دینے لگی۔

"ہیں..... کل کیا ہوا تھا مجھے بھی بتاؤ۔" یمنیٰ نے دلچسپی لی تو زرش اسے کل کا ماجرا سنانے لگی۔ وہ برا سا منہ بنا کر اس ذکر سے جان چھڑانا چاہ رہی تھی جیسے کل سے شاہ زر شمعون کو دیکھ کر یوں راستہ بدل رہی تھی جیسے کالی بلی راستہ کاٹ گئی ہو۔

"نئی جگہ نئے ماحول میں دل لگنے میں وقت لگتا ہے دیکھ لینا ایک دن آئے گا جب تم حویلی سے ایک پل بھی دور نہیں رہ سکو گی۔"

"اللہ وہ دن نہ لائے۔" نما کے سمجھانے پر وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

"آپ کتنی بے زار ہیں یہ تو آپ کے حلیے سے ہی ظاہر ہے۔ بہتر ہو ویرے آپ کی بے زاری بھانپ کر مزید روک لینے کا سامان کر لے۔"

"ایں.....!" زرش نے بظاہر مذاق میں بات کی تھی لیکن اس کے دل کو لگی۔ اسے تو زچ کرنا تھا الٹا وہ زچ نظر آ رہی تھی اور واقعی کچھ بعید نہ تھا ضد میں آ کر وہ کوئی سخت فیصلہ کر لیتا ویسے بھی رخصتی کی دھمکی دے چکا تھا۔

"بوریت تو واقعی مجھے بھی ہو رہی ہے، اتنے دن نکاح کی تیاری اور ایکسائیٹمنٹ رہی کہ اب ایک دم سے سناٹا محسوس ہو رہا ہے۔ شائیہ کا گلہ بھی بجا ہے۔ دا جان نے اسے روک تو لیا ہے لیکن اس کی بھی روٹین لائف ہے۔ یونی ہے اور یہاں ہم بھی نہیں ہوتے سارا دن بے چاری کب تک چاچی اور دی جان سے باتیں کرے۔ کیوں ناں کوئی پلان بنائیں۔" شازمہ اپنے حق میں بولتی اسے ہمیشہ سے کہیں زیادہ اچھی لگی کہ اب رشتے میں مزید اضافہ ہو گیا تھا پہلے وہ صرف دوست اور کزن تھیں، اب نند بھاوج کا رشتہ بھی قائم ہو چکا تھا لیکن سب پہلے کی طرح ہی ایک دوسرے کے نام لے رہی تھیں۔

"بھئی اگر نئی نویلی بھابی کو حویلی سے بھگانے کی کوئی مہم ہے تو مجھ سے کوئی امید نہیں رکھنا۔" یمنیٰ نے ہری جھنڈی دکھائی۔

"لکھ دی لعنت تمہاری سوچ پر۔" شازمہ اسے لعنت ملامت کر کے سب کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کہیں آؤٹنگ کا پلان بناتے ہیں اور بہانہ بھی سالڈ ہے کہ ہماری بھابی بیگم حویلی میں بور ہو رہی ہیں اور انہیں گاؤں کی

سمہان آفندی سیل فون کان سے لگائے اترتا نظر آرہا تھا ساتھ ہی کسی سے بات کر رہا تھا لیکن سب کی سن رہی تھی۔ استفسار پہ ہاتھ اٹھا کر
"اجازت مل جائے تو شیور۔" وہ ان سب کی باتوں سے بظاہر لاتعلق تھی لیکن سب کی سن رہی تھی۔ استفسار پہ ہاتھ اٹھا کر
پھر سے ڈائجسٹ میں گم ہوگئی۔
"سمہان....." وہ حویلی کے باغ کی طرف مڑ رہا تھا جب عدا نے آواز لگائی۔
"جی کہیں کیسے یاد کیا؟" وہ عدا سے چھوٹا ہی تھا لیکن آپی باجی کے تکلف سے دور جی جناب سے ہی بات کرتا تھا یہی حال
شنائیہ کے ساتھ بھی تھا۔ اب بھی اس کی پکار پہ مسکراتا ہوا اس تک آیا تھا۔
"تمہاری مدد کی سخت ضرورت ہے، امید ہے مایوس نہیں کرو گے۔"
"امید ہے جان تو نہیں مانگیں گی، اس کے علاوہ جو حکم کریں گی بجالانے کی پوری کوشش کروں گا۔" اس کے مسکراتے
جواب پر عیشال نے ترچھی نظر سے دیکھا۔
"ہونہہ جان کے لالے پڑے ہیں انہیں اور ہمیں اس جان کی ہی قدر نہیں خود پرست انسان۔" وہ منہ بنا گئی اور یہ منہ اس
کے انداز سے زیادہ بنا تھا۔
"ہر گھڑی نوتھ پیسٹ کا اشتہار..... جس دن دانت جھڑ گئے تب دیکھوں گی مسکرا مسکرا کر ہر ایک کو..... میں آپ کی کیا
خدمت کر سکتا ہوں؟ کیسے کہتا ہے۔ ہیرو بننے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔" وہ کچھ زیادہ ہی جلی بیٹھی تھی۔ یام
حالات ہوتے تو شاید اتنا نہیں بگڑتی۔ جتنا شنائیہ کی موجودگی میں اس کی دل لگی جھلسا گئی تھی۔ ڈائجسٹ سے توجہ ہٹ چکی تھی
لیکن پھر بھی سر دیے بیٹھی رہی۔
"تمہاری جان لے کر کیوں کسی کو بے جان کرنے لگے ہم اس بیچاری کا کیا قصور جو خواب دیکھ رہی ہے کہ تم اس کے لیے
گھوڑی چڑھ کے آؤ گے۔" عدا کے چھیڑنے پہ وہ بے ساختہ لبوں پہ ہاتھ رکھ گیا۔
"اوہ..... سو کیوٹ، ہی از بلشنگ۔" شنائیہ کے لیے بڑا دلچسپ منظر تھا، اس روپ میں اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ بہت
محظوظ ہوئی۔ اس کے شور کرنے پر عیشال نے پہلے ایک کڑی نظر اس پہ بعد میں سمہان پر ڈالی۔
"آپ لوگ کیوں مجھے احتساب عدالت کی طرف دھکیلنے پہ تلی ہوئی ہیں۔ جس کام کے لیے روکا ہے وہ بتائیں یہ نا ہو آپ
لوگوں کی دکھائی گئی راہ کی آس میں، میں خوش فہمی میں مارا جاؤں۔ مجھ بے چارے پہ رحم کریں۔ آپ سب کی باتوں سے خوش فہم
ہو گیا تو گزارا مشکل ہو جائے گا۔ اتنی سیدھی سادھی لڑکیاں آج کل ملتی کب ہیں۔" اسے دزدیدہ نظروں سے دیکھتے وہ بھی رنگ
بدل گیا۔ بے توجہی بھانپ گیا تھا۔ لڑکیاں کھی کھی کرنے لگیں۔
"اُف....." عیشال کا جی چاہا سامنے دیوار پہ سر مار لے۔
"قصہ مختصر یہ کہ تمہارے آنے سے پہلے ہم خاصا بور لیل کر رہے تھے اس لیے تمہیں یاد کیا کہ تم داجان سے اجازت دلواؤ
سب بھی کے پہاڑ کی طرف جانا چاہ رہے ہیں۔" ہنسی روکتے عدا اصل بات کی طرف آئی۔
"انکار کرنے سے پہلے سوچ لینا کہ تمہاری قائدانہ صلاحیت کو مدنظر رکھ کر اس ٹاسک کے لیے تمہارا انتخاب کیا گیا ہے کہ
ہی بھی سنو گے اور داجان سے اجازت بھی دلواؤ گے..... ویرے سے کہنے کی تو ہمت نہیں۔" ندا فراخدلی سے تعریف کر گئی۔
"ہونہہ..... ایسا جنگلی، وحشی ہے کہ اپنی بہن بھی بات کرتے ہوئے ڈرتی ہے اور ایک یہ سمہان ہے۔" شنائیہ سوچ کے رہ

"آپ سب کا مسئلہ ہے؟" وہ طائرانہ نگاہ ڈال کر اس پہ چند ساعت کے لیے نظر جما گیا۔
"ہاں سب ہی جاننا چاہتے ہیں۔" شنائیہ نے ابرو اچکا کر کہا۔

...خوف کو بہت جلد اور ... دیتے وہ پلٹ گیا لڑکیاں کو گمو کی کیفیت میں چھوڑ رہیں۔
"...ہیلا... جلد اس سے بول کر وقت دیتے وہ پلٹ گیا لڑکیاں کو گمو کی کیفیت میں چھوڑ رہیں۔
"...گا... کسی دن منہ کے بل ہی گرے گا۔" وہ جلبلا کے زرش کو سنا گئی۔
"...ور کا کنفیڈنٹ ہے تمہارا ویر..... کسی دن منہ کے بل ہی گرے گا۔" وہ جلبلا کے زرش کو سنا گئی۔
"...ور کے دشمن۔" زرش نے دہل کے کہا۔
"...گریں میرے ویر کے دشمن۔" یمنی شش و پنج میں بولی۔
"...ہیشہ دیں یا تیاری پکڑیں۔" عیشال نے پیر پسارے۔
"...بیٹھی رہو آرام سے۔ خود ہی آ کے ناکامی کی داستان سنا دے گا۔" عیشال نے پیر پسارے۔
"...آپ سب تیار نہیں ہو رہیں.....؟ صرف پندرہ منٹ ہیں آپ سب کے پاس میں گاڑی کا فیول چیک کرنے جا رہا
ہوں۔" وہ آیا تو سب تیار ہونے بھاگیں۔ عیشال بھی حیران ہو کر اٹھی تب تک سب نکل چکی تھیں۔
"کون سی پٹی پڑھائی داجان کو؟" وہ مشکوک ہوئی۔
"چودہ منٹ سوا، جواب میں وقت نا گنواؤ اور آفر سے فائدہ اٹھاؤ۔ ٹھیک تیرہ منٹ کے بعد ہارن دوں گا، لیٹ ہونے
والے کا انتظار نہیں کروں گا۔" کلائی میں بندھی گھڑی اس کے سامنے لہرائی۔
"تمہارے تو اچھے بھی انتظار کریں گے میرا۔" وہ تڑخ کر کہتی جانے لگی۔ اس کے لب مسکرا دیے۔
"سنو۔۔۔"
"اونچی سینڈل نا پہننا، میں نہیں چاہتا میرے دشمن منہ کے بل گریں۔" وہ لب دبا گیا۔
"شٹ اپ....." وہ بھی دھیمے سے غرا کے مسکرانے پہ مجبور ہو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

منزہ جب سے ہسپتال سے لوٹی تھیں انہیں چپ سی لگ گئی تھی۔ ایشان جاہ نے گھر چھوڑنے پہ بہت اصرار کیا تھا لیکن منزہ کا
انکار اقرار میں نہیں بدلا تھا۔ مادرا کے تیور بھی قابل دید تھے۔ ایشان جاہ کا شریفانہ رویہ اس کے لیے ناقابل برداشت تھا لیکن
منزہ کی موجودگی میں وہ کچھ کہنے سے قاصر تھی۔ اس سارے معاملے میں انوشا بالکل خاموش تھی۔
مادرا اور اس کے بیچ ایشان جاہ کے حوالے سے اتنی باتیں ہو چکی تھیں کہ اسے اس کے انداز پہ بے حد حیرت ہو رہی تھی۔
کہاں تو وہ اسے بے حد مغرور اور بدتمیز شخص سمجھتی تھی اور کہاں مادرا کے کڑوے اور تلخ لہجے کے جواب میں بھی اس کے ماتھے پہ
شکن تک نا آئی تھی وہ انہیں گھر تک چھوڑنے پہ کمربستہ تھا لیکن منزہ کے انکار کے بعد اس نے نا صرف آٹو بھی خود ہی کروا کے
دیا بلکہ خاموشی سے کرایہ بھی ادا کر دیا، جس کی خبر انہیں گھر پہنچ کر ہوئی جب ڈرائیور نے کرایہ لینے سے انکار کرنے کے بعد
حقیقت بتائی تھی۔ مادرا ڈرائیور پہ بگڑنے لگی تھی لیکن منزہ خاموشی سے گھر کے اندر چلی گئی تھیں۔
"یہ شخص آخر چاہتا کیا ہے، اماں نا ہوتیں تو آج اس کی وہ عزت افزائی ہوتی کہ ساری زندگی یاد رکھتا۔ جانے کیوں ڈرامہ
کر رہا ہے۔ باپ دادا سے بٹانے کے لیے پیشکش کر رہا ہے اور یہ خود ہیرو بن رہے ہیں۔" چادر اتار کر پلنگ پہ پھینکتے مادرا آواز دبا
کر غصہ میں بولی تھی۔ ایشان جاہ کی صورت دیکھ کر ایک بار پھر منزہ کی لگائی پابندی بڑی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔ اس کی
کامیابی کی راہ میں وہ ایسا خاردار کا ٹا بن کر ابھرا تھا کہ وہ کسی صورت اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی۔ کجا کہ وہ ہمدردی کا
چغہ پہن کر سامنے آ کر اچھائی اور انسانیت کا پاٹ پڑھا رہا تھا۔
"کی تو چاور رہا تھا اس بہروپیے کا منہ ہی نوچ لوں۔" وہ سخت جلبلائی۔ انوشا نے خاموشی سے پانی کا گلاس اس کی طرف
بڑھایا۔
"...فی الحال اپنی زبان خراب کرنے کا ارادہ ہے یا وہ سننے کے موڈ میں ہیں؟"

طبی امداد ملی بلکہ ایشان جاہ کی پرشناسی نے بالآخر ان سے واقف ہو۔ اس وقت ایشان جاہ نے انسانیت کا پورا حق ادا کیا، اماں متاثرہ لوگوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے تم بھی اس سے واقف ہو۔ اس وقت ایشان جاہ نے انسانیت کا پورا حق ادا کیا، اماں کے لیے پرائیویٹ ہاسپٹل میں اپنا وقت برباد کیا۔ جب کہ اسے یہ تک پتا نہیں تھا کہ وہ تمہاری اماں ہیں پھر اس کے قتل کرنا سراہنا زیادتی ہوگی کیونکہ اس نے کسی واہ واہ کے لیے یہ سب نہیں کیا پھر کیسے بہروپیا ثابت ہوا۔" انوشا نرمی سے حقیقت بیان کرگئی، مادرا پھر بھی معترف نا ہوئی۔

"تم جو بھی کہو، مگر میں اسے کبھی بھی پلس پوائنٹ دینے کو تیار نہیں ہوں۔" وہ نخوت سے کہہ گئی۔

"او کے بابا دو تمہارا غصہ اور بگڑنا بھی اپنی جگہ بجا ہے، لیکن جانے کیوں مجھے لگ رہا ہے وہ دل کا برا نہیں، بس تم لوگوں کی غلط فہمی ہے۔" انوشا کو جیسے افسوس ہوا۔

"ہاں دل کا برا نہیں ہے، اس کے ہائی پروفائل والد محترم کو خواب میں الہام ہوا تھا کہ ان کے جانشین کو مادرا نام کی لڑکی تکلیف پہنچا رہی ہے اور وہ نیند سے بیدار ہوتے ہی مجھے دھمکانے آگئے جتنا بڑا نام اتنے چھوٹے کام اور اسی کی پاداش میں اماں نے مجھ پہ یونی کے دروازے بند کرا دیے۔ تم کیا، کوئی بھی اس کی لاکھ تعریف کرے لیکن میں قیامت تک ان باپ بیٹے کو معاف نہیں کروں گی جس کی وجہ سے میرا برسوں پرانا خواب مٹی میں مل گیا۔" جوش سے کہتے آخر میں لہجہ گلوگیر ہوگیا انوشا کو بھی احساس تھا تب ہی جواب میں کچھ نہیں بولی۔

"انوشا..... مادرا۔" منزہ کی کمزوری آواز سنائی دی۔

"اماں بلا رہی ہیں، انہیں کچھ کھلا کر دوا بھی دینی ہے۔ اس سارے قصے میں ہم نے بھی صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ چلو پہلے اماں کی سن لیں۔" انوشا نے جلدی سے اُٹھتے اسے بھی اس فیز سے نکالنے کی سعی کی وہ بھی ماں کا احساس کر کے اٹھ گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

"شنائیہ..... جلدی آؤ۔" اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر شازمہ جلدی آنے کے لیے آواز لگا کر تیزی سے چلی گئی تھی۔ وہ جلدی جلدی بالوں میں برش پھیر کر کمرے سے نکلی اور اچانک سامنے سے آنے والے شاہ زر شمعون سے ٹکراتے ہوئے بچی۔

"یہ حویلی ہے کوئی ریس کورس نہیں، حویلی میں رہنے کے آداب آپ کو گوگل سے نہیں ملیں گے، بہتر ہے بڑوں کے پاس بیٹھ کر مشرقی لڑکی بننے کے اصول سیکھیں۔" اس مدبھیڑ پہ وہ کڑوے کسیلے لہجے میں گویا ہوا۔ شنائیہ کے چہرے کے زاویے بگڑنے لگے لیکن اس نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور ایک طرف سے نکلنے لگی۔

"ایک منٹ۔" اس کے گریز نے غالباً اچھا اثر نہیں چھوڑا تھا۔ تب ہی وہ اس کے روبرو آ کر راہ میں حائل ہوگیا۔

"تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ اس حلیے میں تفریح کے لیے جاؤ گی۔" بلیک جینز، شارٹ ٹاپ اور گلے میں موجود مختصر سے اسکارف کو گرہ لگا کر گلے میں ڈالے وہ اسے متعجب کر گئی۔

"تفریح کے لیے عبایا پہن کر جاؤں؟" وہ سخت جھلائی۔

"کیوں تفریح کے وقت عورت کو پردے کے حکم سے استثنا حاصل ہے؟" جواباً وہ اس سے زیادہ کڑوے لہجے میں گویا ہوا۔

"حویلی تو درکنار اب اپنے شہر میں بھی آپ اس حلیے میں گھومیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"آپ سے برا کوئی ہوگا بھی نہیں..... آئی ایم شیور۔" اس کے حاکمانہ انداز پہ وہ تنک گئی۔

"زبان دراز عورتیں مجھے قطعاً پسند نہیں۔" وہ اس جواب پہ گھور کے رہ گیا۔

"سوال مت کریں، جواب نہیں آئے گا۔" انداز پُرسکون تھا۔ "شرافت سے اندر جائیں اور کوئی ڈھنگ کا لباس پہن کر چادر لے کر آئیں۔" حکم صادر ہوا۔

"اور جو حکم ماننے سے انکار کر

ہے۔ اور چچی جان کی الگ کلاس لگے انہوں نے کس طرز پہ آپ کی پرورش کی ہے۔" اس نے اتنے آرام سے
فیہا ہو چچی جان کی خفگی کی کہ وہ دانت پیس کے رہ گئی۔
جانے خاص کچھ نہیں کریں گے۔"
"آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔"
"اس بات میں بھی نہیں چاہتا، بڑوں کی تربیت پہ انگلی آپ اٹھوا رہی ہیں۔" اس کی عیاری پہ وہ کئی ثانیے گھورتی رہ گئی۔ دیا اور
بات جاتی تو الٹا اسی کی شامت آجاتی کہ وہ ایسے کپڑے لے کر ہی کیوں گئی۔
"بہتر ہے جا کے کمرے میں آرام کریں۔ تفریح کوئی اتنی ضروری بھی نہیں آپ کے لیے۔" اس کی باتوں سے چراغ پا
ہو کے وہ جو واپسی جانے کا سوچ رہی تھی۔ منع کرنے پہ انا کا مسئلہ بنا گئی۔
"جانا تو میں نے لازمی ہے۔" اسے گھور کے واپس اندر چلی گئی اور جب چند لمحوں بعد بلیک اور فان کلر کے مشرقی لباس
میں شنون کا دوپٹا لیے آئی تو شاہ کو سمہان سے باتیں کرتے دیکھ کر جانے کیوں جھنجلائی۔
"آؤ شنائیہ۔" نما نے آواز دی تو وہ اس سمت چلی گئی۔
"چادر نہیں لی تم نے؟" فریال کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے کر آئی تھیں، اسے دوپٹے میں دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔
"چاچی۔ میرے پاس چادر نہیں ہے۔ نما لے کر تو آئی تھیں، شاید غلطی سے ساتھ لے گئیں۔" وہ کچھ شرمندہ سی ہوئی۔
شہر میں تو دوپٹے میں ہی گھومتی تھی لیکن یہاں سب کو چادر لپیٹے دیکھ کر کچھ عجیب سا محسوس ہوا، پہلے شاہ کا ٹوکنا پھر فریال کا
استفسار پھر اسوال کچھ شرمندہ سا کر گیا۔
"کسی کی بات ہے کہہ دینا تھا ناں چندا۔ یہاں تو کافی چادریں ہیں رکو میں اندر سے بھجواتی ہوں کسی کے ہاتھ۔" فریال
نرمی سے اس کا رخسار چھو کر پلٹیں۔ وہ سامنے ہی تو کھڑا تھا۔ اس کے لہجے کی شرمندگی محسوس کر کے یا پھر دیر ہونے کا احساس
کر کے اپنے کاندھے پر موجود براؤن چادر کو اتار کر اس نے گاڑی میں بیٹھنے کے لیے جھکی شنائیہ کے شانے پہ ڈال دی تھی۔ اس
کی حرکت اتنی بے اختیاری تھی کہ سمہان تو کھانس کے رہ گیا، نما سمیت باقی سب نے یہ منظر دیکھا تو اپنی ہنسی دبا کر ایک
دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرنے لگے تھے۔
"بھائی۔ پہلے بتانا تھا کہ یہ بردی کی چادر لینے کا بہانہ چاہیے تھا۔" وہ چھیڑے بنا نا رہ سکا۔
"نما۔ اندر سے چادر بھیجنے کی زحمت کرنے کی بجائے اپنی بہو کے لیے سنبھال کے رکھ لیں۔" اس کی اونچی آواز پہ
فریال مسکرا کے چل دیں۔
"لگتا بھی ہے یا نہیں۔" شاہ زر شمعون اس کے بازو پہ دھپ رسید کر گیا۔
"جو حکم سرکار۔" وہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا اور شاہ ڈرائیونگ سیٹ پہ آ بیٹھا تو اس پہ کھلا کہ آدھی لڑکیاں سمہان کی گاڑی میں
موجود ہیں اور اسے بھی یقیناً سمہان نے ہی تیار کیا ہوگا۔ وہ خود کو مرر میں دیکھنے لگی خاصہ اسٹیکٹ لک تھا۔ جو آج سے پہلے نہیں
کیا تھا۔ وہ خود کو دیکھنے میں اس طرح مصروف تھی کہ کافی دیر بعد احساس ہوا کہ اس کی اُچٹتی نگاہ بھی مرر پہ پڑ رہی ہے۔ چادر سے
اٹھتی اس کی مخصوص مہک اور مرر پہ جتاتی نظریں اس کا حلق تک کڑوا کر گئیں۔ نا چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے انداز سے جل کر
خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی اور یہ اسے اپنی ہار لگ رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

چوہدری بخت لمبی چھٹی کے بعد ہاسپٹل آئے تو گھنٹوں انہیں سر کھجانے کی فرصت نا ملی۔ شام تک مصروفیت کا یہ عالم رہا کہ
کسی نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ اب جو فراغت ملی تو چاہیے کہ ہاتھ اسٹیکس منگوا کر کھانے کے بعد انہوں نے فریال کو

ضروری اپائنٹس ہیں جو کل کی ہیں۔ میں نے آپ
کی واپسی کے لیے کال کر کے پوچھتی رہیں اور ان کی ہدایت تھی کہ آپ جیسے ہی تشریف لائیں انہیں اطلاع دی جائے، انہوں
سے بس آج ہی کال نہیں آئی ان کی۔" پی اے پیشہ وارانہ انداز میں دیگر مریضوں کے احوال کے ساتھ مادرا کے بارے میں بھی
تایا گیا تھا۔

"اگر کوئی ایمرجنسی تھی تو آپ انہیں ڈاکٹر راحیل یا ڈاکٹر جنید کے پاس بھیج دیتے۔" چوہدری بخت کو تشویش ہوئی۔

"سر میں نے کوشش کی تھی لیکن محترمہ کا اصرار تھا کہ وہ آپ کو ہی دکھائیں گی۔" پی اے نے کہا۔

"اگر آپ کے پاس ان کا نمبر ہے تو آپ انہیں کال کر کے میری آمد سے باخبر کر دیں۔"

"بہتر سر۔" وہ مؤدب انداز میں سر ہلا کر مادرا کو کال ملانے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁

"فری ہیں، ایک ضروری بات کرنی تھی۔" صبیحا کمرے میں آئیں تو چوہدری جہانگیر کو جاگتے پا کر بر اجمان ہوئیں۔ وہ
نیند سے بیدار ہو کر فریش ہو چکے تھے۔ ملازم کو چائے کے لیے انٹر کام بھی کر چکے تھے تب ہی صبیحا سے پہلے چائے آ گئی تھی۔

"کیا بات ہے کہو۔" چائے کے سپ لیتے انہوں نے دوسرے ہاتھ میں موجود ریموٹ سے چینل چینج کیا۔

"بچوں کی شادی کے متعلق آپ نے کیا سوچا ہے، کب تک کرنی ہے؟" صبیحا بات شروع کرنے سے پہلے ان کا مائنڈ لیے
چاہ رہی تھیں۔

"شاہ اور شنائیہ کا نکاح ہو گیا' آغاز تو سمجھو ہو ہی گیا ہے خاندان میں شادی کا، ہمارے بچوں کی باری بھی آ ہی جائے گی۔
ایشان نے انشراح کے لیے منع کر دیا، اگر ہاں کرتا تو ممکن ہے میں پہلے اسی کی کر دیتا، باری کا انتظار بھی نہیں کرتا۔"

"باری کو تو آپ رہنے دیں، حویلی کے اتنے سارے لوگوں میں جانے کب میرے بچوں کا نمبر آئے۔" حویلی کے ذکر پر
صبیحا کا حلق کڑوا ہونے لگا لیکن چونکہ بات بھی حویلی کے حوالے سے کرنی تھی تو حتی الامکان لہجہ نرم رکھا۔

"تمہاری نظر میں کوئی معقول رشتہ ہے تو میں باری کا بھی انتظار نہیں کروں گا۔" چوہدری جہانگیر کے انداز سے انہیں حوصلہ
ملا۔

"ہاں معقول تو ہے اور ریجیکٹ کرنے کا کوئی جواز بھی نہیں دونوں طرف سے۔" صبیحا کی دلیل پہ وہ آرام سے چائے ختم
کر کے اب سگریٹ سلگانے لگے تھے۔

"ایشان کے لیے کون لوگ ہیں؟ کہیں بھی بات کرنے سے پہلے تسلی کر لینا، میں اپنے بچوں کی پسند کو اولیت دوں گا۔"
چوہدری جہانگیر آئیڈیل باپ تھے لیکن صرف ایشان جاہ اور نرمین کے لیے۔

"آپ فکر ہی نا کریں، میں کب اپنے بچوں کے خلاف جاتی ہوں، ایسا ہوتا تو انشراح کے لیے زور دیتی، جس کی وجہ سے
آج بہن کا منہ بن گیا ہے۔" صبیحا کا حوالہ معقول تھا۔ چوہدری جہانگیر سر ہلانے لگے۔

"اور ایشان کے لیے نہیں میں نرمین کے لیے بات کرنے آئی تھی۔ نرمین کے لیے آپ کا بھتیجا سمہان کیسا رہے گا؟"
صبیحا سوال کر کے ان کا چہرہ تکنے لگیں۔

"نرمین کی خواہش ہے یا تمہاری؟ تمہیں تو گاؤں ذرا بھی پسند نہیں....." چوہدری جہانگیر کے چہرے پہ اک لمحے کے لیے
گرانی سوال بن کے ابھری تھی۔

"خواہش تو نرمین کی ہے..... رہی پسند ناپسند کی بات تو آپ کو بھی تو گاؤں میں رہنا پسند نہیں، جو آپ کو پسند ہوتا تو شاید
میری پسند بھی بدل جاتی۔" کمال چالاکی سے وفا دکھائیں، وہ ذرا سا مسکرا دیے۔

"آپ کی کیا رائے ہے سمہان اور نرمین کے لیے؟" صبیحا اصل بات کی طرف آئیں۔

"اچھی رائے ہے، سمہان قابل لڑکا ہے پھر بھتیجا بھی

ہم بے قرار ہوا جاتا
بھی خوش نظر آرہے تھے۔
اور ساتھ ہی اچھا سا بنگلہ دیکھنا شروع کردیں جو ہم نرمین کو جہیز میں دیں گے، جہاں نرمین اور سبحان شادی کے بعد رہیں
سب سے ملے کیے بیٹھی تھیں چودھری جہانگیر بھی سر اثبات میں ہلانے لگے۔ دور سے نرمین
"میرا اپنی طرف
کے پیرے کی خوشی دیدنی تھی۔

❁.....❁.....❁

"مادرا کہاں ہے؟" انوشا کو آتے دیکھ کر منزہ نے نحیف آواز میں دریافت کیا۔
"کوئی کال سن رہی ہے آجائے گی آپ کھانا کھائیں پھر دوا بھی دوں گی۔" انوشا کھچڑی نکال لائی تھی۔ جس کی طرف
منزہ نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔
"تم دونوں کھالو، پریشان رہی ہوگی سارا دن۔" انہیں اچھی طرح یاد تھا گھر میں سبزی نہیں تھی وہی لینے گئی تھیں۔
"انوشا بہت خوشی کی خبر ہے۔" مادرا تیزی سے بولتی کمرے میں داخل ہوئی۔
"ڈاکٹر بخت چھٹیوں سے واپس آگئے ہیں۔ ان کے پی اے کی کال آئی تھی۔" اس کے تمتمائے چہرے کو دیکھتے انوشا جواباً
خوشی کا اظہار کررہی تھی گو کہ اسے بیماری کی اصل نوعیت کا پتا نہیں تھا لیکن منزہ کی گرتی صحت اس کے لیے سوالیہ نشان تھی۔ مادرا
کی کوشش ہی سلسلے کی کڑی لگی تھی۔ البتہ چودھری بخت کا نام سن کر منزہ کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرایا تھا۔
"ہاں ہم کل ہاسپٹل جائیں گے۔" مادرا ان کی طرف متوجہ ہوئی۔
"انوشا کی شادی تک میں کہیں نہیں جانے والی، مبادا ڈاکٹر ایڈمٹ کرلے پھر تو ہوگئی میری بچی کی شادی، مادرا تم بھی
ہوش و حواس کھو کر باتیں لاتی ہو۔" ناگواری کو انہوں نے اس طرح اپنے لہجے میں سمویا کہ ایک پل کو مادرا بھی چپ رہ گئی۔
"آپ کا علاج شادی سے زیادہ ضروری ہے اماں۔" انوشا نے لب کشائی کی۔
"ہم بتادیں گے ڈاکٹر کو کہ ہمارے گھر میں شادی ہے اور پھر ابھی تو صرف چیک اپ کے لیے جانا ہے۔" مادرا نے بات
آگے بڑھائی۔
"زیادہ اماں بننے کی ضرورت نہیں ہے، کل سے تم لوگ شاپنگ شروع کرو۔ میں بھی ڈیکوریشن اور پکوان والے کو پیسے
دے آؤں گی۔ انوشا کا جو دل ہو اپنی پسند سے لے لے گی۔" منزہ نے حتمی لہجے میں کہا تو دونوں چپ ہوگئیں کہ ماں سے بحث
کی تو عادت نہیں تھی۔ انوشا کے سامنے وہ زیادہ اصرار بھی نہیں کرسکتی تھی اس لیے کل کا کام اس نے کل پہ چھوڑ دیا جب انوشا
اسکول چلی جاتی تو وہ آرام سے بات کرسکتی تھی۔
"تم دونوں اپنا کھانا بھی نکال لاؤ، مل کر کھالیں گے پھر جلدی سونے کی کوشش کرنا، صبح دونوں کو اسکول اور یونیورسٹی بھی جانا
ہے اور آکر شاپنگ پر بھی تھک جاؤ گی، بہتر ہے آرام کرلو۔"
"میں نے کہاں جانا ہے اماں..... آرام ہی آرام ہے۔" مادرا مجروح مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی۔
"تم صبح سے یونیورسٹی جارہی ہو کھانا کھا کر صبح کی تیاری کرلو۔" منزہ کی بات پہ دونوں حیران رہ گئیں۔ اس کا پلٹ پہ وہ
بولنا حیران ہونا کم تھا۔ کیا ان کے اس فیصلے کی وجہ ایشان جاوید تھا؟ اس سے مڈبھیڑ کے بعد ہی تو انہوں نے فیصلے پہ نظر ثانی کی
تھی۔

❁.....❁.....❁

سبحان نے شاہ زر شمعون کو بھی تیار کرلیا تھا لڑکیاں زیادہ تھیں اس لیے ایک گاڑی میں آنا ممکن نہیں تھا۔ سب نے فریال

"صاف منع کر دیتے کہ نہیں لے جا سکتے آؤٹنگ پہ یوں ملک الموت کو پیچھے لگا دیا۔" گاڑی سے اترتے شائستہ چڑھی سنانا نہیں بھولی تھی۔

"اتنی بے دلی..... بھائی میں نے تو اس لیے ویرے کو راضی کیا کہ نکاح کے بعد آپ کو کمپنی ملے گی۔" وہ شرارت سے ہنسا گیا تو شائستہ منہ بسور کے چلی گئی۔ میشال جہانگیر نے اس منظر کو بغور دیکھا تھا۔

سمہان نے شاہ زر شمعون کو چلنے کو کہا تو پہلے پہل انکار کے ساتھ اس نے لڑکیوں کے جانے پر بھی پابندی لگانا چاہی لیکن مقابل سمہان آفندی تھا جو لڑکیوں کو زبان دے چکا تھا۔ آخر وہ بھی راضی ہو گیا۔ حویلی پہ جس طرح تاک تاک کے حملے ہو رہے تھے اس پہ ضروری تھا کہ وہ چوکنے رہتے۔ سمہان آفندی کی صلاحیتوں پر تو بھروسہ تھا لیکن حویلی کی ساری لڑکیاں جا رہی تھیں تو پردے کے خیال سے سمہان نے محافظوں کو منع کر دیا تھا اور حقیقت جان کر شاہ زر شمعون نے ساتھ چلنے کی حامی بھری تھی۔ جانتا تھا محافظوں کی طرح اس کے سامنے بھی سب ریزرو ہی رہیں گی لیکن وہ سمہان آفندی کو اکیلے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ یوں بھی بی بی کے پہاڑ کچھ اچھی شہرت نہیں رکھتے تھے۔ وہاں کے رہائشیوں کا ماننا تھا کہ پہاڑ کے اس طرف ڈاکوؤں کا بسیرا تھا۔ بارش کے بعد ڈھلان کے گرد و نواح میں جا پانی جھیل کا منظر پیش کرتا اس پہاڑ کی خوب صورتی بڑھا دیتا۔

حسن اتفاق سے شاہ زر شمعون کے کچھ دوست مل گئے تو وہ ان کی طرف چلا گیا، لڑکیوں نے بھی کھل کے سانس لی اور ہنسی مذاق کرنے لگیں۔ سب کے ساتھ وہ آ تو گئی تھی لیکن عجیب بے زاری چھائی ہوئی تھی۔ وہ ان سب کو چھوڑ کر آگے بڑھ آئی تھی۔

"آگے کہاں جا رہی ہو، ساری لڑکیاں ساتھ ہیں، یہیں انجوائے کرو۔" سمہان نے دیکھا تو چند قدموں میں ہی اسے جا لیا۔

"تم انجوائے کرو۔" میشال سر جھٹک کے آگے ہی آگے چلنے لگی۔ نتیجتاً سمہان آفندی تقلید کرنے پہ مجبور تھا لیکن باقی لڑکیوں پہ نظر رکھنا بھی ضروری تھا سو وہ اُلٹے قدموں چلتا اس کے ہم قدم ہونے کے ساتھ سب پہ برابر نظر رکھے ہوئے تھا۔

"سر کے بل جب اس پہاڑ سے نیچے گرو گے تب ہاسپٹل میں ہی آنکھ کھلے گی۔" اس کی لاپروائی پہ شدید غصہ آنے لگا۔

"مجبور بھی تو تم کر رہی ہو..... سکون سے سب کے ساتھ بیٹھو لیکن نا جی تمہیں تو ہر جگہ ایڈونچر اینٹ کی مسجد بنانے کی عادت ہے ناں..... بس ایموشنل اٹینشن چاہیے ہوتی ہے ہر گھڑی۔ جہاں ذرا سی چوک ہو جائے دماغ ہی نہیں ملتے۔ ہر دو منٹ بعد تو تمہارا منہ بن جاتا ہے۔ تم سے شادی کرنے والا سوچ سوچ کے پاگل ہو جائے گا کہ اب میں نے ملکہ عالیہ کی شان میں کون سی گستاخی کر دی جو چہرے کا جغرافیہ بگڑا۔" اس کی اُلٹی چال کو نظر میں رکھتے وہ فصیح گفتگو پہ گھور کے رہ گئی۔

"تمہیں میری فکر میں ڈبلا ہونے کی ضرورت نہیں اپنے کام سے کام رکھو۔" وہ بگڑی نظر بے اختیار اس کے بلیو جینز میں موجود پسٹل پہ پڑی جو جھلک دکھا گئی تھی۔ سمہان آفندی کو اس سے ایسی امید نہیں تھی تب ہی اس کے کٹیلے لہجے پہ ہنس کر وہ مسلسل لڑکیوں پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ شاہ زر شمعون دور تھا اور اس کی بے توجہی کا فائدہ اس نے اُٹھا کر پسٹل نکال لیا۔

"چل جائے گی۔" فوراً لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن وہ ہاتھ دور کر گئی۔

"یہ ہر گھڑی پسٹل لیے کیوں چلتے ہو؟" قدم رک گئے۔ وہ حیرت سے سوال کر رہی تھی۔

"حفاظت کے لیے رکھنا پڑتی ہے۔" اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا مگر وہ پھر پیچھے کر کے اس کا معائنہ کرنے لگی۔

"میشال..... بچوں والی حرکتیں مت کرو لوڈڈ ہے چل جائے گی۔" وہ تشویش بھری نظروں سے اس کے ہاتھ میں پسٹل کو دیکھ رہا تھا کچھ بعید نا تھا خود کو ہی نقصان پہنچا لیتی۔

"کیوں خطرہ مول لیتی ہو واپس کرو۔" وہ اب سرزنش کرنے لگا۔

"اور جو اس کی ضرورت

ہوئے اس نے پستول بھی پھر رکھ دیا تھا۔

"کیوں ارادہ بدل گیا؟" جھک کر پستول اُٹھا کر جینز میں اڑستے ہوئے وہ شرارت کرنے سے باز نہیں آیا۔ وہ ان سُنی کیے ادھر اُدھر نظر ڈال رہی تھی۔

وہ اونچی خاصی اُونچائی پہ موجود تھے اور پاؤں پھسلنے کی صورت میں جانی نقصان بھی اُٹھا سکتے تھے۔ وہ گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک نظر ہنستی کھلکھلاتی لڑکیوں پر بھی ڈالی۔ سب تفریح کر رہی تھیں، سیلفی بنا رہی تھیں۔ ایک وہی بیزار بیٹھی تھی۔ کبھی کبھی اس پہ شدید جھنجلاہٹ کا دورہ پڑتا تھا اور اس جھنجلاہٹ کا اکثر شکار سمہان آفندی ہی ہوتا تھا۔ سمہان آفندی حتی الامکان کوشش کرتی تھی کہ اس پہ قنوطیت کا دورہ کم سے کم پڑے یا نہ ہی پڑے۔

"اس اداسی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟"

"نہیں۔" اگلے ہی پل بے بختی سے جواب آیا۔ لہجہ کسی قدر گلوگیر تھا۔ وہ اندر سے اس قدر تنہا تھی کہ جب کبھی اس اکیلے پن کا شدت سے احساس ہوتا تو اپنا آپ بے جان شے سے کم نہیں لگتا تھا۔ کوئی نہیں تھا اپنا جو اپنے وجود کا احساس بخش کر اس اکیلے پن کے کرب سے نجات دلاتا' نہ محبت کے دو بول اس کے حصے میں آتے تھے، نہ ہی کوئی محبت بھرا لمس' محبت سب جتاتے تھے لیکن اس کے اندرون، ماہ و سال کا اتنا درد تھا کہ حویلی میں موجود اپنوں کی محبت بھی اس درد کو مٹانے سے قاصر نظر آتی تھی۔

ایسے وقت میں سمہان آفندی خود کو بے بس محسوس کرتا تھا۔ جانتا تھا وہ محبتوں کو ترسی ہوئی لڑکی ہے لیکن وہ چاہ کر بھی کوئی جھوٹی آس اسے نہیں دے سکتا تھا۔ جان کر بھی انجان بن جاتا' اسے بھی ادراک تھا کہ وہ محبت سے اس کی طرف دیکھتی ہے اور جب وہ اسے اس کے جذبوں کو نظر انداز کرتا تو وہ بکھرنے لگتی۔ وہ حویلی سے بے وفائی کر کے اس کا وفادار کیسے ہو سکتا تھا؟ وہ مناسب وقت کا منتظر تھا منصوبہ بندی سے چلنے پہ یقین رکھتا تھا۔ خبر تھی بے صبرے پن سے کچھ حاصل نہیں ہوگا لیکن نہیں جانتا تھا کہ یہ وال کے لیے ساری دنیا وہی تھا اور جب اس کی طرف سے مایوس ہوئی تھی تو اس کا جینے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا۔ اس وقت بھی نیچے دیکھتے وہ اسے چونکا گئی تھی۔

"اگر نیچے چھلانگ لگانے کے بارے میں سوچ رہی ہو تو بتا دوں..... میری موجودگی میں ایسا ممکن نہیں ہے۔" وہ شاید اس کی نیت بھانپ گیا تھا۔ اپنی سوچ کو اس کی زبان سے سُن کر اس نے چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر میں واقعی ایسا کچھ کر گزروں تو..... کیا کرو گے؟ یوں ہی ہاتھ سینے پہ باندھے پتھر سے ٹیک لگائے کھڑے رہو گے یا مجھے بچانے آؤ گے؟" سوال کڑا تھا۔

"حویلی کا وفادار ہوں..... کزن ہوں' بچپن کا ساتھ ہے' اس طرح کے روایتی جواب مت دینا..... مجھے ان گھسے پٹے ڈائیلاگز میں کوئی دلچسپی نہیں۔" اس نے ہاتھ اُٹھا کر اسے بولنے سے روکا۔

"میال....." سب دسترخوان لگائے اسے آواز دے رہی تھیں۔

"تمہاری خاموشی ہی تمہارا جواب ہے..... جانتی ہوں تم کبھی امتحان میں پاس نہیں ہو سکتے' جب ہمت کی کمی ہے تو میرے پیچھے گرنا بھی چھوڑ دو۔" اس کی خاموشی کا ایک ایک لمحہ جاں گسل تھا۔ جب خاموشی طویل ہونے لگی اور سب مسلسل اسے بلانے لگیں تو وہ غصہ سے کہتی اُونچے نیچے راستوں پہ چلنے کے لیے آگے بڑھیں۔ لفظوں کی گولہ باری اتنی سخت تھی کہ وہ اس کے پیچھے تو تھا لیکن ہم قدم نہیں' ابھی وہ سب کے درمیان پہنچے بھی نہیں تھے کہ ایک نسوانی چیخ نے سب کے اوسان خطا کر دیے

"السلام علیکم ابا جان۔"
"والسلام! کیسے ہو بیٹا جی..... کیسے یاد آ گئی؟"
"کمال کرتے ہیں ابا جان..... بات تو ہوتی ہی رہتی ہے آپ سے۔" چودھری جہانگیر اس گلہ پر شرمندہ ہوئے۔
"بالکل ہوتی ہے، لیکن تم اتنے مصروف ہوتے ہو کہ اکثر کال ہم ہی کرتے ہیں، وہ بھی ڈرتے ڈرتے کہ جانے تم کس آپریشن میں مصروف ہو۔" ان کی شرمندگی دور کرنے کے لیے چودھری حشمت نے مسکرا کر وضاحت کی۔
"آپ کا جب دل چاہے کال کر لیا کریں، آپ سے بڑھ کر کوئی کام نہیں۔"
"جیتے رہو لیکن تمہاری نوکری ایسی ہے کہ بلاوجہ تنگ کرنا اچھا نہیں لگتا..... خیر سناؤ شہر میں سب ٹھیک ہے..... بچے؟"
"سب ٹھیک ہیں آپ کی دعا سے..... ابا جان میں نے کال ایک خاص مقصد کے لیے کی ہے۔" رسمی باتوں کے بعد چودھری جہانگیر اصل بات کی طرف آئے۔
"ہاں..... ہاں کہو۔" چودھری حشمت ہمہ تن گوش ہوئے۔
"یوں تو آپ نے بچوں کی شادی کا سلسلہ شروع کر دیا ہے..... میرے بھی بچے ہیں تو سوچا آپ سے ان کے متعلق بھی بات کر لی جائے۔"
"بالکل کرو، جس طرح حویلی کے بچے ہمیں عزیز ہیں اسی طرح تمہارے اور بخت کے بچے بھی ہیں، تب ہی تو ہم نے شنائیہ کو شاہ کے نکاح میں دے دیا ہے، حویلی اور شہر کے پوتے پوتیوں میں ہم نے کبھی فرق نہیں کیا۔" چودھری حشمت سچائی بیان کر گئے تو جہانگیر کو اپنی بات منوانے کی قوی امید ہوئی۔
"یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ کو شہری پوتی کو اپنانے میں کوئی عار نہیں..... جب ایک شہری پوتی کو آپ حویلی میں لے آئے تو ابا جان میں بھی امید رکھوں کہ دوسری کو بھی خوشی سے اپنائیں گے..... میں نرمین کے لیے سمہان کا رشتہ چاہ رہا تھا..... سوچا تھا پہلے اسفند سے رائے لوں، سمہان اس کی اولاد ہے لیکن فیصلہ آپ کا ہوگا اسی لیے پہلے آپ سے بات کر رہا ہوں..... تو پھر آپ کو قبول ہے ابا جان؟" چودھری جہانگیر اس کمال سے اپنی بات کہہ گئے کہ ایک لمحے کو چودھری حشمت بھی چپ سے رہ گئے۔
"سمہان اور نرمین.....!" چودھری حشمت غالباً عالم تصور میں دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھ رہے تھے۔
"آپ نے سمہان کی کہیں بات طے کر رکھی ہے کیا؟" ان کی خاموشی اور پُرسوچ انداز پہ چودھری جہانگیر نے سوال کیا۔
"حیرت تو ہمیں اس اتفاق پر ہے کہ ایک بیٹی کے لیے تمہاری دی جان نے بات کی اور دوسری کے لیے تم کر رہے ہو..... اب سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہم کیا کہیں....." چودھری حشمت کے جواب پہ وہ چونکے۔
"سمجھا نہیں؟" وہ عیشال کے لیے منہ سے بیٹی کا لفظ نکالنا بھی خلاف مزاج سمجھتے تھے۔
"جب شاہ زر شمعون نے عندر کیا عیشال سے شادی کے لیے تو ہم بہت پریشان تھے۔ تب تمہاری بی جان نے مشورہ دیا کہ عیشال کے لیے سمہان بہترین انتخاب ہے، ہم اسی پر سوچ رہے تھے کہ ندا کے بعد سمہان اور عیشال کی رسم کر دیں گے یا شاہ اور شنائیہ کے ساتھ سمہان اور عیشال کی بھی رُخصتی لیکن اب تم نرمین کی بات کر رہے ہو دونوں صورتوں میں سمہان تمہارا ہی داماد بن رہا ہے۔" چودھری حشمت نے تفصیل بتائی تو چودھری جہانگیر کا منہ بن گیا۔
"ابا جان..... آپ چاہیں نرمین کے لیے انکار کر دیں لیکن سمہان کی شادی عیشال سے ہو یہ خیال ہی غلط ہے، میں ایسا کبھی ہونے نہیں دوں گا، میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ عیشال کو حویلی سے کہیں دور بیاہیں۔" چودھری جہانگیر کے دو ٹوک لہجے پہ صبیحہ کو تو بیحد خوشی ہوئی لیکن چودھری حشمت سوچ میں پڑ گئے۔

زمانے بھر کی نفرت ان سے ..... کرتی ہے وہ ..... کیسے ..... چاہتا ہے۔"

"ٹھنڈے ہو جاؤ جہانگیر..... ہم سوچتے ہیں کچھ تمہاری بی جان سے مشورہ کرتے ہیں۔" انہوں نے سمجھانا چاہا۔

"سوچنا کیا ہے بابا جان..... ہاں کر دیں عیشال تو یوں بھی کسی نہ کسی دن میرے ہاتھوں ماری ہی جائے گی آپ اسے سمہان سے بیاہیں گے اور میرا سامنا ہوتا رہا تو شاید جلد ہی..... اس کی زندگی عزیز ہے تو بہتر ہے، اسے میری نظروں سے دور کا ہیں۔" چودھری جہانگیر برسوں کا زہر اس گھڑی نکال رہے تھے، اتنا کہ چودھری حشمت تک دنگ رہ گئے تھے۔

"برسوں بیت گئے جہانگیر بھول جاؤ سب۔" انداز ناصحانہ تھا۔

"میں کچھ نہیں بھول سکتا بابا جان..... اس قصے کو دفن ہونے کے لیے یا تو عیشال کو دفن ہونا پڑے گا یا مجھے..... جب تک ہم دونوں میں سے ایک کردار بھی زندہ ہے، یہ کہانی انجام تک نہیں پہنچ سکتی۔" چودھری جہانگیر کا لہجہ اس قدر سرد تھا کہ چودھری حشمت کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہے۔

"رکھتا ہوں فون..... ساتھ ہی منگنی کی تیاری بھی شروع کر رہا ہوں نرمین اور سمہان کی امید ہے آپ سب سے بات کر کے جلد خوش خبری سنائیں گے..... رات کو کال کرتا ہوں اللہ حافظ۔" اپنی سنا کر چودھری جہانگیر فون بند کر گئے تھے۔ انداز ایسا تھا جیسا انکار آئے گا ہی نہیں۔ چودھری حشمت کافی دیر پرسوچ انداز میں داڑھی پہ ہاتھ پھیرتے رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

"یہ کیا ہو گیا اچانک ماں کو جو انہوں نے آناً فاناً پابندی اٹھالی؟" مادرا حیری انوشا کے سامنے براجمان تھی۔

"حیرت تو مجھے بھی بہت ہو رہی ہے، اماں کم ہی اپنے فیصلے بدلتی ہیں، اب چند گھنٹوں میں تمہیں یونی جانے کی اجازت مل جانا بہت حیران کن ہے۔" انوشا الماری سے کپڑے نکال رہی تھی۔

"شاید اماں کو ایشان جاوہ سے مل کے ویسی ہی فیلنگ آئی ہو گی جیسی مجھے ہوئی۔" استری اسٹینڈ پہ کپڑے رکھ کر اس نے اندازہ ظاہر کیا۔

"کیا مطلب کیسی فیلنگ.....؟" مادرا حیران ہوئی۔

"یہی کہ ایشان جاوہ اتنا خوف ناک نہیں جتنا ہماری نظر میں اس کا امیج تھا..... سوفٹ نیچر کا سلجھا ہوا انسان لگا۔ جس کے دل میں انسانیت کا درد بھی ہے۔ ایسا انسان کسی کے لیے برا کیسے کر سکتا ہے۔"

"ہاں..... وہ اتنا ہی اچھا ہے تو اسے دلن میں نے بنا دیا ہے ناں؟" مادرا کو اس کی یہ بات بالکل اچھی نہ لگی۔

"ایسا میں نے کب کہا؟" انوشا نے تردید کی۔

"تمہاری باتوں سے تو یہی ظاہر ہے۔" مادرا جتا گئی۔

"میں تو اماں کا بتا رہی تھی۔ سچ کہوں تو تمہاری باتوں سے میں نے جس وڈیرے، جاگیردار کا خوفناک نقشہ کھینچ رکھا تھا، ایشان اس کا الٹ لگا..... ماننا پڑے گا بھئی آج کل کے جاگیردار ماڈرن اور بہت ہینڈسم ہو گئے ہیں۔" انوشا آخر میں شرارت سے کہنے لگی تو مادرا اسے گھورنے لگی۔

"پہلے بتانا تھا ناں تمہارے لیے بھی کسی جاگیردار کا رشتہ ڈھونڈتے۔"

"جل گیا میں اسی پہ صابر و شاکر ہوں۔" مادرا کے چھیڑنے پہ وہ ہنس دی۔

"تم ایشان جاوہ کو سوچ کر اپنا دل نہ جلاؤ بلکہ یونی جانے کے لیے اجازت ملنے پہ شکر ادا کرو، یہ اس صدی کا کوئی معجزہ ہی ہے تمہاری کوئی منگنی کام آ گئی۔"

"کہہ تو ٹھیک رہی ہو..... میں تو شکرانے کے نفل پڑھنے کا سوچ رہی ہوں۔" مادرا نے اتفاق کرتے ہوئے جذبات کا اظہار کیا تو انوشا

"کیا ہوا؟" وہ چائے روم میں تھیں تو انہیں
"ابا کے نمبر پہ کال آئی تھی، وہ واش روم میں تھیں تو میں نے
"لیکن کیا؟" بانو را کو تعجب ہوا۔
"کوئی مرد تھا اماں کا پوچھنے لگا..... میں نے جواباً پوچھا آپ کون تو بدتمیزی سے بولنے لگا تمہارا باپ....."
"حد ہو گئی گھٹیا پن کی..... تم نے ذلیل کرنا تھا ناں۔" اسے سن کر غصہ آنے لگا۔
"کیا ہیں..... جب باتیں سنا کریں میں نے کہا کہ میرے والد حیات نہیں تو ہنسنے لگا کہ مردہ زندہ ہو گیا۔"
"کوئی بہت ہی نیچ انسان ہو گا..... نمبر دینا مجھے، حشر کروں گی بے غیرت انسان کا۔" اس کا خون اُبلنے لگا۔
"وہ تو میں بھی کرنے لگی تھی لیکن تب تک اماں کمرے میں آ گئیں اور انہوں نے فون لے لیا..... ڈانٹنے لگیں کہ رانگ نمبر ریسیو کیوں کیا..... کون ہو سکتا ہے یہ نیچ انسان۔" وہ اُلجھی۔
"رانگ کال پہ ایسے ہی بے تصویر لوگ مکراتے ہیں..... لعنت بھیجو۔" یہ سب سن کر خود اس کا خون اُبلنے لگا تھا لیکن وہ اسے سکون سے رہنے کا مشورہ دے رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

وہ سب جس خوشی سے تفریح کے لیے گئے تھے، واپسی اتنی ہی دل شکن تھی چادر میں اُلجھ کر شانیہ اس بُری طرح گری تھی کہ خود کو سنبھالنے کے چکر میں بڑے سے پتھر کو تھامنے کی کوشش میں وہ پھسلنے سے بچ کر اسی پہ بُری طرح گر گئی تھی۔ کمر پہ شدید چوٹ لگی تھی اور اس سے زیادہ اس کی چیخ نے سب کو بدحواس کر دیا تھا۔ شاہ بھی سرعت سے ان کی طرف آیا تھا، دوسرے طرف سمہان نے بھی دوڑ لگائی تھی تب تک لڑکیاں اس کے گرد جمع ہو چکی تھیں۔
"میری بیک بون ٹوٹ گئی ہے..... اُٹھ نہیں سکتی۔" سب نے اُٹھنے کا مشورہ دیا تو وہ روہانسی ہوئی۔
"تھوڑی ہمت کرو..... کچھ نہیں ہوا شاباش۔" عمانے قریب آ کر اسے شانوں سے سنبھالا، ساتھ ہی شازمہ کو بھی اشارہ کیا کہ دوسری طرف سے اُٹھنے میں مدد دے۔
"بہت مشکل ہے، نہیں اُٹھ سکتی۔" اس نے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیے۔ سب کے چہرے سے فکرمندی جھلکنے لگی۔ عیشال بھی قریب آ چکی تھی اور اب تمام لڑکیاں اسے کھڑا کرنے کے جتن کر رہی تھیں لیکن وہ انکار کرتے ہوئے درد کے مارے ہائے، ہائے کر رہی تھی۔
"زرش..... سامان سمیٹ کر گاڑی میں بیٹھنے کی کرو۔" سمہان آفندی نے بہن کو ہدایت کی تو وہ سر ہلا کر جلدی جلدی کھانے پینے کی چیزیں اور چادر سمیٹنے لگی۔ یمنیٰ بھی اس کی مدد کرنے لگی تھی۔
"درد زیادہ ہو رہا ہے شانیہ؟" شازمہ بھی فکرمندی اسے تشویش سے دیکھ رہی تھی۔
"بہت شدید درد ہے، پتا نہیں میں کبھی اپنے پیروں پہ کھڑی بھی ہو سکوں گی یا نہیں؟" شانیہ کی دل گداز دُہائی پہ شاہ زر شمعون نے ایک سنجیدہ نظر ڈالی۔ عیشال خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی، نجانے کیوں یہ سب اسے ایک ڈراما لگ رہا تھا جیسے شانیہ توجہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔
"ہمیں جلدی بھابی بیگم کو ہاسپٹل لے کر چلنا چاہیے..... آپ سب چل کے گاڑی میں بیٹھیں۔" سمہان آفندی لڑکیوں کو ہدایت دینے لگا۔
"لیکن شانیہ کیسے چل پائے گی؟" سمہان آفندی کی ہدایت پر عما نے تعجب کا اظہار کیا۔ وہ کھڑی نہیں ہو رہی تھی کجا کے نیچے نیچے راستوں سے گزر کر گاڑی تک جانا۔
"آپ چلیں بھابی بیگم آ جائیں گی..... بردو۔" سمہان آفندی سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے کہ آگے چلنے کا اشارہ کر رہا تھا تاکہ ان کے سامنے شانیہ

طرف بڑھتے دیکھ کر اس کی آواز ہی کپکپا گئی۔ اس کی پکار پر عدا اور شازمہ ایک لمحہ کی بھی تاخیر کیے بنا اس تک آئیں اور اب کی بار وہ واقعی کھڑی ہو گئی تھی کو چہرے پہ تکلیف کے آثار تھے۔ شاہ زر شمعون ایک طرف ہو گیا تھا۔ گاڑی تک کا فاصلہ جیسے تیسے طے کر کے ان کا قافلہ مقامی ہاسپٹل کی طرف سفر کر رہا تھا جو کہ خاصا دور واقع تھا لیکن دونوں کی ماہرانہ ڈرائیونگ کام آئی تھی اور وہ قلیل وقت میں ہاسپٹل پہنچ گئے تھے۔ جہاں جدید سہولتیں تو نہیں تھیں مگر ڈاکٹر تھا۔

"شکر ہے ہڈی نہیں ٹوٹی' چوٹ شدید ہے جس کی وجہ سے انہیں تکلیف زیادہ ہے۔" اس کی ہائے ہائے کو ٹوٹا خاطر رکھ کر ڈاکٹر نے تسلی سے چیک اپ کرنے کے بعد دوا تجویز کرتے ہوئے کہا تو سب کی جان میں جان آئی۔

"بنا ایکسرے کے آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہڈی سلامت ہے؟ میں کوئی شوق سے شور کر رہی ہوں..... الٹرا ساؤنڈ، ایکسرے مشین کی بنیادی سہولت آپ کے پتھنچر ہاسپٹل میں نہیں اور آپ بیٹھ کر 'عامل بنگالی' کی طرح مرض تشخیص کر رہے ہیں۔" وہ درد میں بھی تو اتنا بول گئی ٹھیک ہوتی تو شاید ڈاکٹر کے اُسترا پھیر دیتی۔

"شائیہ..... یہ بہت تجربہ کار ڈاکٹر ہیں' ہم بچپن سے علاج کے لیے ان کے پاس ہی آتے ہیں۔" شازمہ نے ہاتھ دبا کر اسے چپ کروانا چاہا۔ "تجربہ کار ڈاکٹر" بھی اس کی پروفیسری جھاڑنے پہ منہ اٹھا کر تکنے لگا۔ شاہ زر شمعون کو اس کی زبانی جمع، خرچ سے ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ چاق و چوبند ہے۔

"لڑکی جتنی تمہاری عمر ہے اس سے تین گنا زیادہ میرا تجربہ ہے..... بتا ہاتھ لگائے بتا سکتا ہوں کہاں کی ہڈی ٹوٹی ہے، کہاں کی سلامت ہے۔" ڈاکٹر کو بھی اس کی شعلہ بیانی ذرا نہیں بھائی تھی۔

"جب اتنا ہی "تجربہ" ہے تو ہاسپٹل میں کیا کر رہے ہیں..... آستانے میں بیٹھیں، سرکاری تنخواہ سے تین گنا زیادہ کمائیں گے۔" وہ جلبلا کر مشورہ دے گئی۔ سبحان آفندی نے تو بہ مشکل ہنسی روکی۔ خود لڑکیوں کا بھی یہی حال تھا۔ البتہ شاہ زر شمعون کو اس کی زبان درازی ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔

"عدا..... محترمہ کو لے کر چلنے کی کرو..... شاید چوٹ کا اثر دماغ پہ زیادہ ہو گیا ہے۔" وہ شاید اور بھی زیادہ ڈاکٹر کا مزاج پوچھتی لیکن شاہ زر شمعون کے سرد جملے پہ چپ کر گئی۔

"اس جاہل ڈاکٹر کو پتا ہی نہیں میں خود ڈاکٹر کی اولاد ہوں..... اُلو بنا رہا ہے' مجھے جلد سے جلد اچھے ہاسپٹل لے کے چلو یہ نہ ہو ساری عمر چلنے پھرنے سے معذور ہو جاؤں..... پپا کے پاس ایک پیشنٹ آیا تھا ہڈی کا علاج کروانے میں دیر کر دی اور ساری زندگی کے لیے بستر کا ہو کے رہ گیا' اللہ نہ کرے میرے ساتھ ایسا ہوا تو....." گاڑی میں بیٹھ کے بھی وہ دل دہلا دینے والی مثالیں چُن چُن کے انہیں سُنا رہی تھی۔ عدا اور شازمہ برابر اسے تسلی دے رہی تھیں اور شاہ زر شمعون کے کان اس کی آہ و زاری سے پک رہے تھے۔

وہ سب حویلی لوٹ آئے تھے..... شائیہ کی آہ و بکا حد سے زیادہ بڑھنے لگی تھی۔ وقفے وقفے سے رونے بھی لگی تھی۔ حویلی میں جنگل کے آگ کی طرح خبر پھیل گئی تھی۔ کوئی سرزنش کر رہا تھا کہ ایسے مقام پہ گئے ہی کیوں' کوئی نادر و نایاب ٹوٹکے اور دوا کی تفصیل بتا رہا تھا۔ چودھری حشمت بھی اپنے کمرے سے نکل آئے تھے اور شائیہ نے درد بھری ویڈیو شوٹ کر کے چودھری بخت اور دیا کو سینڈ کر دی تھی۔

❁.....❁.....❁

ویڈیو کا ہی کمال تھا جو بے حد قلیل وقت میں دیا نے اسے اور چودھری بخت نے چودھری حشمت کو کال کی تھی۔ دیا فکر مند تھیں۔ اچھے سے اچھے ڈاکٹر کو دکھانے پہ زور دے رہی تھیں۔ تو چودھری بخت ابھی اور اسی وقت حویلی آنے کی بات کر رہے تھے۔

کہ شہا آنے آنے میں مزید کتنا وقت لگ جائے
اس لیے جانتا ہوں کہ جلد سے جلد ٹریٹمنٹ نہ ہوا تو کیس مزید مشکل ہو سکتا ہے۔ ذرا سی لاپروائی سے عمر بھر کی معذوری ہو سکتی
ہے پھر لڑکی ذات ہے..... جس بُری طرح درد سے رو رہی ہے، میرا دل بیٹھا جا رہا ہے بابا جان..... بہتر ہے آپ اجازت دیں
کہ میں آ کر شنائیہ کو لے جاؤں اور یہاں اپنے ہسپتال میں قابل ڈاکٹر سے فوری ٹریٹمنٹ کرواؤں۔"
"ٹھیک ہے بخت تم باپ ہو پھر ڈاکٹر بھی تم بیٹی کے لیے ہم سے بہتر سوچ سکتے ہو۔" چودھری بخت بیٹی کی محبت میں اتنا
کچھ بول گئے تھے جو چودھری حشمت کو بہت محسوس ہوا تھا۔ اسی لیے ان کے لہجے میں ہلکی سی خفگی نمایاں تھی۔
"آپ کی رضا کے لیے میں پھر کبھی شنائیہ کو حویلی میں چھوڑ دوں گا۔" چودھری بخت کو بھی خفگی محسوس ہو گئی تھی۔
"جیسی تمہاری مرضی..... اس وقت تو شنائیہ کو بھیجنا ضروری ہے..... تم آنے کی زحمت نہ کرو بلکہ ہم ہی شنائیہ کو بھیجنے کا
انتظام کرتے ہیں۔"
"بابا جان بائی ایئر۔" چودھری بخت ہلکے سے منمنائے۔
"بے فکر رہو..... بچی بیٹھنے کے قابل نہ ہوئی تو اسٹریچر کا بندوبست بھی کر دیں گے۔" چودھری حشمت کی یقین دہانی پہ وہ
مطمئن ہو کر شنائیہ کو کال کر کے تسلی دینے لگے تھے۔
چودھری حشمت نے سمہان آفندی اور شاہ زر شمعون کو اپنے کمرے میں طلب کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں ہی ان کے
سامنے مؤدب کھڑے تھے۔ سمہان آفندی متوقع کلاس کا منتظر تھا کہ وہی تفریح کی اجازت لینے کا گناہ گار تھا اور حادثہ ہو گیا۔
"سمہان..... پہلی فلائیٹ سے اپنی دی جان، شاہ اور شنائیہ کے ٹکٹ کروا دو کراچی کے لیے اور شاہ تم جانے کی تیاری
کرو۔" اس بیٹھے بٹھائے مہم پہ وہ اندر ہی اندر جھنجلایا تو بہت لیکن سر ہلا گیا۔ جب کہ سمہان آفندی سیل فون پر ایئر لائن کے دفتر
سے رابطہ کرنے لگا تھا۔
"داجان..... تین نہیں دو ٹکٹ دستیاب ہیں، ڈیڑھ گھنٹے بعد کی فلائیٹ میں جب کہ اگلی فلائیٹ کل کی ہے جس میں تینوں
ٹکٹ ممکن ہیں۔" سمہان آفندی نے اطلاع دی۔
"پھر اپنی دی جان کا رہنے دو۔ شاہ اور شنائیہ کے لیے بکنگ کرا دو۔" چودھری حشمت نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بنا جواب
دیا تو وہ سر ہلا کر پھر سے قدرے دور ہو کر بات کرنے لگا۔
"تمہاری دی جان بھی ساتھ ہوتیں تو اچھا رہتا لیکن مرد کا ہونا بھی ضروری ہے۔ نکاح میں ہے اب تمہارے تمہاری ذمہ
داری ہے۔" چودھری حشمت خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے تھے اور سر ہلاتے ہوئے اس کا ذہن دور سفر کرنے لگا تھا۔
"بکنگ ہو گئی داجان۔"
"جاؤ شاہ تیاری کرو۔" حکم پہ وہ خاموشی سے چلا گیا تھا۔
"شنائیہ کے جانے سے پہلے صدقہ کے بکروں کا انتظام کرو سمہان، اپنی دی جان سے کہنا بچی کا ہاتھ لگوا کر اسے رخصت
کریں۔" کمرے میں موجود سمہان آفندی کو اگلا حکم سنایا گیا۔
"بہتر داجان۔" اور وہ بوتل کے جن کی طرح حکم بجا لانے کی ہامی بھر کے ان کے کمرے سے نکل گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

"مل گیا انعام ہیرو بننے کا..... لے لی کلاس داجان نے....." سیڑھیوں پر ہی اس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔
"ابھی اتنے بُرے دن نہیں آئے میرے..... تمہاری دعا سے۔" وہ مسکرایا تو وہ اس نے منہ بنایا۔
"اتنی تیز رفتاری سے کہاں کی تیاری ہے؟" وہ نکلنے لگا تو وہ سوال کی بیڑی ڈال کر رکنے پہ مجبور کر گئی۔
"بڑے اور بھائی بیگم کو کراچی چھوڑ

ضرورت ہے۔" وہ جل ہی تو گئی۔
"تم بھی حویلی والوں میں سے ہو۔" اس نے یاد دلایا۔
"جو شخص ایک آسان سوال کا آسان جواب نہ دے سکے، اس سے اور کیا امید ہوگی۔ تم میرے کسی کام کے نہیں۔" لہجہ کڑوا ہوا۔
"ہر سوال کا جواب ضروری نہیں ہوتا..... عمر پڑی ہے ان کے لیے، سارے جواب ملیں گے وہ بھی بہت خوب صورت پیرائے میں..... بس صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے' جو ہے وہ ہمیشہ نہیں رہے گا' بالکل اسی طرح جو آنے والا ہے وہ آ کر رہے گا' جانے تم خوش گمان کیوں نہیں ہو۔" اس نے بڑی اچھی طرح تسلی کر دی۔ وہ کئی ثانیے اسے دیکھتی رہی' ہر بار ہی اس کی باتیں اسے اُلجھا دیتی تھیں۔
"آسان لفظوں میں جواب نہیں دے سکتے تھے جو سوال کیا تھا؟" جواب تو خاک پلے نہیں پڑا تھا اس لیے الٹا اسے تاؤ آیا۔
"جتنا تمہارا بی پی ہائی تھا کچھ بعید نہیں تھا کہ جواب پسند نہ آنے کی صورت میں تم پہاڑ سے چھلانگ لگا دیتیں اور اس وقت بھابی بیگم کے بجائے سب تمہارے لیے فکر مند ہوتے۔" اس نے پھر چھیڑا۔
"سب کو چھوڑو..... تم کتنے فکر مند ہوتے؟" دو قدم آگے آ کر اس نے ابرو چڑھائے۔
"ٹوچ....." سنجیدگی سے کہا۔
"وائے.....؟"
"حویلی کا وفادار ہوں..... کزن ہوں' بچپن کا ساتھ ہے..... یہی ٹیکنکل جواب ہیں' اب بتا نہیں تمہیں ان گھسے پٹے ڈائیلاگز میں کوئی دلچسپی ہے بھی یا نہیں؟" حد درجہ شریر انداز میں اس کے جملے اس سنجیدگی سے دُہرا گیا کہ وہ پہلے تو حیران رہ گئی پھر ہنسنے پہ مجبور ہو گئی۔
"دفع ہو جاؤ..... ایسا نہ ہو صدقہ کے بکروں کی جگہ میں تمہیں ہی قربان کر دوں۔" اس کے غرانے پر وہ مسکراتا ہوا تیزی سے سیڑھیاں طے کر گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

"جب حویلی میں رکنے کی بات ہوتی ہے کچھ نہ کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ تم چلی جاتی ہو..... اب یہ....." شنائیہ کے جانے کا سن کر وہ سب جو پہلے ہی اس کے لیے فکر مند تھیں اب ملول ہو گئیں۔
"بیٹھ سکو گی جہاز میں؟" فائزہ متفکر تھیں۔ سب کی جان پہ بن آئی تھی۔
"ویر ساتھ جا رہے ہیں ناں، تائی جان فکر کی بات ہی نہیں ہے..... کہاں تو شنائیہ آپی کھڑی نہیں ہو پا رہی تھیں اور کہاں ویر کو دیکھ کر چلنے لگیں..... بے فکر رہیں۔" زرش کے اس منظر کو یاد کر کے سب کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ کھسیاہٹ تو شنائیہ کو بھی ہوئی لیکن اس نے درد والے تاثرات ہی قائم رکھے۔
یہ خبر کہ وہ واپس جا رہی ہے، سن کر سارا درد، درد بھول گئی لیکن پھر یاد آنے پہ کراہ کے رہ گئی۔ سب ملول تھے اور وہ جلد سے جلد کراچی پہنچنے کی دعا کر رہی تھی۔ صدقہ کے بکرے آ گئے تھے جنہیں ہاتھ لگوا کر غریبوں کو دے دیا گیا تھا۔
فائزہ نے شاہ زر شمعون کا بیگ تیار کر دیا تھا۔ وہ کچھ چُپ چُپ تھا۔ سمہان انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے جانا چاہ رہا تھا لیکن شاہ زر شمعون نے اس کی بے آرامی کے خیال سے منع کر دیا۔ ڈرائیور انہیں ڈراپ کر آیا تھا اور ریڑھ کی ہڈی کی دہائی دیتی شنائیہ جب بیٹے کے جہاز کی

استعمال کر کے بیٹ کی نشان دہی کی تو وہ اپنی اپنی [illegible] ..... ورلڈ کلاس ناں؟" وہ اس کی طرف فاتح انداز سے دیکھنے لگی۔

"اوہ ..... تو آپ جان گئے تھے ..... پھر کیسی لگی میری پرفارمنس ..... ورلڈ کلاس ناں؟" وہ اس کی طرف فاتح انداز سے

"جب سب نے تفریحی مقام کے لیے پہاڑی علاقے کا پتا کیا تو میں نے اسی وقت سوچ لیا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے..... پھر جھوٹ موٹ کا گرنا' ریڑھ کی ہڈی کے ٹوٹنے کا ڈراما کرنا' مما پپا کو رو رو کر ویڈیو شوٹ کر کے بھیجنا' ایکچولی میں یہ سب اتنا آسان نہیں تھا لیکن مجھے آپ کو ہرانا تھا سو ہرا دیا..... کہا تھا ناں خود چھوڑنے جائیں گے' کیوں ہرا دیا ناں؟" اس کے چہرے کی چمک اور اعتماد کو شاہ زر شمعون بڑی باریک بینی سے دیکھ رہا تھا۔ نکاح سے پہلے وہ اسے کسی حد تک ڈری سہمی لگتی تھی لیکن نکاح کے بعد سے تو جیسے مزید بے خوف ہو گئی تھی۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوال کر رہی تھی۔ شاید ضد میں وہ بھی اسی کی طرح بے خوف ہو جاتی تھی۔

"جان تو پہلی فرصت میں ہی گیا تھا کہ یہ سب حویلی سے بھاگنے اور مجھے نیچا دکھانے کے لیے ڈراما رچا گیا ہے۔ جانتا تھا آپ بے حس اور عقل سے عاری ہیں لیکن یہ احساس نہیں تھا کہ آپ مجھ سے ضد میں کسی کو بھی نہیں بخشیں گی..... حویلی کے لوگوں کو تو چھوڑیں آپ نے تو اپنے ماں باپ تک کو جھوٹی خبر دیتے یہ نہ سوچا کہ ممکن ہے اتنی بڑی خبر سن کر انہیں کچھ ہو جائے خدانخواستہ کچھ بھی ہو سکتا تھا لیکن آپ نے صرف جیتنے کے لیے چال چلی..... چاہتا تو سب کے سامنے سچ لا کر آپ کو شرمندہ کرا دیتا لیکن میں آپ کی طرح خود غرض نہیں' آپ کو شرمندہ کرنے کا مقصد تھا آپ کی تربیت کی آڑ میں چچا اور چچی جان پر انگلی اٹھانا نہیں اور میں اپنے بڑوں کی بہت عزت کرتا ہوں۔" ایک ملامت بھری نظر ڈال کر چہرے کے آگے میگزین تان گیا۔ گویا واضح اشارہ تھا مزید کوئی بات ہی نہیں کرنی۔ اس کے مفصل جواب میں سخت ملامت کے ساتھ اس کے لیے کئی سبق بھی تھے مگر وہ نخوت سے ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔

"ہارنے کے بعد انسان ایسی ہی تاویلوں سے خود کو بہلاتا ہے۔" بڑبڑا کر وہ بھی چہرے کے آگے میگزین تان گئی۔ ادھر سے بھی جواباً اشارہ تھا کہ بات کرنے میں دلچسپی اسے بھی نہیں۔

"بائی دا وے ..... جیت مبارک ہو۔" میگزین کے اس پار سے استہزائیہ لہجہ سنائی دیا۔

"تھینکس۔" جواباً وہ بھی نکڑا توڑا انداز اپنا گئی۔

"ہنی مون ٹرپ پہ ہیں میم؟" ہوائی میزبان کسی چیز کی ضرورت تو نہیں جیسی رسمی باتوں کے بعد اس کے ہاتھوں اور پیروں پہ سجی مہندی کو دیکھ کر خوش طبعی سے سوال کر گئی۔

"نہیں۔" وہ جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔ چہرے کے آگے بھلے میگزین تھا لیکن اس پار لبوں کی طنزیہ مسکراہٹ وہ تصور کر سکتی تھی۔

"نکاح ہوا ہے۔" ہولے سے اعتراف کر گئی۔

"ہز بینڈ .....؟" میزبان کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہی تھی۔ شاہ زر شمعون کی طرف اشارہ کر گئی تو وہ مرتا کیا نہ کرتا کے مترادف سر اثبات میں ہلا گئی۔

"نائس کپل ..... امید ہے جلد ہی ہنی مون کے لیے ہماری ہی ایئر لائن کا انتخاب کریں گی۔" میزبان تو خواہش کا اظہار کرتی چلی گئی اور پیچھے اسے جھنجلانے پہ مجبور کر گئی۔

"میرے نام کی شہرت۔" اس کا ہنسی اڑاتا جملہ سن کر جی چاہنے لگا اسے دھکا دے دے یا خود باہر چھلانگ لگا دے۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

"شائستہ کے لیے ہم بیحد فکر مند ہیں ..... ہمارے اصرار پہ ہی بخت اسے چھوڑ کے گیا تھا اور بچی کے ساتھ حادثہ ہو گیا .....

"ان شاء اللہ..... بھوک تو ہمیں نہیں ہے، نہ ہی موقع ایسا ہے کہ خوشی کی کوئی بات کی جائے لیکن جہانگیر نے کہا ہے کہ آپ سب سے بات کرنے کے بعد رات کو ہی اسے جواب دیں تو سوچا بات کرلی جائے سب سے۔"

ایسی کیا بات تھی جس کے لیے چودھری جہانگیر زیادہ انتظار نہیں کرسکتے تھے۔ سب کے کان کھڑے ہوئے عیشال نے نظریں جھکا کر بے توجہی سے سستی و جلدی سے گوشت پلاؤ کھانے لگی۔

"سب ٹھیک ہے بھائی کی طرف؟" چودھری اسفند نے تشویش سے سوال کیا۔ سمہان آنندی سکون سے کھانا کھا رہا تھا لیکن اس کی ساری حسیات بیدار تھیں، چپ یوں تھا کہ بڑوں کے سامنے کم ہی بولتا تھا۔

"ہاں سب ٹھیک ہے..... جہانگیر نے ہمیشہ حویلی سے دوری کو چنا، بیٹوں کی اس دوری نے جذباتی طور پر ہمیں بہت اکیلا بھی کردیا لیکن اب بخت نے خواہش ظاہر کی ہے کہ گاؤں میں ہاسپٹل بننے کے بعد وہ لوٹ آئے گا۔ جہانگیر کی طرف سے آج سے پہلے کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی لیکن آج اس نے جو بات رکھی اس سے ہمیں لگتا ہے کہ اس کی دوری بھی جلد قربت میں بدل جائے گی۔"

"ایسا ہوجائے تو اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی۔" چودھری فیروز نے خوشی کا اظہار کیا تو چودھری اسفند بھی تائید کرنے لگے۔ اس طرح کے معاملوں میں لڑکیاں یوں بھی ڈمی بن کے بس کان کھلے رکھتی تھیں کہ بڑوں کے سامنے تو بولنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ زمرد بیگم، فائزہ اور فریال بھی خاموش سامع کا کردار نبھاتی تھیں۔

"جہانگیر نے نرمین کی شادی گاؤں میں کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے اور اس نے نرمین کے لیے ہمارے سمہان کا رشتہ مانگا ہے۔" پہلے جملے پر سب کو حیرت ہوئی تھی لیکن اس سے اگلے جملے نے تو سب کو ششدر ہی کردیا تھا۔

"تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں اسفند؟" چودھری اسفند نے بے ساختہ فریال کی طرف دیکھا، سوال ہونے پہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ہمارے ہر فیصلے کا اختیار آپ کو حاصل ہے بابا جان..... سمہان آپ کا فرماں بردار پوتا ہے، ہم میں سے کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔" چودھری اسفند عاجزی سے کہہ گئے تو چودھری حشمت کے بوڑھے چہرے پہ مان کی روشنی پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے پھر ہم جہانگیر کو خوش خبری سنا دیتے ہیں..... وہ پہلے ہی منگنی کی تیاری کا بنا چکا ہے، ہم سے زیادہ جلدی تو اسے ہے۔" چودھری حشمت بے حد خوش نظر آرہے تھے شاید یہ سوچ کر کہ عزیز بیٹا اس رشتے کے جڑنے کے بعد ان کے قریب ہوجائے گا۔ زمرد بیگم نے اس فیصلے پہ ایک نظر ان پڑی لیکن ان کی خوشی محسوس کرکے پھر نظریں بنالی تھیں۔

"سمہان اور نرمین..... نرمین اور سمہان....." بے توجہی سے سستی عیشال کو پہلے پہل سماعت کا دھوکا لگا لیکن جب چودھری حشمت نے دوبارہ کہا تو اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے، چہرہ خطرناک حد تک پیلا پڑ گیا، خود سمہان آنندی پہ یہ خبر بجلی بن کے گری تھی۔

پلیٹ پہ جھکا سر مزید جھک گیا تھا۔ ضبط کی کوشش میں ہاتھ کی رگیں مٹھی سختی سے بند ہونے کی صورت میں مزید ابھر گئی تھیں۔ نرمین کی بے جا بانہ گفتگو کا تانا بانا اس پہ تو پہلے ہی کھل چکا تھا۔ وہ کئی ثانیے تک سر اوپر نہیں اٹھا سکا لیکن اسے خبر تھی، دو جوڑی آنکھیں اس پہ سوالیہ انداز میں اٹھی ہوں گی اگر جو وہ اس پل نگاہ اٹھا کر ان کی سمت دیکھتا تو ان آنکھوں کی ویرانی، دکھ، گلہ سے نگاہ نہ چھوڑتا..... ایک لمحے کو آنکھیں بند کرکے اس نے اس فیصلے کی اذیت کو پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط # 15

محفل طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی تھی اور یہاں اک یکجہ بیٹھنا میسّر نہ ہو رہا تھا۔ فرمین اور سبحان کے تھنے سے نبٹ کے چوہدری حشمت خدا کے سسرالیوں کی جلد رخصتی کا مژدہ سنا رہے تھے کہ وہ لوگ اسی ماہ شادی کی تاریخ رکھنے کے خواہش مند تھے۔ خدا کے چہرے پہ سیاہ بشارت پھیل گئے تھے۔ فائزہ اور فیروز دلچسپی سے سن رہے تھے۔ بیٹے کے بعد بیٹی کی خوشی جلد ہونے پہ ایکسائیٹڈ نظر آ رہے تھے۔

بالآخر محفل برخاست ہوئی۔ چوہدری فیروز اور اسفند اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیئے کہ رات کی چائے، کافی اپنے اپنے کمروں میں ہی پیتے تھے۔ چوہدری حشمت اُٹھے تو سبحان کو اپنے کمرے میں آنے کا حکم سنا گئے کہ حساب کتاب کا دن تھا۔ اور ان کا بلاوا اک طرح سے اس کے لیے نجات کا واحد راستہ بھی تھا۔ وہ ان کے پیچھے نظریں نیچی کر کے نکل گیا تو میسّال جہانگیر کے مسام سے دھواں نکلنے لگا۔

اس ماہ تو آپی کی ڈیٹ فکس ہو گی، یعنی دو تین ماہ میں ہی شادی۔۔۔ چلو جی کچھ تو بوریت دور ہو گی۔" یمنیٰ نے خوشی کا اظہار کیا۔

بے وقوف اصل مدعے کی طرف تو آؤ۔۔۔ میرے ویر کی شادی اور اس نرمین سے۔۔۔۔ قسم سے'

۲

میرا تو خود کشی کا دل چاہ رہا ہے۔۔۔ اتنی فضول بھابھی۔۔" زرش کا صدمہ ہی کم نہیں ہو رہا تھا۔

یہ بیٹھے بٹھائے چچا جہانگیر کو کیا سوجھی جو اپنی فرنگی بیٹی کے لیے ویر سمان کا رشتہ جاتے ہی مانگ لیا۔۔" شازمہ کی حیرانی بھی کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

دیکھا نہیں تھا نکاح کی تقریب میں کیسے ویر سے سمان کے آس پاس نظر آ رہی تھی، مجھے تو اسی وقت دال میں کچھ کالا لگا تھا۔۔۔ ہونہہ ہو چچا جہانگیر کی آواز ضرور ہے لیکن پسند نرمین کی ہے۔۔۔ پہلی بار اپنے ویر کی چوائس پر سنائی پہ افسوس ہو رہا ہے۔۔۔ اسی کے طفیل تو اتنی بڑی بھابھی مفت پڑ رہی ہے۔ میرا اکلوتا ویر ہے، دو چار ہوتا تو قربانی بھی دے دیتی۔۔۔ وی جان! پلیز آپ ہی کچھ کریں" زرش کا قلق بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

مردوں کے جاتے ہی لڑکیوں کا رونا شروع ہو چکا تھا۔

زرش کیا بکواس ہے۔۔۔ کیوں شور کر رہی ہو۔۔۔ سنا نہیں تمہارے ڈیڈ نے کیا کہا۔۔۔؟"

بابا جان کا فیصلہ ہی حرفِ آخر ہے۔۔۔ اب سے میں کوئی فضول جملہ تمہارے منہ سے نہ سنوں۔۔۔

سبحان مرد ہے جب اسے کوئی اعتراض نہیں تو تم کیوں شور کر رہی ہو۔۔۔۔ اور آئندہ سے میں کالی دال جیسی گفتگو کرتے تمہیں نہ سنوں۔۔۔ جتنی عمر ہے اتنی ہی بات کرو۔۔۔!" زمرد بیگم کو گھسیٹنے پر فریال نے سنجیدگی سے زرش کو لتاڑ کر حقیقت کا آئینہ دکھایا تھا۔ ساتھ ہی بڑوں کے سامنے زبان چلانے والی بات پہ جھاڑ بھی پڑ گئی۔۔۔۔ زرش منہ بسور گئی تو یمنیٰ اور شازمہ بھی افسوس سے اک دوسرے کو دیکھ کے رہ گئیں۔

سوری مما!'' زرش منمنا کے رہ گئی۔"

رہنے دو ناچی ہے، اتنی بڑی بات سن کر کسی کے منہ سے کچھ بھی نکل سکتا ہے۔۔ حیرانی والی بات تو"

ہے

۳

کہاں تو جہانگیر اور صبیحہ نے گاؤں میں رہنا کبھی پسند نہیں کیا اور اب بیٹی کو حویلی میں بیاہنا۔۔۔ سمجھ سے باہر ہے۔۔۔ آپ کیا کہتی ہیں اس بارے میں اماں۔۔۔؟؟" فریال کو سنجیدگی سے کلاس لیتے دیکھ کر فائزہ نے سرزنش کے ساتھ حیرت کا اظہار کرتے ساتھ ہی زمرد بیگم کا مشورہ لینا چاہا۔۔۔

ہاں بچہ تو ٹھیک کہہ رہی ہو۔" شمرد بیگم نے انتشار سے ہامی بھری۔ ساتھ ہی ان کی نظر میشال پہ جمی" ہوئی تھی۔۔۔ وہ بہت چپ تھی۔۔۔ بولتی تو اپنے موڈ سے ہی تھی۔ لیکن اس وقت زمرد بیگم اپنے فیصلے کے تناظر میں افسوس سے دیکھ رہی تھیں۔۔ انہوں نے تو سبحان کے لیے میشال کی بات کی تھی لیکن شاید جوڑی نہیں تھی۔ وہ لمبی سانس خارج کرکے ہال سے نکل گئی تھیں۔

شہری بہو تمہیں بھی مبارک ہو۔۔۔!" ہال سے نکلتے فائزہ، فریال کو چھیڑ گئی تھیں۔"

بہو تک تو ٹھیک ہے بھابھی لیکن شہری سمد حسن۔۔۔۔ ہضم ہے!" فریال اس سے زیادہ شوخی سے " صبیا کی طرف اشارہ کر گئیں تو دونوں کی ہنسی بکھر گئی۔

زرمین حویلی میں آجائے گی اور میشال کی ویسے ہی جہانگیر پنچا کی فیملی سے نہیں بنتی۔۔۔۔ حویلی میں " خوب تماشا ہونے والا ہے۔۔ لکھ لو میری بات۔" زرش کو اس کی خاموشی محسوس ہوئی تھی اور سب نے ہی یہی اندازہ لگایا تھا۔ وہ سب بھی سر ہلاتی چلی گئی تھیں۔

زرش نے آہستگی سے یہ جملہ کہا تھا لیکن میشال نے سب کا اک اک لفظ خاموشی سے سماعت کیا تھا۔

تو پھر طے ہوا کہ آخری بازی بھی میرے ہاتھوں سے نکل گئی۔۔۔۔ یہ بھی ان گناہ گار کانوں نے سننا " کہ میرے حصے کی خوشیاں، میرے ہی نام نہاد باپ نے اپنی عزیز بیٹی کی خواہش پہ اس کی جھولی میں ڈال دی۔" زرمین اس لیے جیت گئی تھی کہ اس کے ساتھ جہانگیر اور صبیا کی مضبوط بیک تھی۔ اور وہ اس لیے ہار گئی تھی کہ اس کی ساری منوں مٹی تلے جا سوئی تھی۔

۴

گرم پانی رخسار پہ پھسل آیا تھا۔ اس کے اندر پگھلا لاوا پھوٹنے لگا تھا۔

☆☆☆☆

چوہدری بخت جہاز کے لینڈ کرنے سے پہلے ہی ایمبولینس اور اس کے عملے کے ساتھ موجود تھے۔ شائیہ کو یہاں سے سیدھا ہاسپٹل لے جانا چاہتے تھے تاکہ ٹریٹمنٹ میں دیری نہ ہو۔۔۔ان کی دانست میں پہلے ہی بہت دیر ہو چکی تھی۔ دیا بھی ماہم کو ساتھ لیے فکر مند کھڑی اسٹریچر کے نکلنے کا انتظار کر رہی تھیں لیکن ان سب کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا جب انہوں نے شائیہ چوہدری کو بشاش بشاش اپنی ٹانگوں پہ چل کر باہر آتے دیکھا۔

السلام علیکم!" شاہزر شمعون ٹرالی دھکیل کر ان تک آیا۔ شائیہ اس سے پہلے پہنچ گئی تھی۔"

یہ۔۔۔؟؟" چوہدری بخت آنکھیں پھاڑے شائیہ کو دیکھ رہے تھے۔"

چچا جان ازیادہ حیران نہ ہوں۔۔۔آپ کی ڈاکٹر نیک اختری ہیں نہ کوئی معجزہ ہے۔نہ کسی بنگالی بابا کا" سحر کام کر گیا جو یہ اپنے پیروں پہ کھڑی ہیں۔۔۔ فقط مختصر انہیں حویلی میں نہیں رہنا تھا اس لیے انہوں نے جان بوجھ کر گرنے کا ڈرامہ کر کے حویلی سمیت آپ لوگوں کو بھی پریشان کیا۔۔۔سب کو لگا کہ ان کو شدید چوٹ لگی ہے لیکن ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔" شاہزر شمعون کی بیانی پہ ماں باپ کے بدلتے تیور پہ گھبرا گئی۔۔۔اسے شاہزر شمعون سے اس حد تک سچائی کی امید نہیں تھی۔۔خود اس کا پلان تو یہی تھا کہ وہ گھر جا کے بھی بیمار بنی رہے گی تاکہ مجرم رہ جائے لیکن جیت کے نشے میں قبل از وقت شاہ پہ حقیقت کھول کر وہ کتنی بڑی حماقت کر گئی تھی اس کا اندازہ اسے اس گھڑی ہو رہا تھا۔

سر! پھر اسٹریچر کا کیا کرنا ہے۔۔؟اور ایمبولینس واپس لے جاؤں۔۔۔؟؟" قدرے نزدیک کھڑے"

دو بندوں نے انسٹرکٹر کی طرف اشارہ کیا جو وارڈ بوائے والے حلیے میں تھے۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔۔ شنائیہ رنج کے شرمندہ ہوتی نظر پھرانے لگی۔

"دوپہا چوٹ شدید لگی تو مجھے لگا بڑی نوٹ گئی۔۔۔" چوہدری بخت کی سرد نظروں نے اسے جملہ مکمل نہیں کرنے دیا۔

"تم سے تو میں گھر چل کے بات کرتا ہوں۔۔ انسٹرکٹر اور ایمبولینس ہاسپٹل واپس لے جاؤ اور کسی سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" چوہدری بخت کو زندگی میں کبھی اتنی شرمندگی نہیں ہوئی تھی جتنی اس گھڑی شنائیہ کی حرکت کے باعث ہوئی تھی۔۔۔ کتنے ہی گھنٹے اعصاب شکن گزرے تھے۔ اور تماشا کیا تھا۔ انہیں شنائیہ پہ بے حد غصہ آرہا تھا لیکن پبلک پلیس میں وہ کوئی تماشا نہیں کر سکتے تھے۔ اسے دھماکے وہ وارڈ بوائے سے مخاطب ہوئے تو وہ دونوں انسٹرکٹر کندھے پہ ڈال کر چلتے بنے۔

"اما"

"بات مت کرو مجھ سے!" ہمدردی کے لیے دودیا کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ سخت ناراضی کا اظہار کر گئیں انہیں اس سے اس درجہ حماقت کی امید نہیں تھی۔ ماں سے بھی عزت افزائی کروا کے وہ منہ بسور کر ماہم کو دیکھنے لگی۔ وہ بھی سر نفی میں ہلاتی غالباً اس کی عقل کو رو رہی تھی۔

"مجھے اجازت دیں آپ لوگ۔۔۔ یہ ان کا سامان۔" اپنا چھوٹا سا بیگ اٹھا کر کندھے پہ ڈالتے شاہوزر شمعون نرملی کی سمت اشارہ کر کے اجازت کا طالب تھا۔

کہاں۔۔۔؟ واپس جا رہے ہو۔۔۔؟؟" چوہدری بخت چونک گئے۔"

واجان کا حکم ہے جب تک ان کی پوتی کا مکمل تسلی بخش علاج نہیں ہو جاتا، تب تک میں آپ سب کے ساتھ رہوں کہ محترمہ اب میری ذمہ داری ہیں۔۔۔ اتنی جلدی واپس گیا تو انہیں شک ہو گا کہ بڑی نافرمانی

۹

ہو ڈسک ملتے ہی دو تین دن تو ہاسپٹل میں گزر ہی جاتے ہیں۔ واجان کو سچ بتا کر آپ کو مشکل میں نہیں ڈال سکتا۔۔۔ اس لیے آتے ہوئے ہوٹل میں اپنی رزرویشن کروا آیا ہوں۔۔۔ دو دن اسے ہے، "پھر واپس حویلی چلا جاؤں گا۔

جب گھر موجود ہے تو ہوٹل میں کیوں رہو گے۔۔۔؟" چوہدری بخت کو معاملہ گڑبڑ لگا۔"

سیلف میڈ بندہ ہوں چچا جان! سسرال میں رہنا مناسب نہیں لگتا، جب لوگ باپ، دادا پر کھوں کی" حویلی میں رہنا گوارا نہیں کرتے تو میں سسرال میں گھر داماد کا رول پلے کرنا خاک اچھا لگوں گا۔۔۔ "واجان کی کال آئے تو سنبھال لیجیے گا۔ چلتا ہوں۔۔۔ سلام چچی جان

دو سرعت سے آگے بڑھ گیا تھا۔ چوہدری بخت کو اسے روکنے کا بھی موقع نہیں ملا۔۔۔ کس مقام پہ اسے پہنچ کر گیا تھا۔ ماں باپ کی گھورتی نگاہوں کو دیکھ کر شائستہ چوہدری کو اپنی موت واقع نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆☆

کسی کا ہو گئے جب سے ہمیں فرصت نہیں ملتی

محبت ایسا پیشہ ہے، جہاں رخصت نہیں ملتی

کہا ہے شاد نے مانگو، مگر اب مانگنا بھی کیا

ہمیں تو اک سوا تیرے کوئی حاجت نہیں ملتی

وہ ایسے مان سکتا تھا، میں ایسے کر بھی سکتا تھا

یہاں جب عقل آتی ہے تو فطرت نہیں ملتی

ے

تمہاری خوش نصیبی ہے تمہیں ہم راس نا آئے

اگر ہم تم کو مل جاتے، تمہیں شہرت نہیں ملتی

کل کو ابان تمہاری شادی ایسی ویسی لڑکی سے کر دیں گے تو کیا تم اپنی باری میں بھی چپ "
" رہو گے۔۔؟؟

"اور میرا جواب ہے شاید ہاں۔"

چند روز قبل یہ سوال شائستہ نے کیا تھا تب جواب دیتے اس نے سوچا نہیں تھا کہ عملی مظاہرے کا وقت اتنی جلدی آجائے گا۔۔۔

عیشال۔۔۔؟؟؟اس کا کیا۔۔۔کیسے سامنا کرے گا اس کا۔۔۔؟؟ کیوں کر سدھ ہو سکے گا اس کی" محرومیوں کا۔۔۔؟؟ اور وہ۔۔۔ جب وہ آس سے اس کی طرف دیکھتی تھی تو وہ تو پورے یقین سے اس کا تھا۔۔۔ پھر اس دل کا کیا۔۔۔؟؟ جہاں کوئی زمین تو کیا کسی حسینہ عالم کے لیے کچھ نہیں تھا۔۔۔ فقط فرقی ریت تھی جو ریلیشن کے نام پہ عیشال کے علاوہ کسی کے ہاتھ تھی۔ پھر وہ اس کا وجود کہاں ہوتا ۔۔۔؟؟ شاید اسی ریت کے ذرے میں۔۔۔

لیپ ٹاپ اٹھا کر اپنے کمرے سے چوہدری بخت کے کمرے میں جانے تک ذہن اتنا پراگندا ہو رہا تھا کہ اگر اسے خود پہ کنٹرول نہ ہوتا تو ضبط سے چمکتا سرخ چہرہ اسے سب کے سامنے عیاں کر جاتا۔ ہمت پہ قابو پا کر اس نے چوہدری بخت کے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ جہاں وہ چوہدری جہانگیر کو کال پہ خوشخبری سنا رہے تھے۔ وہ انجان بن کے لیپ ٹاپ آن کرنے لگا۔۔۔ پھر چوہدری حشمت جب تک فون پہ لگے رہے اس سے فارغ ہو کر اس کے ساتھ لیپ ٹاپ کی اسکرین پہ حساب کتاب

۸

دیکھتے جمع تفریق اور ضرب کروا کر اکاؤنٹ ٹرانزیکشن کی رپورٹ لیتے رہے۔۔۔ انہیں اک فیصد احساس نہ ہوا کہ وہ کس حد تک منتشر ہے۔

ماشاءاللہ! بہت اچھے سے سب کچھ سنبھالا ہوا ہے تم نے۔۔۔۔ اتنا ہی قابل ہمارا جہانگیر ہوا کرتا تھا"
۔جب حویلی میں رہتا تھا تو ہمیں ہر کام کے لیے اس کو یاد کرنا پڑتا تھا۔ پھر وہ شہر میں بس گیا۔۔۔ لیکن
اب دوبارہ امید ہو چلی ہے کہ وہ لوٹ آئے گا۔۔ اس کے لیے ہم تمہارا جتنا شکریہ ادا کریں، کم ہے۔۔۔
تم میں اسے کچھ نظر آیا تب ہی تو وہ جو گاؤں سے بے زار ہو گیا تھا، بیٹی بیاہنے کو تیار ہو گیا۔" چوہدری
بخت اسے سمیٹ لینے کا اشارہ کرتے اس کی صلاحیتوں کی تعریف کرکے چوہدری جہانگیر کی محبت کے گن
گانے لگے۔۔ سب کو خبر تھی کہ اسی محبت پہ وہ اکثر ان کے سامنے گزر پڑ جاتے تھے۔ نرمین کے لیے ہاں
کرتے خود غرضی سے وہ سارے عوامل فراموش کر گئے تھے۔ جس میں نرمین کی شہری پرورش، صبیحا
آن بخت حویلی میں کسی سے مزاج نہ ملنا۔۔۔ بیٹے کی چاہ میں وہ سبحان کے مزاج بخت کو فراموش کرکے
اس کی رائے بخت سے بے پرواہ ہو گئے تھے۔

وہ کافی دیر بخت ان کے دل کی باتیں سنتا رہا۔ پھر جب انہیں وقت گزرنے کا احساس ہوا تو اسے آرام کا
مشورہ دے کر جانے کا حکم دیا۔

کمرے سے نکلا ہی تھا کہ شاہ زر شمعون کی کال اس کے نمبر پہ آنے لگی۔ وہ پہنچنے کی اطلاع دینے کے ساتھ
حویلی کی خیریت پوچھ رہا تھا۔

کچھ ہوا ہے سبحان۔۔۔؟؟ تو ٹھیک نہیں لگ رہا۔" جانے کیسے اسے محسوس ہو گیا۔"

ٹھیک ہوں بڑے، مجھے کیا ہونا ہے۔۔؟؟" وہ اُلٹا پوچھنے لگا۔"

"تیری طبیعت ٹھیک ہے۔۔؟؟"

دل ٹھیک نہیں۔۔۔!" دل تو یہی جواب دینے کو چاہ رہا تھا لیکن وہ لہجہ بدل کر اسے مطمئن کرنے شائستہ " کی طبیعت پوچھنے لگا۔ وہ سب سے سچائی چھپا سکتا تھا لیکن اس سے نہیں۔۔

شک تو مجھے بھی ہوا تھا کہ چوٹ نہیں لگی لیکن بھابھی بیگم سے ایسی حماقت کی امید نہیں تھی۔۔۔۔" " سمہان آفندی کو بھی افسوس ہوا کہ اتنے اچھے بندے کی شائستہ قدر نہیں کر رہی۔

آنے والے دنوں میں اس سے زیادہ کی امید رکھو۔۔۔۔ حویلی میں کسی کو نہ بتانا، تو جگر ہے اپنا، اس " لیے بتا دیا کہ داجان ہاسپٹل کی نیوز لینا چاہیں تو تم لوگ سے سنبھال لینا۔۔۔ تجھے اندھیرے میں رکھ کے مجھے ویسے ہی مرنا نہیں ہے۔" شاہ تفریحی لہجے میں کہہ گیا تو وہ مسکرا دیا۔ اور رلو کو آنکھ مشال پہ اس کی مسکراہٹ بجلی بن کے گری۔

بے فکر رہو بڑے، اپنا خیال رکھنا اور ہوٹل کی بجائے بہتر ہے چچا جان کے گھر ہی چلے جاؤ۔" سمہان " آفندی کی نظر بھی اس پہ پڑ گئی تھی۔ سو لہجہ دبا کے بولتے اس کی ساری حسیات الرٹ ہو گئیں۔۔ شاہ جانے جواب میں کیا کہہ رہا تھا، غیر ارادی نظر خلاء میں ڈال کر وہ سن تو رہا تھا لیکن ذہن جیسے فریز ہو گیا تھا، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔۔۔ خیالوں کے تانے بانے اس کی ذات کی ویرانی نے کھینچ لی تھی،، تھوڑی دیر ہاں، ہوں کر کے اس نے پھر بات ہو گی کہہ کر کال بند کر دی تھی۔

مجھے دیکھ کر بڑی جلدی کال کاٹ دی، کرتے رہتے بات، میں نے کیا کہنا تھا اور ویسے بھی کون سا" تمہاری زمین آن لائن تھی جو پرائیویسی کا خیال آ گیا۔" وہ چھوٹتے ہی جس کڑوے لہجے میں گویا

ہوئی اس نے سبحان آفندی جیسے مستعد کھلاڑی کو بھی سنبھلنے کا موقع نہیں دیا "تمہاری زمین" کا طعنہ اگ بلبلانے پہ مجبور کر گیا۔

روم میں جا کر تسلی سے بات کروں گا۔۔۔۔ تم بھی یقیناً کوئی بات کرنے کی نیت سے رکی ہو اس لیے

۱۰

بھی اللہ حافظ کہہ دیا کہ تمہیں انتظار کی زحمت نا ہو۔" وہ نرمی سے مسکرا رہا تھا۔ عیشال جہانگیر بڑے غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی کہ شاید ذہن کے کسی بھی کونے سے بھی کوئی ندامت یا پریشانی نظر آئے لیکن اسے معمول کی طرح لیپ ٹاپ بازو میں دبائے چوہدری حشمت کے کمرے سے نکلتے دیکھ کر اس کی باتیں سن کر اس کا وجود شعلوں میں گھر گیا۔

بے فکر رہو، زیادہ وقت نہیں لوں گی، نظر پڑ گئی تو سوچا تمہیں مبارک باد دے دوں۔" اس پہ کٹیلی نظر ڈال کر تمسخرانہ لہجہ اختیار کر گئی۔ اس نے کتنا چاہا تھا کہ سامنا نہ ہو یا اس وقت ہو جب وہ اسے ہینڈل کرنے کے لیے ذہنی طور پہ تیار ہو جائے لیکن وہ اس کے ضبط کا امتحان لینے سامنے آ گھڑی ہوئی تھی۔ سوجے ہوئے پپوٹے، اور لال ہوتی آنکھیں اور ناک گواہ تھیں کہ وہ روئی ہے۔ دل جیسے برچھی کی طرح کھنچتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن وہ اس پہ کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

خیر مبارک!" ہولے سے مسکرایا تھا۔"

کہاں گئیں تمہاری فلسفیانہ باتیں۔۔۔؟؟ اچھی لڑکی ہو۔۔۔ انتظار کرو۔۔۔ تحمل اور وقت کے ذرائے "
۔۔۔؟؟؟ وہ باتیں تھیں، محض باتیں۔۔۔ اور حقیقت یہ ہے۔۔۔" اس کی ماضی کی کہی باتوں کو
دہراتے اس کے تیور بار بار تن ہو گئے تھے۔

پھر کبھی انتظار، آس کا درس دے کر صبر کا فتویٰ مت دینا، کیونکہ بزدلوں کے پاس صبر کا پھل کڑوا ہی "
نکلتا ہے۔۔۔" اس پہ اک سرد نظر ڈال کر وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی چلی گئی۔۔۔ سبحان آفندی کئی ثانیے
تک حیران اپنی جگہ سے ہل بھی نا سکا۔۔۔ کبھی اس کی ذات بزدلوں میں شمار تھی تو کبھی اس کے
تحمل بردباری اور اپنے کی واپسی پہ واری صدقے تھا۔ کئی محاذ پہ وہ فاتح ٹھہرایا گیا تھا تو کہیں مفتوح کی نظر
سے بھی واسطہ پڑا تھا۔

II

اسے میشال کے اندر پہ بھی حیرت ہوئی تھی کہاں تو وہ سوچے بیٹھا تھا اس کی ذات کو لفظوں سے روند
جائے گی اور کہاں وہ اُلٹا نصیحت کر گئی تھی۔ اس کے مزاج کا ٹھہراؤ اسے حیران کر گیا تھا۔ اس نے جاتی
ہوئی میشال کی پشت پہ اک نظر ڈالی تھی گھیر دار شلوار اور فٹنگ فی شرٹ پہ ٹائی کی طرح بندھا سکارف
لیے وہ جس بے فکر انداز میں پھر رہی تھی اس کی چال سے بغاوت کا طبل تھلم کھلا عیاں تھا۔ سبحان
آفندی کی آنکھوں سے پہلی بار ذرا جھکنے لگا تھا۔

☆☆☆☆

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری بیٹی اک دن میرے لیے اس حد تک شرمندگی کا باعث بنے گی "
کہ زندہ رہنے سے زیادہ مجھے ڈوب مرنا زیادہ آسان لگے گا۔۔۔۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی اس حد تک
ڈرامہ کرکے سب کو پریشان کرنے کی۔۔۔؟؟ شاہ سب جانتا تھا اگر وہ حویلی میں بات کھول دیتا تو
۔۔۔۔؟؟ جانتی ہو بابا جان مجھے اور تمہاری ماں کو کیسے کرے ہاتھوں لیتے۔۔۔؟؟ یہ تو شاہ کا بڑا پن ہے
کہ وہ چپ چپاتے تمہیں چھوڑنے چلا آیا۔ اور جانے تم نے اس سے کس حد تک فضول بکواس کی ہے کہ وہ
گھر آنے کی بجائے ہوٹل میں رہنے کو ترجیح دے گیا۔۔ اتنا بھی احساس نہیں کیا کہ اب وہ کزن نہیں شوہر
" ہے، ذرا سی بے وقوفی ساری زندگی کے لیے اس کی نظر میں تمہیں گرا سکتی ہے۔۔۔؟؟

شائستہ چوہدری جو چوٹ کا ڈرامہ کرنے سے لے کر سفر تک اپنی جیت اور شاہ زر شمعون کی ہار کا جشن
منانے آئی تھی۔۔ اس کا سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔۔ شاہ تو نکل گیا تھا لیکن ایئر پورٹ سے گھر آنے تک
راستے میں اس کی بہت کلاس لگ چکی تھی اور گھر آکر بھی کوئی چوہدرائن ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ شاہ نے
ان کی

گاڑی کی بجائے خاطروں کی جیپ میں ہوٹل تک کا سفر کیا تھا، چوہدری بخت کو اس کا بھی قلق تھا۔

پپا! یہاں رہنے یا نا رہنے کا فیصلہ ان کا خالصتاً ذاتی ہے اس بارے میں تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔" "
وہ منمنائے صفائی دینے لگی۔

منہ بند کرو اپنا!" چوہدری بخت اس بری طرح دہاڑے کے تینوں ہی سہم گئیں۔ بلاشبہ آج پہلی بار وہ سب انہیں اتنے غصے میں دیکھ رہی تھیں۔

"میں صبح ہوٹل جا کے شاہ کو منا کر لاؤں گا اور تم اپنے کیے کی معافی مانگو گی۔"

میں کیوں۔۔؟ میں نے کیا کیا جو معافی مانگوں) وہ اندر ہی اندر جھنجلا کے رہ گئی لیکن دوبارہ بولنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

"دیا! اس لڑکی نے مجھے شاہ سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔۔ حویلی لوٹنے کا فیصلہ شاید میں نے بہت دیر سے کیا۔۔۔ بابا جان کو کہتا ہوں جتنی جلد ممکن ہو ہاسپٹل کا کام شروع کروائیں۔۔ کچھ بعید نہیں میں ہاسپٹل بننے کا انتظار بھی نا کروں اور ساری ذاکری پہ لعنت بھیج کر اپنے کھیت میں ٹریکٹر چلانے کو اہمیت دوں۔" چوہدری بخت انتہائی لہجے میں دیا سے مخاطب ہو کر اپنا فیصلہ سناتے لاؤنج سے چلے گئے تھے۔

ایسا میں نے کیا کر دیا جو محبت کرنے والے پپا اتنی باتیں سنا کے چلے گئے۔" "؟؟" ان کے جانے کے بعد کب سے ملزم کی طرح کھڑی شنائیہ چوہدری دھپ سے صوفے پہ گر گئی۔

ہوٹل میں رہنے کا فیصلہ محترم کا ہے، اب وہ ہوٹل میں رہے یا جنگل میں۔۔۔ اس میں میرا کیا قصور۔۔؟؟" وہ دو طلب نظروں سے ماہم کو دیکھ رہی تھی۔

شرم تنی شنائیہ۔۔ اپنے پپا سے اتنی باتیں سننے کے بعد بھی تمہیں اپنی غلطی، شاہ کی اصلاحی طرفی"

اور ہماری پریشانی کا احساس نہیں ہو رہا۔۔۔؟؟؟ اصل ترقی قدر کرو اپنے اپنے شوہر کی جس نے بیچ کھول کر تمہیں سب کے سامنے ذلیل نہیں کیا، بلکہ اپنی عزت سمجھ کر پردہ پوشی کر لیا۔

ہم پہ ترس کھاؤ کہ تمہاری جھوٹی گھڑی گئی ویڈیو کو دیکھ کر جس شاک سے کچھ ہو جاتا تو کہاں سے والدین کو واپس لاتیں۔۔؟ تمہارے لیے شاید زندگی مذاق ہے، ناپسندیدہ جگہ میں رہنا تمہارے لیے عذاب ہے تو کان کھول کر سن لو اب سے تمہاری حقیقی بڑی بھی فوتی تو بھی ہم اعتبار نہیں کریں گے ۔۔۔آج تم نے میری تربیت کو داغدار کر کے مجھے شاہ اور اپنے پپا کی نظر میں گرا دیا ہے۔۔۔ بات مت "کرنا مجھ سے۔

اس کی بے فکری پہ دیا کو بابا کا غصہ آیا تھا جسے انہوں نے نکال بھی دیا۔ اور پیچھے وہ سامبہ کا منہ تکتی رہ گئی۔

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں اور اب پچھتاوے کیا ہوت جیسے ضرب المثل عالبا آپ کے حسب حال کے" لیے ہی کہا گیا ہے۔" سامبہ نے بے چارگی سے روشنی ڈالی تو وہ ہونٹ بھینچ کر رونی صورت بنا گئی۔

اس سنگدل انسان نے میرے حقیقی ماں، باپ کو بھی سوتیلا بنا دیا۔۔۔" اس حال میں بھی اس کی" نظر میں سارا قصور شاہ زر شمعون کا تھا۔ اس کی ڈھٹائی پہ سامبہ کو ہنسی تو بہت آئی لیکن ضبط کر گئی۔

☆☆☆☆

کہتے ہیں جسے شہر کے سب لوگ مسیحا

وہ شخص میرے درد سے انجان سا کیوں ہے

مٹی کا بنا ہے تو مکمل کیوں نہیں لگتا

پتھر کا صنم ہے تو وہ انسان سا کیوں ہے

۱۴

عیشال کا جی شدت سے چاہنے لگا تھا وہ کہیں گم ہو جائے اور اس کا وجود ڈھونڈے سے بھی کسی کو نا ملے۔۔۔ کبھی کبھی اک حاصل کی آس میں زندگی لگی رہتی ہے اور جب وہی حاصل، لاحاصل کی حدوں سے لگ کر خود سے دور جاتی محسوس ہو تو زندگی وجود کے اندر ہی ختم ہونے لگتی ہے۔ اس کے لیے بھی سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ لیکن اسے اپنے اندر کے سکوت سے وحشت ہونے لگی تھی، جانے اندر اتنی خاموشی کیوں ڈر تھی۔ اور یہی ڈر اسے سبحان آفندی کی آنکھوں سے بھی جھلکتا نظر آیا تھا، وہ بھی اس کی خاموشی پہ حیران ہوا تھا۔ شاید وہ بھی منتظر تھا کہ وہ چیخے گی، چلائے گی حویلی سر پہ اٹھالے گی لیکن وہ بھول گیا تھا کہ ایسا وہ اس صورت میں کر سکتی تھی جب وہ اسے محبت کا انسان سمجھتا۔ جب محبت کا اقرار کسی سمت سے ہوا ہی نہیں تھا تو وہ کس برتے پہ اس کا گریبان پکڑتی، کس حق سے گلہ کرتی۔۔۔ اس کے پہلو تہی کے بعد وہ کیونکر اپنی انا، پندار کو طشت پہ سجا کر خود کا اس کے سامنے تماشا لگاتی۔۔؟؟ کیونکر خود کو اس کے سامنے چھوٹا ثابت کرتی۔۔ عورت کو مرد کے ساتھ کا ذرا سا بھی یقین ہو تو وہ زمانے کی لینت سے لینت بھاڑ جاتی ہے

اور یہی اک ڈر تھا جو صبیحان آفندی آج تک اس کے سامنے مکمل کھلا نہیں تھا۔ بڑوں کے قصے اس کی گھٹی میں گھولی گئی تھی۔ وہ بغاوت کر کے جنگ کا خواہاں نہیں تھا کہ بغاوت، جنگ اپنوں سے کب ہوتی ہے ۔۔ اپنوں پر تو اپنی زندگی تک وار دی جاتی ہے۔۔ اور وہ یہی کر رہا تھا لیکن شاید میشال ایسا نہیں کر سکتی تھی تب ہی اس کی خاموشی سے اسے خوف آ رہا تھا۔۔

جھگڑ چلنے کے بعد تیز بارش شروع ہو چکی تھی۔ آدھی رات کو شروع ہوئی بارش اندھیری رات کو خاصا خوفناک بنا دیتی تھی۔ ہوا اور بادلوں سے ڈرنا سفید باریک پردہ، کمرے کی خوابناک روشنی سے اتنی گھٹن ہونے لگی کہ اس کے قدم کھلی چھت کی اور بڑھنے لگے۔

15

فرش پہ بوندوں کا رقص، بادلوں کی گرج اور ہواؤں کے شور سے تاریک رات مزید دہشت زدہ لگ رہی تھی۔ سنگلاخ وجود پہ بوندوں نے موٹی دھار کی صورت برس کر اپنا اسیر کرنا چاہا تھا لیکن ان کی کوشش بے کار گئی تھی۔ بجلی زور سے چمکی تھی اور اس کا وجود دیوار سے لگنے کے ساکت ہو گیا تھا۔۔۔۔ بجلی کی چمک نے اک لمحے کو سارا منظر واضح کر دیا تھا۔ اس کی نظر بے ساختہ جھولے کی اور گئی تھیں۔ اس برستی خوفناک رات میں ہر ڈر، ہر خوف سے بے نیاز بری طرح آندھیوں کی زد میں گھری بلاشبہ وہ میشال جہانگیری تھی۔۔۔ دیوار سے لگے، جانے وہ کیسے فراموش کر گیا تھا کہ اسے بھی کمرے کی گھٹن لے آئی ہو یا اس سے سامنا ہو سکتا ہے۔ دل میں جیسے سوئیاں سی چبھنے لگی تھیں۔۔۔۔ وہ واپس پلٹنا چاہتا تھا لیکن قدم بڑھنے سے مضروت کر چکے تھے۔ اسے اس بری طرح روتے دیکھ کر اپنے آپ سے پہلی بار

نفرت سی محسوس ہوئی ۔۔۔ یہ وہاں، پان سی ترکی رات کے اس پہر اس اجنبی، گم گشتہ محبت پر ہی تو بین کر رہی تھی جو ملنے سے پہلے ہی کسی اور کے نام ہونے جا رہی تھی۔۔ وہ محبت جو دونوں کے سامنے کبھی بیان نہیں ہوئی تھی لیکن دونوں کی زندگی میں اس بن کہی محبت کے باعث ہی رنگ تھے۔

اس کے قدم بے ساختہ اس کی اور اٹھ رہے تھے۔ قریب جانے پہ احساس ہوا سرد برستے پانی میں شرابور اس کا وجود بری طرح کانپ رہا تھا۔ آنکھ کا پانی تو بارش کے پانی کے ساتھ مدغم ہو کر اپنی ہیئت کھو رہا تھا لیکن آنکھ کا گلابی پن بجلی کی چمک واضح کر رہی تھی۔

وہ سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ بچ چکی تھی لیکن عمل میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ ان کے بیچ صرف بوندوں کا شور تھا۔ بادلوں کی گرج، بجلی کی لپک تھی۔ لب دونوں جانب ساکت تھے، ناوجاہت کی چیز خالی تھی ،جواد کی طرف سے جوابی گولہ باری۔ اس کے کپکپاتے وجود کو دیکھتے اس نے اپنے وجود پہ نظر ڈالی تھی۔ وہ ابھی تک دن کے کپڑوں میں ملبوس تھا، کچھ بھی روٹین میں کب ہوا تھا آج۔ اپنی بلیو جیکٹ اتارتے

"

"

اس کی پشت پہ آیا تھا۔ خاموشی سے اس کی وجود پہ جیکٹ ڈال کر واپسی کے لیے قدم بڑھائے ہی تھے کہ عیشال جہانگیر نے جھٹکے سے جیکٹ کھینچ کر اس کے منہ پہ دے ماری۔ جیکٹ قدموں میں آ پڑی تھی۔

"نہیں چاہیے تمہاری ہمدردی کی بھیک ۔۔۔ نہیں چاہیے دکھاوے کا اپنا پن ۔۔۔ اکیلی ہوں، اکیلی ہی رہوں گی۔" بری طرح چیختے وہ اس کے وجود کو ساکت کر گئی تھی۔ وہ کافی دیر تک اکیلا ہی بھیگتا رہا۔

☆☆☆☆

وہ اگلے دن کے بعد ہی یونی آگئی تھی لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے برسوں بعد آئی ہو۔۔۔اس کی حالت اس شخص کی طرح ہو رہی تھی جو ہاتھ سے نکلتی ڈور کا سرا اچانک پکڑ کر اپنی ہار کو جیت میں بدلتا دیکھتا ہے۔اس کی تمکنت کو ایشان جاہ نے حیرانی سے دیکھا تھا۔اس کی حیرانی پہ اسے حیرانی ہوئی تھی کہ کہیں وہ اس پابندی سے تو واقف نہیں تھا۔۔۔؟؟لیکن ایسا کیسے ہو سکتا تھا،وہ سر جھٹکنے کے ساتھ اس کی موجودگی کو جھٹک گئی، البتہ اس کے گروپ نے ایشان جاہ کے پُرسکون انداز کو دیکھتے اسے ٹوکہ بھی دیا۔

دیکھ،دیکھ آگئی،دشمن اول!" سعید نے متوجہ بھی کیا لیکن جب ایشان جاہ نے خاص رسپانس نہیں دیا تو" وہ سب بھی سر جھٹک گئے۔

وہ جب تک کلاس میں رہی خود کو ایشان جاہ کی نظروں کی زد میں دیکھ کر اس کے نقوش بگڑنے لگے۔

دماغ ٹھکانے پہ ہے اس کا۔۔۔؟اگ ذرا سا لمحہ کو ہاسپٹل لے جا کر خود کو فلمی ہیرو سمجھ رہا ہے۔۔۔"" وہ جھنجلا کے انوشا سے ذکر کر رہی تھی۔اس کے یونی اور انوشا کے اسکول سے لوٹنے کے بعد دونوں حسب ہدایت شاپنگ پہ چلی گئی تھیں۔جانے منزہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی یا وہ کس موڈ میں تھیں کہ انہیں اکیلے

جانے کی اجازت دے دی۔ جوں، جوں وقت گزر رہا تھا انہیں الہام ہونے لگا تھا کہ وقت مختصر سے مختصر رہ گیا ہے۔ اور ان کے بعد ان کی بیٹیوں نے اکیلے ہی زمانے کے سرد و گرم برداشت کرنے ہیں۔ شاید یہی وجہ تھی جو انہوں نے اکیلے جانے کی اجازت دے دی اور اب دونوں شاپنگ کرتی سارے دن کا احوال ڈسکس کر رہی تھیں کہ پھر موقع نہیں ملتا کہ سارا کو گھر پہنچ کر کوچنگ کے لیے بھی ٹائم تھا بلکہ وہ تو بضد تھی کہ راستے سے ہی چلی جائے گی لیکن وہ تھوڑا آرام کر لے اس نیت سے انوشا جلدی جلدی چیزیں دیکھ رہی تھی۔

اتنی بھی ایمرجنسی نہیں ہے، تم تسلی سے چیزیں دیکھو، ایسا کریں گے کل پھر اک چکر لگا لیں گے" دوسرے مال کا۔" مبادا جلدی میں انوشا کو دل کے لائق چیزیں نہیں ملتیں اس خیال سے اس نے کل کا دن بھی شاپنگ کے نام کر دیا تو انوشا کے دل کو بھی بات لگی۔

ہاں بچہ تو ٹھیک کہہ رہی ہو۔ کل پھر آجائیں گے ۔۔۔ لیکن مجھے تمہارے ایشان جاوکی سمجھ نہیں آرہی کہیں" محترم لوایٹ فرسٹ سائیڈ کا شیلر تو نہیں ہو گئے، تمہاری کل کی عزت افزائی کے بعد ۔۔۔؟؟" اس کے خیال سے اتفاق کرتے انوشا نے یو ٹرن لیا تو وہ کھلکھلا کے رو گئی۔

توبہ کرو انوشا ۔۔۔ ! کیسی فضول باتیں کرنے لگی ہو ۔۔۔ میں لعنت بھیجنا بھی پسند نا کروں اس" گھمنڈی انسان پہ ۔۔۔" وہ نخوت سے اس کا تصور ہی جھٹک گئی۔

"زندگی بذاتِ خود بڑی قلمی ہے مائے ڈیئر ۔۔۔"

ہو گی لیکن دلن کو بیر و کار دل دینے کا میرا قطعا کوئی موڈ نہیں ہے۔۔۔" وہ منہ بنا گئی۔"

ہائے ایسا تو نا کہو۔۔ اتنا تو پینڈ سم ہے۔۔۔ کہیں سے دلن نہیں لگتا۔۔" انوشا نے اختلاف کیا۔""

اگر لساں یا یاسر بھائی نے سن لی نا غیر مرد کی اتنی تعریفیں ہوٹ چکی ہے تمہاری۔۔" اس نے شاپ "

پ

۱۸

نظر دوڑاتے ذرا یا۔

لو جی! تو میں اپنے لیے کب بجہ رہی تھی۔۔۔ مجھے تو وہ تمہارے لیے بہت سوٹ ایبل لگا۔" وہ واقعی "

ذرے صفائی دینے لگی۔

خود کی شادی ہوئی نہیں کہ کنوارے ابھی سے تمہاری آنکھوں میں کھٹکنے لگے۔۔۔ معاف رکھو مجھے۔"

شادی کرو اور چین سے اپنے گھر جاؤ۔ مجھے اور لساں کو ذرا اکلاپے کا مزا لینے دو۔" اس کی شوخی پہ انوشا نے

شاپنگ بیگ اس کی طرف اچھالا تھا، وہ مسکرا کر باہر آگئی تھیں اب ان کی نظر آٹو والے کو تلاش کر رہی

تھیں۔۔ سواری دیکھ کر آٹو والا قریب آیا تو بھاؤ تاؤ کر کے وہ دونوں سوار ہو کر گھر کی راہ لینے لگیں۔

بس یہیں روک دو بھائی!" گھر کے آگے آٹو رکوا کر انوشا آٹو والے کو پیسے دینے لگی۔ سامان اتیجر سے "

گھر کے کھلے دروازے کو دیکھنے لگی۔

یہ گھر کا گیٹ کیوں کھلا ہوا ہے۔۔۔ سب خیر تو ہے۔۔۔؟؟" وہ بولتی ہوئی بڑبڑائی۔۔۔ منزہ کی طرف سے تو ہر وقت کدھر کا ہی انکار رہتا تھا۔

لساں!" انوشا کا انتظار کیے بنا وہ تیزی سے منزہ کو آوازیں دیتے داخل ہوئی تھی۔ انوشا نے بھی بنا کچھ" مزے تڑے نوٹ پکڑ کر اس کی تقلید کی تھی۔

لساں آپ کہاں ہیں۔۔۔؟؟" کچن، واش روم میں جھانکتی آوازیں دیتی وہ ان کے کمرے کی طرف بڑھی" تھی۔ برسوں گزر گئے تھے۔ ان کے گھر کا دروازہ کبھی کھلا نہیں رہتا تھا پھر آج کیسے۔۔۔؟ ان کا چونکنا لازم تھا۔

اپنے کمرے میں ہوں بیٹا، یہاں آجاؤ!" منزہ کی آواز نے تقویت دی تو وہ تیزی سے ان کے کمرے" میں داخل ہوئی۔

19

سب خیر ہے لساں۔۔۔ یہ گھر کا دروازہ کیوں کھلا ہوا ہے۔۔۔؟؟" بولتے بولتے وہ کمرے میں داخل" ہو گئی تھی۔ لیکن اگلے دم سے قدم رک گئے تھے۔ اس کے پیچھے داخل ہونے والی انوشا کو اس کا رکنا کھلا

۔

راستے میں کیوں رک گئیں۔۔۔؟؟ آگے بڑھو نا۔۔۔!" وہ رکاوٹ بنی کھڑی تھی اور انوشا اس کے" باعث آگے نکلنے سے قاصر تھی۔

توبہ ہے سارا! پتھر کی بن گئی ہو تم تو۔" انوشا بجلی جیسی سائیڈ سے نکل کے آگے بڑھی تھی اور وہ بھی کم و بیش چھرا ہی گئی۔

السلام علیکم ۔۔۔ آپ ۔۔۔؟؟" انوشا ہوق کی طرح منزہ کے سامنے براجمان ایشان جاہ کو دیکھ کر بیہوش ہونے کے قریب تھی۔ ابھی سارا راستہ وہ اس کی تواضع کرتی آئی تھیں اور وہ گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے گھر سے آگے پارک ہوئی گاڑی بھی حافظے میں آئی جو کھلا دروازہ دیکھ کر نوٹس نہیں کر سکیں تھیں۔ ویسے بھی گاڑی شاہد صاحب اور ان کے دروازے کے بیچوں بیچ پارک تھی دیکھنے والے کو یہی لگتا کہ شاہد صاحب کے گھر کوئی آیا ہے۔ انوشا شاید حواس رو کر سارا کو دیکھ رہی تھی اس کے چہرے کی ہوائیاں سمجھ آگئی تھی۔

ایشان آیا تھا، میں شاید دروازہ بند کرنا بھول گئی۔" منزہ صفائی دے رہی تھیں۔"

والسلام! اوکے آنٹی میں چلتا ہوں۔" ان کے ہوق انداز کو مسکراتے ہوئے دیکھتے اس نے منزہ سے اجازت طلب کی۔

ایسے کیسے پہلی بار آئے ہو، تمہیں اکیلے چھوڑ کے آنٹی نہیں اب بچیاں آگئی ہیں۔ فوراً چائے بن جائے گی۔" منزہ کے انداز پہ وہ دونوں کو فشی کے دورے پڑنے کی دیری رہ گئی تھی کہاں تو گھر میں غیر مرد کا داخلہ ممنوع تھا۔ اور کہاں ایشان جاہ شان سے براجمان تھا اور منزہ انہیں چائے بنانے کا کہہ رہی تھیں۔

۴۰

رہنے دیں آنٹی!" اور وہ بھی جیسے اسی قسم کی ٹھکر کا منتظر تھا۔ گھٹنے کے ساتھ مزید ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کے بیٹھ گیا تو انوشا کو ہنسی آنے لگی۔

"جاؤ سلورا، چائے بنا لاؤ۔" منزہ نے اشارہ کیا تو اس کا سکتہ ٹوٹا۔ وہ چونک کر اک نظر اس پہ ڈال کر منزہ کو دیکھنے لگی۔ ان کے چہرے کی روشنی اور کھلا پن کافی عرصے بعد انہیں نظر آیا تھا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔ وہ مرے مرے قدموں سے کچن کو پلٹ آئی۔

"چلو بیٹا، دشمن اول کے لیے چائے بناؤ۔" انوشا اس کے ہاتھ سے شاپنگ بیگز لے کر کچن کی طرف اشارہ کر گئی۔ اندر میں شوخی لیکن آواز دھیمی تھی۔

"یہ یہاں کیسے آگیا۔۔؟؟" وہ حیران ہو کر خالی سوسر چولہے پہ رکھ گئی۔

"ویسے بھی کیا بدھو ہو اسی۔۔ پانی تو ڈالو۔۔" انوشا بیگز کو دوسرے کمرے میں لٹکانے لگ کر اس کی مدد کو آئی تو خالی سا سر دیکھ کر ٹوک دیا گئی۔

"ہاں۔ وہ ڈالنے ہی لگی تھی۔" وہ گڑبڑا کر پانی ڈالنے لگی۔

"یہ چائے کے ساتھ بسکٹ اور نمکو بھی رکھ دو۔ خالی چائے اچھی نہیں لگتی نا۔۔" انوشا پلیٹ نکال کر ساتھ اور بھی چیزیں نکالنے لگی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اتنی مہمان نوازی کی۔ میں تو چائے دینے کے حق میں بھی نہیں ہوں۔" سلورا نے دونوں چیزیں اپنے قبضے میں کر کے سائیڈ لگا دیں۔ انوشا اس کی کمر درست پہ سر پکڑ گئی۔

تم لوگ باہر سے کچھ لے کر آئی ہو تو چائے کے ساتھ وہ بھی رکھ دو۔ ورنہ کسی بچے کو بھیج کے کچھ منگوالو۔ خالی چائے سامنے رکھنا اچھا نہیں لگتا نا۔۔۔!" منزہ ہی پیچھے سے آکر ہدایت دینے لگیں۔

ہم بسکٹ اور نمکو لینے آئے تھے، وہی رکھ رہے ہیں لیکن!" سلمہ تو حیرت سے پاگل ہونے لگی"

۲۱

تھی۔ انوشا نے ہی پکا سامنہ بنا کر اطلاع دی۔

بہت سمجھدار ہے میری بچی۔۔۔ جلدی سے چائے لے آؤ!" منزہ تیزی سے کمرے میں واپس چلی گئی" تھیں۔ اس گھڑی جیسے ساری کمزوری اُن پر حاوی ہو گئی تھی۔

لاؤ وہ تو نمکو اور بسکٹ کے پیکٹس۔۔۔ دیکھا نہیں لیکن کیسے سمجھدار بچی سمجھ کر میری تعریف کر گئی" ہیں۔" انوشا نے جھکتے ہوئے ہاتھ بڑھائے تو وہ جھنجلا کے دونوں چیزیں اس کے ہاتھ پہ دھر گئی۔

چائے بن گئی تو انوشا ہی لے کر اندر گئی کہ اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

لیکن کیوں۔۔۔؟؟" انوشا گئی تو وہ" لیکن کے اصولوں میں اتنی بڑی تبدیلی۔۔۔ ایشان جاوید کے لیے بھی وہیں کی ہو کے رہ گئی۔ وقفے وقفے سے تینوں کی باتوں کی آواز آتی تھیں۔

لیتے ہوئے وہ حیران پریشان جاوید لپیٹ کے سست پڑ گئی" سلمہ نے انوشا کو بھی اس کے سامنے بٹھالیا۔ تھی۔

☆☆☆☆

شائیہ کی حرکت پر میں تم سے سخت شرمندہ ہوں شاہ! بزدلی تم میں پلی ہے شاید تب ہی ہر چیز کو" ایڈونچر، تفریح سمجھتی ہے۔ ہو سکے تو معاف کر دو اس کی بے وقوفی کو اور گھر چلو۔ اپنا گھر ہوتے تم یہاں ہوٹل میں پڑے ہو، بھلے فائیو اسٹار ہے لیکن میرے لیے تو ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ میرا داماد "اور بھتیجا گھر کی بجائے ہوٹل میں رہے۔

صبح ہوتے ہی چوہدری بخت اس کے سامنے موجود تھے۔ اور اسے ساتھ چلنے پر اصرار کر رہے تھے۔

۲۲

یقین کرو مارے شرمندگی کے پوری رات سو نہیں سکا۔۔۔ ساتھ ہی تمہارا شکر گزار بھی ہوں کہ تم" نے حویلی میں ہماری عزت رکھ لی۔" چوہدری بخت شرمندہ سے تعریف کر رہے تھے۔

آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے چچا جان۔۔ یہاں ہر چیز کی سہولت ہے آپ پریشان نا" ہوں۔ ممکن ہوا تو آج، ورنہ کل ضرور حویلی چلا جاؤں گا۔ آپ کچھ محسوس نہیں کریں۔" وہ اس کا نام لیے بنا انکاری تھا۔

کیسے محسوس نا کروں۔۔۔ شائیہ نے بہت بڑی بے وقوفی کی ہے۔۔۔۔ اور تم ناراض ہو تب ہی تو گھر " کی بجائے یہاں موجود ہو۔۔ میں کیسے اچھا محسوس کر سکتا ہوں۔" چوہدری بخت نادم تھے۔ شاور شمعون کو ان کا بار بار اصرار اور اپنا انکار غیر مناسب لگ رہا تھا لیکن شائیہ نے اسے نیچا دکھانے کے لیے جو حرکت کی تھی اس پہ اسے شدید غصہ تھا۔ بات صرف اس کی ذات کی پریشانی تک رہتی تو قابل برداشت تھا لیکن اس نے تو پوری حویلی حتی کہ والدین تک کو پریشان کر دیا تھا۔ یہ کوئی اتنی چھوٹی بات نہیں تھی جو وہ نظر انداز کر جاتا۔ اس کی نظر میں نا بڑوں کی بات کی اہمیت تھی، نا ہی۔۔۔ وہ بس اپنی من پسند چیزوں کے حصول کے لیے ہر حد تک جا سکتی تھی۔۔ حالات کو اپنے لیے سازگار کرنے کے لیے کوئی بھی ڈرامہ کر سکتی تھی۔ اور اس کی یہی منفی زور طبیعت اسے کھل رہی تھی۔

نکاح ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے تھے اور اس کی بد معاشیاں زور پکڑنے لگی تھیں، چاہتا تو سارے کس بل نکال دیتا لیکن ابھی صرف نکاح ہوا تھا۔ اور وہ اس پہ سب کے سامنے حکم چلانے سے بھی قاصر تھا کہ وہ جس ماحول میں بڑا ہوا تھا وہاں نکاح کے بعد بھی آزادانہ میل ملاپ کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔۔ اسے ذلیل گھوڑی کی طرح سیدھا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ کچھ وقت انتظار کرتا۔ لیکن شائیہ چال پہ چال چلے جا رہی تھی کہ وہ بازی جیت رہی ہے جب کہ اس کی ساری چالیں ابھی باقی

۲۳

تھیں۔ ابھی تو اس نے سر اٹھائے بھی نہیں تھے کہ اس کی چلی چال خود اس کے گلے کی ہڈی بن گئی تھی۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ چوہدری حشمت کی کال شاہ زر شمعون کے نمبر پہ آنے لگی۔ ملیک سلیک کے بعد وہ فکر مندی سے پوتی کی خیریت دریافت کر رہے تھے۔

پریشان ہونے کی بات نہیں ہے دادا جان ۔۔۔ بڑی سادہ سی ہے بس اک تو ہیڈ ٹرک پہ معمولی چوٹ ہے ۔۔۔۔۔ چچا جان میرے ساتھ ہیں، ڈاکٹر بھی ہیں تو یہ آپ کو مجھ سے زیادہ بہتر انداز میں بتا سکیں گے، بات کریں چچا جان سے۔۔۔" معاملہ سنبھال کے وہ ہوشیاری کا مظاہرہ کرکے چوہدری بخت کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے یہ تاثر دے گیا کہ وہ ان کے ساتھ ہی ہے۔ مبادا انہیں کوئی شک ہو جائے۔ اس کی عقل مندی کی داد دیتے چوہدری بخت نے سیل فون لے لیا تھا۔ اور شاہ کی بات کو آگے بڑھاتے وہ ڈاکٹری انداز میں انہیں مرض بتا کر فکر نا کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔

الحمدللہ! سن کر دل کو سکون ملا کہ بچی خیریت سے ہے، ورنہ یقین کرو ساری رات فکر سے نیند نہیں آئی کہ خدانخواستہ کوئی مسئلہ ہوا تو ہم عمر بھر خود کو معاف نہیں کر پاتے کہ بچی کو ہم نے ضد کرکے روکا تھا۔۔۔ تم بھی ہمیں اگنور دیتے، جیسے ہی سے ڈاکٹر کے پاس جانے پہ خفگی کا اظہار کر گئے تھے۔۔۔" سکون کی سانس لیتے چوہدری حشمت کے یاد دلانے پہ چوہدری بخت کو اپنے مکالمے پہ اک بار پھر شدید ندامت ہوئی۔

اولاد کسی آزمائش سے کم نہیں ہوتی بابا جان ۔۔۔ اگر آپ کی دل آزاری ہوئی تو میں ہاتھ جوڑ کے معذرت کرتا ہوں، معاف کر دیں۔" چوہدری بخت کو نئے سرے سے شنائیہ پہ غصہ آنے لگا۔ شاہ کے

لب بھی بھیج گئے تو اس کا اندازہ درست تھا۔ اس کی بے وقوفی سے رشتوں میں دراڑ پڑ سکتی تھی۔ لیکن اسے

۴۳

پرواہ ہی کب تھی۔

چوہدری بخت سے تفصیلی بات کر کے انہوں نے شاہ کو دوبارہ فون دینے کی خواہش کی تو وہ سیل فون اسے تھما گئے۔

تم ابھی کچھ دن مزید بخت کے پاس ہی رک جاؤ، بخت اکیلا ہے، ہاسپٹل دیکھے گا یا بچی کو۔۔۔ شہر میں " جہانگیر اور ایشان تو ہیں لیکن ان کی اپنی مصروفیت ہو گی، بخت کا کوئی بیٹا ہوتا تو ہم تمہیں نا کہتے، ویسے بھی شائستہ تمہارے نکاح میں ہے اس کی ہر ذمہ داری اب تم نے ہی اٹھانی ہے۔۔۔ اس لیے جب تک ہماری پوتی مکمل صحت یاب نہیں ہوتی، تم وہیں شہر میں رہو۔۔۔ یہاں کی فکر نا کرنا یہاں سبھال " ہے، ہم سب ہیں۔۔ شائستہ ٹھیک ہو جائے تو ہم جلد ہی اک خوشی بھی کرنے والے ہیں۔

چوہدری بخت کا حکم سنا کر خوشخبری کی نوید دے کر اسے حیران کر گئے۔ جانے کیسی خوشی تھی۔ سوال کرنے کی عادت نہیں تھی سو وہ " جی بہتر" کہہ کے رہ گیا۔ لیکن یہاں مزید رکنے کا حکم اسے کسی طور پسند نہیں آیا تھا۔ وہ تو جلد سے جلد یہاں سے بھاگنے کی کر رہا تھا۔

اب تو بابا جان نے بھی کہہ دیا۔ بس تم میرے ساتھ چل رہے ہو۔ میں ہوٹل سے ڈنر ڈیلیور کرکے چیک آؤٹ کروا رہا ہوں۔۔۔ چچا جان کے لیے دل میں عزت و محبت ہے تو تم بالکل منع نہیں کرو گے۔ بس خاموشی سے سامان سمیٹو۔" چوہدری بخت حتمی لہجہ میں کہتے اٹھ کر کمرے سے باہر جانے لگے تو اس نے بھی جیسے ہتھیار ڈال دیئے۔

☆☆☆

۲۵

"اگذار ایم تنگ عام"

آج تو بڑی لمبی نیند لی تم نے۔۔؟؟" دن چڑھے زمین کی کی صبح ہوئی تو نیلوفر کل کرتی صبا اسے دیکھ کر مسکراتے استفسار کرنے لگیں۔

صبح آنکھ لگے تو سوئی تھی، ساری رات مووی دیکھتی رہی پتا ہی نہیں چلا کب صبح ہوئی۔" زمین لاپرواہی سے کہہ گئی تھی۔

رات کی نیند پوری لیا کرو۔ اس سے بیوٹی کو نقصان پہنچتا ہے۔ بھلے دن کو مووی دیکھ لو۔" بیوٹی کانشش صبا بیٹی کو سمجھا رہی تھیں۔

"آئے تو سہی! بس نیند نہیں آرہی تھی تو۔۔۔"

کچھ منگوا دوں تمہارے لیے۔۔" نیلز کو تنقیدی نظروں سے دیکھتے وہ بیٹی کی صحت کے لیے بھی متفکر تھیں۔

وسیم (ملازم) لارہا ہے ناشتا، اتنا کام کرتی آئی تھی۔" وہ صبیحا کے مصروف ہاتھ کو دیکھ رہی تھی اسے لگا تھا وہ خود ہی سب بتا دیں گی لیکن انہیں مصروف دیکھ کر وہ خود ہی سوال کرنے لگی۔

"آپ نے ڈیڈ سے بات کی مام۔۔۔؟؟"

کون سی بات۔۔۔؟؟" صبیحا شاید نائب دماغی کا شکار تھیں یا ان کی توجہ اپنے نیلز کی طرف زیادہ تھی۔ لیکن جب صبیحا کو جواب نا ملا تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگیں جو شکایتی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی شکایتی نظروں کا مرکز جان کر صبیحا ہنسے چونکیں۔

اچھا وہ بات۔۔۔ انہیں تو کہا تھا کہ ہاں ہی سمجھو۔۔۔ تمہارے ڈیڈ، میری بات کو کب ٹالتے ہیں" اور جب یہ خبر ہو کہ ان کی بیٹی کی پسند شامل ہے تو سمجھو، وہ ساری دنیا سے لڑ کے سہیان آفندی کو تمہارے

نام کر دیں گے۔" صبیحا فخریہ لہجے میں اسے کل کی ساری روداد سنا رہی تھیں، یہاں تک کہ چوہدری حشمت کا ارادہ حویلی اور سہیان کی بات پکی کرنے کا تھا، انہوں وہ بھی گوش گزار کر دیا۔

تمہارے ڈیڈ نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ میشال کی شادی وہ کسی صورت سبحان سے نہیں ہونے دیں گے۔اور رات ہی بابا جان نے حویلی میں بات کرکے تمہارے اور سبحان کے رشتے کے لیے ہاں کر دی ہے۔"

"رئیلی مام!" جانے وہ بے یقینی کا ڈرامہ کیوں کر رہی تھی جب کہ پتا بھی تھا کہ ان کے منہ سے نکلی بات جہانگیر کے لیے حرفِ آخر تھی۔

"میں جھوٹ کیوں کہوں گی اپنی بیٹی سے۔۔" صبیحا ناز سے مسکرائیں۔

"اور سبحان۔۔۔؟؟وہ راضی ہو گیا۔۔۔؟اس نے کوئی آبجیکشن نہیں اٹھایا۔۔؟؟" اس کے تصور میں دونوں کی نوک جھونک آگئی تھی۔

"حویلی کے وفادار آج بھی بابا جان کے کہے کو ٹالنے کی جرأت نہیں رکھتے،وہ وہی کرے گا جو بابا جان کہیں گے،اور بابا جان وہی کریں گے جو جہانگیر کہیں گے۔۔۔ تمہارے ڈیڈ سے بہت محبت جو کرتے ہیں۔۔" صبیحا استہزائیہ لہجے میں کہتے ہوئے مسکرائیں۔

"وہ تو شائستہ چوٹ لگوا کر واپس آگئی ہے،تب ہی بابا جان ابھی کچھ اناؤنس نہیں کر رہے۔۔شاہ بھی ان دنوں کراچی میں ہے۔سوچ رہی ہوں جا کے بخت بھائی کے گھر عیادت کر آؤں۔۔۔ تم چلو گی۔۔؟" صبیحا ملی ہوئی معلومات کے ساتھ ارادہ ظاہر کرکے اس کا منہ بھی جانچنے لگیں۔

میں تو نہیں جاری سام ،بلکہ میرا موڈ تو سبحان سے بات کرنے کا ہو رہا ہے۔"فرمین ایکسائیٹڈ ہو کر " خواہش ظاہر کر گئی تو صبا مسکرا دیں۔

۴۷

"اب تو تمہارا ہی ہے کر لو، کس نے روکا ہے۔"

لائیں جلدی سے نمبر دیں سبحان کا۔" دونمانے پن سے سیل فون سنبھال گئی۔"

میرے پاس سبحان کا نمبر کہاں ہے، آج سے پہلے کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی کہ سیو رکھوں۔۔ایسا کرو ایشان یا اپنے ڈیڈ کو کال کر کے نمبر لے لو، ان کے پاس ہوگا۔" صبا وجہ بتا کر راہ داری میں کھو گئیں۔

"اتنا انتظار کون کرے،، میں حویلی کے نمبر پہ ہی کال کر لیتی ہوں اسے۔"

میں دیکھتی ہوں تمہارا ناشتا کہاں رہ گیا۔" بچی کے نمانے پن پہ صبا مسکرا کر چلی گئی تھیں۔اور وہ " دلجمعی سے حویلی کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

☆☆☆☆☆

رابداری میں رکھا فون کب سے بج رہا تھا۔ رابداری میں اس وقت سناٹا تھا۔ وہ کافی دیر تک بجتی بیل کو نظر انداز کرتی رہی لیکن جب بیل مسلسل بجتی رہی تو وہ جھنجلا کر فون اسٹینڈ تک آئی۔

جی!" انداز لٹھ مار تھا۔"

کیا حویلی کے ساری لوگ سوتے رہتے ہیں جو فون کی بیل کسی کو سنائی نہیں دیتی۔" دوسری طرف" سخت مزاج زرمین کال دیر سے پک ہونے پہ جھنجلا کر کال ریسیو کرنے والے پہ چڑھ دوڑی۔

آپ کون۔۔؟" اس نے اپنا شک دور کرنا چاہا، اتنی قربت کب رہی تھی کہ وہ اس کا نمبر یاد رکھتی یا" اسے آواز سے پہچان لیتی۔۔

زرمین بات کر رہی ہوں۔۔۔۔ حیرت ہے تم نے مجھے نہیں پہچانا میشال جہانگیر۔۔۔!" زرمین کا لہجہ "

۲۸

استہزائیہ ہو گیا تھا۔

سلمان آفندی صبح کا نکلا اسی وقت باہر سے آیا تھا اسے رابداری میں فون پہ الجھتے دیکھ کر اس کے قدموں کی رفتار سست ہو گئی۔۔ جانے وہ کس سے الجھ رہی تھی۔

محترمہ یہاں کوئی آپ کی طرح فارغ نہ تو نہیں ہے، جو دن رات فون سے چپکا رہے کہ کب فون کی گھنٹی بجے اور لپک کے اٹھا لیں۔۔۔ ویسے بھی زمانہ اتنی ترقی کر گیا۔۔۔ سوشل میڈیا نے اتنی آسانی کر دی ہے کہ اب لینڈ لائن پہ کال آپ جیسے جاہل سے ہاری لوگ کال کر کے پریشان کرتے ہیں۔۔ جس

کسی سے بات کرنی ہے اس کے پرسنل نمبر پہ کال کریں۔" غیر متوقع طور پہ اس کی آواز سن کر حیران ہونے کے ساتھ لہجہ کڑوا ہو چلا۔

خیر ہے، کریلے چبا رہی ہو۔۔۔؟ ہاں بھئی حواس کہاں سلامت ہوں گے لوگوں کے۔۔۔۔ بڑی نوٹنکی" ذرا ذرا سی بات پہ لوگ اک ہی جھٹکے میں، میں نے منہ کے بل گرا دیا۔ اک ایئر رنگ پہ دم نکلنے لگا تھا ،اب تو میں نے تم سے پورے کا پورا سمبان آفندی چھین لیا اب کیا کہو گی۔" اس کا اشارہ سمجھ کر وہ حیران ہونے کے ساتھ شطون میں گھر گئی۔ تو اس کا شک درست نکلا تھا زمین نے اسے شکست دینے کے لیے اس کی خوشیوں پہ ڈاکہ ڈالا تھا۔ وہ کوئی سخت سا جواب دینے ہی لگی تھی جب اس کی نظر سمبان آفندی پہ پڑی اور اس کا طیش یکدم کڑوا ہو گیا، جواب دینے کے لیے اپنے کھونے کی مضبوطی کا اور اک ضروری تھا اور یہاں تو کھونا ہی اپنا نصیب تھا۔ وہ کس بل بوتے پہ جواب دیتی۔

"خیر میں نے تم سے سر کھپانے کے لیے کال نہیں کی، سمبان سے میری بات کرواؤ"

اس حکم شاہی پہ اس کے سر سے لگی اور پیروں تلے بجھی۔

میں آپ کی پی اے نہیں لگی ہوئی ہوں جو پیغام رسانی کے فرائض سرانجام دوں۔ سمبان صاحب یہیں

موجود ہیں، دوبارہ کال کر کے بات کر لیجیے۔ میں فون بند کر رہی ہوں۔" اور کچھ کے عین مطابق اس نے ریسیور پوری قوت سے کریڈل پہ دے مارا تھا۔ وہ جو نخوت روی سے گزر رہا تھا اس کے منہ سے اپنا نام سن کر جارحانہ انداز پہ بے حد حیران رہ گیا۔

کون تھا دوسری طرف۔۔۔؟؟" وہ حیران ہوتا اس کی پشت کو دیکھتا رہا۔ اسے دیکھ کر بھی وہ اجنبی بن " کے گزر گئی تھی۔ رات کے بعد اس کی صورت ابھی نظر آئی تھی، ناشتے کی میز پہ وہ خود وہ سے پہنچا تھا۔ تب تک لڑکیاں کالج روانہ ہو چکی تھیں۔ اور اس نے سامنا نا ہونے پہ شکر ہی ادا کیا تھا لیکن حیرت تو اس وقت ہوئی جب وہ اجنبی لہجے میں صاحب سے کہہ کر فون رکھ کر چلتی بنی، بتانا تک گوارا نہیں کیا کہ کس کی کال ہے۔ گویا وہ خود بھی بات کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔

ابھی وہ

حیران ہی ہو رہا تھا کہ فون کی گھنٹی اک بار پھر بجنے لگی۔

السلام علیکم!" اس نے تجسس سے فون ریسیو کر لیا۔"

کون سمبان۔۔۔؟؟ اس جاہل لڑکی کو بات کرنے تک کی تمیز بھی ہے یا نہیں۔۔۔؟؟ تمہیں فون" دینے کی بجائے پٹخ کے چلی گئی۔۔۔ تمہارا نمبر ہوتا تو کبھی لینڈ لائن پہ کال کر کے اس گھٹیا لڑکی کے منہ نا لگتی۔ جلدی سے اپنا نمبر دو، میں اس پہ کال کرتی ہوں۔۔۔" اس کی آواز سن کر زمین شروع ہو چکی تھی، میشال کے انداز پہ سخت برہم نظر آ رہی تھی۔ زمین کی کال اس کے لیے بھی باعث حیرت تھی مزید اس کا فرمان سن کر اس کا بھی جی چاہا میشال کی طرح زور سے فون پٹخ دے لیکن اس میں تھوڑا میسنز موجود

تھا۔اس نے ریسیور آرام سے کریڈل کے پاس رکھ دیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔تاکہ پھر دوبارہ گھنٹی نا بجے۔

۳۰

☆☆☆

لسان صبح میں یونی سے بھنی کر رہی ہوں۔آپ میرے ساتھ ہاسپٹل چل رہی ہیں۔میں نے اپائنٹ" لے لی ہے ڈاکٹر بخت سے۔" انوشا کچن سمیٹ رہی تھی۔سارا منزہ کو دوا دیتے صبح کے پلان سے آگاہ کر رہی تھی۔

یہ ایشان جاہ کیسا ہے پڑھائی میں۔۔؟؟" سوال گندم،جواب چنا کے مترادف وہ الٹا اس سے سوال کر" گئیں تو سارا ایکی حیران ہو گئی۔یہ کون سا مزاج تھا منزہ کا کہ وہ اک اجنبی کے متعلق اس سے سوال کر رہی تھیں۔

سنا ہے اب تک کے اکیڈمک رپورٹ میں ٹاپ کرتا آیا ہے۔"حیرت پہ قابو پا کر وہ بے دلی سے جواب" دے گئی۔

"ہاں ذہانت کا اثر تو ہوگا۔"

کس کی ذہانت کا اثر ہاں۔۔۔؟؟ منزہ کی بڑبڑاہٹ کو اس نے حیرانی سے دیکھا تھا۔"

خون کا ہی اثر ہوتا ہے نا۔۔۔" منزہ تڑپ اٹھیں۔ خون کا کہنے پر بھی اسے شک نا ہوا اس لیے بات آگے بڑھانے لگیں۔

شکل سے ہی مذہب، پڑھے لکھے گھرانے کا لگتا ہے اور تم نے ہی تو بتایا کہ اس کے والد مشہور لوگ ہیں۔" اور وہ جو واقعی انہیں حیرت سے دیکھنے لگی تھی سر جھٹک گئی۔

مجھے تو ذرا بھی شرمندگی، بد تمیز نہیں لگا۔۔۔ اب دیکھو نا میری مدد کرنے سے پہلے وہ کب جانتا تھا کہ میں تمہاری والدہ ہوں، انسانیت کے ناتے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ درد مند دل بھی رکھتا ہے۔" منزہ کی

بے وقت کی مدح سرائی کی اسے بالکل سمجھ نہیں آرہی تھی۔

آپ کے سامنے انسان بنا بیٹھا تھا۔ آپ کو تو ایسا ہی لگے گا۔۔۔ دونوں باپ بیٹے زچ کرکے شرمندگی ہیں" بلکہ جہانگیر صاحب تو فرور اور شرمندہ میں مجھے بیٹے سے بھی دو جوتے آگے ہی لگے۔" وہ ذرا سا منہ بنا گئی۔

نہیں وہ مغرور تو کبھی نہیں رہا، ہاں دیکھنے والے کو پہلے، پہل ایسا ہی لگتا ہے۔" منزہ جس روانی سے چوہدری جہانگیر کے متعلق سمجھ گئیں مہر اک بار پھر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

میرا کہنے کا مطلب تھا کچھ لوگ اپنے رکھ رکھاؤ کے باعث مغرور لگتے ہیں لیکن ہوتے نہیں ہیں۔" اس کی نظروں کو دیکھتے جلدی سے بات بنا گئیں۔

دفع کریں، ان باپ بیٹے کو۔۔۔۔۔ بہیں ان سے کیا لینا دینا۔ اگلی بار عیادت کے نام پہ آئے تو باہر سے "
ہی چلتا کر دیجیے گا۔ مجھے تو حیرت ہے اماں آپ نے اسے اندر آنے کیسے دیا۔۔۔؟؟" ناگواری کا اظہار
کرتے وہ حیرانی سے سوال بھی کر گئی۔

احسان تھا اس کا کیسے در در سے بھگا دیتی۔ "جواب غاصا بے وزن تھا لیکن اس نے جرح مناسب "
خیال نہیں کیا۔

اماں اپنے کپڑے بھی نکال کر دیں تاکہ میں استری کر کے صبح کے لیے تیار کر دوں۔" وہ موضوع '
گفتگو بدل گئی۔

کیوں صبح کہاں جانا ہے۔۔۔؟؟" منزہ کی غائب دماغی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ سارا فسانہ کہہ "
گئی تھی اور انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔

"ابھی تو بتایا آپ کو۔۔۔۔۔ صبح ہم ڈاکٹر بخت کے پاس جا رہے ہیں۔"

۳۲

اور میں نے بھی تمہیں کہہ دیا تھا کہ انوشا کی شادی سے پہلے میں کہیں نہیں جا رہی۔" وہ آرام سے بیڈ "
پسار کے چادر ڈالنے لگیں۔

کیوں بچوں کی طرح ضد کر رہی ہیں اماں۔۔۔۔۔ جانتی بھی ہیں سرگزشتاون آپ کی زندگی کے لیے "
کتنا اہم ہے۔" بیماری سے لاپرواہی پہ اسے افسوس ہو رہا تھا۔

تمہاری ساری کوشش بے کار ہے۔ موت آنے سے پہلے الہام ہو جاتا ہے، مجھے بھی یقین ہو چکا ہے کہ "
اب چند دنوں کی مہمان ہوں تو کیوں جائے ہاسپٹل میں طرح طرح کے ٹیسٹ کروا کے پیسے ضائع
"کروں۔ یہاں پہلے ہی کون سی فیکٹری چل رہی ہے تمہارے باپ دادا کی۔

لبوں پہ مجروح مسکراہٹ لیے ان کا لب و لہجہ کڑوا ہو چلا تھا۔ حقیقتاً موت سے بڑھ کے کوئی کشف نہیں تھتے کے فیصلے کی سمجھ آجاتی ہے۔ وہ بھی سمجھ ہے۔ مرنے والے کو اپنے اعمالوں کی روشنی میں کاتب گئی تھیں کہ انہوں نے آسانی کب مانگی تھی جو انہیں آسان موت نصیب ہوتی۔ انہیں پل پل موت کی گھڑیاں گننا تھی۔ وہ ذہنی طور پہ موت کو قبول کر چکی تھیں اور اب ڈاکٹر بخت کے پاس جا کر علاج کروا نا۔ موت سے بڑھ کے ہی ثابت ہوتا۔

مجھے کوشش تو کرنے دیں شاید کوئی راہ نکل آئے۔" ان کی دل گرفتہ باتیں، اس کا دل تھلنی کرنے "
لگیں۔ ان تینوں کا اک دوسرے کے سوا تھا ہی کون۔ بچپن سے آج تک ماں، بیٹی کے رشتے میں ہی زندگی گزری تھی۔ اور ایسے میں اس تکون کا اک حصہ بھی خالی ہو کر ان کی زندگی بے نور کر جاتا۔

اب کوئی فائدہ نہیں۔ وقت پورا ہو چکا ہے۔ اب اس کے حضور جواب دینے کا وقت آگیا ہے۔ اس کے "
بندوں سے تو نہیں لیکن اس سے معافیاں تو بہت مانگی ہیں، جانے وہ معاف بھی کرے گا یا نہیں۔" لہجہ
یاسیت بھرا ہو گیا تھا۔ ماورا کو ان کے ذو معنی باتوں کی سمجھ تو نہیں آئی۔ آنسو آنے لگے۔

۳۳

رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، مضبوط بنو، میرے بعد اکیلے ہی رہنا ہے، کاش کہ تمہیں بھی اپنے "
"گھر کا کر کے جاتی لیکن چلو اک آس تو ہے اسی آس میں سکون سے دم نکل جائے گا۔

منزہ کی بجھی، بجھی باتوں پہ اس کے آنسوؤں میں روانی آگئی تھی۔

☆☆☆☆

جب منہ اٹھا کر واپس ہی آنا تھا تو میری منی پلید کرنے کے لیے یہ سارا ڈرامہ رچایا گیا تھا۔" چوہدری "
بخت کے ساتھ شاہوزر شمعون کو آتے دیکھ کر وہ بڑبڑا کے رہ گئی۔

اب تو چپ کر جا آپی۔۔۔ عما پپا نے سن لیا تو پھر سے کلاس لگ جائے گی تمہاری۔۔۔" ماہم نے "
منہ کا ذائقہ بدلنے کی سعی کی۔

ہونہہ! چھوڑو، جانے کون سے لعل جڑے نظر آتے ہیں عما پپا کو اس سڑیل میں، جو بچی کو لے کے "
اتنی باتیں سنا دیں۔ عما تو مجھ سے بات ہی نہیں کر رہی ہیں۔۔۔ بی جان سے کچھ کم نہیں لگا مجھے ان
محترم کا کردار۔۔۔۔۔ لے کے میرے والدین کو ہی میرے خلاف کر دیا۔" اس کا قلق دور نہیں ہوا۔

وہ سے شاہ نے کچھ نہیں کیا، انہوں نے آپ کی عزت رکھی حویلی والوں کے سامنے، اور اب بھی "
آپ کی جھوٹ کا بھرم رکھنے کو شہر میں موجود ہیں، تاکہ حویلی والوں کی نظر میں آپ کا مان بنا رہے،

جہاں آپ ساری زندگی بیوہ بن کر رخصت ہو کر جائیں گی۔ اک بار بلکی ہو جاتیں ان سب کی نظر میں تو ہو جیسں وہ سب کبھی آپ کی باتوں پر اعتبار کرتے۔۔۔؟؟ کبھی بچی بچی کی چوٹ بھی لگتی تو سب کہتے ہائے کر رہی ہے۔" ماہم چھوٹی تھی لیکن سمجھ کے سمجھا رہی تھی۔ اس نے توجہ دلانا ہی ضروری خیال کیا۔

۳۴

شاہ آگیا ہے، بڑی مشکلوں سے تمہارے پپا اسے منا کر لائے ہیں۔۔۔ ماہم اس سے کہہ دو یہ چائے "شاہ کے کمرے میں دے آئے اور ساتھ ہی اپنے کیے کی معافی بھی مانگ لے۔

دیا اجنبی لہجے میں آکر کہہ گیا ہوئی تھیں۔ ملازم چائے کی ٹرے رکھ گیا تھا۔ ماہم ہونق کی طرح دونوں کی شکل دیکھنے لگی۔ کل سے دونوں نے اسے کچھ تر سمجھ رکھا تھا۔ براہ راست بات کرنے کی بجائے اسے نصیحت دی تھیں۔

ایسا کون سا عظیم الشان شہنشاہ ہے یہ شاہ زر شمعون ہما، جو آپ مجھ سے اتنی ناراض ہیں کہ مجھ سے "بات بھی نہیں کر رہی ہیں۔۔۔؟؟" وہ چڑ ہی تو گئی۔

تمہیں ابھی بھی تو پتا نہیں کہ کون کیا ہے اور میں کیوں ناراض ہوں۔ بہر حال چائے ٹھنڈی ہونے "سے پہلے پہنچانے کا کام یاد دلا دینا ماہم۔۔۔" اس پہ اک سرد سی نگاہ ڈال کر وہ چلی گئی تھیں۔

اف یہ شخص۔۔۔!" وہ سر پکڑے بیٹھ گئی۔"

کاش کہ ابھی زہر کی بوتل ہوتی میرے پاس تو اس چائے میں انڈیل دیتی۔اب میں اس سنڈیل کو " چائے پیش کرنے جاؤں۔۔۔؟؟" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

اور معافی بھی مانگنی ہے۔" مسکراہٹ دباتے ماہم نے اگلا ٹاسک بھی یاد دلایا۔"

گلہ تاوبادوں اس کا۔" وہ کوفت زدہ ہوئی۔ لیکن مرتے کیا نا کرتے کے اصول پہ چلتے اس نے جھنجلا" کر ہی سہی ٹرے اٹھا کر کمرے کی راہ لی جہاں اس کا ٹھکانہ تھا۔

دروازہ کھلا ہے۔" دستک کے جواب میں اندر سے آواز آئی تو وہ برے برے منہ بناتی اک ہاتھ سے" بمشکل گیٹ وا کر کے اندر داخل ہوئی۔

اندر سے، کھلا ہے بولنے کی بجائے انسان آگے بڑھ کے دروازہ ہی کھول دیتا ہے کہ اک ہاتھ سے"

ٹرے سنبھال کے گیٹ کھولنا آسان نہیں ہوتا۔" اندر داخل ہوتے ہی وہ ناگواری سے جتانا نہیں بھولی۔

اوہ!" وہ اک نظر اسے اور دوسری نظر اس کے ہاتھ میں موجود ٹرے پہ ڈال کر رہ گیا، جہاں چائے کے" لوازمات کے ساتھ، ریفریشمنٹ بھی تھی۔

خبر نہیں تھی وقت کی شاہزادی دروازے پہ کھڑی ہیں، ورنہ ضرور قدم بوسی کے لیے حاضر ہوتا۔"" وہ اس سے زیادہ میٹھے لہجے میں جواب داغ گیا۔ وہ شاور لے کے نکلا تھا اور گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑ رہا تھا۔

مانے چائے بھیجی ہے اور کہا ہے آپ سے معافی بھی مانگ لوں۔" وہ نوطوطے کی طرح سن رہی تھی" سارا سبق ذہن سے اڑا گئی۔

"پھپھی جان نے کہا تو آپ کو معافی مانگنے کا خیال آیا، ورنہ آپ کا ایسا کوئی ارادہ تھا نہیں شاید۔۔۔؟؟" تولیہ سائیڈ پہ رکھ کر اب وہ بال بنا رہا تھا۔ شیشے میں اس کے بگڑے نقوش بغور زیر مطالعہ تھے۔

"معافی کس بات کی۔۔۔۔؟؟ جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔۔۔ ساری حقیقت بڑوں سے کہہ دی تو یہ بھی تو بتا دیں کہ آپ نے مجھے پرپوز کیا تھا اور جب میں نے ہاری مان لی تو آپ نے چال ہی بدل ڈالی۔"

وہ بنا گلی لپٹی رکھے بتا گئی کہ معافی کی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔

"ذرا محافظے میں زور ذالیں محترمہ۔۔۔ پرپوز بھی آپ نے کیا تھا، نکاح نا کرنے کا فیصلہ آپ کا تھا میرا نہیں۔" ٹرے اپنے قریب کر کے وہ چائے انڈیلنے لگا تھا۔ حد درجہ پرسکون انداز تھا۔

"بالکل تھا فیصلہ اور میں ابھی تک قائم ہوں اس بات پہ کہ آپ کی اور میری نہیں نبھے گی۔" وہ منہ چڑھا گئی۔

"کوشش تو کریں۔" استہزائیہ مسکراہٹ سجائے چڑانے لگا۔

"وقت برباد کرنے کی قائل نہیں ہوں۔" وہ جلبلا گئی۔"

۳۶

وقت اور برباد سے یاد آیا۔۔۔ کہاں ہوتے ہیں آپ کے صاحبِ نامدار۔۔۔۔؟؟ ابھی چند دن تو"
میں آپ کے ہی شہر میں ہوں، کسی دن ملوائیے اس تمیں مار خان سے۔۔۔" کرسی پہ براجمان ہو کر
وہ آرام سے چائے کی چسکی لے رہا تھا۔

کون صاحبِ نامدار اور تمیں مار خان۔۔۔!" وہ اس کی اردو پہ حیران ہوئی۔ پلے خاک نہیں پڑا۔"
وہی جنہیں چاہنے کا آپ نے دعویٰ کیا تھا۔" اس کے استہزائیہ انداز پہ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔"
چلیں آپ ملوانے میں دلچسپی نہیں لے رہیں تو کوئی بات نہیں میں خود جا کر جانی جان سے کہتا ہوں، شاید وہ دونوں ہی ملوا
دیں۔" اس کے ہونق انداز پہ مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

لو اب یہ ایک نئی مصیبت!" اس کا اپنا ہی سر پیٹنے کو جی چاہنے لگا۔"

☆☆☆

زمین سے ہوئی بک بک کے بعد اس کے قدم خود بخود کمرے کی اور اٹھ رہے تھے۔ زمین کی باتیں
واقعی سچ تھیں سبحان کے لیے کال کر کے بات کروانے کا حکم۔۔۔ اس کے اندر آتش فشاں سا پلنے لگا تھا۔
جی تو یہی چاہا فساد کی جڑ (سبحان آفندی) کو ہی اتنا ٹھنڈا کر دے کہ طبیعت روشن ہو جائے۔ لیکن اب تو اس
سے بات کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی اس کا خون اُبلنے لگتا تھا۔ تب ہی وہ دھڑ

کے پاس جا رہی تھی۔ اس کے مزاج کے خسرواؤ سے ہمیشہ اسے کچھ سیکھنے کو ملتا تھا۔ لیکن جانے کیوں کئی دنوں سے اسے عدابت پریشان لگ رہی تھی۔ طبیعت کا بہانہ بنا کر چپ چاپ پڑی رہتی۔ اک وہی تو تھی جس سے اس کی بات چیت ہو جاتی تھی۔ ایسے میں جب وہ خود پریشان تھی اسے عدا کی خاموشی بھی

بہت محسوس ہو رہی تھی۔ جانے کیا بات تھی جو وہ بتا بھی نہیں رہی تھی۔

"عیشال!" وہ فریال کے کمرے کے پاس سے گزر رہی تھی جب اسے دیکھ کر فریال نے آواز دی۔

"جی چچی جان!" وہ دہلیز پہ آ کھڑی ہوئی۔ فریال بیڈ پہ کپڑوں کا ڈھیر پھیلائے بیٹھی نظر آئیں۔

"اندر آ جاؤ نا بیٹا، اتنی بھی کیا غیریت۔" فریال نے محبت سے کہا تو وہ جھجکتے سے مسکرا کے اندر آ گئی۔

"کوئی کام تھا چچی جان۔۔۔؟" سہمان آفندی سے مخصوص ناراضگی اپنی جگہ تھی۔ لیکن وہ دل سے فریال کی عزت کرتی تھی۔

"کام تو کوئی نہیں ہے بیٹا، بس آج الماری خالی کی تو اس میں سے کئی نئے جوڑے نکل آئے جو اب میرے تو آئیں رہے، اب تم جتنی سلم تو ری نہیں۔ پہنتے ہوئے بھی افسوس ہو رہا ہے کہ نئے ہی ہیں۔ پہلے سوچا تھا اپنی بہو کو دے دوں گی لیکن زمین جیسی بہو سے تو یہ آس ممکن نہیں، نئے جوڑے کو اتار کے پھینک دے گی۔ تم تو اپنی بچی ہو۔ یہ کچھ جوڑے رکھ لیے ہیں اگر تمہیں پسند آئے تو تم رکھ لو۔"

بیش قیمتی جوڑے فریال نے اس کی طرف بڑھائے۔ ان کا افسوس بھی بجا تھا، خود زرش قریب سائل تھی۔

فریال کے خلوص سے انکار نہیں تھا۔ لیکن ان کی باتوں سے دل اس بری طرح دکھا تھا کہ وہ کئی لمحے تک کچھ بول ہی نہیں سکی۔ تب ہی کھلے دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔ نگاہیں بے اختیار اٹھی تھیں۔ سبحان آفندی دلبیز سے اندر آرہا تھا۔

"ماما ڈیڈ نے لاکر میں کچھ کیش اور فائل رکھوائی تھی کل، وہ مانگ رہے ہیں۔" وہ اندر آکر مدعا بیان کر گیا۔ انداز کسی قدر سنجیدہ تھا۔ فریال کی باتیں اس نے بھی سنی تھیں۔

"اک تو تمہارے ڈیڈ بھی نا، مجال ہے جو کوئی کام پورا کرلیں، ابھی نکلے ہیں خود ہی نکال کر لے جاتے"

۳۸

لیکن میں تمہارے ہاتھ پیغام بھیج دیا۔۔۔۔۔ زکو نکال کے لاتی ہوں۔" فریال چوہدری استفہامیہ نگاہ کا جواب دیتے کپڑے چھوڑ چھاڑ کر روم سے ملحق چھوٹے سے پورشن میں بنے دروازے کے اس پار بنے لاکر کی طرف بڑھیں۔

"عیشال تم کپڑے دیکھو تب تک میں آتی ہوں۔" فریال پردے کے اس پار گم ہو چکی تھیں۔ کمرے میں صرف اب وہ دونوں رہ گئے تھے۔ یا ان کے بیچ سرسراتی ہوئی خاموشی۔ اس کی گریز کو سبحان آفندی نے بڑی گہری نظروں سے دیکھا تھا۔ کل کے مسلے ہوئے کپڑوں میں الجھے کرل بالوں کے ساتھ بہت خواص

لگ رہی تھی۔اس کی موجودگی کو سرے سے نظر انداز کیے وہ کپڑوں کو اٹ پلٹ کر رہی تھی۔پہلی غیر ارادی نگاہ کے اٹھنے کے بعد اس نے اس پر دوسری نگاہ ڈالنے کی ہمت گوارا نہیں کیا تھا۔کہاں تو پہلے بات کرنے کے مواقع تلاش کیے جاتے تھے اور اب کہاں وہ دونوں اک دوسرے کی موجودگی میں لب سیے کھڑے تھے۔

"یہ لو سنبھالو۔" فریال لوٹ آئی تھیں۔فائل اور کیش اس کی طرف بڑھا گئیں۔"

"ماما بیٹھیا کسی سے کہہ کر میرے روم میں چائے بھجوا دیں۔تھوڑی دیر آرام کروں گا۔" وہ دونوں چیزیں تھام کر فرمائش کر گیا۔

"کھانا کھایا تھا تم نے۔۔۔؟؟" فریال کو فکر ہوئی۔"

ابھی تو آیا ہوں،کھانے کا وقت تو نکل گیا ہے آپ بس چائے بھجوا دیں۔" اس کے جھکے سر پہ اک سرسری سی نگاہ ڈال کر وہ چپکے سے مسکرا دیا۔

"اتنی لاپرواہی اچھی نہیں ہوتی،چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو بھی بھیجتی ہوں۔"

اس کا آرام،اس کے کام،اس کی زندگی میں میرا وجود تو کہیں نہیں ہے۔۔۔۔اور اب تو استحقاق سے)

۳۹

نام لینے والی بھی آ گئی۔۔۔اک عرصہ خود فریبی میں گنوا کر کیا ملا مجھے۔۔۔؟؟)دل بری طرح کرلانے لگا تھا۔

کچھ پسند آیا میشال۔۔۔؟؟؟" فریال اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔"

یہ دو جوڑے رکھ رہی ہوں بچی جان!!" دو جوڑے الگ کر کے اس نے انہیں دکھائے تو فریال سر ہلا" کر باقی جوڑے سمیٹنے لگیں۔ کمرے سے نکلتے سبحان آفندی نے اس کا چہرہ بغور دیکھا تھا۔ یوں لگ رہا تھا وہ کسی بھی لمحے رو پڑے گی۔ وہ تیزی سے دہلیز عبور کر گیا تھا۔

☆☆☆☆

چوہدری جی! جب آپ کی اور ہماری بات ہو گئی تھی کہ آپ میشال اور سبحان کے لیے سوچیں گے تو پھر" یہ زمین کا بکھیڑا کہاں سے آگیا بیچ میں۔۔۔۔؟؟" زمرد بیگم نے جب سے یہ فیصلہ سنا تھا انہیں بے چینی سی لگ گئی تھی۔ زمین اور سبحان اتنا برا بھی انہیں کسی طور پسند نہیں آیا تھا۔ ایسے میں چوہدری حشمت کو جیسے ہی فرصت ملی وہ ان کے کمرے میں اپنا احتجاج ریکارڈ کروانے آگئیں۔

بات تو بالکل ہوئی تھی ہماری آپ کے ساتھ لیکن ہم جہانگیر سے مجبور ہیں زمرد بیگم۔۔۔۔ وہ بہت" انا پسندی سے سوچتا ہے میشال کے لیے۔۔ اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ بھلے ہم زمین کے لیے سبحان کے رشتے سے انکار کر دیں لیکن وہ پھر بھی کسی صورت میشال کی شادی حویلی میں نہیں ہونے دے گا۔" چوہدری حشمت نے سچائی سے حقائق ان کے سامنے رکھ دیے۔

وہ کون ہوتا ہے عیشال کے متعلق کوئی بھی فیصلہ کرنے والا۔۔۔۔؟؟اس نے آج تک بچی کو دیا ہی کیا"

۴۰

ہے۔۔۔۔؟؟انا بچی اس کے اعمالوں کی سزا ساری زندگی بھگتتی رہی اور جانے کب تک بھگتتی رہے گی۔۔جب اسے صائقہ سے اتنی ہی نفرت تھی کہ اس نفرت کی بھینٹ عیشال چڑھ گئی تو بہتر ہوتا اسے پیدا ہی نہیں کرتا۔ کم از کم میرا دل تو نا جلتا اس کی دو نظری محبت پہ۔۔۔۔ شہری بنا بچی کے لیے دنیا کی ہر نعمت لے آتا ہے اور عیشال کے لیے دو روپے کی چیز تک نہیں۔۔۔ جائیداد اور وراثت میں حصہ تو بہت دور کی بات ہے۔۔۔ صبا بھی اسی کا انتخاب ہے، اسی کی طرح بے حس ہے، کبھی باپ بیٹی کے بیچ ہوئے فاصلے کو اس نے کم کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہمیشہ اسے بڑھاوا ہی دیا۔۔۔ جہانگیر تا خود کبھی حویلی میں جھانکا ہی کبھی بیوی تک سکی، اب کیا سوچ کر بیٹی کا رشتہ سبحان کے لیے مانگ رہا ہے۔۔۔۔؟؟؟ کبھی شاہ کے نکاح میں دیکھا نہیں آپ نے۔۔۔؟؟ کیسے غیروں کی طرح گھڑی دو گھڑی کے لیے سب آئے اور چلے گئے۔۔۔ پھر اچانک ایسا کیا ہو گیا کہ انہیں بیٹی کے رشتے کے لیے حویلی کی یاد آ گئی۔۔۔؟؟

جب ماں حویلی کو آج تک سسرال کا درجہ دے کر اہمیت نا دے سکی تو بیٹی کیا دے گی۔۔۔؟؟ یا پھر آپ سبحان کو شیر زخصت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔۔۔؟؟" چوہدری جہانگیر کی بے حسی اور صبا کا اجنبی انداز زمرد بیگم کو کبھی پسند نہیں آیا تھا، ایسے میں وہ کھلی ناپسندیدگی کا اظہار کرکے سوال بھی کر گئیں۔

آپ کی تمام باتیں اپنی جگہ بجا ہیں زمرد بیگم۔ لیکن جب اس خواہش کا اظہار خود جہانگیر نے اپنے منہ سے کیا تو ہم اسے انکار نا کر سکے۔ اگر شائبہ کے ساتھ حادثہ نا ہوتا اور شاہ بھی حویلی میں ہوتا تو ممکن ہے

ہم اب تک منگنی یا نکاح کا اعلان بھی کر چکے ہوتے۔۔۔۔" چوہدری حشمت فیصلے کی اہمیت کو چوہدری جہانگیر کی فرمائش پہ جتنی اہمیت دے رہے تھے اسے دیکھ کر زمرد بیگم کو ذرا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"رہا آپ کا ذرکے سبحان کو شہر زخصت کرنے کا ارادہ تو نہیں، ایسا تو ہمارے جیتے جی ممکن نہیں۔"

۴۱

چوہدری حشمت کا انداز حتمی تھا۔

پھر آپ اک سرد جنگ کے لیے تیار رہیں کیوں کہ مجھے نہیں لگتا کہ فرین کبھی حویلی میں رہ سکے گی یا" جہانگیر عزیز بیٹی کو خود سے دور رہنے دے گا۔ ان سب میں سب سے زیادہ ذہنی اذیت کا کسی کو سامنا ہو گا تو وہ سبحان کو ہو گا۔۔۔ جس پہ شہری پوتی آپ مسلط کر رہے ہیں۔" زمرد بیگم کی ناگواری برقرار تھی۔

آپ بالکل پیکل ساس لگ رہی ہیں زمرد بیگم۔۔۔ شائیہ بھی تو شہری پوتی ہے آپ کی۔ اسے بھی تو ہم" شاہ سے جوڑ کے حویلی لا رہے ہیں۔ تب تو آپ نے کوئی اعتراض نہیں اٹھایا۔" چوہدری حشمت ذرا سا مسکرائے۔

شائیہ بھلے شہری ماحول میں پلی بڑھی ہے لیکن اس کی پرورش دیہاتی کی ہے جو برسوں سے شہر میں" رہنے کے باوجود آج بھی اپنے اقدار کو یاد رکھے ہوئے ہے۔۔۔ بخت میں بھی اپنی مٹی سے وفا ہے، تب ہی تو وہ واپس آنے کی ہامی بھر گیا۔ جب کہ جہانگیر۔۔۔۔۔ اس میں وفا نام کی چیز ہوتی تو وہ کبھی پیدا

کرنے والے ماں، باپ کو چھوڑ کر صائقہ کے ہوتے شہری بیوی لاتا۔۔۔؟؟ کیسے بولائی بالائی پھرتی تھی ان دنوں صائقہ۔۔۔۔ آج تک یہ قلق میرے دل سے نہیں جاتا کہ کاش اس کی شادی جہانگیر سے نہیں کرتی، کم از کم یوں کلس کلس کے موذی مرض کا شکار ہو کر مرتی تو نہیں۔۔۔۔ اور اب عیشال کو اسی طرح پریشان دیکھ کر دل دکھتا ہے۔۔۔ اسے پیدا کر کے وہ نئی بیوی اور بچوں کے ساتھ چین کی زندگی جی رہا ہے۔"

کس بات کی پریشانی ہے عیشال کو۔۔۔ سب کچھ تو میسر ہے اسے حویلی میں۔" چوہدری حشمت بھی جہانگیر کی طرح انہیں کبھی کبھی بے حس محسوس ہوتے تھے لیکن مجازی خدا ہونے کے ناتے وہ کچھ کہنے سے قاصر تھیں۔

۴۲

حویلی میں بسلے عیشال کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں لیکن بنیادی ضرورت کے علاوہ بھی انسان کی سو حاجتیں ہیں چوہدری جی! ماں، باپ کی کمی کا خلاء ہم آپ پورا نہیں کر سکتے۔۔۔"

عیشال جتنی منہ زور اور گستاخ ہے اس پہ ہم نے پہلے ہی اسے بہت رعایت دی ہوئی ہے۔" چوہدری حشمت ماننے کو تیار ہی نہیں تھے کہ وہ کہیں غلطی پہ ہیں۔

یہ منہ زوری اور گستاخی بھی تو ان ہی حالات کے باعث ہے چوہدری جی جن میں پل کے وہ بڑی ہوئی۔۔۔۔ جب اپنے باپ کو سوتیلے بہن، بھائی سے محبت کرتے اور خود سے کھلے عام نفرت کرتے دیکھتی تھی تو سوچیں اس کے چھوٹے سے دل پہ کیا گزرتی ہو گی جب کہ اس معصوم کو تو اپنا قصور بھی نہیں

معلوم۔۔۔۔ کیا تھا جو جہانگیر اپنے دونوں بچوں کی طرح اسے بھی محبت سے اپنے پاس پاتا۔۔۔ صائقہ کی زندگی میں نا سہی لیکن بعد میں تو وہ ایسا کر ہی سکتا تھا نا۔۔۔۔ ستم سے کبھی کبھی بہت دکھ ہوتا ہے میثال کے لیے، جانے کیسا نصیب لے کر آئی ہے بچی۔۔۔۔ سوچا تھا سبحان کے ساتھ سکھی رہے گی لیکن ۔۔۔۔آپ نے جہانگیر کی مان کے بالکل اچھا نہیں کیا ہے چوہدری جی!" زمرد بیگم دکھی تھیں۔

جانے آپ کیوں اتنا دکھی ہو رہی ہیں میثال کے لیے، جب کہ ہم تو ہر گھڑی اس تشویش میں ہوتے ہیں" کہ یہ لڑکی اب کون سا نیا گل کھلائے گی۔" چوہدری حشمت کے ناگواری سے کہنے پہ زمرد بیگم نے ٹھنڈی سانس لی۔ مزید کچھ کہنا بے کار تھا۔ ان کی ساری کوششیں بے سود گئی تھی۔ چوہدری حشمت اپنے فیصلے سے اک انچ پیچھے نہیں ہٹے تھے۔ جانے آنے والے دن حویلی کے لیے کیا لے کر آنے والے تھے۔ زمرد بیگم کے خدشے درست ہونے جا رہے تھے یا چوہدری حشمت کی دور اندیشی کام آنے والی تھی۔ اس کا فیصلہ تو آنے والے وقت نے ہی کرنا تھا اور وقت آتے کون سا دیر لگتی ہے۔

۴۳

☆☆☆☆☆

اس لیے چپ سادھ لی میں نے

اس سے بہتر کوئی کلام تھا ہی نہیں

اس لیے خاص کر دیا گیا عشق

یہ عام لوگوں کا کام تھا ہی نہیں

موسم اور رشتوں کا سنگم اک جیسا ہوتا ہے، کبھی اتنے نرم کہ ان کی نرماہٹ سے زندگی حسین لگتی ہے ۔اور کبھی اتنے سخت کہ ان کی سختی سے دم گھٹنے لگے۔ فرق تو بس اتنا ہے کہ موسم احساسات اور جسم کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور رشتے روح کو۔ کچھ رشتوں کے نام کب ہوتے ہیں، وہ تو بس نام کے ہوتے ہیں۔ اور اسی نام کے رشتے کو وہ زندگی سمجھ بیٹھی تھی۔ ساری دنیا میں اک وہی اپنا لگتا تھا لیکن وہ وقت بھی آیا جب وہ اجنبی بن کے نظر پھیر کے گزرنے لگا۔ اس گھڑی درد کی ایسی لہر جگر میں اٹھنے لگتی تھی کہ اپنے وجود کو حویلی سمیت ڈبو دینے کو جی چاہتا تھا۔

اداس دوپہریں یوں بھی گراں گزرتی تھیں کہ کرنے کے لیے کوئی کام بھی نہیں ہوتا تھا۔ اپنے کمرے کی بے رونقی سے تنگ آ کر کمرے سے نکل کر اس کا رخ باغ کی طرف ہوا تھا۔ لیکن باغ میں جانے سے پہلے ہی اس کے کانوں میں کسی کے کراہنے کی آتی آواز نے اسے چونکا دیا۔ حیران ہوتی اس کے قدم تیزی سے آگے بڑھے تھے۔ اک ہانپے کو وہ ٹھٹھک سی گئی۔ تھوڑی ہی دور غلام بری طرح سسکتی منہ پہ ہاتھ رکھے ستون سے چپکی ہوئی نظر آئی۔

۴۴

ندا آپی کیا ہوا۔۔۔؟؟" وہ بھاگ کر اس تک آئی۔ اس گھڑی ساری آوازیں پیچھے رہ گئی تھیں۔ ندا کو اس وقت یہاں اس حال میں دیکھ کر اتنی حیران ہوئی کہ اک پل کو وہ آواز بھی فراموش کر گئی جسے سن کر وہ یہاں تک آئی تھی۔

وہ۔۔۔!" ندا کچھ بول بھی نا سکی تھی، بس ٹکٹکی باندھے اک سمت دیکھتی آنسو بہاتی رہی۔ میشال نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا تھا۔ اور جیسے اس پہ آسمان ٹوٹ پڑا۔ نیم کے مضبوط پیڑ سے چھبیس، ستائیس سالہ لڑکا بندھا ہوا تھا اور حویلی کے جلاد نما ورندے اس پہ ڈنڈوں سے بری طرح تشدد کر رہے تھے۔

ندا آپی! کون ہے یہ بندہ۔۔۔؟؟" میشال بری طرح بوکھلا گئی۔ ندا میں کچھ بولنے کی صلاحیت ہوتی تو وہ بولتی۔ تشدد کا شکار ہونے والا لڑکا بری طرح کراہ رہا تھا۔

وہ مر جائے گا۔" ندا کے منہ سے بمشکل نکلا تھا۔ لڑکے کے سر سے خون بہنے لگا تھا۔ ندا کو اس کے حال پہ چھوڑ کر وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اس جگہ تک گئی تھی۔

کیا کر رہے ہو تم لوگ۔۔۔۔؟؟ چھوڑو اسے۔" وہ قریب جا کر چلائی تھی۔ لڑکے کا چہرہ خون میں جیسے نہایا تھا۔ اس کی دخل اندازی پہ ان جلادوں پہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ گونگے، بہرے بنے اپنا کام کرتے رہے۔

چھوڑو اسے۔۔۔ کیوں مار رہے ہو۔۔۔؟؟" لڑکے کی حالت دیکھ کر میشال حلق پھاڑ کے چلائی تھی۔"

حویلی کے پچھلی طرف بنے باغ پہ گھر کے افراد کم ہی جاتے تھے۔ ایسے میں وہاں کچھ بھی ہوتا تھا تو گھر کے لوگ انجان بن جاتے تھے یا توجہ ہی نہیں دیتے تھے۔ لیکن میشال جیسی بے چین روح ہر جگہ اپنی سختی کا سامان ڈھونڈ لیتی تھی۔

اپنے کمرے کی بالکنی سے نیچے کا منظر دیکھتا سبحان آفندی میشال کو بیچ میں آتا دیکھ کر بری طرح چونکا

۳۵

تھا۔ وہ اب اس لڑکے کے سامنے آ کھڑی ہو کر اسے مار کھانے سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ سبحان آفندی اپنے کمرے کے عقبی دروازے کی نوب تیزی سے بھگا تھا۔ جلاد نما محافظ اس کی موجودگی پہ بھی اسے بچا کر لڑکے پہ وار کر رہے تھے اور اس کی دلدوز چیخ پہ بپھر کر میشال نے جھک کر بڑا سا پتھر اٹھا کر ان جلاد نما محافظوں کی طرف زور سے اچھالا تھا۔

جاہل کے بچے! کہہ رہی ہوں نا، مت مارو اسے۔۔۔" پتھر اک محافظ کے شانے پہ لگا تھا۔"

تم یہاں کیا کر رہی ہو۔۔۔؟" سبحان آفندی اسے بازو سے تھام کر اپنی طرف کھینچ گیا۔"

سبحان! اچھا ہوا تم آ گئے۔۔۔۔ دیکھو، یہ لوگ کس بری طرح اس بندے کو مار رہے ہیں۔" "میشال" جہانگیر کو اس کی صورت دیکھ کر جیسے حوصلہ ہوا۔ اس گھڑی ساری ناراضگی بھول کر وہ اس سے مدد کی درخواست کر رہی تھی۔ جیسے امید ہو کہ وہ سب سنبھال لے گا۔ یہ ظلم رکوا دے گا۔

وہ اپنا کام کر رہے ہیں۔۔۔ تم چلو یہاں سے۔۔۔ کسی نے دیکھ لیا تو تمہاری شامت آجائے گی۔" اردو" گرو پے نظر دوڑاتے سبحان آفندی اسے اپنے ساتھ کھینچتا ہوا لے جا رہا تھا۔ چھر کھانے والا شریر نظروں سے عیشال کو گھور رہا تھا۔ عیشال جو اسے دیکھ کر بہت امید ہو چلی تھی اس کی بات سن کر اس پے آسمان آگرا۔ تو کیا سب اس کے نوٹس میں تھا۔۔۔؟؟ وہ جانتا تھا۔۔۔؟ اور اب اسے بھی چپ رہنے کو کہہ رہا تھا۔

تم۔۔۔ تم بھی ان جیسے ہو وحشی، جانور۔۔۔ چھوڑو مجھے۔۔۔!" وہ اس کی گرفت میں پھڑپھڑائی" تھی۔ جلاد نما محافظ پھر سے اپنا کھیل شروع کر چکے تھے۔ لڑکے کی چیخ اسے چراغ پا کر رہی تھی۔

بزدل انسان! میں کہتی ہوں چھوڑو مجھے۔۔۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گی۔۔۔ مر جائے گا وہ۔"" پورا زور لگا کر بھی جب وہ اس کی گرفت سے خود کو نا چھڑا سکی تو اپنے نیلز اس کے بازوؤں میں گاڑ دیے تب بھی پکڑ کمزور نا ہوئی۔ وہ مسلسل چلا رہی تھی۔ حویلی میں کوئی بھی سن لیتا تو اس کے لیے مشکل گھڑی ہو سکتی

۴۶

تھی۔ وہ عقبی دروازے سے اسے اپنے روم میں لے آیا تھا۔

تم جنگلی انسان!" کمرے میں آکر اس کی گرفت سے نکلتے سائیڈ پہ رکھا گلدان اس نے سرعت سے اٹھا" کر اس کی طرف اچھالا تھا اگر وہ ذرا سی لاپرواہی کر جاتا اور عین وقت پہ جھکائی نا دے جاتا تو وہی گلدان ابھی اس کا سر کھول جاتا۔

دفع ہو جاؤ میری نظروں سے ۔۔۔۔ تم بھی انہی لوگوں میں سے ہو۔۔۔ کتنی بری طرح مار رہے ہیں" اسے۔۔" وہ تھک ہار کے سسکنے لگی۔ سبحان آفندی کئی لمحے اسے اذیت سے سسکتے دیکھتے رہا۔

یہ حویلی نہیں ہے زندان ہے۔۔۔ جانے اس کی بنیادوں نے کتنے معصوم لوگوں کا خون پیا ہوا ہے۔ میں" ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں، تم سب کو پکڑوا دوں گی۔" بذیانی انداز میں کہتے وہ اپنے ہاتھ میں دبے فون کو تلاش کر رہی تھی جو اس سارے تماشے میں جانے کہاں گر گیا تھا۔ سیل فون کی گمشدگی کے بعد نظر اس کے کمرے میں موجود لینڈ لائن پہ پڑی تو وہ سرعت سے اس طرف بڑھی لیکن سبحان آفندی نے اسے تو عین راستے میں ہی جا لیا۔

کیوں پاگل بن رہی ہو۔۔۔؟؟ پولیس کچھ نہیں کر سکتی ہمارا۔۔۔ کیوں چین سے نہیں رہا جاتا تم سے ۔۔۔؟؟ کیوں ہر وقت حویلی کے معاملات میں ٹانگ اڑاتی ہو۔۔۔ تمہیں کیا لگتا ہے اس لڑکے کی آواز صرف تمہارے کانوں نے سنی کیونکہ تم نیک فطرت ہو۔۔۔۔؟؟ نہیں۔۔۔ حویلی کے تمام افراد نے ہی سنی ہو گی لیکن سب نے کان بند کر لیے ہوں گے، کوئی تمہاری طرح بہادر بن کے کودنے نہیں آیا۔ حویلی کے خلاف چلنے والوں کے لیے موت کی سزا ہے کیوں نہیں سمجھتیں تم۔۔۔۔" اس کی باتیں سنتی وہ صدمے سے گھٹنے کے بل قالین پہ بیٹھتی چلی گئی تھی۔

سب جانتے ہیں۔۔۔ سب نے تو آواز سنی۔۔۔ یعنی"

۴۷

حویلی میں سب ظالم ہیں۔۔۔" یہ حقیقت جیسے اسے زندہ درگور کر گئی تھی۔ حویلی کے اک اک مکین کا چہرہ نگاہوں میں پھرنے لگا تھا۔ ساری پولیس، کمپلین سب بھول گئی۔

"جتنا ممکن ہو حویلی کے معاملات سے دور رہو۔ حویلی کے باقی لوگوں کی طرح آنکھیں اور کان بند کر لو اگر ابھی میں وہاں نہیں پہنچتا تو اس لڑکے کے ساتھ وہ لوگ تمہیں بھی شوٹ کر دیتے۔" سمبان آفندی گھٹنوں کے بل ہو کر اس کے سامنے ابیٹھا تھا۔

"اس لڑکے کو شوٹ کر دیں گے۔۔۔؟؟" ساری باتوں میں اسے یہی اک بات بدحواس کرنے کو کافی تھی۔ سوال پہ مجبور کر گئی۔ سمبان آفندی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ بس خاموشی سے اسے بری طرح روتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اسی لمحے فضا میں گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونجی تھی۔ اس نے دہل کر سمبان آفندی کے دونوں شانے تھام لیے تھے۔ بھیگی سہمی پلکوں سے اس نے سمبان آفندی کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ خوفزدہ وجود سوالیہ نشان بن گیا تھا۔ اس کی گلابی بھیگی پلکوں سے نظر چراتے سمبان آفندی نے اس کے ہاتھوں پہ ہاتھ رکھ کر نرمی سے اپنے شانے چھڑائے تھے۔

"تم نے کچھ نہیں دیکھا، کچھ نہیں سنا، بس یہ یاد رہے۔۔۔" وہ نظر چراتا اٹھا تھا اور تیزی سے اپنے کمرے کے عقبی دروازے سے اک بار پھر باغ کی سمت چل دیا کہ ابھی اسے لاش بھی ٹھکانے لگانی تھی۔

میشال جہانگیر ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح گر گئی۔ دل اک دم سے بیٹھ گیا تھا۔ فضا میں بین کی آواز گونجنے لگی تھی۔ اور یہ وہ دیکھے بھی دے سکتی تھی یہ بین خدا کے تھے۔ (جاری ہے)

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط# 16

راحیل سے ملاقات اک سال پہلے ہوئی تھی،وہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں " نیا ، مائیگریٹ ہو کر آیا تھا۔ سُلجھی طبعیت کا بہت ذہین لڑکا تھا۔جلد ہی اس نے اساتذہ کی نظروں میں عزت بنالی تھی۔۔۔باقی تمام لڑکوں کی طرح میں اس سے بھی لیے دیے رہتی تھی لیکن اس نے جیسے میرا پیچھا لے لیا تھا۔۔۔۔۔۔اس نے کبھی کوئی اوچھی حرکت نہیں کی تھی۔۔۔ہر بار اظہار کرتا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔لیکن میں اسے جھڑک کر نظر انداز کرتی رہی۔وہ پیچھے نہیں ہٹا۔۔۔ہر بار پوری شدت سے اظہار کرتا اور پتا نہیں کب مجھے بھی اس سے مُحبت ہو گئی۔۔۔۔حویلی کے اُصولوں کو جانتے بُوجھتے اس جُرم کا اِرتکاب کر بیٹھی۔

داجان نے میرے رشتے کی بات کی تو راحیل کو سچ بتا کر پیچھے ہٹ جانے کا کہا مگر اس کی ضد تھی کہ وہ اک بار اپنی فیملی کو رشتے کے لیے حویلی بھیجے گا۔ میں اسے اس ضد سے باز رہنے کا کہہ رہی تھی۔۔۔ مجھے نہیں پتا ڈرائیور کی کب نظر پڑی اور وہ کب سے داجان کو رپورٹ کر رہا تھا۔ وہ غیر معمولی نقل و حمل کو نوٹس کر کے مجھے آگاہ کر چکا تھا، میں نے سختی سے کہا کہ وہ دور رہے لیکن وہ بضد تھا۔ آج راحیل کو یونیورسٹی پہنچنے سے پہلے ہی راستے سے اغوا کر لیا گیا۔۔۔ اس کی غیر حاضری پہ مجھے شک ہوا اور حویلی آکر شک یقین میں بدل گیا کہ داجان ساری حقیقت جان گئے ہیں۔

میری آنکھوں کے سامنے وہ لوگ راحیل کو مار رہے تھے اور مجھ میں تم جتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اس زیادتی پہ دو لفظ بھی بول سکوں۔۔۔ میری آنکھوں کے سامنے اس کے جسم میں گولیاں اُتار دی گئیں۔ اور میں کچھ نا کر سکی۔۔۔ اک بے گناہ مجھ " سے محبت کے جرم میں جان کی بازی ہار بیٹھا۔۔۔

عیشال جیسے ڈھے سی گئی تھی۔ کہانی کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ ندا کا رشتہ طے ہونا۔۔۔ اس کے چہرے کا رنگ بدلنا، عیشال کو اسی وقت محسوس ہوا تھا۔ اس کا اداس ، پریشان پھرنا اور استفسار پہ مسکرا کے مطمئن کرنا بھی نظر میں تھا۔۔۔

وہ ذرا سنبھلی تو دوڑ کر بالکنی تک گئی۔نیم کا پیڑ سامنے تھا لیکن اس پیڑ سے اب کوئی بندھا ہوا نہیں تھا۔۔۔ہاں کچی زمین سے خون کے نشان صاف کرتے ملازم اور سمہان کی گاڑی کو گیٹ سے نکلتے اس نے نفرت سے دیکھا تھا۔۔۔وہ لاش ٹھکانے لگانے کی مہم پہ نکل چکا تھا اور حویلی کے غلام اس قتل کے نشانات مٹانے میں لگے ہوئے تھے۔ حویلی کے باقی مکین اپنے معمولات میں پہلے کی طرح یوں مگن تھے جیسے ان کے کانوں نے نا کوئی فریاد، چیخ سُنی، نا گولیوں کی تڑتڑاہٹ۔۔۔۔سمہان آفندی کا پر سکون خوابیدہ کمرا اسے جلتی بھٹی لگنے لگا تھا۔وہ پہلی فرصت میں ندا کے پاس آئی جو اپنے کمرے میں نیم مردہ کی حالت میں ساکت پڑی ہوئی تھی۔عیشال کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیسے اور کن لفظوں میں اسے دلاسا دے۔جو کارپٹ پہ سکڑی سمٹی پڑی خاموش آنسو بہا رہی تھی۔اس کی اپنی آنکھیں پانی سے بھرنے لگی تھیں۔۔۔۔

ندا نے سسکیوں کے بیچ حالِ دل کہہ ڈالا تھا۔عیشال کا دل جیسے بند ہونے لگا تھا۔

اتنا بڑا ظلم۔۔۔؟

محبت کرنے کی اتنی کڑی سزا۔۔۔؟

!!راحیل کا قصور ہی کیا تھا۔۔۔؟ صرف محبت۔۔۔

چُپ کر جائیں ندا آپی۔۔!" مارے کرب کے وہ بس یہی کہہ سکی۔ندا کے آنسو اک " بار پھر خاموشی سے قالین میں جذب ہو رہے تھے۔

"عیشال ! داجان تمہیں یاد کر رہے ہیں۔"

ساری حویلی میں اسے ڈھونڈتا سمہان آفندی کو جیسے یقین تھا کہ وہ ندا کے پاس ہی ملے گی۔اور وہی ہوا۔ہلکی سی دستک دے کر وہ دروازے پہ موجود تھا۔پہلے دستک اور اس کی آواز پر عیشال جہانگیر نے شرر بار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔جیسے ان سب کا ذمہ دار وہی ہو۔جانے کیوں عیشال جہانگیر کو وہ کچھ پریشان سا لگا۔ورنہ بڑی سے بڑی بات پر بھی اس کے چہرے پہ تاثر کم ہی دیکھنے کو ملتا تھا۔اک خاموش نظر ندا پہ ڈال کر سمہان آفندی نے اسے دیکھا تھا کہ اس کے پیغام کے بعد اس کے کیا تاثرات ہیں۔ وہ یوں اُٹھی جیسے خود ہی اس بُلاوے کی منتظر ہو۔۔

تم نے جس مُحافظ کو پتھر مارا اس نے دا جان سے شکایت کردی ہے۔۔۔میں نے " بات سنبھال لی ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا۔۔۔تم بھی دا جان سے یہی کہنا۔۔۔ان کے "سامنے کچھ بھی اُلٹا سیدھا بولنے سے پرہیز کرنا۔اسی میں تمہاری بہتری ہے۔

سمبھان آفندی اس سے قدرے فاصلہ رکھے چل رہا تھا۔ساتھ ہی ساتھ اسے سمجھاتا جارہا تھا۔ بلاوے کا مقصد بھی گوش گزار کردیا۔

" لاش ٹھکانے لگا دی جلاد۔۔۔؟" چبھتے لہجے میں گھورتی نظروں سے استفسار کر رہی تھی۔وہ جیسے اس کی ہدایت ان سُنی کر گئی تھی۔

" میری ذمہ داری تھی۔" وہ اک ثانیے کو چُپ ہوا تھا اور پھر ہولے سے اعتراف کرگیا۔

" نفرت ہے مجھے تم سے!" گلابی آنکھیں اس پہ گاڑ دیں۔

" بہتر!" وہ سعادت مندی کا مظاہرہ کرتا ہم قدم تھا۔چوہدری حشمت کے کمرے کا دروازہ آچکا تھا۔

" مجھ سے نفرت اپنی جگہ لیکن جو سمجھایا ہے، وہی کہنا۔" لاک کھولنے سے پہلے لاک پہ ہاتھ رکھ کرکمرہ امتحان میں داخل ہونے سے پہلے وہ اک بار پھریاد دہانی کروا رہا تھا۔

اندر داخل ہوتے چوہدری حشمت اسے اپنی مخصوص کرسی پہ براجمان نظر آئے تھے۔کمرے میں اس وقت وہ اکیلے تھے یاان کے حقے کی گڑ گڑاہٹ۔ان دونوں کی آمد

پہ انہوں نے نظر اٹھائی تھی۔چوہدری حشمت کے اشارے پہ سمہان آفندی ان کے ساتھ والی کرسی پہ براجمان ہوچکا تھا اور وہ کمروں کے بیچوں بیچ مجرم کی طرح کھڑی تھی۔

"تمہیں خبر نہیں کہ حویلی کے معاملات میں بولنے کا اختیار مردوں کے پاس نہیں اور تم تو لڑکی ہو۔۔۔پھر بھی اتنی جرات۔۔؟" چوہدری حشمت خشک لہجے میں کہتے سخت نظروں سے دیکھ رہے تھے۔سمہان آفندی خاموشی سے آنکھوں کے سامنے ساری کاروائی ہوتے دیکھ رہا تھا۔

"نا صرف تم بیچ میں آئیں ،بلکہ تم نے ہمارے محافظ کو پتھر بھی مارا۔!" انداز سے برہمی جھلک رہی تھی۔

"افسوس کہ اس وقت میرے ہاتھ میں پسٹل نہیں تھی۔ورنہ تمام جلادوں کو شوٹ کردیتی۔"

اس کے چُپ رہنے پہ سمہان آفندی شکر کا سانس لینے لگا تھا کہ شاید اسے بات سمجھ آگئی ہے۔لیکن اس کے تند لہجے نے لب کچلنے پہ مجبور کردیا۔

مطلب جانتی ہو اپنی باتوں کا۔۔؟" چوہدری حشمت جیسے چونک کر پوری آنکھیں " کھول گئے۔

بہت اچھی طرح۔" وہ نڈر نظر آرہی تھی۔"

یعنی تم حویلی سے بغاوت کرنا چاہ رہی ہو۔۔؟" چوہدری حشمت چراغ پا ہوئے۔"

اگر ظلم کے خلاف بولنا بغاوت ہے تو ہاں میں باغی ہوں۔۔۔۔ندا آپی اور راحیل کا " قصور ہی کیا تھا صرف محبت۔۔۔؟ لڑکے کے نام پہ آپ کے لائے ہوئے انکل کے رشتے سے لاکھ درجے بہتر وہ راحیل تھا۔جسے آپ لوگوں نے سفاکی سے موت کے "گھاٹ اُتار دیا۔

سمہان آفندی نے مارے خوف کے اک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لی تھیں۔اس کی بے خوفی پہ چوہدری حشمت نے گھورنے کا عمل جاری رکھا تھا۔

طاقت کے زعم میں اتنا ظلم مت کریں داجان۔۔۔۔مت لیں معصوم دلوں کی " ہائے۔مر کے آپ نے اور ہم سب نے اللہ کو ہی جواب دینا ہے ، کسی دوسرے "تیسرے بندے کو نہیں۔

جہانگیر ٹھیک ہی کہتا رہا کہ تم اپنا رنگ ضرور دکھاؤ گی، مگر ہم نے ہی بن ماں کی " بچی کہہ کر تمہاری ہر گستاخی کو در گزر کیا مگر اب۔۔۔۔ہم یہ فیصلہ کرنے پہ مجبور "ہوگئے ہیں کہ تم جیسی گستاخ لڑکی کے لیے حویلی میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

اس کے لیکچر کو باریکی سے جانچ کے انہوں نے بولنا شروع کیا تو لہجہ حد سے زیادہ سرد تھا۔دونوں ہی چونک گئے تھے۔

تمہارے لیے کیا فیصلہ کرنا ہے اس سے ہم جلد ہی آگاہ کرتے ہیں تمہیں۔اب جاؤ " یہاں سے۔" ناگواری سی ناگواری تھی۔

سمہان ! اس گستاخ لڑکی کو لے جاؤ یہاں سے۔اور جاتے جاتے اپنی دی جان کو " "پیغام دو کہ ہمیں ضروری بات کرنی ہے ، جلد ی تشریف لائیں۔

وہ پتھرائی ہوئی کھڑی تھی اسے بدستور موجود دیکھ کر انہوں نے خاموش بیٹھے سمہان آفندی کو حکم دیا تو وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر اس تک آتے دروازے کی سمت اشارہ کر گیاتو وہ اس کے کہنے سے پہلے ہی قدم بڑھا گئی۔

کہہ دیا جو کہنا چاہتی تھی۔۔۔؟ مل گیا سکون۔۔۔؟" باہر نکلتے ہی وہ ڈپٹنے لگا۔ " بھگتنا اب جو سزا ملے۔" وہ جھنجلا رہا تھا۔ "

بھگت لوں گی۔۔۔ تم سے مدد مانگنے نہیں آؤں گی۔۔۔۔زندگی کی لالچ تمہیں ہو گی۔ "
مجھے موت کا خوف نہیں۔اک ہی چیز خوف کی وجہ تھی اب وہ خوف بھی نہیں تو ہار جیت ، زندگی موت کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔۔۔لیکن اتنی آسانی سے حویلی والوں کے ظلم کی بھینٹ نہیں چڑھوں گی کہ اس حویلی کے جلاد مجھ پہ گولیاں چلائیں اور حویلی کا غلام میری لاش ٹھکانے لگا دے۔اتنی آسانی تو میں دینے والی نہیں۔۔۔مرنے سے پہلے اس حویلی کی دیواریں تک ہلا کے مروں گی تاکہ اس حویلی کی بنیاد جب جب اٹھے انہیں "یاد آئے کہ انہوں نے کسی عیشال کو جنم دینے کی غلطی کی تھی۔۔

اس سے کہیں زیادہ کڑوے لہجے میں سابقہ بے خوفی سے وہ بولتی چلی گئی تھی۔اپنی بات پوری کر کے رکی نہیں تھی بلکہ تیزی سے اپنے روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

" اک ہی چیز خوف کی وجہ تھی اب وہ خوف بھی نہیں تو ہار جیت ، زندگی موت کوئی معنی نہیں رکھتی۔" اس کا کہا جملہ بازگشت بن کے اسے ساکت کر گیا تھا۔جہاں اس کا دبنگ اعلان جنگ اسے پژمردہ کرنے کو کافی تھا ،وہیں چوہدری حشمت کی طرف سے فکر مندی تھی جانے وہ کیا فیصلہ کرنے لگے تھے۔اس گھڑی اپنی ٹینشن تو کہیں بھول ہی گیا تھا وہ۔

☆☆☆

سسرالی بھتیجے کی باتوں میں آکر آپ سگی بیٹی سے ناراض ہیں۔۔؟ معاف کردیں نا" مما، دیکھیں اب تو میں نے کان بھی پکڑ لیے۔" دیا کو زبردستی بٹھائے وہ معافی تلافی کا سیشن شروع کر چکی تھی۔اوور کوٹ ہاتھ میں ڈالے دیا بنا بولے دیا کئی بار اٹھنے کی کوشش کر چکی تھیں لیکن وہ ان کے قدموں تلے دونوں گھٹنے تھامے کچھ ایسے بیٹھی تھی کہ ان کی کوشش ناکام ہو رہی تھی۔بولنے کے ساتھ اس نے کان پکڑ کے میسنی سی شکل بنائی تو دیا بے ساختہ گھور کے رہ گئیں۔

شاہ نا صرف سسرالی بھتیجا ہے بلکہ بھانجے کا رشتہ بھی نکلتا ہے میرا اس سے۔اور" اس سے بڑھ کے اب وہ میرا داماد اور تمہارا شوہر ہے شاید اتنی بڑی حقیقت تم بھول "رہی ہو۔

ڈراؤنی کہانی بھی بھولنے کی ہوتی ہے بھلا!) وہ سر جھٹک کے رہ گئی۔)

اچھا، معاف کردیں نا۔۔آپ سب کو بہت مس کر رہی تھی اسی لیے یہ سب" ہوگیا۔۔۔لیکن پرامس اب سے کوئی پلاننگ نہیں ہوگی۔۔میری جنت مجھ سے روٹھ "گئی ہے ،میری تو دنیا ہی اندھیر ہوگئی۔۔

لجاجت سے کہتے شنائیہ چوہدری ہاتھ جوڑ گئی تو دیا کا دل بھی پگھلنے لگا۔ماہم بھی گال پہ ہاتھ ٹکائے سارے منظر سے محظوظ ہو رہی تھی۔۔

"اس بار معاف کر رہی ہوں لیکن پھر سے تم نے میری تربیت کو شرمندہ کیا تو معافی کی توقع مت رکھنا۔"

"آ۔۔۔سو سوئیٹ مام !" وہ جھٹ دیا کے قدموں سے اٹھ کے گلے کا ہار اس گرمجوشی سے بن گئی کہ دیا نے اک ہاتھ بیڈ پہ رکھ کر خود کو نا سنبھالا ہوتا تو چت ہو جاتیں۔

"جو کہا ہے اسے یاد بھی رکھنا !" خود سے لپٹاتے دیا نے یاد دلایا۔

"آپ فکر ہی نا کریں۔" یقین دلایا گیا۔

"شکر ہے آپ دونوں کی صلاح تو ہوئی۔۔۔۔کبوتر والی فیلنگ سے کم از کم مجھے نجات ملے گی۔" ماہم نے اتنے دلسوز لہجے میں کہا کہ ان کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ مان ہی گئی ہیں تو لگے ہاتھوں انگیجمنٹ میں جانے کی اجازت ہی دے دیں۔۔" راہ ہموار دیکھ کے اس نے فیلڈنگ شروع کر دی۔

"کس کی انگیجمنٹ۔۔؟" استعجابیہ نظریں تھیں۔

" نائمہ کے بھائی کی۔۔اک ہی تو بیسٹ فرینڈ ہے میری کتنے اصرار سے آپ سب کو انوائیٹ کرنے گھر آکر کارڈ تک دے گئی تھی۔حویلی سے بھاگ کر آنے کی اک بڑی وجہ تو یہ بھی تھی کہ کیسے پارٹی انجوائے کرتی۔"

" ہاں یاد آگیا۔" یاد دلاؤ مہم پہ دیا کو یاد آگیا تو اس کی تفصیل پہ ان کی گھوری بے ساختہ تھی۔

" یہ چمڑے کی زبان نا مروائے گی اک دن مجھے۔" لب دانتوں تلے دبا کے اپنی بے اختیاری پہ وہ جھٹ کان پکڑ کے خود کو لعنت ملامت کرنے لگی۔

" تمہارے پپا تقریبات میں جانا پسند نہیں کرتے اور میری ڈیوٹی ہے آج ، کس کے ساتھ جاؤ گی۔

" ماہم ہ نا میں اور ماہم چلے جائیں گے۔'۔' وہ حل لے آئی۔

" دو لڑکیاں اکیلی جائیں مناسب نہیں لگتا ، پھر شاہ بھی آج کل یہاں ہے ، اس نے بابا جان تک خبر بھی پہنچادی کہ تم دونوں اکیلی پارٹی میں جاتی ہو تو سمجھو میری اور بخت کی شامت آجائے گی۔" دیا کو تحفظات تھے۔

وہ سڑیل اندرونِ سندھ دوستوں میں گئے ہوئے ہیں۔ واپسی کل تک ہی ممکن ہوگی۔ "
اور تب تک ہم تقریب اٹینڈ کر کے آ بھی جائیں گے اور انہیں کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔" شنائیہ چوہدری اپنا کیس بخوبی لڑ رہی تھی۔

مجھے مناسب حل نہیں لگ رہا۔۔۔" دیا انکاری تھیں۔"

پھر۔ جانا کینسل۔۔!" منہ لٹک گیا۔"

"دیکھتی ہوں، اگر بخت پٹ اینڈ ڈراپ کر دیتے ہیں تم لوگوں کو تو چلی جاؤ۔"

اور جو پپا نے انکار کر دیا۔۔؟" پریشانی سے۔"

جانا کینسل۔" دیا آرام سے جواب دے کے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔"

جانے یہ ملک الموت کیوں جان کو چمٹ گیا ہے۔ جا کے حویلی میں فصلیں کٹوائے، "
یہاں خبری بنا بیٹھا ہے۔" اس کی لن ترانیاں جاری تھیں جنہیں سن کر مسکرانے پہ اکیلی ماہم ہی مقرر تھی۔

☆☆☆

انتظار کرنا جیسے ماورا کے نصیب میں لکھ دیا گیا تھا۔ہاسپٹل کی بن پہ بیٹھی ناچاہتے ہوئے بھی وہ ماں کی خاطر اس دواکی بو پھیلی فضا میں بیٹھنے پہ مجبور تھی۔فکر مندی کے ساتھ دعا گو بھی تھی کہ جس ڈاکٹر کے پاس امید لے کر آئی ہے ، وہ نامراد ناکریں۔منزہ کو ہاسپٹل چلنے کے لیے اس نے بہت اصرار کیا لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی تھیں ،بلکہ اسے بھی سختیہ سے ہدایت کی تھی کہ وہ بھی ہاسپٹل کا خیال دل سے نکال کر شادی کی تیاری کرے۔ماں کی بات کو حرفِ آخر ماننے والی ان کے حکم کی بجاآوری نا کر سکی تھی کیونکہ مسئلہ منزہ کی زندگی کا تھا۔

منزہ تو نہیں مانی تھیں۔سو وہ اکیلی ہی چلی آئی تھی اور اب انتظار جاں گسل لگ رہا تھا۔اس کے نام کی پکار پڑی تو وہ تیزی سے ڈاکٹر کے روم کی طرف بڑھی۔

سامنے بیٹھا شخص فون پہ مصروف تھا۔باتوں سے ظاہر تھا کوئی پیشنٹ آن لائن تھا۔پچاس پچپن کے لگ بھگ ڈاکٹر بخت اپنی پرسنالٹی سے متاثر کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ان کی نظر ابھی اس پہ نہیں پڑی تھی ،ساری توجہ فون کی طرف مبذول تھی۔وہ شش وپنج میں مبتلا کھڑی تھی کہ ان کا پی اے جو تھوڑے فاصلے پہ اپنی کرسی پہ براجمان تھا اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا۔

دھیرے سے شکریہ کہہ کر وہ بیٹھ گئی تھی۔سرخ وسپید رنگت، چاکلیٹی براؤن آنکھیں جن پہ گلاسز کا پہرا تھا، ظاہر کررہے تھے کہ جوانی میں وجاہت کا کیا عالم ہوگا۔وہ دزدیدہ نظروں سے انہیں دیکھتی سوچے بنا نا رہ سکی تھی۔

"۔" جی بیٹا بتائیں کیا مسئلہ ہے آپ کا۔۔؟؟

وہ ارد گرد کا جائزہ لینے کی نیت سے چہرہ موڑ گئی تھی، فون سے فارغ ہوتے چوہدری بخت نے مخاطب کیا تو اس کا چہرہ میکانکی انداز میں ان کی طرف گھوما۔

"سر! یہ میری والدہ کی میڈیکل رپورٹس ہیں۔انہیں بلڈ کینسر آپ کے ہاسپٹل میں ہی تشخیص ہوا ہے، آپ کی بڑی تعریف سنی ہے اس لیے بہت آس لے کر آپ کے پاس آئی ہوں کہ شاید آپ کے تجربے کے طفیل میری ماں کو نئی زندگی مل جائے ، جنہیں موت سے پہلے ، موت کی خبر مل گئی ہے۔"

وہ اک سانس میں اپنے آنے کی وجہ گوش گزار کرچکی تھی۔اس کے پلٹنے پہ چوہدری بخت کسی قدر سوچ میں پڑ گئے تھے ، انہیں یہ چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔تب ہی وہ جب تک بولتی رہی ان کی نظریں اس کے چہرے سے نا ہٹیں۔لیکن اس کی باتوں اور انداز میں اتنا درد تھا کہ وہ چہرے سے زیادہ اس کی باتوں کی طرف متوجہ

ہوگئے تھے۔اس کے لہجے کی حسرتاور ان کی ذات سے بندھی آس نے انہیں رپورٹس کی طرف ہاتھ بڑھانے پہ مجبور کردیا تھا جو وہ ان کی طرف بڑھا چکی تھی۔

" گلاسز آپ ہی ہیں جو بار بار کال کرکے میری آمد کے متعلق پوچھ رہی تھیں۔" آنکھوں پہ ٹھیک کرتے وہ استفسار کررہے تھے۔پی اے کی انفو یاد رہ گئی تھی تب ہی وہ استفسار کرگئے۔وہ جس بیتابی سے سارا قصہ سنا گئی تھی انہیں یقین ہوگیا کہ یہ وہی لڑکی ہے۔

" جی سر!" وہ ہولے سے اعتراف کرگئی تھی۔چوہدری بخت کئی ثانئے رپورٹس پہ نظریں جمائے صفحات الٹ پلٹ کرتے رہے اور وہ بے قرار دل کے ساتھ ان کے گھمبیر چہرے سے کوئی امید کی کرن ڈھونڈنے کی کوشش میں انہیں تکتی رہی۔کسی کے چہرے سے اپنے لیے امید اور نا امیدی اکٹھا کرنا کتنا مشکل امر تھا اس گھڑی اس کا بخوبی احساس ہورہا تھا۔

" گلاسز اتار کے میز پہ رکھتے وہ سوال داغ گئے تھے آپ کی والدہ ساتھ نہیں آئیں۔۔؟" ، نظریں اب بھی کاغذ کے ان بے جان صفحوں پر تھیں جن پہ لکھے تفصیلات سے ، منزہ کی زندگی کے دن درج تھے۔

بہت کوشش کی کہ کسی طرح منا کر انہیں لاسکوں لیکن موت کے انتظار میں وہ " زندگی سے اس حد تک بد دل ہوچکی ہیں کہ انہیں قائل کرنے میں ناکام رہی۔اس آس سے آپ کے پاس آئی ہوں کہ آپ نے امید کی کوئی کرن تھمائی تو اگلی بار کسی نا "کسی طرح انہیں راضی کر کے لے آؤں گی۔

پیشنٹ کی غیر موجودگی پہ اس سے پہلے کہ وہ کوئی سخت بات کہتے اس نے دلسوز لہجے میں ساری کتھا سنا دی ،جسے سن کے اک پل کو چوہدری بخت بھی چپ سے ہوگئے۔

اس قسم کی صورتحال میں پیشنٹ ایسا ہی ری ایکٹ کرتا ہے۔تب ہی ہم پیشنٹ کو " اس طرح کی خبر دینے سے گریز کرتے ہیں کہ موت سے پہلے موت کی خبر ہی انسان کو لے ڈوبتی ہے۔" پرسوچ انداز سے کہہ کر چوہدری بخت نے اب کے رپورٹس اس کی طرف بڑھا دی تھیں۔

سر کوئی امید افزا خبر۔۔؟" ماورا یکٹی بڑی آس سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی ، " اتنی سی عمر میں اس لڑکی کے اٹھنے بیٹھنے، بولنے کے انداز نے اس کی تربیت ظاہر کر دی تھی۔وہ ازحد متاثر نظر آرہے تھے۔

سوری بیٹا! ان رپورٹس کے اکارڈنگ آپ کو کوئی بھی امید افزا خبر سنانے سے قاصر" ہوں،رپورٹ ہمارے ہاسپٹل اور مستند ڈاکٹر کی ہے ، جس میں غلطی کی گنجائش ہوگی ایسا سمجھ کے دل کو جھوٹی تسلی دینا بے کار عمل ہوگا۔" چوہدری بخت کہتے جارہے تھے اور اس کے چہرے پہ مردنی سی چھانے لگی تھی۔ساری آس امید اک اک کر کے رخصت ہونے لگی تھی۔منزہ تو پہلے ہی موت کو قبول کر چکی تھیں ، اک وہی بضد تھی اور اب جیسے کچھ کہنے سننے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔

پھر بھی اپنی تسلی کے لیے آپ کی والدہ کے کچھ ٹیسٹ کرنا چاہتا ہوں ، شاید بہتری" کی کچھ امید ہو جائے۔فی الحال آپ کی والدہ جو دوائیں لے رہی ہیں انہیں چینج کروا رہا ہوں ، اب سے انہیں یہ دوائیں دیں اور کل ہی انہیں ساتھ لے کر آئیں تاکہ ٹیسٹ ہو سکے۔یہ کام جتنی جلدی ہو جائے ، اتنا اچھا ہے۔" چوہدری بخت پیڈ گھسیٹ کر اس میں دواؤں کے نام درج کرتے ، ہدایت بھی جاری کر رہے تھے۔

بہتر سر!" نسخہ ہاتھ میں لے کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔"

ناامید نہیں ہوتے ، مانا موت کی آگاہی سے بری کوئی آگاہی نہیں لیکن یہ بھی تو" ہوسکتا تھا کہ خدانخواستہ آپ کی والدہ کا مرض رہتی زندگی میں تشخیص ہی نا ہو پاتا ، بعد مرگ افسوس دامن گیر رہتا کہ زندگی میں خبر ہو جاتی تو علاج کروالیتے۔۔۔شکر اد

اکریں کہ اللی نے آپ کو کوشش کرنے کا موقع دیا، بہت سوں کو تو موقع بھی میسّر نہیں ہو پاتا۔" اس کی زرد رنجی چوہدری بخت کو دلاسا دینے پہ مجبور کر گئی تھی۔اور ان کی حوصلہ افزا باتوں کا ہی اثر تھا جو اس کے چہرے کے رنگوں میں پھر سے امید کے رنگ جھلکنے لگے۔

بہت شکریہ سر!" یزیں سمیٹ کر وہ خارجی راستے کی طرف بڑھ گئی تھی۔"

کتنے دکھ کا مقام ہے سر کہ اک بیٹی اپنی ماں کی زندگی کی آس لیے پھر رہی ہے۔" " پی اے نے بھی ان کی تمام گفتگو بغور سنی تھی۔

جانے جوان بیٹی کی واپسی کے شکستہ قدم سے دکھ کے مقام کا تعین زیادہ آسان ہے یا " اس کی راہ تکتی ان بوڑھی انکھوں کے لیے جو بیٹی کی ناامیدی پہ دگنی اذیت سے گزریں گی۔۔۔جانے دکھ کا مقام کس کے لیے زیادہ ہے۔" چوہدری بخت یاسیت سے گویا ہوئے تھے۔

☆☆☆

وہ کچی عمر کے پیار بھی

ہیں تیر بھی ، تلوار بھی

تازہ ہیں دل پہ وار بھی

اور خوب یاد گار بھی

موٹی ! میری پارٹنر نہیں بن رہی نا، ٹھیک ہے یاد رکھنا اپنی اس غداری کو ،اک " دن آئے گا جب تم میری پارٹنر بننے کو روؤ گی۔ میں تمہیں گھاس ڈالے بنا کسی اور کو "اپنی پارٹنر بنالوں گااور تم دیکھ کر جلتی سڑتی رہنا۔

کیرم بورڈ سجا ہوا تھا۔ گوٹیاں سیٹ کی جارہی تھیں۔ساری بچہ پارٹی اس کے ارد گرد تھی۔ کچھ سولو گیم ہوئے تھے تو کچھ پارٹنرز کے ساتھ۔۔ کیرم بور ڈ کے گیم میں سمھان کو ہرانا چیونٹی کو کپڑے پہنانے جتنا مشکل کام تھا۔عیشال بھی اچھی پلیئر تھی لیکن اس کے اسٹرائیکر ہاتھ میں آجانے کے بعد اگلے کو اک نیند لے لینا بہتر لگتا تھا۔ وہ باری پہ باری لیے اپنی گوٹیاں اک کے بعد اک پاکٹ میں ڈالتا چلا جاتا تھا۔سب کو ہرا کے اب دونوں مقابل تھے اور حسب روایت وہ ہار چکی تھی جب کہ گیم شروع ہونے سے پہلے

اس کی کتنی منت کی تھی کہ " پلیز مجھے جیتنے دو، تم کو ہرا کے جیت کا مزا لینا چاہتی ہوں۔"

لیکن وہ تھا کہ اسٹرائیکر چھوڑنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

" کیا کروں ، آؤٹ ہوں گا تو تمہیں اسٹرائیکر دوں گا نا۔۔" بڑا شاہانہ جواب تھا۔ وہ کلستی رہ گئی لیکن اس کی باری آنے سے پہلے ساری گوٹیاں اس کے پاکٹ میں جا چکی تھیں۔

وہ بکتی جھکتی رہ گئی اس لیے جب اگلا میچ پارٹنر کے ساتھ ہونے کا اعلان ندا نے کیا تو سمہان آفندی اس کی منت کرنے لگا کہ وہ اس کی پارٹنر بن جائے تاکہ جیت یقینی ہو لیکن تازہ تازہ ہار کا دکھ اتنا گہرا تھا کہ اس نے پارٹنر بننے سے صاف انکار کر دیا تھا۔اور یہی انکار سمہان آفندی کی انا کا مسئلہ بن گیا تھا۔

" اچھا کسے بناؤ گے اپنی پارٹنر۔۔۔؟؟" باخبر تھی اس کے مقابل وہی ٹکر دے سکتی تھی باقی سب کو خاص مہارت نہیں تھی۔چڑاتا ہوا سوال ہوا تھا۔ موٹی موٹی آنکھوں میں استہزا کا رنگ گہرا ہو گیا تھا جیسے ان آنکھوں کو یقین ہو کہ اس کے علاوہ کوئی پارٹنر

بننے کو تیار ہی نہیں ہوگا۔اور سمہان آفندی کو اس کی ہنسی اڑاتی نظریں غصہ دلانے کے ساتھ جواب دینے پر بھی مجبور کر گئی۔

نرمین کو بنالوں گا۔۔۔۔ کیوں نرمین بنو گی نا میری پارٹنر۔۔؟؟ اس نے جھٹ " نرمین کا نام لے کر استفسار بھی کرلیا۔

شیور ، وائے ناٹ۔" حویلی میں دو دن چھٹیاں گزارنے کے خیال سے جہانگیر اور " صہبا کے ساتھ آئی نرمین پونی ہلا کر شد ومد سے ہامی بھر گئی تھی۔

اب بولو!" داد طلب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔نرمین سے بغض سے آگاہ تھا لیکن " جانے کیسے بے دھیانی میں اسی کا نام نکل گیا اور وہ ساتھ دینے کی ہامی بھی بھر گئی۔

بناؤ پارٹنر ، میں بھی دیکھتی ہوں اب کوئی کیسے کھیلتا ہے۔" نرمین کو مقابل کھڑا " کرنے پر اس بلا کا غصہ آیا تھا کہ کہنے کے ساتھ گوٹیاں مٹھی میں بھر کے کچھ دور موجود کنواں کی طرف اچھال دیں۔چند اک نیچے بکھر گئی تھیں باقی کنواں کے اندر چلی گئی تھیں۔وہ ارے ارے کرتا رہ گیا تھا۔

کھیلو اب آرام سے۔" چھوٹا سا دوپٹا جھٹک کر وہ تمتاتی ہوئی چلی گئی تھی۔"

سمہان ! میں تمہاری پارٹنر ہوں نا۔۔؟؟" نرمین کو اسی بات کی فکر تھی۔تب ہی "
سر پکڑے سمہان کے جذبات کو سمجھے بنا سوال کر گئی۔

جب گیم ہی نہیں ہو سکتا تو کیسی پارٹنر۔" اس کے بیوقوفانہ سوال پہ منہ بگڑ گیا تھا۔ "
کتنی بیڈ حرکت ہے اس عیشال کی۔تم فکر نا کرو ، پپا سے کہہ کر امریکا سے کیرم "
"بورڈ منگوا دوں گی تمہیں۔

منگوالو، اکیلی کھیلتی رہنا۔" وہ منہ بنا کے اس کی تلاش میں پیچھے گیا تھا۔خبر تھی "
سیڑھیوں پہ بیٹھی رو رہی ہو گئی اور ہزار معافی مانگنے کے بعد ہزاروں صلواتیں سنا کر
معاف کرے گی۔معافی مانگے بنا کوئی چارہ بھی نہیں تھا کہ جب تک ناراض رہتی ، وہ
بے سکون رہتا۔

ناراض تو وہ اب بھی تھی اور وہ بے سکون ، لیکن چاہ کر بھی نا منا سکتا تھا نا اپنی بے
سکونی کو سکون میں بدلنے پہ قادر تھا۔

کچی عمر کی محبت کے نشان اتنے پکے تھے کہ مٹائے نا مٹتے تھے۔مذاق مذاق میں بنائی
گئی پارٹنر اب حقیقی ساتھی بننے کو تیار تھی۔ابھی یہ ٹینشن ہی بہت تھی کہ عیشال کے
حوالے سے مزید فکر لگ گئی تھی۔چوہدری حشمت کے تیور خاصے برہم تھے۔اپنی

ٹینشن بھول کر وہ اس کی فکر میں مبتلا ہوگیا تھا۔ بالکنی کے گرل پہ سبز اسے منہ موڑے ریشمی پردے کو اڑتے دیکھ رہا تھا۔ سیل فون بجنے لگا تو بے دھیانی میں اس کی نظر جھولے کی طرف اٹھی۔ جھولے پہ رکھا سیل فون مسلسل شور کر رہا تھا۔ آگے بڑھ کر اس نے سیل فون اٹھا لیا تھا۔ اجنبی کراچی کا نمبر دیکھ کر پہلا خیال نرمین کا ہی آیا تھا لیکن اس کے شک میں کال اگنور کرنے کا خیال بھی مناسب نہیں لگا۔ چوہدری بخت یا جہانگیر کے گھر سے بھی کال ہو سکتی تھی اور تو اور آج کل شاہ زر شمعون کا پڑاؤ بھی کراچی میں تھا اور اس کا خیال آنا تھا کہ اس نے اک لمحے کی دیری کیے بنا کال پک کر لی۔

"!السلام علیکم ! سمہان آفندی ہیئر"

ہائی سمہان۔۔۔! تمہیں کیا لگا تھا تم نمبر نہیں دو گے تو مجھے تمہارا نمبر نہیں ملے گا۔۔؟" شک کی تصدیق ہو گئی تھی۔ اپنے مخصوص انداز میں کال ریسیو کرتے نرمین کی چہکتی آواز سنائی دی تو جبڑے بھنچ سے گئے۔

ایسی کون سی خاص بات کرنی تھی جو نمبر حاصل کرنے کے لیے آپ کو اتنی مشقت" اٹھانا پڑی۔" نا چاہتے ہوئے بھی لہجے کی کڑواہٹ پہ قابو نا پا سکا، نا ہی ایسی خواہش تھی۔

ارے بھئی رشتہ ہونے جارہا ہے، نرمین جہانگیر کا تم سے اور تم خاص بات پوچھ رہے ہو۔۔۔؟" تمہیں تو پراؤڈ فیل کرنا چاہیے کہ نرمین جہانگیر نے نا صرف تمہیں پسند کیا بلکہ پپا سے کہہ کر منٹوں میں تمہیں اپنے نام پہ انگیج کروالیا۔۔اب کوئی دعویدار آئے سامنے۔۔؟" وہ فخریہ لہجے میں اپنا کارنامہ بیان کر رہی تھی اور جسم کا سارا خون اس گھڑی سمہان آفندی کے چہرے پہ سمٹ آیا تھا۔کس شان سے وہ اعلان کر رہی تھی کہ اس کی ڈیمانڈ پہ کیسے منٹوں میں سمہان آفندی کا وجود اسے پیش کردیا گیا تھا کہ وہ اپنے نام کی مہر لگا کر پکا کرلے۔ تقریب اور رِنگ کا تبادلہ تو اک فارمیلٹی تھی جو مناسب وقت تک ہوجاتی اصل تو زبان تھی،جو چوہدری حشمت دے چکے تھے۔جس کا اعلان حویلی میں کر چکے تھے۔اس کے بعد ہر شئے کی اہمیت ثانوی تھی۔

بے شک من پسند چیز کی طرح اپنے والد سے کہہ کر آپ نے بازی تو اپنے نام " کرلی لیکن اس جیت میں ایسا کہیں درج نہیں کہ میں آپ کی مرضی کے حساب سے پرفارم کروں گا۔

آپ آزاد فضاؤں کی باسی ہیں لیکن میں جس ماحول کا پروردہ ہوں، وہاں قطعاً اس بات کی گنجائش نہیں کہ آپ سے گفت وشنید کا سلسلہ رکھوں۔۔۔ کال بند کر رہا ہوں

اور بند کرنے سے پہلے اک بات گوش گزار کردوں کہ دوبارہ کال کر کے آپ نے ڈسٹرب کرنے کی کوشش کی تو پہلی فرصت میں نمبر بلاک کردوں گا۔اللہ حافظ!"

اپنی سنا کر اس کی سنے بنا اس نے نا صرف کال کاٹ دی بلکہ اگلے ہی لمحے اسے بلاک لسٹ کی زینت بھی بنادی کہ اسے خبر تھی، لفظ عمل کے بعد ہی سمجھ میں آئیں گے۔ سیل فون کو جھولے پہ اچھالتے چوہدری جہانگیر کی دو نظری اسے پہلے سے کہیں زیادہ محسوس ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

وہ بڑی بے تابی سے ڈاکٹر بخت کے لوٹ آنے کا انتظار کر رہی تھی۔اک امید تھی کہ شاید وہ کوئی خوشخبری سنائیں گے۔لیکن ان کے انداز میں مایوسی دیکھ کر آس کا دیا مدھم پڑنے لگا تھا۔بس اک آخری کوشش کرنا تھی ، منزہ کو مزید ٹیسٹ کے لیے کسی نا کسی طرح تیار کرنا تھا۔شاید کوئی معجزہ ہوجاتا۔

اپنی دھیان میں مگن وہ گھر کے دروازے تک آئی تھی لیکن دروازے پہ کھڑے بندے کو بائیک سے ٹیک لگائے دیکھ کر چونک سی گئی۔ شکل کچھ دیکھی بھالی لگ رہی تھی۔مقابل بھی سیدھا ہوگیا۔

"السلام علیکم!" اسے اپنی طرف متوجہ پاکے دروازے پہ دستک دیتے دیکھ کر جان گیا تھا کہ اسی گھر کی مکین ہے۔

"والسلام ، معاف کیجیے گا آپ کو پہچانا نہیں۔" دروازے پہ موجود دیکھا بھالا بندہ یاد کرنے پہ بھی یاد نہیں آرہا تھا۔انداز سے ظاہر تھا کہ وہ کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ان کے دروازے پہ وہ کس کا منتظر تھا یہ اچنبھے کی بات تھی۔

"میں یاسر ہوں ، اماں آئی ہیں بری کی چیزیں لے کر۔آپ غالباً ماورا ہیں"

"اوہ!" یاسر نے تعارف کروا کر باہر رہنے کی توجیہ دیتے سوالیہ نظریں جمادیں تو اس کے حواس بھی جیسے جاگتے لگے۔تصویر میں دیکھے شخص کو روبرو دیکھ کر بھی اسے یاسر کا خیال نہیں آیا تھا۔آتا بھی کیسے ، ان کی پہلی ملاقات تھی۔منزہ اسے لے کر نہیں گئی تھیں۔یاسر نے بھی اس کے ہاتھوں میں کتاب دیکھ کر پہچانا تھا شاید، علم میں تھا کہ انوشا کی چھوٹی بہن پڑھ رہی ہے۔

"جی میں ماورا، ٹھیک پہچانا آپ نے ، معذرت میں آپ کو نہیں پہچان سکی۔"

"کوئی بات نہیں۔ہم پہلے ملے ہی کب تھے۔"

"آنٹی آئی ہوئی ہیں۔۔؟؟"

جی ! ان کا ہی منتظر ہوں لیکن لگتا ہے وہ اندر جاکے بھول گئی ہیں پلیز انہیں یاد " دلادیں اندر جاکے کہ میں باہر انتظار کر رہا ہوں۔" اس کی بے چارگی پہ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ آگئی۔

آپ بھی اندر چلے جاتے نا۔۔" شرارت سے مسکرائی۔"

دونوں بارڈرز پہ اس کی اجازت نہیں ہے، پرمٹ کے بنا۔۔!" اس کے انداز سے وہ " بھی شوخ ہوا تو اس کی حسِ لطیف بھی بیدار ہوگئی۔

دروازہ ہی بجا کر پیغام دے دیتے ، شاید اسی بہانے انوشا کی جھلک ہی نظر آجاتی۔" " باہر رہنا اس کی مجبوری تھی لیکن اسے تو اندر جانا تھا۔دروازے پہ دستک دیتے شریر ہوئی۔یاسر کچھ جھینپ سا گیا۔

جب مستقل دیکھنے کے دن پکے ہوگئے ہیں تو تانکا جھانکی کے لیے کیا جتن کرنا۔اک " ہی بار جی بھر کے دیکھ لیں گے۔"شرمیلا تھا لیکن جواب پورے آتے تھے۔

ویل سیڈ جناب!" مسکراتے ہوئے سراہے بنا نا رہ سکی۔"

اندر آجاؤ!" اسی اثناء میں دروازہ کھل گیا تھا۔انوشا کی ہلکی سی جھلک نظر آئی۔اور وہ چلتی بنی۔

رکو تو!" وہ آواز دیتی رہ گئی۔لیکن یاسر سامنے ہی تو کھڑا تھا ،اک ثانیے کو دونوں کی " نظر ملی اورانوشا یہ جا وہ جا۔۔

غالباً محترمہ نے بھی مستقل دیکھنے والا پہاڑہ پڑھ رکھا ہے۔ محترمہ راضی ہوجاتی ہیں " تو ملاقات کی کوئی سبیل نکالتی ہوں" رُخ یاسر کی طرف ہوگیا۔

رہنے دیں شاید وہ کمر نیبل فیل نا کریں۔جس میں ان کی خوشی۔میں اسی میں " مطمئن ہوں۔اصرار کرکے انہیں مشکل میں نا ڈالیے گا۔" اک نظر کی شرشاری لہجے میں بول رہی تھی۔

کیا کہنے ، ابھی سے محترمہ کا اتنا خیال۔۔میں کوشش کرتی ہوں۔" وہ چھیڑے بنا نا " رہ سکی۔اور دروازے ے اندر چلی گئی۔ سلجھا ہوا سا یاسر بہت بھلا لگا تھا۔

کیا تھا جو دو گھڑی رک جاتیں دروازے پہ۔" وہ سیدھی کچن میں چلی آئی تھی۔ " جہاں گلال چہرہ لیے انوشا شربت بنا رہی تھی۔

تم کیا دروازے پہ کھڑی باتیں بگھار رہی تھی۔ باتیں سنی میں نے۔" انوشا نے ابرو " چڑھائے۔

اوہووو!! جیلسی۔۔۔!" وہ چھیڑنے سے باز نا آئی۔ "

مار کھاؤ گی۔" انوشا کی شکل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، چہرہ رنگوں سے نہا گیا تھا۔ "

میں جب تک آنٹی کو سلام کر کے باتوں میں لگاتی ہوں، تب تک تم جا کے مل ہی " لو۔" راہ دکھائی۔

ہاں ملنے چلی جاؤں اور کسی نے گزرتے ہوئے دروازے پہ دیکھ لیا تو سکی الگ۔ نا بابا " معاف رکھو مجھے۔ اک ہی بار دیکھ لوں گی۔" انوشا نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔

ہائے ظالم سماج کا ڈر۔۔۔ ورنہ دل ہے نا۔۔؟" ٹھنڈی آہ بھر کے شریر ہوئی تو انوشا " چینی گھولتے شرما کر مزید سر جھکا گئی۔

جا رہی ہوں آنٹی یسریٰ کو سلام کرنے۔ بہت گرمی ہے، ہو سکے تو باہر کھڑے " بندے کو بھی اک گلاس شربت دے دینا، شاید شربت کی مٹھاس وہ بھی محسوس کر لیں، جن کا تصور کر کے جانے تم کب سے چینی گھول رہی ہو۔" اس سے پہلے کہ انوشا تشدد کی راہ اپناتی اس نے چھپاک سے نکلنے میں ہی عافیت جانی۔

واقعی اتنی دھوپ میں کب سے باہر کھڑے ہیں ، پیاس محسوس ہورہی ہوگی ، ماورا " بھی اتنی بدتمیز ہے خود دے آتی، لے کے میرے ذہن میں بات ڈال گئی۔ ماورا کی واپسی کا انتظار کروں۔۔؟؟ نہیں جانے وہ کب آئے، آواز دے کے کہوں کہ باہر انہیں شربت دے آئے۔۔۔؟؟ نہیں ، بدتمیز لڑکی مذاق اڑاتی رہے گی۔۔" ٹرے میں شربت رکھتے اضافی گلاس جانے کسی جذبے کے تحت الگ کرکے خود ہی سوال و جواب کرتی جھنجلانے لگی۔

خود تو جاکے چین سے اندر بیٹھ گئی ، اور میرے ذہن میں بات ڈال گئی ، اب کیسے " بے حس بن کے بیٹھی رہوں۔۔؟؟ " گلاس پہ نظر جمائے وہ اس پہ جھنجلانے لگی۔

بڑی ہی سست ہو ابھی تک گئی نہیں شربت دینے۔۔؟ جب گلاس الگ کرچکی ہو تو " دے بھی آؤ۔۔۔لاؤ اندر والی ٹرے میں لے جاتی ہوں۔ بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں۔۔۔ جلدی جاؤ تاکہ اسی حساب سے اندر اپنی ٹائمنگ سیٹ کروں۔" وہ کچن کے اندر سر ڈال کر لن ترانی کرنے لگی۔

بھلائی کی بچی!" ٹرے تھماتے انوشا دھیمی آواز سے چلائی۔ "

اب پکا جارہی ہوں۔" ٹرے اٹھاکر وہ ہنستی ہوئی چلی گئی تھی۔"

السلام علیکم آنٹی!" اندر داخل ہوئی تو یسریٰ خوشگوار موڈ میں منزہ سے باتیں کر رہی تھیں۔پلنگ پہ کچھ ڈبے پڑے ہوئے تھے۔

وعلیکم السلام بچے، آگئیں پڑھ کے۔؟" یسریٰ نے کچھ اتنی بے ساختگی سے کہا جیسے وہ چھوٹی سی بچی ہو اور مدرسہ سے لوٹی ہو۔

جی آگئی۔آپ شربت لیں۔" وہ مسکرا دی۔اس کے چہرے کی مسکراہٹ کو منزہ نے ٹھہر کے دیکھا تھا۔بہت کم ہی ان کی بیٹیوں کے چہرے پہ ہنسی آتی تھی۔خود انہوں نے اتنے سخت خطوط پہ دونوں کی پرورش کی تھی کہ بلاوجہ اونچے قہقہے لگانے اور باآوازِ بلند گوسپ کرنے کی نا ان کی عادت تھی نا منزہ نے کبھی اجازت دی، بے اختیاری میں کبھی آواز اُونچی ہو بھی جاتی تو منزہ کی تنبیہی "ہوں" انہیں سمٹنے پہ مجبور کر دیتی تھی۔آج بھی اندازہ تھا کہ ان کے منع کرنے کے باوجود وہ ڈاکٹر کے پاس گئی ہوگی، شکستہ دل لوٹے گی لیکن اس کی مسکراہٹ دیکھ کر انہیں سکون محسوس ہوا تھا کہ وہ نہیں گئی۔

انوشا کے لیے بری لے کر آئی تھی۔دیکھ کر بتاؤ کیسی ہے۔۔" یسریٰ محبت سے چیزوں کی طرف اشارہ کر گئیں تو وہ بھی اشتیاق سے چیزوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

چیزیں تو بہت پیاری ہیں آنٹی۔۔۔آپ کی بہو ان میں بڑی حسین لگے گی۔" وہ " پسندیدگی بھری نظروں سے سراہ رہی تھی۔

ماشاء اللہ! میری بہو تو ہے ہی اتنی حسین کہ کچھ بھی پہن لے پیاری ہی لگے " گی۔بس اللہ برتنا نصیب کرے۔" یسریٰ محبت سے انوشا کا ذکر کر گئیں تو منزہ نے دل ہی دل میں آمین کہا۔

بیٹا، شربت کا اک گلاس یاسر کو بھی دے آو، باہر کھڑا ہے کب سے۔۔بلا لیتیں " بچے کو اندر۔" اسے ہدایت کرتے منزہ آخر میں یسریٰ سے ہمکلام ہوئیں۔

رہنے دیں منزہ بہن، کچھ ہی دنوں کی تو بات ہے، پھر تو آنا جانا لگا ہی رہے گا یاسر " کا آپ کے گھر، بلاوجہ آپ کے اُصول کیوں توڑتی پھروں۔۔ہاں بچہ باہر دھوپ میں کھڑا ہے بس اس کی فکر ہے۔" یسریٰ نے خیال کرتے جواب دیا تو منزہ مسکرا دیں۔ بڑے ہی سمجھدار لوگ ملے تھے انہیں۔

جی شربت مل گئی ہے یاسر بھائی کو امید ہے اب اچھا محسوس کر رہے ہوں گے۔" " وہ دروازے کا منظر تصور کرتے زیرِ لب مسکرا دی۔

☆☆☆

کہاں ہوتے ہو ، شکل ہی دیکھنے کو نہیں مل رہی تمہاری۔۔!" ایشان جاہ باہر سے " آکر براجمان ہوا تو صہبا دیکھتے ہی گلہ کرنے لگیں۔

میں نے کہاں جانا ہے مام۔۔ سمسٹر نزدیک آرہے ہیں۔۔۔اس لیے پڑھنا تو ہے۔" ایم بی اے آسان کب ہے۔اور اس وقت ،جب ٹاپ کرنا خواہش سے زیادہ عزت کا "معاملہ بن جائے۔

وہ ریلیکس انداز میں پیر پھیلاکے بیٹھ گیا۔

عزت کامعاملہ۔۔؟ وہ لڑکی راستے سے نہیں ہٹی۔۔۔؟؟ مجھے تو لگا تھا جہانگیر کے " نوٹس میں بات آگئی ہے وہ نبٹ لیں گے۔۔۔شاید بھول گئے ہوں گے، آج ہی یاد دلاتی ہوں انہیں۔۔۔۔ تمہاری ٹینشن تو دور ہو۔۔" صہبا نے حیرانی کے ساتھ لائحہ عمل بھی پلان کرلیا۔

ڈیڈ کو یاد دہانی کی ضرورت نہیں ہے مام۔۔۔وہ مل چکے ہیں اس سے اور وہ " افلاطون کے خاندان کی ڈیڈ کو بھی چیلنج کرچکی ہے۔" اس نے آرام سے گوش گزار کیا۔

جہانگیر کو چیلنج۔۔۔؟؟ اور انہوں نے بخش دیا اس لڑکی کو۔۔۔؟؟" صہبا کی " آنکھیں پھٹ پڑیں۔

حد ہو گئی۔۔ کس تمیں مار خان کی بیٹی ہے آخر۔۔؟" صہبا کے انداز میں رعونت کا " بسیرا تھا۔

بے حد معمولی حیثیت کی سفید پوش لڑکی ہے۔۔ لیکن آپ ٹینشن نا لیں۔۔ پہلے " ٹاپ کرکے مجھے اس کا غرور توڑنے دیں بعد میں ڈیڈ اس سے خود نبٹ لیں گے۔۔ آخر انہیں چیلنج کرنے کی گستاخی کی ہے اس نے۔۔۔ سمجھیں اس شہر سے تو دانا پانی بند اس کا۔" ایشان جاہ نے فکر دور کرنے کے لیے سارا ماجرا کہہ سنایا۔

ہونا بھی چاہیے۔۔ میں تو اب بھی چھوٹ دینے کو تیار نہیں۔۔ سر اٹھنے سے پہلے " ہی کچل دینا چاہیے ان کیچڑ میں رہنے والوں کا۔۔ جیب میں دھیلا نہیں اور ہم سے "بھڑنے چلی ہے۔

نفرت و نخوت سے بولتی صہبا کے لیے پیسہ اور پاور ہی سب کچھ تھا، جس کی کثرت سے مالامال تھیں۔ لیکن وہ بھول گئی تھیں کہ بھڑنے کے لیے پیسہ اور پاور سے زیادہ

جگر اور حوصلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔جس کی کمی ماورا یحیٰ میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی تھی۔

"اگنور کریں اسے۔۔۔۔وہ بات بتائیں جس کے لیے آپ مجھے تلاش کر رہی تھیں۔" صہبا کی توجہ دوسری طرف مبذول کی ان کے انداز سے بھانپ گیا تھا کہ وہ کوئی بات شیئر کرنا چاہ رہی تھیں۔

"اچھا ہوا یاد دلایا، ورنہ تو اس ان دیکھی لڑکی کے غصے میں بھول ہی گئی تھی۔۔"
"تمہارے ڈیڈ اور میں نے نرمین کا رشتہ سمہان سے طے کر دیا ہے۔

"نرمین کا رشتہ ، سمہان سے۔۔۔؟؟" ایشان جاہ کو جیسے شاک لگا۔

"ہاں ! تمہارے ڈیڈ تو باباجان سے بات بھی کر چکے ہیں ، جلد ہی انگیجمنٹ کی تیاری شروع کریں گے۔۔"

"داجان تک بھی بات پہنچ گئی اور میں ہی بے خبر رہا۔۔۔اسٹرینج!" اسے حیرانی ہوئی۔

جہانگیر نے جھٹ پٹ ہی راضی کیا ہے باباجان کو، کوئی لمبا چوڑا وقت نہیں دیا۔۔" تمہیں اتنی حیرانی کیوں۔۔۔۔کیا سمہان پسند نہیں۔۔؟؟" مطمئن کرنے کے ساتھ سوال کر گئیں۔

سمہان بھی کوئی ناپسند کرنے والا بندہ ہے۔۔ہی از دا بیسٹ۔۔ حیرت انگیز خوشی " ہورہی ہے کہ اتنا آؤٹ اسٹینڈنگ بندہ کزن کے بعد بہنوئی بننے والا ہے۔۔۔خوشی ہورہی۔لیکن یہ نادر انتخاب ہے کس کا۔۔۔آپ یا ڈیڈ۔۔۔؟" وہ کھلے دل سے تعریف کرکے سوال کرگیا۔

چلو شکر ہے تمہیں بھی پسند ہے سمہان۔۔۔انتخاب تو نرمین کا ہے، ہمارا تو دھیان " ہی نہیں گیا تھا اس کی طرف۔" صہباصاف گوئی سے بول گئیں تو وہ لبوں کو اُو کی شکل میں سکیڑ گیا۔

حویلی میں سب راضی ہیں۔۔مطلب اسفند چچا، فریال چاچی اور سمہان۔۔۔؟" " معلومات درکار تھیں۔

حویلی میں چلتی کب ہے کسی کی۔۔۔باباجان نے ہامی بھرلی، فیصلہ سنا دیا۔ہوگئے " سب راضی۔۔ان سب کی اپنی مرضی کب ہوتی ہے۔" صہبا کا غرور ختم ہونے میں

نہیں آرہا تھا۔۔ حویلی والوں کا ذکر وہ کیڑے مکوڑوں کی طرح کرتی تھیں جیسے ان کی ناکوئی حیثیت تھی ان کی نظر میں نا اہمیت۔ سمجھ ، بوجھ سے فارغ ذہنی غلام ہی سمجھتی تھیں انہیں۔اور ان کا سمجھنا کچھ بے جا بھی نہیں تھا۔ من مانی کی زندگی تو انہوں نے گزاری تھی چوہدری جہانگیر کی رفاقت میں، حویلی والے تو آج تک اقدار و اصول پہ چلتے تھے۔

جب نرمین لڑکی ہو کر اپنی پسند ظاہر کر سکتی ہے تو سمہان تو پھر مرد ہے۔۔اس کی " بھی کوئی پسند ہو سکتی ہے۔" اسے عجیب لگا۔

حویلی والوں کی کوئی پسند نہیں ہوتی۔۔۔ ہوگی بھی تو کون سا پوری ہو جائے گی ، " "کمپرومائز کی کڑوی گولی ہی نگلنا پڑتی ہے آخر میں انہیں۔۔

یعنی سمہان کی کہیں دلچسپی تھی۔۔۔؟؟" صبا کے انداز سے اس نے یہی اخذ کیا کہ " کوئی بات ہے۔

سمہان کی تو نہیں البتہ عیشال کی دلچسپی تھی سمہان میں۔" کمالِ لاپروائی سے بیان " دے گئیں۔

واٹ۔۔؟ آپ کے علم میں تھی یہ بات پھر بھی آپ نرمین کا رشتہ کر رہی ہیں۔۔؟؟"

اس اچنبھا ہوا۔

"عیشال کی پسند نا پسند سے کیا ہوتا ہے اصل تو سمہان کی رائے ہے، اگر اسے انکار ہوتا تو اب تک بات آجاتی سامنے لیکن وہ باباجان کے فیصلے کو مان چکا تو کسی ایرے غیرے کی پسند کیا معنی ' رکھتی ہے۔

"ہوسکتا ہے سمہان کی مرضی بھی عیشال کے لیے ہو۔۔آپ بات کی تحقیق کرکے دیکھیں یاپھر میں کرلیتا ہوں۔" اسے اچھا نا لگا۔

"چلو، بالفرض ایسا ہوا بھی۔۔۔۔یعنی سمہان بھی عیشال میں انٹرسٹڈ ہوا تو کیا کرو گے۔۔۔؟؟ سوتیلی کے لیے اپنی سگی بہن کا دل توڑ دو گے۔۔۔؟" صہبا کو عیشال کی طرف اس کا جھکاؤ گراں گزرا۔

"دل کیا توڑوں گا بلکہ دل ٹوٹنے سے بچاؤں گا۔۔۔اگر سمہان کے دل میں عیشال یا کسی اور لڑکی کا خیال ہے تو وہ نرمین کو کیسے خوش رکھ سکے گا، سگی بہن کے حق میں بہترین فیصلہ ہونے کے ساتھ دو لوں کو الگ ہونے سے بچانے کا ثواب الگ ملے گا۔" وہ تذبر سے کہہ گیا۔

بڑی سمجھداری کی بات کر رہے ہو آج۔ لیکن بیکار ہے کہ تمہارے ڈیڈ نے بابا جان " کو سختی سے ہدایت کی ہے کہ عیشال کو حویلی سے باہر بیا ہیں، ورنہ وہ کسی دن اسے "شوٹ کر دیں گے۔

رئیلی ! ڈیڈ نے اتنا ہرش بی ہیو کیا۔۔۔؟؟" وہ شاکڈ ہوا۔ صہبا نے شد ومد سے سر " اثبات میں ہلایا۔

ڈیڈ عیشال سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں۔۔ڈو یو نو مام۔۔۔؟؟" وہ استعجاب سے " سوال کر گیا۔

اس کا سہی جواب تو مجھے بھی معلوم نہیں ،" وہ کندھے اچکا گئیں۔ "

آپ نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی۔۔۔؟نا ان کے بیچ محبت پیدا کرنے کی " "کوشش کی؟؟

مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے جو ان کی نفرت کی وجہ ڈھونڈ کر بیٹی سے محبت کرنے پہ " مائل کروں۔۔ میرے لیے تو تسلی کی بات ہے کہ سوکن کی بیٹی سے نفرت سے پیش آتے ہیں۔۔۔یہ آج تمہیں ہو کیا گیا ہے جو ایسی باتیں کر رہے ہو۔۔؟" انہیں تشویش لاحق ہوئی۔

کچھ باتیں غلط ہیں مام اگر ان کا ادراک بھلے دیر سے ہی ہو تو انہیں صحیح کرنے میں " کیا ہرج ہے۔۔۔ورنہ ڈیڈ کی اولاد تو عیشال بھی ہے لیکن نرمین اور میرے ساتھ ڈیڈ کا الگ روپ ہے جب کہ عیشال کے سر پہ ڈیڈ کو آج تک ہاتھ پھیرتے بھی نہیں دیکھا میں نے، جب کہے چاری کی ماں بھی بچپن میں چلی گئی۔۔" اسے کسی حد تک احساس تھا۔صہبا کو خطرے کی گھنٹی سنائی دے رہی تھی۔اولاد جب خامیاں گنوانے کھڑی ہو جائے تو دفاع کیونکر ہو۔

جان سے مار دوں گی ، اس سمہان کو آخر خود کو سمجھتا کیا ہے۔" نرمین تلملائی ہوئی " داخل ہوئی تھی۔جس طرح آتے ہی شور ڈالنے لگی دونوں چونک گئے۔

کیا ہوا۔۔کیا کر دیا سمہان نے جو میری بیٹی کا غصہ کم نہیں ہو رہا۔۔؟؟ " متعجب " ہوئیں۔

پہلے تو نمبر نہیں مل رہا تھا اس کا حویلی کال کی تو پہلے عیشال سے بحث ہوئی بعد " میں سمہان سے بات ہوئی تو لائن میں پرابلم۔۔۔بعد میں گھنٹوں لائن بزی رہی۔۔ آج ڈیڈ کے سیل سے اس کا پرسنل نمبر نکال کے کال کیا تو صاف کہہ کر نمبر بلاک کر گیا کہ حویلی میں کالز پہ باتیں کرنا الاؤ نہیں اور یہ کہ میں آئندہ کال نا کروں۔۔اتنا "روڈ بی ہیو کر رہا تھا۔

تمہیں حویلی کا مزاج پتا ہے پھر بھی تم نے اسے کال کی۔۔ وہ تمہارے مزاج کا نہیں " ہے "ساری تفصیل سن کر ایشان جاہ نے گوش گزار کیا۔

بھلے وہ جس بھی ماحول اور مزاج کا ہو ، اسے میرے مزاج تک آنا ہوگا۔" ہٹ " دھرمی سے گویا ہوئی تو ایشان جاہ کی نظر بے ساختہ صہبا پہ اُٹھ گئیں۔اس کی نظروں کا مفہوم پا کر صہبا سر جھٹک کر نرمین کو تسلی دینے لگیں۔

سمہان کیا اس کے تو اچھے بھی بات کریں گے میری بیٹی سے۔۔آجائیں جہانگیر کرتی " "ہوں بات ان سے کہ سمجھائیں اپنے بھتیجے کو۔۔۔۔لے کے میری بچی کا دل توڑ دیا۔

میرا نمبر بلاک کردیا مام۔۔!" اس نازک حسینہ کا درد کم نہیں ہورہا تھا۔انسلٹ الگ " فیل ہورہی تھی۔صہبا ساتھ لگا کر تھپکتی جارہی تھیں ساتھ ہی سمہان کے کس بل نکال دینے کے جھوٹے دعوے بھی کر رہی تھیں۔جیسے وہ حویلی کا نہیں ان کے حکم کا غلام ہو۔

☆☆☆

بظاہر سب معمولاتِ زندگی میں مصروف تھے لیکن اپنی اپنی جگہ اک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ندا کمرے میں بند ہوچکی تھی ، نا وہ خود نکلی نا کسی نے نکلنے کو کہا۔ندا کی زندگی میں کسی لڑکے کی موجودگی اور پھر اس لڑکے کا جان سے گزر جانا۔ ہر کوئی چکرا کے رہ گیا تھا۔فائزہ ماں تھیں ، ندا کے عمل سے انہیں گہرا صدمہ پہنچا تھا ۔پریشان زمرد بیگم کی آغوش میں سر رکھے کتنی ہی دیر رنجیدہ بیٹھی رہیں۔اپنی تربیت پہ شرمندہ خود کو کسی سے آنکھ ملانے کے قابل نہیں سمجھ رہی تھیں۔زمرد بیگم بنا کچھ کہے سر تھپکتی رہیں۔چوہدری فیروز اس سارے معاملے کو جان کے چراغ پا ہوگئے تھے۔ساری بھڑاس فائزہ پہ نکال کے گئے تھے اور وہ بیٹی کے کیے کی سزا کے طور پہ سننے پہ مجبور تھیں۔

عورت تھیں ، ماں تھیں کچھ نا کرکے بھی مجرم بن گئی تھیں۔معاملات سرانجام دیتے بھگتی آنکھوں کو بار بار خشک کر رہی تھیں۔فریال کے پاس دلاسہ کے لیے الفاظ نہیں تھے۔وہ خاموشی سے فائزہ کو تھپک رہی تھیں۔

ندا سے جتنی بڑی غلطی ہوچکی تھی لڑکیاں بھی اپنی اپنی جگہ سہمی ہوئی ہر اک سے نظریں چرا رہی تھیں۔جیسے مجرم ندا نہیں وہ خود ہوں۔

کھانے کی میز پہ ندا کے علاوہ سب موجود تھے۔ کسی نے اسے بلانے کی زحمت نہیں کی تھی، نا کسی کے منہ سے اس کا نام نکلا تھا۔ کھانے کی میز انواع واقسام کی چیزوں سے بھری ہوئی تھی لیکن سب زہر مار کر رہے تھے۔ فائزہ ملول سی بیٹھی تھیں اور چوہدری فیروز کی کڑی نظریں ان کا پتا پانی کر رہی تھیں۔

"آپ سب تیاری کر لیجیے گا۔ رئیس کی تصویر ہم نے آپ سب کو دکھائی تھی۔ کل رئیس اپنی فیملی کے ساتھ آرہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ سب کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔ حویلی کی لڑکیوں کی روش دیکھ کر ہم یہ فیصلہ کرنے پہ مجبور ہوگئے ہیں کہ لڑکوں کو چھوڑ کر جتنی جلدی ممکن ہو حویلی کی لڑکیوں کو رخصت کیا جائے۔ تاکہ حویلی کی لڑکیوں نے جو ہمارا شملہ نیچے کرنے کی ٹھان رکھی ہے، کم از کم ہم اس کی حفاظت تو کر سکیں۔"

اس سارے قصے میں چوہدری حشمت نے بالا ہی بالا کام کروائے تھے۔ حویلی میں کسی کو بھنک بھی نہیں پڑی تھی کہ وہ ندا کی زندگی میں موجود راحیل کی موجودگی سے واقف ہیں۔ ہاں صرف سمہان آفندی تھا، جو راحیل کے اغوا سے لے کر اس کے قتل کا نا صرف چشمہ دید گواہ تھا بلکہ لاش ٹھکانے لگا کر برابر کا مجرم بھی بن گیا تھا۔ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی چوہدری حشمت نے نا ہی چوہدری فیروز کی کلاس لی تھی نا فائزہ

کی سختی آئی تھی لیکن اس وقت وہ جس خشک انداز میں سب کی بلاواسطہ کلاس لے رہے تھے۔سب ہی کے پسینے چھوٹنے لگے۔لڑکیاں سوکھے گلے کے ساتھ نظریں چرانے لگی تھیں توفائزہ کا سر اوپر نہیں اٹھ رہا تھا۔چوہدری حشمت تمام لڑکیوں پہ نظریں ڈال کر آخر میں عیشال پہ بے رحمی سے نظریں جماگئے توسمہان آفندی کچھ بے چین سا ہوگیا۔

برائے نام کھانا چکھ کر چوہدری حشمت اٹھ کر چلے گئے تو اک کے بعد دوسرے مرد بھی اٹھنے لگے۔لڑکیاں ملول سی اک دوسرے کو بے بسی سے دیکھ رہی تھیں۔جیسے ان سب کی ذمہ دار ندا نہیں وہ خود ہوں۔سب کو موت کے بعد کے سوگ کا سا سامنا تھا۔مرد بھی اٹھ کر چلے گئے توفائزہ پھپھک کر رودیں۔

تم سب اپنے اپنے کمرے میں جاؤ۔کسی بھی سلسلے میں کوئی ڈسکشن نا ہو۔" فریال تمام " لڑکیوں پہ طائرانہ نگاہ ڈالنے کے ساتھ تنبیہی انداز سے ان سب کو اٹھنے کا اشارہ کر چکی تھیں۔ان کے انداز میں بھی دبا دبا غصہ تھا۔جس طرح چوہدری حشمت لڑکیوں اور شملے کا ذکر کرگئے تھے درپردہ ان سب کی تربیت پہ ہی انگلی اٹھا کر غم وغصے کا اظہار کر گئے تھے۔ہر گھڑی بدلہ سنجی سے پھلجڑیاں چھوڑنے والی فریال کے خشک لہجے پہ لڑکیاں چپ چاپ اٹھ کر چل دی تھیں۔ہدایت ظاہر کر رہی تھی کہ اس مسئلے پر وہ

آپس میں بھی گوسپ کرکے تجزیہ نگار بننے کی کوشش نا کریں۔ہال سے نکلتے سمہان آفندی نے عیشال جہانگیر کے انداز ملاحظہ کیے تھے۔چوہدری حشمت کے لہجے کی تلخی محسوس کرنے کے بعد بھی اس کی باڈی لینگویج میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔وہ اب بھی پسپائی اختیار کرنے کی بجائے ، بھڑنے کو تیار نظر آرہی تھی۔

" پریشان نا ہو بہو۔۔۔ندا کو کھانا کھلا دو جاکے۔۔اس وقت اسے ماں کی کمی محسوس ہورہی ہوگی۔۔۔فریال ٹرے میں ندا کے لیے کھانا نکال کر بہو کو دو۔" زمرد بیگم روائیتی ساس سے قطعی مختلف تھیں۔چوہدری حشمت کی رفاقت میں برسوں ضرور گزرے تھے لیکن سوہ آج بھی اتنی ہی نرم مزاج تھیں۔ان کی ہدایت پہ فریال تھپکنا چھوڑ کر سر ہلاتی ٹرے میں کھانا نکالنے لگیں۔

" اس لڑکی نے میری تربیت کو شرمندہ کروادیا ،اماں۔" فائزہ کو قلق کھا رہا تھا۔جہاں شاہ زر شمعون جیسا بیٹا حویلی والوں کی شان بڑھاتا تھا ،وہیں بیٹی نے آج ان کا سر شرم سے جھکا دیا تھا۔

" ایسا کیوں سوچتی ہو۔تمہاری تربیت کا قصور ہوتا تو شاہ حویلی کے لیے قابلِ فخر کیسے ہے۔۔۔؟؟ کسی اک بچے کی نادانی پہ ماں کو قصور وار ٹھہرانا کسی طور مناسب عمل نہیں۔اک ہی ماں کی کوکھ میں پلنے والے تمام بچے اک جیسی فطرت لے کر پیدا

نہیں ہوتے۔ تم خود کو قصوار وار نا ٹھہراؤ۔ حویلی کی بچیاں ایسی نہیں ہیں ،جانے کس کی نظر لگ گئی۔" ناصحانہ انداز میں سمجھاتے ہوئے زمرد بیگم بھی ملول سی اٹھ گئی تھیں۔

فریال نے ہمت بندھاتے ٹرے تھمائی تو فائزہ بوجھل قدموں سے ندا کے کمرے کی طرف آگئیں۔کارپٹ پہ سکڑی سمٹی ندا تھک کے آنکھیں موندے لیٹی تھی یا سو رہی تھی انہیں اندازہ نہیں ہوا۔کمرے میں ناکافی روشنی تھی۔انہوں نے آگے بڑھ کے کمرا روشن کردیا تھا۔اچانک تیز روشنی پڑی تو ندا نے بے ساختہ آنکھوں پہ بازو رکھ لیا۔

" کھانا کھالو۔" فائزہ کو اس کی حالت دیکھ کے افسوس سا ہوا۔لاکھ غصہ سہی لیکن چند گھنٹوں میں اس کی جو حالت ہوچکی تھی اسے دیکھ کر ان کا دل پھٹنے لگا۔اپنی سب سے سمجھدار بچی سے انہیں اس طرح کی بیوقوفی کی امید نا تھی۔سارے قصے پہ دل ہول رہا تھا کہ جانے چوہدری حشمت کون سی سزا اس جرم کی پاداش میں سنائیں۔لیکن لڑکے والوں کی آمد کا سنا کر وہ کسی حد تک ان کا تردد دور کرگئے تھے۔یعنی وہ جلد سے جلد ندا کی شادی کرکے اسے رخصت کرنے کے موڈ میں تھے۔

ماں کو کھانے کی ٹرے سمیت دیکھ کر ندا کچھ نہیں بولی تھی۔خاموش آنسو بہنے لگے تھے۔پچھلے کئی گھنٹوں سے بھوکی پیاسی اکیلی پڑی ہوئی تھی۔عیشال کے علاوہ کوئی اس

کے قریب نہیں پھٹکا تھا، باخبر تھی کہ نادیدہ بیڑیاں ان سب کے پیروں میں ڈال دی گئی ہوں گی۔

وہ اٹھی نہیں تھی ، نا ہی کھانے کی طرف متوجہ ہوئی۔ فائزہ ممتا سے مجبور ہو کر چھوٹا سا نوالہ بنا کر اس کی طرف بڑھا گئیں تو نفی میں سر ہلاتے وہ ان کا ہاتھ تھام کر سر ان کی آغوش میں ڈال کر آنسو بہانے لگی۔اس کے بین سے فائزہ کا کلیجہ پھٹنے لگا تھا۔

☆☆☆

چوہدری بخت ہاسپٹل سے لوٹے تو کاریڈور میں ہی ماہم اور دیا انہیں پریشان سی مل گئیں۔

کیا ہوا۔۔؟؟ سب خیر ہے۔۔؟؟" ان کی گاڑی اندر داخل ہونے پہ دیا جس طرح لپکی " تھیں۔اسے دیکھ کر چوہدری بخت کا سوال کچھ غیر مناسب بھی نہیں تھا۔

جی۔۔وہ۔۔" دیا ان کی آمد پہ کچھ گڑبڑا سی گئیں۔"

شنائیہ کہاں ہے۔۔؟؟" دیا کی بوکھلاہٹ اور ماہم کو سہما ہوا دیکھ کر ان کا سوال بنیاد "
ی تھا۔

شنائیہ ، نائمہ کے بھائی کی انگیجمنٹ میں گئی تھی۔ابھی تک لوٹی نہیں ، اسی کا ویٹ "
"کر رہے تھے ہم۔

کتنی دعا کی تھی انہوں نے کہ شنائیہ ، چوہدری بخت کے گھر آنے سے پہلے لوٹ آئے لیکن دعا قبول نہیں ہوئی تھی۔

ان کے جواب پہ چوہدری بخت نے خشمگیں نظروں سے دیا کی طرف دیکھا تھا۔

کس کی اجازت سے آپ نے اسے اکیلے تقریب اٹینڈ کرنے بھیجا۔۔۔؟؟ آپ خود "
ساتھ نہیں جا سکتی تھیں۔۔۔؟؟" شنائیہ کے حوالے سے ابھی ان کا پہلا غصہ ہی نہیں اترا تھا کہ نئی کہانی جان کے ماتھے پہ بل آگئے۔

آپ سے ذکر کرنے ہی لگی تھی لیکن ہاسپٹل میں ایمرجنسی میں جا کے ذہن سے "
نکل گیا۔ماہم کو شنائیہ کے ساتھ جانے کو کہا تھا لیکن عین موقع پہ ماہم کی فرینڈ کمبائن اسٹڈی کے لیے آگئی تو شنائیہ ڈرائیور کے ساتھ اکیلی ہی چلی گئی۔ڈرائیور کو یہ کہہ کر بھیج دیا کہ واپسی میں نائمہ خود چھوڑ دے گی۔۔آپ برا مانیں گے اسی لیے

اکیلے گاڑی لے جانے کی اجازت نہیں دی بلکہ ڈرائیور اور محافظوں کے ساتھ جانے کو کہا تھا، ماہم عین موقع پہ نہیں جا سکی اس کا علم مجھے بھی گھر آکر ہوا۔" دیا مجرموں کی طرح سارا احوال کہہ گئیں تو چوہدری بخت کی نظر محسوس کر کے ماہم مجرم کی طرح نظر چرا گئی۔

"یہ ساری کہانی آپ مجھے اب سنا رہی ہیں۔" وہ غصے میں آپ جناب کے طنزیہ پیرائے میں داخل ہو گئے تھے۔

"آپ اور آپ کی بیٹی نے سارا کچھ پلان کرتے نا میرے علم میں بات لانے کی ضرورت محسوس کی نا ہی یہ خیال کیا کہ شاہ رکا ہوا ہے اس کے سامنے کسی طرح کا تماشا نا ہو۔۔پہلے ہی آنکھ ملانے کے قابل نہیں چھوڑا آپ کی بیٹی نے۔" چوہدری بخت کا غصہ چھلکنے لگا۔

"بس مصروفیت کے باعث ذہن میں نہیں رہا آپ کو بتانا۔۔شاہ اندرونِ سندھ کے لیے نکلا ہوا ہے صبح سے اور شاید اس کی واپسی بھی صبح ہی ہو۔" دیا دھیمی آواز میں گوش گزار کر رہی تھیں۔

جی شاہ نے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا ہے مجھے، لیکن آپ کی بیٹی بھول گئی۔دیا بیگم " آپ کچھ زیادہ بھولنے لگی ہیں تو ایسا کریں ہاسپٹل سے ریزائن کر کے گھر پہ توجہ دیں "۔۔ہاسپٹل کے مریضوں سے زیادہ شاید ہماری بیٹیوں کو آپ کی ضرورت ہے۔

چوہدری بخت کم ہی غصہ کرتے تھے لیکن کسی بات پہ آجاتا تھا تو مہینوں لگ جاتے تھے اترتے۔اور ابھی تو شنائیہ کے کارنامے کے اثرات تازہ تازہ تھے کہ نئی صورتِ حال درپیش تھی۔دیا خفت سے چپ سی رہ گئیں۔

کیا اطلاعات ہیں۔۔کیوں واپسی نہیں ہو سکی اب تک۔۔دیر ہو رہی تھی تو ڈرائیور کے " ساتھ آپ لینے چلی جاتیں۔" چوہدری بخت کو سمجھ نہیں آئی۔

کہا تھا میں نے لیکن وہ نکل چکی ہے، ناعمہ ساتھ ہے لیکن ٹریفک میں پھنسی ہوئی " ہے۔اک بار پھر پوچھتی ہوں۔" جواب تو دینا تھا۔ساتھ ہی دیا،شنائیہ کو کال ملانے لگیں۔وہ گھنٹوں سے ٹریفک میں پھنسنے کا رونا رو رہی تھی۔

شہر میں آج شام سے ہی غیر معمولی ٹریفک جام کے مسائل رہے ہیں، میں خود کافی " دیر بعد گھر پہنچی تھی۔

جلدی پہنچنے کی ہدایت کرکے فون بند کرکے دیا منمنا کر چوہدری بخت کا غصہ دور کرنا چاہ رہی تھیں۔

آپ جاکے فریش ہوں۔۔۔ میں کھانا لگواتی ہوں آپ کے لیے۔آجائے گی تب تک۔" " دیا ان کی تھکن کے پیشِ نظر مشورہ دینے لگیں بھلے جتنی دیر سے لوٹتے ، کھانا گھر آکر ہی کھاتے تھے۔

بیٹی رات گئے اکیلی اجنبی لوگوں کے ساتھ ٹریفک جام میں پھنسی ہے اور میں " ریلیکس ہو کر کھانا کھاؤں ، ویسے، جواب نہیں آپ کا دیا بیگم۔۔ کبھی کبھی آپ بھی کمال "کردیتی ہیں۔

ان کے طنزیہ لب ولہجے اور خشمگیں نظروں سے خائف ہوکر دیا لب کاٹنے لگیں۔ ماہم چپ چاپ والدین کو الجھتے دیکھ کر خود کو مجرم سمجھ رہی تھی ، اس نے کہا بھی تھا شنائیہ سے کہ وہ جانے سے پہلے دیا کو انفارم کردے لیکن شاید وہ بھول گئی تھی اور اب دونوں اک دوسرے سے الجھ رہے تھے۔

کب تک بیٹھ کر انتظار کرتا رہوں صاحبزادی کے لوٹ آنے کا۔۔ نکلتا ہوں انہی " "ٹریفک جام میں ڈھونڈنے۔

چوہدری بخت کو بیٹھ کر انتظار کرنا وقت کا ضیاع لگا تو تھوڑی ہی دیر بعد اٹھ گئے۔اسی وقت ہارن کی تیز آواز سے ان سب نے سکون کا سانس لیتے نظریں مین گیٹ پہ جمادی تھیں ،جہاں چوکیدار گیٹ کھولنے سے پہلے گاڑی پہچان رہا تھا۔وہ سب چند قدم آگے آگئے تھے۔دروازہ کھلا اور ناعمہ کی بجائے شاہ زر شمعون کی گاڑی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر چوہدری بخت کے چہرے پہ جس طرح فکرمندی کے ساتھ غصہ چھلکنے لگا۔دیا کو چکر آنے لگے۔وہ بھی ان سب کو مستعد دیکھ چکا تھا ، اندر جاکے بات بھی نہیں بنا سکتے تھے۔

السلام علیکم!" وہ ان تک آیا۔"

"والسلام! لوٹ آئے۔۔۔تمہارا ارادہ تو صبح لوٹنے کا تھا۔"

چوہدری بخت کوشش کرکے خود کو نارمل کررہے تھے۔

ارادہ تو صبح کا ہی تھا چچاجان لیکن کام جلدی ہوگیا تو لوٹ آیا۔۔اب سوچ رہا ہوں ،"

"صبح گاؤں چلاجاؤں۔

۔' اتنی جلدی کیا ہے ،رکو کچھ دن۔۔"لہجہ بدل کے اصرار کیا۔لیکن ان کے چہرے کی ' گھبراہٹ جواب دینے کی بجائے سوال پہ مجبور کرگئی۔

اتنی رات کو آپ سب یوں اس طرح کھڑے کس کے منتظر تھے۔۔۔؟؟ سب " خیریت ہے چچاجان!" وہ سب کے چہرے دیکھ رہا تھا۔پہلی نظر میں ہی شنائیہ کی غیر موجودگی بھانپ گیا۔

بیٹا ! شنائیہ اپنی بیسٹ فرینڈ کے بھائی کی انگیجمنٹ پہ گئی ہوئی ہے لیکن ٹریفک جام " "میں پھنس گئی ہے ، ابھی تک لوٹی نہیں ، اسی کا انتظار کررہے ہیں ہم سب۔

اک ہی گھر میں رہ کے کب تک بات چھپاتے ، انہوں نے شرمندگی میں ڈوب کے سچ کہہ ڈالا۔ان کی بات کو سنتے شاہ زر شمعون کے ماتھے پہ لکیریں ابھری تھیں ،ساتھ ہی کلائی میں بندھی رسٹ واچ کو اس نے نظروں کے سامنے کیا تھا جس کی سوئیاں رات کا سفر تیزی سے کر رہی تھی۔جبڑے بھنچ گئے تھے۔

☆☆☆

یہ تو باباجان ہیں جن کی وجہ سے چپ ہوں۔۔ورنہ جو حرکت ندا نے کی ہے اس " کے بعد تو اسے گولی مارنے کو دل چاہ رہا ہے۔۔سب سے سمجھدار بچی سمجھتا رہا اسے

اور اس نے ہی کالک ملنے کا سامان کر دیا۔" چوہدری فیروز کمرے میں دائیں بائیں ٹہلتے فائزہ پہ بھڑاس نکال رہے تھے۔

"غلطی کی جو شاہ کے نکاح سے پہلے اس کی رخصتی نہیں کی۔۔۔ جانے کب سے ہماری عزت سے کھیل رہی تھی۔اچھا ہے جلد شادی کرکے نکال باہر کریں باباجان حویلی سے، شکل نہیں دیکھوں گا عمر بھر اس لڑکی کی۔"فیصلہ سناتے غصہ کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

"مجھے خود اس سے ایسی امید نہیں تھی۔ میرا دل کٹ رہا ہے۔" فائزہ آنسو بہارہی تھیں۔

"امید نہیں تھی ، لیکن بیٹی نے چاند چڑھا دیا۔ بابا جان کو اس لڑکے کے ساتھ ندا کو بھی شوٹ کروادینا تھا۔" ان کی سفاکی پہ فائزہ دہل کر دیکھنے لگی تھیں لیکن ان کی نظریں خود پہ دیکھ کر نظریں جھکا گئیں۔

"جو ہو تو باقی کی دونوں بیٹیوں سے باز پرس کریں ، کہیں وہ بھی تو ہماری آنکھوں میں دھول نہیں جھونک رہیں۔۔۔" ندا کے کیے کی پاداش میں شاذمہ اور یمنیٰ کو بھی شک کی نظر سے دیکھا جارہا تھا۔

یاد رہے فائزہ بیگم ! ندا کی باری میں تو آپ کو معاف کر رہا ہوں۔اس کے بعد اگر " دونوں میٹیوں میں سے کسی اک نے بھی شکایت کا موقع دیا تو پھر مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔۔آپ بھی پھر خیر منائے گا، بڑھاپے میں بیوہ ہونا یا طلاق لینا آپ کو بھی اچھا نہیں لگے گا یقیناً ۔" انتہائی لہجے پہ فائزہ سہم کر مجازی خدا کا شکل دیکھنے لگی تھیں۔جہاں رعایت کا نام ونشان تک نہیں تھا۔بیٹی کی نادانی نے کیسا دن دکھا دیا تھا۔

☆☆☆

رات بیت رہی ہے ، یوں ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھے رہنے سے اچھا ہے کہ میں " شنائیہ کی تلاش میں نکلوں۔" رِسٹ واچ کی طرف دیکھتے اس کا سنجیدہ لب ولہجہ گونجا تھا۔اب تو واقعی انتہا ہو گئی تھی۔

کہہ تو ٹھیک رہے ہو، اب تو میرا دل بھی گھبرا رہا ہے ، میں بھی ساتھ چلتا " ہوں۔" چوہدری بخت بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

آپ ہاسپٹل سے تھکے ہوئے آئے ہیں چچاجان ، آرام کریں ، میں دیکھ لیتا ہوں۔" "
ان کی تھکاوٹ کو دیکھتے انکاری ہوا۔

تمہیں یہاں کے راستوں کا زیادہ علم نہیں ہوگا۔ مشکل پیش آجائے گی۔اکثر تو سڑکیں "
کھدی ہوئی ہیں جن کے باعث ہر پہر ٹریفک کا رش ہوتا ہے۔میں چل رہا ہوں
ساتھ۔۔۔شنائیہ سے پوچھ لو کس ایریا میں ہے۔۔" چوہدری بخت ،شاہ زر شمعون سے
کہتے دیا کو ہدایت دینے لگے تو وہ فون سنبھال گئیں۔

اس کی ضرورت نہیں ہے چچی جان ، شنائیہ کے پاس سیل فون تو ہے ہی ، لوکیشن "
ٹریس کر لوں گا راستے میں۔آپ سب اندر جاکے آرام کریں۔چچاجان میں بچہ نہیں
ہوں ، شہر ضرور اجنبی ہے لیکن ہمیشہ نہیں رہتا۔"جدید ٹیکنالوجی کی تعلیم سے
مالامال انہیں مطمئن کر کے وہ اک بار پھر پورچ کی طرف بڑھنے لگا تو محافظوں کی
فوج جیپ کی طرف بڑھنے لگی۔اس نے ہاتھ اٹھا کر لیڈنگ محافظ کو اس عمل سے
روک دیا۔

گاؤں سے اتنی دور تم لوگوں کو یہاں ساحلِ سمندر دیکھنے کے لیے نہیں بھیجا تھا۔اس "
گھر کی رکھوالی اوراک اک فرد کا سایہ بن کے پھرنے کو کہا تھا۔پہلے محترمہ گھر آجائیں

پھر تم سب سے نبٹتا ہوں۔دعا کرو واپسی جلدی ممکن ہو، جتنی دیر ہوگی تم سب اتنی "خاطر جمع رکھو۔

سرد لہجے میں ہاتھ اٹھا کر پیچھے ہونے کا اشارہ کرتے اس کا لہجہ اتنا خونخوار تھا کہ محافظوں کا لیڈر دبک کر سائیڈ ہوگیا۔چوہدری بخت سمیت ان دونوں نے بھی اس کا لب ولہجہ سنا تھا جو ان کے سامنے احترام میں تو دھیما تھا لیکن محافظ کے لیے یکسر الگ ہو کر خطرے کی گھنٹی بجا گیا تھا۔

اس لڑکی کی بے وقوفی سے اب ان بیچاروں کی کم بختی آئے گی۔" چوہدری بخت دیا" کو گھورتے چلے گئے تھے۔دیا اور ماہم بھی مرے مرے قدموں سے تقلید کرنے لگیں کہ ٹانگوں میں مزید کھڑا ہونے کا دم نہیں تھا۔

گاڑی اسٹارٹ کرکے اس نے سیل فون نکالا تھا۔چوکیدار گیٹ وا کرکے سائیڈ ہوگیا، سامنے ہی گیٹ کے باہر شنائیہ چوہدری کسی گاڑی کی کھڑکی پہ جھکی باتیں کرتی نظر آئی۔ڈرائیونگ سیٹ پہ کوئی شخص براجمان تھا اور فرنٹ سیٹ پہ یقیناً نائمہ تھی جس کی گاڑی سے اتر کے وہ بائے شائے کررہی تھی۔ہارن دیے بنا اچانک دروازے کا وا ہونا اس کے لیے اچنبھے کی بات تھی۔تیز ہیڈ لائیٹس کی روشنی نے آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر سیدھا ہونے پہ مجبور کردیا تھا۔

شاہ!" آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر سامنے دیکھنے کی کوشش کی تو ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے " شرر بار نظروں سے شاہ زر شمعون کو اپنی طرف دیکھتے پا کر اس کی روح فنا ہونے لگی۔اس کے منہ سے شاہ سن کر نائمہ کھڑکی سے سر نکال کر تسلی سے دیکھنے لگی۔علم میں تھا کہ آج کل پڑاؤ شنائیہ کے گھر میں ہے۔

بائے شنائیہ !" نائمہ ہانک لگا کر گاڑی والے کو اشارہ کر چکی تھی۔"

اس کے اندر ہاتھ ہلانے تک کی ہمت نہیں بچی تھی۔سن ہوتے قدم اندر کی طرف بڑھنے لگے۔جیسے جلدی سے اس کی نظروں سے ہٹنا چاہ رہی ہو۔چوکیدار سوالیہ نظروں سے شاہ زر شمعون کو دیکھ کر اس کی مومنٹ جاننا چاہ رہا تھا۔تب ہی گاڑی کا انجن بند کرکے اسے گیٹ بند کرنے کا اشارہ کرتے ، وہ ڈرائیونگ سیٹ سے اتر آیا تھا۔

چوہدری بخت اور دیا کی ناراضگی کا سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہے تھے اور یہاں تو سامنا ہی ہلاکو سے پہلے ہوگیا تھا۔وہ جل تو جلال تو کا وِرد کرتی نظر بچا کے آرہی تھی ، جانا تو اس کے پاس سے ہی گزر کے تھا ، جہاں وہ پھیل کے کھڑا تھا۔چند قدموں کا فاصلہ طویل ہوگیا تھا کہ قدم ہی مرے مرے اٹھ رہے تھے۔چوکیدار دروازہ بند کرکے اپنے کمرے میں جاچکا تھا اور وہ اس کی اسٹائلش جوتی پہ نظریں جمائے کھڑا تھا۔

"!السلام علیکم اور گڈ نائیٹ"

اس کے سامنے سے آنکھیں بند کرکے تو نہیں گزر سکتی تھی ، کچھ تو کہنا تھا۔ تیزی سے کہہ کر وہ چھپاک سے نکلنے لگی تھی ، ابھی قریب سے گزری بھی نہیں تھی کہ وہ بھوکے شیر کی طرح خوانخوار انداز میں اس کا بازو دبوچ کر سختی سے کھینچ کر اس کا وجود گاڑی سے لگا گیا۔

اف!" اس تیز رفتاری سے جکڑ کے گاڑی سے لگانے پہ اسے چکر آنے لگے ،چوٹ " الگ لگی۔

آپ کی لاپرواہیوں کو مزاج کا حصہ سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا، خبر نہیں تھی وہ " لاپرواہیاں نہیں آپ کی سرکشی تھی۔رات گئے اجنبیوں کی گاڑی میں غیر مرد کی موجودگی میں ٹریفک جام کا بہانہ ، جانے اس گھنٹوں کے جھوٹ میں کتنے سیکنڈ کی سچائی چھپی ہو۔۔اس آزادانہ روش پہ آپ کی فیملی آپ کے کردار سے مطمئن ہوگی ، میں نہیں۔۔۔خود کو ستی ساوتری کہہ دینے سے کچھ نہیں ہوتا، حقیقت وہی ہے جو کچھ دیر پہلے میری آنکھوں نے دیکھا۔اتنی رات تک تو حویلی کے مردوں کو بلاوجہ باہر رہنے "کی اجازت نہیں اور آپ ان سے بھی آگے کا سفر کر رہی ہیں۔۔۔

اس کے دونوں شانے سختی سے دبوچے وہ چنگھاڑ رہا تھا۔شنائیہ کے چہرے سے غصہ چھلکنے لگا تھا جو اسے مزید مشتعل کر رہا تھا۔اپنے دفاع میں بولنے کے لیے اس نے لب کھولے ہی تھے کہ جبڑا اس کے ہاتھ میں آگیا۔

" یہ آخری وارننگ ہے۔اور آپ کی آزادی کا آخری سفر،جو اختتام پذیر ہوگیا۔حویلی چلنے کی تیاری کریں۔۔قطعاً اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ آپ پھر سے میری عزت رولنے کو دن اور رات کی تمیز بھول کر سڑکوں پہ ماری ماری پھریں۔ختم آزادی کے دن۔۔۔اب سے آپ وہی کریں گی جو میں کہوں گا، میری اجازت کے بنا گھر سے اک قدم بھی باہر نکالا تو ساری عمر بیساکھی پہ گزرے گی۔۔۔جائیں ، جاکے اپنا چاند چہرہ اپنے والدین کو دکھائیں ،جن کی عزت کا جنازہ نکالنے کو آپ سڑکوں پہ خجل خوار ہو رہی ہیں۔" اسے کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بنا وہ غیض وغضب کا شاہکار بنا جبڑا توڑنے کے ارادے کو عملی جامہ پہناتے نخوت سے اس کے وجود کو بری طرح دھکیل کے آگے بڑھ گیا تھا۔

اور اب رُخ محافظوں کے ٹھکانے کی طرف تھا۔یقیناً اب ان کی رات کالی ہونے والی تھی۔جبڑوں کو سہلاتی اس وحشیانہ سلوک اور اس کے انتہائی الفاظ پہ وہ روہانسی ہو گئی تھی۔تکلیف پہ آنسو تیزی سے آرہے تھے۔اس کی تند و تیز دھتکار ، اس کے کردار پہ

سوال اور تنبیہ کچھ بھی نظر انداز کرنے کے قابل کب تھا۔حواس جامد ہوگئے تھے۔ایسا سلوک کبھی کسی نے کیا جو نہیں تھا۔

☆☆☆

صبح سے ہی حویلی میں چہل پہل تھی۔لڑکیوں کو کالج ، یونی جانے سے روک دیا گیا تھا کہ مہمانوں کی آمد کسی بھی وقت متوقع تھی۔اور ندا والے واقعے کے بعد ابھی ان سب کی قسمتوں کا فیصلہ ہونا باقی تھا کہ اب ان سب کو مزید تعلیم کی اجازت بھی ملنا تھی یا نہیں۔ناشتے سے فارغ ہو کر لڑکیاں ملازماؤں کے ساتھ صفائی ستھرائی میں لگ گئی تھیں۔ندا کمرے سے نہیں نکلی تھی۔اس کے کمرے میں ناشتہ بھجوا کر فائزہ اس کے لیے سوٹ نکال لائی تھیں جو اسے مہمانوں کے سامنے پہن کر آنا تھا۔فائزہ کے لائے ہوئے سوٹ کو دیکھتے ندا نے دکھی دل سے ان کا پیغام سنا تھا۔بولی کچھ نہیں تھی۔آواز تو ان گولیوں کی تڑتڑاہٹ نے نگل لی تھی۔

چوہدری فیروز آتے جاتے فائزہ کو تنبیہ کر رہے تھے کہ مزید کوئی تماشا نا ہو۔ سمہان آفندی کے ذمہ مہمانوں کی ضروریات سے لے کر کھانے پینے کے انتظامات دیکھنے تک کی ڈیوٹی لگی تھی۔ اگر وہ قیام کرتے تو سیر و تفریح کے امور بھی توجہ کے طالب تھے۔ اس کی مستعدی اور حویلی میں پھیلی افراتفری کو عیشال جہانگیر نے نفرت سے دیکھا تھا۔ اک جیتی جاگتی لڑکی کے وجود کو مزار بنا کر سب اس پہ چادر چڑھانے کی تیاری کر رہے تھے۔

"میرا تو کچھ کھا کے مرجانے کو دل کر رہا ہے، سب ہمیں ایسی نظروں سے دیکھ رہے ہیں جیسے ہم گھر سے بھاگ گئی ہوں۔" شاذمہ دوست کی کال سن رہی تھی۔ چوہدری فیروز نے شکی نظروں کے ساتھ تیز لہجے میں استفسار کے ساتھ جب تک انہوں نے اس کے ہاتھ سے فون چھین کر کان سے لگا کر تسلی نہیں کرلی کہ دوسری طرف واقعی کوئی لڑکی ہے تب تک وہ ان کی نظروں کی زد میں رہی۔ وہ فون واپس تھما کے چلے گئے تھے لیکن اس کا دل پھٹنے لگا۔

"سہی کہہ رہی ہیں۔ مما نے تو مجھ سے فون تک چھین لیا تھا، وہ تو ویرے سمہان نے مما سے کہا کہ انہیں مجھ پہ بھروسہ ہے، تب ان کی سفارش پہ مما نے فون واپس کیا

۔ساتھ ہی ویرے کو تنبیہ بھی کی کہ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی تو اس کے ذمہ دار "ویرے ہوں گے۔۔۔ بچی اتنی شرمندگی ہوئی کہ خود کشی کو دل چاہنے لگا۔

ڈسٹنگ کرتی زرش بھی صدمہ میں گھری آپ بیتی شیئر کرنے لگی۔ ہنس مکھ سی فریال کی اتنی سختی اسے ہضم نہیں ہورہی تھی۔

سر جوڑے کون سا کانفرنس ہورہا ہے۔۔؟ اپنا اپنا کام کرو۔" فائزہ نے گھرکا تو سب " اک دوسرے کو اداسی سے دیکھتی اپنے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

☆☆☆

اماں صرف اک بار ہاسپٹل چلی چلیں۔۔۔اس کے بعد می۔ں اصرار نہیں کروں گی " لیکن پلیز اک بار۔" ان کے بازو پہ موجود نیلے دھبوں کو افسردگی سے دیکھتے وہ کب سے اک یہ ہی جملہ دہرا رہی تھی۔

کیوں بچوں کی طرح بار بار اک ہی بات کر رہی ہو ماورا۔۔۔میں نے کہہ دیا نا " انوشا کی شادی سے پہلے میں کہیں نہیں جانے والی۔دو دن بعد بہن کی بارات آنی ہے۔۔ کوئی دوست احباب ، نہیں کہ بڑی تقریب میں انوشا کو دھوم دھام سے مایوں

بٹھا ؤں۔۔لے دے کے اک میں اور تم ہیں انوشا کی خوشی میں۔۔۔بجائے اس کے کہ تم بہن کو ابٹن ملو۔۔مجھے بھی ہاسپٹل لے جانے کی ضد کر رہی ہو۔۔بہن سے محبت ہے بھی کہ نہیں۔۔۔؟؟" ابٹن میں چنبیلی کا تیل مکس کرکے ابٹن گھولتی منزہ نے جذباتی وار کچھ اس طرح کیا تھا کہ ماورا یکی پھڑپھڑا کے رہ گئی۔

بہن کے لیے جان بھی قربان ہے لیکن ماں کی تکلیف بھی فراموش نہیں کر سکتی۔۔" "انوشا حقیقت سے آگاہ ہوتی تو شادی روک کر خود آپ کو ہاسپٹل لے جاتی۔

تم حقیقت سے آگاہ ہو کر میرے کان کھا رہی ہو نا بس یہ ہی بہت ہے میرے " لیے۔" منزہ جھلائیں۔

"!پلیز اماں مان جائیں نا"

اس کی شکل رونے والی ہو گئی تھی۔منزہ نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ بے بسی کی داستان درج تھی۔وہ بہت آس سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ان کی بھلائی کے لیے وہ ان کی ہی جھڑکیاں برداشت کرتی تھی لیکن پیچھے نہیں ہٹتی تھی۔

ٹھیک ہے چلی چلوں گی۔جس ڈاکٹر کے پاس کہو گی چلنے کو تیار ہوں لیکن ابھی نہیں " ۔۔۔دو دن بعد انوشا کو رخصت کر کے۔۔اب اس میں مین میخ نکالی تم نے تو پھر

میں بھی نہیں جارہی۔" ماورا کو ان کے مان جانے پہ خوشی ہوئی ساتھ ہی ان کی شرط پہ تحفظات تھے۔اسے بولنے کے لیے پر تولتے دیکھ کر منزہ پہلے ہی ہاتھ کھڑے کر گئیں تو وہ چپ سی ہو گئی۔

زندگی لکھی ہوئی ہے تو دو دن سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔جاؤ انوشا کو ابٹن مل " کے اسے گھر کے کونے میں بٹھا دو۔کوشش کرنا کہ اب سے وہ کوئی کام نا کرے۔ہم "دونوں دیکھ لیں گے۔

ابٹن کی کٹوری تھماتے انہوں نے ساتھ ہی ہدایت بھی کی تو وہ سر ہلا کر کٹوری تھام گئی۔اس کے لیے یہی بہت تھا کہ منزہ نے چلنے کی ہامی بھر لی تھی۔اور اب اسے خیر وعافیت سے شادی کے گزرنے کا انتظار تھا۔

☆☆☆

مہمان آگئے تھے۔لذیذ کھانوں کی خوشبو چہار سو تھی۔ہر کوئی اپنی جگہ بہترین لباس میں ملبوس تھا۔چوہدری حشمت کی خاص ہدایت تھی کہ ایسا کوئی عمل نا ہو جس سے

ان کے شملے اور خاندان پہ انگلی اٹھے۔ فائزہ اور فریال نے اپنی نگرانی میں لڑکیوں کے لباس سے لے کر اک اک چیز پہ نظر رکھی ہوئی تھی کہ دوپٹا تک سرک کر عامیانہ پن نا جھلکے۔

فائزہ کے حکم پہ ندا نے لباس تبدیل کرلیا تھا۔انہوں نے سکون کا سانس لیا کہ اس نے کوئی اعتراض نہیں اٹھایا تھا۔ فائزہ کی ہدایت پہ عیشال جہانگیر اپنا بیوٹی بکس اُٹھا کر اس کے کمرے میں آگئی تھی تاکہ اسے سنوار سکے۔

"ندا آپی ! تائی جان نے آپ کا میک اُوور کرنے کو بھیجا ہے۔"

یہ سب کہتے خود اسے غصے کے ساتھ شرمندگی ہورہی تھی۔ لیکن فائزہ کی ہدایت پہ عمل کرنا بھی ضروری تھا۔اور بنا کچھ کہے ندا جس مشینی انداز میں اُٹھ کر ڈریسنگ مرر کے آگے آکر بیٹھ گئی۔ عیشال جہانگیر کو اس کے برفیلے انداز اور سرد وسپاٹ چہرے کی طرف دیکھتے خوف محسوس ہورہا تھا۔ محبوب کے قتل کا ماتم کرتے چوبیس گھنٹے نہیں گزرے تھے کہ کسی اور کے لیے اسے سجایا جارہا تھا۔

اس تو بہتر تھا حویلی والے ان کی تدفین کی تیاری کرلیتے۔ لیکن یہ تدفین سے کیا کم " ہے۔۔۔جب جذبات ، احساست ،محب ،اور محب کو ہی زندان میں ڈال دیا گیا تو باقی کیا

بچا ،یہ بے حس وجود۔۔؟؟" اس کے بال بناتے وہ تلخی سے سوچ رہی تھی۔سمہان اور نرمین کا اک ہونا۔ابھی اس کا ماتم کم نہیں ہوا تھا کہ ندا کی گرفت ہو گئی تھی۔کس کس چیز کو روئے اسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔ندا خاموش بیٹھی تھی ، ایسا پہلی بار تھا۔ عمر میں فرق کے باوجود دونوں کی بہت انڈراسٹینڈنگ تھی۔لیکن آج بولنے کو جیسے کچھ نہیں تھا۔عیشال کو اس کا دکھ کھائے جارہا تھا۔اس کی برداشت پہ رشک آرہا تھا تو وہیں اک پل کو خیال آیا اگر ندا کی جگہ وہ ہوتی اور راحیل کی جگہ سمہان ابھی اس دنیا میں نا ہوتا پھر۔۔۔اور اس اک خیال سے بہت سے خیال جڑنے لگے تھے۔حویلی کے اصول، حویلی کے رنگ ڈھنگ اپنانے کی اس کی بارہا کی گئی نصیحت حافظے میں چکرانے لگی۔

حویلی میں من مانی کی سزا موت ہے ، کیوں نہیں سمجھتیں تم۔۔" اس کا کبھی کا جھنجلایا ہوا جملہ گونجا تو وہ چونک گئی۔

راحیل کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کی لاش کیڑے مکوڑوں کے کھانے کے لیے پھینک دی گئی تھی۔بظاہر زندہ لیکن مردوں سے بدتر ندا اس کے سامنے تھی۔موت تو دو ہوئی تھی دیکھنے والے کو بھلے اک لگتی۔۔۔گویا وہ ہر اک بات سے باخبر تھا۔اس کی تنبیہ اسے رہ رہ کے یاد آرہی تھی۔وہ بزدل نہیں تھا لیکن شاید خود غرض بھی نہیں تھا

جو مر کے بھی اسے تنہا چھوڑ جاتا۔ساگر کے کنارے بھلے کبھی نا ملیں لیکن ہمیشہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

جیسے جیسے کشف کا رنگ گہرا ہوتا جارہا تھا اس کے ہاتھ سست پڑنے لگے تھے۔جیسے تیسے کرکے اس نے کام مکمل کیا تھا۔اور اپنا ساز و سامان سمیٹ کر کمرے میں رکھ آئی۔ مہمان خواتین ہال میں براجمان تھیں۔زمرد بیگم کے اشارہ کرنے پہ وہ ان کے پہلو میں جابیٹھی تھی۔مناسب حلیے والی تینوں خواتین کچھ اتنی نامعقول بھی نہیں لگ رہی تھی۔ندا کو چھوڑ کے باقی تمام لڑکیاں فائزہ اور فریال سمیت اچھے میزبان کا رول بخوبی نبھا رہی تھیں۔ملازمائیں اشارہ ملنے پہ لمبی سی میز سجانے لگی تھیں۔

اسی اثناء میں چوہدری حشمت ان کے ساتھ حویلی کے مرد اور مہمان حضرات آنے لگے تو خواتین کچھ سمٹ سی گئیں۔

"کھانے سے پہلے اگر رسم ہوجائے تو زیادہ مناسب ہے۔۔رئیس میاں تشریف لائیں۔" مردوں کی جھرمٹ میں داخل ہوتے چوہدری حشمت نے مخاطب کیا تومردوں میں سے نکل کر رئیس میاں سامنے آگئے۔آدھے سر کے بال غائب تھے، چکنی کھوپڑی چمک رہی تھی جس پہ جانے کون سا تیل ڈال کر اس کی ضوفشانی کو بڑھانے کا فریضہ سرانجام دیا گیا تھا۔پکا سارنگ ، جس پہ کمان کی طرح تنی لمبی سی

مونچھوں نے چھوٹا سا چہرہ جیسے مکمل چھپا دیا تھا۔ منحنی سا وجود۔ سب کو ہی جیسے اس "انتخاب" پہ صدمہ لگا تھا۔ تصویر جانے کون سی صدی کی تھی جس میں کسی حد تک مناسب بھی لگا تھا مگر روبرو تو تاب دید نہیں تھی۔

چوہدری حشمت کے اشارے پہ رئیس میاں ان کی نشاندہی کیے ہوئے جگہ پہ بیٹھنے لگے تو سمہان نے آگے سے میز کو ذرا سا کھسکا دیا کہ نازک گھٹنے چھل نا جائیں۔

اگلے ہی لمحے چوہدری حشمت نے سائے کی طرح ساتھ کھڑے سمہان آفندی کی سمت ہاتھ بڑھائے تھے اور اس نے مستعدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر رِنگ کا ڈبا نکال کر سرعت سے کھول کر اس میں سے رِنگ نکال کر انہیں تھمادیا تھا جسے چوہدری حشمت نے رئیس میاں کی پتلی سی انگلی میں پہنادیا۔ انگوٹھی کچھ لڑکھڑا سی گئی تھی۔ لیکن مٹھی بند کرکے رئیس میاں نے اسے گرنے سے بچالیا تھا۔

چلیں بہن اب آپ اپنی بہو کو انگوٹھی پہنانے کی تیاری کریں۔" چوہدری حشمت نے " کتھے، چونے سے رنگین دانتوں والی خاتون کو مخاطب کیا تو عیشال کو سمجھ آئی کہ وہ والدہ ماجدہ ہیں۔

ندا کو لے کر آتی ہوں۔" فائزہ کہنے کے ساتھ تیزی سے نکلنے لگی تھیں۔لیکن " چوہدری حشمت کے ہاتھ اٹھا کر روکنے پر ٹھٹھک کر رک گئیں۔

" زمرد بیگم ! عیشال کو آگے کریں تاکہ ناہید بہن اسے منگنی کی انگوٹھی پہنا سکیں۔۔ "

سب کے سروں پہ آسمان آگرا تھا۔ہر کوئی اپنی جگہ ہکا بکا چوہدری حشمت کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

" یہ عیشال ہے ، ہماری پوتی۔۔آج سے آپ کی بہو۔۔"

چوہدری حشمت کہہ رہے تھے ،جانے اس کے پہلو میں بیٹھنے والی رئیس کی ماں کیا کہہ رہی تھی۔سائیں سائیں کرتے کان کے ساتھ اس نے الٹے ہاتھ کی مٹھی کو سختی سے بھینچ لیا تھا جیسے وہ زبردستی اس کی انگلی میں انگوٹھی پہنا دیں گی۔لیکن زبردستی تو نہیں نرمی سے ہی سہی انہوں نے سیدھے ہاتھ کی انگلی پہ انگوٹھی پہنا کر چٹا چٹ بلائیں لے لی تھیں۔

" منگنی مبارک ہو چوہدری صاحب!" لڑکے والے منہ میٹھا کرنے کے ساتھ گلے مل کے مبارک باد دے رہے تھے۔حویلی کی عورتیں ساکت کھڑی تھیں تو وہ خون آشام

نگاہوں سے سمہان آفندی کو دیکھ رہی تھی۔استعجاب اس کی آنکھوں سے بھی صاف پڑھا جاسکتا تھا۔

اتنی راز داری۔۔۔

اتنی بے خبری۔۔

اس کے فرشتوں کو بھی خبر نا ہو سکی کہ چوہدری حشمت ایسا کوئی سرپرائز دیں گے۔

☆

جاری ہے

ریحانہ آفتاب

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط# 17

ندا نے جتنی بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے ، اس کے بعد آپ سب بھول جائیں کہ " اب اس کے نصیب میں کوئی خوشی آئے گی۔ہم اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ کبھی اس کی شادی نہیں کریں گے ، جب وہ بوڑھی ہو کر حویلی میں سسک سسک کے مرنے کے قریب ہوگی تب اسے احساس ہوگا کہ ہمارے شملے کو روندنے کی سزا کیا ہے۔اب سے ندا کی پڑھائی لکھائی ، حویلی کے باہر جانا بند۔باہر کی دنیا اس کے لیے ختم ہو چکی ہے۔۔۔

عیشال کی منگنی رئیس میاں سے ہو چکی ہے ، آپ سب شادی کی تیاری کریں ، ہم اسے جلد حویلی سے رخصت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔۔

باقی لڑکیاں کالج ، یونیورسٹی جانے سے پہلے اچھی طرح یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ " ہماری نظر ہر گھڑی ان پہ ہے۔ پھر ایسا کچھ ہوا تو سزا مزید سخت ہوگی۔

سب کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ مہمان کھانا کھا کر رخصت ہوچکے تھے۔ دھڑکتے دل اور لرزتے ہاتھوں سے سب نے میزبانی کے فرائض انجام دیے تھے۔ چوہدری حشمت نے آناً ً فاناً ً اتنا بڑا فیصلہ نا صرف سنا دیا تھا بلکہ ان پہ عمل درآمد بھی ہوگیا تھا عیشال کی منگنی کی صورت۔

مہمانوں کے لیے بجی سنوری ندا مہمانوں کی واپسی پہ حیران ہوتی انتظار سے تنگ آکر خود ہی باہر نکل آئی تھی۔ چوہدری حشمت کا لفظ لفظ اس نے بغور سنا تھا۔ ساری زندگی شادی نا کرنے کا فیصلہ ان کی دانست

2

میں سزا تھی لیکن اس فیصلے پہ اس کے چہرے پہ سکون پھیل گیا تھا۔ وہ ساری زندگی بیوگی کی طرح کاٹ سکتی تھی۔ راحیل کے قتل کے بعد کسی اور سے شادی سے بڑی اور کوئی آزمائش نہیں ہو سکتی تھی۔ ریلیف ملا تھا اسے، کم از کم وہ راحیل کو کھل کے رو تو سکتی تھی۔ چوہدری حشمت زندگی ، خوشی پہ قدغن لگا رہے تھے لیکن زندگی بچی ہی کہاں

تھی اس کی نظر میں۔۔ جہاں اپنے لیے سکون محسوس ہوا، وہیں عیشال کے بارے میں جان کر وہ دیوار سے لگ گئی۔ نظریں بے ساختہ اس پہ اُٹھیں جو ساکت نظروں سے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی۔ہر کوئی اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔ لڑکیوں پہ اک سرد سی نگاہ ڈال کر وہ چلے گئے تھے۔ہر گھڑی ان پہ نظر ہے کہہ کر وہ پہلے ہی انہیں خوفزدہ کر گئے تھے۔

چوہدری حشمت کے جاتے ضبط کے باوجود بھی فائزہ سسکی بھر کے روپڑی تھیں۔چوہدری فیروز نے اک تلخ نگاہ ان سمیت باقی دونوں بیٹیوں پہ ڈالی تھیں، اور پھر چلتے بنے۔اسفند نے بھی تقلید کی تھی۔لڑکیوں کے ساتھ سمہان آفندی کی نظریں عیشال پہ تھیں، جو ساکت بیٹھی ہوئی تھی۔موت نہیں ہوئی تھی لیکن موت جیسی خاموشی نے ماحول کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

☆☆☆

مایوں کے سستے سے جوڑے میں الوہی خوشی کے مہنگے تاثرات لیے انوشا کے وجود سے روشنی سی پھوٹ رہی تھی۔آستین اوپر چڑھائے ، دونوں پیر آگے کیے ماورا کے رحم وکرم پہ بیٹھی اس سے اُبٹن ملوا رہی تھی۔اُبٹن ملتے ملتے ماورا اس کی طرف جھک کر کوئی نا کوئی بات کر جاتی تھی کہ انوشا گلال چہرہ لیے مصنوعی خفگی سے اسے گھور کے رہ جاتی۔یہ الگ بات کے مسکراہٹ مزید گہری ہو جاتی تھی۔ان سے کچھ دور بیٹھی

3

منزہ ، قمیض کی بٹن لگاتے وقتاً فوقتاً ان کے روشن چہروں کی طرف بھی دیکھ رہی تھیں۔اور ہولے سے مسکرا

کر پھر سے اپنے کام پہ نظر جما لیتیں۔

اسی اثناء میں دروازے پہ دستک ہوئی تو تینوں ہی چونک گئیں۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے۔۔" اُبٹن کے زرد ہاتھ روک کر ماورا بجی نے حیرانی سے کہا تھا۔

"اپنا کام کرو ، میں دیکھتی ہوں۔" اسے اٹھتے دیکھ کر منزہ نے قمیض رکھ کر منع کیا ساتھ ہی اٹھ کر دروازے کی اور چل دیں۔

جانے کون ہے۔" انوشا نے بھی لب کشائی کی۔"

"یاسر بھائی نہیں ہوں گے ، بس اتنی تسلی رکھو تم۔"

بہت بد تمیز ہو۔!" انوشا نے جھینپ کے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔"

منزہ نے احتیاط ً تھوڑا سا دروازہ کھولا تھا۔اور یحیٰ سرفراز کو دانت نکوستے دیکھ کر ان کی روح کانپ گئی۔

تم!"وہ بھنچے بھنچے لہجے میں چلائیں۔"

کیوں آئے ہو۔۔۔۔؟؟ منع کیا تھا نا یہاں آنے سے۔" وہ دانستہ تھوڑا باہر آکر اپنے " پیچھے دروازہ بھیڑ گئی تھیں۔

ایسی بھی کیا بے رُخی۔۔۔نا تم فون اٹھاتی ہو ، نا بات کرتی ہو ، پھر کیا کرتا۔"" اپنائیت سے گلہ پہ منزہ کے سر سے لگی اور تلوے تلے بجھی۔

کیوں بات کروں میں تم سے۔۔اور کس سلسلے میں۔۔؟"غصیلا لہجہ تھا۔"

"تم نے ہی پرایا کیا ہوا ہے ، میں تو اپنا سمجھتا ہوں۔"

دفع ہوجاؤ یہاں سے اور پھر کبھی شکل مت دکھانا۔" منزہ پھاڑ کھانے کو دوڑیں۔"

پیسے چاہیے۔" دانت دکھاتے۔"

کون سے پیسے۔۔۔؟؟ پچاس ہزار کھا کر بھی پیٹ نہیں بھرا تمہارا۔۔؟" اپنی بے " بسی اور اس کی ڈھٹائی پہ منزہ کی حالت غیر ہونے لگی۔بس نہیں چل رہا تھا کیسے سامنے کھڑے بندے کے وجود کا قیمہ بنا دیں۔

تو بلاوجہ غصہ کر کے بی پی ہائی کر رہی ہے۔پہلے بھی کہہ چکا ہوں ، میں نے صرف " دس ہزار لیے جو تو نے اپنے ہاتھ سے دیے باقی کے چالیس ہزار حرام ہوں مجھ پہ، جو " لیے ہوں۔بول تو قرآن اٹھا لوں۔

اپنی بات میں دم لانے کو وہ اس ڈھٹائی سے کہہ گیا کہ اک پل کو منزہ بھی کانپ گئیں۔اس جیسے ضمیر فروش کو کبھی احساس ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس نے کس عظیم کتاب کی بات کی ہے محض اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے۔

تم جیسوں کو بس عذابِ الہٰی ہی نیست ونابود کرے گی۔" وہ نفرت کا اظہار کرنا نا " بھولیں۔

تو اتنی محبت کرتی رہی ہے کہ آج تک تیری بددعا نہیں لگی۔" ہنسی اڑاتی نظریں منزہ " کو لب بھینچنے پہ مجبور کر گئیں۔

دفع ہو جاؤ، کوئی پیسہ ویسہ نہیں ہے میرے پاس۔" سانس دھونکنی کی طرح چلنے " لگی۔

دیتی ہے پیسہ۔۔یا میں اندر جا کے دونوں کو تیری اصلیت بتاؤں۔۔؟" دھمکانے لگا" ۔ساتھ ہی دروازے پہ ہاتھ رکھ کر دھکیلنے کی کوشش کی۔منزہ نے ہاتھ سختی سے دروازے پہ رکھ لیے۔اس کے مقابلے میں اپنا کھوکھلا وجود بے حد محسوس ہوا۔وہ کب تک ڈھال بن سکتی تھیں۔ان کی آنکھوں میں بے پناہ خوف سمٹ آیا۔

ہٹ سامنے سے۔۔۔جو بیٹیاں تجھے پوج رہی ہیں جب تیری اصلیت ان پہ کھلے گی کہ " تو کتنی بڑی

5

ناگن ہے، تب یہی بیٹیاں تجھ پہ تُھو تُھو کریں گی۔" اس کی دھمکیوں پہ منزہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا مگر وہ اب بھی ڈھال بن کے دروازے اور اس کے بیچوں، بیچ کھڑی تھیں۔قریب تھا کہ

وجود اک جانب ڈھے جاتا۔اسی وقت زن سے اک گاڑی ان کے سامنے رکی تھی۔اس میں سے تیزی سے اترتے ایشان جاہ کو منزہ نے دیکھ کر جس طرح اللہ کا شکر ادا کیا ونہیں یحیٰ سرفراز ٹھٹھک گیا۔

"کون ہو تم۔۔۔اور یہ کیا انداز ہے۔آنٹی سب ٹھیک ہے۔۔؟" وہ دور سے ہی دیکھتا آرہا تھا۔کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ بات خوشگوار انداز میں ہو رہی ہے۔

"یہ بدمعاش پیسے مانگ رہا ہے، کہہ بھی رہی ہوں نہیں ہے تو اکیلی سمجھ کے زور دکھا رہا ہے۔" منزہ نے غیبی مدد ملنے پہ فراٹے سے شکایت کردی۔یحیٰ سرفراز جو اتنی بڑی سی کار اور اس میں سے اترتے شاہانہ انداز لیے ایشان جاہ کو دیکھ کے ٹھٹھک گیا تھا اس کے غصیلے انداز سے تفتیش اور منزہ کو آنٹی سن کر مزید ساکت ہوگیا۔

"اتنی مجال۔۔؟" ایشان جاہ نے اک لمحے کے لیے اسے دیکھا تھا، اس کے بعد اگلے ہی لمحہ اسے کالر سے پکڑ کے گھسیٹنے کے ساتھ زور دار تماچہ رسید کیا تھا۔جوان اور توانا ہاتھ کا تماچہ کھا کر وہ لڑھک کر مٹی چاٹنے لگا تھا۔ہونٹ سے خون نکلنے لگا۔

ایشان ! چھوڑ دو بیٹا۔ مر جائے گا۔" اس کی حالت دیکھ کر ، ایشان کو اس کی طرف "
لپکتے دیکھ کر منزہ ڈر کے گلی کا جائزہ لے رہی تھیں۔ سنسان گلی سے اس وقت کوئی بھی
نکل کے سامنے آسکتا تھا اور اس تماشے کو دیکھ کر بات کا بتنگڑ بن سکتا تھا۔

پہلے ذرا اچھی طرح سبق سکھا دوں پھر لاک اپ میں آرام سے ان کاؤنٹر کروا دوں "
گا۔" وہ سخت تیور سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ اس کے انداز ، لاک اپ اور ان کاؤنٹر کا
سن کے یحیٰ سرفراز کے دماغ نے

6

تیزی سے کام کیا اور اس نے پہلی فرصت میں دوڑ لگا دی۔

بیٹا نہیں۔۔" اس نے پیچھا کرنا چاہا تھا لیکن منزہ نے باہر نکل کر اسے روک لیا۔"

میرا خیال ہے اتنی سزا سے اسے نصیحت ہو گئی ہو گی۔" اس کے دم دبا کے بھاگنے پہ "
منزہ کو سکون ہوا تھا۔

اس سے پہلے بھی آچکا ہے کیا۔ دوبارہ نا کوشش کرے ، آپ لوگ اکیلی ہوتی ہیں۔" "
اسے فکر ہوئی۔

نہیں پہلی بار ہی آیا تھا۔ لیکن اس عزت افزائی کے بعد شاید دوبارہ آنے سے پہلے سو " بار سوچے گا۔" اس کی بزدلی پہ ان کے لبوں پہ استہزا پھیل گیا۔

ڈرانے والا خود اندر سے بہت ڈرا ہوا ہوتا ہے۔اس کا ادراک انہیں اسی گھڑی ہوا تھا۔ انہیں ڈرانے والا خود دُم دبا کے بھاگ گیا تھا۔

"! بلاوجہ ہماری خاطر پریشان ہوگئے۔اندر آؤ"

کیسی پریشانی آنٹی بہتر ہوتا ، اس کے پیچھے جانے دیتیں۔ سبق سکھانا ضروری تھا۔" " منزہ دروازے سے اندرا سچکی تھیں۔

بیٹھو۔ میں آتی ہوں۔" جواب گول کر کے اپنے کمرے کی طرف اشارہ کر کے " دوسرے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

"کون تھا اماں۔۔؟ بڑی دیر کردی دروازے پہ۔"

انہیں دیکھتے ہی ماورا نے سوال کیا تو منزہ کے چہرے کی اڑی رنگت نے توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔

ہاں صائمہ تھی ، اسی سے بات کرنے میں دیر ہوئی۔۔ پھر ایشان آگیا۔۔۔فری ہوکے " چائے بنالاؤ، میرے کمرے میں۔" تاثرات پہ قابو پاکے منزہ حکم دیتی تیزی سے چلی گئیں تو وہ اک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔

7

یہ تمہارے ہاتھ کی بنی چائے کی طلب کچھ زیادہ کھینچ کر نہیں لارہی ایشان جاہ " کو۔۔؟" اب کے کھینچائی کرنے کی باری انوشا کی تھی۔وہ منہ بگاڑ کے رہ گئی۔

☆☆☆

جب گھر میں محافظوں کی فوج ہماری حفاظت کے لیے ، ہمیں مشکل سے نکالنے کے " لیے موجود ہے تو کیا ضرورت تھی اکیلے جانے کی۔" چوہدری بخت کے روم میں محفل سجی تھی اور شنائیہ چوہدری کی کلاس ہو رہی تھی۔دیا فکر مندی سے چوہدری بخت کے غصیلے تیور دیکھ رہی تھیں۔ماہم باری باری سب کے چہرے دیکھ رہی تھی۔شنائیہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

پپا ! ہم کون سا کسی سیاسی گھرانے سے ہیں یا ہماری جانوں کو خطرہ ہے جو باڈی " گارڈز کے ساتھ جا کے ہر جگہ تماشا لگوائیں۔ مجھے نہیں پسند یہ پروٹوکول اس لیے واپس بھجوادیا تھا۔" وہ جی کڑا کر کے اظہارِ خیال کر گئی۔

اپنی پسند ناپسند اپنے پاس ہی رکھو، ہم کیا ہیں اور کیا نہیں یہ سوچنے کی ضرورت " تمہیں نہیں ہے، ابھی تم اتنی بڑی نہیں ہوئیں کہ اپنے متعلق فیصلہ کرنے کھڑی ہوجاؤ۔" چوہدری حشمت کو اس کا غیر منطقی جواب ذرا پسند نہیں آیا تھا۔ان کے انداز سے وہ اک دم چُپ سی ہو گئی تھی۔

اسی اثناء میں دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔سب کی نظریں دروازے کی اُور ہو گئی تھیں۔آنے والا شاہ زر شمعون تھا۔

آؤ شاہ !" دیا نے صورتِ حال سنبھالتے اسے آنے کی دعوت دی۔چوہدری بخت " نے اپنے برابرا

8

بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے ان کے ساتھ براجمان ہوگیا۔چہرے کے نقوش کشیدہ تھے، جو ظاہر کر رہے تھے کہ محافظوں کی کلاس لے کر وہ سیدھا اسی طرف آیا ہے۔

"! صبح حویلی کے لیے نکل رہا ہوں چچاجان"

اس نے واضح محسوس کیا تھا کہ اس کا جملہ سن کر باقی سب کسی قدر شرمندگی کے تاثرات سجا کر نظریں چُرا گئے تھے ، لیکن شنائیہ چوہدری نے جیسے سکون کا سانس لیا یہ اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکا۔غصیلے تاثرات مزید بڑھ گئے۔لب الگ بھنچ گئے۔

"کچھ دن رکتے نا!" چوہدری بخت کی کمزور سی آواز نکلی تھی ، جان گئے تھے وہ ناراض ہو کر جا رہا تھا۔اور اس کی ناراضگی سے شنائیہ کی زندگی میں کتنا فرق پڑ سکتا ہے یہ بات وہ ناقص العقل ابھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

"گستاخی معاف چچا جان۔یہاں رُک کر کیا کروں گا۔۔۔ یہاں ہے ہی کیا سوائے ذلت ورسوائی کے۔عزت کے معاملے میں ہم جان دینے اور لینے والے لوگ ہیں۔خاندان کی عزت، میری منکوحہ جس طرح رات گئے سڑکوں پہ ماری ماری پھر رہی ہے یہ سب دیکھنے سے بہتر ہے ، خود کو شوٹ کرلوں۔" لب ولہجہ سخت تھا لیکن احترام کا

دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا تھا۔سب شرمندگی سے نظر جھکا گئے تھے ، سوائے شنائیہ کے ، اس کے لفظوں پہ اسے جی بھر کے غصہ آرہا تھا ، ، وہ جس طرح مارے مارے پھرنے کو غیرت سے تعبیر کر کے شوٹ کی بات کرگیا ، سب ہی چونک گئے۔ شاید وہ برداشت سے زیادہ ضبط کرچکا تھا۔

صبح کی اپنی ٹکٹ کنفرم کر رہاہوں اور شنائیہ کی بھی۔۔۔یہ میرے ساتھ جائیں گی" ۔اب سے وہ نہیں رہیں گی۔داجان کو سارا قصہ بتاؤں گا تو وہ خود ہی حکم صادر کر دیں گے لیکن ایسا کرنے سے آپ اور چچی

9

جان پہ زوال آئے گا ، اس لیے شنائیہ کو خاموشی سے میرے ساتھ جانے دیں۔۔۔ "اپنی عزت کی رکھوالی مجھے آتی ہے۔

اس کے خشک لہجے پہ سب ہی ٹھٹھک گئے تھے۔شنائیہ تو آنکھیں پھاڑ کے اسے دیکھے ہی جارہی تھی۔جو

بخت کے ساتھ بظاہر سر جھکائے بیٹھا تھا لیکن لفظ اکڑے ہوئے تھے۔کمرے میں خاموشی گہری ہونے لگی تھی۔شنائیہ چوہدری خوفزدہ نظروں سے چوہدری بخت کو دیکھ رہی تھی۔اتنے جتن کر کے واپسی عمل میں آئی تھی ، جانے اب کیا ہوتا۔

سب کی نظریں ان پہ تھی جو بہت تھکے تھکے سے لگ رہے تھے۔شاہ زر شمعون کے لفظ سچے ضرور تھے لیکن بے حد کڑوے بھی تھے۔

"ٹھیک ہے بیٹا! جیسی تمہاری مرضی۔۔۔ تمہارا حق ہے جو فیصلہ مناسب لگے۔شاید میری پرورش میں ہی کوتاہی رہ گئی جو آج تم سے آنکھ ملانے کے بھی قابل نہیں رہا۔"

بہت ٹوٹا ، بکھرا لہجہ تھا۔سب کے عجیب سے تاثرات ہوگئے تھے۔شاہ زر شمعون اک دم سے اُٹھ کے ان کے قدموں پہ آکر ان کے ہاتھ تھام گیا۔

"باخدا! میرے کہنے کا مقصد آپ کی پرورش پہ انگلی اُٹھانا ہرگز نہیں تھا چچا جان۔۔۔ اکثر بہت اچھی تربیت کے باوجود اولاد شرمسار کر دیتی ہے۔اس میں آپ یا چچی جان کا دوش نہیں ہے اولاد کی فطرت ہی الگ ہو تو قصوروار والدین کیوں۔۔۔؟ میں تو بس آپ کی ٹینشن دور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔۔۔اب سے آپ کی پریشانی ختم اور میری ذمہ داری شروع۔۔۔آئے نو ، آج سے پہلے تک حویلی میں رُخصتی سے پہلے

بڑے ہی سارے فیصلے کرتے آرہے ہیں لیکن آج سے پہلے ایسی سچویشن بھی پیش نہیں آئی تھی۔۔۔جو محترمہ والدین کی بات نہیں مان رہیں۔۔۔محافظوں کو کسی گنتی میں نہیں لارہیں انہیں میرے سُپرد

10

"کرکے آپ بس بے فکر ہوجائیں۔اب سے یہ میری ذمہ داری ہیں۔

شاہ زر شمعون کا اک اک لفظ زبردست تازیانہ بن کے شنائیہ چوہدری کے خون میں اُبال لے آیا تھا۔اتنی تذلیل۔۔۔وہ کیاکچھ نہیں کہہ گیا تھا ان لفظوں میں۔۔اس کی نظر میں وہ بگڑی ہوئی نواب

زادی تھی جسے سدھارنے کے لیے وہ اسے اپنے ساتھ حویلی لے جانا چاہ رہا تھا۔

تم برحق کہہ رہے ہو بیٹا۔۔ صبح اپنی منکوحہ کو ساتھ لے جاؤ، ہم میں سے کسی کے " پاس رُوک لینے کا اختیار نہیں۔۔شاید یہی ہماری عزت کے لیے بھی بہتر ہے۔۔دیا " بیگم بیٹی کو لے جائیں اور اسے رُخصت کرنے کی تیاری کریں۔۔۔

شنائیہ چوہدری کی طرف دیکھنے سے دانستہ گریز۔۔۔۔اس کا نام نا لینا۔۔مُخاطب نا کرنا ۔۔سب ظاہر کر رہا تھا کہ اس وقت وہ اس سے کس حد تک ناراض اور دکھی ہیں۔

کمرے سے لے جانے کا اشارہ بھی اسی سلسلے کی کڑی تھی کہ وہ مزید اس کی موجودگی برداشت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ان کا اشارہ سمجھ کے دیا کے ساتھ ماہم بھی اس کی طرف لپکی تھیں جو شرر بار نظروں سے شاہ زر شمعون کو گھور رہی تھی۔

☆☆☆

"آر یو فری ڈیڈ۔۔۔؟"

چوہدری جہانگیر کچھ دیر قبل ہی لوٹے تھے۔فریش ہو کر لمبی نیند لینے کا اردہ تھا۔ابھی وہ اپنے خیال کو عملی جامہ بھی نہیں پہنا سکے تھے کہ اگلے ٹارگٹ کے لیے آپریشن لائن اپ ہو چکی تھی اور انہیں کال آنے کے ساتھ ہی اگلے ٹاسک کے لیے نکلنا تھا۔صہبا تب تک ان کے لیے چائے کے ساتھ اسنیکس تیار کروانے

11

گئی تھیں۔رسٹ واچ میں وقت دیکھتے نظریں ایل ای ڈی پہ جمائے بیٹھے تھے۔تب ہی نرمین منہ بسورتی ہوئی آگئی۔

اپنی بیٹی کے لیے آل ونز فری۔۔۔بولو کیا بات ہے۔۔" محبت سے کہہ کر انہوں نے "
بیٹی کا ہاتھ تھام کر

اپنے پاس بٹھالیا تھا۔

آئے نو ڈیڈ کہ میں آپ کے لیے کتنی اہم ہوں۔۔۔ میری کوئی بات آپ ٹالتے نہیں "
ہیں۔۔یاد ہے اک بار اسکول پرنسپل نے شرارت پہ مجھے ڈانٹا تھا۔جب میں نے اپنی
کومپیٹیٹر (حریف) کے بال کاٹ دیے تھے۔جب وہ فرسٹ آنے پہ اترا رہی تھی۔اس پہ
پرنسپل نے میری کلاس لی آپ کو شکایت کے لیے بلایا۔آپ نے میرے آنسو دیکھے اور
پرنسپل کی اک بات نہیں چلنے دی۔۔اُلٹا اسکول خرید کر پرنسپل کو اس کی اُوقات یاد
دلا دی۔۔۔" نرمین پُرجوش سی ہو کر یاد دلا رہی تھی۔

مجھے اپنی بیٹی کی اک اک مومنٹ یاد ہے پہلی بار کب گھٹنوں پہ آئی، کب پہلا قدم "
اُٹھایا۔۔کب پہلی بار ڈیڈ کہا۔۔دن، ماہ، سن سب اچھی طرح یاد ہے۔" چوہدری
جہانگیر کے چہرے پہ مسکراہٹ آگئی تھی۔بڑا نرم تاثر تھا۔

یو آر دا بیسٹ ڈیڈ ان دِس ورلڈ۔۔!" مان وغرور لہجے میں بول رہا تھا۔"

اب کس نے میری بیٹی کو ہرٹ کردیا۔۔؟ " بسورتی شکل پہ سنجیدہ ہوگئے۔"

سمہان ڈیڈ!" اس نے چھوٹتے ہی نام لے دیا۔"

سمہان۔۔۔؟"چوہدری جہانگیر نے بھنویں سکیڑیں۔"

یس ڈیڈ سمہان۔۔۔۔" منہ بگاڑ کے۔"

بہت روڈ اور مغرور ہے ڈیڈ۔۔ میں نے کال کی کہ انگیجمنٹ اور شادی سے پہلے " تھوڑی انڈر سٹینڈنگ

12

ہو جائے گی لیکن اس نے اسٹریکلی کہہ دیا کہ حویلی میں ایسا کوئی سسٹم نہیں۔۔اور یہ کہ میں نے اگین کال کی تو وہ نمبر بلاک لسٹ کردے گا اور اس نے ایسا کیا بھی۔۔۔ آئم امبیرسڈ ڈیڈ۔۔!" روہانسہ لہجہ ہوگیا۔

اتنا روڈ بی ہیو کیا اس نے تمہارے ساتھ۔۔؟" چوہدری جہانگیر کو حیرانی ہوئی۔"

یس!" شد ومد کے ساتھ گردن ہلائی۔"

ابھی مسئلہ حل کرتا ہوں اپنی بیٹی کا۔۔۔" چوہدری جہانگیر کہنے کے ساتھ اپنے سیل " فون سے سمہان آفندی کو کال ملانے لگے تھے۔

سارا دن اپنی ذمہ داریوں کو سر انجام دینے کے بعد فری ہو کر وہ اپنے روم کی طرف قدم بڑھا رہا تھا جب سیل فون بجنے لگا۔ چوہدری جہانگیر کی کال دیکھ کر اسے اک لمحے کو خیال آیا جانے کیا بات ہے جو اس وقت ان کی کال آرہی ہے۔ حویلی کے معاملات کے لیے وہ اکثر اسے کال کر دیتے تھے ، اس وقت بھی وہ معمول کی کال سمجھ کر جیکٹ کو بازو پہ ڈالتے کال پک کر گیا۔

"! السلام علیکم چچا جان"

عین اسی وقت بپھری ہوئی عیشال جہانگیر کسی کونے سے برآمد ہوئی تھی۔ وہ شاید اس کا انتظار ہی کر رہی تھی لیکن سامنے آنے پہ اسے فون کان سے لگاتے اور چچا جان کہتے سن کر رک گئی۔ سمہان آفندی کی نظر ابھی اس پہ نہیں پڑی تھی۔

سلام ، دعا تو رہنے ہی دو سمہان۔۔ تم نے تو ہمارا دل ہی دکھا دیا۔۔" چوہدری " جہانگیر کے افسوس بھرے لہجے نے اس کے بڑھتے قدم روک لیے۔

میں کچھ سمجھا نہیں چچا جان۔۔!" روم میں جانے کا ارادہ ملتوی کر کے وہ راہداری " کے کھلے ایریا میں

13

آکر گرل کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ذہن بڑی تیزی سے ان کے جملے پہ کام کر رہا تھا۔

"بھئی ، جب باباجان نے تمہارا اور نرمین کا رشتہ زبانی طے کردیا تو اسے پتھر کی لکیر ہی سمجھو۔۔جب نرمین انڈرسٹنڈنگ کے لیے تم سے بات کرنا چاہ رہی ہے تو تمہیں کیا ایشو ہے۔۔مانا حویلی کے کُچھ اصول ہیں۔۔۔ باباجان کا ڈر ہے تو کہو میں خود ان سے اجازت لے لیتا ہوں۔۔اور یقین کرو وہ مجھے انکار نہیں کریں گے۔۔۔پھر تمہارا اگریز بھی دور ہوجائے گا۔۔پہلی فُرصت میں نرمین کا نمبر بلاک لسٹ سے نکالو۔۔اور بات کرو ، میری بیٹی ہرٹ نا ہو"، یاد رہے۔۔۔

چوہدری جہانگیر رعونت سے کہہ رہے تھے اور سمہان آفندی کے چہرے پہ سارا خون سمٹ آیا تھا۔کوئی اور حکم ہوتا تو شاید وہ چوں بھی نا کرتا۔اندازہ تھا۔ذلیل ہونے کے بعد،ڈیڈ کی جیتی ایکشن لے گی لیکن ذرائع بھی اس کا ساتھ دیں گے یہ یقین نہیں تھا۔چوہدری جہانگیر یوں بیٹی کے حق میں اسے ہموار کر رہے تھے جیسے وہ ان کے تابع ہو۔

معذرت کے ساتھ چچاجان۔۔۔ رشتہ داجان نے طے کیا، لیکن اگر انہوں نے بھی کہا" کہ انڈرسٹنڈنگ کے نام پہ کال پیکجز لگاؤں تو میری طرف سے پیشگی معذرت قبول کیجیے۔ میرے اپنے بھی کُچھ مورالز ہیں، ایشوز ہیں۔۔ پسند ناپسند ہے۔۔ اپنی صاحبزادی سے آپ کی محبت اپنی جگہ لیکن آپ یا داجان کے کہنے پہ میں اپنے اصول توڑ دوں ۔۔۔ایسا شاید نا کرسکوں۔۔۔

رہی انڈرسٹینڈنگ یا جان پہچان کی بات توآپ اور آپ کی صاحبزادی نے چھان پھٹک کر ہی داجان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہوگا۔۔۔ لیکن ابھی بھی کوئی تسلی ادھوری رہ "گئی ہو تو حویلی تشریف لے آئیں۔۔ بالمشافہ میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔۔

نا لہجہ گستاخ تھا، نا انداز۔۔ لیکن لفظ کتنے کاٹ دار تھے کہ حروفوں کو شک کی نظر سے دیکھنے والے چوہدری

14

جہانگیر بہت اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ بیٹی کی خواہش پہ وہ جس طرح اسے گھیر رہے تھے وہ رسہ ہی تُڑا گیا تھا۔۔ ناگواری صاف ظاہر تھی کہ اسے ڈمی سمجھ کر کھیلنے کی

کوشش کرنا ان کی بھول ہوگی۔چوہدری جہانگیر اسے جتنا ذہین سمجھتے تھے وہ اس سے کہیں زیادہ ثابت ہوا تھا۔وہ چند لمحے کے لیے چُپ سے ہوگئے تھے۔

"مزید کوئی اور بات۔۔۔داجان کے لیے کوئی پیغام چچاجان۔۔؟؟" انداز سے ظاہر تھا، مزید اس موضوع پہ کوئی بات کرنے کی بجائے، وہ کال بند کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"باباجان سے میں خود بات کرلوں گا۔" چوہدری جہانگیر کا لہجہ خشک سا محسوس ہوا تھا۔

"!بہتر چچاجان۔۔اللہ حافظ"

اس سے پہلے چوہدری جہانگیر کال بند کرچکے تھے۔لب بھنچ گئے تھے۔

"کیا کہا ڈیڈ اس نے۔۔۔؟ نہیں مانا نا۔۔۔؟؟" نرمین جو ان پہ نظر جمائے بیٹھی تھی ۔ان کے انداز سے مایوس ہوئی۔

"وہ تو منع کررہا ہے۔۔باباجان کی اجازت کے بعد بھی انکاری ہورہا ہے۔" ان کا لہجہ گھمبیر تھا۔

"۔دیکھا کتنی اکڑ ہے اس میں۔۔۔سب کچھ اس چُڑیل عیشال کی وجہ سے ہورہا ہے۔۔۔" نرمین کھولنے لگی۔

عیشال کی وجہ سے۔۔؟" چوہدری جہانگیر چونکے۔"

پسند کرتی ہے سمہان کو اور شاید سمہان بھی۔۔" نرمین کے منہ تیڑا کرنے پہ "
چوہدری جہانگیر اس حقیقت پہ شاکڈ رہ گئے تھے۔شدید غصہ چہرے پہ عود کر آیا تھا۔

15

☆☆☆

سیل فون جیب میں ڈالتے اس نے رُخ موڑا تھا اور عیشال کو عین اپنے سامنے پا کر اک پل کو ٹھٹھک گیا۔اس نے ساری باتیں سُن لی تھیں۔یہ اس کے چہرے پہ صاف لکھا ہوا تھا۔سمہان آفندی کی نظریں بے

ساختہ اس کی انگلی پہ اُٹھی تھیں، لیکن خالی انگلی دیکھ کر اس کی آنکھوں میں اک پل کو اُلجھن آئی۔اگلے ہی لمحے نارمل ہوگیا۔انگوٹھی پہننے کے بعد سے ان کی پہلی مُڈ بھیڑ تھی۔اُمید تو تھی کہ آتش فشاں پھٹے گا اور اس پہ ہی پھٹے گا گو کہ بات چیت بند تھی لیکن تکلف کی دیوار بھی گرے گی اس کا بھی یقین تھا جس کی صورت وہ مجسم سامنے

تھی۔گھسا ہوا سوٹ ،ویران آنکھیں، غصے اور اجنبیت سے تنے نقوش ظاہر کر رہے تھے گرج چمک زوروں کی ہوگی۔۔آئی تو وہ اسی ارادہ سے تھی ، انگلی میں موجود انگوٹھی جلتا کوئلہ لگی تو اسی وقت انگلی سے نکال کر سیورج لائن میں بہادی۔اور تب سے اس کی منتظر تھی جو نجانے کون کون سے کام سر انجام دے رہا تھا۔اور جب غصے سے بھری سامنے آئی تو اس کی گفتگو نے اک دم سے جھاگ کی طرح بیٹھنے پہ مجبور کردیا۔

نرمین کی بار بار پیش قدمی۔چوہدری جہانگیر کی کال اور اس کی باتیں سننے کے بعد شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی کہ باپ بیٹی کا مدعا کیا ہے۔ان دونوں سے نفرت میں اک دم سے کئی گنا اضافہ ہوگیا تھا۔

آئی تو اس پہ بھڑاس نکالنے کے ارادے سے تھی لیکن جب بولی تو لہجہ دھیما ہی تھا۔

نمبر چاہیے مجھے۔۔" سینے پہ ہاتھ باندھ کے لاتعلقی سے۔"

کس کا۔۔؟؟" تقاضا ادھورا تھا، سو سوال لازم تھا۔"

رئیس میاں یا اس کی فیملی ممبر کا۔" جواب اتنے ہی سکون سے دیا گیا۔"

16

وجہ!" وہ چونکا۔"

کام ہے۔" ٹالنے والا انداز تھا۔"

کیا کام ہے۔۔؟؟" تفتیش لازم تھا۔"

تم دو گے یا نہیں ،یہ بات کرو۔" گھورنے کا عمل کام میں لایا گیا۔"

پہلے کام کی نوعیت پتا چلے ، اس کے بعد فیصلہ ہوگا ، نمبر دینا ہے یا نہیں۔" سچا ، کھرا" جواب تھا۔

اگر بات چیت یا انڈر سٹنڈنگ کے لیے چاہیے تو دے سکتا ہوں۔اس کے علاوہ " معذرت۔" لہجہ بدل کے چھیڑ گیا۔وہ جل ہی تو گئی۔

انڈر سٹنڈنگ کے لیے تم بات کرو۔۔۔بڑی ڈیمانڈ ہے تمہاری۔۔۔بڑے بڑے " لوگ سفارشی بن کے آرہے ہیں۔" اس کے انداز پہ جل کے لہجہ طنزیہ ہوگیا۔وہ پھیکے سے مسکرا دیا۔

اللہ شاہد ہے ،ہم نے تو ہمیشہ چھوٹی سی نظر میں رہنا چاہا تھا، خیر تم کہو۔۔رئیس " میاں سے ہیلو ہائے کرنی ہے یا فیورٹ کلر ، ڈش کے متعلق جاننا ہے۔" وہ جو اس کے جملے کی گہرائی پہ گہری نظر سے دیکھنے لگی تھی۔اگلے ہی لمحے اس کی بذلہ سنجی پہ بگڑ گئی۔

"تھوڑی سی غیرت باقی بچی ہے تو ڈوب مرو۔"

سوئمنگ آتی ہے۔۔۔اور کوئی حکم۔۔" کئی دِنوں بعد وہ پرانے روپ میں نظر آرہا "
تھا۔شاید چیئر اپ کرنے کی کوشش تھی۔

"بہت خوش نظر آرہے ہو۔۔؟؟"

تمہاری منگنی ہوگئی اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوگی۔میری ٹینشن کم ہوئی "
"۔

تمہیں کیوں ٹینشن ہونے لگی تھی میری۔۔؟ اور تم سے کس نے کہہ دیا کہ منگنی "
ہوگئی تو حویلی والوں کو میں

17

نے بخش دیا۔۔۔؟" چنگھاڑی۔

انگوٹھی تو گئی گٹر میں۔۔سیدھے سیدھے نمبر دو رئیس میاں یا اس کی فیملی کا تاکہ "
میں کال کرکے بول سکون کہ میں ان کے ٹی بی کے مریض جیسے بیٹے سے شادی نہیں
"کروں گی۔

تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔" وہ پریشان ہوا۔"

میں ایسا ہی کروں گی۔" زور دے کر کہا۔"

اس حرکت سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔اُلٹا تم مشکل میں آجاؤ گی۔"وہ سمجھانے "
لگا۔

پہلے کون سی آسانیاں ہیں میرے لیے۔۔تم فکر نا کرو۔" استہزائیہ انداز تھا۔

تو تم نمبر نہیں دے رہے۔۔اوکے داجان کے سیل فون میں تو ہوگا نمبر۔۔نکال لوں "
"گی موقع دیکھ کر۔

وہ شان ِ بے نیازی دکھاتی چلی گئی تھی۔

وہاں نرمین اور جہانگیر اس کی فون کال کو رو رہے تھے یہاں اسے نمبر چاہیے تھا۔۔وہ
گراہم بیل کو کوس کے رہ گیا۔

☆☆☆

شنائیہ کی اچانک واپسی پہ حویلی میں باباجان اور باقی سب کو کیسے مطمئن کریں "
"گے۔۔۔؟؟

شاہ زر شمعون کتنی ہی دیر چوہدری بخت کی دل جوئی کر کے کمرے سے جاچکا تھا۔شنائیہ اور ماہم تو پہلے ہی جاچکی تھیں۔ معمولات سے فری ہو کر دیا کمرے میں آئیں توچوہدری بخت کو سابقہ انداز میں دیکھ کر تشویش بھرے لہجے میں آہستگی سے استفسار کرنے لگیں۔

18

جب بیٹی نے ذلیل و رسوا کرنے کا ٹھیکا لے رکھا ہے تو باباجان یا کسی اور کو "
جھوٹ بول کے مطمئن کرنے کی کیا ضرورت ہے ، اقرار کرلوں گا اپنی کوتاہی کا ، اچھا
" باپ نا بن سکا۔

حد درجہ دل شکن لہجے پہ دیا کے آنسو آنے لگے تھے۔چوہدری بخت نے بیٹیوں کی پیدائش سے لے کر آج سے پہلے تک کبھی انہیں اپنی کمزوری نہیں سمجھا تھا۔لیکن شنائیہ کی پے در پے بے وقوفیوں نے ان کا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔اوپر سے شاہ زر شمعون کے جملوں نے رہی سہی کسر پوری کردی تھی۔

آپ آرام کریں۔۔شاہ لے کے جا تو رہا ہے شنائیہ کو۔۔" دیا نے خود کو سنبھال کے انہیں دلاسا دیا۔کہ ان کی ٹینشن شاہ لے کے جارہا لیکن انہوں نے جیسے ان کے لفظ نہیں سُنے۔۔۔ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا جارہا تھا۔چہرے پہ پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے تھے۔

دوسری طرف شنائیہ چوہدری ، شدید غم وغصے میں شاہ زر شمعون کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔

اس شخص کی اتنی مجال کے ذرا سی دیر پہ وہ میرے کردار تک پہنچ گیا۔صرف اس نکاح کا ہی بھرم ہے نا جس کے بل بوتے وہ اتنا کہہ گیا۔میں اس فساد کی جڑ کو ہی ختم کر دوں گی۔۔۔نائمہ کے والد وکیل ہیں۔۔جلد ہی مل کے ان سے خلع کے پیپرز بھجواتی ہوں محترم کو، سمجھ کیا رکھا ہے مجھے۔۔۔؟ اپنے گاؤں کی جاہل نٹیارن۔۔ہوش ٹھکانے نا لگا دیا تو یاد رکھیں گے، موصوف۔" وہ سخت جلبلائی ہوئی تھی۔

دیا کی ہدایت پہ ماہم اس کا سامان پیک کر رہی تھی۔اس کی شعلہ بیانی پہ حیرت کے ساتھ اسے افسوس بھی ہونے لگا۔

پہلے تو میں تصحیح کردوں آپی کے تھوڑی نہیں ، بہت دیر ہوئی آپ کو۔۔۔مانا آپ "
ضدی ہیں لیکن جب سے آپ کا نکاح ہوا ہے آپ ویرے شاہ کو چڑانے کی کوشش
میں مما، اور پپا کو ہرٹ کیے جارہی ہیں اور اس کا آپ کو احساس تک نہیں ہورہا کہ وہ
دونوں آپ کے عمل سے کس قدر ہرٹ ہورہے ہیں۔ویرے

19

شاہ کی نظر میں چھوٹے الگ ہورہے ہیں۔اور اب آپ جو کچھ پلان کر رہی ہیں ایسا
دوبارہ سوچیے گا بھی مت مما، پپا جیتے جی مر جائیں گے اگر انہیں آپ کی حرکت کی
"بھنک بھی پڑی تو۔۔۔

سب کا خیال کر کے میں اس بدتمیز انسان کی ضد کی بھینٹ چڑھ جاؤں۔۔۔؟؟ بڑوں "
کی عزت ، نام کا خیال کرتے خود کو فنا کردوں تو سوری۔۔میں اتنی ستی ساوتری نہیں
ہوں۔۔اک مغرور انسان کے لیے

"خود کو برباد نہیں کر سکتی۔۔ میں وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔۔۔

اس کی ہٹ دھرمی پہ ماہم کو غصہ آنے لگا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی دیا کی تیز
آواز انہیں بدحواس کر گئی۔۔دونوں اک دوسرے کی شکل دیکھتے تیزی سے کمرے سے

نکلیں تو کاریڈور میں ہی انہیں شاہ زر شمعون ،چوہدری بخت کے کمرے کی طرف بھاگتا ہوا نظر آیا۔وہ دونوں بھی بدحواس ہو کر لپکی تھیں۔

☆☆☆

"کب تک نحوست پھیلاتی رہو گی۔۔"

چوہدری حشمت کے سُنائے گئے فیصلے نے فائزہ سمیت سب کو ملول کر دیا تھا۔ماسوائے ندا کے۔وہ پہلے بھی خاموش تھی لیکن اک وحشت کا سامنا تھا کہ جانے اس کے خلاف کیا فیصلہ آئے پھر جب رئیس میاں اور ان کی فیملی کی آمد کا شور ہوا تو وہ اندر ہی اندر لرز گئی لیکن چوہدری حشمت کا فیصلہ جان کر اک سکون اس کے اندر اُتر گیا تھا۔وہ نہیں عیشال کے لیے دکھ بھی ہوا لیکن وہ چاہ کر بھی اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

دن بھر تو فائزہ خود کو سنبھالتی رہیں لیکن تنہائی میں آنسو بہانے لگیں۔چوہدری فیروز اور چوہدری اسفند کافی دیر سے چوہدری حشمت کے حُجرے میں موجود جانے کیا گفت وشنید کر رہے تھے۔چوہدری فیروز واپس

آئے تو فائزہ کو آنسو بہاتے دیکھ کر بھڑک اُٹھے۔

"جانتی ہوں، ندا نے بہت بڑی بھول کی ہے لیکن باباجان کا فیصلہ اس سے کہیں بڑھ کے ہے۔آپ باباجان سے عرض کریں ناکہ وہ فیصلے میں ترمیم کرکے ندا کی شادی کیس بھی کردیں، پھر بھلے اس سے کوئی رابطہ نا رکھیں لیکن یہ سزا بہت سخت ہے۔" فائزہ دہائی دینے لگی تھیں۔

"باباجان نے تو پھر بھی رعایت کردی۔۔مجھے فیصلہ کا اختیار ہوتا تو اسے جان سے مار دیتا۔لیکن نہیں جان سے مارنا آسان ہے جب وہ پل پل سسک کر مرے گی۔۔ اپنے سے چھوٹی بہنوں کی شادی، سسرال، بچے ہوتے دیکھے گی تو بڑھاپے میں خود ایڑیاں رگڑ کے مرے گی کہ خاندان کے نام اور نسب کے خلاف جاکر اس نے کتنا غلط کیا تھا۔اسے عبرت کا نشان بنا کر حویلی کی دیگر لڑکیوں کے لیے سبق چھوڑیں گے۔"

چوہدری فیروز کی سفاکی سے کی گئی منظر کشی نے فائزہ کے آنسوؤں کو روانی بخش دی تھی۔وہ پھپھک کے رونے لگیں۔

شاہ کو بلالیتی ہوں ، سب جان کر شاید وہ باباجان کو منا لے۔" اس خیال کے آتے ہی "
وہ دن گننے لگی تھیں کہ اسے گئے کتنے دن ہوگئے تھے۔

☆☆☆

بڑے ہی بے مروت پڑوسی ہو بھئی تم لوگ۔۔گھر میں شادی ہے کل اور ابھی تک " ڈھولکی کی آواز بھی نہیں آئی میرے کانوں تک۔اکیلے اکیلے ہی اُبٹن بھی لگادیا بہن "کو۔

21

دروازہ بجا تھا۔سامنے صائمہ کھڑی تھیں جنہوں نے ماورا کے زرد ہاتھ دیکھتے گلہ کرنا شروع کردیا۔

ڈھولکی کے خلاف ہیں اماں بس اسی لیے نہیں رکھی۔آپ اندر آئیں نا۔۔" ماورا نے " خوش خلقی سے کہتے اندر آنے کا راستہ دیا۔

ایسی بھی کیا سادگی۔۔۔ہے کہاں تمہاری اماں۔۔۔ کئی دِنوں سے تو انہوں نے شکل " "تک نہیں دکھائی۔

صائمہ اندر آچکی تھیں۔

کئی دن۔۔ابھی شام کو ہی تو آپ آئی تھیں گھر۔۔" ماورا نے مسکراتے ہوئے یاد " دلایا۔

شام کو آئی تھی۔۔۔ کون میں۔۔۔؟ " صائمہ نے حیرانی سے اپنی طرف انگلی کرکے " اشارہ کیا۔ماورا نے اچنبھے سے سر اثبات میں ہلایا۔

میں کہاں سے آگئی شام کو تمہارے گھر۔۔؟ دو دن سے تو اپنے بھائی کے گھر گئی " ہوئی تھی ، ابھی لوٹی ہوں تو تمہارے انکل نے بھیجا کہ جاکر آپا سے پوچھ آؤ ، ہمارے لائق کوئی کام تو نہیں۔۔اور تم کہہ رہی ہو میں شام کو آئی تھی۔یہ تو پریشان ہونے والی بات کردی تم نے۔۔ میری ہم شکل تو نہیں گھوم رہی۔" تشویش سے کہتے صائمہ کا لہجہ شوخ ہوگیا جب کہ ان کے مفصل بیان پہ ماورا چُپ سی ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

منزہ نے تو خود کہا تھا وہ صائمہ سے بات کررہی تھیں پھر۔۔۔وہ اُلجھ سی گئی۔"

میں نے دیکھا نہیں تھا آپ کو۔۔۔شاید میرا وہم ہو۔۔" صائمہ اس کی طرف دیکھ "
رہی تھیں۔وہ سنبھل کے بات بنا گئی۔

ایسا ہی ہوا ہوگا۔۔تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا ایسا کہہ کے۔۔میں انوشا سے مل لوں "
، دیکھوں تو کتنا روپ چڑھا ہماری دُلہن پہ۔۔" صائمہ اپنے مخصوص انداز میں منسنی
بولتی آگے بڑھ گئیں تو وہ بھی مسکرا کر

22

کمرے کی طرف اشارہ کر گئی۔

بھئی جب ماورا نے کہا کہ میں شام کو آپ کے گھر آئی تھی آپا تو یقین کریں مجھے تو "
بہت حیرانی ہوئی۔بچی ہے ، بے دھیانی میں کہہ گئی۔۔ورنہ بھائی کے گھر سے آکر دو
منٹ آرام کیے بنا سیدھی آپ کی

طرف آگئی کہ پوچھ سکوں ہمارے لائق کوئی کام ہو تو بتائیں ،" صائمہ اندر بیٹھی دنیا
جہان کی باتیں کر رہی تھیں۔اسکول کی تھکا دینے والی نوکری چھوڑ کر انوشا مایوں
بیٹھی تو آرام پاکر جلد ہی اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔اک نظر اس پہ ڈال کر صائمہ منزہ
کے کمرے میں آگئی تھیں کہ وہ ڈسٹرب نا ہو۔۔ماورا ان کے لیے چائے بنا کر و نہیں

لے آئی تھی۔ باتوں باتوں میں جب صائمہ نے بات دُہرائی تو منزہ کے چہرے کا اُڑتا رنگ ماورا نے بڑی حیرانی سے دیکھا۔ منزہ کا نظر چُرانا ، بات بدلنا سب اسے چونکا گیا۔

کون تھا دروازے پہ۔۔اماں نے جھوٹ کیوں کہا۔۔؟ ایسا کون سا راز ہے جو وہ ہم " سے چھپاتی ہیں۔۔؟؟ "اس کے اندر سوال اُٹھنے لگے تھے۔

☆☆☆

ہاسپٹل کے سینئر ڈاکٹر کو ہارٹ اٹیک کا سُن کر ہاسپٹل میں کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ بخت سینہ پکڑ کے اک طرف کو لڑھک گئے تو دیا بدحواس ہو کر چلانے لگی تھیں۔

شاہ زر شمعون ، ماہم اور شنائیہ چوہدری تیزی سے کمرے میں داخل ہوئے تھے اور چوہدری بخت کی حالت دیکھ کر دونوں دل پکڑ کے رہ گئیں لیکن حواس بحال رکھتے شاہ زر شمعون نے تیزی سے چوہدری بخت کو بازو میں اُٹھا کر دروازے کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ تینوں بھی اس کے پیچھے بھاگی تھیں۔

23

صورتِ حال بھانپتے چوکیدار نے ڈرائیور کو جھنجھوڑ کر جگایا تھا۔جو اس کے کمرے میں ہی لمبا پڑا ہوا تھا۔سیمنٹ اور چھت پہ موجود محافظوں نے اگلے ہی لمحے جیپ کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔آدھے گھر پہ گشت کے لیے رُکے ہوئے تھے جب کہ آدھے جیپ پہ سوار ہو چکے تھے۔

دیا فوراً ً پچھلی سیٹ سنبھال کے چوہدری بخت کا سر گود میں رکھے ہوئی تھیں ، شاہ زر شمعون نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی جب کہ آنکھ ملتے ڈرائیور نے دوسری گاڑی نکال لی تھی جس میں شنائیہ اور ماہم جلدی سے سوار ہو گئی تھیں۔آگے پیچھے یہ قافلہ ہاسپٹل پہنچا تھا جہاں چوہدری بخت کو فوری ایمرجنسی میں لے جایا گیا۔اسٹریچر کے ساتھ لگ کے چلتی شنائیہ چوہدری کو کسی نے بڑے غور سے دیکھا تھا۔

دیکھ لیا باپ کو دُکھ پہنچانے کا انجام۔۔؟؟" دیا اس پہ بگڑنے لگی تھیں۔"

چچی جان پلیز۔۔!" شاہ زر شمعون انہیں تھام کر دور لے گیا تھا مبادا وہ شنائیہ پہ " زیادہ غصہ نا کریں،

سارا کچھ اس انسان کی وجہ سے ہوا اور اب خود معصوم بن رہا ہے۔" دیا کے انداز " اور چوہدری بخت کی پریشانی کے ساتھ اسے شاہ زر شمعون پہ رج کے غصہ آرہا تھا۔اس

کی صورت پہ نفرت بھری نظر ڈال کر وہ قدرے دور کھڑی ہو گئی تھی۔آنکھیں بہنے لگی تھیں۔چوہدری بخت کتنے بہترین باپ تھے یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔۔بیٹی نہیں انہوں نے بیٹا سمجھ کر دونوں کی پرورش کی تھی لیکن شاہ سے رشتے کے بعد سے ان کے دلوں میں دوری آگئی تھی۔

ساری زندگی اس کی ہر خواہش پوری کرنے والے والد نے شادی جیسے اہم فیصلے کو اپنی عزت کا واسطہ دے کر منوایا تھا۔اسے یہ قلق ہی نہیں بھول رہا تھا۔اسے گاؤں میں رہنا عذاب لگتا تھا۔اور شاہ زر شمعون کی منکوحہ بن کر تو جیسے باغی ہو گئی تھی۔جس کی وجہ سے جانے انجانے میں وہی کچھ کرنے لگی جس سے شاہ زر شمعون کو چڑ تھی لیکن وہ بھول گئی تھی کہ اس کی حرکتوں سے چوہدری بخت کو کتنی تکلیف پہنچے گی۔

24

ان خوبصورت آنکھوں میں آنسو۔۔چچ چچ۔۔۔بالکل اچھے نہیں لگ رہے۔کہو تو پونچھ "دوں۔"

قریب سے آتی آواز پہ وہ اک دم سے چونک کر دیکھنے لگی تھی۔اور طلحہ کو دیکھ کر اک دم سے ٹھٹھک کر اک سمت دیکھنے لگی، جہاں شاہ زر زشمعون کچھ دیر پہلے دیا کے پاس تھا لیکن اب دیا اور ماہم اکیلی تھیں، جانے

وہ کہاں تھا۔محافظوں کی فوج ہاسپٹل کے احاطے میں موجود تھی۔لیکن جانے یہ اچانک کیسے سامنے آگیا تھا۔

☆☆☆

نذیراں ! سمہان تک ہمارا پیغام پہنچادو ، ہمارا سیل فون ذرا تنگ کر رہا ہے ،کمرے میں چارج پہ لگا ہوا ہے ،اسے چیک کر کے اپنے پاس رکھ لے۔اور کوئی کال آئے تو سُن لے ، ہم شام تک حویلی لوٹیں گے۔"

چوہدری حشمت ہال کے سامنے سے گزرتے نذیراں کو ہدایت کر رہے تھے ، اور بے وقت کی بھوک مٹاتی ڈائنگ میز پہ بیٹھی عیشال جہانگیر کے دماغ میں ہزار وولٹ کا بلب جگمگانے لگا۔چوہدری حشمت آگے بڑھ گئے تھے۔نذیراں حکم کی تعمیل میں آگے

بڑھی تھی لیکن راہ میں فریال نے روک لیا تھا۔اس سے پہلے کہ نذیراں ، سمہان آفندی تک پیغام پہنچاتی عیشال جہانگیر چھلانگیں لگاتی چوہدری حشمت کے حجرہ میں داخل ہوچکی تھی۔

تھوڑی سی کوشش سے ہی مطلوبہ نتائج مل گئے تھے۔اپنے سیل فون میں نمبر سیو کرکے وہ بڑی احتیاط سے دائیں ، بائیں دیکھ کر کمرے سے برآمد ہوئی تھی اور کمرے سے نکل کر یوں پوز کرنے لگی جیسے سامنے سے

25

چلی آرہی ہو۔

نمبر مل چکا تھا اب بس جلد سے جلد ڈراپ سین کرنا تھا۔اپنے کمرے میں جانے تک کا لمحہ بھی گراں گزرنے لگا تووہ راہداری میں ہی کال ملانے لگی اور چند بیل جانے کے بعد ہی کال ریسیو ہوگئی۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ!" باریک سی آواز میں سلام داغا گیا تھا۔وہ اک لمحے کو شش " وپنج میں پڑکے سیل فون کو کان سے ہٹا کر دیکھنے لگی۔

رئیس میاں سے بات ہو سکتی ہے۔ محترمہ۔؟" اسے حیرانی ہوئی کہ رئیس میاں کے نام "
سے سیو نمبر پہ کوئی خاتون کیسے فون اُٹھا سکتی ہیں۔

محترمہ۔۔۔؟ ہم رئیس میاں ہی بات کر رہے ہیں۔۔" باریک آواز میں دوسری "
طرف ناگواری سے اطلاع دی گئی۔

جی!" اب کے چونکنے کی باری اس کی تھی۔"

لاحول ولا قوت الا باللہ! جانے میں نے کیوں منحنی سے وجود میں گھمبیر آواز کا تصور "
رکھ لیا۔" آواز کی نزاکت پر سنالٹی کی طرح تھی۔وہ جی بھر کے بدمزا ہوئی۔

آپ کون خاتون بات کر رہی ہیں۔" اب کے دوسری جانب سے تفتیش کی گئی۔"

خاتون ہوں گی آپ کی لگتی سگتی۔۔۔ خبردار جو مجھے خاتون کہا۔۔۔" ناگواری سے "
ٹوک کے رہ گئی۔

جی! " یقیناً وہ جی بھر کے حیران ہوا ہوگا اس کے اندازِ تخاطب پر۔"

کیا جی جی لگا رکھی ہے۔۔۔اک ضروری مسئلے پہ آپ سے بات کرنی ہے۔" کلاس "
لیتے مدعا بیان کیا۔

پہلے تعارف تو کرائیں ، آپ ہیں کون عزیزی۔۔۔؟؟ " دوسری طرف استعجاب "

نمایاں تھا۔

کیا لکھنؤ سے ابھی ابھی آمد ہوئی ہے آپ کی۔۔۔ عزیزی ، وزیزی نا کہیں مجھے تو "

بہتر ہوگا۔۔۔ میں

26

"عیش۔۔۔۔۔۔

بولتے بولتے وہ جھٹکے سے گھوم کے رہ گئی تھی۔اس کا سیل فون ہاتھ سے نکل کر ہوا میں سفر کرنے لگا تھا۔غور سے دیکھنے پہ سمجھ آئی کہ فون ہوا میں نہیں بلکہ کسی کے ہاتھ میں ہے ، اور باقاعدہ اس سے چھینا گیا ہے۔

داجان کا پیغام سُنتے ہی سب سے پہلے تمہارا ہی خیال آیا کہ اگر جو تمہیں داجان کے " سیل فون کی بھنک

بھی پڑ گئی تو تم موقع سے فائدہ اُٹھاؤ گی۔اور وہی ہوا ، دا جان کے کمرے سے تمہیں بجوروں کی طرح نکلتے دیکھ کر سمجھ گیا تھا تم ہاتھ دکھا گئی ہو۔لیکن کال کرنے کی "اتنی بے چینی کہ اک لمحہ بھی ظاہر نہیں کیا۔۔۔

وہ سامنے آگیا تھا اور اب خشمگین نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

بھول گئی تھی ، اس حویلی میں کچھ ایسے وفا دار لوگ ہیں جو پیغام ملتے، بو سونگھتے ہی " سر پٹ دوڑ لگادیں گے۔" وہ بھی جواباً تیکھے لہجے میں مٹی پلید کر گئی۔

بڑوں کے حکم پہ تو جان بھی حاضر!" وہ مسکرایا۔"

نیم کا پیڑ خاصا مضبوط ہے ، جاؤ جاکے پھندا گلے میں ڈال کے جُھول جاؤ۔" وہ بری " طرح تلملا گئی۔

اور کوئی حکم!" چڑا رہا تھا۔"

یہ غلاموں والے سوال اپنے بڑوں سے ہی کیا کرو۔۔۔اتنی تابعداری پہ شاید کسی " "ایوارڈ سے نواز دیں۔۔۔ میرے سامنے ایکٹنگ کی ضرورت نہیں۔ میرا سیل فون۔۔؟

کال تو کٹ گئی۔" سیل فون لہرایا۔"

دوبارہ لگ جائے گی۔" لاپروائی سے کہتے فون لینے لگی۔"

شوق سے لگا لو۔" بنا حیل وحُجت کیے وہ سیل فون اسے تھما کے پلٹ گیا۔اس کی " شرافت پہ حیران ہوتی وہ

اس کی پُشت دیکھتی رہ گئی۔

اچھا ہے جلدی گھٹنے ٹیک کر چلتا بنا۔کون سا میں نے اس کی سُننا تھی۔" وہ سر جھٹک "
کر سیل فون کی طرف متوجہ ہوئی۔۔

ارے!" وہ حیرانی سے فون چھاننے لگی لیکن وہی ہوا جس کی اُمید نہیں تھی۔قسمت "
سے حاصل کیا گیا نمبر سمہان آفندی نے کمال چالاکی سے ریموو کردیا تھا۔

سمہان آفندی ! تمہیں تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" وہ بھڑک رہی تھی۔لیکن وہ "
سننے کو موجود نہیں تھا۔

☆☆☆

کئی گھنٹوں کے جان لیوا انتظار کے بعد چوہدری بخت کی حالت اُمید افزا بتائی گئی تھی
۔جسے سُن کر سب کی جان میں جان آئی۔دیا حویلی میں اطلاع دینا چاہ رہی تھیں لیکن

شاہ زر شمعون نے سب کی پریشانی محسوس کرکے اس عمل سے روک دیا تھا۔دیا اور ماہم مستقل ہاسپٹل میں تھیں۔دیا کی الزام دیتی نظریں محسوس کرکے شنائیہ خود کو مجرم تصور کر رہی تھی۔محبت کرنے والا باپ اس کی نادانیوں کی وجہ سے اس حال کو پہنچا تھا۔دیا نے باتیں بھی سُنا دی تھیں اور باپ کے لیے فکر مند ہونے کے ساتھ شاہ زر شمعون کو دیکھ کر اس کے خون میں شدید اُبال اُٹھنے لگا تھا۔ان سب کا ذمہدار وہی تو تھا۔

چوہدری بخت کی حالت خطرے سے باہر کہہ کر ڈاکٹر نے انہیں روم میں شفٹ کیا تو دیا نے ماہم کو گھر سے ضروری چیزیں لانے کو کیا،،لیکن اس سے پہلے ہی شنائیہ اُٹھ گئی۔

ان کی کیا ضرورت ہے۔۔۔میں اکیلی چلی جاتی ہوں۔" شاہ زر شمعون کو اُٹھتے دیکھ " کر وہ دیا کے آگے

28

منمنائی۔

یہ بات اُٹھنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔۔۔ماہم ہے ، تم ہلکان مت ہو۔دیا کے " اجنبیت بھرے انداز پہ وہ عجیب سی ہو گئی۔

ڈرائیور کے ساتھ جاکر میں گھر سے چیزیں لے آتی ہوں۔" شاہ زر شمعون کو نظر " انداز کیے وہ دیا کے آگے منمنائی۔

تمہاری من مانی نے تمہارے پپا کو اس مقام پہ لاکھڑا کیا ہے ، کم از کم اب تو " تھوڑی سی شرم کرو۔" دیا کے لتاڑنے پہ وہ لب کُچلنے لگی۔

چچی جان جو چیزیں منگوانی ہے ، مجھے بتا دیں ، میں لے آؤں گا۔" اسے مکمل نظر " انداز کیے وہ دیا سے مُخاطب تھا۔صاف ظاہر تھا وہ ساتھ چلنے سے انکاری تھی تو وہ کون سامرا جارہاتھا۔

جاؤں گی میں۔" ہٹ دھرمی سے کہتی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔دیا نے اشارہ کیا توشاہ " زر شمعون نے دو چار قدموں میں ہی جالیا۔

ان سب کے ذمہ دار آپ ہیں۔۔۔ نا آپ یہاں آتے نا یہ سب ہوتا۔" ساتھ چلتے وہ " خشمگیں نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

اپنے جملے کی تصحیح کرلیں۔۔ نا آپ بیک بون ٹوٹنے کا ڈرامہ کرتیں نا آپ کو کراچی "
لانے کی ذمہ داری داجان مجھے سونپتے۔۔۔ نا آپ رات گئے سڑکوں پہ ماری ماری
"پھرتیں۔۔۔۔ نا چچاجان کو اپنی تربیت پہ شرمندگی ہوتی، جو دل کا درد میں بدل جاتی۔

بے حد جتاتا ہوا لہجہ تھا۔شنائیہ چوہدری گردن موڑ کر اسے گھورنے لگی۔

یہ طلحہ کون ہے۔۔" سوال خاصا غیر متوقع تھا۔"

29

کون طلحہ۔۔؟؟" وہ چونکی۔"

آپ کا کلاس فیلو طلحہ۔۔۔" اب کے لفظ بم بن گئے۔"

جب جانتے ہیں کلاس فیلو ہے تو پوچھ کیوں رہے ہیں۔" چڑ گئی۔"

صرف کلاس فیلو ہے یا کچھ اور۔۔" وہ مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔شنائیہ "
چوہدری کو بلا کا غصہ آیا تھا۔

بتایا تو تھا، کوئی ہے جس سے دل کا رشتہ ہے۔۔۔یہ وہی ہے۔" اس کے سکون کو "
آگ لگانے کو اس سے بہتر موقع نہیں ملتا۔سو اس نے منہ بھر کے جھوٹ کہہ دیا۔اور
نتیجہ حسبِ حال تھا اس کا منہ سُرخ ہوگیا

تھا۔

☆☆☆

منزہ کے جھوٹ پہ ماورا رات بھر الجھتی رہی لیکن کوئی سرا ہاتھ نہیں آرہا تھا۔منزہ
کس سے باتیں کرتی رہی تھیں اور ان سے کیوں چھپایا تھا۔؟؟ یہ وہ سوالات تھے جو
اسے رات بھر ستاتے رہے۔۔لیکن جوابات کوسوں دور تھے۔

صبح سویرے ہی منزہ نے اسے جگادیا تھا کہ وہ اُٹھ کر تیاری دیکھ لے آج انوشا کی شادی
تھی۔اور بہن ہونے کے ناتے اس کی بہت سی ذمہ داریاں تھیں۔منزہ اسے کاموں کی
تفصیلات بتا رہی تھیں۔

اسی اثناء میں ان کا فون بجنے لگا تھا۔

آپ کی کال آرہی ہے اماں۔۔۔!" اس نے احساس دلایا تو منزہ باتیں روک کر فون "
کی طرف متوجہ

30

ہوئیں۔

سارے کام چھوڑ کے پہلے تم انوشا کو جگا کر ناشتا کروادو ، کہیں بھوکی نا رہ جائے۔" "
فون کی طرف دیکھ کر ان کے چہرے کا رنگ تیزی سے اُڑا تھا۔جسے اپنا وہم سمجھ کر وہ
سر ہلاتی چلی گئی تھی۔

کیوں فون کیا تم نے۔۔۔لگتا ہے اتنی ذلت کے بعد بھی پیٹ نہیں بھرا تمہارا۔۔" "
یحیٰ سرفراز کی کال دیکھ کر انہیں بلا کا غصہ آیا تھا۔پہلے تو وہ نظر انداز کرتی رہیں لیکن
دوسری طرف بھی ڈھیٹ مخلوق تھی۔ناچار تنگ آکر انہوں نے کال پک کرلی۔

جہاں دل چاہے تو میری بیٹی کی شادی کر اور میں چپ بیٹھ کر تماشا دیکھتا "
رہوں۔۔۔؟" اس کی باخبری

پہ منزہ کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

کون سی بیٹی۔۔ تمہاری کوئی بیٹی نہیں ہے ، ہمارا تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔" زور "
سے دھاڑیں۔

"تیرے بولنے سے کیا ہوتا ہے۔۔ تیرا میرا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ "

کون سا رشتہ۔۔۔؟؟ یحیٰ سرفراز تم بھول رہے ہو کہ تم نے مجھے طلاق دے دی "
"ہے۔

کوئی طلاق نہیں دی تو اب بھی میری بیوی ہے۔۔ "

خبردار جو تم نے پھر یہ بات اپنے منہ سے باہر نکالی۔۔ کوئی رشتہ نہیں میرا تم سے "
"۔۔تم جیسا بد بخت جتنی دور رہے اچھا ہے۔

آرہا ہوں میں ، دیکھ کیسے سب کے سامنے بتاتا ہوں کہ میری بیٹی کی شادی ہے اور "
مجھے ہی لاعلم رکھا۔" وہ دھمکانے لگا۔

تم ایسا کچھ نہیں کروگے۔" منزہ آنے والے وقت کا احساس کر کے لرزنے لگیں۔ "

میں ایسا ہی کروں گا۔" ہٹ دھرمی سے جتانے لگا۔ "

31

صرف اک راستہ ہے تیرے پاس، نیک نامی سے کمائی زندگی کو بچانے کا۔ بدنامی " سے بچنا چاہتی ہو تو ڈیل کر لو۔۔ انوشا کی بھلے شادی کر دو ، لیکن ماورا کو میرے "حوالے کردو۔۔ میرے بڑھاپے کا کوئی تو سہارا ہو۔۔۔

یحییٰ سرفراز ! اب اگر تم نے میری بیٹیوں کا نام بھی لیا تو منہ نوچ لوں گی " تمہارا۔۔۔" منزہ کا خون کھول اُٹھا۔

کوئی ثبوت نہیں ہے تمہارے پاس کہ تم ان بچیوں کے والد ہو۔۔ میرے پاس " ڈیتھ سرٹیفکٹ ہے مرحوم شوہر کا اور اپنی بچیوں کے باپ کی تصویر بھی ہے، کیا کر لوگے تم جب بچیاں خود کہیں گی کہ تم ان کے والد نہیں۔۔۔؟؟ ماورا نے تو تمہیں دیکھا ہے ، کیوں نا پہچان سکی تمہیں۔۔۔؟ کیوں کہ مجھے اندازہ تھا

"زندگی کے کسی نا کسی مقام پہ تم جیسا درندہ ہمیں نوچنے کو ضرور ڈھونڈ نکالے گا۔ ایسا کیا کیا ہے تو نے۔۔۔؟؟ کس یار کی تصویر دکھا رکھی ہے بیٹیوں کو۔۔؟" یحییٰ " سرفراز گالیوں پہ اُتر آیا۔

کل جس کے ہاتھوں پٹے احساس نہیں ہوا۔۔۔؟ " منزہ کا لہجہ استہزائیہ ہوگیا۔ " کون تھا وہ۔۔؟ " یحییٰ چونک گیا۔ اس کے ڈر سے منزہ کو حوصلہ ہوا۔ "

یقیناچوہدری جہانگیر کوتم ہر گز بھولے نہیں ہوگے۔۔۔آجاؤ بیٹی کی شادی میں تماشا " کرنے، ممکن ہواتو ملاقات بھی ہوجائے گی اس سے۔۔اس کے بیٹے نے جو حال کیا اُمید ہے کچھ افاقہ آیا ہوگا۔کہو تو جہانگیر کو بھی ملاقات کے لیے بلالوں۔۔بس کنفرم "کردو تم آرہے ہو, باقی کام میرا ہے۔

منزہ ڈر کو ہتھیار بنائے استعمال کر رہی تھیں , ورنہ خود ان کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔اگر جو وہ آکر تماشا کرتا تو جو کچھ انہوں نے کہا ساری تیاری کے باوجو د اک شخص کا آکر بیوی بچیوں کا دعویٰ کرنا بہت سے سوالوں کو جنم دینے کا ناصرف باعث بنتا۔بلکہ انہیں بہت سی نظروں کا سامنا بھی کرنا پڑتا۔اس

32

کے ڈر کو ہی اعلا ہتھیار بنا کر انہوں کے کہانی گھڑی تھی اور اس کا اثر خاطر خواہ ہوا تھا۔

اس سے رابطے میں ہیں تو۔۔؟؟" یحیٰ سرفرازدانت پیسنے لگا۔"

اس کے بیٹے کے ہاتھوں درگت بننے پر بھی تمہیں شک ہے۔۔۔؟ حیرت ہے۔۔۔ تمہیں کیا لگا تھا پیسے دیتے میں نے بس دھمکی دی تھی۔۔۔؟؟ چلو تم کچھ کرو تو ,

پھر بنفسِ نفیس تمہاری ملاقات کرواتی ہوں۔۔وہ ابھی بے خبر ہے کہ تم نے ہمیں ڈھونڈ نکالا ہے۔" منزہ کمالِ سکون سے لفظوں کی مالا پرو رہی تھیں اور یحیٰ سرفراز ، چوہدری جہانگیر کا سن کر ہی گالیوں کا طوفان نکالنے لگا تھا کیوں کہ اور کچھ کرنا اس کے بس کا کام نہیں تھا۔منزہ نے خاموشی سے کال بند کردی تھی۔

☆☆☆

حویلی میں اتناکچھ غیر متوقع ہورہا ہے کہ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے۔۔ندا آپی کا " کمرا نشین ہوجانا ، دا جان کی پابندی اور عیشال کا اس گھونچو سے منگنی ہوجا نا۔۔پتا نہیں "کیا ہورہا ہے۔

زرش بے دلی سے پیر پسار گئی تھی۔لڑکیاں ہال کے کونے میں براجمان تھیں عیشال جہانگیر ان سے ذرا فاصلے پہ موجود میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی ، پھر شاید کچھ پسند نا آنے پہ دھپ سے بند کر گئی۔

ساری باتوں پہ افسوس اک طرف۔۔۔لیکن مجھے تو سب سے زیادہ حیرت عیشال کے خاموش رہنے پہ ہے۔۔۔کہاں تو یہ لگ رہا تھا حویلی میں بھونچال آجائے گا اور کہاں یہ چپ ' بیٹھی ہے۔۔" شاذمہ اسے نظروں میں رکھتے دبی زبان میں گفتگو کر رہی تھی۔

حیرت تو مجھے بھی ہے لیکن حویلی میں رہنے کی وجہ سے اندازہ ہوگیا ہے کہ عیشال نے بھی جیسے ہتھیار

33

ڈال دیے ہیں۔۔۔ہمارے ماں باپ حویلی میں موجود ہیں اس کے باوجود ندا آپی کے لیے کوئی آواز نہیں اُٹھی جب کہ عیشال تو یتیم ہے ، وہ کیونکر ہمت کرے گی۔۔" یمنیٰ کا لہجہ افسوس لیکن تلخی لیے ہوئے تھا۔

کیا واقعی عیشال کی شادی اس ٹی بی کے مریض سے ہوجائے گی۔۔۔سچ میرے تو سوچ کے ہی رونگٹے کھڑے ہورہے ہیں۔؟؟" زرش کو جھرجھری آرہی تھی

ہمت کے لیے صاحبِ والدین ہونے کی ضرورت نہیں ہے مائی ڈیئر۔۔۔کون سی منگنی ، کیسی منگنی۔۔۔؟؟ اس دو ٹکے کی انگوٹھی کو جسے منگنی کے نام پہ پہنایا گیا اسے

تومیں گٹر میں بہا چکی۔۔۔رہی اس گھونچو سے شادی کی بات تو ایسا تو مر کے بھی ممکن نہیں ہوگا۔۔۔وقت آنے دو ، حویلی سے بھاگ جاؤں گی اور یہ نا کر سکی تو حویلی کو ہی آگ لگا دوں گی۔۔ظلمت کو نجات مل جائے گی۔۔یہ لوگ میرے وجود کو کفن تو پہنا سکتے ہیں ، مجھ سے نکاح نامہ پر سائن نہیں کروا سکتے۔۔فکر نا کرو تم سب "۔۔۔۔۔تماشا تو شادی کے دن ہوگا ، وہ بھی ٹکا کے۔

دیکھنے میں یوں لگ رہا تھا وہ ان کی سرگوشی سے بظاہر لاتعلق ہے لیکن جب میگزین میں سر دیے دیے ہی بولنے لگی تو سب ہی دم سادھے سننے لگیں۔۔نالفظوں میں گھن گرج تھی ، نا لہجہ آگ اُگل رہا تھا لیکن سپاٹ انداز اتنا بے خوف اور دوٹوک تھا کہ اک پل کو سب چُپ سی ہو گئیں۔حیرت ودکھ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک آر یا پار کی کیفیت طاری نا ہو جب ٹھان لیاجائے کہ زندگی اور موت کے بیچ سمجھوتا ضروری ہے یا ضد۔۔تب لہجہ بے خوف اور انداز سپاٹ ہوجاتے ہیں۔وہ جیسے سب کچھ ٹھان بیٹھی تھی۔اپنی ہم عصروں پہ اک مسکراتی نگاہ ڈال کر پلٹی تھی اور عین پیچھے سمہان آفندی کو دیکھ کر اک پل کو رکی ، وہ بھی بغور دیکھ رہا تھا۔انداز سے صاف ظاہر تھا وہ ساری باتیں سُن چکا ہے اوراس نے کون سا سرگوشی

میں کہی تھی جو وہ نا سُنتا۔اسے مکمل نظر انداز کر کے وہ ہال سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

کیا بکواس کر رہی تھیں تم سب کے سامنے۔" وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی "
جب سیڑھیوں میں ہی اسے جالیا۔

یو نو ایز ویل۔۔۔بکواس تو میں کرتی نہیں ہوں۔" جتاتے۔ "

تو تم حویلی سے بھاگ جاؤ گی۔۔؟؟" وہ نظریں جمائے کھڑا تھا۔نظریں کڑی اور لہجہ "
ناپسندیدہ تھا

جیسے اس کی یہ بات اسے اچھی نا لگی ہو۔

کیوں تم نے مُحافظوں کی فوج میرے پیچھے لگانا ہے۔؟" استہزائیہ انداز تھا۔"

تمہارے لیے محافظوں کی فوج کی کیا ضرورت ہے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ایسے کسی " بھی خیال کو عمل پہنانے سے پہلے سوچ لینا کہ تمہارے ہر عمل پہ حویلی والوں سے "پہلے میری نظر ہے۔

رکھو نظر کس نے روکا ہے۔۔" تمسخرانہ لہجہ تھا۔"

باز رہو ایسی فضول سوچوں سے۔" وارننگ سا انداز تھا۔"

جی باز رہوں ، اور اس ٹی بی کے مریض سے شادی کر کے آپ کو سکون پہنچانے کا " ذریعہ بنوں ،ہے نا۔۔؟" جلا کٹا انداز تھا۔

صرف مجھے نہیں ، تمہیں بھی سکون ملے گا جب شادی کر کے چلی جاؤ گی، یہاں " سے۔۔۔ تمہیں یوں بھی حویلی سے وحشت ہے دم گھٹتا ہے یہاں کے اصولوں "سے۔

35

اوہ! یعنی کیا اچھا حل نکالا ہے آپ نے میری وحشت دور کرنے کا۔۔تالیاں تو بنتی " ہیں آپ کے لیے۔" نخوت سے کہہ کر وہ تالیاں بجانے لگی۔وہ لب بھینچے دیکھتا رہا۔

کسی بھی ایسے ویسے سے شادی اگر مسئلے کا حل ہے تو یہ آپشن آپ استعمال کیجیے اور " داجان سے کہہ دیں کہ جلد ہی آپ کے سر پہ سہرا سجائیں تاکہ آپ کا مسئلہ حل ہو۔ میرے لیے سوچنے کے لیے میں اکیلی ہی کافی ہوں۔۔مجھے نا کسی کا ڈر ہے ، نا کسی کے ڈکٹیشن کی ضرورت۔" پل بھر میں اسے دو کوڑی کا کر گئی۔

ہمیشہ وہی نہیں ہوتا جو انسان کی سوچ اور پلاننگ کا حصہ ہو۔۔ہمیں قسمت اور " نصیب کا بھی سامنا ہوتا ہے۔۔خود غرض ہو کر اپنے مفاد کے لیے سوچ کر نسلوں کا نقصان کرنے والے تاریخ میں کبھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے۔۔۔امر ہونے کے " لیے ضبط ، برداشت اور اعلا ظرفی کی ضرورت ہوتی ہے۔

انداز ناصحانہ تھا وہ گھور کے رہ گئی۔

آپ مہان بنیں۔۔۔تاریخ میں اپنی غلامی کو سنہری حرفوں سے لکھوائیں ، لیکن میرا " راستہ روک کر پھر سے ـــــ" اچھاانسان " بننے کا فتویٰ لگانے آئے تو مجھ سے اچھی اُمید مت رکھیے گا۔۔۔۔ نفرت ہے مجھے آپ سے اور آپ کے اقوالِ زریں سے۔۔ بزدلوں کے منہ لگنامیں یوں بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں۔" رَج کے اس کی کلاس لے کر وہ رُکی نہیں تھی۔سمہان آفندی ضبط کر کے رہ گیا تھا۔

☆☆☆

" کیا کہا۔۔۔بخت کو ہارٹ اٹیک۔۔؟؟" چوہدری حشمت کھانے کی میز سے چند قدم ہی دور تھے جب ان کا سیل فون بجنے لگا۔چوہدری جہانگیر کی کال دیکھ کر انہوں نے نارمل انداز میں گفتگو شروع کی تھی۔لیکن ان کی جانب سے ملنے والی اطلاع پر وہ ٹھٹک گئے۔میز پہ موجود تمام اشخاص نے ان کا جملہ سُنا

تھا اور اب سب کی نظریں ان کی جانب اُٹھی ہوئی تھیں۔زمرد بیگم کا ممتا سے بھرا دل پھڑ پھڑانے لگا۔

" جی باباجان ! بھائی کو ہارٹ اٹک آیا تھا رات۔۔میں مل آیا ہوں۔اب حالت خطرے سے باہر ہے۔" چوہدری جہانگیر اطلاع دے رہے تھے۔

" ہمیں کسی نے اطلاع دینا بھی گوارا نہیں کیا۔۔شاہ نے بھی نہیں۔" انہیں استعجاب نے آگیا۔

آپ پریشان نا ہوں اس لیے سب نے اطلاع نہیں دی ہوگی۔" چوہدری جہانگیر نے "
فون کیا تو اپنے مسئلے کے لیے کیا تھا۔لیکن چوہدری بخت کا ذکر بھی منہ سے نکل گیا
۔ان کے علم میں نہیں تھا کہ وہ بے خبر ہیں۔اور اب بات سنبھال رہے تھے۔

پریشانی اپنی جگہ لیکن اتنی بڑی بات ہوگئی اور ہمیں کسی نے اطلاع دینا بھی گوارا "
نہیں کیا۔۔ بات کرتے

ہیں ہم بہو اور شاہ سے۔۔" چوہدری حشمت غصے میں آگئے۔

ٹھنڈے ہوجائیں باباجان۔۔ بھائی اب خطرے سے باہر ہیں۔۔ شاید میں نے آپ کو "
"بتاکر غلطی کردی۔اک ضروری بات کرنا تھی آپ سے۔

غلطی کیا ہے تم نے تو ہمیں اطلاع دی۔۔ شکر ہے بخت خیریت سے ہے۔بات "
تمہاری بھی درست ہے کہ ہماری پریشانی محسوس کرکے انہوں نے اطلاع نہیں دی
لیکن۔۔۔ خیر۔۔۔ کہو کیا بات کرنا تھی۔" انداز کچھ دھیما ہوا۔

صبح بی بی جان سے بات ہوئی ،سُنا ہے آپ نے عیشال کی منگنی کردی ، بہتر ہوتا آپ "
اسے رُخصت ہی کردیتے۔" ناگواری سے

"منگنی کردی ہے تورُخصت بھی کردیں گے۔تم پریشان نا ہو۔"

بابا جان میں چاہ رہا تھا نرمین اور سمہان کی منگنی کی بجائے نکاح جلد سے جلد "
ہو جائے، بہتر ہے آپ

37

سب بخت بھائی کو دیکھنے کے بہانے آئیں اور ساتھ ہی نکاح کا فریضہ بھی انجام دے "
"دیں۔

کہہ تو ٹھیک رہے ہو، ہم بات کرتے ہیں سب سے۔۔۔سب یہیں موجود ہیں۔" "
چوہدری حشمت پرسوچ انداز میں سب پہ نگاہ ڈال کے رہ گئے۔

بہتر ہے باباجان۔۔آپ سوچ کر مجھے جواب دے دیجئے تاکہ میں ہوٹل میں بکنگ "
"کروالوں۔

چلو ٹھیک ہے۔" الوداعی کلمات کہہ کر چوہدری حشمت نے فون بند کرکے کرسی "
سنبھالی تو سب کی نظریں ان پہ لگی رہیں۔

کیا ہوا ہے بخت کو۔" زمرد بیگم سے صبر نا ہوا۔ان کے بتانے سے پہلے پوچھ "
بیٹھیں۔

"بخت کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا لیکن شکر الحمدُللہ اب خطرے سے باہر ہے۔"

چاروں طرف شکر کے کلمات ادا ہونے لگے تھے۔

"سمہان اپنی اور میری ٹکٹ بک کروالو ہم کراچی جارہے ہیں۔۔زمرد بیگم آپ چلناچاہیں تو آپ بھی چلیں۔۔۔باقی سب بعد میں آجائیں گے۔" چوہدری حشمت پر سوچ نداز میں گویا تھے۔

"سب کیوں۔۔۔خیر ہے نا باباجان۔۔؟" چوہدری اسفند کو حیرت ہوئی۔

"جہانگیر کی خواہش ہے منگنی کی بجائے سمہان اور نرمین کا نکاح ہوجائے۔۔ہم دونوں جا ہی رہے ہیں آپ سب بھی آجائے گا۔ کراچی میں ہی سمہان کا نرمین سے نکاح انجام دے دیں گے۔"

چوہدری بخت کی طبعیت سے جڑی خبر ہی شاکنگ تھی کہ نکاح کا سُن کر سب اک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔عیشال جہانگیر نے اک قہر بھری نظر سمہان آفندی پہ ڈالی تھی۔

"معذرت کے ساتھ داجان۔۔۔آپ سب شوق سے کراچی جائیں۔۔میں نہیں جاؤں گی۔۔۔مجھے نا کراچی جانے میں کوئی دلچسپی ہے ، نا کسی کے نکاح میں۔"

38

سناٹے میں عیشال جہانگیر کی پاٹ دار آواز گونجی تھی۔سب ہی کی گردن اس کی سمت مڑگئی تھی۔جو بے

خوف وخطر گلاس میں پانی اُنڈیلنے کے بعد لبوں سے لگا گئی تھی۔آنسو کی نمی آنکھ کے کونے سے ظاہر تھی۔جسے صرف سمہان آفندی ہی محسوس کرکے کرب سے لب بھینچ گیا تھا۔

(جاری ہے)

ریحانہ آفتاب

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط # 18

"گستاخ لڑکی ! ہم نے تمہاری رائے کب مانگی۔۔؟"

چوہدری حشمت کی آواز غصے سے لرزنے لگی تھی۔

"آپ نے نہیں مانگی لیکن بتانا میرا فرض تھا۔" ماحول میں سراسیمگی سی پھیل گئی تھی۔ہر کوئی اپنی جگہ پتھرائے حواس سے اس ماحول کا حصہ تھا۔لڑکیاں تھر تھر کانپ رہی تھیں تو خواتین وحضرات اس کی جی داری پہ ششدر رہ گئے تھے۔سمہان آفندی

سپاٹ تاثرات لیے موجود تھا۔چوہدری حشمت شرر بار نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔اور وہ بے فکری کا عظیم مظاہرہ کر رہی تھی۔

"عیشال اپنے کمرے میں

جاو

نے۔۔۔" زمرد بیگم نے صورتِ حال سنبھالتے مداخلت کی تھی۔

"جا رہی ہوں دی جان۔۔۔لیکن داجان کو سمجھادیں کہ مجھے کراچی جانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" اب کے وہ نرم لیکن سابقہ مطالبہ دُہرا گئی۔

"لڑکی ایسا نا ہو کراچی کیا تم حویلی سے نکلنے کے قابل نا رہو۔۔۔" زمرد بیگم کو ثالث بنا کر اس نے اپنی بات دُہرائی تو چوہدری حشمت کا جلال عود کر آیا۔

2

"آپ پریشان نا ہوں ، بچی وہی کرے گی جو آپ کہیں گے۔" زمرد بیگم نے عیشال جہانگیر کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا ، اس کے تنے اعصاب پر سکون تو نہیں ہوئے لیکن زمرد بیگم کے لحاظ پر وہ خاموش رہ گئی۔

"باباجان ! ،بخت بھائی جان کی عیادت کے لیے ،کراچی جانے میں کسی کو کوئی ممانعت تو نہیں لیکن اسی ویک بی جان اور ہم سب نے عمرہ کی ادائیگی کے لیے جانا ہے۔اتنی جلدی نکاح کی تیاری کراچی میں ممکن ہوسکے گی۔۔۔؟؟"

متنازعہ صورتِ حال کو بدلنے کے لیے چوہدری اسفند نے لب کُشائی کی تو سمہان آفندی لب بھینچ گیا۔

"ہوں۔۔۔! یہ تو ہم بھول ہی گئے تھے۔۔" چوہدری حشمت پر سوچ انداز میں سر ہلا کے رہ گئے۔

"بابا جان ! نکاح میں اسفند اور فریال کی موجودگی ضروری ہے کہ سمہان ان کا بیٹا ہے۔پھر دی جان بھی موجود نہیں ہوں گی۔ان کی غیر موجودگی میں تقریب کیسے ہوگی۔ کراچی میں نکاح جہانگیر کی خواہش ہوگی باباجان۔۔۔ لیکن وہاں

گ

او

ں کے لوگ اور اقارب تو نہیں ہوں گے۔۔۔کیا مناسب نہیں کہ نکاح کی تقریب

گ

او

ں میں بی جان، اسفند اور فریال کے لوٹ آنے کے بعد رکھی جائے۔۔یہ اک تجویز ہے باباجان۔۔۔ باقی آپ جو مناسب سمجھیں باباجان۔۔۔۔آپ کا فیصلہ حرفِ آخر ہوگا۔"

"فیروز بھائی بجا کہہ رہے ہیں بابا جان ، باقی جو آپ کو مناسب لگے۔۔آپ کہیں گے تو ہم اپنے سفر کی تاریخ آگے بڑھا لیں گے۔"

چوہدری فیروز نے تحفظات گنوائے توچوہدری اسفند نے تائید کے ساتھ سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔

"نہیں ، اللہ کے گھر سے بُلاوا بار بار نہیں آتا۔۔۔تم سب

جاو

ں۔۔ہم سوچتے ہیں کُچھ۔" چوہدری

3

حشمت کی پُرسوچ آواز نکلی تو سب سر ہلا کے رہ گئے۔۔

عیشال جہانگیر کی بے خوفی نے اس کے لیے مزید مُشکلات پیدا کر دینے تھے لیکن بھلا ہو چوہدری اسفند اور چوہدری فیروز کا، جن کی بروقت دخل اندازی نے باتوں کا رُخ کچھ اس طرح مُوڑا کہ چوہدری حشمت کی توجہ کا مرکز اس وقت صرف چوہدری بخت کی عیادت اور ان سب کی روانگی بن گیا۔ باتوں کا رُخ موڑنے پہ سب نے شُکر کا سانس لیا تھا۔ سمہان کو ٹکٹ بک کروانے کا کہتے چوہدری حشمت جب نکلنے لگے تو عیشال جہانگیر کو فریال نے غیر محسوس طریقے سے اپنے پیچھے کر دیا تاکہ ان کی نظر اس پہ نا پڑے اور مبادا غصہ عود آئے۔ ٹکٹس بُکنگ کے لیے کال ملاتے سمہان آفندی نے ماحول کی پُر اسراریت کو بڑی اچھی طرح محسوس کیا تھا اور ناچاہتے ہوئے بھی کراچی کے لیے اپنی ٹکٹ بُک کروانے لگا۔

☆☆☆

"اب تو آپ سب کچھ جان چکے، طلحہ سے مل چکے۔۔۔ تو پھر میں اُمید رکھوں کہ آپ خود ہی طلاق دے دیں گے یا پھر میں خلع کے بارے میں سوچوں۔۔؟" سارا راستہ مکمل خاموشی رہی تھی۔ بھنچے لب سے ڈرائیو کرتے شاہ زر شمعون نے اسے مخاطب بھی نہیں کیا تھا۔ گاڑی پورچ میں آکر رُکی تو شنائیہ چوہدری نے سوال کرنا مناسب خیال کیا تاکہ اس کے خیالات سے آگاہی ہو۔۔۔

سوال پہ شاہ زر شمعون نے تفصیلی نگاہ ڈالی تھی۔چہرہ غیض وغضب سے سرخ ہوگیا تھا۔

"چچا جان آپ کی وجہ سے ابھی ان حالوں کو نا پہنچتے اور آپ نے تب یہ سوال کیا ہوتا تو جواب اتنا "تسلی بخش" دیتا کہ پھر کبھی لائقِ سوال نا ہوتیں۔۔۔ سگی اولاد کو بھلے ندامت نا ہو لیکن مجھے افسوس ہورہا ہے کہ

4

ایسی نابنجار اولاد باپ کو بستر تک لے آئی۔۔۔جو لڑکی سگے باپ کی پروا کیے بنا اپنے نفس کے آگے دوڑے اس سے کوئی بھی اچھی اُمید رکھنا ہیچ ہے۔۔۔۔

اگر آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ آپ میں کوئی سُرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔۔۔یا میں آپ کے عشق میں مر کر آپ کو نکاح میں رکھنا چاہتا ہوں تو آپ کی بہت بڑی بھول ہے۔۔۔بڑوں کے کہنے پہ آپ جیسی ناقابلِ برداشت ہستی کو اپنے نام کے ساتھ نتھی کرنے پہ مجبور ہوا۔۔۔اور نکاح کے بعد سے ناچاہتے ہوئے بھی آپ پہ نظر رکھنا میری ذمہ داری ہے۔۔۔آپ کے لیے نکاح کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی لیکن میرے لیے اس سے بڑی کوئی حقیقت نہیں کہ نکاح کے نام پہ ساری زندگی آپ

جیسی بدد ماغ لڑکی کو برداشت کرنا ہے۔۔۔پھر کبھی مجھ سے چھٹکارا پانے کی کوشش میں منہ سے ایسے لفظ مت نکالیے گا۔۔۔میری نظر میں نکاح کی اہمیت مسلم ہے ،آپ کی نہیں، یاد رکھیے گا ، پھر سے خلع ، طلاق جیسے لفظ منہ سے نکالنے پہ آپ کا حشر بھی برا ہو جائے گا۔۔۔۔

نا پسند تو آپ شروع سے ہیں اب تو نفرت سی ہو گئی ہے۔۔۔محبت ہوتی تو شاید معاف کرکے در گزر کر دیتا۔۔لیکن نفرت کے اس کھیل میں آپ کا اسکور ہر گھڑی بڑھتا ہی جا رہا ہے۔۔۔جس کا خمیازہ آپ کو ساری زندگی بھگتنا پڑے گا۔۔۔منکوحہ ، بیوی بن کر بھی آپ شاہ زر شمعون کے سائے کو ترسیں گی۔۔۔۔کبھی چھوڑوں گا نہیں آپ کو لیکن اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ بیوی کا درجہ دوں۔۔۔آپ کی حیثیت ، اہمیت میرے نزدیک پیروں تلے آتی چیونٹی سے بھی کم ہے۔۔۔جب چاہوں مسل کے غرور خاک میں ملا دوں۔۔۔لیکن آپ کے لیے اپنی تھوڑی سی بھی انرجی خرچ کروں۔۔۔۔ہونہہ۔۔۔آپ اتنی بھی اہم نہیں۔۔۔

5

اُمید ہے اس خطاب کے بعد اپنے حُسن ، خوبصورتی سمیت آپ ساری خوش فہمی سے نکل آئی ہوں گی۔۔۔ میرے نام پہ دستخط کر دیے ہیں تو بس سمجھیں موت کا پروانا ہی اب آپ کو اس قید سے نجات دلائے گا۔۔۔

شکل گم کریں اپنی ، چچی جان نے جو سامان منگوایا ہے اسے تیار کر کے میرے حوالے کریں۔۔۔اور آپ کو میرے ساتھ دوبارہ سفر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے ، آپ کی موجودگی باعثِ گھٹن ہے میرے لیے۔۔۔ "

زمانے بھر کی نفرت وحقارت اس کے لہجے میں آسمائی تھی۔اس کی ذات کو دو کوڑی کا کر کے وہ رُکا نہیں تھا، روندتا ہوا اندر بڑھ گیا تھا۔۔۔اور پیچھے وہ شعلہ جوالہ بنی اس حقارت کے احساس سے بھسم ہو رہی تھی۔۔۔۔

"جاہل انسان کو مجھ سے نفرت ہے تو میں کون سا اس کے فراق میں مری جا رہی ہوں۔۔۔۔" اپنے کمرے میں ٹہلتے وہ اپنا غصہ ٹھنڈا کر رہی تھی لیکن اُبال تھا کہ اُٹھتا جا رہا تھا۔

"سمجھتا ہے میں اس کے حکم کی غلام ہوں۔۔۔ نفرت کرتا ہے مجھ سے۔۔۔مائے فُٹ

بت

او

ں گی نفرت کرتے کیسے ہیں۔۔۔ نکاح ہوگیا تو جیسے خرید لیا مجھے۔۔۔اس کے اشاروں پہ چلوں۔۔۔۔ میری جوتی کو پروا نہیں اس کے احکامات کی۔۔۔وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔۔ ہوتا کون ہے مجھ سے بکواس کرنے والا۔۔۔"

بڑبڑاتی ہوئی وہ ضروری سامان سمیٹنے لگی ، دھیان بار بار بھٹک رہا تھا۔۔۔اس کے کہے لفظوں کی بازگشت سے تن من سُلگ رہا تھا۔۔ کیسی تضحیک سی تضحیک تھی۔۔۔اسے نیچا دکھانے اس کے خلاف چلنے کا پلان

6

بناتے وہ طلحہ کا حادثاتی

ٹکراو

ں اور شاہ زر شمعون سے کہے گئے جھوٹ کے اثرات تک فراموش کر گئی تھی۔۔۔غصے نے حواس مزید سلب کر لیے تھے۔۔

شاہ زر شمعون ، ملازم کو دیا اور ماہم کے لیے کھانا پیک کرنے کی ہدایت کررہا تھاجب پورچ میں گاڑی کے ٹائر بُری طرح چر چرانے کی آواز پہ وہ سرعت سے پورچ تک آیا لیکن تب تک شنائیہ چوہدری زن سے اپنی گاڑی نکال لے گئی تھی۔۔۔۔بیک ویو مرر سے شاہ زر شمعون کو آتے دیکھ کر شنائیہ چوہدری کے چہرے پہ استہزائیہ رنگ پھیل گئے تھے جسے بگڑے تیور کے ساتھ شاہ زر شمعون نے بغور دیکھا تھا۔اس کے لفظوں کو وہ بری طرح چیلنج کر گئی تھی۔

☆☆☆

دکھاں مینوں مار مکایا

سکھاں دا اے کال نی مائے

جندڑی میتھوں نبھدی ناہیں

اک واری فیر پال نی مائے

"تم نے جانے میں اتنی جلدی کیوں کی ماں۔۔۔ذرا نہیں سوچا کہ تمہارے پیچھے تمہاری عیشال کا کیا ہوگا۔۔۔؟ یہ بھی نا سوچا کہ جب تم ان کے ستم برداشت نا کر سکیں تو تمہاری عیشال کیسے برداشت کرے

7

گی۔۔۔؟؟ سانسوں کا خراج دے کر تم تو چلی گئیں اور اپنی عیشال کو ان بے رحم لوگوں کے حوالے چھوڑ گئیں۔۔؟؟

یہاں کوئی اپنا نہیں ہے ماں، کوئی نہیں۔۔۔ جسے اپنا سمجھتی رہی اس کے لیے حویلی والوں سے وفاداری مجھ سے بڑھ کے ہے۔۔۔وہ مجھے سولی پہ چڑھتے دیکھ سکتا ہے لیکن حویلی والوں کے خلاف نہیں جا سکتا۔۔۔ کم ہمت ، بزدل انسان ہے۔۔۔۔

میں کہاں

جاو

ں ماں۔۔۔؟؟ کس کو اپنا درد

بت

او

ں۔۔۔ کس سے کہوں کہ اب برداشت نہیں ہوتا۔۔۔؟ اب سہا نہیں جاتا۔۔۔

تمہاری عیشال کا رشتہ طے ہو گیا۔۔؟ تم نے دیکھا نا، سچ بولنے کی کیسی سزا مل رہی ہے، تمہاری عیشال کو۔۔۔یہ لوگ جو چاہے کرتے رہیں۔۔ تمہارے پاس آجاو

ں گی لیکن وہ نہیں کروں گی جو حویلی والے چاہتے ہیں، جو وہ چاہتا ہے، اچھی لڑکی بن کے کمپرومائز کی زندگی نہیں گزاروں گی۔۔۔وہ نہیں تو کوئی نہیں۔۔۔

وہ نہیں سمجھتا ماں۔۔۔وہ بھی حویلی والوں کی طرح ظالم ہے۔۔۔ان ہی کی طرح بے حس۔۔۔اسے بھی میرا درد نظر نہیں آتا۔۔۔وہ تمہاری دُشمن کی بیٹی کو اپنانے جارہا ہے۔۔۔میں کیا کروں ماں۔۔۔کیسے روکوں اسے جو کھل کے اپنائیت کا اظہار تک کرنے کی جرات نہیں رکھتا۔۔۔بُہت غلط شخص کو چُن لیا اس دل نے۔۔ماں۔۔بُہت غلط شخص کو۔۔۔"

جب کوئی سُننے والا نا ہو تو اپنا آپ ہی ہوتا ہے جس سے کتھارسس کیا جاتا ہے

۔۔۔۔ماں نہیں تھی۔۔ مشکلوں سے پرانے البم میں صائقہ کی تصویر ملی تھی ، چوہدری جہانگیر کے ڈر سے سب نے صائقہ کی

8

یادیں تک مٹا دی تھیں لیکن اکلوتی تصویر فائزہ کے البم سے نکل آئی تو وہ ساتھ لے جانے کی ضد کرتی رہی۔فائزہ دینے میں تعامل کر رہی تھیں کہ مُبادا کسی کی نظر پڑے اور ان کی سختی آجائے۔

"تائی جان۔۔اپنی ماں کے نقوش میرے حافظے تک سے محو ہوگئے تھے۔۔ چھوٹی تھی ، کیا خبر تھی کہ اتنی جلدی اکیلی چلی جائیں گی۔۔ خبر ہوتی تو جی بھر کے دیکھ لیتی ۔۔نقش دل میں بسا لیتی۔۔قسمت سے ماں کی تصویر مل گئی ہے تو آپ دینے سے ڈر رہی ہیں۔۔۔آئی سوئیر۔۔اس تصویر کے لیے آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔بُہت چھپا کے رکھوں گی تصویر کو۔۔۔میرے پاس ماں کی یہی آخری نشانی ہوگی۔۔۔پلیز تائی جان مجھے دے دیں۔۔"

وہ اتنی لُجاجت سے بولی تھی کہ فائزہ کا دل کٹنے لگا۔۔۔اک بیٹی ماں کی تصویر بھکارن بن کے مانگ رہی تھی۔پہلے ہی اتنی محرومیاں نصیب میں آئی تھیں کہ ان میں مزید کا اضافہ کرنا فائزہ کو اچھا نہیں لگا۔اور تب سے جب کبھی زندگی تنگ لگتی تھی صائقہ کی تصویر آگے کرکے وہ کتھارسس کرنے لگتی تھی۔اور دل کا بوجھ ہلکا ہونے لگتا تھا۔اب بھی گھٹنے سینے تک سمیٹے صائقہ کی تصویر سے باتیں کرتے آنسو تیزی سے تصویر پہ گر رہے

تھے۔آنسوو

ں کی یلغار سے گلہ دُکھنے لگا تھا۔۔تب ہی اس کی سرسراتی آواز نکلی۔

"شاید وہ نا ہو جو میں چاہتی ہوں لیکن وہ بھی نہیں ہوگا ماں جو یہ سب چاہتے ہیں ۔۔۔ان سب کو جیتنے نہیں دوں گی۔۔۔ تمہاری عیشال اتنی بزدل نہیں ہے جو خاموشی سے اندھے کنوے میں چھلانگ لگا

کر انہیں جیتنے کا موقع دے۔۔۔اگر بازی نا پلٹ سکی تو اپنے پاس جگہ رکھنا، میں جلد آو

ں گی ماں۔۔"

روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔آواز

آنسوو

ں میں ڈوب گئی تھی۔۔

☆☆☆

9

سورج نکلتے ہی منزہ نے اسے چکٹ پھیری بنا دیا تھا۔گو کہ آس پڑوس کے چند لوگوں کو ہی مدعو کیا گیا تھا۔۔پچاس افراد تک باراتی کی آمد متوقع تھی، جن کے بیٹھنے کا انتظام باہر گلی میں ٹینٹ لگا کر کیا جانا تھا۔جہاں ڈیکوریشن والا اپنی ذمہ داری پوری کررہا تھا۔ نکاح گھر میں ہونا تھا عورتیں تو ہر جگہ دندناتی پھرتی ہیں اسی خیال سے منزہ نے اسے ہولائے رکھا تھا۔۔اکیلی ماورا غلاف ، چادر ، دسترخوان اور انوشا کو دُلہن بنانے کے خیال سے پریشان بار بار گھڑی کی اُور دیکھ رہی تھی۔

"اماں سارے کام کردیے ہیں۔۔۔کچھ رہ گیا ہے تو بتائیں ، ورنہ پھر میں انوشا کو تیار کرنے کا کام شروع کروں۔۔" وہ کچن سے پسینے میں شرابور نکلی تھی۔بریانی کی دیگ

پکوان سینٹر سے وقت پہ آجاتی لیکن آنے والے مہمانوں کے لیے مشروب اور میٹھا بنانے کی ذمہ داری منزہ نے اسے سونپا تھا۔

"چلو اچھا ہے تم نے کام تو نبٹا لیا۔۔پہلے تم تیار ہو جاو

ن پھر انوشا کو کردینا کہ بارات آگئی تو کم از کم ہم دونوں استقبال تو کر سکیں۔یوں بھی وقت کم ہے۔۔" منزہ نے سکون کااظہار کرتے وقت کی کمی کا احساس دلایا تو وہ سر ہلا گئی۔

"آپ کا سوٹ آئرن کرکے کمرے میں رکھ دیا ہے آپ بھی تیار ہوجائیں اور پریشان نا ہوں سب اچھے سے ہوجائے گا۔"

"گرمی بُہت ہے۔ہے بھی دن کی شادی۔۔۔سوچ رہی ہوں برف منگواکر پانی ٹھنڈا کرلوں ، ورنہ لوگ کہیں گے اتنی تپتی دوپہر میں کھولتا ہوا پانی پلایا۔۔" اس کی بات ان سُنی کیے منزہ نے پُرسوچ انداز سے کہتے تائیدی نگاہ ڈالی تو وہ بھی اثبات میں سر ہلا گئی۔

"یہ بہتر رہے گا ، گرمی تو واقعی بہت ہے۔"

"پھر میں جاتی ہوں شاہد بھائی کو برف کے پیسے دینے۔باہر ڈیکوریشن والے کو بھی دیکھ لوں ، اس کا کام مکمل ہوا بھی کہ نہیں۔۔یہ ناہو ٹینٹ لگنے سے پہلے بارات ہی آجائے۔" منزہ فکر مندی سے کہتی عجلت میں آگے بڑھی تھیں ، ماورا یحیٰ بھی کمرے میں جانے کے لیے پلٹی تھی تب ہی دستک کے ساتھ دروازہ کھلا تھا اور " السلام علیکم " کی آواز پہ اس کا سر میکانکی انداز میں گھوما تھا۔

[redacted] خوشی ہورہی ہے تمہیں دیکھ کر۔۔"

ایشان کے لیے شربت لے کر
آو

نے--"

ان دونوں کے کلمات سے وہ ششدر رہ گئی تھی کہ منزہ نے اسے حکم بھی دے دیا۔

"اتنی جلدی پنکھے میں بیٹھنے تھوڑی آیا ہوں آنٹی---آپ کی مدد
کرواو

نں کا ساتھ لگ کے--ہاں لیکن شربت پینے کے بعد---" کن انکھیوں سے اس کے شرابور حلیے اور چہرے کی تپش کو محسوس کرتے اس کی مسکراہٹ لبوں سے جُدا ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔اسے دیکھ کر منزہ کو کس قدر سکون ملا تھا وہ

11

بتا نہیں سکتی تھیں---گو کہ جھوٹ بول کر انہوں نے یحیٰ سرفراز کے سارے کس بل نکال دیے تھے۔لیکن پھر بھی اس کی طرف سے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ آکر

کوئی ہنگامہ نا کھڑا کردے اسی ڈر کو سوچ سوچ کر ان کا دماغ پکنے لگا تھا تب ہی اُنہوں نے ایشان جاہ کو بلانے کے خیال کو عملی جامہ پہنایا تھا۔ عزت سے آج کا دن نکل جانے کے لیے وہ دعا گو تھیں۔۔ تنہا عورت کا بیٹی کی شادی کرنا کتنا مشکل عمل تھا انہیں بخوبی اندازہ تھا اور اس وقت جب کہ یحیٰ سرفراز جیسا درندہ پھاڑ کھانے کو موجود ہو۔

"اس اپنے پن کے لیے شکریہ بیٹا۔۔ تم شربت پیو میں تب تک پڑوس سے ہو آتی ہوں۔۔" منزہ نہال ہوتی چلی گئی تھیں۔ پیچھے وہ دونوں رہ گئے تھے۔

"آپ کے ہاں گھر آئے مہمان کو شربت پلانے کا کا رواج نہیں۔۔" ماورا یحیٰ کے ہونق انداز کو اس نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے دیکھا تھا۔ انداز میں شوخی تھی۔

"اماں کے کمرے میں تشریف رکھیں۔۔ لاتی ہوں۔۔" لفظ چبا کر ادا کیے۔

"خود ہی لائے گا کسی سے بھیجے گا نہیں۔۔" دوبارہ شوخی کا اظہار ہوا تو اس نے سخت نظروں سے دیکھنے کا فریضہ انجام دیا۔۔

"گھر آئے میں تھوڑی سی شرم بھی ہو کہ شربت کا تقاضا منہ پھاڑ کے نا کرے۔" اس نے بھی ناگواری کا اظہار کھلے لفظوں میں کر دیا تو وہ محظوظ ہوا۔۔

"جتنی مرضی بے عزتی کرلیں ، اب آپ کی باتوں کا برا نہیں مانتا۔۔" عجیب معنی خیز لہجہ تھا۔وہ منزہ کے کمرے کی اُور بڑھنے لگا تھا۔ماورا یحیٰ بُری طرح چونک کراس کی پُشت کو دیکھنے لگی تھی۔

12

☆☆☆

"یہ میڈیسن لے لیں۔۔"

چوہدری بخت کئی گھنٹوں کی آبزرویشن کے بعد روم میں منتقل ہوگئے تھے۔اک گہری خاموشی ان کا
گھیراو

نے کرچکی تھی۔دیا اور ماہم ان کا دھیان بٹانے کی کوشش کررہی تھیں لیکن ان کی خاموشی نہیں ٹوٹ رہی تھی اپنے زندہ بچ جانے پر وہ جیسے ناخوش سے تھے۔شنائیہ اور شاہ زر شمعون کی غیر موجودگی پہ انہوں نے بس سوال اُٹھایا تھا اور جواب سُن کر

چُپ ہوگئے تھے۔ان کی خاموشی پہ دیا میڈیسن لیے کھڑی تھیں تب ہی ان کا سیل فون بجنے لگا۔

"حویلی سے داجان کی کال ہے۔۔" ماہم فون کے پاس ہی بیٹھی تھی۔دیا کے دیکھنے پہ فون کی اسکرین پہ نظرڈال کر دیا کو بتانے لگی۔

"حویلی میں اطلاع دینے کی کیا ضرورت تھی۔" چوہدری بخت دھیمی لیکن ناگوار انداز میں گویا ہوئے۔

"اطلاع تو کسی نے نہیں دی۔۔شاہ نے بھی منع کیا تھا تو میں نے کسی سے کوئی بات نہیں کی۔۔۔ معمول کی کال ہوگی۔" دیا جلدی سے صفائی دیتی کال پک کر گئی تھیں۔۔

"نہیں باباجان۔۔ وہ۔۔۔اصل میں۔۔۔۔دراصل۔۔۔"

ان کے سلام کے جواب میں جانے کیا کہا جارہا تھا کہ وہ گڑبڑا کر صفائی دینے کے لیے کوشاں تھیں لیکن دوسری طرف سے انہیں بولنے کا موقع دیے بنا چوہدری بخت بولے جارہے تھے۔۔دیا کے انداز سے انہیں کچھ کچھ اندازہ ہوگیا کہ وہ شاید باخبر ہوچکے ہیں اور اب دیا کی کلاس لگ رہی ہے۔

"بخت اب ٹھیک ہیں بابا جان۔۔جی جی کریں ان سے بات۔۔" دیا گڑبڑا کر چوہری بخت کی طرف

13

دیکھ رہی تھیں کجانے وہ بات رہبی پائیں گے کہ نہیں۔۔ان کے انداز کو سمجھ کرانہوں نے پہلے ہی ہاتھ بڑھا دیے تھے۔دیا نے سیل فون ان کو تھمادیا۔۔

نحیف ومزور آواز میں انہوں نے سلام کیا تھا اور چوہدری حشمت نمناک آواز کے ساتھ گلہ آمیز غصہ کر رہے تھے۔۔

"آپ پریشان ہوں گے یہ سوچ کر کسی نے آپ کو نہیں بتایا ہوگا باباجان لیکن اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔بس تھوڑی دیر میں ڈسچارج لے لوں گا۔۔" سمجھانے لگے تھے۔

"ہمیں بُہت ناراضگی ہے سب سے۔شاہ نے بھی اطلاع نہیں دی۔۔تم لاکھ کہو کہ ٹھیک ہو لیکن ہمارا دل نہیں مان رہا،رات کی فلائیٹ سے ہم آرہے ہیں کراچی ، سمہان کے ساتھ۔۔" چوہدری بخت بے قراری سے گویا ہوئے۔۔

"میں جانتا ہوں باباجان آپ ہوائی سفر کو سخت نا پسند کرتے ہیں۔۔لیکن میری مُحبت میں آپ بے آرام ہوں یہ گوارا نہیں۔۔۔یقین کریں میں بالکل ٹھیک ہوں اور اب سے آپ کو فکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔۔۔آپ نا آئیں باباجان۔۔۔ آج ڈسچارج لے کے ممکن ہوا تو رات ورنہ اگلے دن ہم حویلی آرہے ہیں۔۔۔ہمیشہ کے لیے۔۔" دیا اور ماہم چونک کر اک دوسرے کی شکل دیکھنے لگی تھیں۔

"واقعی تم ہمیشہ کے لیے آرہے ہو۔۔؟ لیکن اس وقت تمہارا سفر کرنا مناسب نہیں ۔۔۔" خوشی کا اظہار کرتے چوہدری حشمت فکر مند ہوئے۔

"یہاں رہ کے جتنی اذیت محسوس کر رہا ہوں ، سفر کی اذیت تو اس سے کم ہی ہوگی باباجان۔" رنجیدہ لب ولہجے پر دیا لب کاٹنے لگی تھیں۔

14

"یہ تو تم نے بُہت بڑی خوشخبری سُنادی۔۔۔ہم حویلی میں سب کو بتا کر تمہارے لوٹ آنے کے انتظامات کرواتے ہیں۔" خوشی ان کے انداز سے جھلک رہی تھی۔۔چند اک بات کرکے انہوں نے کال منقطع کردی تھی۔

"دیا بیگم۔ڈسچارج کے ساتھ اپنا اور میرا ریزائن لیٹر بھی ہاسپٹل میں جمع کرواتی جایئے گا۔۔ماہم بیٹا گھر جانے کے بعد پیکنگ کرلو۔۔ہم ہمیشہ کے لیے حویلی واپس جارہے ہیں۔۔۔" دیا کو ہدایت دے کر وہ ماہم کو مُخاطب کرکے اس کی شکل دیکھنے لگے کہ شاید شنائیہ کی طرح اسے بھی اعتراض ہو۔۔

"اوکے پاپا۔۔میں کرلوں گی آپ پریشان ناہوں۔" اس کے مسکرا کر کہنے پہ آنکھیں موند گئے تھے۔سب ان کے فیصلے کو بنا چوں و چرا کیے مان گئے تھے اور اس فیصلے سے وہی ناواقف تھی جس کے اعتراض کے واضح امکانات تھے۔

☆☆☆

کبھی یوں جو ہو کسی دن اگر

میرے ہم سفر تو جو نا ملے

میں ہزار دھڑکنوں کو کھینچ کر

یہ جو چلتا دل ہے باندھ دوں

یہ جو سلسلے ہیں میری سانس کہ

15

تیری دوری میں ہی ہار دوں

تُو جو پاس ہو تو میں جی سکوں

تُو جو دور ہو نا جیا کروں

زندگی کا خوبصورت لمحہ مُحبت کے دِنوں میں قید ہے ، جہاں دلفریب باتیں آج بھی لبوں پہ مُسکراہٹ بکھیر دیتی ہیں تو وہیں دل شکن یادیں آنکھیں نم کردیتی ہیں۔۔۔ تمہیں کیسے

بت

او

ہیں کہ مُحبت کبھی بے اثر نہیں رہتی اور جو بے اثر ہو وہ مُحبت نہیں ہوتی۔۔۔

مُحبت کے لیے الفاظ نہیں جذبات ہوتے ہیں ، جذبات دکھائی نہیں دیتے ، بس محسوس کیے جاتے ہیں۔۔ کر سکو تو کر لو کہ یہ پاگل تم سے دیوانوں کی طرح مُحبت کرتا ہے ۔۔۔لڑتا ہے ، جھگڑتا ہے لیکن تم پہ مرتا بھی ہے۔۔۔

مُجھے نہیں پتا تم ملو گی یا نہیں۔۔ میری بانہوں کی گرمی ، سینے کی ٹھنڈک محسوس کر کے میرے دل کی دھڑکن کان لگا کر سُن بھی سکو گی یا نہیں لیکن اتنا ضرور ہے ، عمر بھر یہ دل ویران نہیں ہوگا۔۔۔ تمہاری مُحبت، تمہارا احساس ، تمہاری باتوں نے دامنِ دل کو سجا رکھا ہے۔۔جو تم مل گئیں تو زندگی سے کوئی شکوہ نہیں رہے گا۔۔زندگی تمہارے ساتھ محسوس ہوتی ہے۔۔تم ہو تو میں ہوں۔۔۔۔"

لفظوں کی حدّت بڑھنے لگی تھی۔کمرے کی تاریکی ، سفید پردوں کی سرسراہٹ نے چٹان جیسے دکھائی دینے والے سمہان آفندی کو عیاں کر دیا تھا۔۔۔عیشال جہانگیر سمیت ہر اک کو بظاہر مطمئن دکھائی دینے

16

والا اندر سے کتنا ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا یہ شاید کوئی جان بھی نہیں سکتا تھا۔۔۔ پہلے شاہ سے نسبت طے ہونے کی خبر ، پھر نرمین کا طلب گار بن کے سامنے آنا اور اب عیشال کی رئیس میاں سے منگنی۔۔۔وہ مضبوط اعصاب نا رکھتا تو شاید اب تک حواس ہی کھو بیٹھتا۔۔۔

حالات و واقعات تابع تو کبھی نہیں رہے تھے لیکن ہوا اتنی مخالف میں چلے گی اس کا بھی اندازہ نہیں تھا۔۔عیشال کی بے صبری اور باغیانہ روش نے اسے اتنی جلدی اُبھار دیا تھا کہ اس کی لانگ ٹرم پلاننگ دھری کی دھری رہ گئی تھی۔۔۔اسے ستانا ، چڑانا اپنی جگہ لیکن اس کا بکھرتا وجود دیکھنا کبھی آسان نہیں رہا تھا۔وہ جب بھڑک کر مقابل آکھڑی ہوتی تھی تو اسے ہینڈل کرنا دشوار لگتا تھا۔۔اپنے کرب کو چھپا کر اس کے درد کی ٹیسیں برداشت کرنا دوبھر ہوجاتا تھا۔۔۔۔ کرتا بھی تو کیا۔۔۔؟؟ بھڑتا بھی تو کس سے۔۔؟ ؟ ان سے جن کے لیے جان کی بازی لگائے پھرتا تھا۔۔ !!

ست روئی سے چلتے قدم ریک پہ آکر رُک گئے تھے۔دراز کھلا تھا اور اس میں سے اک پنڈورا باکس کھلا تھا جس کے اوپر سُنہرے لفظوں میں DREAMدرج تھا ۔۔باکس اُٹھائے وہ بیڈ تک آگیا تھا۔۔۔اور دیکھتے ہی دیکھتے اس میں سے نکل کر کتنی ہی چیزیں بستر پہ بکھر گئی تھیں ، ماضی کی یادوں کی طرح۔۔ کہیں عیشال جہانگیر کی چھوٹی سی پونی تھی تو کہیں لالی پاپ کی اسٹک۔۔۔ کہیں چھوٹی سی پونی میں اسکول کے پہلے

دن کی عیشال کی منہ بسورتی تصویر تھی تو کہیں اس کی ٹوٹی چوڑیوں کے ٹکڑے۔۔اس کی باربی کا ٹوٹا ہاتھ تھا تو چھوٹی سی لپ اسٹک جسے بچپن میں لگا کر وہ اترائے پھرتی تھی۔۔

"دیکھ موٹی ! یہ لپ اسٹک نالگایا کر۔۔مجھے اس کارنگ نہیں پسند۔۔" جیکٹ کی زپ کھول کر جیکٹ اُتار کر بازو پہ ڈالتے وہ نا پسندیدگی کا اظہار کر گیا تھا۔

17

"ہیلو ! تمہاری پسند پوچھی کس نے۔۔؟؟ مجھے پسند ہے ،میں تو

لگ

او

ں گی۔" فریال سے بالوں کی فرنچ بنوائے ، بھرے بھرے ہونٹوں پہ من پسند لپ اسٹک لگائے وہ اٹھلا رہی تھی۔۔

"منع کر رہا ہوں نا۔۔۔" انداز میں سختی آگئی تھی۔

"مجھ پہ زیادہ رُعب جمانے کی ضرورت نہیں۔اچھا۔" حسبِ عادت وہ بدک گئی تھی۔

" تو لگا پھر دیکھ میں کیا کرتا ہوں۔۔" دھمکی دی گئی۔

"میں تو

لگ

او

ڑں گی ، روک سکو تو روکو لو۔" فرنچ کی چوٹی جھلاتی وہ چلی گئی تھی۔

اڑیل تو بچپن سے ہی تھی۔ کھلا چیلنج کر آئی تھی۔اور وہ کتنا شاطر تھا یہ بعد میں کھلا جب وہ من پسند لپ اسٹک ڈھونڈ ڈھونڈ ہار گئی۔

"تم نے چُرائی نا میری لپ اسٹک۔۔؟" کمر پہ ہاتھ ٹکائے وہ مرنے ، مارنے کو آگئی تھی۔

"میں کیوں چُرانے لگا۔۔۔۔لپ اسٹک لگاتے اچھا لگوں گا۔۔" صاف مکر گیا۔

"تمہیں نا پسند تھی۔" وہ گھور رہی تھی۔

"ناپسند تو تم بھی ہو ، کبھی کتوئے میں دھکیلا۔۔؟" چڑانے لگا۔

"شرافت سے میری لپ اسٹک دے دو ورنہ میں چاچی سے شکایت لگا دوں گی۔" وہ ماننے کو تیار ہی نا تھا ، ناچار دھمکی دینا پڑی۔

"مما دیکھیں یہ مجھ پہ الزام لگا رہی کہ اس کی لپ اسٹک میں نے چُرائی ہے۔۔" وہ کیا شکایت لگاتی ، قریب سے گزرتی فریال کو وہ خود ہی آواز دے گیا۔۔

"واقعی ایسا کیا ہے تم نے۔۔؟" عیشال جہانگیر کی دُہائی سُننے کے بعد ان کی تفتیش کا دائرہ اس تک آیا

18

تھا۔

"اس موٹی کی بکواس لپ اسٹک کی قسم مام۔۔میں کیوں چُرانے لگا۔" لب بھینچ کے ٹی شرٹ کی آستین اوپر چڑھانے لگا ، اس کی قسم پہ فریال کو ہنسی تو بہت آئی لیکن عیشال کی دلگرفتی دیکھ کر انہوں نے اسے ساتھ لگالیا۔

"ادھر اُدھر ہو گئی ہوگی۔۔کوئی بات نہیں میں اپنی بیٹی کو دوسری لادوں گی۔۔" فریال اسے بہلارہی تھیں اور اس کے کان کھڑے ہوگئے تھے۔۔فریال نے اک چھوڑ دو لادی تھیں لیکن بُرا ہو لُٹیرے کا جو رات کو چھوٹے سے بیوٹی باکس میں رکھی لپ اسٹک پھر سے غائب ہو گئی۔اس نے رو رو کے آنکھیں سُجا لیں۔

"اچھا چپ ہو جا۔۔میں لادوں گا۔۔ڈیڈ کے ساتھ جارہا ہوں شہر۔۔" اپنی چوری بتا کر اس کے جوتے تو نہیں کھانے تھے ،ارادہ تھا جس طرح نکالی ہے اسی خاموشی سے واپس رکھ دے گا۔۔تب ہی دلاسا دینے لگا۔

"آگ لگے ، بھاڑ میں جائے وہ لپ اسٹک۔۔۔نہیں چاہیے اب کبھی۔" بگڑ کے من پسند چیز کو بھی دو کوڑی کا کردیتی تھی۔اور ضد کی کتنی پکی تھی یہ بھی کھلا کہ دست بدست معافی مانگ کر بھی دونوں لپ اسٹک واپس کی تو اس نے اُٹھا کر ہی پھینک دی۔

"کہہ دیا نا چھوڑ دیا تو چھوڑ دیا۔" وہ آگ بگولہ ہو گئی تھی۔

ہونٹوں کو گلابی کرنے والی چھوٹی سی لپ اسٹک شہادت کی اُنگلی اور انگوٹھے کے بیچ سلو موشن میں گردش کررہی تھی۔لبوں پہ مُسکراہٹ پھیل گئی تھی۔۔

بچپن میں بھی وہ کئی دن دل شکن انداز میں اسے مناتا رہا تھا کہ عیشال لپ اسٹک لگا لے لیکن انکار ، اقرار

19

میں نہیں بدلا تھا۔۔وہ ضدی تھی۔لیکن اسے افسوس ہوا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ ہرٹ ہو کر من پسند چیز ہی ترک کر گئی۔اس سے جُڑی کتنی ہی چیزیں اس پنڈورا باکس میں موجود ہو کر یاد دلا رہی تھیں کہ وہ اس کے لیے کتنی اہمیت رکھتی تھی۔۔ صرف اسے جلانے ، ستانے اور حویلی والوں کے ظلم سے بچائے رکھنے کے لیے اپنے جذبات کو سینت سینت کر رکھتا تھا۔وقت آنے پر یہ سارے پل اس کے آنچل سے باندھنے کا عزم تھا۔لیکن اب تو لگ رہا تھا یہ خیال ، خواب ہی رہے گا کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکے گا۔اک کرب اس کے چہرے پہ پھیل گیا تھا۔

☆☆☆

"تیس مار خان سمجھتا ہے خود کو۔۔ سمجھتا ہے میں اس کے اشاروں پہ چلوں گی۔۔۔مما ، پپا نے سر چڑھا رکھا ہے ، دو منٹ میں محترم کا سارا غرور قدموں تلے روند کر ان کی اوقات دکھا دوں۔۔چوہدری ہوں گے حویلی کے۔۔۔مجھ پہ ان کی حکومت چلنے والی نہیں۔۔میں وہی کروں گی جو میری مرضی ہوگی۔۔۔لے جا کر دکھائے مجھے حویلی۔۔۔ بھاگ

جاو

ں گی لیکن اس زندان میں واپس نہیں

جاو

ں گی۔۔۔دم گھٹتا ہے وہاں میرا۔۔۔ بھیڑ بکریوں کی طرح عورت کو کھونٹے سے باندھ کر رکھتے ہیں۔۔ہر بات کے لیے اجازت۔۔ہر چیز پہ پابندی۔۔۔ہونہہ۔۔یں یہ غلامی کی زندگی نہیں جی سکتی۔۔آزاد فضا میں پلی بڑھی ہوں آزاد ہی رہوں گی۔۔جا کے کر لے کسی ٹٹیارن کو اپنے نکاح کے عوض غلام۔۔"

دونوں کو ساتھ ہی ہاسپٹل واپس جانا تھا بلکہ شاہ زر شمعون نے اسے منع کر دیا تھا کہ وہ اکیلا ہی جائے گا

20

لیکن اس کا حکم ماننا، اس کی بات کی پیروی کرنا کسی صورت گوارا نہیں تھا تب ہی وہ گاڑی نکال کر اس کے جلال کو آواز دے گئی تھی۔

جانی ، پہچانی گلیاں تھیں رش ڈرائیو کرتے وہ سُنسان راستے کا انتخاب کر چکی تھی تاکہ اگر وہ پیچھے آنے کی کوشش بھی کرے تو اس کی دھول تک نا ملے۔لیکن بے خبر تھی کہ تاک میں تو کوئی اور تھا۔۔دشمن تو کوئی اور تھا۔

"ہائے بے بی!" سنسان راستے میں زن سے دو گاڑیاں دائیں بائیں داخل ہوئی تھیں۔ایسے کہ اس کی گاڑی ان کے نرغے میں پھنس گئی تھی۔ابھی وہ صورتحال سمجھ نہیں پائی تھی کہ طلحہ کا لہک کر ہاتھ ہلانا اسے اپنی طرف نا صرف متوجہ کرگیا۔۔بلکہ اسے ایمرجنسی میں بریک بھی لگانا پڑا کیونکہ دوسری گاڑی اس کی راہ بلاک کر گئی تھی۔یہ قدرے سنسان علاقہ تھا۔

"تمہیں کیا لگا تھا، مجھے تھپڑ مار کے تم جہاں چاہو جاچھپوگی اور میں تمہیں بخش دوں گا۔۔نظر تو بہت عرصے سے رکھی ہوئی تھی۔۔پھر تم غائب ہوگئیں۔آج نظر آئی ہو تو سوچا حساب بے باق کردیا جائے۔۔لیکن سزا اتنی آسان نہیں ہوگی۔۔تم اور تمہارا خاندان رحم کی بھیک مانگوگے ہم سے۔۔ڈالو اسے گاڑی میں۔۔۔" اس کی ہنسی اُڑاتے وہ اپنے ماتحتوں کو آڈر کرکے اپنی گاڑی کی طرف مُڑا تھا۔اس کے ساتھ آئے حواری شنائیہ چوہدری تک آئے تھے ، ان کے ارادے خطرناک لگ رہے تھے۔

"میں پولیس کو بلالوں گی۔۔" ان سے بچتے اس نے سیل فون سے نمبر ملانا چاہا تھالیکن اگلے ہی لمحے ہاتھ مار کر اس کا سیل فون گرا دیا گیا تھا۔

"چھوڑو !" وہ بُری طرح مُزاحمت کر رہی تھی۔لیکن ان کی تعداد اک سے زیادہ تھی۔اپنی کمزوری ان کی

21

طاقت کے سامنے بے بس کر رہی تھی۔خوفناک چہرے والے حواریوں کے نرغے میں پھنسی شور کرتے وہ اللہ کو یاد کر رہی تھی۔

"کہاں لے جا رہے ہو۔۔

چھوڑو۔۔

©

"©وہ بُری طرح مچل رہی تھی لیکن اس کی آواز سُننے والا کوئی نہیں تھا۔۔اس کی پھڑپھڑاہٹ کو استہزائیہ انداز سے دیکھتے طلحہ گاڑی میں بیٹھ چُکا تھا اور اس کے حواری شنائیہ کو زبردستی گاڑی میں ٹھونس رہے تھے۔

"یہ (کالی) ایسے نہیں مانے گی رومال
سنگھاو

نے اسے۔" اس کی ہدایت پہ عمل درآمد کے لیے اک شخص رومال لے کر قریب آیا
۔۔لیکن اس سے پہلے ہی خاموش گولیاں چلنے لگی تھیں۔۔سائلنسر لگی بندوقوں کے
منہ کھل گئے تھے۔اسے دبوچے قریب کھڑا شخص جب زمین میں گر کے تڑپنے لگا اور
زمین اس کے خون سے رنگین ہونے لگی تو بدحواسی سے اس نے سامنے دیکھا تھا۔۔شاہ
زر شمعون جیپ میں سوار اسی سمت آرہا تھا اور اس کے پیچھے مشتاق شوٹرز اس کا ساتھ
دے رہے تھے۔طلحہ کو سنبھلنے میں وقت لگا تھا لیکن آنے والے پوری تیاری سے آئے
تھے۔اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی آناً فاناً اس کے حواریوں کی لاشیں بچھ چکی تھیں
۔اپنا ریوالور نکال کر اس نے کاروائی کی کوشش کی ہی تھی جب شوٹرز نے اس کی
گاڑی کا
گھیراو

نے کرکے اپنی بندوقوں کا رُخ اس کی طرف کردیا۔۔جدید، سائلنسر ڈ پسٹل کے نرغے
میں خود کو دیکھ کر طلحہ کا گلا سوکھ گیا تھا۔۔شنائیہ چوہدری تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔ایسا

خونی کھیل اس نے فلموں میں ہی دیکھا تھا لیکن آج آنکھوں کے آگے جیسے فلم چل پڑی تھی۔

اک نظر اس کے اُڑے اُڑے حواسوں پہ ڈال کر شاہ زر شمعون، طلحہ تک آیا تھا۔جو ڈرائیونگ سیٹ پہ محصور ہوچکا تھا۔۔اس پہ نظر جمائے وہ کسی کو کال ملاگیا تھا۔

22

"سمہان ! کراچی سے اک خاص مہمان حویلی بھیج رہا ہوں۔۔اس وقت تک اس کی خاطر کرنا جب تک میں حویلی لوٹ کر نہیں آجاتا۔۔۔۔دوا، علاج کروانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ہاں بس دونوں ٹانگوں میں گولیاں لگی ہیں۔۔۔خیال بس اتنا رکھنا کہ میرے آنے تک یہ زندہ رہے۔۔باقی کی ڈیٹیل واٹس ایپ کررہا ہوں۔۔"

پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھتے وہ فون پہ ہدایت دے رہا تھا۔۔۔طلحہ خوفزدہ نظروں سے اپنی ٹانگوں کو دیکھ رہا تھاجو سلامت تھیں لیکن ان جھکی نظروں نے پھر ٹانگوں میں گولیاں پیوست ہونے کا نظارہ بھی دیکھا۔درد کی شدت سے وہ کھلے منہ سے سر اُٹھا کر شاہ زر شمعون کو دیکھنے لگا تھا۔

"پلاننگ کرتے ریکی ضرور کرلینی تھی۔"اور واقعی اس سے غلطی ہو گئی تھی۔وہ شہر میں شاہ زر شمعون کی موجودگی سے ناواقف تھا۔اک استہزائیہ نظر طلحہ پہ ڈال کر وہ مڑا تھا۔۔شنائیہ چوہدری نے بھی اس منظر کو آنکھیں پھاڑ کے دیکھا تھا۔اور منہ سے نکلتی چیخوں پہ ہاتھ رکھ کے بند باندھا تھا۔اسے بازو سے پکڑ کے گاڑی کی طرف دھکیلتے اس نے محافظ کو اشارہ کیا تھا۔

"بی بی کو ہاسپٹل پہنچا دو۔۔" بنا لعنت ملامت کیے وہ اسے منظر سے نکال رہا تھا۔۔

"آئیں میم !"محافظ حکم کی تعمیل کرنے لگا۔

"چچا جان ! کُچھ ان

ک

او

ن نٹرز ہوئے ہیں۔۔۔یں بجائے وقوعہ پر ہی ہوں۔"

گاڑی کے اوپر چڑھ کے بیٹھتا وہ چوہدری جہانگیر کو کال ملا گیا تھا۔۔طلحہ درد سے بلبلا رہا تھا۔۔۔منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔آواز نکالنے کی اجازت نہیں تھی۔۔شنائیہ

چوہدری پیچھے مڑ کے اس کے پر سکون انداز اور لاشوں کو پتھرائی نظروں سے دیکھتی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ جائے وقوعہ کی ڈیٹیلز سمہان

23

آفندی کو واٹس ایپ کر کے سیل فون کو انگلیوں کے بیچ گھماتے وہ ارد گرد کا جائزہ کمال سکون سے لے رہا تھا۔

☆☆☆

کراچی کی ٹکٹ کینسل کروا کے فری ہی ہوا تھا کہ شاہ زر شمعون کی کال ، ہدایت اور واٹس ایپ پہ ملنے والی ڈیٹیلز نے اسے مُستعد سا کر دیا۔۔۔۔ مُحافظوں کو الرٹ رہنے کی تاکید کرتے وہ پہلی فرصت میں چوہدری حشمت کے حُجرے میں پہنچ گیا تھا۔۔ انہیں ساری معلومات دی تو چوہدری اسفند اور چوہدری فیروز تک بھی بات پُہنچ گئی۔

"آنے دو اس ناسور کو۔۔ہماری عزت پہ ہاتھ ڈالا اس نے۔۔" چوہدری فیروز چنگھاڑنے لگے۔

"بخت بھائی بیمار ہیں۔۔شاہ وہاں اکیلا ہے ،، بھائی جہانگیر کا ساتھ ضرور ہے اور میری ان سے کچھ دیر قبل بات ہوچکی ہے وہ معاملہ سنبھالنے کی ذمہ داری لے چکے ہیں لیکن میرا خیال ہے ہم میں سے کسی اک کو کراچی جانا چاہیے۔۔" چوہدری اسفند کی بات پہ چوہدری بخت پُرسوچ انداز میں سر ہلانے لگے۔

"کہہ تو ٹھیک رہے ہو۔۔بخت نے ہمیشہ کے لیے حویلی لوٹ آنے کی بات کردی ہے وہ آج کل میں آجائے گا۔۔اسی لیے ہم نے اپنا اور سمہان کا جانا کینسل کروایا۔۔شاہ بھیج تو رہا ہے دشمن کو حویلی ،ہم اسے عبرت ناک موت دیں گے، جہانگیر نے انتظامات کروادیے ہیں۔۔کوئی مشکل نہیں ہوگی۔۔۔بخت بھلے بیمار ہے لیکین ہمیں شاہ اور جہانگیر کی موجودگی پہ کسی قسم کی فکر نہیں ہے۔۔ان میں صورتِ حال

24

سے نبٹنے کی صلاحیت ہے۔۔"

"باباجان بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔۔شاہ ہے نا وہاں، جہانگیر بھی ساتھ ہے۔بخت کی فیملی پہ کوئی بُری نگاہ نہیں ڈال سکتا۔" چوہدری فیروز نے تائید کی تو چوہدری اسفند مطمئن سے ہوگئے۔

"بس ہمیں حویلی میں الرٹ رہنے کی ضرورت ہے۔۔"

"میں نے سیکیورٹی الرٹ کروا دی ہے۔۔

گ

او

نں کے ہر راستے پر ہمارے لوگ بھیس بدل کے تعینات ہیں۔۔ہتھیار میں کمی لگی تھی ، کچھ ہتھیار کے آڈرز کردیے ہیں۔۔اک گھنٹے تک ڈیلیور ہو جائیں گے۔۔حویلی کی طرف سے آپ لوگ بے فکر رہیں۔۔اک پارٹی بھی ترتیب دے دی ہے جو آدھے راستے سے طلحہ کو پک کر لے گی۔" سب کی نظریں بے ساختہ سمہان آفندی پر اُٹھی تھیں۔۔وہ معاملات ہی ڈسکس کر رہے تھے اور اس نے تیاری بھی کرلی تھی۔چوہدری اسفند کے ہونٹوں پہ فخریہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"واہ بھئی سمہان ! تم نے تو سارا جال ہی بچھا دیا ہے۔ دشمن اس طرف آتے سو بار سوچے گا۔ بس افسوس ہے تو اتنا کہ طلحہ کی انٹری سے ہم بے خبر رہے۔" اسے سراہتے چوہدری فیروز آخر میں افسوس کا اظہار کرنے لگے۔

"طلحہ فارن میں رہتا تھا۔۔ کم آنا جانا تھا۔۔ گُجر کا نواسہ ہونے کے ناتے ہم نے اسے زیادہ اہمت نہیں دی کہ بیٹے اور پوتوں سے بدلے کی اُمید تھی۔ لیکن یہاں طلحہ کو سامنے کر کے شنائیہ جی کے پیچھے لگا دیا گیا، ان کے اغوا کی کوشش سے ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کا ارادہ تھا۔ اگر شنائیہ جی یونیورسٹی میں طلحہ کی بدتمیزی اور اسے تھپڑ مارنا ہم سب سے ناچُھپاتیں تو یہ بُہت پہلے ہی منظر عام پہ آجاتا۔۔ طلحہ اس کا فرضی نام ہے جو یونیورسٹی میں داخلے کے لیے استعمال میں لایا گیا۔ اور اسی پلس پوائنٹ کے باعث

ہماری اس پہ نظر نہیں پڑی۔"

"بُہت شاطر تھا گُجر اور اس کے نسل بھی اسی کی راہ پہ گامزن ہیں۔۔" سمہان آفندی سے ساری معلومات سُن کر سب حیران ہوئے۔ چوہدری اسفند نے نخوت سے سر ہلایا۔

" کیسی ہوشیاری۔۔؟ چت کردیا نا میرے شیر نے۔۔آنے دو باقی کی کسر ہم پوری کردیں گے۔۔۔ ہماری بہن بیٹی کو ڈھال بنانے والے کا ناخن تک نہیں ملے گا کسی کو"۔چوہدری حشمت فخریہ لہجے میں کہتے غیض وغضب سے دھاڑے۔

کافی دیر یہ موضوع زیر بحث رہا۔شاہ زر شمعون اور چوہدری جہانگیر سے بات کرکے سب انڈر کنٹرول سُن کر وہ سب مزید مُطمئن ہوگئے تھے۔جب چوہدری جہانگیر ساتھ تھے جنہوں نے سی سی ٹی وہی کیمروں کی فوٹیج تک قبضے میں لے لی تھی وہاں کس بات کا خوف تھا۔سونے پہ سُہاگا شاہ کا سائلنسر ڈپسٹل کا استعمال تھا۔۔۔

☆☆☆

"ذرا سی بھی غیر معمولی مومنٹ ہو تو مجھے فوراً اطلاع دو۔۔" چوہدری حشمت کے حُجرے سے نکل کے وہ مستعدی سے حویلی کی چھتوں کی طرف مُحافظوں کو چیک کرنے گیا تھا۔۔جہاں سب اوکے کی رپورٹ تھی۔بلیو ٹوتھ سے حویلی کے باہر موجود محافظوں کو ہدایت دیتے تیزی سے نیچے اترا تو فریال کچھ بدحواس سی نظر آئیں۔۔

"سب ٹھیک ہے مام۔۔؟ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔۔؟" حس ہی کُچھ زیادہ ایکٹو تھی۔

چہرے کے اُتار

چڑھاو

نے سے ہی بھانپ لیا کرتا تھا۔

"پہلے تم

بت

او

نے۔۔یہ اس وقت باباجان کے کمرے میں بیٹھک کیوں لگی سب کی۔ خیر تو ہے ۔۔۔؟؟" خواتین ساری خبر سے لاعلم تھیں۔۔لیکن حویلی کی ہلچل محسوس کر کے فریال نے سوال کر دیا۔کہ سامنے کوئی اور نہیں بیٹا تھا۔

"کراچی میں شنائیہ جی کے اغوا کی کوشش ہوئی ہے ، برو نے ہینڈل کرلیا ہے۔۔کچھ لوگ مرے ہیں اور گجر کا نواسہ جو اس جُرم کا ماسٹر مائنڈ تھا وہ آرہا ہے ، بس اسی کی سواگت کی تیاری ہے۔۔"

"ہائے میرے اللہ ! کیسی کیسی خبر سُننے کو مل رہی ہیں۔۔اللہ بچیوں کی حفاظت فرمائے۔۔شنائیہ تو ٹھیک ہے نا۔۔؟" فریال دہل کر دل پہ ہاتھ رکھ گئیں۔۔

" وہ بالکل ٹھیک ہیں آپ اس بات کا ذکر دی جان یا تائی جان سے کریں تو دھیان رکھیے گا یہ بات دیا چچی یا چچا جان تک نا پہنچے۔۔چچاجان کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے ، ان کی صحت پہ اثر پڑے گا۔چچی جان بھی خواہ مخواہ پریشان ہوں گی۔۔یوں بھی وہ سب جلد حویلی آرہے ہیں ، ہمیشہ کے لیے۔" معلومات دیتے ناصحانہ انداز میں سمجھانے لگا تو فریال تائیدی انداز میں سر ہلانے لگیں۔

"پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی ہے حویلی کو۔۔اللہ رحم کرے ہم سب پر، ہماری بچیوں پر۔۔"

"آپ کچھ پریشان تھیں۔۔" یاد دلایا۔۔

"ہاں برف لینے نکلی تھی۔۔تم سے باتوں میں لگ گئی۔۔۔عیشال کو بُہت تیز بُخار ہورہا ہے۔دو گھنٹے پہلے دوا دی تھی ، کمرے سے نہیں نکلی تو جاکے دیکھا۔۔جل رہی ہے بُخار سے۔۔اسی کے لیے برف لینے

27

جارہی تھی تاکہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھوں۔۔۔ لگتا ہے اچانک منگنی کا صدمہ لے لیا ہے بچی نے۔۔۔اپنی مرضی کے بنا تنکا تک پسند نہیں کرتی۔ باباجان نے ندا کا بلا اس کے گلے ڈال دیا۔۔اللہ کرے جس خاموشی سے فیصلہ قبول کیا ہے اسے برقرار رکھے۔" اس کی بے چین طبعیت کو جان کر فریال دُعاگو تھیں۔

ہزاروں میل کی اسپیڈ سے کام کرنے والا سمہان آفندی، عیشال اور اس کی طبعیت خرابی کا سُن کر جیسے ٹھٹھک گیا۔ وہ سخت جان تھا۔۔ تنہائی میں بھلے کمزور پڑتا تھا لیکن ہجوم میں اسے کوئی پکڑ بھی نہیں سکتا تھا۔۔ لیکن وہ نازک تھی ، اعصاب جواب دے گئے تھے۔۔تب ہی بستر سے لگ گئی تھی۔

فریال برف لینے چلی گئی تھیں۔۔اور وہ دیوار سے لگ گیا تھا۔۔

"سر اک اجنبی گاڑی نظر آرہی ہے۔۔" جانے وہ کب تک ساکت رہتا۔۔آنے والی کال نے اعصاب منتشر کیے تو وہ چونکا۔

"پیچھا کرو اس کا اور رپورٹ کرو مجھے۔"ازلی جون میں آکر ہدایت دیتے وہ حویلی کے خفیہ راستوں کی طرف مُڑ گیا تھا۔۔ابھی طلحہ کی رہائش کے انتظامات بھی دیکھنے تھے۔

☆☆☆

"کیا ہوا لے آئی سامان۔۔۔؟" اسے اُڑے اُڑے حواسوں کے ساتھ خالی ہاتھ آتے دیکھ کر دیانے حیرت سے سوال کیا۔

"جی۔۔وہ ، سامان تو گاڑی میں رہ گیا۔۔میں ابھی لے کرآتی ہوں۔" وہ گڑبڑا گئی۔

28

"سب ٹھیک ہے۔۔؟ شاہ کہاں ہے۔۔" اس کے گھبرائے انداز پہ دیا کو تشویش ہوئی ۔۔

"انہیں کوئی ضروری کام پڑگیاتھا ، مجھے محافظ کے ساتھ بھیجا ہے۔۔" اس کی بات سے دیا ذرا مطمئن نہیں ہوئی تھیں ان کی نظروں سے بچنے کے لیے وہ سامان لانے کی نیت سے آگے بڑھنے لگی۔

"میں سامان لے آتی ہوں۔۔"

"رہنے دو ، اب اس کی کوئی ضرورت نہیں۔۔تمہارے پپا نے ہاسپٹل سے ڈسچارج لے لیا ہے۔۔ہم گھر چل رہے ہیں۔۔اور جلد ہی حویلی جائیں گے۔۔گھر چل کے اپنی پیکنگ کرلو۔"

"حویلی۔۔کیوں؟" وہ متعجب ہوئی۔

"تمہارے پپا نے ہمیشہ کے لیے حویلی میں رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔۔۔" دیا نے جیسے دھماکہ کیا تھا۔پہلے ہی وہ جس قسم کی صورتِ حال کا سامنا کرکے آئی تھی اس کے بعد ایسی اطلاع اسے پاگل کرنے کے لیے کافی تھی۔

"میری اور ماہم کی پڑھائی۔۔؟" وہ گُم صُم ہوئی۔

"حویلی کی دیگر لڑکیاں بھی پڑھ رہی ہیں۔" اس کے اعتراض پہ دیا نے ناگواری سے جواب دیا۔اسی اثناء میں ان کا سیل فون بجنے لگا تھا۔

"چچی جان آپ تیار رہیں ، میں بس دو منٹ میں آپ لوگوں کو پک کرنے آرہا ہوں۔"

"بیٹا ہم تیار ہیں۔۔"

شنائیہ چوہدری بے یقینی سے ان کی باتیں سُن رہی تھی۔حویلی جانے کے خیال سے ہی اس کی روح فنا ہورہی تھی۔

☆☆☆

انوشا رُخصت ہو چکی تھی۔۔مہمان کھانا کھا کر جاچکے تھے۔ایشان جاہ ہر معاملے میں پیش پیش تھا۔۔منزہ، یحیٰ کی آمد کے خوف سے کسی قدر خوفزدہ تھیں۔اور ان کا خوف بے جا بھی نہیں تھا۔۔یحیٰ سرفراز کو گلی کے کونے میں دیکھ کر ان کا دم اٹکنے لگا تھا۔ان کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر ایشان جاہ ان تک آیا تھا۔اور یحیٰ سرفراز بھی جیسے تسلی کرنے آیا تھا کہ آیا منزہ نے بھپکی ہی تو نہیں دی۔لیکن ایشان جاہ کی صورت دیکھ کر واپس پلٹ گیا۔۔چاہتا تو جاکر تماشا کرسکتا تھا لیکن اس کے بعد یہ تماشا اسے کتنا مہنگا پڑنے والا تھا وہ بخوبی واقف تھا۔

اس کی شکل گم ہوئی تو منزہ کا دھیان پھر سے لوگوں کی طرف ہوا۔۔وہ جلد سے جلد انوشا کو رُخصت کرنا چاہ رہی تھیں تاکہ دھڑکے سے نجات ملے۔

ایشان جاہ کی موجودگی پہ ماورا یحیٰ کسی قدر خائف سی پھر رہی تھی۔۔اس کے سجے سنورے روپ کو وہ جس طرح دیکھ رہا تھا یہ دیکھ کر اس کا فشارِ خون ہی بُلند ہورہا

تھا۔انوشا کی جُدائی پہ دل بوجھل تھا تو اس کی نظریں زچ کر رہی تھیں۔ایشان جاہ کی موجودگی کو صائمہ نے معنی خیزی سے دیکھتے میاں کو ٹہوکا دیا تھا۔منزہ نے عزیز کا بیٹا کہہ کر متعارف کروایا تھا۔

"راتوں ، رات ایسا کون سا عزیز پیدا ہوگیا جس سے ہم واقف نہیں۔۔مجھے تو منزہ آپا ٹھیک عورت نہیں لگتیں۔۔" صائمہ ، شاہد سے کہہ رہی تھیں اور منزہ سب سُن کے بھی ان سُنی کر گئیں۔۔ایسے جملے سُنتے ساری عمر کٹی تھی۔اب تو کوئی نا بھی کہتا تو انہیں حیرت ہوتی تھی۔

30

"اجازت دیں آنٹی، چلتا ہوں۔۔" وہ پلنگ پہ بیٹھ کر سینڈل کے اسٹریپ کھول رہی تھی جب ایشان جاہ ٹینٹ اُٹھوانے کی ذمہ داری سے فارغ ہو کر ان تک آیا۔۔

"تم نے کھانا کھایا بیٹا۔۔" منزہ کو دھیان آیا۔

"گھر جاکر کھالوں گا۔۔آپ پریشان نا ہوں۔۔"

"ایسے کیسے۔۔؟ ہم نے بھی نہیں کھایا۔۔ساتھ مل کے کھالیں گے

۔۔جاو

نے ماورا کھانا نکال

لاو

نے ہم سب کے لیے۔۔" کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والا معاملہ تھا۔وہ ششدر سی منزہ کے احکامات سُن رہی تھی۔

"میرے لیے انہیں زحمت نا دیں آنٹی۔۔ تھکی ہوئی ہیں۔" اس کا ہمدرد بن کے کہنا ماورا کو اک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"آنٹی یہ انوشا کو دے دیجیے گا تاکہ وہ اپنی مرضی سے کچھ لے لے۔۔میں کُچھ لے کر نہیں آیا تھا۔" بلینک چیک دیکھ کر منزہ شش وپنج میں پڑ گئی تھیں۔۔اس کے نظروں کے سامنے سے ہٹنے کی کوشش میں جانے کے لیے کھڑی ہونے والی ماورا بھی رُک سی گئی تھی۔

"ہم غریبوں کے بُلاوے پر تم آگئے یہی بُہت ہے بیٹا۔۔یہ تکلف رہنے دو۔۔" منزہ انکاری تھیں۔

"ارے۔۔۔ تحفہ تو دینے والا طے کرتا ہے۔۔آپ کیوں انکار کر کے بچے کا دل دُکھا رہی ہیں آپا۔۔؟" صائمہ بھی آنکلی تھیں تاکہ دیگ کے بقایہ جات گھر لا سکیں ۔۔لیکن یہاں کا منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔۔انہوں نے جھٹ ہاتھ بڑھا کر چیک پکڑااور بلینک چیک دیکھ کر آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ان کی آمد پہ منزہ نے بھی بات کو طول دینا مناسب خیال نا کیا اور چیک خاموشی سے تکیہ کے نیچے دبا دیا۔

31

"کھانا کھالو صائمہ ہمارے ساتھ۔" موضوعِ گفتگو بدل کے منزہ نے ان کا دھیان بٹایا ۔

"آئی تو میں بریانی لینے ہی تھی آپا۔۔ میرا چھوٹا گھر آتے ہی پوچھنے لگا کہ منزہ خالہ نے بریانی نہیں بھیجی۔آپ میں کہاں اتنا دم ہوگا کہ سب کا دروازہ بجا کے بریانی بانہیں اس لیے خود ہی چلی آئی۔"

نا منزہ نے اعلا پیمانے پر دعوت کی تھی ، نا انتظامات سینکڑوں لوگوں کی تھی لیکن اللہ نے عزت رکھ لی تھی۔صائمہ کے تقاضے پر منزہ نے ماورا کو اشارہ کیا تھا کہ وہ صائمہ کے لیے بھی کھانا نکال دے۔

"ہاں بیٹا کہاں رہتے ہو۔۔؟؟ شکل سے تو کسی امیر گھر کی اولاد لگتے ہو۔۔۔شادی ہو گئی تمہاری۔۔"

کچن کی طرف جاتے صائمہ کے اشتیاق سے کیے سوال اس کی سماعت سے ٹکرائے تھے جانے وہ کیا جواب دے رہا تھا۔ماورا کو ذرہ برابر دلچسپی نہیں تھی۔

☆☆☆

کہاں کسی سے محبت نبھانے والا ہوں

میں بدلحاظ بھی بالکل زمانے والا ہوں

"اب کیسی طبعیت ہے عیشال کی۔۔۔؟"

ہر محاذ پہ نبرد آزما عشق کی مدہوشی اک جھلک کے لیے اس کے درتک لے ہی آئی تھی۔فریال ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رکھ کر بے حال ہوچکی تھیں۔اور اب ندا یہ عمل انجام دے رہی تھی۔اس کی دستک پہ ندا نے

32

سر اُٹھا کر دیکھا تھا اور اسے دیکھ کر دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔سمہان آفندی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی عیشال پہ اک جامع مگر مُختصر نگاہ ڈالی تھی۔وہ بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔چہرہ نقاہت سے زرد محسوس ہورہا تھا۔ہر گھڑی اپنے جاہ وجلال سے حویلی کے در ودیوار کو ہلانے والی کو اس وقت بے سُدھ دیکھ کر اسے بے چینی ہونے لگی تھی۔وہ لڑتی بھڑتی ، چیختی چنگھاڑتی ہی اچھی لگتی تھی۔

"بُخار اُترنے کا نام نہیں لے رہا۔۔۔پٹیاں رکھ رکھ کر ہم تو تھک گئے۔۔اب تو بے ہوشی سی طاری ہے۔۔بابا جان کے علم میں

لاو

نے۔۔عیشال کو جلد ہاسپٹل لے جانے کی ضرورت ہے۔بُخار مزید بگڑ گیا تو بچی کے جان کے لالے پڑ جائیں گے۔۔"

اس کی حالت دیکھ کر آثار تو اسے بھی اچھے نہیں لگ رہے تھے۔فریال کی تشویش پر اسے بھی پریشانی ہونے لگی۔

"سمہان تم باباجان سے بات کرو۔۔میں مزید برف لے آو

نں۔۔۔ندا تم تھک گئی ہو تو میں کسی اور کو بھیج دیتی ہوں۔" جاتے ہوئے فریال ہدایت کرنے ساتھ ندا سے استفسار کرنے لگیں۔

"میں کرلوں گی چچی جان!" ندا نفی میں سر ہلاتی فریال کو جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔۔ کمرے میں اب وہ تینوں ہی رہ گئے تھے۔ندا کے چہرے کی اُداسی اور سر پہ موجود سفید آنچل کو اس نے کسی قدر دُکھ سے دیکھا تھا۔راحیل کے بعد سے وہ اسے سفید رنگ کے لباس میں ہی نظر آتی تھی۔راحیل کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ خود کو برابر کا مجرم سمجھتا تھا۔

"آپ کیسی ہیں ندا جی۔۔؟" جانے کیوں اس کے دُکھ پہ جی بھر آیا۔۔وہ محبت کی چلتی پھرتی لاش لگتی تھی۔ندا کے ہونٹوں پہ اک تلخ مسکراہٹ جھلک دکھلا کے معدوم ہو گئی تھی۔

33

"میں ٹھیک ہوں۔۔۔" وہ چند ثانیے رکی تھی ، پھر سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

" عیشال کو کُچھ نہیں ہونا چاہیے سمہان۔۔" اس کی طرف تنبیہی نظروں سے دیکھتے ندا نے کچھ ایسے انداز سے کہا کہ وہ ٹھٹھک گیا۔

کیا وہ باخبر تھی۔۔۔؟ کس حد تک۔۔۔؟؟ کیسے۔۔۔؟؟ یہ سچ تو اس کی ذات کے اندر مُقید تھا۔۔ندا دوبارہ سے اپنے کام میں مشغول ہو چکی تھی۔وہ کچھ اُلجھا سا عیشال پہ اک نظر ڈال کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆☆☆

ندا کے انداز نے اسے اُلجھن میں مُبتلا کر دیا تھا۔اسی انداز میں وہ چوہدری حشمت کے خُجرے میں داخل ہوا تھا۔

"کہیں لڑکی نے کُچھ کھا تو نہیں لیا۔۔۔؟ اگر ایسا ہے تو اسے زہر کا انجیکشن لگا دو۔۔۔ ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں۔۔کل کی مرتی آج مر جائے۔۔۔حویلی کو ایسی باغی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" اس کا مدعا سنتے چوہدری حشمت ناگواری کا اظہار کرتے حل بتا گئے۔ ممکن حد تک اس نے چہرے کا رنگ بدلنے نہیں دیا تھا ہاتھوں کی رگیں اُبھر کر برداشت کی حد ظاہر کر گئی تھیں۔

"ہاسپٹل لے جانا بے حد ضروری ہے دا جان۔۔! طبعیت مزید بگڑ گئی تو سنبھالنا مشکل ہوگا۔" حدِ ادب سے گویا تھا۔نا لہجہ بگڑا تھا، نا انداز۔۔۔چوہدری حشمت کئی لمحے خفہ گڑ گڑاتے رہے۔۔اور ان کی خاموشی اس کے ضبط کو آزماتی رہی۔۔

34

"حویلی میں پہلے ہی اتنی افراتفری پھیلی ہوئی ہے ایسے میں اسے ہاسپٹل بھیجنے کا رسک ہم نہیں لے سکتے۔" صاف انکار تھا۔انداز ایسا تھا جیسے اس کی کوئی پرواہ ہی نہیں تھی۔ مرتی ہے تو مر جائے۔

"میں ہاسپٹل لے جاتا ہوں۔۔آپ فکر مند نا ہوں، ان شاءاللہ ! کُچھ نہیں ہوگا۔" وہ ہر حال میں اجازت کا خواہاں تھا۔

"اس گُستاخ لڑکی کے لیے ہم تمہاری جان

داو

نے پہ نہیں لگا سکتے۔۔جانے دُشمن کب کہاں گھات لگائے بیٹھا ہو۔۔زندہ رہ گئی تو ، کوئی بات نہیں ، مر گئی تو حویلی کے کونے میں گاڑ دیں گے اسے۔"

اعصاب اک بار پھر جھنجھنا گئے تھے۔ گر جو اسے اپنے اعصاب پہ کنٹرول نہیں ہوتا تو شاید اب تک ضبط گنواچکا ہوتا۔

جس کی زندگی کی بقا کے لیے وہ خود کو

داو

نے پہ لگائے ہوئے تھا اسی کی موت کا تذکرہ چوہدری حشمت کتنی آسانی سے کر رہے تھے۔

"اگر ہاسپٹل لے جانا اتنا مشکل ہے تو میں ڈاکٹر اور اس کے عملے کو حویلی بلالیتا ہوں ۔۔اس میں تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے نا داجان۔۔" وہ ہر حال میں اس کو پھر سے اپنے پیروں پہ کھڑا دیکھنا چاہتا تھا۔

چوہدری حشمت اک بار پھر حقہ گڑگڑانے لگے تھے۔

"اگر تم ہر حال میں اس کا علاج کروانا چاہتے ہو تو بلالو۔۔"جانے وہ ہی زیادہ محسوس کر رہا تھا یا وہ ہی بے دھیانی میں کہہ گئے تھے۔چوہدری حشمت کا جملہ اس نے سر جھکا کر سُنا تھا۔

"بہتر داجان! " وہ سرعت سے ان کے کمرے سے نکلتے ڈاکٹر کو کال ملانے لگا تھا۔

35

☆☆☆

"آئے فیل بور مما!!" نرمین منہ بسورتی صہبا کے پہلو میں بیٹھ گئی تھی۔

"کہیں

آو

نے ننگ کے لیے چلی

جاو

نے۔۔ کوئی اچھی مووی دیکھ

آو

نے۔"صہبا میگزین کی ورق گردانی بند کر کے مشورہ سے نوازنے لگیں۔

"کسی چیز کا موڈ نہیں۔" مزاج ہی نہیں مل رہے تھے۔

"کچھ دیر پہلے تک تو موڈ بڑا اچھا تھا تمہارا۔۔یہ اچانک کیا ہوا۔۔؟؟" نازک مزاج بیٹی کے پل پل بدلتے موڈ پہ تشویش ہوئی۔

"موڈ اس لیے اچھا تھا کہ سمہان داجان کے ساتھ کراچی آرہا تھا۔۔امید تھی ،نکاح کی تقریب جلد ہوگی۔۔ لیکن ان کی ٹکٹ کینسل کا سُن کر موڈ خراب ہوگیا۔۔کینسل

کرنے کی ضرورت ہی کیا پڑی۔۔" غصے کا اظہار کرتے اس نے کشن اُٹھا کر دور پھینک دیا۔

"ہوتی کیسے نہیں۔۔۔یہاں تو ہر گھڑی تماشا کرنے والے لوگ موجود ہیں۔۔بخت بھائی کو ہارٹ اٹیک آیا تو باباجان نے آنے کی ہامی بھرلی اور تمہارے ڈیڈ نے لگے ہاتھوں نکاح کی بات بھی کرلی۔۔لیکن بخت بھائی نے باباجان کو آنے سے منع کر کے ہمیشہ کے لیے حویلی جانے کا خردہ سُنا کر سارا کام خراب کردیا۔۔جانا تھا تو پہلے ہی چلے جاتے عین موقع پہ ہمارا کام خراب کیا۔باباجان نے کہا ہے اب حویلی میں ہی نکاح ہوگا۔۔ممکن تھا ہم بھی حویلی چل کے نکاح جلد کروالیتے۔۔تاکہ تمہیں تو سکون ہوتا کہ سمہان اب کہیں نہیں جانے والا لیکن بُرا ہو حویلی کے دُشمنوں کا۔۔شنائیہ کے اغوا کی کوشش میں شاہ

36

نے کئی بندے مار دیئے اور اب تمہارے ڈیڈ اسی معاملے کو سُلجھانے میں لگے ہوئے ہیں۔"

"یہ شنائیہ اور اس کی فیملی کچھ زیادہ ہی منحوس ثابت نہیں ہورہے ،ہمارے لیے۔۔؟"

صہبا نے ناگواری سے ساری گتھی سلجھا دی تو نرمین اس سے ڈبل ناگواری سے گویا ہوئی۔

"صحیح کہہ رہی ہو۔" صہبا نے ناک چڑھائی۔۔

"اب ان کے نکلنے سے پہلے جاکے حاضری لگانی پڑے گی۔" صہبا کا منہ بنا۔

"کیا باتیں چل رہی ہیں۔۔؟؟" ایشان جاہ اسی وقت داخل ہوا تھا۔

"آج عید تو نہیں ہے۔۔۔ یہ تم آکہاں سے رہے ہو۔۔؟"

اس کے شلوار سوٹ اور ویسٹ کوٹ کو صہبا نے حیرانی سے دیکھا تھا۔وہ اس قسم کی ڈریسنگ عید کے عید ہی کرتا تھا۔ان کا حیران ہونا بجا تھا۔

"کلاس فیلو کی سس کی شادی تھی ، وہیں سے آرہا ہوں۔۔" اس نے مُختصر پیرائے میں جواب دیا۔

"یہاں بھی حویلی والے جیسے لوگ موجود ہیں۔۔؟؟ اتنی چلچلاتی دھوپ میں کون شادی کرتا ہے ، توبہ" ناگواری سی ناگواری تھی۔

"مانو بلی کا موڈ کیوں آف ہے۔۔؟" اس تذکرے سے بچنے کے لیے اس نے بگڑے موڈ والی نرمین کی طرف اشارہ کیا۔اور صبہا پوری تفصیل سے اس کے بگڑے موڈ کی کہانی سُنانے لگیں۔"

☆☆☆

37

ڈاکٹر آچکا تھا۔بُخار کے ساتھ بی پی کی کمی بھی موجود تھی جس کے باعث نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔۔ڈاکٹر نے ذہنی

دب

او

نے کا بھی ذکر کیا تھا اور سب اک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے۔ذہنی

دب

نے کسی سے ڈھکا چھپا کب تھا۔انجکشن کے ساتھ دوائیں دے کر ڈاکٹر جاچکا تھا۔ڈرپ لگی ہوئی تھی جو مکمل ہونے پر ہٹانی تھی۔تقریباً سب ہی باری باری اس کی خیریت دریافت کر رہے تھے۔سوائے چوہدری حشمت کے۔۔انہوں نے بس ڈاکٹر کی ہدایت پوچھی تھی سمہان سے اور گزر گئے تھے۔زمرد بیگم آیتیں پڑھ پڑھ کر اس پہ دم کر رہی تھیں تو لڑکیاں افسوس بھرے انداز سے اس کے بے سُدھ وجود کو دیکھ رہی تھیں۔

"بیمار کا علاج کرتے ہیں۔۔مرض کا علاج یہاں کسی کے پاس نہیں ہے،جانے اتنی بے حسی کیوں ہے اس حویلی میں۔اپنے ہیں لیکن اپنائیت کی کمی ہے۔" عیشال کی حالت پہ کڑھتی زرش، شاذمہ کے سامنے بھڑاس نکال رہی تھی۔شاذمہ ہاتھ دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر رہی تھی۔سمہان آفندی نے بہن کے لفظ بغور سُنے تھے۔شاید حویلی کی ہر لڑکی کے اندر اک عیشال تھی جو حویلی سے عناد رکھتی تھی۔

"حویلی کے بارے میں جتنا کم سوچو گی خوش رہو گی۔۔اپنی پڑھائی پہ توجہ دو۔" وہ زرش کو سرزنش کرنے سے نہیں چوکا تھا۔وہ انجان تھی کہ اس نے جملہ سُن لیا ہے لیکن اس کی تنبیہ پہ چوکنی ہو گئی۔

"بہتر ویرے!" ہولے سے منمنائی تھی۔

رُعب ، اور طاقت سے آواز تو دبائی جاسکتی ہے لیکن جذبات نہیں۔۔اس کا اسے بُہت اچھی طرح علم تھا۔جانے حویلی کے رائج اصول کتنی عیشال کو جنم دیتے۔۔اسے حویلی کے مستقبل کے حوالے سے تشویش ہونے لگی تھی۔

38

☆☆☆

ماں کی تصویر سے باتیں کرتے کرتے جانے وہ کب سوگئی تھی۔موندی موندی آنکھیں کھلیں تو کروٹ بدلنے کی کوشش بے سود رہی۔زیادہ لیٹے رہنے کے باعث کمر میں درد سا محسوس ہورہا تھا۔۔کلائی میں چبھن کا احساس ہوا تو اس نے بے ساختہ کلائی سامنے کی اور اس میں لگی ڈرپ کو حیرت سے دیکھنے لگی۔نیم اندھیرا کمرا تھا، آنکھیں پھاڑ کر ارد گرد کے ماحول سے مانوس ہونے کے لیے نظر دوڑائی تو اپنے کمرے کا احساس ہوا۔ڈرپ اسٹینڈ کے پاس کھڑے کلائی میں بندھی رِسٹ واچ پہ نظر ڈالتے سمہان آفندی کو اس نے بے حد حیرت سے دیکھا تھا۔وہ یہاں اس کے کمرے میں کیا کر رہا تھا۔۔؟

"زندگی بخیر!" اسے جاگتے دیکھ کر ہولے سے مسکرایا تھا۔

"جس زندگی کا احساس ہی نہیں اس کی مُبارک باد بھی اپنے پاس ہی رکھو۔" سخت جلبلا کر اس نے بے دردی سے پٹی نوچ کر پھینکنے کے بعد ڈرپ کی نیڈل کھینچ کر نکال دی تھی۔۔

"ارے!" وہ اس کے عمل کو روکتا رہ گیا تھا۔لیکن وہ کر گزری تھی۔نتیجتاً کلائی سے خون نکلنے لگا۔

"یہ دوسری ڈرپ تھی۔بی پی گرا کے۔بُخار چڑھا کے خود تو آرام سے پڑی رہیں، سب کو پریشانی میں ڈال کر، بجائے شکر ادا کرنے کے اُٹھتے ہی واہی تباہی پھیلادی۔۔ذرا صبر نہیں ہے تم میں۔۔۔میں ڈرپ بند کرنے کے لیے ہی کھڑا تھا نا۔۔"سرعت سے اس کی کلائی تھام کر کاٹن کو خون نکلنے والی جگہ پہ دبادیا۔

"تو کس نے کہا تھا حویلی کے لوگوں کو پریشان ہونے۔۔خاموشی سے گڑھا کھود کر بے سُدھ وجود کو دبا دینا تھا۔حویلی والوں کے غم تو کم ہوتے۔" ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتی بے حد تلخی سے گویا تھی۔اس

39

کوشش سے کلائی میں درد بھی محسوس ہوا۔

"جاگتے ہی ، تمہارے منہ سے جس طرح حویلی والوں کے لیے پھول جھڑ رہے ہیں بس اسی کو سب مس کر رہے تھے۔" لب دبا کر کاٹن کے اوپر پلاسٹ لگا رہا تھا۔اسے ایکٹیو دیکھ کر سکون کا احساس ہوا تھا۔

وہ لب بھینچ کر اس کا عمل دیکھ رہی تھی۔

"بھوک محسوس ہو رہی ہے۔۔؟ مما نے سوپ اور دلیہ بنا رکھا ہے تمہارے لیے۔۔ تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہی تھیں۔۔جاتے ہوئے کچھ کھانے کو بھجواو

ں۔۔؟"

ڈرپ کا ساز وسامان سمیٹ کر ڈسٹ بن کی نظر کرتے استفسار کر رہا تھا۔ان کے درمیان نادیدہ دیواریں اتنی بلند ہو گئی تھیں کہ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔جب بھی اسے دیکھتی تھی نرمین کا احساس بچھو بن کے ڈنک مارنے لگتا تھا۔۔۔اوپر سے رئیس میاں بھی نازل ہو گئے تھے۔ کسی کل سکون نہیں تھا اور وہ یوں کھانے پینے کا پوچھ رہا تھا جیسے وہ تفریحی گاہ میں ساتھ چھٹیاں گزار رہے ہوں۔۔

"تمہیں میری پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ کھانے پینے کی بھی نہیں۔۔"

ہاتھوں سے آتی میڈیسن کی اسمیل سے کراہیت آنے لگی تھی۔ہاتھ دھونے کے خیال سے وہ واش روم جانے کی نیت سے اُٹھی تھی اور تیزی سے اچانک اُٹھنے پہ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔خود کو سنبھالتے وہ ڈرپ اسٹینڈ کو بے ساختہ پکڑ گئی تھی لیکن معمولی سا اسٹینڈ کہاں اس کا بوجھ برداشت کر سکتا تھا۔۔ڈگمگا کر وہ بھی زمیں بوس ہونے لگا تھا۔مگر اس سے پہلے ہی دوسری طرف سے سمہان آفندی نے اسٹینڈ پہ اپنی گرفت مضبوط کرنے کے ساتھ اسے بازوسے پکڑ کر گرنے سے بچایا تھا۔

"

جاو

نے یہاں سے تم۔۔۔ مجھے تمہارے سہارے کی

40

بھی ضرورت نہیں ہے۔" حواس قابو میں آئے تو وہ بدک کر جھٹکے سے بازو چھڑا گئی۔

"اُف!" وہ سر پکڑ کے رہ گیا۔

"جارہا ہوں۔۔ بھلے سے گرتی پڑتی رہو۔۔ نا دیکھوں گا، نا تکلیف ہوگی۔"

"تکلیف کا احساس کرنے کے لیے دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔۔ بنا دیکھے بھی محسوس ہو جاتی ہے لیکن افسوس تم میں یہ حس سرے سے موجود ہی نہیں۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ کڑوے لہجے میں کہہ کر وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی تھی۔ غالباً فریش ہونے کا موڈ تھا۔ کپڑے لے کر اسے نظر انداز کرتی اپنے پیچھے وہ زور سے واش روم کا دروازہ بند کر گئی تھی۔

"حس!" واش روم کے بند دروازے کو دیکھتے وہ تلخی سے مسکرایا تھا۔

☆☆☆

چوہدری بخت گھر آچکے تھے۔ گو کہ ہاسپٹل والے ابھی ڈسچارج دینے کے موڈ میں نہیں تھے لیکن چونکہ سارے ہی کولیگ تھے۔ سو ان کی بات مان گئے۔۔ ڈاکٹر ہونے کے ناتے دیا خیال رکھ رہی تھیں۔ ان کے لیے سفر مناسب نہیں تھا لیکن دیا کے سمجھانے پر بھی ان کا فیصلہ نہیں بدلا تھا۔۔ صبح کی فلائیٹ سے وہ سب ہمیشہ کے لیے حویلی لوٹ رہے تھے۔۔ ماہم اور دیا اسی کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔۔

آناً ً فاناً ً ہوئے فیصلے کو شائیہ چوہدری کسی صورت قبول کرنے کو تیار نہیں تھی۔۔ ہمیشہ کے لیے حویلی جانے کا خیال ہی سوہانِ روح تھا۔اسی سے بچنے کے لیے وہ جانے کیا کچھ کر رہی تھی کہ شاہ زر شمعون خود ہی تنگ آکر تین بول بول کر اس پہ لعنت بھیج دے۔

41

۔لیکن سب اُلٹا ہی ہو رہا تھا۔۔طلحہ سے منسوب جھوٹی کہانی گھڑی تو اس کا بھی حشر نشر ہو گیا۔۔شاہ زر شمعون نے انسانی زندگی کو جس طرح خون میں نہلا دیا تھا اسے دیکھ کر اس سے عداوت مزید بڑھ گئی تھی۔گو کہ اس نے اسی کی خاطر کیا تھا اگر جو وہ وقت پہ نا آتا تو جانے طلحہ اک تھپڑ کا بدلہ لینے کے لیے کس حد تک گر جاتا۔

"وحشی درندہ ہے۔!"آخر میں طلحہ کے پیروں پہ گولی مارنے کا منظر آنکھوں کے سامنے لہرایا تو وہ نفرت سے سر جھٹک گئی۔

"حویلی نہیں

جاو

نہ لگی۔۔۔وہاں گئی تو پھر کبھی واپس نہیں آسکوں گی ، نا ہی اس درندے سے کبھی نجات مل سکے گی۔ماما ، پپا کبھی میری بات نہیں مانیں گے۔۔" ہر پہلو سے سوچتے آکر میں سوچ کا دائرہ اسی کے گرد آکر گردش کرنے لگا تھا۔تب ہی وہ اس سے بات کرنے کے ارادے سے باہر نکلی تھی۔

اس کے کمرے میں جانے سے پہلے ہی وہ اسے راہداری میں فون پہ بات کرتا نظر آگیا۔وہ جب تک اس تک پہنچی وہ فون بند کرچکا تھا۔

"میں حویلی نہیں

جاو

نہ لگی۔"

گذشتہ واقعے کے بعد سے شاہ زر شمعون نے براہِ راست یا بلاواسطہ اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ناطلحہ کے متعلق کچھ پوچھنے کی زحمت کی تھی۔اس وقت بھی اسے اگنور کرکے گزرنے لگا تھا جب وہ سامنے آکر دلی خواہش بیان کرنے لگی۔۔چوہدری بخت اس حال کو پہنچ گئے تھے۔کئی جانیں گئی تھیں ، طلحہ حویلی کے لیے روانہ ہوچکا تھا اور وہ ان سب باتوں کو اہمیت دیے بنا اپنی رام کہانی میں ہی اُلجھی ہوئی تھی۔

"زور زبردستی کا خاصا تجربہ ہے مجھے۔" جواب اتنا

42

ہی سرد موصول ہوا تھا۔

"میں عاقل و بالغ ہوں۔۔ میری مرضی کے بنا آپ مجھے کہیں نہیں لے جا سکتے۔۔۔ بالفرض آپ نے زور زبردستی کی کوشش کی تو میں پولیس اسٹیشن کال کر کے آپ کے خلاف کمپلین درج کروادوں گی اور یہ بھی کم پڑا تو ایف آئی آر کٹوا دوں گی۔ وومن رائیٹس کا مجھے بہت اچھی طرح پتا ہے۔۔۔ یہ آپ کا

گ

او

ں نہیں ، جہاں کے آپ چوہدری ہوں۔۔۔ اور من مانی کرتے پھریں۔۔ یہ شہر ہے، اور شہر میں عورت کو بھیڑ بکری نہیں سمجھا جاتا۔۔ مما، پپا سے تو انصاف کی توقع نہیں ، وہ بھی آپ کی بولی بولتے ہیں۔۔ لیکن مجھے قانون پہ پورا بھروسہ ہے۔۔ وہ مجھے انصاف دے گا ، مجھے پروٹیکٹ کرے گا۔"

وہ نخوت سے کہے جارہی تھی اور شاہ زر شمعون کا چہرہ سُرخ ہونے لگا تھا۔

اس کی تمام تر لن ترانیوں کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔بس خاموشی سے اپنا سیل فون اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کریں کال اپنے قانون کے رکھوالوں کو۔" سرد نظروں سے اس کی ٹرٹرھ کی ہڈی سن کرتے دبے لہجے میں غرّایا۔

"آپ کے سامنے کیوں کال کروں اکیلے میں اپنے نمبر سے کروں گی۔ویسے بھی جانا تو صبح ہے نا۔۔" استہزائیہ انداز تھا۔

"جائیں کمرے میں جاکے کال کریں۔" بازو سے پکڑ کر اس کا رُخ بدل کر کمرے کی طرف دھکیل دیا۔

"جنگلی ، وحشی درندے !" وہ منہ کے بل گرتے گرتے بچی تھی۔ سنبھلتے ہی اس کی شان میں جملہ کسنے لگی۔

"کرو کال !" وہ بری طرح چلایا تھا۔اک پل کو شنائیہ چوہدری لرز سی گئی۔اس کی دھمکی اسے آتش فشاں

بنا گئی تھیں۔

"ہاں کروں گی کال۔۔اک نہیں سو بار کروں گی۔۔جس طرح آپ نے معصوموں کا خون بہایا اس کی بھی گواہ بنوں گی۔۔چچاجان نے معاملہ دبا دیا لیکن میں خود جاکے

ایف آئی آر

کٹواو

ہوں گی کہ مجھ سے محبت کرنے والے کو اس شخص نے میری آنکھوں کے سامنے گولیاں ماریں۔۔

پلٹ کے وہ اس سے اونچی آواز میں چلائی تھی۔نتیجتاً شاہ زر شمعون کا تماچہ پوری قوت سے اس کے رخسار پہ پڑا تھا۔وہ فرش پہ گر پڑی تھی۔

"محبت کا دعویٰ کرنے سے پہلے ،اگلے کی نسل کا تو پتا کرلیتیں۔"

اک نفرت بھری نظر ڈال کر وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ان کے شور سے باہر آتی دیا اور ماہم سارا منظر دیکھ کردم بخود رہ گئی تھیں۔دھول چاٹتی شنائیہ چوہدری رخسار پہ ہاتھ رکھے ششدر بیٹھی رہ گئی تھی۔

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط#19

شنائیہ چوہدری کو اس عزت افزائی کی توقع نہیں تھی۔ ہوتی تو شاید وہ کچھ لحاظ کر جاتی لیکن شاہ زر شمعون سے نفرت کا یہ عالم تھا کہ وہ ساری حدیں پھلانگ کر بس اس سے نجات کی خواہاں تھی۔ اس گھڑی وہ اس حد تک خود غرض ہو گئی تھی کہ بیمار باپ کی بھی پروا نہیں کر رہی تھی۔

سارا منظر دیا اور ماہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ شرمندگی اور ذلت کے باعث حواس سلب ہو گئے تھے، ماہم اس تک آئی تھی۔ وہ دیا کی طرف آس سے دیکھ رہی تھی کہ اس سلوک

پر شاید وہ شاہ زر شمعون کو آڑے ہاتھوں لیں اور جب اس کے پاس آ کر معاملہ جاننے کی بجائے دیا اس کے سامنے سے شاہ زر شمعون کے پیچھے گئیں تو اسے تقویت ملی۔

"دیکھا، کتنا برا سلوک کیا اس نے میرے ساتھ ۔۔۔؟ میرے ہی گھر میں اتنی درندگی دکھا رہا ہے حویلی لے جا کے تنہائی میں تو چیر پھاڑ کھائے گا۔"

ہونٹوں کی سوجن کو دوپٹے سے دبائے وہ ماہم سے ہمدردی کی خواہاں تھی۔ ماہم نے خاموشی سے اک نظر اس پہ ڈالنے کے بعد پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"اس میں تھوڑا زہر ڈال دو۔۔۔ تاکہ عزت کی موت تو مر سکوں۔۔۔ مجھ پہ ہاتھ اُٹھانے والا میرے ہی گھر میں شان سے رہ رہا ہے اور میں اتنی ذلت کے بعد بھی زندہ ہوں، مجھ سا بے غیرت کوئی کیا ہوگا۔" دل سوز لہجے میں کہتے وہ پھپھک کے رو رہی تھی۔ ماہم اس کا کندھا سہلانے لگی۔ سمجھ تو اسے بھی کچھ نہیں آیا تھا تب ہی کسی قسم کی رائے سے گریز کر رہی تھی۔

"بالکل سہی کہا، تم سا بے غیرت کوئی کیا ہوگا۔" دیا کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ اور وہ جو ہمدردی پانے کی آس میں بیٹھی ہوئی تھی آتے ہی دیا کے تند و تیز لہجے میں کہے جملے پر ٹھٹھک کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

"مما، اس نے مجھ پر ہاتھ اُٹھایا۔۔ آپ نے دیکھا نا۔" اس کا قلق ہی کم نہیں ہو رہا تھا۔

"شاہ نے بروقت ہاتھ اُٹھا کر احساس دلایا کہ تمہیں ناز و نعم سے پال کر ہم نے کتنی بڑی بے وقوفی کی۔۔۔۔" خشمگیں نظریں اس کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ماہم سب سمجھنے کی کوشش میں دونوں کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔

"کیا خبر تھی کہ آگے چل کے تم ہمارے لیے اتنی ذلت کا باعث بنو گی۔۔جسے نابیار باپ کی تکلیف کا احساس ہے ناماں کی تربیت کو شرمندہ کرنے کا دکھ۔۔۔کیا کمی چھوڑی تھی تمہاری تربیت میں، جو تم آج ہمیں یہ دن دکھا رہی ہو۔۔؟؟اچھا کھلایا، اچھا پہنایا۔۔ہر بات کی اجازت دی اور تمہاری زندگی کا اک فیصلہ کیا کر دیا تم نے سب پہ پانی پھیر دیا۔۔۔؟ والدین کی محبت، تربیت کا ذرا مان نا رکھ سکیں۔۔لڑکیاں ایسے ویسوں سے شادی کر کے ساری زندگی والدین کے سامنے اُف تک نہیں کرتیں اور تم۔۔۔۔۔تم نے ہمارے بہترین انتخاب پر جنگ کا اعلان کر دیا۔۔۔ذرا شرم لحاظ باقی نہیں تم

3

میں۔۔۔" دیا کا لہجہ غصیلا ہونے کے ساتھ دکھی ہو گیا۔

"مجھے وہ پسند نہیں۔" ساری باتیں سُن کے کسی قدر شرمندگی کا احساس ہوا تھا؛ لیکن اگلے ہی پل اس انسان کا احساس کرتے ناپسندیدگی کا اظہار بھی برمحل ہو گیا۔

"کون پسند ہے پھر۔۔۔؟؟ وہ طلحہ۔۔۔۔؟؟؟ جو تمہیں یونی میں تنگ کرتا رہا۔۔؟ جسے تم نے تھپڑ مارا اور اسی کا سبق سکھانے کو آج وہ تمہیں اغوا کرنے کو آگیا تھا، اپنے لاؤ لشکر کو لے کر۔۔۔" دیا کا لہجہ اُونچا ہو گیا تھا۔ یونی میں تنگ کرنے اور تھپڑ کی بات سُن کر وہ اک لمحے کو ٹھٹھک گئی۔۔ یہ سب انہیں کس نے بتایا۔۔؟ اس نے تو کسی سے ذکر تک نہیں کیا تھا، یہاں تک کے ناعمہ سے بھی نہیں۔

"سُن آئی ہوں شاہ سے سب کچھ۔۔۔ اور تمہاری محبت کا دعویٰ بھی۔۔ محبت کرنے سے پہلے جان تو لیتیں کہ وہ حویلی کے دشمنِ اول کا نواسہ اپنی ہار کو جیت میں بدلنے کے ارادے سے تم تک آیا۔۔ تمہیں اغوا کر کے حویلی والوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کی نیت رکھتا تھا ۔۔۔ تم نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اگر شاہ بروقت نہیں پہنچتا تو تم نے تو ہمیں جیتے جی مار دینا تھا۔۔۔ شکر کرو کہ تمہاری بکواس پر ناشاہ نے تمہارے منہ پہ طلاق کے تین بول مارے، نا تمہیں جان سے مارا۔۔۔

اتنا سب کچھ کر کے بھی تھوڑی سی عقل بچی ہے تو محافظ اور لٹیرے میں تمیز کر کے تھوڑی سی حیا کر کے شوہر سے معافی مانگ آو ہماری رگوں میں عزت پہ جان لینے اور دینے والوں کا خون دوڑ رہا ہے۔۔ جانے تم کس پہ چلی گئیں۔۔۔"

دل کی بھڑاس نکال کر ماہم کو ساتھ چلنے کا اشارہ کر کے دیا اس کے کمرے سے نکل گئی تھیں۔

"حویلی والوں کا دشمن۔۔۔یونی میں تھپڑ۔۔۔تو کیا شاہ کو سب پتا تھا۔۔؟؟"اس کے لیے بے حد حیران کن تھا۔

"محبت کا دعویٰ کرنے سے پہلے، اگلے کی نسل کا تو پتا کر لیتیں۔"اس کا جلا بُجھا جملہ یاد آیا تو نخوت سے ناک پھلا گئی۔

"اس کا دشمن میرے گلے پڑ گیا۔ غلطی اس کی اور قصور وار بھی میں۔۔اس کو مجھ سے معافی مانگنی چاہیے۔۔۔دشمن خود پالے اور بھگتان میں بھگتوں۔۔۔میں معافی مانگوں اس سے۔۔ مائے فُٹ"!

جوش میں سوجے ہوئے ہونٹ پہ دباو کچھ زیادہ زور سے پڑ گیا تھا۔ وہ کراہ کے رہ گئی۔

"کیڑے پڑیں گے ہاتھ میں۔ منحوس انسان!" رخسار پہ انگلیوں کے نشانات دیکھ کر غائبانہ صلواتوں کا و

قت ہوا چاہتا تھا۔

☆☆☆

میں فرض کراں !

تُو ظالم ایں

محبوب جو ہیں

تینوں سج دا اے

میں فرض کراں !

تینوں فرصت نئیں

تے نا ہووے

محبوب جو ہیں

تینوں سج دا اے

تُو ہکو گَل بس فرض چا کر

میں کُجھ وی ناں

انسان تے ہاں

یکطرفہ محبت میں، زور سامنے والے پہ کب چلتا ہے۔جب کوئی خود آگے بڑھ کے محبت کے رنگ سے روشناس نا کروائے تو اسی شخص سے جڑی مُحبت دل کے خانوں کو نوچتی رہتی ہے ۔یکطرفہ محبت کا گھاو ہر موسم میں لو دینے لگتا ہے۔ تہی دامنی کا احساس کچوکے لگاتا تھا۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا تھا اسے کالر سے پکڑ کے اس قدر جھنجھوڑے کے ساری کی ساری وفاداری جھڑ کے رہ جائے۔ محبت میں اظہار کا مان نا ہو تو وجود گیلی لکڑی کی طرح سُلگتا رہتا ہے۔وہ بھی سلگ رہی تھی، بھسم ہو رہی تھی لیکن دوسری طرف جیسے کوئی پرواہی نہیں تھی۔

آنے والے وقت کا احساس کر کے زندگی اور موت کے بیچ بہت کم فاصلہ محسوس ہو رہا تھا۔ حویلی والوں کی بخشی، ناپسندہ زندگی گزارنا موت سے بہتر فیصلہ تھا اس کے لیے۔ماں کی کمی شدت اختیار کر گئی تھی، ماں ہی تو ہوتی ہے، جس سے ہر بات بے دھڑک کہہ دیتے ہیں، حویلی میں شاید ہی کوئی اس کے درد سے واقف تھا۔ نا کھانے کا ہوش تھا نا موسم کے سرد و گرم کا۔

"کیوں بولائی بولائی پھر رہی ہو۔۔۔؟؟آو میرے پاس آ کے بیٹھ جاو

دی جان دالان میں گاوں کی عورتوں کے مسائل سُن رہی تھیں، جن مسائل کا حل ان کے پاس ہوتا تھا، اسی وقت اس کا حل بتا دیتی تھیں، جو مسائل باہر کے ہوتے تھے، انہیں چوہدری حشمت تک منتقل کر دیتی تھیں۔ان ہی وجہ سے گاوں میں حویلی والوں کی عزت دن بہ دن بڑھتی تھی۔ عورتیں روز ہی حویلی میں اپنے اپنے دکھڑے لیے آ موجود ہوتی تھیں۔

عیشال کتنی ہی دیر سے زمرد بیگم کو عورتوں کے بیچ ان کے مسائل سلجھاتے ہوئے دیکھ رہی تھی ۔یہ اس کا چوتھا چکر تھا، جب آخری عورت بھی انہیں سلام کر کے نکل گئی تو زمرد بیگم نے اس کی بے چینی کو دیکھ کر اسے قریب بلایا تو وہ قریب آ کر زمرد بیگم سے جڑ کے بیٹھ گئی۔

"طبعیت کیسی ہے اب۔۔؟" زمرد بیگم ماتھا چھو کر حرارت محسوس کرنے لگیں۔

"زندہ ہوں، آج ماں بہت یاد آ رہی ہے بی جان۔۔" تلخی سے کہہ کے آواز میں نمی گھل گئی۔

"ماں صدقے۔۔۔ کیوں یاد آ رہی ہے۔۔؟" زمرد بیگم نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور ہولے ہولے بال سہلانے لگیں۔

"حویلی میں سب ہی اپنی اپنی ماں سے لاڈ اٹھواتے ہیں، اک میں ہی۔۔۔" اس کی آواز حلق میں اٹکتے نمکین گولے کی وجہ سے بند سی ہو گئی۔ زمرد بیگم کو محرومی کی کوکھ میں پلی عیشال سے ہمدردی تھی۔ والدین کی کمی سے اس کی شخصیت میں جو محرومی آئی تھی انہیں اس کمی کا بخوبی احساس تھا۔۔ ہر بار زیادتی ہوتی تھی مگر اب جو ظلم ہونے جا رہا تھا اس سے اختلاف کے باوجود وہ چوہدری حشمت کو ان کے فیصلے سے اک انچ پیچھے نہیں ہٹا سکتی تھیں۔ سالوں حویلی پہ حکمرانی کے باوجود وہ بھی چوہدری حشمت کو ان کے فیصلے سے

اک انچ پیچھے نہیں ہٹا سکتی تھیں۔

"میں ہوں نا۔۔۔۔ ہر بات مجھ سے کرلیا کرو۔" زمرد بیگم نے اپنی گود میں اس کے آنسوؤں کی گرمی محسوس کی تو ان کا کلیجہ منہ کو آگیا۔

"خود کو بہلاو میری بچی، جانتی بھی ہو حویلی میں عورت کو منہ کھولنے کی بھی اجازت نہیں ۔کہاں تو بھی منزہ کی طرح۔۔۔۔" زمرد بیگم نے زبان دانتوں تلے دبالی تھی۔ جیسے کچھ غلط منہ سے نکل گیا ہو۔

"منزہ۔۔! کون منزہ دی جان۔۔۔؟" آنسوؤں کو بھول کے سر اُٹھا کر وہ ان کی شکل دیکھنے لگی تھی۔ زمرد بیگم مشکل میں پھنس گئی تھیں۔ لیکن بھلا ہو چوہدری اسفند کا جو انہیں مشکل سے نکالنے کو آموجود ہوئے۔

"السلام علیکم دی جان"!

چوہدری اسفند کی بارعب آواز پر عیشال جہانگیر اُٹھ کر سیدھی ہو بیٹھی، شانوں پہ موجود دوپٹا سر پہ لینے لگی۔

"سلام چچا جان"!

"والسلام! کیسی طبعیت ہے بیٹا۔۔؟" سامنے موجود دوسرے پلنگ پہ بیٹھتے اسفند خان نے خوش دلی سے احوال دریافت کیا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ مسکرا کے رہ گئی۔

"دی جان اپنا پاسپورٹ دے دیں، ٹکٹ کنفرم کروالوں۔۔ "

"کمرے میں ہے، بھجواتی ہوں کسی کے ہاتھ۔" زمرد بیگم اس صورتحال سے بچ نکلنے پہ شکر ادا کرتیں دوپٹا سر پہ جمانے لگیں۔

"آپ لوگ کہیں جارہے ہیں دی جان۔۔؟" اس کے کان کھڑے ہوگئے۔وہ سب بھول کے سوال کرنے لگی۔

" ہاں بچے۔۔۔دی جان، میں اور تمہاری چچی عمرہ کی ادائیگی کے لیے جارہے ہیں۔" سہولت سے جواب چوہدری اسفند نے دیا تھا۔

"چچا جان ! کعبہ کی زیارت کے لیے مجھے بھی لے چلیں، پلیز۔۔! "وہ بے ساختہ کہہ گئی تھی۔چوہدری اسفند اک نظر عیشال جہانگیر کے ملتجی چہرے پہ ڈال کے زمرد بیگم کو دیکھنے لگے ۔زمرد بیگم جواُٹھ کر پیروں میں چپل ڈالنے لگی تھیں، پھر پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

"باپ کے ہوتے ہوئے یتیموں والی زندگی گزاری ہے، انہیں تو کبھی احساس نہیں ہوگا، بھائی کوئی ہے نہیں۔" وہ دل گرفتگی کے احساس سے چُپ ہوگئی۔

"اُداس نہیں ہوتے بچے۔۔۔جاو، تم بھی اپنا پاسپورٹ لے آو چلو ہمارے ساتھ۔"چوہدری اسفند کو اس کی زود رنجی برداشت نا ہوئی تو فوراً ہامی بھرلی۔

"تھینک یو سو مچ چچا جان!" پہلے تو اسے اپنی سماعت کا دھوکا لگا۔ پھر ممنونیت کے احساس سے آنکھیں نم ہو گئیں۔

"آل ویز ویلکم بیٹا۔۔ جاو جلدی سے لے آو وہ مہربان مسکراہٹ لیے جلدی کے لیے اصرار کرنے لگے تو وہ تیزی سے اُٹھ کر اپنے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔

"اسفند! تم نے سوچے سمجھے بنا عیشال کو ساتھ لیے جانے کی ہامی بھر لی۔ تمہارے بابا جان شاید اس بات کو پسند نا کریں۔" زمرد بیگم نے پُر سوچ انداز میں جیسے انہیں اپنے فیصلے میں ترمیم کا اشارہ کیا۔

"بابا جان سے بات کر لوں گا بی جان۔۔۔ بچی نے کون سا کسی ناجائز خواہش کا اظہار کیا۔۔۔؟ کیا

جہانگیر بھائی کا عیشال کے ساتھ رویہ ہمارے سامنے نہیں۔۔؟ انہیں کبھی اس معصوم پر ترس نہیں آیا۔۔۔ اور اب اس معصوم پہ جو ظلم ہونے جا رہا ہے، مجھے اس سے بھی اختلاف ہے لیکن۔۔"

چوہدری اسفند لب بھینچ کر چپ رہ گئے۔ ان کے ہاتھ، پاوں بھی حویلی کے اُصولوں نے باندھ رکھے تھے۔ چوہدری حشمت کی حکم عدولی نہیں کر سکتے تھے۔ زمرد بیگم بھی چپ سی رہ گئی تھیں۔

اسے بالکل اُمید نہیں تھی کہ چوہدری اسفند اتنی آسانی سے اسے ساتھ لے جانے پر راضی ہو جائیں گے۔ تب ہی جلدی سے پاسپورٹ ان کے حوالے کرنے کو دوڑی، مبادا ان کا ارادہ بدل جائے۔۔

"آرام سے۔۔۔ طبعیت ٹھیک ہوئی نہیں کہ تم نے اولمپک کی ریس میں حصہ لے لیا۔۔۔"

سیڑھیوں پر ہی اسے سمہان آفندی مل گیا۔ اس کی تیز رفتاری دیکھ کر گرل سے لگ کے متوقع ٹکراو سے بچتے سوال کر گیا۔

"اپنے کام سے کام رکھو۔۔" منہ چڑھا کے لٹکتا دوپٹا شانوں پہ برابر کرنے لگی۔ ورنہ قدموں تلے آتے دوپٹے سے اُلجھ کر خود اس کے گرنے کے امکانات خاصے روشن تھے۔

"کیا ملک چھوڑ کے بھاگ رہی ہو۔۔؟؟" ہاتھ میں پاسپورٹ دیکھ کر اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں، تمہیں کوئی تکلیف۔۔؟" تڑخ کے بولی۔

"واقعی۔۔؟؟" اس کے ساتھ اسٹیپ اترتا وہ حیران تھا۔ خبری کو اپنی بے خبری پہ حیرانی ہوئی۔ اسے حیران چھوڑ کر عیشال جہانگیر تیزی سے باقی کی سڑھیاں طے کر کے دالان میں آ گئی، جہاں چوہدری اسفند اکیلے براجمان تھے۔

"یہ لیں چچاجان، پاسپورٹ۔" اس نے جھٹ ان کے حضور پیش کیا۔ تب تک سمہان آفندی بھی داخل ہو چکا تھا۔

"آپ نے بلایا تھا ڈیڈ۔" عیشال کو مقابل دیکھ کے وہ صورتِ حال سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سمہان! گاڑی نکالو۔۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔"

چوہدری اسفند کے بلاوے پہ آیا سمہان آفندی تمتماتے چہرے کے ساتھ پاسپورٹ کو دیکھتی عیشال جہانگیر کو دیکھ کے سمجھ گیا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔

"جی ڈیڈ! آپ آجائیں میں تب تک فیول وغیرہ چیک کرتا ہوں۔" وہ مودب ہو کے پلٹ گیا۔

"ہونہہ! جل ککڑا۔۔۔ کیسے حیران رہ گیا۔"

اس گھڑی حویلی سے رہائی کی خوشی ہی اتنی تھی کہ وہ ہر بات کو فراموش کر کے اس کی حیران شکل یاد کر کے محظوظ ہونے لگی۔

☆☆☆

آخر ایسی کیا بات ہو گئی بھائی صاحب جو آپ لوگوں نے راتوں رات شہر چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے حویلی جا بسنے کا فیصلہ کر لیا۔ بچیوں کے ساتھ ایسے چھوٹے موٹے معاملات تو ہوتے رہتے ہیں۔"

صہبااور نرمین آئی بیٹھی تھیں۔نرمین صہبا کے اصرار پر آتو گئی تھی لیکن کسی قدر بے زاری کا مظاہرہ کرکے اپنے سیل فون میں بزی تھی۔ گو کہ حویلی لوٹنے کا فیصلہ سابقہ سانحے سے پہلے کا تھا لیکن صہبا، طلحہ والے واقعے کو ان کی واپسی سے جوڑ کے کہانی کو نیا رنگ دینا چاہ رہی تھیں۔انداز معنی خیز تھا جیسے شنائیہ کی چوری پکڑی گئی ہو۔چوہدری بخت اس واقعے سے لاعلم تھے۔صہبا کے انداز پر دیا اک دم سے سٹپٹا گئیں۔

"حویلی لوٹنے کا فیصلہ تو بخت، نکاح کے موقع پر ہی سنا آئے تھے صہبا، تم وہاں موجود نہیں تھیں،اس لیے بے خبری پہ حیرت ہوئی ہوگی۔" دیا نے سنبھل کے گوش گزار کیا۔

"آپ کہہ رہی ہیں تو ایسا ہی ہوا ہوگا لیکن بھائی صاحب کو اچانک ہارٹ اٹیک کی شکایت سمجھ نہیں آئی۔۔۔ کوئی اسٹریس ہے بھائی صاحب۔۔۔؟ جہانگیر ہیں نا ان سے کہہ دیں، جیسے انہوں نے یہ معاملہ سلجھا دیا ہے۔ باقی بھی سلجھا دیں گے۔" صہبا ملنے کی نیت سے آئی تھیں ۔چوہدری بخت اسی باعث بمشکل کمرے سے نکل آئے تھے۔اور اب ان کی عجیب و غریب باتیں انہیں حیران کر رہی تھیں۔

"کون سی باتیں صہبا۔۔؟"

"کھانا لگواوں صہبا۔۔؟ کھانے کا وقت ہو چکا ہے۔ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔" صہبا کی لن ترانیوں سے دیا کو خوف آنے لگا تھا۔ کہیں چوہدری بخت سب جان نا جائیں وہ اس حال میں نہیں تھے کہ مزید کوئی صدمہ برداشت کر پاتے۔ تب ہی کھانے کا ذکر کر بیٹھیں۔

"آج ہماری ویڈنگ اینیورسری ہے، جہانگیر نے ڈنر پلان کر رکھا ہے ہم باہر ہی کریں۔" صہبا کے اٹھلا کے بولنے پہ دیا مسکرا دیں۔

"بہت مبارک ہو۔"!

"خیر مبارک" !

"نرمین بیٹی کا موڈ آف لگ رہا ہے، جاو نا بیٹا بہن کو اپنے کمرے میں لے جاو اس سے پہلے کے صہبا پھر کوئی گل فشانی کرتیں، دیا نے باتوں کا رُخ موڑ کر ماہم کو اشارہ کیا، وہ کب سے قریب ہی بیٹھی تھی لیکن نرمین سوشل ایپس میں بزی ہو کر اسے مکمل نظرانداز کر چکی تھی۔ اب بھی دیا کے کہنے پر وہ سوالیہ نظروں سے نرمین کو دیکھنے لگی۔

"میں ٹھیک ہوں تائی جان ! گروپ میں چیٹنگ چل رہی ہے۔" وہ ذرا کی ذرا سر اُٹھا کے اپنی مصروفیت کا اعلان کر کے سامنے موجود لوگوں کی اہمیت کو دو کوڑی کا کر گئی۔

"بس ان دنوں کچھ اپ سیٹ ہے، بُرا نا مانیے گا۔" صہبا بیٹی کی طرف داری کو آئیں۔

"اپ سیٹ کیوں۔۔۔سب خیر ہے؟" اب جب انہوں نے اپ سیٹ کا سوشہ چھوڑ ہی دیا تھا تو دیا کا پوچھنا بھی بنتا تھا۔

"جو سچ کہوں تو میری نرمین آپ لوگوں کی وجہ سے اپ سیٹ ہوئی۔۔" صہبا کے بے دھڑک بولنے پہ سب چونک کر اک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

"ہماری وجہ سے۔۔؟؟" چوہدری بخت کو حیرانی ہوئی۔

"اچھا بھلا بابا جان اور سمہان کا کراچی آنا طے ہو گیا تھا۔ باقی سب بھی آجاتے اور جلد ہی سمہان اور نرمین کا نکاح بھی ہو جاتا لیکن بھائی صاحب میں آپ سے سخت ناراض ہوں۔آپ نے بابا جان کو آنے سے منع کر کے میری بچی کی خوشی کی راہ کھوٹی کر دی۔۔آپ کے حویلی جانے کے فیصلے نے ہمارے سارے پلان پہ پانی پھیر دیا اور اب ان دونوں کا نکاح بی جان اور اسفند اور فریال کی عمرے سے واپسی تک موخر کر دیا ہے بابا جان نے۔۔"

لحاظ و مروت، رواداری صہبا ان تمام لفظوں سے نابلد تھیں۔صاف سیدھے انداز میں انہیں موردِ الزام ٹھہرا گئیں تو چند لمحوں تک کوئی کچھ بول ہی نا سکا۔

" سمہان اور نرمین کا نکاح۔۔۔یقین کرو صہبا ہمیں ذرا علم نہیں اس بات کا؟؟" حیرت کا اظہار کرتے دیا، چوہدری بخت کی طرف دیکھنے لگیں کہ شاید چوہدری جہانگیر نے بڑے بھائی کو اعتماد میں لیا ہو۔۔ان کی نظروں کا مفہوم پا کے چوہدری بخت نفی میں سر ہلانے لگے۔

"دیا ٹھیک کہہ رہی ہے صہبا۔۔ جہانگیر نے مجھ سے ایسی کوئی بات شیئر ہی نہیں کی، نا ہی بابا جان کی طرف سے کوئی اطلاع ملی۔ ورنہ ہم کیوں بچی کی خوشی خراب کرتے۔" چوہدری بخت دھیمی آواز میں دفاع کرنے لگے۔

"جہانگیر کو یاد نہیں رہا ہوگا۔۔ ویسے بھی اس بات کو زیادہ دن نہیں ہوا۔۔ ممکن ہے آپ کی طبعیت کے باعث بابا جان کو بتانے کا موقع نہیں ملا ہوگا۔ لیکن افسوس تو ہو رہا ہے نا۔" دونوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ صہبا کی بات پہ کیسے ری ایکٹ کریں۔ نرمین الگ منہ بسورے انہیں موردِ الزام دیتے تاثرات سجائے بیٹھی تھی۔ ماہم نے اک نظر نرمین کے چہرے پر ڈالی۔ اور سمہان کے ساتھ اسے تصور میں دیکھ کے سوائے افسوس کے رنگ پھیلنے کے کچھ نا ہوا۔

☆☆☆

"کوئی ٹینشن تو نہیں ہے سمہان۔۔۔"

صبح حویلی پہنچ ہی جانا تھا۔ لیکن تب تک شاہ زر شمعون کو فکر مند بھی رہنا تھا۔ تب ہی پل پل کی خبر لے رہا تھا۔

"طلحہ حویلی پہنچ گیا ہے، اور اس پہ مقرر لوگوں کو ہدایت کر دی ہے کہ جو بھی ہو جائے اسے سونے نا دے۔۔۔ اسے ہر پل جاگتے رہنا ہے اور جاگ کر اپنی اذیت کو محسوس کرتے رہنا ہے"۔

نرم و لطیف جذبے رکھنے والا، بذلہ سنجی کے لطیف پیرائے میں بات کرنے والا سمہان آفندی دشمن کو اذیت دینے کے لے اس حد تک سوچ سکتا ہے، یہ شاید اس کے قریبی لوگ بھی نا جانتے ہوں۔۔۔ وہ دوستوں کا دوست اور اپنوں کے دشمنوں کا ایسا دشمن تھا جو گھر میں گھس کے مارنے کا عزم رکھتا تھا۔اس وقت تک نا صرف طلحہ کی اچھی خاصی خاطر ہو چکی تھی بلکہ طلحہ کی پارٹی کی طرف سے ممکنہ حملے کا جواب دینے کے لیے اس نے اس کے گھر کے اطراف اپنی پارٹی کو لگا رکھا تھا تاکہ ان کی ذرا سی بھی مومنٹ پر ونہیں ان کا کام تمام کیا جا سکے اور انہیں حویلی کی طرف رُخ کرنے کا موقع بھی نا ملے۔

"ویری گڈ! یہ تو واقعی تو نے بہت اچھا کیا، دشمن کو اس کے گھر میں محصور کرنا بھی تیرا ہی خاصہ ہے۔اور نیند سے ترسانا، اس سے بڑا ٹارچر کیا ہوگا۔" ساری تفصیلات جان کے شاہ زر شمعون سر اہے بنا نا رہ سکا۔

"دشمن کی اتنی مجال کے ہماری حویلی کی طرف آ کے اک گولی بھی داغے۔۔۔ اس سے پہلے ہی اس کے گھر کو مقبرے میں بدل دوں گا۔" غیض و غضب دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

"اتنا غصہ نا کھا چھوٹے۔۔۔ تجھ پہ فخر ہے!" شاہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"تیرا یہ روپ پہلی بار دیکھ کے حیرت ہو رہی ہے کہ میرا چھوٹا اتنا بڑا ہو گیا۔۔اور اس کے اندر اتنی کوالٹی بھی ہے۔۔۔ ورنہ ہر گھڑی تیری در گزر اور باتوں سے معاملہ سلجھانے والی

"دیکھ رہا ہوں، میرا بیٹا کتنا بڑا ہو گیا ہے کہ بالا ہی بالا حویلی کے معاملات ڈیل کر لیتا ہے اور کسی کو خبر ہی نہیں ہوتی، بظاہر اتنا کھلنڈرا نظر آنے والا سمہان آفندی اندر سے اس حد تک پکا ہے۔ میں باپ ہوں لیکن شاید شاہ کی طرح میں بھی حیرانی کا اظہار کروں تو بے جا نہیں ہوگا ۔۔۔ میں بھی آج تک تمہیں نہیں جان سکا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے ڈیڈ!" کسرِ نفسی دکھائی۔

"بات تو اس سے بڑھ کے ہے۔۔ میں حویلی میں رہتا ضرور ہوں، کیوں کہ میرے اپنے یہاں ہیں لیکن آج تک حویلی کے لیے وہ سب نا کر سکا جو بات میں نے تم میں اور شاہ میں دیکھی ہے۔۔۔ فیروز بھائی بھی حویلی کے لیے شاید اس حد تک نا سوچتے ہوں جتنا شاہ یا تم سوچتے ہو۔۔۔ سچ پوچھو تو بابا جان کے سگے بیٹے ہم چار بھائی ہیں لیکن ان کے خون ہونے کا حق صحیح معنوں میں تم اور شاہ ہی ادا کر رہے ہو۔۔۔ ان کے ہر حکم پہ بن چوں چرا سر خم کر دینا، تم دونوں کا ہی خاصہ ہے۔۔۔ اتنے تابع اور فرماں بردار تو بابا جان کے تمام بیٹے بھی نہیں رہے کبھی۔۔۔ ہم نا صحیح لیکن تم دونوں قابلِ تعریف ہو۔۔۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا ہم بابا جان کا بازو بنتے لیکن سب کو اپنے اپنے تحفظات رہے۔ مجھ سمیت سب نے اپنی پسند کی زندگی جی۔۔۔ وفاداری کا اصل چہرہ کسی کو دیکھنا ہو تو تم دونوں کو دیکھ لے۔" چوہدری اسفند پوری سچائی سے سراہ رہے تھے۔

"حویلی میں رہنے کے باوجود کبھی ان کے رنگ میں نارنگ سکا اور میری مقدور بھر کوشش تھی کہ تم پر بھی حویلی کا رنگ نا چڑھے۔۔ چاہتا تھا پڑھا لکھا کر تمہیں یورپ میں ہی سیٹ کر دوں لیکن تم نے ابروڈ کی بجائے ملک سے ہی مکینکل انجینئرنگ میں ماسٹرز کرنے کو ترجیح دی۔۔ تم نے قلم تھاما لیکن تمہاری ہتھیاروں سے دلچسپی بچپن سے ہی رہی اور آج یہ دیکھ کر خوشی ہے کہ اپنے گھر فیملی کے تم ہی محافظ ہو۔۔ خون خرابہ، ان سب کو ناپسند کرنے کے باوجود، یہ اٹل حقیقت ہے کہ انسان میں اپنی فیملی کا دفاع کرنے کی صلاحیت ضرور موجود ہونا چاہیے۔۔ پراوڈ آف یو مائے سن"!

چوہدری اسفند محبت و فخر سے لبریز اس کے شانے پہ ہاتھ پھیلا کر اس کا بازو دبا گئے۔۔۔ جو گلٹ خود سے تمام عمر رہے وہ اولاد کی شکل میں مٹ جائے تو انسان ایسے ہی جذبات کا اظہار کر جاتا ہے جیسے اس گھڑی وہ کر گئے تھے۔

"شرمندہ نا کریں ڈیڈ۔۔۔ میرا یا بڑو کا کوئی کمال نہیں ہے۔ کمال تو آپ بڑوں کے خون کا ہے، جو ہماری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔۔ یہ آپ کے خون کی ہی وفاداری ہے جو آج ہم سرخرو ہیں۔" وہ جذب سے کہتے باپ کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ گیا تھا۔

"تم بھی چلتے نا ہمارے ساتھ عمرہ پہ۔۔" چوہدری اسفند نے خواہش کا اظہار کیا۔

"اس وقت میرا حویلی میں رہنا بہت ضروری ہے۔۔۔۔اور پھر بلاوے کے بنا وہاں کون جا سکتا ہے۔ میرا بلاوا آیا تو ضرور جاوں گا۔۔آپ جا کر دعا کیجیے گا۔"

وہ سہولت سے کہہ گیا تو وقت کی نزاکت کو محسوس کر کے چوہدری اسفند بھی سر ہلا گئے۔عیشال بھی ان کے ساتھ جا رہی تھی۔اس کا خیال آتے ہی لب بھنچ گئے تھے۔وہ وفاداری کی کتنی بڑی قیمت چکانے جا رہا تھا یہ اسے ہی معلوم تھا۔

☆☆☆

"آج انوشا بھی خیر سے رُخصت ہو گئی۔۔۔۔میری اک ذمہ داری پوری ہو گئی۔۔۔کیا ہی اچھا ہوتا، جو جیتے جی تمہیں بھی رُخصت کر دیتی۔" انوشا کی رُخصتی کے بعد گھر میں بیٹی کی جدائی جیسا ماحول تھا۔اس کی شادی کی خوشی تھی تو جدائی پہ دل افسردہ بھی تھا۔

"میرے بارے میں اتنا مت سوچیں، میں نے آپ کے ساتھ ہی رہنا ہے۔" ماورا یحییٰ اعلان کرتے ہوئے قریب کھسک آئی۔ منزہ کے ہونٹوں پہ تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بُجھتے چراغ کی لو کب تک روشن رہے گی۔۔۔کسی نا کسی وقت تو بُجھ ہی جانا ہے۔"

"ایسی باتیں نا کریں اماں، پلیز۔۔۔انوشا کے بعد پہلے ہی اکیلا پن کاٹنے کو دوڑ رہا ہے۔آپ تو جانے کی باتیں نا کریں۔" منزہ کی یاسیت دیکھتے وہ تڑپ کے گویا ہوئی۔انوشا نہیں تھی۔اب دونوں کھل کے بات کر سکتی تھیں۔

"میرا جانا تو اٹل ہے، بہتر ہے تم ذہنی طور پہ تیار رہو۔۔۔ میرے جانے کے بعد ہر چیز کا دھیان رکھنا۔۔۔ ٹرنک میں کچھ چیزیں تمہارے لیے رکھی ہیں، تم میری سمجھدار بیٹی ہو ۔۔۔ کچھ حقیقت بتاتے ہوئے حیا آتی ہے لیکن بتانا بھی ضروری ہوتا ہے۔۔۔ اب یہ جاننے والے پر ہے کہ حقیقت جان کے نفرت کرتا ہے یا محبت۔۔۔ جو بھی ہو زندگی میں تو انسان نفرت کا سامنا نہیں کر سکتا۔۔۔، مناسب لگے تو انوشا کو بھی بتا دینا۔ اور میری خواہش کا احترام کرنا۔۔۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں اماں۔۔" ان کی باتیں سن کے دل عجیب سا ہو رہا تھا۔ کچھ چیزوں کا سُن کے دھیان فوراً اس ڈائری کی طرف گیا تھا۔ لیکن اس تک رسائی کی شرط منزہ کی موت تھی تو اسے وہ بھی گوارا نہیں تھا۔ سارے تجسّس کو وہ آگ لگا سکتی تھی۔

"نا اُمیدی کی باتیں چھوڑیں۔۔ انوشا کی شادی ہو گئی ہے۔ میں کل ہی ڈاکٹر بخت سے اپائنٹمنٹ لیتی ہوں۔۔۔ آپ نے وعدہ کیا تھا چلنے کا۔"

"کیوں وقت اور پیسہ گنوانے پہ کمربستہ ہو۔۔؟" اک بار پھر اس ذکر سے منزہ کو اُلجھن ہونے لگی۔ لیکن ہامی بھر چکی تھیں اس لیے کھل کے انکار نا کر سکیں۔

"آپ کی زندگی ہے بڑھ کے کچھ نہیں ہے۔۔ آپ بس چل رہی ہیں میرے ساتھ۔"

اس کے اٹل لہجے پر منزہ خاموش سی ہو گئی تھیں۔۔ کس منہ سے سامنا کرتیں حویلی والوں کا۔۔ ماورا انہیں مشکل میں ڈال کر سو گئی تھی اور وہ اپنے گناہوں کو یاد کر کر کے ساری رات روتی رہیں۔

☆☆☆

"اس کے اشاروں پہ نہیں چلوں گی۔۔ حویلی گئی تو وہ اپنی جیت سمجھے گا اور میں اسے جیتنے نہیں دوں گی۔ کسی کو میری پروا نہیں ہے، میں بھی کسی کی پروا نہیں کروں گی۔ جب اس طرح جانوروں کی طرح اس وحشی سے باندھنا تھا تو پہلے کیوں آزادی دی۔۔۔؟؟ زندگی کے سب سے اہم فیصلے پر بلیک میل کیا، مجھے نہیں رہنا اس درندے کے ساتھ۔۔"

تھپڑ کھا کے، دیا کی صلواتیں سن کے بھی اسے عقل نہیں آئی تھی۔ ماہم کا سمجھانا بھی بے سود گیا تھا۔ وہ اپنی ہی لگائی آگ میں جل رہی تھی۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ حویلی نہیں جائے گی۔ لیکن گھر رہ کے ایسا کس طور ممکن نہیں تھا۔ وہ زور زبردستی سے ساتھ لے جاتا، پھر کیا کرتی۔۔۔۔ کوئی اس کے احتجاج کو سنجیدگی سے لینے کو تیار نہیں تھا۔ تب ہی اس نے گھر سے بھاگنے کا پلان بنا لیا تھا۔ اور سب کے سونے کی منتظر تھی تاکہ آرام سے نکل سکے۔ چھت پر محافظوں کا پہرہ تھا۔ مین گیٹ سے ہی کہیں جانے کا بتا کر آرام سے نکل سکتی تھی، ورنہ کسی بھی مشکوک سرگرمی کے باعث سارا پلان چوپٹ ہو سکتا تھا۔

کھانے سے اس نے انکار کر دیا تھا۔ دیا نے بلایا بھی لیکن وہ انکاری رہی، ملازمہ کمرے میں کھانا دے گئی تھی لیکن اس نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ منتظر تھی تو سناٹے کی۔ اور جب ہر سو سناٹا پھیل گیا تو وہ چھوٹا سا بیگ اُٹھا کر دبے قدموں نکل آئی۔ رات کے آخری پہر محافظ بھی کچھ سُست، محسوس ہو رہے تھے۔ اک آدھ کے علاوہ سب سو رہے تھے اور اس اک کی ڈیوٹی تھی وقفے وقفے سے باونڈری کا چکر لگانا۔ مین گیٹ سے وہ باآسانی نکل سکتی تھی، بنا کسی کو کانوں کان خبر کیے ہوئے۔

اپنے پیچھے دیکھتی، جوتی ہاتھ میں لیے وہ پیر دبا کے مین گیٹ تک آئی تھی۔ آٹومیٹک لاک کا بٹن دباتا ہاتھ موٹا سا تالا دیکھ کر اک لمحے کو ٹھٹھک گیا۔

"یہ تالا کہاں سے آگیا۔۔؟" تالا پکڑ کے وہ از حد حیران تھی۔ حیرت بجا تھی، اس سے پہلے کبھی تالے کو دیکھا جو نہیں تھا۔ شاید گذشتہ واقعے کے بعد سے اس کی ضرورت محسوس کی گئی ہو۔۔

"چابی تو گل خان کے پاس ہی ہو گی۔ اسے کیسے بولوں۔۔۔؟؟" چند ثانیے وہ جھنجلاتی رہی۔

"کوئی سوال کیا تو کیا جواب دوں گی۔۔۔؟؟ مالک میں ہوں، اس کی اتنی مجال کے مجھ سے سوال کرے۔" نخوت سے سر جھٹک کے گیٹ سے متصل کمرے کی طرف بڑھی، جہاں گل خان سو رہا تھا۔

"گل خان"!

"اوئے کون ہے۔۔؟"

ہلکے ہلکے دیوار بجا کر بالآخر اس نے اسے جگا ہی دیا تھا۔وہ ہڑبڑا کے جاگنے کے ساتھ اپنی گن سیدھی کرنے لگا تو شنائیہ چوہدری کا حلق خشک ہو گیا۔

"میں ہوں، شنائیہ۔۔" اس نے جلدی سے تعارف کرایا۔

"بی بی آپ اس وقت۔۔سب خیر ہے؟" اسے دیکھتے گن رکھ کے آنکھیں ملنے لگا۔

"سب خیر ہے، تالا کھولو۔" وہ خود کو نارمل ظاہر کرتی آگے چلنے کا حکم دے رہی تھی۔ہاتھ میں پکڑی جوتی پہن لی تھی۔

"تالا کھولوں، اتنی رات کو۔۔۔؟؟" اس کی تقلید کرتے وہ باہر نکل آیا تھا۔

"کیوں اتنی رات کو باہر جانے کی ضرورت نہیں پڑ سکتی۔۔۔؟؟ پپا کی دوا لینے ہاسپٹل جانا ہے، کھولو جلدی۔" بہانہ گھڑتے وہ اس کی کمر سے لٹکے چابیوں کا گچھا دیکھنے لگی۔

"آپ اکیلی جائیں گی۔؟؟" اس کے بیگ کو دیکھتے نظریں سوالیہ ہوئیں۔

"سارے زیرو زیرو سیون ہیں۔" وہ بدبدا کے رہ گئی۔

"اکیلی نا جاوں تو کیا پڑوس کے گھر سے بھی لوگوں کو اکٹھا کر لوں۔۔۔؟؟ تم تالا کھول رہے ہو یا نہیں۔" سختی سے اسے گھور رہی تھی۔

"شاہ صاحب کو پتا چلا کے ہم نے آپ کو اکیلے جانے دیا تو بہت غصہ ہوئے گا۔اس نے تو تالا ڈال کے چابی دی تھی۔"

"اس شاہ صاحب کی تو۔۔" وہ بل کھا کے رہ گئی۔

"شاہ صاحب اس گھر میں مہمان ہیں اور میں مالک۔۔ تم وہی کروگے جو میں کہوں گی۔" ازلی نخوت سے گویا ہوئی تو گل خان گومگو کی کیفیت میں گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔گل خان رُعب میں آگیا تھا۔شکر کرتی وہ بھی تقلید کر رہی تھی۔

"کیا ہوا، تالا کیوں نہیں کھل رہا۔۔؟؟" جب اک کے بعد دوسری چابی گل خان لگا کر نا اُمید ہونے لگا تو وہ بھنچے بھنچے انداز سے چلائی۔

"پتا نہیں بی بی، صاحب نے تو یہی چابی دیا تھا لیکن اب کھل نہیں رہا۔۔" گل خان بھی پریشان تھا۔اتنی چابیوں کے بیچ نیند سے اُٹھ کے جُھل خواری، اوپر سے اس کا غصہ الگ تنگ کر رہا تھا۔

"جب چابی دی ہے تو اسی سے کھلے گی۔لاو مجھے دو۔" اک تو ٹائم نہیں تھا، مزید دیر ہو رہی تھی۔وہ چابیوں کا گچھا لے کے خود ٹرائی کرنے آئی۔

"کیا مُصیبت ہے۔۔؟" ناکامی پہ وہ جھنجلانے لگی۔

"گل خان! تالے کی اصل چابی لو اور بی بی کے لیے گیٹ کھول دو۔"

تالے میں اک کے بعد دوسری چابی ڈالتے اس نے بے توجہی سے عقب سے آتی آواز پر پلٹ کے دیکھا تھا۔ ہوا کے دوش پہ اُڑتی ہوئی چابی گل خان کے ہاتھ تک آئی تھی۔ چابی کی اُڑان کو دیکھتے گل خان نے کیچ کرنے کے لیے ہاتھ پھیلا دیے تھے۔ شاہ زر شمعون کو دیکھ کے وہ لڑکھڑا کے دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"بی بی گیٹ کھل گیا۔" گل خان نے تالا کھول دیا تھا۔ وہ پتھرائی آنکھوں سے شاہ زر شمعون کو دیکھ رہی تھی جو ہاتھ کے اشارے سے گیٹ کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔ لیکن اس کے قدم پتھرا گئے تھے۔ وجہ اس کی استہزائیہ نظریں نہیں تھیں، جو جتا رہی تھیں کہ وہ پہلے ہی اس کے ارادوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ وجہ تو اس کے پیچھے کھڑی دیا تھیں، جو حیرت کی تفسیر بنی کھڑی تھیں، اور انہیں سنبھالے ماہم افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، چھوٹی ہونے کے باوجود، کتنا سمجھایا تھا اس نے، لیکن نتیجہ لاحاصل تھا۔

"گیٹ تو کھل گیا ہے۔۔۔ جاو جاتی کیوں نہیں۔۔۔؟؟" دیا چند قدم آگے آئی تھیں۔ وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی۔ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کی شرمندگی تھی۔

"شاہ نے جب قبل از وقت اس خدشے کا اظہار کیا تو، مجھے اس پر تھوڑا غصہ بھی آیا کہ یہ میری بیٹی کے

لیے ایسا کیوں بول رہا ہے لیکن جب رات کی تاریکی میں چوروں کی طرح اپنی بیٹی کو نکلتے دیکھا تو اپنی سوچ پر افسوس ہوا کہ میں تو اپنی بیٹی کو آج تک سمجھ ہی نہیں سکی کہ اپنی ضد میں والدین، خاندان کا نام حسب، نسب خاک میں ملا کر وہ کتنے آرام سے بھاگ رہی ہے۔۔۔

ساری زندگی عیش و عشرت میں پالا، اور آج تم اسی کا حق ادا کر رہی ہو۔۔۔

کھڑی کیوں ہو، جاؤ نا بیمار باپ کی پروا کرو، ناماں کی تربیت و عزت کا۔۔۔ جاؤ۔۔ جاتی کیوں نہیں۔" دیا صدمے سے چلانے لگی تھیں۔آگے بڑھ کے اسے گیٹ سے باہر دھکا دینے لگیں جس کے باعث وہ چند قدم ہل گئی۔

"چچی جان! سنبھالیں خود کو۔۔۔ ماہم چچی جان کو کمرے میں لے جاو اور چچا جان کو خبر نا ہونے دینا کسی بات کی۔ گل خان اپنے کمرے میں جا روتی بلکتی دیا کو مخاطب کر کے اس نے ماہم کے حوالے کیا۔ساتھ ہی گل خان کو ہدایت دی تو وہ چپ چاپ چلا گیا۔

"اسے جانے دو شاہ، جہاں مرضی ہے اس کی جانے دو۔۔ سمجھ لیں گے ہماری بیٹی مر گئی۔" گلو گیر لہجے میں کہتے دیا ماہم کے ساتھ لگ گئی تھیں جیسے مزید کھڑا ہونے کی ہمت نا ہو۔۔۔

"کیا چاہ رہی ہیں آپ کہ ہمارے والدین کو کچھ ہو جائے۔۔۔؟؟ پپا کو آپ کی وجہ سے ہارٹ اٹیک ہوا، اب مما کی حالت غیر ہو رہی ہے، چاہ کیا رہی ہیں آپ۔۔۔؟ اپنی خود غرضی میں مت بھولیں کہ یہ صرف آپ کے نہیں میرے بھی والدین ہیں اور میں آپ کو انہیں دکھ

پہنچانے کی قطعاً اجازت نہیں دوں گی۔ جائیں، جہاں جانا چاہتی ہیں چلی جائیں، کم از کم آپ کے روز روز کے ڈراموں سے تو نجات ملے گی۔۔۔ بڑی ہیں آپ لیکن اندر سے بہت چھوٹی ہیں ۔خود غرض، بے حس۔۔۔ کسی رشتے کا مان نہیں

رکھا آپ نے، شرم آنی چاہیے آپ کو۔" ماہم کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا تھا۔ والدین کو اس حال میں دیکھ کے اسے شنائیہ پہ شدید غصہ آنے لگا تھا۔

ماہم دیا کو لے کے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ دیا کے لفظ اور ہارے ہوئے انداز اس نے بغور دیکھا تھا۔ اک پل کو ندامت بھی ہوئی۔ جس نے قدم جکڑ لیے تھے۔ چوہدری اسفند بستر پہ تھے ۔ڈاکٹر نے انہیں آرام کا کہا تھا۔ اس کی ذرا سی بھی غلط حرکت انہیں پھر سے ہاسپٹل بھیج سکتی تھی۔ دیا کا ٹوٹا ہوا مان اسے اپنی ہی نظر میں چھوٹا کر گیا تھا تو چھوٹی بہن بے بھاو کی سنا گئی تھی۔ اک اس سے جنگ میں وہ سب بھول گئی تھی۔

اب صرف وہ دونوں رہ گئے تھے۔ وہ چند ثانیے کچھ سوچتی رہی تھی۔ آیا اس کے عمل سے سب سے زیادہ کس کا نقصان ہونا تھا، یقیناً اس کے والدین کو ہی ہوتا۔ اسے زچ پہنچانے کے لیے وہ اور بھی تو کچھ سوچ سکتی تھی۔ حویلی کون سا دنیا کے نقشے سے باہر تھی۔ جب یہاں سے بھاگ سکتی تھی تو حویلی سے کیا مشکل تھی۔ یہی سوچ کر اس نے اپنے قدم اندر کی طرف موڑ لیے تھے۔

"گیٹ پیچھے کی طرف ہے۔" اسے واپس اندر کی جانب جاتے دیکھ کر اس نے پیچھے کی سمت اشارہ کیا۔

"میں بقائمی ہوش و حواس میں اندر ہی جا رہی ہوں۔۔۔احسان مانیے میرا کہ گیٹ کھلا ہوا ہے ،ہاتھ میں بیگ بھی تیار ہے لیکن میں اک قدم بھی باہر نہیں نکال رہی۔" بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ جلانے سے باز نا آئی۔شاہ زر شمعون کے چہرے پہ استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"احسان تو آپ نے واقعی کیا ہے۔۔۔۔۔" وہ چند قدم قریب آیا تھا۔

"لیکن مجھ پر نہیں، خود پر۔۔۔۔جو آزمانا چاہیں تو آزمانے کے لیے اک قدم بھی اس کھلے گیٹ سے باہر نکال کر دکھائیں، اگلا قدم اُٹھانے سے پہلے جسم سے روح نا نکال دوں، تو پھر کہیے گا۔" جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے اتنے دھیمے اور سرد لہجے میں کہتے پسٹل کی رونمائی کرائی کہ شنائیہ چوہدری کا اُوپر کا سانس اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

☆☆☆

صبح ہوتے ہی حویلی میں ہلچل کا احساس ہو گیا تھا۔یوں تو ہر گھڑی ہی حویلی میں اک افرا تفری کا عالم رہتا تھا۔طلحہ کی آمد۔حویلی کے خفیہ مقام پہ منتقلی مردوں کے علاوہ شاید تینوں خواتین کو ہی پتا تھا۔لڑکیوں کو اس کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔

عمرہ پہ جانے کی اتنی خوشی تھی کہ عیشال جہانگیر سب بھول گئی تھی۔ جانے چوہدری اسفند نے چوہدری حشمت سے کس طرح اجازت لی تھی، اس نے جاننے کا تکلف بھی نہیں کیا۔ اسے تو بس جانے سے مطلب تھا۔ وہ تو بس تیاری میں جُٹ گئی تھی۔ سوفٹ جوتی، نیا عبایا، کچھ ہلکے لباس رکھ لیے تھے تاکہ گرمی کا احساس نا ہو۔

آدھی رات اسی تیاری میں نکل گئی تھی۔ اور اب جاگی تو ناشتے کی میز پر ہلچل دیکھ کر یاد آیا کہ چوہدری بخت اپنی فیملی کے ساتھ ہمیشہ کے لیے حویلی آرہے ہیں۔ کوئی آئے یا جائے، اسے کسی کی پرواکب رہی تھی۔ سب اپنی اپنی کرسی سنبھال چکے تھے۔ فائزہ اور فریال کی کوشش تھی کہ جلد سے جلد ناشتے سے نبٹ کر دن کے کھانے کے ساتھ باقی کے کام بھی انجام دے دیے جائیں۔

"بھابھی! بخت بھائی صاحب اور بچیوں کے کمرے میں نے تیار کروادیے ہیں۔۔ فارغ ہو کر آپ ذرا اک نظر دیکھ لیجیے گا، کہیں کوئی کمی لگے تو بتا دیجیے گا۔ سالوں بعد دیا بھابھی حویلی لوٹ کر آرہی ہیں، انہیں کچھ بُرا نا لگا جائے۔ سب کچھ ان کی پسند کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے، کہیں کوئی کمی نا رہ گئی ہو، آپ پلیز دیکھ لیجیے گا۔"

ناشتے کی چیزیں میز پہ سیٹ کرتی فریال آہستہ آواز میں فائزہ سے محوِ گفتگو تھیں۔

"تمہاری منجمنٹ بُہت اچھی ہے، تم نے اچھا ہی کیا ہوگا۔پریشان نا ہو، میں دیکھ لوں گی۔"
فائزہ نے ان کا حوصلہ بڑھایا۔

چوہدری حشمت نے گلا کھنکھارا تو سب چوکنے ہو گئے۔یہ واضح اشارہ تھا کہ وہ کچھ کہنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

"بخت اور اس کی فیملی کے لیے تمام تیاریاں ہو گئی ہیں زمرد بیگم۔۔۔؟؟ دیکھ لیجیے گا کہیں کوئی کمی نا رہ گئی ہو۔"

"میری بہویں ماشاءاللہ بہت ذمہ دار ہیں۔۔۔انہوں نے سب کر لیا ہے لیکن میں دیکھ لوں گی آپ بے فکر رہیں۔" زمرد بیگم نے سراہنے والے لہجے میں کہا تو دونوں کا دل بڑا ہو گیا۔

"چلیں جب آپ اپنی بہوؤں کی کارکردگی سے مطمئن ہیں تو ہمیں کیا اعتراض ہے۔۔بخت آجائے گا، اس کی طبعیت جب تک بحال ہو جائے گی تب تک آپ لوگ بھی عمرے کی ادائیگی سے لوٹ آئیں گے۔۔۔" چوہدری حشمت کی تمہید بلاوجہ نہیں لگ رہی تھی، کافی حد تک انہیں جاننے والا سمہان آفندی ان کی اگلی بات جاننے کے لیے کچھ بے چین سا ہو گیا تھا۔عیشال سر جھٹک کر ان کی باتوں کو قابلِ اعتناء جانے بنا دلجمعی سے ناشتے کے ساتھ انصاف کر رہی تھی ۔مارے غصے کے اتنے دن ڈھنگ سے کچھ کھایا نہیں تھا۔

"اسفند ! جذباتی باتیں کر کے اللہ اور رسول کے ڈراوے پر تم نے ہم سے اجازت تو لے لی ہے لیکن اپنی ذمہ داری نبھانے میں کوئی کوتاہی نا کرنا۔"

عیشال کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔یقیناً اسی کے متعلق بات ہو رہی تھی۔سمہان کی نظریں اس پہ اُٹھی تھیں۔

"انداز تو ایسا ہے جیسے اجازت دے کے بہت بڑا احسان کیا ہو۔" وہ جل ہی تو گئی۔

"رات رئیس میاں کی فیملی کا فون آیا تھا۔وہ لوگ نکاح کی تاریخ لینے کے لیے آنا چاہ رہے تھے لیکن ہم نے نکاح سے انکار کر دیا ہے،انہیں نکاح کے ساتھ رخصتی کا بھی کہا ہے۔وہ لوگ مان گئے ہیں۔۔آپ سب لوٹ آئیں پھر ہم شادی کی تاریخ رکھیں گے۔اگلے ماہ ہی عیشال کی رُخصتی کرنے کا ارادہ ہے ہمارا اس کے ساتھ ہی ہم نے جہانگیر کو بھی زبان دے رکھی ہے تو سوچ رہے ہیں عیشال کے ساتھ ہی سمہان اور نرمین کا نکاح بھی انجام دے دیں،،اور اگر جہانگیر راضی ہو گیا تو شاید نرمین کی رُخصتی بھی عیشال کے ساتھ انجام دے دیں۔۔۔اچھا ہو گا، جہانگیر اک ساتھ دونوں بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو جائے گا۔"

چوہدری حشمت اپنی پلاننگ بتا رہے تھے۔سب حیرت کے احساس تلے عجیب سی کیفیات کا شکار ہو گئے تھے۔۔اسپشلی لڑکیوں کو ان دونوں مس میچ رشتوں پہ تحفظات تھے لیکن وہ کچھ کہہ کر خود کو مشکل میں نہیں ڈال سکتی تھیں۔

سمہان آفندی کی بے چینی مزید بڑھ گئی تھی۔اک ہی دن ،اک ہی جگہ دونوں کی شادی۔دن بھی اک، مقام بھی اک ہی طے ہوا تھا لیکن قسمت کی ستم ظریفی یہ تھی کہ اک دوسرے سے نہیں، دو الگ الگ بندوں سے۔۔۔اذیت سی اذیت تھی۔اس سے سر بھی نا اُٹھایا گیا۔اس پہ اک سلگتی نظر ڈال کے عیشال جل کے بھسم ہو گئی تھی لیکن عمرے پر جانا تھا۔کچھ بھی کہہ کر وہ اپنی اجازت منسوخ نہیں کروانا چاہتی تھی۔

"واپس آ جاؤں پھر رَج کے تماشا ہوگا۔" وہ سر جھٹک کے رہ گئی۔

☆☆☆

"کب سے دیکھ رہی ہوں۔فون ہاتھ میں لیے بیٹھی ہو۔۔۔۔تیار نہیں ہونا تم نے۔۔؟"

انوشا کا ولیمہ تھا۔دن کے لحاظ سے اس نے ہلکے رنگ کے کپڑوں کا انتخاب کیا تھا۔ناشتے کے بعد اس نے اپنے اور منزہ کے کپڑے استری کر لیے تھے۔اس سے فارغ ہو کر وہ وقفے وقفے سے کوئی نمبر ڈائل کر رہی تھی۔لیکن شاید کال لگ نہیں رہی تھی تب ہی اس کے چہرے پہ جھنجلاہٹ پھیل رہی تھی۔جسے دیکھ کر منزہ ٹوکے بنا نا رہ سکیں۔

"ہاسپٹل کال کر رہی ہوں کب سے۔۔لیکن ڈاکٹر بخت کا پی اے کال ہی اٹینڈ نہیں کر رہا۔۔بات ہو تو اپائنٹمنٹ لے لوں۔" سرسری سا بتا کے وہ اک بار پھر سیل فون کان سے لگا گئی۔

"جب اگلا ریسیو ہی نہیں کر رہا تو جانے دو۔۔ بعد میں کر لینا، بندہ مصروف بھی ہوتا ہے۔۔ تم بھی اُٹھ کے تیار ہو۔۔۔۔ دیر نا ہو جائے۔"

اس ذکر سے منزہ کو اُلجھن ہی ہوتی تھی۔

"بس جا رہی ہوں تیار ہونے، اک بار اور ٹرائی کر لوں۔۔" وہ بہلا کے لگی رہی۔

"سوچ رہی ہوں بھائی شاہد اور صائمہ کو بھی ولیمہ میں چلنے کا کہہ دوں۔۔ اچھے، برے وقتوں میں ہمیشہ کام ہی آتے ہیں۔ یسریٰ بہن نے پچیس بندوں کو لانے کا کہا تو تھا لیکن ہمارے میل جول میں تو دس ایسے لوگ بھی نہیں۔۔ لے دے کے بھائی شاہد کی فیملی ہی ہے۔۔۔ غلطی کر دی جو کل ایشان کو ولیمہ میں چلنے کا نا کہہ سکی۔۔۔۔ کل بھی ارجنٹ بلاوے پر آ گیا تھا۔۔۔۔ کیا سوچے گا، دعوت دینے کا طور طریقہ ہی نہیں ہے ہم لوگوں کو۔۔۔ لیکن کر دیتی ہوں فون، فرصت ہوئی تو آ جائے گا۔ اچھا بچہ ہے۔" خیالات کا اظہار کرتے منزہ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ رکھتی تھیں جو ماورا یحییٰ کو اک آنکھ نا بھایا۔ جس کا اظہار اس نے صاف لفظوں میں کر دیا۔

"اماں! ایشان جاہ سے آپ کی بڑھتی قُربت میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ کہاں آپ غیر مردوں کی فیملی سے رابطے سے منع کرتی ہیں۔۔۔ محلے کے بیشتر گھروں سے ہمارا میل جول نہیں کیونکہ آپ کی نظر میں اس گھر کے مرد اچھی نظر نہیں رکھتے۔ عورتیں آئیں گی تو مرد کو بھی

راہ ملے گی۔اس لیے آپ کم ہی کسی سے ملتی ہیں۔اور ہمیں بھی پابند کیا ہوا ہے۔زینب نے کتنی منت کی تھی میری کہ اسے میتھس پڑھادوں، فیس کے لیے بھی راضی ہو گئی تھی لیکن آپ نے سختی سے منع کر۔، دیا، کیونکہ اس کے بھائی کی نظر خراب تھی اور بہن کو لانے لے جانے کے بہانے وہ ہمارے دروازے تک آتا اور یہی آپ کو پسند نہیں تھا۔"

"جب ساری بات جانتی ہو تو ذکر کیوں کر رہی ہو۔؟؟" منزہ کو اعتراض ہوا۔

"کہنے کا مطلب ہے کہ جب سارے مردوں کے لیے آپ کا اک نظریہ ہے تو پھر ایشان جاہ کے لیے الگ کیوں۔۔۔؟؟" مدعا بیان کر کے وہ ان کی شکل دیکھنے لگی۔ منزہ کے چہرے کا رنگ واضح طور پہ بدلتا محسوس ہوا تھا۔

"سب میں اور ایشان میں فرق ہے۔وہ اچھی فیملی کا سُلجھا ہوا لڑکا ہے۔" منزہ نظر چُراتے دفاع کرنے لگیں۔

"جی اسی اچھی فیملی کے سُلجھے باپ، بیٹے نے مجھے دھمکیاں دیں، شاید آپ فراموش کر گئی ہیں۔" ماورا۔یحیٰ کا انداز نروٹھا ہو گیا۔ منزہ کا ایشان کی طرف داری کرنا اک آنکھ نا بھایا۔

"ہو جاتی ہے غلط فہمی انسان کو۔۔ تم دل پہ کیوں لیتی ہو۔۔۔ جب تک اجنبی تھے، تب تک لڑائی تھی نا۔۔ گھر آنے کے بعد سے اگر کبھی ایشان نے تم سے یونی میں بد تمیزی کی ہو تو بتاو؟؟ یونی کے شروع کے دِنوں میں جو کچھ ہوا، اس میں بھی تم کچھ کم نہیں ہو گی۔ تم نے ہی چیلنج کیا

ہوگا۔اب مرد تو ہوتا ہی اڑیل ہے۔۔اسے چیلنج کرنے کھڑی ہو گی تو وہ کون سا پھولوں کے ہار سے سواگت کرے گا۔اکڑ کے نیچا ہی دکھائے گا نا۔۔؟ایشان نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا۔لیکن دیکھ لو اب گھر آتا ہے تو کتنی شرافت سے تم سے بات کرتا ہے،اپنائیت سے گھر کے کام پوچھتا ہے۔۔۔تم بھی اپنی سوچ کو بدلو۔۔۔اور دیکھو،یونی یوں کچھ اُلٹا سیدھا نا کرنا پھر سے۔۔۔میں نے کچھ سوچ رکھا ہے۔۔" منزہ سارا ملبہ اس پہ ڈال کے تنبیہ کر رہی تھیں اور وہ حیرت کی زیادتی سے مرنے کے قریب ہو گئی تھی۔اس قدر حیرت زدہ تھی کہ ان کا آخری جملہ بھی گرفت میں نا آسکا۔

"تم کھڑی حیران ہوتی رہو۔۔جلدی سے تیار نا ہو۔۔۔ایشان کو فون کر رہی ہوں،جا کے شاہد بھائی کو بھی چلنے کا کہتی ہوں۔۔تب تک تیار نا ہوئیں تو بہن کے ولیمہ میں ساتھ نہیں لے جاوں گی،گھر چھوڑ جاوں گی۔"

اس سے پہلے کے وہ پھر کوئی سوال لے آتی،منزہ نے سامنے سے ہٹنے میں ہی عافیت جانی، مبادا منہ سے کچھ نکل جائے۔اسے حیرت زدہ چھوڑ کے وہ شاہد صاحب کے گھر کی طرف چل دی تھیں۔

☆☆☆

میں تیرا برملا مجرم

مجھے کھل کر سزا دینا

"ویرے! میں اندر آ جاوں۔۔؟" وہ اپنی ہی سوچوں سے لڑ رہا تھا۔جب دستک دے کر زرش اجازت طلب کرنے لگی۔

"آجاو سرعت سے خود کو کمپوز کرتے اس نے بہن کو اجازت دی۔

"میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا۔۔؟؟" اندر آتے اس نے جھجک کے سوال کیا۔

"بالکل نہیں۔۔۔ کہو کیا بات ہے، فری ہوں اس وقت۔" سامنے بیٹھنے کا اشارہ کرتے خوش دلی سے گویا ہوا۔۔۔اس کی آمد بے وجہ نہیں تھی یقیناً وہ کوئی خاص بات کرنے آئی تھی۔

"پتا نہیں ویرے، اس سلسلے میں مجھے آپ سے کوئی بات کرنی چاہیے یا نہیں۔۔۔ سرسری سا ذکر کیا تھا تو مما نے سخت سست سُنا دی۔۔۔ لیکن کہے بنا رہا بھی نہیں جا رہا تھا تو آپ کے پاس آ گئی۔" وہ عجب گومگو کی کیفیت میں تھی۔اُلجھن چہرے سے صاف ظاہر تھی۔

"ایسی کیا بات ہے جسے کہے بنا تم رہ نہیں پا رہیں۔؟" پوری توجہ مبذول ہوئی۔

"آپ نرمین سے شادی مت کریں، اتنی مغرور لڑکی میری بھابھی۔۔۔؟ سوچ کر ہی کچھ ہو رہا ہے۔ مجھے وہ ذرا نہیں پسند۔" منہ کا جغرافیہ اتنی بری طرح بگڑا تھا کہ باوجود سنجیدگی اور دکھی دل کے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم نے تو نند کی کرسی بڑی جلدی سنبھال لی۔" چھیڑنے لگا۔

"اللہ نا کرے جو میں بری نند بنوں، اپنی بھابھی کے لیے۔۔۔ لیکن نرمین جیسی مخلوق بھابھی بنی تو شاید اچھی بھی نا کہلا سکوں۔" سچائی سے مشکل گوش گزار کردی۔

"پھر اچھی بھابھی کہاں سے ڈھونڈوں تمہارے لیے۔۔؟" شوخی سے استفسار کر رہا تھا۔

"کیوں۔ اچھی لڑکیوں کا کال تھوڑی نا پڑ گیا ہے۔ اک ڈھونڈوں گی ہزار ملے گی۔ اتنا تو ڈیسنگ ہے میرا ویر۔ بھابھی بھی نکر کی لاوں گی نا۔" وہ پُرجوش ہوئی۔

"ہاں نکر کی لانا، تاکہ روز سینگیں مارتی رہے، تمہارے ویر کو۔" چھیڑ رہا تھا لیکن اس کی بذلہ سنجی نے اسے متفکر کر دیا۔

"کیوں سینگیں مارے گی۔۔؟ اتنا اچھا ویر ہے میرا، ہاں لیکن بھابھی ایسی ہو جو من کو بھائے۔۔۔ جیسے عیشال ہے، آپ سے لڑتی بھڑتی اچھی لگتی ہے۔۔۔ لیکن اس کی تو رئیس میاں سے منگنی ہو گئی۔ کل کو شادی بھی ہو جائے گی۔۔۔ عیشال نا سہی لیکن عیشال جیسی تو کم از کم ہو پیاری، نازک سی، جو ہر ناانصافی پہ بولنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔۔ نرمین جیسی کھڑوس تو نا ہو۔"

دل بڑا کر کے وہ اس سے مزاح کر رہا تھا لیکن عیشال کا نام سنتے ہی، مشکل سے مسکراتے ہونٹ پھر سے بھنچ گئے تھے۔ درپردہ وہ سب کی خواہش تھی لیکن اس کے نصیب میں نہیں تھی۔

"شادی یا اس جیسے معاملات پر یہاں کسی کو بولنے کی اجازت نہیں ہے زرش، یہ مت بھولو۔ سارے فیصلے داجان کے ہوتے ہیں۔ اور ان کے فیصلے کی تقلید کرنا ہمارا فرض۔" ذرا سا رُخ موڑ کر وہ رُعب سے گویا ہوا۔

"لیکن ویرے نرمین۔۔؟" وہ ٹھٹکیں۔

"داجان کا فیصلہ ہے۔" لہجہ بے لچک تھا۔ وہ ریک پہ کتابیں دیکھنے لگا۔

"کل کو ندا آپی یا عیشال کی طرح میرے ساتھ بھی ناانصافی ہوئی تو کیا آپ تب بھی کچھ نہیں کہیں گے۔۔۔؟؟ کسی ایسے ویسے سے بہن کو بیاہ دیں گے۔۔۔؟؟ جو مجھے دل سے قبول نا ہو۔۔۔؟؟ عیشال یا اس جیسی مس میچ شادیاں، ڈولی میں کہاں جاتی ہیں ویرے، انہیں میت کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔" زرش کا لہجہ تلخ ہو گیا۔"

"مس میچ کے بعد بھی بہت سی شادیاں کامیاب ہوتی ہیں یہ اتنا بڑا ایشو نہیں۔۔ فلمی ہیرو ہر کسی کو نہیں ملتا۔"

"لیکن نرمین کو تو مل رہا ہے نا، آپ کی شکل میں۔۔۔؟ اسے اپنی پسند ناپسند کرنے، حتی کہ منوانے کا بھی حق ہے اور ہمیں۔۔۔ ہمیں نہیں۔۔۔ اک ہی حویلی میں اتنی ناانصافی کیوں۔۔۔ جب نرمین لڑکی ہو کر اپنی پسند کے لڑکے کو منتخب کر سکتی ہے تو آپ مرد ہو کر کیوں

نہیں۔۔۔؟؟جب کہ مجھے اچھی طرح پتا ہے نرمین جیسی لڑکی کا آپ نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا، ایز آ لائف پارٹنر۔۔"

زرش نے جیسے بہت مشکل سوال کر دیا تھا۔

"یہ داجان کا فیصلہ ہے۔" وہ کمزور لہجے میں دفاع کر رہا تھا۔

"فیصلہ بھلے داجان کا ہے لیکن پسند نرمین کی ہے۔" زرش باز نہیں آئی۔

"یہ تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں۔" صاف لفظوں میں جواب تھا کہ بات ختم کی جائے۔زرش چند لمحے اس کے پتھریلے تاثرات جانچتی رہی پھر افسردگی سے اُٹھ گئی۔

"مما نے ٹھیک ہی کہا تھا، جب مرد ہو کر آپ کو اعتراض نہیں تو میں کیوں منہ کھول رہی ہوں۔اس حویلی نے شاید اپنی پسند ناپسند کا اختیار بھی اپنے مکین سے چھین لیا ہے۔ چلتی ہوں، آپ کا بہت وقت لیا۔" نروٹھا انداز تھا۔ نا اُمید ہو کر وہ چلی گئی تھی۔اور وہ چاہ کر بھی اسے روک نہیں سکا تھا۔

☆☆☆

وہ تیار ہو چکی تھی لیکن شاہد اور صائمہ کا انتظار تھا۔بیچ بیچ میں وہ وقفے وقفے سے پی اے کے نمبر پہ کال بھی کرتی جا رہی تھی لیکن جانے کیا بات تھی کہ کال ریسیو ہی نہیں ہو رہی تھی لیکن اس نے بھی ہمت نہیں ہاری اور بالآخر کال ریسیو ہو ہی گئی۔

"السلام علیکم ! میں کافی دیر سے آپ کو کال کر رہی تھی۔" اس نے جھٹ سے کہا۔

"جب کال پک نہیں ہو رہی ہے تو آپ کو سمجھ جانا چاہیے تھا لیکن آپ جیسے لوگ ہیں، جو پیچھا نہیں چھوڑتے، کہیں کیا مسئلہ ہے۔" دوسری طرف نہایت بد تمیزی و بے زاری کا مظاہرہ کیا گیا۔

"مجھے کوئی رشتہ جوڑنے کی بات نہیں کرنا تھی آپ سے۔ میں جسٹ اپائنٹمنٹ کے لیے آپ کو کال کر رہی تھی۔ دو دن پہلے ڈاکٹر بخت کے پاس آئی تھی، اپنی والدہ کی کیس ہسٹری لے کر، ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا پیشنٹ کو لے کر آئیں، اسی سلسلے میں آپ کو زحمت دے رہی تھی۔" اس کا لہجہ بھی اس کے انداز پہ کڑوا ہو گیا۔

"جی یاد آ گیا۔" اب کے لہجہ کچھ نرم محسوس ہوا۔

"کب کی اپائنٹمنٹ مل سکتی ہے۔۔۔؟" اس نے لہجہ کھردرا ہی رکھا۔

"کوئی اپائنٹمنٹ نہیں مل سکتی۔۔۔" صاف جواب تھا۔

"کیوں؟؟" اب کے اسے غصہ آنے لگا۔

"ڈاکٹر بخت کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا، جس کے بعد انہوں نے ہاسپٹل سے ریزائن کر دیا ہے۔۔۔"

"جی!" لہجہ حیران کن تھا۔

'جی، آپ بجا سُن رہی ہیں۔ان کی ریزائن کے باعث میں بھی جاب لیس ہو چکا ہوں اور تب سے سب کی کال سن سن کے بے زار ہو چکا ہوں۔" وہ اپنا رونا ڈال رہا تھا۔

"لیکن مجھے ان سے ملنا بہت ضروری ہو۔۔ میری والدہ کی زندگی کا سوال ہے آپ کا سنڈلی ان کا پرسنل نمبر مجھے دے دیں۔۔۔ میں انہیں کسی نا کسی طرح اپنی والدہ کے علاج کے لیے راضی کرلوں گی۔"

اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔اک وہی تو اس کی ٹوٹتی آس کا سہارا تھے اور اب وہی ریزائن کر چکے تھے۔

"ڈاکٹر بخت ہمیشہ کے لیے اپنے گاوں جا چکے ہیں، ان فیکٹ اب تک وہ پہنچ بھی چکے ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب کے نمبر کے لیے معذرت قبول کریں۔۔ کل سے ہر اک پیشنٹ اپنی تکلیف بتا کر ان کا نمبر مانگ رہا ہے۔ مجھے اس بات کی اجازت نہیں۔۔آپ کسی اور ڈاکٹر سے رجوع کریں ۔اور دوبارہ اس سلسلے میں مجھے زحمت مت دیں، شکریہ۔"

اپنی سُنا کر پی اے نے کال کاٹ دی تھی۔ماورا ایکٹی ہکا بکا رہ گئی تھی۔

"اب۔۔۔اب وہ کیا کرے گی۔" وہ سر پکڑے بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا۔۔؟اس طرح کیوں بیٹھی ہو۔۔؟" منزہ کسی کام سے کمرے میں آئیں تو بجے سنورے حلیے لیکن اسے بے حال ہوتے دیکھ کر چونک گئیں۔

"ڈاکٹر بخت نے ہاسپٹل سے ریزائن کر دیا۔۔۔ وہ ہمیشہ کے لیے اپنے گاوں شفٹ ہو گئے ہیں۔" مشینی انداز میں اس نے دکھڑا سنایا تھا۔ منزہ جو کسی انہونی کی منتظر تھیں، حقیقت جان کر ان کی جان میں جان آئی۔

"اللہ کی پناہ! تم تو ایسے بیٹھی ہو جیسے کوئی میت ہو گئی۔۔۔۔ ریزائن ہی تو کیا ہے۔" منزہ کے چہرے پہ اک سکون پھیل گیا تھا۔ حویلی کے لوگوں کا کبھی سامنا نا ہو، ان کی یہ دُعا قبول ہو گئی تھی۔ ورنہ ماورا کو ہاں کرنے کے بعد سے وہ ہر لمحے اسی وقت سے خوفزدہ تھیں کہ وہ کیسے چوہدری بخت کا سامنا کریں گی اور اللہ نے ان کے لیے آسانی پیدا کر دی تھی۔

"لیکن مجھے ان سے آپ کا علاج کروانا تھا۔" اس کا دل چاہ رہا تھا ایڑیاں رگڑ کے رونا شروع کر دے۔ لہجہ روہانسہ ہو گیا۔ آنکھوں کا کونا گیلا ہونے لگا۔

"اس میں رونے کی کیا بات ہے بھلا۔۔۔ بچوں جیسی حرکتیں کرتی ہو۔۔۔ وہ کوئی دنیا کے آخری ڈاکٹر تھے۔۔؟ چلے گئے اپنے گاوں، تو جانے دو۔ ہم کسی اور ڈاکٹر کے پاس چلے جائیں گے۔ شفا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔۔ اُٹھو دیکھو بھائی شاہد آ گئے ہوں گے، چلنے کی تیاری کرو۔۔ اتنی پیاری لگ رہی ہے میری بیٹی۔۔ رو کے آنکھ کا کاجل نا پھیلاو بچوں کی طرح پچکارتے ،پھیلتا کاجل صاف کرتے منزہ اسے آئینے کی طرف متوجہ کر رہی تھی۔

"اُٹھو شاباش!" منزہ چادر لے رہی تھیں، ناچار وہ بھی اُٹھ گئی۔

"السلام علیکم!" صحن میں ہی اس کا سامنا ایشان جاہ سے ہو گیا۔ نک سک سے تیار وہ یقیناً منزہ کی کال پہ بھاگا بھاگا چلا آیا تھا۔ اک تو ڈاکٹر بخت کی ریزائن کا دکھ، دوسرا اس کی مسکراتی شکل دیکھ کے دل جل کے خاک ہو گیا۔

صائمہ اور شاہد صاحب بھی آ گئے تھے۔ منزہ رکشا ٹیکسی کرنا چاہ رہی تھیں لیکن ایشان جاہ بصد اصرار انہیں اپنی گاڑی میں لے جانے پہ کامیاب ہو گیا تھا۔ صائمہ گاڑی کی مالیت کا اندازہ لگاتی شاہد صاحب کو آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کر رہی تھیں تو منزہ گاؤں کا نام سن کے اک دم سے پیچھے چلی گئی تھیں۔ ماورا کی ساری آس ڈھے گئی تھی۔ انکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ایشان جاہ نے اس کی آنکھ کے گلابی پن کو بہت حیرت سے دیکھا تھا۔

☆☆☆

چوہدری بخت اور ان کی فیملی حویلی لوٹ آئی تھی۔ شاہ بھی ساتھ آیا تھا۔ وہ سب ابھی نکاح کے بعد ہی تو گئے تھے لیکن سب نے ان کا ایسے استقبال کیا جیسے وہ سب برسوں بعد لوٹ کر آئے ہوں، خصوصاً شاہ زر شمعون نے چوہدری حشمت کے آگے سر جھکا کر جب دُعا لینا چاہی تو وہ اسے خود سے بھینچ کر کئی لمحے تک کھڑے رہے۔

"تو دور تھا تو جیسے آنکھوں کی ٹھنڈک چھن گئی تھی۔" وہ محبت کا برملا اظہار کر رہے تھے۔

"حویلی سے دور رہ کر میں کب سکون سے رہتا ہوں داجان، بلکہ میں تو جانا ہی نہیں چاہ رہا تھا۔" اور اس بات کے تو سب ہی امین تھے۔

چوہدری بخت سب کی توجہ کا مرکز تھے، جن کا خاص خیال رکھتے سب ہارٹ اٹیک کا اسباب پوچھ رہے تھے۔

"پہنچی آخر و نہیں مٹی جہاں کا خمیر تھا۔'' شاذمہ نے خاموش بیٹھی شنائیہ چوہدری کو دیکھتے شرارت سے کہا تو وہ تلخی سے مسکرادی۔ باپ کی صحت اور دیا کی اموشنل بلیک میلنگ پر وہ یہاں آ تو گئی تھی لیکن اس کے اندر کی کھولن بڑھ گئی تھی۔ ہار کا احساس شاہ زر شمعون کے وجود دیکھ کر دو چند ہو رہا تھا۔ سمہان اور وہ سائیڈ پہ بیٹھ گئے تھے اور اب دونوں مدھیمی آواز میں جانے اک دوسرے کو کون سی تفصیلات سُنا رہے تھے۔

"سچ کہوں تو تمہارے اس فیصلے نے دل جیت لیا بخت۔۔ تم یقین نہیں کر سکتے کہ آج ہم کس قدر خوش ہیں۔۔" چوہدری حشمت بیمار بیٹے کا ہاتھ تھام کر بیٹھے ہوئے تھے۔

"یہ انسان ہی ہے جو پہلے نہیں سمجھتا کہ اصل کی قدر کیا ہے، جب اجنبیت میں گھر جاتا ہے، دم گھٹنے لگتا ہے، تب ہی خالص کی قدر ہوتی ہے۔ نقصان کا اندازہ ہوتا ہے۔۔۔ اپنے اصل سے بھاگ کر کوئی

آسودہ نہیں رہتا اور یہ بات مجھے بڑی دیر سے سمجھ آئی بابا جان لیکن جیسے آئی، لوٹ آیا، اس سے پہلے کہ کوئی بڑا نقصان ہو جاتا۔ آج نا کل لوٹنا تو تھا ہی بابا جان۔۔۔ شکر کہ زیادہ دیر نہیں ہوئی۔" لہجہ آزاردہ تھا۔ ان کی باتیں سنتے شاہ نے اک فہمائشی نظر اس پہ ڈالی تھی۔ وہ سر جھٹک کے فریال کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میرا کمرا کون سا ہے چچی جان۔۔ فریش ہونا چاہتی ہوں۔۔۔؟" شائیہ چوہدری ان سب میں بہت بور ہو رہی تھی تب ہی فریال سے استفسار کرنے لگی۔ وجہ اس ماحول سے فرار تھا بس۔

"آو، میں تمہیں کمرا دکھادوں تمہارا۔" اس کے بجھے انداز کو فریال نے اچھی طرح محسوس کیا تھا۔ حویلی آکر بے زار تو وہ ہمیشہ سے نظر آتی تھی لیکن اس بار تو اک عجیب سی بے گانگی کا رنگ تھا۔ فریال سے کمرے میں چھوڑ گئی تھیں۔ کمرے میں ضروریاتِ زندگی کی ہر شئے موجود تھی لیکن اسے سب زہر لگ رہا تھا۔

"اگر یہاں لانے کو وہ اپنی جیت سمجھ رہا ہے، تو یہی سہی۔۔۔ چاہ رہی تھی عزت سے معاملہ سلجھ جائے لیکن اگر اسے تماشا کرنے کا شوق ہے تو ست بسم اللہ۔۔۔ گھر میں گھس کے ذلیل کرنا کسے کہتے ہیں، یہ اسے اب میں بتاوں گی۔۔ تب تک مناتا رہے اپنی جیت کا جشن۔"

نخوت سے بڑبڑاتے وہ کپڑے اُٹھاکے واش روم میں گھس گئی تھی۔ تپتے ہوئے دماغ کو پانی کی پھوار سے ٹھنڈا بھی تو کرنا تھا۔

☆☆☆

ولیمہ بخیر وخوبی انجام پاگیا تھا۔ انوشا کو کھلکھلاتے چہرے کے ساتھ دیکھ کر منزہ کو بہت سکون ملا تھا۔ ماورا کے چہرے پہ بارہ بج رہے تھے لیکن انوشا اس کی وجہ سے ڈسٹرب نا ہو جائے یہ سوچ کر اس نے مصنوعی مسکراہٹ سجالی تھی۔ اوپر سے ایشان جاہ کی موجودگی اس کی نظریں اور پکٹ اینڈ ڈراپ نے اسے جھنجلانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اس کی طرف سے دل صاف نہیں کر پا رہی تھی۔ جانے مقابلہ کرتے کرتے وہ کس ڈگر پہ چل پڑا تھا۔ اس کے انداز سے اسے اُلجھن ہی ہو رہی تھی۔

ایشان جاہ کی موجودگی پہ انوشا نے معنی خیزی سے سوال کیے تھے اور وہ سر جھٹک کے رہ گئی۔

"اماں نے ہی اسے سوار کیا ہوا ہے، اور وجہ کیا ہے یہ میں بھی نہیں جانتی۔" انوشا کی کال آئی ہوئی تھی اور وہ اس کی رائے لے رہی تھی۔

"تو جانو نا، جلدی۔۔ اگر اس کی طرف سے کچھ نہیں ہے، اس کا آنا محض اماں کی وجہ سے ہے تو میں کچھ سوچوں نا تمہارے بارے میں۔۔۔" انوشا جب ہر طرح سے اگلوا کر تھک گئی تو سیدھے لفظوں کا انتخاب کیا۔

"تم کیا سوچو گی۔۔؟" وہ اُلجھی ہوئی تھی۔ذہن منزہ کی بیماری میں اس بری طرح اُلجھا ہوا تھا کہاس کی باتیں سر پر سے گزر رہی تھی۔

" شادی میں تمہیں کسی نے پسند کرلیا ہے، یاسر کے دور کے کزن ہیں۔ بضد ہیں کہ تم سے ہی شادی کریں گے۔۔۔ فیملی کو بھیجنا چاہ رہے ہیں۔اماں بھی تمہیں جلد رُخصت کرنا چاہ رہی تھیں۔اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ اگر ایشان کی طرف سے ایسا کچھ نہیں ہے تو اماں سے بات کرکے میں ان لوگوں کو کل ہی گھر لے آتی ہوں۔ میرے پاس بھی ٹائم نہیں ہے اس کے بعد ہم ہنی مون کے لیے نکل جائیں گے۔" اس کا دماغ بھک سے اُڑ گیا تھا۔جس انسان کو وہ سیریس لینے کو تیار نہیں تھی انوشا اس سے جڑی کہانی بنا چکی تھی۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا شادی کے بعد۔۔۔؟ میں اور ایشان جاہ۔۔ یعنی حد ہی ہو گئی۔" حواس میں آتے ہی وہ اس کی کلاس لینا ہر گز نہیں بھولی۔

"تو بار بار ہمارے گھر چائے پی کے وہ تمہیں اپنے ڈھابے کا مینجر رکھنے کے لیے آرہا ہے۔؟"انوشا نے بھی طبعیت صاف کی۔

"وہ کیوں آرہا ہے۔وہ جانے۔۔۔اسی سے پوچھو۔۔ میری طرف سے بھاڑ میں جائے۔" اپنے ساتھ نتھی کرنے پہ وہ ہتھے سے اکھڑ گئی تو انوشا کو مایوسی ہوئی۔

"یہ بات ہے تو پھر زین والا رشتہ ہی دیکھ لیتے ہیں۔۔ بات کراو میری، اماں سے۔۔"

"تم اماں سے کوئی بات نہیں کرو گی۔ ہنی مون کے لیے جا رہی ہو، چپ کر کے جاو مجھے نہیں کرنی شادی، میں اماں کے ساتھ رہوں گی۔" اس نے صاف کہہ دیا۔

"دیکھتی ہوں کیسے اماں کے ساتھ رہتی ہو، تمہیں تو میں جلد بھگا کے دم لوں گی۔ تاکہ اماں کو تو سکون ملے۔" اسے دھمکا کے فون بند کر کے انوشا نے منزہ کے نمبر پہ کال کر دی تھی۔

اس کی بات سن کر منزہ بھی اک لمحے کو چپ سی ہو گئی تھیں۔۔ان کی جو سوچ تھی وہ ان تک تھی اگر وہ پوری نا ہوتی تو۔۔؟؟؟ اور جب اچھا رشتہ خود آ گیا تھا تو انکار کرنا انہیں بھی مناسب نہیں لگا۔ انہوں نے لڑکے والے کو لانے کی رضامندی دے دی۔ جیتے جی ماورا کو بھی اپنے گھر کا کر کے جاتیں اس سے زیادہ اچھی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔

اب انہیں کل کا انتظار تھا اور آنے والے رشتے کا بھی۔

☆☆

"میری ماں یک دم اتنی بوڑھی کیسے لگنے لگی۔۔؟؟" سب سے فراغت کے بعد شاہ زر شمعون کو فائزہ کے پاس بیٹھنے کا موقع ملا تھا۔ افراتفری میں فائزہ کے چہرے کی سنجیدگی کا اس نے نوٹس تو لیا تھا۔ لیکن سب کے سامنے پوچھنا مناسب نا لگا۔ بہنیں بھی تھوڑی بجھی بجھی لگی تھیں۔ وہ ایسا تو چھوڑ کے نہیں گیا تھا ان سب کو۔۔۔

"اتنے دنوں بعد جو دیکھ رہے ہو، اس لیے ایسا لگ رہا ہے۔" فائزہ نے ٹالنے کی کوشش کی۔

"اپنی ماں کو پہچاننے میں کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔طبعیت تو ٹھیک رہی آپ کی۔۔۔؟"

وہ فکر مندی سے بار بار استفسار کر رہا تھا۔اور فائزہ مختلف حیلے بہانوں سے اسے مطمئن کر رہی تھیں۔ان سے قدرے فاصلے پر براجمان چوہدری فیروز چڑ گئے۔

"کیوں مسلسل جھوٹ بول رہی ہو۔۔۔سچ کیوں نہیں بتاتی۔۔" ان کی تیز آواز سے سہم کر فائزہ نظریں چُرانے لگی تھیں۔شاہ زر شمعون چونک کر چوہدری فیروز کو دیکھنے لگا۔وہ بہت کم اس طرح جھڑک کر فائزہ سے بات کرتے تھے، خصوصاً اولاد کے سامنے تو بالکل نہیں۔

"کیا بات ہے مما۔۔؟کیا ہوا ہے میرے پیچھے۔؟؟" سوالیہ نظروں سے وہ باری باری دونوں کے چہرے دیکھ رہا تھا۔فائزہ کچھ بتاتے ہوئے ہچکچار

ہی تھیں،جب وہ کراچی میں تھا تو، پہلے بھی ارادہ کیا تھا اسے سب بتانے کا لیکن گرم خون غیرت میں آکر بہن کے ساتھ جانے کیا سلوک کرتا۔اسی خدشے کے پیشِ نظر چُپ رہیں۔

"گل کھلایا ہے تمہاری ہمشیرہ نے۔۔۔" چوہدری فیروز غصے سے ساری صورتحال سُنا گئے تھے ۔فائزہ سسکتے ہوئے آنکھیں رگڑ رہی تھیں۔اس واقعے کے بعد سے وہ بہت دُکھی رہنے لگی تھیں۔

ندا کی نادانی، ڈرائیور کی مُخبری، راحیل کا عبرتناک قتل، ندا کی پڑھائی بند، چوہدری حشمت کا ندا کے لیے تاعمر سزا کا اعلان۔۔۔شاہ زر شمعون سن کر ساکت ہو گیا تھا۔۔

"ندا کے لیے آئے رشتے کو بابا جان نے عیشال سے منسوب کر دیا ہے اور اب طے پایا ہے کہ اسفند اور بی جان کی عمرے سے واپسی کے بعد سمہان کی نرمین سے اور عیشال کی رئیس میاں سے شادی کر دی جائے گی۔۔سب کے بچوں کی شادیاں ہوں گی اور میری بیٹی نے میرے منہ پہ کالک مل دی۔" چوہدری فیروز سختی سے گویا تھے اور شاہ زر شمعون اک بار پھر شاکڈ رہ گیا تھا۔

"نرمین۔۔۔؟" وہ تحیر سے دہرا گیا۔اتنا سب کچھ حویلی میں ہوتا رہا اور سمہان نے اسے کچھ نہیں بتایا، جب کہ وہ ہر پل اس سے رابطے میں تھا۔اسے سمہان سے ایسی امید نہیں تھی۔ فائزہ کا زخم اک بار پھر ہرا ہو گیا تھا۔وہ پھپھک کے رو دیں تو شاہ زر شمعون ان کا سر اپنے شانے سے لگا گیا۔

"بس ماں، بس!" بیٹے کا کندھا پا کے فائزہ کے آنسوؤں کو روانی مل گیئی تھی۔ کم از کم وہ کھل کے رو کے جی تو ہلکا کر سکتی تھیں۔

ماں کو دلاسا دے کر اس کے قدم ندا کے کمرے کی اُور بڑھ گئے تھے۔

"ویرے!" ندا اسے دہلیز پہ دیکھ کے پوری جان

سے کانپ گئی۔ خبر مل چکی تھی، وہ لوٹ آیا ہے لیکن نا کسی نے اسے بلایا، نا اس میں خود ہمت ہوئی۔۔ڈر بھی تھا کہ سچ جان کر جانے وہ کیسا سلوک کرتا۔۔ تب ہی اسے روبرو دیکھ کر روح فنا ہونے لگی۔

"کیسی ہو۔۔؟" دھیمے لہجے میں سوال ہوا تھا اور وہ جواب دینے کی پوزیشن میں تھی کہاں۔ کچھ بولنے کی کوشش میں دائیں، بائیں گردن ہلا کے آنسو چھپانے لگی۔ حلق آنسوؤں سے چھلنے لگا۔ اس کی بے بسی دیکھ کے، بنا کچھ کہے شاہ زر شمعون نے آگے بڑھ کے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اور راحیل کی موت سے لے کر آج تک بہنے والے خاموش آنسو آواز کے ساتھ برسنے لگے تھے۔ اک اذیت شاہ کے اندر اتر گئی تھی۔ حویلی کی اُونچی دیواروں کو دیکھتے ندا کے بکھرتے وجود کو اس نے کرب سے دیکھ کر لب بھینچ لیے تھے۔ حویلی اور حویلی کے اُصول رٹے ہوئے تھے، چاہ کر بھی دلاسے کا اک حرف اس کے منہ سے نہیں نکل سکا۔ خود کو اتنا بے بس تو اس نے اپنی باری میں بھی محسوس نہیں کیا تھا۔ لیکن دل و روح پہ کیسے چھریاں چلی تھیں، اسے بھولا کچھ نہیں تھا۔ حویلی کی اونچی دیواروں نے انسانی زندگیوں اور خوشیوں کو نگلنا شروع کر دیا تھا۔ یہ احساس اسے پہلی بار ہوا تھا۔

☆☆☆

انوشا پہ بھڑک کر اس نے دیکھ لیا تھا۔ وہ اپنی سوچ سے اک انچ پیچھے نہیں ہٹی تھی۔ یسریٰ اور یاسر کی مدعیت میں سسرالی رشتے دار کو لیے آدھمکی تھی۔ منزہ کو لڑکے کی ماں بہن سے مل کے خوشی ہوئی تھی، لڑکے کی تصویر بھی دیکھ لی تھی۔ معقول رشتہ تھا لیکن جانے کیوں وہ کچھ بُجھی بُجھی سی تھیں۔

بہن ہونے کے ناتے انوشا نے ہی کچن سنبھال لیا تھا۔ منزہ کی ہدایت پر ماورا نے بے دلی سے ریفریشمنٹ کی تیاری کی تھی۔ لان کا سوٹ پہنے، ریشمی دوپٹا سر پہ لیے مہمانوں کے سامنے جانے لگی تو انوشا نے پکڑ کے کومپکٹ کے ساتھ لپ اسٹک اور کاجل بھی لگا دیا اور اب سر پہ دوپٹا رکھے اسے مہمانوں کے پاس چھوڑ کر ریفریشمنٹ کے ساتھ وہ چائے نکال لائی تھی۔

ماورا کو ان کی ہلکی پھلکی معلوماتی گفتگو سے اُلجھن ہو رہی تھی۔ اس نے کئی بار اُٹھنے کی کوشش بھی کی لیکن منزہ کی تنبیہ کرتی نظریں بیٹھے رہنے پہ مجبور کرتی رہیں۔

اسی اثناء میں دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔ انوشا نے دروازہ کھولا تھا اور ایشان جاہ کو دیکھ کے اک دم سے ٹھٹھک گئی۔ اسے دیکھ کے ایشان جاہ خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

"آپ بیٹھیں۔ میں اماں کو بلاتی ہوں۔" پلنگ کی طرف اشارہ کرتی انوشا گومگو کی کیفیت میں تھی۔ اس کی بے وقت کی آمد کو جانے سب کیا سمجھتے۔۔ گھر آئے بندے کو اب بھگا بھی نہیں سکتی تھی۔

"میں خود آنٹی سے مل لیتا ہوں۔" وہ منزہ کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

"وہ۔۔ کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں تو۔۔۔ آپ ویٹ کریں، میں اماں کو بھیجتی ہوں۔" اس کی بے تکلفی نے انوشا کو اُلجھن میں ڈال دیا۔

"مہمان۔۔۔ کیسے مہمان۔۔ مناسب سمجھیں تو بتادیں۔۔۔ ضروری لگا تو پھر آجاوں گا، اس وقت ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں تو۔"

"ڈسٹرب کی تو بات نہیں۔۔۔۔ میرے سسرالی ہیں۔۔ ماورا کے رشتے کے لیے آئے ہیں۔" انوشا نے جھجک کے بتادیا۔ اور کن انکھیوں سے اس کے تاثرات کا جائزہ لینے لگی۔

"اوہ!" بڑا معنی خیز اوہ تھا۔

"پھر تو سہی وقت پر آیا ہوں۔" چہرے پہ معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جی، کیا مطلب۔۔؟" اس کے انداز پہ وہ ہونق ہوئی۔

"فالومی!" اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرکے وہ دو تین لمبے ڈگ بھرکے منزہ کے کمرے کی اور بڑھ گیا تھا۔ پیچھے بدحواس انوشا تھی۔

"السلام علیکم!" اس کی آواز پر سب ہی متوجہ ہوگئے تھے۔ ماورا نے ایسی صورتحال میں اس کا سامنا کرنے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔ اسے انوشا پہ حیرت تھی۔ اس نے اسے اندر آنے کیسے دیا، اسے کیا خبر تھی وہ روکے سے کب رُکا تھا۔ سسرالی سوالیہ نظروں سے اسے

دیکھ رہے تھے یاسر اور یسریٰ کسی حد تک اس سے متعارف تھے لیکن رشتے کے لیے آنے والے نہیں۔ منزہ بھی اسے اچانک دیکھ کر چونک گئی تھیں۔ ایشان جاہ نے اس کے سر پہ موجود بلو شفون کے دوپٹے سے آراستہ چہرے کو بغور دیکھا تھا اور پھر اک نظر تمام حاضرین پہ ڈالی۔

"آپ سب سے معذرت، جیسے آئے ہیں، ویسے پلٹ جائیں۔ یہ رشتہ تو نہیں ہوگا۔ میں نے ماورا سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اب سے اس گھر میں، یہ میری امانت ہے۔"

سب کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ منزہ اپنی جگہ ٹھٹھک گئی تھیں۔ انوشا میاں اور سسرالیوں کے سامنے اس قسم کی صورتحال پہ پیلی پڑ گئی تھی تو ماورا شاکڈ اسے دیکھتی رہی جو مسکراتی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

جاری ہے

ریحانہ آفتاب

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط#20

" یہ سب کیا ہے۔۔۔؟اگر ایسا کچھ تھا تو ہمیں بلانے کی کیا ضرورت تھی بہو۔۔۔؟؟آنے والی خاتون بھڑک گئی تھیں۔ نظریں انوشا پر تھیں جو یاسر اور یسریٰ کی نظروں سے پہلے ہی زرد پڑ گئی تھی۔

" ہمیں نہیں پتا تھا یسریٰ، تمہارا سمدھیانہ ایسا ہے، جہاں گھر بلا کر بے عزت کیا جاتا ہے۔" خاتون اب انوشا کی ساس سے گلہ کر رہی تھیں۔۔۔۔

" میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔۔۔" معاملے کی نزاکت کو دیکھتے یسریٰ سمجھ داری سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"آپ۔۔۔؟" یاسر کو اُٹھتے دیکھ کر انوشا گھبرا سی گئی تھی۔ رشتے کی خواہش مند خواتین پہلے ہی کھڑی ہو چکی تھیں۔

" جب آنے کا ارادہ ہو فون کر دینا۔ لینے آ جاؤں گا۔" یاسر کہتے ہوئے نکل گیا تھا۔

"اماں! انوشا نے بت بنی منزہ کو مخاطب کر کے معاملے میں مداخلت کا اشارہ کیا تھا لیکن وہ چپ ہی

رہیں اور وہ سب کمرے سے نکل بھی گئے۔ انوشا، ساس اور میاں کے پیچھے تک گئی تھی۔ یاسر اور یسریٰ کچھ بھی کہے بغیر چلے گئے تھے۔ اس کی پریشانی دیدنی تھی۔ واپس آئی تو اندر کا منظر ہنوز وہی تھا۔ ماورا پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایشان جاہ کو دیکھ رہی تھی اور منزہ خاموش تھیں۔ وہ سر پکڑے بیٹھ گئی تھی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ سب بکواس کرنے کی۔۔۔؟

شاک سے نکل کے ماورا یکلخت غم و غصے سے چلائی تھی۔

" میں نے جو کہا، سچ کہا۔ شادی تو تم سے ہی کروں گا۔" ڈھٹائی کی انتہا تھی۔ انوشا اور منزہ کے سامنے اس کی بکواس پر اس کا جی چاہ رہا تھا اس کا خون پی جائے۔ انوشا الگ اس سچویشن پہ عجیب سی ہو گئی تھی۔

"حواسوں میں ہو۔۔۔ جو جی میں آ رہا ہے، بولے جا رہے ہو۔" وہ بھڑک رہی تھی۔

" ماورا تم دوسرے کمرے میں جاؤ۔۔" کافی دیر بعد منزہ لب کشا ہوئی تھیں اور انہوں نے جو کہا اسے سن کے اسے عجیب سا لگا۔ بجائے اسے لعن طعن کرنے کے وہ اُلٹا اسے کمرے سے جانے کا حکم دے رہی تھیں۔

"دیکھ لیا آپ نے، اک اجنبی کو گھر میں گھسانے کا انجام۔۔۔ان محترم کو لگتا ہے لاوارث عورتیں ہیں، یہ جو چاہیں گے کہیں گے اور ہم برداشت کریں گے۔" اس کا غصہ کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

" ضروری نہیں ہے جو آپ کا محدود ذہن سوچے، وہی سہی ہو۔ میرے لفظوں اور جذبوں کو آپ کدورت بھری نگاہ سے نہیں پہچان سکتیں۔۔۔آپ سے مقابلہ کرتے کرتے، میں خود کو ہار بیٹھا ہوں۔ "

ڈھٹائی کا آخری مظاہرہ تھا۔ ٹینشن کے باوجود انوشا کو ہنسی آئی تھی جسے اس نے چھپالیا۔ماورا ہکا بکا رہ گئی تھی ،بڑی بہن اور ماں کا خیال اسے شرم سے پانی پانی کر گیا تھا۔اور جو بے شرمی سے یہ سب کہہ رہا تھا اس پہ کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

" ماورا میں نے کہا نا، تم جاؤ یہاں سے۔"

منزہ نے دوبارہ لب کشائی کی تو ناچار اسے دوسرے کمرے میں جانا پڑا، ورنہ دل تو یہی چاہ رہا تھا اسے گھر سے باہر کا راستہ دکھائے۔

☆☆☆

حویلی میں معمولاتِ زندگی رواں دواں تھی۔ شاہ زر شمعون جب سے آیا تھا۔ کچھ بے چین سا تھا۔ کئی بار کوشش کی کہ سمہان سے اکیلے میں بات ہو لیکن اتنے سارے لوگوں کی موجودگی اور سمہان کی مصروفیت میں اسے ممکن بنانے میں کئی گھنٹے لگ گئے تھے۔اس کے نمبر پہ میسج چھوڑ کے وہ حویلی کے باغ میں اس کا منتظر تھا۔

"آج خبر ہوئی، بھابی بیگم کی طرح یہ جگہ آپ کی بھی فیورٹ ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے داخل ہوا تھا۔ شاہ زر شمعون اسے بنچ پہ بیٹھا ہوا مل گیا تھا۔ وہ حویلی کے مسائل میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ اس کے بھابی بیگم کے حوالے سے چھیڑنے پر بھی ری ایکٹ نا کر سکا۔

"کیا بات ہے بُرو۔۔۔؟ سب ٹھیک ہے۔۔؟"

اس کا یہاں اکیلے میں بلانا ہی قابلِ توجہ تھا کجا کہ اس کا سنجیدہ چہرہ۔

"بیٹھ!" شاہ زر شمعون نے بینچ پہ ہاتھ مار کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھنے کے ساتھ رُخ اس کی طرف کر گیا۔ جب کہ شاہ سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"حویلی میں اتنا کچھ ہوتا رہا اور تُو نے مجھے بتایا تک نہیں۔" دھیمی آواز سے گلہ ہوا تھا۔

"تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا بُرو۔"

اندازہ تھا، وہ آتے ہی تفصیلات جان کر اس سے باز پُرس کرے گا۔ اس بلاوے کے پسِ منظر سے بھی آگاہ تھا، تب ہی تو جواب دہی کے لیے تیار تھا۔

"ندا اور راحیل۔۔۔؟" شاہ زر شمعون نے خلاء میں دیکھتے اختصار سے سوال کیا تھا۔

"پگڑیوں کے اکثر غلط فیصلے

چادروں کو بھگتنے پڑتے ہیں"

جواب اتنے ہی سپاٹ انداز میں ترنت آیا تھا۔شاہ زر شمعون نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

" غلط فیصلے۔۔؟" لہجے میں استعجاب در آیا تھا۔

"کم از کم اتنا ظرف تو ہو کہ ہم غلط کو غلط بول سکیں۔" انداز ہنوز تھا۔

"اور عیشال۔۔۔؟" سمہان آفندی رُخ بدل کے سامنے دیکھنے لگا تھا۔شاہ زر شمعون کا رُخ اس کی سمت ہو گیا تھا۔حاضر جوابی کو نظر لگ گئی تھی۔ کئی لمحے تک خاموشی کا راج رہا۔اندازہ تھا وہ دلی کیفیت سے آگاہ ہو چکا ہے، تب ہی اک نام پر کیے گئے سوال کو سمجھنا سمہان آفندی کے لیے مشکل نہیں تھا۔شاید شاہ بھی شرمندہ کرنے کے موڈ میں نہیں تھا، تب ہی دل پہ ہاتھ رکھ گیا۔

" ہمارے پیروں میں بیڑیاں ہیں اُصولوں کی۔"

شاہ زر شمعون کئی لمحے اس کی شکل دیکھتا رہ گیا تھا۔سنجیدگی اس کے چہرے کا حصہ بن گئی تھی۔

" کیا ہم سہی سمت میں جا رہے ہیں۔۔۔؟ کہیں ایسا تو نہیں حویلی کی دیواروں سے ٹکرا کر ہمارے اپنوں کی آہیں عمر بھر ہمارا پیچھا نا چھوڑیں۔" شاہ زر شمعون کے لہجے میں تشویش تھی۔

" جب ہم کسی کا غرور ہوتے ہیں تو اپنے بُت کے توڑنے سے پہلے دوسرے کے ٹوٹنے کا خوف کھانے لگتا ہے۔ہم ٹوٹ جائیں، کوئی غم نہیں، ہم پہ غرور کرنے والوں کا غرور سلامت رہے۔۔"

بہت بڑی بات وہ بہت خوب صورت انداز میں سمجھا گیا تھا۔شاہ زر شمعون کو ساری باتوں کی سمجھ آ رہی تھی۔ مشکل تو یہ تھی دونوں ہی وفاداری کا پاٹ پڑھے بیٹھے تھے لیکن اپنوں کے ساتھ ہوئے سلوک کا درد بھی رکھتے تھے۔

" کوئی تبدیلی کے آثار نہیں۔۔۔؟" اندر کی بات جاننا چاہتا تھا۔اس سے زیادہ وہ چوہدری حشمت کو جانتا تھا، سمجھتا تھا۔ سمہان آفندی نے بے ساختہ نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

" جہاں اصل کے رنگ پکے ہوں، وہاں تبدیلی زوال لا کر اپنے سنگ سب بہا لے جاتی ہے۔" اندازہ تو اسے بھی تھا لیکن اک آس تھی کہ شاید کچھ سنور سکے۔

"کسی کا غرور بن کے، کسی کی آہ کو سنتے اگر جو ہم کبھی خود سے نظر ملانے کے قابل نا رہے تو۔۔۔؟"

شاہ کے اندر کی بے سکونی اس کے لفظوں سے جھلک رہی تھی۔ کہیں ندا کا سفید آنچل لہرا رہا تھا تو کہیں راحیل کے خون کے دھبے نظر آ رہے تھے، کہیں عیشال کے دل کی ویرانی تھی تو کہیں سامنے بیٹھے شخص کی دل شکنی۔

" جو اختیار ہوتا تو کیا ہم یوں بے اختیاری کی باتیں کر رہے ہوتے۔۔۔؟" وہ اُلٹا سوالیہ نظریں اس کی نظروں میں ڈال گیا۔لب بھینچ کر شاہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"ہوں! سو یہ طے ہے کہ وفاداری کی قیمت چکانا پڑے گی۔"

ساری گفتگو کا لبِ لباب یہی بے اختیاری نکلی تھی۔اپنوں سے بھڑنے کا حوصلہ دونوں میں نہیں تھا۔

" چلتا ہوں۔ تھوڑا سا کام تھا ضروری۔"

کئی لمحے دونوں کے بیچ خاموشی طاری رہی تھی پھر وہ اُٹھ کر چلا گیا تھا۔اس کے مضبوط قدموں کی لڑکھڑاہٹ کو شاہ زر شمعون نے پہلی بار محسوس کیا تھا۔بظاہر چاک و چوبند حویلی کا خیر خواہ بنا پھرنے والا کاری وار سے خود کو جیسے ہار گیا تھا۔شاہ زر شمعون کئی لمحے تک اپنی جگہ سے ہل بھی نا سکا۔

☆☆☆

" جاونی اماں تمہیں اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں ۔۔!"

کمرے میں لیفٹ رائٹ کرکے بھی غصے میں کمی نہیں آئی تھی۔ کافی دیر تک منزہ، ایشان جاہ اور انوشا کی موجودگی میں جانے کیا باتیں ہوتی رہیں۔ پھر ایشان جاہ اسے گھر سے باہر جاتا نظر آیا تھا۔ اس کی کاڑی اس کے جانے کا اعلان کر رہی تھی۔ اور اب انوشا اسے منزہ کا پیغام سنانے آئی تھی۔

" ہمت دیکھی تم نے اس کی۔۔۔؟ کتنی بکواس کر گیا۔؟" وہ انوشا پہ بھڑاس نکالنے لگی۔

" جی دیکھی اور ابھی اماں کے سامنے بھی دیکھ کر آ رہی ہوں۔۔ قسم سے سسرالیوں کا معاملہ نہیں ہوتا تو ابھی رج کے لڈی ڈال رہی ہوتی۔۔۔ سب تمہارا قصور ہے۔ ان لوگوں کو لانے سے پہلے تم سے پوچھا بھی تھا" کچھ ہے" لیکن تم نے اُلٹا مجھے شرمندہ کروا دیا۔۔ خیر ہے چلو اماں بلا رہی ہیں۔"

انوشا کی لن ترانی اپنی جگہ تھی۔ لڈی والی بات پر وہ اس کی کلاس لینے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن منزہ کے بلاوے کا سن کر ارادہ بعد کے لیے مونخر کر دیا۔

" بیٹھو۔۔"

انہیں آتے دیکھ کر منزہ نے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ دونوں چپ کر کے بیٹھ گئی تھیں۔ انوشا تو چوں کہ شاملِ محفل رہی تھی اس لیے اس کی کی ساری توجہ ماورا کے چہرے پر تھی۔

" ایشان اپنے والدین کو لانے کی بات کر کے گیا ہے۔"

"اور آپ نے آرام سے یہ بات سُن لی، منہ نہیں توڑا اس کا۔۔؟" ماورا یہ سنتے ہی توے پہ جا بیٹھی۔

" تمیز کے دائرے میں رہ کے بات کرو ماورا۔۔ یہ ہے میری تربیت۔۔۔؟ جس کی تم تشہیر کر رہی ہو۔۔۔؟" منزہ کو اس کا جملہ نا قابلِ برداشت لگا، جس پر انہوں نے چھوٹتے ہی جھاڑ بھی پلادی۔

"سوری اماں !"

غصے میں اسے دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ وہ کسی اور کے سامنے نہیں منزہ کے سامنے بیٹھی ہے۔

" ایشان ہر لحاظ سے اچھا اور معقول لڑکا ہے۔۔۔ میں نے اجازت دے دی ہے۔ جلد ہی اس کی فیملی آئے گی اور میں تمہاری ذمہ داری سے بھی سبکدوش ہو جاؤں گی ۔ اور اب سے تمہارے منہ سے میں ایشان کے لیے کوئی فضول جملہ نا سُنوں۔۔ ہونے والا شوہر ہے تمہارا۔"

منزہ وارننگ دینے والے انداز سے وارن کر رہی تھیں اور اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ خود انوشا بھی اپنی جگہ حیران رہ گئی تھی جس کا اس نے برملا اظہار بھی کر دیا۔

" اماں بھلے ایشان نے ماورا سے شادی کا اعلان کر دیا ہے لیکن کیا شیورٹی ہے اس کے والدین بھی مان جائیں گے۔"

" ایشان منوالے گا۔ اس کی تم فکر مت کرو۔" منزہ کے چہرے پہ ذرا کی ذرا مسکراہٹ جھلکی تھی جسے انہوں نے جلدی سے چھپالیا۔

" اماں میرے سسرالی اور یاسر۔۔؟"

انوشا کو اپنا دکھڑا یاد آیا۔

" میں کرتی ہوں یسریٰ بہن اور یاسر سے بات۔۔۔ سمجھ دار لوگ ہیں، بات سمجھ جائیں گے۔"

"خالہ تو بہت ناراض ہو کر گئی ہیں۔" انوشا کو فکر تھی۔

" یسریٰ بہن اور یاسر سمجھ جائیں اور تمہیں کوئی طعنہ نا دیں، ہمارے لیے یہی اہم ہے۔ تم فکر نا کرو۔ میں دیکھ لیتی ہوں۔۔۔" منزہ نے دلاسا دیا تو انوشا کو تقویت ملی۔

" تم جاؤ اور آگے سے کوئی تماشا کرنے کی ضرورت نہیں ۔" رُخ اس کی طرف کرکے ماورا کو تنبیہ کرتے انہوں نے جانے کی اجازت دی تو وہ منہ بُجا کے چلی گئی انوشا کو ہنسی تو بہت آئی لیکن پہلے ذرا اس کا معاملہ حل ہو جاتا تب اسے چھیڑتی۔ ابھی تو اپنے لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔

☆☆☆

"اگر یہاں آ ہی گئی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم کمرا بند کرکے سارا وقت اکیلی بیٹھی رہو۔۔ موڈ ہو تو کھانے کے لیے آؤ ورنہ منع کردو۔ "

حویلی آ کر شنائیہ اپنے کمرے کی ہو کے رہ گئی تھی۔ پہلے تو تھوڑا گھل مل بھی لیتی تھی لیکن اب کی بار تو الگ ہی انداز تھا۔ چوہدری حشمت سمیت سب ہی اس کی غیر موجودگی پہ سوال کر رہے تھے اور چوہدری بخت کی شکایتی نظریں دیا کو اس سے باز پرس پہ مجبور کر گئی تھیں۔

" کیا ضروری ہے ماما کہ میں ہر کام سب کی مرضی سے کروں۔ سب کے سامنے حاضری دوں اور ہر دستر خوان میں شامل رہوں۔۔؟ میری اپنی کوئی مرضی نہیں۔۔؟"

حسبِ عادت وہ جرح کرنے لگی تھی۔

" نہیں ہے کوئی مرضی۔۔ نہیں ہے کوئی اپنی پسند۔۔۔ جہاں اتنے سارے لوگ ہوں، وہاں انسان کو دوسرے کی پسند کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ فیملی کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا پڑتا ہے۔ انہیں وقت دینا پڑتا ہے۔ حویلی میں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر رکھنے والے کو کوئی پسند نہیں کرتا۔"

" میں چاہتی بھی نہیں کوئی مجھے پسند کرے۔ ناپسندیدہ ہی بھلی۔" انداز میں سر مو فرق نہیں تھا۔

" تم چاہتی کیا ہو۔۔؟" دیا عاجز آ گئی تھیں۔

" میں کیا چاہوں گی مما۔ ہو تو وہی رہا ہے جو آپ لوگ چاہ رہے ہیں۔۔ اب آپ کی خواہش ہے کہ اٹھوں، بیٹھوں بھی آپ لوگوں کے اشارے پر تو بتا دیں۔ وہ بھی کر لوں گی۔" نروٹھا انداز تھا۔

" تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے شنائیہ۔۔ کیوں اپنے ساتھ دشمنی کر رہی ہو۔۔؟" اس کی بے وقوفی پہ دیا کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیسا ری ایکٹ کریں، کیسے سمجھائیں، سب کچھ کر کے دیکھ لیا تھا مگر وہ تھی کہ سمجھنے کو تیار نہیں تھی۔

" دشمنی تو آپ لوگوں نے میرے ساتھ کی ہے۔۔ ساری زندگی آزاد فضا میں پروان چڑھایا۔ ہر فیصلہ اپنی مرضی سے کرنے کا حق دیا لیکن زندگی کے سب سے اہم فیصلے میں آپ لوگوں نے بلیک میل کر کے ثابت کر دیا کہ آپ لوگ بھی حویلی والوں کی طرح بیٹیوں کو بے زبان جانور سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے ۔۔ سچ کہوں تو آپ لوگوں نے بہت ہرٹ کیا۔۔"

وہ حد درجہ آزاردہ تھی۔۔ چیخ، چلا کے، بھاگنے تک کی کوشش کرنے کے بعد اسکے اندر جو کڑواہٹ آ گئی تھی اس کا اس نے برملا اظہار کر دیا تھا۔ دیا اک پل کے لیے چپ سی ہو گئی تھیں۔ اپنی نخریلی بیٹی کے گلہ پہ اک لمحے کو افسوس بھی ہوا۔ تب ہی سب بھول کے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام گئیں۔

"ہم نے تمہارے لیے جو فیصلہ کیا ہے وہ ابھی تمہیں برا لگ رہا ہے کہ، کیونکہ تم صرف بلیک میلنگ کے نظریے سے سوچ رہی ہو۔۔ کل کو جب تم خوش رہو گی تو تمہیں احساس ہوگا کہ ہم نے کتنا معقول فیصلہ کیا ہے۔۔۔ماں کے کہنے پہ اک بار ہمارے فیصلے پہ دل سے راضی ہونے کی کوشش تو کرو۔"

اس کے ہاتھ پہ نرمی سے دباؤ ڈال کر دیا اسے منانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ لب سیے بیٹھی رہی۔

" ہم نے تمہارے ساتھ زبردستی کی، اگر تم اس بات کو ذہن سے نکال کر سوچو گی تو اس رشتے کو قبول کرنے میں آسانی ہو گی۔۔۔" دیا نرمی سے سمجھا رہی تھیں۔ وہ تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

" صبح تیار رہنا، لڑکیوں کے ساتھ یونیورسٹی جانا ہے، تمہارا ایڈمیشن ہو جائے گا۔ تم بھی سب کے ساتھ پڑھائی کو جاری رکھ سکو گی۔ اور دیکھنا یہاں رہ کے بھی تم پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ خوش رہو گی۔۔ تم سُن رہی ہو نا۔"

دیا کو لگا وہ ان کی بات توجہ سے نہیں سن رہی تب ہی استفسار کرنے لگیں۔

" جی!" مختصر جواب تھا۔

" گرمی لگ رہی ہے، میں شاور لینے جا رہی ہوں۔" صاف لگ رہا تھا۔ وہ اس ذکر سے بھاگنا چاہ رہی تھی ۔ کپڑے لے کر وہ واش روم میں بند ہو چکی تھی۔ دیا سنجیدگی سے اس کے عمل کو دیکھ رہی تھیں۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیسے اسے سمجھائیں۔

☆☆☆

" بابا جان ! میری خواہش ہے کہ جلد سے جلد شنائیہ کی رُخصتی ہو جائے۔اور آپ جلد ماہم کے لیے بھی اچھا سا رشتہ دیکھ لیں تاکہ دونوں بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو کر سکون محسوس کر سکوں۔"

سب شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔بڑے چھوٹے سب ہی موجود تھے۔دیا کی باتوں کا ہی اثر تھا جو وہ بھی کمرے سے نکل آئی تھی۔اور اب چوہدری بخت کی خواہش پہ سب ہی متوجہ ہو گئے تھے کہ چوہدری حشمت کیا جواب دیتے ہیں۔شنائیہ چوہدری کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

" ماہم کی تو تم فکر ہی نا کرو۔یہ بھی ہماری بچی ہے۔اور رُخصتی تو ہم نے شنائیہ کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد کی رکھی تھی لیکن تمہارا کہنا بھی بجا ہے۔شاہ بڑا ہے سب میں ،اور جلد ہی حویلی میں دو شادیاں ہیں تو تمہارا تقاضا کچھ بے جا بھی نہیں ہے۔۔" چوہدری حشمت پر سوچ انداز میں کہتے رک سے گئے تھے۔

سب کی موجودگی میں رُخصتی کی بات سن کر شاہ زر شمعون کا سر جھک گیا تھا۔وہیں شنائیہ چوہدری کا وجود شعلوں میں گھر گیا۔

" پھر ایسا کرتے ہیں۔اک ساتھ تین شادیاں رکھ لیتے ہیں۔۔شاہ کی رُخصتی بھی عمرے سے واپسی پہ ہو جائے گی۔ویسے بھی سمہان چھوٹا ہے شاہ سے ،اُصولی طور پہ پہلے شاہ کی شادی ہونی چاہیے تھی۔"

چوہدری حشمت بھی اک لمحے کو سوچ میں پڑ گئے۔افسوس کا رنگ جھلکنے لگا جیسے اس بات کو نظر انداز کرنے کا انہیں قلق ہوا ہو۔

"یہ ہی مناسب ہے بابا جان کہ شاہ اور شنائیہ کی شادی بھی ساتھ ہی ہو جائے لیکن میری اک عرضی ہے۔ولیمہ بھلے آپ سب کے ساتھ رکھ لیں۔۔لیکن میں چاہتا ہوں رُخصتی سادگی سے آج ہی انجام پا جائے۔"

سب کے سروں پہ بم پھٹا تھا۔ خصوصاً شنائیہ چوہدری تو ہلنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔ شاہ زر شمعون اپنی جگہ متحیر تھا۔

" سادگی سے اور آج ہی۔۔" چوہدری حشمت نے زیر لب دُہرایا تھا۔ دیا، چوہدری بخت کو دیکھنے لگی تھیں۔ شنائیہ کے رنگ ڈھنگ دیکھنے کے بعد ہی انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوگا، انہیں اس بات کا بخوبی اندازہ تھا۔ سب ہی چوہدری حشمت کے جواب کے منتظر تھے۔

" مُضائقہ تو اس میں بھی کوئی نہیں ہے۔۔۔ سادگی سے رُخصتی کر کے سب کی واپسی پر ہم شاندار ولیمہ کر سکتے ہیں۔" چوہدری بخت کہہ رہے تھے اور شنائیہ کا دم اٹکنے لگا تھا۔

" ٹھیک ہے پھر، جس میں تمہاری خوشی۔۔ برسوں بعد حویلی لوٹے ہو، ہم تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتے۔۔ زمرد بیگم رات کے کھانے پر اہتمام کروالیجیے۔"

چوہدری حشمت کے ہامی بھرنے کی دیر تھی ہر اک اپنی جگہ الگ الگ کیفیت کا شکار ہو گئے۔ کہیں خوشی تھی تو کہیں استعجاب۔ اور شنائیہ اس کی تو سب سے بری حالت تھی۔ اُڑنے بھی نا پائے تھے کہ محصور ہو گئے کے مصداق وہ پھڑ پھڑا کے رہ گئی تھی۔ شاہ زر شمعون کی غیر ارادی نگاہ اس پہ پڑی تھی۔ جو صدمے کی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ اس کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆

چوہدری حشمت کے تاریخی فیصلہ سنا کر جانے کی دیر تھی۔ حویلی میں اک افراتفری سی پھیل گئی۔ کوئی کھانے کا مینو پلان کرنے لگا تو کسی کو شاہ زر شمعون کے کمرے کی صفائی ستھرائی اور سجاوٹ کی فکر

ستانے لگی۔ فائزہ بہو کے لیے خریدے ملبوسات کی دکان اُٹھالائیں جو انہوں نے نکاح کے بعد سے خریدنا شروع کر دیے تھے۔ سب کے ووٹ اور اتفاق سے مرون اور فان کلر کا بھرا ہوا غرارہ سوٹ شنائیہ کے لیے منتخب کر لیا گیا تھا، جسے پہنا کر اسے دُلہن کا روپ دیا جانا تھا۔

" مبارک ہو بُرو! " سمہان آفندی مبارک باد دے کر اس کے کمرے کی سجاوٹ پر ملازموں کو مامور کرنے کے خیال سے اُٹھ گیا تھا۔ بار بار شادی کا ذکر اعصاب پہ ہتھوڑے کی طرح لگ رہا تھا۔

ان سب سے ہراساں شنائیہ چوہدری اس وقت کو کوس رہی تھی جب اس نے حویلی میں آنے کی ہامی بھری تھی۔ ابھی وہ دیا کے سامنے احتجاج کا سوچ ہی رہی تھی کہ کسی نے پکڑ کے اسے عیشال کے پاس بٹھا دیا تاکہ وہ اسے مہندی لگا دے۔ خود عیشال کا جی برا تھا لیکن فائزہ اور شاہ کا خیال کر کے وہ انکار نا کر سکی اور شنائیہ کے ہاتھوں پر خوبصورت سی مہندی لگانے لگی۔ شاذمہ نے منہ پہ کریم مل کے مساج شروع کر دیا تھا تو زرش فائلر لیے تراشیدہ نیلز کو مزید تراشنے لگی۔

" قسم سے حویلی کا نام پلیٹ فارم رکھ دینا زیادہ بہتر ہوگا۔ اتنی افراتفری اور غیر متوقع ٹرین تو وہاں بھی نہیں آتی ہوں گی، جتنی تیزی سے فیصلے کی صورت اس حویلی میں بھونچال آجاتا ہے۔ " ہر گھڑی دل دہلتا رہتا ہے، جانے اب کیا سُننے کو ملے گا۔"

یمنیٰ تلووں میں لگانے کے لیے مہندی گھولنے کے ساتھ اظہارِ خیال کر رہی تھی، سب نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"یہ اس واہیات انداز میں مہندی لگوا کر تلووں کو جانوروں جیسا لک نہیں دے سکتی ۔ہٹاؤ اسے۔" یمنیٰ کو پیروں کو ہاتھ لگاتے دیکھ کر پیر کھینچ گئی جس پہ عیشال کے مشتاق ہاتھوں نے پہلے ہی بیل بوٹوں سے سجا دیا تھا۔ اس کے انکار اور سخت ردِ عمل پہ سب اک دوسرے کو دیکھ کے رہ گئی

تھیں۔عیشال جہانگیر نے ہاتھ روک کر اک لحظے کے لیے اس کے چہرے پر نظر ڈالی تھی اور پھر سے تیزی سے ہاتھ چلانے لگی۔

" جب شنائیہ کو پسند نہیں تو رہنے دو یمنیٰ۔"

اتنی بڑی خبر سُن کر ندا بھی اپنے کمرے سے نکل آئی تھی۔ یمنیٰ نے خاموشی سے مہندی کا پیالہ سائیڈ پہ رکھ دیا تھا۔

" چھوڑو ذرا، مجھے مما سے بات کرنی ہے۔" بظاہر اپنی آزادی ضبط کرواتے وہ چپ کر کے ان کے رحم وکرم پہ پڑی ہوئی تھی۔ لیکن نظریں دیا پر تھیں جو سب کے درمیان بیٹھی ہوئی تھیں اور جب کسی کام سے اُٹھ کر جانے کی نیت سے اس کے سامنے سے گزرنے لگیں تو شنائیہ خود کو چھڑاتی اُٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

" میں اس وقت بہت مصروف ہوں، تمہارے پپا سے ضروری بات کرنا ہے، تمہیں جو کچھ کہنا، سُننا ہے کل پرسوں پہ چھوڑ کے خاموشی سے بیٹھی رہو، تاکہ لڑکیاں جلد سے جلد اپنا کام کر کے خود بھی تیار ہو سکیں۔ فوٹوز کا سیشن ہوگا، اچھے سے تیار ہونے پہ فوکس رکھو۔ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔"

دیا کو بخوبی اندازہ تھا اس کے اندر کھچڑی پک رہی ہے تب ہی اس کا جملہ سُن کر بظاہر انہوں نے سب کے سامنے مسکرا کر جواب دیا تھا لیکن اس مسکراہٹ کے پیچھے چھپی تنبیہ کو صرف وہی محسوس کر سکتی تھی ۔دیا جا چکی تھیں، گویا واضح اشارہ تھا کہ وہ اس کی بکواس سُننے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتیں۔

☆☆☆

اپنے بیگانے کیسے بنتے ہیں۔ یہ اس پہ کھل چکا تھا۔ پہلے تو چوہدری بخت ہی اجنبی بنے ہوئے تھے اب تو دیا اور ماہم بھی فاصلے پر محسوس ہو رہی تھیں۔ سرِ شام ہی حویلی میں رونق سی اتر آئی تھی۔ پژمردہ سی فائزہ بہو کو اک کمرے سے دوسرے کمرے میں رُخصت کرانے میں خاصی ایکسائیٹڈ ہو چکی تھیں۔

بُر تکلف کھانا لگا تھا۔ شنائیہ چوہدری کو عیشال نے لڑکیوں کی مدد سے دُلہن کا روپ دے کر بٹھا دیا تھا۔ شاہ زر شمعون کے کمرے کی سجاوٹ کا فریضہ سمہان آفندی انجام دے چکا تھا۔

سب کافی دیر تک بیٹھے رہے تھے۔ پھر رات گزرنے کا خیال ستانے لگا تو دیا اور ماہم نے باقاعدہ دُلہن کی رُخصتی کا منظر پیش کرتے ہال سے شاہ کے کمرے تک کا راستہ طے کرنا شروع کر دیا۔ جسے بعد میں نندوں نے یہ فریضہ اپنے سر لے لیا اور اسے شاہ کے کمرے میں پہنچا دیا۔

کمرے میں داخل ہو کر وہ سپاٹ نظروں سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ جا بجا شکار کی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ کہیں ہاتھی دانت کی نمائش تھی تو کہیں شیر کی کھال کے ساتھ تصاویر۔

" اس شخص کو جیت کا زعم ہی لے ڈوبے گا۔"

" ارے یہ کیا کر رہی ہو۔۔؟"

نفرت سے سوچتے وہ سر سے دوپٹا کھینچ کر اتارنے لگی تھی دوپٹا تو نہیں اترا تھا البتہ درجنوں لگائے ہوئے پن سے بال نچ سے گئے تھے۔ اس کے عمل کو دیکھتے شاذمہ چلانے لگی۔

" گرمی لگ رہی ہے۔" وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ گویا تھی۔

" زرش اے سی آن کر رہی ہے نا۔ ابھی دور ہو جاتی ہے گرمی۔"

وہ پھر سے دوپٹا سیٹ کرنے لگی۔ لڑکیاں چھیڑ چھاڑ کرتے وقت گزار رہی تھیں اور اس کا بے زاری اور غصے سے بُرا حال تھا۔ جی چاہ رہا تھا۔ اس کے کمرے کی اک اک چیز کو تہس نہس کر دے۔ پھولوں سے سجی سیج کو پیٹرول چھڑک کے آگ لگا دے۔ اب تک اس نے جو عمل کیے وہ جذباتی ہو کر غصے میں کیے تھے اور اس کا نتیجہ آج اس کے سامنے تھا۔ سگے ماں، باپ، بہن تک اجنبی بن گئی تھی۔ نکاح کو چیلنج کر کے خلع تک کا سوچنے والی چپ چپاتے رُخصت ہو کر اس مغرور شخص کے کمرے میں پہنچ گئی تھی۔ اب جو کچھ کرنا تھا، مکمل تحمل سے کرنا تھا۔ وہ اسی بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

" بالکل تمہارا پرتو ہے ایشان۔۔۔ وہی تیور، وہی ہٹ دھرم طبیعت۔ ویسے ہی اپنی بات پہ اڑ کے دنیا کو فراموش کر دینا۔۔۔"

منزہ کے لب مسکرا رہے تھے۔ آنکھوں کے پردے پہ گزرے دِنوں کی فلم سی چل پڑی تھی۔ ایشان کی شکل میں انہیں ماضی کا اک اک منظر یاد آنے لگا۔

ایشان بڑے بھرم سے سب کے سامنے ماورا کو اپنانے کی بات کر گیا تھا، گو کہ انوشا کے سسرالیوں کے سامنے انہیں سُبکی بھی محسوس ہوئی لیکن اندر کہیں اک اطمینان پھیل گیا تھا۔ انوشا کے سسرالیوں کو سمجھا بجھا دیا تھا۔ یاسر اور یسریٰ نے بہت سمجھ داری کا ثبوت دیا تھا۔ یاسر آ کر انوشا کو لے گیا تھا۔ تب کہیں جا کے انہیں سکون ملا۔

ماورا اور ایشان۔۔۔ وہ کب سے ان دونوں کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ یہی تو وہ بھی چاہ رہی تھیں۔ جب سے سُنا تھا ایشان جاہ کی رگوں میں چوہدری جہانگیر کا خون دوڑ رہا ہے۔ تب سے ان کی یہی خواہش تھی جسے ایشان جاہ کے جھکاؤ نے آسان بنا دیا تھا۔ ماورا یحییٰ بھڑک رہی تھی لیکن فیصلہ تو ان کا ہی ہونا تھا۔

"اگر جوایشان رشتے کے لیے سب کو لے آیا تو۔۔۔ میں کیسے سامنا کروں گی سب کا۔۔۔؟ جہانگیر کا۔۔؟"

اک اسی نہج پہ سوچ سوچ کر بے چینی سی طاری ہو گئی تھی۔ وجود ٹھنڈے برف کی صورت اختیار کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

جو کچھ ہوا وہ اس کے لیے بھی حیرت انگیز تھا۔ اندازہ تھا، اڑنے سے پہلے ہی پر کٹنے پر وہ کس قدر تلملا رہی ہو گی۔ کمرے میں داخل ہوا تو دہلیز پر ہی رُک گیا۔ اسے تو لگا تھا کمرے کی کوئی بھی شئے جگہ پر نہیں ہو گی۔ اک اک پھول نوچ کر پھینک چکی ہو گی لیکن جو کچھ آنکھیں دیکھ رہی تھیں اسے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

کمرے کی اک اک شئے جگہ پر موجود تھی۔ خود وہ دُلہن کا روپ اتار کے لان کا دیدہ زیب سوٹ زیب تن کیے بیڈ پہ ریلیکس انداز میں نیم دراز فیس بک میں مصروف تھی۔

دروازہ کھلنے اور بند ہونے کے عمل پہ اس نے اک نظر اُٹھا کر دیکھا تھا۔ بلیک شلوار سوٹ میں شاہ زر شمعون اپنی وجاہت سمیت استہزائیہ مسکراہٹ لیے موجود تھا۔

"امیزنگ! بڑی جلدی حقیقت قبول کر لیا آپ نے۔۔۔ ورنہ مجھے تو لگا تھا اب تک کمرے کی ہر اک چیز تہس نہس کر چکی ہوں گی۔۔" اس کے ریلیکس انداز کو اس نے جتاتی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔

"آپ کی یہی غلط فہمی تو دور کرنا تھی، اب سے وہی تو نہیں کرنا جو آپ مجھ سے ایکسپکٹ کرتے ہیں۔" جواب اس سے زیادہ دل جلانے والا تھا۔ وہ لب سکیڑ کے رہ گیا۔ نظر آ رہا تھا وہ کھلم کھلا بغاوت کا علم اٹھا چکی ہے۔

" پھر تو اور مزا آئے گا۔ چال نئی ہو تو کھیلنے میں بھی مزا آتا ہے۔" وہ آگے بڑھ کے بیڈ کی دوسری طرف اپنا تکیہ درست کرنے لگا تھا۔

"چینج کس کے کہنے پہ کیا آپ نے۔۔؟"

"کیوں آپ کی خواہش تھی کہ میں دلہن بنی، سیج پہ آپ کا انتظار کرتی رہوں۔۔" کاٹ دار لہجہ تھا۔

" ابھی اتنے برے دن نہیں آئے مجھ پر کہ میں ایسی کسی خواہش کو دل میں رکھوں۔۔ جس بندی کی موجودگی ہی میرے لیے باعثِ گھٹن ہے اسے اپنے نام کے ساتھ اور اب اپنے روم میں برداشت کرنا، حقیقتاً میری برداشت کا امتحان ہے۔۔۔ کمرے میں رہنے کی اجازت تو دے سکتا ہوں لیکن اس بستر پر نہیں۔۔ بہتر ہے جگہ خالی کریں۔"

کہنے کے ساتھ بچھی ہوئی بیڈ شیٹ کو پکڑ کے اتنی زور سے کھینچا کہ وہ جو کونے پر ہی ٹکی ہوئی تھی، گرتے گرتے بچی۔

" تمیز نام کی چیز ہے آپ کے اندر۔" وہ جلبلا کے اٹھ بیٹھی۔

"آپ جیسے لوگ عزت کے قابل بھی نہیں۔۔۔ اتریں نیچے۔۔" نخوت سے کہہ کے چلایا تو وہ بے عزتی کے احساس سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

" پھر میں کہاں سوؤں گی۔؟"

" یہ آپ کا ہیڈک ہے۔" وہ آرام سے لیٹ کے ٹانگیں لمبی کر گیا۔

" مجھے فرش پہ سونے کی عادت نہیں ہے۔" کمرے میں صوفہ بھی نہیں تھا جو وہ گزارا کر لیتی۔

" پڑ جائے گی عادت بھی، آپ ٹرائی تو کریں۔۔۔اور اب سے مجھے ڈسٹرب کرنے کی ضرورت نہیں ہے "۔

وہ کروٹ بدل کے آنکھوں پہ ہاتھ رکھ گیا تھا۔واضح اشارہ تھا کہ اب کسی موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتا ۔وہ کئی ثانیے اس کی پشت کو گھورتی رہی تھی پھر تکیہ فرش پہ پٹخ کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔اک دم سے کمرا اندھیرے میں ڈوب گیا تھا۔

"کک کیا ہوا۔۔؟" اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

" کچھ نہیں ہوا۔۔مجھے اندھیرے میں سونے کی عادت ہے۔" شاہانہ جواب موصول ہوا تھا۔

" لائٹ آن کریں۔مجھے اندھیرے سے ڈر لگتا ہے۔" اس کی بھنچی بھنچی آواز نکلی۔

" ڈرتی رہیں۔۔۔بڑی بڑی باتیں کرنے والی کو اندھیرے سے ڈر لگتا ہے۔آفرین ہے بھئی۔" اک بار پھر جی کو جلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔وہ لب بھنچ گئی۔مارے ڈر کے جملہ منہ سے نکل گیا تھا ورنہ وہ اس کو اپنی کوئی کمزوری دینے کو تیار نہیں تھی۔

اندھیرے میں ڈوبا اجنبی کمرا۔آنکھیں پھاڑ کے دیکھنے پر بھی دیواروں پر جن بھوت کے عکس کے سوا کچھ اور نظر نہیں آرہا تھا۔ہمت کر کے لائٹ آن کر بھی لیتی تو اس کی ہنسی برداشت کرنا پڑتی۔دوپٹا آنکھوں پہ رکھے وہ آیت الکرسی کا ورد کرنے کے ساتھ سختی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔

☆☆☆

شائیہ رخصت ہو کر شاہ کے کمرے میں جا چکی تھی۔ حویلی میں سناٹے کا راج ہو گیا تھا۔ عیشال جہانگیر بے دلی سے بستر پہ گر گئی تھی۔ ابھی اسے زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی تھی کہ کمرے کے دروازے پر دستک ہونے لگی۔

" کون ہے۔۔؟" بے دلی سے اس نے دروازہ کھولا تھا۔ اور غیر متوقع طور پہ چوہدری اسفند کو دروازے پہ دیکھ کر جلدی سے دوپٹا سر پہ لینے لگی۔

"آپ نے کیوں زحمت کی چچا جان۔۔؟ مجھے بلا لیا ہوتا۔"

" بات ہی ضروری تھی بیٹا، اس لیے اک پل کی بھی دیری کیے بنا، خود آ گیا۔ سفر کے لیے تمہاری تیاری تو مکمل ہے نا۔۔؟" چوہدری اسفند کچھ عجلت میں لگ رہے تھے۔

" جی چچا جان ! مکمل ہے۔ میں نے ساری تیاری کر لی ہے۔"

وہ حیرت کے ساتھ جواب دہ تھی۔

" جو سفر ہم نے دو تین دن بعد کرنا تھا، قسمت سے جلد بلاوا آ گیا ہے۔"

" میں سمجھی نہیں چچا جان، !" وہ نا سمجھی سے دیکھنے لگی۔

" ہماری سیٹ آج کی کنفرم ہے۔۔ چند گھنٹے بعد ہمیں ایئر پورٹ کے لیے نکلنا ہے۔ تم تیاری کر لو اور سب سے مل لو۔۔۔ سب ہی جاگ گئے ہیں تقریباً ۔ شاہ کو تنگ کرنا مناسب نہیں ہے، سمہان بھی کچھ دیر قبل چکوال کے لیے نکلا ہے۔ ڈرائیور ہمیں ایئر پورٹ چھوڑ دے گا۔۔ کوئی پریشانی تو نہیں ہو گی تمہیں۔؟"

"نہیں چچا جان !" گو کہ اک پل کو دماغ سُن سا ہو گیا تھا۔ اگلے ہی پل اس نے مسکرا کے نفی میں سر

ہلادیا۔

"گڈ گرل! تم جلدی سے تیاری کرلو۔"

چوہدری اسفند اس کا سر تھپتھپا کر چلا گئے تھے۔ کمرے کا دروازہ واپس بند کرتے جانے کیوں ہاتھ زور سے پڑ گیا تھا۔ دروازہ آواز کے ساتھ بند ہوا تھا۔ تن فن کرتی وہ وارڈ روب تک گئی تھی جہاں اس کا ٹریولنگ بیگ تیار پڑا ہوا تھا۔

"حویلی کے مردے گڑے ہیں چکوال میں۔۔" جھنجلا کے وہ ٹوتھ برش اور فیس واش اُٹھا کر بیگ میں ٹھونس رہی تھی۔ جانے غصہ کس بات کا تھا اور کس پہ نکل رہا تھا۔

☆☆☆

حویلی میں آدھی رات کو دن کا سا سماں ہو گیا تھا۔ سب اپنے اپنے کمروں سے نکل آئے تھے۔ ملازم ٹریولنگ بیگ لے کر جا چکا تھا۔ کاریڈور سے گزرتے اس کے قدم سمہان کے دروازے کے سامنے رُک سے گئے تھے۔ سب موجود تھے، انہیں الوداع کہنے کے لیے اک وہی نہیں تھا۔ غصہ، جھنجلاہٹ جانے کیا کچھ تھا۔ اس کا در راستے میں آیا تب ہی آگے بڑھنے سے قدموں نے انکار کر دیا تھا۔

"سب سے زیادہ باخبر انسان کو خبر نہیں ہو گی کہ میں جا رہی ہوں۔۔۔ ایسا تو ہو نہیں سکتا۔۔۔ اک کال تک نہیں کر سکا۔" افسردگی سے سوچتے اس نے لاک گھمایا تھا۔ اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔

دہلیز سے اندر قدم رکھتے ہی اس کے وجود سے اٹھنے والی مخصوص خوشبو نے اسے عجیب سے احساسات سے جوڑ دیا تھا۔۔ کمرے کی ہر شئے اپنی جگہ تر و تازہ لگ رہی تھی۔ جیسے وہ ابھی ابھی کمرے سے نکلا ہو۔

اس پاک سرزمین پہ جانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ اللہ اور اس کے نبی ﷺ کے روزے پہ جا کر دل کا معاملہ رکھنا چاہتی تھی۔ وہ نہیں سمجھ رہا تھا، نا دل کی کیفیت جان رہا تھا۔ تب ہی اس نے اعلا سفارش کی راہ چُنی تھی، جو اچانک قسمت سے ہاتھ لگ گئی تھی۔ اور اب بلاوا آگیا تھا۔۔۔ سب تھے لیکن وہی نہیں تھا۔ لب بھینچ کر وہ طائرانہ نگاہ کمرے میں ڈال کر چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی اس کی ہنستی مسکراتی تصویر کے پاس آکر رک گئی تھی۔

" جو زندگی تمہارے ساتھ گزرنی ہے اگر اس کے یوں اندھے فیصلے ہوں گے تو مجھے یہ زندگی ہی نہیں چاہیے۔۔۔ اور اگر یہی فیصلہ اللہ کا بھی ہے تو میری دعا ہے، مجھے یہاں واپس لوٹ کر آنا بھی نصیب نا ہو۔۔" سفید ریشمی پردہ لہرا کر اسے اس حصار سے کھینچ لایا تھا۔ اس کی تصویر پہ اک الوداعی نگاہ ڈالتے وہ تیزی سے کمرے کی دہلیز عبور کر گئی تھی۔

☆☆☆

گھپ، اندھیرے کمرے میں وہ پہلے ہی ڈبک کے لیٹی ہوئی تھی۔ "اندھیرے میں کوئی جن، بھوت نہیں ہوتا۔" خود کو باور کروا کے سونے کی کوشش کافی دیر بعد کامیاب ہی ہوئی تھی کہ دروازہ دھڑ دھڑانے پہ وہ بری طرح ڈر گئی۔

"کک۔۔ کون ہے۔۔؟"

" جن، بھوت تو دستک دے کر آنے سے رہے، گھر کے ہی لوگ ہوں گے۔"

اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے پر بھی کچھ نظر نا آیا لیکن اس کا جھنجلایا ہوا جواب ضرور آگیا تھا۔
اگلے ہی پل کمرا روشن ہوگیا تو ہر منظر واضح ہوگیا۔۔ وہ اسے دروازے کی اُور بڑھتا نظر آیا تھا۔

" شاہ جی! بی جان اور باقی سب تھوڑی دیر بعد ایئر پورٹ کے لیے نکل رہے ہیں۔آپ اور بی بی جی کو سب ہال میں یاد کر رہے ہیں۔"

ملازم مودب انداز میں پیغام دے کر جاچکا تھا۔ دروازہ بند کر کے اسے بتانے کی غرض سے رُخ اس کی طرف ہوا تھا۔ہاتھوں پیروں میں مہندی رچائے۔پھولوں سے آراستہ کمرے کے بیچوں بیچ زرد سوٹ میں بال بکھرائے بیٹھی وہ دروازے کی طرف ہی متوجہ تھی۔اس منظر کو دیکھتے شاہ زر شمعون اک پل کو ٹھٹھک سا گیا۔اپنے کمرے کا ایسا منظر اس سے پہلے دیکھا جو نہیں تھا۔اک اس کی آمد سے در و دیوار بدلتے محسوس ہو رہے تھے۔بلیک کرتا پاجامہ میں اسے زیادہ دیر دیکھنے کی خواہش نہیں تھی جو دروازے کے ساتھ چپک گیا تھا۔ملازم کا پیغام اس نے بھی سن لیا تھا۔اور اب بال سمیٹ رہی تھی۔

"سب ہال میں انتظار کر رہے ہیں۔"

پیغام دے کر وہ فریش ہونے کے خیال سے واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔وہ اُٹھنے کی کوشش میں کراہ کے رہ گئی۔زندگی میں پہلی بار فرش پہ سونے کے باعث کمر احتجاج کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

چائے، کافی اور اسنیکس کا دور چل رہا تھا۔فریال کو فائزہ زبردستی کچھ کھا لینے پہ اصرار کر رہی تھیں۔لڑکیاں عیشال کو اپنی اپنی دعا یاد کروا کر تاکید کر رہی تھیں۔کچن آباد ہو چکا تھا۔ملازم بھی ادھر

سے ادھر مصروفِ عمل تھے۔اک رونق سی لگی ہوئی تھی۔ فائزہ سب کی تواضع میں لگی ہوئی تھیں تو دیا ان کا بھرپور ساتھ دے رہی تھیں۔

" شکر ہے دیا تم چلی آئیں، ورنہ فریال کی غیر موجودگی میں تو میں بور ہی ہو جاتی۔ پھر بی جان بھی نہیں ہوتیں۔"

دیا کی موجودگی سے فائزہ کو بہت خوشی ہو رہی تھی۔ ڈاکٹری کی اعلاڈگری اور اک قابل ڈاکٹر ہونے کے باوجود دیا کے مزاج میں جو ٹھہراوٗ اور ملنساری تھی ، درحقیقت سب ہی اس کے معترف تھے کہ ان کے اندر غرور نام کی چیز نہیں تھی ۔ اور اب بھی شہر اور نوکری چھوڑ کر آنے کے باوجود ان کے ماتھے پر اک شکن نہیں آیا تھا۔چند روز میں وہ یوں گھل مل گئی تھیں جیسے کبھی حویلی سے گئی ہی نہیں تھیں۔

" غیروں کی خدمت کرکے عمر گنوادی۔۔ لیکن اپنوں کی خدمت کرکے جو سکون مل رہا ہے اسے لفظوں میں بیان کرنا شاید میرے بس میں نہیں۔کاش! بخت کبھی یہاں سے جاکر شہر میں بسنے کا فیصلہ نا کرتے تو آج افسوس نا ہو رہا ہوتا۔"

دیا کھلے دل سے دلی کیفیات بیان کر گئی تھیں۔ درحقیقت شنائیہ کے طرزِ عمل نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں۔انہیں سمجھ آگئی تھی کہ انسان کے لیے فیملی کی اہمیت کتنا معنی رکھتی ہے۔

"ایسا نا سوچو۔ تم شہر گئیں، تب ہی تو اس حویلی کو اک قابل لیڈی ڈاکٹر ملی۔۔۔ فکر نا کرو، جلد ہی ہسپتال کا کام شروع ہو جائے گا۔ پھر تم آرام سے یہاں بھی اپنی ڈاکٹری دکھانا۔" فائزہ نے قلق دور کرنا چاہا۔

" ڈاکٹری دکھانے کا موقع نا بھی ملے بھابی تو کوئی مضائقہ نہیں۔۔ میں اپنوں میں بھی خوش رہ سکتی ہوں۔اک عرصے بعد سسرال لوٹی ہوں، ابھی تو سسرالی مزا لینے دیں۔ذرا دیورانی، جٹھانی سے دو دو ہاتھ کرکے مجھے بھی تو محسوس کرنے دیں کہ میں بھی اس حویلی کا حصہ ہوں۔"

فریال بھی قریب آ گئی تھیں۔دیا کی شوخی پر وہ بھی مسکرانے لگی تھیں۔

"یہاں لڑنے بھڑنے کی حسرت ہی رہے گی بھابی۔۔ خود ہمیں تو آج تک محسوس نا ہوا کہ حویلی ہماری سسرال ہے آپ کو کیسے محسوس ہوگا۔سچ کہوں تو مجھے اپنا میکا سسرال لگتا ہے، جب تک اماں تھیں رونق تھی، اب تو جاتے ہی بھاگ کر آ جاتی ہوں کہ حویلی کے بنا چین ہی نہیں پڑتا۔حویلی کے اصول سخت ضرور ہیں لیکن اب ہمیں یہ اصول ہی پیارے ہو گئے ہیں، کہیں دل نہیں لگتا۔"

" فریال بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔دیکھنا، تم بھی کہیں اور جا کر بسنے کا پھر سے سوچ بھی نہیں سکو گی۔" فریال کی بات کو فائزہ نے آگے بڑھایا تھا۔

" ماشاءاللہ! کس قدر پیارے لگ رہے ہیں، دونوں ساتھ۔"

اسی وقت شاہ زر شمعون کے ساتھ شنائیہ داخل ہوئی تھی۔سب کی نظریں ان پر اٹھ گئی تھیں۔ خصوصاً دیا نے بہت غور سے بیٹی کے چہرے کو دیکھا تھا، خوشی نا سہی لیکن دکھ کا عکس بھی ڈھونڈے سے نہیں ملا تھا۔وہ کسی حد تک مطمئن لگ رہی تھی۔دیا کے لیے یہی بہت تھا۔دونوں کو ساتھ دیکھ کر چوہدری بخت کے اندر بھی اک سکون پھیل گیا تھا۔جلد بازی میں انہوں نے جو فیصلہ لیا تھا۔ان کی دانست میں یہی درست تھا۔

شاہ زر شمعون مردوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔شنائیہ کا رُخ لڑکیوں کی طرف ہو گیا۔جو عیشال کو نرغے میں لیے بیٹھی تھیں۔

" سب نے رُخصتی کے لیے اک ہی دن منتخب کر رکھا ہے۔ ابھی سارے دن کی دوڑ دھوپ کے بعد شائیہ بھابی کو رُخصت کر کے فارغ ہوئے تھے کہ اب عیشال کو رخصت کرنے کی باری آ گئی۔۔ کیسی رہی رخصتی، شائیہ بھابی۔۔"

شازمہ دیکھتے ہی شرارتی ہوئی۔ جی تو چاہا کوئی سخت جواب سے نوازے لیکن سب کے سامنے اس کے ساتھ داخل ہونے پر سب کی نظروں نے اک عجیب سی جھجک میں مبتلا کر دیا تھا۔

" یہ میں کب سے اس کے نام پہ جھجک کا شکار ہونے لگی۔ کھڑوس میں ذرا شرم ہوتی تو یوں فرش پہ پھینک کے خود مزے سے بیڈ پر تو نا سو رہا ہوتا۔" وہ سر جھٹک کے رہ گئی۔

" مہندی کا رنگ تو بڑا چڑھا ہے۔۔ عیشال کی محنت وصول۔۔ اب جلد ہی اس کے خود کے ہاتھوں میں مہندی رچے گی۔۔۔ شائیہ آپی، ویرے نے تعریف کی۔۔۔؟" زرش اس کے ہاتھوں کا جائزہ لیتے عیشال کی محنت کو سراہتے پھر سے اسے مخاطب کر گئی۔

" تعریف اور وہ سڑیل۔۔۔؟ دو متضاد چیزیں ہیں۔" اور وقت ہوتا تو وہ یہی جملہ کہہ گزرتی لیکن اس وقت صرف اس پر نظر اُٹھ گئی تھی جو چوہدری اسفند سے باتیں کرتا غیر ارادی نگاہ اس پہ ڈال گیا تھا ۔ سفید سوٹ میں جس پہ جابجا لال گلاب کھلے ہوئے تھے۔ سرخ گلابوں سے سجا ریشمی دوپٹا سر پہ لیے ۔ مہندی سے رچے ہاتھوں کے ساتھ وہ نئی نویلی دُلہن کا روپ لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اگلے ہی پل وہ نظر پھیر کے دوبارہ سے باتوں کی طرف متوجہ ہونے کے ساتھ تھوڑا سا رُخ بھی پھیر گیا۔ تاکہ نگاہ دوبارہ اٹھے بھی تو اس پہ نا پڑے۔۔ شائیہ چوہدری نے اس گریز کو نخوت سے دیکھا تھا۔

" یہ تم اتنی اداس کیوں ہو۔۔ خوشی خوشی جاؤ۔ اتنے مقدس مقام سے بلاوا آیا ہے۔۔"

یمنیٰ نے عیشال جہانگیر کو متوجہ کیا تو وہ سر اٹھا کر ہلکا سا مسکرا دی۔ ندا نے اس کی مسکراہٹ کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

" یہ سمہان اچانک کیوں چلا گیا چکوال۔۔ کب تک لوٹے گا۔ اسے تو شاید خبر ہی نا ہو سب کے جانے کی ۔" ندا کا تذکرہ کرنا عیشال کو اس کی طرف متوجہ کر گیا۔ سوال زرش سے ہوا تھا اور وہ بھی جواب سننے کی خواہش مند تھی۔

" پتا نہیں کون کون سے کام ویرے نے اپنے ذمہ لیے ہوئے ہیں، جانے کب تک واپسی ہو، ڈیڈ کہہ رہے تھے دو چار دن لگ جائیں گے انہیں۔۔۔۔ خبر ہو گئی ہے انہیں سب کے جانے کی۔۔ بات ہوئی ہے فون پر، دی جان اور مام، ڈیڈ سے۔"

" ساری دنیا کے لوگوں کی اہمیت ہے، اک نہیں ہے تو میری ہی اہمیت نہیں ہے اس کی نظر میں۔"

زرش کی اطلاع پہ وجود شعلوں میں گھرنے لگا تھا۔ پاس رکھے سیل فون کو اٹھا کر دیوار پہ دے مارنے کو دل کرنے لگا۔

☆☆☆

" چچا جان! میں چل رہا ہوں نا، ایئر پورٹ ڈراپ کرنے۔۔"

ملازم گاڑی میں سامان رکھ رہے تھے۔ ڈرائیور نے سیٹ سنبھال لی تھی۔ محافظوں کی اک جیپ تیار کھڑی تھی اور محافظ اس میں سوار ہو رہے تھے۔ شاہ زر شمعون کب سے اصرار کر رہا تھا لیکن چوہدری اسفند انکاری تھے۔

" سمہان بھی حویلی میں نہیں ہے، وہ سُنے گا تو اچھا محسوس نہیں کرے گا۔ اک بیٹا نہیں ہے تو کیا ہوا، میں جو موجود ہوں۔ میں چلتا ہوں نا۔۔" اجازت کا طالب تھا۔ عورتیں زمرد بیگم، فریال اور عیشال سے مل رہی تھیں۔ اور اک بار پھر اس کے نا ہونے کا ذکر سن کے عیشال جہانگیر کے لب بھنچ گئے تھے۔

" سمہان کچھ محسوس نہیں کرے گا، بات ہو چکی ہے میری اس سے۔۔ تم فکر نا کرو، ہم پہنچ جائیں گے خیریت سے۔۔ ہماری بہو کو وقت دو۔ اس وقت سب سے زیادہ اہم کام تمہارا یہی ہے کہ ہماری بہو کو خوش رکھو۔۔۔ جب تک ہم لوٹتے ہیں، تم اپنا ہنی مون پلان کر لو۔"

چوہدری اسفند کا ایسا ہی دوستانہ مزاج تھا، سب کے سامنے اس قسم کی باتوں پر وہ جھینپ گیا تھا۔ ہمیشہ سنجیدہ اور اپنے رکھ رکھاؤ سے خشک نظر آنے والے کا یہ روپ دیکھ کر سب کے چہروں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

" بدلے بدلے سرکار نظر آتے ہیں۔" شاذمہ نے شنائیہ کو ٹہوکا دے کر چھیڑا تھا۔

" خبر ہوتی جو موسم اتنا خوشگوار ہو جائے گا تو پہلے ہی پکڑ کے شنائیہ آپی کو ویرے کے کمرے میں رخصت کرآتے۔" زرش کھلکھلائی تھی۔

" ہائے جانے مجھے اپنے ویرے کے چہرے پہ یہ رنگ دیکھنے کو ملے گا بھی یا نہیں۔۔ نرمین چڑیل جو بھابی نا ہو تو۔" حسرت سے کہتے زرش کا لہجہ تیکھا ہو گیا۔

"چچی جان نے سن لیا نا تو جاتے جاتے پھر سے کلاس لگ جائے گی تمہاری۔" یمنیٰ نے ڈرایا۔ اس ذکر پہ عیشال کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

پاک سرزمین پر قدم رکھتے ہی اس کے دل کی عجیب حالت تھی۔ قدموں میں باقاعدہ لرزش سی طاری تھی۔ سفر اک ہیجانی کیفیت میں گزرا تھا۔ ایئر پورٹ سے ہوٹل آنے تک وہ جیسے بہت تھک گئی تھی۔ فریال، چوہدری اسفند اور زمرد بیگم سامان رکھ کر کچھ دیر ستانے کے بعد حرم شریف کے لیے تیار ہو رہے تھے۔

"عیشال! چلو بیٹا تیار ہو جاو۔۔ چوہدری اسفند نے اسے سستی سے بیٹھے دیکھ کر تیار ہونے کو کہا۔

"میں بہت تھک گئی ہوں چچا جان۔۔ آپ لوگ چلے جائیں۔۔ میری طبعیت بھی ٹھیک نہیں ہے۔" وہ بہت نڈھال لگ رہی تھی۔

" ٹھیک ہے، تم آرام کرو، باہر نکلنے کی ضرورت نہیں روم اچھی طرح لاک کر لینا اندر سے، اور صرف ہمارے لیے ہی دروازہ کھولنا۔ آپ سب آئیں میں باہر انتظار کر رہا ہوں۔"

چوہدری اسفند اک نظر اس پہ ڈال کر کمرے سے نکل گئے تھے۔

" کیا ہوا ہے طبعیت کو۔؟"

" میرے پیٹ میں درد ہے چچی جان۔" دھیمے سے کہہ کے وہ سر جھکا گئی تھی۔

چوہدری حشمت خیال کر کے کمرے سے خود ہی نکل گئے تو فریال نے محبت سے استفسار کیا۔ دورانِ سفر وہ خاموش تھی۔ ایئر پورٹ کے احاطے میں بھی بار بار گیلی آنکھیں خشک کر رہی تھی تاکہ آنسو بہنے پر کوئی استفسار نا شروع کر دے۔ لیکن ان کی نظروں سے مخفی نا رہ سکا تھا۔ انہیں یہی لگا کہ اللہ کے گھر حاضری کی ہیئت ہی اسے آبدیدہ کر رہی ہے۔ اب بھی نم آواز پر انہوں نے نرمی سے استفسار کیا تھا۔ اور جواب سن کر اپنے سامان میں سے فرسٹ ایڈ باکس کے ڈبے سے اک ٹیبلٹ نکال کر اسے ساتھ ہی پانی کا گلاس تھما گئیں۔

" اسے کھا کر آرام کر لینا، اور دروازہ کسی کے لیے مت کھولنا۔" زمرد بیگم بھی ہدایت کر رہی تھیں ۔اس نے اطمینان دلانے والے انداز میں سر ہلایا تو وہ دونوں مطمئن ہو کر چلی گئیں۔

بیڈ سے اتر کر وہ کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ سامنے دیکھتے ہی خانہِ کعبہ پہ نظر پڑی تھی۔ خانہ کعبہ کا منظر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ چاہے تو ہاتھ بڑھا کر چھو لے۔ اس قدر خوبصورت منظر پہ وہ کئی لمحے پلک تک نا جھپک سکی۔ لبوں کی تھرتھراہٹ اس وقت محسوس ہوئی جب آنسو قطار در قطار رخسار پہ بہنے لگے ۔لب پہ دعا مچل گئی تھی۔ پیشانی کھڑکی سے ٹکائے وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ پھر جانے دل میں کیا سمایا، وضو کر کے اس نے عین کھڑکی کے سامنے مصلہ بچھا دیا۔ نفل کی نیت کر کے کھڑی ہوئی تو قرآنی آیات کے اک اک لفظ پہ لب کپکپانے لگے، ہاتھ دعا کو اُٹھے تو اپنے پھیلے ہوئے ہاتھوں کی لرزش پہ قابو پانا مشکل لگنے لگا۔

"اللہ ـــــ !

اے میرے اللہ ـــ ! تُو تو میری مشکل جانتا ہے نا ـــ تُو تو ان سب حقیقتوں سے واقف ہے جو سب سے پوشیدہ ہے ـــ تیرے در تک آ کر بھی، تیری دہلیز پر قدم نہیں رکھ سکوں گی۔ اس محرومی، بد نصیبی پر جتنے آنسو بہاؤں ، کم ہے ـــــ

مجھے معاف کر دینا میرے اللہ ـــــ ! نادانی میں، تیرے ناپسندیدہ جرم کا ارتکاب کر لیا۔ مجھے اس احساسِ جرم سے نجات دے میرے اللہ ! مجھے اپنے در پہ بلا میرے مالک ـــــ ! میرے قدم تیری تیری دہلیز کو چھونے کے لیے ترس رہے ہیں ـــ "

نظریں بیت اللہ پر تھیں چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ اس کی دلسوز آواز آنسوؤں ہچکیوں میں ڈوب اور اُبھر رہی تھی۔

☆☆☆

" کہاں ہوتے ہو آج کل۔۔؟ نا اسائنمنٹ کی فکر نا سیمسٹر کی ڈیٹ آنے کی ٹینشن۔۔۔؟ کہاں تو ٹاپ کرنے کا بھوت سر پہ سوار تھا اور کہاں اب یہ عالم ہے کہ صاحبِ بہادر ناپروپر یونی آرہے ہیں، نا ہی سمسٹر کے غم میں مبتلا ہیں۔۔ کیوں بھائی۔۔۔ اتر گیا بھوت ماورا ایچی کو دھول چٹانے کا۔۔۔؟"

یہ سچ تھا کہ ماورا کے گھر میں انٹری ملنے کے بعد سے اس کے انداز میں کافی فرق آیا تھا۔ اکثر و بیشتر چھٹی بھی ہو جاتی تھی۔ جیسے ابھی انوشا کی شادی کے دوران ماورا ایچی غیر حاضر رہی تو وہ بھی نا آسکا۔۔ سب اس بات کو نوٹس کر رہے تھے۔ اور آج جب وہ یونی آیا تو سب اس کے سر ہو گئے۔

سب کلاس روم کی طرف حسبِ عادت قافلے کی صورت گامزن تھے۔ آگے پیچھے اسٹوڈنٹس کا گزر تھا۔ اور وہ لوگ ہر اک سے بے نیاز اپنی باتوں میں مست تھے۔

" جب یونی سے باہر ہی سارے معاملات چل رہے ہوں تو یونی آنے کو دل کس کم بخت کا کرتا ہے۔" ایشان جاہ کا بے فکرا جواب تھا۔

" کیا مطلب۔۔ یونی کے باہر کون سی ڈگری مل رہی ہے۔۔؟" سعید حیران ہوا۔ انشراح کسی قدر خاموش تھی۔

" لگ تو یہ ہی رہا ہے، تو نے خود ہارنے کا فیصلہ کر کے جیت اس ماورا ایچی کے نام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" سہیل نے اندازہ لگایا۔

" کیا ہم یہ سمجھیں، یہ مقابلہ شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا ہے۔۔؟؟" غدیر کو تشویش ہوئی۔

" تم لوگ صرف یونی میں ہونے والے، مقابلے کو رو رہے ہو۔۔ جناب۔۔! ہم نے تو ان محترمہ کا غرور ہی خاک میں ملا دیا ہے۔۔ جو بندی، اکڑ کے گزر جاتی تھی اب وہ بڑے آرام سے چائے بنا کر مجھے پیش کرتی ہے۔" ایشان جاہ کے نخوت سے بھرے جملے پر سب ہی ٹھٹھک گئے تھے۔

" چائے اور ماورا ایکی۔۔؟" استعجاب سے سب کی آواز پہلے سے زیادہ اونچی ہو گئی۔

" خواب دیکھ رہا ہے کیا میرے بھائی۔۔ وہ بندی منہ نہیں لگاتی اور تو چائے پیش کرنے کہ کہانی سُنا کر امپریس کرنا چاہ رہا ہے۔۔" سہیل کا انداز سراسر مذاق اُڑانے والا تھا۔ اسے لگ رہا تھا متوقع ہار سے بچنے کے لیے ایشان جاہ انہیں کہانی سُنا رہا ہے تاکہ اپنا غرور قائم رکھ سکے۔

" جانتا تھا، تم لوگ یقین نہیں کرو گے، اسی لیے اب تک تم لوگوں سے کچھ شیئر نہیں کیا۔ کل ہی اسے دیکھنے کے لیے آئے رشتے والوں اور اس اماں کے سامنے اعلان کر آیا ہوں کہ ماورا صرف میری ہے اور میرے علاوہ اس کی شادی کسی سے نہیں ہو گی۔" انشراح شاکڈ رہ گئی تھی۔ ایشان جاہ کی ہنسی پر سب کے قدم اک لمحے کو رُکے تھے۔

" ساری حیرت دور ہو جائے گی، چلتے رہو۔۔" وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھتا جا رہا تھا نتیجتاً سب نے تقلید کی۔

"تُو اس کے گھر تک پہنچ گیا۔۔ لیکن کیسے۔۔؟" سب مر جانے والی حالت میں تھے۔

" بہت لمبی کہانی ہے، اس لیے سمرائز کر کے سُنا رہا ہوں۔ یونی سے واپسی پہ روڈ ایکسیڈنٹ میں اک خاتون کو ہاسپٹل پہنچایا۔ بعد میں خبر ہوئی وہ ماورا کی امی حضور ہیں۔ بس وہیں سے میں نے پلان میں ترمیم کر لی، پہلے پہل تو اسے صرف یونی میں ہرانے کا ارادہ تھا لیکن بعد میں اس کی فیملی کو دیکھ کے اسے ہر محاذ پہ ہرانے کا سوچ لیا۔ اس کی ماں کی تیمار داری، بہن کی شادی میں شرکت سب میرے پلان کا حصہ

تھا۔اور دیکھ لو میں کامیاب ہوں۔۔وہ اپنے گھر میں میرا آنا پسند نہیں کرتی لیکن اس کی اماں جھاڑ جھپاڑ کے اسے بازر کھتی ہیں،بیٹا بیٹا کہتے مجھے زبان نہیں تھکتی ان کی۔۔ان غریب عورتوں کا پتا ہے مسئلہ کیا ہے۔۔؟ذرا امیر لڑکا دیکھا نہیں کہ رال ٹپکا کر بیٹی کو ساتھ باندھنے کے لیے باونڈی ہو جاتی ہیں۔ماں تو اسیر ہے، جلد ہی ماں کی طرح بیٹی بھی میرے گُن گانے لگے گی ، تب اسے بتاؤں گا کہ ایشان جاہ چیز کیا ہے ۔۔ابھی تو کھیلنے دو، مزا آرہا ہے ، جس دن محترمہ نے ہمارے خواب آنکھوں میں بسائے،اسی دن اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ کر اسے منہ کے بل گرا کر اس کی اوقات یاد دلاوں گا۔"

زمانے بھر کی کدورت و نفرت اس کے لہجے میں تھی، سب دم سادھے کہانی سن رہے تھے۔یکایک کاریڈور کی رواں لہروں میں افراتفری سی پھیل گئی تھی آگے پیچھے چلنے والی اسٹوڈنٹس کی لائن ٹوٹ پھوٹ کر بے ترتیبی کا شکار ہو گئی تھی۔

"اُوایم جے !" گروپ کے باقی لوگوں نے دل پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔ایشان جاہ کے گروپ سے آگے لوگوں کا جمگھٹا تھا۔اور ان سے آگے ماورا ایچ اور ثانیہ معمول کی طرح کلاس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔جب ان کے کانوں میں ایشان جاہ کی آواز آئی۔وہ بے توجہی سے اپنی راہ پر گامزن تھی لیکن اس کے منہ سے اپنا نام سن کر وہ سابقہ انداز میں چلتی رہی تھی۔ایشان جاہ اور اس کا گروپ اتنا بے فکر تھا کی نا انہیں اپنے سے آگے گروپ کے آگے ماورا ایچ نظر آسکی اور نا ہی انہوں نے آواز دھیمی رکھ کے بات کرنے کی کوشش کی۔کتنے ہی مقام پر اس کا نام سن کر ثانیہ پلٹ کر کچھ کہنا چاہ رہی تھی لیکن ماورا ایچ نے اس کا بازو سختی سے پکڑ کر اسے اس حرکت سے بازر کھا ہوا تھا۔وہ مکمل بات سن کر ری ایکٹ کرنا چاہ رہی تھی۔اپنی ذات تک تو قابلِ برداشت تھا لیکن جب بات ماں تک آئی،اور ایشان جاہ نے گھٹیا انداز میں ذکر کیا تو وہ

برداشت نا کر سکی۔اس کے اک دم سے پلٹنے پر اسٹوڈنٹس دائیں، بائیں سے ہو کر گزرنے لگے تھے۔ اسے پلٹتا دیکھ کر اسیان جاہ بھی اپنی جگہ ٹھٹھک گیا تھا۔

"میرے قدموں سے زمین کھینچنے کی خواہش تو پوری نا ہو سکی اُلٹا آپ کی پلاننگ اور اتنے دِنوں اچھا بننے کی اداکاری میرے سامنے عیاں کر کے آپ کو میرے قدموں تلے گرا گئی۔" بپھرے ہوئے انداز میں ہاتھ میں پکڑی کتابیں اس کے منہ پہ دے ماری تھیں۔کتابیں ایشان جاہ کے منہ اور سینے سے ٹکرا کے نیچے بکھر گئی تھیں۔پین کی بلو اِنک ایشان جاہ کے چہرے سے ہوتے وائٹ شرٹ پہ اپنا نشان چھوڑ گئی تھی۔

"یو۔!" وہ اپنی حالتِ زار دیکھ کر دانت بھینچ گیا تھا۔سہیل غذیر اور سعید تیزی سے بیچ میں آئے تھے۔

"تم اس گندے جوہڑ کی پیداوا ہو جہاں انسان، انسانیت اور رشتوں کا مان سرے سے پایا ہی نہیں جاتا ۔مجبور عورتوں کو اپنے پیسے اور اپنائیت کی اداکاری سے زیر کرنے چلے تھے اور یہاں اپنے جیسے انسانیت سے عاری لوگوں کو کہانی سُنا کر اپنی جھوٹی مردانگی کو تسکین پہنچا رہے ہو۔۔۔؟

ہو کیا تم۔۔۔؟ میرے سامنے تمہاری اوقات ہی کیا ہے۔۔۔؟ اک آوارہ کتے سے کچھ کم نہیں۔۔ جو مہینوں سے میری توجہ حاصل کرنے کے لیے میرے گھر کے چکر کاٹ رہا ہے۔۔اور میں، تم پر تھوکنا بھی پسند نہیں کر رہی۔۔ میری سادہ لوح ماں کو بے وقوف بنا کر تم خود کو ہیرو سمجھ رہے ہو تو جان لو ۔۔کل بھی تمہاری اہمیت، میری جوتی کے برابر نہیں تھی اور آج بھی نہیں ہے۔سونے کے بن کے بھی آجاؤ گے تو بھی ماورا ایچ تم پہ تھوکنا پسند نہیں کرے گی۔"

آتے جاتے اسٹوڈنٹس ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔اک بھیڑ سی لگ گئی تھی۔وہ سب لائن سے کھڑے ہق دق اسے سن رہے تھے۔وہ ناڈری، ناذرا جھجکی۔اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اپنی بات

مکمل کرکے اس پہ اک حقارت بھری نگاہ ڈال کر اس کا تماشا لگا کر بھیڑ کو چیرتی چلی گئی تھی۔ رنگین شرٹ کو دیکھتے وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

" دو دن کے بعد یونی گئیں اور اتنی جلدی لوٹ آئیں۔۔" ماورا۔ بجی کی غیر متوقع آمد پر منزہ حیران ہو کر استفسار کر رہی تھیں۔

"السلام علیکم !" وہ جواب دیے بنا، کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی جو کبھی انوشا اور اس کا مسکن ہوا کرتا تھا۔

" کیا ہوا۔۔؟ تم نے جواب نہیں دیا۔۔؟ آج سے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔" منزہ کو اس کے انداز پہ حیرانی ہوئی تھی وہ اس کے پیچھے کمرے تک آ گئیں۔

" میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے لوٹ آئی۔" وہ بات بنا کر چادر اتارنے لگی۔

"واقعی میں طبعیت خراب ہے یا کسی سے لڑ کے آئی ہو۔۔؟؟" اس کے سُتے ہوئے چہرے کو دیکھ کے جانے کیوں منزہ کو یقین نا ہوا۔۔

" طبعیت خراب ہے۔۔" وہ لب بھینچ گئی تھی۔

" پھر ٹھیک ہے، ورنہ مجھے لگا تھا تم ایشان سے لڑ کے آ رہی ہو۔۔۔ سوچ رہی تھی، کل اس نے جو بات کی ، تم اس کا غصہ نکال آئی ہو گی۔۔۔ منزہ اپنے خیالات پر خود ہی مسکرانے لگیں۔

" ایشان آئے تو اسے ہاں کہہ دوں گی۔۔۔ پھر وہ جلد اپنے والدین۔۔۔"

" کوئی نہیں آئے گا یہاں۔۔۔" وہ ہسٹریائی انداز میں چلائی تھی۔ اک پل کے لیے تو منزہ بھی ڈر گئیں۔

" کیا ہوا۔۔؟ کوئی بات ہوئی تم سے۔۔؟ میں نے سبھی اندازہ لگایا نا، تم اس سے لڑ کے آرہی ہو۔۔ کبھی تو عقل سے کام لیا کرو۔ رشتہ ہونے جارہا ہے تمہارا اس کے ساتھ۔۔۔"

" اللہ کا واسطہ ہے اماں، پلیز خاموش ہو جائیں۔۔" منزہ اسے سرزنش کر رہی تھیں اور وہ ان کی بات کاٹ کر بے ساختہ ان کے آگے ہاتھ جوڑ گئی تھی۔

" آپ کی انہی باتوں اور نرمی نے آج مجھے جی بھر کے شرمندہ کروایا ہے۔۔۔ منع کرتی تھی مت گھر میں داخل ہونے دیں، اک اجنبی پر اتنا بھروسہ نا کریں۔۔ لیکن آپ نے میری اک نا سُنی۔ آپ اسے بیٹا کہتے نہیں تھک رہی تھیں اور وہ آپ کا مذاق اُڑاتے۔۔۔ یونی میں سب کے سامنے اس نے قبول کر لیا کہ ایسا وہ صرف مجھے نیچا دکھانے کے لیے کر رہا تھا۔ جب سیدھے طریقے سے زیر نا کر سکا تو ہمدردی کا چولہ پہن کر اس نے آپ کو مہرہ بنا کر گھر میں داخلے کی انٹری لے لی۔۔۔ کوئی رشتہ نہیں بھیجے گا وہ، کوئی نہیں آئے گا اس کے گھر سے۔۔۔ اس نے صرف میرا غرور توڑنے کے لیے یہ چال چلی تاکہ مجھے نیچا دکھا سکے۔"

جوشِ جذبات سے اس کی آواز اونچی ہو کر کانپنے لگی تھی۔

ایشان جیسے شخص کے رشتے کی آس میں بیٹھنا، اسے سوچنا، اس سے زیادہ ذلت کا مقام کوئی ہو نہیں سکتا تھا۔ اس کی غربت، سفید پوشی کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ ضبط کی کوشش میں آنکھیں گلابی ہونے لگی تھی۔ یقیناً وہ راستہ بھر روتی آئی تھی۔ منزہ لڑکھڑا کر دیوار کا سہارا لے کر خود کو سنبھالنے کی سعی کر رہی تھیں۔

☆☆☆

"یہ تو بہت مشکل ہو جائے گی۔ تم پارٹی کو کچھ دن رکنے کا کہو۔" چوہدری اسفند کی پریشان کن آواز نکلی تھی۔ ناشتا کرتے وہ سب ان کی شکل دیکھنے لگے جو فون کان سے لگائے محوِ گفتگو تھے۔

"میں نے اپنی سی پوری کوشش کی ہے ڈیڈ۔۔ انہیں جلدی ہے، وہ رکنا نہیں چاہ رہے۔"

"پھر کیا کروں۔۔ چھوڑ دیتا ہوں، اس کے علاوہ کوئی حل جو نہیں۔" چوہدری اسفند نا اُمید ہوئے۔

"بہت زیادہ نقصان ہو جائے گا ڈیڈ۔۔ اس سے زیادہ اچھی قیمت پھر مشکل ہی ملے۔" وہ چھوڑنے کے خلاف لگ رہا تھا۔

"ہوں بات تمہاری بھی درست ہے لیکن، اتنی جلدی آنا ممکن بھی تو نہیں۔ ان کو اگر اتنی جلدی تھی تو پہلے کہنا چاہیے تھا۔" انہیں غصہ آنے لگا۔

"آپ ٹینشن نا لیں ڈیڈ، میں کسی طرح یہ ڈاکومنٹس آپ تک بھیجنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"اوکے! خیال رکھنا سب کا۔ دیکھنا زرش بور نا ہو میری بیٹی اداس ہو جاتی ہے جلدی۔۔۔"

"آپ ٹینشن ہی نا لیں۔" وہ یقین دلا رہا تھا۔ اور ان کی باتوں کی طرف متوجہ عیشال جہانگیر شعلوں میں گھر گئی تھی۔ جان گئی تھی، دوسری طرف کون تھا۔

"پریشانی کی کیا بات ہے اسفند۔۔؟" فریال بیٹے سے باتیں کر رہی تھیں۔ زمرد بیگم ان کی پریشانی کو محسوس کر کے سوال کر رہی تھیں۔

"پریشانی کی بات نہیں ہے بی جان۔ شہر والی زمین کا سودا کافی دِنوں سے چل رہا تھا۔ باہر کی کمپنی اسے خرید کر مال بنانے میں دلچسپی لے رہی تھی۔ اب انہوں نے فوری سودا کرنے کے لیے رابطہ کیا ہے

۔اب میں یہاں ہوں اور انہیں آج کل میں یہ ڈیل فائنل کرنی ہے۔۔ قیمت اچھی دے رہے ہیں۔اگر میری طرف سے کینسل ہوئی تو انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔لیکن مجھے پھر ایسی آفر مشکل سے ملے گی۔"

وہ تفصیل بتا رہے تھے۔

" اللہ بہتر کرے گا۔جو نصیب میں ہے، وہی ملے گا۔تم سمہان سے کہو نا وہ ڈیل کر لے۔" زمرد بیگم راہ دکھا رہی تھیں۔

" سمہان ہی ڈیل کر رہا ہے بی جان۔۔ لیکن زمین میرے نام ہے تو سگنیچرز کا ایشو ہے۔"

" اچھا اچھا۔" وہ سر ہلا کر فون کی طرف متوجہ ہوئی تھیں جو فریال انہیں تھما گئی تھیں کہ سمہان بات کرنا چاہ رہا ہے۔ایئر پیس سے آتی اس کی آواز عیشال جہانگیر کے اندر بھانبھڑ جلا رہی تھی زمرد بیگم سے بات کر کے اس نے فون بند کر دیا تھا۔

سب کے ساتھ وہ بھی تو آئی تھی۔کیا وہ اس لائق نہیں تھی کہ اک کال یا میسج کر کے اس کی خیریت دریافت کی جاتی۔۔۔؟ اتنی بے گانگی، اتنی اجنبیت۔۔ فشارِ خون بلند ہو رہا تھا۔

"نمازِ عصر کا وقت ہو رہا ہے۔حرم چلنے کی تیاری کریں، آپ لوگ۔نمازِ عصر سے فارغ ہو کر ہم مدینہ شریف کے لیے نکلیں گے۔"

چوہدری اسفند فریش ہونے کے خیال سے اٹھنے لگے تھے۔

" تم چل رہی ہو نا عیشال۔۔۔؟" فریال اپنے کپڑوں کی استری کے ساتھ اس کے کپڑے بھی نکال لائی تھیں۔

"نہیں چچی جان۔۔۔آپ لوگ جائیں۔" وہ کسلمندی سے پیر موڑ کے چہرہ ٹکا گئی تھی۔

" یہ کیا تماشا ہے عیشال۔۔۔؟اگر تم نے اللہ کے گھر حاضری نہیں دینا تھی تو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔" انہیں چوتھا دن تھا۔جب حرم جانے سے انکار پہ زمرد بیگم کو شدید غصہ آنے لگا۔چوہدری اسفند بھی رک گئے تھے۔

" بی جان، بالکل درست کہہ رہی ہیں بیٹا، جب تم نے حاضری نہیں دینا تھی تو تم آئیں ہی کیوں۔۔یہ نمازیں، نوافل تو تم حویلی میں بھی ادا کر سکتی تھیں۔"

چوہدری اسفند بھی بولے بناء نہیں رہ سکے تھے، جس شوق سے اس نے ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی تھی اس کا عکس بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ہاں یہاں آکر وہ باقاعدگی سے ساری فرض نمازیں اور نوافل کی ادائیگی کر رہی تھی اور تو اور تہجد کے لیے بھی اٹھتی تھی۔آنسو بہاتے جانے کون سی دعا مانگتی رہتی تھی۔لیکن کمرے سے نکلنے کو جیسے تیار نا تھی۔

تینوں کو اس کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔وہ چپ سی ہو گئی تھی۔ٹھیک سے کھاتی پیتی بھی نہیں تھی۔بس کھڑکی سے سر ٹکائے کعبہ کو نگاہوں میں بھرے بیٹھی ہوتی تھی۔فریال اور زمرد بیگم بارہا اس حرکت کے متعلق پوچھ چکی تھیں۔اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔اس وقت بھی وہ چپ تھی جس پہ زمرد بیگم کے غصے کا گراف بڑھنے لگا تھا۔

" میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا اسفند اسے ساتھ مت لے چلو۔۔مگر تم نے اپنی سی کی۔۔۔اب دیکھ لو اس کی ہٹ دھرمی۔۔۔۔۔، کتنی گناہ گار ہو رہی ہے۔۔۔لوگ یہاں آنے کے لیے ترستے ہیں اور یہ یہاں آکر بھی گستاخی کی مرتکب ہو رہی ہے۔"

زمرد بیگم کو اس کی خاموشی اور ہٹ دھرمی پہ بہت غصہ تھا، جس کا وہ اظہار بھی کر رہی تھیں۔

"میں بات کرتی ہوں بی جان، آپ ریلیکس رہیں۔" فریال کو بھی اس کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ گو کہ حویلی میں وہ یا فائزہ ہی اسے ڈیل کرتی تھیں لیکن یہاں آکر اس نے چپ کی جو بکل ماری تھی اسے کریدنے میں مشکل ہو رہی تھی۔ زمرد بیگم وضو کرنے چلی گئی تھیں اور وہ دونوں دائیں، بائیں بیٹھ گئے تھے۔

"کیا بات ہے بیٹا۔۔ ہمیں کھل کے بتاؤ۔۔۔ میں نے کبھی اپنے بچوں اور تم میں فرق نہیں رکھا۔" چوہدری اسفند نے سر پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔ گود میں پڑی انگلیوں کو مروڑتے اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ آنسو بے ساختہ اس کے ہاتھوں پہ گرنے لگے تھے۔

"کیا مسئلہ ہے میری جان۔۔" فریال تڑپ کے ساتھ لگا گئی تھیں۔ چوہدری اسفند کی زیرک نظریں بھانپ گئی تھیں کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ جس شوق سے وہ آئی تھی اب اتنی ہی بے چینی اور بے کلی اس کے اندر تھی۔ حویلی کے گھٹے گھٹے ماحول میں وہ چہکتی پھرتی تھی لیکن یہاں آکر تو اس کے لب جیسے ہنسنا بھول گئے تھے۔ کوئی بن اس کے اندر چبھی ہوئی تھی۔

"بولو نا عیشال۔۔" فریال نے زور دیا۔

"آپ لوگوں کے کسی سوال کو میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ میں اس وقت کس کرب، کس اذیت سے گزر رہی ہوں، یہ صرف میں یا میرا اللہ جانتا ہے۔ میں آپ سب سے ہاتھ جوڑ کے التجا کرتی ہوں، مجھ سے کچھ نا پوچھیں۔" کہنے کے ساتھ وہ ان کے سامنے ہاتھ بھی جوڑ گئی تو فریال نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"اصرار نا کرو فریال، جب عیشال کچھ بتانا نہیں چاہتی۔۔۔ ٹھیک ہے بیٹا، تم مدینہ شریف چلنے کی تیاری کرو۔"

فریال کو تنبیہ کرکے وہ عیشال کو ہدایت دے رہے تھے۔ تب ہی ان کا سیل فون بجنے لگا۔

" ہاں سمہان بولو۔۔" وہ کال پک کرتے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ فون پہ بات کرتے فریال کو جلدی کرنے کا اشارہ کرتے کمرے سے نکلنے لگے تھے۔

" سمہان آفندی۔۔!"

اک یہ نام سن کر اس کے ہر مسام سے آگ کے شعلے دہک رہے تھے۔۔ جسم کی اک اک ہڈی اس نام پہ چیخ رہی تھی۔

☆☆☆

" ناشتے میں کیا لو گی بیٹا۔۔؟" فائزہ نئی نویلی بہو کے نخرے اٹھا رہی تھیں۔ اس کی اک اک چیز کا دھیان خود بھی رکھ رہی تھیں اور بیٹیوں کو بھی خاص ہدایت تھی۔

" میرا ناشتے کو دل نہیں ہے تائی جان۔۔" وہ انکاری تھی۔ یہ دیکھے بنا کہ انہوں نے اس کی من پسند کتنی ہی ڈشز بنادی تھیں۔

" جب ساسوماں اتنے اصرار سے کھلانا چاہ رہی ہیں تو تھوڑا سا کھالو۔" بظاہر مسکرا کر لیکن دیا نے تنبیہی نگاہ ڈال کر کھانے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

" میرا موڈ نہیں ہے مما تو کیا زبردستی کھالوں۔۔" نخوت سے گویا تھی۔

" اچھا موڈ نہیں ہے تو رہنے دو۔ میں تمہارے لیے جوس بنوا دیتی ہوں۔" فائزہ کی پوری کوشش تھی کہ وہ کچھ کھا پی لے۔ اور لنچ کی نیت سے آیا شاہ زر شمعون دن کے ڈیڑھ بجے ناشتے کے لوازمات اس کے آگے سجا دیکھ کر اسے دیکھنے لگا تھا جو کسی شئے کو خاطر میں نہیں لا رہی تھی۔

" ارے شاہ! بیٹھو میں تمہارے لیے کھانا لگواتی ہوں۔" فائزہ اسے دیکھ کر ملازمہ کو ہدایت دینے بھاگیں۔ دیا پہلے ہی چوہدری بخت کی دوا کا وقت ہونے پر انہیں دوا دینے جا چکی تھیں میز پر اب صرف وہ دونوں تھے۔ وہ نزاکت سے فروٹ چنکس فورک میں پرو کے کھا رہی تھی۔

" دن کے ڈیڑھ بجے کون سا ناشتا ہوتا ہے۔۔؟" لب بھینچے بھینچے سوال ہوا۔

" یہ والا۔" اپنی پلیٹ کی طرف اشارہ کرتے دوبارہ مشغول ہو گئی۔

" بہو بن کر میری ماں کو زیادہ نخرے دکھانے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کو ان کا خیال رکھنا ہے، ان کو آپ کا نہیں۔۔۔ اب سے صبح سویرے اٹھنے کی عادت ڈالیں۔ میرے اٹھنے سے پہلے آپ کا اٹھنا ضروری ہے۔ تاکہ آپ میرا ناشتا اور کھانے پینے کا دھیان رکھ سکیں۔ مما کب تک یہ کام کرتی رہیں گی۔۔؟"

"میں نے صرف نخرے دکھائے ہیں، کسی کے نخرے اٹھانا سیکھا ہی نہیں، سو آپ مجھ سے ایسی توقع مت رکھیں۔۔ ایکسکیوز می!۔"

بے لچک انداز میں اپنی بات کر کے وہ کرسی پیچھے دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اس کی جی داری پہ جی چاہا دو چار لگا کر دماغ درست کر دے لیکن ضبط کر گیا۔

☆☆☆

" اے میرے اللہ کے محبوب ! میری مشکل آسان ہونے کی دعا کیجیے۔۔ سرکارِ دو جہاں مجھ ابھاگن کو اپنے در سے خالی ہاتھ نالوٹائیے۔۔۔۔ رب العزت کو آپ سے پیارا کوئی نہیں۔۔۔۔۔ آپ میرے حق میں دعا فرما دیجیے۔۔۔۔

اے حسنین کے نانا۔۔۔۔ ! اپنے در سے مجھے نامراد نا بھیجیے۔۔۔ حرم میں قدم رکھے بنا، حاضری لگائے بناء چلی گئی تو خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔۔۔۔۔ اللہ سے کہیے نا، میری نادانی کی اتنی کڑی سزا نا دے۔۔۔۔

اے خالقِ کائنات کے منظورِ نظر میری سفارش کر دیجیے۔۔۔۔ اللہ آپ کی بات کو کبھی نہیں ٹالیں گے۔۔۔۔ میرا تار تار دامن بھر دیجیے۔۔۔۔ مجھ ابھاگن کو خالی ہاتھ نالوٹائیے۔۔۔۔"

روضہِ رسول ﷺ کی حاضری پر سبز گنبد کو نظر میں رکھتے اشک رواں ہو گئے تھے۔۔۔۔ سنہری جالیوں کو اپنے گناہ گار ہاتھوں سے بھینچے کئی شب و روز اسی دعا میں گزر گئے تھے۔۔ اکثر ہی اس کی پلکیں نم رہتی تھیں۔ تینوں نے پھر اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ شاید کسی بڑی مشکل میں تھی، اتنا وہ سب جان گئے تھے۔

تاجدارِ حرم ہو۔۔۔۔۔ نگاہِ کرم

ہم غریبوں کے دن بھی سنور جائیں گے

حامیِ بے کساں

کیا کہے گا جہاں

آپ کے در در سے خالی اگر جائیں گے

کوئی اپنا نہیں غم کے مارے ہیں

آپ کے در پہ فریاد لائے ہیں ہم

ہو نگاہِ کرم ورنہ چوکھٹ پہ ہم

آپ کا نام لے لے کے مر جائیں گے

تاجدارِ حرم ہو نگاہ کرم

اس وقت بھی وہ کھڑکی سے پیشانی ٹکائے روضہِ رسول ﷺ کے برآمدے پہ نظر جمائے کھڑی تھی۔لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر دل سے نکل رہے تھے۔اک اک لفظ کی گواہی دل دے رہا تھا۔اشک رواں تھے ۔دل کرلانے لگا تھا۔اب تو لگتا تھا، کسی دن رو رو کے جان ہی نکل جائے گی۔

" چچی جان مجھے کھانا نہیں کھانا۔۔ پلیز آپ پریشان نا ہوں، آرام کریں!"

سابقہ اندازمیں کھڑی، ذرا سا چہرہ موڑ کر اس نے آنسو صاف کیے تھے۔آہٹ پہ فریال کا ہی گماں ہوا تھا۔ چوہدری اسفند اصرار کر کے تھک گئے تو فریال کے ہاتھوں کھانا بھیجنے کی یقین دہانی کر کے لوٹ گئے تھے ۔تب ہی فریال کی موجودگی محسوس کر کے وہ انکاری ہوئی۔

" تم بھی نا بہت عجیب ہو۔۔۔ کیوں نہیں کھاؤ گی کھانا ۔۔۔ اتنے خوبصورت مقام پر بھی کفرانِ نعمت کرو گی۔۔۔۔؟"

اس آواز پہ وہ جھٹکا کھا کر مڑی تھی۔ کمرے کے بیچوں، بیچ سمہان آفندی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ شاک کی کیفیت میں اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اس وقت یہاں، اس کی غیر متوقع موجودگی پر جیسے خواب کا گماں ہو رہا تھا۔

"حویلی میں رہو یا کہیں بھی، سب کو پریشان کرنے کی عادت جائے گی نہیں تمہاری۔۔۔ بتا رہی تھیں دی جان، کیسے تم نے سب کو پریشان کر رکھا ہے۔"

چلتا ہوا اس تک آیا تھا۔ فاصلہ رکھ کر کھڑکی کے دوسرے سرے سے بایاں شانہ ٹکا کر روضہ رسول ﷺ کو نظر بھر کے دیکھنے لگا۔ پھر چہرہ موڑ کر اک نظر اس پہ ڈالی جو ابھی تک بنا پلکیں جھپکے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"اتنی حیرانگی کیوں۔۔۔؟ کیا میں یہاں نہیں آ سکتا۔۔۔؟"

لب سِل گئے تھے۔ وہ ساکت اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی حیران آنکھوں کو دیکھ کر شوخی سامنے آ گئی تھی۔

"اب یہ مت سمجھنا حویلی میں کوئی لڑنے بھڑنے والا نہیں ہے اس لیے تمہارے پیچھے آ گیا۔ میرے ہوتے ڈڈ کا نقصان ہو، کیسے ممکن تھا۔ ڈیڈ کے آفیشل کام سے آنا پڑا۔"

اور اس گھڑی ساکت کھڑی عیشال جہانگیر کی ہڈیاں پتے لاوا سے اس بری طرح چٹخنے لگیں کہ اس کے سر پہ خون سوار ہو گیا۔

"میری جان کے دشمن! سب کے نقصان کی فکر ہے، نہیں ہے تو میرے نقصان کی تمہارے سامنے کوئی اہمیت نہیں۔۔۔ دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔۔۔ اتنی دور چلے جاؤ کہ مجھے تمہاری صورت بھی نظر نا آئے۔ مر گئی ہوں میں تمہارے لیے۔۔ دفع ہو جاؤ میری زندگی

سے۔۔۔بزدل، کم ہمت انسان۔۔۔ میری زندگی کو دوراہے پہ لا کر تم خوش، باش گھوم رہے ہو۔۔۔ زندہ نہیں چھوڑوں گی میں تمہیں۔۔۔"

اس کے سینے پہ مکوں کی بارش کر کے اسے دھکیلنے کی کوشش میں خود ہی ڈگمگا گئی تو اسے مارنے کے لیے کچھ ڈھونڈنے لگی۔ سرعت سے سائیڈ پہ رکھا گلدان ہاتھ لگ گیا تھا۔ جسے اس نے اٹھا کے دے بھی مارا۔۔ مگر نشانہ خطا ہونے کے باعث گلدان فرش پہ بکھر کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔

" رکو، تم تمہیں ایسے نہیں چھوڑوں گی۔" ہیسٹریائی کیفیت میں چلاتے، وار خالی جاتے دیکھ کر وہ بلبلا کر مزید کچھ ڈھونڈنے لگی تھی۔

"عیشال!" چوہدری اسفند اور باقی دونوں کے لیے بھی یہ منظر ناقابلِ یقین تھا۔ دہلیز پہ کھڑے ہو کر سارا منظر دیکھتے تینوں مبہوت رہ گئے تھے۔

" ہوش کرو عیشال۔۔" فریال تیزی سے اس تک آ کر اسے تھام گئی تھیں وہ کسی طور قابو میں نہیں آ رہی تھی۔۔

" یہ کیا بچپنا ہے عیشال۔۔۔۔؟ سمہان آر یو اوکے۔۔۔؟"

چوہدری اسفند سمیت سب ہی حیرانگی سے اس منظر کا حصہ بن گئے تھے۔ سب معاملہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کہاں تو وہ چپ سی ہو گئی تھی اور کہاں اک دم سے اتنا جارحانہ رویہ۔

" آئم اوکے ڈیڈ!" اپنی جگہ چور سا ہو کر سب سے نظریں چرانے لگا تھا۔

" یہ سب کیا ہے عیشال۔۔۔ سمہان نے کوئی بات کی تم سے۔۔؟" چوہدری اسفند کڑی نظروں سے بیٹے کو دیکھ رہے تھے۔ زندگی میں پہلی بار اسے عجیب سی صورتِ حال کا سامنا تھا۔

" اسے کہہ دیں، کبھی میری نظروں کے سامنے نا آئے۔۔۔ ورنہ میں اسے جان سے مار دوں گی۔۔ مجھے نفرت ہے اس سے۔۔۔ شدید نفرت۔۔" وہ فریال کی پکڑ میں مچل رہی تھی۔

" کیا ہوا ہے بیٹا کھل کے بولو۔۔!" فریال نے حوصلہ دیا۔ ماں تھیں لیکن اگر بیٹے کی غلطی ہوتی تو وہ سولی پر بھی چڑھا سکتی تھیں۔

چوہدری اسفند سخت کبیدہ نظروں سے سمہان آفندی کو دیکھ رہے تھے جیسے عیشال نے کوئی بھی غیر متوقع جملہ کہا تو وہ اسے شوٹ کرنے میں بھی تامل نہیں کریں گے۔ سمہان آفندی لب دانتوں تلے سختی سے دبا گیا تھا۔

"اس انسان نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا چچی جان۔۔۔" سب ٹھٹھک کے سمہان آفندی کو دیکھنے لگے تھے۔ کیا کہہ رہی تھی وہ۔

" یہ اتنا بے حس ہے کہ اسے آج تک میری محبت محسوس ہی نہیں ہوئی۔۔ ہوئی بھی ہے تو ہر وقت میرا مذاق اُڑاتا رہتا ہے۔۔ اور میں پگلی، نادانی کم عمری سے اسے اپنا سب کچھ مان کر اللہ کی قسم کھا بیٹھی کہ اس وقت حرم کی دہلیز پہ قدم رکھوں گی، جب یہ میرا محرم ہوگا۔۔۔ اسے مجھ سے محبت نہیں ہے ۔۔۔ یہ بس حویلی کا وفادار ہے۔۔۔ مگر گناہ گار تو میں ہو رہی ہوں چچی جان۔۔۔ بے بس ہوں کہ اک قسم اُٹھا کر اللہ کے گھر آ کر بھی اس کے غلاف کو چھونے کی حسرت پوری نہیں کر پا رہی۔۔۔ اگر میں ایسے ہی محروم واپس گئی تو زندہ نہیں بچوں گی۔۔۔ میرا ضمیر مجھے مار دے گا۔۔۔ میں کیا کروں چچی جان۔۔ میں کیا کروں۔۔ اُف!!"

عالم دیوانگی میں سب کہہ کر فریال کے بازو کو کھینچتی وہ چکراتے ہوئے سر کو تھام کے زمین پر آ رہی تھی۔

"عیشال!" چوہدری اسفند تیزی سے فریال کی مدد کے لیے اس کی سمت لپکے تھے۔

" سبحان پانی لاؤ ! " وہ تیزی سے کمرے میں رکھی بوتل تھما گیا تھا۔ دو تین بار کی کوشش سے اس کی بند پلکوں پہ لرزش ہونے لگی تھی۔

" عیشال بیٹا آنکھیں کھولو۔"

فریال اس کا رخسار تھپتھپاتے آواز دے رہی تھیں۔ اس نے مندی مندی آنکھیں کھول تھیں۔

" یہاں آرام سے بیٹھو۔" ساری حقیقت اس کے منہ سے سن کر بھی فریال اور باقی سب نے بمشکل حواس سلامت رکھے تھے۔ اسے بیڈ پر بٹھاتے وہ خود بھی سر پکڑ کے بیٹھ کر چوہدری اسفند کو دیکھنے لگی تھیں۔ جن کے چہرے سے پریشانی کی لکیریں واضح جھلک رہی تھیں۔

" اب۔۔۔؟" سر اٹھا کر وہ سبحان آفندی پہ نظر گاڑ بیٹھے تھے۔ وہ خاموشی سے عیشال جہانگیر کے تے ہوئے چہرے پر اک نظر ڈال گیا تھا جو ساری بھڑاس نکال کر اب خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔

" یہاں سے واپسی پر تمہاری نرمین سے اور عیشال کی رئیس میاں سے شادیاں طے ہے۔۔ اور یہ سب۔۔؟ چوہدری اسفند لب بھینچ گئے تھے۔

" ڈیڈ ! آج عصر سے مغرب کے درمیان مسجدِ نبوی ﷺ میں، میں عیشال سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔
" اس منظر کا مرکزی کردار ہونے کے باوجود سبحان آفندی کی چپ ٹوٹی بھی تھی تو اس اک جملے پہ۔۔ سب ٹھٹھک کے اسے دیکھنے لگے تھے۔

" اور بابا جان۔۔؟ حویلی میں سب کو کیا کہیں گے۔۔۔ جہانگیر بھائی۔۔۔ سوچا ہے وہ کیسا ری ایکٹ کریں گے۔۔؟"

چوہدری اسفند کو جیسے صدمہ لگا تھا ساتھ ہی سارے تحفظات ستانے لگے۔ زمرد بیگم اور فریال تماشائی بن گئے تھے۔

" حویلی اور حویلی والوں کی اہمیت اپنی جگہ۔۔۔ مجھے چچا جان کا کوئی خوف نہیں۔۔ داجان کا فیصلہ

میرے لیے حرفِ آخیر ہے، لیکن ان سے محبت اور عقیدت کا وہ رنگ کبھی نہیں ہو سکتا جو خاتم النبی ﷺ اور میرے پاک پروردگار کا ہے۔۔۔ مجھے صرف داجان کی ناراضگی کا خوف ہے۔۔ لیکن ان کی ناراضگی سے بھی زیادہ مجھے رب العزت کی ناراضگی کا خوف ہے۔۔۔ میرے لیے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی ہے، بعد میں داجان اور باقی سب کی۔۔ اس حقیقت کو جاننے کے بعد بھلے داجان مجھے شوٹ کر دیں لیکن اگر عیشال یہاں سے خالی ہاتھ گئی تو احساسِ ندامت مجھے جینے نہیں دے گی۔۔۔ یہ یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جائے گی۔۔۔۔۔ میں آج ہی عیشال سے نکاح کا خواہش مند ہوں۔"

اپنی ہر اک بات مکمل دلیل سے ثابت کر کے اپنے فیصلے کو ثابت قدمی سے سہی گردان کے وہ ان سب کو حیران کر گیا تھا۔ عیشال پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جس کی بزدلی کے چرچے کرتے نہیں تھکتی تھی وہی اپنے ماں، باپ اور دی جان کے سامنے اپنا فیصلہ سنا گیا تھا۔ آنسو رخسار پہ ٹھٹھک گئے تھے۔ ضرورت سے زیادہ کھلی گلابی آنکھوں اور گلابی ناک پہ مسکراتی نگاہ ڈال کر اس نے محبت سے دیکھا تھا۔

" نکاح کے لیے تیار ہو جاؤ۔۔ وقت کم رہ گیا ہے۔"

سب کے سامنے استحقاق سے ہدایت دے کر وہ اسے ششدر کر گیا تھا۔

مسجدِ نبوی ﷺ میں نکاح۔۔۔۔۔ سمہان کے ساتھ۔۔!

عیشال جہانگیر کی حالت مرنے والی ہو گئی تھی۔

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط # 21

سمہان جو کرنے جارہا ہے کیا یہ ٹھیک ہے۔۔۔؟ حویلی کے سارے فیصلے تمہارے " بابا جان کرتے ہیں اور اب جب کہ سمہان کی نرمین سے اور عیشال کی رئیس سے شادی طے ہو گئی ہے تو ایسی بغاوت سے حویلی میں اک محاذ کھل جائے گا۔۔۔۔ سمہان تمہارے باباجان کو کتنا عزیز ہے یہ تم بھی جانتے ہو۔ سمجھاواسے کہ وہ جذباتی ہو کر "کوئی فیصلہ نہیں کرے۔

زمرد بیگم کے دل کو پتنگے لگ گئے تھے۔ سمہان آفندی جس بات کا اعلان کر کے گیا تھا اس پہ ہر اک کو تحفظات تھے لیکن وہ کچھ نہیں سُنے گا یہ بھی سمجھ آگئی تھی۔ عیشال جانے کیا کر رہی تھی۔ وہ سب دوسرے روم میں تھے۔ سمہان کسی کام سے باہر گیا تھا۔ اس فیصلے پر دل تو فریال کا بھی کانپ رہا تھا۔ لیکن جو کچھ آنکھوں نے دیکھا اور

کانوں نے سُنا تھا اس کے بعد انہیں یہی ٹھیک لگ رہا تھا۔زمرد بیگم جو تحفظات گنوا رہی تھیں اس سے بھی انکار نہیں تھا۔

" بی جان ! مجھے حویلی سے جتنا اختلاف ہے ، اس سے کہیں زیادہ عیشال سے ہمدردی ہے۔اس بچی کے ساتھ بہت ظلم ہوا ہے۔مجھے نہیں پتا کب کیسے ان دونوں کی کوئی کٹ منٹ ہوئی ، ہوئی بھی کہ نہیں۔۔اگر ہوتی تو شاید دونوں الگ الگ بندوں سے شادی پر احتجاج ضرور کرتے ،یوں خاموشی سے سر نا جھکاتے۔سمہان تو مرد ہے ،ضبط کرگیا۔وفاداری پہ دل کو گروی رکھ دیا لیکن عیشال کا ضبط جواب دے گیا۔جانے کب کی کھائی اس کی قسم ، یہاں آکر اک دم سے یاد آکر اس سے وہ سب کروا گئی جو شاید عام حالات میں حویلی میں کبھی نا کرتی۔سمہان جذبات میں آکر کوئی فیصلہ نہیں کرتا، کرنا ہوتا تو بہت پہلے کرلیتا۔۔۔یہ سب قسمت میں یوں ہی لکھا تھا۔۔۔سمہان کا یہاں آنا پلان کا حصہ نہیں تھا لیکن اس کا اچانک چلے آنا۔۔۔کیا ہے یہ سب۔۔۔؟؟

بی جان ! یہ اللہ کا فیصلہ ہے ، اس کے نبی ﷺ کے روضے کا کرم ہے، جو اس بچی کے بے بس آنسو سمہان کو یہاں لے آئے۔یہ رشتہ ہم نہیں ،اللہ جوڑ رہا ہے۔ وہ بھی اپنے حبیب کے روضے میں۔۔۔اس سے بڑھ کے ان کے لیے خوش قسمتی اور کیا ہوگی "بی جان۔۔؟

" وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن حویلی۔۔تمہارے باباجان۔۔؟؟ "

چوہدری اسفند کی ہر اک بات دل میں اُترنے کے باوجود وہ پریشانی کا شکار تھیں۔

"سمہان نے یہ فیصلہ لیا ہے تو سب کچھ سوچ کر ہی لیا ہوگا بی جان۔۔۔جب عیشال کی ہر خوشی سمہان کی ذات سے منسوب ہے تو محض اپنی جان بچانے کے لیے اسے رُلنے کے لیے چھوڑ دینا مرد ہونے کے ناتے سمہان کو زیب نہیں دیتا۔اور آپ کو کیا لگتا ہے اگر سمہان انکار کردے گا تو عیشال حویلی جاکے خاموشی سے رئیس میاں سے شادی کر لیے گی۔۔۔؟ نہیں بی جان ، چند دِنوں میں جتنا اسے میں نے جانا ہے ،وہ مرنا پسند کرے گی لیکن سمہان کے علاوہ کبھی کسی کو قبول نہیں کرے گی۔۔۔اب بھی دیکھ لیں اس کی ضد۔۔۔یہاں آکر بھی شدید خواہش کے باوجود وہ حرم میں قدم نہیں رکھ پارہی ہے کفارے کی ہزار صورت تھی لیکن اس نے اللہ اور اس کے نبی ﷺ سے لو لگا کر ناممکن کو ممکن بنالیا۔"

چوہدری اسفند انہیں ہر حقائق سے آگاہ کررہے تھے۔اور وہ ناچاہتے ہوئے بھی اتفاق کر رہی تھیں۔

"رہے جہانگیر بھائی تو سمہان داماد تو ان کا ہی کہلائے گا ، نرمین نا سہی عیشال ہی سہی ۔"

"سمہان کے لیے مجھے عیشال تو ہمیشہ سے پسند تھی۔لیکن بابا جان کے فیصلے پر چپ ہوگئی تھی اب جو ہورہا ہے وہ بہت حیرت انگیز ہونے کے ساتھ خوشی بھی دے رہا ہے لیکن بی جان ٹھیک کہہ رہی ہیں ، سچ جان کر جانے باباجان کیسا تاثر دیں۔!"

فریال کو بھی فکر دامن گیر ہوا

نیک بخت ! کل کیا ہونا ہے یہ تو صرف اللہ کو پتا ہے تم ہول کر پریشان نا "
ہو جاوا بھی تو خوش ہو جاوکہ بیٹا ، بہو تمہاری خواہش پوری کرنے کا ارادہ رکھتے
ہیں۔بس انہیں دعائیں دو۔آپ بھی بی جان۔۔۔ہمارے بچوں کا دل ٹھنڈا رہے ، اس
سے بڑھ کے ہمارے لیے خوشی کی اور کیا بات ہوگی۔۔سارا وقت باتوں میں نکل
جائے گا۔آپ دونوں جلدی تیاری پکڑیں ،عصر کا وقت ہورہا ہے۔فریال بیگم ،بہو کو
"بھی جاکے دیکھ لیں ، وہ بھی تیار ہوئی یا ابھی تک خوشی منارہی ہے۔۔
چوہدری اسفند خوش تھے۔اسی خوشی میں عیشال کے لیے شرارتی ہوگئے۔
دیکھتی ہوں!" فریال مسکراتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ "

☆☆☆

نہیں ہوتا میں تجھ سے جُدا ، بھروسہ رکھ روح پوش
یہ نکاح عشق ہے ، تیرا حق مہر میری سانسیں

زندگی میں وہ خوبصورت لمحہ آگیا تھا۔جس کا خواب تو دیکھا گیا تھا لیکن تعبیر اتنی دلکش
ہوگی انہیں اندازہ نہیں تھا۔وفاداری کا پاٹ پڑنے والا ہار گیا تھا اور یہ ہار کتنا خوشی کا
ضامن تھی اس کا اندازہ فیصلہ کرنے کے بعد دلی سکون سے عیاں تھی۔۔۔مہینوں کی

اُکھاڑ، پچھاڑ سے نجات مل گئی تھی۔آگے جو ہونا تھا ہوتا رہتا۔ابھی تو ان لمحوں میں جینا تھا، جو قسمت نے ان کے نام کردیے تھے۔اُچٹتی نظریں بار بار عیشال پہ تھیں جو سج سج کر برآمدے میں داخل ہو رہی تھی وجود سفید چادر میں چھپا ہوا تھا۔نگاہ نیچی تھیں۔جانے وہ کیا سوچ رہی تھی۔اس گھڑی اس کے خیالات جاننے کی بے چینی سی لگ گئی تھی۔

روضہ رسول ﷺ کے دربار میں نکاح، اسے اک خواب محسوس ہورہا تھا۔اس نے اللہ اور اس کے محبوب کے آگے جتنا گڑگڑا کے دعا کی وہ پوری ہوگئی تھی۔سمہان آفندی اس کے سامنے براجمان ہوچکا تھا۔نکاح کے ایجاب وقبول ادا ہورہے تھے اور اس کے آنسو رُکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔فریال کا حصار اس کے گرد تھا۔چوہدری اسفند کا ہاتھ سر پہ آگیا تھا۔باپ کا وجود ہونے کے باوجود زندگی کے سب سے بڑے فیصلے پہ دستخط کرتے وقت وہ اکیلی تھی۔

خوشی کے فیصلے میں اتنا نہیں روتے۔" زمرد بیگم نے ہاتھ پکڑ کر نکاح نامہ پر رکھے تھے۔سمہان آفندی کی نگاہ اس کے لرزتے وجود پر ہی تھی۔اس نے جس شخص کی چاہ کی تھی وہ اس سے کچھ دوری پہ بیٹھا ہوا اس کی ہاں کا منتظر تھا۔اور اس نے ہاں کر دی تھی۔نکاح مبارک کا شور برآمدے میں پھیل گیا تھا۔ہر چہرے پہ خوشی نظر آرہی تھی۔

یہ میرے زیست کی سب سے بڑی تمنا تھی

تُو میرے پاس میرے نام کی طرح رہتا

اور یہ تمنا پوری ہو گئی تھی۔دونوں کے آسودہ چہرے گواہی دے رہے تھے۔

☆☆☆

" سمجھتی کیا ہے وہ اپنے آپ کو۔۔۔؟" دھاڑ سے دروازہ بند کر کے ایشان جاہ نے پوری قوت سے جیکٹ دیوار پہ دے ماری تھی۔جیکٹ دیوار پہ لگنے کے ساتھ ڈریسنگ مرر سے ہوتی اس پہ سجی کئی چیزوں کو ساتھ لے کر نیچے آرہی تھی۔پرفیومز کی بوتلیں ٹوٹ کر خوشبو بکھیر گئی تھیں لیکن اس کے تنے ہوئے اعصاب کو پرسکون کرنے سے قاصر رہی تھیں۔

تکیہ اٹھا کر فرش پہ مارتے وہ بیڈ پہ گر کے سر دونوں ہاتھوں میں تھام گیا تھا۔دستک دے کے صہبا کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔داخل ہوتے برانڈڈ خوشبو کا جھونکا ان کے نتھنوں سے ٹکرایا تھا۔نگاہ فرش پہ ٹوٹی بکھری بوتل پہ پڑی تھی۔

" یہ کیسے ٹوٹ گئی۔" خوشبو کے بکھرنے کی وجہ سمجھ آگئی تھی۔جواب ندارد تھا۔صہبا نے بے ساختہ اسے دیکھا تھا جو غصے سے مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

" اتنے غصے میں کیوں ہو ایشان۔۔۔اور یہ شرٹ پہ نشان کیسے ہیں؟" وہ فکر مند ہوئیں۔

مام کائنڈلی اس وقت مجھے اکیلا چھوڑ دیں ، ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔" ہیجانی "
کیفیت کو دیکھتے صہبا اک لمحے کو کھٹکی تھیں۔
ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں لیکن پہلے بتاوتو بات کیا ہے۔۔؟کیوں اس قدر غصے "
"میں ہو۔؟
کیا یہ سوال، جواب ہم بعد میں نہیں کر سکتے۔۔؟" چڑ گیا۔ "
"بالکل کر سکتے ہیں۔۔۔ میں تو بس یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ۔۔۔ "
میں اس وقت کسی کو فیس کرنا نہیں چاہتا۔آپ نہیں جا رہی ہیں تو میں ہی چلا "
جاتا ہوں۔۔'' وہ چڑ کے گاڑی کی چابی اٹھا کر کمرے سے نکل گیا تھا۔
ایشان۔۔!" صہبا آواز دیتی رہ گئی تھیں۔۔ "
یہ اسے کیا ہوا۔۔۔؟ پہلے کبھی تو اتنا نہیں بھڑکتا تھا۔۔۔ یقینا اسی لڑکی نے پھر تنگ "
کیا ہوگا۔۔۔جب سے میرے بچے کی زندگی میں آئی ہے ، سکون غارت کر دیا ہے اس
نے۔۔۔آئی تھی ضروری بات کرنے اور وہ چلا بھی گیا۔جہانگیر بھی جانے اسلام آباد
سے کب لوٹیں گے۔۔۔اک تو ان کے آفیشل کام ختم نہیں ہوتے کہ گھر کے مسائل پر
بھی توجہ دیں۔۔۔بتاتی ہوں انہیں ، کم از کم بات کر کے ایشان کا موڈ تو ٹھیک کریں
"گے کیسے غصے سے بھرا نکلا ہے ، خدا نخواستہ کچھ کر نا بیٹھے۔
صہبا اپنے دماغ کے گھوڑے دوڑا کر چوہدری جہانگیر کو کال ملانے لگی تھیں۔اور ان کی
فکر مندی دیکھ کر چوہدری جہانگیر نے سب سنبھال لینے کی ہامی بھرلی تھی۔

" آپ تو جو کریں گے سو کریں ، ابھی تو مجھے اس لڑکی کا ایڈریس دیں ، میں خود جاکے اس کا دماغ ٹھکانے لگاتی ہوں۔۔زیادہ ٹر ٹر کی تو گھر کا سامان اُٹھا کر شہر سے باہر پھنکوا دوں گی۔بہت برداشت کرلیا میں نے۔۔" صہبا نے جیسے ٹھان لیا تھا۔

" ٹھیک ہے ، پولیس ریکارڈ میں ہے اس کا ایڈ ریس۔نکلوا کر تمہیں سینڈ کرتا ہوں۔" چوہدری جہانگیر عزیز بیوی کو کبھی ناں کرسکتے ہی نہیں تھے۔

"میں انتظار کر رہی ہوں۔"

فون بند کرکے صہبا جانے کی تیاری کرتے ایڈریس ملنے کا انتظار کر رہی تھیں۔

" دیکھو تو کس کھیت کی مولی ہے یہ لڑکی !" نخوت سے سر جھٹک کے لپ اسٹک کو گہرا کرنے لگی تھیں۔

☆☆☆

" کھلی فضا میں سانس لینے کا احساس ہی کتنا فرحت بخش ہوتا ہے۔" دونوں ہاتھ دائیں ، بائیں پھیلائے وہ مورنی کی طرح گول گھوم رہی تھی۔

پیچھے پیچھے وہ سب بھی آرہی تھیں۔حویلی کے گھٹے ماحول سے اُکتاہٹ ہونے لگی تو اس نے کھیتوں کی سیر کا شوشہ چھوڑ دیا۔۔بند کمرے میں رہ رہ کر دماغ بھی بند ہوتا محسوس ہورہا تھا۔تب ہی اس نے باہر کی راہ لی تھی اور آسانی سے اجازت بھی مل گئی تھی۔

" یہ جب سے آپ ویرے شاہ کے نکاح میں آئی ہیں ، تب سے کچھ زیادہ ہی گھٹن کا احساس نہیں ہورہا آپ کو۔۔۔؟" یمنیٰ چھیڑنے لگی۔ور وہ اس کے بھائی کے لیے کچھ کہہ کر خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔س لیے ناک سکیڑ کے رہ گئی۔

" تم کیوں اُداس ہو۔۔" شاذمہ نے زرش کی خاموشی نوٹ کی۔

" مام ، ڈیڈ کو مس کر رہی ہوں۔۔۔پھر ویر سمہان بھی چلاگیا۔اور میں یہاں اکیلی رہ گئی۔۔۔ سمسٹر نا چل رہے ہوتے تو میں بھی ساتھ چلی جاتی۔۔۔زرش کو افسوس ہوا۔

" ویر سمہان تو چچاجان کے کام سے گیا ہے ، ورنہ اس کا کون سا پلان تھا۔اور تم نہیں گئی تو کیا ہوا اگلی بار چلی جانا۔۔ابھی تو تمہاری جگہ عیشال بیٹی بن کے ساتھ چلی گئی ہے۔"

" ہوں۔اس کے نصیب میں تھا جانا۔۔۔ کیسی ہے وہ ، بات ہوئی تھی تمہاری۔۔۔؟" زرش مسکرائی

" رات واٹس ایپ پہ بات ہوئی تھی میری۔۔۔۔اُداس لگ رہی تھی۔ابھی کا تو نہیں پتا۔" یمنیٰ نے لاپروائی سے کہا۔

" وہ بے چاری تو اکثر ہی اداس رہتی ہے۔۔یہاں ماں ، باپ کی چند دِنوں کی کمی نے میری دُنیا اندھیر کر دی ہے ، وہ بے چاری تو بچپن سے اس کمی کا شکار ہے۔۔۔آفرین ہے اس کی ہمت پہ۔" زرش سراہ رہی تھی۔

" سہی کہہ رہی ہو۔" ماہم نے ہاں میں ہاں ملائی۔

" یہ شنائیہ آپی کیا فلم کی شوٹنگ کا موڈ رکھتی ہیں جو دوپٹا لہرا کے کھیتوں پہ بھاگنے کی پریکٹس کر رہی ہیں۔"زرش نے سب کی توجہ اس سمت مبذول کیا تو سب کی نظریں اس کی حرکت پہ پڑیں۔سب مسکرادیے۔

" ویرے شاہ سے شادی کا اثر دماغ پہ ہوگیا ہے۔ورنہ ایسی سلی حرکتیں تو کبھی نہیں کرتی تھیں۔" ماہم بھی بہن کی حرکت پہ مُسکرائے بناء نہیں رہ سکی تھی۔

" کوئی تو روک لو۔۔۔ویرے نے دیکھ لیا تو کھینچائی ہوجائے گی۔" یمنیٰ نے ہنستے ہوئے دھیان دلایا۔

اور اس کے کہنے کی ہی دیر تھی جیسے۔۔شاہ زر شمعون ان کے قافلے کو دیکھتے ان کی طرف ہی آرہا تھا۔

" ششش۔۔۔شنائیہ۔۔" سب نے آواز دباتے ہوئے اسے سامنے کی سمت متوجہ کرنا چاہا تھا لیکن وہ اُڑتے بالوں کو چہرے سے ہٹانے کی کوشش میں وہ اک دم سے سامنے آجانے والے شاہ زر شمعون کو دیکھ نہیں سکی اور ٹکراو ہوگیا تھا۔

" کیا تماشا ہے یہ۔۔؟" اسے بازو سے پکڑ کر دور کرتے ،وہ بھنچے بھنچے لہجے میں چلایا۔ دور کرنے کی کوشش میں وہ چکرا کر گول گھوم سی گئی۔

لڑکیاں مسکراہٹ چھپاتے آئیں ، بائیں ، شائیں کرنے لگیں۔

" یاوحشت !" بال کان کے پیچھے کرتے وہ گھور کے دیکھنے لگی۔

" کہاں کی تیاری ہے۔۔۔؟؟" اس پہ اک سرد سی نگاہ ڈال کر رُخ روشن سب کی طرف ہوا۔

وہ ویرے ہم کھیتوں کی سیر کو نکلے تھے۔" ندا تو تھی نہیں ،جو سمجھداری سے معاملہ "
سنبھال لیتی۔ان سب میں شاذمہ ہی بڑی تھی۔اسے ہی جواب دینا پڑا۔
ٹھیک ہے ، یہاں سائیڈ سے جاو۔۔میں آتا ہوں۔" اک سمت اشارہ کرکے وہ انہیں "
جانے کا اشارہ کرچکا تھا۔سب نے چپ چپاتے نکل جانے میں ہی عافیت جانی۔ان سب
کے پیچھے شنائیہ بھی نکلنے لگی تھی لیکن اسے بازو سے پکڑ کے اک بار پھر سامنے کر لیا
گیا۔اس نے جھلا کے بازو چھڑائے۔
یہ حلیہ کیا بنایا ہوا ہے۔۔پہلے بھی کہہ چکا ہوں اس قسم کے حلیے میں نا دیکھوں"
۔لیکن لگتا ہے تم پہ باتوں کا اثر نہیں ہوتا۔" خشمگیں نظروں سے بلیو جینز اور کرتے
کے ساتھ دوپٹے کو دیکھ رہا تھا۔اس کا حلیہ دیکھتے دیا نے ٹوکا تھا لیکن وہ نکل آئی تھی۔
جب پتا لگ گیا اثر نہیں ہوتا تو کیوں خود کو ہلکان کرتے ہیں۔۔چپ کرکے برداشت "
کریں۔" نخوت بھرا رنگ تھا۔
اپنے ساتھ مجھے سختی پہ مجبور مت کرو۔تم شاہ کے نام سے جانی جاتی ہو۔" سخت "
برہم تھا۔
اس میں بھی میری کسی خواہش کا عمل دخل نہیں تھا۔" صاف چڑاتا انداز تھا۔ "
یہ سب کرکے تم سب اپنے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔۔۔بے خبر ہو کہ انجام بھگتنا "
"پڑے گا۔
آپ کے گاوں میں نہتی لڑکی کو دن دہاڑے ہراساں کرنے کا رواج ہے تو اس پہ "
کچھ کہہ نہیں سکتی ، سوائے اس کے کہ جتنے شوق ہیں سب پورے کرلیں۔پھر بھی دل

کو سکون نا ملے تو اللہ وارث۔۔" اس کی جی داری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔وہ بنچے لب کے ساتھ اس کی بکواس برداشت کرنے پہ مجبور تھا۔

کھیتوں کی سیر کو آئی تھی یہ فتویٰ تو حویلی میں اپنے کمرے میں بھی آپ سناتے " رہتے ہیں۔مجھے سیر کرنا ہے۔" شان ِ بے نیازی سے کہتی چلی گئی تھی۔اور وہ گردن موڑ کر اس کی چال کو دیکھنے پر مجبور تھا۔

☆☆☆

وہ ہوٹل کے روم کی ہوکے رہ گئی تھی۔اتنی بڑی تبدیلی کے بعد بھی آنسو وقفے وقفے سے بہہ رہے تھے۔کہیں ندامت کے آنسو تھے تو کہیں ، شکر گزاری کے۔۔۔غیر متوقع طور پہ رب العزت نے جتنا نوازا تھا اس کا احساسِ ندامت کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔کھانا بھی روم میں کھارہی تھی جو کچھ بے اختیاری میں سرزد ہوا ، اس کے بعد سمہان یا کسی اور کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔کسی نے بھی کچھ نہیں کہا تھا بلکہ سب نے اس کی خواہش پوری کی تھی لیکن وہ جھجک کا شکار ہوکر کمرے کی ہوکر رہ گئی تھی کہ جانے سب اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔۔نکاح کے بعد سے سمہان آفندی سے سامنا نہیں ہوا تھا ، ہاں اس تک اس کے رونے کی ساری اپ ڈٹ پہنچ گئی تھی۔

پاگل لڑکی ! اب رونے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔خوش رہو اور دعا کرو کہ سب اچھے " سے نبٹ جائے۔" فریال روم میں آئی تھیں اور اسے آنکھ رگڑتے دیکھ کر بولنے سے نا چوکیں۔

یا پھر یہ خوشی کے آنسو ہیں۔۔۔؟"فریال کے چھیڑنے پہ وہ جھینپ کے سر جھکا گئی " تھی۔

تمہارے سُسر کم چچا جان کے ساتھ مارکیٹ جارہی ہوں۔۔تم چلو گی۔۔۔؟" ان کے اندازِ تخاطب پر وہ اک بار پھر سر جھکا کے مسکراہٹ چھپا گئی تھی۔

"آپ چلی جائیں، میں نہیں جاوں گی چچی جان۔"

ٹھیک ہے ، بی جان بھی اپنے روم میں آرام کر رہی ہیں۔انہیں دیکھ لینا۔اک " دوسرے کا خیال رکھنا۔ہم جلدی آجائیں گے۔۔۔پھر حرم کے لیے نکلیں گے۔۔۔تم "اپنی تیاری کرلینا۔

جی چچی جان!" وہ سعادت مندی سے سر ہلا کے رہ گئی تھی۔"

چلتی ہوں ، خوش رہو میری جان !" فریال ساتھ لگا کر پیشانی کو چوم بیٹھی تھیں۔" اس کی دلی کیفیت سے کسی حد تک آشنا تھیں۔یقیناً اسے صائقہ کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔انہیں بھی وہ یاد آگئی۔ہوتی تو آج بیٹی کے لیے کتنا خوش ہوتی۔۔لیکن کچھ کمی کے ساتھ ہی انسان کو جینا پڑتا ہے۔وہ تو دنیا سے ناتا توڑ کے چلی گئی تھی لیکن عیشال کو ماں کی کمی ساری زندگی محسوس کرنا تھی۔

فریال کے محبت بھرے لمس پہ آنکھیں اک بار پھر بھر آئی تھیں۔ان کی محبت بہت کچھ تھی لیکن سب کچھ نہیں تھی۔

فریال چلی گئی تھیں۔وہ ملول سی ماں کی تصویر نکال لائی تھی جو ہر گھڑی اس کے ساتھ رہتی تھی۔ماں کی تصویر پہ انگلیاں پھیرتے لب مسکرا رہے تھے لیکن آنکھیں برس رہی تھیں۔

اگر مجھ سے محبت ہے ، مجھے سب اپنے غم دے دو
ان آنکھوں کا ہر آنسو ، مجھے میرے صنم دے دو

تمہارے غم کو ، اپنا غم بنالوں تو قرار آئے
تمہارا درد جو سینے میں چھپالوں تو قرار آئے
وہ ہر شئے جو تمہیں دُکھ دے ، مجھے میرے صنم دے دو
اگر مجھ سے محبت ہے ، مجھے سب اپنے غم دے دو

شریک زندگی کو کیوں ، شریک غم نہیں کرتے ؟؟
دُکھوں کو بانٹ کر کیوں ، ان دُکھوں کو کم نہیں کرتے؟؟
تڑپ اس دل کی تھوڑی سی، مجھے میرے صنم دے دو
اگر مجھ سے مُحبت ہے ،مجھے سب اپنے غم دے دو

ان آنکھوں میں نا اب مُجھ کو ، کبھی آنسو نظر آئیں۔
سدا ہنستی رہیں آنکھیں ، سدا یہ ہونٹ مُسکائیں
مجھے اپنی سبھی آہیں ، سبھی رنج والم دے دو
اگر مُجھ سے مُحبت ہے ، مُجھے سب اپنے غم دے دو

سیل فون کی بجتی ٹون نے توجہ اپنی جانب مبذول کر لی تھی۔سامنے پڑے سیل فون کو اُٹھا کر اس نے یوں ہی دیکھا تھا کس کا میسج ہے۔سمہان آفندی کے نمبر سے شو ہوئے میسج کو اس نے بے حد حیرت سے دیکھا تھا۔بے ساختہ میسج کھول کر پڑھنے لگی، جُوں جُوں پڑھتی جارہی تھی حیرت کی شدت سے آنکھیں کھلتی چلی گئی تھیں۔اس جیسا بے حس شخص ، جس سے اسے ہمیشہ گلے ہی رہے تھے کہ وہ احساسات وجذبات سے عاری انسان ہے، آج نکاح کے بعد اتنے واضح پیغام پر اس کے احساسات پہ بھونچال لے آئے تھے۔وہ آس پاس ہی تھا لیکن دانستہ سامنے آکر اسے پزل نہیں کر رہا تھا۔اس حقیقت کو ذہنی طور پہ قبول کرنے کے لیے اسے وقت دے رہا تھا۔اور اب۔۔۔یقینا فریال جاتے جاتے اس کے احساسات سے آگاہ کر گئی تھیں ، تب ہی تو اتنے محبت بھرے انداز میں اپنے ساتھ کا احساس دلایا گیا تھا۔

"!نیچے ڈائننگ ایریا میں آو۔۔"

عیشال جہانگیر ساکت سی ابھی ان لفظوں پر ہی نظر جمائے بیٹھی تھی جب اگلا پیغام موصول ہوا۔

میں۔۔۔۔میں کیسے۔۔۔؟" وہ اک دم سے جھجک کے رہ گئی۔ "

اگر تم نہیں آوگی تو میں آجاوں گا۔" واضح پیغام تھا۔وہ اک دم سے گھبرا کے بند " دروازے کو دیکھنے لگی جو جاتے جاتے فریال بند کر گئی تھیں لیکن ڈوران لاک تھا۔اک پل کو جی میں آیا بھاگ کے لاک لگا آئے لیکن قدم جیسے بے جان سے محسوس ہورہے تھے۔ابھی وہ ہمت ہی مجتمع کر رہی تھی کہ لاک گھومنے کی آواز آئی۔وہ کمرے میں چھپنے کی جگہ ڈھونڈنے لگی۔

السلام علیکم !" وہ روبرو تھا۔ "

والسلام!" وہ اک دم سے جھجک کے سر جھکا گئی تھی۔ "

خیر ہے۔۔۔لوگ اب کمرے میں چھپے بیٹھے ہیں، سامنا بھی نہیں کرنا چاہتے۔" وہ " یقینا چھیڑ رہا تھا۔اور ہر گھڑی اس کے سامنے فراٹے سے چلتی زبان کو زنگ لگ گئی تھی۔وہ سر نیہوڑائے اُنگلیاں چٹخانے لگی۔

یہاں کی آب وہوا نے تو خاصا اچھا اثر ڈالا ہے تم پہ۔۔۔زبان ہی کہیں کھو گئی " ہے۔" شرارتی ہوا۔

جاویہاں سے۔" وہ پزل سی ہو گئی۔ "

نا جاوں تو۔۔۔" شوخ سوال ہوا۔ "

تنگ مت کرو۔" جھینپ کے چہرہ رنگ بدلنے لگا۔اس کے لیے بڑا دلفریب منظر تھا"
۔ہمیشہ ہر جگہ اس کی تاک میں کھڑی ، پکڑ پکڑ کے لڑنے بھڑنے والی عیشال جہانگیر اس
گھڑی اس کے سامنے شرمائی ، لجائی نظر ملانے سے بھی احتراز برت رہی تھی۔
کمال ہے ، یعنی اب بات کرنے کے شرف سے بھی گئے۔۔۔چلو جی ، گل ای کوئی "
نئیں۔" ٹھنڈی آہ بھر کے مزید تنگ کرنے کا ارادہ موخر کر گیا۔
یہاں آتے ہوئے ، تمہارے لیے لے کر آیا تھا۔کیا خبر تھی "منہ دکھائی" کے کام "
آئے گی۔" شوخی سے کہتے پیچھے موجود ہاتھ سامنے کیا ، جس میں اک دیدہ زیب
پیکٹ تھا۔
قبول کیجیے !" سرخوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔وہ بلش کر گئی تھی۔لگ ہی نہیں رہا "
تھا یہ وہی احتیاط پسند سمہان آفندی ہے جو دامن بچا کے گزر جاتا تھا۔وہ ہاتھ بڑھائے
منتظر تھا اس نے جھجکتے ہوئے پیکٹ تھام لیا۔
مزید کوئی بات نہیں ہو سکتی ، یعنی میں جاوں۔۔؟" فرماں برداری سے اجازت کا "
طلب گار تھا۔
اس نے سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا۔
"چلیں جی ، خیر ہے ، پھر ملیں گے ، کسی بھرپور انداز میں۔۔ "
جملے بازی تو ختم تھی اس پہ۔۔عیشال جہانگیر کی حالت سے حظ اُٹھا رہا تھا۔اور کوئی
وقت ہوتا تو وہ تُرکی بہ تُرکی جواب دیتی۔اس وقت تو زبان ہی دانتوں تلے لگ گئی

تھی۔وہ جانے کے لیے پلٹ گیا تھا۔اس کے پلٹتے ہی عیشال نے جھکی نظریں اُٹھا کر اس کی چوڑی پُشت کو دیکھا تھا۔

" ہاں ، وہ پوچھنا یہ تھا۔" وہ جوتوں کے بل گھوما تھا۔وہ اسے ہی تو دیکھ رہی تھی۔اس کے پلٹتے ہی نظروں کا تصادم ہوا تھا۔زبان خاموش تھی لیکن بڑی بڑی آنکھوں میں سوال دَر آیا تھا۔

" اتنے بڑے ایونٹ کے بعد، ہُور کوئی ساڈے لائق۔۔۔!" آنکھوں میں گھس آیا تھا۔ بے ساختہ مسکراہٹ چھپاتے۔وہ شرما کے رُخ پھیر گئی تھی۔اک مسکراتی نگاہ ڈال کر وہ جاچکا تھا۔

" فضول آدمی!" وہ بیڈ پہ دھم سے گرتی اس کے تصوّر سے ہی شرمانے لگی۔پیکٹ پہ نگاہ پڑی تو وہ بے ساختہ اسے کھول بیٹھی۔اندر سے شفون پہ بلیک کلر کا دیدہ زیب عبایا برآمد ہوا تھا۔وہ اک دم تحفظ کے احساس میں گھر گئی تھی۔

☆☆☆

☆☆☆

" ایشان نے ایسا کیا۔۔۔ لیکن کیسے۔۔۔؟ وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے۔جہانگیر کا بیٹا ہوکے دھوکا دیا۔۔۔؟ کیوں۔۔۔؟ ایسا تو نہیں ہونا تھا۔"

منزہ کی حالت اک اسی نہج پہ سوچ سوچ کے خراب ہورہی تھی۔
دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔وہ اپنے خیالوں سے چونک گئی تھیں۔ماورا دروازہ کھولنے گئی تھی۔

" ماورا کون ہے۔۔۔؟" جب وہ واپس نہیں آئی تو منزہ نے آواز دی لیکن کوئی جواب موصول نہیں ہوا تو منزہ باہر نکل آئیں۔

" جی آپ کون۔۔؟" وہ دہلیز پر ہی تھیں جب ماورا کسی سے استفسار کرتی نظر آئی ۔سامنے طرحدار سی صہبا کو دیکھ کر منزہ بھی قریب آگئی تھیں۔

" دروازے پر ہی کھڑے کھڑے بتاوں یا اندر آکر۔" وہ سر سے پاوں تک دیکھ رہی تھیں۔

" تشریف لائیں۔" ماورا شش وپنج میں تھی۔لیکن ان کی سالیہ نظروں کو دیکھ کر آنے کا کہ کر دروازے سے سائیڈ ہوگئی۔صہبا اندر داخل ہوچکی تھیں اور تنقیدی نظروں سے دو کمرے کے گھر اور جگہ جگہ سیمنٹ سے اکھڑی فرش کو دیکھ رہی تھیں۔

" آپ غالباً اس کی ماں ہیں۔۔۔ سمجھایا نہیں آپ نے بیٹی کو کہ اپنی حیثیت کے مطابق لوگوں سے اُلجھتے ہیں۔۔"رُخ روشن منزہ کی طرف ہوا تھا۔انگلی سے ماورا کی طرف اشارہ کرتے انداز اقدر استہزائیہ تھا کہ دونوں ہی ٹھٹھک کے صہبا کو دیکھنے لگیں۔

" آپ نے اپنا تعارف نہیں کروایا۔" ماورا کو شک گزرا۔

" پہلے تم تو کسی تعارف کے لائق ہوجاو۔" طنزیہ نظریں تھیں۔

براہِ مہربانی آپ جس مقصد کے لیے آئی ہیں ، پہلے اس پہ روشنی ڈالیں تا کہ ہمیں " جواب دینے میں آسانی ہو۔" منزہ کو بھی ان کا انداز کھَل رہا تھا۔انہوں نے نرمی سے کہا تھا۔

مقصد تو اپنی بیٹی سے پوچھیں ، کہ یہ کیوں میرے بیٹے کی راہ میں آکر اس کی توجہ " حاصل کرنے کے لیے تگ ودو کر رہی ہے۔۔۔" خشمگیں نظریں ماورا کو گھور رہی تھیں۔

بیٹا۔۔!'' منزہ کو حیرانی ہوئی۔ "

جی ایشان جاہ۔۔۔ماں ہوں میں اس کی۔"ماورا ٹھٹھک کر دیکھنے لگی تھی تو اس کا " شک درست نکلا تھا۔

ایشان کی ماں۔۔۔جہانگیر کی بیوی۔۔!" منزہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی " تھیں۔

میں آپ کے بیٹے کی راہ میں نہیں آئی۔اسے ہی اپنی جھوٹی انا اور شان دکھانے کا " شوق ہے۔" ماورا نے بناء لگی لپٹی کے سچ گوش گزار کیا۔

لڑکی ! ہم خاندانی لوگ ہیں، انا اور شان ہماری پہچان ہے۔۔تم جیسے لوگوں کا ان " لفظوں سے بھی واسطہ نہیں پڑا ہوگا۔" تضحیک سی تضحیک تھی۔ماورا کو بلا کا غصہ آیا تھا لیکن ماں کی عمر کی عورت سے بد تمیزی اس کی فطرت کے عین خلاف تھی۔

سمجھ تو مجھے نہیں آرہی آپ شان والے لوگ بار بار آکر مجھے اور میری فیملی کو " ہراساں کرنے کی کیوں کوشش کرتے ہیں۔ہم چھوٹے لوگوں سے اتنا خوف کس بات

کا کہ پورے کا پورا خاندان باری باری دھمکانے آرہا ہے۔۔۔" ماورا یحیٰ کا لہجہ طنز سے استہزائیہ ہوگیا تھا۔صہبا کے سر سے لگی اور پیروں تلے بجھی۔

" باہر میرے ساتھ کچھ باڈی گارڈ بھی آئے ہیں۔زیادہ ٹر ٹر کی تو زبان ہمیشہ کے لیے خاموش ہوجائے گی۔تم جانتی نہیں ہو ہمیں۔۔" صہبا کا فشارِ خون بلند ہونے لگا۔

"جان گئی ہوں ، کیسے بڑے لوگوں کی دُم پہ پاوں رکھ دیا ہے میں نے۔"

" لڑکی زبان سنبھال کے بات کرو۔ہو کیا تم۔۔۔تم جیسی صورت والیاں ہمارے گھر نوکرانی ہیں۔"صہبا کا غرور دیکھنے لگا تھا۔خوبصورت سی ماورا کو وہ نوکرانی سے تشبیہ دے کے دو کوڑی کا کر گئی تھیں۔

آپ جائیں یہاں سے۔۔۔اور اپنے بیٹے کو سمجھائیں۔۔ہم نے نہیں بلایا تھا اسے۔۔۔ وہ خود آتا ہے۔" اس سے پہلے کہ زبانی گولہ باری دونوں طرف سے شدت اختیار کر لیتی۔منزہ نے انہیں چلتا کرنا ہی مناسب سمجھا۔

" آپ نے اپنے گھر کے دروازے کھولے تب اسے آنے کا موقع ملا نا۔۔لیکن آپ جیسے لوگ بھی کیا کریں جوان بیٹی بھی تو بیاہنی ہوتی ہے۔" دونوں کے چہرے سُرخ ہونے لگے تھے۔

" جارہی ہوں۔لیکن اسے میری پہلی اور آخری وارننگ سمجھیے گا آپ لوگ۔۔۔اب اگر میرا بیٹا ذرا بھی ٹنس نظر آیا، اس لڑکی کی وجہ سے تو ماں ، بیٹی کو شہر سے اتنی دور پھنکواوں گی کہ آبادی ڈھونڈتی رہ جاوگی۔۔۔اور اسے محض دھمکی مت سمجھنا۔"

صہبا جاہ وجلال کا مظاہرہ کرکے چلی گئی تھیں۔منزہ دنگ ہوکے ان کی پُشت کو دیکھتی

رہ گئی تھیں۔ماورا کی شکایتی نظریں ان پہ اُٹھی تھیں۔انہوں نے ہی تو ایشان جاہ کو گھر میں گھسنے کا موقع دیا تھا۔منزہ اک دم سے نظر چرا کے دیوار کا سہارا لے کر کمرے میں جانے لگی تھیں۔

☆☆☆

"یہ ویرے اتنے غصے میں کیوں ہیں۔۔؟"

شاہ زر شمعون ان سب کو لے کر ہی حویلی لوٹا تھا۔شنائیہ ، جس کا موڈ تھا کہ وہ اچھے سے انجوائے کرے گی شاہ زر شمعون کو سائے کی طرح پیچھے دیکھ کر سارا موڈ غارت ہوگیا۔واپسی بھی جلدی ہوگئی تھی۔شنائیہ تو لڑکیوں کے ساتھ سُست قدموں سے حویلی میں داخل ہوئی تھی۔لیکن شاہ زر شمعون تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا، جس سے لڑکیاں تشویش کا شکار ہو کر اک دوسرے سے پوچھنے لگی تھیں۔سب ہی لاعلمی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

انہیں ان کے حالوں پہ چھوڑ کے شنائیہ کمرے کی طرف بڑھی تھی اور دہلیز پر ہی اس کے قدم ٹھٹھک گئے تھے۔حیرت کی زیادتی سے منہ کھل گیا تھا۔اس کے سارے کپڑے زمین بوس تھے۔وہ الماری میں سر دیے کھڑا تھا اور اندر موجود کپڑے نکال نکال کر پھینک رہا تھا۔

میرے کپڑوں کے ساتھ ایسا سلوک۔۔۔" وہ صدمے سے چلانے لگی۔"

یہ کپڑے ہیں۔۔۔؟ انہیں کپڑا کہنا بھی توہین ہے۔۔۔اتنی غربے تو ہمارے خاندان "
"میں کبھی نہیں رہی کہ آپ کو بچپن کے کپڑے اب تک پہننے پڑ رہے ہوں۔
فٹنگ اور فیشن کے حساب سے شارٹ شرٹ کو بچپن کے کپڑے کہہ دینے سے زیادہ بے عزتی اور کیا ہو سکتی تھی۔
یہ بچپن کے نہیں، فیشن کے حساب سے کپڑے ہیں۔" وہ جلبلاہی تو گئی۔ "
اب سے یہ کپڑے پہنے تو ایسے فیشن کو آپ سمیت آگ لگادوں گا، فی الحال نکالیں "
اسے کمرے سے اور پھینک آئیں کہیں۔" کِک لگاتے کپڑوں کے ڈھیر کو اُڑایا تھا۔
میری چیزوں کے ساتھ آپ اس قسم کا سلوک نہیں کر سکتے۔" وہ طیش میں آگئی۔ "
کرچکا۔" جتاتے ہوئے کپڑوں کی سمت اشارہ کیا۔ "
"میں آپ کی زرخرید غلام نہیں ہوں، جو آپ کے اشاروں پہ چلوں گی۔"
زرخرید غلاموں کی فکر بھی کسے ہوتی ہے۔۔۔ عزت ہیں آپ میری، جیسی بھی ہیں "
میرے نام سے جڑی ہیں۔آپ کی ہر حرکت کا حوالہ میری ذات بن جائے گی اور میں کبھی آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ آپ میجھ پہ انگلیاں اٹھوانے کا باعث بنیں۔۔۔اس لیے جیسے کہہ رہا ہوں، ویسا کرتی جائیں، ورنہ نتائج اتنے سنگین "
ہوں گے کہ سوچ ہے آپ کی۔
اس کے کپڑوں کو روندتا ہوا وہ کمرے سے جاچکا تھا اور اسے کپڑوں کے ڈھیر پہ بیٹھ کے کڑھنے کے لیے چھوڑ گیا تھا۔

☆☆☆

صہبا کی باتیں سُن کے منزہ پہ لرزہ طاری ہوگیا تھا۔ٹرنک کے پاس کھڑی ہو کر وہ کچھ کاٹ پیٹ کرنے لگی تھیں۔ماورا کی آہٹ ہوئی تو نہوں نے جلدی سے ٹرنک بند کردیا تھا اور پلنگ پہ ڈھے سی گئی تھیں۔سانس تیز چل رہی تھی۔ کتنے ہی لمحے انہیں متوازن کرنے میں لگے تھے۔دل ایسے دھڑک رہاتھا جیسے سینہ توڑ کے باہر نکل آئے گا۔ماورا کمرے میں آئی تو اپنی حالت چھپانے کے لیے انہوں نے کروٹ بدل لی۔تاکہ وہ ان کی حالت دیکھ کر پریشان ناہوجائے۔

اماں کھانا کھالیں۔" وہ کھانے کی ٹرے میں اپنا اور ان کا کھانا لے آئی تھی۔"

مجھے بھوک نہیں ہے ، تم کھالو۔"آواز کی لرزش پہ حتی المکاں قابو پاکر کروٹ لیے " لیے جواب دیا تھا۔

تھوڑا سا تو کھالیں ، پھر دوا بھی دوں گی۔ صبح ہم دوسرے ہاسپٹل چلیں گے۔میں " "نے اپائنٹمنٹ لے لی ہے۔یونی فیلوثانیہ نے بتایا ہے ڈاکٹر بہت قابل ہیں۔

جانتی تھی ، صہبا کی باتیں دل پہ لگ گئی ہیں ،صہبا کی باتوں کا اثر زائل کرنے کے لیے ہی ڈاکٹر کا تذکرہ چھیڑ گئی تھی۔

ٹھیک ہے ، صبح دیکھی جائے گی " صاف ٹالنے والا انداز تھا۔"

"اچھا کھانا کھالیں ، پھر میں صبح کے لیے کپڑے نکال کر آئرن کر لوں گی۔"

تم کھالو ، مجھے ابھی بھوک نہیں ہے تھوڑا ٹھہر کر کھالوں گی۔" مزید اصرار کرنا "
مناسب نہیں لگا تھا۔شاید انہیں واقعی اس وقت بھوک نہیں تھی۔دوسرے پلنگ پہ
ٹرے پر دسترخوان ڈال کر وہ دوسرے کمرے میں کپڑے نکلا کر آئرن کرنے کے خیال
سے چلی گئی تھی۔رادہ یہی تھا کہ کام سے فارغ ہو کر دونوں ساتھ ہی کھانا کھالیں
گے۔لیکن جب وہ کام سے فارغ ہو کر آئی اور منزہ کو آواز دی تو وہ سوتی بن گئیں۔نیند
سے اُٹھا کر کھلانا بھی مناسب نہیں لگ رہا تھا۔آنکھ کھلتی تو وہ کھانا گرم کر لاتی ، خود
اس کا موڈ بھی کھانے کا نہیں ہو رہا تھا۔کھانا فریج میں رکھ کے ، لائٹ آف کر کے وہ
بھی اپنی جگہ پہ لیٹ گئی تھی۔منزہ کی پشت کو دیکھتے دل سے اک ہوک اُٹھی
تھی۔دن بہ دن سوکھ کر کانٹا ہوتی جارہی تھیں۔منع کرنے کے باوجود ، ڈاکٹر بخت کے
پی اے کو اس نے کئی بار کال کر کے نمبر لینے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بھی جلا بیٹھا
تھا جیسے ، ہر بار سُنا کر فون بند کر دیتا تھا۔
وہ ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گئی تھی۔ثانیہ نے سب جان کر اک ڈاکٹر کو ری کمنڈ کیا تھا اور
صبح اس کا ارادہ منزہ کو لے کر اسی ڈاکٹر کے پاس جانے کا تھا۔منزہ کی طبعیت کو
سوچتے صہبا کی بدزبانی یاد آئی تو اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔
پہلے تو بیٹے پر ہی افسوس تھا لیکن جس انسان کے والدین ایسے ہوں ، ان کی اولاد کیسے "
اچھی ہو سکتی ہے۔" وہ نفرت سے سر جھٹک کے رہ گئی تھی۔اب اسے صبح کا انتظار تھا
تاکہ وہ منزہ کو ڈاکٹر کے پاس لے جاسکے۔

☆☆☆

مجھے تم سے صرف اتنی سی محبت ہے کہ
تمہارا ہاتھ تھام کر خانہ کعبہ کا طواف کروں

سب حرم لوٹ آئے تھے۔خانہ کعبہ میں حاضری کے لیے سب تیاریاں کر رہے تھے ۔چوہدری اسفند انہیں تنہائی فراہم کرکے فریال اور زمرد بیگم کے ساتھ دانستہ آگے نکل گئے تھے۔وہ جب اس کا دیا ہوا عبایا پہنے سامنے آئی تو سمہان آفندی کی نگاہ چمک اُٹھیں۔سر سے پاوں تک حجاب میں ملبوس وہ معصوم صورت لیے اسی طرف آرہی تھی۔اس کا ہر اُٹھتا قدم سمہان آفندی کے دل کی دھڑکن بڑھا رہا تھا استحقاق بھری نگاہ عیشال کے قدموں کو لرزش میں مبتلا کر رہی تھیں۔
چچا جان اور باقی سب۔۔؟" وہ جھجک کے رک گئی۔"
باہر ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔" چلنے کا اشارہ کرتے حالت ِ احرام میں وہ قدم بڑھا گیا "
تھا۔وہ حرم کی طرف گامزن تھے۔حجاب میں لپٹی عیشال کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔حرم کی دہلیز کو دیکھتے آنکھوں کے آگے آنسوؤں کی چادر تن گئی تھی۔وہ کتنی گناہ گار ، نادان تھی۔اک ضد باندھ بیٹھی تھی لیکن ربُ العزت نے اس ابھاگن کی ضد پوری کردی تھی۔نادانی کے جواب میں حقیقت کا رنگ بھر دیا تھا۔حرم کی دہلیز کو چھو کر بوسہ دیتے اشک آنکھوں سے رواں تھے۔احرام میں ملبوس سمہان آفندی

اس کی عقیدت کو محبت سے دیکھ رہا تھا۔طواف کے لیے قدم بڑھ رہے تھے۔عیشال کے قدموں کی لرزش کو دیکھتے سمہان آفندی نے نرمی سے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔اس کے سنگ چلتی عیشال کی نظریں غلافِ کعبہ پہ جمی ہوئی تھیں۔آنسو تھے کہ رُکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔جو کچھ رونما ہو رہا تھا یہی تو اس کی چاہ تھی۔اس کا ساتھ ہی تو چاہیے تھا کہ جب وہ طواف کرے تو اسکے محرم کا حصار اس کے ارد گرد ہو۔چلتے چلتے قدم لڑکھڑائیں تو اس کے ہاتھ تھامنے کے لیے موجود ہوں۔زمانے کی سرد و گرم سے بچانے کے لیے اس کی ذات کا حوالہ کافی ہو۔۔۔کُن کہنے والے نے اس کی زندگی بدل دی تھی۔جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔اس کا محرم اس کے دل کا مکین اسے حصار میں لیے طوافِ کعبہ میں مصروف تھا۔وہ ان لمحوں میں جیسے پوری زندگی جی گئی تھی۔

☆☆☆

ماورا یحیٰ بے خبر سو رہی تھی۔اندھیرے میں منزہ کا چہرہ رنگ بدل رہا تھا۔ماورا کے بے ریا چہرے کو دیکھتے ان کے چہرے پہ پہلے مسکراہٹ آئی تھی پھر حسرت بھری نگاہ اس کی صورت پہ جم گئی تھی۔رفتہ رفتہ چہرہ پہ خوف کے آثار نمایاں ہونا شروع

ہوگئے تھے۔سانس اٹکنے لگی تھی۔کلمہ پڑھتے ہچکی آخری ہچکی ثابت ہوگئی تھی۔زندگی کا چراغ خاموشی سے گل ہوگیا تھا۔

ماورا اپنے وقت ِ مقررہ پہ اٹھی تھی۔

اماں اٹھ جائیں۔میں ناشتا بنا رہی ہوں۔رات بھی آپ نے کچھ نہیں کھایا " تھا۔ہاسپٹل بھی جانا ہے۔اٹھ جائیں جلدی۔۔" بالوں کو سمیٹتی پیروں میں سوفٹی پہنتے وہ تیزی سے اٹھی تھی ،جواب نا پاکر منزہ کی طرف دیکھنے لگی۔

اماں ! " ان کا سپاٹ ، سرد چہرہ اسے انجانے خوف میں مبتلا کرگیا تھا۔"

اماں۔۔۔" وہ سرعت سے ان تک آکے انہیں ہلانے جُلانے لگی تھی لیکن زندگی ہوتی " تو ہلچل بھی ہوتی۔بے جان وجود اس کی چیخ بلند کر گیا تھا۔

اماں۔۔کیا ہوا ہے۔۔اٹھیں نا۔۔" وہ دیوانوں کی طرح انہیں اٹھانے کی کوشش " کررہی تھی۔لیکن ہر کوشش بے سود تھی۔تب ہی گھبرا کے صائمہ اور شاہد کو بلانے بھاگی۔اتنی صبح غیر متوقع دستک پہ وہ بھی گھبرا کے اٹھے تھے۔

پتا نہیں اماں کو کیا ہوگیا ہے۔۔وہ اُٹھ نہیں رہیں۔" شاہد کی شکل دیکھتے وہ روہانسی " ہوگئی تھی۔

میں دیکھتا ہوں۔" شاہد کے ساتھ صائمہ بھی تیزی سے بڑھی تھیں۔وہ سہمی سہمی " نظروں سے دہلیز پہ آکھڑی ہوئی تھی۔صائمہ اور شاہد ہی نبض اور آنکھیں دیکھ کر اک دوسرے کو افسوس بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

کیا ہوا ہے اماں کو۔۔۔" وہ سہمی نظروں سے دیکھتے قریب آگئی تھی۔"

آپا، اب ہم میں نہیں رہیں۔" شاہد صاحب کی بات پہ اس نے پتھرائی نظروں سے انہیں دیکھا تھا پھر منزہ کے بے جان وجود پہ نظر چپک گئی تھی۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔؟ میری اماں مجھے اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہیں۔انہیں کچھ نہیں ہوا ہے۔آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔اٹھیں اماں۔۔۔۔مجھ سے بات کریں۔۔ہم نے تو ابھی ڈاکٹر کے پاس جانا تھا" وہ دیوانگی کے عالم میں انہیں جھنجھوڑ رہی تھی۔نم آنکھوں سے شاہد نے صائمہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔وہ اسے سنبھالنے لگی تھیں۔

"ہٹیں آپ۔۔۔مجھے اماں کو جگانے دیں۔" وہ اپنا آپ چھڑانے لگی۔

"انوشا کو فون کریں۔۔وہی آکے اسے سنبھال سکتی ہے۔" صائمہ میاں سے مُخاطب تھیں۔شاہد صاحب سر ہلا کے فون کرنے لگے تھے۔

"ایسے کیسے جا سکتی ہیں آپ۔۔۔آپ کہیں نہیں جائیں گی۔میرے ساتھ رہیں گی۔اٹھ جائیں اب، ورنہ میں رو دوں گی۔" ماورا ماں سے چپکی انہیں اٹھنے پہ اصرار کر رہی تھی۔دونوں کی آنکھیں اس کی دہائی پہ برسنے لگی تھیں۔

☆☆☆

عشق جدوں سر چڑھ جاوے
پُل الف، عین دا فرق جاوے

مُڑ مُڑ راہ پچھڑے معشوق دی
گھر جاوے نا مندر میت جاوے

کی کہنا اوکھیاں پینڈیاں نے
بے خوف سولی تے چڑھ جاوے

اے بازی عشق دی بازی اے
پگ مٹی چہ پانوے رُل جاوے

بن ماہی دے رہنڑاں اوکھا اے
چڑھ کچے گھڑے تے عشق جاوے

عشق روگ بڑا ای ظالم اے
ناممکن کسی دی من جاوے

وہ کھڑکی سے لگی ہوئی تھی۔ نظریں اب بھی کعبہ کے غلاف سے لپٹی ہوئی تھیں۔ مگر اب ان نظروں میں

دُکھ، حسرت، تشنگی کی جگہ آسودگی اور تشکر نے لے لی تھی۔ لب آپ ہی آپ مسکرا رہے تھے۔

"شکر ہے روتی شکل پہ مسکراہٹ تو نظر آئی۔"

وہ بے طرح چونک کر گردن آواز کی سمت موڑ گئی تھی۔ سمہان آفندی چائے کے دو مگ لیے اس کے روبرو تھا۔

تم۔۔!" اس نے بے ساختہ دروازے کی اُور دیکھا وہ کھلا ہوا ہی تھا۔"

جی میں۔۔۔ باقی سب تو آرام کر رہے ہیں۔۔ لیکن خبر تھی تم جاگ رہی ہوگی۔"

چائے کا موڈ تھا سوچا آپ کے ساتھ ہی پی لی جائے تو کوئی مُضائقہ نہیں ہے۔"

شرارت سے مسکراتے مگ اس کی طرف بڑھایا۔

میں جاگ رہی ہوں، یہ گماں کیونکر ہوا۔۔؟" مگ تھامنے کے ساتھ جرح ہوا۔"

زیادہ خوشی میں انسان کو نیند بھی تو نہیں آتی۔" شوخی پہ اس کے لبوں پہ شرمیلی "

مسکان پھیل گئی تھی جسے چھپانے کے لیے اس نے مگ لبوں سے لگاتے تھوڑا سا رُخ پھیر لیا مگر وہ دیکھ چکا تھا۔

محبت ہے، یہ تو اندازہ تھا۔ لیکن اتنی شدید ہے اس کا اندازہ نہیں تھا۔" وہ بلش کر "

گئی تھی۔ سمہان آفندی چند لمحے اس کے جواب کا منتظر رہا لیکن وہ بولنے کی حالت میں تھی ہی کب اسے تو بس شرم اپنی بے اختیاری حرکت پہ شرم آرہی تھی کیسے سب کے سامنے اس کا گریبان پکڑ کے سب کہہ گئی تھی۔

یعنی اب بات بھی نہیں ہوا کرے گی۔۔اس سے اچھا تو پہلے ہی تھا، بات ہو جاتی تھی کم از کم تمہیں شرمانے کی ضرورت تو نہیں پڑتی تھی۔۔۔ویسے بتا سکتی ہو یہ شرمانے کا پلان کب تک ہے۔۔؟" وہ شوخ ہو رہا تھا۔اور عیشال کے لیے اس کا سامنا کرنا دنیا کا مشکل عمل لگ رہا تھا۔

"تنگ مت کرو۔۔۔جاو یہاں سے۔۔"

جا رہا ہوں۔۔دو گھنٹے بعد کی فلائٹ ہے۔" وہ چونک کر اس کی سمت مڑی تھی۔"

اس کے جانے کا سن کر ہراساں نظر آنے لگی تھی۔اداسی اک دم سے چہرے پہ آئی تھی۔

یہ اداسی کیوں۔۔۔؟اب تو کہیں بھی رہوں، تمہارا ہی رہوں گا۔" محبت سے دیکھ رہا تھا۔اور وقت ہوتا تو شاید وہ اس جملے کی خوبصورتی سے متاثر ہو جاتی لیکن ابھی تو بس فکر دامن گیر تھا۔

اللہ کو شاید تمہاری ضد ہی پوری کرنی تھی۔تب ہی بہانے سے مجھے بلوالیا۔اور پھر "چند روز بعد تم بھی تو حویلی لوٹ آو گی۔۔

تم حویلی واپس مت جاوبے ساختہ لبوں سے نکلا تھا۔"

"کیوں۔۔۔؟"

حویلی والے کہیں۔۔" بات ادھوری چھوڑ کے وہ انگلیاں، مروڑتے، لب کچلنے لگی تھی۔نگاہوں میں راحیل کے ساتھ ہوا سلوک آگیا تھا۔وہ خوف سے جھرجھری لے کے رہ گئی۔

میں ندا آپی جتنی بہادر نہیں ہوں جو سب برداشت کر جاوں گی۔۔۔۔تم کہیں اور " چلے جاو لیکن حویلی نہیں۔۔سچ جان کر داجان اور پپا جانے تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں۔" وہ بہت خوفزدہ نظر آرہی تھی۔نڈر ، مرنے مارنے والی عیشال اس گھڑی اس کے لیے فکر مند ڈرپوک لڑکی کے روپ میں نظر آرہی تھی۔سمہان آفندی کو اس پہ بے حد پیار آنے لگا۔وہ قریب آکے بے ساختہ اس کے ہاتھ سے مگ لے کر پرے رکھتے اس کے دونوں ہاتھاپنے ہاتھوں میں لے کر نرمی سے دباوڈال کر اپنے ہونے کا احساس دلا گیا۔

تم نے جتنا کرنا تھا کر لیا۔اب سے ریلیکس رہو۔جو ہوگا دیکھ لوں گا۔تم پہ آنچ نہیں " آنے دوں گا۔

سمہان ! مجھے تمہارے لیے ڈر لگ رہا ہے۔یہ لوگ بہت ظالم ہیں پھر پپا۔۔۔" وہ روہانسی ہونے لگی۔

اللہ پہ یقین رکھو۔۔۔جس کے قبضے میں ، میری اور تمہاری جان ہے۔جب اس نے " ہمیں اک کیا ہے تو آگے بھی وہی راہ نکالے گا۔۔اور اپنوں سے بھاگ کر کہاں جائیں گے۔۔۔؟ کب تک بھاگیں گے۔۔۔رات کے اندھیرے میں نہیں ، دن کے اجالے میں اللہ کے محبوب کے دربار میں اپنے محبوب کو قبول کیا ہے۔۔۔۔اتنا بودا نہیں میرا عشق کہ ذرا سی سختی کا سوچ کر ہی فرار حاصل کرلے۔۔ضد بھلے تمہاری تھی لیکن اب تمہیں اپنایا ہے تو تمہاری حفاظت کی ہر ذمہ داری میری ہے۔۔ تمہیں کچھ نہیں

ہونے دوں گا۔" سمہان آفندی کا نرم ، گرم لہجہ نیا ہونے کے ساتھ بے حد پیارا بھی تھا۔

چلتا ہوں!" اس کے فکر مند چہرے کو دیکھتے مسکرا کر ہاتھ پہ دباوڈال کر جانے لگا تھا " ۔مگر اسے ٹھٹھک کر رُکنا پڑا۔عیشال نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

اپنا خیال رکھنا! جب تک اللہ کے گھر ہوں ، تمہارے لیے دُعا کرتی رہوں " گی۔"ہولے سے اپنی بے قراری کی داستان سُنا گئی تھی۔

"!زندگی"

وہ اتنی متوحش لگ رہی تھی کہ اس کا رُخسار تھپتھپاتے وہ اس کی پیشانی پہ اپنا لمس چھوڑ گیا تھا۔وہلڑکھڑا سی گئی۔

بہت فضول ہے یہ تو۔۔"وہ کتنے ہی لمحے شرمائی ،لُجائی سی آئینہ میں اپنی صورت " دیکھتی رہی۔

☆☆☆

دل نہیں تھا لیکن وہ پھر بھی یونی چلا آیا تھا تاکہ کسی کو یہ نا لگے کہ وہ ڈر کے پیچھے ہٹ گیا ہے۔ماورا ۔یحیٰ کی حرکت کو برداشت کرنے کے لیے اسے اپنے ضبط کا امتحان لینا پڑا تھا۔برداشت کرنے کا یہ مطلب قطعاً نہیں تھا کہ وہ اس کی حرکت کو فراموش کرگیا تھا۔اپنے گروپ کی طرف آیا تو سب ہی کوئی بات ڈسکس کر رہے تھے۔اسے دیکھتے ہی سب خاموش ہوگئے تھے۔سب کے انداز میں افسردگی تھی۔

کیا ہوا۔۔؟ تم سب مجھے دیکھ کر چپ کیوں ہوگئے۔۔۔؟؟ کوئی پریشانی ہے۔۔؟؟" وہ "
خود کو نارمل پوز کرتے استفسار کرنے لگا۔انشراح کا موڈ بگڑا ہوا تھا، وہ گروپ میں ہوتی ضرور تھی لیکن زیادہ بولتی نہیں تھی۔گھر بھی کم آنے لگی تھی۔اس وقت بھی سب کے چہرے پہ افسردگی تھی لیکن اس کے نقوش تنے ہوئے تھے۔کل کے واقعے پر بھی اس نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ہاں سب سن کر سکون ہوا تھا کہ ایشان کا اس کی طرف جھکاو صرف پلان کا حصہ تھا، ورنہ تو اسے لگ رہا تھا کہ وہ سنجیدہ ہورہاہے۔لیکن کل کی حرکت پہ اسے ماورا پہ ایشان سے زیادہ غصہ تھا۔

ماورا کی والدہ کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔کلاس کے سب لوگ جنازے پہ جارہے ہیں۔۔۔ "
"تم چلوگے۔؟

اور وہ جو لاپروائی سے ادھر ادھر نظر دوڑاتے سیل فون بے توجہی سے انگلیوں پہ گھما رہا تھا۔ہاتھ اک دم سے ٹھٹھک گئے تھے۔وہ بے یقینی سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔تمہیں بھی چلنا چاہیے۔۔۔جانے کیوں ہم سب کو لگ رہا ہے یہ سب کل والے واقعے کے بعد ہوا۔۔نہیں ہونا چاہیے تھا۔گریب، مجبور عورتیں تھیں۔تم نے یوں ہی بیر باندھ لیا تھا۔" سعید کو کچھ زیادہ احساس ہورہا تھا۔کل بھلے ماورا جی بھر کے بھڑاس نکال کے گئی تھی لیکن اس کے لفظوں کی ٹوٹ پھوٹ، کم مائیگی کا قلق اس کے دل سے نہیں جارہا تھا۔

گائز! میرا خیال ہے مجھے اب اس گروپ کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لینا چاہیے۔۔ میرا "
اب تم لوگوں کی سوچ سے اختلاف رہنے لگا ہے۔۔۔تم سب نے اس دو ٹکے کی لڑکی

کو کچھ زیادہ ہی سر پہ سوار کر لیا ہے۔۔کوئی اسے نیچا دکھانے کے لیے اس کے گھر کے چکر لگا رہا ہے تو کوئی اس کی ماں کے جنازے کو کندھا دینے کو مرا جارہا ہے۔۔۔۔ کیری آن۔۔۔آئے لیو دس گروپ ، بائے۔۔۔"تیز لہجے میں کہتی انشراح بیگ اٹھا کر چلی گئی تھی۔

انشراح ! " عذیر نے روکنا چاہا تھا۔لیکن وہ سر جھٹک کے چلی گئی تھی۔ "

یہ اسے کیا ہوا سہیل بھی حیران تھا۔ "

پھر۔۔۔چلنا ہے۔؟؟ " عذیر رائے چاہ رہا تھا۔وہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھ رہا " تھا۔منزہ کی شکل نظروں میں گھوم رہی تھی۔بھلے وہ اچھا بننے کا ڈرامہ کر رہا تھا لیکن منزہ کے خلوص پہ اسے انکار نہیں تھا۔ان کی موت کا سُن کر اسے دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

ماورا سکتے کی کیفیت میں تھی۔۔منزہ کی زندگی اس کے سامنے ریت کی طرح پھسلتی چلی گئی تھی اور سب جانتے ہوئے بھی وہ کچھ نہیں کر سکی تھی۔انوشا کے لیے منزہ کی موت صدمے سے کم نہیں تھی۔وہ حقیقت سے ناواقف تھی اس کے لیے اچانک ملنے والی خبر شاک سے کم نہیں تھی۔دونوں کی دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔منزہ کا جنازہ بیچ صحن میں رکھا ہوا تھا۔لوگوں کی آمد ورفت شروع ہو چکی تھی۔اکیلی ماں کا بھی سہارا چھن

گیا تھا۔وہ اکیلی رہ گئی تھی۔ہر کوئی ترحم بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ثانیہ حقِ دوستی ادا کرنے آئی تھی اس کے ساتھ یونی کے کافی فیلوز بھی تھے۔ایشان جاہ اور اس کا گروپ بھی آیا ہوا تھا۔لیکن اسے ہوش ہوتا تب نا۔۔۔وہ تو ساکت نظروں سے منزہ کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔اپنے اندر بہت سی داستاں چھپائے آج ان کی شندگی کا باب ان کے ساتھ ہی بند ہوگیا تھا۔بہت سے مقامات پر اللہ ربُ العزت نے ان کا بھرم رکھ لیا تھا۔جیتے جی ،انہیں کسی کے سامنے رسوا نہیں کیا تھا۔بلیک دوپٹے کے ہالے میں ایشان جاہ نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔پُر درد تاثرات لیے وہ ماں کی صورت پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔اس درکے اندر قدم رکھتے اسے منزہ سے ہوئے اپنے اک اک مکالمے یاد آرہے تھے۔اسے دیکھتے منزہ کی آنکھیں لَو دینے کیوں لگتی تھیں ، یہ جاننے میں اس نے کبھی دلچسپی ہی نہیں لی۔اپنی سوچ کے مطابق انہیں لالچی ہی گردانتا رہا۔مڈل کلاس عورت ،جو امیر لڑکا دیکھ کر بیٹی کے لیے ریجھنے لگتی ہیں، اس سے ت زیادہ ان کی حقیقت کچھ نہیں تھی اس کی نگاہ میں۔کل کے ہوئے ماورا کے ہاتھوں ہوئے سلوک پہ تھوڑی سی ندامت تھی کہ شاید ماورا نے انہیں سچ بتا دیا ، جس بھرم سے وہ رشتے کا جھوٹا دعویٰ ان کے سامنے کرکے گیا تھا اور ماورا کی ناگواری پہ منزہ نے جیسے اسے کمرا بدر کرکے اس کی مرضی پوچھی تھی۔اور وہ دھڑلے سے یقین دلا گیا تھا اس کے بعد ان کے چہرے کا سکون اور خوشی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھی۔یقیناً کل کے بعد سے انہیں صدمہ پہنچا تھا۔یہ سب سوچتے وہ نا واقف تھا کہ تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے صبا خود آئی تھیں۔۔۔

اس کا سیل فون بجا تو خیالوں کا سلسلہ بھی رُکا۔۔چوہدری جہانگیر کی کال آرہی تھی۔اس نے معمول کی طرح کال پک کرلی تھی۔

"کہاں ہو بیٹا جی۔۔۔گھر کی طرف آرہا تھا۔ملنا چاہ رہا تھا تم سے۔۔تمہاری مما بتا رہی تھیں کافی اپ سیٹ رہنے لگے ہو۔۔"

"میں ٹھیک ہوں ڈیڈ۔مام کو عادت ہے پریشان ہوجانے کی۔گھر پہ نہیں ہوں۔ کلاس فیلو کی والدہ کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔وہیں ہوں۔یہاں سے فری ہوکے ملتا ہوں آپ سے۔"

"اوہ! کہو تو"

اس نے دانستہ ماورا یحیٰ کی والدہ کہنے سے احتراز کیا تھا کہ مبادا کچھ اور سُننے کو مل جائے۔

"اگر کوئی انتظام کروانا ہے تو بول دو ، سب ہوجائے گا۔تم وہاں موجود ہو تو اس کا مطلب ہے فیلو خاص ہے۔"

چوہدری جہانگیر کہہ رہے تھے اور اس کی نظریں شاہد صاحب پہ اٹھ گئیں جو انوشا کو اک سائیڈ پہ اُٹھا کے لے گئے تھے۔انوشا روتی آنکھوں سے ماورا کو دیکھتے نفی میں سر ہلا رہی تھی اس کے بعد اپنا پرس منگوا کر کافی دیر اس میں جھانکنے لگی اور افسردگی سے آنسو بہانے لگی۔

"ڈیڈ ! آپ سارے انتظامات کروادیں۔"

اسے صورتِ حال سمجھنے میں ذرا دیر نہیں لگی تھی تب ہی اس نے چوہدری جہانگیر کو انتظامات کا کہہ دیا۔

" ٹھیک ہے۔ تم مجھے علاقے کی تفصیل دے دو۔ باقی قبر ، کفن ، دفن اور دیگ کی ذمہ داری سمیت سب مجھ پہ چھوڑ دو۔" چوہدری جہانگیر الرٹ تھے۔

" کفن ، دفن اور لوگوں کے لیے بھی دیگ کا انتظام کرن ے کے لیے پیسوں کی تو سخت ضروت ہے۔ قبر کے لیے بھی تیس ہزار مانگ رہے ہیں۔۔اتنے پیسے کہاں سے آئیں گے۔۔؟؟"

غربت کا یہ سب سے دل شکن لمحہ ہوتا ہے جب مردہ گھر پہ پڑا ہو اور احباب اس کی جدائی سے زیادہ اخراجات کے لیے آبدیدہ ہوں۔انوشا کو بھی اسی قسم کی صورتِ حال کا سامان تھا۔ماورا تو حواسوں میں نہیں تھی ، جو اس سے بات کی جاتی۔ہوتی ھی تو اس کے پاس اتنے پیسے کہاں سے ہوتے۔شاہد صاحب کے منہ سے اخراجات کی تفصیلات سن کر وہ پریشانی سے یاسر سے رابطہ کرنے کا سوچ رہی تھی لیکن چند دن یاسر کے ساتھ رہ کے بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کے معاشی حالات کیسے ہیں ، واجبی سی شادی میں ہی وہ قرضوں میں آگیا تھا۔ہنی مون کا پلان بھی کھٹائی میں پڑا ہوا تھا ۔جو کسی صورت ممکن نہیں تھا اور اب جو صورتِ حال در پیش تھی وہ نہایت دل شکن تھی۔

" اگر تمہارے پاس بھی پیسے نہیں ہیں تو یہی مناسب حل ہے کہ چندہ کر کے بہن منزہ کا کفن ، دفن کیا جائے کہ میرے پاس بھی اتنا نہیں ہے۔ہم سفید پوش لوگ

ہیں۔" شاہد صحب دکھی دل سے کہہ رہے تھے اور انوشا چندہ کا سن کے سسکنے لگی تھی ۔جانے کیسا نصیب لکھوا کے لائی تھیں منزہ کہ نارہتی زندگی سکھ ملا نامرنے کے بعد عزت سے کفن کی آس تھی۔اس سے بڑی بد نصیبی اور اک انسان کی کیاہو سکتی تھی ۔ماں کی خوددار طبعیت کو یاد کرت انوشا مانگے ہوئے خیرات کے کفن پہ جتنا آبدیدہ ہوتی کم تھا۔

" آپ لوگوں کو کسی بھی چیز کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔میں نے سارے انتظامات کے لیے کہہ دیا ہے۔" انوشا چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔منزہ نے اس کے سامنے اک طرح سے اسے اپنا داماد ڈکلیئر کردیا تھا۔باقی جو کچھ ہوا وہ اس کے نوٹس میں نہیں تھا۔ورنہ شاید وہ اسے گھر میں ٹکنے بھی نا دیتی۔

لیکن۔۔!" انوشا جھجک کے رک گئی۔"

" برخوردار ! خرچہ زیادہ ہے۔" شاہد صاحب کو اس کا ہیرو بننا اچھا نا لگا۔

" آپ پریشان نا ہوں ، سب ہوجائے گا۔لوگ زیادہ ہیں ، باہر ٹینٹ لگانے کے لیے تھوڑی دیر میں لوگ آجائیں گے۔قبر کی تیاری بھی ہورہی ہے۔" وہ دھیمے سے بول کر آگے بڑھ گیا تھا۔دانستہ ماورا کی نظر میں نہیں آنا چاہتا تھا۔کہیں نا کہیں شرمندگی سر اُٹھا رہی تھی۔انوشا نے اسے جاتے دیکھا اور دوسری نظر سے ساکت وجامد ماں کے پاس بیٹھی ماورا کو دیکھنے لگی۔اس کے تئیں یاسر نا سہی ایشان ہی سہی۔۔۔ماں کو چندے کا کفن نہیں مل رہا تھا یہی اس کے لیے بہت تھا۔

☆☆☆

اے چاند کی کرنوں جاونا
تم اس کو چھو کر آونا
وہ کب کب کیا کیا کرتا ہے
وہ جاگتا ہے یا سوتا ہے
وہ شام کو کیسا لگتا ہے
وہ رات کو کیسا دکھتا ہے
تم چپکے چپکے جاونا
تم اس کو چھو کر آونا
تم کان میں اس کے کہہ دینا
کوئی یاد بہت اسے کہتا ہے
اے چاند کی کرنوں جاونا
تم اس کو چھو کر آونا

وہ جس خاموشی سے گیا تھا اسی خاموشی سے حویلی لوٹ آیا تھا۔حویلی میں بظاہر کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔تبدیلی آئی تھی تو اس کے اندر۔۔کچھ بدلا تھا تو اس کے اندر ۔واپس آکر وہ پھر سے اپنی ذمہ داریوں میں اُلجھ گیا تھا۔کسی کو شک نہیں گزرا تھا کہ اس کی زندگی میں کوئیبہت بڑی تبدیلی آگئی ہے۔

بظاہر سب کچھ پہلے جیسا تھا،فرق پڑا تھا تو سوچ پر، موڈ پر۔سوچوں پر تو ہمیشہ سے اسی کا قبضہ تھالیکن اب سوچ کے انداز بدل گئے تھے۔۔رستے ہوئے درد کو وہ دوا ملی تھی کہ سارے گلے ختم ہوگئے تھے۔آنے والے وقت کی سختی سے انکار نہیں تھا۔اس نے بارہا چاہا تھا کہ اپنوں کے مقابل کھڑا نا ہو لیکن عیشال کی ضد نے اسے دامن بچا کر گزرنے نہیں دیا تھا۔وہی ہوا جو دونوں کی مرضی تھی۔لیکن آنے والا وقت دونوں کے لیے آسان نہیں ہوتا اس کا احساس سب کو تھا لیکن اس ڈر سے وہ ان کی خواہشوں کا قتل بھی نہیں کر سکتے تھے۔جب سے وہاں سے نکلا تھا۔عیشال کے فکر انگیز پیغامات کا سامنا تھا۔اور اس کی فکر اچھی لگ رہی تھی۔کے لیے تو ہمیشہ سے پریشان رہتی تھی ۔ڈانٹتی ڈپٹتی تھی۔اور اب تو انداز بھی الگ تھا۔سمہان آفندی سرشار نا ہوتا تو اور کیا کرتا۔

وہجس طرح آیا تھا اسی طرح اچانک چلا بھی گیا تھا۔عیشال کا زیادہ تو وقت حرم میں ہی گزرتا تھا۔۔۔اچانک مل جانے والی خوشی اتنی بڑی تھی کہ اس کے چھن جانے کے خوف میں مبتلا ہو کر وہ اچھی طرح خوش بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔ربُ العزت کی شکر گزار ہونے کے ساتھ آنے والے حالات کے حق میں ہونے کے لیے دُعا گو بھی

تھی۔وہ جب سے نکلا تھا دل سولی پہ ٹنگ گیا تھا تب ہی اب تک کتنے ہی پیغامات بھیج چکی تھی۔

" جب وہ ہوگیا جو ہماری خواہش تھی تو فکرمند کیوں ہو۔۔۔خوش رہو آنے والے وقت کے خوف سے نکل کے اس وقت کی خوشی کو محسوس کرو۔سب مجھ پہ چھوڑ دو۔"

اس کے فکر انگیز پیغام کے جواب میں اس کا دلاسے سے بھرپور پیغام ملا تھا۔وہ کسی قدر پرسکون ہوئی تھی لیکن اس کی ذات سے فکر اپنی جگہ تھی۔وہ جلد سے جلد حویلی لوٹنا چاہتی تھی تاکہ جو ہو اس کے سامنے ہو۔اس گھڑی بھی وہ حرم کو تکتی اپنی عرضی اس کے آگے لیے بیٹھی تھی حرم والے نے اس کی لاج رکھ لی تھی۔رات بیت رہی تھی ،اور اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑا سمہان آفندی جیسے جان گیا تھا کہ اسکے دل کے حالات کیا ہیں تب ہی چاند کو تکتے اس نے دلی جذبات اسے بھیج دیے تھے۔

جانے وہ کیا کر رہی ہوگی۔اس گھڑی یہی اک سوچ تھی۔حویلی میں اس کی غیر موجودگی اسے پہلے سے کہیں زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆

" آہوں اور سسکیوں میں منزہ کا جنازہ اٹھ گیا تھا۔نرم دل لوگوں کو دونوں بیٹیوں کا تنہا رہ جانا زیادہ رُلا رہا تھا۔انوشا اس کا سکتہ توڑنے کی ہر ممکنہ کوشش کر چکی تھی

مگر ناکام رہی لیکن جب جنازہ اٹھنے لگا اور لوگ منزہ کو آخریہ آرام گاہ کی طرف لے جانے لگے تو وہ جیسے گہری نیند سے چونکی۔

" کہاں لے جارہے ہیں ، میری اماں کو۔۔؟؟ " اس کے بین سے دل پھٹنے لگا تھا ، انوشا ہی اسے سنبھال رہی تھی۔

حضرات تدفین کے بعد لوٹ آئے تھے دیگوں کے منہ کھل گئے تھے جس کا نقصان ہوا تھا ہوا۔لوگوں کی اب زیادہ توجہ تو کھانے کے ذائقے پر تھی عجب ریت پڑ گئی تھی ہمارے معاشرے میں اپنوں کی جدائی سے نڈھال گھر والے گیلی آنکھوں سے لوگوں کے آگے کھانے کی تھال رکھتے عجیب بے حس معاشرے کی تصویر پیش کرتے تھے۔لوگوں کی دلچسپی بھی مرنے والے سے زیادہ کھانے اور گوسپ کی طرف ہوجاتی تھی۔رفتہ ، رفتہ بھیڑ چھٹنے لگی تھی۔لوگ تعزیت کا اظہار کرتے جانے لگے تھے۔ایشان جاہ ساری ذمہ داری احسن طریقے سے انجام دے کرجانے سے پہلے انہیں سمیٹوانے میں لگا ہوا تھا۔

" تم۔۔۔؟ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔۔؟" ماورا یحیٰ کی نظر جوں ہی اس پہ پڑی وہ بپھر اٹھی۔اِکا دُکا لوگ ہی موجود تھے ، وہ بھی چونک کر تماشا دیکھنے لگے۔

" تمہاری ہمت کیسے ہوئی ہمارے گھر کی دہلیز پار کرنے کی۔۔۔؟؟ نکلو یہاں سے۔۔" وہ شدید طیش میں اس تک آئی تھی اور اسے باہر دروازے کی طرف دھکیلنے کی کوشش کرنے لگی۔

میری ماں کو تمہارا صدمہ لے ڈوبا ، ورنہ وہ ابھی کچھ دن اور جی سکتی تھی۔دفع " ہو جاو تم۔ تمہاری شکل سے نفرت ہے مجھے۔"پوری جان لگا کر وہ اسے باہر کی طرف دھکیل رہی تھی ایشان جاہ کا گروپ عجیب مخمصے میں پڑا ہوا تھا۔اہانت کے احساس سے ایشان جاہ کا چہرہ رنگ بدلنے لگا تھا۔

ماورا ہوش کرو۔" انوشا یاسر اور باقی سب کے سامنے سُبکی محسوس کرتے اس تک آئی " تھی۔

اسے بولو یہاں سے چلا جائے۔۔اماں کے قاتل یہ اور اس کی ماں ہے ، ہم نے تو " ان سے کوئی رشتہ نہیں جوڑنا چاہا تھا پھر انلمیں کیسا خوف تھا جو بار بار ہمیں دھمکانے "! آجاتے ہیں یہ لوگ۔۔۔؟ نکلو تم

انوشا کی گرفت میں آکر وہ دُہائی دینے لگی تھی اسے کوئی بات سمجھ تو نہیں آئی لیکن ماورا کو سنبھالنے لگی۔دھیان پھر اک بار ایشان جاہ کی طرف ہوا تو انوشا کی پکڑ سے نکل کر اسے نوچنے ، مارنے کو لپکی لیکن انوشا نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

برائے مہربانی آپ اس وقت یہاں سے چلے جائیں۔" براہِ راست اسے مُخاطب کیا تو " وہ کھلے دروازے سے نکلتا چلا گیا۔پیچھے پیچھے باقی سب تھے۔

ریلیکس ہو جاو وہ دلاسا دے رہی تھی۔ پاس بٹھا کر ہتھیلی سہلا رہی تھی تاکہ تناو کا شکار " اس کے اعصاب پر سکون ہوں۔ یاسر نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا۔جو کچھ ہوا ، وہ بھی متجسس تھا۔ وہ کیسے مطمئن کرتی یہی فکر دامن گیر تھا۔ نظر چرا کر اس نے گلاس تھام لیا تھا۔ غم و غصے سے لبریز ماورا اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

چوہدری جہانگیر کا خوف ہی تھا جو وہ کئی دِنوں تک رابطہ نا کر سکا۔آج ہمت کر کے آیا تو گھر کے باہر لگے ٹینٹ نے توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔منزہ کا جنازہ دیکھ کر اک پل کو ٹھٹھکا بھی لیکن ایشان جاہ کی شکل دیکھ کر سامنے آنے کی ہمت نا کر سکا۔منزہ کے ساتھ ہی اک عہد دفن ہو گیا تھا۔بیٹیوں کے سامنے جا کر وہ لاکھ خود کو ان کا باپ کہتا لیکن وہ یقین نا کرتیں۔منزہ نے بڑی ہوشیاری سے رہتی زندگی میں ہی اس کے کردار کو قصہ پارینہ کر دیا تھا۔لیکن ہار ماننے والوں میں سے وہ بھی نہیں تھا۔منزہ کا کانٹا نکل گیا تھا۔لڑکیوں کے آگے کوئی ڈھال نہیں تھی۔انوشا کی تو شادی ہو گئی تھی لیکن ماورا تو تھی۔وہ جیسے چاہتا اپنے مذموم مقاصد کے لیے اسے استعمال کر سکتا تھا۔یہی سوچ لے کر وہ لوٹ گیا تھا۔مختلف گلیوں کی خاک چھانتے وہ اک کھوکھے پہ رُکا تھا۔وہاں سے سگریٹ لے کر اسے سلگاتے وہ لمبے لمبے کش لے کر دھواں اڑا رہا تھا۔کوئی ملال، کوئی دُکھ اس کے چہرے پہ ڈھونڈے سے نہیں مل رہا تھا۔

اس کے جھانسے میں نکلی بندی سالوں رُلنے کے بعد آج خاک میں مل گئی تھی لیکن اسے کوئی رنج نہیں تھا اور ہوتا بھی کیوں۔۔۔دونوں ہی شاطر کھلاڑی تھے۔اپنی اپنی جگہ چال چلتے تھے۔لیکن مات منزہ کو ہو گئی تھی ان کی ساری ہوشیاری انہیں منہ کے بل گرا کر ان کی زندگی کو تماشا بنا گئی تھی۔اور اب وہ منوں مٹی تلے جا سوئی تھیں۔گمنامی کی زندگی گزار کر موت بھی گمنامی کی نصیب ہوئی تھی۔

چوہدری جہانگیر پیٹرولنگ پہ تھے۔ارادہ گھر کی روانگی کا تھا۔تب ہی ان کی نگاہ پان کے اس کھوکھے پہ پڑی تھی۔اور ان کی تیز نظر نے اک لمحے میں اسے پہچان لیا تھا۔

"پکڑ کے لاواسے۔" اپنے ماتحتوں کو اشارہ کرتے ان کی رگیں ابھرنے لگی تھیں "

۔ماتحت حکم کی تعمیل کرنے کو اترگئے تھے یحیٰ سرفراز کی نظر پہلے پولیس کی گاڑی اور پھر چوہدری جہانگیر پہ پڑی تھی اس کا حلق تک خشک ہوگیا تھا۔جلتی سگریٹ پھینک کر وہ تیزی سے پتلی گلی میں مڑ گیا تھا۔اسے پکڑنے کے لیے اترے اہلکار وں نے اس کی حرکت پہ رفتار تیز کردی تھی۔ لنگڑاتے قدموں سے وہ ان کی پکڑ سے بچنے کے لیے مقدور بھر کوشش کر رہا تھا لیکن کب تک چوہدری جہانگیر نے دوسرے راستے سے گاڑی اس کے پیچھے لگا دی تھی وہ گاڑی سے ٹکرا کر ہی ان کی پکڑ میں آگیا۔اہلکاروں نے اٹھا کر گاڑی میں پٹخ دیا تھا۔

مم۔۔مجھے معاف کردو۔میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔" وہ ہکلانے لگا تھا۔ "

ہائی وے !" ڈرائیور کو انگلی سے اشارہ کرتے چوہدری جہانگیر نے مختصراً پیغام دیا "

تھا اور اہلکاروں کی نظر سے اس پیغام کا مفہوم سمجھ آگیا تھا۔

جیل سے نکل کر ایران بھاگ گیا۔اور اب دوبارہ لوٹ آیا۔۔؟؟ تجھے کیا لگا تھا تو بچ "

"جائے گا۔

چوہدری جہانگیر کا لہجہ دھیما لیکن خونخوار تھا۔

"تم سے بچنے کے لیے ہی بھاگا تھا۔میرا یقین کرو میں بے قصور ہوں۔۔ "

منزہ!" سرد لہجے میں نام لیا گیا تھا۔ "

وہ تو مر گئی ! لیکن میرا یقین کرو نا پہلے اس کی بربادی میں میرا ہاتھ تھا، نا اب "
"۔پہلے اس کی جھوٹی موت مشہور کی تھی لیکن اب تو تمہیں پتا ہے وہ نہیں رہی۔
چوہدری جہانگیر کا تماچا اس کا منہ دوسری طرف کر گیا تھا۔مزید کوئی سوال جواب نہیں ہوا تھا۔چوہدری جہانگیر جیسے ضبط کی آخری حد پہ تھے۔اہلکاروں نے اس پہ نظر رکھی ہوئی تھی۔اور وہ اذیت کے رنگ سجائے باہر دیکھ رہے تھے۔ہائی وے آچکا تھا۔گاڑی کو بریک لگ چکا تھا۔یحیٰ سرفراز خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔چوہدری جہانگیر کے اشارہ کرنے پہ ہلکاروں نے اسے کھینچ کے باہر نکالا تھا۔
جہانگیر مجھے معاف کردو۔۔۔میں نے منزہ کو نہیں مارا۔۔وہ اپنی موت آپ مری " ہے۔۔تم چاہو تو تحقیق کروالو۔" چوہدری جہانگیر گاڑی سے نکل آئے تھے اہلکار پیچھے ہٹ گئے تھے۔اپنی طرف بڑھتے چوہدری جہانگیر کے قدم دیکھ کر یحیٰ سرفراز پیچھے ہٹتا گڑگڑا رہا تھا۔چوہدری جہانگیر کو پسٹل لوڈ کرتے دیکھ کر اسے سمجھ آگئی تھی کہ آج خاتمہ یقینی تھا۔
"جب وہ نہیں رہی تو، تُو کیوں دھرتی پہ بوجھ بنا ہوا ہے۔جا تجھے آزاد کیا۔"
خوف اس کی چُنی چُنی سی آنکھوں میں بھرا ہوا تھا۔بھاگنے کی کوئی راہ ہی نہیں تھی۔دور تلک ویرانہ تھا۔جان بچانے کو اس نے لنگڑاتے ہوئے یہ بھی کوشش کی لیکن پسٹل سے نکلتے شعلوں نے اس کی ساری کوشش بے سود کردی تھی۔وجود زمین پہ گرپڑا تھا۔چوہدری جہانگیر کی سرد نظروں میں خون اتر آیا تھا۔

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط#22

ماضی کی خواہشوں کو سوچوں تو یاد پڑتا ہے
اک خواہش تھی آپ کے ساتھ بوڑھا ہونے کی

اسٹڈی کے نیم اندھیرے کمرے میں اک جل بجھا وجود سگریٹ کے شعلے کے ساتھ سلگ کر دھواں دھواں ہو رہا تھا۔آنکھیں اس حد تک سرخ تھیں کہ اگر کوئی دیکھ لیتا تو ضبط کی کہانی

پڑھے بنا نظر چرا لیتا۔ بے کراں درد، اور کرب وجود میں اس حد تک سرائیت کر گیا تھا کہ اس درد کو مقدر کرنے والوں سے ان کی نفرت نے سالوں کا سفر طے کر لیا تھا لیکن درد تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

کتنا ڈھونڈا تھا اسے، کہاں، کہاں نہیں کھوجا تھا اسے لیکن جانے والی نے کوئی سراغ چھوڑا ہی کب تھا۔۔ جو خود گم ہو جائے اسے کیسے ڈھونڈا جا سکتا تھا۔

دروازے پہ دستک ہوئی تھی، سخت ناگواری کے ساتھ انہوں نے اس عمل کو دیکھا تھا۔ جب وہ اسٹڈی میں ہوتے تھے تو کسی کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ وہ انہیں پکارنے کی بھی گستاخی کرے کجا کے دستک کے بعد دروازہ کھول کر کوئی اندر بھی داخل ہو گیا تھا۔

رُخ موڑ کر انہوں نے درشت لہجے میں سوال کیا تھا۔ "! کون "

روشنی کا انتظام کچھ اس اینگل سے کیا گیا تھا کہ مدھم روشنی کا زور صرف بیچ کے خالی حصے میں پڑ رہا تھا۔ نا ہی ریوالنگ چیئر پہ بیٹھے چوہدری جہانگیر پہ اس کا عکس تھا نا ہی دروازے سے داخل ہونے والے کو دیکھا جا سکتا تھا۔ اس سہولت کے باوجود وہ ناگواری سے رُخ پھیر گئے تھے۔

سوری ڈیڈ آپ کو ڈسٹرب کیا لیکن مجھے آپ کے سامنے کچھ " تعارف کرانا پڑا۔ "! ایشان "

"کنفیس کرنا تھا۔۔۔ کیونکہ اگر میں اس وقت کنفیس نا کر سکا تو شاید مجھے کچھ ہو جائے گا۔

آواز و لہجے میں ایسی ہیجانی کیفیت تھی کہ چوہدری جہانگیر چونکے بناء نا رہ سکے۔ اندھیرے میں کھڑا وہ ان کی جواب کا منتظر تھا کہ آیا وہ بات کرنے کا شرف بخشیں گے یا الٹے قدموں واپس پلٹنا مقدر ہو گا۔ خود کو کمپوز کرنے میں انہیں اک لمحہ درکار تھا، اور اسی اک لمحے میں انہوں نے

میز کے نیچے لگے سوئچ بٹن کو دبا کے اسٹڈی کو روشن کر دیا تھا۔ کمرا اک دم سے روشنی میں نہا گیا تھا۔ اک لمحے کو دونوں کی آنکھیں کسی بھی منظر کو دیکھنے سے قاصر رہی تھیں۔

سوالیہ نظریں ایشان جاہ پہ تھیں۔ وہ ذہنی طور پہ بے حد منتشر لگ رہا "کیسی کنفیشن۔۔۔؟" تھا۔ وجود میں اک اضطرابی کیفیت تھی جسے چھپانے کی وہ ہر ممکنہ کوشش کر رہا تھا لیکن اس میں ناکام تھا۔ چوہدری جہانگیر کی ساری حس جاگ اٹھیں۔

"!آؤ، بیٹھو"

دوسری سمت موجود صوفے کی طرف اشارہ کر کے وہ خود بھی اٹھ کر صوفے تک آ گئے تھے۔ ایشان جاہ خاموشی سے چلتا ہوا صوفے پہ آ کے بیٹھ گیا تھا۔ ہاتھوں کی انگلیاں اک دوسرے میں پیوست تھیں۔ نظریں زمین میں گڑی تھیں جوتے کی ٹوہ سے قالین کی نوک موڑ رہا تھا لیکن ذہنی طور پہ شاید کہیں اور تھا۔

کیا بات ہے ایشان۔۔؟ وہ چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار ہی کرتے رہے لیکن جب وہ " خاموشی سے نظریں زمین میں جمائے بیٹھا رہا تو انہیں اپنی موجوگی کا احساس دلانا پڑا۔

"ڈیڈ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے۔"

نظریں اٹھی تھیں اور ان نظروں میں بھری بے پناہ وحشت چوہدری جہانگیر کو چونکا گئی تھی۔

شانہ تھپتھپا کے بے فکر "غلطی بتاؤ اور سب بھول جاؤ۔ میں جو ہوں ہینڈل کرنے کے لیے۔" ہونے کا عندیہ دے کر اپنی ذات کا مان تھما رہے تھے۔

ڈیڈ! اس بار ایسی غلطی نہیں ہوئی کہ آپ کو بتا کر ریلیکس ہو جاؤں اور آپ اسے ہینڈل بھی " "کر لیں۔

عجب یاسیت بھرا لہجہ تھا۔

وہ متعجب ہوئے۔ "ایسا کیا ہوا ہے اس بار۔۔؟"

"قتل ہو گیا ہے ڈیڈ، مجھ سے۔"

چوہدری جہانگیر چونکے بناء نہیں رہ سکے تھے۔ان کی ساری حسیات "قتل۔۔۔؟ کس کا۔۔؟" آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

"اک ماں کا، اس کے آس بھرے دل پہ ایسی ٹھیس لگی کہ وہ جی نا سکی۔"

اس کے عجیب "کون ماں۔۔ کس کی آس کو ٹھیس لگی۔۔۔ کھل کے بات کرو ایشان۔" وغریب انداز پہ انہیں الجھن ہونے کے ساتھ اس کی دماغی حالت پر بھی فکر ہو رہی تھی۔ کوئی گہرا شاک لگا تھا اسے۔

اور پھر اک مشینی انداز میں وہ انہیں سب کچھ بتاتا چلا گیا۔۔یونی تک کی کہانی سے تو چوہدری جہانگیر بھی واقف تھے لیکن منزہ کے ایکسیڈنٹ سے لے کر ان کے مرنے تک کی داستان جوں جوں چوہدری جہانگیر سن رہے تھے انہیں کوئی خاص بات اس میں محسوس نہیں ہوئی۔۔جس کی وجہ سے ایشان اس قدر ٹینس نظر آ رہا تھا لمبی سانس لے کر انہوں نے اسے دیکھا تھا جو سب دہرا کر مزید اذیت میں گرفتار نظر آ رہا تھا۔

"ڈونٹ بی ایموشنل ایشان! بندی اپنی طبعی موت مری ہے۔تم نے زہر دیا نا ہی گولی ماری ۔۔ہاں تمہیں اس مقابلے بازی میں گھر تک نہیں جانا چاہیے تھا۔ تمہارا گلٹ کسی حد تک سہی ہے کہ اگلی نے تم سے توقعات وابستہ کر لی تھیں۔۔ لیکن اس کی موت کی وجہ تم ہو۔۔۔۔ اس بات کی سچائی صرف تمہاری سوچ تک محدود ہے۔۔ قانون میں اس کی کوئی اہمیت نہیں

۔۔۔۔جذباتی ٹھیس لگنے سے موت واقع ہو جانے پر عدالت کوئی سزا نہیں سناتی۔۔۔ناہی اگلی نے تمہارے نام خط لکھ کر خود کشی کی ہے۔۔۔ بالفرض ایسا ہو بھی جاتا تو بھی تمہیں کوئی ہاتھ لگانے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔"

بھرم سے دیا گیا جواب بھی ایشان جاہ کی تسلی و تشفی کرنے میں ناکام رہا تھا۔

دنیاوی عدالت، کورٹ کچہری کی مجھے کوئی فکر نہیں ڈیڈ۔۔پتا ہے آپ بچالیں گے۔ لیکن جو قتل میری ضد اور اندھے انتقام کی بھینٹ چڑھ گئیں، مجھے ان کا احساس کر کے سانس لینے میں بھی دقت ہو رہی ہے۔۔ میں کھیل رہا تھا، ان سب کے جذبات سے، یہ سب صرف میں جانتا تھا، وہ لوگ نہیں۔۔ماورا، شاید سمجھ گئی تھی کہ یہ بھی میری کوئی چال ہے، ماں سے گلہ کرتی تھی لیکن جانے کیوں میری وجہ سے آنٹی منزہ بیٹی کو بھی ستر زنش کر دیتی تھیں۔۔ان کے گھر غیر مردوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ لیکن میری آمد پر منزہ آنٹی کی آنکھیں جس طرح چمکنے لگتی تھیں، جیسے کوئی بچھڑا ہوا انہیں میری شکل میں مل گیا ہو۔۔۔ مجھے ان آنکھوں کی وہ چمک نہیں بھول رہی۔"

چوہدری جہانگیر نے اسے کتھارسس کا موقع دیا تھا کہ شاید اس طرح اس کا گلٹ کچھ کم ہو لیکن وہ جس قدر بول رہا تھا، بہت توجہ سے سنتے انہوں نے سگریٹ سلگا لیا تھا کش لیتے ہونٹ دھواں اڑانا بھول گئے تھے۔ وہ سرخ آنکھیں پوری کھول کر اسے دیکھ رہے تھے کہ شاید یہ نام سننے میں انہیں کوئی مغالطہ ہوا ہے لیکن جب ایشان نے تسلسل سے اک سے زائد بار یہ نام دہرایا تو دھواں ان کے حلق میں اٹک کر حلق چھیلنے لگا تھا۔۔آنکھیں مزید سرخ ہو گئی تھیں۔۔ سانس لینے میں دشواری ہونے لگی تھی۔

آواز اتنی پھنسی ہوئی اور استعجاب سے بھرپور تھی کہ ایشان جاہ "!!! مو۔۔۔ نززز۔۔۔ہ" بھی چونکے بناء نارہ سکا۔ خالی خالی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

بے چینی سے سوال ہوا تھا۔ ''کیا نام لیا تم نے۔۔ منزہ۔۔۔۔؟؟؟"

وہ حیران تھا ان کے انداز پہ۔ "!جی"

بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ ان کی نگاہوں میں ماورا کی آنکھیں آ گئی "ماورا کی ماں منزہ۔۔؟" تھیں۔۔ تو ان کا شک غلط نہیں تھا۔۔۔۔ منزہ زندہ تھیں۔ اور وہ انہیں مردہ سمجھ کر ڈھونڈنے کی کوشش بھی نہیں کر سکے۔۔ وہ اتنا قریب تھیں اور ان کی نظروں سے اوجھل رہیں۔۔ وہ بے چینی سے کتابوں کی ریک کی طرف بڑھے تھے اور اس میں سے اک کتاب کھینچ کر نکالتے تیزی سے اس تک آئے تھے۔ ایشان جاہ ابھی ان کی اس حرکت کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ کتاب سے نکال کر چوہدری جہانگیر نے اک تصویر اس کے سامنے کر دی۔

تصویر اس کے سامنے ہوئی تو اک پل کو ایشان جاہ بھی چکرا سا گیا۔ یوں "یہ۔۔ یہی تھی۔۔؟" لگا ماورا کی تصویر اس کے سامنے ہو۔ لیکن غور سے دیکھنے پہ واضح ہو گیا کہ وہ منزہ کی جوانی کی تصویر تھی، وہ ہو بہو ماورا جیسی لگتی تھیں جوانی میں یا ماورا ان کی کاپی تھی۔ ان سب حیرانی سے نکل کے اس کے لیے یہ مقامِ حیرت تھا کہ یہ تصویر چوہدری جہانگیر کی اسٹڈی سے نکلی تھی۔ اور وہ جس طرح تصویر والی کتاب اٹھا لائے تھے، اس سے یہ واضح ہو چکا تھا کہ وہ اچھی طرح اس تصویر کی موجودگی سے نا صرف آگاہ تھے بلکہ انہیں حفظ تھا کہ تصویر کس کتاب میں ہے۔

صدمے سے "تم منزہ کے جنازے پر گئے ہوئے تھے اور میں نے اسی کی قبر کھدوائی۔۔۔؟"
ان کا دل پھٹنے کے قریب تھا۔
ایشان اپنی پریشانی بھول کر انہیں تکنے لگا۔ "!جی"
درد میں ڈوبا عجیب کھویا کھویا "تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ ماورا کی ماں مری ہے۔۔؟"
سوال تھا۔
اس کی آنکھیں یوں ہی نہیں چمکتی تھیں، وہ جانتی تھی تم میرے بیٹے ہو۔۔۔اسے سب خبر "
عجب دیوانگی سی طاری تھی۔ایشان جاہ کو "! تھی پھر بھی سامنے نہیں آئی۔۔ کیوں۔۔۔؟؟
وہ خود کلامی کا شکار ہو چکے تھے۔برسوں جس درد کو چھپائے پھرتے رہے وہ اک فراموش کیے لمحے میں انہیں واضح کر گیا تھا۔۔
عجیب سوال ہوا تھا۔۔تاریخ پہ اپنے نشان چھوڑ جانے "ڈیڈ! آپ انہیں جانتے ہیں۔۔۔؟"
والی کے مرنے کے بعد اب بھی سوال اٹھا تھا کہ وہ انہیں جانتے تھے یا نہیں۔۔
چونک گئے تھے۔ "بہت اچھی طرح۔۔"
کیسے۔۔؟ایشان جاہ کو منزہ کی آنکھوں کی چمک کا سراغ مل گیا تھا۔لیکن وجہ جاننے کی بے "
چینی لگ گئی تھی۔
جاتے ہوئے،اسٹڈی کا دروازہ بند کرتے جانا، میں کچھ دیر مزید یہاں وقت گزارنا چاہتا "
گویا واضح اشارہ تھا۔وہ اس بارے میں مزید کوئی بات کرنا نہیں چاہتے،اور تنہائی میں "ہوں۔
وقت گزارنے کے خواہاں تھے تب ہی اسے باہر کی راہ دکھا گئے۔ایشان جاہ کئی لمحے ان کی پشت کو دیکھتا رہا۔۔۔چوہدری جہانگیر، منزہ کو کیسے جانتے تھے۔۔۔؟؟ منزہ کی تصویر ان کی اسٹڈی

میں کیا کر رہی تھی۔۔۔؟ منزہ کی موت کا سن کر ان کی حالت غیر کیو ہوئی۔۔؟ یہ اور اس سے ملتے جلتے بہت سے سوال اس کے اندر چکرا رہے تھے لیکن جواب دینے کو چوہدری جہانگیر تیار نظر نہیں آ رہے تھے۔۔۔ وہ دوبارہ سے ریوالنگ چیئر پہ بیٹھ کر روشنی گل کر چکے تھے ۔اور ان کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

☆☆☆

"اتنا کچھ ہوتا رہا اور تم نے مجھے ہر معاملے سے لاعلم رکھا۔۔؟ میری ماں موذی مرض سے جُوجھتی رہی اور میں خوشی خوشی شادی کی تیاری کرتی رہی۔۔۔"

ماورا کا انتہائی کیفیت میں ایشان جاہ سے یہ کہنا کہ ماں چند دن اور زندہ رہ سکتی تھی نے انوشا کو سچ جاننے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اس کے اصرار پہ ماورا ایک کو سارا سچ بیان کرنا پڑا تھا۔ منزہ کی بیماری سے لے کر ایشان جاہ کے کھیل اور صبا کی آمد تک کا ماجرا اس نے گوش گزار کر دیا تھا۔

اور اب انوشا اک اک بات کو بیان کر کے نئے سرے سے رو رہی تھی۔

"تم نے میرے ساتھ بہت ناانصافی کی ہے ماورا۔۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔ مجھے کیا پتا تھا کہ میری ماں کچھ عرصے کی مہمان ہے۔۔۔ اگر پتا ہوتا تو کیا میں ان کی اور دل سے خدمت نا کرتی۔۔۔؟ کچھ اور نہیں تو اللہ سے ان کی زندگی کے دن ہی مانگ لیتی۔۔۔ میں بے خبر ہی رہی کہ وہ جانے والی ہیں۔۔ بہت ظلم کیا ہے تم نے مجھ سے یہ سب چھپا کے۔۔"

انوشا کا دل پھٹنے لگا تھا۔ یہ اذیت بھلائے نہیں بھول رہی تھی کہ منزہ ہر لمحے موت کی گھڑیاں سن رہی تھی اور وہ بے خبر رہی۔

" اماں نے قسم دی تھی کہ میں تم سے کسی صورت میں ذکر نا کروں۔۔ رپورٹس چھپا کر وہ تو مجھے بھی لاعلم رکھنا چہ رہی تھیں لیکن خوش قسمتی سے رپورٹس میرے ہاتھ لگ گئی تو مجھے بھی خبر ہوئی۔۔ اماں کی یہی کوشش تھی کہ وہ ہم دونوں کو لاعلم رکھیں۔۔ مجھے معاف کردو انوشا کو چپ " میری اچھی بہن، میں صرف اماں کی قسم کی وجہ سے تمہیں بتا نہیں سکی۔۔۔۔ کراتے کراتے وہ خود بھی پھپھک کے رو رہی تھی۔

" دن رات اس اذیت میں تو نہیں اور اک طرح سے اچھا ہی ہوا جو تم لاعلم رہیں۔۔۔ کم از کم گزرے جیسے میں نے گزارے۔۔۔ قطرہ قطرہ ماں کو پگھلتے دیکھنے کی اذیت کم نہیں ہوتی ۔۔ڈاکٹر بخت کا جان لیوا انتظار اور پھر ان کے چھوڑ جانے کے بعد ان کے پی اے کی منتیں۔۔ سب کر کے دیکھ لیا لیکن کچھ اچھا نہیں ہوا۔۔۔ سب جانتے ہوئے بھی میں اپنی اماں کے لیے "کچھ نہیں کر سکی۔ تم میری اذیت کا بھی تو اندازہ لگاو۔

اس کی دل خراش دہائی پہ انوشا بے ساختہ اسے ساتھ بھینچ گئی تھی۔۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی اسے تو لاعلمی کا غم رُلا رہا تھا اور وہ تو باخبری کا کڑوا گھونٹ ہر لمحہ حلق سے اتار رہی تھی۔

گھر میں اس وقت صرف وہ دونوں ہی تھیں۔۔ در و دیوار سے اگر بتی اور کافور کی مہک ڈھلتی رات کو مزید افسردہ کر رہی تھی۔۔ منزہ کے بغیر ان دونوں کی زندگی کی یہ پہلی رات تھی۔

یسریٰ (انوشا کی ساس) کافی دیر تک ان کی دلجوئی کرتی رہی تھیں۔ شاہد اور صائمہ بھی پڑوسی ہونے کا حق ادا کر کے جا چکے تھے۔ رات کی بڑھتی تاریکی اور منزہ کے بنا اکیلے جینے کا احساس ان

دونوں کو ہراساں کر رہا تھا۔ یاسر یسریٰ کو گھر چھوڑنے گیا ہوا تھا اس کا ارادہ یہی رکنے کا تھا۔ یاسر کی وجہ سے دونوں کو ڈھارس ہوئی تھی لیکن یہ سہارا بھی کب تک تھا۔ اس وقت دونوں اکیلی تھیں اور منزہ کو یاد کر کے آبدیدہ تھیں۔

☆☆☆

بدلے بدلے سرکار نظر آتے ہیں

وہ گنگناتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ جب پیچھے سے آ کر شاہ زر شمعون نے شانے پہ ہاتھ مارتے جملہ پھینکا۔۔۔

وہ مسکرا دیا۔ "ایسی تو کوئی گل نہیں بروہ۔"

گئے تھے تو اور رنگ تھے، واپس آئے ہو تو اور ہیں۔۔ سچ بتاؤ چچا جان کے کام سے ہی گئے تھے نا۔۔؟ انداز معنی خیز تھا۔ اگر چوہدری اسفند کی تاکید اور پہلو تہی کی عادت نا ہوتی تو شاید وہ اس سے کچھ نا چھپاتا۔ لیکن آنے والے حالات کب کیا موڑ لیتے اس حوالے سے کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہوتا کہ کون دشمنوں کی صف میں کھڑا ہوگا اور کون دوست۔ سو وہ ہر قدم پھونک کر رکھ رہا تھا۔ اسے پکڑنا آسان نہیں تھا، شاید شاہ کو بھی اس پہ شک نہیں گزرا تھا، ہاں یہ خبر تھی کہ وہ مکہ سے لوٹ آیا ہے اور وہاں عیشال بھی ہے تو اسی حوالے سے چھیڑنے لگا۔

میرے رنگ تو پکے ہی ہیں بروـ کب بدلتے ہیں۔۔ کہیں بھی آوں جاوں۔اس سے کوئی "
"فرق نہیں پڑتا۔

لگتا ہے جیسے جیسے شادی کے دن قریب آرہے ہیں تم نے خود کو ذہنی طور پہ تیار کرلیا ہے "
اندازو نظریں سوالیہ تھیں، نرمین کے نام پہ حلق تک کڑوا ہوگیا "نرمین سے شادی پہ۔؟
تھا۔لیکن تاثرات میں سرمو فرق نہیں آیا۔

زندگی ایسے ایسے سرپرائز دیتی ہے کہ انسان کی ساری تیاری دھری کی دھری رہ جاتی "
ہے۔جس طرح بھابی بیگم کی رخصتی سرپرائز رہی لگتا ہے حویلی میں ابھی بہت سے سرپرائزز
"باقی ہیں۔

"کہہ تو واقعی تم ٹھیک رہے ہو۔۔ داجان کب کون سا سرپرائز دے دیں یہ وہی جانتے ہیں۔ "
سمہان آفندی کمال چالاکی سے اس کا دھیان خود پر سے ہٹا کر اس کے معاملے پر لگا گیا تھا۔جس
پہ وہ ٹھنڈی آہ بھرتے اس لمحے کو سوچ کے دانت بھینچ گیا کیسے اسے اپنے روم میں برداشت
کرتا تھا یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔

رات کے اس پہر اس کی روانگی کے انداز کو دیکھتے سوال اٹھا تھا۔"کہیں کی تیاری ہے۔۔؟ "
جی! گجرات جارہا ہوں۔۔ وہاں کی زمین کا جو اسٹے آرڈر چل رہا ہے اس پارٹی سے میٹنگ ہے "
۔۔ وہ کیس واپس لے رہے ہیں۔۔ بھائیوں میں صلح ہو گئی ہے۔۔ پھر چکوال کے لیے نکلنا ہے
"۔ڈیڈ کی ڈیل فائنل ہو گئی ہے۔۔ پیمنٹ کرنی ہے۔

خیر نال جا۔۔۔ دل لگا رہتا ہے تو اکیلا نکلا ہوا ہوتا ہے۔۔ کتنی بار کہا ہے گارڈز کو ساتھ لے "
شاہ زر شمعون کی فکر مندی اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔۔ اور صرف شاہ "جایا کر۔
ہی کیا وہ بھی اس کے لیے ایسے ہی جذبات رکھتا تھا۔

دونوں کو حویلی کے اصول ازبر ضرور تھے اور وہ ہر ممکنہ حکمتِ عملی کرتے تھے کہ ان اصولوں میں زیادتی کا رنگ کم سے کم آئے۔۔ وہ نئی نسل کے محافظ تھے۔ بلاوجہ کی غیرت دکھا کر دلوں سے کھیلنا ان کا شیوہ نہیں تھا۔۔ ندا کے ساتھ ہونے والا سانحہ اس کی زندہ مثال تھا۔ سمہان آفندی اس سارے معاملے میں پیش پیش ضرور تھا کہ وفا کی پاسداری حکم کا درجہ رکھتی تھی لیکن ظالموں میں سے ہو کے بھی ندا کے لیے اس کے دل میں درد تھا۔ یہی حال شاہ کا بھی تھا۔ پسند، محبت اور دل۔۔ کسی حاکم کے غلام نہیں ہوتے، وہ بخوبی واقف تھا کہ جسموں کو قید کیا جا سکتا تھا لیکن احساسات وجذبات کو نہیں۔۔ حویلی کے قوانین کے مطابق ندا نے راحیل کو پسند کر کے غلط کیا تھا، جس کی اسے سزا بھی مل رہی تھی۔ لیکن پسندیدگی کیا اتنا بڑا جرم ہے ؟؟ پسندیدگی کا حق تو اسلام میں بھی ہے۔ اک عورت اپنی پسند کے بندے کو شادی کا پیغام تک بھجوا سکتی ہے تو پھر اتنی سختی کیوں۔۔؟؟

کہیں نا کہیں ان دونوں کا اس اک بات پہ حویلی والوں سے اختلاف ضرور تھا کہ اپنوں کا حکم کیا میشتِ ایزادی کے حکم سے افضل ہے۔۔؟ نعوذ باللہ ! ایسا قطعاً نہیں تھا، تب ہی وہ روایتی بھائی کی طرح غیرت دکھا کر ندا کا سر دھڑ سے الگ کرنے کے درپہ نہیں ہوا تھا۔ ندا میں بھی بغاوت ہوتی تو وہ چپ کر کے نا بیٹھ جاتی۔۔ کچھ غلط کرنے کی اس کی نیت ہوتی تو وہ رات کی تاریکی میں راحیل کے ساتھ بھاگ جاتی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔۔۔ نا ہی راحیل حویلی والوں کی

عزت پہ خاک ڈالنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ تو معزز طریقے سے اک بار قسمت آزمانے کے لیے رشتہ بھیجنا چاہتا تھا۔۔۔ لیکن پرانی سوچ اور پرانی روایات سے ہار گیا۔۔۔۔

حویلی میں بہت کچھ، بہت عرصے سے غلط ہوتا آ رہا تھا۔ جسے اپنی سمجھ، بوجھ سے دونوں تبدیلی کی طرف لانا چاہ رہے تھے۔۔۔ وہ اصلاحاتاس انداز سے چاہتے تھے کہ چوہدری حشمت یا بڑے اسے اپنے خلاف جنگ تصور نا کرتے۔۔ جہاں تک اپنی ذات کی بات تھی دونوں اپنے جذبات واحساسات حویلی پہ قربان کر چکے تھے، ایسا نا ہوتا تو نک چڑھی شنائیہ چوہدری کسی صورت شاہ کو قابلِ قبول نا ہوتی۔۔ یا سمہان آفندی دل کی طرف سے آنکھیں بند کر کے نرمین کے لیے سر نا جھکا دیتا۔۔ لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔۔ اور شاید تبدیلی کے اس سفر میں اس کے لیے اس راہ کا انتخاب کاتبِ تقدیر نے خود کیا تھا۔

فکر نا کیا کرو رو، رب العزت کے سوا کسی کی مجال نہیں کے ہمارا بال بھی بیکا "

باتیں کرتے وہ ڈائننگ ایریا میں آ گئے تھے۔ جہاں سے ڈنر کر کے اسے نکلنا تھا۔ دیا "کر کے۔ اور فائزہ پیش پیش تھیں۔ فریال کی کمی اک دم محسوس ہوئی تو نظریں اداس بیٹھی زرش پہ پڑ گئی۔ شاہ زر شمعون کو چوہدری فیروز نے مخاطب کیا تھا۔ وہ ان کی طرف رکا تو سمہان زرش کی طرف بڑھ گیا۔

اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے وہ سامنے آ گیا تھا۔ زرش چونک "کیوں اداس ہے میری بلبل۔۔؟ " کر سر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی پھر اسے سامنے دیکھ کر مسکرا دی تھی۔ یہاں سب ہی اپنے تھے لیکن بھائی پہ نظر پڑتے ہی اس اک مسکراہٹ میں جو تحفظ اور مان کا رنگ جھلکا تھا وہ سمہان آفندی کو مزید کچھ سوچنے پہ مجبور کر گیا۔ بہنوں کی مسکراہٹ قائم رکھنے کے لیے حویلی کی فضاؤں میں

تبدیلی کی اشد ضرورت تھی۔۔کیسے کہا تھا زرش نے کہ اگر عیشال یا ندا کی جگہ وہ ہوتی تو کیا وہ تب بھی خاموش رہتا۔۔۔؟ اور یہ اک سوال ہمہ وقت اس کا احاطہ کیے رکھتا تھا۔

وہ ہونٹ بچکا گئی تھی۔ "مسنگ مام، ڈیڈ ویرے۔۔۔

ہاتھ تھام گیا تھا۔ "اک دو روز میں آجائیں گے۔۔اپ سیٹ نا ہو۔۔"

"کہیں جا رہے ہیں۔۔؟"

مختصر جواب تھا۔ "پہلے گجرات پھر چکوال۔۔"

"آپ کے پیروں میں تو پہیے لگے ہوئے ہیں ویرے۔۔ کبھی یہاں، کبھی وہاں۔۔حویلی میں تو اور زرش کی بات پہ اسے بے ساختہ عیشال یاد آ گئی "شاذ ہی آپ کی شکل نظر آتی ہے۔

۔۔اسے بتایا تو کیسے اس کا جلا بھنا جواب آیا تھا۔

"کون سے مردے گڑے ہیں حویلی سے باہر۔۔جو ہر وقت حالتِ سفر میں رہتے ہو۔؟"

بہت اچھے۔۔پہلے خود ہی کہہ رہی تھیں، حویلی مت جاو۔۔ کہیں اور چلے جاو، حویلی کے لوگ ظالم ہیں اور اب حویلی سے دور جا رہا تو اس پر بھی باتیں سنا رہی ہو۔۔۔یہ تم خوش کس بات پہ ہوتی ہو۔؟؟"

وہ سر پکڑ کے رہ گیا تھا۔

ہاں تو حویلی سے باہر کون سا دوست بیٹھے ہیں تمہارے، جو باہر رہنے پہ خوشی مناوں۔حویلی کے طفیل زندگی کی بازی تو ویسے ہی لگائے گھومتے ہو۔۔ سمجھ نہیں آتی، کہاں بھیجوں تمہیں کہ محفوظ رہو۔"

ایئر پیس سے آتی اس کی آواز میں محبت کا اتنا سوز تھا کہ وہ کئی لمحے کچھ بول ہی نا سکا۔ اس کے بعد کئی ثانیے تک دونوں طرف خاموشی چھائی رہی تھی، جان گیا تھا خاموشی سے آنسو بہایا جارہا ہے۔

" مت رو میری پگلی ! ایسا نا ہو، تمہارے آنسوؤں پہ ساری مصلحت کو اک طرف رکھ کر علی اعلان اقرار کرلوں، پھر بھلے جو ہو،، کم از کم آنے والے لمحے کے دھڑکے سے تمہاری جان تو

حقیقتاً اس کے آنسو تکلیف دے رہے تھے۔ نہیں ملی تھی تب بھی دھڑکا تھا، "چھوٹے گی۔ مل گئی تھی تب بھی دھڑکے جان نہیں چھوڑ رہے تھے۔

" تم ایسا کچھ نہیں کروگے، دی جان اور چچا جان نے کہا ہے وہ بات سنبھال لیں گے، پھر تمہیں روتے روتے وہ جس تیزی سے بولی سمہان " ! ہیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ آئی سمجھ

آفندی کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی جواب مستقل رہنے لگی تھی۔

"اچھا جی جو حکم۔۔۔ نہیں بنتے ہیرو۔۔ ویسے یہاں آکر اک بات بری طرح نوٹ کی۔ "

پر سوچ، سنجیدہ انداز تھا۔

وہ دہل ہی تو گئی تھی۔ "الٰہی خیر ! داجان یا حویلی میں کسی کو شک تو نہیں ہو گیا۔ "

وہ سخت بدمزا ہوا تھا۔ "تمہیں خواب بھی حویلی والوں کے ہی آتے ہیں کیا۔۔؟"

منہ بسور گئی۔ " تم ہی کہہ رہے تھے اک بات نوٹ کی۔ "

"محترمہ ! یہ نوٹس آپ کے بارے میں تھا۔"

آواز کی لُوچ پہ لہجہ خود بخود دھیما ہو گیا تھا۔ " ایسا کیا۔۔؟"

اور اتنی "دور رہوں تو زبان فراٹے سے چلتی ہے، سامنے تو تم سے نظر تک ملائی نہیں جاتی۔ "
دور بیٹھ کے بھی وہ اس کی بولتی بند کر گیا تھا۔
بلش کر گئی تھی۔ پھر اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ سوچ اس کی ذات کا "بہت فضول ہو تم۔ "
محور ہوئی تو لب بھینچ کے مسکراہٹ چھپا گیا۔
زرش کی طرف متوجہ ہوا۔ " واپسی میں کچھ لے کر آوں تمہارے لیے۔۔؟ "
پر سوچ انداز تھا۔۔ واپسی چکوال سے ہو گی تو میرے لیے پہلوان کی " میرے لیے۔۔۔ "
زرش "ریوڑی۔ نثار ہوٹل سے برفی۔ اور جلیبی چوک سے ڈھیر ساری جلیبیاں لے آیئے گا۔
نے اک ہی سانس میں فرمائش گنوادی تھی۔
چڑانے لگا۔ "اتنا سارا میٹھا۔۔ مما نے دیکھا تو کلاس لگائیں گی کہ موٹی ہو رہی۔ "
مزے سے سر ہلانے لگی تو ہنستے ہوئے، وہ "مما کے آنے سے پہلے جلدی جلدی کھالوں گی۔ "
اس کے سر پہ چپت لگا گیا۔
مانا فریال نہیں ہے تو بہن، بھائی صرف باتوں سے پیٹ بھریں گے۔۔؟ فریال کو پتا چلا تو "
دیا ان کے آگے ڈونگا رکھتے "ناراض ہو گی ہم نے خیال نہیں رکھا اس کی غیر موجودگی میں۔
شرارتی ہوئیں تو دونوں ہی مسکرا کے کھانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ چوہدری حشمت اپنے
مخصوص انداز میں اسی طرف آ رہے تھے۔ سمہان آفندی کی نظریں ان کے قدموں پر ہی تھی
۔ سچ جان کر جانے وہ کیسا ری ایکٹ کریں، آج کل وہ بس یہی سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

"سب میری وجہ سے ہوا۔۔ اگر ایسا نا ہوتا تو شاید اماں کچھ دن اور زندہ رہتیں۔۔ "
اسی نہج پہ سوچ سوچ کے اس کا دماغ بند ہونے لگا تھا۔ کمرے کے کونے میں چہرہ گھٹنوں میں چھپائے منزہ کی یاد میں سسک رہی تھی۔۔۔
یاسر لوٹ آیا تھا۔ اسے چائے کا کپ تھما کے انوشا اپنے اور اس کے لیے بھی چائے لے آئی تھی ۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا تو نہیں جاتا لیکن حلق سے کچھ اتر ہی نہیں رہا تھا کہ وہ کچھ کھاتیں ۔۔ لوگوں کی تواضع کر کر کے گھر کا اتنا برا حشر ہو گیا تھا کہ انوشا ہمت کر کے صفائی کو اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ سب سمیٹ کے آئی تب بھی ماورا کے انداز میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ یاسر نے سر درد کا کہہ کر جھجکتے ہوئے چائے کا کہا تو احساس ہوا کہ سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔۔ منزہ کی دوری نے تو جیسے ہر احساس ہی چھین لیا تھا۔۔۔ یاسر اور یسریٰ کا اس وقت بہت سہارا تھا۔۔ ورنہ اکیلے پن کا احساس دل مزید بوجھل کر رہا تھا۔۔ یاسر نے سارا کچھ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا تھا، ماورا اور ایشان جاہ کے درمیان جو کچھ ہوا، وہ انہوں نے ملاحظہ کیا تھا۔ پہلے ایشان جاہ کا علی اعلان شادی کا دعویٰ۔۔ اور اب ماورا کی باتیں اور اس کے ساتھ ہوئے سلوک پہ کئی سوال اٹھے تھے لیکن وقت کا تقاضا یہی تھا کہ سوالات بعد کے لیے اٹھا کر رکھ دیے جائیں۔۔۔
چائے کے کپ سائیڈ "بس کر جاو۔۔ ایسے روتے رہنے سے اماں واپس نہیں آ جائیں گی۔۔ " پہ رکھ کے انوشا اس کے پاس بیٹھ گئی تھی۔۔

اماں کے لیے میرا وجود نحوست کا باعث بن گیا۔اگر میں نے یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی "
آنسوؤں سے تر چہرہ اٹھا کر وہ خود کو موردِ الزام "ضد نا کی ہوتی تو نا یہ سب ہوتا نا اماں جاتیں۔
ٹھہرا رہی تھی۔
کیسی باتیں کر رہی ہو۔۔اماں کی بیماری کا تمہاری پڑھائی سے کیا تعلق۔۔۔۔جو ہوا بھول جاو "
۔۔موت کا دن تو طے ہے اور جب اللہ نے بیماری بھی آشکار کر دی تو مزید کیا گلہ۔۔اللہ کو
اماں کی آزمائش مقصود تھی اور انہوں نے جس طرح سر اٹھا کر زندگی گزاری اسی طرح بیماری
کی صعوبتیں اٹھا کر بھی چلی گئیں لیکن کسی کو کانوں کان خبر نا ہونے دی، اپنی بیماری کا
رونا نہیں ڈالا۔۔۔آزمائش سمجھ کے زندگی کے دن پورے کرتی رہیں۔۔تم بھی کسی فضول
"سوچ کو ذہن میں جگہ نا دو۔۔چائے پیو اور تھوڑی دیر لیٹ جاو۔کب تک بیٹھی رہو گی۔
آواز آنسوؤں میں "میں نہیں لیٹوں گی، مجھے اماں کے بناء لیٹنے کی عادت ہی نہیں ہے۔ "
ڈوب گئی تھی۔انوشا خود پہ ضبط کرتی لب کچلنے لگی تھی۔
اب سے عادت ڈالنی پڑے گی۔۔تم تو بہت بہادر بہن ہو میری۔۔۔اچھا مت لیٹو، چائے پی "
کے وضو کر کے قرآن شریف کھول لو۔۔
رونے سے بہتر ہے، زیادہ اس طرح تمہیں قرار ملے گا اور اماں کی روح کو بھی سکون ملے گا۔۔
"سے زیادہ ان کے لیے دعا کرو۔۔اللہ ہماری ماں کے کبیرہ و صغیرہ گناہ معاف کرے۔
اس کے وثوق "ہماری اماں اتنی اچھی تھیں۔۔انہوں نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہیں ہوگا۔ "
سے بولنے پر ٹرنک میں رکھے ڈائری کے صفحے ہنسنے لگے تھے۔
"ایسا ہی ہوگا لیکن دعا کرنا ہمارا فرض ہے۔وہ ہم کریں گے۔۔چائے پیو اور وضو کر لو۔ "

انوشا نے نا اختلاف کیا نا کرنا چاہتی تھی کیونکہ منزہ اس کی بھی ماں تھیں اور انہوں نے اپنی ماں کو ہمیشہ آئیڈیل روپ میں دیکھا تھا۔

چائے کے کپ پہ "ایشان جاہ! تمہیں اور تمہارے خاندان کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" نظریں جمائے اس کی سوچ زہر آلودہ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

درد تو روز کا تماشہ ہے
لیکن آج شدید ہے سائیں

اب بھی تیرا ہی نام لیتا ہے
دل تمہارا مرید ہے سائیں

"جب میں مر جاوں گی تو میرے جنازے کو کندھا تو دو گے نا۔۔؟"

پیڑ کے سائے میں بیٹھے بیٹھے جانے کیوں اک دم سے یہ سوال کر کے اس کی جان پہ بنا گئی تھی۔

جواب فوراً آیا تھا لیکن موڈ آف ہو گیا تھا۔ چہرے کا رخ پھیر کر وہ ڈوبتے سورج پہ "! نہیں" نظر جما گیا تھا۔

اس سے چہرہ موڑنا برداشت نا ہوا تو چہرے پہ ہاتھ رکھ کے اپنی طرف کر گئی "کیوں۔۔؟"
۔وہ کئی لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا تھا۔اس کی بڑی بڑی آنکھوں کو، گلابی رخساروں اور رنگین لبوں کو۔۔سب سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔
اگلا سوال ہوا تھا۔ "مجھے آخری آرام گاہ تک بھی چھوڑنے نہیں جاوگے۔؟"
جواب اتنا ہی خشک تھا۔ "! نہیں"
سوال پھر وہی تھا۔ "کیوں۔۔؟"
مجھ سے برداشت نہیں ہوگا کہ تمہیں اپنے ہاتھوں قبر میں اتار کے تم پہ مٹی ڈال کر خالی ہاتھ " "لوٹ آوں۔۔ تمہاری دوری کسی صورت برداشت نہیں ہوگی۔۔مر کے بھی نہیں۔۔
جذب سے کہے لفظوں پر کتنے ہی لمحے وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔
جانے وہ کون سی سوچ تھی "اور جو کبھی بناء بتائے غائب ہو جاوں۔۔ کہیں نا ملوں پھر۔۔؟"
جو ایسے سوال پہ مجبور کر رہی تھی۔
کیوں غائب ہوگی۔۔؟جب تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو تو جان بوجھ کر چھوڑ کر کیوں جاوگی " "۔۔؟یا پھر تم محبت نہیں کرتیں۔؟
سوال کے آخر میں نگاہوں میں ڈر آگیا تھا جیسے وہ انکار کر دیتی تو اسے کچھ ہو جاتا۔اس کی جنون خیزی پہ اک پل کو اس کا دل بھی کانپا تھا لیکن جلد ہی اپنے ازلی روپ میں آکر نقرئی قہقہہ بکھیر گئی تھی۔

تم تو ایسے ڈر گئے جیسے میں واقعی تمہیں چھوڑ کے بھاگ رہی ہوں۔۔۔یوں ہی پوچھ رہی تھی "
جانے اسے جاننے میں کیوں دلچسپی "بابا کہ اگر کبھی چھوڑ کے بھاگ گئی تب کیا کروگے۔۔۔؟
تھی شاید اس لیے کہ وہ سب پلان کیے بیٹھی تھی۔
جنون "اگر چھوڑ کے بھاگی تو جہاں کہیں نظر آو گی شوٹ کر دوں گا۔زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ "
سے بھرا جواب اتنا خوفناک تھا کہ وہ تھرا گئی تھی۔
پھیکی "اور جو تمہارے شوٹ کرنے سے پہلے ہی مر گئی۔۔۔۔تب، تب کیا کروگے۔۔؟ "
مسکراہٹ سے گھبراہٹ چھپا گئی تھی۔
تب بھی قبر پہ جاکے، باتیں سنا کر آوں گا۔۔بزدلی پہ طعنے دوں گا کہ سامنا کیے بناء مٹی کی "
"چادر اوڑھ لی۔۔چیخ چیخ کے بولوں گا، واپس آو تمہیں شوٹ کرنا ہے۔۔
اور اس کے جنون سے کہے لفظوں میں جانے کیا تھا کہ وہ ہنستی چلی گئی تھی اتنا کہ آنکھوں میں
پانی آگیا تھا۔
آنسو "توبہ، تم اتنے دیوانے ہو، مجھے آج پتا لگا۔۔واپس آو، تمہیں شوٹ کرنا ہے۔۔۔"
دوپٹے سے صاف کرتے وہ ہنستے ہنستے اس کے الفاظ دہرا گئی تھی۔
ان ہنسی کی جھنکار کی جگہ پتوں کی سرسراہٹ نے لے لی تھی۔گاڑی شہر خموشاں کے سامنے رک
چکی تھی۔ناکافی روشنی میں اس شہر کے مکین جانے اندر کس حال میں تھے لیکن اوپر تو اڑتی
ہوئی خاک تھی جو اڑ کر بھی اندر موجود خاک کا بھرم رکھے ہوئے تھی۔
گورکن قبر کی کھدائی میں مگن تھا۔اتنی رات گئے سرکاری بتی سے سجی گاڑی کو قبرستان کے باہر
رکتے دیکھ کر ابھی وہ حیران ہی ہو رہا تھا کہ گاڑی سے نکل کر چوہدری جہانگیر اس تک آگئے تھے

۔انہوں نے کچھ پوچھا تھا، گورکن نے اک سمت اشارہ کیا تھا۔چوہدری جہانگیر نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تھا پھر کچھ کہا تو گورکن کدال چھوڑ کر تیز ٹارچ اٹھا کر ان کے آگے چلنے لگا۔اور اک کنندہ تھا۔ کئی لمحے وہ اس نام پر "منزہ" گیلی قبر کے سامنے لا کر چھوڑ گیا۔جس کے کتبے پر نظریں جمائے کھڑے رہے پھر ہارے ہوئے انداز میں قبر کے سامنے گھٹنوں کے بل گر سے گئے تھے۔ پتھریلا چہرہ ماضی کے نوعمر چہرے میں ڈھل گیا تھا۔ وہ بہت پیچھے چلے گئے تھے۔۔۔بے اختیار، کم عمر نوجوان جو عشق میں پڑ کے سب فراموش کر گیا تھا۔۔اس عشق نے تب سے اب تک کتنوں کو جلا دیا تھا، انہوں نے کبھی پیچھے مڑ کے نہیں دیکھا تھا۔اور آج وہ عشق مٹی تلے سو گیا تھا۔۔

واقعی، بہت بزدل ہو تم جو سامنے نہیں آ سکیں۔۔۔سامنے تھیں لیکن چھپ کے رہیں۔۔۔۔ "

"واپس آ و تمہیں شوٹ کرنا ہے۔۔ واپس آ و۔۔۔

قبر کی خاک مٹھی میں بھر کے وہ اک ہی تکرار کر رہے تھے۔۔

☆☆☆

میں فرش پہ سوؤں اور نواب صاحب نرم میٹرس پہ اتنی اچھی تو نہیں ہوں میں کہ میری "
"آنکھوں کے سامنے یہ تماشے ہوں اور میں برداشت کرتی رہوں۔

پانی کی بوتل تھامے بیڈ شیٹ ہٹائے وہ اچھی طرح میٹرس پہ پانی کا چھڑکاو کرتے بڑبڑا رہی تھی۔بوتل میں پانی ختم ہوا تو دوڑ کے مزید پانی روم فریج سے نکال لائی اور جب تسلی ہو گئی کہ

سے پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے تو بوتل سائیڈ رکھتی بیڈ شیٹ کو جلدی سے "بھرپور طریقے "کام واپس بچھا کر اس کے ممکنہ ردِ عمل کو اپنی سوچ سوچ کر خوش ہوتی رہی۔

لاک کھلنے کی آواز آئی تو وہ جھٹ منہ پہ دوپٹا ڈال کے سوتی بن گئی۔ کئی لمحے روم میں خاموشی رہی تھی پھر وہ اسے مرر کے آگے کھڑا بال بناتے نظر آیا تھا۔ وہ اس کی چیخ کا جلد سے جلد انتظار کہتے روشن بھی "!ارے" کر رہی تھی۔ کمرے کی روشنی گل ہوئی تھی اور اگلے ہی لمحے ہو گئی۔۔ شائیہ چوہدری نے بے ساختہ ہنسی دبائی تھی، شکر تھا منہ پہ دوپٹا پڑا ہوا تھا جو اس کے تاثرات اسے نظر نہیں آسکے۔ لیکن اگلے ہی لمحہ دوپٹا اس کے چہرے سے کھینچ کر اس کے سونے کے ڈرامے کو منطقی انجام دے دیا گیا تھا۔

شرر بار نظروں سے "منہ پہ دوپٹا ڈال کے آپ اپنے سیاہ کارنامے پہ پردہ نہیں ڈال سکتیں۔۔ " وہ اس کے سر پہ کھڑا چنگھاڑ رہا تھا۔

اس کے ہاتھ میں موجود دوپٹے کو "کیا مطلب۔۔؟ اور یہ کیا انداز ہے بات کرنے کا۔۔؟ " جھٹکے سے چھڑا کے سرعت سے تاثرات پہ قابو پا کے وہ جاہ و جلال میں آ گئی۔

بھنچے بھنچے لہجے میں غرایا۔ "میٹرس پہ پانی کس نے ڈالا۔۔؟ "

اقبالِ جرم کر کے اس نے جان سے جانا تھا جو قبول " کون سا میٹرس۔۔ کون سا پانی۔۔؟ " کرتی، لاعلم بن گئی۔

بہت نرمی سے سمجھا رہا ہوں، مت کریں ایسے کام جس پہ بعد میں پچھتانا پڑے۔۔ مجھے ستا " وہ شاید خود پہ بہت ضبط کر رہا تھا، ورنہ اک آدھ ہاتھ تو اب "نے والے کو بخشتا نہیں ہوں۔۔ تک جڑ ہی چکا ہوتا۔۔

کمال ہے۔۔اک تو آپ مجھ پہ الزام لگا رہے ہیں اور چاہتے ہیں میں اقبالِ جرم بھی کر کوں "
وہ کون سا ہار ماننے والی تھی ۔دوبدو زبان لڑا "۔۔۔ کیوں بھئی۔۔؟ایسی کیا داداگیری ہے۔
رہی تھی۔

یہ کام آپ نے کیا ہے۔۔ورنہ کسی کو کیا پڑی ہے کہ رات کے اس وقت میٹرس پہ برف کا"
بس نہیں چل رہا تھا اس کی تکہ، بوٹی بنا دے۔ "ٹھنڈا پانی ڈالے۔۔؟

" کیا ثبوت ہے آپ کے پاس کہ یہ کام میں نے کیا ہے۔۔؟ کوئی سی سی ٹی وی فوٹیج۔۔؟ "
اسے چڑا کے وہ گردن گھما کے روم کی دیواروں کو تاڑنے لگی شاہ زر شمعون کے سر سے لگی اور
تلووں تلے بجھی۔

سمجھ گیا تھا "تخریب کار روم میں ہوں تو اب اس سہولت کو بھی استعمال میں لانا پڑے گا۔ "
اس سے سر کھپا کے کچھ حاصل نہیں ہونے والا، تب ہی مڑ کے بیڈ شیٹ اک جھٹکے میں کھینچ کر
پرے پھینکتے میٹرس کو اٹھا کر بالکنی میں لے گیا۔چند لمحوں بعد لوٹا تو پھر کمرے سے نکل گیا۔

وہ سر "! ہونہہ!! شنائیہ چوہدری سے بیر۔۔۔ نیندیں نہ حرام کر دیں تو یاد رکھیں گے محترم "
جھٹک کے پھر سے اپنے شاہی فرش پہ لیٹ گئی تھی۔اگلے ہی لمحے بعد شاہ زر شمعون اک
میٹرس اٹھا کر اندر لاتا نظر آیا تھا۔

وہ ہونٹ سکوڑ کے رہ گئی۔۔اسے مکمل نظر انداز کیے وہ میٹرس ڈال کے دوسری بیڈ " ! اوہ"
شیٹ بھی بچھا کر لیٹ چکا تھا۔

"ایں۔۔یہ تو خاصے سگھڑ بھی لگتے ہیں۔ "

اس کے جھٹ پٹ میٹرس بچھانے پر وہ انگشت بدنداں رہ گئی۔۔خود اس سے تو آج تک میٹرس نہیں بچھی تھی اس سائیڈ برابر کرتی تھی تو دوسری نکل آتی تھی۔دوسری ٹھیک کرتی تو لمبائی چھوٹی پڑ جاتی تھی۔لیکن وہ کیسے منٹوں میں بچھا کے لیٹ کر دوبارہ سے بتی گل کر گیا۔

عمل اس لیے ہوا تھا کہ وہ "برداشت کریں۔۔۔بڑا شوق تھا زندگی میں شامل کرنے کا۔"

جھنجلائے اپنے بال نوچنے پہ مجبور ہو جائے لیکن وہ ضبط دکھا کر نا صرف اسے حیران کر گیا بلکہ جس خاموشی سے دوسرا میٹرس لگا کے سونے کو لیٹ گیا۔وہ بھی خاصہ حیران کن تھا۔

جسے بے آرام کرنا چاہا تھا وہ تو آرام "لگتا ہے مائینڈ کرنے والا سوفٹ ویئر ایکسپائر ہو گیا ہے۔"

سے سو گیا تھا،الٹا وہی ساری رات جھنجلاتی رہی۔چھوٹی سی چھوٹی بات پہ آگ بگولہ ہونے والا اس قدر تحمل کا مظاہرہ کر گیا تھا کہ اسے تشویش نے آلیا۔۔آخر اس کے دماغ میں چل کیا رہا تھا۔۔۔؟؟

☆☆☆

مجھے بھی حرفِ صداقت کی بھیک دے مالک
تیرے در کی بھکارن ہوں اور قطار میں ہوں

میں واپس جا رہی ہوں۔۔۔اس یقین کے ساتھ کہ جو رشتہ تو نے اپنے محبوب کے گھر بنایا" ہے اسے ہماری آخری سانس تک قائم رکھے گا۔۔اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے اللہ۔۔وہ اک شخص میری کُل کائنات ہے۔۔اس کی حفاظت کی ذمہ داری تجھے سونپ رہی ہوں کہ تجھ سے بڑھ "کے کوئی محافظ نہیں۔۔میں واپس آوں گی۔۔۔اپنے محرم کے ساتھ پھر سے آوں گی۔

غلافِ کعبہ پہ الوداعی نگاہ جمائے پلکیں نم لیکن دل آسودہ تھا۔اس کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ کے وہ جیسے پر سکون سی ہو گئی تھی۔

نے ان کا والہانہ استقبال سب کے ساتھ عیشال لوٹ آئی تھی۔ حویلی کے باہر ہی اک جم غفیر کیا تھا۔گاوں کے راستے میں جگہ جگہ پھولوں کے ہار لیے مرد اور عورتیں ان کے استقبال کے لیے موجود زمرد بیگم اور حویلی والوں سے اپنی عقیدت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔۔انہیں جگہ جگہ گاڑی روک کر لوگوں سے مبارکباد وصول کرنا پڑ رہی تھی، گاڑی میں ہار کا اک میلا لگ گیا تھا۔۔۔

راستے کی طوالت سے بے زار عیشال جہانگیر جلد سے جلد حویلی پہنچنے کی خواہاں تھی۔۔ایئر پورٹ پہ ڈرائیور کو دیکھ کے ویسے ہی موڈ آف ہو گیا تھا۔ جانے وہ اب تک لوٹا تھا یا نہیں ۔۔جانے وہ کن دھندوں میں اُلجھا ہوا تھا کہ سارا دن بات نہیں ہو سکی تھی۔اس کے بار بار کا مختصر میسج آ گیا تھا۔رات ساری پیکنگ ہوٹل سے چیک آوٹ، ایئر "بزی" رابطہ کرنے پہ پورٹ کی فارمیلٹی میں نکل گئی تھی۔فلائیٹ میں بھی اس سے رابطہ ممکن نہیں ہو سکا اور نا ہی اب کیونکہ ساتھ فریال براجمان تھیں اور وہ چاہنے کے باوجود ان کے سامنے کوئی رابطہ نہیں

کر سکی تھی، کچھ فطری شرم اور کچھ اس کی مصروفیت پہ غصہ آ رہا تھا اور اب جانے یہ رینگتا قافلہ کب منزل کو پہنچتا اور اس سے رابطہ کرنا ممکن ہوتا۔

فریال سے اس کی بے چینی چھپی نہیں رہ سکی۔ جوں جوں حویلی "کیوں پریشان ہو۔۔؟" قریب آ رہی تھی ان کی پریشانی بھی بڑھتی جا رہی تھی کہ جانے کب کیا ہو۔۔ عیشال کی فکر مندی بھی اسی سلسلے کی کڑی لگی تھی۔ تب ہی اس کا ہاتھ تھام کر اپنی گود میں رکھ گئیں۔ وہ پھیکے سے مسکرا دی۔ "کچھ نہیں چچی جان۔"

پریشان نہ ہو۔۔ بی جان اور اسفند مناسب وقت دیکھ کر سب سنبھال لیں گے۔۔ تب تک تم " فریال "اپنے کسی بھی انداز سے سچ کو آشکار نہ ہونے دینا۔۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات۔۔؟ اس سے کہیں زیادہ متفکر تھیں۔۔ اکلوتے بیٹے کی زندگی داؤ پہ لگی ہوئی تھی جانے کیا فیصلہ آتا تب تک ان کی ممتا کا امتحان مقصود تھا۔

جان گئی تھی اس کی جذباتی طبعیت "آپ پریشان نہ ہوں چچی جان، میں احتیاط کروں گی۔" کے پیشِ نظر فریال کو ڈر تھا کہ کہیں قبل از وقت وہ سب کچھ آشکار کر کے سب کو مشکل میں نہ ڈال دے۔ اسے تھوڑی سی شرمندگی بھی ہوئی تھی۔

"بہت شکریہ بیٹا۔۔ اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔۔ سدا سہاگن رہو۔"

آخری دعا پہ صدقِ دل سے نکلا تو فریال اسے ساتھ بھینچ گئیں۔ "! آمین"

☆☆☆

ایشان جاہ کمرے کا "ڈیڈ کا ایسا انداز پہلے کبھی نہیں دیکھا۔۔کیسے جانتے ہیں وہ منزہ آنٹی کو۔۔؟" ہو کر رہ گیا تھا۔یونی جا کر نہ کسی کا سامنا کرنے کو دل چاہ رہا تھا نہ کسی سے بات کرنے کو، تب ہی دو دن سے اس کا سیل فون بھی آف جا رہا تھا۔اپنی پریشانی بھول کر وہ اس اک بات کو لے کر کب سے سوچے جا رہا تھا۔۔

آج منزہ کا سوئم تھا لیکن وہ چاہنے کے باوجود نہیں جا سکا تھا۔جانے کی ہمت کر بھی لیتا تو ماورا دھکے دے کر نکال باہر کرتی۔اس بات کا قوی امکان تھا۔اور اب تو سب کو ہی پتا چل گیا ہوگا کہ منزہ کو اس کے دھوکا دینے سے دھچکا لگا تھا۔سب کس قدر مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے، جب ماورا بھڑاس نکال رہی تھی انوشا کو شاید کچھ پتا نہیں تھا تب ہی تو حیران ہوتی اسے اس وقت چلے جانے کا کہہ گئی تھی۔اب تک تو ماورا نے اسے بھی سب کچھ بتا دیا ہوگا۔۔اس کے رشتے کی بات کرنے پہ کس قدر معنی خیزی سے وہ ماورا کو دیکھ رہی تھی۔اور اب کیا سوچ رہی ہوگی کہ وہ اتنا بڑا گیمبلر نکلے گا۔۔۔جانے کیوں یہ سب سوچ سوچ کے اسے شرمندگی سی ہو رہی تھی۔

"اسے بولو یہاں سے چلا جائے۔۔اماں کے قاتل یہ اور اس کی ماں ہے، ہم نے تو ان سے کوئی رشتہ نہیں جوڑنا چاہا تھا پھر انہیں کیسا خوف تھا جو بار بار ہمیں دھمکانے آ جاتے ہیں یہ لوگ۔۔۔؟ نکلو تم!"

تو کیا مام اس کے گھر گئی تھیں۔۔اس کا جملہ یاد آیا تو اس کے ماتھے پہ لکیریں ابرنے لگیں۔۔

تو کیا مام گئی تھیں اس کے گھر۔۔؟ کیا کچھ نہیں کہا ہوگا انہیں۔۔ لیکن ان کے پاس ایڈریس " کہاں سے آیا۔۔؟ ڈیڈ نے دیا ہوگا۔۔۔ جب ڈیڈ کے پاس ایڈریس تھا تو انہیں کیوں نا پتا چل سکا کہ ماورز کی اماں منزہ ہیں۔۔؟؟

وہ سر کے بال پکڑ کے رہ گیا۔۔۔ جانے کیسا گورکھ دھندا تھا، وہ جتنا سوچ رہا تھا اتنا الجھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

حویلی میں ان کا پرتپاک استقبال ہوا تھا۔ استقبال کرنے والوں میں چوہدری حشمت بھی شامل تھے تب ہی سب گرمجوشی سے ہی مل رہے تھے لیکن ادب کو ملحوظ رکھ کر۔ لڑکیاں عیشال سے اپنی اپنی دعاوں کی تفتیش کر رہی تھیں اور اس کی نظریں حویلی کی در و دیواروں سے بھٹک کر گود میں رکھے سیل فون پہ جا کے رک جاتی تھیں تنہائی نہیں مل رہی تھی کہ وہ فون کو استعمال میں لاتی۔ پھر کھانے کا دور شروع ہو گیا تھا۔ دیا اور فائزہ نے ملازماوں کے سات مل کے خاصا دعوتی رنگ دیا ہوا تھا۔ زرش جو ساتھ لگ کے فریال کے بیٹھی رہی تو بیٹھی ہی رہی۔

آپ سب کی آمد کا سن کے رئیس میاں اور ان کی فیملی بھی مبارک باد دینے کے لیے آنا چاہ " رہی تھی لیکن ہمیں مناسب نہیں لگا کہ اک گھریلو دعوت میں انہیں بھی مدعو کیا جائے، اس اور عیشال کا دل جل کے خاک ہو گیا۔ چوہدری حشمت مزید " لیے انہیں پھر کبھی پہ ٹال دیا۔ کہہ رہے تھے۔

آنا تو جہانگیر بھی چاہ رہا تھا، وہ نکاح کی ڈیٹ کنفرم کرنا چاہ رہا تھا لیکن جانے اچانک کون سی " مصروفیت آپڑی کہ اس نے عین وقت پہ منع کر دیا۔ اگر وہ آجاتا تو ہمیں رئیس میاں کی فیملی کو " بھی انوائیٹ کرنا پڑتا اچھا ہوتا دونوں شادیوں کی باتیں اک ساتھ ہی طے پا جاتیں۔

آئے چند گھنٹے نہیں ہوئے تھے کہ وہی منحوس باتیں شروع ہو گئی تھیں۔ جن سے بچنے کو وہ اتنی دور گئی تھی اور اس رب نے نوازا بھی تھا لیکن آتے ہی اس قسم کی باتیں دل ہی جلا رہی تھیں۔ چوہدری اسفند۔ بی جان کے ساتھ فریال بھی اک لمحے کے لیے فریز ہو گئی تھیں۔۔ فریال نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا تھا اور نظروں ہی نظروں میں اسے نارمل رہنے کا اشارہ کرنے لگیں تو وہ سر نیچے کیے کھانا زہر مار کرنے لگی۔۔ کھانے کے بعد چائے کافی کا دور چلا تھا۔۔ شاہ زر شمعون مردوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ شنائیہ بھی کسی قدر جامہ میں تھی۔ دیا پاس ہی تھیں لیکن اب انہوں نے محسوس کیا تھا وہ ان سے بھی بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ کوئی ضروری بات ہوتی تو کر لیتی تھی، ورنہ نہیں۔ بلکہ ماہم نے تو بڑا اچھا جملہ پھینکا تھا۔ اپنوں نے جتنی بے گانگی جتائی تھی اس کے بعد "حویلی آکر تو آپ کا خون ہی سفید ہو گیا ہے۔ " اپنا پن بچا ہی کہاں تھا جو وہ کوئی بات بھی شیئر کرتی۔ چونکہ وہ حویلی کی بہو کا درجہ پا چکی تھی ،بڑی ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا تو دیا کی یہی کوشش تھی کہ وہ ہر معاملے میں بڑا پن دکھائے۔ تب ہی اسے بھی بول بول کے کام میں لگائے ہوئے تھیں۔ اور وہ بے دلی سے ہی لیکن کر رہی تھی۔

گاؤں کی عورتیں ملنے کے لیے آگئیں تو زمرد بیگم اٹھ کر ان کے پاس جا بیٹھیں۔ سب نے فریال کو بھی پکڑ کے ساتھ بٹھا لیا اور سب باری باری ہار پہنانے لگیں، مٹھائی کھلانے۔ عیشال کو ان

سب ہنگاموں اور بھانت بھانت کے لوگوں سے الجھن ہونے لگی تھی، تب ہی آرام کا بہانہ بنا کر اپنے کمرے کی بجائے دبے قدموں چھت کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔۔۔

چوہدری حشمت کی باتیں ذہن پراگندہ کر گئی تھیں یقیناً 'جو ہونا تھا، بہت جلد ہو جانا تھا۔ کم از کم آثار تو یہی بتا رہے تھے۔ دل اک دم سے بوجھل ہو گیا تھا۔ کچھ ہو جانے کا خوف دامن گیر ہو کر دل کو پریشان کرنے لگا تھا۔ جھولے پہ اپنی مخصوص جگہ پہ بیٹھتے وہ افسردہ تھی ۔۔۔۔اس کی صورت بھی نظر نہیں آئی تھی کہ اسے دیکھ کے، بات کر کے کوئی تشفی ملتی۔ تب ہی ہولے ہولے جھولا جھولتے لب نظم پڑھنے لگے تھے۔۔

اے من کے شاہ، سرتاج پیا"
تیرا مجھ پر دائم راج پیا
ہمیں دید کی راتیں بخشو ناں
ہمیں کروا دو معراج پیا
میرا تُو ہی مرض، طبیب میرا
میرا تُو ہی اک علاج پیا
مجھے تیرا ساتھ گلابوں سا
میرا تجھ بن تلخ مزاج پیا
میرا آنے والا وقت بھی تُو
"!! میرا تُو ہی کل اور آج پیا

اسے پتا ہے آچکی ہوں گی لیکن خود موجود نہیں۔۔لوٹ کر آنہیں سکتا تھا۔۔؟اب تو شام بھی "
"ڈھلنے لگی ہے۔۔۔پتا بھی ہے کیسا عقوبت خانہ ہے حویلی میرے لیے لیکن ذرا پروا نہیں۔۔۔
وہ کتنی ہی دیر جلتی کڑھتی رہی۔جب مزید برداشت نہ ہوا تو گود میں رکھے سیل فون کو اٹھا کر
پیغام لکھ کر کئی لمحے سوچتی رہی کہ سینڈ کرے یا نہ کرے۔۔یہاں آکر تو ہر چیز سوچنا پڑ رہی
تھی۔لیکن اس نے کر ہی دیا تھا۔میسج ڈلیور کی رپورٹ بھی آگئی تھی لیکن اس کا جواب
نہیں آیا تو وہ وہ اک بار پھر میسج کو نظروں کے سامنے لاکر چیک کرنے لگی کہ وہ سینڈ
بھی ہوا کہ نہیں۔۔اپنے لکھے لفظوں پہ نظر پڑی تو جھنجلا کے لب بے ساختہ دہرا گئے۔
"!فضول آدمی! تمہاری یاد آرہی ہے۔"
"!مجھے بھی"
میسج کی ٹون بجی تھی اس نے تیزی سے سیل فون آنکھوں کے سامنے کیا۔سمہان آفندی کا جواب
آیا تھا۔میسج کے الفاظ سماعت میں گونجے تو وہ بے ساختہ بائیں طرف گردن گھما گئی۔جھولے کی
زنجیر سے ٹیک لگائے سمہان آفندی روبرو تھا۔
"!تم"
اسے اچانک دیکھ کے عیشال جہانگیر کے چہرے پہ ہزاروں رنگ آگئے تھے۔
شوخی سے کہتے جھولے کے دوسرے سرے پہ براجمان ہو گیا تھا۔استحقاق "!جی آپ کا خادم "
حاصل ہوا تھا تو جسارت بھی بڑھ گئی تھی۔وہ مزید سمٹ کے بیٹھ گئی تھی۔

پلان تو یہی تھا، تم سے پہلے حویلی پہنچ جاوں لیکن لیٹ ہو گیا۔ سارا راستہ جل تُو جلال تُو کا ورد "
کرتا آیا کہ پہنچتے ہی بیگم سے اولے پڑینگے لیکن یہاں تو سر تاج کو بڑے اچھے لفظوں میں یاد کیا
جا رہا ہے۔۔

وہ سر دھن رہا تھا۔ اور عیشال جہانگیر جو شدت سے " ! میرا تجھ بن تلخ مزاج پیا ! ! واااہ ! واااہ
اس کی راہ تک رہی تھی۔ اس کے روبرو کی خواہش مند تھی، یہاں سے بھاگنے کے بارے میں
سوچنے لگی۔

وہ پزل ہونے لگی۔ "مذاق اڑا رہے ہو۔۔؟"

میری اتنی مجال کے، یہ گستاخی کر سکوں۔۔۔ ویسے بھی اپنے گھنے سلکی بال مجھے بے حد عزیز "
"ہیں۔

اس شخص کے لفظوں کے سحر میں تو تب بھی رہتی تھی جب محض جی کو جلانے کو جملے پھینک
کر گزر جاتا تھا لیکن اب تو عالم ہی اور تھا۔ حویلی میں سب سے برائے نام مل کر وہ دیدہ دلیری
سے اس کے پاس موجود اک ہی جھولے میں براجمان تھا۔

"آتے ہی داجان نے نکاح کی تاریخ کی بات سنا دی۔۔ وہ جلد ہی کوئی دن طے کر لیں گے۔ "
اس لمحے اس کی خوبصورتی سے زیادہ کچھ اور سوار تھا تب ہی اسے دیکھتے ہی پریشانی زبان پہ آ گئی
۔

وہ بھلے ہمارے الگ الگ نکاح کی تیاری کریں، اس سے پہلے ہی اللہ نے اپنے محبوب کے گھر "
"ہماری دھڑکنیں جوڑ دیں۔۔ کرنے دو، جسے جو کرنا ہے۔۔ تم ریلیکس رہو بس۔۔

وہ اتنا ہی نڈر نظر آ رہا تھا۔

تمہارے لیے شاید یہ سب کہنا آسان ہوگا سمہان۔۔ مجھے نہیں پتا، یہ رشتہ تمہارے لیے کتنا " معنی رکھتا ہے۔۔۔ میری ضد نے تمہیں اپنا فیصلہ سنانے پر مجبور کر دیا لیکن یاد رکھنا اگر تم کسی بھی لمحے کمزور پڑے تو وہ لمحہ میری موت کا لمحہ ہوگا۔ مجھے نہیں پتا کہ تمہارے اندر بھی وہ جذبات ہیں یا نہیں۔۔ تم میرے بناء شاید رہ سکو۔۔ پھر سے وفاداری کی چادر ڈال کر مجھے پرایا کرنے کے بارے میں سوچا بھی تو اپنی جان دے دوں گی، لیکن جیتے جی تمہارے نام سے "دستبردار کسی صورت نہیں ہوں گی۔۔۔

شاید وہ اندر سے بہت منتشر ہو گئی تھی۔ حویلی آتے ہی پھر سے خوفناک خیالات ڈسنے لگے تھے ۔الگ ہو جانے کا خوف اتنا حاوی تھا کہ گلوگیر لہجے میں کہہ کر وہ جانے لگی تھی لیکن سمہان آفندی نے ہاتھ تھام کر اٹھنے نہیں دیا تھا۔ نظریں بے ساختہ ملی تھیں۔

اگر میں یہ کہوں کہ تم بن نامکمل ہوں "

"تو کیا تکمیل ممکن ہے۔۔۔؟؟؟؟

حیران نم پلکوں والی نظر میں محبت سے سوال ہوا تھا۔ وہ بے ساختہ نم پلکیں جھکا گئی۔ وہ کئی لمحے اس کی اداسی، دلگرفتگی کو محسوس کرتا رہا۔ پھر ہتھیلی پہ خود بخود ہاتھ کا دباؤ بڑھ گیا۔

غیرت مند مرد اپنی عورت کو چھوڑنے سے پہلے مرنا پسند کرتا ہے۔ تمہاری تسلی کے لیے " میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔۔ سوائے اس کے کہ بھروسہ رکھو۔۔ جب کبھی مر جاؤں تب اتنی پریشان نظر آؤ تو اچھا بھی لگے گا۔ ابھی زندہ ہوں، تمہارے پاس ہوں۔۔ جیتے جی

بے شک وہ زبان کا پکا تھا۔ بن کہے یقین بھی تھا لیکن جب لفظ "تو کبھی نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔ نکلے تو یقین مزید بڑھ گیا۔ دل کو کچھ سکون ملا تو وہ تیکھی نظروں سے گھورنے لگی تھی اس کی گھوری سے پریشان ہوا۔ "اب کیا ہوا۔۔؟"

"جلدی مر کے حوروں کے چکروں میں ہو۔۔۔۔؟؟"

اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ "تمہارا کوئی حل نہیں۔ اب حوروں سے بھی جیلسی۔۔؟"

"پاگل آدمی! مرواوگے۔۔ کسی کو شک ہو گیا کہ ہم یہاں ہیں تو خیر نہیں ہو گی۔"

وہ بے ساختہ اس کے قہقہے کو روکنے کے لیے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ گئی تھی۔ اس بے اختیاری حرکت کا احساس اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں نے کروایا تو اک دم سے جھجک کے ہولے سے ہاتھ ہٹا کر ہتھیلی پہ انگلیاں مسلنے لگی۔

وہ شاید اسے اس جھجک سے نکالنا چاہ رہا "جیلس نا ہو۔ ان حوروں کی ملکہ بھی تم ہی ہو گی۔" تھا تب ہی بات بڑھا گیا۔ لیکن عیشال سے پھر بیٹھا نہیں گیا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر گئی تھی اور جھولے پہ براجمان سمہان آفندی کئی لمحے اسی راستے پہ نظریں جمائے بیٹھا رہا۔

کمال ہے پہلے تو ہمارا بچ نکلنا مشکل ہوتا تھا، ہر جگہ محترمہ کے ہاتھوں پکڑے جاتے تھے۔۔اور" لمبی سانس لیتے ارد گرد کا " اب ذرا سا کچھ ہوا نہیں کہ محترمہ کی دوڑیں لگ جاتی ہیں۔۔۔۔۔ جائزہ لیتا ہے۔

"چلیں جی ہم بھی یہاں سے کوچ کریں، جب محترمہ ہی نہیں ہیں تو یہاں بیٹھ کر کرنا کیا۔" بالوں میں انگلیاں پھیرتے وہ وہ نیچے جانے لگا تھا۔ چال میں سرشاری سی دوڑ رہی تھی۔

☆☆☆

موت کی آغوش میں جب تھک کے سو جاتی ہے ماں
تب کہیں جا کر سکوں تھوڑا پا جاتی ہے ماں

فکر میں بچوں کی کچھ اس طرح گھل جاتی ہے ماں
نوجواں ہوتے ہوئے بوڑھی نظر آتی ہے ماں

اُوڑھتی ہے خود تو غربتوں کا بوسیدہ کفن
چاہتوں کا پیرہن بچوں کو پہناتی ہے ماں

روح کے رشتوں کی گہرائیاں تو دیکھیے
چوٹ لگتی ہے ہمارے اور چلاتی ہے ماں

جانے کتنی برف سی راتوں میں ایسا بھی ہوا
بچہ تو چھاتی پہ ہے گیلے پہ سو جاتی ہے ماں

اپنے پہلو میں لٹا کر اور طوطے کی طرح

اللہ اللہ ہم کو رٹواتی ہے ماں

گھر سے جب بھی دور جاتا ہے کوئی نورِ نظر
ہاتھ میں قرآن لے کر در پہ آ جاتی ہے ماں

دے کے بچوں کو ضمانت میں رضائے پاک کی
پیچھے پیچھے سر جھکائے دور تک جاتی ہے ماں

کانپتی آواز سے کہتی ہے بیٹا الوداع
سامنا جب تک رہے ہاتھوں کو لہراتی ہے ماں

لوٹ کے جب بھی سفر سے گھر آتے ہیں ہم
ڈال کے بانہیں گلے میں سر کو سہلاتی ہے ماں

پیار کہتے ہیں کسے اور مامتا کیا چیز ہے
کوئی ان بچوں سے پوچھے جن کی مر جاتی ہے ماں

سال بھر میں یا کبھی ہفتے میں جمعرات کو

زندگی بھر کا صلہ اک فاتحہ پاتی ہے ماں

سوئم کے آثار باقی تھے۔ماحول میں اگر بتی اور لوبان کی خوشبو رچی بسی تھی۔قرآن شریف پڑھتے آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔لیکن منزہ اب بہت دور جا چکی تھیں۔۔وہ لاکھ روتیں، گڑگڑاتیں لیکن ان کی واپسی ناممکنات میں سے تھی۔۔۔سوئم کا انتظام یاسر نے کیا تھا۔لوگ پیٹ بھر کے جا چکے تھے۔۔صائمہ اور یاسر کافی دیر تک بیٹھے رہے تھے، پھر وہ چلے گئے تو یسریٰ بھی جانے کی تیاری کرنے لگیں۔۔ان کی بیٹی سکھر سے آرہی تھی۔گھر جا کے ابھی اس کے انتظامات بھی دیکھنے تھے۔۔

سب جا چکے تھے اب وہ تینوں ہی رہ گئے تھے۔یاسر انوشا کو کچھ کہنے کا اشارہ کر رہا تھا اور وہ سر ہلا کر ماورا کو دیکھنے لگی تھی۔

" ماورا! اماں تو اب جا چکی ہیں۔۔تم نے اپنے بارے میں کچھ سوچا ہے۔۔؟ اکیلی یہاں کیسے رہو گی۔؟؟ انوشا کا دل یہ سوال کرتے بھر آیا تھا۔۔اس کی تنہائی کا احساس کرتے منزہ کی یہی دلی خواہش تھی کہ اسے بھی جلد سے جلد اپنے گھر کا کر دیں لیکن شاید ان کی قسمت میں نہیں لکھا تھا کہ وہ ماورا کو بھی اپنے گھر کا دیکھتیں۔

" سوچنا کیا ہے۔۔؟ ہمارا اک دن اماں کے بناء نہیں گزرا کبھی۔۔اور دیکھ لو آج سوئم کا دن بھی وہ بہت درد سے کہہ رہی تھی۔۔سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا " آگیا۔۔رہ لیے ناہم۔۔ چہرہ بے حد اداس اور مضمحل تھا۔

بے شک صبر دینے والی ذات اللہ کی ہے۔ لیکن تمہارا یہاں اکیلے رہنا کسی طور مناسب نہیں "
ہے۔۔ نا تم اس گھر کا کرایہ اور دیگر اخراجات اٹھا سکو گی۔ اس لیے یاسر اور میری خواہش ہے کہ
"تم ہمارے ساتھ، ہمارے گھر چلو۔
اس نے چھوٹتے ہی انکار کر دیا تھا۔ "نہیں انوشا! یہ کسی صورت ممکن نہیں ہے۔ "
تم میرے لیے چھوٹی بہن کی طرح ہو ماورا، اماں جلدی نا چلی جاتیں تو بڑی ہونے کے "
ناتے وہ یہ بات خود تم سے کرتیں۔۔ چلی چلو ہمارے ساتھ تاکہ انوشا بھی تمہاری طرف سے
بے فکر رہے۔ دنیا بہت بری ہے۔ تم دروازے پہ پڑنے والی ہر اچھی، بری دستک کو روک
یاسر کا انداز ناصحانہ تھا۔ "نہیں سکتیں۔
مجھے آپ یا آپ کی فیملی کے خلوص پر کوئی شک نہیں ہے یاسر بھائی۔۔ لیکن اماں نے ہمیں "
خودداری کا جو سبق پڑھایا ہے اسے بھولنا مشکل ہے، یہ بات انوشا بھی بہت اچھی طرح جانتی
ہے۔۔۔ رہی دنیا کی بات تو دنیا تو اس وقت بھی بری تھی، جب اماں نے تن تنہا ہم دونوں کی
پرورش کی۔۔۔ بحیثیت انسان، میری ماں میں شاید ہزاروں برائیاں ہوں لیکن اک بات تو
ماں کا تصور کرتے اس کے چہرے پہ فخریہ مسکراہٹ پھیل " طے ہے ماں وہ کمال کی تھیں۔۔۔
گئی تھی۔
اور تم میری فکر میں ہلکان نہ ہو، بلکہ سسرال میں قدم جمانے کی سوچو۔۔ ابھی شادی کو دن "
رُخ انوشا کی طرف کرکے اسے سرزنش "ہی کتنے ہوئے ہیں۔۔ پہلے خود تو سیٹ ہو جاو وہاں۔
کرنے لگی۔ انوشا اکیلے میں بات کرنے کے ارادے سے چپ سی ہو گئی تھی۔ ماورا کا اکیلا پن
اسے پریشان کر رہا تھا۔ اور وہ اس بات کو اہمیت دینے کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔

☆☆☆

"ارے یہ اتنا سارا کیا اٹھالائیں۔۔"

پرس جھلاتی نرمین اور اس کے پیچھے دو ملازم ڈھیروں شاپنگ بیگز اٹھائے چلے آرہے تھے۔

نکاح کی شاپنگ کرنے گئی ہوئی تھی مام۔۔ بس یہ کچھ چیزیں پسند آگئیں تو لے لی۔۔ بیوٹیشن سے بھی بات ہو چکی ہے۔۔ نکاح کراچی میں ہو یا گاؤں میں۔۔ اسے ہیوی اماونٹ آفر کر کے چلنے کے لیے بک کر لیا ہے۔ ڈیزائنر کے پاس سے بھی ہوتی آئی ہوں۔۔ اک دو دن میں نکاح کا ڈریس بھی آجائے گا۔ یہ تو بس کچھ میچنگ جیولری جوتے، پرس اور دیگر ایکسیسریز ہیں۔۔۔

"نکاح میں مجھے سب سے حسین جو لگنا ہے۔۔۔ آخر کسی کو جلا کر خاک جو کرنا ہے۔

تصور میں عیشال جہانگیر آگئی تھی۔ جسے جلتے بھنتے دیکھنے کی چاہ میں وہ یہ سب کر رہی تھی۔

تمہارا نصیب دیکھ کر سب ایسے ہی جل بھن جاتے ہیں، تمہیں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت "نہیں ہے۔

کیسے پریشان نہ ہوں مام۔۔؟ اچھا بھلا سب کے لوٹنے پر ڈیڈ نکاح کی ڈیٹ فائنل کرنے "وہ ٹھنک کے صہبا سے شکایت کرنے "جا رہے تھے لیکن جانے کیوں پروگرام کینسل کر گئے۔ لگی۔

ان دِنوں جہانگیر کا رویہ بالکل سمجھ سے باہر ہے۔ پہلے تو جہانگیر ہی اسٹڈی کے ہو کے رہ جاتے "تھے اب تو ایشان کے بھی یہی رنگ روپ ہیں۔۔ گئی تھی اس لڑکی کے گھر، اس کی ماں اور

اسے سنا کر آئی ہوں۔ جانے کون ہے، کہاں سے آئی ہے۔۔اس کے آتے ہی ایشان کے رنگ ڈھنگ بدل گئے ہیں۔ سوشل ایکٹی ویٹی بالکل ختم کر دی ہے۔۔انشراح نے بھی بالکل آنا صہبا "چھوڑ دیا ہے۔۔ جانے ان باپ بیٹوں کو کیا مسئلہ ہے۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ پریشانی کا اظہار کر گئی تھیں۔

ڈیڈ کی تو برسوں پرانی عادت ہے اسٹڈی میں بند ہونے کی لیکن یہ ایشان کا کیا معاملہ ہے " نرمین کو بھی تشویش ہوئی۔ "۔۔آپ پتا تو کریں۔۔

خاک پتا کروں۔۔وہ اپنے معاملات میں انٹرفیئر کرنے ہی کب دیتا ہے۔۔۔لاسٹ ٹائم " شدید غصے میں تھا، وجہ پوچھی تو غصے سے باہر نکل گیا تھا۔۔۔وہ تو جہانگیر کو کال کی تو انہوں نے سنبھالا۔۔غصے میں نکل کے کچھ اُلٹا سیدھا کر لیا تو کیا کروں گی۔ بھلے کمرا نشین ہے لیکن گھر میں "تو ہے۔۔یہی سکون بہت ہے۔۔ موڈ ٹھیک ہوا تو وجہ بھی پوچھ لوں گی۔

صہبا اور ان جیسے لوگوں کی کلاس کا یہی دکھ تھا کہ وہ بچوں کے موڈ کے غلام تھے۔

"کہیں ایشان کو محبت ٹائپ کوئی چیز تو نہیں ہو گئی اس لڑکی سے۔۔؟ "

نرمین کے خیال ظاہر کرنے پہ صہبا "اللہ نا کرے۔۔ کیسی دل دہلانے والی باتیں کر رہی ہو۔ " اچھل گئی تھیں۔

ایشان کے انداز دیکھ کر نرمین کو جاننے کا اشتیاق ہوا۔"اچھا دیکھنے میں کیسی ہے۔۔؟ "

ہے تو بہت پیاری لیکن مخمل میں بھی کبھی ٹاٹ کا پیوند لگا ہے۔۔دفع کرو ان باتوں کو تم " "شاپنگ دکھاؤ۔

صہبا سر جھٹک کے شاپنگ بیگز کی طرف متوجہ ہوئیں جو ملازم رکھ کے جا چکے تھے۔ نرمین دلجمعی سے انہیں چیزیں دکھانے لگی۔

☆☆☆

شنائیہ جلے پیر کی بلی بنی ادھر سے ادھر چکر لگا رہی تھی "آج تو میری موت یقینی ہے۔ "
۔ملازم ڈرائیور کی کھوج میں تھے۔ چوہدری حشمت کہیں جانے کو تیار بیٹھے تھے اور ڈرائیور لاپتا تھا۔
چوہدری حشمت پورچ میں ٹہل رہے تھے۔ "! یہ ڈرائیور ہے کہاں۔۔؟ دیر ہو رہی ہے۔۔ "
چوکیدار جواب دہ تھا۔ "! بتا کے نہیں گیا صاحب"
ہمیں دیر ہو رہی ہے ایسا کرو، شاہ کو اٹھا کر ہمارا پیغام دو کہ ہمیں کہیں جانا ہے، جلدی سے "
"آئے۔ ڈرائیور کو ہم بعد میں دیکھ لیں گے، ابھی تو اس کا نمبر بھی بند جا رہا ہے۔
چوہدری حشمت نے قریب سے گزرتے ملازم کے ہاتھ پیغام بھجوایا تو پیڑوں کی باونڈری کی اوٹ میں ہو کے شنائیہ چوہدری سر پکڑ گئی۔
اف! اس ہٹلر کو پتا لگا تو جان لے لے گا، ویسے ہی طبعیت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔۔۔ کیا "
وہ چکرائی پھر رہی تھی۔ " کروں۔۔۔؟؟
اس کا خیال آتے ہی وہ اسے کال ملا گئی " سمہان۔۔ ہاں وہ بھی تو دا جان کو لے جا سکتا ہے۔۔ "
تھی۔

جلد ہی چہکتی ہوئی آواز آئی تھی۔اپنی پریشانی میں وہ اس کی آواز پہ زیادہ "!جی بھابی بیگم حکم" دھیان نا دے سکی۔

سمہان پلیز ہیلپ می ! داجان کو ارجنٹ کہیں جانا ہے اور وہ شاہ کو اٹھانے کا کہہ چکے ہیں۔۔"

"ان کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے، سر میں درد کے ساتھ فلو بھی تھا۔دوا لے کے سوئے تھے۔۔

سمہان آنکھیں پھاڑے اسکرین کو دیکھنے لگا تھا کہ آیا شنائیہ کے نمبر سے ہی کال آئی ہے اور وہی بول رہی ہے۔۔شاہ زر شمعون کے لیے اتنی فکر مندی دیکھ کر اس کی زبان جملہ داغنے کو مچل رہی تھی لیکن پہلے مسئلہ تو پتا چلتا۔

اسے کال "بروکی طبعیت کا پتا ہے بھابی بیگم، تب ہی اسے آرام کا کہہ کر میں نکل آیا تھا۔۔۔" کرنے کی وجہ سمجھ نہیں آئی۔

"جانتی ہوں، اسی لیے چاہ رہی ہوں کہ داجان کو تم لے جاو۔شاہ کو تکلیف نا ہو۔"

اوہ! میاں جی کی طبعیت کی اتنی پرواکہ دیور کو دوڑیں لگوا رہی ہیں۔لیکن مجبوری یہ ہے بھابی" "بیگم میں اس وقت گاوں میں نہیں ہوں۔بیج کی خریداری کے لیے شہر آیا ہوں۔۔

سمہان جو سمجھ رہا تھا اسے جان کے وہ بھی اک پل کو سن ہو گئی کہ وہ کیا سمجھ رہا ہوگا، وہ اس کی فکر میں کب مری جا رہی تھی اسے تو اپنی جان کی امان مقصود تھی۔

اس کی مصروفیت جان کے وہ افسوس ہی کر کے رہ گئی۔ "!اوہ"

ڈرائیور ہیں نا۔۔اسے کہہ دیجیے۔۔گل چھٹی پہ ہے لیکن خان تو ہے۔۔اسے کہہ دینا تھا، " بلکہ آپ چھوڑیں میں کال کر دیتا ہوں۔۔

وہ جھلائی۔ "ڈرائیور حویلی میں ہوتا تو بات ہی کیا تھی۔۔ تمہیں کیوں تنگ کرتی۔"

"کہاں گیا۔۔؟"

اسے شہر پزا لینے بھیجا ہے۔۔ پہلے آن لائن آرڈر کیا تو جواب ملا، گاوں میں ان کی ہوم " ڈلیوری نہیں ہے۔ ڈرائیور اب تک لوٹا نہیں، اور اچانک داجان کا ارجنٹ دورہ آگیا۔۔ وہ ہٹلر آرام کر رہا ہے، ابھی اسے اٹھا کر داجان ساتھ لے گئے تو واپسی میں سب سے پہلے وہ ڈرائیور کی وہ منہ بسور کے بول رہی تھی اور سمہان کا جی چاہ رہا تھا " خاطر کرے گا، بعد میں میری۔۔۔ زور زور سے قہقہہ لگائے۔

آپ جان کی امان چاہ رہی ہیں اور ادھر میں خوش فہمی میں پڑ گیا کہ بروکی فکر کرنے والی " وہ یقیناً چڑا رہا تھا۔ "بھابی بیگم موجود ہیں۔

وہ جھلا کے فون بند کر گئی شاہ زر شمعون اسی سمت آتا نظر آرہا "جلے پہ نمک مت چھڑکو۔" تھا۔

بار بار ناک پہ جاتا رومال، فلو اور کچی نیند سے بے دار آنکھوں کی سرخی، وہ دور "! الی خیر" سے بھی بھانپ سکتی تھی۔ وہ اچھی طرح موٹے سے پیڑ کے پیچھے چھپ سی گئی تھی اس جگہ کا انتخاب اس نے جان بوجھ کے کیا تھا کیونکہ یہاں تک آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

تمہاری طبعیت ٹھیک نہیں ہے لیکن تمہیں زحمت دینا پڑی۔۔ سمہان شہر گیا ہوا ہے بچوں کی " شاہ زر شمعون "خریداری کے لیے اور ڈرائیور جانے کہاں غائب ہے۔ نمبر بھی بند ہے اس کا۔ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر چوہدری حشمت کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔ ساتھ ہی ڈرائیور کے لیے غصہ بھی تھا۔

کوئی بات نہیں داجان میں چلتا ہوں، لیکن گل نے چھٹی کی ہے تو خان کو ایسی لاپروائی نہیں "
"کرنی چاہیے تھی۔۔ خیر آئے تو پوچھتا ہوں اس سے۔
بلیک شلوار سوٹ میں سرخی لیے چہرہ اس کی نگاہ میں "!! بے چارا غریب تو گیا۔۔۔ "
تھا۔گھمبیر آواز فلو اور سر درد کا شکار ہو کر مزید گھمبیر ہو گئی تھی۔
ڈرائیور کو پکا کرنا پڑے گا کہ کچھ بھی ہو جائے داجان اور اس ہٹلر کے سامنے میرا نام مرکے "
وہ آگے کی پلاننگ کر رہی تھی کہ کیسے ڈرائیور کے آنے کے بعد اس سے حلف "بھی نہ لے۔۔
لینا ہے لیکن اس کی ہر اونگی بونگی دعا قبول ہونے لگتی تو کیا ہی بات تھی۔اسی وقت ہارن بجا تھا
اور چوکیدار کے کنفرم کرنے کے بعد دروازہ کھلا تو ڈرائیور ازن سے گاڑی اندر لے آیا۔۔۔
وہ پیڑ پکڑ کے لہرا گئی۔ "! اب تو سولڈ مر گئی "
شاہ زر شمعون اور چوہدری حشمت جو شاہ کی گاڑی میں بیٹھنے لگے تھے ڈرائیور کو آتے دیکھ کر اپنی
جگہوں پہ کھڑے رہ گئے۔ڈرائیور ہاتھ میں بڑے بڑے شاپر اٹھائے ان کے پاس ہی آ رہا تھا۔
کہاں سے تشریف آوری ہو رہی ہے، اور یہ تمہارا نمبر کیوں بند ہے۔۔؟ایسی غیر ذمہ داری "
شاہ زر شمعون خشک لہجے میں تفتیش کا آغاز کر چکا تھا اور شنائیہ چوہدری پیڑ میں سما جانے "۔۔؟
کی کوشش کر رہی تھی۔
کمبخت بزا کے ڈبے تو چھپا لیتا۔ہائے اللہ اب کیا کروں۔۔؟کیسے مکر جاوں کہ یہ میرے بزا "
وہ ہاتھ ملنے لگی۔ "نہیں۔۔؟

شاہ جی! میں تو شہر کی طرف گیا تھا یہ پزا لینے۔۔ پہلے پزا ہٹ میں دیری ہوئی۔۔ راستے میں " گاڑی کا ٹائر پھٹ گیا۔ ان سب میں دیر ہو گئی پھر فون کی بیٹری بھی ختم تھی، رات بھر بیٹی گیم "کھیلتی رہی تو میں ایسے ہی فون اٹھا کے لے آیا۔

ڈرائیور صفائی دے رہا تھا۔

چوہدری حشمت بھی قریب "تم شہر گئے تھے۔۔؟ پزا لینے۔۔؟ لیکن کس کے کہنے پہ۔۔؟ " آ گئے تھے۔ شنائیہ چوہدری کو چکر آنے لگے۔

شنائیہ بی بی کے کہنے پہ۔۔ انہوں نے کہا تھا اس پزا ہٹ کی ساری ورائٹی لاوں۔۔ بس اسی کی " تیاری میں وقت لگ گیا ورنہ میری ڈرائیونگ کا تو پتا ہے آپ لوگوں کو۔ منٹوں میں راستہ طے ڈرائیور اپنی صفائی دے رہا تھا۔ شاہ زر شمعون بھی نام جاننا چاہ رہا تھا اور جب اس "کرتا ہوں۔ کا نام آیا تو اسے کوئی خاص حیرت نہیں ہوئی۔ ذہن لگاتا تو خود ہی یہ نام سامنے آ جاتا۔ کیونکہ ایسے شوق حویلی میں کسی کے نہیں تھے کہ بالخصوص کسی کو بھیج کر کچھ منگوایا جائے۔ حویلی کے مرد و عورت اسی وقت فرمائشی چیز منگواتے تھے جب کوئی کسی کام سے اس طرف نکل رہا ہو لیکن وہ تو شاہ زادی وقت تھی، جو پزا کا موڈ ہونے پہ ڈرائیور کی دوڑ لگوا چکی تھی۔

چوہدری حشمت کا طنز میں ڈوبا لہجہ "ماشاء اللہ! حویلی کی نئی نسل نے بہت ترقی کر لی ہے۔ " اور اک نظر شاہ کو بہت کچھ باور کروانے کے لیے کافی تھا کہ اس کے کمرے میں رہنے والی، اپنی بیوی کی حرکت سے وہ لاعلم تھا۔

تمہاری طبعیت ٹھیک نہیں ہے، ڈرائیور بھی آ چکا ہے۔ ہم اسی کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔ تم " اسے جانے سے منع کر کے چوہدری حشمت ڈرائیور "آرام کرو۔ یہ شاہ کو پکڑاو اور گاڑی نکالو۔

کو ہدایت کرکے شاپر اسے تھمانے کا اشارہ کرکے گاڑی کی طرف بڑھ گئے تھے۔ ڈرائیور نے حکم کی تعمیل کی تھی۔ شاہ زر شمعون سرد تاثرات لیے شاپر پکڑے اس وقت تک کھڑا رہا، تاوقتیکہ چوہدری حشمت ڈرائیور کے ساتھ نکل نہیں گئے۔ شاہ زر شمعون کے قدم اندر کی جانب اٹھنے لگے تھے۔ پیڑ سے کمر ٹکا کے شنائیہ چوہدری نے آنکھیں میچ لی تھیں۔

اک بڑا کا سوال تھا اللہ۔ کیا ضروری ہے کہ ہر بار اس کے ہاتھوں بے عزتی ہو۔۔ کب تک " وہ بلبلا کے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھائے ناک اور منہ پہ ہاتھ رکھ کر "سیلف ڈیفنس کروں۔ آنکھیں میچے دہائی دے رہی تھی۔

آنکھ کھولتے ہی پہلی نگاہ اس کے چہرے پہ پڑی تو اک دم سے ڈر کے دل پہ ہاتھ رکھ کر "اما " ماں کو یاد کر بیٹھی۔ وہ خشمگیں نظروں سے گھور رہا تھا۔

پیڑ کی لمبائی چوڑائی اور پتوں کی باونڈری وال سے لگ کے یہیں پڑا نوش فرمانا پسند کریں گی یا" میری عزت کا جنازہ نکالنے کا جشن منانے کے لیے منگوائے گئے پڑا اندر اے سی میں بیٹھ کر سرد و سپاٹ لہجہ سماعت میں انڈیلا جا چکا تھا۔ "ہضم کریں گی۔

اک تو یہاں ہر بات پہ عزت کے جنازے نکل جاتے ہیں۔۔ پڑا ہی منگوائے ہیں کوئی بم " کارتوس تو نہیں جو یوں چراغ پا ہو رہے ہیں۔۔۔۔ لوگ بیویوں کے عیبوں پہ پردہ ڈالتے ہیں اور یہاں تو بس ہر گھڑی کھوج میں لگے رہتے ہیں کہ کیسے کوئی پہلو ملے اور کڑوی زبان کو استعمال میں لایا جائے۔ اور آئندہ سے میں کہیں بھی چھپی بیٹھی رہوں۔۔ خبردار جو اپنی عقاب جیسی نگاہوں کو کام میں لائے۔۔ بیماری میں حسیں اتنی تیز ہیں، جب فٹ ہوتے ہوں گے تب "جانے کیا عالم ہوتا ہوگا۔۔ ہونہہ۔۔ تھینک یو اینڈ سی یو۔

جب تک اسے کسی بات کا پتا نہیں لگتا تھا، وہ ڈرتی رہتی تھی لیکن جیسے ہی وہ طنز کے تیر برسانے لگتا تو اس کی زبان بھی دودھاری تلوار بن جاتی تھی۔ سارا ڈر خوف کہیں دم دبا کے بھاگ جاتا تھا۔ اب بھی اس نے لفظوں کے جوہر دکھانا شروع کیے تو وہ لفظوں کو تیز کر کے اپنی سنا کر اس کے ہاتھ سے جھپٹنے کے انداز سے شاپر لے کر سر پہ پیر رکھ کے بھاگ گئی تھی۔ اور وہ اس کی زبان درازی اور تیزی دیکھتا رہ گیا تھا۔ پسلی بندی تھی، جو اس کے رُعب کو کسی خاطر میں لانے کو تیار نہیں تھی۔

اس کا جملہ گونجا تھا۔ "لوگ بیویوں کے عیبوں پہ پردہ ڈالتے ہیں۔"

وہ سنجیدگی " چلیں محترمہ کو بیوی ہونے کا احساس تو ہوا۔ باقی احساس بھی جلد کروادیں گے۔"

سے کچھ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

انوشا اسے سمجھانے کی ہر ممکنہ کوشش کر چکی تھی۔ لیکن اس کی ضد قائم تھی۔ دکھ ابھی نیا تھا اس لیے انوشا نے بعد میں سمجھانے کا ارادہ کر کے اسے اس کے حال پہ چھوڑ کر یاسر سے مزید دن اور رکنے کی اجازت لے لی۔ وہ ماورا کو ایسے اکیلے چھوڑ کے نہیں جا سکتی تھی۔ یاسر نے بھی صورتِ حال کو سمجھتے دسویں تک کی اجازت دے دی تھی کہ ابھی شادی کو زیادہ دن نہیں ہوئے تھے، وہ یہاں پڑی رہتی تو اپنی گرہستی کب شروع کرتی۔ ماورا نے سمجھایا بھی تھا کہ وہ

اس کی فکر نا کرے اور چلی جائے لیکن انوشا کو اس کی ماننے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔اسے تنہا چھوڑ کر وہ سسرال میں پر سکون کیسے رہ سکتی تھی۔

منزہ کی سلائی۔اس کی اسکول کی تنخواہ اور ماورا کے کوچنگ کلاسز کے پیسوں سے جیسے تیسے یہ گھر چل رہا تھا۔اب نا منزہ رہی تھیں، نا اسکول کی تنخواہ کی آس۔۔اکیلی ماورا قلیل پیسوں سے کیسے گھر کا کرایہ اور گیس، بجلی کے بل بھر سکتی تھی۔۔؟انوشا کو یہی فکریں کھا رہی تھیں۔

" تم سے تو میں اس حوالے سے بعد میں بات کروں گی۔ابھی سسرال جا رہی ہوں یاسر کے ساتھ۔اپنی کچھ ضرورت کی چیزیں لے آوں اور باجی سکھر سے آئی ہیں ان سے بھی مل آوں ۔۔وہ ہماری شادی میں نہیں آسکی تھیں۔ان کے بچوں کے پیپرز ہو رہے تھے۔ملنے نہیں گئی تو برا مانیں گی۔ابھی نیا سسرال ہے سب کے مزاج کو سمجھنے میں وقت لگے گا۔اپنی ذات پہ کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہیں دینا چاہتی۔کل کو سب یہی کہیں گے ماں نے تربیت نہیں کی۔میں بس اک گھنٹے میں آجاوں گی۔۔تم اچھی طرح دروازہ بند کر لینا۔"

انوشا سمجھدار تو پہلے ہی تھی، شادی کے بعد مزید بردبار ہو گئی تھی۔چادر اوڑھتی اسے ہدایت دینے لگی تو وہ سر ہلا گئی۔

"ایسا کرتی ہوں آنٹی صائمہ کو بلا لاتی ہوں، میرے آنے تک تمہارے پاس بیٹھی رہیں گی۔"

" پاگل ہو گئی ہو جو اک گھنٹے کے لیے میں اکیلی نہیں رہ سکتی۔۔اس سے پہلے بھی تو رہی ہوں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کو زحمت دینے کی۔۔لوگوں کے اپنے بھی سو بکھیڑے ہوتے ہیں اسے ذرا پسند نہ آیا۔"۔بلاوجہ تنگ کرنے والی بات ہو گی۔

اچھا بابا نہیں بلاتی۔ ناراض کیوں ہوتی ہو۔ کھانا تیار ہے۔ کھالینا۔ میرے انتظار میں بھوکی "
"مت بیٹھی رہنا۔۔۔ چلتی ہوں۔ دروازہ اچھی طرح بند کرو۔

باہر سے یاسر بائیک کا ہارن دینے لگا تو انوشا تیزی سے ہدایت دیتے دروازے کی اُور لپکی۔ انہیں الوداع کہہ کر دروازہ بند کرکے ابھی وہ منزہ کے کمرے کو سیٹ کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ دروازے پہ دستک ہوئی۔

وہ الٹے قدموں پلٹی تھی۔ اور اک دم سے دروازہ کھولنے پہ اس کی "لگتا ہے کچھ بھول گئی۔ "
آنکھیں جس طرح حیرت سے کشادہ ہوئیں، جان گئی تھی کہ وہ اک بار پھر بے وقوفی کر گئی ہے لیکن دستک پہ دروازہ کھول کر دیکھنا بھی تو تھا بند دروازے کے پیچھے سے دستک دینے والے ہاتھ کیسے پہچانتی۔

وہائٹ دوپٹے کے ہالے میں وہی آنکھیں، وہی ناک۔۔۔ وہی چہرے کی بناوٹ۔ پہلے یہ چہرہ دیکھ لیتے تو شاید شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اس کی آنکھوں کا بدلتا رنگ اور چہرے کے نقوش گواہ تھے کہ وہ بھی انہیں پہچان گئی تھی۔

لب ولہجہ آگ اگل رہا تھا۔ چوہدری جہانگیر اس کے روبرو تھے۔ " !فرمائیں"

☆☆☆

میز پہ تمام ممبران موجود تھے۔ چھری، کانٹوں کی آوازوں کے ساتھ اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔۔

جہانگیر نے تو فی الحال حویلی آنے سے معذرت کر لی ہے۔ ہم سوچ رہے تھے رئیس میاں کی "
فیملی کو مدعو کر لیتے ہیں تاکہ جو تاریخ طے ہو بعد میں اس سے جہانگیر کو بھی آگاہ کر دیں گے
"۔۔

عیشال کا منہ بری طرح بگڑا تھا، نظریں بے ساختہ سمہان آفندی پہ اُٹھ گئی تھیں۔
بظاہر کھانے "کچھ بھی ری ایکٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بس چپ کر کے سنتی رہو۔ "
سے انصاف کرتے ٹانگوں پہ رکھے سیل فون پہ غیر محسوس طریقے سے ٹائپ کر کے میسج اسے
سینڈ کر چکا تھا۔ دوپٹے سے چھپے فون کی اسکرین خاموشی سے روشن ہوئی تو لفظوں پہ نظر ڈالتے
اس کے اعصاب کسی قدر پر سکون ہوئے۔
ہم نے رئیس میاں سے رابطہ کیا تو خبر ہوئی ان کی خالہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ یعنی اس مسئلے پر "
اور اس نے پر سکون ہو کر فرحت بھری سانس لی تھی۔ "ابھی بات نہیں ہو سکتی۔
شاہ کچھ دنوں کے لیے شمالی علاقہ جات کی سیر کے لیے جانا چاہ رہا تھا۔ اور اس کی خواہش تھی "
کہ ہم شنائیہ کو بھی اس کے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں۔۔ رخصتی تو ہو ہی گئی ہے،
ہمارے پاس روکنے کا جواز ہی کہاں بچتا ہے، اس لیے ہم نے اجازت دے دی اب شاہ جب
"چاہے جا سکتا ہے۔
سمہان آفندی کی شوخ نظریں شاہ پہ اٹھی تھیں جو سامنے ہی "! اور یعنی ہنی مون ٹرپ "
براجمان تھا۔ سب کے سامنے وہ کچھ جھینپ سا گیا تھا۔
اس کے انداز پہ سب کے لبوں پہ شریر سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ لڑکیاں نظریں جھکائے اک
دوسرے کو اشارہ کرنے لگی تھیں۔۔

عیشال جہانگیر کی نظریں شاہ اور شنائیہ سے ہو کر سمہان آفندی پہ رک گئی تھیں۔ وہ اک دم سے اداس ہو گئی تھی، جانے خوشی کے اس جیسے پل اس کی زندگی میں آنے بھی تھے یا نہیں۔۔ وہ شاید اس کے تاثرات سے دلی جذبات بھانپ گیا تھا، "میری پگلی! اپنا زمانہ بھی آئے گا۔" تب ہی اسکرین اک بار پھر جل کے بجھ گئی تھی۔ وہ پھیکے سے مسکرا کر اسے دیکھنے لگی تھی جس کے چہرے پہ یقین کے سوا کچھ نہ تھا۔

" شمالی علاقہ جات۔۔! شاہ موڈ ہے تو یورپ کا پلان بنالو۔۔ یہ ٹرپ میری طرف سے گفٹ چوہدری اسفند نے گفتگو میں حصہ لیا تھا۔ "ہوگا۔

" وہ سہولت سے معذرت "شکریہ چچا جان۔ دیسی ہوں، بدیسی آب و ہوا ہضم نہیں ہوتی۔ کر گیا تھا۔

" ویرے اور ہنی مون ٹرپ۔۔ کانٹ بلیو دِس۔۔ داجان مان بھی گئے۔۔ یہ اس حویلی میں لڑکیاں دیر تک اس موضوع کو ڈسکس کر کے حیرت کا اظہار کرتی رہی "ہو کیا رہا ہے۔؟ تھیں۔

" اچھا ہے، دونوں کو کچھ وقت ساتھ گزارنے کو ملے گا۔ نار خصتی باقاعدہ ہوئی، ناولیمہ کا دن "طے ہو پا رہا ہے۔

حویلی سے دور اس ہٹلر کے ساتھ اکیلے وقت گزارنا۔۔ یہ خیال ہی سوہانِ روح تھا۔" سب ہی کچھ نا کچھ بول رہے تھے۔ اور شنائیہ چوہدری کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط#23

چوہدری جہانگیر کو دیکھ کر اسے کوئی خاص حیرت نہیں ہوئی تھی، ان سب کی طرف سے اس نے اب حیران ہونا چھوڑ دیا تھا۔ان لوگوں سے ہر بات کی توقع کی جا سکتی تھی۔

" کہیے، کس سلسلے میں آنا ہوا۔۔؟" لب ولہجہ خشک تھا۔چوہدری جہانگیر کو روبرو دیکھ کر وہ عجیب سے احساسات میں گھر گئی تھی۔ہُو بہو باپ کی شکل کو دشمن کے روپ میں دیکھنا امتحان سے کم ہر گز نہیں تھا۔

جواب دیے بناء وہ اندر داخل ہونے لگے تھے۔

" کس حیثیت سے اندر داخل ہو رہے ہیں آپ۔۔ نکلیں ہمارے گھر سے۔۔!"

ان کی جرات پر وہ بے ساختہ پیچھے ہٹی تھی جس سے وہ باآسانی داخل ہو گئے تھے۔

"کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے۔۔۔ دروازے پہ نہیں ہو سکتی وہ باتیں۔" اپنے پیچھے دروازہ بھیڑتے وہ اپنے مخصوص انداز میں گویا تھے۔

"منزہ کی بیٹی ہو۔۔؟" وہ جو کسی اور بات کی منتظر تھی، غیر متوقع سوال پر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

"جی، لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔؟" ناگواری سی ناگواری تھی۔

"کیسے مری وہ۔۔؟" پھر سوال ہوا تھا۔

"میری ماں کے متعلق کوئی بھی سوال کرنے کا آپ کوئی استحقاق نہیں رکھتے۔۔۔ اور اس وقت جب آپ کے گھر کا اک اک فرد آ کر ہماری غربت کا مذاق اڑاتے، میری ماں کی تربیت اور میرے کردار پہ انگلی اٹھانے پہ مامور ہو۔۔"

سوال کھلا تھا۔ حیرت سے آنکھیں بھی کشادہ ہوئی تھیں۔ لیکن جواب اتنا ہی کڑوا کسیلا نکلا تھا۔

"آپ کے بیٹے نے، میری ماں کے سامنے اپنائیت و محبت کا جو ڈھونگ رچایا تھا۔۔ اس پر آپ کی بیوی نے آ کر جلتی پہ وہ تیل ڈالا کہ یہ صدمہ ان کی جان لے کر ہی ٹلا۔

"صبا آئی تھی یہاں۔۔ منزہ سے ملی تھی وہ۔۔؟" انہیں یاد آ چکا تھا کہ صبا نے ماورا کا ایڈریس مانگا تھا لیکن وہ آئی تھیں یا نہیں، اس حوالے سے انہیں کوئی معلومات نہیں تھی۔ ماورا کے منہ سے سن کر وہ ضبط سے سوال کر گئے۔

"جی آئی تھیں، تابوت میں آخری کیل ان کے بے رحم لفظوں نے ہی ٹھونکا تھا۔۔۔ بہتر ہوگا یہ ساری معلومات آپ گھر جا کر اپنوں سے لیں۔

"اور کیا وجہ تھی موت کی۔۔۔؟ منزہ اتنی کمزور نہیں تھی کہ محض لفظوں سے ٹھیس لگنے پہ جان سے چلی جائے۔ کیا ہوا تھا اسے۔۔۔"

ماورا جوان کی موجودگی، لوگوں کی باتوں اور ان کی فیملی کی طرف سے ملے شاکس کو ہی سوچ کر اب تک جواب دیے جا رہی تھی اب کے بری طرح چونک گئی۔ منزہ کے بارے میں وہ اتنے تیقن سے کیسے کہہ سکتے تھے۔

"کیسے جانتے ہیں آپ میری ماں کو۔۔؟" باپ کے حوالے سے دکھائی گئی تصویر نگاہوں میں پھر گئی تھی۔ سوال بے جا بھی نہیں تھا۔

"کیا ہوا تھا اسے۔۔؟" اس کا سوال نظر انداز کر کے وہ اپنا سوال دُہرا گئے تھے۔

"بلڈ کینسر!" جانے ان کی بارُعب شخصیت کا اثر تھا یا گھمبیر لہجے میں استحقاق سے کیے سوال کا، اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"کب سے اس مرض میں مبتلا تھی۔۔۔" کرب ان کے چہرے پہ پھیل گیا تھا۔

"چند ماہ پہلے ٹیسٹ میں پتا لگا تھا، مرض لاسٹ اسٹیج پہ تشخیص ہوا۔" وہ ڈمی کی طرح ہر سوال کا جواب دے رہی تھی۔ جیسے کسی ٹرانس میں ہو، یا ماں کے حوالے سے باتیں کرنا اچھا لگ رہا تھا۔

"علاج کی کوشش نہیں کی۔۔؟" وہ شاید سب کچھ جان لینے کے اردے سے آئے تھے۔۔۔ بارُعب اُستاد کی طرح اس سے سوال پہ سوال کر رہے تھے اور وہ اچھے اسٹوڈنٹ کی طرح جوب دے رہی تھی۔

"کی تھی۔۔۔ تمام ڈاکٹرز نا اُمید تھے لیکن سب نے ڈاکٹر چوہدری بخت کو ریکمنڈ کیا تھا۔ مشکلوں سے ان کا اپائنٹمنٹ بھی ملا۔ لیکن اماں ان کے پاس جانے کو کسی طور راضی نہیں ہوئیں۔۔۔ میری ضد سے مجبور ہو کے ہامی بھری بھی تو اس سے پہلے ڈاکٹر چوہدری بخت اور ان کی وائف وہ ہاسپٹل چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے گاؤں چلے گئے۔ بہت منت کی ان کے پی اے کی لیکن اس نے رابطہ نہیں کروایا۔"

وہ دُکھی دل سے کہہ رہی تھی اور چوہدری جہانگیر بری طرح چونک گئے۔۔

" چوہدری بخت اور ان کی وائف دیا کی بات کر رہی ہو۔۔؟"

"جی !" اب کے چونکنے کی باری ماورا کی تھی۔

" منزہ جانتی تھی سب، تب ہی علاج کے لیے ان کے پاس نہیں گئی۔ جاتی تو شاید بچ جاتی۔۔" وہ بال مٹھی میں بھر کے رہ گئے۔

" میں سمجھی نہیں۔" وہ حیرت کی تصویر بن گئی۔

" بھائی اور بھابی ہیں وہ میرے۔۔"

"ڈاکٹر چوہدری بخت، چوہدری جہانگیر کے بھائی۔۔" ماورا چکرا سی گئی تھی۔۔

" گھر میں اور کون کون ہے۔۔؟ دو ہی بہنیں ہو نا۔۔؟" وہ اتنی گم صم ہو گئی تھی کہ سر ہی اثبات میں ہلا سکی۔

" بہن کہاں ہے۔۔؟"

" سسرال گئی ہے، تھوڑی دیر میں آ جائے گی۔" دل اک دم سے بوجھل ہو گیا تھا۔

" تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے۔۔۔ کب تک یہاں اکیلی رہو گی۔۔؟" ان کے اپنائیت سے کیے سوال پر وہ انہیں دیکھنے لگی تھی۔۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید وہ تلخ جواب سے نوازتی لیکن اس وقت چوہدری بخت کا ان سے تعلق سُن کے حواس کھونے لگے تھے۔

" میرے ساتھ چلو۔ میرے گھر میں رہو۔" چوہدری بخت تو جیسے آج حیرت کی زیادتی سے اس کی جان لینے لگے تھے۔

" میرا آپ کا کیا تعلق ہے جو میں آپ کے ساتھ جاوں۔۔" اسے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔۔ تب ہی ناگواری کا اظہار کر گئی۔ اس کی دانست میں وہ اس پہ ترس کھا کر یہ آفر کر رہے تھے۔

" سوچنے کے لیے تھوڑا وقت لے لو۔ آنا تم نے میرے گھر ہی ہے۔ خود کو اکیلا مت سمجھنا۔ تم پہ ہر پل نظر رہے گی میری۔۔ اللہ حافظ !"

اسے ہکا بکا چھوڑ کر وہ جیسے آئے تھے ویسے چلے بھی گئے تھے۔

یہ وہ کیوں کہہ گئے تھے۔۔؟

" اس ہاسپٹل میں میرے تایا اور تائی ڈاکٹر ہیں۔۔ آپ کو کس ڈاکٹر سے ملنا ہے، مجھے بتائیں، شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔"

ایشان جاہ کا جملہ حافظے پہ زور سے دستک دینے لگا تھا۔ تب کیا خبر تھی کہ جس ڈاکٹر کے لیے وہ پی اے کی منت کرتی رہی ہے، ان تک رسائی اتنا آسان تھا۔ ڈاکٹر چوہدری بخت کا نام سُن کر منزہ کا مسلسل انکار بھی اس کی نظر میں تھا اور اب چوہدری جہانگیر کا یہ کہنا کہ منزہ سب جان کے نہیں گئیں۔۔ آخر ایسا کیا راز تھا ۔۔۔؟ منزہ ان لوگوں کو کیسے جانتی تھیں۔۔۔ باپ کی تصویر چوہدری جہانگیر سے ملتی تھی لیکن ان کا نام یحیٰ سرفراز تو نہیں تھا۔۔؟

یہ جان کر کے ایشان جاہ چوہدری جہانگیر کی اولاد ہے، منزہ نے اپنے اُصولوں میں ترمیم کیوں کر دی تھی ۔۔؟ ان نک چڑھے لوگوں سے منزہ کا کیا تعلق تھا۔۔۔؟ وہ انہیں کیسے جانتی تھیں۔۔؟

بنا، کوئی جواب دیے منزہ بہت دور جا چکی تھیں۔۔۔ اس کا سر چکرانے لگا تھا۔

☆☆☆

"اب یہ کون سا نیا ڈرامہ ہے۔۔۔؟ آپ کے ساتھ شمالی علاقہ جات کیا دنیا کے سب سے حسین مقام کی سیر کے لیے بھی کوئی کہے تو میرا انکار ہوگا۔۔"

حکم سن کر بمشکل سب سے جان چھڑا کر کمرے میں آگئی تھی لڑکیاں چھیڑنے کا پلان بنا رہی تھیں اور وہ ان سے بچ نکلی تھی۔۔ جنگ اس سے تھی تو وہ سب کو اپنے موڈ پہ جھڑک نہیں سکتی تھی۔۔ وہ سب تو محبت میں کرتیں لیکن وہ کیسے اس کے حوالے سے چھیڑ چھاڑ برداشت کرتی۔ جس کے ساتھ جڑے رہنے کا احساس ہی غصہ دلا دیتا تھا۔

جب سے کمرے میں آئی تھی اکیلی تن فن کر رہی تھی۔ شاہ زر شمعون کسی کام سے کمرے میں آیا تو اسے دیکھتے ہی اس کے سر ہو گئی۔

" انکار و اقرار وہاں ہوتے ہیں محترمہ، جہاں کوئی آپ کی رائے کو اہمیت دے۔۔۔ آپ سے پوچھا ہی کب ہے کسی نے۔" استہزائیہ نظریں اس کی ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ دوڑا گئی تھیں۔ اس کی آن، انا کو کیسے پل بھر میں مٹی میں ملا دیتا تھا، یہ انسان۔ گویا اس کی پسند، ناپسند، اقرار و انکار کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔

" کیا کریں گے زبردستی لے جائیں گے۔۔؟" ہاتھ باندھ کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

" ضرورت پڑی تو یہ بھی کر لیں گے۔" اس کے عزائم کچھ اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ وہ جتنی منتشر نظر آ رہی تھی۔ وہ اسی قدر ریلیکس تھا۔ اب وہ الماری کی طرف بڑھ کے اپنے کپڑے نکال کر بیڈ پہ رکھ رہا تھا۔

" پیکنگ کر لیں۔ ہم نے صبح ہی نکلنا ہے، صبح دس بجے کی فلائیٹ ہے۔"

اب وہ ٹریولنگ بیگ اک خانے سے نکالے اس کی زپ کھول کر چیک کر رہا تھا۔ وہ حیران پریشان اس کے پر سکون چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا سکون غارت کرنے کی ہزار ہا بار کوشش کر کے منہ کی کھا چکی تھی، سوائے پیشانی پہ بل کے اضافے کے اسے کچھ حاصل نہیں ہوا تھا۔ الٹا وہ اپنے بال نوچنے پہ مجبور ہو جاتی تھی۔

" جب میں نے آپ کے ساتھ کہیں جانا ہی نہیں ہے تو کیسی پیکنگ، کہاں کی پیکنگ۔" اس کے بیڈ پہ دھپ سے بیٹھتی، استحقاق سے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر وہ ٹانگیں بھی لمبی کر گئی۔ بے فکری کا عالمی مظاہرہ تھا۔

" مرضی ہے آپ کی، میں تو آپ کی سہولت کے لیے پیکنگ کا کہہ رہا تھا، نہیں کرنا تو نہ کریں۔ اگر آپ چاہ رہی ہیں، صبح ناشتے کے بعد حویلی میں سب کے سامنے میں آپ کو زبردستی تن کے کپڑوں میں لے جاؤں تو مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔۔۔ آپ خود اپنی تربیت اور اپنا تماشا لگانا چاہ رہی ہیں تو مجھے کیا ضرورت ہے آپ کو روکنے کی۔۔۔ رُج کے تماشا ہو، تاکہ داجان کو بھی احساس ہو جائے کہ انہوں نے کون سی بلا میرے متھے ڈال دی ہے۔ کم از کم سب کو میرے ساتھ ہوئی زیادتی کا تو احساس ہو گا کہ اتنی بدزبان اور من مانی کرنے والی کے ساتھ کس طرح گزارا، دوسرے معنوں میں آپ کو برداشت کر رہا ہوں۔"

کپڑے ٹریولنگ بیگ میں ڈالتے وہ اتنے ٹھنڈے انداز سے ساری منظر کشی کر گیا کہ الٹا اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ اسے تو لگا تھا وہ سنتے ہی بھڑک جائے گا۔ غصے میں کچھ الٹا سیدھا بول کر اسے بھی بھڑاس نکالنے کا موقع دے گا اور وہ اس کی انا پہ چوٹ لگا کر اس کا پلان فلاپ کروا دے گی۔ لیکن شاید اسے سمجھنے میں شنائیہ چوہدری سے کوئی بھول ہو گئی تھی۔ اس کا غصہ آتش فشاں ضرور تھا لیکن شاید وہ بھڑکتا

بھی اپنی مرضی سے تھا۔ دوسرا بھلے اسے لاکھ سمجھاتا رہے لیکن دھماکا اس نے اپنی مرضی سے ہی کرنا ہوتا تھا۔

سہی تو کہہ رہ تھا وہ، اس ساری صورتِ حال میں سب کی نظروں میں وہ گندی ہو جاتی اور سب کی ہمدردی اسے ہیرو بنا دیتی۔ اس نے کرنا تو وہی تھا جو اس کے خلاف ہوتا، تب ہی آناً فاناً اس نے اس کا سارا پلان چوپٹ کرنے کی ٹھان کر ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

" میں ساتھ چلوں گی، لیکن یہ بتا دوں آپ کو آپ اپنے اس فیصلے پر بہت پچھتائیں گے۔۔ سر پہ ہاتھ لگا لگا کر روئیں گے اس وقت کو، جب آپ نے مجھے ساتھ لے جانے کا پلان بنایا تھا۔۔۔ ساری تفریح کو ایسے آگ لگاؤں گی کہ آپ برسوں یاد رکھیں گے۔۔۔ مجھے ساتھ لے جا کر آپ نے تفریح کا جو بھی پلان بنایا ہے اس پہ پانی نا پھیر دیا تو میرا نام بھی شنائیہ چوہدری نہیں۔" بڑے بھرم سے کہہ کر وہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا گئی تھی۔۔ شاہ زر شمعون کے چہرے پر مسکراہٹ برقی رو کی طرح دوڑ گئی تھی، جسے چھپانے کی اس نے رتی بھر کوشش نہیں کی۔

" آپ کا نام یاد رکھنے کے لیے تو برسوں پڑے ہیں۔۔ پہلے تو آپ کے یوٹرن پہ مجھے کھل کے ہنس لینے دیں، آفٹر آل یوٹرن تو اچھے ہوتے ہیں۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ کھل کے قہقہہ لگا گیا تھا۔ اسے اس طرح قہقہہ لگاتے وہ پہلی بار دیکھ اور سُن رہی تھی کوئی اور وقت ہوتا تو شاید سحر میں بھی جکڑی جاتی لیکن اس وقت یوٹرن کا کہہ کر اہانت کا جو احساس دلایا گیا وہ منہ بگاڑنے پہ مجبور کر گیا۔

" ہونہہ!" خفت کو چھپاتے وہ ہونہہ کر کے الماری کی طرف آئی تھی۔

" دوسرا ٹریولنگ بیگ کہاں ہے۔۔۔؟" اگلا سوال پھر پیٹ میں بل ڈال گیا تھا۔ اب کے شاہ زر شمعون نے خود پہ کنٹرول کر کے الماری کے نچلے خانے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

" ہنس لیں۔۔۔ رَج کے ہنس لیں۔۔ بہت تھوڑے دن ہیں ہنسی کے۔۔۔ ویٹر سے لے کر وہاں کے رہائیشیوں تک کے سامنے ذلت کا احساس نہ کروایا تو یاد رکھیں گے۔" اس کی مسلسل ہنسی جلے پہ نمک چھڑک رہی تھی تب ہی الماری سے کپڑے نکال کر بیڈ پہ پھینکتے وہ زور زور سے بڑبڑا رہی تھی۔

" we will see! " اس کا چڑاتا اک اور جملہ اسے بھسم کر گیا تھا۔

☆☆☆

" جب قسمت سے موقع مل رہا ہے تو جلد بازی کرنا ہمارے لیے نقصان دہ ہوگا، ایسا مجھے لگتا ہے۔ کیوں کہ نہ اس وقت رئیس میاں کی طرف سے کوئی پیش رفت ہے اور نہ ہی جہانگیر بھائی کی طرف سے کوئی دباو ہے۔۔۔ بہتر ہوگا کہ ہم بھی مناسب وقت کا انتظار کریں۔ یہ میری ادنی سی رائے ہے، باقی بی جان اور آپ کو جو مناسب لگے۔۔۔"

زمرد بیگم، فریال اور چوہدری اسفند سر جوڑے بیٹھے تھے۔ سمہان اور عیشال کا نکاح زیرِ بحث تھا کہ اس حقیقت کو منظرِ عام پر لانے کے لیے کیا حکمتِ عملی عمل میں لائی جائے۔ تحفظات بھی زیرِ بحث تھے کہ آیا اس حقیقت کے کھلنے کے بعد حویلی میں کس قسم کا طوفان اٹھ سکتا تھا۔۔۔ اس سے بچنے کی کیا تدبیر ہو سکتی تھی۔۔۔

چوہدری اسفند تو اسی وقت سب آشکار کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن فریال کی رائے جاننے کے بعد وہ اک لمحے کے لیے خاموش ہو کے زمرد بیگم کو دیکھنے لگے۔ چکن کا سفید سوٹ پہنے اپنے مخصوص انداز میں دوپٹا سر پہ لیے زمرد بیگم گہری سوچ میں تھیں۔ اک عرصہ چوہدری حشمت کی رفاقت میں گزار کر انہیں اچھی طرح خبر تھی کہ بات کھلنے پر وہ اسے بغاوت سے تعبیر کرتے۔ اپنے فیصلے کے خلاف جانے والوں کو دشمن سمجھتے۔ ان کی طرف سے وہ کافی پریشان تھیں۔۔۔

" فریال بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔۔۔ ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔۔۔ تمہارے بابا جان حقیقت جان کر اسے کھلی دشمنی گردانیں گے۔ بعد کے حالات کیا ہوں گے۔۔۔۔؟ تمہارے بابا جان اور جہانگیر کا ردِ عمل کیا ہوگا۔۔۔۔ ؟؟اس بارے میں کچھ بھی کہنا فی البدیہہ ہے۔۔۔ اور وہ بھی ایسے وقت میں جب شاہ، شنائیہ کے ساتھ شمالی علاقہ جات سیر کی غرض سے جا رہا ہے، اس کی خوشی بھی ملیا میٹ ہو جائے گی۔ حویلی میں جو بھونچال اس سچ کے بعد آئے گا اس سے ہر شخص متاثر ہوگا۔۔۔۔ مناسب یہی ہے کہ بہتر حکمتِ عملی کر کے مناسب موقع کا انتظار کیا جائے۔" زمرد بیگم کے اظہارِ خیال سے اک بار پھر خاموشی چھا گئی تھی، جسے چوہدری اسفند نے توڑا۔

" بات آپ دونوں کی بھی ٹھیک ہے لیکن بی جان ابھی رئیس میاں یا جہانگیر بھائی کی طرف سے کوئی پیش رفت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ یہی مناسب وقت ہے۔۔۔ جہانگیر بھائی کی تو پھر بھی خیر ہے۔ اپنے ہیں لیکن بعد میں بابا جان نے رئیس میاں کی فیملی کو نکاح کی تاریخ دے دی تو یہ ہمارے لیے جگ ہنسائی والی بات ہوگی۔۔ بابا جان اسے زیادہ سنجیدگی سے لیں گے۔۔۔ یہاں آ کر میں آپ کی بات سے متفق ہوں کہ اگر اس وقت بات کھلی تو شاہ اور شنائیہ کے ساتھ زیادتی ہوگی۔۔ اس اک پہلو پہ سوچوں تو آپ دونوں کی بات مناسب لگ رہی ہے۔"

چوہدری حشمت عمیق نگاہ سے ہر زاویے کو تول رہے تھے۔ اکلوتے بیٹے کی خوشی اور زندگی کا سوال تھا ۔ وہ ہر قدم سوچ سمجھ کے اٹھانا چاہتے تھے، ایسے کہ دوسرے کے ساتھ زیادتی بھی نہ ہو۔

" رئیس میاں کے گھر میت ہوئی ہے چالیس دن تک تو ان کی طرف سے کوئی پیش رفت نہیں ہوگی ۔۔۔ تب تک شاہ بھی یقیناً لوٹ آئے گا۔۔۔ بات آپ کی بھی مناسب ہے کہ بابا جان، رئیس میاں کی فیملی کو زبان دے کر جھوٹے نہ پڑ جائیں۔۔۔ اس سے پہلے ہی ہم سچ آشکار کر دیں۔" فریال نے اک بار پھر دانائی سے اپنی بات رکھی تھی جس سے سب ہی متفق نظر آ رہے تھے۔۔۔

" فریال بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔شاہ کے لوٹنے کا انتظار کرتے ہیں۔۔۔ تمہارے بابا جان کو سمہان کی طرح شاہ بھی بہت عزیز ہے اور پہلا پوتا ہونے کا شرف بھی اسے حاصل ہے تو شاید اس کے سمجھانے سے تمہارے بابا جان اس فیصلے کو آسانی سے قبول کرلیں۔۔۔" زمرد بیگم کے کہنے پہ فریال کو اک خیال گزرا جس کا انہوں نے فوراً اظہار بھی کر دیا۔

" اماں ! کیوں نا ہم اس معاملے میں شاہ کو اعتماد میں لیں۔۔ دونوں بھائیوں میں بہت محبت ہے، جان نچھاور کرتے ہیں اک دوسرے پہ، کیا معلوم سب جان کر شاہ کوئی بہتر خیال پیش کرے۔"

" بات تو یہ بھی قابلِ غور ہے لیکن وہی بات کہ جب شاہ لوٹے گا تب ہی ہم اسے ہم خیال بنا سکتے ہیں ۔ابھی اسے کہا تو ممکن ہے وہ اپنا جانا ہی کینسل کر دے۔" زمرد بیگم کے تحفظات سے بھی انکار نہیں تھا۔

" آپ خواتین زیادہ پریشان نہ ہوں۔۔ بس طے ہو گیا کہ شاہ کی واپسی پر ہم اسے اعتماد میں لیں گے۔ شاہ، بابا جان کو عزیز تر ہے، ممکن ہے اس کی مان لیں۔اس نے ساتھ دیا تو ٹھیک، ورنہ ہم خود بابا جان کے سامنے سچ رکھ دیں گے۔ باقی جو ہو گا اس کے بعد اللہ مالک ہے۔" چوہدری اسفند نے سارا لائحہ عمل سامنے رکھ دیا۔

" اگر یہ سمہان کا ذاتی مسئلہ نہ ہوتا تو ہمیں یوں پریشان نہ ہونا پڑتا۔ وہ اکیلا ہی بابا جان کو ڈیل کر لیتا کہ اس سے زیادہ بابا جان کو اور کوئی اچھے سے سمجھا نہیں سکتا، لیکن کیا کریں کہ مسئلہ بھی اسی کا ہے۔" فریال بیٹے کی قابلیت پہ ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گئیں۔

" سمہان تو اب بھی اکیلا ڈیل کرنے کو تیار ہے۔۔۔ ہم سب کو ریلیف بھی دے رہا کہ بابا جان کے سامنے اقرار کرے گا کہ وہ اکیلا اس فیصلے کا ذمہ دار ہے، تاکہ ہم سب کی سختی بابا جان کے ہاتھوں نہ ہو لیکن میں نے ہی اسے روکے رکھا ہے کہ اس طرح کرنے سے وہ مزید پریشانی میں گھر جائے گا۔ بابا جان اسے

کھلی بغاوت سے تعبیر کرکے باغی کہہ دیں گے۔۔۔اور پھر جانے جہانگیر بھائی کا کیا ری ایکشن ہو۔۔۔ان کی عزیز از جان بیٹی کو ریجیکٹ کرکے سمہان نے ان کی ناپسندیدہ بیٹی کو منتخب کیا ہے، یہ جرم کوئی قابلِ معافی تھوڑی ہوگا ان کی نظر میں۔۔۔عیشال سے تو ویسے ہی نفرت کرتے ہیں، جانے سمہان سے ان کی نفرت کون سا گُل کھلائے۔"

"اللہ ہی رحم کرے۔۔ سچی ان ساری باتوں کو سوچ سوچ کر میری تو بھوک پیاس اڑ گئی ہے۔" فریال بے دم سی ہو گئی تھیں۔

چوہدری حشمت کے ری ایکشن کا ان سب کو کسی نہ کسی حد تک اندازہ تھا لیکن چوہدری جہانگیر کیسا ری ایکٹ کرتے، انہیں اندازہ نہیں تھا۔

"کچھ نہیں ہوتا۔ پریشان نہ ہو۔۔۔ سمہان میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ آج تک حویلی کے کسی معاملات میں میری مداخلت نہیں رہی۔ سیاہ، سفید ہر چیز پہ آنکھیں بند رکھیں لیکن اب بات جب میری اولاد کی خوشی کی ہے تو چپ میں بھی نہیں رہوں گا۔ دیکھ لوں گا جہانگیر بھائی جو کریں گے، میری رگوں میں بھی چوہدریوں کا خون دوڑ رہا ہے۔" چوہدری اسفند بیوی کی زود رنجی دیکھ کر چپ نہ رہ سکے تھے اور اس وقت جب بات بھی اکلوتے بیٹے کے لیے تھی۔ حویلی میں جانے کون سا محاذ ان سب کا انتظار کر رہا تھا۔

چوہدری اسفند کے بھرم سے کہے لفظوں پر زمرد بیگم اور فریال دہل کے رہ گئی تھیں۔

"اللہ مجھے کسی آزمائش میں نہ ڈالے۔ بچوں کی خوشی کے لیے میں نے تم سب کا ساتھ دیا۔۔۔ کسی مقام پہ شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔۔۔ حویلی میں رشتوں کا تقدس اور بھرم قائم رہے۔ ربُ العزت خوش اسلوبی سے یہ معاملہ نبٹا دے۔"

"آمین!"

اس ساری صورتِ حال میں زمرد بیگم کی عجیب پوزیشن تھی۔اک طرف سرتاج کی سربلندی مقصود تھی تو دوسری طرف اپنے اپنے بچوں کے لیے بیٹوں کے درمیان تصادم کا خطرہ بھی منڈلا رہا تھا۔بس عزت سے یہ معاملہ سلجھ جاتا۔ہر گھڑی یہی دُعالبوں پہ تھی، جس پہ فریال نے صدقِ دل سے آمین کہا تھا۔

" کوئی خاص بات تو نہیں ہو رہی۔۔ ہم دونوں شریکِ محفل ہو سکتی ہیں۔۔۔؟"

فائزہ اور فریال نے ماحول کی خاموشی کو آکے توڑا تھا۔

" بالکل آئیں بھابی۔۔آپ سب سے کیا پردہ۔" فریال ہی سنبھل کر آنے کی دعوت دے گئی تھیں۔دونوں خوش دلی سے شریک محفل ہو گئیں۔

" آپ خواتین اپنی محفل جمائیں۔۔ میں نکلتا ہوں۔۔اک سائیٹ دیکھنے جانا تھا۔"

چوہدری اسفند باوقار انداز سے اپنی بات کہہ کر اٹھ گئے تھے۔دیر تک ان کے درمیان باتیں ہوتی رہیں جو بعد میں عمرہ کے سفر کی روداد میں بدل گئی۔

☆☆☆

" چوہدری جہانگیر یہاں آئے تھے۔۔ تمہیں اپنے ساتھ چلنے کو کہنے لگے اور تم نے انہیں اماں کی بیماری تک سے آگاہ کر دیا لیکن کیوں۔۔۔"

انوشا لوٹ آئی تھی۔اور سارا ماجرا سُن کر اس کی حیرانی بجا تھی۔

"مجھے خود اپنی سمجھ نہیں آئی انو، وہ سوال کرتے رہے اور میں جواب دیتی رہی، جانے کیوں۔۔!" اپنی بے خود کیفیت کا اسے ٹھیک ٹھاک احساس تھا۔

"اماں کو کیسے جانتے ہیں وہ۔۔؟" انوشا سوالیہ نظریں لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اس کا تو مجھے بھی نہیں پتا کہ آیا وہ اماں کو جانتے بھی تھے کہ نہیں۔۔ یا صرف بیٹے سے اماں کی بابت سُن کر تفتیش کرنے آ گئے۔۔۔ مجھے تو اس بات کا صدمہ زیادہ پہنچا کہ جس ڈاکٹر سے علاج کے لیے میں کوشش کرتی رہی وہ چوہدری جہانگیر کے بھائی اور ایشان جاہ کے تایا تھے۔۔ تمہیں یاد ہے، جب ایشان نے مجھے ہیلپ کی آفر کی تھی۔" وہ اُلجھی اُلجھی سی یاد دلا رہی تھی۔

"اور تم نے بنا اس کی سُنے جھڑک کے اسے منع کر دیا تھا۔" انوشا سر ہلا گئی۔

میں اتنی بے وقوفی کیوں کر جاتی ہوں انوشا۔۔ کیا جاتا جو اس کی سُن لیتی۔ کیا پتا ڈاکٹر بخت علاج کرتے تو اماں زندہ رہتیں۔" اپنی کوتاہی پہ خود کو موردِ الزام ٹھہراتے وہ روہانسی ہو گئی۔

"قسمت میں یہ سب ایسے ہی لکھا تھا۔۔ تم نے اپنی سی کوشش تو پوری کی۔۔ خود کو الزام دے کر اسٹریس مت پالو۔" اسے چیئر اپ کرنے کو انوشا اسے ساتھ لگا گئی تھی۔

"مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ جب ایشان جاہ کا مقصد صرف دھوکا دینا تھا تو اس نے اپنے والد سے کہہ کر قبر کی کھدائی سے لے کر سارے انتظامات کیسے کروائے۔۔"

"کیا۔۔۔؟ یہ سب ایشان جاہ نے کروائے۔۔؟" ماورا کو شدید دھچکا لگا۔

"ہاں!"

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔۔؟ میں تو یہی سمجھتی رہی کہ یہ سارے انتظامات یاسر بھائی اور ان کی فیملی نے کیے ہیں۔" وہ عجیب سی بے چینی کا شکار ہو گئی تھی۔ ناپسندیدہ لوگوں کا احسان پن کی طرح چبھنے لگا تھا۔

" یاسر کے حالات ایسے نہیں کہ وہ یہ سب کر سکتے۔۔۔ شاہد انکل چندہ کر کے کفن، دفن کی بات کر رہے تھے۔۔۔ وہ تو ایشان نے آ کر کہا تو۔۔۔" ماورا نے کرب سے آنکھیں میچ لی تھیں۔۔ غربت کا درد بوند بن کر آنکھوں سے بہہ نکلا تھا۔۔۔ اس گھڑی انوشا بھی اسی کیفیت کا شکار تھی، ترب ہی لب لرز کے جملہ مکمل نہ کر سکے۔

" کچھ بھی ہو۔۔۔ اب جب کہ چوہدری جہانگیر خود گھر تک چل کے آ گئے اور تمہیں ساتھ لے جانے پر بھی بضد ہیں تو تمہارا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔۔ جانے اس خاندان کے کیا عزائم ہیں۔۔ کس جنم کا بدلہ ہم سے لے رہے ہیں کہ جان ہی نہیں چھوڑ رہے۔۔۔ تم اپنا سامان پیک کرو۔ صبح تم میرے ساتھ، میرے سسرال چل رہی ہو۔" انوشا نے اپنا فیصلہ سُنا دیا۔

"ان کے ڈر سے میں کیوں بھاگوں۔۔۔ میں کہیں نہیں جاوں گی۔ یہیں رہوں گی۔ دیکھتی ہوں کیا کر لیتے ہیں یہ لوگ۔"

اس کی ضد پہ انوشا سر پکڑ کے رہ گئی تھی۔

☆☆☆

" السلام علیکم! کہاں ہیں آپ۔۔ ذرا ٹائم نہیں دے رہے گھر پہ۔" چوہدری جہانگیر گھر میں داخل ہوئے تھے۔ صبا لاونج میں براجمان جوس پی رہی تھیں، انہیں دیکھتے ہی گلہ کرنے لگیں۔ صبا نے جا کر منزہ کو باتیں سُنائیں تھیں، یہ جان کر ان کا خون ضرور کھولا تھا لیکن ایڈریس تو انہوں نے ہی دیا تھا۔ وہ خود بھی تو انجانے میں ماورا کو ڈرا دھمکا چکے تھے۔۔ پھر صبا کو قصوروار کیسے گردانتے۔

" بس تھوڑی مصروفیت ہے۔" براجمان ہو جاتے ہیں۔

" ایسی بھی کیا مصروفیت کہ آپ بیٹی کی خوشی تک کو فراموش کر گئے۔۔ نکاح کا معاملہ کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔۔ نرمین سخت اپ سیٹ چل رہی ہے۔۔۔ آپ بابا جان سے نکاح کی بات فائنل کرتے کیوں نہیں۔۔؟؟" گلہ کر کے زور دیتے۔

" کرتا ہوں۔۔۔" نڈھال انداز میں سر صوفے سے ٹکاتے کنپٹیاں مسلنے لگے۔

"آپ کی طبعیت تو ٹھیک ہے جہانگیر۔۔۔؟" وہ قریب آجاتی ہیں۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔۔ تم اپنی بات پوری کرو۔۔ کیا کہہ رہی تھیں۔۔۔ نرمین کیوں اپ سیٹ ہے۔۔؟" خود پر سے توجہ ہٹا کر انہوں نے بیٹی کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ " یہی بتا رہی ہوں کہ ڈیٹ فائنل نہ ہونے پر موڈ آف ہے نرمین کا۔۔۔ گلہ کر رہی تھی کہ اس کی خوشی کی کسی کو فکر نہیں ہے۔۔۔ اڑتی اڑتی حویلی سے خبر آئی ہے کہ رئیس میاں کے خاندان میں کسی کی میت ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے بابا جان نے نکاح کو فی الحال موخر کر دیا ہے۔۔۔۔۔ میرا سوال بس اتنا ہے کہ عیشال کے سسرالیوں کو کوئی مسئلہ ہے تو اس کا خمیازہ ہم یا ہماری بیٹی کیوں بھگتیں۔۔ عیشال جانے اور اس کے سسرالی ۔۔ ہماری بیٹی کو کس بات کی سزا مل رہی ہے۔۔۔۔؟ جانے کیسی منحوس لڑکی ہے کہ دوسرے کی خوشیوں کو بس نگلنا آتا ہے اسے۔" صہبا دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔ عیشال کو موردِ الزام ٹھہرا رہی تھیں۔ اور چوہدری جہانگیر کی آنکھیں سلگنے لگی تھیں۔۔۔

" ماں کی بھی ایسی ہی فطرت تھی۔۔ ہر اک کی خوشیاں نگل جاتی تھی۔" چوہدری جہانگیر نفرت سے سوچ کے رہ گئے۔۔۔ منزہ کی قبر، اس پہ لگا کتبہ نگاہوں میں پھر کے ان کے وجود کو نیلا کر گیا۔ سب صائقہ کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ نہ ہوتی تو نہ منزہ کبھی دور جاتیں اور نہ آج منوں مٹی تلے جا سوتیں۔

" بابا جان سے جلد بات کرتا ہوں۔۔ عیشال کے لیے بابا جان جو چاہے فیصلہ کریں۔۔ نرمین کی خوشیوں کی راہ میں کسی کی رُکاوٹ برداشت نہیں کروں گا۔" وہ ہر حال میں بیٹی کو خوش دیکھنا چاہتے تھے۔

" بالکل۔ ہماری بیٹی کیوں کسی کا بھگتان بھگتے۔"

" تم فکر نہ کرو، نرمین کا باپ ابھی زندہ ہے، کوئی میری بیٹی کی خوشیوں کو بری نگاہ لگا کر تو دیکھے۔۔ لاشیں بچھادوں گا۔" ان کے دبنگ اعلان پر صہبا نزاکت سے مسکرا کر مطمئن ہو گئی تھیں جیسے مطلوبہ جواب مل گیا ہو۔

" گیسٹ روم کی اچھی سی صفائی کروادو۔۔ اور پردے وغیرہ دیکھ لینا۔ ہر شئے موجود ہونی چاہیے۔"

" کوئی آرہا ہے کیا۔۔؟" ہدویت پہ سوال لازم تھا۔

" ہاں جلد اک مہمان آئے گا، جو شاید مستقل ہمارے ساتھ رہے۔۔" ان کی نظر میں ماورا یکی گھوم گئی تھی۔

" ایسا کون سا مہمان ہے جو مستقل رہے گا۔" حیرانی یقینی تھی۔

" وقت آنے پر دیکھ لینا۔" یہ خاص عادت تھی کہ ضرورت سے زیادہ کچھ نہیں بتاتے تھے۔ اس وقت بھی صہبا کو مخمصے میں ڈال کر چلے گئے۔ اور وہ بیٹھی آنے والے " مہمان " کے بارے میں سوچتی رہیں۔

☆☆☆

" سمہان۔۔!"

ڈائننگ ہال سے نکلنے والا وہ آخری بندہ تھا۔ دیا نے اسے آواز بھی دی لیکن شاید اس کی سماعت تک نہ پہنچ سکی تھی۔ اور وہ نکل گیا۔

" پکار سُنی نہیں شاید اس نے۔۔؟" دیا نگاہ اسی طرف جما کے رہ گئیں، جہاں سے وہ گزرا تھا۔

"کوئی ضروری کام تھا تائی جان۔۔؟" عیشال جہانگیر ادھر کو آ نکلی تھی۔ دیا کی پکار اور سمہان افندی کو نکلتے اس نے دیکھ لیا تھا۔

"کام تو کوئی نہیں بیٹا۔ سمہان اپنا فون یہیں بھول گیا شاید۔۔ اسی لیے آواز دی تھی۔" دیا نے میز پہ پڑا سیل فون اٹھا کر دکھایا۔

"میں بھی اپنے کمرے میں جا رہی ہوں، لائیں، دے دیتی ہوں۔" اپنی خدمت پیش کرنے کے لیے اس نے ہاتھ بڑھائے۔

"ہاں، دے آؤ!" دیا نے فون اس کی ہتھیلی پہ دھر دیا۔

"اتنی لاپروائی سے فون ادھر اُدھر چھوڑ دیتے ہیں محترم، اگر جو کسی کے ہتھے لگ گیا۔" فون ہاتھ میں لیتے، لاپروائی پہ وہ اس کی کلاس لینے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن اسکرین روشن کرتے ہی احساس ہو گیا کہ وہ اتنا بھی لاپروا نہیں۔ فون پہ سیفٹی لاک آن تھا۔۔۔

اس کی تلاش میں وہ ہال سے باہر نکل آئی تھی۔ تھوڑا آگے جا کر اسے سمہان آفندی کاریڈور میں ہی کھڑا نظر آ گیا تھا لیکن وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ موجود ہستی کو اس سے باتیں کرتے دیکھ کر لب بھینچنے کے ساتھ چال میں روانی بھی آ گئی تھی۔

"ایسی بے بس زندگی گزارنے سے بہتر ہے یہیں خودکشی کر لوں۔۔ اس ہٹلر کے ساتھ جنت میں بھی جانے کو دل نہیں ہے۔۔ سخت زہر لگتا ہے اس کا حاکمانہ مزاج۔۔۔ کسی کو میری پروا نہیں ہے۔۔۔ ناپسندیدہ شخص کے پلے سے باندھ کر سب سمجھتے ہیں کہ میں اسے قبول کر لوں گی۔۔۔ اس کے بارے میں، میرے خیالات مر کے بھی کبھی تبدیل نہیں ہوں گے۔۔ تم جیسا مزاج ہوتا تو رونا کس بات کا تھا۔"

عیشال جہانگیر نے آتے ہی ساری باتیں سُن لی تھیں اور آخری جملہ تو جیسے اسے آگ ہی لگا گیا۔

"آپ کو اپنی آزادی اتنی ہی عزیز تھی تو پہلے احتجاج کرتیں، اس رشتے کو قائم ہی نہ ہونے دیتیں۔۔ جب نکاح نامے پر چُپ چپاتے سائن کر دیے تو اب یہ رونا کس بات کا۔۔۔؟؟اور کیا آپ کو زیب دیتا ہے کہ آپ بیچ راہ میں روک کر دیور کو داستانِ دل سُنا کر اسے بھی مشکل میں ڈالیں۔۔ اگر ابھی میری جگہ آپ کا گھٹیا جملہ ویرے شاہ نے سُن لیا ہوتا تب۔۔۔؟ کیا آپ کی اندر کی گندگی دونوں بھائیوں کے رشتے اور محبت پر سوالیہ نشان نہ کھڑا کر دیتی۔۔۔؟ کیوں ان کے دِلوں میں اک دوسرے کے خلاف نفرت کے بیج بونا چاہ رہی ہیں۔۔ ویرے کو سمہان کا دُشمن بنا کر اپنا اُلو کسی طرح بھی سیدھا کرنے کا کوئی خواب آپ نے دیکھ رکھا ہے تو میں آپ کو وارن کر دوں۔۔۔ یہ چلتر بازیاں آپ کے شہر میں چلتی ہوں گی، یہاں حویلی میں نہیں چلے گی۔۔۔ کبھی آپ سمہان کو ویرے سے نکاح روکنے کے لیے کال کرتی ہیں۔۔ کبھی باغ میں ملنے بُلاتی ہیں اور ابھی کس بے باکی سے آپ دیور سے فرما رہی ہیں کہ مزاج تم جیسا ہوتا۔۔۔ اپنی نہیں تو ویرے شاہ کی عزت کا ہی کچھ خیال کر لیں۔۔ آپ کی تو نہیں لیکن اس حویلی میں ویرے شاہ کی بہت عزت ہے۔۔ اور آپ ان کی عزت کو یوں سرِ راہ ملیامیٹ کریں گی تو میں بخشوں گی نہیں آپ کو۔۔ بہتر ہوگا، آئندہ سے آپ سمہان سے نجی باتیں ڈسکس کرنے سے پرہیز کریں ، ورنہ میں ویرے شاہ سے خود بات کر لوں گی۔۔۔ دیا تائی اور بخت تایا جان کو بھی دکھا دوں گی کہ ان کی بیٹی کون سا کھیل کھیلنا چاہ رہی ہے۔"

سمہان آفندی ڈنر سے فارغ ہو کر معمول کی طرح اپنے کمرے میں جا رہا تھا، جب اچانک شنائیہ سامنے آ کر اپنا دُکھڑا رونے لگی۔ ابھی وہ کوئی جواب دینے ہی لگا تھا کہ پیچھے سے اک دم سامنے آتی عیشال جو راشن، پانی لے کر چڑھی تو دونوں میں سے کسی کو بھی بولنے کا موقع نہیں مل سکا۔ کئی جگہوں پر

سمہان نے اسے روکنا چاہا تھا۔۔ شنائیہ چوہدری کا چہرہ سرخ ہوا تھا لیکن وہ اپنی بات مکمل کر کے ہی رُکی تھی۔ سمہان کچھ شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

"ڈسگسٹنگ!!! ہر پسندیدگی کا وہ معیار نہیں ہوتا جو تمہارے چھوٹے سے دماغ میں آیا ہے۔۔" شنائیہ چوہدری کو مفہوم سمجھ آیا تو وہ اک دم چرغ پا ہو گئی۔

"کس کس کو وضاحت دیتی پھریں گی۔۔۔؟ خودکشی کی بات بتا کر ہمدردی کس لیے حاصل کرنا چاہ رہی ہیں۔۔۔؟؟ میاں کے مقابل لا کر کسی کے مزاج کو کمپیئر کرنا کیا شرعاً جائز ہے۔۔؟؟ اور اگر آپ کی نظر میں آپ کوئی قابلِ گرفت حرکت نہیں کر رہیں تو یوں چوروں کی طرح تنہائی میں کبھی کاریڈور تو کبھی باغ میں میٹنگ کیوں رکھتی ہیں۔۔ علی اعلان سب کے سامنے کہیں نا کہ آپ کو ویرے شاہ میں سو برائیاں نظر آتی ہیں اور سمہان آفندی آپ کو اپنے آئیڈیل کے روپ میں نظر آتا ہے۔ افسوس ویرے شاہ پر۔۔ جتنے اچھے وہ خود ہیں آپ تو ان کے پاسنگ بھی نہیں۔"

عیشال جہانگیر نے آج سارے حساب بے باق کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ شنائیہ کی پسندیدگی، سمہان کی طرف جھکاو اور اس سے ہر بات شیئر کرنا اسے عرصے سے کھل رہا تھا۔ اور اب جب کہ شنائیہ کھلے لفظوں میں شاہ کے مقابل اسے کھڑا کر کے موازنہ کر رہی تھی تو اس نے ساری مصلحت پرے رکھ دیا۔

"مائنڈ یور لینگویج عیشال۔۔۔! بہت دیر سے تمہاری بکواس سُن رہی ہوں۔۔ سمہان تم کچھ کہتے کیوں نہیں اسے۔۔۔ تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔۔۔ میں تم سے اپنی باتیں شیئر کر رہی ہوں تو اسے کیا تکلیف ہے۔۔۔" شنائیہ چوہدری کے اندر لاوا پھٹ نکلا تھا۔ اپنے موقف پہ بولنے کو وہ سمہان کو بھی گھسیٹ لائی تھی۔ عیشال مزید کچھ کہنا چاہ رہی تھی لیکن سمہان نے ہاتھ اٹھا کر اسے رُکنے کا اشارہ کیا تھا۔

"عیشال کے الفاظ بھلے سخت ہوں بھابی بیگم لیکن مفہوم بالکل صحیح ہے۔۔۔ آپ کی نیت جتنی پاک صاف ہو لیکن آپ کے الفاظ قابلِ مذمت ہیں۔۔۔ آپ مجھے بھلے لاکھ سراہیں لیکن ویرے شاہ سے کسی

صورت میرا موازنہ کرنے سے پرہیز کریں۔۔۔آپ کو ویرے کی زندگی میں آئے چند روز ہوئے ہیں، میرا برسوں کا ساتھ ہے۔اور ویرے مجھے اس قدر عزیز ہے کہ میں اس کے لیے جان دے بھی سکتا ہوں اور لے بھی سکتا ہوں۔۔۔آپ نے پہلے بھی اس رشتے پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کی تھی۔تب بھی آپ کو سمجھایا تھا اور اب تو آپ کو بہت اچھی طرح سمجھ آگئی ہوگی کہ آپ کے والدین، سگی بہن تک آپ سے نالاں کیوں ہے۔۔؟اپنی سوچ بدلیں افاقہ ہوگا۔ہر کسی کی بری لسٹ میں شامل ہو چکی ہیں کوشش کریں، برو کی لسٹ میں شامل نہ ہوں، اک طویل عمر آپ دونوں نے ساتھ گزارنا ہے، بہتر ہوگا اچھی یادیں بنائیں۔"

شنائیہ کے الفاظ اسے بھی گراں گزرے تھے۔تب ہی اپنے انداز میں ناپسندیدگی کا اظہار کرکے آخر میں اس کا انداز ناصحانہ ہوگیا۔گو الفاظ عیشال کی طرح سخت نہیں تھے لیکن اسے سمجھ ضرور آگئی تھی۔

"بہت خوب! تم سے ہمدردی چاہنے کی خواہش میں بھول گئی کہ تم حویلی والوں میں کتنا گٹھ جوڑ ہے۔۔اک دوسرے کا ساتھ ہی دوگے۔۔اور میں ٹھہری شہری ماحول کی۔۔کیسے تم لوگوں کی سیاست سمجھ سکتی ہوں۔" استہزائیہ انداز سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"بے وقوفی کی عینک جتنی جلدی اُتار دیں گی، آپ کے لیے اتنا اچھا ہوگا۔" سمہان آفندی کا انداز اک بار پھر ناصحانہ ہوگیا تھا۔

"تھینکس فور یور ایڈوائس!" تلخ لہجے میں مخاطب تھی۔

"foolishness is an incurable disease" (بے وقوفی لاعلاج مرض ہے) عیشال کا لب ولہجہ طنز سے پُر تھا۔شنائیہ چوہدری جھٹکے سے مڑی تھی اور کاریڈور میں گم ہوگئی۔

" یہ ہر گھڑی آپ کا خادم بننے کی کوشش کا نتیجہ دیکھ لیا۔۔۔؟" وہ گئی تو عیشال جہانگیر کی توپوں کا رُخ سمہان آفندی کی طرف ہو گیا۔

" تم نہ آتیں تو میں نے بھی بھابی بیگم کو سمجھانا ہی تھا۔"

" جی جی آپ کے سمجھانے کا اثر ہی تو دیکھ رہی تھی جو محترمہ ہمدردی کے لیے آپ کو دُکھڑا سُنا رہی تھیں۔ سچ میں عورت فساد کا دوسرا نام ہے۔" وہ کچھ زیادہ ہی تپی ہوئی تھی۔

" اتنی اچھی خوراک دی ہے کہ اب سے تمہارے سائے سے بھی دور رہیں گی۔ داجان کو بھی کبھی مناسب جوڑ نہ ملا۔ لے کے ویرے کے پلے اسے باندھ دیا۔۔ اس جیسی آزاد خیال جب اپنے ہی جیسے آزاد ماحول کے مرد کی جوتی تلے کچلی جاتی ہیں تب عزت اور غیرت کے معنی سمجھ آتے ہیں۔" وہ خود باغی تھی لیکن اس کے منہ سے ایسی سمجھ داری کی باتیں سُن کر سمہان آفندی کو حیرت ضرور ہوئی لیکن زیادہ نہیں۔۔ اتنی محرومی کے بعد حویلی والوں سے بُغض رکھتے ہوئے بھی اس نے آج تک ایسا کوئی عمل نہیں کیا تھا جس سے حویلی والوں کو آن اور اس کے کردار پہ انگلی اُٹھی ہو۔۔۔۔ من موجی ضرور تھی۔۔ حق اور سچ کا ساتھ دینے کے لیے اپنا فائدہ نقصان تک فراموش کر دیتی تھی۔۔ اگر ایسی نہ ہوتی تو اتنی جلدی سزا کے لیے نامزد نہ ہوتی۔ سمہان آفندی کو اس کے کردار کی پُختگی پہ بہت مان تھا۔

" ویسے ادھر آ کر کلاس لینے کا ارادہ کیسے ہوا۔۔؟" لہجہ بدل کے چھیڑ گیا۔ کہیں نہ کہیں اس کے بولنے پر اسے سکون ہوا تھا۔ ثنائیہ شاید بلا سوچے سمجھے بولنے کی عادی تھی۔ عیشال نے بالکل ٹھیک کہا تھا اس کی جگہ ابھی کسی اور نے سب سُن لیا ہوتا تو اس وقت منظر کچھ اور ہی ہو سکتا تھا۔۔ دلوں میں بات آ جائے تو لاکھ کوشش کرنے پر بھی نہیں نکلتا۔ اسے بھی تسلی ہو گئی ہو گی۔

" آپ کی لاپروائیوں کو اُٹھائے اُٹھائے پھر رہی ہوں۔" ہاتھ سامنے کیا تھا جہاں اس کا فون تھا۔

" مہربانی !" فون تھام لیتا ہے۔

" ان محترمہ کا مستقل حل کیا ہے۔۔" وہ اب بھی مطمئن نہیں تھی اس کی طرف سے۔

" تم نے کوئی کسر چھوڑی کب ہے۔۔۔ پھر بھی عقل نہ آئی تو بروخود ہینڈل کرلے گا۔۔ ہمارا دردِ سر نہیں۔" وہ لاپروائی دکھا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ بھی ہم قدم تھی۔

" پھر سے ہمدرد خان بنتے کہیں پکڑا تمہیں تو دیکھنا۔۔۔!" دھمکاتے ہوئے تیکھی نظروں کی زد میں رکھ گئی۔

" میری توبہ ! جواب سے کسی کے ساتھ ہمدردی کروں۔۔۔۔ پھر بھی کوئی آیا تو تمہارے پاس لا چھوڑوں گا، تم ہو نہ ہمدردی کا بھوت اُتارنے کے لیے۔" چھیڑ گیا تو وہ منہ چڑھا کے اپنے کمرے کے دروازے پہ رُک گئی۔ وہ بھی ٹھہر گیا تھا۔

"گڈ نائیٹ !" دروازہ کھولنے لگی تھی۔

" چین سے سوئے جان میری سکھ بادِ صبا دے !" شریر ہوا تو وہ بلش کرکے اس کے کمرے کی طرف دھکیل گئی۔

"گڈ نائیٹ !" اُلٹے قدموں چلتا ہنستا مسکراتا ہاتھ ہلا رہا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے دروازے سے لگ گئی تھی۔

☆☆☆

ایشان جاہ کئی لمحوں سے سیل فون ہاتھ میں پکڑے ماورا کو کال کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ لیکن اس کے ممکنہ ردِ عمل کو سوچ کر ہر بار رُک جاتا تھا۔ بالآخر اس نے ہمت کر ہی لی اور اس کے نمبر پہ کال ملا دی۔ حسبِ توقع کال ریسیو نہیں ہوئی تھی۔ پھر تو اس نے ری ڈائل سے انگلی ہی نہ اُٹھائی۔۔

"السلام علیکم!" ماورا کی تھکی تھکی آواز سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"والسلام! ایشان جاہ بات کر رہا ہوں۔" انجان نمبر پہ اتنی دیر سے کال پک ہوئی تھی۔۔اس کی کال کا گُماں ہوتا تو شاید کبھی پک ہی نہ کرتی۔

"فون کیوں کیا۔۔؟" اگلے ہی لمحے ساری تھکن غائب ہو کر غصے میں ڈھل گئی تھی۔

"تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔اپولوجائز کرنا ہے۔۔۔۔ مجھے نہیں پتا منزہ آنٹی کو کیا تکلیف تھی، تم ان کے لیے ہاسپٹلز کے چکر لگا رہی تھیں۔ان کی موت کی جو بھی وجہ رہی ہو لیکن میں خود کو تمہارا اور آنٹی کا مجرم تصور کر رہا ہوں۔۔یقین کرو، اس وقت سے اک رات سکون کی نیند نہ سو سکا، یہ گلٹ میرے دل سے نہیں جا رہا۔" وہ اپنی کیفیت اس سے بیان کر گیا تھا۔لہجے کا پھیکا پن، ٹوٹے ہوئے لفظ، جسے بولتے ہوئے وہ بار بار کئی مقام پر رُکا تھا۔

"صرف نیند نہیں آ رہی۔۔۔؟آپ کو تو ڈوب مرنا چاہیے تھا اب تک۔۔۔ لیکن میں بھی کیا کہہ رہی ہوں، ایسا کرنے کے لیے بھی غیرت کی اشد ضرورت ہوتی ہے جو آپ میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔" اس کا لہجہ زہر آلودہ ہو کر اس کی سماعت کو تکلیف میں ڈال گیا تھا۔

"ماورا رئیلی ویری سوری جو کچھ ہوا، اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آنٹی کو اتنا صدمہ پہنچ سکتا ہے۔میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ چلی جائیں گی اور تم اکیلی رہ جاؤ گی۔۔۔ تمہارے نقصان کا ذمہ دار خود کو سمجھ رہا ہوں۔۔" وہ سخت عذاب میں مبتلا تھا۔

"اندازہ تو آپ کو اس وقت بھی نہیں ہے کہ آپ جو کچھ مجھ سے کہہ رہے ہیں، سوائے اک ڈرامہ کے مجھے کچھ نہیں لگ رہا، سو بہتر ہوگا اپنی اداکاری اسکرین پہ دکھایئے اور میرا وقت برباد مت کیجیے۔۔آپ کا

کوئی بھی سوری میری ماں کو واپس نہیں لا سکتا۔۔آپ اور آپ کی فیملی نے جتنا دلی صدمہ پہنچایا ہے اس کا حساب اللہ لے گا۔۔۔ بہتر ہوگا دوبارہ میرے نمبر پہ کال مت کیجیے گا۔"

وہ کھٹ سے کال کاٹ گئی تھی اور ایشان جاہ فون کی اسکرین کو جلتا دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

" یہ شخص جب سے نظر آیا ہے۔کچھ اچھا نہیں ہوا۔۔جانے کیوں پیچھا لیا ہوا اس کے خاندان نے۔" وہ تلخی سے سوچ کے رہ گئی۔تب ہی انوشا متفکر چہرے کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

" کیا ہوا۔۔؟ کوئی پریشانی ہے۔۔۔ کیوں اُلجھ رہی تھیں یاسر بھائی سے۔۔؟" دوسرے کمرے سے انوشا اور یاسر کی بحث کی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔جس پر اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا کہ ان کی نجی باتیں ہوں گی۔انوشا کے چہرے پہ فکر مندی نظر آئی تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

" یاسر غصہ ہو رہے ہیں۔۔ساتھ چلنے کو کہہ رہے ہیں۔۔کہتے ہیں نئی نئی شادی ہوئی ہے، سسرال میں دن ہی کتنے گزارے ہیں جو یہاں خود بھی پڑی ہو اور مجھے بھی رہنا پڑ رہا ہے۔" وہ من و عن داستان سُنا گئی۔

" ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں۔جاو اپنے گھر کب تک یہاں رہو گی۔۔خبر نہیں اماں کہتی ہیں کہ لڑکی کا اصل گھر اس کا سسرال ہوتا ہے۔ابھی تو رات ہو گئی ہے، صبح چلی جانا۔" ماں کے خیالات دُہرا کے وہ مشورہ دے گئی۔

" میں تمہاری وجہ سے رُکی ہوئی ہوں اور تم بھی نا۔۔" انوشا غصے سے جملہ ادھورا چھوڑ گئی۔

" میری فکر مت کرو۔۔میں اکیلی رہ لوں گی۔تم جا کے اپنا سسرال دیکھو۔"

" بچوں جیسی باتیں مت کرو ماورا۔۔ کیسے رہو گی اکیلی۔۔؟ کہاں سے دو گی گھر کا کرایہ، بجلی، گیس کے بل۔۔۔ تمہاری کوچنگ کی معمولی تنخواہ سے کیا کھاؤ گی اور کیسے ایم بی اے مکمل کرو گی۔" انوشا کو اس کی ہٹ دھرمی غصہ دلا رہی تھی۔

" اللہ مالک ہے۔ نصیب میں ہوا تو پیپر دے دوں گی۔۔۔ جاب سرچ کر رہی ہوں، اللہ نے چاہا تو یہ مسئلہ بھی جلد حل ہو جائے گا۔۔ اٹھالوں گی اپنا خرچہ۔۔ تم میرے لیے اپنی نئی شادی شدہ زندگی کو داؤ پہ مت لگاؤ۔۔۔ جس گھر میں ابھی تمہارے قدم مضبوط نہیں ہوئے، وہاں میں بھی چلی چلوں، تمہیں اور کمزور کرنے کو۔۔۔ اماں کے ہوتے یہ گھر تمہارے میکا کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ تو نہیں رہیں لیکن تم اسے اپنا میکا سمجھ کر ہی آیا کرنا۔۔۔ تمہارا مان سلامت رہے گا۔" میکا کا تصور تو ماں، باپ سے ہوتا ہے لیکن ، جب وہ نہ رہیں تو یہی مان بھائی اور بہن کے گھروں میں منتقل ہو جاتا ہے لیکن وہ بات پھر بھی نہیں رہتی۔ لیکن ماورا کا چھوٹی ہونے کے ناتے اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا۔ وہ بے ساختہ اسے ساتھ لگا گئی۔

" اماں نے کاش میری شادی بھی نہ کی ہوتی، کم از کم ہم بہنیں ساتھ تو رہتیں۔۔ کسی کی اجازت کی پابندی تو نہ ہوتی۔" انوشا کو اس کی تنہائی اور اپنی بے بسی رلانے لگی تھی۔

" پاگل ہو گئی ہو۔۔ اس میں رونے کی کیا بات ہے۔۔۔ اماں جاتے جاتے تمہیں اک محفوظ پناہ گاہ سونپ گئی ہیں۔ اب سے وہی سب کچھ ہے۔ یہاں کی فکر مجھ پر چھوڑ دو۔۔ ہمارا بھلے کوئی نہیں ہے لیکن ہم دونوں اک دوسرے کے لیے کافی ہیں۔ پریشان نہ ہو۔۔ اللہ ہے نا۔۔"

وہ اُلٹا اسے دلاسا دے رہی تھی جب کہ اکیلے زمانے کا مقابلہ اسے کرنا تھا۔

☆☆

عیشال کے ہاتھوں ہوئی بے عزتی کا احساس اتنا قوی تھا کہ صبح تک اس کا موڈ آف رہا۔۔۔ وہ آزاد فضا[ں کی پلی بڑھی تھی کس سے کیا بات کرنی ہے اور اس کا کیا مفہوم سمجھا جائے گا۔ اس سے قطع نظر وہ بس بول دینے کی قائل تھی۔ لیکن عیشال نے جتنی بے عزتی کی اور اس کے بعد سمہان نے جتنی سنجیدگی سے جواب دیا اسے شہر اور گاوں کا مفہوم کھل کے سمجھ آگیا تھا۔

" چھوٹے علاقوں میں رہنے والوں کے ذہن بھی تنگ ہوتے ہیں۔ "یہی سوچ کر وہ اپنا غصہ کنٹرول کر رہی تھی۔

صبح ہو چکی تھی۔ صبح کا منظر حویلی میں سب سے اچھا ہوتا تھا جب انواع واقسام کے ناشتے سے میز سجا ہوتا تھا۔ کچن سے خوشبوئیں اُٹھ رہی ہوتی تھیں۔۔ اسے اتنی صبح ناشتا کرنے کی عادت نہیں تھی کالج، یونی کے دور میں بھی بس چائے پی کر نکل جاتی تھی لیکن یہاں اک اک فرد کا میز پر ہونا لازم تھا۔

اس وقت بھی سب ناشتے میں موجود تھے عیشال اور سمہان کی طرف سے اس نے دانستہ نظر پھیر لی تھی۔ دونوں تک اس کی ناراضگی کا سائن بخوبی پہنچ گیا تھا۔ پر وا انہوں نے بھی نہیں کی کہ اس میں سدھار کی اشد ضرورت تھی۔

سب شاہ کو سفر بخیر کی دُعا دے کر اپنے اپنے پسندیدہ مقام پہ رُکنے کی ہدایت یوں کر رہے تھے جیسے وہ پہلی بار ان مقامات کے لیے نکل رہا ہو۔ شنائیہ کے پُھلے ہوئے منہ کو دیکھتے دیا اور بخت کو از حد شرمندگی ہو رہی تھی۔ دیا نے کئی بار اشارے سے موڈ ٹھیک کرنے کو بھی کہا لیکن مجال ہے کہ اس نے ان کا مفہوم سمجھنے کے بعد بھی اس پر عمل کیا ہو۔۔۔ ان سب نے جتنی زبردستی اپنے فیصلے منوائے تھے اور اب جب شاہ زر شمعون اپنے اشاروں پر اسے چلا رہا تھا۔ اس کے اندر بلا کی مُزاحمت ہونے لگی تھی۔

ناشتے کے بعد بھی سب انہیں سی آف کرنے کے ارادے سے بیٹھے رہے تھے اور جب فلائیٹ کا وقت ہوا تو سب پورچ تک ان کے ساتھ آئے۔

" شنائیہ کیا ویرے کے ساتھ پورا سال رہنے جا رہی ہو۔" اس کے بڑے بڑے دو بیگ دیکھ کر لڑکیوں نے شرارت سے کھینچائی کی تھی۔

" کیا رکھے کیا نکالے۔۔ اسی کنفیوژن میں بے چاری نے سب رکھ لیا ہوگا کہ ویرے کو کچھ پسند نہ آیا تو کم از کم الٹرنیٹ تو موجود ہو۔۔" کسی نے خود ہی اس کے حصے کا جواب دے دیا تھا۔ اور سب کی دبی دبی ہنسی اس کے اندر دبی چنگاری کو بھڑکانے لگی تھی۔ گویا وہ غلام بن گئی تھی اور وہ سب اس کی ہنسی اڑا رہی تھیں۔ مقابلے کی فضا میں یہی سوچ مضبوط لگی تھی۔

شاہ سب سے مل رہا تھا۔ سب الوداعی کلمات ادا کر رہے تھے اور شنائیہ چوہدری بنا کچھ کہے سنے جا کے گاڑی کی بیک سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی اس حرکت پہ اک لمحے کو سناٹا سا چھا گیا تھا۔ شاہ زر شمعون کا چہرہ اک لمحے کے لیے سُرخ ہوا تھا اگلے ہی پل وہ خود بھی گاڑی کی طرف پلٹ گیا تھا۔ ڈرائیور انہیں ایئر پورٹ چھوڑنے جا رہا تھا۔ دیا اور چوہدری بخت سب سے نظر چرانے پہ مجبور ہو گئے تھے تو ماہم تاسیفی نظروں سے اسے دیکھ کے رہ گئی تھی۔۔ گاڑی گیٹ سے نکل گئی تو قافلہ بھی اندر کی طرف پلٹنے لگا۔

" کس قدر جاہلانہ انداز تھا محترمہ کا۔۔ وہاں رہ کے سدھار نہ آئے تو ویرے کو چاہیے واپسی میں اس مغرور حسینہ کو کسی کھائی میں دھکیلتے آئیں۔"

شاہ زر شمعون، اس حرکت کے بعد جتنا شرمندہ نظر آ رہا تھا اسے دیکھ کر عیشال کو شدید غصہ آیا تھا جسے دبے لفظوں میں اس نے سمہان تک پہنچا بھی دیا تھا۔

" تسلی رکھو! بروئیوں ہی ضبط نہیں کرتا۔۔ اور اپنی بے عزتی کرنے والے کو تو کبھی نہیں بخشتا۔۔۔ بھابی بیگم نادان ہیں جو بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال کر من مانی کر رہی ہیں۔" سمہان آفندی کا دعویٰ کتنا درست تھا یہ بھی بہت جلد کھلنے والا تھا۔

" اللہ کرے ایسا ہی ہو۔۔ گن گن کے بدلے لیں ویرے۔" وہ بھی جلی بیٹھی تھی۔

"چپ کر کے آگے چلو، ایسا نہ ہو قبل از وقت ہماری کلاس لگ جائے۔" سمہان آفندی غیر محسوس انداز میں اس سے چند قدم پیچھے ہو کر اسے آگے نکلنے کا مشورہ دے گیا تھا۔ جس کی اس نے تقلید بھی کی۔

☆☆☆

" دیکھ لیا بیٹی کا انداز۔۔ کوئی ذلت کا مقام نہیں چھوڑتی۔'' چوہدری بخت تنہائی پاتے ہیدیا سے گلہ کرنے لگے۔

" یہ تو شاہ ہے۔ حویلی میں اپنے لوگ ہیں جو گزارا ہو رہا ہے اگر کہیں باہر اس لڑکی کی شادی کر دیتے اور اس کے یہی رنگ ڈھنگ رہتے تو اب تک وہ لوگ یا تو طلاق بھجوا چکے ہوتے یا ہمیں بلا کر بار بار ذلیل کر چکے ہوتے۔۔۔ ذرا قدر نہیں ہے اس بے وقوف لڑکی کو۔"

" ہماری ہی غلطی ہے۔۔ ہم نے شروع سے اتنی آزادی دینی ہی نہیں چاہیے تھی۔۔ شاہ سے نکاح کو وہ زبردستی سے تعبیر کر کے نہ صرف ہم سے بدگمان ہو گئی ہے بلکہ سرکشی پہ آمادہ نظر آ رہی ہے۔ یا تو ہمیں شروع سے اپنی بیٹیوں کو پابندی میں رکھنا چاہیے تھا۔ یا پھر شادی جیسے اہم فیصلے پر ان کی رائے کو اہمیت دینی چاہیے تھی۔"

" ایسی کتنی ہی لڑکیوں کی شادی ماں باپ اپنی پسند سے بے جوڑ رشتے سے کر دیتے ہیں کیا ان کی بیٹیاں بھی اسی طرح والدین کے لیے جگ ہنسائی کا باعث بنتی ہیں۔۔؟" دیا کی بات کو چوہدری بخت نے تیزی سے کاٹ دیا تھا۔ دیا پھر کچھ کہنے کے قابل ہی نہ رہیں۔

☆☆☆

ڈرائیور انہیں ایئر پورٹ پہ چھوڑ کے جا چکا تھا۔ وہ اپنا بیگ کھینچ کر ویٹنگ ایریا میں جانا چاہ رہی تھی جب شاہ زر شمعون کی پاٹ دار آواز سُنائی دی۔

" یہی کھڑی رہو۔" ابھی وہ اس کے روکنے کا مفہوم سمجھنے کی کوشش ہی کر رہی تھی کہ وہ فون پہ کسی کو کال کر کے اپنی لوکیشن بتانے لگا اور چند لمحوں بعد ہی اک کار زن سے آ کر ان کے سامنے رُکی۔ دوسری نظر ڈالتے ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ کسی پرائیوٹ کمپنی کی گاڑی تھی۔

" بیٹھو!" اسے گاڑی میں بیٹھنے کا سرد لہجے میں کہتے وہ بیگز گاڑی میں رکھ رہا تھا۔

" ڈرائیور ایئر پورٹ چھوڑ گیا تھا، کچھ دیر میں ان کی فلائیٹ تھی تو وہ گاڑیہ میں بٹھا کر اسے کہاں لے جا رہا تھا۔

" اندر بیٹھو!" اسے اپنی جگہ پہ جم کے کھڑا دیکھ کر وہ پہلے سے زیادہ سرد لہجے میں کہنے کے ساتھ گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے تقریباً دھکیلنے والے انداز میں گاڑی کی طرف کر چکا تھا۔

اس سے کوئی بھی سوال و جواب کرنا توہین سمجھتی وہ خار کھاتی اندر بیٹھ چکی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھے کی بجائے وہ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پہ براجمان ہو گیا تھا۔

اس سے لاتعلقی جتانے کا یہ پہلا انداز تھا، جس پہ سُلگ کے وہ منہ کے ساتھ چہرہ بھی باہر کر چکی تھی۔

گاڑی نے سفر شروع کر دیا تھا اور اب ایئر پورٹ کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ حیرت سے پیچھے کی طرف دیکھ کر وہ لب بھینچ گئی تھی۔

گاڑی کافی دیر تک مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے کچے راستے کی طرف گامزن ہو چکی تھی۔ رات بھر سوچوں کے ساتھ مغزماری کرنے کی وجہ سے نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ صبح اُٹھ بھی جلدی گئی تھی ۔سفر میں پتا ہی نہ چلا کب اس کی آنکھ لگ گئی۔۔

"جب بائی روڈ ہی سفر کرنا ہے تو کیوں نہ نیند ہی پوری کر لی جائے۔" یہی سوچ کر وہ ریلیکس ہو کر آنکھیں موند گئی تھی۔ گاڑی نے جب زیادہ ہچکولے کھانا شروع کیا اور اس کا سر سامنے سیٹ کی بیک پہ زور سے لگا تو آنکھیں کھول کر ماتھا سہلاتے وہ ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔ لیکن منظر واضح ہوتا تو کچھ دکھائی بھی دیتا۔۔ ریت کے طوفان میں گاڑی کیسے چل رہی تھی یہ بھی ڈرائیور کی مہارت تھی۔۔ تاحدِ نگاہ ریت ہی اڑ رہی تھی۔

چہرے کے آگے سے اڑتی مٹی دیکھ کر وہ اپنی طرف کا شیشہ مکمل چڑھا گئی۔ شرٹ کے دامن پر نظر پڑی تو وہ بھی مٹی سے اٹا نظر آیا۔ دھول ہتھیلی سے اُڑاتے اس نے دوپٹا ناک پہ رکھ لیا تھا۔ اسے ڈسٹ الرجی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھینکوں نے بُری حالت کر دی تھی۔ پانی بھری آنکھوں سے وہ اس کی پشت کو گھور رہی تھی، جو جانے کن صحراؤں سے گزر کے شمالی علاقہ جات جا رہا تھا۔ دل ہی دل میں صلواتوں سے نوازتے وہ بھوک محسوس کر رہی تھی۔

"ڈرائیور گاڑی روکو کسی ہوٹل پہ۔۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" اسے درخورِ اعتناء جانے بناء وہ ڈرائیور سے مخاطب ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے اک نظر غیر آباد علاقے کو دیکھا اور دوسری نظر ساتھ بیٹھے شاہ پہ ڈال کر رہ گیا۔

"آپ چلتے رہیں۔۔ یہ گاڑی تو اب منزلِ مقصود پر ہی رُکے گی۔" بیک ویو مرر سے اس پہ اک استہزائیہ نگاہ ڈال کر وہ ڈرائیور کو چلتے رہنے کا اشارہ کر گیا تھا۔ وہ لب بھینچ کر باہر دیکھنے لگی۔ لیکن اُڑتی مٹی میں کچھ نظر آتا تب نا۔۔"

جانے گاڑی مزید کتنی دیر چلتی رہی۔ وہ منہ سُجائے بیٹھی ہی رہی۔

''بس یہیں روک دیں۔۔" شاہ کی آواز آئی تو اس نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ وہ گاڑی سے اتر رہا تھا ۔۔ دور تک مٹی کی سڑکیں تھیں۔ خال خال گھر بنے ہوئے تھے۔ یہ کون سا شمالی علاقہ جات تھا۔۔؟

"اترو!" ابھی وہ حیران ہی ہو رہی تھی کہ وہ بیگز گھسیٹ کر باہر نکالتے درشت لہجے میں اسے بھی اترنے کا اشارہ کرنے لگا۔

"شاید آس پاس کوئی ہوٹل ہو۔۔ یا سستانے کا اردہ ہو۔ گاڑی تھوڑی دیر بعد چلے۔" وہ یہی سوچ کر اتر آئی تھی۔

"یہ آپ کے پیسے۔۔ اور یہ میری طرف سے رکھ لیں۔" شاہ زر شمعون والٹ سے پیسے نکال کر جب ڈرائیور کے ہاتھ پہ رکھنے لگا تو شنائیہ کے حواس لوٹنے لگے۔ گاڑی نظروں سے دور جا رہی تھی اور وہ ہونق ہو کے مٹی کو اڑتے دیکھ رہی تھی۔ وہ حیران پریشان اس سے کچھ کہنا ہی چاہ رہی تھی کہ وہ سامنے موجود گھر کے دروازے پہ لگا تالا کھولنے لگا۔۔

"یہ۔۔۔۔ یہ کہاں آئے ہیں ہم۔۔۔؟ ہمیں تو شمالی علاقہ جات جانا تھا۔"

"یہی تو ہے، آپ کا شمالی علاقہ جات۔" تالا کھول کر دھکیلتے وہ اندر کی سمت اشارہ کر گیا۔ شنائیہ چوہدری ہکا بکا دروازے سے نظر آتے کچے مکان کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔۔۔ وہ اک بار پھر بُری پھنسی تھی۔ شمالی علاقہ جات کے رنگین نظاروں میں اس کا جینا حرام کرنے کا تصور لیے چلی تھی اور آ کر کہاں رُکی تھی اس کچے مکان میں۔ اسے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

"بابا جان پھر آپ نے نکاح کا کون سا دن طے کیا ہے۔" عزیز از جان بیٹی کی ناراضگی کا سُن کے چوہدری جہانگیر، چوہدری حشمت کو کال ملا گئے تھے۔

" ہم تو کب سے تیار ہیں نکاح کی تاریخ فائنل کرنے کے لیے۔۔ تم ہی مصروف ہو گئے تھے، حویلی آئے ہی نہیں۔۔ نہ ہی رئیس میاں کی طرف سے کوئی آمد ہوئی۔۔ ان کی طرف تو میت ہو گئی ہے، وہاں سے تو اب دیر ہی ہو گی۔"

"ان کی وہ جانیں بابا جان۔۔ مجھے بس جلد سے جلد نرمین اور سمہان کا نکاح کروانا ہے۔ حویلی میں مناسب ہے یا شہر میں۔۔ یہ آپ طے کر لیں۔۔ میں دونوں پر راضی ہوں۔" چوہدری جہانگیر ناگواری سے ٹوک گئے تھے۔

" تم چاہ رہے ہو ہم عیشال اور رئیس میاں کا نکاح بعد میں رکھ کر فی الحال نرمین اور سمہان کی کر دیں۔" انداز پُر سوچ تھا۔

" جی بالکل۔ میری یہی رضا ہے۔۔۔ دوسروں کی وجہ سے اپنی بیٹی کو انتظار نہیں کروا سکتا۔" بے حد چڑا ہوا لہجہ تھا۔

" تم نے کسی تاریخ کا انتخاب کر رکھا ہے۔۔؟ کب فرصت میسّر ہو گی تمہیں۔۔؟"

چوہدری حشمت بھی جیسے راضی ہو گئے تھے۔

" بیٹی کے لیے فرصت ہی فرصت ہے۔۔ اس ویک اینڈ رکھ لیتے ہیں۔۔ شہر یا حویلی۔۔ یہ آپ بتا دیں "۔

" حویلی ہی مناسب رہے گی۔۔ ہم سب اُٹھ کر شہر آئیں، بہتر یہی ہے کہ تم اپنی فیملی کو لے کر حویلی آ جاو۔ لیکن اس ویک اینڈ کی بجائے اگلا ویک اینڈ رکھ لو۔۔ شاہ صبح ہی نکلا ہے ایسے میں اتنی جلدی اسے بلانا اچھا نہیں لگتا۔ ممکن ہوا تو اگلے ہفتے تک وہ خود ہی لوٹ آئے گا۔" یہ سب سُن کر چوہدری جہانگیر کسی حد تک جھنجلا گئے تھے۔

" اک تو حویلی اور وہاں کے لوگوں کے مسائل کبھی ختم نہیں ہوتے بابا جان۔۔۔ اک رُکاوٹ دور نہیں ہوتی کہ دوسری کھڑی ہو جاتی ہے۔ اب مزید دس بارہ دن انتظار۔۔" ناپسندیدگی سی ناپسندیدگی تھی۔۔

" حویلی کے جتنے لوگ ہیں، سب کو ساتھ لے کر چلنا ہوتا ہے جہانگیر۔۔ یہ تمہارا شہر تھوڑی ہے جہاں کسی کو کسی سے کوئی سروکار ہی نہیں۔"

" اب ایسا بھی نہیں ہے بابا جان۔۔ ہاں یہ ہے کہ شہر میں اک کے انتظار میں دوسرا اپنا وقت برباد نہیں کرتا۔ کوئی آئے نہ آئے ہمیں فرق نہیں پڑتا۔"

" اسی بے حسی سے تو گاؤں والے ابھی تک پاک ہیں۔" ان کے چڑنے پر چوہدری حشمت مسکرا دیے تھے۔

" پھر اگلے ویک اینڈ کا ڈن ہے بابا جان۔۔ اس کے آگے میں کوئی بہانہ نہیں سُنوں گا۔ بھلے کوئی مرے یا جیے۔" خود غرضی تو ان کی پہچان تھی۔

" ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔۔ ہم سب کو ابھی سے پابند کر دیتے ہیں کہ کوئی بھی اگلے ہفتہ کسی قسم کی مصروفیت نہ رکھے۔" چوہدری حشمت یقین دلاتے ہیں۔

" ایسا کر لیں تو مہربانی ہو گی حویلی والوں کی۔" جلا بُجھا لہجہ تھا۔

" کیا ہوا ہے۔۔۔؟ کیوں انگارے چبا رہے ہو جہانگیر۔۔۔ برسوں بعد تمہارے لہجے میں پھر سے ویسی ہی کڑواہٹ محسوس ہو رہی ہے۔۔۔ ایسا کیوں۔۔؟" چوہدری حشمت کو ان سے واقعی دلی محبت تھی، تب ہی ٹھٹھک گئے۔

" منزہ مر گئی بابا جان!" چوہدری جہانگیر نے درد سے یہ جملہ کہا تھا، چوہدری حشمت کئی ثانیے تک کچھ بول ہی نہ سکے۔ دونوں طرف خاموشی طاری رہی۔

" حویلی والوں نے مجھ سے میری خوشیاں تو چھین لی تھیں لیکن میری بیٹی سے کوئی اس کا نصیب چھیننے کی کوشش کرے گا تو میں برداشت نہیں کروں گا۔" وہ کھل کے اپنی بات کہہ گئے تھے۔

" سنبھالو خود کو۔۔ بھول جاو سب۔" مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔" چوہدری حشمت کا انداز ناصحانہ ہوگیا۔ان پہ کھل چکا تھا کہ پچھلے دِنوں ان کی کیا مصروفیت رہی ہوگی۔

" چوہدری جہانگیر مرتو اسی دن گیا تھا، جس دِن آپ سب نے صائقہ کو میرے گلے ڈال دیا تھا۔۔۔اس سے پہلے کہ مزید تلخ ہوکے گستاخی کا مرتکب ہو جاوں، فون رکھتا ہوں۔" انہیں بھی اپنے لہجے کی تلخی کا احساس ہوگیا تھا۔تب ہی محسوسات کا تذکرہ کرکے فون بند کر گئے۔

چوہدری حشمت فون رکھ کر کئی لمحے منزہ کے بارے میں سوچتے رہے تھے۔۔

"خس کم جہاں پاک!" انہوں نے نفرت سے سر جھٹک دیا۔

☆☆☆

ڈی جی خان سے ڈیڑھ کلو میٹر آگے کا علاقہ تھا۔ کچا پکا سا مکان۔۔جس کے دیواریں ہی صرف پکی تھیں ۔مٹی سے بنے دو کمرے۔اور اک بھاڑ جیسا کچن۔۔جس میں چولہا تک مٹی کا تھا۔ گیس کا گزرا بھی یہاں نہیں ہوا تھا۔ صحن میں سوکھے پتوں کی چادر بچھی ہوئی تھی۔۔ گھر کی حالت خود بیان کر رہی تھی کہ عرصہ دراز سے بند ہے۔۔۔کچھ علاقوں میں بجلی موجود تھی کچھ میں سولر سسٹم کے مرہونِ منت بجلی موجود تھی۔ پنکھے کے نام پر درمیانے سائز کا تھکا ہوا سا پیڈسٹل پڑا ہوا تھا۔جس کی ہوا بس سامنے کھڑے ہو کر ہی لی جا سکتی تھی۔

" یہ ہے آپ کا تفریح گاہ۔۔ یہ ہے آپ کا شمالی علاقہ جات۔۔۔" شاہ زر شمعون کو بیگز ٹھکانے لگاتے دیکھ کر چراغ پا ہو گئی۔ کمرے میں بیڈ کے نام پہ اک چارپائی پڑی ہوئی تھی اور بس باقی کچھ ہوتا تو نظر آتا

۔

" ابھی سب کو بتاتی ہوں۔ کتنا بڑا دھوکا کیا ہے آپ نے میرے ساتھ اور کتنی غلط بیانی کی سب سے۔" اسے دھمکاتے پرس میں سے فون نکالنے لگی۔

" یہاں آپ سانس بھی میری مرضی کے بغیر نہیں لے سکتیں محترمہ۔۔" اس کا پرس جھٹکے سے کھینچ کر اپنی تحویل میں لے چکا تھا۔ جھٹکا اتنا شدید تھا کی اسے اپنا بازو اکھڑتا ہوا محسوس ہوا۔ پرس کا ہینڈل ٹوٹ کر الگ لٹک گیا تھا۔

"اس طرح زور زبردستی سے آپ مجھے یہاں روک لیں گے تو اپنی اس سوچ پہ فاتحہ پڑھ لیں۔ میں یہاں اک سیکنڈ بھی رُکنے کی روادار نہیں ہوں۔" وہ جانے کے لیے مڑی تھی لیکن اس کا بازو مروڑ کر اسے

بے جان چیز کی طرح پھینک دیا گیا تھا۔ وہ دیوار سے جا لگی۔

" یو آر سِک !" وہ بلبلا کر اس تک آئی تھی اور زاہ زر شمعون کا زوردار تھپڑ کھا کے دور جا گری۔

" تمہاری اکڑ اور غرور اسی چار دیواری میں نکل جائے گا۔ جب یہاں سے نکل کر جاؤ گی تو لوگ پہچاننے سے انکار کر دیں گے۔۔ بہتر ہو گا جلد سے جلد سیکھ لو کہ عورت گھر میں رہتی کیسے ہے، یہ ضد اور ہٹ دھرمی قائم رہی تو یہاں سے تم نکلو گی تو ضرور، لیکن زندہ نہیں مردہ۔۔" سرد لہجے میں کہہ کر وہ چارپائی پہ جم کے بیٹھ گیا تھا۔۔ سامنے ہی وہ منہ پہ تھپڑ کا نشان لیے سسکنے پہ مجبور تھی۔

جانے اسے بیٹھے بیٹھے کتنی دیر ہو گئی۔ وہ لمبی تان کے سو گیا تھا یا جاگ رہا تھا، پتا نہیں، آنکھوں پہ بازو ہونے کی وجہ سے اسے دکھائی نہیں دیا۔ بہت تھوڑے سے وقت میں اسے سمجھ آ گئی تھی کہ اسے کس مقصد کے لیے یہاں لایا گیا ہے۔ لیکن تھپڑ بھی اس کا ارادہ بدلنے سے قاصر تھا۔ یہاں سے بھاگ نکلنے کے ارادے سے اسے سوتا جان کر وہ آہستی آہستہ کھسک کر دروازے کے قریب ہو رہی تھی۔

" یہ قبائلی علاقہ ہے۔۔ وڈیروں کی بستی ہے۔۔ یہاں عورتوں کا پردے کے بناء نکلنا پسند نہیں کیا جاتا ۔قدم گھر سے باہر نکالے تو ممکن ہے غیرت کے نام پر میں ہی تمہارا قتل کر دوں۔۔ اس لیے جہاں پڑی تھیں، وہیں چپ کر کے پڑی رہو۔" آنکھوں پہ بازو رکھے رکھے اس کی حرکت کا جواب آیا تھا۔ وہ چوکنا تھا۔ اسے بے خبر سمجھنے کی غلطی بے وقوفی ٹھہری تھی۔ اس نے بے بسی سے اپنے پرس کی طرف دیکھا تھا جسے وہ بطورِ تکیہ سر کے نیچے دبا گیا تھا۔

" مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" کلس کے وہ یہی کہہ سکی، جو سچ بھی تھا۔

" کچن میں تمام چیزیں موجود ہیں جاو اور پکا کے کھاو'' بے مروتی سے جواب آیا تھا۔

" مجھے نہیں پکانا کچھ۔" جل کے دیوار سے لگ کے بیٹھ گئی۔

" پھر بھوکی مروں، میری بلا سے۔" ادھر کون سا پروا تھی اس کی۔ وہ شرر بار نظروں سے اسے دیکھ کے ضد میں بیٹھی رہی۔۔ لیکن یہ ضد بھی کب تک چلتی۔۔ اک گھنٹا، دو گھنٹا۔۔۔ اب تو اس کی ہمت جواب دینے لگی تھی۔ بھوک سے آنتیں الٹنے لگی تھیں۔ خود جانے اسے بھوک بھی لگ رہی تھی یا یہاں چارپائی توڑنے آیا تھا۔

" مجھے سچ میں بہت بھوک لگ رہی ہے۔۔" طویل انتظار کر کے روہانسی ہو گئی۔ یہ آس بھی دم توڑ گئی تھی کہ اپنے لیے کچھ لائے گا کھانے کو تو اس کا جوگاڑ بھی لگ جائے گا، مگر وہ اسے تو استراحت سے ہی فرصت نہیں تھی۔

'' افسوس آپ کے لیے پزا آرڈر نہیں کر سکتا۔" نکا کے جملہ داغا گیا تھا۔

" اس جنگلی جانور سے کسی چیز کی آس فضول ہے۔۔۔ یہ مجھے سبق سکھانے لایا ہے۔ میں بس اپنا سبق ہی دُہراوں گی۔ لیکن اس کے لیے مجھے توانا ہونا ضروری ہے۔۔ پیٹ میں کچھ جائے گا تو ہی دماغ چلے گا کہ یہاں سے کیسے نکلنا ہے۔" خود کو بک اَپ کرتے وہ " کچن " تک گئی تھی۔ مٹی کا چھوٹا سا شیلف اور نیچے چار منہ والا مٹی کا چولہا دیکھ کر ہی اس کے پسینے چھوٹ گئے۔۔ سائیڈ پہ لکڑی کا چھوٹا سا ڈھیر تھا۔

" گیس والا چولہا کہاں ہے۔" وہ اُلٹے پاوں واپس آئی۔

"ابھی یہاں گیس نہیں آئی۔" دل تو چاہا کوئی سخت سا جواب دے لیکن تنہائی اور اس کے کرارے تھپڑ کا ڈر زبان بندی پہ مجبور کر گیا۔

"اس چولہے کو ہینڈل کرنا نہیں آتا۔"

"نن آف مائے بزنس !" وہ کروٹ بدل گیا تھا۔ اس کی پشت کو سلگتی نگاہ سے دیکھتے اس نے صحن کی طرف دیکھا تھا۔ پیر دبا کر بھی نکلتی تو پتوں نے شور کر کے اسے جگا دینا تھا۔۔۔

"بھاگنے کی کوئی بھی سوچ بے کار جائے گی۔ دروازے پہ براسا تالا ہے۔۔ اور یہ اونچی دیوار پھلانگ کر پیر کی ہڈی تڑوا کر آپ باہر چھلانگ لگا بھی دیں گی تو دائیں ہاتھ کی پیر کے ساتھ خونخوار کتا بندھا ہے ۔جس کی زنجیر اتنی لمبی ہے کی آپ کی دوڑ لگانے کی خواہش کو دو سیکنڈ میں دبوچ کر آپ کو انجکشن لگوانے پہ مجبور کر دے گا۔" وہ جیسے اس کے ذہن تک رسائی حاصل کر چکا تھا۔ شنائیہ چوہدری کو بلا کا

غصہ آیا تھا، ساتھ ہی کتے کا سُن کر جھرجھری۔ فضاء میں وقفے وقفے سے کتے کے بھونکنے کی آواز کو اس نے ابھی ہی نوٹس کیا تھا، گویا وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

"کیا کروں۔۔؟" اک بار پھر کچن تک آ کے رُک گئی تھی۔ مختلف ڈبے پڑے تھے۔ وہ اک اک کر کے سب کو چیک کرنے لگی کہ مبادا کچھ کھانے لائق مل جائے لیکن کچی دالیں، کچے چاول، آٹا سوجی اس کا منہ چڑا رہے تھے۔۔۔ پیاس محسوس ہوئی تو پانی کی تلاش میں اس نے فریج کو ڈھونڈنے کی غرض سے دوسرے کمرے کا چکر بھی لگا لیا اور اک دم بدحواس ہو کر لوٹ آئی۔ خالی کمرے میں کچھ ہوتا تو نظر آتا نا۔۔

" پپ۔۔ پانی کہاں ہے۔۔ فریج نظر نہیں آ رہا۔" اک بار پھر اس تک حاضری لگی۔

صحن کے سائیڈ میں رکھا ہوا ہے آپ کا فریج۔" چلو فریج تو تھا۔ شاید اسی میں کچھ کھانے کو مل جائے، دل کو تھوڑی سی تقویت ملی تھی۔ لیکن صحن میں فریج ڈھونڈے سے نہ ملا تو اس کی غلط بیانی پر چراغ پا ہوتے وہ ذرا آگے گئی تھی۔ موٹے سے نیم کے پیڑ کے سائے میں اک اسٹینڈر رکھا ہوا تھا جس کے اوپر چھوٹا سا مٹکا پڑا ہوا تھا۔۔ وہ ذرا اور آگے گئی تو اس پر کچھ لکھا ہوا نظر آیا۔ موٹے مارکر سے اس پہ ''فریج '' لکھا دیکھ کر اس کا جی چاہا اسی پیڑ پہ پھندا ڈال کے جھول جائے۔

مٹکے میں گدلا سا پانی دیکھ کر اُلٹی آنے لگی تو وہ گلاس پٹخ کے وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔

" صحیح بولا ہے اس نے یہاں سے میری لاش ہی واپس جائے گی۔"

☆☆☆

کیے محبت سے جو تھے پہلے

گُناہ سارے معاف کر دو

جہاں بھی دیکھوں، دکھائی دو تم
نظر پہ ایسا غلاف کر دو

نہ کوئی اب میرے پاس آئے
سبھی کو ایسا خلاف کر دو

میں چاہوں بھی تو نہ جا سکوں اب
یوں کشتیوں میں شگاف کر دو

ہے سرد راتوں سی زیست اپنی
دُعا کو میرا لحاف کر دو

چوہدری حشمت کا اعلان سُننے کے بعد سے عیشال کے دل کو پتنگے لگ گئے تھے۔ یہی بے چینی فریال اور زمرد بیگم کو بھی لگ گئی تھی۔ فریال نے فوراً سے بیشتر چوہدری اسفند کو کال ملا دی تھی جو چند روزہ دورے پر دُبئی کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے تسلی دے کر سمہان سے رابطہ کیا تھا۔ دونوں باپ

بیٹے میں جانے کیا طے پایا تھا۔ عیشال حویلی میں سناٹے کی منتظر تھی تاکہ اس سے بات کرنے کا موقع ملتا اور جیسے ہی حویلی کی بتیاں گُل ہونا شروع ہوئیں اسے پیغام بھیج کر وہ اپنے مخصوص جھولے پر اس کا انتظار کرنے لگی۔

" بیگم صاحبہ ! یہ آپ کے روز روز کے ملنے کے بہانے پہ دل خوش فہم ہو چلا ہے۔۔ فرمائیں کیسے یاد فرمایا۔" اپنے مخصوص انداز میں حاضر تھا۔ ڈھونڈے سے بھی تردد کی لکیریں چہرے پر نہیں مل رہی تھیں۔

" میری جان پہ بنی ہے اور تمہیں شوخی سوجھ رہی ہے۔۔۔ داجان نے نیکسٹ ویک اینڈ طے کر دیا ہے ۔"

" جی سُن لیا میں نے بھی۔۔ !" بے فکری سی بے فکری تھی۔

" اب۔۔؟" وہ بے چین تھی۔

" اب کے ہم بچھڑے تو شاید، کبھی خوابوں میں ملیں۔"

"شٹ اپ !" دھیمے سے غرائی۔

"میں سنجیدہ ہوں سمہان۔۔" وہ بہت ہراساں نظر آ رہی تھی۔

" سنجیدہ شکل بنانے سے مسائل حل ہونے لگتے تو کیا ہی بات تھی۔۔۔" چیئر اپ کرنے کے لیے گیر سنجیدہ گفتگو کر رہا تھا۔

" چچا جان سے بات ہوئی تمہاری۔۔ کیا کہہ رہے ہیں وہ۔؟ کب تک آئیں گے۔۔؟" اس کے انداز کو ٹال کے فکر مندی سے سوال کرنے لگی۔

" دو تین دن میں لوٹ آئیں گے۔۔ اور ان کا ہی فرمان ہے کہ ان کے آنے سے پہلے کوئی بات نہ کی جائے۔۔ ہم سب نارمل رہیں۔" وہ من و عن پیغام نشر کر گیا۔

" مجھے بہت درد لگ رہا ہے، بھوک پیاس سب اُڑ گئی ہے۔ آنے والے وقت کا خوف بھوت بن کے ڈرا رہا ہے۔"

" جی ابھی میز پہ ملاحظہ فرمایا میں نے چند نوالے زہر مار کیے ہیں آپ نے۔" کمالِ سکون سے گویا تھا۔

" تمہیں کیا لگتا ہے، داجان آسانی سے یہ سب قبول کر لیں گے۔" دل کو ایسا دھڑکا لگا ہوا تھا کہ بس تسلی کے حروف سُننے کا خواہش مند تھا۔

" داجان تو شاید مان بھی جائیں لیکن چچا جان (چوہدری جہانگیر) نہیں مانیں گے۔" خیال ظاہر کرنے لگا۔

" پھر۔۔؟" اندازہ تو اسے بھی اچھی طرح تھا کہ سب سے زیادہ شور کس طرف سے اٹھے گا۔

" پھر۔۔۔ پھر کیا۔۔۔ کہہ دوں گا جو ہونا تھا ہو گیا، اب صبر کریں اور عزیز بیٹی کے لیے کوئی بے وقوف ڈھونڈیں۔"

" یہاں ٹینشن سے میری جان نکل رہی ہے اور تم اس غیر سنجیدہ انداز سے بات کر کے میرا فشارِ خون بلند کر رہے ہو۔۔ مجھے کوئی بات ہی نہیں کرنی۔۔ جاو، جا کے سو جاو۔" اس کے مستقل غیر سنجیدگی پہ بھڑک کے جانے لگی تھی لیکن رُکنا پڑا۔ سمہان آفندی نے بازو سے تھام کر اٹھتے قدموں کو روک لیا تھا۔

" فکر اور پریشانی اس وقت تک دامن گیر تھی جب تک تمہیں اپنایا نہیں تھا۔۔۔ اب کوئی فکر کوئی ٹینشن نہیں ہے۔۔۔ اور نہ ہی تمہیں لینے کی ضرورت ہے۔۔۔ آنے والے چند دنوں میں جو فیصلہ

سامنے آئے گا، وہ طے کردے گا کہ تمہارے ساتھ ساری زندگی گزرے گی یا بس یہی کچھ دِن ۔۔۔"
بازو چھوڑ کر اس کے شانو پہ بازو پھیلا گیا تھا۔۔۔ انداز میں غیر معمولی سنجیدگی آگئی تھی، وہ سہم کر اس کی باتیں سُن رہی تھی۔

" صبح تائی جان (فائزہ) کو لے کر مری جا رہا ہوں۔ ان کے کسی عزیز کی میت ہو گئی ہے۔۔۔ کسی طرح تم بھی ساتھ چلنے کی کرو۔۔۔ میرے پاس یہی دو تین دن ہیں جو تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ زندہ رہا تو طویل وقت ساتھ رہیں گے۔۔ مر گیا تو ان چند دنوں کی خوشگوار یادوں کے ساتھ جی لینا ۔۔۔۔ تمہاری محروم زندگی کی تلافی تو شاید کبھی نہ کر سکوں لیکن پوری کوشش ہے کہ ان چند دنوں میں خوشیوں سے تمہارا دامن بھر دوں۔۔ ان یادوں کے سہارے گزر جائے گی نا زندگی۔۔۔؟؟" وہ بظاہر جتنا غیر سنجیدہ نظر آ رہا تھا اتنا تھا نہیں۔۔ اس سے کہیں زیادہ منتشر، اس کی تنہائی پہ دلگرفتہ تھا۔ عیشال کے آنسو روانی سے بہنے لگے تھے۔۔ زندگی کی اک اک محرومی یاد آ کر اس شخص پہ ختم ہو چکی تھی۔ جو یہ شخص ساتھ ہوتا تو ساری محرومیوں کا ازالہ ہو جاتا لیکن اس کے بچھڑنے کا خوف اتنا جان لیوا تھا کہ آنسو روکے نہیں رُک رہے تھے۔

" چُپ!" اس کی پیشانی سے اپنی پیشانی ملائے آنسوؤں پہ بند باندھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ اس شدت سے رو رہی تھی جیسے ان آنسوؤں کے ساتھ ہی فنا ہو جائے گی۔۔

" بس چُپ نا۔۔!"

" تمہیں کچھ ہوا تو اس حویلی میں کچھ بھی نہیں بچے گا۔" روتے روتے اپنے عزائم سے آگاہ کر گئی تھی ۔آنسوؤں پہ انگوٹھا پھیرتے وہ بھرپور انداز سے مُسکرا دیا۔" تمہاری اسی جنگجو طبیعت پر تو دل ہارا ہوا ہے۔"

" میری بات کو مذاق مت سمجھنا۔" اسے لگا وہ مذاق میں ٹال رہا ہے۔

توبہ کرو۔ اعلانِ جنگ کو بھی کوئی مذاق میں لیتا ہے۔" انداز پھر غیر سنجیدہ تھا۔ وہ جھنجلا کے مکا شانے پہ مار کے جانے لگی۔

"پھر!" ہتھیلی تھام کر روکتے جواب کا منتظر تھا۔

"کوشش کرتی ہوں۔" آس تھما کے چلی گئی تھی۔

"یہ عمر بھر کا جاگنا بے کار ہی نہ جائے
جو تو نہ ملا تو ساری ریاضت فضول ہے"

لمبی سانس لے کے وہ بھی چل دیا تھا۔

☆☆☆

زندہ رہنا تھا تو زندگی کی ضروریات بھی پوری کرنی تھی۔ صبح ہوتے ہی انوشا ملول دل سے سسرال چلی گئی تھی۔۔۔ گھر میں کچھ چیزیں نہیں تھیں۔ بازار کا رُخ کرتے اسے دھیان آیا کہ سیل فون میں بیلنس بھی ڈلوانا تھا۔ زندہ رہنے کے لیے پیسے کی ضرورت تھی اور پیسہ نوکری سے کما سکتی تھی۔۔ نوکری سرچ کرکے اس کا ارادہ ہر جگہ اپلائی کرنے کا تھا۔ یونی کا خیال بس اتنا آیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اجازت لے کر پیپر دے دے گی۔

"کتنے ہو گئے۔۔؟" بازار کے جنرل اسٹور سے چیزیں لے کر وہ پرس سے پیسے نکالنے لگی تھی۔

"تین سو باجی!" دکاندار کے تقاضے پر سر ہلا کر وہ پرس میں موجود مڑے تڑے نوٹ نکال کر سیدھے ہی کر رہی تھی جب اک ہاتھ آگے بڑھا تھا اور ہزار کا نوٹ دکاندار کو تھما دیا گیا۔

" اپنے پیسے لے لیں۔" دُکاندار نے اچنبھے سے اک نظر ماورا ایجی پر ڈالی تھی، پھر دوسری نظر پیسے دینے والے پر، پھر نوٹ تھام کر اپنے گلے کی طرف مڑ گیا۔ آواز پہ ماورا ایجی کے لب بھنچ گئے تھے سر اُٹھا کر اس نے ایشان جاہ کو غضب ناک نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

" یہ بقایا پیسے۔۔" دُکاندار باقی پیسے بڑھا رہا تھا جسے ایشان نے تھام لیا۔

خریدا ہوا سامان وہیں چھوڑ کر، پرس کی زِپ لگا کر ماورا جھٹکے سے مڑی تھی۔

" ماورا! یہ تو لیتی جاو۔" وہ شاپر اُٹھائے پیچھے پیچھے تھا۔ ان سُنی کیے وہ بیلنس شاپ کی طرف بڑھی تھی ۔ بیلنس کارڈ لے کر وہ پیسے دینے ہی لگی تھی جب اک بار پھر ایشان جاہ نے وہی حرکت دہرا دی۔ دُکاندار معنی خیز مسکراہٹ سے پیسے تھام گیا تھا۔ ماورا کو اس بلا کا غصہ آیا کہ دُکاندار کے ہاتھ سے ایشان کے دیے ہوئے پیسے جھپٹ کر چھین لیے۔ اگلے ہی لمحے ماورا کا تھپڑ ایشان جاہ کے چہرے پہ پڑ کے بھرے بازار کو ان کی طرف متوجہ کر چکا تھا۔

جاری ہے

ریحانہ آفتاب

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط نمبر 24

ارد گرد کی رواں دواں زندگی اس اک تماچے سے چند لمحوں کے لیے رُک سی گئی تھی۔ کئی اک نے ٹھہر کر معاملہ دیکھنا چاہا تھا۔ جو پہلے سے متوجہ تھے وہ مزید دلچسپی سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ ایشان جاہ کو اس کے سخت ردِ عمل کی اُمید ضرور رہی تھی لیکن وہ اس حد تک عزت افزائی سے نوازے گی اندازہ نہیں تھا۔ حیرت کے ساتھ بے یقینی اس کی نگاہ میں آ گئی تھی۔۔۔

" اُوئے، کیوں لڑکی کو چھیڑ رہا ہے۔۔۔؟"

" شریفوں کے محلے میں جانے کیسے کیسے لوفر آ کر ہماری ماں، بہن کو چھیڑ جاتے ہیں۔"

" اسے اتنا مارو کہ ساری عشق و عاشقی بھول جائے۔"

مختلف آوازیں مجمع سے اٹھنے لگی تھیں۔ ان آوازوں سے بے نیاز ہو کر دونوں اک دوسرے کو تک رہے تھے۔ ایشان جاہ کی نظروں میں بے یقینی تھی تو مادرا یکی شرر بار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ بنا کچھ

کہے اس پر اک قہر بھری نظر ڈال کر وہ اسے بھرے مجمعے میں حیران چھوڑ کر نکل آئی تھی۔اب لوگ جانتے یا ایشان جاہ۔اسے چنداں کسی بات کی فکر نہیں تھی۔وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے گھر کی جانب قدم بڑھا چکی تھی لیکن یہ بے فکری بھی عارضی ثابت ہوئی تھی۔لوگوں کے گھیرے کو توڑ کر جانے وہ کیسے اتنی جلدی اس کے پیچھے آگیا تھا۔

" ماورا مجھے تم سے بات کرنی ہے۔۔۔ بھلے تم میرے ساتھ جو سلوک کرو مگر مجھے تم سے معافی چاہیے ۔" وہ گھر کا تالا کھول رہی تھی جب وہ اس تک آکے مدعا بیان کر گیا۔

" تم لاکھ دھتکارتی رہو لیکن جب تک تم مجھے معاف نہیں کرو گی میرے دل سے بوجھ نہیں اترے گا۔"

" میرے پاس کچھ نہیں ہے تمہارے لیے، معافی بھی نہیں۔" تالا کھل گیا تھا۔سرد نگاہ اس پر ڈال کر سلگتا ہوا جملہ اس کی طرف اچھال کر وہ گھر کے اندر داخل ہو کر پوری قوت سے دروازہ بند کر گئی تھی۔

" نا دو معافی۔۔۔ تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔ میں بھی یہیں بیٹھا ہوا ہوں۔۔ نہیں جاتا یہاں سے۔۔ جب تک معاف نہیں کرو گی، بیٹھا ہوں یہاں۔۔ تمہاری چوکھٹ پر۔۔"

باہر سے اس کی آواز آئی تھی۔محلے کے دروازے کھلنے لگے تھے۔کھڑکیوں کے پردے سرک کر آنکھیں اس منظر سے اُلجھنے لگی تھی۔

" جانے انجانے میں کی ہوئی غلطی کی اتنی بڑی سزا ملی ہے کہ یہ خلش میری جان لے لے گا۔۔۔ احساسِ گناہ مجھے جینے نہیں دے رہا ماورا۔۔۔ معاف کر دو مجھے۔۔۔ یا پھر سزا دو۔۔ یوں منہ پھیر کر دروازہ بند کرنے سے میرے اضطراب کو بڑھاوا مت دو۔۔۔ نہیں جی سکوں گا، اس اذیت کے ساتھ۔۔۔ تم بھلے مجھ سے نفرت کرو، نہیں روکوں گا لیکن اک بار بول دو تم نے مجھے معاف کیا۔۔۔" وجود کی ٹوٹ پھوٹ آواز سے ظاہر تھی۔نم الفاظ گواہ تھے کہ محض بے روح لفظ نہیں تھے، ان میں سچائی

تھی، پچھتاوا تھا۔ گھروں سے نکل کر لوگ گلی میں آ گئے تھے۔ اور اب چہ میگوئیاں کرتے اک دوسرے سے استفسار کر رہے تھے۔

" شاہد صاحب! آپ کے تو منزہ بہن کے گھر سے اچھی شناسائی رہی ہے۔۔ کون ہے یہ لڑکا۔۔۔؟ کیوں شور ڈال رہا ہے۔۔۔؟ ایشان جاہ کے سُلگتے قدموں کو محلے کے بزرگوار نظروں میں رکھتے شاہد صاحب سے استفسار کر رہے تھے جو آواز پر اپنے گھر سے نکل آئے تھے ان کی بیگم صائمہ بھی دروازے میں آ کھڑی ہوئی تھیں۔ محلے کی کچھ عورتیں سُن گُن لینے کی غرض سے ان کے قریب آ چکی تھیں۔

" جی معلوم کرتا ہوں۔" شاہد صاحب آگے بڑھے تھے۔

" میری باتوں کو محض دھمکی نہ سمجھنا۔۔۔ میں تب تک یہاں سے نہیں جاؤں گا، جب تک تم معافی نہیں دے دیتیں۔۔۔ سُن رہی ہو ماورا۔۔؟" شاید آواز اس کی سماعت تک نہیں پہنچ رہے تھے، یہی جان کر اب نے تیز آواز میں کہتے بند دروازے پر نظر ڈالی تھی۔

" کیا معاملہ ہے برخوردار۔۔! کیوں بچی کو تنگ کر رہے ہو۔۔۔؟" شاہد صاحب اس تک آئے تھے۔

" ہمارا نجی معاملہ ہے، آپ اپنا کام کریں نا۔۔!" ٹھنڈے لہجے میں کہہ کر انہیں دور رہنے کو کہا گیا تھا۔ مجمعے میں بھنبھناہٹ ہوئی تھی۔

" ماں کے جاتے ہی چاند چڑھا دیا لڑکی نے۔۔"

" ان ماں، بیٹیوں کے کردار پر تو شروع سے شک رہا ہے۔۔"

" جانے کون ہیں، کہاں سے آ کر بسی ہیں۔۔۔ ماں تو مر گئی۔۔۔ اک بہن تھی وہ بھی میاں کے ساتھ صبح چلی گئی۔۔ اب یہ اکیلی کیسے رہے گی گھر میں۔۔۔۔ جانے کیسے لوگوں سے ملنا، جُلنا ہے ان کا۔۔۔ لڑکے کو دیکھو شکل سے ہی امیر خاندان کا لگتا ہے۔۔"

" منزہ کا کفن دفن بھی نہیں دیکھا، کتنا اچھا ہوا۔۔۔ کھانا کتنا لذیز تھا۔۔۔ سب اسی لڑکے نے کروایا تھا ۔۔ کچھ لگتا ہوگا تب ہی تو باہر کھڑا شور دال رہا ہے۔۔ جانے کس بات پر لڑائی ہو گئی آپس میں۔۔۔"

" منزہ کی زندگی میں بھی اکثر اس کی لمبی سی گاڑی آکت رُکتی تھی دروزے پر۔۔ جانے کیوں آتا تھا ان کے گھر۔۔ اور جانے کس بات کی معافی مانگ رہا ہے۔"

آواز ہی آواز تھی۔۔ تجزیئے اور تبصرے تھے۔

" جائیں آپ سب۔۔ یہ ہمارا آپسی معاملہ ہے۔۔" مجمع پر اس نے سخت نظر ڈالی تھی۔

" بیٹھا ہوں یہاں پر۔۔ جب تم معافی نہیں ملے گی۔" اس کی ہٹ دھرم آواز سماعت سے ٹکرائی تھی۔ دروازے کے پیچھے سے اس کی ساری باتیں سنتی ماورا یکی آگ بگولہ ہو کر کھٹ سے دروازہ کھول کر مجمع کی پروا کیے بناء اس کے سر پہ پہنچ گئی تھی۔

" کیوں نہیں جاوگے یہاں سے۔۔؟ کیوں بیٹھوگے یہاں۔۔۔ تمہیں لگتا ہے تمہارے ایسا کرنے سے تمہیں معافی مل جائے گی تو تم احمقوں کی جنت میں ہو۔۔ بیٹھے رہو آرام سے۔۔۔ کہو تو اندر سے بستر اور تکیہ بھی بھیج دیتی ہوں۔ رات بھی یہیں گزارنا۔۔۔ لیکن معافی تب بھی نہیں ملے گی۔۔۔ سُنا تم نے۔۔؟"

وہ بے خوف اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی دھمکی، لوگوں کا ڈر کہیں کھو گیا تھا۔ کون اس کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا، وہ ساری مصلحت فراموش کرکے اسے سمجھا کر اک بار پھر دروازہ بند کر چکی تھی ۔ باہر ایشان جاہ سب کو کیسے مطمئن کر رہا تھا۔ اسے اس کی بھی ذرا فکر نہیں تھی۔ اس کی بلا سے وہ ساری زندگی باہر بیٹھا رہتا۔

☆☆☆

"بابا جان! وہ میں کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔"

سب دن کے کھانے سے انصاف کر رہے تھے۔ دن کے وقت کم ہی لوگ ہوتے تھے۔ شاہ اور شائیہ تو کل ہی چلے گئے۔ چوہدری اسفند دُبئی میں موجود تھے۔ شاہ کے بعد سمہان ہی کھیتوں کو دیکھتا تھا اس وقت وہ بھی موجود نہیں ہوتا اگر فائزہ کو لے کر اسے مری کے لیے نہ نکلنا ہوتا۔ اسی خیال سے وہ لوٹ آیا تھا۔ چوہدری بخت کی طبعیت انہیں کسی مصروفیت کی اجازت نہیں دے رہی تھی اس لیے وہ فی الحال فارغ ہی تھے۔ چوہدری فیروز بھی قسمت سے موجود تھے۔ فائزہ نے پہلے مدعا ان سے بیان کیا تھا مگر شدید ردِ عمل دے کر انہوں نے ساری ذمہ داری فائزہ پر چھوڑ دی تھی چوہدری حشمت کھانے سے فارغ ہو چکے تھے، تب ہی فائزہ نے ہمت کر کے انہیں مخاطب کیا اور اب ان کے مخاطب کرنے پر چوہدری فیروز انہیں خشمگیں نظروں سے گھور رہے تھے۔

"سفر سے متعلق کوئی بات ہے۔۔۔؟ کہو۔" وہ اٹھنے لگے تھے لیکن دوبارہ بیٹھ گئے۔

"جی۔۔۔!" دزدیدہ نظروں سے چوہدری حشمت کی نظروں کو دیکھتے انہوں نے حلق تر کیا۔

"شاہ کے نکلنے کے بعد آپا کی رحلت کی خبر ملی، اسے واپس بلانا مناسب نہیں ہے لیکن میں ندا کو ساتھ لے جانا چاہ رہی تھی۔ آپا نے ندا کو اپنی بیٹی کی طرح عزیز رکھا ہوا تھا۔ ندا کے ساتھ جو معاملہ ہے، وہ صرف حویلی والوں کے علم میں ہے، اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا میں ندا کو ساتھ لے جاوں۔۔۔؟" فائزہ نے بہت جھجکتے ہوئے اجازت طلب کی تھی۔ ندا کا نام سُن کر چوہدری حشمت کے چہرے کا تناو ظاہر کرنے کو کافی تھا کہ انہیں اس کا نام سُننا بھی اچھا نہیں لگا۔

" بہو! تمہاری دور کی کزن کا انتقال ہوا ہے، فیروز بھی نہیں جا رہا ہے اور تمہاری دی جان کی صحت بھی ایسی نہیں کہ وہ بے آرام ہوں، ابھی پچھلے سفر کی ان کی تھکن ہی نہیں اتری۔اور جب تمہیں معلوم ہے کہ ندا پر باہر کی دنیا حرام ہے تو پھر یہ تقاضا۔۔؟"

خشک لہجے کا استفسار فائزہ کی ہتھیلی سُن کر گیا تھا۔

"ہم نے ندا کے ساتھ کوئی سختی روا نہیں رکھی، اسے حویلی میں ہر طرح کی آزادی ہے، لیکن حویلی سے باہر جانے کے تمام راستے اس کے لیے ہمیشہ کے لیے بند ہیں، اب تم مرحومہ کا ذکر لا کر بات کرو گی تو اس پر ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔" دباد باغصہ ظاہر کر رہا تھا کہ چوہدری فیروز نے کیوں اس بات کو کرنے سے انکار کیا تھا۔

" اگر آپ کی اجازت نہیں ہے بابا جان تو، نہیں لے جاوں گی۔" انہوں نے جلدی سے ہتھیار ڈال دیئے۔ماحول میں چند لمحے پُر اسراریت کی طاری رہی۔چوہدری حشمت کچھ سوچنے لگے تھے۔چوہدری بخت، دیا اور ماہم اس اطلاع پر کسی قدر چونک کر سب کی شکل دیکھنے لگے تھے۔ندا کا کیا معاملہ تھا جو اتنی سخت سزا سے نوازا گیا تھا۔ان کے ذہنوں میں سوال اٹھنے لگا۔

" ٹھیک ہے بہو، لے جاو اسے۔۔لیکن اسے میری پہلی اور آخری اجازت سمجھنا، کوشش کرو، پھر کبھی ندا کا نام میرے سامنے نہ لو۔۔۔" سخت لہجہ تھا۔

" جی بہتر بابا جان۔" فائزہ ابھی اجازت ملنے پر ہی خوش ہو گئی تھیں۔

" داجان! مجھے بھی آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔" انہیں اٹھنے کے لیے اک بار پھر اپنی اسٹک کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر عیشال جہانگیر نے اس وقت کو غنیمت جان کر فوراً مخاطب کیا۔

" اب تمہیں کیا بات کرنی ہے لڑکی۔۔" وہ یوں بھی اس کی شعلہ بیانی سے بدکتے تھے۔سب کے سامنے جانے کیا گل فشانی کر جاتی، سب ہی ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگے، اسپشلی فریال نے دہل کر پہلے اسے اور پھر سمہان آفندی کو دیکھا تھا۔وہ سپاٹ تاثرات سجائے ان کی گفتگو کی طرف متوجہ تھا۔

" میں بھی تائی جان کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔۔۔اسلام آباد کے اک ڈیزائنر کی سب تعریف کرتے ہیں۔۔ نکاح کی تاریخ تو جانے کب طے ہو جائے اور آپ مجھے جھٹ، پٹ رخصت کر کے نکال باہر کریں کہ چلو بلا ٹلی، ممکن ہے مجھے تیاری کا موقع بھی نہ ملے، جب تائی جان اسی طرف جا رہی ہیں تو کیوں نہ میں اپنی شادی کا جوڑا واپسی میں وہاں سے لیتی آوں۔۔۔؟آپ مجھے بھی تائی جان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں۔"

ندا کے لیے آئے رشتے پر سب سے پہلے اسی نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا، جسے بطورِ سزا انہوں نے اس کا مقدر کر دیا تھا، انہیں تو لگا تھا، وہ مارے ڈر کے چپکی بیٹھی ہے، کوئی احتجاج نہیں کر رہی لیکن اب وہ جس اشتیاق سے اپنی شادی کا جوڑا لینے کے لیے بے چین دکھائی دے رہی تھی اسے دیکھ کر انہیں خوشگوار حیرت ہوئی۔

" تم نے حقیقت کو قبول کر لیا۔سب سے پہلے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔"

" ایسی بکواس حقیقت کو قبول کروں اور میں۔۔۔" اس کے اندر زور سے ہنسی کا فوارہ ابلنے لگا۔لیکن میسنیوں کی طرح منہ بنا گئی۔

" اور دوسری بات یہ کہ شادی کے جوڑے کے لیے اسلام آباد جانے کی کیا ضرورت ہے، آج کل آن لائن سب کچھ مل جاتا ہے، ہر ڈیزائنر کا آوٹ لیٹ ہر شہر میں موجود ہے۔تاریخ طے ہو جائے تو تم لاہور سے اسی ڈیزائنر کے آوٹ لیٹ سے جوڑا لے لینا۔" وہ بھی چوہدری حشمت تھے۔عیشال جہانگیر عش عش کر اٹھی۔

" ارے۔۔۔ ! ! آپ تو خاصے اپ ٹو ڈیٹ داجان ہیں، ورنہ کہاں کسی کے داداجان کو اتنی معلومات ہوتی ہے۔" عیشال جہانگیر نے حیرت کے ساتھ، جس معصومیت اور فراٹے سے کہا اس پر لڑکیاں سر جھکا کر ہنسنے لگیں۔ باقی سب کے چہروں پر بھی محظوظ کن مسکراہٹ پھیل گئی، خود چوہدری حشمت کے لب مسکرائے تھے۔

" لڑکی مکھن مجھے پسند نہیں ہے، اس لیے نہ لگاو۔" خلافِ عادت انہوں نے نرمی سے سرزنش کی تو وہ پہلے سے زیادہ پُر جوش ہو گئی۔

" میری مجال کوئی۔ آپ کی بات بجا ہے داجان، لیکن ڈیزائنر کا اک ہیڈ آفس بھی ہوتا ہے۔ وہی اس کی مین برانچ ہوتی ہے، جہاں وہ پرسنل اٹینشن بھی دیتا ہے۔ اس ڈیزائنر کا مین آوٹ لیٹ اسلام آباد میں ہے، پلیز آپ اجازت دے دیں، آخری بار سمجھ کر ہی۔ پھر تو میں نے حویلی سے رُخصت ہی ہو جانا ہے ، ساری زندگی آپ کو تنگ کرنے کے لیے تھوڑی نہ یہاں موجود رہوں گی۔۔ پلیز داجان۔۔۔ پلیز پلیز پلیز۔۔" اس کی دلسوزی پر اک لمحے کو سب ہی افسردہ سے ہو گئے تھے۔ فریال کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ضد کیوں کر رہی ہے۔ حویلی سے رُخصتی کا سُن کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، زمرد بیگم بھی معاملہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ساتھ سمہان جا رہا تھا۔ شاید وہ تب ہی ضد کر رہی تھی۔ انہیں بہت جلد ساری کہانی سمجھ آ گئی تھی۔ اس کے اندر کی افسردگی پر سمہان آفندی نے اک اُچٹتی نگاہ ڈالی تھی۔

" ٹھیک ہے تم ساتھ چلی جاو۔ اور دیکھو بہو کو زیادہ تنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" جانے اس کے کہے پر ان کا دل پسیجا تھا یا موڈ ہی اچھا تھا جو اسے بھی اجازت مل گئی تھی، لیکن اجازت دیتے وار تنگ نہ دیتے ایسا تو کبھی ممکن ہی نہ تھا۔

" واہ ! آپ تو بڑے اچھے داجان ہیں۔ میں ایویں آپ کو۔۔۔" جانے روانی میں کیا کہنے لگی تھی شازمہ کے ہاتھ کے دباو نے احساس دلایا کہ وہ زیادہ بول گئی ہے۔

" بہو ! ندا کو خاندان والوں سے ملوانا ہو تو تھوڑی دیر کے لیے لے جانا، تمہارا اپنے لوگوں میں رُکنے کا موڈ ہو تو بھلے رُک جانا لیکن حویلی کی بچیاں کسی کے گھر نہیں رُکیں گی، مری میں اپنا کاٹیج ہے، یہ آرام سے وہاں رہیں گی۔ پھر سمہان ساتھ ہوگا ان کے، ہمیں کوئی فکر نہیں ہوگی، ہم غیروں کے گھر بیٹیوں کا رُکنا پسند نہیں کرتے۔ تمہارے اپنے ہیں اس لیے اپنے لیے تمہاری جو مرضی ہو، کرو۔" اب کے رُخ اک بار پھر فائزہ کی طرف ہو گیا تھا۔

" جی بابا جان، میں حکم پر عمل کروں گی۔" وہ راضی بہ رضا تھیں۔

" سمہان ! تمہیں وہاں کچھ زمینوں کا کام بھی دیکھنا ہے، لیکن تمہاری سب سے بڑی ذمہ داری حویلی کی عزت کی رکھوالی ہے۔" دبنگ انداز میں اس کی طرف گھومے تھے۔

" مجھے اپنے فرائض اچھی طرح اَزبر ہیں داجان۔۔۔ ! کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔" سنجیدہ انداز سے یقین دہانی کروائی گئی تھی۔

" ٹھیک ہے، پھر تم سب نکلنے کی تیاری کرو۔ اللہ کی امان میں۔" چوہدری حشمت اٹھ کر چلے گئے تھے۔

" یہ کون سا ڈیزائنر ہے، جس کے کام پر تم فدا ہو۔۔۔ اس کے آوٹ لیٹ جاو تو ہمیں بھی پکس واٹس ایپ کرنا۔ یا پھر ویڈیو کال کر لینا، کچھ اچھا لگا تو ہم بھی تم سے جوڑے منگوالیں گے۔" لڑکیاں اس کے سر ہو گئی تھیں۔ اس نے سمہان آفندی کے سنجیدہ چہرے پر نظر ڈال کر " ڈن " کا اشارہ کیا تھا، وہ دھیمے سے مسکرا دیا۔

☆☆☆

جو کچھ ہو چکا تھا، اس کے بعد سے فریال کو کسی کل چین نہیں تھا۔ جب تک سب کچھ منظر عام پر نہیں آجاتا، تب تک انہیں قرار نصیب نہیں ہونا تھا۔ اس کے بعد جو فیصلہ ہوتا، جانے فیصلہ بھی کیا ہوتا۔ اس کی الگ ٹینشن تھی لیکن اس وقت تو جان کنی میں مبتلا تھیں۔

" فریال بی بی نے اپنے کمرے میں یاد کیا ہے آپ کو۔" سمہان آفندی ماں کا پیغام ملتے ہی آگیا تھا۔

" آپ نے بلایا مام۔۔؟" وہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔

" ہاں، یہاں آؤ۔" فریال اس کا ہاتھ تھام کر بیڈ تک لے گئی تھیں۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی مقابل بیٹھ گئیں۔ انداز میں کسی قدر بے چینی تھی۔

" سمہان، یہ عیشال کو کیا ہوا ہے۔۔۔؟؟ وہ کس شادی کا جوڑا لینے جا رہی ہے۔۔۔؟؟ تم بھی ساتھ جا رہے ہو۔۔ تم دونوں نے کچھ پلان کیا ہے تو ہمیں بھی بتا دو تاکہ ہم بھی ذہنی طور پر تیار رہیں۔" وہ اک ہی سانس میں کہہ گئی تھیں۔

" کوئی پلان نہیں ہے مام۔۔! آپ پریشان نہ ہوں۔۔۔ اسے میں نے ساتھ چلنے کے لیے کہا ہے۔۔۔ ڈیڈ کی واپسی پر بات کھل جائے گی، تب جانے ہمارے نصیب کا کیا فیصلہ ہو۔۔۔ اس سے پہلے میں تھوڑا سا وقت عیشال کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔۔۔ خود یہ بات داجان سے کہتا تو یقیناً کوئی نہ کوئی ایشو بن جاتا۔ تب ہی عیشال سے کہا تھا اور اس نے عقلمندی سے اجازت بھی لے لی۔" وہ پوری سچائی سے کہہ کر قبول کر گیا کہ عیشال کو ایسا کرنے کو اس نے خود کہا تھا۔

" تھوڑا وقت ساتھ۔۔!" وہ ناسمجھی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"جی! زندگی کا تو کچھ نہیں پتا، کب ختم ہو جائے۔۔۔اور اس تھوڑے سے وقت کو آپ کوئی غلط رنگ نہ دیجیے گا۔۔۔آپ کا بیٹا کردار کا اتنا کچا نہیں ہے۔۔۔بھلے وہ میری منکوحہ ہے لیکن جس طرح نکاح میرے بڑوں کی موجودگی اور اللہ کے رسول ﷺ کے روضے پر ہوا ہے، جب کبھی رُخصتی کا موقع نصیب ہوا تو ہی باعزت طریقے سے ہمارا کوئی رشتہ قائم ہوگا۔۔رات کے اندھیرے اور دن کے سناٹے میں رشتہ قائم کرنے کا میں قائل نہیں، نہ ہی آپ کی بہو اتنی سطحی ہے۔"

فریال کے ادھورے سوال سے کئی مفہوم نکل رہے تھے۔اس لیے جھجک کو بالائے طاق رکھ کر اس نے ماں کے سامنے سچے اور کھرے لفظوں میں سب کہہ دیا تھا۔

" مجھے اپنی تربیت اور خون پر پورا بھروسہ ہے لیکن زندگی کیوں ختم ہوگی۔۔؟" وہ دہل کر اس سے استفسار کر رہی تھیں۔ان کے متوحش چہرے پر نظر ڈال کر وہ محبت سے ماں کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام گیا۔

" اُس سے بہت محبت ہے مام۔۔۔! جب لفظ محبت لکھنا نہیں آتا تھا شاید تب سے۔۔۔۔ بھری دوپہر میں اس کا اداس اداس پھرنا، مجھے آج تک نہیں بھولتا۔ حویلی میں سب کو اپنی اپنی زندگی میں مگن دیکھ کر جب وہ سیڑھیوں پر بیٹھ کر روتی تھی تو میرے اندر اک بے چینی پھیل جاتی تھی۔ سمجھ نہیں۔۔۔ ۔۔ سمجھ نہیں آتی تھی، کیسے اس کا اکیلا پن دور کروں، کن لفظوں میں اسے بہلاؤں کہ وہ اس تنہائی کے احساس سے نکل آئے۔۔۔" وہ مرد تھا لیکن بیتے پل کا عکس دھندلا کر آواز کو نمی بخش گیا تھا۔۔۔ لہجہ لڑکھڑا گیا تھا۔

" ہمیشہ، اس کے آس پاس رہتا تھا کہ وہ اکیلا پن محسوس نہ کرے۔۔اور اسی کوشش میں خبر ہی نہ۔۔۔۔ خبر ہی نہ ہوئی مام کہ کب اس کا خیال، میرے ہر خیال پر حاوی ہو گیا۔۔۔ لفظ محبت لکھنا سیکھا تو " ت " میں نقطے بعد میں لگے تھے، پہلے اس کا خیال ذہن میں آیا تھا، اور وہ خیال آج تک نقش ہے

۔۔۔ " بچپن کی حدوں کو واپس چھوتے وہ ہولے سے مسکرایا تھا۔ فریال بھی حیرت سے اس کا کنفیشن سن رہی تھیں۔

" وہ جھلی جتنا مجھ پر مرتی ہے اس سے کہیں زیادہ میں اس پر، لیکن حویلی کے اصول بھی ازبر تھے۔ بہت کوشش کی تھی نہ حویلی کا باغی بنوں نہ اسے بیچ راہ میں چھوڑ کر جاوں۔۔۔ لیکن ساری کوشش بے سود گئیں۔۔۔ جس در کا بلاوا آیا، وہاں ہم دونوں کا ساتھ رب العزت نے لکھ دیا تھا تو میں کیوں پیچھے ہٹتا ۔۔۔ پورے دل سے اسے اپنایا ہے، چند روز میں فیصلہ بھی آجائے گا، اس سے پہلے میں اس کے ساتھ تھوڑا سا جینا چاہتا ہوں، بھلے حویلی والوں سے پوشیدہ رکھ کر لیکن آپ نہ بھی بلاتیں تب بھی اپنی ماں کو اعتماد میں لے کر آپ کی اجازت سے آپ کی بہو کو لے کر جاتا۔۔۔

موت کا کوئی نہیں پتا کب آجائے، جب اسے اپنایا نہیں تھا۔ تب بھی یہی سوچ تھی کہ اس کے لیے کچھ کروں، اسی لیے، بہت پہلے ہی میں نے اپنی وصیت لکھ دی ہے کہ میرے بعد، میری تمام چیزوں کی وارث عیشال ہوگی۔۔۔ بھلے وہ میری نہ بنتی لیکن میرا سب کچھ تب بھی اس کا تھا اور اب جب کہ وہ میری عزت بن چکی ہے تو بھی سب کچھ اسی کا ہے۔"

وہ چند ثانیے کو رُکا تھا، جیسے آگے کے جملے ترتیب دے رہا ہو۔ کچھ سوچ کر چہرے پر دل شکن تاثرات پھیل گئے تھے۔ ہاتھوں کے دباو میں اضافہ ہوگیا تھا۔ جیسے وہ لمس کی زبان میں اپنے اندر کی ساری بے چینی منتقل کرنا چاہ رہا ہو۔

" مجھے کچھ بھی ہوجائے مام لیکن اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ میں رہوں، نہ رہوں آپ اور ڈیڈ نے اس کا ہر طرح خیال رکھنا ہے۔۔۔ اسے کبھی اکیلا مت چھوڑیے گا، نہ ہی آپ دونوں اس پر کوئی سزا لاگو ہونے دیں گے۔۔۔ اسے بہت خوش رکھیے گا۔۔۔ وعدہ کریں مجھ سے۔۔۔! " وہ ان کے ہاتھ چھوڑ کر ان کے سامنے اپنی مضبوط ہتھیلی پھیلا گیا تھا۔

"سمہان !" فریال سہم سی گئی تھیں۔

" وعدہ کریں مام۔۔ !" وہ بضد تھا۔

" میں وعدہ کرتی ہوں، میری جان۔۔۔ ! لیکن تمہیں کچھ ہوگا ایسا تو مت کہو۔۔ چند دن کیا تم دونوں سالوں اک دوسرے کے ساتھ گزارو گے۔۔۔ سچا عشق کبھی فنا نہیں ہوتا۔۔۔ تم دونوں ہمیشہ ساتھ رہو گے۔۔۔ اس اک دعا کے سوا میں آج، کل اور کوئی دعا ہی نہیں مانگتی۔۔۔ تم دونوں ہمیشہ ساتھ رہو گے۔" اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فریال جوان بیٹے کے کندھے سے لگ کر آنسو بہانے لگی تھیں۔

" تھینکس مام ! خود اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں لیکن لب مسکرا رہے تھے۔

اور فریال سے ٹریولنگ بیگ لینے کے لیے آتی عیشال جہانگیر جو بلا ارادہ ماں بیٹے کی گفتگو سننے کا ارتکاب کر بیٹھی تھی، دیوار سے لگ کر اس سے اپنے آنسوؤں پر بند باندھنا مشکل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

" یہ کیا نیا تماشا شروع ہوا ہے اس محلے میں۔۔۔ کون ہے یہ لڑکا۔۔؟؟"

منزہ کی رہتی زندگی سب نے بہت کم ایشان جاہ کو آتے جاتے دیکھا تھا، ہاں اس کی گاڑی پر سب کی نظر پڑی تھی۔ چند اک ہی اس کی شکل سے واقف تھے جن میں شاہد صاحب کو سر فہرست یہ اعزاز حاصل تھا۔ مسلسل کئی گھنٹوں سے وہ ماورا کے گھر کے سامنے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔ نہ دھوپ کا احساس تھا، نہ آتے ، جاتے گزرنے والے لوگوں کا، جو اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔۔۔ وہ جس طرح چیخ چلا کر اندر آ گئی تھی سب ہی اس کے سر ہو جاتے لیکن شاہد صاحب واقف تھے کہ وہ کس کا بیٹا ہے، تب ہی سب

کو ٹھنڈا کر گئے تھے لیکن ایسے بندوں سے ان ماں، بیٹی کا کیا تعلق تھا۔۔؟ محلے والوں کو اک نیا موضوع مل گیا تھا۔

گزرتے ہوئے لوگ اک دوسرے سے استفسار کر رہے تھے۔ صحن میں منزہ کی سلائی مشین سنبھالے ماورا ایکی کی سماعت میں سارے لفظ اتر رہے تھے۔ان جملوں سے ہی اسے خبر ہو رہی تھی کہ وہ ابھی تک باہر موجود ہے۔ نفرت سے سر جھٹک کر وہ سوئی میں دھاگا ڈال کر تیزی سے سلائی کا کام کر رہی تھی جب انوشا کی کال آنے لگی۔ جانے کے بعد سے اس نے کتنی ہی بی کالز کی تھیں اس وقت بھی اس کی کال پر وہ جھنجلا گئی تھی۔

" توبہ ! کیوں پھاڑ کھانے کو دوڑ رہی ہو۔۔۔ سچ بتاو کس کا غصہ ہے۔" وہ بھی سگی بہن تھی اس کی جھنجلاہٹ سے ہی جان گئی کہ وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہے۔

" کسی کا نہیں۔ میں نے کس کا غصہ نکالنا ہے۔" وہ بے فکری ظاہر کرنے لگی۔

" سچ بتاو ماورا، مجھے تم بہت ڈسٹرب لگ رہی ہو۔۔ کچھ ہوا ہے کیا۔۔؟ پھر تو نہیں آئے وہ لوگ۔۔؟" انوشا کا اندازہ بالکل درست لگا تھا وہ اک پل کو چپ سی ہو گئی اور انوشا کے شک کو تقویت ملی۔

" تمہیں میری قسم جو کچھ چھپایا۔ کیا ہوا ہے، بتاو." وہ بضد تھی۔

"اک تو تم بھی ناجان کو آ جاتی ہو۔ پہلے ہی تم یہاں سے مشکلوں سے گئی ہو اب میں تمہیں بیٹھ کر یہاں کا اک اک دُکھڑا سُناتی رہوں۔۔؟ تم وہاں کے معاملات دیکھو میں یہاں کا ہینڈل کر لوں گی۔

" ہاں بڑی تمیں مار خان ہو نا۔۔ بتاو پہلے ہوا کیا ہے۔۔؟" وہ کسی طور جان چھوڑنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"ہونا کیا ہے، بس اس فیملی کو تماشے لگانے کا شوق ہے۔" وہ پوری کہانی سُنا گئی تھی۔

" کیا! تب سے اب تک وہ گھر کے باہر بیٹھا ہوا ہے۔۔؟" انوشا کو سُن کر جھٹکا لگا۔

" تمہارے تھپڑ کھانے کے بعد بھی۔۔؟" اس کی حیرت کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

" ہاں! " وہ کہتی بھی تو کیا ہامی بھر گئی۔

" یاسر باہر گئے ہوئے ہیں۔ ابھی آتے ہیں تو میں آ رہی ہوں تمہاری طرف۔ آ کر پوچھتی ہوں اس سے کیوں محلے والوں کے سامنے تماشا لگا رہا ہے تمہارا۔" وہ غصہ ہوئی۔

" کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں یہاں آنے اور یاسر بھائی کو کچھ بتانے کی۔ جانے وہ کیا سوچیں ہمارے بارے میں۔ اس شخص نے رشتے والوں کے سامنے بھی تماشا کیا تھا یاسر بھائی بھولے تھوڑی نہ ہوں گے ۔۔ بلاوجہ تمہیں سُبکی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

" میری فکر مت کرو، اپنی سُبکی کا خیال کر کے تمہیں سب کے بے رحم سوالوں اور نظروں کے حوالے نہیں کر سکتی۔۔ میں آتی ہوں، یاسر کے ساتھ۔" وہ اس کی بات سننے کو تیار نہیں تھی۔ اسی وقت دروازے پر زور سے دستک ہوئی تھی اک پل کو تو دونوں ہی ڈر گئیں۔

☆☆☆

اگلے دن کا سورج کب کا نکل آیا تھا۔۔۔ اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔

" فریج" کا دیدار کرنے کے بعد صدمہ اتنا گہرا لگا تھا کہ کمرے میں واپس آ کر وہ اسے کچھ بول ہی نہ سکی، بس کونے میں سکڑ سمٹ کر سسکنے لگی۔۔۔ وہ مزے سے سیل فون میں بزی تھا، وہ سسک رہی ہے یا بھوک سے مر رہی ہے، اسے چنداں فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ جانے کب بھوک اور پیاس کی شدت اسے نڈھال کرنے کے ساتھ بے دم کر گئی، وہ بے خبر ہی رہی کہ آیا بے ہوش ہوئی تھی یا اسے نیند آ گئی تھی ۔۔۔ آنکھ کھلی تو تاریکی کے ساتھ اپنی سکڑی سمٹی پوزیشن کا بھی احساس ہوا۔ یوں ہی پڑے پڑے رہنے کی

وجہ سے جسم میں درد ہونے لگا تھا۔۔۔ دروازہ ذرا سا ہوا سا ہلا تو روشنی کی تیز لکیر کمرے پر پڑی وہ چونک کر اٹھی تھی۔ دروازہ وا کرتے اس نے اک دم سے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔ تیز روشنی احساس دلا گئی تھی کہ اگلے دن کا سورج اپنی پوری آب وتاب سے روشن ہو چکا ہے۔

" رات بھی گزر گئی اور میں اسی طرح بھوکی، پیاسی سوئی رہی۔۔۔؟" وہ حیرت کی زیادتی سے مرنے والی ہو گئی تھی۔

نگاہ بے ساختہ چارپائی پر پڑی تھی۔ خالی چارپائی دیکھ کر اسے حیرت ہونے لگی۔

"کہاں گیا۔۔؟" اتنا سوچنے کا وقت نہیں تھا اس کے پاس، چارپائی پر پڑے اپنے پرس پر نظر پڑی تو تو تیزی سے اس تک بڑھی۔ تیزی سے بڑھنے پر نقاہت کے مارے آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا تھا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح چارپائی تک پہنچ ہی گئی تھی۔

" سمجھتا ہے، اپنے مشن میں کامیاب ہو جائے گا۔ یہاں اس جنگل میں لا کر مجھے سبق سکھائے گا تو یہ اس کی بھول ہے۔۔۔ میں سب کو اس کا اصل چہرہ دکھاؤں گی۔۔ جب واہ، واہ ہونے والے کی تھو تھو ہو گی تو ہی اسے شرم آئے گی۔" بڑبڑاتے ہوئے پرس پر قبضہ کر کے وہ تیزی سے اپنا فون ڈھونڈ رہی تھی۔ مگر فون ہوتا تو ملتا نا۔۔۔ پورا پرس الٹ دینے کے بعد بھی فون کی جھلک نظر نہیں آئی تھی۔

" کس قدر شاطر ہے یہ شخص۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔۔

دروازے کے اس پار کھٹر پٹر ہوئی تو اس نے جلدی جلدی پرس کا سامان واپس ڈال کر اسے ویسے ہی چھوڑا کر اپنی جگہ پر آ کے بیٹھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہشاش بشاش وہ داخل ہوا تھا۔

" لے لی تلاشی۔۔؟" کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے اک نظر میں سب کچھ بھانپ لیا تھا۔ اشارہ پرس کی طرف تھا۔

" میرا فون واپس کریں۔ میں نے مما سے بات کرنی ہے۔" سوال پہ سر جھٹک کر نروٹھے پن سے مخاطب تھی۔

" بات کرنی ہے، یا میری شکایت لگانی ہے۔۔؟" دونوں ہاتھ پیچھے کر کے لیتے اس نے مزا لیا۔

" بات کروں گی۔" زبانی جمع خرچ اس وقت نقصان دیتی، سو اس نے تحمل سے جواب دیا۔

" حویلی میں ساتھ رہ کر آپ کو اپنی فیملی سے بات کرنے کی فرصت نہیں تھی اور یہاں آتے ہی ان کی یاد آنے لگی۔" ہر معاملے پر اس کی نظر تھی۔ وہ غصہ دبا کے رہ گئی۔

" میرے اپنوں سے دوری کی وجہ بھی آپ ہی ہیں۔۔۔ انہوں نے آپ کے ساتھ جوڑ کر مجھے جو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے، اس کے لیے شاید میں کبھی معاف نہ کر سکوں۔" ضبط کے باوجود بھی وہ کہہ گئی تھی۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ اور اس ذکر سے اتنی تنہائی محسوس ہوئی کہ آنکھیں بھی بھیگنے لگیں۔ وہ شخص اس کے گھر والوں کی مرضی سے اس پر مسلط تھا۔ یہ احساس ہی دل شکن تھا۔

" پھر ان سے شکایت کرنے کا کیا فائدہ۔۔ بہتر ہے آرام کریں۔" لفظوں سے صاف ظاہر تھا کہ اس کا بات کروانے کا کوئی خاص موڈ نہیں تھا۔

" مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" تیسری کوئی بات ہی کہاں تھی، جب حلق تک خشک تھا۔

" بیٹھے، بیٹھے من و سلویٰ تو اترنے سے رہا۔ ہاتھ، پاؤں ہلاؤ گی تو ہی کچھ ملے گا۔۔۔ پکاؤ اور کھاؤ، کس نے روکا ہے تمہیں۔" رعایت کا کوئی موڈ نہیں تھا۔

" مجھے ان چیزوں کو ہینڈل کرنا نہیں آتا ہے۔" بے بسی اور بھوک کی شدت سے رونے والی ہو گئی تھی۔

" سیکھنے میں دیر کتنی لگتی ہے۔" بے فکری سی بے فکری تھی۔

"کل سے آج تک آپ خود تو بھوکے نہیں ہوں گے۔۔، پھر مجھ پہ ظلم کیوں۔۔؟" روہانسی ہو گئی۔ سچ میں بھوک سے بڑی کوئی سزا نہیں، جس کی وجہ سے وہ اس کے آگے دہائی دینے پر مجبور تھی۔۔جب تک ہوش وخرد سے بے گانہ تھی۔ کوئی احساس نہیں تھا، اٹھتے ہی پیٹ کی آگ نے گڑگڑانے پر مجبور کر دیا تھا۔اک طرف بھاڑ جیسا کچن تھا، جس کی طرف جاتی انا آڑے آ رہی تھی اور یہ انا بھوک سے کب تک لڑ سکتی تھی یہی شاہ زر شمعون کو دیکھنا تھا۔

" ظلم تو تم نے خود پر کر رکھا ہے۔ گھر میں ہر نعمت موجود ہے، اس کے باوجود تم بھوک کا رونا روگی تو کفرانِ نعمت ہی گردانی جاوگی۔ظالم تو میں تب لگوں، جب تمہیں کچھ میسّر نہ ہو۔"

زبان لڑا کر پیٹ کا ایندھن نہیں بھرا جا سکتا تھا۔

" میں بھوک اور پیاس سے مر جاوں گی۔" آخری حربے کے طور پر دُہائی دی کہ شاید اس کا دل پسیج جائے۔

" مر جاو۔۔۔ ہیڈ لائن لگ جائے گی۔ ضدی اور پھوہڑ عورت نے مرنا پسند کیا لیکن کچھ پکانے کی زحمت نہیں کی۔" اس ہیڈ لائن پر وہ لب بھینچ کر اس کی شان میں قصیدہ ہی پڑھ سکتی تھی۔

" کس قدر ظالم انسان ہیں آپ، آپ کو مجھ پر ترس نہیں آ رہا۔" وہ دلسوزی سے کہہ رہی تھی شاہ زر شمعون جھٹکے سے اٹھا تھا۔ کچھ ثانیے بھوک سے زرد اس کے چہرے کو باریکی سے دیکھتا رہا۔ جی جان لگا کر اس نے تاثرات میں اور مظلومیت طاری کر لی۔

" نہیں! کیونکہ اس مظلوم چہرے کے پیچھے کی عیاری اور، مکاری سے آگاہ ہوں۔" تیز لہجے میں کہہ کر دوبارہ پیچھے گر کر لیٹ گیا۔ وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کے رہ گئی۔ وہ اک بار پھر آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ

گیا تھا اور اس کی سسکیاں وقفے وقفے سے نکلنے لگی تھیں۔ ضد وانا میں گھری وہ اتنی جلدی ہار مانتی بھی تو کیسے۔

☆☆☆

رات گئے آپریشن سے لوٹنے کے بعد چوہدری جہانگیر کی صبح دیر سے ہی ہوتی تھی۔ بریک فاسٹ اور لنچ اکثر برنچ ہی بن جایا کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ آفس سے کال پر جاگے تھے۔ تیار ہو کر آئے تو صہبا اور نرمین لاونج کے صوفے پر ہی مل گئیں۔

" اٹھ گئے آپ۔۔؟" صہبا دیکھتے ہی لگاوٹ سے مسکرائیں۔

" ہاں، اور آتے ہوئے انٹر کام بھی کرتا آیا ہوں، آپ ناشتے کے لیے فکر مند مت ہوں۔" ان کے اگلے متوقع سوال کے پیشِ نظر لب کُشا ہوئے۔

" چلیں ٹھیک ہے، کچھ اسپیشل بنوادوں آپ کے لیے۔۔؟" اجازت کی طالب تھیں۔

" نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔۔" وہ نرمین کے پاس بیٹھ گئے تھے، جو کسی حد تک منہ سُجائے بیٹھی تھی۔

" ناراض ہے میری بیٹی۔۔؟" اس کے منہ کو دیکھتے سوال کیا۔

" نہیں۔" نروٹھا لہجہ تھا۔

" پھر۔۔ میرا بچہ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہا۔۔؟؟" لگاوٹ سے شانے سے لگا گئے۔

" آپ کو میری ذرا پروا نہیں ہے، نہ ہی محبت ہے۔۔ بس اپنے کام میں بزی ہو کر سب بھول جاتے ہیں۔" منہ بسور کر آغاز ہو چکا تھا۔

"جاب کی ریکائرمنٹ ہی ایسی ہے بیٹا کہ وقت کا تعین ہی نہیں ہو پاتا، یہ تو آپ بچپن سے دیکھ رہی ہو۔"

"جی دیکھ رہی ہوں لیکن آپ پھر بھی مجھے اور میری چیزوں کو اولیت دیتے تھے لیکن آج کل تو جیسے آپ کو میری پرواہی نہیں ہے۔" گلہ ہنوز قائم تھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں، پھر بھی کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو بتاو، اپنی بیٹی کو خوش کرنے کے لیے ہر ازالے کے لیے تیار ہوں۔"

"کچھ نہیں ڈیڈ۔۔ کوئی بات نہیں ہے۔۔ جہاں اک تاریخ ہی طے نہیں ہو پا رہی وہاں اور کیا ازالہ ہو گا ۔" لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔

"اچھا تو اس بات پر موڈ آف ہے میری بیٹی کا۔۔۔ بھئی خوش ہو جاو میں نے اگلا ویک اینڈ طے کر دیا ہے نکاح کا۔"

"چلیں یہ تو اچھا ہوا لیکن پھر ڈیٹ آگے نہ چلی جائے۔" صہبا نے خوشی کے ساتھ خدشہ ظاہر کیا۔

"یہی ہو گا مما، دیکھ لیجیے گا۔" نرمین کا انداز ہنوز تھا۔

"اب اگر ایسا ہوا تو ایسا کرنے والے کو میں بخشوں گا نہیں۔۔۔" چوہدری جہانگیر کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔

"حویلی اور وہاں کے لوگ۔۔ سچی کبھی کبھی تو بہت ایریٹیٹ کرتے ہیں۔" صہبا بھی بھنائی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"اب سے کوئی اس فیصلے پر اثر انداز ہو کر دکھائے۔۔۔ اگلے ویک اینڈ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح سمہان سے کرنا ہے تو بس کرنا ہے۔ چاہے اس کے لیے جو ہو جائے۔" چوہدری جہانگیر اب کے مزید اگریسیو ہو رہے تھے۔ منزہ کی موت کے بعد سے حویلی والوں کے لیے ان کے اندر کی کڑواہٹ مزید بڑھ گئی تھی ۔ صہبا تو کسی قدر مطمئن تھیں لیکن نرمین جانے کیوں کچھ بے یقین سی تھی۔

☆☆☆

تیرے عشق کی پڑ گئی مار پیا

میں رُوئی زار و زار پیا

میں دُھول فقط تیرے قدموں کی

تُو من کا ہے اوتار پیا

تُو قدم زمین پر رکھے تو

ہو سینے میں جھنکار پیا

میں پیاس ہوں جیسے صحرا کی

تُو چشمہ ٹھنڈا ٹھار پیا

مُجھے عشق اُڑائے پھرتا ہے

اِس پار کبھی، اُس پار پیا

کس چال سے تُو نے باندھا ہے

میں بھول گئی سب وار پیا

تُو شاہ میرے دو عالم کا

یہ دل تیرا دربار پیا

تُو روگ ہے اندر پلتا ہے

میں اَزلوں سے بیمار پیا

تیرے نام پہ ہنس کے زہر پیوں ں

جاں دے دوں تُجھ پہ وار پیا

سمہان آفندی کی WD4 تیار کھڑی تھی۔ فائزہ اور ندا پچھلی سیٹ پر براجمان ہو چکی تھیں۔ سمہان آفندی ان کا سامان گاڑی میں رکھ کر سیدھا ہی ہوا تھا جب وہائٹ سوٹ پر وہائٹ ہی چادر لیے وہ سامنے سے چلی آ رہی تھی۔ چادر کے ہالے میں شہد رنگ لٹیں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔۔۔ کجراری آنکھوں میں ہلکی سی نمی اس پر نظر پڑتے ہی پھیل گئی مرمریں سے پیروں میں وہائٹ سینڈل پہنے وہ اسی کی سمت آ رہی تھی۔ وہ بے ساختہ گاڑی سے پُشت ٹکا گیا تھا۔ وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ عیشال جہانگیر کی نظر اسی پہ جمی ہوئی تھی۔ ہولے سے مسکرا کر اس نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو ملا کر سر ہلنے کا سائن دیا تھا۔ اس کی بے اختیار حرکت پر وہ ہولے سے مسکرا دی تھی۔

سب کچھ سُن لینے کے بعد اس شخص کی قدر و منزلت اس کی نظر میں کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ یہ شخص اس کے لیے اس حد تک سوچتا تھا کہ اپنے بعد بھی اس کی خوشیوں اور اس کی حفاظت کے لیے سب طے کر گیا تھا۔ بنا اسے دکھائے، بنا کچھ جتائے وہ اسے مضبوط کر گیا تھا۔

گاڑی کے پاس آ کر اس کے قدم رُک گئے تھے۔ بنا کچھ کہے سمہان آفندی نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا ہی تھا، اس پر اک نظر ڈال کر وہ ان دونوں کے ساتھ پچھلی نشست پر براجمان ہو گئی تھی۔ اس

کے بیٹھنے کے بعد ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر سمہان آفندی نے گاڑی حویلی سے نکال کر سڑک پر ڈال دی تھی۔

فائزہ اپنی تسبیہ میں مشغول تھیں، جو وہ حالتِ سفر میں لازم اوّل و آخر رکھتی تھیں۔ ندا خاموشی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ان دونوں کی موجودگی میں بظاہر بہت الرٹ بیٹھی ہوئی تھی مگر اس کی بھٹکتی نگاہ بار بار سمہان آفندی کی پشت پر اٹھ رہی تھیں۔ بیک ویو مرر سے سمہان آفندی کی اُچٹتی نگاہ اس پر پڑ رہی تھی۔ بہت کم فاصلہ تھا، مگر فاصلہ تو تھا۔ دونوں مُحتاط انداز میں اپنے اپنے جذبات کو چھپائے بیٹھے تھے ۔اتنا سب کچھ جاننے کے بعد دل اتنا کرلانے لگا تھا کہ عیشال کا جی چاہ رہا تھا اس کے شانے سے لگ کر آنکھ کا آخری قطرہ تک بہادے۔ سفر تھوڑا ہی کٹا تھا لیکن سفر کے ساتھ جو دوسرا سفر ہم قدم تھا۔ اس نے قدم بوجھل کر دیے تھے۔

"گاڑی رُکو سمہان!" ندا کی ہلکی سی آواز نکلی تھی۔ عیشال نے چونک کر ندا کو دیکھا تھا۔ سمہان آفندی نے استفہامیہ بھری نظروں سے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا اور بریک پر پاوں رکھ دیئے۔

"کیا ہوا گاڑی کیوں رُکوادی۔۔؟" فائزہ بھی بوکھلا گئیں۔

"مما جگہ بہت تنگ ہے۔ میں ریلیکس ہو کر تھوڑا لیٹنا چاہ رہی ہوں۔۔ عیشال تم آگے چلی جاو۔" ندا کے اک دم سے کہنے پر وہ سمہان آفندی کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"اتنی جگہ تو ہے، کیوں بے چاری بچی کو تنگ کر رہی ہو۔" فائزہ کو لگا عیشال برا نہ مان جائے تب ہی ندا کو سرزنش کرتی نگاہ سے دیکھنے لگیں۔

" تنگ ہونے کی کیا بات ہے مما، آگے کون سا ڈرائیور ہے، جو عیشال ان کمفرٹیبل ہو گی۔ جاو، جا کے آرام سے آگے بیٹھ جاو۔" ندا نے کہنے کے ساتھ تقریباً اسے دھکیل کر دروازے سے لگا دیا۔ وہ چپکی بیٹھی تھی کہ کرے تو کیا کرے۔

" اسے تنگ مت کرو۔ میں ہی آگے سمہان کے پاس چلی جاتی ہوں، تم آرام سے لیٹ جاو۔" فائزہ اپنی طرف کا دروازہ کھولنے کے لیے تسبیہ کو ہاتھ میں لپیٹنے لگیں۔

" اتنا لمبا سفر ہے آپ کب تک آگے اکڑوں بیٹھی رہیں گی۔۔ میرے بعد آپ آرام سے لیٹ جایئے گا ۔عیشال کا کیا ہے یہ تو گھنٹوں بیٹھ سکتی ہے سیٹ میں۔۔ جاتی کیوں، نہیں جاو نا۔" اب کے ندا نے تیز لیکن ٹھنڈے لہجے میں کہنے کے ساتھ دروازہ کھول کر اس کے قدموں کو دھکیل ہی دیا تھا کہ مبادا اس سے پہلے فائزہ ہی نہ دوسری طرف سے اتر جائیں۔

" بیٹا، اگر تنگی ہو تو پیچھے آ جانا، میں آگے بیٹھ جاوں گی۔" فائزہ کو ندا کی حرکت پر شرمندگی سی ہوئی تھی دونوں کے سامنے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ ندا نے دونوں کی مشکل آسان کی تھی۔ عیشال جہانگیر جھجکتی ہوئی فرنٹ سیٹ پر آ کے بیٹھ گئی تھی۔ سمہان آفندی نے گاڑی دوبارہ سے سڑک پر ڈال دی تھی

" بالکل بچوں جیسی حرکتیں کر جاتی ہو ندا۔۔ بیچ راہ میں گاڑی رُکوا دی، کیا ضرورت تھی بچی کو زبردستی نکال باہر کرنے کی۔" فائزہ کلاس لے رہی تھیں۔

" کوئی تنگ نہیں ہوتی بچی مما۔۔ اتنے دِنوں بعد باہر کی شکل دیکھی ہے۔ اسے انجوائے کرنے دیں۔ سمہان کوئی اچھا سا سونگ ہی پلے کر دو بھائی، کم از کم سفر کی کچھ یادیں تو ہمارے ساتھ ہوں۔ پھر کیا معلوم کل ہم ہوں نہ ہوں۔" جانے کیوں ندا کی ہر بات معنی خیز محسوس ہو رہی تھی۔ اتنے دِنوں بعد

باہر کی شکل دیکھی ہے کہہ کر وہ فائزہ کو ایموشنل کر گئی تھی۔اس کا درد محسوس کر کے وہ چپ سی ہو گئیں
۔

" جی بہتر ! " گانے کی فرمائش سبحان آفندی نے فوراً پوری کی تھی۔

آج، کل یاد کچھ اور رہتا نہیں، اک بس آپ کے یاد آنے کے بعد
یاد آنے سے پہلے چلے آیئے اور پھر جایئے جان جانے کے بعد

اپنی آنکھوں میں مجھ کو بسا لیجیے، اپنے دل میں میرا گھر بنا لیجیے
کیا کروں دل کہیں اور لگتا نہیں پیار میں آپ سے دل لگانے کے بعد

آپ کا نام دل سے نکلتا نہیں، دل لگی میں کوئی زور چلتا نہیں
آپ کو بھول جانے کی کوشش بھی کی اور تڑپا ہوں میں بھول جانے کے بعد

ندا کا انداز، اسے زبردستی باہر دھکیلنا۔گانے کی فرمائش عیشال جہانگیر کو شک سا گزرا تھا کہ شاید وہ باخبر ہے۔ تھوڑی دیر وہ باہر کا منظر دیکھتی رہی تھی پھر، چادر منہ پر ڈال کر نیم دراز سی ہو گئی۔ فائزہ کی تسبیہ میں گانے کی وجہ سے خلل سی پڑ رہی تھی اس لیے وہ سارا دھیان تسبیہ پر لگا کر سیٹ سے لگ کر رُخ تقریباً پھیر چکی تھیں۔دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش، محتاط تھے۔ سفر طویل تھا۔ فائزہ بھی اونگھنے لگی

تھیں۔دونوں کی طرف سے مطمئن ہو کر سمہان آفندی نے سیٹ کے نیچے سے اک راونڈ ڈبا نکال کر اس کی گود میں دھر دیا تھا۔استعجابیہ انداز میں نظریں اس پر اٹھی تھیں۔

" اس سفر میں ہم سفر بننے کے لیے شکریہ !" ڈبے کے اندر ڈھیروں چاکلیٹس اور چھوٹا سا ریڈ کلر کا ٹیڈی بیئر دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکان پھیل گئی تھی۔

' سو کیوٹ، تھینک یو !'' ان چھوٹی سی چیزوں سے جھلکتی خوشی کا عکس اس کے چہرے پر پڑنے لگا تھا۔

" کس خوشی میں یہ سب۔؟'' گانے کی آواز میں دونوں اتنی دھیمی آواز میں گفتگو کر رہے تھے کہ ساتھ بیٹھنے کے باوجود کان لگا کر سُننا پڑ رہا تھا۔

" سوچا بیگم کو خوش کر دیا جائے، کل کو یہ تو نہیں کہو گی، کنجوس میاں کچھ دیتا ہی نہیں ہے۔" شریر لہجہ تھا۔ہنسی بے ساختہ تھی جسے اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر کنٹرول کیا۔

" میں نہیں کہوں گی، مجھے پتا ہے، تم بہت اچھے ہو۔" ہتھیلی پر رکھے بیئر کو محبت سے دیکھتی وہ اک نظر اس پہ ڈال گئی۔

" بٹر نٹ۔" مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ گیئر پر رکھ کر وہ اپنا ہاتھ رکھ گیا تھا۔

چادر کے اندر سے ندا کو ان کے چہرے کی خوشی اور اک دوسرے کی رفاقت میں شاد چہرے مسکرانے پر مجبور کر گئے تھے۔وہ کیا باتیں کر رہے تھے یہ تو آواز نہیں آ رہی تھی لیکن ان کے آسودہ چہرے پر بکھری محبت اس کا دل گداز کر گئی تھی۔لب مسکرا رہے تھے لیکن آنکھیں دل کی ویرانی پر برسنے لگی تھیں اور یہ برسات تو دائمی تھی۔

☆☆☆

ضد اور ہٹ دھرمی میں وہ اپنا نقصان کس حد تک کر سکتی تھی شاہ زر شمعون کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ بھوکی مرتی مر جاتی لیکن کچھ پکانا شان کے خیال تصور کر کے پڑی رہتی۔ ڈائٹنگ کی رسیا کے جسم میں پانی اور خوراک کی کمی حد سے تجاوز کر جاتی تو الٹا اسے لینے کے دینے پڑ جاتے۔ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو چکی تھی لیکن ضد بدستور قائم تھی۔

"باہر کھانا کھانے جا رہا ہوں، تم سے تو امید بھی نہیں ہے کہ گھر میں کچھ کھانے کو ملے گا۔" وہ اٹھ کر چھوٹے سے مرر کے آگے کھڑا بال بنا کر گویا باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

"میرے لیے بھی کچھ لیتے آئیں بھوک سے مر جاوں گی۔" نقاہت بھری لہجے میں التجا کی۔

"مر جاو! یہیں دفنا کے چلا جاوں گا واپس۔" بے رحم جواب سے نوازا گیا۔

"خود باہر سے کھا کر آ رہے ہیں اور یہاں میں بوند بوند کو ترس رہی ہوں۔ ذرا ترس نہیں آ رہا آپ کو مجھ پر۔۔۔؟؟" اب وہ ایموشنل کارڈ کھیل رہی تھی۔

"جو خود پر ترس نہیں کھا رہی، اس پر کوئی دوسرا کیا ترس کھائے گا۔ ضدی اور گھمنڈی لوگ اپنی موت آپ مرتے ہیں۔۔۔ اور ایسوں کی موت مقامِ افسوس نہیں، مقامِ عبرت ہوتی ہے۔" سخت لب ولہجہ اس کے نقاہت بھرے وجود پر چابک کی طرح برس رہا تھا۔

"بھوک، پیاس کے ہاتھوں مر گئی تو روزِ محشر آپ کو معاف نہیں کروں گی۔" وہ سارے پتے کھیلنا چاہ رہی تھی۔ اس حالت میں بھی دماغ خوب چل رہا تھا۔

"مت کرنا! ہڈ حرامی میں کفرانِ نعمت کرنے والوں کی مجھے معافی کی ضرورت بھی نہیں پڑنے والی۔۔۔ جلدی مرو، تمہیں یہاں لایا ہی اس لیے ہوں کہ جلد از جلد تم سے جان چھوٹے اور میں کسی "سمجھ دار، سگھڑ لڑکی کو بیاہ لاوں۔۔ تمہاری موجودگی میں بھی لا سکتا ہوں لیکن پھر سب کو تاویلیں دینا پڑیں گی

کہ اتنی جلدی دوسری شادی کیوں کر رہا ہوں۔۔۔اور میں انہیں یہ جواب دیتا اچھا لگوں گا کہ بیوی چاہیے فیس بک یا نک ٹاک پر ہو ٹلنگ کے پکچرز اور ویڈیو اپلوڈ کرنے والی ماڈل گرل نہیں۔۔۔" وہ اس بھگو کر مار گیا تھا کہ دوسری شادی کی بات پر چونکنے کے باوجود اس کا دھیان اپنے سیل فون کی طرف گیا تھا ۔یقیناً وہ اس کے سارے سوشل ایپس کا یاترا کر چکا تھا۔اس کی سیلفی، سوشل ایکٹی ویٹی کی پکچرز، آوٹنگ، ہو ٹلنگ اور ڈرائیو موڈ کی ویڈیوز تک اپلوڈ اس کی آزاد زندگی کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

" بطورِ ثبوت سب کا بیک اَپ رکھ کر ساری آئیڈیز اُڑا دی ہیں تمہاری۔۔۔ یہاں بھی تمہارا کتنا خیال رکھا ہے میں۔۔ کل کو یہاں بھوکی، پیاسی مر گئیں تو ڈیجیٹل گناہوں کی سزا تو نہیں بھگتنا پڑے گا نا تمہیں ۔۔۔بس شکریہ بول کر شرمندہ نہ کرنا۔"

اپنی چیزوں کے ساتھ اس کا سلوک سن کر اس کا منہ حیرت سے کئی بار کُھلا اور بند ہوا تھا۔آخری جملے پر لب بھینچ گئی تھی۔

" مر گئی تو کیا ہی کہنے، لیکن یہاں سے زندہ سلامت نکلی اور کسی جگہ اپنے حُسن کی نمائش کرتے میں نے تمہاری سیلفی دیکھی تو تمہارے آخری آرام گاہ کی پکچر میں خود اپلوڈ کر دوں گا۔" سرد لہجے میں وارننگ دی گئی تھی۔

" ہونہہ !' وہ سر جھٹک کے رہ گئی۔

" باہر صحن میں خشک پتوں کا ڈھیر پڑا ہے۔ میرے آنے تک اس کی صفائی ہو جانی چاہیے۔"

وہ نکلتے ہوئے اسے کام سونپ رہا تھا۔

" مجھ میں ہلنے کی سکت نہیں ہے اور آپ مجھے جھاڑو مارنے کا کہہ رہے ہیں۔مجھ سے نہیں ہوگا، نہ میں کروں گی۔" وہ بھی اپنے نام کی اک ڈھیٹ تھی۔خالی پیٹ کو دبا کر بیٹھ گئی۔

" کریں گے تو تمہارے اچھے بھی اور ابھی ہی کریں گے۔ میری نرمی کا بہت ناجائز فائدہ اٹھالیا تم نے۔۔ رہی سکت کی بات تو، جب جان پر بنتی ہے تو طاقت بھی خود بخود ہی آ جاتی ہے۔" اک استہزائیہ نظر اس پر ڈال کر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

" مرتی مر جاوں گی لیکن تمہیں جیتنے نہیں دوں گی۔" بھوک سے بے حال ہو کر بھی وہ چیلنج کرنے سے باز نہیں آ رہی تھی۔

" کیا ہوا، زیادہ سے زیادہ بھوک اور پیاس کی شدت سے بے ہوش یا مر ہی نہ جاوں گی۔۔ تب تو خود یہاں سے لے کر جائیں گے موصوف۔۔ زندہ یا مردہ یہ ان پر ڈیپنڈ ہے۔۔۔!" دروازے پر کھڑ پڑ ہو رہی تھی۔ یقیناً وہ باہر جانے کے لیے تالا کھول رہا تھا۔ وہ پیر سکیڑ کر مزید گٹھری بن کر لیٹ گئی۔

" اس کتے کو بھی آرام نہیں ہے۔۔ اتنا کیوں بھونک رہا ہے۔۔" کتے کی آتی تیز آواز پر وہ جھنجلا گئی لیکن ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ شاہ زر شمعون چین کھینچتا ہوا کمرے میں واپس داخل ہوا تھا۔ اور اس کے پیچھے کالا سیاہ جنگلی کتا، لمبی سی زبان باہر نکالے رال ٹپکاتے کمرے میں دڑاچلا آیا تھا۔

" یہ۔۔۔ یہ یہاں کیوں آیا ہے۔؟" ساری نقاہت و کمزوری بھول کر وہ جھٹکے سے سیدھی ہوتی تقریباً اچھل ہی پڑی تھی۔ خوف سے جان نکلنے لگی تھی تو اس کی بھونک سن کر سماعت کانپنے لگے تھے۔ شاہ زر شمعون چارپائی کے پائے کے ساتھ اس کی زنجیر کو تالا ڈال رہا تھا۔ اور وہ پورے کمرے کا چکر کاٹ کر شنائیہ پر بھی لپک رہا تھا۔

" مما! یہ یہ کیوں ہے یہاں۔۔۔ نکالیں اسے یہاں سے۔۔ کمرا گندا کر دے گا۔" وہ بھاگ کر اک سرے سے دوسرے سرے پر آ گئی تھی تاکہ اس کی لپک سے محفوظ رہے۔

" یہ تو اب سے یہیں رہے گا، تمہیں باہر صحن میں جانا ہے تو جاو اسے دھوپ میں نہیں باندھ سکتا۔ میرے پیچھے یہ تمہاری حفاظت پر معمور رہے گا۔۔۔ یہ بھی بھوکا ہے کچھ اپنے لیے بناو تو اسے بھی ڈال دینا ورنہ زیادہ دیر بھوکا رہنے پر یہ زنجیر کب ٹوٹ جائے گی تم اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ لینا۔۔" دیوار سے لگی وہ آنکھیں پھاڑے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

" شاہ! اسے نکالیں یہاں سے، یہ کاٹ لے گا۔" کتے کے چکر اور لپکنا ہی ختم نہیں ہو رہا تھا۔ اوپر سے اس کا بھو بھو پاگل بنانے کو کافی تھا۔

" مجھے تو ڈر ہے، کاٹنے پر اس کتے کو ہی انجکشن نہ لگوانا پڑ جائے۔۔" وہ بس اس کی جان ہی جلا سکتا تھا۔ خوف سے دم نکلنے لگا تھا وہ کب تک دیوار سے چپکی کھڑی رہتی، اس نے چالاکی سے چین باندھی تھی کہ وہ بس کنارے کنارے ہی اس کی پہنچ سے دور تھی۔ وہ چھلانگ لگاتا بھی تو بھی اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا ۔ہاں اس کی ذرا سی بھی غلطی شکار بنا سکتی تھی۔

" چلتا ہوں، انجوائے!" اس پر اک مسکراتی نگاہ ڈال کر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

" شاہ، رُکو شاہ!" وہ چلاتی رہ گئی تھی مگر تالا ڈال کر وہ نکل گیا تھا۔ اندر کتے کا شور تھا اور اس کی چیخیں۔۔ کافی دیر تو دونوں میں جیسے مقابلہ ہوتا رہا لیکن کتے کو یہ کھیل کچھ زیادہ پسند نہیں آیا شاید۔۔ تب ہی پوری جان لگا کر دوڑنے لگا اور اس کی اس حرکت پر چارپائی اس کے پیچھے گھسیٹی شنائیہ کے قریب ہونے لگی تھی۔ دو چار مزید کوششوں میں وہ چارپائی سمیت اس تک آ جاتا۔ یہاں سے نکلنا بہت ضروری تھا، تاکہ اس کی پہنچ سے دور رہتی۔

وہ آہستہ آہستہ دیوار سے لگ کر دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اور کتے کو شکار پہنچ سے دور ہوتا غالباً اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ تب ہی وہ اور تیزی سے دوڑنے لگا تھا۔۔ چیخوں پر بند باندھے وہ ڈبڈبائی نظروں سے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ اور ہزار احتیاط کے باوجود دروازے سے نکلتے کتے نے اس پر چھلانگ لگا

دی تھی۔ وہ دوڑ لگا چکی تھی مگر اس کا دوپٹا کتے کے جبڑے میں آ چکا تھا۔ اور اس کے بھاگ نکلنے کا غصہ کتے نے دوپٹے پر نکالا دونوں ٹانگوں کے بیچ رکھ کر دوپٹے کو دانتوں سے پھاڑ دیا۔ دوپٹے کا حشر دیکھ کر اس کی روح، کانپ گئی تھی۔ چارپائی دروازے میں اٹک گئی تھی اور اس کی زنجیر چارپائی کی گرد پھر کر چھوٹی ہو گئی تھی۔ وہ چھلانگ لگا کر چارپائی کے اوپر آ کھڑا ہوا تھا اور اس نے سرعت سے دوڑ لگا دی تھی کہ زنجیر کی قید سے آزاد ہو کر وہ اس پر ہی ناچھلانگ لگا دے۔ کتا مزید شدت سے بھونک رہا تھا۔ اور اس کے قدم کچی زمین پر نیم کے پیڑ کے پاس ہی آ کر رکے تھے۔ "فریج" اس کی ٹکر سے زمیں بوس ہونے کے قریب تھا۔ لیکن پیڑ سے بندھا ہونے کی وجہ سے بچت ہو گئی تھی۔ مٹکے سے بندھا پلاسٹک کا گلاس اٹھا کر اس نے پانی نکالا تھا اور یکے بعد دیگرے کئی گلاس چڑھا گئی۔

"شکر ہے، اس کے ہتھے نہیں چڑھی۔" نیم کی پیڑ سے ٹیک لگاتے وہ لمبی لمبی سانس لے کر خود کو داد دے رہی تھی۔ اچانک اس کی نظر اپنے ہاتھ میں موجود پلاسٹک کے گلاس اور پھر مٹکے پر پڑی تھی۔

"یہ پانی۔۔۔ یہ گلاس۔۔ میں نے یہ پانی پی لیا۔۔" وہ صدمے سے مرنے والی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

"کون ہے، دروازے پر۔۔؟" انوشا دور بیٹھی ہول رہی تھی۔

"پتا نہیں دیکھتی ہوں۔"

"مت کھولو دروازہ، وہی ہوگا۔ تھپڑ کا بدلہ نہ لینے آیا ہو۔۔ اکیلی ہو گھر میں، اس نے کچھ الٹا، سیدھا کیا تو کیا کرو گی۔۔۔؟" میں آ جاوں پھر مل کر بات کرتے ہیں۔ وہ چاہتا کیا ہے۔" انوشا کے منع کرنے پر

وہ بھی تذبذب کا شکار ہو گئی تھی کہ دروازہ کھولے یا نہ کھولے لیکن دروازے کے اس پار سے شاہد صاحب کی آواز آنے لگی تھی۔

" ماورا! بیٹا میں ہوں، انکل شاہد۔۔ دروازہ کھولو۔"

" انکل کی کال ہے، دروازہ کھول کر سُن لو کیا کہہ رہے ہیں اور ان سے میری بھی بات کرواو میں کہتی ہوں انہیں، جب تک میں نہیں آتی تب تک صائمہ آنٹی کو تمہارے پاس چھوڑ دیں۔" دوسری طرف سے وہ مشورہ دے رہی تھی۔

" انوشا، کتنا بولنے لگی ہو تم۔۔ چپ کر جاو پلیز۔۔ سُننے تو دو مجھے وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور وہ بھی ہوا تو دیکھ لوں گی، کھا تو نہیں جائے گا۔ بعد میں بات کرتی ہوں تم سے۔" وہ فون بند کر کے دروازہ وا کر گئی تھی۔ دروازہ وا کرنے پر پہلی نگاہ ہی ایشان جاہ پہ پڑی تھی۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ لب بھینچ کر وہ شاہد صاحب کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

" کچھ بات کرنی تھی تم سے بیٹا۔۔!" وہ اندر آنے کی اجازت چاہ رہے تھے۔ منزہ کے بعد سے انہوں نے آنا، جانا بالکل ختم کر دیا تھا، بس دروازے سے ہی حال احوال پوچھ لیا کرتے تھے۔

" جی، اندر آ جائیں۔" وہ دہلیز سے اندر آ چکے تھے۔ دروازہ بھیڑتے اس کی نظر پھر متصادم ہوئی تھیں۔

" جی انکل کہیے۔" وہ ان کے رُوبرو تھی۔

" بیٹا یہ کیا معاملہ ہے۔۔ یہ کیوں دن سے بیٹھا ہوا ہے یہاں۔۔؟ محلے والے باتیں بنا رہے ہیں۔۔۔ کئی اک تو اب پولیس کو بلانے کا کہہ رہے ہیں۔ پولیس آ گئی تو مزید تماشا ہو گا۔۔ تم پر بھی حرف آئے گا۔" بات تو صحیح تھی۔ چوہدری جہانگیر کی شہرت کے باعث بلاوجہ معاملہ اچھلتا کہ ان کا ہونہار بیٹا کسی کے در پہ دھرنا دیے بیٹھا ہے کہ جب تک معافی نہیں ملے گی، وہ وہاں سے نہیں اٹھے گا۔

" ٹھیک ہے، میں دیکھتی ہوں۔آپ پریشان نہ ہوں۔" وہ اس سے بات کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن اس کے سوا کوئی چارا بھی نہیں تھا۔شاہد صاحب اس کی تسلی پر دروازے سے نکل گئے تھے۔وہ چند ثانیے دروازے کے پیچھے کھڑی رہی تھی۔پھر گھر کی دہلیز پار کرتے وہ اس کے سامنے تھی۔اسے سامنے دیکھ کر وہ چبوترے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

" کیوں چاہ رہے ہو، میں یہاں سکون سے نہ رہ سکوں۔۔" وہ سخت نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

" میرے گھر چلو، وہاں رہو۔" کمالِ سکون سے گویا تھا۔

" تم باپ بیٹوں کا دماغ خراب ہے کیا جو میں تم لوگوں کے گھر چل کے رہوں۔۔۔؟ لگتے کیا ہو تم لوگ میرے۔۔؟ تم جیسوں کے سائے سے بھی دور رہنا چاہتی ہوں۔بخش دو مجھے اور دفع ہو جاو یہاں سے ۔۔" وہ آگ بگولہ ہو گئی۔

" ہمارے گھر، ہمارے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں، میں الگ گھر لے کر دینے کو تیار ہوں۔"

اس کی آفر پر ماورا ایکی کا چہرہ سُرخ ہونے لگا تھا۔

" جی تو چاہ رہا ہے اس آفر پر تمہارا منہ تھپڑوں سے لال کر دوں، کیا سوچ کر مجھے یہ آفر کر رہے ہو۔۔" وہ غصے سے آوٹ آف کنٹرول ہو رہی تھی۔محلے کے کھڑکی، دروازے پھر سے آباد ہو گئے تھے۔ہر کوئی دوسرے کو ٹہوکا دے کر آواز لگا کر لائیو سین دکھانے کو بلا رہا تھا۔

" شادی کرو گی مُجھ سے۔۔؟" منظر ماورا کی نگاہوں میں پھر سا گیا تھا۔اس کی جی داری پر وہ دنیا بھر کی مُغلظات بھی بک دیتی تو بھی اس پر کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔یہ اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا۔

" اپنی حسرتیں لے کر چلے جاو یہاں سے۔۔محلے والے پولیس کو بلانے کی باتیں کر رہے ہیں۔تم مر کھپ بھی گئے تو بھی مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا۔لیکن پولیس کے آنے کے بعد میرا نام غلطی سے بھی تمہارے ساتھ آیا تو انجام اچھا نہیں ہوگا۔۔اپنی نہیں تو کم از کم میری عزت کا ہی خیال رکھ لو۔"

"تم میرے ساتھ چلو۔وہاں تمہیں کوئی تنگ نہیں کرے گا۔انوشا کو بلالو، میں اس سے بات کر لیتا ہوں، کہو تو ابھی جا کے مام، ڈیڈ کے ساتھ مولوی کو بھی ساتھ لے آتا ہوں۔تم بنا کسی رشتے کے ساتھ نہیں چلنا چاہتیں تو نکاح کر کے ساتھ لے جاوں گا۔" وہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے کو تیار کھڑا تھا۔وہ ہونق کی طرح اسے تک رہی تھی۔انا، گھمنڈ جانے کہاں جا سویا تھا۔۔اسی کے ہاتھوں تھپڑ کھا کر اسی کی دہلیز پر نظریں جمائے وہ دھوپ میں سڑتا رہا تھا اور اب اسے نکاح کے لیے، ہر قیمت پر راضی کرنا چاہ رہا تھا۔

" اس جیت اور ہار کے کھیل میں تم پاگل ہو چکے ہو ایشان جاہ۔۔اگر جیتنے کے لیے تم کوئی گھٹیا حرکتیں کر رہے ہو تو تھوکتی ہوں میں تم پر اور اس جیت پر۔۔جاو ہارا اپنے نام کیا۔۔۔مناو اپنی جیت کا جشن ۔۔!! لیکن پھر میرے سامنے مت آنا۔" وہ سرد نگاہ ڈال کر پلٹ گئی تھی۔

" یہ کھیل نہیں ہے، ماورا، میرا پیار ہے جو تمہارے لیے سامنے آیا ہے۔اب کسی جیت کی چاہ نہیں بچی ۔۔میں خود کو تم پر ہار بیٹھا ہوں۔۔"

پیچھے وہ چلاتا رہ گیا تھا۔محلے کی عورتوں نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا تو مرد حضرات غصے سے دونوں کو دیکھنے لگے۔ماورا اندر جا کے اک بار پھر دروازہ بند کر چکی تھی۔

"تم مجھ پر اپنے گھر کا در بند کرو لیکن میں دل کا دروازہ تمہارے لیے ساری زندگی کھلا رکھوں گا۔" اس کی آواز دیوار کے اس پار سے آئی تھی۔

" شریفوں کے محلے میں یہ کیا ہو رہا ہے شاہد صاحب۔۔۔؟آپ تو بات کرنے گئے تھے، یہ بات کی آپ نے۔۔۔؟ چلو بھائیوں اب اپنے طریقے سے معاملہ حل کرو۔" باہر جانے کون محلے کا ٹھیکیدار چلایا تھا۔ اس ساری سچویشن سے ماورا کو کوفت ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

اسے سمجھ آ گئی تھی کہ زندہ رہنا تھا تو اس کے کہے پر عمل کرنا پڑے گا۔ تب ہی جھاڑو اٹھا کر وہ پتوں پر مارنے لگی تھی۔ مشکل سے کچھ پتوں کو آگے دھکیلتی تو ہوا اپنے دوش پر انہیں اٹھائے پھر سے بکھیر دیتی ۔ کتنی ہی بار وہ نڈھال وجود کے ساتھ سر پکڑ گئی تھی۔ آنتیں دُہائی دے رہی تھیں تو بھوک سے چکر آنے لگے تھے۔ پہلے کوشش کی تھی کہ کچھ پکانے کی کوشش کرے اس خیال سے وہ " کچن " کی طرف بھی گئی تھی۔ مگر اس چولہے کو دیکھ کر پھر سے وحشت ہونے لگی تو وہ صحن میں آ کر دوبارہ سے جھاڑو مارنے لگی۔ کتا بھی غالباً بھونک بھونک کر تنگ آ گیا تھا، تب ہی خاموش ہو گیا تھا۔

" یہاں اک جیتی جاگتی لڑکی کا احساس نہیں کیا جا رہا تو تم کس کھیت کے مولی ہو کتے۔" وہ سر جھٹک کر زور زور سے جھاڑو مارنے لگی لیکن جوش کچھ زیادہ ہی ہو گیا تھا شاید۔ وہ بازو پکڑ کے رہ گئی۔

باہر دروازے پر ہلچل سی ہوئی تھی۔ وہ نظر انداز کرتے اور تیزی سے جھاڑو مارنے لگی تھی۔ یہاں کون سا خاندان آباد تھے۔ جو آتے، بنا دیکھے بھی وہ بتا سکتی تھی کہ وہ کھاپی کے آ چکا ہے۔

" ارے واہ! جو کام میں نہیں کر سکا وہ ڈوڈو نے کر دکھایا۔ تمہیں کمرا بدر کر کے لگتا ہے اس نے کمرے پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور ویری گڈ کے تم نے کام شروع کر دیا۔" ڈوڈو یقیناً اسی منحوس کتے کا نام تھا۔ جس کے کارنامے پر وہ بے طرح خوش ہو رہا تھا۔

"ان کا کیا کرنا ہے۔۔؟" وہ خشک پتوں کے ڈھیر کو اکٹھا کرنے میں ہلکان ہو چکی تھی ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔

کچی جگہ پر اکٹھا کر کے آگ لگا دو۔ ویسے تو آگ لگانے کے لیے تمہاری زبان ہی کافی ہے لیکن تم ماچس کا استعمال کر سکتی ہو۔"

دل تو یہی تھا ان پتوں کے ساتھ اسے بھی آگ لگا دے لیکن چپ کر کے حکم کی تعمیل کرنے لگی۔

"اب!" آگ لگا کر فارغ ہو چکی تو سامنے آ کھڑی ہوئی۔ شاید اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ کام بن گیا ہے تب ہی وہ کتے کو باہر باندھ کر چارپائی صحن میں نکال لایا تھا اور اب اس پر براجمان ہو کر اسے کام کرتے دیکھ رہا تھا، یوں جیسے کوئی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی ہو۔

"گھر تمہارا ہے۔۔اب کیا۔۔ صفائی کرو، پکاؤ، کھاؤ، پیو۔ اپنے گھر میں عیش سے رہو۔" اس بھاڑ جیسے گھر میں وہ عیش سے رہنے کا بول رہا تھا۔ وہ لب بھینچ کر اک نظر چولہے کو دیکھنے لگی۔ اسٹیمنا کسی بھی وقت ختم ہو سکتا تھا۔ جسم کو غذا کی اشد ضرورت تھی۔

"اک بار اسے جلانا سکھا دیں، اگلی بار خود ہی کر لوں گی سب آپ کو زحمت نہیں دوں گی۔" سائیڈ پر لگے نل سے ہاتھ، منہ دھوتے وہ اتنے دوستانہ لہجے میں بول رہی تھی کہ وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگا۔

"سچ مچ کتے نے تو نہیں کاٹ لیا۔۔؟" وہ تشویش سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

"نہیں۔ باتوں میں وقت ضائع نہ کریں، مجھے چکر آ رہے ہیں کسی بھی وقت بے ہوش ہو جاؤں گی ۔اسے جلا کر جلدی سے بتائیں پکانا کیا ہے۔" چہرے پر پانی ڈالنے سے تھوڑی راحت ملی تھی۔ پسینہ پھوٹتے مساموں کو کچھ سکون ملا تھا۔

" چولہا تو جلانا سکھا دیتا ہوں۔ لیکن پہلے پتا ہوتا کہ زوجہ محترمہ کی یادداشت واپس آچکی ہے اور وہ کڑاہی چھونے کی رسم ادا کرنے کچن کو شرف بخشیں گی تو آتے ہوئے گوشت، سبزی لیتے ہوئے آجاتا۔"

" جب کچھ نہیں ہے تو کیا پکے گا۔۔۔؟" غصہ ضبط کرکے اس کی زبان کے نشتر برداشت کر رہی تھی۔ جس میں نرمی نام کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔

" سبزی، گوشت نہیں ہے تو کیا ہوا۔۔؟ دال چاول تو پڑے ہیں، کھچڑی بنالو۔ لہسن کے بگھار والی۔ رات کے لیے کچھ لیتا آوں گا، بعد میں۔۔"

" کھچڑی۔۔ لہسن کے بگھار کی۔۔؟" اس کے ہوش سچ مچ ٹھکانے لگ رہے تھے۔ لیکن جسمانی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ اب بولنے کی بھی ہمت باقی نہیں تھی جیسے۔۔

" ٹھیک ہے۔" وہ استفہامیہ بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ راضی ہو کر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس وقت تو پیٹ کا دوزخ بھرنا تھا بس، اور یہ پیٹ کی بھڑکی آگ کتنی بری تھی، یہ کوئی اس وقت اس سے پوچھتا، جو نہ چاہنے کے باوجود یہ سب کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔۔ ورنہ وہ کیا کر لیتا۔۔۔؟ ظلم کی انتہا ہی کر لیتا، جان سے تو پھر بھی نہیں مار سکتا تھا۔ یہ پیٹ کی بھوک ہی تو ہے جو صحیح، غلط کی تمیز بھلا کر جو دل چاہتا ہے کرواتی ہے۔۔ ساری مارا، ماری اسی بھوک کی تو ہے۔

دال، چاول کی تلاش میں ڈبوں کو کھول، بند کرتے دیکھ کر مطمئن ہوتے وہ چولہا جلانے کے لیے لکڑیاں لے آیا تھا۔

"اب کیا کرنا ہے۔۔؟" بالآخر وہ ڈبے ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

" کھچڑی بنانا نہیں آتا۔۔؟" اس کی اب، اب کی تکرار بتا رہی تھی وہ اسے ایکسپرٹ شیف سمجھ رہی تھی ۔تب ہی اس نے شک دور کرنا چاہا۔

"نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"کبھی کھایا بھی نہیں۔۔؟" ایسے ایسے ہی جواب کی اُمید تھی۔

" ٹھیک سے یاد نہیں، کبھی کھایا ہو شاید، جب بیمار پڑی ہوں۔" اسے یاد کرنے پر بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں، آج کھالو گی۔" لکڑیاں چولہے میں لگاتے اس کی چھال نکالنے لگا۔

"جانے آپ کے راج میں اور کیا کیا دیکھنا پڑے گا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔ وہ خشمگیں نظروں سے دیکھنے لگا۔

" زبان کو زیادہ زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔۔ دھیان سے دیکھو چولہا کیسے جل رہا ہے، اگلی بار نہیں بتاؤں گا۔۔۔ دال، چاول نکال کر بھگو، اس سے آگے کی ترکیب تو مجھے بھی نہیں آتی۔"

" پھر اب کیا کریں گے۔۔؟" وہ جھنجلائی، بھوک کے مارے دم نکلنے لگا تھا۔ چولہا جلنے کے قریب تھا، دال، چاول نکل آئے تھے لیکن ترکیب ہی کسی کو معلوم نہیں تھی۔

" اک تو تمہاری اب، اب کو سکون نہیں ہے، سوچنے دو مجھے۔۔" اور واقعی وہ سوچنے کی اداکاری کرنے لگا۔

" تمہارا سوشل نیٹ ورک کس مرض کی دوا ہے، اتنے سارے کوکنگ پیجز ہیں، دو منٹ میں مل جائے گی ترکیب۔" خیال آنے پر وہ خوش ہو گیا۔

" کاش آن لائن پیٹ بھی بھر جاتا۔" حسرت کیا کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھی۔

" شکر ہے، ایسی کوئی سہولت موجود نہیں، ورنہ پھر لوگ انسان کیسے بنتے۔" لکڑیوں کو شعلہ دکھاتے وہ پھر نشتر چلا گیا۔ وہ بہری بنی چاول اور دال بھگونے لگی۔۔ لیکن یہ بے فکری بھی تھوڑی ہی دیر رہی۔ کچن دھوئیں سے بھرنے لگا تو جلتی لکڑیوں نے آنکھوں کو جلنے پر مجبور کر دیا۔۔

" اُف! یہ دھواں کیوں بھر رہا ہے۔۔؟" وہ بے ساختہ باہر نکل گئی تھی۔

" لکڑیاں آگ پکڑ لیں پھر دھواں ختم ہو جائے گا۔" لکڑیوں کو اُلٹ، پلٹ کر وہ بھی باہر آ کر چارپائی پر بیٹھ گیا تھا۔

"اب تمہیں کھچڑی کی ترکیب نکال دوں۔۔۔" سیل فون نکال کر ترکیب ڈھونڈتے، وہ جیسے کسی میزائل کو داغنے جتنا اہم کام کر رہا تھا۔

" ویسے رَج کے پھوہڑ پلے باندھی ہے داجان نے، جانے کس جنم کا بدلہ لیا ہے کہ اگلی کو کھچڑی بنانا بھی نہیں آتا۔" وہ اپنے " پھوٹے نصیب " کو رو رہا تھا اور وہ اسے سننے پر مجبور تھی۔

" مل گئی ترکیب!" نعرہ لگا کر اب وہ اسے ترکیب بتا رہا تھا۔ اور وہ اس پر عمل کرنے کے لیے ہمت اکھٹی کر رہی تھی۔

☆☆☆

" سمہان! بیٹا کہیں سنسان جگہ پر گاڑی روکنا، تازہ وضو کر کے نماز پڑھنے کو دل ہو رہا ہے۔" اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ فائزہ نے بے ساختہ خواہش کا اظہار کیا تھا۔

"بہتر تائی جان۔" اس نے سنسان جگہ دیکھ کر گاڑی روک دی تھی۔

" لڑکیوں ! کھانے پینے کو اتنا کچھ ساتھ باندھ دیا ہے، فریال اور دیا نے۔۔ خود بھی نکال کر کھاو اور سمہان کو بھی دو۔" فائزہ ہدایت کرتی بوتل میں پانی لیے باہر نکل آئی تھیں۔

" تائی جان ! میں وضو کروانے میں مدد کروں آپ کی۔۔؟" بوتل کے پانی سے وضو کرنا مشکل ہوتا، تب ہی عیشال نے خیال کر کے اپنی خدمت پیش کی۔

" نہیں بیٹا، میں کرلوں گی۔۔۔ تم بس مُصلہ لادو یہاں درخت کے سائے میں نماز پڑھنے کو دل ہو رہا ہے۔" ٹھنڈی ہوا، لمبے، لمبے درختوں میں گھرِا نیم اندھیرا منظر اعصاب کو پُر سکون ظاہر کر رہے تھے۔

" جی تائی جان !" چیزیں نکالتی ندا نے بیک سیٹ سے مُصلہ اٹھا کر اسے تھمایا تھا۔ وہ گاڑی سے نیچے اتر آئی تھی۔

" دھیان سے۔" وہ چادر میں اُلجھ کے لڑکھڑائی تھی، تب ہی فکر مندی سے آواز لگاتے وہ بھی اتر آیا تھا ۔عیشال سنبھل کر فائزہ کی طرف پیش قدمی کر چکی تھی۔ گو کہ سنسان علاقہ تھا لیکن وہ چوکنا کھڑا تھا۔

'' جزاک اللہ !" فائزہ نے مُصلہ تھام کر پانی کی بوتل واپس کی تھی۔

" تائی جان ! ہمارے لیے دُعا کیجیے گا۔" جانے کیوں اس منظر میں کھو کر منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

" ہم کون بیٹا۔۔؟" مُصلہ بچھاتے فائزہ نے یوں ہی پوچھ لیا۔

" ہم۔۔ مطلب۔۔ ہم سب کے لیے۔" وہ اک دم سے گڑبڑا کر اپنے پیچھے ان دونوں کی طرف بھی اشارہ کر گئی تھی۔

" اپنے بچوں کے لیے ہر گھڑی دُعا کرتی ہوں، تم کہہ رہی ہو تو آج اور دل سے تمہارے لیے کروں گی ۔" فائزہ مسکرا کر چادر لپیٹنے لگی تھیں۔

"شکریہ تائی جان!"

"عیشال!" ندا آواز دے رہی تھی۔

"جاو جاکے کچھ کھا پی لو۔" فائزہ نیت باندھنے کے لیے تیار تھیں۔ وہ پلٹ آئی تھی۔ اس ملگجھے منظر میں چلتی، پھرتی وہ اپسرا سی لگ رہی تھی۔ گاڑی سے ٹیک لگائے اس کی نظریں اسی پر ٹکی ہوئی تھیں لیکن کچھ اس طرح کہ ندا اس کا دیکھنا نہ دیکھ لے۔

"عیشال! ٹھنڈی ہو جائیں گی چیزیں۔ جلدی سے آ جاو۔" اپنی طرف کا دروازہ کھولے ندا پاوں لٹکائے بیٹھی تھرماس سے گرم چائے نکال کر انہیں مگ تھما رہی تھی۔ سمہان نے اپنا مگ گاڑی کی چھت کے اوپر رکھ دیا تھا۔

"لگتا ہے، چچی جان لوگ پلیٹ رکھنا بھول گئے اب تم دونوں اسی میں اک ساتھ گزارا کرو۔" ندا نے سینڈوچ کے ڈبے میں ہی کباب سائیڈ پر رکھ کر ان دونوں کی طرف بڑھائے تھے۔

"اک ساتھ۔۔؟" عیشال جہانگیر، ندا کی شکل دیکھ کر سمہان کو تکنے لگی تھی۔ وہ بھی کچھ الرٹ سا ہو گیا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ میکرونی کھا لیتی ہوں نا۔"

"کیا فرق پڑتا ہے ساتھ کھا لینے سے عیشال۔۔؟" ندا خاموش نظروں سے باری، باری دونوں کے چہرے دیکھ رہی تھی۔ دونوں ہی چونک کر اس کے انداز کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سمہان آفندی کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن ندا نے حلاوت سے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔

"سمہان! میرے سامنے کسی بھی قسم کی آرگومنٹ دینے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔۔۔۔ اک محبت کرنے والا، دوسرے محبت کرنے والے کو پہچاننے میں کبھی غلطی نہیں کرتا۔" بے یقینی سی بے

یقینی تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ ٹھٹھک سے گئے تھے۔ عیشال نے سہمی نظروں سے نماز پڑھتی فائزہ کو دیکھا تھا۔

" تم دونوں کے بیچ جو عرصہ سے مُحبت کی لُکن چُھپ چلی آ رہی ہے، اس کا مجھے اندازہ ہے اور اب۔۔۔ جب سے عیشال اللہ کے گھر سے لوٹی ہے، اس کے وجود میں اک سکون آگیا ہے۔ جب یہ یہاں سے گئی تھی تو اس کے اندر کی بے چینی اور بے قراری، سب میری نظر میں تھی۔ پھر تم بھی وہاں گئے۔۔ وہاں کیا ہوا یہ تم سب ہی جانتے ہوگے۔۔۔ تم دونوں کا الگ الگ رشتہ طے ہو چکا ہے۔۔۔ لیکن وہ رشتے جڑ سکیں گے یا نہیں، یہ بس تم دونوں ہی جانتے ہوگے۔۔۔ مما کے ساتھ تمہارا مری جانا طے تھا لیکن عیشال کا اک دم سے ہمارے ساتھ جانے کے لیے دا جان سے اجازت لینا، یہ سب ظاہر کر رہا ہے کہ جلد ہی بُہت کچھ غیر متوقع ہونے والا ہے۔۔" آنے والے وقت کے خوف سے عیشال کے چہرے کا رنگ اک دم متغیر ہوا تھا۔ جسے پسِ پُشت ڈال کر وہ کچھ پل ساتھ جی رہی تھی۔

" مُجھ سے مت ڈرو، اپنا خیر خواہ ہی سمجھو۔ کُچھ کر نہ سکی تو تم دونوں کے حق میں دُعا ہی کر دوں گی۔" عیشال، سمہان آفندی کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ نارمل تھا۔

" ہمارا نکاح ہو چکا ہے، مسجدِ نبوی ﷺ میں۔" وہ جب اتنا کچھ جانتی تھی تو سمہان نے اسے مزید اندھیرے میں رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔

"رئیلی ! اللہ تیرا شکر، کسی مُحبت کو تو منزل ملی۔" ندا بے ساختہ آبدیدہ ہو گئی تھی۔

"آئم سوری ندا جی۔۔ ! میں آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔" وہ اک لمحے کو راحیل کے لیے سوچ کے اداس ہو گیا۔

" تمہاری کیا غلطی سمہان، تم تو حویلی کا ہر حکم بجالاتے ہو۔۔۔ رہی راحیل کی بات تو شاید وہ اتنی ہی زندگی لکھوا کے لایا تھا۔" ندا نے کرب سے لب بھینچ لیے تھے۔ عیشال کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں، وہ ندا کے شانے پر بازو پھیلا کر اسے ساتھ لگا گئی تھی۔ محبت پر پہرے کا کڑا جبران کی آنکھیں نم کر گیا تھا۔

☆☆☆

" یہ کیا طریقہ ہے، اسے ذرا تمہاری عزت کا خیال نہیں ہے۔ میں بات کرتا ہوں اس سے۔" انوشا اپنے کہے کے عین مطابق یاسر کے ساتھ آ دھمکی تھی۔ سب جان کر یاسر، ایشان سے بات کرنا چاہ رہا تھا ۔آتے ہوئے انہوں نے اسے دیکھ لیا تھا، وہ سامنے ہی براجمان تھا۔ نہ انہوں نے اسے کچھ کہا، نہ اس نے انہیں مخاطب کیا۔ ماورا سے بات کر کے ہی وہ اس سے بات کرنا چاہ رہے تھے۔

یاسر کے سامنے وہ اس کی ساری بکواس نہیں بتا سکتی تھی، تب انوشا اسے الگ کمرے میں لے جا کر سچ جاننا چاہ رہی تھی۔ اسے وہ بہت ڈسٹرب لگی تھی۔ اور اس کے اصرار پر ماورا نے کچھ دیر قبل کی اس کی ساری بکواس اسے گوش گزار کر دی تھی۔

" یہ کس قسم کے خطرناک لوگ ہیں، کبھی مقابلہ بازی میں ہر فرد دھمکا رہا تھا اور اب باپ بھی اپنے گھر چلنے کی آفر کر رہا ہے اور بیٹا گھر کے باہر شادی کے لیے پرپوز کر رہا ہے۔ پہلے بھی ہم سب کے سامنے وہ اس طرح کی بکواس کر چکا ہے۔ کیا اہمیت رہ گئی ہے اب اس کی زبان کی۔۔ پاور فل باپ کا بیٹا ہے تو جو دل چاہے گا، وہ کرے گا۔" انوشا شدید غصے میں آ گئی تھی۔

"ان جیسوں پر اپنی انرجی ضائع کرنا بے کار ہے۔" ماورا اسے سمجھا رہی تھی۔

اسی اثناء میں دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

" اگر وہی ہوا تو دیکھنا میں کیسے دماغ ٹھکانے لگاتی ہوں، اس کا۔" انوشا تن، فن کرتی چلی گئی تھی۔ وہ اس کے پیچھے ہی نکلی تھی۔ یاسر ان سے پہلے دروازے کی طرف بڑھا تھا اور اسی نے دروازہ کھولا تھا۔۔

" جی آپ کون۔۔؟" یاسر اجنبی کو دیکھ کر استفسار کر رہا تھا۔

" مالک مکان ہیں اس گھر کے۔" انوشا بھی بے وقت انہیں دیکھ کر حیران ہوتی دھیرے سے یاسر کو بتانے لگی۔

" جی کہیے، کس سلسلے میں آنا ہوا۔۔۔؟" شاید کرائے کی تاریخ سر پر آ گئی تھی۔ اسے فکر ہونے لگی۔

"یوں تو کرائے کی تاریخ بھی آ گئی ہے لیکن میں کرائے کی وصولی کے لیے نہیں آیا۔۔ محلے سے بہت کمپلین آئی ہے اور میں اپنی آنکھوں سے بھی سب دیکھ رہا ہوں۔۔۔ منزہ بہن شریف خاتون تھیں لیکن مجھے نہیں پتا تھا، ان کے جاتے ہی اس گھر کا الگ رنگ نظر آئے گا۔" مالک مکان ایشان جاہ کی طرف اشارہ کر کے سخت لفظوں میں ناپسندیدگی کا اظہار کر رہا تھا۔

" کیا قیمت لو گے اس گھر کی۔۔؟ دُگنی، تگنی قیمت لو اور جاؤ یہاں سے۔" ایشان جاہ بھی قریب آ گیا تھا۔ اس نے ساری باتیں سُن لی تھیں اور اس کی باتوں پر اس کا ردِ عمل خاصا سخت تھا۔ وہ اپنی گاڑی تک گیا تھا اور اس میں سے چیک بک نکال کر سائن کر کے اس کی طرف بڑھا گیا۔

" اس گھر کی جتنی قیمت لکھنی ہے لکھ لو۔ اور جاؤ یہاں سے۔۔" بلینک چیک دیکھ کر سب ہی اک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے۔

" زیادہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب مجھے گھر بیچنا ہی نہیں ہے تو میں تم سے کیوں دُگنی تگنی قیمت لوں، پیسوں کی نمائش کہیں اور جا کے کرو۔" مالک مکان چڑ گیا تھا۔

" پیار سے قیمت دے رہا ہوں، ڈیل کر لو۔ ورنہ تم کیا، تمہارے اچھے بھی اس گھر کے مالکانہ حقوق سے ہاتھ دھو لیں گے۔"

تلخ کلامی بڑھنے لگی تھی۔ مالک مکان کے شور سے سب جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ جنہوں نے کمپلین کیا تھا، وہ بھی نظارہ دیکھنے چلے آئے تھے۔ دبلیز پر اچھا خاصہ تماشا ہو گیا تھا۔

ہاتھا پائی تک کی نوبت آ گئی تھی۔

" یہ لڑکی ہی آوارہ ہے۔۔۔ نکلو تم میرے گھر سے۔۔" مالک مکان، ماورا پر برس پڑا تھا۔ اگلے ہی لمحے ایشان جاہ کا کرارا ہاتھ مالک مکان کا گال سُن کر گیا تھا۔ محلے کے لوگ آگ لگا کر بیچ بچاؤ کرنے کو اسے پکڑنے لگے تھے۔ یاسر بھی مجمع کا حصہ بن کے اسے دور کرنے کے جتن کر رہا تھا جو مالک مکان پہ پل پڑنے کو بے قرار ہو رہا تھا۔

" اس کی ہمت کیسے ہوئی یہ سب بکواس کرنے کی۔۔۔؟" اپنا آپ جھٹکے سے ان سب سے چھڑا کر وہ اپنی گاڑی کی طرف لپکا تھا۔ سب کو لگا وہ اب جا کر کوئی کاروائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، یا اپنے والدِ محترم کو لانے کا ارادہ رکھتا ہو لیکن جب وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اس کے اندر سر ڈال کر اگلے لمحے زور سے دروازہ بند کرتے پلٹا تو سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کئی اک سراسیمگی سے پیچھے ہٹ گئے تھے۔

" بول، اب کیا بول رہا تھا۔" ایشان جاہ پسٹل مالک مکان پر تان چکا تھا۔ اتنے ہنگامے کے بعد یہ منظر انوشا کو چکر آنے لگے تھے۔ کئی اک ایشان کو قابو کرنے کو قریب آنا چاہ رہے تھے لیکن اس نے ہوائی فائر کر کے سب کو دور رہنے کا میسج دے دیا تھا۔

" دُور رہو مجھ سے!'' اس کے سر پہ خون سوار تھا۔ حلق کے بل چلاتے سب پر طائرانہ نگاہ ڈالے وہ مالک مکان کو نشانے پر لے چکا تھا۔

"رُوکو، اسے۔" ان کی دہلیز پر کچھ ہو جاتا تو بدنامی کا نہ ختم ہونے والا سلسلا چل نکلتا۔انوشا کو یہی حل مناسب لگا۔ صرف وہی اس کے پاگل پن کو ہینڈل کر سکتی تھی۔تب ہی اسے باہر کی طرف دھکیلنے لگی تھی۔ خود وہ مارے ٹینشن کے آدھی اندر آدھی باہر تھی۔

"کہا تھا نا، پیار سے دے رہا ہوں، ڈیل کرلو۔" وہ اسے گھور رہا تھا۔ٹریگر پہ انگلی کا دباو دیکھ کر ماورا نے تیزی سے دہلیز عبور کیا تھا۔

"ہوش میں آو ایشان جاہ!'' شرربار نظروں سے دیکھتے وہ پسٹل کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

(جاری ہے)

ریحانہ آفتاب

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط # 25

آنکھوں کے سامنے چلتی اس فلم کو دیکھنے کے لیے جیسے ہر کوئی اپنے اپنے دروازے اور کھڑکی پر موجود تھا۔ نیچے بھی ایک مجمع تھا۔ چند ایک ہی متنفر تھے، ورنہ باقی سب کے لیے تو یہ ایک تفریحی سین تھا۔ بھرے مجمع میں ماورا ایچی کا ایشان جاہ کی پوسٹل کے سامنے آن موجود ہونے پر سب کی دلچسپی بڑھ گئی تھی۔ انوشا بدحواسی سے یاسر کو دیکھ رہی تھی۔ جمعہ، جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے تھے ان کی شادی کو، ان سب کے بعد جانے وہ کیا رائے رکھتا ان کے بارے میں۔

پوسٹل کی نال کے سامنے ماورا ایچی کو دیکھ کر ایشان جاہ کے اعصاب بھی جیسے ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔

"ماں کے سامنے دروازے تک نہ آنے والیاں، ماں کے جاتے ہی کیسے کھل کر سامنے آئی ہیں، دیکھو ذرا۔" کسی نے دوسرے سے سرگوشی کی تھی۔

چپ! ایسا نہ ہو سُن لے اور بندوق تمہاری طرف ہو جائے۔ دیکھا نہیں کیسے اس لڑکی کے لیے مرنے "
۔ ،مارنے کو پسٹل نکال لایا ہے۔" دوسرے نے دبی زُبان میں سرزنش کی

دیکھا نا، آپ سب نے کیسی واہ گیری کر رہا ہے، یہ۔" ایشان جاہ کو ڈھیلا پڑتے دیکھ کر مالک مکان بھی "
۔ اپنی خفت مٹانے کو میدان میں آیا

واپس لوٹ جاو! تُم نے بُہت کر لیا تماشا۔" وہ سرد لہجے میں اس کے مقابل تھی۔ ایشان جاہ خاموشی سے "
۔ اسے دیکھ رہا تھا۔ پسٹل والا ہاتھ خود بخود نیچے ہوتا چلا گیا تھا

جائیں آپ سب بھی، ختم ہو گیا تماشا۔" بھرے مجمع پر سخت سی نگاہ ڈال کر ماورا نے بھیڑ کو چھٹنے کا اشارہ "
۔ دیا تو کئیوں کا منہ بُرا سا بن گیا

۔ اندر چلو، تُم دونوں۔" یاسر کو ہی خیال آیا کہ انہیں یوں مجمع سے نکال کر گھر کی راہ دکھائے "

صبح آ کر آپ گھر کی چابی لے لیجیے گا۔ اب جائیں آپ بھی۔" مالک مکان کی آمد نے جو تماشا کیا تھا اس پر "
۔ کھاتی اسے سخت نظروں سے دیکھتی ماورا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ چکی تھی انوشا تاو

معاف کر دو بھائی میرے اور جاو تُم بھی یہاں سے۔ جتنا ذلیل کروانا تھا کروا لیا تُم نے۔" ماورا کو اپنی اُور "
کھینچتی انوشا جھنجلا کر ایشان جاہ کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ گئی تھی۔ وہ خاموشی سے انہیں اندر جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ماورا ایچی کی خشک نظریں اس سے ہو کر پلٹ گئی تھیں۔ ان کے اندر داخل ہونے پر یاسر نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر لیا تھا۔ مجمع بھی سرگوشیاں کرتے منتشر ہو کر چھٹنے لگا تھا۔ ذرا آگے جا کر لوگ چھوٹی، چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر معاملے کو نئے سرے سے دُہرا رہے تھے۔ کھڑکی، دروازے کی جگہیں بھی خالی ہونے لگی تھیں۔ مالک مکان نے بھی بات آئی گئی ہونے، جان کی سلامتی اور صبح گھر کی

چابی ملنے کی نوید پر منظر سے نو دو گیارہ ہونے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ان کی دہلیز کے آگے کھڑا رہنے والا ۔ایشان جاہ واحد شخص رہ گیا تھا

☆☆☆

کون ہے یہ ایشان جاہ۔۔؟کیوں کر رہا ہے وہ یہ سب۔۔۔؟شادی کے موقع پر تو تمہاری ماں نے اسے " بیٹے کی طرح ساتھ چپکا رکھا تھا اور اب وہی بیٹا دنیا والوں کے سامنے تماشا لگائے بیٹھا ہے۔رشتہ کیا ہے تم "۔۔؟لوگوں کا اس سے

اندر آ کر ماورا تو منزہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی دوسرے کمرے میں یاسر،انوشا سے اُلجھ رہا تھا۔انوشا ۔نے سچائی سے آگاہ کر دیا تو وہ مزید برہم ہونے لگا

آفرین ہے تم لوگوں پر، جن لوگوں سے جان، پہچان محض اتنی کہ وہ مختلف ذرائع سے تمہاری بہن کو " ڈراتے، دھمکاتے رہے، تم لوگ اسی کو گھر میں گھسائے بیٹھے رہے۔مطلب مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں کن لفظوں میں اپنی حیرت کا اظہار کروں۔" یاسر کا دل چاہ رہا تھا اپنا ہی سر پیٹ لے۔اس نے تو شرافت دیکھ کر شادی کی تھی کہ مجبور عورتیں ہیں۔لیکن جو تماشا ہوا اور ایشان جاہ کے بیک گراونڈ کو جان کر اسے ۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا اور کس طرح کہے

یہ بات تو ہمیں بھی آج تک سمجھ نہیں آئی کہ اناں، ایشان جاہ کے لیے نرم واقع کیوں ہوئیں۔" انوشا مجر " مانہ لہجہ لیے بیٹھی تھی۔سالوں کی بنائی عزت کیسے تنکا تنکا ہو کر بکھر گئی تھی۔منزہ زندہ ہوتیں تو یہ سب ۔دیکھ کر ویسے ہی مر جاتیں

اب کیا کرنا ہے۔۔۔ مالک مکان کو تُم نے صبح چابی دینے کی ہامی بھر لی ہے۔ کیا کرو گی اب۔۔؟" یاسر "
۔جاننا چاہتا تھا

کرنا کیا ہے یاسر، ایسی سچویشن میں بہن کو اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتی۔ آپ لاں کو فون کر دیجیے ہم رات "
یہیں رُکیں گے اور صبح گھر کی غیر ضروری چیزیں بیچ کر ماورا کو اپنے ساتھ لے جاوں گی۔" انوشا نے اپنے
۔پلان سے آگاہ کیا جسے سُن کر یاسر کے چہرے پر تردد کی لکیریں آ گئی تھیں

تُم ٹھیک کہہ رہی ہو انوشا کہ اکیلی بہن کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتیں۔ میں نے بھی شروع سے تُمہاری بات "
کی حمایت کی تھی لیکن سوچو تو ہمارے دو کمروں کے گھر میں اتنی گنجائش کہاں ہے کہ ہم ماورا کا کوئی مستقل
اور دوسرا لاں کا کمرا ہے ٹھکانہ کر سکیں۔ اوپر والا اکلوتا کمرا بھائی کا ہے، اسے تو تُم بھول ہی جاو، ایک ہمارا
۔آج کل سُکھر سے آپا بھی آئی ہوئی ہیں ایسے میں ماورا کی جگہ کہاں بنے گی۔ دیکھو میری نیت پر شک نہ کرو
میں گنجائش کی بات کر رہا ہوں۔" انوشا اسے کبیدہ نظروں سے دیکھنے لگی تو یاسر جلدی سے صفائی دینے لگا
۔

"۔گھر میں اسٹور روم بھی تو ہے اور خاصا بڑا بھی ہے، آپ اسٹور روم میں شفٹ ہو جائے گا "

پاگل ہو گئی ہو، لاں نہ سہی لیکن آپا ایشو بنا دیں گی اس بات کو لے کر، ایک دو دن کی بات بھی ہوتی تو "
شاید میں انہیں ہینڈل کر لیتا، ماورا تو ہمارے ساتھ غیر معینہ مدت کے لیے جا رہی ہے۔" انوشا کے حل
۔ نکالنے پر یاسر نے چڑ کی تو جیہہ دی تو انوشا چڑ گئی

اگر آپ کے گھر میں میری یا میری بہن کے لیے جگہ نہیں ہے تو آپ مُجھے یہیں چھوڑ کر چلے جائیں، جب "
تک ماورا کا کوئی مُستقل ٹھکانہ نہیں ہو جاتا تب تک میں اس کے ساتھ رہوں گی۔ کم از کم زمانے کی
"۔ ٹھوکریں کھانے کے لیے اپنی بہن کو اکیلی چھوڑ کر سُسرال میں گرہستی تو نہیں کر سکوں گی

جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے انوشا، یاسر بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تُم بلاوجہ غصہ کرکے اپنے " رشتے کو خراب نہ کرو۔" ان دونوں کی تکرار سُنتی ماورا بچّی سے زیادہ دیر برداشت نہیں ہوا تو وہ داخل ۔ ہو گئی

میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" یہ جان کر کے ماورا نے سب کُچھ سُن لیا ہے یاسر خفیف سا ہو گیا۔ انوشا یاسر کو " ۔کبیدہ نظروں سے دیکھنے لگی

آپ کو کوئی صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہے یاسر بھائی۔ آپ کی مجبوری اپنی جگہ۔ جانا تو میں بھی " رہنا بھی کسی طور مُناسب نہیں رہا۔ ہوسکے تو کُچھ دنوں کے لیے اپنے اسٹور نہیں چاہتی تھی لیکن اب یہاں میں مُجھے جگہ دے دیجیے، میں جلد ہی اپنا کوئی مُستقل ٹھکانہ کرلوں گی۔" اس کے سنجیدہ لب و لہجے پر یاسر ۔ کُچھ شرمندہ سا ہو گیا

''۔ کُچھ دن کیوں، مُستقل رہو "

شکریہ۔ اور ایک ریکوسٹ ہے، انوشا نے جو کُچھ کہا اسے درگُزر کیجیے گا، مُجھ سے بُہت محبت کرتی ہے، اس " لیے کُچھ جذباتی ہو گئی۔ اس کی طرف سے دل بُرا مت کیجیے گا۔" وہ جاتے جاتے انوشا کا کندھا دبا کر اسے ۔ شانت رہنے کا اشارہ کر گئی تو یاسر پھیکے سے مُسکرا دیا

☆☆☆

زندگی میں وہ دن بھی آئے گا کہ کچی پکی کھچڑی پر گزارا کرنا پڑے گا اور وہی کھانا اسے کسی نعمت سے کم نہیں لگے گا، ایسا تو شاید وہ کسی پہر سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ لیکن سوچ سے بھی پرے یہ سب وقوع پذیر ہو چکا تھا۔

"بن گئی ہے کھچڑی۔"

وہ جب ڈونگے میں کھچڑی اور ٹرے میں پلیٹیں لیے پُرجوش نعرہ لگاتی داخل ہوئی تو وہ اس کی شکل دیکھتے ہنس پڑا۔

"کیا ہوا، ہنسے کیوں؟" وہ برا مان گئی۔ اسے لگا کہ اس کی فرماں برداری کا مذاق اڑا رہا ہے۔

"خود دیکھ لو۔" بنا کچھ کہے، ہاتھ میں موجود سیل فون کا کیمرا کھول کر پلک جھپکتے اس کی تصویر کھینچ کر سیل فون کی اسکرین اس کے سامنے کر دی۔ وہ چونک کر اپنی ہی تصویر دیکھنے لگی اور منہ پر جگہ جگہ کالک لگی دیکھ کر منہ بسور گئی۔

"اس پُرآسائش گھر اور اسپیشل کوکنگ رینج میں ایسی شکل کوئی اچنبھے کی بات تو نہیں۔" وہ تصویر ڈیلیٹ کرنے لگی تھی لیکن اس سے پہلے ہی وہ سیل فون اس کے ہاتھ سے لے چکا تھا۔

"ایسی نادر و نایاب چیزیں ڈیلیٹ کے لیے تھوڑی ہوتی ہیں۔" وہ یقیناً مذاق اڑا رہا تھا۔

"اپنے کمرے میں بڑا سا فریم کروا کر لگا لیجیے گا جب کبھی اپنی جیت کا جشن منانے کا موڈ ہو، دیکھ کر اپنی انا کو تسکین پہنچا لیا کیجیے گا۔ اور پھر آخر اس شمالی علاقہ جات کی سیاحت کا کچھ تو یادگار ہو۔" فرش پر پھنکسڑا مارے، ٹرے کو بیچ میں رکھ کر وہ اس کے آنے کا انتظار کیے بنا اپنی پلیٹ میں کھچڑی نکال رہی تھی۔ جسمانی طور پر نڈھال ضرور تھی لیکن اس کی ہنسی نے جلتی پر تیل کا کام کر کے اسے بھڑکا دیا تھا۔

گڈ آئیڈیا۔" جلانے کا موقع ہو اور وہ اسے گنوا دے، ایسا تو کسی طور ممکن نہیں تھا۔ سر ہلا کر وہ فوٹو جانے "
کون سے فولڈ میں سیو کر رہا تھا کہ اسے سیل فون رکھ کر شاہی دستر خوان تک آنے میں چند سیکنڈ لگ گئے
تھے۔ تب تک وہ کھانا شروع بھی کر چکی تھی۔ چاول کچھ کچے رہ گئے تھے اور نمک بھی تھوڑا کم تھا لیکن
۔ بھوک سے بے حال وجود کو یہ بھی غنیمت لگ رہا تھا

اچھی بیویاں، شوہر سے پہلے کھانا، پینا شروع نہیں کرتیں۔، تمہیں اتنا بھی نہیں پتا۔" وہ اسے جتانا نہیں "
۔ بھولا تھا

اچھی بیویوں کے، اچھے شوہر باہر سے پیٹ بھر کر بیوی کو گھر میں بھوکا نہیں مارتے۔ آپ کو اتنا بھی پتا "
۔ نہیں۔" زبان لڑانے پر تو اسے کوئی ایوارڈ بھی دے دیتا تو اس کی صلاحیتوں کے لیے کم تھا

یوں لگ رہا ہے، دال اور چاول اُبال کر لے آئی ہو، نہ ہلدی کا پتا ہے، نہ مرچوں کا، یہ کہاں سے کھچڑی "
لگ رہی ہے۔" وہ سفید شکل والی ڈش کو دیکھ کر حیرانگی کا اظہار کرتے اپنی پلیٹ میں تھوڑا سا نکال گیا۔ وہ
اَن سُنی کیے کھاتی رہی کہ اس وقت تو اس کی آواز بھی زہر لگ رہی تھی۔ کئی گھنٹوں سے خالی پیٹ چٹ
۔ پٹے اور مزیدار کھانے کو ترس رہا تھا اور وہ اس عجیب و غریب شکل والی کھچڑی کو کھانے پر مجبور تھی

۔ یہ چاول تو سارے کچے ہیں، کھانے لائق کب ہیں۔۔۔۔؟" وہ ایک چمچہ لے کر ہی پلیٹ پیچھے کر گیا "

آپ کے چولہے کی گیس کا پریشر اتنا پر وپر تھا کہ چاول نے بھی ضد باندھ لی تھی، میں نے نہیں پکنا۔ مت "
کھائیں، جیب میں پیسے پڑے ہیں، تالے کی چابی آپ کے پاس ہے، جائیں جا کے باہر سے من پسند کھانا کھا
کر آ جائیں۔ اس ناانصافی پر کون آپ کا گریبان پکڑنے والا ہے یہاں۔ میں تو ویسے بھی لاوارث ہوں۔ میر
ے ماں، باپ نے تو ویسے ہی آپ کے ساتھ باندھ کر اپنے سر سے بلا اُتار لی ہے۔ کئی گھنٹوں سے آپ
کے رحم و کرم پر پڑی ہوں، مجال ہے جو کسی نے پلٹ کر میری خبر لی ہو۔۔۔ آپ نے انہیں جو جھوٹی سچی

کہانی سُنا دی، وہ اس پر یقین کر کے اس تردد میں تھوڑی نہ پڑیں گے کہ میں شمالی علاقہ جات کے مضافاتی علاقے میں نہیں، بلکہ اس بھاڑ میں زندہ رہنے کے لیے آپ کی غلامی کرنے پر مجبور ہوں۔۔۔ وہ سارے سبق سکھائیے، جس کے لیے آپ مجھے یہاں لے کر آئے ہیں۔ آپ تو وہ چاند ہیں کہ مجھے یہاں دفن کر کے حویلی جا کے سب کو فرضی کہانی سُنائیں گے تب بھی کوئی نہیں پوچھنے والا آپ کو۔۔۔ آپ آرام سے اپنا ٹاسک کمپلیٹ کریں۔ کوئی نہیں پوچھنے والا آپ کو"۔

پیٹ بھرنے کی خاطر آخری نوالہ نگلتے اس نے اس انداز میں سرد مہری سے کہا کہ شاہ زر شمعون خاموشی سے اس کی شکل دیکھتا رہا۔ طویل گھنٹے بھوک سے لڑنے کے بعد ساری مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ غرور و تکبر کہیں مُنہ چھپا کے بھاگ چکی تھی لیکن ایک زُبان تھی جس کی کڑواہٹ میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اپنی پلیٹ اٹھا کر اب وہ صحن میں لگے نل کے نیچے رکھے اسے دھو رہی تھی۔ بظاہر ہتھیار ڈال چکی تھی لیکن وجود کا نیلا پن بتا رہا تھا کہ اندر کتنا زہر بن رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

☆☆☆

گاڑی مری کے حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ چھ گھنٹے کی طویل مُسافت کے بعد سب کا خیال تھا کہ پہلے کاٹیج کا رُخ کیا جائے، سامان رکھ کر پھر نکلا جائے لیکن راستے میں ہی فائزہ کو پیغام موصول ہو چکا تھا کہ تدفین کا دورانیہ کم کر کے اب مغرب کا وقت مختص کر دیا گیا ہے۔ کاٹیج جانے کی بجائے سمہان آفندی نے فائزہ کے عزیز کے گھر کا راستہ ہی لیا تھا۔ مطلوبہ مقام آیا تو وہ سب گاڑی سے اُتر آئے تھے۔

میت کا ماحول تھا۔ ہر کوئی غم زدہ اپنی اپنی جگہ افسوس کر رہا تھا۔ فائزہ بھی سب سے مل رہی تھیں۔ ندا اور عیشال کو سب سے ملوا رہی تھیں۔ ہر جگہ جہانگیر کی بیٹی کا حوالہ اس کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیلا

رہی تھی۔ایک نام کی حد تک تو پہچان تھی کہ وہ اس کے والد محترم تھے، ورنہ انہوں نے کب ایسا کوئی عمل دکھایا تھا، دُنیا کی نظر میں ہی کوئی ایک آدھا باپ کا فرض ادا کیا ہو۔۔ سمہان مردانے میں تھا۔ مقررہ وقت پر لوگ میت کو لے جانے لگے تو عزیز و سوگواران پچھاڑیں کھانے لگے۔ عیشال، ندا کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھ گئی تھی

میت تیار تھی۔ایک جنازہ اٹھ رہا تھا۔ایک زندگی کے دن پورے ہو گئے تھے اور وہ زندگی کے کچھ دن اپنے محرم کے ساتھ جینے کی لالچ لیے چلی آئی تھی۔ وہ اندر سے فکر مند ضرور تھی۔ لیکن اپنے لیے نہیں سمہان کے لیے۔اپنی ساری پراپرٹی، زمین، جائیداد اس کے نام کر کے، فریال سے وعدہ لے کر وہ مطمئن ہو گیا تھا کہ اسے کُچھ بھی ہو گیا، تب بھی عیشال جہانگیر کو کسی شئے کی کمی نہیں ہو گی۔اس کا خیال رکھنے والے اس کے اپنے والدین ہوں گے لیکن وہ کب جانتا تھا کہ اسے کُچھ ہو جاتا تو وہ کیسے جیے گی۔۔۔ جاگتی آنکھوں اور بے حس وجود کے ساتھ وہ اکیلی جی کر کرتی بھی تو کیا۔۔۔؟اور کیونکر جیتی وہ ان ظالموں کے درمیان جو سمہان آفندی کا بال بھی بیکا کرتے۔ جن ہاتھوں میں مارنے کا دم تھا، وہ ایک چھوڑ دو جانیں بھی تو لے سکتے تھے۔ ظلم ڈھانا تھا تو اسے بھی تو نظارہ کرنا تھا کہ وہ ظالم کہاں تک تھے۔اسے بھی تو دیکھنا تھا پہلی گولی کس کی پسٹل نے اگلنا تھا۔

وہ بغور جنازے کو دیکھ رہی تھی۔جو اپنے آخری آرام گاہ کی طرف گامزن تھا۔

زندگی جی تو اسی طرح تھی کہ زندگی کو اس کی دلیری پر رشک آتا تھا اور مرنا تھا تو بھی اس انداز سے کہ موت بھی یاد کرتی، کس کو لے کر چلی ہے۔

تدفین کر کے لوگ لوٹ آئے تھے۔ کھانا لگ گیا تھا۔وہ بے حس و حرکت اسی طرح بیٹھی رہی تو ندا نے اسے ٹہوکہ دے کر فائزہ کی طرف متوجہ کیا

"۔مما کہہ رہی ہیں کھانا کھالو، پھر ہم دونوں سمہان کے ساتھ نکل جائیں گے۔ مما آج رُکیں گی یہاں
۔ندا، فائزہ کا پیغام پہنچا رہی تھی

" میں نہیں کھاؤں گی ندا آپی۔۔۔ مردے کو دفنائے ایک گھنٹا نہیں گزرتا اور لوگ جانے کس دل سے
۔ کھانے پینے لگتے ہیں، سچی میرا تو دل اس بے حسی پر دُکھ سے پھٹنے لگتا ہے۔" وہ دُکھ سے گویا تھی

" سہی کہہ رہی ہو، کُچھ مُردے ایسے بھی تو ہوتے ہیں جن کی قبر ہی گمشدہ ہوتی ہے۔ بندہ جا کر اس کی مٹی
سے گلہ بھی نہیں کر سکتا کہ اکیلے کیوں چھوڑ گئے۔" ندا کے درد میں ڈوبے جُملے پر عیشال جیا نگیر چونک گئی
۔تھی

(سمہان کو تو پتا ہو گا راحیل کی قبر کہاں ہے، وہی تو لے گیا تھا اسے۔۔ آہ کتنا بدنصیب تھا کہ چار کندھے
بھی اس کے جنازے کو نصیب نہ ہو سکے۔) وہ سوچ کے رہ گئی تھی۔ ساتھ ہی یہ عزم بھی کیا کہ سمہان سے
۔پوچھ کر ندا کو راحیل کے آخری آرام گاہ کے بارے میں ضرور بتائے گی

" میں کل، نہیں تو پرسوں لوٹ آؤں گی۔ ایک دوسرے کا خیال رکھنا تُم سب۔" وہ تینوں کا ٹیج کے لیے
۔گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ فائزہ انہیں ہدایت دے رہی تھیں

"سمہان دھیان رکھنا بیٹا۔" بچیوں کی ذمہ داری اور اکیلے پن کی وجہ سے فائزہ کُچھ فکر مند سی نظر آ رہی
۔تھیں

"۔آپ فکر مند نہ ہوں تائی جان۔" اس نے ڈھارس دی

" عیشال، تُمہیں ڈنر ائنر کے پاس جانا تھا۔ چاہو تو تم اور ندا سویرے سمہان کے ساتھ چلی جانا، یا پھر
۔ میرے لوٹ آنے کا انتظار کرنا۔" فائزہ کو یاد تھا کہ وہ کس کام سے ان کے ساتھ آئی تھی

جی تائی جان،، موڈ تو ہے صبح ڈیزائنر کے پاس جانے کا۔ جیسا بھی موڈ ہوگا، آپ کو انفارم کر کے نکلوں گی "
۔" اس کے چہرے پر ایک سکون پھیلا ہوا تھا۔ سمہان آفندی کے ساتھ ندا بھی اس کے پُر سکون انداز کو دیکھ
۔رہی تھی

گاڑی کاٹیج کی طرف سفر کر رہی تھی۔ وہ ندا کے ساتھ پچھلی نشست پر ہی براجمان تھی۔ ندا نے کہا بھی تھا کہ
وہ آگے جا کے بیٹھ جائے، بھلے وہ تمام حقائق سے آگاہ ہو گئی تھی لیکن ندا بڑی تھی، وہ بے شرمی سے آگے
۔جا کر بیٹھ نہیں سکتی تھی اس کے سامنے، پہلے بھی وہ اس کی زبردستی پر ہی نکلی تھی

آگے بیٹھوں یا پیچھے، اس شخص سے میرا رشتہ کسی صورت کمزور نہیں ہوگا ندا آپی۔ اور پیچھے بیٹھ کر "
موصوف پر زیادہ اچھی طرح نظر رکھ سکتی ہوں، ونڈ اسکرین، بیک ویو مرر سے کس آتی جاتی لڑکی کو نظر
"۔ بھر کے دیکھ رہے ہیں موصوف، اس پر بھی نظر رکھنے اور کان کھینچنے میں بھی آسانی ہوگی

۔ندا کے اصرار پر وہ کچھ اس بے ساختگی سے بول گئی تھی کہ سمہان آفندی بے ساختہ مسکراہٹ چھپا گیا

۔باز آجاؤ!" اس کی پُر شوق نظروں میں یہ پیغام بڑی اچھی طرح پڑھا جا سکتا تھا "

۔ اچھی بات ہے، رکھو نظر۔" ندا بھی مسکرا کر باہر دیکھنے لگی تھی "

۔کاٹیج پہنچ کر وہ دونوں پہلے نظر آنے والے کمرے میں ہی ریلیکس ہو کر بیٹھ گئی تھیں

شدید بھوک لگ رہی ہے۔" پیروں سے جوتی اتارتے عیشال نے دُہائی دی تھی۔ حویلی کے گھٹے ہوئے "
ماحول سے نکل کر اسے بھوک، پیاس کا احساس ہو رہا تھا، ورنہ تو جانے کب سے زہر مار کر رہی
۔ تھی۔ اعصاب بھی پُر سکون محسوس ہو رہے تھے

آپ لوگ پہلے کھانا کھالیں پھر آرام کر لیجیے گا۔ میں کھانا لگواتا ہوں۔" سمہان کے نمبر پر چوہدری "
حشمت کی کال آ گئی تھی۔ وہ سفر سے متعلق اَپ ڈیٹ لے رہے تھے۔ وہ دانستہ کاریڈور میں رُک گیا تھا
۔۔اور کال سن کر واپس آیا تو عیشال دُہائی دیتی ملی

باہر جانے کی میری ہمت نہیں ہے سمہان، مجھے روم میں ہی کھانا منگوا دو، تم اور عیشال بے شک ڈائننگ "
ہال میں کھالو۔" ندا نے سُستی سے کہا تو سمہان سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا کہ آیا اس کی کیا مرضی
ہے۔

نوکروں کی فوج اور میز، کرسی میں بیٹھ کر کھاتے تو ساری عمر نکل گئی۔ اب یہاں آئی ہوں حویلی سے "
دور تو حویلی جیسا کُچھ کرنے کو دل نہیں، بے قاعدگی سے جینے، کھانے، پینے کو دل چاہ رہا ہے، کم از کم
یہاں میز پر حاضری یقینی بنانے کے لیے کسی کا خوف تو نہیں۔ چند دن ہیں ہمارے پاس کُھل کے تو جی
"۔لیں۔ یہاں روم میں ہی کھانا منگوالو۔ ہم تینوں ساتھ کھالیں گے

۔اس کی لمبی سی تمہید پر ندا دہل گئی تھی۔ سمہان آفندی بھی گھورنے لگا

"۔ توبہ ہے عیشال، چند دن ہوں تُمہارے دُشمنوں کے"

۔پھر تو حویلی والوں کی خیر نہیں۔" سمہان کی گھوری اور ندا کے ناصحانہ انداز پر وہ کھلکھلائی تھی"

اس لڑکی پر جن کا سایہ ہو گیا ہے سمہان، جاتے ہوئے کسی پیر، فقیر سے دم کرواتے ہوئے جائیں "
گے۔ یا پھر نکاح کی کُچھ زیادہ خوشی نے دماغ اُلٹ دیا ہے۔" ندا، سمہان کو مُخاطب کر کے اسے لتاڑ دے
۔گئی تھی

دوسری بات میں زیادہ دم ہے۔" وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔اس کا ایک نیا ہی روپ تھا، ہنستا، مسکراتا "
چہرہ، بے فکری کی ہنسی۔ حویلی میں تو اس کے لب جیسے مسکرانا ہی بھول جاتے تھے، ہر گھڑی پلکیں نم ہی
۔رہتی تھیں

آپ لوگ فریش ہو جائیں، میں ملازم سے کھانے کا کہہ دیتا ہوں۔" اس کے پر سکون روپ کو نظروں "
۔میں بھرتے وہ پلٹ گیا تھا

☆☆☆

یہ ایشان کہاں ہے، آج میں گھر پر ہوں تو وہ نظر نہیں آرہا۔" چوہدری جہانگیر لاؤنج میں آ بیٹھے تھے "
۔جہاں صبا پہلے سے براجمان تھیں

کہہ تو گیا تھا دوستوں میں جا رہا ہوں، یونی بھی نہیں جا رہا ہے کچھ دنوں سے۔ جانے کیا ہوا ہے اسے، "
حواسوں میں ہی نہیں لگتا۔آپ بات کریں نا اس سے۔" صبا کو بھی یاد آگیا کہ انہیں اس کے سلسلے میں
۔بات کرنا تھی

۔بات ہو چکی ہے ہماری، مینٹلی تھوڑا ڈسٹرب ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔" اندازاً سوچ تھا "

۔ڈسٹرب ہے لیکن کیوں۔۔؟ کیا بات ہو گئی، بتایا اس نے آپ کو۔" وہ فکر مند ہو گئیں "

"۔۔؟تم ماورا کے گھر گئی تھیں۔کیا باتیں ہوئی تھیں وہاں "

یہ، ماورا کے گھر کا ذکر کہاں سے نکل آیا۔۔۔؟" سوال گندم اور جواب چنا کے مصداق وہ ان کی شکل تکنے "
۔لگیں

۔جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔" لہجہ خشک تھا "

۔ہاں گئی تھی۔" وہ تھوڑا خائف ہوئیں "

کیا باتیں ہوئی تھیں وہاں۔۔؟؟ وہ ان کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ صبا ہی وہ بندی تھیں "
۔جنہوں نے منزہ کو مرنے سے قبل دیکھا تھا

بات کیا ہونی تھی۔ مجھے دیکھ کر ہی دونوں ماں، بیٹی چونک گئی تھیں۔ اور تعارف کرانے کے بعد تو مانو "
ان کے چہرے سے رنگ ہی اڑ گیا۔ ماں کی تو ہمت ہی نہیں ہوئی میرے سامنے بولنے کی بیٹی ہی پٹر پٹر کرتی
رہی تو میں نے بھی منہ کی سنائی، ماں سے بس اتنا ہوا کہ اس نے مجھے واپس چلے جانے کا کہا۔ لیکن آپ نے
بتایا نہیں ان سب سے ایشان کی ڈسٹربنس کا کیا تعلق ہے۔۔۔؟" جہانگیر کے چہرے کی گھمبیرتا بڑھ گئی تھی
۔تاثرات چھپانے میں تو انہیں کمال حاصل تھا۔ اس وقت بھی وہ ان کے تاثرات سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر
۔پائی تھیں

" ۔ ماورا کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے اسی شب، جب تم ملنے گئی تھیں "

"!اوہ"

اس سے قبل ایشان انہیں کہہ چکا تھا کہ وہ ماورا کے رشتے کے لیے ہمیں ان کے گھر لے کر جائے گا لیکن وہ "
محض باتیں تھیں، حقیقت ان ماں، بیٹی پر کھل چکی تھی پھر تم نے جا کر جو کیا اس کے بعد وہ چل بسی۔"
۔چوہدری جہانگیر کی آواز دھیمی تھی

یہ لو۔اب یہ موت بھی ہم ماں، بیٹا کے سر۔۔ایسی موت پر کوئی پولیس کیس نہیں بنتا۔۔۔ کوئی "
۔ انکوائری بیٹھ رہی ہے کیا۔۔۔؟؟" صبا کو تشویش ہوئی

ایسی اموات پر واقعی کوئی پولیس کیس نہیں بنتا، نہ ہی انکوائری بیٹھتی ہے لیکن تم اور ایشان بیچ میں نہ "
۔ ہوتے تو میں کیس بھی بناتا اور انکوائری بھی بٹھاتا۔" انداز و لہجہ نا فہم تھا

۔آپ ایسا کیوں کرتے بھلا۔۔؟" صبا حیران تھیں "

۔ تم سے کمرا تیار کروانے کا کہا تھا، اس کا کیا ہوا۔" ایک بار پھر وہی حالت تھی سوال کچھ، جواب کچھ "
جی کروا دیا تھا۔ لیکن آپ نے بتایا ہی نہیں کون گیسٹ آ رہا ہے اور کہاں سے۔۔؟" اتنے سالوں میں "
۔ صبا کو اندازہ ہو گیا تھا کہ جو جواب خود نہیں دیے جا رہے وہ دوبارہ پوچھنے پر بھی نہیں ملنے

جلد ہی ماورا آئے گی یہاں اور ہمارے ساتھ رہے گی۔ یہ گیسٹ روم تو عارضی ہے، اس کا مستقل ٹھکانا تو "
کوئی اور کمرا ہو گا۔۔ تم خود روم دیکھ لینا کوئی کمی نہ رہے۔" چوہدری جہانگیر اپنی کہہ کر چلا دیے تھے اور صبا
۔ کو ہکا بکا چھوڑ گئے تھے

۔ماورا آ رہی ہے یہاں، مستقل ٹھکانا۔۔! " وہ انہی کو رکھ دھندے میں الجھ کے رہ گئی تھیں "

☆☆☆

موسم میں خنکی کافی حد تک بڑھ گئی تھی۔ اب تو شام بھی ڈھلنے لگی تھی۔ کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔ بھوک، پیاس، موسم ہر احساس کو نظر انداز کیے وہ مستقل مزاجی سے اس کے در پر ڈیرا جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ لوگوں کی نظریں، باتیں اتنا ہنگامہ کچھ بھی اس کے ارادے کو کمزور نہیں کر سکے تھے۔ فرش کی ٹھنڈک زیادہ محسوس

ہونے لگی تو جوتے کی ٹھوکر سے راہ میں آتے پتھر کو اڑاتے وہ گاڑی کے اندر موجود جیکٹ نکال کر پہننے لگا۔ نظریں اس بند دروازے پر تھیں جو سختی سے اس کے اوپر بند کی گئی تھی۔ گاڑی کی بونٹ پر چڑھ کر بیٹھتے وہ نظریں دروازت پر جمائے ہی بیٹھا ہوا تھا۔

جانے یہ دروازہ کھلتا یا نہیں۔ اس کے جذبوں کو ماورا محض باتوں سے تسبیہ دے کر دھتکار چکی تھی اور وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہی تھی۔ اس نے کھیل ہی اتنا گندا کھیلا تھا کہ اب اس کے سچ پر بھی ماورا اعتبار کرنے کو تیار نہیں تھی۔ اسے ہرانے کے لیے وہ اس حد تک چلا گیا تھا کہ منزہ کے جذبات تک سے کھیل گیا تھا۔ اور وہ اس صدمے کو سہار نہیں پائی تھیں۔ ان کی موت بھلے لکھی جا چکی تھی لیکن اس کا گلٹ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ ماورا کی نفرت، جلا بھنا لہجہ، جس میں اسے موردِ الزام ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ بھلائے نہیں بھول رہا تھا۔ اسے سوچتے سوچتے اسے لگنے لگا تھا اس کا ذہن کام کرنا بند کر دے گا۔ وہ گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ ماورا کا اکیلا پن اسے کچوکے لگا رہا تھا اور انہی لمحوں میں اس پر کھلا تھا کہ کئی مقابلہ بازی تو اسے مات دے گیا تھا۔ اس سے جھوٹ موٹ کا رشتہ قائم کر کے اپنے ہجر میں اسے آٹھ آٹھ آنسو رلانے کا خیال رکھنے والا اس کا تھپڑ کھا کر اسی کے در کا بھکاری بن بیٹھا تھا۔ وہ حواسوں میں نہیں لگ رہا تھا۔ بس ایک ضد سی تھی کہ وہ اسے اکیلا چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ جو محلے والے اس کے سامنے اتنی بکواس کر رہے تھے، وہ اکیلے میں کیا کچھ نہ سنا جاتے۔

وہ کئی گھنٹوں سے باہر سردی میں بیٹھا ہوا ہے، جانے اس نے کچھ کھایا پیا بھی ہے یا نہیں۔ "دل شکن" باتوں کو پس پشت ڈال کر اس نے انوشا کے فیصلے پر سر جھکا کر اس کے ساتھ چلنے کی ہامی بھر لی تھی۔ یاسر نے خدیجہ بیگم کو بھی انفارم کر دیا تھا۔ جانے انہوں نے کیا کہا تھا کیا نہیں۔ وہ دونوں لاعلم تھیں۔ رات ہونے لگی تھی۔ چاہے جیسے بھی حالات ہوں پیٹ کا دوزخ تو بھرنا تھا، اس کی ذہنی حالت کو دیکھتے انوشا نے

ہی کچن سنبھال لیا تھا۔ کیا پکاوہیں کی جھنجٹ سے بچنے کے لیے اس نے آلو کے پراٹھے، چٹنی کے ساتھ
۔ چائے بھی بنالی تھی

اس کے بلاوے پر وہ صحن میں لگے دستر خواں تک آ گئی تھی۔ وہ غیر ضروری چیزوں کو الگ کر رہی تھی
۔ جسے یہاں سے جاتے ہوئے تلف کر کے جانا تھا۔ اتنا کچھ وہ کہاں کہاں اٹھائے پھرتی

" تم کمرے کی چیزیں سمیٹ لو پھر آخر میں دونوں مل کے کچن کا سامان باندھ لیں گے۔ جو غیر ضروری
ہے وہ کباڑ کو صبح دے دیں گے۔" یاسر بھی آ گیا تھا۔ انوشا کی ہدایت پر وہ سر ہلا رہی تھی۔ پہلا نوالہ منہ میں
جاتے ہی انوشا کی فکر مندی پر راستے میں ہی رُک گیا تھا۔ لب بھنچ گئے تھے۔ یاسر بھی انوشا کی شکل دیکھنے
۔ لگا تھا

" بھلے وہ ہمارے ساتھ بُرا کر گیا، لیکن جانے کیوں اماں کو بے حد عزیز تھا۔ بس اسی لیے اس کا خیال آ گیا۔"
۔ یاسر کی سنجیدہ نظروں کو دیکھتے وہ منزہ کا حوالہ دے گئی تو ماورا سر جھکائے بیٹھی رہی

" یاسر آپ یہ چائے کا کپ اور پراٹھا اسے دے آئیں۔ وہ بھلے جو کرتا پھرے، ہم میں وت اتنی انسانیت ہے
کہ باہر بیٹھے شخص کا خیال کر کے اسے کھانے کا پوچھ لیں۔" انوشا ٹکون کٹے پر اٹھوں کے کئی پیسز ایک پلیٹ
میں رکھ کر تھرماس میں رکھی چائے کپ میں اُنڈیل کر یاسر کو باہر لے جانے کا کہہ رہی تھی۔ شاید یاسر
۔ کوئی سخت جملہ کہنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن ماورا کا خیال کر کے چپ کر گیا

" تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے انوشا۔ جو شخص دروازے پر ہمارا تماشا لگا گیا، تم اسے گھر سے کھانا بنا کر بھیج رہی
۔ ہو۔" ماورا ناگواری کا اظہار کرنے سے نہ چوکی

ہم میں اور اس میں کوئی تو فرق ہو۔ ویسے بھی ہم کون سا یہاں بیٹھے رہیں گے اس کا دھرنا دیکھنے کو۔ صبح " تو ویسے بھی ہم نے یہاں سے چلے جانا ہے۔ آپ جائیں یاسر، انسانیت بھی کوئی چیز ہے۔" انوشا نے اسے ۔باہر کی راہ دکھائی تو وہ بادلِ نخواستہ ٹرے لے کر دروازے کی اُور بڑھ گیا

دروازہ کُھلا تھا اور اس کی تنکی بندھی آنکھوں نے یاسر کو اپنی طرف آتے دیکھا تھا۔ باہر نکل کر سرد ہوا کے جھونکوں نے یاسر کو اچھی طرح احساس دلایا کہ انوشا کی فکر مندی کُچھ اتنی بُری بھی نہیں تھی۔ وہ بے شک ان کے در پر دھرنا دیے بیٹھا تھا۔ لیکن اس گھر کے لیے اس کی زُبان سے دونوں کے لیے کوئی غیر مُناسب ۔جُملہ نہیں نکلا تھا بلکہ ایسا کرنے والے کو مرنے مارنے کو تیار ہو گیا تھا

۔کُچھ کھالو۔" یاسر نے ٹرے اس کی گاڑی کی بونٹ پر رکھ دیا تھا "

۔ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے شُکریہ۔" وہ پھیکے سے مُسکرایا "

ٹھنڈ بڑھ رہی ہے، کب تک یہاں ایسے بیٹھے رہو گے۔ مُجھے نہیں معلوم کیا معاملات ہیں۔ لیکن جو بھی " معاملہ ہے اسے افہام و تفہیم سے حل کرو۔ تُمہارا یہ جذباتی عمل سوائے پریشان کرنے کے کُچھ نہیں دے رہا۔ بات کردار کشی تک جا پہنچی ہے۔ تُم خود ہی خیال کرو کُچھ۔" گو کہ یاسر کو انوشا کی فکر اس کے حوالے سے کُچھ اچھی نہیں لگی تھی لیکن باہر آ کر اس کی مُستقل مزاجی دیکھ کر وہ اسے کسی پلان کا حصہ نہیں لگ رہا ۔تھا۔ جانے کیوں اس کے چہرے پر سچائی سی نظر آ رہی تھی

آپ کسی طرح ماورا کو مُجھ سے شادی کرنے لیے تیار کر لیں۔ آج، ابھی، مہینہ، سال وہ جب تک انتظار " کرنے کا کہے گی میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔ انوشا کے ساتھ اسے سمجھائیں، بس ایک بار اسے کہیں وہ ۔ہاں کر دے۔" وہ ملتجی لہجے میں اسے ثالث بننے کی ذمہ داری سونپ رہا تھا۔ یاسر بغور اسے دیکھنے لگا

جو کچھ تم نے کیا ہے۔ ان سب کے بعد کیا تمہیں لگتا ہے کہ ماورا کسی کے بھی سمجھانے سے ہاں کر " ۔دے گی۔۔۔؟" نظریں سوالیہ تھیں

شاید نہیں۔" لہجہ دھیما تھا۔ نفرت تو وہ شروع سے کرتی تھی اور وہ ہر بار ہی ایسا کچھ کر جاتا تھا کہ اس کی " ۔نفرت بڑھ جاتی تھی

جو ہو رہا ہے اسے ہونے دو، ماورا کا یہاں اکیلے رہنا کسی طور مناسب نہیں ہے، ہم نے پہلے بھی ساتھ " چلنے کو کہا تھا لیکن وہ سختی سے انکاری تھی لیکن اب تمہارے عمل کے بعد وہ یہاں رہنا نہیں چاہتی، صبح وہ ہمارے ساتھ جا رہی ہے۔ تم تھوڑا ٹائم دو اسے، وقت گزرے تو پھر سے سوال کرو، ممکن ہو جواب اچھا مل جائے۔ لیکن اس وقت کی تمہاری ضد سوائے پریشانی کے کچھ نہیں دے گی۔ ماورا کا غصہ بڑھتا رہے گا۔ ابھی تو ماں کی موت کا غم بھی کم نہیں ہوا اور تم نے نیا فسانہ کھول دیا ہے۔۔۔ وقت دو اسے۔" یاسر دوستوں کی طرح اسے سمجھانے لگا تھا۔ وہ خاموش ہو گیا تھا۔ شاید اس کی کہی باتیں اسے سمجھ میں آنے لگی ۔تھیں

"۔ کچھ کھا، پی لو تاکہ بہتر سوچ سکو "

یقیناً یہ کام آپ کی نرم دل زوجہ محترمہ نے کیا ہوگا۔۔۔ ایل او سی سے گزر کر آئی ہے چائے۔ گولے تو " داغے ہوں گے محترمہ نے۔۔ چائے کے لیے تھینکس۔" چائے کا کپ اٹھاتے وہ ذو معنی لہجے میں اس کا ۔ذکر کر گیا تو یاسر اس کے اندازوں پر مسکرا دیا

۔جی ایسا ہی کچھ ہے۔۔۔ اب جا رہے ہو واپس یا اندر سے چادر لا کر دوں۔" یاسر یوں ہی چھیڑنے لگا "

آپ لوگوں کو رخصت کر کے ہی جاؤں گا۔ اور ڈونٹ وری سلیپنگ بیگ ہے گاڑی میں۔" تھکن، "
۔ بے آرامی۔ پریشانی کچھ نہیں تھی۔ تھی تو بس دیوانگی

بہت ضدی ہو۔" یاسر ٹرے اٹھا کر گھر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ یاسر کی باتیں دل کو لگی تھیں۔ ایک ووٹ "
تو پکا ہو گیا تھا۔ اب باقی کے دو ووٹ درکار تھے۔ چائے کی سپ لیتے وہ پُر سوچ انداز میں دروازے کو دیکھنے
۔ لگا جو یاسر اپنے پیچھے بند کر چکا تھا

☆☆☆

آتی نہیں تھی نیند مجھے رات رات بھر

پھر اس نے میری آنکھوں پہ ایک خواب دم کیا

اس کی آنکھ کھلی تو کئی ثانیے ماحول کو سمجھنے میں لگ گئے کہ وہ حویلی کے اپنے مخصوص کمرے میں نہیں
۔ ہے۔ کمرا اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ صرف کونے پر مدھم روشنی تھی

ملازم کھانا لے آیا تھا۔ تینوں نے وہیں کمرے میں بے تکلفانہ ماحول میں کھانا کھایا تھا۔ سمہان کی کوئی کال آگئی تھی۔ اسے زمینوں کا کام دیکھنے جانا تھا۔ ملازم آکر برتن لے گئے تو انہیں دھیان سے ایک ساتھ رہنے کی ہدایت کرکے وہ چلا گیا تھا۔ اس کی ہدایت پر ندا نے اٹھ کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ سفر کی تھکان اتنی تھی کہ دونوں بیڈ پر لیٹتے ہی سو گئی تھیں۔

اور اب آنکھ کھلنے پر کچھ پل لگے تھے یہ حقیقت قبول کرنے میں کہ وہ حویلی میں نہیں کانیج کے روم میں تھی۔ گردن گھما کر دیکھنے پر اسے ندا مصلے پر بیٹھی نظر آئی تھی۔ یہ روشنی بھی اس نے احتیاط سے کی تھی کہ اس کی نیند ڈسٹرب نہ ہو۔۔۔ جانے وہ کس وقت کی نماز پڑھ رہی تھی یا کوئی نوافل۔ اسے وقت کا ٹھیک سے اندازہ نہیں ہو سکا۔ اس نے ہاتھ مار کر سیل فون ٹٹولنا چاہا تھا تاکہ اسی میں وقت دیکھ سکے۔

"جاگ گئیں۔۔۔؟" ندا مصلہ سمیٹتے اس کی طرف متوجہ تھی۔

"جی۔۔ کیا وقت ہو رہا ہے ندا آپی۔۔؟" سیل فون ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔

"گیارہ بج رہے ہوں گے۔" ندا نے اندازہ لگایا تب تک اس کی کوشش کامیاب ہو چکی تھی۔ سیل فون اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

"گیارہ بج رہے ہیں واقعی۔ اتنی دیر سوتی رہی اب رات کو خاک نیند آئے گی۔" وہ اٹھ بیٹھی۔

"سمہان آگیا زمینوں پر سے۔" اس کی فکر ستانے لگی۔

"علم نہیں۔ سمہان نے غیر ضروری کمرے سے نکلنے کو منع کیا تھا تو میں گئی ہی نہیں۔ لوٹ آنے کی صورت میں وہ بتاتا تو ضرور، شاید ابھی نہیں لوٹا۔ موسم میں خنکی بڑھ گئی ہے، باہر تو شاید سنو فالنگ ہو رہی ہے۔" ندا کے دھیان دلانے پر اسنے بھی کھڑکی کی اور دیکھا تھا۔ تصدیق کے لیے اس نے تھوڑا سا

سلائیڈ کو ہٹایا تھا سنو فالنگ تو واقعی ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی سرد ہوا کی لہر کھڑکی کے ذریعے اندر داخل ہوئی ۔ تو اس کے وجود میں پھریری سی دوڑ گئی

جانے کہاں رہ گیا، سنو فالنگ کی وجہ سے تو اکثر راستے بلاک ہو جاتے ہیں۔ پوچھتی ہوں۔" وہ سیل فون " ۔سے اس کا نمبر ملا کر کان سے لگائی

ابھی اتنی زیادہ نہیں ہو رہی، راستے کھلے ہوں گے۔ لیکن تم پوچھ لو۔" ندا نے بھی حمایت کی تھی۔ اسی " ۔ وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی

۔کون ؟" ندا دروازے کے قریب ہی تھی لیکن کھولنے سے پہلے تصدیق کر نو اس نے ضروری خیال کیا "

سمہان ہوں، ندا جی !" باہر سے اس کی آواز آئی تو ندا نے مطمئن ہو کر دروازہ کھول دیا۔ وہ پوری طرح " کال لگنے کی منتظر تھی لیکن شاید موسم کے باعث کال لگنے میں دُشواری ہو رہی تھی۔ دستک اس نے بھی سُنی تھی لیکن کال کی طرف متوجہ ہونے پر وہ آواز پر دھیان نہ دے سکی۔ نظریں دروازے پر ہی تھیں، ندا دروازہ کھول رہی تھی۔ سمہان آفندی دہلیز پر آ کھڑا ہوا تھا۔ اسی دم کال لگ گئی تھی۔ ہاتھ میں موجود بجتے ہوئے سیل فون کو اس نے بے ساختہ دیکھا تھا۔ نیم اندھیرے کمرے میں سامنے کان سے فون لگائے عیشال ۔ جہانگیر کو جو اسے دیکھتے ہی دیڈ پر پڑا دوپٹا اٹھا کر اوڑھنے لگی تھی

کمال ہے بندہ سامنے موجود ہے اور اسے کال کی جا رہی ہے۔" اس کے اسکرین دکھانے پر اسے سیل فون کا " ۔دھیان آیا جو اس نے بیڈ پر رکھ دیا تھا

تُم آئے یا نہیں آئے یہی کنفرم کرنے کے لیے عیشال کال کر رہی تھی۔" ندا کہہ رہی تھی اور اس نے " ۔کال ڈسکنیکٹ کر دیا تھا۔ تب تک ندا کمرے کی ساری لائٹس آن کر چکی تھی

جلدی لوٹ آیا تھا۔ یہیں تھا۔ آپ لوگوں کی آرام میں خلل نہ پڑے اس لیے ڈسٹرب نہیں کیا لیکن اب " ملازم کھانا لگانے کا پوچھ رہے ہیں تو آپ لوگوں کو اٹھانے گیا کہ باقی کی نیند رات کو پوری کر لیں۔" اس کا ۔سُتا سُتا چہرہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ ابھی سو کر اٹھی ہے

یہیں تھے تو بتا دیتے، میں تو کب سے جاگ رہی تھی۔ عیشال سوئی ہوئی تھی اس لیے بھی باہر نہیں نکلی " ۔کہ تُمہاری خاص ہدایت تھی

یوں تو یہاں کوئی ایشو نہیں ہے لیکن یہاں کی سیکیورٹی پر مجھے کوئی خاص بھروسہ نہیں ہے۔ پھر تائی جان " بھی نہیں تھیں۔ اس لیے کہہ گیا تھا لیکن اب ٹینشن کی کوئی بات نہیں ہے آپ لوگ آرام سے گھوم پھر سکتی ہیں، یہاں کے لوکل سیکیورٹی گارڈ کو چھٹی دے کر میں نے اپنے گارڈز کو بلا لیا ہے۔ اب آپ لوگوں کو کمرے میں قید ہو کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کہہ تو مسکرا رہا تھا لیکن نظریں اس پر ڈال رہا تھا ۔جواب بھی بیڈ پر خاموش بیٹھی ہوئی تھی

۔کھانا ہال میں لگوا لوں یا کمرے میں ہی کھانے کا موڈ ہے۔" وہ استفسار کر رہا تھا "

میں تو دونوں میں راضی ہوں۔ عیشال سے پوچھ لو۔ میں تب تک فریش ہو کر آتی ہوں۔" نداواش روم " ۔کی طرف بڑھ گئی تھی

۔جی محترمہ، حکم!" وہ شریر ہوا۔ چند قدم چل کے دروازے سے اندر آ گیا تھا "

۔ میرا تو سنو فال کے نیچے کھانا کھانے کا موڈ ہو رہا ہے۔" وہ کھڑکی کی اور دیکھتی اشارہ کر گئی "

۔بیمار پڑ جاؤ گی۔" انداز ناصحانہ تھا "

نہیں پڑتی۔" وہ ضدی ہوئی۔ "یہاں کوئی اوپر کا کمرا نہیں ہے وہاں سے سنو فال دیکھنے کا مزا اور ہوگا۔ "
۔ یہاں سے اتنا خاص ویو نہیں۔" ناک چڑھا گئی

سب کے لیے اوپری کمرا تیار ہے۔ کھانا کھالو پھر دیکھ لینا جا کے ،بلکہ دیکھنا کیا رہنا ہے وہاں۔۔" اس نے "
۔خوشخبری دی تو وہ خوش ہو گئی

۔ارے واہ، یہ تو تم نے بہت اچھا کام کیا۔" وہ خوش تھی "

میں تو ہمیشہ سے اچھا ہی کام کرتا آرہا ہوں محترمہ ۔۔۔آپ نے جب سے لڑنا بھڑنا چھوڑا ہے تب سے "
۔آپ کو مجھ ناچیز میں خوبیاں نظر آنا شروع ہوئی ہیں۔" وہ چڑا رہا تھا۔ وہ جھینپ گئی

"۔ کوئی نہیں۔ پتا تھا کتنی خوبیاں ہیں۔ایویں تھوڑی نہ ضد باندھ لی تھی پانے کی "

۔ اوہو ! !" بے ساختگی و روانی میں اعتراف کر گئی تو اس کی ہنسی چھوٹ گئی "

۔فضول آدمی !" خفت مٹانے کو وہ اس پر تکیہ پھینک چکی تھی "

☆☆☆

زندہ رہنے کے لیے کھانا اور کھانے کے لیے پکانا کتنا ضروری تھا یہ حقیقت شنائیہ چوہدری پر پوری طرح کھل چکی تھی۔ کچی پکی کھچڑی کھا کے کچھ گھنٹے سکون سے گزر گئے تھے لیکن ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بھوک کا احساس گہرا ہونے لگا تھا۔ کئی گھنٹوں سے خالی پیٹ کو مزید کی طلب تھی۔ لیکن گھر میں کچھ پکانے کو تھا

کب۔ فریج جیسی عیاشی تھی کہاں کہ وہ اس میں سے بیف، مٹن اور چکن کی تھیلیاں نکال کر پکالیتی۔ اور سب سے بڑی مشقت روٹیاں بنانا۔ چاول تو پھر بھی بن جاتے لیکن روٹیوں کا کیا۔۔۔؟ گھر میں میڈ نہ ہو یا دیا ہاسپٹل میں ہوتی تھیں تب بھی اس نے کبھی کچن میں جا کے شاذ ہی روٹی بنائی ہو اسے تو روٹی کے لیے پروپر آٹا گوندھنا بھی نہیں آتا تھا لیکن اب وہ سب کرنا تھا جو نہیں آتا تھا۔ اسے پکانے کے لیے کچھ لانے کا کہہ کر وہ آٹا نکال کر تھال میں لے آئی تھی۔ آٹا گوندھنے کی ٹپس سرچ کرنے کو کہا تو وہ سر پکڑ گیا کہ اسے آٹا گوندھنا بھی نہیں آتا تھا۔ اس کی لعن طعن کو نظر انداز کر کے وہ سنجیدگی سے آٹا گوندھنے کا طریقہ پڑھ رہی تھی جو اس نے سیل فون اسے چند لمحوں کے لیے دان کر دیا تھا۔ آٹا میں لمبا پانی ڈال کر وہ دونوں ہاتھوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ شاہ زر شمعون نے کچھ ویڈیوز بھی دکھا دیے تھے جسے دیکھ کر اسے ۔ کام کرنے میں آسانی ہو رہی تھی

وہ بازار جا چکا تھا۔ تالا لگانے کی آواز آئی تو اس کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ جیتے جاگتے وجود کو یوں قید مین رکھ کر وہ اسے اپنی جیت سمجھ رہا تھا۔ خلافِ توقع آٹا اچھا گوندھ گیا تھا۔ تھال کو کچن میں رکھ کر وہ چولہا جلانے کی کوشش کرنے لگی تھی، نم لکڑیوں سے کچن میں دھواں بھرنے لگا تھا، وہ بُری طرح کھانستی ہاتھ سے دھواں اُڑاتی باہر نکلی تھی۔ صحن میں لگے نل کو کھول کر آنکھوں اور چہرے پر پانی ڈالتی وہ اب بھی بُری طرح کھانس رہی تھی۔ وہ دھواں سے بچنے کے لیے پیچھے ہوتی مین گیٹ سے تقریباً لگ گئی تھی۔ دروازے کے باہر سے کسی کے گنگنانے کی آواز آنے لگی تو وہ بُری طرح چونک گئی۔ وہ باہر نہیں ۔ جا سکتی تھی لیکن کوئی باہر سے اس کی مدد تو کر سکتا تھا

" کوئی ہے۔۔ میری مدد کرو۔۔۔ مجھے نکالو یہاں سے۔۔۔ شاہ نے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے۔۔۔ پولیس کو بلا دو۔" دروازہ بُری طرح بجاتے وہ چلا رہی تھی۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید باہر کوئی تھا ۔ ہی نہیں۔ وہ اسے اپنا وہم ہی سمجھ کر نامراد پلٹنے لگی تھی جب ایک غیر متوقع آواز سماعت سے ٹکرائی

۔ کون ہے اندر ۔۔ باہر تو تالا ڈلا ہوا ہے ۔۔؟" آواز میں استعجاب تھا "

میں ہوں شنائیہ ۔۔ مجھے یہاں زبردستی دھوکے سے لایا گیا ہے ۔۔ میں یہاں رہنا نہیں چاہتی ۔ مجھے نکالو "
۔ یہاں سے ۔۔" وہ بُری طرح دُہائی دینے لگی تھی

میں کچھ کرتا ہوں، پریشان نہ ہو ۔" دوسری طرف سے حوصلہ دیا گیا ۔ کچھ سیکنڈ خاموشی طاری رہی "
۔ ۔ اگلے ہی لمحہ دروازے پر زوردار ضرب پڑنے لگی تھی ۔ یقیناً تالا توڑنے کی کوشش کی جارہی تھی

جلدی کرو، مجھے جلدی یہاں سے نکالو ۔" اس کے آنے سے پہلے وہ یہاں سے نکل بھاگنا چاہتی تھی ۔ وہ "
بھاگ کر اندر سے جوتی بھی پہن آئی تھی ۔ ہر پڑتی ضرب پہلے سے زوردار یہ ظاہر کررہی تھی کہ آزادی
۔ بس چند لمحوں کی دوری پر تھی ۔ وہ ایکسائیٹڈ ہورہی تھی

ٹوٹ گیا تالا ۔" وہ جو کوئی بھی تھا پُرجوش ہو کر اب کنڈی کھول رہا تھا ۔ وہ تیس بتیس سالہ شخص تھا ۔"
ایک دم سے دروازہ کھولنے پر اسے شنائیہ چوہدری کی شکل نظر آئی تو وہ سیٹی بجانے کے انداز سے ہونٹ
۔ سکیڑ گیا

"! شہری سُنڑی "

۔ راستے سے ہٹو مجھے جانے دو، وہ آجائے گا ۔" اسے دروازے پر جما دیکھ کر وہ بے قراری سے نکلنے لگی تھی "

ارے، تُم کون ہو، اپنے بارے میں تو بتاتی جاؤ ۔" اسے روکنے کے لیے وہ دروازے کے سامنے استادہ "
۔ ہو گیا تھا

میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے، ہٹو راستے سے۔" اسے دھکیل کر وہ نکلنے لگی تھی لیکن ابھی دہلیز سے "
قدم باہر بھی نہیں نکلے تھے کہ شاہ زر شمعون قہر بھری نظروں سے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے بڑھتے
۔قدم ٹھٹھک گئے، اجنبی بھی اسے ساکت ہوتے دیکھ کر آنے والے کو دیکھنے لگا تھا

"۔۔؟شاہ! آپ یہاں "

تُم یہاں کیا کر رہے ہو ہاشم!" جواب دینے کی بجائے دروازے پر ٹوٹا وہ تالا دیکھ کر شاہ زر شمعون کی "
۔نظریں سرد ہو چلی تھیں

ویرے، میں یہاں سے گُزر رہا تھا تو مُجھے ان کی آواز آئی۔ یہ مدد کے لیے چلا رہی تھیں کہ کسی نے انہیں "
یہاں قید کر رکھا ہے۔ اس لیے میں نے تالا توڑ دیا۔" شاہ زر شمعون کی برفیلی نظریں شنائیہ چوہدری کی
۔ طرف اٹھی تھیں۔ وہ خائف سی ہو گئی

۔مُجھے پتا نہیں تھا ویرے یہ آپ کے ساتھ ہیں۔" ہاشم کُچھ عجیب سا ہو گیا تھا"

اب پتا چل گیا نا۔۔؟" ٹھنڈے موسم میں اس کی سرد ہو چلی نظریں اور برفیلا لہجہ رگوں میں خون "
۔ منجمند کرنے لگا تھا

جی۔۔۔ میں چلتا ہوں۔ اس کے لیے معاف کر دینا ویرے۔" وہ ٹوٹے ہوئے تالے کی طرف اشارہ کر"
کے چل دیا تھا۔ اس کی بات چیت اور شاہ زر شمعون سے آشنائی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اسے اچھی طرح پہچا
نتا تھا۔ یہاں کی آدھی زمین چوہدری حشمت نے خرید کر غریبوں کو دے رکھی تھی ہر ماہ اناج اور راشن کی
تقسیم کے لیے گاڑی بھیجی جاتی تھی۔ یہاں کے مکین کیسے ان سے ناواقف رہتے۔ قبائلی وڈیروں سے
۔دوستانہ مراسم تھے۔ یہ جگہ شاہ کے لیے نئی نہیں تھی، نہ ہی وہ یہاں والوں کے لیے

۔ اپنے پیچھے دروازہ دھاڑ سے بند کرتے، سامنے کھڑی شنائیہ کو اس نے آگے کی طرف دھکیلا تھا

بھاگنا ہے تُمہیں۔۔ جاؤ، دروازہ کھلا ہے۔ نکالو قدم باہر، تاکہ میں بھی اس قصے کو جلد سے جلد یہیں " ۔دفن کر کے یہاں سے نکل سکوں۔ جاؤ!" اسے دروازے کی طرف دھکیل کر وہ زور سے دھاڑا تھا

تُم اس لائق ہی نہیں ہو کہ تُم سے نرمی برتی جائے۔" اسے بے حس و حرکت کھڑے دیکھ کر وہ تن فن کر " تے اندر گیا تھا اور اور جب لوٹا تو اس کے ہاتھ میں لوہے کی موٹی زنجیر تھی۔ اور اگلے ہی لمحے زنجیر اس کے ۔ہاتھ سے باندھ کر وہ چارپائی کے پائے سے باندھ گیا

اب سے تُمہاری رسائی صرف کرے سے کچن تک رہے گی۔ دروازے تک جانے کی نوبت ہی نہیں آئے " گی کہ تُم کسی کو مدد کے لیے بُلا سکو۔ بالفرض اب سے تُم نے کُچھ ایسا، ویسا کیا تو وارننگ سُننے کے لیے تُم زندہ نہیں رہو گی۔ مت آواز دو میرے جلال کو۔۔۔ زندہ رہنا چاہتی ہو تو، چُپ کر کے پڑی رہو۔" وہ اس بُر ی طرح دھاڑ گیا تھا کہ وہ سہم سی گئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے ہاتھ میں بندھی زنجیر کو دیکھنے لگی تھی۔ جسے اس کی نازک کلائی میں فکس کر دیا تھا۔ اپنے ساتھ اس اہانت آمیز سلوک پر وہ ہکا بکا رہ گئی ۔تھی

☆☆☆

میرا عشق ہو

تیری ذات ہو

پھر حُسن، عشق کی بات ہو

کبھی میں ملوں

کبھی تُو ملے

کبھی ہم ملیں مُلاقات ہو

کبھی تُو ہو چُپ

کبھی میں ہوں چُپ

کبھی دونوں ہم چُپ چاپ ہوں

کبھی گفتگو

کبھی تذکرے

کوئی ذکر ہو

کوئی بات ہو

کبھی ہجر ہو تو دن کو ہو

کبھی وصل ہو تو وہ رات ہو

کبھی میں تیرا کبھی تُو میرا

کبھی ایک دوجے کے ہم رہیں

کبھی ساتھ میں

کبھی ساتھ تُو

کبھی ایک دوجے کے ساتھ ہوں

کبھی صعوبتیں

کبھی رنجشیں

کبھی دُوریاں

کبھی قُربتیں

کبھی اُلفتیں

کبھی نفرتیں

کبھی جیت ہو

کبھی ہار ہو

کبھی پھول ہو

کبھی دُھول ہو

کبھی یاد ہو

کبھی بُھول ہو

نانشیب ہوں

نا اُداس ہوں

صرف تیرا عشق ہو

میری ذات ہو

طویل نیند لینے کے بعد نیند تو نہیں آ رہی تھی لیکن کمرے میں اپنا سامان رکھنے اور تھوڑی دیر سُستانے کے خیال سے وہ سمہان آفندی کی نشاندھی پر کمرے کا دروازہ کھول کر داخل ہونے لگی تھی۔ لیکن قدم دروازے پر ہی ٹھٹھک گئے تھے۔ اندھیرے کمرے میں یہاں سے وہاں تک جلتے دیے اور جا بجا رکھے پھولوں کے بکوں کی سحر انگیز خوشبو اور سفید لہراتے پردوں نے اسے خوش آمدید کیا تھا۔ وہ کئی ثانیے تک دہلیز پر ہی نکی رہی تھی۔ سحر زدہ سی دھیرے دھیرے آگے بڑھ کر وہ اپنے پیچھے دروازہ بند کر گئی تھی۔ ٹریولنگ بیگ کو سائیڈ پر رکھ کر وہ بے یقینی سے چلتی ہوئی کمرے کی وسط میں آ گئی تھی۔ سرسراتے پردوں نے توجہ اپنی طرف مبذول کی تو وہ وہ بے ساختہ اس اُور بڑھی تھی۔ شیشے کی سلائیڈ ہٹی ہوئی تھی اور بالکنی کا کے آگے سنو فالنگ کا دلفریب منظر چل رہا تھا۔ وہ بچوں کی سی خوشی لیے بالکنی میں نکل آئی تھی ۔، ہتھیلی آگے کر کے سنو کو فیل کر رہی تھی۔ دُور تک برفیلا منظر نگاہوں کو بھلا لگ رہا تھا

چائے !" آواز پر وہ بُری طرح چونکی تھی۔ سمہان آفندی بالکنی کے دوسرے سرے سے کب اس تک آیا، " ۔اسے خبر ہی نہ ہو سکی۔ اس کے ہاتھ مین چائے کے دو مگ تھے ویک اسکی طرف بڑھائے وہ منتظر تھا

۔ تھینک یو !" وہ مگ تھام گئی تھی "

۔بنا پوچھے بھی بتا سکتی ہوں۔ یہ تُمہارا کمرا ہے نا۔" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی "

۔ میرا، تمہارا کچھ الگ تو نہیں ہے۔ میرا جو کچھ ہے سب تمہارا ہے۔" محبت سے لبریز لہجہ تھا "

بہت خوبصورت ہے، بہت خوبصورت سرپرائز!" اندر کی سمت نگاہ ڈالتی وہ ممنونیت و محبت سے گویا تھی "

۔

کچھ بھی نہیں کیا یہ تو، تمہارے لیے تو بہت کچھ کرنے کو دل ہے۔ وقت نے مہلت دی تو ضرور کروں گا "

۔ صرف تمہارے چہرے پر مسکان دیکھنے کی لالچ میں ہر ناممکن کو ممکن بنانے کی کوشش کر سکتا ہوں۔۔"

۔ بالکنی کا باونڈری سے ٹیک لگاتے مگ ہاتھوں میں تھامے رُخ اس کی طرف تھا، وہ جذب سے گویا تھا

میری مسکراہٹ، میری خوشی، دُنیا کی ہر خوبصورتی تم سے شروع ہو کر تم پر ختم ہو جاتی ہے۔ تم ہو تو "

سب ہے، تمہارے نام سے جُڑنے سے پہلے کوئی منظر اٹریکٹ نہیں کرتا تھا۔ کوئی چیز خوشی نہیں دیتی تھی

۔ اب چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی محسوس ہوتی ہے۔ خوشی دیتی ہے۔" مگ بالکنی کی منڈیر پر رکھے وہ ہتھیلیاں

۔ بھی منڈیر پر رکھ کر نیچے جھانکنے لگی تھی

تم نے خوش رہنا ہے، ہر حال میں۔ بھلے اکیلے ہی سہی۔ تم خوش رہو گی۔" اس کے دھونس سے کہے "

۔ لفظوں پر اس کے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی تھی

وعدہ نہیں کرتی کیونکہ مجھے معلوم ہے پورا نہیں کر سکوں گی۔" منظر سے نگاہ چھڑا کر وہ اسے دیکھنے لگی "

۔ تھی

میں نے تمہاری اور چچی جان کی ساری باتیں سُن لی تھیں۔" مگ اٹھا کر وہ بھی منڈیر سے ٹیک لگا کر اس "

۔ کے ساتھ کھڑی ہو گئی تھی

تمہاری محبت پر نہ پہلے شک تھا، نہ اب، جب کے تُمہارا نام میرے نام سے جُڑ چکا ہے۔ تُمہاری ساری " وصیت، میری خوشیوں کے سارے وعدے تُمہارے بنا اَدھورے ہی رہیں گے۔ ساتھ جینے کی خواہش ہے ، ساتھ مرنے کا دعویٰ نہیں کروں گی کیونکہ دعوے تو جھوٹے لوگ کرتے ہیں۔ اور میں جھوٹی نہیں۔" ۔اس کی طرف گردن موڑے وہ دھیرے سے گویا تھی۔ سمہان آفندی کئی ثانیے تک اسے دیکھتا رہا تھا

صبح اٹھ کر تائی جان کو اطلاع کر دوں گی۔ گیارہ، بارہ بجے تک ہم ڈیزائنر کے آوٹ لیٹ چلیں گے۔ " مُجھے اپنی شادی کا جوڑا بھی لینا ہے۔" وہ مُسکراتی ہوئی اتنے ریلیکس انداز میں کہہ رہی تھی کہ سمہان جو اندر ۔سے منتشر تھا اس کے سکون کو رشک سے دیکھنے لگا

۔لے چلوں گا۔" کیوں، کس لیے۔۔؟ کا سوال کیے بنا ہامی بھر کے وہ ہولے سے مُسکرایا تھا "

☆☆☆

چوری اور سینہ زوری دکھا کر وہ اُلٹا مُنہ سُجا گیا تھا۔ سودے کے شاپر اس کے سامنے دھر کے وہ کمرے میں جو گھسا تو پھر باہر نہیں نکلا تھا۔ کئی لمحے وہ ساکت اپنی کلائی میں پڑی زنجیر کو دیکھنے لگی تھی، جس میں لگا چھوٹا سا تالا کُچھ اس سختی سے کھینچ کر لگایا گیا تھا کہ زنجیر بمشکل ہل جُل رہی تھی۔ یوں بیٹھے رہنے سے پیٹ کا دوزخ ۔تو نہیں بھرنا تھا۔ نہ ہی خود پر مظلومیت طاری کرنے سے وہ عظیم منصب پر فائز ہو سکتی تھی

ہتک کو سائیڈ رکھ کر وہ چکن کو نل کے نیچے رکھ کر اسے صاف کرنے لگی تھی۔ چولہا ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ وہ ایک بار پھر اسے دہکانے لگی تھی۔ اور اب کے دُھواں ہوا تو نہ ہی وہ باہر بھاگی، نہ ہی شور مچایا۔ آنکھوں میں

آئے پانی کو صاف کرتے وہ پورے جی جان سے اسے جلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ گھنٹوں کی کوشش سے روٹی سالن بن گیا تو وہ اسے آواز دینے لگی لیکن جواب تب بھی موصول نہیں ہوا تھا۔ ہاشم کو دیکھ کر اسکی غیرت پر تازیانہ سا لگا تھا۔ ایک غیر مرد کو وہ مدد کے لیے بلوا کر اسے بے اعتبار کر گئی تھی

وہ کھانے کی ٹرے کمرے میں لے آئی تھی۔ اسے پکارا بھی، لیکن وہ بنا کوئی جواب دیے آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا رہا تو آستین کا کپڑا پکڑ کر اسے بلا گئی

"! کھانا"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" وہ جھٹکے سے بازو چھڑا کر کروٹ بدل گیا تھا۔ وہ سر جھٹک کر ٹرے لیے پلٹی تھی اور زنجیر کے چارپائی میں پھنسنے سے منہ کے بل گرتے گرتے بچی۔ حواس کو بحال کرنے میں اسے کئی ثانیے لگے تھے۔ ٹرے فرش پر رکھ کر کلائی میں بندھی زنجیر سے نوالہ بنا کر کھاتے اس کی ذہنی اور جسمانی کیفیت اتنی خراب تھی کہ لگ رہا تھا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔ آنکھوں میں آئے پانی کو بے دردی سے رگڑتے وہ خاموشی سے نوالہ حلق سے نیچے اتار رہی تھی۔ برتن سمیٹ کر دھوتے "فریج" کو پہنچ سے دور دیکھ کر وہ بنا پانی پیے ہی اپنی جگہ پر آ کر لیٹ گئی تھی لیکن اگلے ہی لمحے اٹھ بیٹھی

"فرش سرد ہو رہی ہے۔" وہ دہائی دینے پر مجبور تھی

"دوسرے کمرے میں بستر پڑے ہیں۔" جواب سے نواز کر اس نے ملنے جلنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔ وہ خود اٹھی تھی اور زنجیر کو کھینچتی دوسرے کمرے سے بستر کے ساتھ اڑھنے کے لیے کھیس بھی لے آئی۔۔ کلائی میں بندھی زنجیر درد دینے لگی تھی۔ نشان بھی پڑ گیا تھا۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی

یہ زنجیر کھول دیں، کلائی میں درد ہونے لگا ہے۔ میں اب یہاں سے بھاگنے کے لیے کسی کو مدد کے لیے "
نہیں بُلاؤں گی۔" ہار اس کے لہجے سے عیاں تھی۔اس جیسی آزاد منش لڑکی کے ساتھ ان چند گھنٹوں
۔میں جو کچھ بیت چکا تھا وہ اتنا اہانت آمیز سلوک تھا کہ وہ خود سے بھی اپنا حال کہتے شرمندہ تھی

۔ شاہ!" اُس نے شاید اس کی پکار سُنی نہیں تھی تب ہی اس نے دوبارہ آواز لگائی "

مُنہ بند رکھو اپنا۔۔۔۔اب سے تُمہاری آواز نکلی تو زندہ گاڑ دوں گا تُمہیں۔" ایک دھاڑ کی صورت اسے "
اوقات یاد دلائی گئی تھی پھر اس نے کچھ نہیں کہا، وہ خاموشی سے اپنی جگہ پر لیٹ گئی تھی۔ذہنی اور جسمانی
۔تھکن کے باعث اس کی آنکھ جلد ہی لگ گئی تھی

☆☆☆

احساسِ محبت کا میری ذات پہ رکھ دو

تُم ایسا کرو ہاتھ میرے ہاتھ پہ رکھ دو

یوں پیار سے ملنا بھی مُناسب نہیں لگتا

یہ خواب کا قصہ ہے اسے رات پہ رکھ دو

جلتے دیوں کی روشنی اور پھولوں کی دلفریب مہک میں بُہت پُر سکون نیند آئی تھی، بالکنی کی سرد فضا
میں رات دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے تھے۔ بچپن کی باتیں، کالج اور حویلی کے وہ سارے قصے ایک
دوسرے سے شیئر کرتے رہے تھے جو کبھی کیے نہیں تھے۔اپنے احساسات، جذبات اس وقت کی سوچیں
ایک دوسرے سے شیئر کرتے کتنی ہی جگہوں پر دونوں ہنسے تھے، کتنے ہی مقامات پر ایک دوسرے کو اس

کی اہمیت کا احساس دلایا تھا کہ تم یوں سمجھے، میرا وہ مطلب تھا۔ بہت کم سے میں وہ ساری زندگی کی باتیں ایک دوسرے سے کر لینا چاہتے تھے۔ مقدس رشتہ ہونے کے باوجود کسی پہر نے انہیں کمزور ہونے نہیں دیا تھا۔ وقتی حاصل تو کبھی ان کی ترجیحات میں نہیں رہی تھی۔۔۔ جو محبت ان کے درمیان بیج سے نکل کر تناور درخت بن چکی تھی، وہ اتنی کمزور تو نہیں تھی کہ انہیں نامعتبر کر جاتی۔ جو رشتہ روحوں سے جڑا ہوا تھا اسے نفسانی خواہش کی ہوک نہیں تھی۔ انہیں تو بس ایک ساتھ ہونے کا جشن منانا تھا، وہ سارے احساسات ایک دوسرے کے حوالے کرنے تھے جو اکیلے میں بھی دوسرے کے لبوں کی مُسکان بن جاتے۔ بالکنی کی دیوار سے لگ کے ایک ہی شال میں اس کے شانے پر سر رکھ کے اس نے ڈھیروں باتیں کی تھیں۔ نہ وہ کردار کا اتنا کچا تھا نہ وہ سطحی محبت کرتی تھی۔ جب دونوں اٹھے تو اس کا ایمان اس جملے پر مزید بڑھ گیا تھا جو اس نے فریال سے وقتِ رُخصت کہا تھا

صبح اٹھتے ہی اس نے فائزہ کو اپنے پروگرام سے آگاہ کر دیا تھا۔ ندا کو ساتھ چلنے کو کہا تھا لیکن اس نے معذرت کر لی تھی۔ ندا کو طبیعت تھوڑی بوجھل محسوس ہو رہی تھی۔ اسے اکیلے چھوڑ کر دونوں جانا نہیں چاہتے تھے لیکن ندا کا اصرار تھا کہ وہ سونا چاہتی ہے تب ہی اسے دھیان سے رہنے کی ہدایت کر کے دونوں نکل آئے تھے۔

" پتا ہے، یہ میری زندگی کا بیسٹ موومنٹ ہے، تمہارے ساتھ ہماری شادی کا جوڑا لینے جا رہی ہوں "۔ وہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی

" می ٹو جان میری!" وہ مُسکرا دیا تھا۔

" کچھ زیادہ فضول نہیں بولنے لگے ہو تم۔۔۔؟" وہ مکا شانے پر رسید کر گئی۔ چہرہ رنگ بدل گیا تھا۔ اور اس چہرے پر صرف یاسیت یا افسردگی کے رنگ ہی نہیں ہوتے تھے، یہ بھی اسے رات ہی خبر ہوئی تھی، جب

وہ پُر جوش ہو کر کچھ بتانے لگی تھی تو اس کا گلابی چہرہ مزید گلابی ہو کر چمکنے لگتا تھا۔ کچھ سوچنے لگتی تھی تو ہونٹ سکیڑ جاتی تھی، بے چینی، اضطراب میں ہاتھوں کی انگلیاں دبانے لگتی تھی۔ ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر بڑی بڑی آنکھیں حیرت سے پھیلا کر جب تک انجانی باتیں جان نہیں لیتی تھی۔ تب تک اسے چین نہیں پڑتا تھا۔

" اس میں فضول کیا ہے، جان ہی تو قید ہے تم میں میری۔ "

" اچھا جی۔ پتا ہے جوڑا اتنا پیارا ہے، تم دیکھو گے تو داد ضرور دو گے۔ " وہ دھیان دوسری سمت لگا گئی تھی

" تم نے پسند کر رکھا ہے۔۔؟ " وہ گاڑی آؤٹ لیٹ پر روک چکا تھا۔ شکر ہے سنو فالنگ اتنی نہیں ہوئی تھی نہ ہی سورج زیادہ دیر چھپا رہا تھا تب ہی راستے کھلے ہوئے تھے۔ وہ مطلوبہ مقام تک باآسانی پہنچ گئے تھے۔

انہیں دیکھتے ہی سیلز گرل ان تک آنے لگی تھی لیکن اس سے پہلے ہی وہ مہمان کے ساتھ ریسپشن پر پہنچ چکی تھی۔

" برائیڈل ڈریس آرڈر کیا ہوا ہے میں نے، آج اس کی ڈیلیوری ہے۔ " عیشال جہانگیر پُر اعتمادی سے مخاطب تھی۔

" کس نام سے میم۔۔؟ " ریسپشنسٹ کا انداز پروفیشنل تھا

" مسز عیشال سمہان! "

وہ چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا تھا۔ اس باخبر کو بس وہی بے خبر رکھ سکتی تھی۔ جانے اس نے کب اور کہاں آرڈر بھی کر دیا تھا اور اب ڈیلیوری لینے اسے ساتھ لے آئی تھی

۔ میں چیک کرتی ہوں۔" ریسپشنسٹ لیپ ٹاپ پر سرچ کرنے میں مصروف ہو چکی تھی "

جی میم، آپ کا ڈریس تیار ہو چکا ہے۔ میں منگواتی ہوں تب تک آپ لوگ تشریف رکھیں۔" "
۔ ریسپشنسٹ انہیں صوفے کی طرف اشارہ کر کے فون کا ریسیور اٹھا گئی تھی

شیور!" سر پر چادر برابر کرتے وہ آونٹ لیٹ کا جائزہ لیتے سمہان آفندی کی مدعیت میں صوفے کی "
۔ طرف بڑھ گئی تھی

اس کی خوشی اس کی تیاری پر ایک ملال اس کے اندر اٹھنے لگا تھا۔ کس چاہ سے وہ برائیڈل ڈریس آرڈر کر چکی تھی اور اب لینے آئی تھی اگر جو اسے پہننا ہی نصیب نہ ہوتا پھر۔۔۔؟ اسے ڈر لگ رہا تھا، اگر کچھ بھی غیر متوقع ہوتا تو کہیں اس کا دماغ ہی نہ اُلٹ جائے۔ وہ تمام حالات سے واقف تھی پھر بنا کوئی فیصلہ آئے تیاری کرنے لگی تھی کیوں۔۔۔؟؟ بہت سے سوال اس کے اندر اٹھنے لگے تھے۔ کسی، کسی پہر وہ بے حد تشویش سے اس کے پُر سکون چہرے کو دیکھنے لگتا تھا۔ نکاح کے بعد سے وہ جتنی متفکر نظر آنے لگی تھی، اب
۔ کیا ہوگا کا سوال بار بار اُٹھانے لگتی تھی اب اس سے یکسر بدل گئی تھی

میں نے آن لائن آرڈر کیا تھا ڈریس۔ 20% پے منٹ بھی کر دی ہے، باقی کے تُم کرو گے آخر کو "
۔ برائیڈل ڈریس تُمہاری طرف سے جو ہوگا۔" وہ شوخی سے گویا تھی

بُہت اچھے۔ اکیلے اکیلے سارے کام کیے جا رہے ہیں اور مُجھے بتایا بھی نہیں۔" وہ اپنا آپ اس پر عیاں کر دیتا"
۔ اتنا کچا بھی نہیں تھا۔ وہ باحوصلہ تھی تو وہ کیسے کمزور پڑتا

تُمسیں کوئی خیال ہی نہیں رہا ڈریس تیار کروانے کا تو مُجھے ہی دھیان رکھنا تھا نا۔ پیسے بچانے کی لگی ہوئی "
۔ تھی نا۔" وہ گھور رہی تھی

۔لاکھوں کروڑوں تم پر قربان۔" وہ کب منکر تھا"

پھر لاؤ اپنا ڈیبٹ کارڈ۔ ڈیلیوری لیتے باقی کی پیمنٹ بھی تو کرنی ہے۔" بلیک چادر سے ہاتھ نکال کر "
۔گلابی ہتھیلی استحقاق سے اس کے سامنے پھیلا گئی تھی

بہت بھرپور منظر تھا اس کے استحقاق سے پھیلی ہتھیلی کو اس نے نظر بھر کر دیکھا تھا اور اگلے ہی لمحے اپنا
۔والٹ نکال کر اس کی پھیلی ہتھیلی پر رکھ کر اس منظر کو حقیقت کا روپ دے کر اپنی طرف سے امر کر گیا

"۔ڈیبٹ کارڈ، کیش سب اسی میں ہے۔ جیسے چاہو استعمال کرو "

۔ ارے واہ! تم نے تو پلک جھپکتے بات مان لی۔" والٹ کھولتی وہ از حد متاثر ہوئی"

"۔جان مانگ لیتیں تو بھی انکار نہیں کرتا، تم نے تو زر کی ہی ڈیمانڈ کی ہے بس "

ڈائیلاگ پورے آتے ہیں۔" وہ جھینپ کر والٹ کھولنے لگی تھی اور اچھی طرح سے تلاشی کے بعد ایک "
۔ کونے سے اپنے بچپن کی تصویر برآمد ہوتے دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی

۔ارے، یہ میں ہوں نا! اسے کیوں رکھا ہے۔" وہ مسرت سے چھوٹی سی تصویر دیکھ رہی تھی "

کتنی سلی لگ رہی ہوں۔۔ ویسے ہو چکے۔ کسی نے دیکھ بھی لیا تو سمجھے گا کسی بچی کی تصویر ہے، صاف بچ "
۔جاؤ گے۔" وہ اس کی چالاکی پر محظوظ ہو رہی تھی

لو ایٹ فرسٹ سائیٹ ہے زوجہ محترمہ۔۔ ! محبت تو اسی بچی سے ہوئی تھی نا۔۔ بھلے یہ بچی اب بڑی "
ہو گئی ہے۔" اسے بھرپور نظروں سے دیکھتے وہ سرگوشی کر گیا تھا۔ارد گرد کو فراموش کیے دونوں ایسی
۔زندگی جی رہے تھے، جس میں بس وہ دونوں تھے۔ اس بیچ انتظامیہ ان کے سامنے کافی رکھ گئی تھی

ویسے میں نے تو وہ ڈریم باکس بھی دیکھ رکھا ہے۔۔اور وہ میری چوری کی ہوئی ساری لپ اسٹکس بھی "
۔۔" وہ شریر ہو کر لب دبا گئی تھی

۔کب کیسے۔۔۔؟" وہ حیران ہوا "

اس دن جب میں تمہارا روم دیکھنے آئی تھی، آپ کو بھاگتے ہوئے آتے دیکھا تو مجھے تب ہی لگا کچھ گڑبڑ ہے "
، میں بالکنی میں چھپ گئی تھی اور تمہارے جانے کے بعد دراز چیک کیا تو کھل گیا تھا کہ محترم کیوں بھاگے
"۔ چلے آرہے ہیں کہ کہیں راز ہی نہ فاش ہو جائے

ہاں اور جیسے تم نے راز رہنے دیا، کیسے سب کے سامنے منہ پھاڑ کر گریبان پکڑ کر جی داری دکھو کر سارا ملبہ "
۔مجھ پر ڈال گئیں۔" وہ یاد دلا رہا تھا

۔ وہ جی داری نہ ہوتی تو آج آپ کے ساتھ ڈریس لینے نہ آتی، سمجھے۔" ناک چڑھا کر جتا گئی "

۔ سمجھ گئے گی!" وہ فرماں بردار ہوا "

۔ڈریس آگیا تھا۔بے حد خوبصورت ریڈ عروشی جوڑا دیکھ کر وہ پسند کی داد دے کے رہ گیا

بس ایک ہی جگہ تو پسند خراب ہے میری، باقی تو کوئی نہیں۔" اسے شریر نظروں سے دیکھتے وہ جتا گئی تو وہ "
۔مسکرا دیا تھا

۔ سہی کہا، آپ کے تو پاسنگ بھی نہیں۔" چڑایا "

"۔ نہیں۔اب ایسا بھی نہیں ہے، بہت ڈیشنگ، ہینڈسم ہو"

۔ اوہو!!" مذاق اڑایا۔ وہ مسکرا دی "

پتا ہے، میری آخری وصیت ہو گی۔ جب مروں نہ تو مجھے اسی عروسی جوڑے میں دفن کیا جائے۔" "
کپڑے کی نرماہٹ کو چھوتے وہ دھیمی مسکان سجائے، جوڑے کو محبت سے دیکھ رہی تھی اور اس کی عجلت میں کی جانے والی تیاری کی سمجھ سبحان آفندی کو آ گئی تھی۔ اس کے مسکراتے لب بھنچ گئے تھے۔ وہ سنجیدگی سے اس کے پُر سکون چہرے کو دیکھ رہا تھا

☆☆☆

چوہدری جہانگیر کے آفس سے کال آ گئی تھی۔ صبا تیار ہو کر ان کے لیے ناشتے کی خاص ہدایت کرنے گئی تھیں۔ وہ تیار ہو رہے تھے۔ اسی دم ان کا سیل فون بجنے لگا تھا

۔ہاں بولو۔" کال ریسیو کر کے فون کان سے لگا گئے تھے "

سر آپ نے جس گھر پہ نظر رکھنے کو کہا تھا وہاں سوزوکی آ کر رکی ہے۔ گھر کا سامان لوڈ ہو رہا ہے۔ وہ لوگ "
"۔گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں کہیں

۔ کہاں جا رہے ہیں۔ پتا کرو۔" ملنے والی اطلاع پر وہ چونک گئے "

سر وہ لڑکی اپنی بہن کے سسرال جا رہی ہے۔ کل سے اس کی بہن اور بہنوئی بھی گھر میں موجود ہیں۔ اور "
۔سر۔۔۔" اطلاع دینے والا ہچکچا کر چپ ہو گیا تھا

۔ اور کیا۔۔؟" وہ جھنجلائے"

ایشان بابا کل سے اسی گھر کے باہر موجود ہیں۔ کل انہوں نے اس گھر کے مالک مکان کے سامنے بہت "
"۔تماشا بھی کیا تھا

۔ایشان وہاں موجود ہے۔۔۔ کل سے۔۔۔؟ اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔" وہ دبی آواز سے چنگھاڑے

سر جسے میں نے یہ ذمہ داری سونپی ہوئی تھی وہ ایشان بابا کی حقیقت نہیں جانتا تھا، آج اس نے مجھے " رپورٹ دی تو میں نے خود جا کر دیکھا اور اب آپ کو رپورٹ کر رہا ہوں۔" اطلاع دینے والا سہما ہوا لگ رہا تھا۔

دیر سے رپورٹنگ پر تمہاری تو میں آ کر خبر لیتا ہوں۔ ابھی تو میرے پہنچنے سے پہلے تم اس مالک مکان کو " میرے سیل میں پہنچاؤ۔" وہ سرد لہجے میں آرڈر کر چکے تھے

۔جی سر!" اپنی خیر مناتے وہ سیل میں پہنچانے کا سن کر ہی مطلب سمجھ گیا تھا"

۔ایشان رات بھر گھر نہیں آیا۔" وہ پُر سوچ انداز سے سیل فون کو دیکھ رہے تھے "

☆☆☆

غیر ضروری سامان کباڑیے کو دے کر چند ایک ضروری سامان سوزوکی میں لوڈ ہو چکا تھا محلے والے فاصلہ رکھے تماشا دیکھنے کو آجود ہوئے تھے۔ پُر آسائش کمرے کو چھوڑ کر سرد رات گاڑی میں گزار کر وہ بھی نکل آیا تھا۔ یاسر ہی سب کچھ کر رہا تھا۔ سامان لوڈ ہونے کے بعد یاسر رکشا لے آیا تھا۔ انوشا کے پیچھے چادر اوڑھے وہ بھی باہر نکلی تھی۔ وہ سامنے ہی تو بیٹھا ہوا تھا اس پر ایک اُچٹتی نگاہ ڈالے بنا وہ دروازے کو تالا ڈالنے لگی تھی۔ باوجود کوشش کے مالک مکان سے کوئی رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ نتیجتاً انہوں نے چابی شاہد صاحب کے حوالے کر دی تھی۔ ساتھ ہی پیغام بھی دے دیا تھا کہ بتا یا لین، دین کے متعلق وہ فون پر بات کر لے ۔گی، وہ رابطہ کر لیں۔ دُنیا دکھاوے کو صائمہ انہیں گلے لگا کر جھوٹ موٹ کے دو چار آنسو بہا گئی تھیں

انہیں رکشے میں سوار کروا کر یاسر سوزوکی میں ہو لیا تھا۔ سوزوکی چل پڑی تھی۔ رکشا بھی اُڑان بھرنے لگا ۔تھا۔ جب ایشان جاہ قریب آ گیا

اپنی مرضی سے جا رہی ہو۔ روکوں گا نہیں لیکن تُمہیں پلٹ کر مُجھ تک ہی آنا ہے، بس یہ یاد رکھنا۔ نہ "
"۔ میرے لفظ جھوٹے ہیں، نہ اِرادے کچے

آپ رکشا چلائیں بھائی صاحب !" اسے جواب دینے کی زحمت گوارا کیے بنا ماورا ایکی نے خشک لہجے میں "
رکشا ڈرائیور کو مُخاطب کیا تھا۔ رکشا چلنے لگا تھا۔ ماورا نے مُنہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔ وہ کھڑا اسے اور پھر
دور جاتے رکشے کو دیکھنے لگا۔ جانے والی چلی گئی تھی اور محلے والے چہ میگوئیوں میں مصروف تھے۔ ان
سب پر ایک قہر بھری نظر ڈال کر وہ گاڑی کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ وہ چلی گئی تھی تو اس کے لیے یہاں کیا بچا
۔ تھا

۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا اسی وقت اس کے نمبر پر جہانگیر کی کال آنے لگی تھی

"۔۔۔؟ کہاں ہو ایشان "

"۔ بس گھر کے لیے نکل رہا ہوں، ڈیڈ "

ٹھیک ہے، گھر جاؤ، فریش ہو کے کُچھ کھاؤ پیو، تھوڑا ریسٹ کر لو، پھر شام میں تُمہیں میرے ساتھ "
"۔ کہیں جانا ہے

وہ ساری رات گھر نہیں پہنچا تھا۔ چوہدری جہانگیر اب تک اس کی غیر موجودگی سے واقف ہو چکے ہوں گے،
ان کی کال آئی تو اسے یہی لگا کہ وہ اس بارے میں استفسار کریں گے لیکن وہ تو ساری باتوں کا نچوڑ پیش کر
کے سمجھا گئے تھے کہ وہ اتنے بھی بے خبر نہیں تھے

کہاں جانا ہے ڈیڈ !" ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے اس نے اگنیشین میں چابی گُھمائی تھی۔ کہیں جانے کا "
۔ سُن کر لہجہ کسی قدر بے زاری لیے ہوئے تھا

انوشا کے سسرال۔۔۔ تمھارے اور ماورا کے رشتے کی بات کرنے۔ اس ویک اینڈ تمھارا اور ماورا کا نکاح " ہمارے گھر ہوگا۔ تم تیاری کرلو چلنے کی۔ میں آفس پہنچ گیا ہوں، پھر ملتا ہوں شام میں۔" چوہدری جہانگیر اسے بے یقین چھوڑ کر فون بند کر گئے تھے۔ ایشان جاہ کی گاڑی جو گلی سے نکلنے کے لیے موڑ کاٹنے لگی تھی ایک جھٹکے سے بند ہو گئی۔ اپنی اولاد کی ایک آہ نکلنے پر دُنیا کو سر پر اٹھا لینے والے چوہدری جہانگیر سے اس بات کی کیسے توقع ممکن تھی کہ وہ اس کے گھنٹوں دھوپ اور سرد ہواؤں سے ٹھٹھرتی رات کا نوٹس لے کر کوئی حشر نہ اٹھا دیتے۔ اعلان تو انہوں نے کر دیا تھا اور ان کا کہا محض اعلان کب ہوتا تھا۔

ماورا مان جائے گی اور ڈیڈ باخبر تھے سب سے۔۔۔؟" وہ حیرت و خوشی کی ملی جُلی حالت میں کئی لمحے کے " لیے ساکت رہ گیا تھا۔

جاری ہے

ریحانہ آفتاب

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط# 26

"اماں میں نے آپ جیسی سادہ لوح عورت نہیں دیکھی ، بہو کو آئے جمعہ ، جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے ابھی تو اس کے جوہر ٹھیک سے نہیں کھلے اور آپ نے اس کی بہن کو بھی گھر میں رہنے کی اجازت دے دی ، وہ بھی خوشی ، خوشی۔ میں بتا رہی ہوں آپ کو اتنی بھی دریا دلی اچھی نہیں ہوتی۔ اجنبی لوگ ہیں ، جانے کس سے دوستی ، کس سے دشمنی ہے اور آپ نے بنا تحقیق کے اسے گھر میں جگہ دے دی۔ مجھے اچھا نہیں لگا آپ کا یہ عمل۔"

یاسر کی اکلوتی بہن شفق ماں کے سامنے ناگواری کا اظہار کر رہی تھی۔ وہ سکھر میں رہائش پذیر تھی۔ شادی میں نہ آسکی تھی ،اب بچوں کے امتحان سے فرصت ملی تو اس نے میکے کا پلان بنا لیا تاکہ بھابی کے ساتھ تھوڑا وقت گزار سکے لیکن اس وقت دل برا ہوا جب بھابی سواگت کو موجود نظر نہ آئیں ، خبر ہوئی ماں کی میت کے باعث میکے میں موجود ہیں ، نند کا سُن کر

تھوڑی دیر کے لیے ملنے آئی تھیں لیکن پھر واپس چلی گئی تھی۔اور اب یاسر کو جو لے کے گئی تو یاسر نے رات وہاں گزارنے کے ساتھ ماورا کو ساتھ لانے کا حزدہ بھی سُنایا تھا اس نے جب سے سُنا تھا، جو اسے تو کسی طور پسند نہیں آیا تھا۔اور وہ کھلم ، کھلا اس کا اظہار بھی کر رہی تھی۔

" بات تمہاری بھی ٹھیک ہے لیکن منزہ بہن کی اچانک موت پر اکیلی بچی کہاں رہے گی ، اسی لیے انوشا اسے ساتھ لا رہی ہے۔" یسریٰ نے طرف داری کی۔

" ارے خاندان میں کوئی تو ہوگا ، کوئی چچا ، پھپا ، ماموں ، وہ رکھے ، ہم کیوں پرائی ، جوان لڑکی کو گھر میں جگہ دیں۔" ناگواری سی ناگواری تھی۔

" کوئی نہیں ہے ، منزہ بہن نے تو یہی بتایا تھا۔" یسریٰ دکھی تھیں۔

" یہ لو۔تو کیا ماں ، بیٹیاں آسمان سے ٹپکی تھیں.....؟ ہو نہ ہو لاں مرنے والی تم سے جھوٹ بول گئی ہیں۔ایسا کون سا انسان ہے جس کے آگے ، پیچھے کوئی نہ ہو، یا تو لوگ بدل جاتے ہیں یا زندوں کو مار دیا جاتا ہے۔لیکن ان سب میں ہمارا دوش کیا.....؟ ہم کیوں پرائی آگ اپنے گھر میں لگائیں۔زمانہ تو ویسے ہی کان کھڑا کیے بیٹھا ہوتا ہے ، کل کو کوئی اونچ ، نیچ ہو گئی تو کس کس کو جواب دیتی پھریں گی۔اور پھر محلے والے ، انہیں کیا جواب دیں گی کہ کب تک کے لیے پرائی بچی کو جگہ دی ہے؟اس کی شادی ، اخراجات کہاں سے پورے ہوں گے ..... یہ بھی تو سوچیں۔ایک دو دن کی بات ہوتی تو میں بھی ہونٹ سی لیتی لیکن پرائی لڑکی کو کب تک گھر رکھ سکتے ہیں ہم۔وہ بھی بنا کسی رشتے کے ، یہ اس کی خالہ کا گھر تھوڑی

انوشا ایک دم سے پھیکی پڑ گئی تھی۔ماورا کو اس کے شرمندہ ہونے پر افسوس ہونے لگا۔ کچھ دنوں کا کہہ کر الگ جتا دیا گیا تھا کہ مستقل رہنے کا خواب نہ دیکھیں دونوں بہن۔

"گھر خالی کرنا تھا تو سامان کہاں جاتا، کافی ساری چیزیں تو ہم نے کباڑ کو دے دی ہیں، بس کچھ ضروری اشیاء تھیں ضرورت کی تو ساتھ لانا پڑا۔" انوشا صفائی دینے لگی تھی۔اسی اثناء میں یاسر محلے کے لڑکوں کو ملا کر سامان اندر لانے لگا تھا۔

"دیکھ لیں لاں ضروری اشیاء، لگتا ہے میں ہی غلط موقع پر آگئی، گھر میں پہلے ہی میرے بچوں کے لیے جگہ تنگ پڑ رہی تھی، باقی کی رہی، سہی کسر بھی پوری ہو گئی۔" شفق، یسریٰ کو ٹھوکا دے کے رہ گئی تھی۔اسی دوران یاسر کا بڑا بھائی بھی آگیا تھا۔ماورا اسٹور میں رہے گی، یہ سُن کر وہ عجیب نظروں سے ماورا کو دیکھنے لگا تھا۔

☆☆☆

جبر اور زعم کے سنگھاسن پر کھڑے ہو کر زنجیر سے باندھ کر اپنے بنائے ہوئے راستے پر ڈال کر شنائیہ کو اپنے تئیں اس نے اچھا سبق سکھا دیا تھا اور اس میں وہ کس حد تک کامیاب تھا یہ اس کی فرماں برداری ثابت کر چکی تھی۔اپنی مرضی، آزادی کو گروی رکھ کے وہ اس کے تعین کردہ راہ پر لب سیے گامزن تھی۔پہلے پہل تو وہ اس سے جملہ بازی بھی کر لے رہا تھا لیکن ہاشم کے بعد سے سرد مہری میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا، پہلے، پہل تو اس کے ہاتھ

کلے کچے ، پکے کھانے کو وہ مذاق اُڑاتے ہوئے چکھ بھی لیتا تھا لیکن اب تو اس نے نظر بھر کے دیکھنا بھی گناہ سمجھ لیا تھا۔وہ بھی دن ، شام اور رات کا شمار کرتی دُنیا سے کٹ کے قیدی کی طرح وقت بتانے پر مجبور کر دی گئی تھی۔

وہ کم ہی گھر میں ٹِکتا تھا ، اسے اسے ضروری سامان دے کہ باہر نکل جاتا تھا تو اس کی واپسی دیر سے ہی ہوتی تھی ، گویا وہ اسے تنہائی کی مار بھی مار رہا تھا۔اور وہ چُپ چاپ اس کا ہر وار سہ رہی تھی۔پہلے پہل تو زبان بھی لڑا لیتی تھی لیکن جب سے اس نے بول ، چال بند کی تب سے وہ بھی بلاضرورت اس سے بات نہیں کرتی تھی۔وہ غرور میں جی رہا تھا تو وہ کب اس سے بات کرنے کو مری جارہی تھی۔

بلکہ وہ تو شکر ادا کرتی تھی کہ وہ گھر سے دور ہی رہے ، اس کی عُقاب جیسی نظروں کا سامنا جتنا کم ہوتا تھا وہ اتنا ہی شُکر ادا کرتی تھی۔

خو دوہ تو باہر سے پیٹ پوجا کر کے جاتا تھا اور اسے اپنے کچے ، پکے ، تجر باتی کھانے سے معدہ شکم سیر کرنا پڑتا تھا۔

اس وقت بھی وہ کلائی میں بندھی زنجیر سے اُلجھتی سالن بھوننے میں مشغول لکڑیوں کی سائیڈ بدل رہی تھی جب دھیمی سی آواز میں کوئی اسے پکارنے لگا۔

" شنائیہ جی ! آپ میری آواز سُن رہی ہیں۔" آواز کو نظر انداز کیے وہ چمٹے سے لکڑیوں کو ہوا بھی دیتی جارہی تھی۔ان چند دنوں میں وہ کافی ایکسپرٹ ہو گئی تھی، اب بنا پریشان ہوئے وہ

خاموشی سے اپنے کام میں لگی رہتی تھی موسم میں نمی کے باعث نم لکڑیوں کو سلگانے میں اسے دانتوں تلے پسینہ آجاتا تھا مگر خاموشی سے لگی رہتی تھی۔

" شنائیہ جی ! آپ کہیں تو میں آپ کے لیے لوگوں کو اکھٹا کروں، انہیں بتاو

ہیں کہ آپ کو یہاں قید میں رکھا گیا ہے ؟ یہاں سے آپ باآسانی نکل جائیں گی ،آپ سُن رہی ہیں میری آواز ....؟" دبی ، دبی آواز پھر سے آنے لگی تھی۔لیکن وہ گونگی ، بہری بنی اپنا کام کرتی رہی ،شاہ زر شمعون اس وقت گھر میں نہیں تھا اور تالا دیکھ کر ہاشم کی آواز اکثر آنے لگی تھی لیکن وہ لب سیے ، کان بند کیے اسے نظر انداز کرتی رہی تھی ، ان عارضی سہاروں کو اس نے اہمیت دینا چھوڑ دیا تھا۔یہاں سے نکل بھاگنے کی تراکیب اس نے سوچنا بند کر دی تھی۔بس ای ایک ہی ضد تھی کہ جیسے وہ یہاں لے کرآیا ہے خود ہی اسے واپس لے کر جائے گا ، کب ، کچھ پتا نہیں تھا، وہ اپنی ضد دکھارہا تھا تو وہ بھی اپنا ضبط آزمارہی تھی۔

☆☆☆

ابھی تو انوشا کو ٹھیک طرح سے سسرالی لوگوں اور ان کے مزاج کا اندازہ نہیں ہوا تھا کہ اسے ماورا کو بھی ساتھ لانا پڑ گیا تھا۔یاسر کی جگہ کی تنگی اور یسریٰ بیگم کی سرسری تشویش نے اسے

احساس دلا دیا تھا کہ ماورا کا یہاں آنا کسی کو اچھا نہیں لگا تھا تو وہیں شفق نے منہ کھول کر جتا بھی دیا تھا، وقت وحالات سے مار کھائے دونوں بہنیں کچھ کہنے کے قابل نہیں تھیں۔ یاسر نے ساتھ لایا ضروری سامان اسٹور میں سیٹ کر دیا تھا اور اب چاروں ماں، بہن، بھائیوں کی محفل جمی ہوئی تھی۔ یاسر کا بڑا بھائی زاہد ضروری معلومات لے رہا تھا۔ اس کی دو شادی ہو چکی تھی اور دونوں ہی بیوی طلاق لے کر جا چکی تھی۔

یاسر کے کہنے پر انوشا چائے بنا لائی تھی لیکن اسے دیکھتے ہی جیسے سب چپ ہو گئے، وہ سمجھ گئی کہ ان کے حوالے سے ہی باتیں ہو رہی ہیں۔ سر پر سوار ہونے کی بجائے، انہیں اسپیس دیتے وہ اپنی اور ماورا کی چائے لے کر اسٹور تک آئی تو باہر سے ہی ضرب لگانے کی آواز آنے لگی۔

"یہ کیا کر رہی ہو....؟" ماورا کو پتھر سے صندوق کا تالا توڑتے دیکھ کر انوشا نے حیرت کا اظہار کیا۔

"چابی جانے کہاں رکھ دی ہے، مل کے نہیں دے رہی۔" جھنجلایا ہوا انداز تھا۔

"تم رہنے دو، یاسر سے کہہ کر تالا تڑوا دوں گی یا پھر یاسر کسی چابی بنانے والے کو لے آئیں گے۔

آو

ن چائے پی لو۔ سموسے بھی گرم ہیں۔" انوشا نے اسے باز رہنے کا عندیہ دیا۔

"کتنا بوجھ ڈالو گی یاسر بھائی پر ، اچھا تھوڑی لگتا ہے۔" وہ منکر ہوئی لیکن تالا مضبوط تھا۔اس کی کئی بار کی، کی گئی کوشش کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

" بوجھ کی کیا بات ہے۔ کوئی مشکل کام تو نہیں ہے۔تم اتنا مت سوچو۔آکے بیٹھو یہاں۔" ٹوٹے پایوں والے پلنگ پر (جس کے پایوں کی جگہ بلاکس رکھ کر پایوں کی کمی پوری کی گئی تھی) احتیاط سے بیٹھتے انوشا نے ٹرے رکھ دی تھی۔

"آتے ہی صندوق کھولنے کی کیا ضرورت پڑ گئی ....؟"

وہ بھی تھک ، ہار کے اس بلاوے پر آکر بیٹھ گئی تھی۔چائے اور سموسے کی پلیٹ اس کے سامنے رکھتے انوشا نے سوال کیا تھا۔

" اناں نے میرے لیے جو گولڈ کا سیٹ رکھا ہوا تھا، وہ اسی میں ہے۔یہاں کہیں قریبی کوئی اچھی جیولری شاپ ہے ؟" وہ بتانے کے ساتھ سوال بھی کر گئی۔

" اس کا تو مجھے بھی علم نہیں ، تم اس سیٹ کا کیا کرو گی ؟ اناں نے تو تمہاری شادی کے لیے رکھا ہوا تھا۔" انوشا کو حیرانگی ہوئی۔ماورا یحیٰ کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔یہاں عزت کے لالے پڑ گئے تھے اور وہ شادی کو رو رہی تھی۔

" اسے بیچ کر ہاسٹل میں کمرا لوں گی ، ساتھ ہی جاب کے لیے بھی ویکنسی دیکھوں گی۔"

" تم ہاسٹل میں رہو گی، جاب کرو گی ....؟" انوشا کو جیسے صدمہ پہنچا۔اس کی حیرانگی پر ماورا کو جانے کیوں غصہ آنے لگا۔

"خود فریبی کی دُنیا سے نکل
آو

نی انوشا.... یہ مت بھولو کہ ہمیں بن ماں ، باپ کے زندگی کو گزارنا ہے۔خود کو مضبوط رکھنا ہے۔ تمہاری شادی خیر سے ہوگئی ہے ، تم اپنے گھر کی ہوگئی ہو لیکن میری وجہ سے تمہارے گھر کا ماحول خراب ہو یا تمہاری شادی شدہ زندگی متاثر ہو ، ایسا ہیں کسی طور ہونے نہیں دوں گی۔تم پہلے بھی ضدی ہورہی تھیں ، مجھے یہاں ساتھ لانے کے لیے، میں آگئی لیکن آتے ہی جس قسم کاانداز ملا کیا اس کے بعد بھی تمہیں لگتا ہے کہ تمہارے سسرال میں، میں بے غیرتی کی زندگی گزارتی رہوں گی....؟ ان سب کا رویہ ایسا نہ بھی ہوتا تو بھی میں نے وقتی طور پر یہاں رہنا تھا جب تک ہاسٹل میں رہنے کا انتظام نہیں ہوجاتا لیکن اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میں یہاں زیادہ دن رُکوں۔تم بھی جذباتی ہونے کی بجائے حقیقت پسندی سے سوچو گی تو سسرالی رویہ مناسب ہی لگے گا، کوئی اپنے گھر پرائی لڑکی کو جگہ نہیں دے سکتا۔ایک ، دو دن کی بات اور ہوتی ہے لیکن غیر معینہ مدت کے لیے مناسب نہیں۔ان سب کی طرف سے میرے لیے دل خراب کرنے کی بجائے تم اس گھر میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرو۔میں جہاں بھی رہوں گی ، تم سے رابطے میں رہوں گی، سگی بہنیں ہیں ہم ، کوئی غیر تو نہیں کہ دور رہ کے ہمارا رشتہ ختم ہوجائے گا۔"

وہ تلخی سے کہنا شروع ہوئی تھی۔انوشا کا جذباتی پن نکالنے کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ وہ اسے سختی سے باز رہنے کو کہتی ، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے باعث اس کی نئی زندگی پر اثر

پڑے ، نہ ہی اس کی خودداری کو اجنبی لوگوں کا احسان گوارا تھا۔اکیلے گھر میں رہنا تو کسی طور مناسب نہیں تھا۔وہ جاب ملنے کے بعد ہاسٹل کا انتظام کر نا چاہتی تھی لیکن ایشان جاہ کے عمل نے جیسے پل بھر میں سب تلپٹ کر دیا اس کے باعث احسان مندی کے بوجھ تلے کچھ دن گزارنا اس کی مجبوری بن گئے تھے۔تب ہی اس نے یہ سب پلک جھپکتے پلان کر لیا تھا۔انوشا کے چہرے کے اتار ، چڑ

ھاو

ن سے اسے اپنے لفظوں کی سختی کا احساس ہوا تھا تب ہی آخر میں اس کا ہاتھ تھام گئی تو انوشا کا ضبط جواب دے گیا۔کم فہم وہ بھی نہیں تھی۔خودداری کا سبق اس نے بھی رٹ رکھا تھا لیکن بہن کے لیے فکر مندی قدرتاً تھی۔وہ بھی درست کہہ رہی تھی ، سب جاننے کے باوجود اس کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

اسٹور کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔دونوں اپنی نم پلکیں چھپانے لگیں۔آنے والا یاسر تھا ، جس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

" تم لوگوں سے کوئی ملنے آیا ہے ،

باہر آو

ن۔"

انوشا کے سوالیہ نظروں کے جواب میں اس نے سپاٹ لہجے سے کہا تھا۔دونوں چونک کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگی تھیں ، یہاں آئے انہیں چند گھنٹے نہیں گزرے تھے ،ان سے ملنے کون آگیا تھا.....؟

☆☆☆

حیران پریشان وہ دونوں باہر نکل آئی تھیں۔یاسر کی مدعیت میں چھوٹے سے

لاو

نج (جسے ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا) میں پہنچنے تک دونوں متجسس تھیں۔ یسریٰ بیگم اور شفق کی موجودگی میں چوہدری جہانگیر اورایشان جاہ کو دیکھ کر دونوں ہی اپنی ،اپنی جگہ ٹھٹھک گئیں۔ کچھ گھنٹے پہلے ہی تو وہ انہیں گھر کے باہر ملا تھا اور اب یہاں والدِ محترم کے ساتھ موجود تھا۔انوشا نے ایک لمحے کے لیے اس کی شکل دیکھی تھی تو دوسری نظر سے سسرالیوں کو ، شفق معنی خیز مسکراہٹ لیے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔انوشا کی چوہدری جہانگیر سے یہ پہلی ملاقات تھی لیکن یہ چہرہ تصویر میں اس قدر دیکھا تھا کہ بدلتے ماہ وسال کے باوجود اسے ان کے چہرے پر سر موفرق نہ ملا۔

" جی !" انوشا نے ہی ہمت کی اور سوالیہ نظروں سے چوہدری جہانگیر کے بعد ایشان جاہ کو دیکھنے لگی۔یہ لوگ یہاں بھی چلے آئے تھے ، ان دونوں کو چکر آنے لگے تھے۔ان باپ بیٹوں پر سر د نظر ڈالتے ماورا دہلیز پر ہی رُک گئی تھی۔

" بیٹھ

جاو

ں بیٹا! " چوہدری جہانگیر ان دونوں سے یوں مُخاطب تھے جیسے برسوں سے گفتگو رہی ہو۔

" انوشا! گھر میں اب تم ہی بڑی ہو اور ماورا کے سلسلے میں ہمیں تم سے ہی بات کرنی ہے تو اسی سلسلے میں ہم حاضر ہوئے۔میں ایشان اور ماوراکا نکاح اس ویک اینڈ پر رکھ رہا ہوں، منزہ کی بھی دِلی خواہش تھی کہ ایشان جاہ اس کا داماد بنے ، اب اس خوشی کو دیکھنے کے لیے وہ ہمارے بیچ موجود تو نہیں ہے لیکن ایسا ہو جانے کے بعد اس کی روح کو بُہت سکون ملے گا۔میں چاہتا ہوں ، نکاح کی تقریب ہمارے گھر میں انجام پائے۔ماورا بیٹا ، چاہو تو ابھی ہمارے ساتھ چلو ، ورنہ جب دل ہو ایشان کو کال کر دینا ،یہ تمہیں آکر لے جائے گا۔"

چوہدری جہانگیر اس آسانی سے سب کہہ رہے تھے کہ ماورا سمیت انوشا بھی انہیں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔وہ رشتہ ڈالنے یا نکاح کی پیشکش لے کر نہیں ، بلکہ انہیں مدعو کر نے آئے تھے جیسے۔یاسر بھی چونک کر ان کی شکلیں دیکھنے لگا تھا کیونکہ ایک وہی حقیقت سے واقف تھا۔

" یہ تو بڑی خوشی کی خبر سُنائی آپ نے... بجا فرمایا آپ نے ، ایشان بیٹے نے جب ماورا کا رشتہ مانگنے کے لیے منزہ کے سامنے بات رکھی تھی کہ وہ اپنے والدین کو جلد لائے گا تو میں اور میرا بیٹا یاسر دونہیں موجود تھے ، ہم ہی ماورا کے لیے اپنے خاندان کا رشتہ لے کر گئے تھے ، ٹھیک کہا آپ نے منزہ بہن بہت خوش ہوئی تھیں، ہم سے معذرت کرتے وہ یہی کہہ رہی تھیں کہ ایشان کے لیے انہوں نے ماورا کو سوچ رکھا تھااور یہ کہ ہم دل برا نہ کریں ،اور جب وہ نہیں ہے اور ماورا اکیلی رہ گئی ہے تو آپ نے بروقت فیصلے کو عملی شکل دے کر قابلِ تحسین کام سر انجام دیا ہے۔یقینا منزہ بہن کی روح خوش ہورہی ہوگی۔ایشان بیٹا زبان کے پکے نکلے تم تو..." یسریٰ بیگم جو اس واقعے کی چشم دید گواہ تھیں بے طرح خوش ہوئیں۔دونوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ شفق کچھ رشک وحسد لیے ماورا اور ایشان کا موازنہ کر رہی تھی۔زاہد عجیب سی نظروں سے ماورا کو دیکھ رہا تھا تو وہ لب بھینچ کے پلٹ گئی تھی۔انوشا کے سسرالیوں کے سامنے کچھ کہہ کر وہ بہن کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔

" لگتا ہے شرما گئی۔انوشا ، مہمانوں کو چائے

پلاو

ی بیٹا۔" یسریٰ بیگم مہمان نوازی کے لیے کھلتی شکر گزار تھیں کہ جلد ہی پرائی لڑکی کے جانے کے آثار پیدا ہوگئے۔ لیکن ایشان جاہ اور انوشا جانتے تھے کہ وہ کیونکر چُپ کر کے پلٹ گئی ہے۔جانتے تو چوہدری جہانگیر بھی تھے لیکن انہوں نے کُچھ اس طرح بھرم سے بات رکھی تھی کہ انکار کا سوال پوچھا ہی نہیں تھا۔

" چائے کا تکلف نہ کرو انوشا بیٹا۔آپ سب نکاح پر آئیں ، ہم انشاءاللہ ساتھ بیٹھ کر ڈنر کریں گے۔اجازت دیجیے اب ہمیں۔"

پہلی بات انوشا سے کر کے چوہدری جہانگیر یسریٰ بیگم کو مدعو کرنے کے ساتھ اٹھ گئے تو ایشان جاہ بھی مشرقی لڑکے کا رول پلے کرتے خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا ، جو باپ کے ساتھ آیا تو تھا مگر منہ سیے بیٹھا رہا۔اور اب جانے کی تیاری کر رہا تھا۔انوشا ہکا ، بکا باپ بیٹے کو دیکھ رہی تھی ، اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ایشان جاہ نے گزرتے ہوئے ایک ملتجی نگاہ ڈالی تھی اور اس ایک نگاہ کی التجا وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اس سے کیا چاہ رہا تھا۔یاسر سے ہاتھ ملاتے اس نے دھیمے سے کچھ کہا بھی تھا اور یاسر نے بھی اس کا شانہ تھپتھپا کے جواباً کچھ کہا تھا ، غالباً اتنی جلدی پیش قدمی پر سراہ رہا تھا۔انوشا اپنا چکراتا سر بمشکل تھامے دیوار سے لگ گئی تھی۔

☆☆☆

" جی چچی جان ! ہم خیریت سے ہیں۔جی ....." وہ کمرے میں کسی کام سے آئی تو اسے فون پر مصروف پا کر اپنی جگہ پر پڑا تکیہ درست کرنے لگی۔

" جی یہیں موجود ہے ، بات کریں....." دنیا زمانے کی بات کرنے کے بعد غالباً اس سے بات کروانے کا کہا گیا تھا اور اس نے اب کے دھیان دیا کہ شاید لائن پر دیا تھیں تب ہی وہ فون اس کی طرف بڑھایا گیا تھا۔

" چچی جان لائن پر ہیں ، بات کرو۔" بنا کوئی سوال کیے وہ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی لامحالہ اسے بتانا پڑااور دوسری طرف موجود ہستی کا سُن کر وہ کمالِ لاپرواہی سے کھیس جھاڑ کر لیٹ کر اسے خود پر تان گئی ، گویا واضح اشارہ تھا کہ وہ بات کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔شاہ زر شمعون نے ایک سرد نگاہ کھیس کے پیچھے چھپے اس کے وجود پر ڈالی تھی اور دوسری نظر کنیکٹ ہوئی کال پر۔

" وہ واش روم میں ہے چچی جان، میں بعد میں بات کرواتا ہوں آپ کی۔" اسے بات تو بنانا تھی۔یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ کی بدتمیز بیٹی نے آپ کی کال کاسُن کرمنہ پھیر کر سونے کو ترجیح دی ہے۔جانے دیا مطمئن ہوئی تھی کہ نہیں لیکن کال بند ہو گئی تھی۔

"کیا گھٹیا حرکت ہے یہ .....؟ تمہاری ماں تھی کال پر۔" کال بند کر کے وہ کھیس ایک جھٹکے میں اس پر سے کھینچ گیا تھا۔اس سلوک پر ٹھنڈ کو محسوس کرتی وہ سکڑ سمٹ گئی تھی لیکن لب سیے ، بنا کچھ کہے پڑی ہی رہی۔

" میں تُم سے بات کر رہا ہوں ، بات کیوں نہیں کی تُم نے ....؟" جواب نہ پاکر وہ چراغ پا ہوا، آواز پہلے سے اونچی ہوئی لیکن وہ خاطر میں لائے بنا دوپٹے کو جب جھٹکے سے کھول کر خود پر ڈالنے لگی تو شاہ زر شمعون نے کھیس اٹھا کر اس کا گولہ سابنا کر اس کے وجود پر دے مارا ،واضح انداز تھا ،لو ،مرو۔اس نے بات چیت بند کردی تھی تو وہ تو اس کے سوال کا جواب دینا بھی توہین سمجھنے لگی تھی۔شاہ زر شمعون کے لیے وہ صحیح معنوں میں لوہے کا چنا ثابت ہورہی تھی۔وہ اس میں سدھار لانے، دوسرے معنوں میں اسے سبق سکھانے کو اس کھنڈر میں لے

آیا تھا، وہ لب سیے سارے کام کر کے اسے اپنے بال نوچنے پر مجبور کر کے اُلٹا اسے ایٹی ٹیوڈ دے رہی تھی۔

☆☆☆

" تم اور تمہاری بہن پاگل ہو جو اتنا اچھا رشتہ ٹھکرا رہی ہو۔

جاو

ن اور اسے تیار کرو اس رشتے کے لیے۔" انوشا کے دبے دبے احتجاج پر یاسر نے دوٹوک لہجے میں کہہ کر اسے ماورا کے پاس بھیجا تھا اور ماورا جو سلگ، سلگ رہی تھی اسے دیکھتے ہی اپنے اندر کا غُبار نکالنے لگی۔

" دیکھا تم نے ان باپ بیٹے کی ہمت ..... ہمارے پیچھے یہاں تک چلے آئے۔"

انوشا نے اپنے پیچھے اسٹور کا دروازہ بند کر دیا تھا تاکہ آواز باہر نہ جاسکے۔

" اب ....؟" انوشا اس کا جواب جاننا چاہ رہی تھی۔

" اب .... کیا مطلب اب .... کیا تُم بھی چاہتی ہو کہ میں اناں کے قاتلوں کے گھر جاکے ہنسی خوشی رہنے لگوں ....؟" وہ اُلٹا اسے ٹھٹھک کے دیکھنے لگی۔

" ماورا ! میں بھی تمہاری طرح ان لوگوں کے لیے مشکوک رہی ہوں۔ لیکن مجھے یہ بھی نہیں بھول رہا کہ ایشان جاہ کے اقرار پر اس دن اماں کس قدر خوش ہوئی تھیں۔ بچپن سے غیر مرد کا داخلہ ہمارے گھر ممنوع ہونا اور پھر اچانک ایشان جاہ کے لیے سارے دَر وا کر دینا ، کوئی نہ کوئی بات تو یقیناً ایسی ہوگی نہ کہ ایشان جاہ میں کہ اماں نے سارے اصول کہیں پس پُشت ڈال دیے تھے۔ میری شادی میں ، تمہارے منع کرنے کے باوجود ہر جگہ ایشان کو پیش پیش رکھا تھاانہوں نے۔ بھلے ایشان نے اس وقت مقابلے کے لیے اپنے والدین کو بھیجنے کی بات کی ہو لیکن اب ایشان کا اپنے والد کو لے کر اتنی جلدی یہاں آنا ، کیا یہ سب شو کرنے کے لیے کافی نہیں کہ اسے تمہاری فکر ہے ، تمہاری تنہائی کا خیال ہے اور پھر چوہدری جہانگیر کا تمہیں اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش .... کیا یہ سب ظاہر نہیں کر رہا کہ ان باپ بیٹے کے لیے تمہارا طلب گار بن کے آنا کوئی معمولی بات نہیں ہے....؟" انوشا کڑی سے کڑی ملا کر کسی حل تک پہنچنا چاہ رہی تھی۔

" بُہت اچھے۔ تو تم بھی کنوِنس ہوگئیں۔ خیر ہے کوئی بات نہیں ، اور اب تمہیں یہ لگ رہا ہے کہ اس بہانے تم مجھے جلد ہی اپنے سسرال سے رُخصت کر

پاؤ

ہو گی تو فکر نہ کرو ، ویک اینڈ تو ابھی دور ہے ، میں کل پرسوں ، ہاسٹل میں اپنے رہنے کا انتظام کر کے خود ہی چلی

جاؤ

ہیں گی۔" وہ برامان کر پتھر کی تلاش میں نگاہ دوڑانے لگی تھی تاکہ تالا توڑنے کی ایک بار پھر کوشش شروع کر سکے۔

" شٹ اَپ ماورا! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم میری نیت پر شک کرو گی۔ منفی سوچتے سوچتے تم میرے بارے میں بھی قیاس آرائی کرنے لگی ہو، ماں کو گزرے ابھی چہلم نہیں ہوا اور خونی رشتوں میں منفی سوچ آگئی۔ ویلڈن!" انوشا کو بے حد کھلا تھا اس کا بے اعتبار کرنا، جس کا اس نے برملا اظہار بھی کردیا۔

" سوری! شاید میں کچھ زیادہ تلخ ہوتی جارہی ہوں، کسی اور کا غصہ تم پر نکل گیا۔" ماورا کو بھی اپنے لہجے کی بدصورتی کا احساس ہوا تو اس نے معذرت کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

" رہو یہاں آرام سے، جب تک دل ہے، دیکھتی ہوں کون کچھ کہتا ہے تمہیں یہاں۔ صبح میں خود ایشان جاہ کو کال کرکے منع کردوں گی، ساتھ ہی وارن بھی کردوں گی کہ اگلی بار ہمارے دروازے تک آیا تو اگلی بار میڈیا لے کر میں خود اس کے سرکاری باپ کے آفس اور پھر گھر پہنچوں گی۔" انوشا کا جوشِ خطابت دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، ماورا بھی چُپ کر گئی تھی لیکن یہاں سے جانے کا اِراہ پکا تھا، جس میں تبدیلی کسی صورت ممکن نہیں تھی۔

☆☆☆

"کہاں سے آمد ہورہی ہے آپ باپ بیٹا کی..... ؟ اور تم کہاں رہے رات بھر، دن کو آئے بھی گھر اور چینج کر کے پھر نکل گئے۔" صہبا اور نرمین انہیں

لاو

نج میں ہی مل گئی تھیں۔ باپ بیٹے کو ایک ساتھ آتے دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتے وہ ایشان سے استفسار بھی کرنے لگی تھیں۔

"بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کی تیاری کرو، فی الحال تو ویک اینڈ کو نکاح ہے۔ نکاح سے نبٹ کر شادی کی تیاری شروع کر دینا، مشکل سے پندرہ، بیس دن کا وقت ملے گا تمہیں شادی کی تیاری کے لیے، بہتر ہے ابھی سے تیاری شروع کردو۔"

چوہدری جہانگیر صوفے پر بیٹھنے کے ساتھ دھماکا کر گئے تھے۔

" ویک اینڈ کو ایشان کا نکاح .... کس کے ساتھ ..... کن لوگوں میں....؟" صہبا کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں۔

"ماورا کے ساتھ ... کہہ تو دیا تھا تمہیں اس کے لیے روم تیار کروانے کو ... بتایا بھی تھا وہ اب مستقل ہمارے ساتھ رہے گی۔" چوہدری جہانگیر ریلیکس انداز میں کہتے نرمین کا ہاتھ محبت سے تھام گئے تھے۔

" ماورا.... ماورا سے ایشان کا نکاح .....؟ " ماں بیٹی چونک کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگی تھیں ، ابھی دونوں بیٹھی اسی چیز کو ڈسکس کر رہی تھیں کہ ماورا یہاں آرہی تھی رہنے اور اب ایک دم سے بہو اور بھابی کے عہدے پر ترقی کا سُن کر دونوں کے ہوش اُڑ گئے۔

" جہانگیر ! اگر آپ کو اس لڑکی کیا نام ہے اس کا .... خیر جو بھی ہو.... اگر اس کی ماں کی موت کا سُن کر افسوس ہوا ہے اور اس کی تنہائی کے خیال سے آپ ایسا کوئی فیصلہ کر رہے ہیں تو مجھ پر چھوڑ دیں میں اپنے سرکل میں کسی اچھے لڑکے سے اس کی شادی طے کردوں گی لیکن آپ میرے ایشان کو تو بلی کا بکرا مت بنائیں۔" صہبا کو جو لگا انہوں نے وہ کہہ دیا۔

" بیگم ! مجھ پر الزام لگانے سے پہلے، آپ بکرے سے بھی پوچھ لیں کہ وہ ہنسی خوشی بلی چڑھ رہا ہے یا ، میں نے کوئی زبردستی کر رکھی ہے۔" چوہدری جہانگیر کا تفریحی لہجہ صہبا کو بے یقینی سے ایشان جاہ کی طرف متوجہ کر گیا تو وہ ہنس پڑا۔

" چلو جی !" نرمین تو اس کے چہرے کے رنگوں اور خوشی دیکھ کر ہی سمجھ گئی کہ جہانگیر غلط نہیں ہیں۔ صہبا کو بھی حیرانگی ہوئی۔

" جہانگیر سچ کہہ رہے ہیں ایشان .....؟ تمہیں انشراح پسند نہیں تھی ، دیکھو میں نے کوئی زور نہیں ڈالا تم پر ، سرکل میں ایک سے بڑھ کے ایک لڑکی موجود ہے ، جس پر انگلی رکھو گے اسے بیاہ لاو

ں گی۔ تم کہو تو سہی۔"

" مجھے صرف ماورا سے ہی شادی کرنی ہے مما!" ایشان جاہ کا دو ٹوک بیان صبا کو جھاگ کی طرح بٹھا گیا، وہ باری، باری دونوں کا منہ تکنے لگی تھیں۔

☆☆☆

لڑکیوں کے اکیلے پن اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے فائزہ لوٹ آئی تھیں۔ان کا اِرادہ تھا چند گھنٹوں کے لیے سوئم میں چلی جائیں گی، یا پھر دونوں کو ساتھ لے جائیں گی۔ان کے لوٹ آنے سے سمہان بھی بے فکر ہو کر زمینوں کا کام دیکھنے لگا تھا، ورنہ وہ انہیں اکیلا کم ہی چھوڑتا تھا۔حویلی کی عزت اور اپنے معتبر رشتوں سے لاپرواہی کسی صورت نہیں کر سکتا تھا لیکن فائزہ کی موجودگی میں وہ قدرے ریلیکس ہو گیا تھا۔

شدید ترین سردی میں وہ سب کانیج میں قید ہو کر رہ گئی تھیں ،جہاں خیال رکھنے والے ، کھلانے پلانے والے ملازم موجود تھے۔فائزہ زیادہ تر آرام ہی کر رہی تھیں۔ندا کا زیادہ وقت فرض اور نفل نمازوں یا پھر کتابیں پڑھنے میں صرف ہوتا تھا۔سمہان بھی بزی ہو گیا تھا ،وہ رَنج کے بور ہو رہی تھی۔

رات کا کھانا کھا کے سب اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے تو وہ شال لپیٹتی باہر نکل آئی تھی۔ڈنر پر سمہان موجود نہیں تھا، فائزہ کو کال کر کے اپنی مصروفیت بتانے کے ساتھ عیشال کو بھی اس کا پیغام مل گیا تھا۔وہ موجود ہوتا تو شاید وہ بھی آرام سے کمبل میں دُبک کے اس سے میسج

میں باتیں کرتی رہتی لیکن اس کی غیر موجودگی میں ڈھلتی رات کے ساتھ فکر بھی ساتھ دامن گیر تھی۔

کچی زمین میں طرح طرح کے پھول لگے ہوئے تھے۔رات کی رانی کی مسحور کُن خوشبو پر وہ بے ساختہ اس سمت کھنچتی چلی گئی تھی۔رات ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ملازم اپنے کمروں میں سونے چلے گئے تھے۔گارڈز چھت پر اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔چوکیدار دروازے سے ملحقہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔وہ بے فکری سے ان کی خوشبو سے مسحور ہوتی پھولوں پر جھک کران کی خوشبو سے دل و دماغ کو معطر کر رہی تھی۔

"رات کے وقت ، ان پھولوں کے قریب نہیں جاتے۔" بلیک سوٹ ، شال میں ادھ کھلے بالوں کے ساتھ پھولوں پر جھکی وہ اتنی معصوم لگ رہی تھی کہ اس منظر کو اپنے سیل فون کی گیلری میں قید کرتے اس کے قدم بے ساختہ رُکے تھے۔اس اچانک آواز پر وہ ڈر گئی تھی۔

"تم ہو...؟" نظر اس پر پڑی تو وہ سکھ کا سانس لیتی سیدھی ہو گئی۔

"جی آپ کا خادم !" خوش دلی سے مسکرایا۔صبح کا نکلا رات گئے لوٹا تھا ، تھکن محسوس ہو رہی تھی لیکن اس دُشمنِ جاں پہ نظر پڑتے ہی تھکن دور بھاگتی محسوس ہو رہی تھی۔اس سخت موسم میں یقینا اس کا انتظار کر رہی تھی ، ورنہ کون گرم بستر سے نکل کے خون جمانے کو باہر نکلتا۔

"اتنی رات کو پھولوں کے پاس کیا کر رہی تھیں ، پتا بھی ہے ، غیر مرئی مخلوق ہوتے ہیں۔"

"

ڈراو

نہ تو مت!" وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

" ارے واہ ! حویلی میں کسی سے نہ ڈرنے والی غیر مرئی مخلوق سے ڈرتی ہے۔" وہ ہنسا۔

" ہاں تو، جو مخلوق نظر نہ آئے اس سے ڈرنا ہی بنتا ہے، لوگوں سے کیا ڈرنا، لوگ تو نظر آتے ہیں۔زیادہ سے زیادہ سزا ہی دیں گے نا، ان کے آگے میں بول سکتی ہوں۔نادیدہ چیزوں سے کیا مقابلہ۔" شانے اُچکا گئی۔

" یہ بھی ہے۔" تائید میں سر ہلا گیا۔

" سوئی نہیں ...؟" سمہان آفندی اسے بھرپور نظروں سے دیکھ رہا تھا، رشتہ بدلا تھا تو دیکھنے کا انداز بھی بدل گیا تھا، بد نظر تو کبھی نہیں رہا تھا، ہاں اب نظروں میں استحقاق کا رنگ گہرا ہوتا تھا۔عیشال کی محبت کا مان دل کو آسودہ کر گیا تھا۔کیسے اکیلے وہ سب کے سامنے اتنا بڑا راز افشاں کر کے اسے اپنا لینے پر مجبور کر گئی تھی۔سمہان کو امید تھی، وقت آنے پر وہ بابا جان کے سامنے بھی اس محبت کا اقرار کرنے سے نہیں چوکے گی۔

عورت جس سے محبت کر لے اس کے لیے ہر مشکل حالات کا مقابلہ کرنے کو تیار رہتی ہے۔سب کے سامنے اقرار کرنے سے نہیں ڈرتی، بس اسے محب پر یقین ہو کہ وہ اسے بیچ راہ میں نہیں چھوڑے گا تو وہ زمانے سے بھڑ سکتی ہے لیکن سمہاں اب اسے مزید کسی امتحان میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔یہاں بلانا دل کی خواہش تھی جو پوری ہو گئی تھی۔

" نیند نہیں آئی۔" منہ بسور گئی۔

"کیوں نہیں آئی، بور ہو رہی ہو....؟" اسے احساس تھا سارا دن مصروف رہا، فون پر بھی وقت نہیں دے سکا تھا۔جب سے آئی تھی سوائے ضروری کام کے کوئی باہر نہیں گئی تھی۔ندا اور فائزہ کو بھی اس کا جوڑا پسند آیا تھا۔ندا کچھ خاموش سی ہو گئی تھی لیکن فائزہ کے سامنے کچھ کہہ نہیں سکی تھی، ہاں برتنے کی دعا اس نے ضرور دی تھی۔

"نہیں بوریت کیسی، یہ پیڑ، پھل، پھول ہیں، جو ڈھیروں باتیں کرتے ہیں۔لوگوں کو بس ساتھ لانے کا شوق تھا تاکہ وہ کام میں بزی رہیں اور میں یہاں اکیلی پاگل بن کے بیٹھی رہوں۔"

سمہان کا پوچھنا غضب ہو گیا تھا۔وہ جو چپ ہوئی تو بھڑاس نکال کر ہی چپ ہوئی۔اس طنزیہ بیانیے پر سمہان نے اپنی مسکراہٹ کنٹرول کرنا چاہی تھی لیکن قہقہہ بے قابو ہو گیا۔

"آپ کا ملزم حاضر ہے، جو سزا چاہیں دیں، اُف نہیں کروں گا۔مانتا ہوں خاکسار سے کوتاہی ہوئی ہے مگر جہاں پناہ کام سے جلد جان چھڑانا تھا اس لیے آپ کو وقت نہ دے سکا۔اب فری ہوں، حکم کریں بندہ سر تسلیم خم کیے حاضر ہے۔" سر جھکا گیا تھا۔

"زیادہ ڈائیلاگ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔" تیکھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کچھ کھایا پیا بھی ہے یا بس کام میں لگے ہوئے تھے۔" انداز میں فکر مندی در آئی تھی۔

"ہلکا پھلکا کھالیا تھا۔" فکر مندی اچھی لگی تھی۔

"خیر ہے، بڑی گھر والی جیسی فیلنگ آ رہی ہے۔" شریر ہوا۔

"میں سونے جارہی ہوں۔" وہ پزل ہوکے جانے لگی تھی مگر سمہان نے ہاتھ تھام کر کوشش ناکام بنا دی تھی۔

"بہت اچھے ، سارا دن کوئی بات نہیں ہوئی ، میرے لوٹ آنے کا انتظار کر رہی تھیں اور اب جانے کی ہورہی ہے۔ کوئی ناں۔ باتیں کریں گے۔" وہ بے ساختہ اس کی شکل دیکھے گئی تھی۔ وقت کم تھا ، واپس حویلی جاکے بات کھل ہی جانی تھی۔ان کے پاس بہت کم وقت تھا، جسے وہ ایک دوسرے کے سنگ بتانے کے خواہشمند نظر آرہے تھے۔

"سمہان ! مجھے تمہارے لیے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ چلو نا ، ہم دونوں کہیں دُور چلے جائیں ، جہاں یہ لوگ ہمیں نہ ڈھونڈ سکیں۔" اس کے تھامے ہوئے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر وہ اس کے ساتھ محبت بھری زندگی گزارنے کی لالچ میں کہہ گئی۔اس گھڑی نڈر ، بے دھڑک بولنے والی عیشال جہانگیر کی جگہ ایک محبت کی ماری لڑکی نے لے لی تھی۔ سمہان کو جہاں اس کی فکر مندی اچھی لگی ، وہیں اس کے معصومانہ انداز پر پیار آنے لگا۔جسے اپنی جان سے زیادہ اس کی فکر ستا رہی تھی۔

"پپا برداشت نہیں کریں گے اور وہ نرمین ....." وہ فکر مند سی ہوکر اندازے لگانے لگی تھی

۔

"بس چپ !" اس کے ہاتھ پر

دباو

ن بڑھا کر اسے بے چارگی سے لب کھولتے دیکھ کر نفی میں سر ہلانے لگا۔

" تمہیں دُکھ دینا نہیں چاہتا تھا، نہ ہی خواہش تھی کہ میری ذات تمہارے لیے کسی صدمے کا باعث ٹھہرے، تب ہی پہلو تہی کرتا رہا کہ ہر جائی، بزدل سمجھ کے بُرے لفظوں میں یاد کر کے کسی اور سے شادی کر کے ایک دن اس محبت کو بھول

جاو

نے لیکن وہ کب ہوا جو میں چاہتا تھا، تمہیں اسی صدمے سے دور رکھنے کی کوشش ہی تو کر رہا تھا۔اپنی پروا نہیں تھی۔جان تو آنی جانی چیز ہے، روز حویلی سے نکلتے یہ نہیں سوچتا تھا کہ واپس آنا بھی نصیب میں ہوگا کہ نہیں، ہر پل کو آخری لمحہ سمجھ کر ہی جیتا آیا ہوں آج تک لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اب بُہت طویل عمر تمہارے ساتھ جینے کی خواہش ہے۔اپنی نسلوں کو پروان چڑھانے کی حسرت ہے.....؟"

" تب ہی تو کہہ رہی ہوں، چلو نا ہم کہیں دور چلے جاتے ہیں، سب سے۔" اس کی بات کاٹ کر وہ جلدی سے اپنی بات دُہرا گئی۔وہ مسکرا کر اس کی انگلیوں پر

دباو

نے بڑھا گیا۔

"اپنوں سے بھاگ کر جائیں گے بھی تو کہاں ....اور کیوں بھاگیں ان سے .....اپنے دوبارہ کب ملتے ہیں.....؟ تم سے محبت اپنی جگہ تھی لیکن کبھی نہیں چاہا تھا کہ ان سب کا بھروسہ توڑوں، اعتماد کو ٹھیس

ہیں۔میں نے سوچ لیا تھا، یہ رازِ محبت دل میں دبا، میرے ساتھ ہی دفن ہوگا مگر تم نے اپنا وجود کسی اور کو سونپنا گوارا نہیں کیا تو تمہیں کیسے اکیلا چھوڑ دیتا۔تم ریلیکس رہو، تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔بزدلوں کی طرح تُمہیں لے کر نہیں بھاگوں گا۔سزا دیں گے سہ لوں گا ،منانے کی کوشش کروں گا۔اپنے کب تک پتھر دل ہو سکتے ہیں۔بالفرض نہ بھی مانے تو کیا ہوگا، زیادہ سے زیادہ جان سے مار دیں گے نا..... اس سے زیادہ تو وہ لوگ اور کُچھ نہیں کر سکتے۔مام، ڈیڈ تمہارا خیال رکھیں گے۔"

"مت کرو ایسی باتیں پلیز۔" وہ تڑپ گئی تھی۔

" خود کو مضبوط رکھو، تم نڈر ہی اچھی لگتی ہو،یہ ڈرپوک عیشال والا روپ تمہیں سوٹ نہیں کر رہا۔"

" بھاڑ میں جائے روپ۔" ضدی ہوئی۔

" سب اللہ پہ چھوڑ دو، جس نے ہمیں ایک کیا ہے آگے بھی وہی طے کرے گا۔جو ہوگا اسے ہم دونوں قبول کر لیں گے۔" انداز ناصحانہ تھا۔

" میں کُچھ بھی بُرا قبول نہیں کر سکوں گی، تمہیں کُچھ ہوا تو میں بھی مر

ہں گی۔زندہ رہ کر پل ،پل نہیں مر سکتی تمہارے بغیر۔"

آنسو

ہں پر کنٹرول کرتی وہ پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔

" مت رو پلیز!" سمہان آفندی اس گھڑی اسے سمجھانا دُنیا کا مشکل کام لگ رہا تھا۔وہ جو ہر کام چٹکی بجاتے کر گزرتا تھا یہاں خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔

" کیا چاہتی ہو.....؟ "

" تمہارے ساتھ بُہت سارا جینا چاہتی ہوں ، بُہت محبت کے ساتھ ، جب کبھی بارش ہو ، تمہارے ساتھ بھیگی سڑکوں پہ لمبی واک کر نا چاہتی ہوں، لانگ ڈرائیو ، ہر موسم ، ہر رنگ کو تمہارے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں ، ہر پل تمہارے سنگ بِتانا چاہتی ہوں بس اور کُچھ نہیں چاہیے مجھے زندگی سے ، بچھڑ گئے تو ایسا کچھ نہیں ہوسکے گا۔" وہ تردّد سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیسی معصوم ، معصوم سی خواہشیں تھیں ان کی۔لوگ زمین ، جائیداد اور ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی سبقت کے لیے لڑتے مرتے تھے اور وہ ایک دوسرے کی سنگت کے متمنی تھے، زندگی سے ان کی مانگ کُچھ زیادہ تو نہیں تھی لیکن جابر وظالموں کو اس خواہش کی کہاں پروا ہو سکتی تھی۔انہیں تو بے رحم فیصلہ کر کے ارمانوں کو موت کی گھاٹ اتار نا آتا تھا بس۔

" بچھڑنے کی بات کر کے اس پل کو کیوں گنوا رہی ہو، ابھی تو ہم ساتھ ہیں۔اس پل کو ہم ساری زندگی سمجھ کر تو گزار سکتے ہیں،اسی لیے تو تم سے ضد کی تھی ساتھ چلنے کی ....." وہ کہہ رہا تھا اور وہ نا سمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔" مطلب.....؟ "

" مطلب یہ کہ لانگ ڈرائیو نہ سہی شارٹ ڈرائیو پر تو ہم اس وقت چل ہی سکتے ہیں۔ میں نے صبح سے ڈھنگ سے کُچھ نہیں کھایا، باہر ڈنر بھی کر سکتے ہیں، واپسی میں واک کرتے آئسکریم بھی کھالیں گے۔ لڑنے جھگڑنے کے لیے آدھا گھنٹا کافی ہوگا میرے خیال سے ، تُم بولتی رہنا ، میں چُپ کر کے سُن لوں گا۔ ٹھیک ہے نا، مزید کسی چیز کی مسنگ لگی تو وہ راستے میں طے کر لیں گے..... چلو

آو

ں!" اس کا ہاتھ تھامے وہ خارجی راستے کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

" اس وقت .....؟ تائی جان اور ندا آپی کو پتا چلا تو....؟ " اسے خوف آنے لگا۔

" ندا جی کی خیر ہے ، وہ کُچھ نہیں پوچھیں گی۔ تائی جان اول تو سو رہی ہوں گی۔ اگر انہیں تمہاری غیر موجودگی محسوس ہوئی تو وہ سب سے پہلے مجھے ہی کال کریں گی ، تب بتا دوں گا ہم ساتھ ہیں۔" وہ سب طے کیے بیٹھا تھا۔

" لیکن .....!" وہ اپنے کیجول کپڑوں کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس کی چمکتی بلیک جیکٹ جینز میں وہ کیجول میں بھی اچھی ہی لگ رہی تھی۔

" وہی لڑکیوں والے تردد ، تم لڑکیاں جب تک دس بار منہ آئینے میں نہ دیکھ لو کہیں جانے کے لیے نکلتی ہی نہیں ہو۔" چھیڑ رہا تھا۔

" کوئی نہیں ، بس کپڑے مناسب نہیں لگ رہے۔" وہ خجل ہوئی۔

"ان کپڑوں میں بھی ، میری ہی لگ رہی ہو۔" مسکراتے ہوئے کہا تو وہ اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔

اور پھر سمہان آفندی نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔چند گھنٹوں میں وہ اتنا خوش ہوئی تھی جتنا پہلے کبھی ہیں ہوئی تھی۔لانگ ڈرائیو ، پھر ڈنر ، سنوفال کے ساتھ واک کرتے آئسکریم کھاتے محبت بھری باتیں کرتے لگ ہی نہیں رہا تھا یہ وہی سمہان ہے جس کی طرف سے محبت بھرے جملوں کی منتظر رہ کے وہ ناشاد ہو کر اسی سے اُلجھنے لگتی تھی، یہ تو کوئی محبت کرنے والا شوہر تھا جو محبوب بیوی کی ہر خواہش کو پوری کرنے چلا تھا۔واپسی میں جب پھولوں کے کنگن اس کی کلائی میں پہنانے لگا تو عیشال جہانگیر خود پہ نازاں ہونے لگی۔

وہ واپس لوٹ آئے تھے ، چوکیدار یا سیکیورٹی پر مامور سمہان کے محافظوں کو ان کے معاملات سے کیا لینا دینا تھا۔کسی نے ان کی غیر موجودگی کو نوٹس نہیں کیا تھا۔کاریڈور میں عیشال متفکر سی ارد گرد دیکھتے اپنے روم کی طرف بڑھ رہی تھی ،جب ایک بار پھر اسے دروازے پر رُک جانا پڑا۔سمہان نے اس کی کلائی تھام لی تھی۔

"جتنی محبت تم نے مجھ سے کی ہے ، اس سے کہیں زیادہ تمہیں

لوٹاو

ں گا، بشرطِ زندگی، یہ وعدہ رہا.....!"

وہ آسودگی سے مسکرائی تھی ،اسی وقت سمہان کا فون بجنے لگا تھا۔اس کا ہاتھ تھامے ہی وہ کال پک کر گیا تھا۔

"کیا حال ہیں بُرو....؟" دوسری طرف شاہ زر شمعون تھا، اس نے گرمجوشی سے گفتگو کا آغاز کیا۔

"میں ٹھیک ہوں، تو ٹھیک ہے....؟ مما، عیشال اور ندا کو لے کر نکلا ہوا ہے، ابھی دا جان نے بتایا۔سب ٹھیک ہے۔ندا کو کیسے اجازت دے دی داجان نے، وہ ٹھیک تو ہے....؟" وہ حیران ہونے کے ساتھ تھوڑا متفکر بھی تھا۔

"سب ٹھیک ہیں پریشان نہ ہوتائی جان، ندا جی تمہاری طرح مجھے بھی عزیز ہیں، تم ڈسٹرب نہ ہو اس لیے کانٹیکٹ نہیں کیا، کہاں ہو اس وقت..... قریب ہوتو جوائن کر لیتے ہیں ایک دوسرے کو، اچھی کمپنی رہے گی۔"

جانے شاہ زر شمعون کیا جواب دے رہا تھا۔عیشال ہاتھ چھڑانے کی خاموش کوشش کرتی اسے ارد گرد کا احساس دلا رہی تھی کہ کوئی دیکھ نہ لے، اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔فون کان سے لگائے اشارے سے گڈ نائٹ کرتا، ہاتھ ہلاتا اُلٹے قدموں چلتا آگے بڑھ رہا تھا۔وہ مُسکرا کے دروازے سے لگ گئی تھی۔

☆☆☆

"ایشان کو دیکھنے کے بعد مجھے ماورا کی فکر نہیں رہی، ماورا مجھے موت مہلت نہ دے تو تم ایشان سے شادی کر لینا۔"

''نہیں ، ایشان سے شادی نہیں کر نا ، اس کی ماں نے اچھا نہیں کیا۔اور تم بھی کہہ رہی ہو کہ ایشان نے جھوٹ بولا تھا تو.... لیکن میرا دل نہیں مان رہا۔جہانگیر کا بیٹا تمہارے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔"

" تم ایشان سے ہی شادی کر نا ، ورنہ کہاں

جاو

ہ گی میرے بعد...؟ تم ایسا کر نا جہانگیر کو بتا نا ، تم میری بیٹی ہو، دیکھنا پھر وہ کیسے ایشان کو تم سے شادی پر مجبور کر دے گا ، تم ایشان سے ہی شادی کر نا۔"

بار بار پڑنے والی ضرب سے تالا ٹوٹ ہی گیا تھا۔رات کا وقت تھا، سب سو رہے تھے، وہ بہت احتیاط سے ضرب لگا رہی تھی اور بالآخر کامیاب بھی ہو گئی تھی۔ گولڈ کا سیٹ نکال کر رکھتے اس کی نظر ڈائری پر پڑی تھی جو شاید سب سے اوپر رکھی ہی اس لیے گئی تھی کہ اسے دیکھ لیا جائے۔جس شام صبا آئی تھیں اس کے بعد کی رات ہی منزہ کی زندگی کی آخری رات ثابت ہوئی تھی۔ پہلے ہی صفحے پر اس دن کی تاریخ کے ساتھ کافی کاٹ پیٹ کر ایک ہی بات کی بار بار تاکید کی گئی تھی۔بار بار شادی کر نے اور نہ کر نے کی تکرار کے بعد آخر میں چوہدری جہانگیر کا حوالہ دے کر جیسے بات ختم کر دی گئی تھی۔عزت و پندار کی انہیں بھی پروا تھی لیکن زندگی کی تلخیوں کا بھی اچھی طرح اندازہ تھا تب ہی وہ اپنی ہی سوچ کی نفی لفظوں کو کاٹ کر کر چکی تھیں۔منزہ کی آخری خواہش پڑھ کے ماورا ایک پل کو ساکت رہ گئی تھی۔

انوشا نے کہا بھی تھا یاسر صبح چابی میکر کو لے آئے گا لیکن وہ جلد سے جلد یہاں سے جانا چاہ رہی تھی اور اس کے لیے اسے جلد ہی اپنے رہنے کا ٹھکانہ کرنا تھا زیور کے ساتھ ڈائری کا نکل آنا اسے تجسس میں مبتلا کر گیا تھا۔ دلچسپی تو اسے پہلے بھی محسوس ہوئی تھی جب منزہ کو اس نے چھپ، چھپ کے ڈائری لکھتے دیکھا تھا اور آج ڈائری ہاتھ لگی تھی تو وہ جلد سے جلد سب پڑھ لینا چاہ رہی تھی لیکن پہلے ہی صفحے پر درج لفظوں کی کاٹ، پیٹ ظاہر کر گئی تھی کہ منزہ اس کے لیے کس قدر فکر مند تھیں اور چوہدری جہانگیر کا ہونا ان کے لیے کتنا سکون بخش تھا کہ ایشان کا سچ جاننے کے باوجود انہیں یقین تھا کہ جہانگیر اسے اپنے گھر کی رونق بنا لیں گے اور ان کا گماں کم بھی تو نہ تھا۔ چوہدری جہانگیر آن موجود ہوئے تھے۔ اپنا فیصلہ سُنا گئے تھے۔ احساس دِلا گئے تھے کہ وہ اکیلی نہیں ہے، جب چاہے ان کے گھر آ کے رہ سکتی ہے۔ چوہدری جہانگیر نے کس بھرم سے کہا تھا کہ منزہ کی بھی یہی خواہش تھی۔ تب موقع ہوتا تو وہ انہیں اس گماں سے ضرور نکالتی لیکن اب وہ ساکت ہو کر منزہ کے لفظوں کو دیکھ رہی تھی۔ ڈائری کھلی پڑی تھی اور اس کی نظریں پہلے صفحے پر ہی ساکت رہ گئی تھیں۔

جانے وہ کتنے ہی لمحے بے حس و حرکت پڑی رہتی۔ دروازے پر ہونے والی دستک اور دھیمی سرگوشی نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ وہ خوفزدہ نظروں سے ڈائری کو دیکھتی دروازے تک آئی تھی۔

"کون....؟" رات کافی ہو گئی تھی، اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے اپنی تسلی کرنا چاہی تھی۔ اندازہ یہی تھا انوشا ہی ہو گی لیکن سرگوشی سُن کر اس کے قدموں تلے سے زمیں کھسک گئی۔

''میں ہوں زاہد... دروازہ کھولو۔" دبی آواز میں تعارف کے ساتھ حکم دیا گیا تھا۔اس نے شکر ہی ادا کیا کہ انوشا کے دھوکے میں اس نے دروازہ نہیں کھولا۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں ؟" وہ متعجب تھی۔

'نیند نہیں آرہی تھی ، تم بھی اکیلی ہو ، جاگ رہی ہو، تمہیں ماں کے بچھڑنے کا غم ہے ، مجھے بیویوں کے چھوڑ جانے کا دُکھ ہے ، کیوں نہ ہم ایک ساتھ مل کے اپنا ، اپنا غم بھول جائیں۔دروازہ کھولو۔ کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا۔"

وہ جانے اور کیا کیا بول رہا تھا ماورا کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔اسے تنہا جان کر بھیڑیے سر اٹھا کر اس کی طرف لپکنے لگے تھے۔وہ خوفزدہ ہو کر پلنگ پہ بیٹھ گئی تھی۔لوہے کا مضبوط دروازہ اسے پلاسٹک جیسا لگ رہا تھا جسے توڑ کر زاہد اندر گھس آتا۔شور کر کے بلاتی بھی تو کسے ....؟ انوشا کو ....؟ ایسا کچھ دیکھ کر ، اس گھر کے مکین اپنے خون پر بھروسہ کرتے یا چند گھنٹوں پہلے آئی لڑکی پر....؟ انوشا مشکل میں آسکتی تھی۔اس نے شور کرنے کا ارادہ نظر انداز کر کے خاموشی سادھ لی تھی۔زاہد اسے رام کر کے دروازہ کھلوانے کے جتن کر کر کے تھک گیا تو باقاعدہ گالیوں پر اتر آیا۔ذلت واہانت اور خوف کے احساس نے چند لمحوں میں اس پر واضح کر دیا تھا کہ اس کی جی داری کوئی معنی نہیں رکھتی۔زاہد کافی دیر کوشش کرتا رہا تھا، جب وہ اس کی طرف سے ریلیکس ہونے کی کوشش کرتی کہ وہ تھک ہار کے جا چکا ہے ، تب اس کی آواز پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اس کی سماعت پر اترنے لگتی تھی۔اس کی فحش گوئی سے اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے ساتھ ہی نظر سے فریب کا پردہ بھی اتر گیا تھا۔

فجر کی آواز گونجنے لگی تو زاہد کو بھی یقین ہوگیا کہ وہ کسی صورت دروازہ نہیں کھولے گی، دو تین بار دروازے کو جھٹکا دے کر اس نے اسے ڈرانے کی بھی کوشش کی تھی اور وہ سچ مچ ڈر کے دیوار سے جالگی تھی۔وہ ایک بار پھر گالیوں کی غلاظت اس پر انڈیل کر چلا گیا تھا۔ کئی لمحے وہ اس کے جانے کا یقین کرتی اس اہانت کو محسوس کرتی رہی تھی۔ضبط کے باوجود پلکیں نم ہو گئی تھیں۔آنکھیں بے دردی سے رگڑتے اس نے سیل فون اٹھایا تھا، تھوڑی سی کوشش سے اسے کال ریکارڈ میں مطلوبہ نمبر مل گیا تھا۔دوسری طرف بھی جیسے کوئی منتظر بیٹھا ہوا تھا فوراً کال پک ہوگئی تھی۔

"ایشان جاہ !" اور وہ اپنا نام سُن کر ہی ساری جان سے اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

☆☆☆

" میں سوئم میں جا رہی ہوں، تم لوگوں کا موڈ ہے؟" ناشتے کی میز پر فائزہ دونوں لڑکیوں سے مخاطب تھیں۔

" میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے مما، میں نہیں جاسکوں گی۔" ندا جب تک قید کی زندگی گزار رہی تھی ٹھیک تھی لیکن آزاد فضا میں نکلتے ہی اس کی حساس طبعیت بوجھل ہونے لگی تھی، گم گُشتہ چیزیں اتنی شدت سے یاد آنے لگی تھیں کہ اس کا ضبط چھلکا جارہا تھا۔سب کے سامنے اس نے اپنا بھرم رکھا ہوا تھا لیکن دل کو کھرچنے والی دل شکن یادیں بیمار کر گئی تھیں۔وہ آزاد

تھی اور کوئی عشق کے جرم میں منوں مٹی تلے جاسویا تھا۔اپنی ذات کے حوالے سے قتل عام بات نہیں تھی ، راحیل اپنی موت مرتا تو اس کا غم ضرور ہوتا لیکن اس وقت تو اس کے قتل کی مجرم خود اس کی ذات تھی۔اس کا کہیں آنے جانے کو دل نہیں ہو رہا تھا۔ہر خوشی ، آزادی اس نے خود پر حرام سمجھ لی تھی ، قاتلوں کو اتنی آزادی بھی کہاں ہوتی ہے کہ وہ کھل کے مسکرا بھی سکیں اور کسی کا خون سے لال کفن اس کے منہ پر تماچے کی صورت نہ پڑے۔وہ نڈھال سی ہو گئی تھی۔

" ٹھیک ہے ، پھر عیشال اکیلے جا کے وہاں کیا کرے گی۔میں خود ہی
ہو آؤ

ں گی رات تک۔"

فائزہ نے خود ہی پلان بنا لیا تو عیشال کو بھی سکون نصیب ہوا ، خود اس کا دل نہیں تھا جانے کا۔

"کب تک جانا ہے ،تائی جان....؟ میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔جب واپس آنا ہو کال کر دیجیے گا میں لینے
آجاؤ

ں گا۔" سمہاں آفندی نے اپنی خدمت پیش کی۔

" نہیں بیٹا ، تم زحمت نہ کرو، میں نے آپا کو کال کر دی ہے وہ حمزہ (بھانجے) کو بھیج رہی ہیں۔واپسی بھی اسی کے ساتھ ہوجائے گی۔تم لڑکیوں کا دھیان رکھ لینا ، پھر تمہیں بھی اپنے کام دیکھنے ہیں۔" فائزہ نے انکار کر کے اس کی ذمہ داری کا خیال کیا۔

'' جیسی آپ کی مرضی۔" وہ سر خم کر گیا۔

" واپسی کا کب تک اِرادہ ہے ...؟ تمہارا کام کب تک ختم ہوجائے گا....؟" فائزہ کو واپسی کی فکر لگ گئی عیشال جہانگیر کا ناشتا کرتا ہاتھ ٹھٹھک گیا۔وہ بے ساختہ سمہان کی شکل دیکھنے لگی کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔

" امید تو ہے کام آج مکمل ہوجائے گا ، ممکن ہوا تو کل صبح ، ورنہ کل دن کو نکل جائیں گے۔" وہ سچائی گوش گزار کر گیا۔

" چلو پھر ٹھیک ہے ، میں بھی سب سے ملتی ملاتی آجاو

ہوں گی۔لڑکیوں تم لوگ پیکنگ کر لینا اپنی ، یہ نا ہو عین موقع پر ساری چیزیں یاد آئیں۔" فائزہ کی یاد دہانی پر دونوں نے سر ہلا دیا تھا۔

واپس جانے کا سُن کر اس کے دل کو پنکھے لگ گئے تھے۔فائزہ نکلیں تو وہ اسے ڈھونڈتی اس تک چلی آئی ، جو خود بھی باہر نکلنے کی تیاری کر رہا تھا۔

" میں نے نہیں جانا حویلی واپس۔" حتمی لہجہ تھا۔

" اچھا جی پھر کہاں جانا ہے آپ نے ....؟ " وہ اس کے نروٹھے انداز پر مسکرا دیا۔

" کہیں بھی لے چلو لیکن حویلی نہیں۔" اس کی ایک ہی منطق تھی۔

" پہلے حویلی چلیں گے ، پھر اس کے بعد دُنیا کے جس کونے میں جانے کو کہو گی ، لے چلوں گا۔" اس کا دل توڑنا اچھا نہیں لگا۔

" بہلا رہے ہو نا.... جھوٹی آس تھما رہے ہو، پتا جو ہے حویلی گئے تو پھر شاید کبھی کہیں اور جانے کے قابل ہی نہ رہیں۔" وہ آزاردہ ہوئی۔

" اتنا نیگیٹو کیوں سوچتی ہو....؟ ہو سکتا ہے ، ہم جتنا نیگیٹو سوچ رہے ہیں ، حقیقت اس کے اُلٹ ہو۔" اس نے سمجھانا چاہا۔

" تم حویلی والوں کے لیے اچھا سوچ سکتے ہو، میں بھولے سے بھی ایسی احمقانہ سوچ کا تصور نہیں کر سکتی۔ حویلی والوں کے سینے میں دل نہیں پتھر ہیں۔" اس ذرا خوش گمانی نہیں تھی۔

" اچھا ہی ہوگا ، پریشان نہ ہو۔" وہ دلاسا دے کر جانے لگا تھا۔

" میں یہاں ٹینشن میں کھڑی ہوں اور تمہیں جانے کی پڑی ہے۔" وہ ٹھنکیں۔

" حکم کریں ! آپ کی ٹینشن کیسے دور ہو سکتی ہے....؟" سنجیدہ ہو کر سوالیہ نظریں گاڑ دیں۔

" افوہ ! سمجھو نا ، مجھے یہاں سے نہیں جانا واپس۔ حویلی جا کے ہم کھل کے بات بھی نہیں کر سکیں گے ، نا ہی ساتھ آزادی سے باہر جا کے انجوائے کر سکیں گے۔ میں اس پیریڈ کو ساری زندگی انجوائے کرنا چاہتی ہوں سمہان ، جب کہ حویلی گئے تو پھر سے قید کی زندگی اور نکاح کی

بات کھلنے پر جانے کیا ہو..... میں ساری زندگی یہیں اس برف باری میں جینا چاہتی ہوں۔"
وہ دلی خواہش بتا رہی تھی۔

" محترمہ عرض ہے کہ گرمیوں میں برف نہیں ملے گی آپ کو اور آپ نہیں جائیں گی تو حویلی میں کیا وجہ
بتاو

ہیں آپ کے یہاں رہنے کی ....؟"

" کوئی بھی وجہ بتا دو۔" وہ منہ بنا گئی۔

'' اوکے۔اور جو حویلی کے لوگ یہاں آ گئے ، کیونکہ یہ بھی حویلی والوں کی پراپرٹی ہے تو آپ کیا کریں گی۔پھر کہاں جائیں گی ؟"

" ہیں۔حویلی والے یہاں آ سکتے ہیں ، ایسا تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" وہ حیران ہوئی۔

"میری پگلی ! اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ اپنوں سے بھاگ نہیں سکتے ، ایک بار بات کھل جائے پھر جتنے دن کے لیے کہو گی ، واپس لے
آو

ہیں گا یہاں۔اب مجھے جانے دو ، کام ہے۔ٹاٹا!" اس کے انداز پر مسکراتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگاتے وہ نکلنے لگا تھا۔

" خیال رکھنا اپنا۔ کیپ آن ٹچ !" الٹے قدموں مڑ کے وہ انگلیوں سے فون کرنے کا اشارہ کر گیا تھا۔ یہاں سے جانے کا سُن کر ہی اس کے دل کو کُچھ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

ڈر اور خوف کا گھیرا رات کی تاریکی میں ہی گہرا ہوتا ہے ، یہ ادراک اسے سورج کی روشنی میں بخوبی ہو گیا تھا۔ صبح کی روشنی میں سارا منظر واضح تھا جو رات اس نے ڈر ، سہم کر اجنبی جگہ پر گزاری تھی اب اس کی سحر ہو گئی تھی ، اب کوئی ڈر ، کوئی خوف نہیں تھا۔

گھر میں ہلچل سی محسوس ہوئی تو وہ وہ بھی جھجکتی ہوئی نکل آئی ، اندازے کے مطابق انوشا کچن میں ہی مل گئی تھی۔

" میں تھوڑی مدد کر دوں۔" اس کی آواز پر انوشا نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

" تم کیوں چلی آئیں۔ میں اپنا اور تمہارا ناشتا لے کر آ ہی رہی تھی۔"

" چلو، ساتھ ٹرے سیٹ کر لیتے ہیں۔" اس نے خوش دلی سے کہتے چیزیں سیٹ کرنا شروع کر دیں۔

" تم ناراض ہو مجھ سے۔" جانے کیوں اسے لگا انوشا خفا ہے۔

" نہیں تو۔ تمہیں ایسا کیوں لگا۔" وہ انڈا بناتے مصروف انداز میں گویا تھی۔

''رات زیادہ بول گئی تھی۔ تم ٹھیک کہہ رہی تھیں اور میں .... اوور ری ایکٹ کر گئی۔ سوری ۔" لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

" کیوں فضول سوچ رہی ہو۔ پہلے کبھی کیا ہم میں لڑائی یا بحث نہیں ہوئی ، اب ایسا کون سا پہاڑ ٹوٹ گیا ہے جو سوری آ گئی ہمارے بیچ۔" انوشا نے جھاڑ پلائی۔

" ناشتا کر لو ، پھر ہم مارکیٹ چلیں گے۔ موسم کے کچھ کپڑے لوں گی ، تم بھی اپنے لیے کچھ لے لینا۔"

"پھر کسی دن رکھ لینا، آج نہیں چل سکوں گی ، ابھی ایشان مجھے لینے آرہا ہے۔"

" ایشان لینے آرہا ہے لیکن کیوں ...؟" انوشا اس کے بُد سکون انداز پر بُری طرح ٹھٹھک گئی تھی۔

" میں نے نکاح کے لیے ہاں کہہ دیا ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ پھر اماں کی بھی شدید خواہش تھی تو رات میں نے بہت سوچا.... چند ہزار کے زیور بیچ کر میں کتنے دن ہاسٹل میں رہ سکوں گی اور پھر کبھی نہ کبھی تو شادی کرنی ہی ہے نا ، ہمارے سر پہ باپ ، بھائی کا سایہ تو ہے نہیں کہ وہ شادی کے اخراجات اٹھائیں گے۔ میں ہمت کر کے جینے کی کوشش بھی کروں گی تو بھی تمہاری ٹینشن کم نہیں ہوگی کہ جانے کیسی ہے ، کس حال میں ہے ، شادی ہو جائے گی تو تمہیں بھی سکون مل جائے گا۔" خود کو لاپروا ظاہر کرتے وہ مسکراتے ہوئے یوں گویا تھی جیسے من پسند ٹاپک پر بات کر رہی ہو، بہت دنوں سے شادی پلان کر رہی ہو۔

" سچ

بتاو

ن ماورا! کسی نے کچھ کہا تمہیں.... کوئی بات بری لگی ، یا پھر میری بات....." انوشا پلٹ کر اس کا ہاتھ تھام گئی۔

" پاگل ہوئی ہو ، ایسی کوئی بات نہیں ، رات بھر خوب سوچا، جب وہ لوگ خود طلب گار ہیں تو میں کیوں بلاوجہ بہادر بی بی بن کے سب کو ، تمہیں ، خود کو کیوں بے رحم دُنیا کے حوالے کروں ، اماں کی بھی تو یہی خواہش تھی ، وہ ہم دونوں کو اپنے گھر کا کر کے جانا چاہتی تھیں اور ایشان تو انہیں بہت پسند تھا۔ تم مارکیٹ

جاو

ن تو سیزن کے کپڑوں کے ساتھ نکاح میں پہننے کے لیے اچھا سا جوڑا بھی لے لینا۔ میں چاہتی ہوں میری اکلوتی بہن نکاح میں سب سے زیادہ اچھی لگے۔" اس کا فکر و تردّد دور کرنے کو وہ اسے سامنے کھڑا کیے باتیں کیے جا رہی تھی۔ انوشا بے یقینی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جس میں اس کی باتوں کا عکس واضح تھا۔

☆☆☆

"خیریت ، صبح ، صبح تیار ہوکے کہاں جانے کی تیاری ہے۔" یونیورسٹی تو وہ جانہیں رہا تھا ایسے میں اسے کہیں جانے کے لیے تیار دیکھ کر صہبا پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

"ماورا کو لینے جارہا ہوں۔" چوہدری جہانگیر بری طرح چونکے تھے ، دونوں بہنوں کے انداز دیکھ کر وہ سمجھ تو گئے تھے کہ ان کی آمداور پروپوزل انہیں کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا لیکن وہ اپنے تئیں ساری بات کر آئے تھے۔وہ منتظر بھی تھے کہ شاید انہیں تھوڑی سختی سے کام لینا پڑے گا۔لیکن ماورا کی بھلائی کے لیے وہ اس کے لیے بھی راضی تھے اور اب ایشان جاہ کا جملہ انہیں خوش کر گیا۔بنا کوئی تماشا بنے سارے مراحل احسن طریقے سے حل ہورہے تھے۔وہ جتنے کوش تھے ، صہبا اور نرمین پر یہ سب اسی قدر بجلی بن کے گزر رہی تھی۔

"اچھی بات ہے ، تم ماورا کو ساتھ لے

آو

ہے ایشان۔ہماری بہو، بہن کے سسرال رہے اچھی بات نہیں ہے۔اچھا اور بر وقت فیصلہ کیا ہے ۔کل ہی ہمارے ساتھ چلی آتی ، میں نے کہا بھی تھا لیکن ابھی بھی کون سا دیر ہو گئی ہے۔" وہ سراہ رہے تھے۔اور صہبا ہونق کی طرح ان کی شکل دیکھ رہی تھیں۔نرمین اس سارے مسئلے سے لاتعلقی کا مظاہرہ کرتے سکون سے ناشتا کر رہی تھی۔

"یہ ہو کیا رہا ہے ، آپ دونوں مجھے بھی ذرا سمجھانے کی کوشش کریں گے۔کہاں تو کل تک وہ لڑکی جانی دشمن بنی ہوئی تھی اور آپ دونوں اسے ہر طرح ڈرا ، دھمکا رہے تھے۔اور اب کہاں اسے گھر لانے سے پہلے کمرا تیار کروا رہے ہیں تو ، نکاح طے ہوگیا ہے اور اب ایشان اسے

لینے بھی جارہا ہے۔آخر ایسا کیا ہوگیا اس کی ماں کی موت کے بعد کہ آپ دونوں اس سے ہمدردی کرتے نہیں تھک رہے ، ہمدردی تک بھی بات رہتی تو ٹھیک تھی ، وہ تو اس گھر کی بہو بننے جارہی ہے ، ایک معمولی سی مڈل کلاس لڑکی اس گھر کی بہو....؟" صہبا کا سوچ سوچ کے بُرا حال تھا۔

"ماورا کو بہو بنانے کے فیصلے میں ہمدردی یا ترس کی آمیزش نہیں ہے صہبا بیگم۔اس فیصلے میں ایشان کی خواہش اور میری مرضی کا عمل دخل ہے۔ماورا ایشان کے لیے سوٹ کرتی ہے۔ رہی کلاس کے بات تو نکاح میں اتنا کچھ اس کے نام ہوگا کہ وہ مڈل کلاس سے نکل کر اَپر کلاس میں پلک جھپکتے پہنچ جائے گی۔بہو میں مزید کوئی اور خوبی دیکھنا چاہتی ہیں آپ تو بتا دیں۔" چوہدری جہانگیر کا جتاتا ہوا لہجہ باور کرا گیا تھا کہ وہ کسی عذر کو خاطر میں نہیں لائیں گے۔ان کے اعتراض کو انہوں نے اتنے اچھے سے توڑ مروڑ کے سائیڈ لگا کر سوال کیا تھا کہ ان کے انداز سے سمجھ گئیں کہ انہیں اعتراض گراں گزرا ہے۔

"نہیں اور کوئی اعتراض نہیں۔" وہ خائف سی ہو کر منہ پھیر گئی تھیں۔

☆☆☆

بول چال تو دونوں میں ہی بند تھی۔ایک سیر تھا تو دوسرا سوا سیر بننے کے در پر تھا۔وہ چائے لے کر آئی تو اس کی کلائی تھام کر شاہ زر شمعون نے کھٹ سے تالا کھول کر زنجیر اس کی کلائی سے کھینچ لی تھی۔وہ اس اچانک مہر بانی پر کلائی سہلاتی اسے دیکھے گئی تھی۔

بنا کچھ کہے وہ اٹھ کر چلا گیا تھااور اس کی حیرت کی انتہا اس وقت نہ رہی جب کتے کی بھونکنے کی آواز قریب سے آنے پر اس نے دروازے کی سمت جھانک کر دیکھا تھا اور اس کی حیرت کی انتہانہ رہی تھی۔دروازہ کھلا ہوا تھا ، باہر سے کُنڈی اور تالاڈالنے کی زحمت کیے بنا وہ دروازہ کھول کر غالباً اس کا امتحان لے رہا تھا۔بھلے وہ اس کا امتحان لے رہا تھا ، اسے یہاں کے لوگوں پر بھروسہ ہوسکتا تھا لیکن شنائیہ اس غیر ذمہ دارانہ روش پر کسی طور مطمئن نہیں ہوئی تھی ۔ہاشم کی سرگوشیاں اکثر وبیشتر سُنائی دیتی تھیں ، اس کی جگہ کوئی بھی گھر میں گھس سکتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا اور وہی ہوا۔اندازے کے مطابق ہاشم کی دبی آواز آنے لگی تھی وہ ایک بار پھر بہری اور گونگی بن گئی۔اور وہ تھک ہار کے واپس پلٹ گیا۔

وہ اپنے کام میں مگن ہو گئی تھی۔کافی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی تھی۔وہ دروازے تک گئی تھی۔

"کون ہے؟" اپنی تسلی کے لیے اس نے کنفرم کرنا ضروری خیال کیا تھا۔

" شاہ !" باہر سے خشک آواز آئی تھی۔

وہ دروازہ کھول کر خاموشی سے اندر کی سمت چل دی تھی۔

" اگر مجھے آزمانے کے لیے دروازے کھلا چھوڑ کر گئے تھے تو اگلی بار سے ایسی غلطی مت کیجیے گا، آپ کو یہاں کے لوگوں پر بھروسہ ہوگا لیکن مجھے نہیں ہے۔ بالفرض آزمانا بھی اور اب تالا ڈالنا آپ کو اپنی شان کے خلاف لگ رہا ہے تو مجھے بتا کے جایئے گا تاکہ میں اندر سے کنڈی چڑھا کے بیٹھ

جاؤ

ں۔"

" چور دروازے ڈھونڈنے والوں کے لیے نادر موقع تھا، فائدہ اٹھانا تھا، بھاگی کیوں نہیں؟" کڑوا لہجہ سماعت میں اودھم مچانے لگا۔ شنائیہ چوہدری کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

" بھاگ کر

جاؤ

ں گی بھی تو کہاں۔ سب ہی آپ کے ہیں .... یہ ڈر دل سے نکال دیجیے کہ میں یہاں سے بھاگنے کی کوشش کروں گی یا بھاگوں گی۔ جس طرح آپ لے کر آئے تھے، ویسے ہی ساتھ لے کر جائیں گے۔" اس پر ایک سرد نگاہ ڈال کر وہ کچن میں گھس گئی تھی۔ شاہ زر شمعون کو اس کا چیلنجنگ روپ کچھ سوچنے نہیں دے رہا تھا، جانے اس کے ذہن میں کیا سما گیا تھا۔

☆☆☆

ایشان جاہ ماورا کو لینے پہنچ گیا تھا۔وہ یاسر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔یسریٰ بیگم بھی وہیں موجود تھیں۔ شفق ٹوہ لینے کے کی جتن کر رہی تھی۔

" ایک بار پھر سوچ لو ماورا۔ کہیں تم جذباتی تو نہیں ہو رہی ہو؟" انوشا کو جانے کیوں شرمندگی ہو رہی تھی۔زاہد سے سامنا ہوا تو ماورا نے بمشکل خود پر ضبط کیا ورنہ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ جاتے جاتے اسے تھپڑ مار کے جائے۔ لیکن اس کے ہر عمل کو بھگتنا انوشا کو پڑتا، تب ہی وہ کنٹرول کر گئی۔انوشا اسے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کا کہہ رہی تھی۔پرس میں گولڈ کے زیور کے ساتھ منزہ کی ڈائری کو اس نے انوشا کی نظر سے بچا کر پرس میں رکھ لیا تھا۔جانے ایسا کیا راز تھا جو منزہ اپنی موت کا سن کر اس پر درج کرتی چلی گئی تھیں۔اگر تو کوئی دل شکن داستان ہوتی تو وہ اپنے تک ہی رکھتی، انوشا کو اس کی بھنک نہ پڑنے دیتی۔ لیکن ابھی اس راز سے پردہ اٹھنا باقی تھا۔اسے مخاطب کر کے پہلے ہی صفحے پر ایشان سے شادی کر لینے کا حکم دیتی وہ چاہتی تھیں کہ ماورا اس ڈائری کو پڑھے اور ایسا کون سا راز تھا جسے منزہ کی کبھی ہمت نہ ہوئی ان کے سامنے کھولنے کی۔کچھ تو تھا۔پڑھنے کے بعد ہی اس نے فیصلہ کرنا تھا کہ اس راز میں انوشا کو شامل بھی کرنا ہے یا نہیں، کیونکہ آگاہی سے بڑھ کر تو کوئی عذاب نہیں تھا۔

" میں نے سوچ، سمجھ کر فیصلہ کیا ہے اور تم بھی اچھا سوچو، اور نکاح کی تیاری کرو، میں پہنچ کر رابطہ کروں گی تم سے۔" باتیں کرتی وہ انوشا کے ساتھ

لاو

ہنچ میں آگئی تھی۔پرس کندھے سے لٹکائے سر پہ چادر لیے اسے دیکھ کرایشان جاہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

" چلیں ؟" اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ایشان جاہ نے سوال کیا تھا۔

" جی !" انوشا سے گلے ملتے یسریٰ اور یاسر سے الوداعی کلمات ادا کرتے انوشا کا خیال رکھ لینے کی یقین دہانی کرتے وہ ایشان جاہ کے کھولے ہوئے فرنٹ سیٹ کے دروازے سے اندر بیٹھ گئی تھی۔ایشان نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی کو راستے پر ڈال دیا تب بھی اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ کل جس کے لیے وہ موسم کی سختی جھیل رہا تھا آج وہ اسی کار میں اس کے ساتھ اس کے گھر تک کا سفر کر رہی تھی۔یقین تو اسے اس وقت بھی نہیں آیا تھا جب ماورا نے کام کر کے اسے صبح لینے آنے کو کہا تھا، وہ تو اس کی کال کا منتظر ہی تھا، اُمید تھی وہ جھاڑ جھپاڑ کر نے کے لیے کال ضرور کرے گی، اسے پیچھے ہٹنے کو کہے گی لیکن اس نے جو کہا وہ ناقابلِ یقین ضرور تھا لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ وہ اس کی گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

دونوں ہی اپنی، اپنی جگہ خاموش تھے۔مہینوں ایک دوسرے سے دُشمنی نبھانے والے اچانک دوست تو نہیں بن گئے تھے لیکن ان میں ایک بے نام کٹ منٹ ضرور ہو گئی تھی۔

" کیا یہ ممکن ہے کہ ویک اینڈ کی بجائے نکاح آج شام کو ہی ہو جائے ....؟ " خاموشی کا پردہ چاک کرتے ماورا کی دھیمی آواز گونجی تھی۔ایشان جاہ نے گردن موڑ کر بے ساختہ اس کی سمت دیکھا تھا۔کہاں تو وہ نکاح، محبت کو ماننے کے در پر نہیں تھی اور اب کہاں اسے جلدی پڑی ہوئی تھی۔

" ہو جائے گا ممکن۔" مان سے کہا گیا تھا۔

" کبھی کسی اجنبی جگہ پر رکنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ تمہارے گھر بھی بنا حق کے رہنا نہیں چاہتی۔" وہ صاف گوئی سے جتا گئی تھی۔

" اوکے نکاح آج ہی ہوگا۔ تم پریشان نہ ہو۔" اس نے حتمی لہجے میں کہہ کر اس کا تردد دور کر دیا تھا۔ گاڑی عالیشان بنگلے پر جا رکی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ سے نکل کر ایشان جاہ اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اسے باہر آنے کو کہنے لگا تھا۔ وہ خاموشی سے نکل کر اس کی مدعیت میں آگے بڑھنے لگی تھی۔ راہداری میں ہی اسے چوہدری جہانگیر، صہبا کے ساتھ نرمین ملی تھی۔ صہبا سے تو وہ واقف تھی، نرمین کے متعلق ابھی اندازہ ہی لگا رہی تھی کہ ایشان جاہ نے بہن کہہ کر تعاوف کرادیا۔ صہبا کا انداز ایسا تھا جیسے بادلنخواستہ مل رہی ہوں، نرمین بھی اپنے آپ میں ہی تھی۔

" ملنا، ملانا تو ہوتا رہے گا۔ پہلے تم آرام کر لو۔ ایشان، ماورا کو اس کا کمرا دکھاو

نی بیٹا۔" چوہدری جہانگیر کے کہنے پر ایشان جاہ نے اشارہ کیا تو وہ آگے بڑھ گئی۔ اجنبی لوگوں، اجنبی ماحول میں اسے خود اُلجھن سی ہو رہی تھی۔ ان کے کہے کو غنیمت سمجھتے اسے اس منظر سے نکلنا ہی مناسب لگا تھا۔

ایشان جاہ اسے ایک پُر شکوہ کمرے تک لے آیا تھا۔ کمرے کی آرائش و زیبائش دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ایک مہمان کے لیے اتنا پُر شکوہ کمرا تھا تو مکین کے کمرے کیا ہی ہوتے۔ اسے صہبا کا

نخوت بھرا انداز یاد آگیا جو انہوں نے اس کے دو کمروں کے ٹوٹے ، پھوٹے گھر کو دیکھ کر دیے تھے۔

"تم فریش

ہو جاو

ں، ملازم چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو لاتا ہی ہوگا۔میں ڈیڈ سے نکاح آج ہی رکھنے کی بات کر لیتا ہوں ، پھر تم چلنا میرے ساتھ نکاح میں پہننے کے لیے جوڑا لینے۔"ایشان جاہ نے اس سے میں پہلی بار کوئی طویل مکالمہ اس سے کہا تھا۔اسے کہیں نہ کہیں یہ انتظار ضرور تھا کہ وہ انحراف کرے گی۔اختلاف کا پہلو ڈھونڈ نکالے گی لیکن جب اس نے ایسا کچھ نہ کیا تو وہ اسے دیکھے گیا۔

" بہتر!" اس نے ایک لفظ میں بات ختم کردی تھی۔

☆☆☆

آج کے آج ہی نکاح کا سُن کر چوہدری جہانگیر ایک لمحے کو سوچنے لگے تھے اگلے ہی لمحے انہوں نے ہامی بھر کر صبا کو حیران کردیا تھا۔

"ہاو

ز لکی یو آر۔ جھٹ پٹ نکاح کا دن طے ہوگیا اور ایک میں ہوں جیسے صرف تاریخ پر تاریخ مل رہی ہے۔" نرمین نے دُہائی کچھ اس انداز سے دی کہ ایشان جاہ مسکراتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگا گیا۔

"آج کے آج نکاح ....؟ جہانگیر ،بابا جان کا کیا ....؟ کیا حویلی سے کوئی اس نکاح میں شریک نہیں ہوگا.....؟" جس لڑکی کے گھر جاکے وہ اسے ذلیل کر آئی تھیں وہ ان کے بیٹے کے ساتھ اسی گھر میں لوٹ آئی تھی۔ گو اس نے کچھ جتایا نہیں تھا لیکن صبا کو اس میں اپنی ذلت محسوس ہوئی تھی۔ان کی اب بھی دلی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح یہ نکاح رُک جائے ۔انہیں اس جلد بازی کی وجہ بھی سمجھ نہیں آرہی تھی ، نہ ہی جہانگیر نے اب تک حویلی میں کسی کو اطلاع دی تھی۔

"حویلی سے کوئی شریک نہیں ہوگا اس نکاح میں ، انہیں خبر بھی دی تو وہ سب اس نکاح کے خلاف ہوں گے۔اس لیے نکاح کے بعد ہی

بتاو

ں گا۔"چوہدری جہانگیر کا انداز پُر سوچ ہو گیا۔چونکہ شادی بیاہ کے فیصلے چوہدری حشمت ہی کرتے تھے تو صبا کو یہی لگا کہ چوہدری جہانگیر اس ضمن میں کہہ رہے ہیں لیکن ان کی پُر سوچ نظریں ماضی سے حال تک کچھ اور ہی دیکھ رہی تھیں۔

سارے خیالات کو پسِ پشت ڈال کر وہ نکاح کی تیاری کرنے لگے تھے۔

منزہ کی بیٹی سے ان کے بیٹے کا نکاح تھا، وہ بے طرح خوش تھے۔

☆☆☆

جس وقت نے آنا تھا اس سے ڈر کے کب تک بھاگ سکتے تھے۔واپس حویلی تو جانا ہی تھا، یہاں گزارے چند دنوں میں سمہان نے جتنی خوشی اس کے دامن میں بھر دی تھی وہ برسوں کے لیے کافی تھی۔فائزہ کا پیغام ملا تھا، انہیں لوٹنے میں تھوڑی دیر ہو جائے گی۔لڑکیاں اپنی تیاری مکمل رکھیں، سمہان بھی شام تک اپنے کام ختم کر کے لوٹ آیا تھا۔شام کی چائے تینوں نے ساتھ پی تھی، ندا اپنے کمرے کو چل دی تو عیشال بھی اپنی پیکنگ میں لگ گئی۔ صبح انہیں حویلی کے لیے نکلنا تھا۔

"دروازہ کھلا ہے۔" دروازے پر دستک ہوئی تھی۔آواز لگا کر وہ پھر سے اپنے کپڑوں کو تہہ کرنے لگی تھی۔اندازہ تھا ملازم ہی ہوں گے لیکن سمہان آفندی کو دروازہ کھول کر آتے دیکھ کر اس کے ہاتھ ایک پل کو ٹھٹھکے تھے۔

"سو۔پیکنگ ہو رہی ہے؟" وہ کمرے میں چلا آیا تھا۔

"جی جناب!" انداز مصروف تھا۔

"مزید رُکنا ہے ....؟" وہ یہاں سے جانا نہیں چاہ رہی تھی ، اس کی خواہش کے پیشِ نظر سوال کیا۔وہ ہاں کہتی تو وہ کچھ بھی کر کے مزید کئی دن رکنے کا انتظام کر سکتا تھا۔

'' جانتی ہوں ، ہاں کہا تو تم کوئی نہ کوئی راہ نکال کر رکنے کی راہ نکال لو گے لیکن اب چلو۔ پہلے ذرا حویلی والوں سے نبٹ آئیں پھر دوبارہ آئیں گے تاکہ سکون سے سب انجوائے کریں ، ابھی تو بس ایک دھڑکا لگا ہوا ہے۔چچا جان بات کھولیں گے ، اس نے یوں ایکشن لینا ہے۔اس نے ووں۔دیکھ لیں پہلے کیا ہوتا ہے ، پھر آئیں گے۔بلکہ میں تو ہر سال

آو

ں گی۔" کپڑے بیگ میں رکھتے وہ سر جھٹک گئی۔

''کافی سمجھ داری کی باتیں کرنے لگی ہو۔" وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

" جناب ! باتیں تو ہماری شروع سے سمجھداروں والی رہی ہے، آپ نے ہی محسوس کرنا اب شروع کیا ہے۔" وہ ہولے سے مسکرا کر لاجواب کر گئی۔

"آپ کے لیے لے کر آیا تھا۔" سمہان آفندی کا ہاتھ جیکٹ سے باہر آیا تو اس میں موجود وائٹ گولڈ کی چین اور چھوٹے سے ڈائمنڈ سے بنے دل کو دیکھ کر وہ بے ساختہ سراہنے پر مجبور ہو گئی۔

"

واو

ن ! یہ تو بہت خوبصورت ہے۔" وہ جھٹ لے کر اس کی خوبصورتی کو سراہتے ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑی ہو گئی تھی۔

" پہلے تو کبھی سوکھا گلاب دینے کی بھی ہمت نہیں ہوئی اور اب کہاں تحفے پہ تحفے دیئے جا رہے ہیں۔" چین کو گلے سے لگاتے مرر میں ہر زاویے سے اس پسندیدگی بھری نظروں سے دیکھتے وہ مرر میں پڑتے اس کے عکس کو تیکھی نظروں سے دیکھتے ابرو چڑھا گئی تھی۔

" شریکِ حیات کی بات اور ہے ، ایویں ہر کسی کو تحفے تھوڑی نہ بانٹتا پھرتا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے قریب آگیا تھا۔

" اوہ ! یعنی نکاح سے پہلے میں بھی ہر کسی کی کیٹگری میں تھی....؟ " نظریں مزید تیکھی ہوئیں۔

' ناجی مقام تو آپ کا تب بھی خاص ہی تھا۔ مے آئے .....؟" اس کے گلے سے لگے پینڈنٹ اور چین کو دیکھتے اجازت طلب کی گئی تھی۔

" ہوں !" ہنکارا بھر کے وہ اپنے ہاتھ پیچھے کر گئی تھی۔ وہ بیک پہ آکر چین کا لاک کھولنے لگا تھا۔ شہد رنگ بالوں کو سمیٹ کر بائیں شولڈر پہ کرتی وہ منتظر تھی۔

" پتا ہے ، یہاں سے واپس نہ جانے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔" وہ آئینے میں اس کا عکس دیکھتے ہمکلام تھی۔

" وہ کیا....؟" لاک کھل گیا تھا چین اس کی گردن میں پہناتے نظریں سوالی ہوئیں۔

" یہاں ، رہ کے میں نے تمہارا بہت الگ روپ دیکھا ہے ، بہت لونگ ، کیئرنگ ، جب کہ حویلی کے کاموں میں گھن چکر بنے ہمیشہ کھڑوس ہی لگتے تھے۔ تمہیں دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ تم ان لمحوں میں رنگ بھی بھر سکتے ہو۔" محبت بھری نظریں تھیں۔

" محترمہ ! ہر جذبے ، ہر کسی کو دکھائے بھی نہیں جاتے۔ جو کچھ تمہارے لیے بطورِ شریک حیات چھپا رکھا تھا وہ پہلے آشکار کرتا بھی تو کیونکر اور ابھی تو شروعات ہے ، اس سے کہیں بڑھ کر تمہارے لیے سب کچھ ہوا کرے گا جسے تم بڑے حق سے خود ہی وصول کر لیا کرو گی ۔" چین گلے میں سج چکی تھی۔ چھوٹے سے دل کی چمک سانسوں کی نالی کے ساتھ ڈول رہی تھی۔

" سچ آ بیوٹی فل !" دل کو چھوتی انگلیاں اس کی چمک سے منور ہو رہی تھیں۔

"لائک یو!" شانے پر ٹھوڑی ٹکاتے اس کے وجود کے گرد حصار کر گیا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدلا تھا ، حیا کی سُرخی پھیلی تھی۔

" آئے وِش یہ پل یہیں ٹھہر جائے۔ تمہارے ساتھ اب تو میرا بھی دل یہاں سے جانے کو نہیں چاہ رہا۔" اس نے ہولے سے کہا تو مسکرا دی۔

" بھاگیں !" چھیڑ رہی تھی۔

" ناں !" اپنے سر سے اس کا سر ہولے سے ٹکراتے وہ بھی مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

نکاح کی تیاری ہو چکی تھی۔ ایشان کے ساتھ جا کر وہ نکاح کا جوڑا لے آئی تھی۔ ایشان جاہ کی ہدایت پر نرمین نے بیوٹیشن کو گھر پر بلوالیا تھا۔ ماورا تیار ہو رہی تھی۔ انوشا کے ساتھ ، یاسر، یسریٰ اور شفق بھی آئی تھی۔ بنگلے کی ایک ایک چیز کو دیکھ کر سب ہی رشک وحسد میں مبتلا ہو گئے تھے۔ چوہدری جہانگیر بار بار کہیں کھو جا رہے تھے۔ کبھی آسمان کی طرف دیکھ کر سرخ آنکھیں گاڑ دیتے تھے۔

صبا اور نرمین بھی اس تقریب کا حصہ تھیں اور ان کے پہناوے ان کے تیوروں کی طرح الگ ہی لگ رہے تھے۔ مولوی صاحب آچکے تھے۔ نکاح کے کوائف چوہدری جہانگیر ایشان سے مشورہ کر کے بھر رہے تھے۔

بالآخر قبولیت کا لمحہ بھی آن پہنچا ، ماورا کے ارد گرد سب موجود تھے مولوی صاحب ایجاب و قبول کے الفاظ دہرا رہے تھے اور ماورا کی نظروں کے سامنے بس ایک ہی چہرہ تھا۔ اس کی ماں کا چہرہ۔ اسے لگ رہا تھا ، منزہ کی روح کو سکون مل گیا ہوگا۔

یہاں نکاح کے بول بولے جا رہے تھے اور دوسری طرف چوہدری حشمت کی کال جہانگیر کے نمبر پر آنے لگی تھی جسے وہ اس وقت تک نظر انداز کرتے رہے جب تک ایشان جاہ نے سائن نہیں کر دیے ، اور انہوں نے بیٹے کو مبارک باد نہ دے دی ہو۔

" السلام علیکم باباجان ! " ایشان جاہ کے کھلے ہوئے چہرے کو دیکھتے وہ سائیڈ ہو کر خود ہی کال ملا گئے تھے۔

"یہ ہم کیا سُن رہے ہیں جہانگیر.....!" چوہدری حشمت کا خشک لہجہ سماعت میں اترا تھا۔

"مجھے نہیں پتا بابا جان آپ نے کیا اور کس سے سُنا....."

"یہ حویلی مزید بھونچال کی متحمل نہیں ہو سکتی۔" انداز نافہم تھا۔

"اس حویلی کی بات تو آپ رہنے دیں باباجان ..... ناگواری سی ناگواری تھی۔

"میں جلد آرہا ہوں آپ کے پاس حویلی۔کچھ ضروری بات کرنی ہے۔ایک دو دن میں فیملی بھی آجائے گی۔آپ بھی سب کو بلالیں۔نرمین کا نکاح بھی اب کے کروا کے جاو

ہوں گا۔اور اب اس کام کے لیے تاریخ مقرر نہیں ہوگی۔بس سب کے پہنچتے ہی یہ کام ہو جائے گا۔اس وقت ذرا مصروف ہوں۔فرصت میں آپ سے مل کے بات ہوگی۔آرہا ہوں میں۔"
وہ اپنے مخصوص سرد انداز میں کہہ کر فون بند کر گئے تھے۔انہوں نے یہ بھی جاننے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ انہوں نے کیا سُنا تھا۔

☆☆☆

وہ شاید مسحور کُن خواب دیکھ رہی تھی۔تیزی سے اس کا دروازہ دھڑ دھڑایا گیا تھا۔وہ مندی مندی آنکھیں کھول کر سمجھنے کی کوشش کرنے لگی کہ اس کی آنکھ کس شور سے کھلی ہے۔دروازہ ایک بار پھر دھڑ دھڑایا گیا تھا۔وہ دروازے تک آئی تھی۔

"کیا ہوا سمہان ....؟" اس کا چہرہ دیکھ کر سوال کر گئی۔ابھی تو رات بھی نہیں ڈھلی تھی۔

"تیاری کر لو، ہمیں تھوڑی دیر میں حویلی کے لیے نکلنا ہے۔" وہ پیغام پہنچا رہا تھا۔

"اس وقت .....؟" اس کی ساری نیند ہوا ہو گئی۔

"ہاں، شاید کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہے۔داجان کا بلاوا ہے، ڈیڈ نے بھی جلدی پہنچنے کی تلقین کی ہے۔" وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"یہ اچانک کیوں ...." عیشال کا دل دھڑک اٹھا۔وہ محبت سے اس کے متوحش چہرے کو دیکھنے لگا۔

"معلوم نہیں۔مجھے بس سب کو لے کر جلدی پہنچنے کو کہا گیا ہے۔" وہ ہولے سے مسکرادیا۔

"کہیں ....!" وہ خوفزدہ ہوئی۔

"وہم مت کرو، دل مضبوط کر کے چلنے کی تیاری کرو۔صبح بھی تو نکلنا تھا نا، ابھی سہی۔" وہ خود کو لاپرواظاہر کر کے مڑا تھا لیکن اسے ٹھٹھک کے رُکنا پڑا۔

(جاری ہے)

ریحانہ آفتاب

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط 27 #

" سمہان تم یہاں، اس وقت....؟"

فائزہ سامنے سے چلی آرہی تھیں۔ رات کے اس پہر عیشال اور سمہان کو باتیں کرتے انہوں نے اچنبھے سے دیکھا تھا، کیا باتیں ہورہی تھیں اس کی آواز تو ان تک نہیں پہنچی تھی لیکن ان کے تاثرات انہیں حیران کررہے تھے، تب ہی وہ قریب چلی آئی تھیں۔ دونوں ہی انہیں دیکھ کے سنبھلے تھے۔ عیشال کے بکھرے بال اور ایک سائیڈ پہ پڑے دوپٹے کو فائزہ نے عجیب نظروں سے دیکھا تھا، اتنی رات گئے، سمہان کی عیشال سے باتیں انہیں کچھ سوچنے پر مجبور کررہی تھیں۔ بال سمیٹتے ان کی نظروں سے کچھ خفیف سی ہو کر وہ دوپٹا ٹھیک کر گئی تھی۔ کچھ نیند اور کچھ اچانک ملنے والے پیغام نے کسی چیز کی طرف دھیان جانے ہی نہیں دیا تھا۔

" تائی جان حویلی سے داجان کا پیغام ملا ہے کہ آپ سب کو لے کر فوراً حویلی پہنچوں، عیشال کے بعد آپ اور نداجی کو ہی جگانے آرہا تھا۔" وہ سنبھل کے سچائی گوش گزار کر گیا۔ ان کی حیرانگی اور مشکوک نظریں اس سے چھپی نہ رہ سکیں۔

"اس وقت.... اچانک..... سب خیر تو ہے بیٹا؟"

اس کے لہجے کی سچائی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ فائزہ کی جہاں حیرت ختم ہوئی وہیں غیر متوقع پیغام پر پریشانی لاحق ہو گئی۔

" مجھے بس اتنا ہی پیغام ملا ہے تائی جان۔" فرماں برداری سے۔ "آپ نداجی کو بھی جگا دیں۔"

"ندا کو جگا دیتی ہوں..... بیٹا کیا اتنا وقت ہے کہ میں تہجد پڑھ سکوں....؟ اسی باعث اٹھی تھی۔" مبادا جلدی نہ ہو اس خیال سے انہوں نے استفسار کیا۔

"آپ پڑھ لیں تائی جان، تب تک ملازموں کو جانے کی اطلاع کر دیتا ہوں۔" خوش دلی سے گویا تھا۔ جانے کے نام سے عیشال کو ایک دم چپ سی لگ گئی تھی، گو کہ صبح جانا تو طے ہی تھا لیکن اس اچانک بلاوے پر وہ ساکت سی ہو گئی تھی۔ سمہان آفندی ملازموں کو اطلاع کرنے چل دیا تھا۔ فائزہ اسے تیار ہونے کی ہدایت کر کے ندا کے کمرے کی اور بڑھ گئی تھیں۔ وہ کئی لمحے سُن حواس کے ساتھ کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو وہ اپنے جاگنے کے اسباب کے بارے میں سوچتی اندھیرے کمرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے وجہ کو ڈھونڈنے لگی لیکن وجہ تو کوئی نظر نہیں آئی البتہ دھیمی سرگوشی کی آواز سے حواس ضرور الرٹ ہو گئے، وہ دھیان لگا کر سُننے لگی تو سرگوشی شاہ زر شمعون کی محسوس ہوئی۔

" نیند میں باتیں کرنے کے مرض میں بھی مبتلا ہیں شاید۔" وہ تلخی سے سوچ کے کھیس دوبارہ منہ تک تان کے سر بھی اندر کر گئی۔ لیکن اگلے ہی پل کمرا روشن کرنے کے ساتھ اس کے اوپر سے کھیس کھینچ لی گئی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ.....؟" اچانک سے تیز روشن آنکھوں پر پڑی تو بے ساختہ ہاتھ آنکھوں پر رکھتے سردی سے کانپتے اس نے نعرہ احتجاج بلند کیا۔

" چلنے کی تیاری کرو، حویلی سے بلاوا آیا ہے۔" اس کے احتجاج کو خاطر میں لائے بنا وہ حکم صادر کر کے کمرے سے نکل گیا تھا۔ اس کا سویا، جاگا ذہن بھک سے اڑ گیا۔

" حویلی سے بلاوا.....؟ اس وقت.....؟" وہ حیرت کا شکار ہو کر وقت کا تعین کرنے لگی۔ گھڑی تو کوئی پاس تھی نہیں، روشن دان کے اس پار دھند کا بسیرا تھا۔ اچانک سے مسجد کے مائیک کھڑ کھڑانے لگے تو اسے وقت کا تعین کرنے میں آسانی ہوئی۔ آذان فجر ہو رہی تھی۔ اٹھ کر بیٹھنے کے ساتھ وہ کھیس بھی اپنے گرد لپیٹ کر آذان سننے لگی۔ آج سے پہلے اتنی توجہ اور انہماک نصیب ہی کب ہوئی تھی۔ اکثر تو رات ہی تین چار بجے کے بعد ہوتی تھی۔ جب آذان کا وقت ہوتا تو وہ تب تک گہری نیند میں جا چکی ہوتی تھی۔ گو کہ یہاں آ کر جلدی سونے کی عادت ہو گئی تھی، نہ ٹی وی، ویڈیو کی سہولت، سیل فون پہنچ سے دور، نہ بندہ نہ بندے کی ذات وہ جاگ کر کرتی بھی تو کیا۔ فقط ایک اسی کا آسرا تھا، جس کی موجودگی میں کوشش کرتی تھی حواس میں کم ہی رہے تاکہ کھولتا خون اپنے لیول پر رہے۔

" تم نے سنا نہیں، میں نے کیا کہا ہے؟" کمرے میں واپس آیا اور اسے اپنی جگہ میں کھیس اوڑھے بیٹھے دیکھ کر ناگواری کا اظہار کر گیا۔ غالباً وہ وضو کر کے لوٹا تھا اور اب سر پہ رومال باندھتے نماز کی تیاری کر رہا تھا۔

" اتنی صبح صبح کیوں بلاوا آیا ہے۔ کنونس تو ہمارے پاس کوئی ہے نہیں۔ جائیں گے کیسے؟" آنے کا منظر ازبر تھا تب ہی تحفظات گنوا دیے اور اس کے ماتھے کی تیوری چڑھ گئی۔

" کیسے جائیں گے، یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے۔ تم بس چلنے کی تیاری کرو۔" ناگواری سے جتا گیا۔

" ٹھیک ہے لیکن یہ دھیان رہے، میں پیدل چل کے اسٹاپ تک بھی نہیں جاؤں گی۔" اس دھونس بھرے انداز پر شاہ زر شمعون نے شاکڈ ہو کر اسے دیکھا تھا۔

"رسی جل گئی لیکن بل نہیں گئے جیسے ضرب المثل غالباً تم جیسوں ڈھیٹوں کو دیکھ کر ہی وجود میں آئے ہیں۔" کوئی سوچ ہوتی اور وہ اس پر نا انڈیلتا، ایسا کہاں ممکن تھا۔ وہ سر جھٹک کے رہ گئی، گویا جتا گئی، کوئی پرواہ نہیں۔

" لگتا ہے یہاں پر کچھ زیادہ دل لگ گیا ہے، واپس جانے کو دل نہیں کر رہا؟" اسے تو لگا تھا واپسی کا سن کے وہ کھل جائے گی، بھاگ بھاگ کے تیاری کرے گی لیکن اس کا ٹھس انداز اسے زچ کر رہا تھا۔

" واپسی کی خوشی تو اسی دن ہو گی جس دن آپ جیسے ہٹلر کا نام میری زندگی سے ہٹے گا، ابھی تو کہیں بھی جاؤں کوئی خوشی نہیں ، ہر جگہ آپ سے نسبت جو موجود ہے۔ " استہزائیہ انداز تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید وہ ایک آدھ ہاتھ اس بات پر جڑ دیتا لیکن اس وقت تو بلاوے کی وجہ سے ذہن منتشر تھا۔ سمبان بھی حویلی میں نہیں تھا، وہ بھی دور تھا، جانے کیا بات ہو گئی تھی حویلی میں کہ اسے جلدی پہنچنے کا حکم چوہدری حشمت کال پر دے چکے تھے لیکن اس کا زچ کر دینے والا انداز بھی ناقابلِ برداشت تھا۔

" جب تک نماز پڑھ کر آؤں ، تم تیار ملو، زبان درازی کا مظاہرہ آپ راستے میں بھی انجام دے سکتی ہیں، کیونکہ ایک اسی علم وہنر سے تو آپ مالا مال ہیں۔" اس پر ایک سرد سی نگاہ ڈال کر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ اور چند سیکنڈز بعد باہر سے دروازے پر تالا ڈالا جانے لگا تو اس کے لبوں پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ نہیں ہاری تھی، نہ ہی واپسی کے لیے اس نے ایڑیاں رگڑی تھیں بلکہ وہ خود چلنے کو کہہ رہا تھا، یہ اس کی ضدی طبعیت کی جیت ہی تو تھی، اور وہ اپنی جیت پر خوش تھی۔

☆☆☆

نکاح ہو چکا تھا۔ آف وہائٹ خوب بھرے ہوئے ڈیزائنر سوٹ میں سستے بازاروں کے کپڑے پہننے والی ماورا ایچ کی چھب ہی نرالی تھی۔ نکاح کے بعد پُر تکلف کھانا ہوا تھا، جس میں ان گنت ورائٹی اس بات کی گواہ تھی کہ چوہدری جہانگیر کتنے خوش تھے۔ اتنے مختصر وقت میں ایک ناممکن تقریب کو انہوں نے اتنے خوش اسلوبی سے ترتیب دیا تھا کہ ایشان جاہ بھی ان کی تیز رفتاری دیکھ کر حیران ہو گیا تھا۔ انوشا اور باقی سب کافی دیر بیٹھے رہے تھے۔ انوشا بس اس کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ جس میں کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ وہ خاموشی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی، مہندی کی لالی نے ان لکیروں میں بھی رنگ بھر دیا تھا جن میں کبھی بد نصیبی جھلکتی تھی۔ سونی کلائیوں میں بھر بھر چوڑیاں، گولڈ کے موٹے موٹے کنگن مخروطی انگلیوں میں دیدہ زیب گولڈ اور ڈائمنڈ کی انگوٹھیاں احساس دلا رہی تھیں کہ وہ پابند ہو چکی تھی۔

یسریٰ اور شفق کی موجودگی میں انوشا زیادہ باتیں نہ کر سکی لیکن اسے دعائیں دے کر لوٹ آئی تھی۔

باہر سے کسی کو مدعو نہیں کیا گیا تھا لیکن جانے کیسے ثناء اور انشراح کو بھنک پڑ گئی تھی اور وہ نکاح مبارک کے شور کے ساتھ رونما ہو گئی تھیں۔ ثناء تو صہبا کے لتے لینے لگی تھیں لیکن چوہدری جہانگیر کو کہیں گراں نہ گزرے اس لیے صہبا انہیں کونے میں لے گئی تھیں لیکن ثناء کی آواز اتنی کم ہر گز نہیں تھی کہ چوہدری جہانگیر اس سے محروم رہتے۔

" تمہارا واویلا بے کار ہے ثنائی، ایشان کی خوشی کے آگے اگر میرا خونی رشتہ بھی ٹوٹے گا تو اپنے بچوں کی خوشی کے لیے مجھے اس پر بھی افسوس نہیں ہوگا۔ انشراح کبھی ایشان کی پسند رہی ہی نہیں تو تمہارا یہ شور کیا معنی رکھتا ہے ....؟" چوہدری جہانگیر کے دوٹوک جواب کے بعد ثناء کو اپنا رکنا سراسر بے عزتی لگی تھی۔

" مجھے ریجیکٹ کیا تب ہی جان گئی تھی، تم گندگی کو ہی اپناؤ گے۔" ایشان جاہ اور ماورا ایچ کے درمیان ایک پل کو رک کے انشراح نے زہر اگلنا ضروری خیال کیا تھا۔

" گیٹ لاسٹ۔" ایشان جاہ کا دھیما لیکن سرد لہجہ انشراح کو پیر پٹخ کے پلٹنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"اس کی طرف سے میں تم سے معذرت کرتا ہوں۔ ذرا تمیز نہیں ہے اسے بات کرنے کی۔" ایشان جاہ، انشراح کے رویے کی ایکسکیوز کر رہا تھا اور ماورا ایچ کے چہرے پر دھیمی سی استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ کل تک وہ اس سے گئی گزری زبان اس کے لیے استعمال کرتا تھا اور آج انشراح کے جملے پر معافی کا طلب گار تھا۔ وقت کیسی کیسی کروٹ لیتا ہے۔ وہ بھی اس کی مسکراہٹ سے جان گیا تھا تب ہی کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔

وقت کی چال کا تو وہ خود شکار ہو گیا تھا اسے نیچا دکھانے کا کھیل کھیلتے خبر ہی نہ ہوئی کب وہ خود راہ کی دھول ہو گیا۔

سب جا چکے تھے۔ صہبا کو بیٹے اور شوہر کی پسند اچھی نہیں لگی تھی اور ساری زندگی چوہدری جہانگیر کی ہاں میں ہاں ملانے والی اس بار تھوڑی سی ناپسندیدگی دکھا کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھیں۔ نرمین کو ماورا سے کچھ خاص لینا دینا نہیں تھا، بھابی لانے کے لیے اس نے کسی کو پسند نہیں کر رکھا تھا۔ ماورا کی جگہ بھلے کوئی بھی ہوتی اسے کوئی

فرق نہیں پڑتا تھا۔ ناہی بھابی سے کوئی خاص لگاؤ تھا کہ وہ اس سے لگ کے باتیں کرتی رہتی۔ مہمانوں کے بعد وہ بھی آرام کرنے جا چکی تھی۔

ملازم بھی سونے جا چکے تھے۔ کسی کام سے لاؤنج کی طرف آتے ایشان جاہ چوہدری جہانگیر کو صوفے پر پیشانی کو دباتے دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔ اتنی رات گئے وہ یہاں کیوں بیٹھے ہوئے تھے۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ڈیڈ.....؟" وہ پیچھے سے آکر ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔ ایسے والد محترم، جنہوں نے راتوں رات بیٹے کی پسند کو نکاح میں باندھ دیا تھا۔ وہ تو پہلے ہی باپ کی محبت پر نازاں رہتا تھا، اب تو اس میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

"ایشان.....!" پیشانی پر سے ہاتھ ہٹاتے انہوں نے اس کی موجودگی کو محسوس کرتے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ سامنے آگیا۔

"آپ ٹھیک ہیں ڈیڈ....؟" وہ تشویش سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا۔ آؤ بیٹھو۔" ہاتھ تھام کر انہوں نے اسے ساتھ بٹھا لیا تھا۔

"اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو، تمہیں تو ماورا کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔" چوہدری جہانگیر کے کہنے پر وہ ایک دم سے جھینپ گیا تھا۔

"آپ کو یہاں اس طرح بیٹھے دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے لگا کہ شاید آپ میری وجہ سے کسی بڑی مشکل میں آگئے ہیں اور اب اسی کو لے کر پریشان ہیں۔ اچانک نکاح حویلی میں کسی کو خبر نہ کرنا، داجان کو بتانا، بتائے اتنا بڑا اسٹیپ..... شاید میری وجہ سے آپ کسی بہت بڑی مشکل کا شکار ہو گئے ہیں۔" ایشان جاہ کو بہت اچھے سے احساس تھا کہ جس نکاح کو چوہدری جہانگیر نے بہت آسان بنا دیا تھا اس کی صفائی سب کے سامنے دینا ان کے لیے کتنا مشکل کام ہو گا۔ اس کے خدشوں اور اندیشوں پر چوہدری جہانگیر بچوں کی طرح مسکرائے تھے۔ اور یہ مسکراہٹ بھی چند خوش قسمت لوگوں کو دیکھنا نصیب ہوتی تھی، جن میں ایشان جاہ سر فہرست تھا۔

"تم خوش ہو نا اس نکاح کے بعد سے؟" اس کا ہاتھ تھپتھپاتے وہ دوستوں کی طرح استفسار کر رہے تھے۔

"یس ڈیڈ!" سچ تو اس کے چہرے پر درج تھا۔

"بس تو پھر خوش رہو، یہ تو ایک سیدھے سجاوز سے نکاح کا معاملہ تھا اگر کوئی مشکل مرحلہ ہوتا تو تمہاری خوشی کے لیے میں وہ بھی کر گزرتا۔ حویلی، بابا جان۔ تم کسی چیز کے بارے میں مت سوچو۔ حویلی والوں کو میں دیکھ لوں گا۔" محبت سے ذکر کرتے حویلی کے ذکر پر ان کا لہجہ عجیب سا ہو گیا تھا۔

"میں صبح ہی حویلی کے لیے نکل رہا ہوں، اب تک نکاح کی خبر بابا جان تک پہنچ گئی ہو گی۔ ان سے مل کے بات کرنی ہے۔ کل تم سب کو لے کر حویلی چلے آنا، نرمین اور سمہان کا نکاح بھی کروا کر ہی اب کے لوٹوں گا۔ بہت ہو گئی حویلی والوں کی من مانی۔ میرے بچوں کی خوشی کی راہ میں جو کوئی آئے گا، اسے بخشوں گا نہیں۔ جہانگیر کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں تھا لیکن اپنے بچوں کے لیے میں ہوں۔" لہجہ سرد ہو چلا تھا۔ زمانے بھر کی کڑواہٹ تاثرات کا روپ دھار کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔

"کیا ہوا تھا ڈیڈ آپ کے ساتھ؟" ایشان جاہ کو سن کے عجیب سا لگا تھا۔ وہ بہت اجنبی سے لگ رہے تھے۔

"کچھ نہیں۔ تم ماورا کے پاس جاؤ، اسے بھی بتا دو کہ حویلی جانا ہے اور دن میں اسے اچھے سے شاپنگ کروا دینا، میں نہیں چاہتا، میری بہو حویلی میں کسی سے بھی کم لگے۔"

"جی ڈیڈ۔" فرماں برداری سے ہامی بھر گیا تھا۔

"اب سے تمہارا سارا وقت ماورا کے لیے ہونا چاہیے۔ اسے کسی قسم کی شکایت نہ ہو تم سے، بالفرض تم سے کوئی کوتاہی ہوئی تو شاید میں تمہاری کلاس بھی لگا دوں۔ اس لیے دھیان رکھنا کہ ماورا کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ منزہ کو جیتے جی ہم یہ خوشی نہ دے سکے، لیکن ماورا کو بہت خوش رکھنا۔" چوہدری جہانگیر اپنی سرد نظریں اس پر گاڑ گئے تھے۔ کلاس والی بات پر وہ ایک پل کو ٹھٹھکا تھا لیکن اگلے ہی پل منزہ کے تذکرہ پر اسے بھی احساسِ ندامت نے جکڑ لیا تھا۔

"میری فلائٹ میں وقت ہے ابھی، تم بھی جا کے آرام کرو۔ میری باتیں یاد رکھنا۔ کوئی شکایت کا موقع نہ دینا۔" اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالتے وہ تنبیہی لہجے میں کہتے لاؤنج سے نکل گئے تھے۔

☆☆☆

اپنے کمرے کے دروازے تک آتے وہ عجیب سی جھجک کا شکار تھا۔ نکاح کے بعد ماورا ایجی کو اس کے کمرے میں لے آیا گیا تھا، گو کہ باقاعدہ رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن ماورا کی اس کے کمرے میں موجودگی اور چوہدری جہانگیر کا اسے وقت دینے پہ اصرار، شکوے کا موقع نہ دینے پر تنبیہ، بہو کی حیثیت سے حویلی میں تعارف، یہ تمام باتیں اشارہ کر رہی تھیں کہ وہ اس کی زندگی اور گھر میں اہمیت حاصل کر گئی ہے۔ صبا اور نرمین کا انداز گزارے لائق تھا اور اسے کوئی خاص پروا بھی نہیں تھی، اس نے جو خواہش کی باپ نے اسے جھٹ اس کے نام لکھ دیا، اس کے لیے یہی بہت تھا۔

کمرے میں داخل ہوا تو وہ انہی بھاری کپڑوں میں نیم دراز نظر آئی۔ لاک کی آواز اور اس کی آمد پر ماورا سیدھی ہو گئی تھی۔ سر پہ سیٹ کیا ہوا دوپٹا کھل کر اب شانوں پر آ گیا تھا۔ ہیئر اسٹائل کو کھول کر ہلکے سے کیچر میں قید کر دیا گیا تھا لیکن دلہناپے کی جھلک بدستور موجود تھی۔

" تم نے چینج نہیں کیا ابھی تک ؟" یقیناً وہ ایزی محسوس نہیں کر رہی ہو گی اس خیال سے وہ استفسار کر گیا۔ دل میں کہیں خوش فہمی بھی تھی کہ بنا روپ اجاڑے وہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔

" وارڈ روب میں ایک بھی زنانہ سوٹ نہیں ہے۔ میرا بیگ اسی روم میں ہے جس میں رُکی ہوئی تھی۔ کئی بار کوشش کی کہ جا کے اپنا بیگ لے آؤں لیکن جانے آپ کی فیملی کیا خیال کرے یہ سوچ کر بیٹھی رہ گئی، پھر مجھے یہاں کے راستوں کا تعین بھی نہیں تھا کہ کس راستے سے گزر کے میں اس کمرے تک جا سکوں گی۔" اس کے مفصل جواب نے اس کی ساری خوش فہمی دھری کی دھری رکھ دی تھی۔

" ناحق اتنی دیر بے سکون رہیں، کسی سے کہہ دیا ہوتا بیگ لانے کو۔"

"کس سے کہتی....؟ کوئی روم میں آیا ہی نہیں۔ آپ بھی ابھی تشریف لائے ہیں۔" کل تک تم کہہ کر مخاطب کرنے والی آج آپ کہہ رہی تھی جانے نکاح کے بعد یہ عزت دینے کا انداز تھا یا وہ طنزیہ فرما رہی تھی۔ ایشان کو سمجھ نہیں آیا۔

"میں لا دیتا ہوں بیگ۔" وہ خدمت کے لیے جلدی سے تیار ہو گیا۔

"کیا مجھے یہاں رہنا ہے؟" وہ شاید خود جا کے چیزیں لینا چاہ رہی تھی لیکن اس سے پہلے مقام کا تعین کرنا بھی ضروری تھا۔

"یہاں کوئی مشکل ہے؟" وہ الٹا استفسار کرنے لگا تو وہ سپاٹ تاثرات سے گردن نفی میں ہلا گئی۔

ایشان جاہ بیگ لے آیا تھا۔ آرام دہ سوٹ نکال کر وہ تبدیل کر آئی تھی۔ میک اپ بھی اتر گیا تھا۔ دھلے منہ اور اپنے گھسے ہوئے سوٹ میں وہ پرانی ماورا لگنے لگی تھی جو سونے کے لیے نظروں ہی نظروں میں جگہ کا انتخاب کر رہی تھی

۔

"تم بیڈ پر سو جاؤ میں کہیں اور جگہ بنا لوں گا۔" وہ اس کی الجھن سمجھ گیا تھا۔ جو کچھ ہوا اتنا اچانک تھا کہ دونوں کو ہی اس رشتے کو سمجھنے کے لیے وقت درکار تھا۔ ابھی تو ماورا کا ایک دم سے ہاں کر کے اسے بلانا بھی ناقابلِ فراموش واقعہ لگ رہا تھا، مزید یہ کہ وہ اس کا محرم بن بیٹھا تھا۔

"مجھے اتنے نرم بستر پہ سونے کی عادت نہیں ہے، میں سیٹی پہ سو جاؤں گی۔" کہتے کے ساتھ ہی وہ سیٹی کو رونق بخش چکی تھی۔

"بے آرامی رہے گی۔" اسے اچھا نہیں لگا۔

"نہیں رہے گی۔ آپ میری فکر نہ کریں۔" وہ لیٹ کر دوپٹا اپنے اوپر کر گئی تھی۔

"دن کو شاپنگ پر چلنا ہے میرے ساتھ، اپنی ضرورت کی ساری چیزیں لے لینا۔ پھر کل ہم حویلی جائیں گے۔ میرا دو ھیال ہے، سب سے ملوانا ہے تمہیں۔" وہ اس کے علم میں اضافہ کر رہا تھا یا بات برائے بات کے لیے کوئی موضوع درکار تھا وہ خود نہ جان سکا۔

" بہتر۔" وہ جواب دے کر سر تک دوپٹا تان گئی تھی۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا لیکن اس کے چہرے پر خوشی کا کوئی رنگ ایشا ن جاہ کو نظر نہیں آیا تھا۔ بناحیل حجت کے سپاٹ تاثرات سے وہ ہاں میں ہاں ملاتی اسے حیران کر گئی تھی۔

☆☆☆

رات کے نشانات ابھی باقی تھے لیکن ان کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ زندگی میں چند دن کھل کے گزارنے کے بعد وہ سب ایک بار پھر حویلی کا سفر کرنے پر مجبور تھے۔ جہاں سے چلے تھے، لوٹ کر تو نہیں جانا تھا۔ اچانک بلاوے پر عیشال چپ سی ہو گئی تھی، دل میں چور تھا تو بس یہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں بات تو نہیں کھل گئی۔ اسی باعث تو پیشی نہیں ہونے جا رہی۔

جب تک حویلی نہیں پہنچ جاتی تب تک مختلف ابہام کو پالتے سفر کرنا تھا۔ فائزہ فرنٹ سیٹ ایزی کر کے لیٹ سی گئی تھیں تاکہ پیچھے دونوں بھی سہولت سے سفر کریں۔

اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ندا نے دو ایک بار اسے دلاسا دیا تھا پھر وہ بھی راستے کی تاریکی سے تنگ آ کے آنکھیں موند گئی تھی۔ جو ہونا تھا وہ تو طے تھا۔ اسے سوچ سوچ کر ذہن جو ادھ موا ہوا جا رہا تھا اس کا کوئی حل اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ کانچ میں گزارے وقت کی خوبصورت یادیں لیے وہ سمبان پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ وہ بظاہر سڑکوں پر نظریں جمائے ڈرائیو کر رہا تھا لیکن اس پر بھی برابر نظر ڈال رہا تھا۔ اس کی اداسی، اس کی خاموشی محسوس کر رہا تھا، چند دنوں میں وہ جتنی خوش نظر آئی تھی، یہ سب دیکھ کر اسے ہمیشہ خوش رکھنے کا عزم بڑھ گیا تھا لیکن ابھی امتحان سے بھی گزرنا تھا، بلاوے کے مفہوم سے اسے بھی لاعلم رکھا گیا تھا۔ بلاوا کسی بھی حوالے سے تھا، یہ وقت تو آنا ہی آنا تھا۔ وہ شدت سے جلد آنے کا منتظر بھی تھا جو ہونا تھا وہ ہو جاتا، کم از کم اس ابہام کی کیفیت کا خاتمہ ہو جاتا۔

پیچھے بیٹھی وہ خاموش تھی لیکن اس کی آنکھوں کی ٹکٹکی اس پر لگی ہوئی تھی۔اس کی فکر مندی پر ایک مسکراہٹ دے کر اس نے موڈ چینج کرنا چاہا تھا لیکن وہ جواباً مسکرا بھی نہ سکی۔فائزہ اور ندا کی موجودگی میں بات تو نہیں ہو سکتی تھی ۔تب ہی سمہان نے اسٹیئرنگ کو ایک ہاتھ سے سنبھال لیا تھا۔سیل فون تھام کر انگلیاں تیزی سے ٹیکسٹ ٹائپ کرنے لگی تھیں۔سینڈ کے آپشن کو کلک کرتے اس کی نظریں ونڈ اسکرین پر جم گئی تھیں۔گود میں رکھے فون کی اسکرین کو جلتے دیکھ کر عیشال جہانگیر نے میسج دیکھا تھا۔

"میری زوجہ محترمہ پر یہ اداسی کا رنگ ذرا سوٹ نہیں کرتا ہے۔کیونکہ جب ہماری محترمہ اداس ہوتی ہیں تو میرا دل پریشان ہو جاتا ہے،اس لیے اس بے چارے دل پر تھوڑا سا رحم کرو اور مسکراؤ ، ڈیل پکی کرو گی تو راستے سے آئسکریم بھی کھلاؤں گا۔"

اداسی اور سنجیدگی کے باوجود اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی،ساتھ ہی آنکھ سے نکلا بوند سیل فون کی اسکرین کو نم کر گیا تھا۔

"ڈیل ڈن ہے لیکن میرا نام محترمہ نہیں ہے جناب،مجھے میرے اصل نام سے لکھا اور پکارا جائے۔" گالوں سے نمی سمیٹتے اس نے جواب بھیج دیا تھا۔

"اور کوئی حکم....؟" رخساروں پر پھیلی نمی کو محبت سے دیکھتے سوال ہوا تھا۔اس کے کہے پر مسکرا دی تھی۔انگلیاں سیل فون پر چل رہی تھیں۔اب سفر اچھا گزرنے والا تھا۔

☆☆☆

"ہمیں جہانگیر سے اس گستاخی کی امید نہیں تھی۔" چوہدری حشمت غصے سے ٹہل رہے تھے۔

"جانے آپ نے اس کی طرف سے کون سی خوش گمانی پال رکھی ہے۔اس نے کب ہمیں اپنے کسی عمل سے خوشی دی.....؟ہمیشہ ہماری امیدوں کے برخلاف ہی کیا ہے سب کچھ۔" زمرد بیگم ان سے زیادہ بھری بیٹھی تھیں۔

" منزہ کی بیٹی سے ایشان کا نکاح.....؟ سوچ سوچ کر ہی ہمارا خون کھول رہا ہے۔"

" کسی نہ کسی طرح تو اس نے اپنی ناکام حسرتوں کو پورا کرنا ہی تھا نا۔ خود نہ کر سکا تو بیٹے کی کروادی اس بد بخت کی بیٹی سے۔" زمرد بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہیں سے منزہ ان کے سامنے آجائیں اور وہ سارے حساب بے باق کر دیں۔

" مر چکی ہے وہ۔ مت بولو اب اس کے لیے کچھ برا۔" چوہدری حشمت کا لہجہ کہیں نہ کہیں دھیما ہو گیا۔

" وہ تو اب مری ہے، حویلی میں تو اس نے سالوں پہلے بین ڈال دیئے تھے، اسی کا بھگتان تو ہماری نسلیں بھگت رہی ہیں۔ ہم آپ سے کہہ رہے ہیں چوہدری جی۔ آپ جہانگیر سے کہہ دیجیے کہ وہ منزہ کی بیٹی کو ہماری حویلی میں نہ لائے، اپنے شہر والے محل میں رکھے، اس کی بیٹی یہاں آئی تو مجھے عیشال کا دکھ پھر سے مہینوں رلائے گا۔" زمرد بیگم نے دکھی ہو کر دو ٹوک لہجے میں کہا تھا۔

" صبح تک اکیلا پہنچے گا جہانگیر، باقی سب کو ایشان کل لے کے پہنچے گا۔" انہوں نے چوہدری جہانگیر کے پروگرام سے آگاہ کیا۔

" کل ہو یا پرسوں۔ منزہ کی بیٹی کے لیے ہماری حویلی میں کوئی جگہ نہیں ہے، آپ جہانگیر کو اچھی طرح سمجھا دیجیے۔" لہجہ اٹل تھا۔

" کیسی بات کر رہی ہیں بیگم۔ جہانگیر سمہان اور نرمین کا نکاح ساتھ کروا کے جائے گا، اب ایسے میں اپنی بہو کو کہاں چھوڑے گا؟"

" یعنی آپ نے اس ڈائن کی بیٹی کو بہو کا درجہ دے دیا۔ بہت افسوس کی بات ہے چوہدری جی۔" سمہان اور نرمین کے نکاح والی بات پر ایک پل کو ٹھٹھک کے زمرد بیگم نے گلہ کیا تھا۔

" تسلیم نہیں کیا لیکن اس مسئلے سے کیسے نکلیں، یہ سمجھ نہیں آرہا۔" چوہدری حشمت پریشان نظر آرہے تھے۔

" آپ کے بیٹے نے کچھ سمجھنے، سمجھانے لائق راستہ چھوڑا ہی کہاں ہے۔ یہ تو اس نے چالاکی ہی ایسی کی کہ نکاح سے پہلے ہوا نہیں لگنے دی۔ اجازت لینا اور بیٹے کے نکاح میں شریک کرنا تو دور کی بات ہے۔ عادت جو رہی ہے ہمیشہ

سے اپنی من مانی کرنے کی۔ پہلے اپنے لیے کرتا رہا ہے اور اب اپنے بیٹے کے لیے..... جب بیٹے کی باری میں اس نے ہمیں اہمیت نہیں دی تو بیٹی کے لیے حویلی اور سمہان کی پخ کیوں ڈالی ہوئی ہے، ڈھونڈ لے ونہیں شہر میں کوئی شہری داماد، شہری بہو کی طرح، اپنے سمہان کے لیے ہم حویلی میں ہی کوئی لڑکی دیکھ لیں گے۔" غصہ تو زمرد بیگم کو بھی تھا بلکہ چوہدری حشمت سے کہیں زیادہ تھا۔ منزہ کی بیٹی کو بہو کے روپ میں سوچ کر ہی خون ابلنے لگتا تھا۔ لگے ہاتھوں انہوں نے سمہان اور عیشال کا مقدمہ بھی لڑنے کی کوشش کی۔

"نہیں سمہان کے لیے تو ہم جہانگیر کو زبان دے چکے ہیں۔ ابھی تو بس اس مسئلے سے کسی طرح نکلنا ہے۔ کسی طرح منزہ کی بیٹی سے چھٹکارا حاصل کر کے اسے ایشان کی زندگی سے دور کرنا ہے۔"

"زندگی رہی تو ہم بھی دیکھ لیں گے آپ بھی دیکھ لیجیے گا، کیسے آپ کا بیٹا ایسا ہونے دے گا۔ اپنا کوا اسے کبھی کالا نظر نہیں آتا۔" وہ جلی بیٹھی تھیں۔

"آپ کا بیٹا، آپ کا بیٹا۔ یہ بڑا ہی نامعقول انداز ہے آپ کا زمرد بیگم جہانگیر کے لیے، وہ ہمارا نہیں، آپ کا بھی بیٹا ہے، آپ کے انداز سے تو ہمیں یوں لگتا ہے جیسے جہانگیر ہماری دوسری تیسری بیوی سے ہوا ہو۔ خار آپ ایسا ہی کھاتی ہیں اس سے۔"

چوہدری حشمت کو ہمیشہ سے ان کا انداز جہانگیر کے لیے سخت محسوس ہوتا تھا۔ جس کا انہوں نے برملا اظہار بھی کر دیا۔

"کاش کے ہوتا کسی سوکن کا بیٹا، تب تو برا بھلا بول کے کلیجہ ٹھنڈا کر لیتی لیکن افسوس تو اسی بات کا ہے کہ میری ہی کوکھ سے نکلا بیٹا ماں کا کلیجہ چھلنی کر گیا۔ ہمیشہ سے غلط کیا ہے اس نے۔ جب کبھی ممتا کا دل اس کی طرف ہمکتا ہے، صائقہ کی بے بسی اور عیشال کی محرومیاں پھر سے میرا دل سخت کر جاتی ہیں۔ کیسے بھول جاؤں کہ ایسا خود غرض بیٹا بھی میں نے ہی جنم دیا ہے۔" زمرد بیگم دکھی ہو کر آبدیدہ ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

" پہلے کون سی ٹینشن تھی فریال؟ اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک تو چل رہا تھا۔" دیا کی نظریں سوالیہ ہو گئی تھیں۔ فر یال گڑبڑا کر اپنی

بے اختیاری کو کوس کے رہ گئیں۔

" یہی سمہان اور عیشال کا نکاح جو طے تھا بھابی۔" انہوں نے بات سنبھالی۔

" ہوں۔ جہانگیر اس اعلان کے ساتھ آرہے ہیں کہ کل صہبا اور باقی سب آئیں گے اور وہ نرمین اور سمہان کا نکاح کروا کر ہی جائیں گے۔ تم سے کوئی بات نہیں ہوئی.....؟ تم تو ماں ہو سمہان کی۔" انہیں کسی قدر حیرانگی ہوئی۔

" اسفند کچھ دیر قبل ہی سفر سے لوٹیں ہیں بھابی، آتے ہی بابا جان کے حجرے میں گئے تھے، بی جان بھی وہیں ہیں۔ ممکن ہے اس حوالے سے کوئی بات ہوئی ہو، اسفند یا بی جان سے میری کوئی بات نہیں ہو سکی اس حوالے سے۔" وہ متفکر تھیں۔ بیٹا، بہو کچھ وقت ساتھ بتانے کا جب سے کہہ کر گئے تھے، ان کا ہر پل دعا میں گزرنے لگا تھا کہ وہ دونوں ہمیشہ ساتھ رہیں۔ ابھی ایک معاملہ طے نہیں ہوا تھا کہ یہ دوسرا قصہ کھل گیا تھا، جانے اس قصے کے کیا اثرات مرتب ہوتے۔ وہ متفکر تھیں۔

☆☆☆

" اب کیا ہوگا اسفند..... کیا بات ہوئی آپ کی بابا جان سے؟" چوہدری اسفند کمرے میں آئے تو فریال بے چینی سے دریافت کرنے لگیں۔

" اس وقت تو بابا جان جہانگیر بھائی کی حرکت پر شدید برہم ہیں۔ آتے ہوئے تو یہی سوچتا آیا تھا کہ جاتے ہی سمہان اور عیشال کے نکاح کی بات بابا جان کے سامنے کھول دوں گا لیکن بابا جان کے غصے کو دیکھ کر میں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ یہ نہ ہو جہانگیر بھائی کا غصہ ہمارے بیٹے، بہو پر اتر جائے۔ اسی بات کا خیال کر کے چپ رہ گیا۔

" جہانگیر بھائی کی پوری فیملی کل آ رہی ہے اور وہ نرمین اور سمہان کا نکاح کروا کر ہی لوٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" فریال نے دھڑکتے دل سے معلومات پہنچائیں۔

" نرمین اور سمہان کا نکاح، لاحول ولا قوۃ۔ عیشال ہماری بہو بن گئی ہے، اب کسی نرمین کی گنجائش ہی کہاں نکلتی ہے۔ آجانے دو سب کو، اچھا ہے سب کے سامنے بات کھلے۔ سوچا تو تھا کہ زیادہ تماشا نہ بنے لیکن جہانگیر بھائی نے گڑے مردے اکھاڑ کے جو تماشا لگایا ہے اس پر تو لگ رہا ہے رج کے تماشا ہوگا۔" چوہدری اسفند کا انداز پر سوچ تھا۔

" مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے اسفند، سچ کھلنے کے بعد جانے سب کا کیا ری ایکشن ہو۔ میرے بیٹے، بہو کا دل نہیں ٹوٹنا چاہیے اسفند۔ ان کا دل ٹھنڈا رہے بس۔" فریال آبدیدہ تھیں۔

" پریشان نہ ہو، اپنے بیٹے، بہو کی خوشی کے لیے ہر حد تک جاؤں گا۔ جب جہانگیر بھائی اپنے بیٹے کے لیے حویلی والوں کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک سکتے ہیں تو مجھے کیا پڑی ہے ان کے الٹے سیدھے فیصلے ماننے کی۔ جب انہوں نے بڑا پن نہ دکھایا تو حویلی والوں سے کوئی بھی امید رکھ کے اپنی بیٹی کا میرے سمہان سے نکاح کے لیے پوری فیملی کو اٹھالانا چہ معنی دار۔ میرے لیے بھی اپنے بیٹے کی خوشی سب سے اہم ہے۔" چوہدری جہانگیر کی خود غرض طبیعت ایک بار پھر سب کے سامنے انہیں بہت چھوٹا کر گئی تھی۔ اسفند اپنے بیٹے کا مقدمہ لڑنے کے لیے بالکل تیار تھے۔

" کب تک پہنچ رہا ہے سمہان، ہماری بہو اور باقی سب؟" اسفند کی نظریں سوالیہ ہوئیں۔

" بس پہنچنے ہی والا ہوگا سب کو لے کے۔ شاہ کو بھی کال کر دی تھی بابا جان نے، دیا بھابی کی بات ہوئی تھی کچھ دیر قبل شاہ سے۔ شاہ اور شنائیہ بھی نکل چکے تھے حویلی کے لیے۔

" ہوں۔ تب تک جہانگیر بھائی بھی پہنچ جائیں گے، دیکھتے ہیں، پہلے یہ سب پہنچتے ہیں یا بھائی صاحب۔"

ہنکارا بھر کے چوہدری اسفند پر سوچ انداز اختیار کر گئے تھے۔ فریال تھکے، ہوئے انداز میں ٹیک لگا گئی تھیں۔

☆☆☆

سورج کا کچھ اتا پتا نہیں تھا۔ ٹھنڈ اور اسموگ کی وجہ سے سفر کتنا کٹھن تھا یہ مسافر ہی جانتے تھے۔ محتاط ڈرائیو کے باوجود وہ کافی جلدی حویلی پہنچ گئے تھے کہ واپسی کا سفر تو یوں ہی جلدی کٹ جاتا ہے۔

"شکر الحمدُللہ! سفر بخیر و خوبی اپنے انجام کو پہنچا اور ہم سب اپنی منزل کو لوٹ آئے۔" اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترتی فائزہ نے شکرانہ کلمات ادا کیے۔ دیا اور ندا کے ساتھ عیشال بھی اترنے لگی تھی۔ چوکیدار گیٹ بند کرتے رُکا تھا۔ ایک اور گاڑی نمودار ہو چکی تھی۔ اجنبی گاڑی لیکن اس میں شاہ اور شنائیہ کو دیکھ کر سب ہی رک گئے تھے۔

"السلام علیکم! شاہ ان سب تک چلا آیا تھا۔ شنائیہ بھی پیچھے پیچھے تھی۔

"وعلیکم السلام! کیا موقع پر پہنچے ہو تم لوگ۔" فائزہ بیٹے، بہو کو دیکھ کر نہال ہو گئیں۔

"نکلے الگ الگ تھے لیکن پہنچے ساتھ۔ اچھا اتفاق ہے۔ یہ گاڑی کس کی ہے بڑو؟" خوشی کا اظہار کرتے سمہان گلے لگا تھا۔

"ایک قبائلی دوست کی ہے۔ یہ بلاوا کس نوعیت کا ہے؟" وہ جاننے کا خواہاں تھا۔

"کچھ علم نہیں، تمہارے ساتھ ہی ہم بھی داخل ہوئے ہیں۔" سمہان نے شانے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

"تم کیسی ہو بیٹا؟" فائزہ نے شنائیہ کو گلے لگایا۔

"ٹھیک۔" مختصر پیرائے میں جواب دے کر وہ ندا کے بعد عیشال سے بھی مصافحہ کر گئی۔

"اندر چلو۔ اندر چل کے ہی خبر ہو گی کیا معاملہ ہے۔" فائزہ کو بھی کھد بد لگ گئی تھی۔ شاہ کو بھی بلوا لیا گیا تھا مطلب بات کوئی خاص تھی۔

ابھی وہ سب اندر جانے کے لیے قدم بڑھانے ہی لگے تھے کہ زوردار ہارن پر چوکیدار کو ایک بار پھر زحمت کرنا پڑی۔ اسموگ اور گاڑی کی تیز ہیڈ لائٹس میں انہیں کسی کی شکل تو نظر نہیں آئی۔ چوکیدار کے دروازہ وا کرنے پر گاڑی

زن سے داخل ہوئی تھی اور اس میں سے اترتے چوہدری جہانگیر کو دیکھ کے عیشال جہانگیر کا خون خشک ہونے لگا تھا۔ باقی سب بھی ان کی اس بے وقت کی آمد پر حیرت زدہ، معاملے کی سنگینی پر سوچنے کو مجبور ہو گئے تھے۔

"السلام علیکم بھابی بیگم۔ آپ سب یہاں کیا کر رہے ہیں۔" شاہ زر شمعون اور سمہان آفندی سے مصافحہ کر کے سب کے سلام کا جواب دیتے وہ فائزہ کو مخاطب کر گئے۔

"ہم سب مری کاٹیج سے ابھی لوٹے ہیں۔ شاہ اور شنائیہ بھی ابھی ابھی پہنچے ہیں۔ تم اکیلے آئے ہو۔" جواب دے کر سوال کر گئیں۔ مری کاٹیج کا سن کر چوہدری جہانگیر نے ایک سرد نگاہ عیشال جہانگیر پر ڈالی تھی۔

"بہت خوب، تو تفریح ہو رہی تھی۔" انداز استہزائیہ تھا۔

"ارے نہیں۔ کیسی تفریح۔ بچیاں تو وہاں بور ہی ہوتی رہیں۔ سمہان اپنے کام میں مصروف تھا اور میں تو بالخصوص گئی ہی میت کے لیے تھی، میت کے گھر میں کیسی تفریح۔" فائزہ نے سچائی بتائی۔

"اسے ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔" انگلی سے عیشال کی طرف اس تضحیک آمیز لہجے میں اشارہ کیا گیا کہ عیشال جہانگیر کی کنپٹی سلگنے لگی۔ سب کے سامنے چوہدری جہانگیر کا انداز عیشال کے لیے سب ہی کو کھلا تھا لیکن وہ چھوٹے تھے۔ کچھ کہنے کے مجاز نہ تھے۔

"عیشال کو اپنی شادی کا جوڑا لینا تھا وہاں سے، اور ندا بھی ساتھ تھی تو، ایک سے بھلی دو تھیں۔" فائزہ نے بات بنائی۔

"خیر میں بابا جان سے بات کر لوں گا۔ آئندہ سے اسے کہیں بھی آنے جانے کی اجازت دینے سے پہلے، میرے نوٹس میں بھی بات لائی جائے، کل کو کچھ الٹا سیدھا کر کے ہماری عزت رول گئی تو یہ تو مر کھپ جائے گی۔ اسے کہیں نہ کہیں حویلی میں ہی گاڑ دیں گے لیکن ہماری جو بدنامی ہو گی، اس کا کیا۔" بے رحمانہ انداز، سفاکیت سے پر لہجہ۔ عیشال کے حواس سن ہو گئے تھے۔

"میری رگوں میں دوڑتا خون بھلے آپ کا ہو لیکن اس میں وفاداری کا رنگ میری ماں کا ہے جو ایک نام لے کر ہی منوں مٹی تلے جا سوئی۔ بے فکر رہیں، ولدیت کے خانے میں درج آپ کے نام سے زیادہ، مجھے اپنی ماں کی تربیت کی پروا رہتی ہے۔"

ان کی بات گالی کی طرح لگی تھی۔ سب ہی دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"تمہیں بھی تمہاری ماں کے برابر دفن کروں گا، فکر نہ کرو۔" سمہان آفندی سے ضبط محال ہو رہا تھا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہو گی۔" عیشال جہانگیر کی استہزائیہ ہنسی چوہدری جہانگیر کو سا گا گئی۔

"دیکھتے ہیں۔" کڑی نگاہ ڈال کر چوہدری جہانگیر کا رخ یقیناً چوہدری حشمت کے حجرے کی طرف ہو گیا تھا۔ سب کی ترحم بھری نظریں اس پر اٹھی تھیں تو افسوس بھری نگاہ چوہدری جہانگیر کی پشت پر جم گئی تھی۔

"تم ہی کچھ خیال کر لیا کرو عیشال، اس کی تو عادت ہے کڑوا بولنے کی۔" فائزہ نے سرزنش کے ساتھ بہلانا ضروری خیال کیا۔

"جنہیں اپنے رشتے اور لفظوں کی حرمت کا خیال نہیں۔ میں ان کا خیال رکھ کر کیا کروں گی تائی جان اور آپ اپنے جملے کی تصحیح

کر لیں۔ صرف میرے ساتھ کڑوا بولنے کی عادت ہے انہیں۔" وہ تلخی کا اظہار کر گئی۔

شنائیہ کے لیے یہ منظر خاصہ حیران کن تھا، وہ حویلی میں نہیں رہتی تھی۔ عیشال، جہانگیر کی بیٹی ہے، اس حقیقت سے وہ بھی واقف تھی وہ اپنی شہری بیوی بچے میں خوش تھے لیکن عیشال جہانگیر کے لیے ان کے الفاظ و انداز نے اسے جھنجوڑ دیا تھا۔ سگا باپ اور ایسے القابات۔ وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا۔

"لگتا ہے حویلی والوں نے بیٹیوں کو پیدا کر کے ان پر کوئی خاص احسان کیا ہے۔" کچھ اپنے والدین کی طرف سے بھری بیٹھی تھی، باقی چوہدری جہانگیر کے تیور دیکھ کر خود کو کہنے سے بعض نہ رہ سکی، شاہ زر شمعون کی سرد نظروں نے سب کی نظروں کا احساس دلایا تو وہ سر جھٹک گئی۔

سمہان آفندی نے سارا کچھ ضبط سے ملاحظہ کیا تھا۔ اسے خوشی دینے کی چاہ تھی لیکن جب ایسے نام نہاد بڑے اس کے سامنے آکر عیشال کو دکھ دیتے تھے تو اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ والد محترم ہونے کا شرف بھی حاصل تھا، بس صرف شرف حاصل کرنے کی حد تک۔

" جہانگیر بھی آئے ہیں، اللہ خیر کرے مجھے تو ہول اٹھ رہے ہیں۔" فائزہ کا دل پریشان ہونے لگا۔

" کوئی خاص بات نہیں ہوگی، آپ پریشان نہ ہوں۔" شاہ زر شمعون انہیں دلاسا دیتے شانوں سے تھام کر اندر لے جانے لگا تھا۔ ندا اور شائیہ کے ساتھ سب نے اندر کی طرف پیش قدمی کی تھی لیکن چند قدم چل کے ہی سمہان آفندی کو رُکنا پڑا تھا۔ عیشال جہانگیر نے پیچھے سے اس کی جیکٹ مٹھی میں بھر کر اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ سب تھوڑا آگے نکل گئے تو وہ سامنے آگئی۔ اس نے جیکٹ نہیں چھوڑی تھی، بس مڑتے ہوئے جیکٹ کی زپ اب اس کے ہاتھ میں آگئی تھی۔

" والد محترم آچکے ہیں۔ فیصلے کی گھڑی آچکی ہے۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے، کسی بھی مقام پر بلیک میل ہونے سے پہلے اتنا یاد رکھنا، میں تم سے کسی صورت دستبردار نہیں ہوں گی۔" سنجیدہ لہجہ، نم پلکیں شاید حویلی کی آب و ہوا میں ہی نمی گھلی ہوئی تھی جو داخل ہوتے ہی دھند اس کی آنکھوں میں آسمائی تھی۔ لب دانتوں سے کچلتے اس نے محبت سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ جیکٹ کو پکڑے اس کے ہاتھ پر اس کا ہاتھ خود بخود آپڑا تھا۔

" تم دستبردار ہونے کی کوشش بھی کرو گی تو اب کے میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔ امتحان کا دور تو تمہاری محبت کو جھٹلاتے اسی حویلی میں گزر گیا۔ اب تو نتائج کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ پریشان نہ ہو، تمہارے ساتھ ہوں۔" اس کے ہاتھ پر نرمی سے دباؤ ڈال کر آگے چلنے کا اشارہ کیا تھا۔

" ساتھ ہی رہنا سایہ بن کے۔" گردن موڑ کے اسے دیکھتی وہ باور کرا رہی تھی۔

" ان شاء اللہ!" وہ مسکرا دیا تھا۔ اتنے اعصاب شکن ماحول میں بھی اس کی مسکراہٹ اس میں زندگی کی لہر دوڑا دیتی تھی۔

☆☆☆

ان سب کو قافلے کی صورت داخل ہوتے دیکھ کر سب نے متفکر چہروں کے ساتھ خوش آمدید کہا تھا۔ چوہدری جہانگیر کو لمبے ڈگ بھرتے چوہدری حشمت کے حجرے میں جاتے دیکھ کر سب ہی سہم سے گئے تھے۔

" کوئی تماشا شروع ہو اس سے پہلے سب کو ناشتا کروا دیتے ہیں، سب سفر سے لوٹے ہیں۔" دیا کی نظریں شنائیہ پر تھیں جو ان سے روکھے انداز میں مل کے ایک طرف کو ہو گئی تھی۔ ماحول ایسا بنا ہوا تھا کہ لڑکیاں اسے لوٹ آنے پر بنی مون کا حوالہ دے کر چھیڑ بھی نہ سکی تھیں۔

" ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابی بیگم۔" فریال کی نظریں سمہان اور عیشال پہ گڑی ہوئی تھیں، جانے کیا ہونے والا تھا۔ چند دن حویلی سے دور رہ کر ان کے چہرے کھل گئے تھے۔ ان کے کھلے چہرے دیکھ کر ان کی آنکھیں ڈبڈبانے لگی تھیں۔ سب کا لحاظ نہ ہوتا تو وہ انہیں گلے لگا کر خوب زور سے رو کر نی ہلکا کر لیتیں لیکن سب کی موجودگی میں ایسا ممکن کب تھا۔ انہیں ضبط کرنا تھا۔

" تم جا کے ملازموں کو ہدایت دو میں آتی ہوں۔" شنائیہ کو اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھ کر دیا نے انہیں کہا تو وہ سر ہلا کر کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

" تم کیوں اتنی چپ چپ ہو؟" زرش عیشال سے دریافت کر رہی تھی۔

" سفر کی تھکن ہے شاید۔" وہ پھیکے سے مسکرائی تھی۔

"آپ سب فریش ہو جائیں۔ تب تک ناشتا بھی تیار ہو جائے گا۔" شاذمہ نے بڑے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔ سب ہی فریش ہونے جا رہے تھے۔

☆☆☆

دیا کا تو خیال تھا ہنی مون سے کھلے چہرے کے ساتھ لوٹے گی۔ لیکن وہ تو پہلے سے کہیں زیادہ فیڈ اپ لگ رہی تھی ۔یوں لگ رہا تھا۔ سوتے میں سے اٹھ کر ان ہی کپڑوں میں آ گئی ہو۔

" تم ٹھیک نہیں لگ رہیں۔" دیا کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ انہیں وارڈروب کے سامنے کھڑی نظر آئی۔ غالباً فریش ہو کر چینج کرنے کا ارادہ تھا۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟" ان کی آواز پر وہ ایک لمحے کے لیے گردن موڑ کر متوجہ ہوئی تھی۔ الٹا سوال کر کے دوبارہ سر دیے کھڑی ہو گئی۔

"اتنے دنوں بعد لوٹی ہو، ماں، بہن سے ٹھیک طرح ملی بھی نہیں۔ نہ اپنے پپا کا پوچھا۔" اس کی ناراضگی محسوس ہو رہی تھی۔

"کون سا مہینوں الگ رہی ہوں، اب تو آ گئی ہوں، مل لوں گی آرام سے۔ اور پپا بھی ٹھیک ہوں گے، جب ماں ڈاکٹر ہے اور پپا اپنوں کے درمیان حویلی میں ہیں تو مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" انداز نارمل ہی تھا لیکن دیا کو لگا وہ بہت تنہا سی ہو گئی ہے، وارڈروب میں سر دیئے۔ تاثرات چھپا رہی ہے، تب ہی اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر پٹ کھلے چھوڑ کر اسے اپنے ساتھ بٹھا کر اس کے دونوں ہاتھ تھام گئیں۔

" مجھے تو لگا تھا تم خوشی خوشی لوٹو گی لیکن تم تو پہلے سے زیادہ سنجیدہ لگ رہی ہو۔ شاہ خیال نہیں رکھتا تھا۔" استفسار پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

" بہت خیال رکھا ہے شاہ نے میرا۔ ان چند دنوں میں اس نے وہ سارے سبق سکھا دیئے جو شاید آپ کے ساتھ رہتے کبھی نہ سیکھ سکتی۔ اپنا ہونا کتنا اہم ہوتا ہے، یہ میں نے ان چند دنوں میں جان لیا کہ ضرورت، بھوک انسانی زندگی کے لیے کتنا معنی رکھتی ہے۔ ایک محبوس انسان بے بسی کی کس حد کو چھو کر واپس پلٹتا ہے، مجھے اس کا بھی ادراک ہو گیا ہے۔ ذلت اور عزت کو کیسے آپ کے ماتھے کا جھومر بنا دیا جاتا ہے، ان سب سے بھی آشنائی ہو گئی ہے۔ میں نے کہا نہ بہت کچھ سیکھ لیا ان چند دنوں میں کہ کیسے لوگ آپ پر حکمرانی کرنے لگتے ہیں۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو، شاہ سے کوئی شکایت ہے تو بتاؤ مجھے، میں خود اس سے بات کروں گی۔لاوارث تو نہیں ہو تم ۔ یہ ہاتھوں کو کیا ہوا ہے۔انگلیاں اتنی گندی کیوں ہو رہی ہیں؟" باتیں کرتے کرتے دیا کی نگاہ اس کی ہتھیلی اور ہاتھوں پر پڑی تو وہ چونک کر اس کا جائزہ لینے لگیں۔ہاتھ کی لکیروں کے ساتھ ناخنوں کے کناروں تک میں کالک گھسی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ نشان تھے۔ کہاں اس کے مینی کیور کیے موی ہاتھ ہوا کرتے تھے کہاں اب ناخن کے کناروں میں جمی کالک، ان کا حیران ہونا بجا تھا، چہرے پر بھی کوئی تازگی ڈھونڈے نہیں مل رہی تھی۔اسے تو کھلتا گلاب ہونا چاہیے تھا لیکن وہ سوکھا نخلستان لگ رہی تھی۔

" شکایت اس سے ہوتی ہے جس سے کوئی امید ہوتی ہے۔آپ لوگوں نے اپنی کر لی، شاہ صاحب نے اپنی اب میری باری ہے۔" سنجیدہ لہجے میں کہتے وہ اٹھ کر وارڈروب سے کپڑے نکالنے گئی تھی۔

"فریش ہونا چاہتی ہوں۔" وہ واش روم میں بند ہو چکی تھی۔دیا متحیر رہ گئی تھیں تو دروازے پر کھڑا شاہ زر شمعون لب بھینچ گیا تھا، یعنی اکڑ ابھی بھی برقرار تھی۔یہ سوچ ہی اسے غصہ دلانے کو کافی تھی۔اوپر سے اس کی دھمکی چراغ پا کر گئی تھی۔

☆☆☆

" جلدی جلدی ہاتھ چلاؤ اور دیکھو مرغ چھولے میں نمک مرچ کا دھیان رکھنا۔ایسا کرو برتن لگانا شروع کر دو، میں آملیٹ بنا لیتی ہوں۔" ملازمہ کو ہدایت کرتے فریال نے آملیٹ کا آمیزہ پھینٹنا شروع کر دیا تھا۔ملازمہ سر ہلا کے چلی گئی تھی۔

" جاؤ تم بھی اس کی مدد کرو۔" فریال نے دوسری ملازمہ کو بھی حکم صادر کیا تو وہ بھی پہلی والی کے پیچھے نکل گئی۔فرائی پین کی تلاش میں فریال کیبنٹ کے مختلف خانوں کو کھول بند کر رہی تھیں لیکن سامنے موجود فرائی پین کی طرف دھیان ہی نہیں جا رہا تھا۔جو اس بات کا غماز تھا کہ وہ ذہنی طور پر یہاں موجود نہیں تھیں۔

" یہ فرائی پین کہاں ہے؟" جھنجلا کے انہوں نے اب کے زور سے کیبنٹ بند کیا تھا۔

" مام!" کافی دیر سے کچن کی دہلیز پر کھڑا سمہان آفندی ان کی دلی کیفیت سمجھتے قریب آکر ان کے شانوں پہ ہاتھ رکھ کر پکار بیٹھا تو

فریال کے جھنجلائے وجود میں جیسے ٹھہراؤ سا آگیا۔

" چھوڑ دیں آپ۔ کرلیں گی یہ سب۔" وہ ہولے سے کہتے ان کا رخ اپنی طرف کر گیا۔ فریال خالی خالی نظروں سے عزیز بیٹے کو دیکھنے لگی تھیں۔

"شاید ہماری محبت نے آپ کی ممتا کو بھی مشکل میں ڈال رکھا ہے۔ ناہوں پریشان۔" ماں کی حالت دیکھ کر دل کٹ رہا تھا۔ انہیں

نرمی سے تھامے دلجوئی کرنے لگا۔ فریال کا ضبط بھی جیسے جواب دے گیا تھا۔ بیٹے کا مضبوط سہارا پا کے وہ اس کے شانے سے لگ گئی تھیں۔

" اسفند سے بات ہوئی تمہاری؟ کیا کہتے ہیں وہ۔"

" ڈیڈ داجان کے حجرے میں ہیں۔ ابھی ملاقات نہیں ہوئی ان سے۔"

" سب وہیں ہیں، جانے اندر کیا باتیں ہو رہی ہوں گی۔" وہ پریشان تھیں۔

" سب اپنے ہیں مام، فکر کیوں کرتی ہیں۔"

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے سمہان۔" ممتا کی ماری فریال بیٹے کے لیے متفکر اسی کے شانے سے لگ کر آنسو بہانے لگی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوگا، آپ پریشان نہ ہوں۔" جذبات کو کنٹرول کرتے انہیں دلاسا دینے لگا۔

" تم واپس کیوں آئے حویلی میں، عیشال کو لے کے کہیں دور چلے جاتے۔ ابھی بھی دیر نہیں ہوئی، بات نہیں کھلی، ایسا کرو عیشال کو لے کے نکل جاؤ۔ لیکن جاؤ گے کہاں....؟ ایسا کرو مدینہ چلے جاؤ۔ وہاں کچھ عزیز

ہیں ہمارے ، تمہارے دوست بھی تو ہیں ،کچھ وقت وہاں رہو ، یہاں ہیں اور اسفند سنبھال لیں گے۔جب ہمیں لگا کہ حالات بہتر ہیں تب تم دونوں کو بلا لیں گے۔ورنہ تم دونوں کسی بھی ملک میں سیٹ ہو جانا، ہم ملنے آجایا کریں گے۔روز تم سے ویڈیو کال پہ کروں گی۔ہاں یہ ٹھیک ہے۔تم ایسا ہی کرو۔میں عیشال سے بات کرتی ہوں ،اسے بھی سمجھاتی ہوں۔تم نکلنے کی تیاری کرو۔میں انتظام کرواتی ہوں تم دونوں کے نکلنے کا..... بس یہی ٹھیک ہے۔ہاں یہی ٹھیک ہے۔" فریال غائب دماغی سے سب کچھ پلان کے کرکے خود ہی سوال وجواب میں مصروف عیشال کو بتانے کے ارادے سے نکلنا چاہ رہی تھیں۔سمہان آفندی نے ان کے منتشر وجود کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

" میں کہیں نہیں جاؤں گا مام ! یہاں رہ کے سب کچھ فیس کروں گا۔"

" ضدمت کرو سمہان۔اسے میرا حکم مان کے عمل کرو۔"فریال مصر تھیں۔

"شکل دیکھی ہے اپنی اور عیشال کی.....؟ دونوں ہی نئے نئے لگ رہے ہو، چند دنوں میں تم دونوں اتنا نکھر سکتے ہو تو ایک دوسرے کی رفاقت میں ساری عمر کتنا خوش رہو گے اندازہ ہے تمہیں۔بس میں نے کہہ دیا، تم عیشال کو لے کے نکل رہے ہو۔" محبت سے بیٹے کے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے فریال جذباتی ہو رہی تھیں۔

"میری پیاری ماں، آپ کی تربیت اور خون میں اتنی بزدلی نہیں کہ آپ کا بیٹا پیٹھ دکھا کے بھاگ جائے۔اپنے والدین اور دی جان کی سرپرستی میں اللہ کو گواہ بنا کر جب اس کے محبوب ﷺ کے روزے پر آپ کی بہو کو اپنا بنایا ہے اور اب جب اسے دنیا کے سامنے قبول کرنے کا وقت آیا ہے تو اسے لے کر بھاگ جاؤں ..... ایسا کسی صورت نہیں ہو سکتا مام۔" نرمی و محبت سے سمجھا رہا تھا۔

" پھر کیا ہو گا۔جہانگیر بھائی بھی آگئے ہیں، مجھے ان سے کوئی اچھی امید نہیں ہے پھر بابا جان ہیں، جانے وہ کیساری ایکٹ کریں۔مان لو، میری بات، عیشال کو لے جاؤ یہاں سے ، جہاں محبت ، پسندیدگی کی اجازت نہیں۔تم دونوں بہت خوش رہو گے ایک دوسرے کے ساتھ۔عیشال کی محرومیوں کا تو سوچو۔" فریال اسے کسی بھی طرح راضی کرنا چاہ رہی تھیں۔

" اسی کا تو سوچ رہا ہوں مام۔ حویلی اور حویلی والوں کو احساس ہی تو دلانا ہے، وہ بھی وجود رکھتی ہے۔ جہانگیر چچا جان کو ہی تو بتانا ہے کہ عیشال ان کی سرپرستی سے نکل کر میری ناذمہ داری بن گئی ہے۔ عیشال کو اس کا جائز حق اور مقام حویلی میں دلوانے کا وقت آیا ہے تو آپ کہہ رہی ہیں میں اسے یہاں سے لے کر بھاگ جاؤں ..... کیوں مام، یہ حویلی اور اس کے پیدا کرنے والے کو بھی تو اس کے ہونے کا احساس دلانے دیں۔ کب تک وہ اپنے ہونے کے جواز کو کوستی رہے گی۔ اسے بھی تو اپنے ہونے پر فخر کرنے دیں۔ جی گئے تو کیا کہنے، مر بھی گئے تو بازی مات نہیں ہوگی۔ اس حویلی کی اونچی شان کو بھی فخر کرنے دیں کہ یہاں کے مکین محبت کے امین ضرور ہیں لیکن بغاوت اور تصادم کی راہ نہیں چاہتے۔ نہ ہی بزدلوں کی طرح روپوشی کی زندگی کے خواہاں ہیں۔ ڈر اس وقت تک کھیلتا ہے جب تک کچھ ہونے کا خوف ہوتا ہے، ہو جانے دیں نہ جو ہونا ہے، دونوں صورتوں میں تاریخ میں رقم ہو جائیں گے۔"

" تم سمجھ کیوں نہیں رہے، میں تمہیں کسی صورت کھونا نہیں چاہتی۔ اکلوتے بیٹے ہو میرے۔" اس کے عزم کے آگے فریال کی ممتا

بے بس تھی۔

" جس نے مجھے آپ کا بیٹا بنایا سوائے اس کے کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھے آپ سے چھین سکے۔ بھروسہ رکھیں اپنے اللہ پر۔ ہمیں ایک کرنا اس کی مرضی تھی تو آگے بھی وہی ہوگا جو اس کی مرضی ہے۔ اب بس آپ مزید ہلکان نہیں ہوں گی۔" اس کے ضدی انداز پہ

فریال کو آنسو بہانے کے سوائے کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔

دیوار سے لگ کر آنسو بہاتی عیشال ماں بیٹے کی تمام گفتگو سنتی ڈبڈبائی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

" آجاؤ، تم بھی رونے کا شوق پورا کر لو۔" اس کی نظر پڑ چکی تھی۔ ضبط سے گلابی پڑتا چہرہ، ڈبڈبائی آنکھوں کو فریال نے بھی محبت سے دیکھتے اپنا بازو اس کی سمت پھیلا دیا تھا۔ ماں کوئی تھی نہیں، باپ کے کیا ہی

کہنے، وہ تو سب سے زیادہ تنہا تھی۔ کسی سے لگ کے آنسو بہا کر درد بھی نہیں بہا سکتی تھی لیکن اس گھڑی سمہان کے شانے سے لگی فریال کا پھیلا ہاتھ اسے اپنی ماں کا لمس لگا تھا، وہ کھنچتی چلی آئی تھی۔

"چلو جی فیملی ڈرامہ کمپلیٹ۔" دوسرا ہاتھ اس کے شانے پر رکھتے وہ انہیں چھیڑنے سے باز نہ رہا۔

"ایک مزے کی بات بتاؤں، آپ ساس بہو کی مستقبل میں بہت اچھی بننے والی ہے، دونوں ایک ہی انداز سے سوچتی ہیں۔" وہ بھاگ جانے والی بات کو یاد کرتے چڑا رہا تھا۔ جس پر دونوں نے اپنا اپنا احتجاج اپنے اپنے انداز میں ریکارڈ کروایا تھا۔ فریال نے اس کے شانے پر ہتھڑ لگائے تھے تو عیشال نے اپنی جوتی سے اس کا پیر دبا دیا تھا۔ وہ ہنس پڑا تھا۔

☆☆☆

چوہدری حشمت اپنی مخصوص نشست پر براجمان تھے۔ زمرد بیگم ان کے بائیں جانب کی کرسی پر براجمان تھیں تو چوہدری فیروز، چوہدری بخت اور چوہدری اسفند دائیں جانب۔

"السلام علیکم!" چوہدری جہانگیر اپنے مخصوص لب و لہجے میں سلام کرتے داخل ہوئے تھے۔

"وعلیکم السلام!" تینوں اٹھ کر ملنے لگے تھے۔ چوہدری حشمت نے ٹھنڈی نظر ڈالی تھی۔ ماں اور باپ کے سامنے سر جھکا کے ہاتھ پھروا کے چوہدری جہانگیر، فیروز کے برابر براجمان ہو گئے تھے۔ کئی لمحے خاموشی کی چادر تنی رہی تھی۔ سب چوہدری حشمت کے بولنے کے منتظر تھے۔ گلہ کھنکھار کے انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

"برسوں پہلے حویلی میں جو تماشا ہوا، اس کے بعد تم نے پھر سے تاریخ دہرا کر ہم سب کو ایک بار پھر دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے، ہم اسے کیا سمجھیں جہانگیر؟"

"زور، زبردستی کے فیصلوں کے نتائج کبھی اچھے نہیں نکلتے بابا جان اگر اس وقت آپ لوگ میری بات مان جاتے تو ماضی میں وہ سب نہ ہوتا جو ہو چکا ہے۔"

"یعنی تم ہمیں قصوروار ٹھہرا رہے ہو؟" سنجیدگی سے سوال ہوا۔

"آپ کے فیصلے کی مذمت کر رہا ہوں۔" تصحیح کی گئی۔

"ہم نے فیصلہ کیا تھا، صائقہ کو تم سے باندھ دیا لیکن ہوا کیا۔ جلد ہی تم نے صبا سے شادی کر کے ہمارے فیصلے کی کون سی لاج رکھ لی تھی۔

"منزہ نہ سہی، صبا ہی سہی، مجھے سوشل اسٹیٹس بڑھانے کے لیے شادی تو کرنی ہی تھی۔ صائقہ اس لائق نہیں تھی کہ اسے دنیا کے سامنے اون کیا جاتا۔" برسوں بیت گئے تھے۔ اب تو قبر میں ہڈیاں بھی گل سڑ گئی تھیں لیکن ان کی نفرت ہنوز تھی۔

"منزہ سے شادی نہ ہونے کا ازالہ تم نے اس صورت کرنے کی ٹھانی کہ ایشان کا نکاح اس کی بیٹی سے کر دیا۔ وہ بھی ہمارے علم میں لائے بنا، ہم سے اجازت لیے بنا۔" فرد جرم عائد کیا گیا۔

"علم میں اس وقت لاتا جب مجھے یقین ہوتا کہ آپ اس رشتے کی مخالفت نہیں کریں گے۔ آپ کی اجازت کبھی نہیں مل سکتی تھی اس لیے کوشش نہیں کی۔" دوٹوک موقف تھا۔ زمرد بیگم سمیت سب ان کے انداز سنجیدگی سے ملاحظہ کر رہے تھے۔

"اجازت ملنے کی امید نہیں تھی اس لیے تم نے من مانی کر لی۔ تمہیں کیا لگتا ہے، برسوں پہلے ہم منزہ کو تمہارے اصرار کے باوجود قبولیت کا شرف نہ بخش کے تو اب اس کی بیٹی کیونکر معتبر ہو گی.....؟ اور ایک ایسی لڑکی کو ہم کیونکر پوتے کی بیوی تسلیم کریں جس کے خون کا بھی نہیں پتا کہ اس کا باپ کون تھا، کیسا تھا، آیا منزہ جیسی عورت نے حلال، حرام کی تمیز بھی رکھی ہے کہ نہیں۔" چوہدری حشمت برہم لیکن بہت کنٹرول میں تھے۔ چوہدری جہانگیر کا چہرہ ایک لمحے کے لیے سرخ ہوا تھا۔ جیسے چوہدری حشمت نے منزہ کو نہیں انہیں معتوب ٹھہرایا ہو۔

"منزہ ایسی نہیں تھی۔" لہجہ پر یقین تھا۔

" تمہاری آنکھوں میں برسوں پہلے جو پٹی وہ باندھ گئی، افسوس تم نے اسے اتار کر آج تک اسے دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ ایسا کر چکے ہوتے تو صائقہ کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزارتے وہ کینسر جیسے موذی مرض سے ایڑیاں رگڑ کر نہ مرتی۔" آئینہ دکھایا گیا۔

" اس کی بیماری کا نام کینسر تھا بابا جان جہانگیر نہیں، اس لیے آپ مجھے الزام دینا بند کریں۔" نخوت سی نخوت تھی۔

" صائقہ کینسر سے بعد میں مری، تمہاری کج ادائی اور بے وفائی کا تو وہ پہلے شکار بنی تھی۔" زمرد بیگم کو بلا کا غصہ آرہا تھا صائقہ کے لیے ان کے اندازِ تخاطب پر۔ جس کا انہوں نے برملا اظہار بھی کر دیا۔

" برسوں بیت گئے لیکن آپ لوگ آج تک بیٹے کو مجرم جان کر صائقہ کی وکالت کر رہے ہیں۔ مجھے تو آج تک یہی بات سمجھ نہیں آسکی کہ وہ آپ سب کی سگی تھی یا میں۔" گلہ ہوا۔

" رشتوں کا بھرم رکھنے والا سگے سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ تم سے زیادہ صائقہ نے ہمارے فیصلوں کی لاج رکھی۔ منزہ سے تمہاری محبت کو فراموش کر کے ہمارے فیصلوں پر سر جھکا کر تمہاری زندگی میں شامل ہوئی تو تم نے اسے سوکن کا غم لگا دیا۔ اس نے تب بھی حرف شکایت منہ سے نہ نکالا، جب تک زندہ رہی، تمہاری وفادار رہی لیکن تم نے کبھی اسے اور اس کی بیٹی کو اپنانے کی کوشش نہیں کی۔ پھر ہم تم سے زیادہ اس کے حمایتی کیوں نہ رہیں۔" زمرد بیگم کا لہجہ نرم لیکن حقائق دکھا گیا۔

" میں یہاں اپنے بچوں کا مسئلہ لے کر حاضر ہوا ہوں، نہ کہ صائقہ کی قبر پر چڑھاوے چڑھانے۔" ناگواری کا اظہار ہوا۔

" کل کی بجائے میں نے آج ہی ایشان کو پہنچنے کا پیغام بھیج دیا ہے۔ آپ سمہان اور نرمین کے نکاح کی تیاری کریں۔ میں نکاح کروا کر لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میری فیملی اور بہو شام تک آجائے گی۔"

سمہان اور نرمین کے نکاح کی بات سن کر چوہدری اسفند کو یہی مناسب وقت لگا کہ وہ عیشال اور سمہان کے نکاح کو کھول دیں لیکن اس سے پہلے ہی چوہدری حشمت جلال میں آگئے۔

" منزہ کی بیٹی کسی صورت حویلی کی دہلیز کو پھلانگ کر داخل نہیں ہوگی۔ سُنا تم نے۔" آواز جلال سے کانپنے لگی تھی۔

" ماورا میری بہو بن چکی ہے بابا جان، آپ اسے قبول کرلیں۔ اب وہ میری فیملی کا حصہ ہے۔"

" کسی طور ہم اس ناگن کی سنپولی کو قبول نہیں کریں گے۔" چوہدری حشمت شدید برہم ہوئے۔

" میں اپنی بہو کے لیے ایسا انداز پسند نہیں کروں گا بابا جان۔" جتادیا گیا۔

"جس بیچ عورت نے اسے جنم دیا، ہم اس سے بڑھ کر اس کے لیے جملہ کہہ سکتے ہیں لیکن حیا مانع ہے۔ افسوس تم پر کہ تم نے میں ایک بار پھر تکلیف پہنچانے کا انتظام کیا۔ ہماری لاعلمی میں تم نے اتنا بڑا کام کرلیا ہم تمہیں معاف نہیں کریں گے جہانگیر۔" چوہدری حشمت چلاتے چلاتے کھانسنے لگے تھے۔ چوہدری فیروز اور اسفند تیزی سے لپکے تھے۔

اندر بڑوں کی محفل کے تجسس اور بلاوے پر شاہ زر شمعون اور سمہان آفندی اسی دم داخل ہوئے تھے۔ چوہدری حشمت کو بری طرح کھانستے دیکھ کر وہ دونوں بھی تیزی سے ان کی طرف لپکے تھے۔

" سمہان میرا بیگ اور اسٹیتھواسکوپ بھاگ کر لے آؤ۔" چوہدری بخت نے اسے دوڑایا تو ایک نظر چوہدری حشمت پر ڈال کر وہ الٹے قدموں دوڑ لگا گیا۔ اور چند لمحوں میں ہی وہ ڈاکٹری ساز و سامان دیا کی نشاندہی پر لے آیا تھا۔

" بابا جان آپ ٹھیک تو ہیں۔"

" دادا جان ہمت کریں۔" بیٹے اور پوتے انہیں صوفے پر لٹا چکے تھے۔ زمرد بیگم بھی متفکر سی قریب چلی آئی تھیں۔

" جہانگیر تم پلیز ٹھنڈے ہو جاؤ، بابا جان کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" چوہدری بخت بی پی آپریٹس نکالنے لگے تو چوہدری فیروز انہیں سمجھانے لگے۔ چوہدری حشمت کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔

"ٹھنڈا ہو کر کیا کرنا ہے بھائی صاحب۔ ماورا اب میری بہو ہے۔ حویلی والوں کو اسے تسلیم کرنا ہوگا۔ سمہان اور نرمین کے نکاح میں وہ بھی سب کے ساتھ شامل ہوگی۔" ان کی اپنی ہی منطق تھی۔ چھوٹے ضبط کرنے پر مجبور تھے تو بڑے تاسف کا شکار۔ سمہان نے نرمین کے ذکر پر لب بھینچ لیے تھے، جی تو یہی چاہا ابھی ان کے سامنے سچ کہہ گزرے لیکن اسے جذبات کنٹرول کرنا آتا تھا۔

"بابا جان کی طبیعت ٹھیک ہو جائے پھر بات کرتے ہیں اس بارے میں، تب تک باہر آؤ، مجھے تم سے کوئی بات کرنی ہے۔"

چوہدری بخت کے اشارہ کرنے پر چوہدری فیروز انہیں ساتھ لے گئے تھے۔

"سدا کا خود غرض انسان۔" زمرد بیگم کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ وہ تشویش سے چوہدری حشمت کو دیکھ رہی تھیں۔

"سب ٹھیک ہے چچا جان۔" پوتوں نے دائیں، بائیں سے داجان کو سنبھال رکھا تھا۔ شاہ زر شمعون استفسار کر رہا تھا، بی پی کے بعد شوگر ٹیسٹ کرتے چوہدری بخت کے چہرے پر فکر مندی تھی۔

"بی پی شوگر دونوں بڑھی ہوئی ہیں۔ ابھی تو انجیکشن کے ساتھ دوائیں دے رہا ہوں۔ کنٹرول نہ ہوئیں تو بابا جان کے کچھ ضروری ٹیسٹ کروانے پڑیں گے۔ یہاں قریبی کوئی لیب ہے؟" بتا کر وہ استفسار کرنے لگے۔

"قریبی تو نہیں ہے لیکن داجان کو مستند لیب جلد ہی پہنچا سکتا ہوں، کب چلنا ہے؟" سمہان آفندی مستعد تھا۔ سفر سے لوٹا تھا لیکن اگلے سفر کے لیے تیار تھا۔

"کل صبح، ٹیسٹ نہار منہ کروانا ہے۔ بابا جان تو صبح سویرے ناشتا کرنے کے عادی ہیں تو اب کل ہی ممکن ہے۔" چوہدری بخت نے

توجیہہ بتانے کے ساتھ فائنل کر دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کال کر کے لیب کی ٹائمنگ کنفرم کر لوں گا، تاکہ داجان کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔" چوہدری حشمت کی طرف سے متفکر تھا۔

"ہاں یہی مناسب رہے گا۔" بخت نے تائید کی۔

"پریشان نہ ہو تم سب، ٹھیک ہوں میں۔" چوہدری حشمت نحیف آواز میں دلاسا دینے لگے۔

"بالکل ٹھیک ہیں آپ، کچھ نہیں ہونے دیں گے ہم آپ کو۔" شاہ زر شمعون نے ان کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

"تم سب سفر سے لوٹے ہو جاؤ کچھ کھاؤ پیو۔ طبعیت بہتر ہوئی تو دن کا کھانا ساتھ کھائیں گے۔" پوتوں کے ہاتھ تھپتھپاتے انہیں جانے کا کہا گیا لہجے کی ٹوٹ پھوٹ ان کی آواز سے عیاں تھی۔ دونوں موجود نہیں تھے لیکن انہیں اچھی طرح اندازہ تھا کہ گفتگو کی نوعیت کیا رہی ہو گی۔

نئی نسل ماضی کے قصوں سے ناآشنا تھی لیکن یہ چوہدری حشمت کا پوتوں کے ساتھ الگ ہی معاملہ تھا کہ انہوں نے بہت پہلے ہی پوتوں کو اس راز میں شامل کر لیا تھا حویلی میں کیا اور کیوں کے سوال اکثر لڑکیوں کے اندر سر اٹھاتے تھے لیکن دونوں چونکہ حقائق سے آگاہ تھے اس لیے اس قصے کو کریدتے نہیں تھے۔ تب ہی تو شاہ، ندا کے معاملے پر بھی کچھ کر نہیں سکا تھا اور سمہان ایک عرصہ عیشال کی محبت سے پہلو تہی کرتا رہا۔

بڑوں کے فیصلے غلط دیکھ کر بھی وہ گستاخی کا مرتکب نہیں ہونا چاہتے تھے۔ لیکن اب لگتا تھا تبدیلی آیا ہی چاہتی تھی۔

☆☆☆

چوہدری حشمت کی بگڑتی طبعیت، جہانگیر کا حویلی میں اپنے روم میں قیام، ایشان کا باقی فیملی ممبرز کے ساتھ حویلی آمد کا معمہ، ایشان کا ماورا نامی لڑکی سے نکاح اور اس ماورا کی ماں منزہ کے لیے حویلی والوں کی نفرت۔ لڑکیوں کے کانہ پھوسی کے لیے اس میں بہت سارا مواد تھا۔ اور سب متجسس کسی سے تفصیل پوچھنے سے قاصر تھیں۔

"آخر یہ منزہ تھیں کون، جس سے ہمارے بڑے نفرت کرتے ہیں؟"

"مجھے تو اس مشترکہ نفرت پر حیرت ہے۔ آخر ایسا کیا بگاڑا ہے اس ماورا کی ماں منزہ نے حویلی والوں کا۔" شاذمہ کی بات کو زرش نے حیرت سے آگے بڑھایا۔

" یاد ہے، ایک بار صندوق سے کتنے فیشن ایبل کپڑے نکلے تھے جسے دیکھتے ہی داجان نے غضب ناک ہو کر جلانے کا حکم صادر کر دیا تھا۔ اور چچی جان سے پوچھنے پر کیسی بے عزتی ہوئی تھی۔" یمنیٰ کو اچانک سے یاد آگیا۔ عیشال جہانگیر کو بھی وہ منظر یاد آگیا تھا، اس بابت اس نے سمہان سے بھی پوچھا تھا لیکن صاف لگا تھا وہ ٹال گیا تھا۔

" اسے سب پتا ہوگا۔ پہلے نہیں بتایا لیکن شاید اب بتا دے۔" وہ سوچنے لگی۔

" یہ حویلی میں تم سب اتنے برسوں سے زندہ کیسے ہو۔ یہاں کی تو آب و ہوا میں ہی کڑواہٹ و نفرت ہے۔" کافی دیر سے چپ بیٹھی شنائیہ نے لب کشائی کی تو اس کا لہجہ کڑواہٹ لیے ہوئے تھا۔ سب ایک لمحے کو چپ سی ہو گئی تھیں۔

" تم بھی عادی ہو جاؤ گی۔" شاذمہ نے تسلی دی۔

" کبھی نہیں۔" اس نے دل میں کہا تھا، قبل از وقت کچھ کہہ کر اپنی پلاننگ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"جہانگیر چچا کی آمد سے داجان کی طبیعت کا خراب ہونا، لگتا ہے داجان کو ان سے بہت محبت ہے۔ اور جہانگیر چچا جان کو منزہ سے بہت محبت رہی ہے۔ لیکن جانے ایسا کیا ہوا کہ ان کی شادی نہیں ہو سکی، منزہ منظر سے غائب ہو گئی اور جہانگیر چچا جان کی شادی صائقہ چچی جان سے ہو گئی۔" یمنیٰ کڑی سے کڑی ملا کر عیشال جہانگیر کو چونکنے پر مجبور کر گئی تھی۔

" تم سے یہ سب کس نے کہا؟" وہ یمنیٰ کے سر ہو گئی۔

" مما کو دیا چچی سے کہتے سنا تھا کہ جہانگیر آج تک اس منزہ کی محبت میں مبتلا ہے اور اب اسی منزہ کی بیٹی کو بہو بنا لیا۔" یمنیٰ نے تفصیلات دیں تو سب کی آنکھیں کھل گئیں۔

" اس سارے قصے میں ایشان کا کیا کردار ہے، اس نے کیوں چپ کر کے نکاح کر لیا؟" ندا نے پہلی بار حصہ لیا۔

" ایشان بھائی اور ماورا یونی فیلو تھے۔ اور شاید اس کے بعد ہی سب ہوا۔" زرش نے اڑتی اڑتی ملی معلومات پہنچائی۔

" یہ جہانگیر چچا اور ان کی اولاد کی پانچوں گھی اور سر کڑاہی میں ٹھیک ہے، خود انہوں نے ماضی میں محبت کی، بیٹے نے حویلی کی دشمن کی بیٹی کو پسند کر لیا، اور ابا جان نے جھٹ پٹ حویلی والوں کو کانوں کان خبر کیے بنا، بیٹے کا نکاح کر دیا اور اب بیٹی نرمین کی پسند پر میرے ویر سے نکاح کروانے پہنچ گئے۔ امیزنگ نا۔" زرش کا لہجہ غصیلا ہو گیا۔

" صحیح کہہ رہی ہو، اس پوری حویلی میں جہانگیر چچا اور ان کی فیملی کے عیش ہیں بس۔" شاذمہ کو ندا کی سوگواریت نے تلخ کر دیا۔

"سیاسی پارٹیوں کو کوستے ہم ملک و معاشرے میں جمہوریت نہ ہونے کا رونا روتے ہیں ہمارے تو گھروں میں جمہوریت نام کی چیز نہیں پائی جاتی۔" زرش کو کچھ زیادہ ہی غصہ تھا۔ جب سے سنا تھا نرمین اور باقی سب نکاح کے لیے جلد پہنچنے والے ہیں اس کا فشارِ خون بلند ہی ہو رہا تھا۔

" ہر جگہ کتا اور ہامی والا حال ہے۔" شنائیہ تلخ ہو گئی۔ ماہم کو بھی یہ تضاد اچھا نہیں لگا تھا۔

اور عیشال اس کے تو کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا۔ اس کی ماں کی قاتلہ کی بیٹی اس کے سوتیلے بھائی کی بیوی بن چکی تھی۔ چوہدری جہانگیر سے اسی سفاکیت کی امید کی جا سکتی تھی۔

☆☆☆

" ہاں ایشان، شام والا پروگرام کینسل کر دو، کل ہی تسلی سے آ جاؤ، سب کو لے کے۔" چوہدری جہانگیر اپنے روم میں آرام سے استراحت فرماتے ایشان کو کال ملا گئے تھے۔

" بار بار پروگرام میں تبدیلی۔ سب ٹھیک ہے ناڈیڈ؟" وہ حیران تھا۔

" ہاں ٹھیک ہے، بابا جان کی طبیعت تھوڑی خراب ہے، بس۔"

" کوئی گھبرانے والی بات تو نہیں دا جان کے حوالے سے۔" اسے تشویش ہوئی۔

"ابھی تک تو نہیں ہے ایسی کوئی بات۔"

"یہ غیر متوقع نکاح تو وجہ نہیں ہے۔آپ کو وہاں کوئی مشکل تو نہیں ہو رہی، سب کو شاک لگا ہوگا سن کے؟" وہ دور بیٹھ کر اندازہ لگا رہا تھا۔

"مجھ سے پہلے نکاح کی خبر بابا جان کو مل گئی تھی، ان فیکٹ اسی وقت جب تم نکاح کی مبارک باد وصول کر رہے تھے۔ حویلی والے اتنے بے خبر نہیں ہوتے۔" ان کا لہجہ تلخی لیے ہوئے تھا۔

"اوہ اسٹریچ۔" ایشان جاہ کو سچ مچ حیرت ہوئی۔ "پھر تو آپ کو مشکل حالات کا سامنا ہوگا۔ داجان کا ری ایکشن کیا ہے۔ غصہ ہوں گے۔" حقائق سے ناآشنا اسے یہی ڈر تھا کہ بنا اجازت نکاح گراں گزرا ہوگا۔

"ہاں غصہ تو ہیں۔ وقتی صدمہ لگا ہے انہیں لیکن میں منالوں گا انہیں۔ تم بس فکر نہ کرو۔ ماورا تمہاری بن گئی اب اس حقیقت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔"

"لیکن مجھے عجیب لگ رہا ہے آپ کو مشکل ہو رہی ہوگی۔"

"اپنی اولاد کے لیے ہر مشکل کو آسانی میں بدلنے کا حوصلہ رکھتا ہوں، تم بس بے فکر ہو کے انجوائے کرو۔ بلکہ ایسا کرو، ماورا کو ڈنر کے لیے باہر لے جاؤ۔ پہلے ذرا یہ نرمین کا نکاح ہو جائے اس کے بعد شاندار ولیمہ رکھتا ہوں تمہارا۔"

'تھینک یو ڈیڈ۔ لو یو۔'' بیٹا باپ کی محبت سے سرشار تھا تو باپ اولاد کی خوشی میں مست۔

"جانتا تھا حویلی والوں کو، اسی لیے تو جلدی کی، میری زندگی میں آسانی لانے والا کوئی جہانگیر نہیں تھا لیکن میری اولاد کے لیے میں ہوں۔" وہ پر سوچ انداز میں در و دیوار کو دیکھ رہے تھے۔ اس کمرے کی دیواروں سے آج تک منزہ کی آواز آتی تھی۔ وہ یہاں جب بھی آتے تھے منزہ کی یادیں صائقہ سے نفرت میں اضافہ کر دیتی تھیں۔

☆☆☆

"سمہان!"

سب کی باتیں سُن کر ذہن اتنا پراگندہ ہوا تھا کہ وہ الجھ سی گئی تھی۔ کسی اور سے سچ پوچھنے جاتی تو کوئی کچھ نہ بتاتا ،تب ہی وہ اس کی تلاش میں نکل آئی تھی اور وہ اسے اپنے کمرے کی اور جاتے نظر آگیا تھا۔ وہ اسے بے ساختہ پکار بیٹھی۔

"حکم زوجہ محترمہ!" وہ پلٹ آیا تھا انداز شوخ تھا۔ چوہدری حشمت کی طبعیت کچھ سنبھل گئی تھی۔ سب ہی کو اطمینان نصیب ہوا تھا۔ دن کے کھانے پر وہ سب کے ساتھ شامل تو نہیں ہوسکے تھے کہ چوہدری بخت نے کمرے میں ہی ان کا کھانا منگوادیا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ چوہدری جہانگیر پھر سے کوئی بات شروع کریں اور وہ دوبارہ غصے میں آجائیں۔

"یہ منزہ کون ہے، جس کی بیٹی سے ایشان کا نکاح ہوا؟" اس کا انداز نظر انداز کرکے وہ سوال کر گئی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ ہی حویلی لوٹا ہوں۔ میں نے بھی اتنا ہی سنا ہے جتنا تم نے۔" وہ سنجیدگی سے کہتے گرل سے ٹیک لگا گیا۔

"جھوٹ بول رہے ہو نا؟" وہ مشکوک ہوئی۔

"سچ چھپا کر کیا ملنا ہے؟" وہ الٹا سوال جڑ گیا۔

"داجان نے وہ کپڑے جلوائے تھے جو منزہ کے تھے۔ کیا وہ حویلی میں رہتی تھیں۔ منزہ کا میری ماں سے کیا واسطہ تھا ؟کیا پپا منزہ میں انٹرسٹڈ تھے؟" بڑی عجیب صورت حال تھی لیکن سوال کیے بنا چارہ بھی کوئی نہیں تھا۔

"یہ سب میں کیسے جان سکتا ہوں، میں بھی تو تمہارے بچپن میں چھوٹا سا تھا۔ تم سے تھوڑا سا بڑا۔"

"میں سنجیدہ ہوں سمہان۔" اس کی غیر سنجیدگی پر اس نے کڑی نظر ڈالی۔

"تو پھر میں پکا سا منہ بنا کر تمہیں بتاؤں کہ میں بھی تمہارے بچپن میں چھوٹا سا تھا۔" اب کے واقعی پکا سا منہ بنا لیا گیا۔

"تم...." وہ جلبلا گئی۔ "بہت برے ہو۔"

"بہت اچھے، باہر تعریفیں اور حویلی لوٹتے ہی پھر سے برائی۔ کیا میں اتنا برا ہوں عیشال؟" لب دانتوں تلے دبا گیا۔

"تم نہ..... بہت سیف پلیئر ہو، سب کچھ جانتے ہو لیکن اس غیر سنجیدگی کے لبادے میں سچ چھپا رہے ہو، میں نہیں جانتی کیوں، شاید تمہیں ڈر ہے کہ غیر متوقع بات جان کر مجھے دھچکا لگے گا۔ کر لو اپنی سی کوشش، کب تک مجھے دکھ سے بچائے رکھو گے، اس سچ کی کھوج تو میں لگا کر ہی دم لوں گی۔ اگر منزہ میری ماں کی مجرم ثابت ہو گئی تو دیکھنا، کیسے میں اس ماورا کو حویلی سے نکال باہر کرتی ہوں۔" اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں تھی۔ ذہن میں کھچڑی پک رہی تھی۔ صائقہ، منزہ اور چوہدری جہانگیر کے ٹرائی اینگل میں کیا تھا ایسا کہ منزہ کا ذکر ممنوع تھا۔

"تمہیں خوش رکھنے کی جتنی کوشش کرتا ہوں۔ جانے کیوں دکھ اسی وقت تمہارے قریب آ جاتے ہیں۔" وہ دکھ و یاسیت سے سوچتے دعا گو تھا کہ اسے کچھ پتا نہ لگے۔

☆☆☆

"بابا جان سمہان اور نرمین کے نکاح کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟ صبح سب حویلی آ جائیں گے۔ میرا خیال ہے شام میں عصر اور مغرب کے بیچ نکاح رکھ لیتے ہیں۔"

رات کے کھانے کے لیے سب ہال میں براجمان تھے۔ میز پر انواع و اقسام کی ڈشز سجی ہوئی تھیں۔ چوہدری حشمت بھی ہمت کر کے میز تک آ گئے تھے جب چوہدری جہانگیر نے گفتگو کا آغاز کیا۔ کہتے ہی ہاتھ رک گئے، چوہدری حشمت کی طبیعت کا لحاظ کیے بنا ایک بار پھر وہی ذکر لے بیٹھنے پر سب نے تاسفی نظروں سے چوہدری جہانگیر کو دیکھا تھا۔

"ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں جہانگیر کہ اس حویلی کی دہلیز پر کبھی منزہ کی بیٹی کے قدم نہ پڑیں اور تم اسے نکاح میں شامل ہونے کے لیے مدعو کر رہے ہو۔ پہلے اس قصے کو ختم کرو۔ پھر ہم سمہان اور نرمین کے بارے میں سوچتے ہیں۔"

"یہ قصہ ختم نہیں ہو سکتا بابا جان، آپ ماورا کو قبول کر لیں۔" دھونس بھرا انداز تھا۔

"ایسا کسی طور نہیں ہوگا۔" چوہدری حشمت ایک بار پھر جلال میں آنے لگے۔

"میں بھی ٹھان کر آیا ہوں بابا جان کی نرمین کا سمہان سے نکاح کروا کر ہی واپس جاؤں گا۔ ٹھیک ہے اگر آپ نہیں چاہتے کہ ماورا حویلی میں قدم رکھے تو میں نکاح کی تقریب یہیں کہیں باہر کسی ہوٹل میں رکھ لیتا ہوں۔" وہ ہر حال میں بیٹی کا مقدمہ جیت کر سمہان آفندی کو اس کا نصیب بنانا چاہتے تھے۔

عیشال کے اندر کڑواہٹ حلق تک بھر گئی تھی۔ وہ اٹھ کر میز سے جانا چاہتی تھی لیکن سامنے رہ کے سچ جاننے کی بھی خواہش کو روک نہیں پا رہی تھی۔

"ہمارا فیصلہ اٹل ہے جہانگیر۔ جب تک منزہ کی بیٹی تمہاری بہو رہے گی، ہم سمہان کا رشتہ تمہاری بیٹی سے قائم نہیں کریں گے۔" چوہدری حشمت کے دبنگ اعلان کے بعد بہت سے چہروں پر اطمینان کی لہریں پھیل گئی تھیں لیکن سب نے حتی الامکاں اپنے اپنے تاثرات پر قابو پا لیا۔

"مجھے یہ شرط کسی طور منظور نہیں ہے بابا جان۔" انداز بے لچک تھا۔

"جہانگیر بابا جان کی طبیعت کا ہی خیال کر لو۔" چوہدری بخت نے احساس دلانا چاہا۔

"اسفند، تمہاری کیا رائے ہے؟" باپ کی طرف سے نامراد ہو کے جہانگیر کا رخ اسفند کی طرف ہو گیا۔ جو شکر ادا کر رہے تھے کہ جہانگیر جائیں، اس معاملے کی گرد بیٹھے تو وہ سہولت سے سب کے سامنے سمہان اور عیشال کے نکاح کی بات کھولیں۔ چوہدری حشمت نے تو ان کا کام آسان کر دیا تھا۔ اور اب جہانگیر سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"میں بابا جان کے فیصلے کی تائید کرتا ہوں۔ حویلی کا چین سکون چھیننے والوں کی اولادوں کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہ معاملہ برسوں دبا رہا لیکن آج آپ نے اسے نئی نسل کے سامنے بھی کھول دیا۔ ہم کس منہ سے انہیں ماضی کی داستانیں سناتے رہیں گے، آپ تو مسافر ہیں بھائی صاحب، اور حویلی آپ کے لیے ایک مسافر خانہ، جہاں تھوڑی دیر رُک کے آپ واپس لوٹ جائیں گے جب کہ حویلی کے مکینوں کا نفع، نقصان یہاں سے ہی جڑا ہوا ہے۔" چوہدری اسفند نے بنا لگی لپٹی کہہ دیا۔

"رائے مانگی ہے تم سے، لیکچر دینے کو نہیں کہا۔ میں نے بیٹے کا نکاح کیا کر دیا۔ کمال ہے آج حویلی والوں میں بلا کا ایکا نظر آ رہا ہے۔"

"افسوس آپ اس ایکا کا کبھی حصہ نہ بن سکے۔" اسفند کے لہجے میں تاسف تھا۔

"کھانا کھاؤ جہانگیر۔" چوہدری فیروز نے ماحول تبدیل کرنا چاہا۔ لفظوں کی گرمائش بڑھنے لگی تھی۔

"مجھے نہیں کھانا۔" چوہدری جہانگیر نے اپنی پلیٹ اس طرح آگے دھکیلی کہ اس کی زد میں آ کے پراونز مسالا کی ڈش عیشال کے آگے گر گئی۔ بڑے بڑے پراونز کو اپنے ہاتھ میں گرتے دیکھ کر ہلکی سی چیخ کے ساتھ ہاتھ جھٹکتے اس نے بے ساختہ اپنی کرسی پیچھے کی تھی۔ بایاں ہاتھ پیچھے کرتے دائیں ہاتھ سے ابکائی روکتے وہ بے ساختہ واش بیسن کی اور بڑھی تھی۔ فریال تیزی سے اس کے پیچھے لپکی تھیں۔ سب کو پتا تھا کہ وہ پراونز کو دیکھتے ہی میز پر بیٹھنے سے انکار کر دیتی تھی۔ اس کا دل گھبرانے لگتا تھا جب تک اس کے در و دیواروں سے اس کی اسمیل نہ چلی جاتی ہو۔

"کچھ نہیں ہوا۔ پانی پیو۔" اسے منہ پر پانی مارتے دیکھ کر فریال اس کی پشت سہلاتے پانی کا گلاس لیے کھڑی تھیں۔ سب کی نگاہ چند منٹ کے لیے اٹھی تھی اور پھر سے سب اپنی پلیٹوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"کیا ضرورت تھی، عیشال کے سامنے ہی پراونز کی ڈش رکھنے کی پتا تو ہے اس کی اسمیل سے ہی اسے ابکائی آ جاتی ہے۔" فائزہ دبے لہجے میں ملازمہ کی کلاس لے رہی تھیں۔

چہرے پر پانی ڈالتے وہ ٹشو سے چہرہ خشک کرتے فریال کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لینے ہی لگی تھی جب ایک دم سے کراہ کے رہ گئی۔

"کس کا گند لیے گھوم رہی ہو۔ بتا کہاں منہ کالا کر کے آئی ہے۔" چوہدری جہانگیر اس کے بال مٹھی میں بھر کے جھٹکا دے رہے تھے۔ عیشال پھٹی پھٹی آنکھوں سے کراہ کے رہ گئی تھی۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ ہق دق رہ کے ان کا سلوک دیکھ رہے تھے۔ کچھ تو مارے حیرت کے اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ جن میں سمہان آفندی سر فہرست تھا۔

"یہ کیا انداز ہے جہانگیر، عیشال کو پراوپر ن سے الرجی ہے یہ ہم سب جانتے ہیں۔" چوہدری فیروز آگے آئے تھے۔

"میری اجازت کے بناء آپ سب اسے مری کانیج عیاشی کے لیے بھیج دیتے ہیں، کس سے پوچھ کر؟ مجھ سے پوچھا تھا کسی نے کہ اسے بھیجنا تھا یا نہیں؟ اور اب آپ سب اس کے گناہ پر پردہ ڈال رہے ہیں۔" اسے بالوں سے کھینچ کے وہ سب کے درمیان لے آئے تھے۔ تکلیف کی شدت اور لگائے گئے الزام کے صدمے کے باعث عیشال کے حواس سن ہو گئے تھے۔

"ہم نے اجازت دی تھی اسے اور ہم ہی یہاں کے فیصلے کرتے ہیں۔ تم نے اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں خبر دی؟" چوہدری حشمت کو آج ان کا ہر عمل غصہ دلا رہا تھا۔ صاف لگ رہا تھا وہ نرمین کے نکاح میں دیری اور ماورا کو تسلیم نہ کرنے کی خار نکال رہے ہیں۔

"چھوڑ دیں عیشال کو۔" اس سے پہلے کہ چوہدری جہانگیر مزید کوئی گولا داغتے سمہان آفندی قریب آ چکا تھا۔ ضبط کی شدت سے چہرہ رنگ بدل گیا تھا۔

"جانوروں والے انداز تمہارے گئے نہیں جہانگیر، کیوں بچی کو تکلیف دے رہے ہو۔" زمرد بیگم بھی قریب آ چکی تھیں۔ لیکن چوہدری جہانگیر تو سمہان کے رنگ بدلتے چہرے کو ہی گہری نظر سے دیکھ رہے تھے۔ زمرد بیگم کی بات جیسے انہوں نے سنی ہی نہیں تھی۔ ہر ایک سراسیمگی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہا تھا۔

" جہانگیر!" کتنی ہی آوازیں سرزنش کے لیے نکلی تھیں لیکن ان پر مطلق اثر نہیں تھا۔ شنائیہ نے کوفت سے حویلی کے در و دیوار کو دیکھتے شاہ زر شمعون پر نظر ڈالی تھی وہ بھی شاکڈ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کا دم گھٹنے لگا عیشال کی حالت قابل رحم لگنے لگی۔

" میں نے کہا عیشال کو چھوڑیں چچا جان۔" تکلیف کی شدت سے آنسو وہ ں کے ساتھ عیشال کی کراہ ایک بار پھر نکلی تو اب کے سمہان نے ان کا ہاتھ عیشال کے بالوں سے ہٹانے کی کوشش کی، اس کوشش میں عیشال مزید اذیت کا شکار ہو کر اپنا سر پکڑ کر کراہنے لگی تھی۔ فریال اور اسفند بھی دہل کر سامنے آ گئے تھے ۔ لیکن جہانگیر پر جیسے کسی کے لفظ اثر نہیں کر رہے تھے۔

"لیگلی باپ ہوں میں اس کا، زندہ گاڑ دینے کا حق رکھتا ہوں۔ کون روکے گا مجھے۔" چوہدری جہانگیر تو اس کی جسارت ہی دیکھتے رہ گئے تھے۔ کس تیور سے وہ ان کا ہاتھ پکڑ گیا تھا لیکن پھر بھی بے رحم بنے رہے۔ فیروز، اسفند بخت سب جہانگیر کے نرغے سے عیشال کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگے۔

"آپ اس کے سرپرست تھے، نکاح کے بعد سے یہ میری کسٹڈی میں آ چکی ہے اور اپنی بیوی کے ساتھ ایسا سلوک میں کسی صورت برداشت نہیں کروں گا۔" وہ غضبناک ہو کر ان کی مٹھی کو کھولتا عیشال کے بال آزاد کراتے اسے اپنے پیچھے کر گیا تھا۔

" بیوی.....؟" ہر ایک اپنی جگہ ہق دق رہ گیا تھا۔ فریال اور زمرد بیگم سہم کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگی تھیں۔ لڑکیوں کی آنکھیں پھٹنے لگی تھیں۔

" کیا کہہ رہے ہو سمہان۔" چوہدری حشمت ہی پہلے چونکے۔

" یہی سچ ہے داجان، میں نے عیشال سے نکاح کر لیا ہے۔ اور اب ان سے کہیں اپنے ذہن کی غلاظت لے کر یہاں سے چلے جائیں، کیونکہ ان کی بچی نواب زادی سے میں کسی صورت نکاح نہیں کروں گا، جو مجھ سے نکاح کرنے کے لیے ایریاں رگڑ رہی ہے۔"

سمہان آفندی بہت افہام و تفہیم والے بندے کا نام تھا، رشتوں کے مان لحاظ پر جان دینے والے بندے کی پہچان کے حوالے سے جانا جاتا تھا لیکن چوہدری جہانگیر کے لگائے گئے رکیک الزام نے اسے سرتا پا شعلوں میں دھکیل دیا تھا۔ آج سے پہلے اسے اتنے غصے میں کسی نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

" بہت خوب..... وہاں میں نے اپنی رضامندی سے اپنے بیٹے کا نکاح کر دیا تو حویلی والوں کا گٹھ جوڑ سامنے آگیا اور یہاں، حویلی کا جاں نشین صائقہ کی بیٹی سے نکاح کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے اور آپ سب صدمے میں گھر گئے ہیں۔ کمال ہے بابا جان آپ کی ناک کے نیچے یہ سب ہوتا رہا ہے اور آپ انجان بنے رہے۔" استہزائیہ نظروں سے چوہدری حشمت کو دیکھ رہے تھے۔

" یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے، ہم اپنے طور پہ ہینڈل کر لیں گے۔ آپ شہری بچوں کی فکر کریں۔ عیشال کو اون کریں نا کریں ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔"

عیشال سامنے آنے کی کوشش کر گئی تھی لیکن سمہان ایک بار پھر اسے اپنے پیچھے کر کے چوہدری جہانگیر کو جواب دیتے چوہدری حشمت سے نگاہ چرا گیا جو بے یقینی سے اسے اور اس کے پیچھے کھڑی عیشال کو دیکھ رہے تھے۔ شاہ زر شمعون بھی حیرت میں گھر گیا تھا، لڑکیوں کے دل کانپ رہے تھے۔ خوشی اور خوف کا ملا جلا تاثر سب کے چہروں پر تھا۔

میں نے تمہیں اپنی زمین کی وجہ سے اہمیت دی۔ لیکن میری زمین کی خوشیوں کھا جانے والی کو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" چوہدری جہانگیر استہزائیہ انداز میں کہتے جیسے ہی قمیض بنا کر پسٹل نکالنے لگے ماحول میں ایک باونہ ہو سی مچ گئی۔ اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھتا چوہدری جہانگیر کی میگزین سے گولی نکل گئی تھی۔ عیشال کو مزید اوٹ میں کرتے سمہان آفندی کے اندر گولی گھستی چلی گئی تھی۔

"سمہان!" اسے کھڑے قد سے گرتے دیکھ کر کتنی ہی چیخیں نکلی، آوازیں گونجی تھیں۔ فضا میں ایک اور گولی چلی تھی۔ فرش خون سے رنگین ہو رہا تھا۔ عیشال تیورا کے سمہان کے قریب ہی جا گری تھی۔

" چچا جان!"

" بھائی صاحب ! "

قیامتِ صغریٰ کا سا منظر تھا۔ چوہدری اسفند بڑے بھائی کا احساس بھلا کے چوہدری جہانگیر کا گریبان پکڑ چکے تھے تو شاہ زر شمعون کا پسٹل چوہدری جہانگیر کی کنپٹی سے لگ گیا تھا۔ اپنی آنکھوں کے سامنے سمہان آفندی پر چلتی گولی دیکھ کر شاہ زر شمعون کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

" کس کس کو مارو گے اور کتنا خون بہاؤ گے۔ کیوں پیاس نہیں بجھتی تم لوگوں کی ۔ " فضا میں ندا کا بین سسکیاں بھر رہا تھا۔

جاری ہے

ریحانہ آفتاب

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط# 28

ماضی کے اوراق:

ہوا کی دوش پہ اڑتا نیلا آنچل سنبھالتے صائقہ کے بڑھتے قدم حویلی کی کچی مٹی پہ اٹھ رہے تھے۔ پیروں میں موجود نازک سی پازیب کا اکلوتا گھنگرو بج کر ہر اٹھتے قدم پہ اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔

" اوہو! لہراتا آنچل، ہاتھ میں چوری کا ڈبا لیے بھر جائی جی آئی ہیں۔" فریال ریوڑیاں سٹونگتے صائقہ پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اس نے خوشی سے نعرہ لگایا تو گندم صاف کرتی فائزہ اور دیا بھی اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

" السلام علیکم!" فریال کے نعرہ کو مسکراہٹ بخشتے اس کے گندمی رنگت میں بھر جائی سن کر شرم کی سرخی دوڑی تھی۔

" وعلیکم السلام! کیسی ہو صائقہ...؟" سب نے خیر مقدمی مسکراہٹ کے ساتھ اسے خوش آمدید کیا تھا۔

" اچھی ہوں بھابی۔" وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔ اس کے چہرے کی ملاحت اور معصومیت میں عجیب سی کشش تھی، جتنی سادہ تھی اتنی ہی سب کے دلوں میں اس کی اہمیت تھی۔

" تو بھنک پڑ گئی آپ کو، اس لیے چوری کا بہانہ بنا کر چلی آئیں۔" فریال نے ڈبا جھپٹ کے جھٹ کھولتے چوری کی خوشبو سونگھنے کے ساتھ چکھنے کا فریضہ بھی انجام دیتے صائقہ کی کھینچائی کی، وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

" ابھی ہم تمہیں بلاوا بھیج کے بلوانے ہی والے تھے، فریال بھی آئی ہوئی تھی، بس تمہاری کمی تھی۔" فائزہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔

" بلوانے کی کیا ضرورت ہے، دیکھا نہیں خوشبو سونگتے سونگھتے کیسے خرلماں خرلماں چوری بنالائیں۔" فریال نے ایک بار پھر چھیڑا تو دونوں مسکرا دیں۔

" میں تو خالہ کے لیے لے کر آئی تھی، انہیں چوری بہت پسند ہے نہ۔" اس کی شرارت پہ ہولے سے۔

" بس، بس رہنے دیں یہ صفائیاں، کیا ہم سب نہیں جانتے کہ چوری جہانگیر بھائی کو بھی کتنی پسند ہے۔ خبر ملنے کی دیر تھی کہ وہ چھٹی پہ آئے ہوئے ہیں، بنالائیں نمبر بڑھانے کو۔" اب کے صائقہ کو فریال کا مفہوم سمجھ آیا تو وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔

" قسم سے، یہ میں خالہ کے لیے بنا کے لائی ہوں۔"

" اسے چھوڑو، اس کی تو عادت ہے چڑانے کی۔ خود اسفند کا سنتے ہی آدھمکتی ہے، تب تو ہم کچھ نہیں بولتیں، آتے ہی نعرہ لگاتی ہے، بی جان اور آپ سب کی یاد آرہی تھی۔ یہ کہتے منہ سوکھتا ہے کہ اسفند کی خوشبو کھینچ لاتی ہے۔" اس سے تو دوبدو جواب بننا ہی نہیں تھا تن ہی فائزہ نے فریال پہ چڑھائی کی تو وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔

" سچ کہتے مجھے لجا آتی ہے، خود ہی سمجھ جایا کرو نا آپ سب۔" فریال کب باز آنے والی تھی۔

" جب سے آئی ہے، کچھ نہ کچھ ٹونگ رہی ہے، اور وزن کیسے کم کروں بھابی کی دہائی دیتے میڈیسن کے بارے میں پوچھتی رہتی ہے۔" دیا نے بھی حساب بے باق کیا۔

" توبہ، توبہ۔ ابھی رخصت ہو کر آئی نہیں کہ دونوں جٹھانیوں نے میرے خلاف کمر کس لی۔" چوری کا ڈبا رکھ کے ہاتھ جھاڑتے صائقہ کو دیکھتے رازدانہ انداز لیکن اونچی آواز میں مخاطب ہوتی ہے۔

" میں کیا کہہ رہی ہوں، ان دونوں نے تو دیورانیوں کو بسنے دینا ہے نہیں کیوں نہ ہم دونوں ایک ہو کے ان دونوں کے خلاف سازش رچیں۔"

" مجھے معاف رکھو۔" صائقہ نے ہری جھنڈی دکھادی تو فریال منہ بسور گئی۔

" سازش رچنے کے لیے تم اکیلی کافی ہو، بے چاری معصوم سی صائقہ کو مت گھسیٹو۔ اٹھو اور جٹھانیوں کے لیے چائے بنالاؤ، بچی تھک گئی ہیں ہم۔" فائزہ نے سستی سے بیٹھتے فریال کے دھموکا جڑا تو وہ بڑبڑاتی اٹھ گئی۔

" دیورانی بن کے آئی نہیں ہوں ابھی لیکن میرا آرام کرنا ابھی سے کھلتا ہے جٹھانیوں کو۔"

" ہاں تو کھلے گا۔" دیا نے بھی لگی لپٹی نہیں رکھی۔

" ویسے اسفند کہاں ہیں؟" جاتے جاتے وہ پلٹی تھی۔

" کیوں....؟ ہمارے دیور کے متعلق تفتیش کیوں؟" فائزہ نے مصنوعی تیوری چڑھائی۔

" پوچھ آؤں کہیں انہیں بھی چائے کی طلب نہ ہو رہی ہو۔" شرارتی انداز۔

اتفاق سے اسفند اسی وقت یہاں سے گزر رہا تھا، ان کی باتیں سن کر اس طرف آجاتا ہے۔

" کس کو میری چائے کی طلب الہام بن کر اترنے لگی۔" انداز شرارتی تھا۔ فریال سٹپٹا گئی تھی۔ باقی سب کے چہرے پر محظوظ کن مسکراہٹ پھیل گئی۔

" ان پر ہی جو بن رخصتی کے ہمارے سروں پہ ہر دم سوار دیورانی ہیں ہماری، انہیں ہی تمہارے متعلق الہام ہوتے رہتے ہیں۔" دیا نے کھینچائی کی تو فریال کو بھاگتے ہی بنی۔ سب محظوظ ہوئے تھے۔ صائقہ نے بہت غور سے ان کے چہروں پر پھیلی محبت کو دیکھا تھا۔

فریال اور اسفند کا نکاح کچھ ماہ پہلے ہی ہوا تھا، رخصتی اسفند کی تعلیم کے بعد ہونا تھی۔ چوہدری حشمت اور زمرد بیگم کی بھی دلی خواہش تھی کہ صائقہ اور جہانگیر کا نکاح بھی ساتھ کر دیا جائے لیکن جہانگیر نے ٹریننگ کا بہانہ بنا کر اس معاملے کو ملتوی کر دیا تھا۔ دو قدم کے فاصلے پر تو

فریال کا گھر تھا۔ وہ ہر دم ہی حویلی میں پائی جاتی تھی، دونوں جٹھانی اسے شرم دلاتی رہتی تھیں لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی، مجال ہے جو

کبھی شرمندہ ہوتی تھی۔ صائقہ بھی قریب ہی رہتی تھی لیکن اس کی آمد ضروری کام یا پھر ایک نظر کے لیے ہی ہوتی تھی۔ اور اس وقت تو اسے خبر بھی نہیں ہوئی تھی کہ جہانگیر ٹریننگ کی چھٹیوں پر آیا ہوا ہے۔ زمرد بیگم ان کے مسکراتے چہروں کو دور سے دیکھتے قریب آگئی تھیں۔ محبت سے صائقہ کو گلے لگاتے، کئی کئی دن بعد چکر لگانے پر گلہ کر رہی تھیں۔ ان سب کی ہی آپس میں بہت اچھی بنتی تھی۔

☆☆☆

"میں چلتی ہوں اب۔" اسے بیٹھے کافی دیر ہو گئی تھی۔

"کھانا ہمارے ساتھ کھا کے جانا آج۔ سب ہوں گے، تم نہیں ہو گی تو تمہاری کمی محسوس ہو گی پھر آج تو جہانگیر بھی حویلی میں ہے۔"

دیا نے روکنے کی خاطر کہا۔ سب جانتے تھے کہ صائقہ اور جہانگیر بچپن سے ایک دوسرے سے منسوب ہیں۔ اور وہ بھی جب سے آئی تھی ایک جھلک کے لیے بیٹھی ہوئی تھی لیکن جانے جہانگیر کہاں تھے کہ اس کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ فریال سے اس کی بے چینی چھپی نہ رہ سکی تھی تب ہی آتے ہی چائے کا کپ اسے پکڑا گئی۔

" کھانے میں تو ابھی بڑا ٹائم ہے، تب تک چائے پیئں اور اس سے پہلے یہ چائے اور اسنیکس جہانگیر بھائی کو دے آئیں، وہ کب سے بھوک کا رونا رو رہے ہیں۔" اس کا کپ واپس لے کر فریال نے چھوٹی سی ٹرے تھمائی تو صائقہ ہکا بکا ہو کے اسے دیکھنے لگی۔

"میں جاؤں؟"

"تو کیا میں جاؤں؟" فریال نے آنکھیں نکالیں۔

" اچھا نہیں لگتا، جہانگیر کیا سوچیں گے۔ اور باقی سب، میں نہیں جا رہی ان کے کمرے میں۔" وہ گھبرا گئی۔

"سب کون؟ ہم سب تو یہیں ہیں، بی جان یا کسی کو بھی چائے دینے پہ کیا اعتراض ہونے لگا بھلا۔ آخر مستقبل میں بھی تو آپ نے ہی ان کے سارے کام کرنے ہیں۔"

" مجھ سے نہیں ہوگا۔" اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے۔

" ہوگا نہیں، ہونے لگا ہے۔" دیا نے بھی فائزہ کے ساتھ اسے دھکیلا تو وہ تھکے تھکے قدم سے آگے بڑھنے لگی۔ لیکن بار بار انہیں پلٹ کے دیکھنے لگی۔

" اتنی سادہ ہے یہ جانے کیسے نبھے گی دونوں کی۔" فائزہ کو تشویش ہوئی۔

" جھجک تو رہے گی، جہانگیر نے کبھی بچپن کے رشتے کا احساس ہی نہیں رکھا، پگلی اکیلے ہی محبت کیے جا رہی ہے، جہانگیر کا انداز تو ٹھس سا ہوتا ہے صائقہ کے لیے۔" دیا کو بھی تشویش ہوئی۔

" جہانگیر بھائی شادی تو کریں گے نا صائقہ بھابی سے جانے کیوں ہمارے نکاح کے وقت انکاری ہو گئے تھے تو تب سے میرے ذہن میں یہ بات آگئی۔" فریال نے پریشانی کو زبان دی۔

" شادی تو کرنی ہی پڑے گی۔ بچپن سے اس کے نام پر بیٹھی ہے، ہمارے ہاں تو جس کا نام ایک بار لڑکی پہ لگ گیا سو لگ گیا، دوسرے کے ساتھ اس کا نام لینا بھی گناہ میں آتا ہے۔"

" ایسا صرف صائقہ یا ہم لڑکیاں ہی سوچتی ہیں، جانے جہانگیر کیا سوچتا ہے، سچی مجھے بڑا عجیب لگتا ہے اس کا رویہ صائقہ کے لیے، ڈھونڈے سے بھی کوئی احساس نہیں ملتا اس کے اندر۔"

تینوں آپس میں باتیں کر رہی تھیں لیکن جہانگیر کی سمجھ کسی کو نہیں تھی۔

☆☆☆

چائے ٹھنڈی بھی ہو جاتی لیکن اس میں دستک دینے کی ہمت نہ ہوتی، کب سے دروازے پہ کھڑی وہ واپس پلٹنے کے بارے میں سوچ رہی تھی، کتنی ہی بار دستک کے لیے ہاتھ اٹھے تھے لیکن پھر انگلیاں غیر محسوس طریقے سے خود ہی بھنچ گئیں۔ قریب تھا کہ وہ کم ہمتی کے ہاتھوں پلٹ ہی جاتی لیکن شاید قسمت کو اس پہ رحم آگیا تھا۔ تب ہی کھٹاک سے دروازہ کھلا، جہانگر کا چہرہ نمودار ہونے کے ساتھ ان کی تیز آواز بھی سنائی دی۔

"بی جان! یہی کوئی گھنٹا ڈیڑھ گھنٹا پہلے چائے اور اسنیکس مانگے تھے۔"

" وہ، وہ..... یہ رہی چائے اور آپ کی اسنیکس۔" اتنے قریب کھڑے جہانگیر کو دیکھتے ان کی اچانک پڑنے والی دھاڑ پہ صائقہ کے

ہاتھوں میں ٹرے کپکپانے لگی۔ جہانگیر بھی اسے عین دروازے پہ دیکھ کر ایک پل کو ٹھٹھکے تھے اگلے ہی پل چہرے پر ناگواری پھیلنے کے ساتھ ان کی نظر چائے کے کپ پہ پڑی، جس پہ موجود تہہ اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ چائے کافی دیر کی نکلی ہوئی ہے۔

"اتنا انتظار کرنے کے بعد یہ ٹھنڈی چائے پیوں گا....؟" سخت تیوروں سے گھورتے سوال ہوا۔

" میں جلدی سے دوسری چائے بنالاتی ہوں۔" وہ گھبرا گئی۔

" دیکھ لی تمہاری جلدی، اور تمہیں یہ کرنے کو کہا کس نے ہے، جب کوئی کام کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تو وہ کام اپنے ذمہ لیتی کیوں ہو؟ جاؤ جا کے اپنا کام کرو، نہیں پینی مجھے چائے وائے۔"

اپنی سی کہہ کر اندر داخل ہو کے وہ اپنے پیچھے دروازہ دھاڑ سے بند کر گیا تھا۔ صائقہ ایک دم سے ڈر کے پیچھے ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک آج کچھ نیا نہیں تھا لیکن وہ نم آنکھوں سے پلٹتے یہی سوچ رہی تھی کہ باقی سب کو کیسے مطمئن کرے گی۔

☆☆☆

"بس بی جان! مجھے نہیں رہنا حویلی میں۔ میرا سامان پیک کروادیں میں۔ سارے دوست گھروں میں چھٹیاں منانے گئے ہیں، میں اکیلا وہیں رہ لوں گا، یہاں آ کے کیا فائدہ۔ ایک کپ چائے تو یہاں ٹائم پر ملتی نہیں۔"

وہ شکایت لے کر زمرد بیگم تک پہنچ گیا تھا۔ اسی وقت اپنے جانے کا بتانے کے لیے آتی صائقہ سب سن کر ایک بار پھر پھیکی سی ہو گئی۔

"لے کے تو گئی تھی صائقہ، دی نہیں تمہیں۔ دی بھی ہو گی تو تم نے واپس بھجوا دی ہو گی، ذرا صبر نہیں ہے تم میں۔" زمرد بیگم گھرکنے لگیں۔

"جب حویلی میں اتنے ملازم ہیں تو دیری کیوں ہوئی ذرا سے کام میں۔ اور یہ صائقہ کے ہاتھ چائے بھیجنے کو کس نے کہا تھا؟" بگڑا انداز۔

"اتنی سی بات کو حاوی نہ کیا کرو، صائقہ چائے لے آئی تو کیا گناہ ہو گیا۔ حویلی کی ہونے والی بہو ہے، بچپن کی منگ ہے تمہاری۔ آگے چل کے اس نے ہی تمہارے سارے کام کرنے ہیں۔" ناصحانہ انداز تھا۔

"آگے چل کے، ہونہہ!" غیر محسوس طریقے سے بڑبڑا کے سر جھٹکتا ہے۔

"صائقہ وہاں کیوں کھڑی ہو آؤ بیٹا۔"

اسی دم زمرد بیگم کی نگاہ صائقہ پہ پڑی تھی اور وہ اسے مخاطب کر گئیں جہانگیر بھی چونک گیا تھا۔ اس پہ ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ صائقہ ست قدموں سے آگے بڑھی تھی۔

"میں گھر جارہی تھی بی جان، آپ کو بتانے آئی تھی۔" جھجکتے ہوئے۔ سرسری نظر جہانگیر پہ ڈالتی ہے جو لاپروائی سے اسے نظر انداز کیے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

"کھانا کھا کر جاتی نا۔" اصرار کیا۔

"اماں کے سر میں درد تھا بی جان، میں پھر آجاؤں گی۔" اس نے جلدی سے کہہ کر اجازت چاہی۔

"چلو ٹھیک ہے لیکن ٹھہرو، اندھیرا پھیل گیا ہے، بھلے آگے جا کے ہی دوسری گلی میں گھر ہے لیکن اکیلی نہ جاؤ، اٹھو جہانگیر، صائقہ کو اس کے دروازے تک چھوڑ آؤ، خالہ کو بھی سلام کر آنا۔ پوچھتی رہتی ہے جب آتی ہے، تم ہوتے نہیں ہو، ملاقات نہیں ہوتی۔" زمرد بیگم کے حکم پر جہانگیر کا منہ بنا تھا۔

"اٹھو شاباش!" زمرد بیگم خاطر میں لائے بنا زور دینے لگیں۔

"میں چلی جاؤں گی بی جان، انہیں زحمت نہ دیں۔" اس کے تاثرات سے جان گئی تھی کہ کتنا گراں گزرا ہے۔

"زحمت کیسی، ذمہ داری ہو تم اس کی۔ اٹھو جہانگیر۔" تحکم بھرے انداز پر ناچار جہانگیر اٹھ گئے تھے لیکن انداز سے جھنجلاہٹ صاف ظاہر تھی۔

☆☆☆

عیشاء کا وقت ہونے والا تھا۔ اندھیرا پھیل گیا تھا، زمرد بیگم نے ٹھیک ہی جہانگیر کو ساتھ کر دیا تھا۔ دونوں خاموشی سے چل رہے تھے۔ چادر سے اچھی طرح خود کو چھپائے وہ سر جھکائے چل رہی تھی۔ اس کی پازیب کا اکلوتا گھنگرو ہلکے سے شور کر رہا تھا۔

"یوں لگ رہا ہے کسی انسان کے ساتھ نہیں، گائے، بھینس کے ساتھ چل رہا ہوں، کیا موت پڑی تھی اسے پہننے کی.....؟" وہ بری طرح اس کے پیروں کو گھور رہا تھا۔

"آپ کو پسند نہیں تو، اب سے نہیں پہنوں گی۔" وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے چوڑیوں اور پازیب کی آواز کتنی پسند ہے، اس کے باوجود ناگواری کا اظہار اس انداز میں کر گیا کہ وہ بجائے برا ماننے کے، اپنی پسند بتانے کے، اس کی پسند کو اولیت دے کر آئندہ کا لائحہ عمل بھی بتا گئی۔

" میری بلا سے پہنو یا نہ پہنو۔" جلا بھنا انداز۔

" جب اندھیرے میں اکیلے واپس جانا مشکل ہے تو کس نے کہا ہے کہ حویلی میں جم کے بیٹھی رہو، روشنی میں واپس نہیں جا سکتی تھیں۔" جلے بھنے لہجے میں وہ استفسار کر رہا تھا۔ صائقہ چپ تھی۔

" اور جب تک میں ہوں کوئی ضرورت نہیں ہے حویلی میں آنے کی، بلاوجہ بی جان تمہارا باڈی گارڈ بنا دیتی ہیں، کوئی تمہیں زبردستی چائے کی ٹرے تھما دیتا ہے اور تم ننھی پری اسے اٹھا کر دروازے کے باہر پہرہ دینے لگتی ہو۔ اس طرح کی حرکت کر کے آئندہ میرے سامنے آنے کی کوشش کی تو دیکھنا، کیسا سلوک کرتا ہوں تمہارے ساتھ۔" چند قدموں کا سفر تھا جس میں اسے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔ اور چادر کے پیچھے صائقہ تاثرات چھپائے چل رہی تھی۔

اس کا گھر آگیا تھا۔ دونوں دروازے پہ رک گئے تھے۔

"اندر نہیں آئیں گے۔" اسے پلٹتے دیکھ کر ساری ترش باتیں پیتے وہ دل کے ہاتھوں مجبور سوال کر گئی۔

"خالہ کو سلام کہہ دینا۔" جواب کے قابل جانے بنا وہ اپنی کہہ کر پلٹ گیا تھا، صائقہ تب تک اسے دیکھتی رہی جب تک وہ مڑ نہیں گیا۔

☆☆☆

" ہاں بھئی، گھر آئے دو دن نہیں ہوتے اور تمہاری بی جان بتا رہی ہیں تم جانے کی کر رہے ہو۔" چوہدری حشمت تک شکایت پہنچی تو انہوں نے زمرد بیگم کے ساتھ جہانگیر کو بھی بلاوا بھیجا اور اب دونوں ان کے سامنے تھے۔

" میرا دل نہیں لگتا بابا جان یہاں۔" صاف جواب تھا۔

"کیوں نہیں لگتا بھئی۔ یہاں تمہارے اپنے ہیں۔ یہاں نہیں لگتا دل تو پھر کہاں لگتا ہے؟" چوہدری حشمت کالی داڑھی پہ ہاتھ پھیرتے سوال کر رہے تھے اور اس سوال میں کتنی نرمی اور محبت تھی یہ ہر کوئی محسوس کر سکتا تھا کہ جہانگیر سے بات کرتے اکثر ان کا یہی انداز ہوا کرتا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں بھی اسی محبت سے ذکر ہوتا تھا۔

" میرے لیے شہر ہی ٹھیک ہے بابا جان۔" پسند بتا دی گئی تھی۔

" تمہاری ضد پہ ہم نے تمہاری مرضی سے پولیس کی نوکری کرنے کی اجازت دے دی اور اب تم ٹریننگ پہ ہو ۔کل کو کسی پوسٹ پر بھی لگ جاؤ گے، تعلیم بھی ساتھ جاری ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہو۔" اس کے خیالات جاننا چاہ رہے تھے۔

" میں اس چھوٹی موٹی پوسٹ کے لیے نہیں بنا ہوں بابا جان، پولیس کی فیلڈ میں ہی مجھے بہت آگے جانا ہے۔ اپنا نام بنانا ہے، میرا نام سن کر ہی لوگ مجھے پہچان لیں ورنہ پولیس تو روز بنتے اور شہید ہوتے ہیں، میں نے کچھ الگ کرنا ہے۔ 'چھوٹے موٹے تھانے میں بیٹھ کر عمر نہیں گنوانی۔" اپنے عزائم بتاتے ان کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

" خیالات تو اچھے ہیں، ہمیں بھی خوشی ہوگی کہ ہمارا بیٹا کسی قابل بن گیا ہے۔ ٹریننگ کے بعد پوسٹنگ تو تمہاری یہیں ہوگی، اچھا ہے ہماری آنکھوں کے سامنے رہو گے۔" متاثر ہوتے سراہتے ہیں۔

" ان باتوں سے فرصت ہو تو میری بھی سن لیں۔" کافی دیر سے خاموش بیٹھی زمرد بیگم نے لب کشائی کی تو چوہدری حشمت ذرا سا مسکرائے۔

" کہیے آپ بھی۔"

" رابعہ (فریال کی ماں، چوہدری حشمت کی دور کی رشتے دار) میرے کانوں میں بات ڈال گئی ہے کہ وہ فریال کی رخصتی جلد چاہ رہی ہے۔"

" ہاں تو ٹھیک ہے، اسی ماہ کروا لیتے ہیں رخصتی، اسفند کا امتحان بھی ہو گیا ہے اب تو۔" ہامی بھر لی۔

" وہ تو ٹھیک ہے، اسی ماہ والیتے ہیں، لیکن میں چاہ رہی ہوں کہ صائقہ کو بھی ساتھ ہی بیاہ لاؤں۔ جہانگیر، اسفند سے بڑا ہے، پہلے اس کی ہونی چاہیے۔" چوہدری حشمت سوچنے لگے تھے اور جہانگیر کا منہ بن گیا۔

" ایسا کہاں لکھا ہے بی جان کہ پہلے بڑے کی شادی ہونا فرض ہے۔ آپ کروادیں اسفند کی شادی، ابھی مجھے ٹریننگ مکمل کرنی ہے، شادی وادی کا کوئی پلان نہیں ہے فی الحال میرے پاس۔" تھوڑا بگڑ کے۔

" کیوں، صائقہ آکے کیا ٹریننگ سے روک دے گی تجھے؟ شادی سے بھاگنے کے بہانے ہیں بس۔" زمرد بیگم غصہ ہوئیں۔

" جو بھی ہے بی جان میں ابھی شادی نہیں کروں گا۔ ضروری تھوڑی ہے حویلی میں ہر سال دو شادیاں ساتھ ہوں۔ پچھلے سال ہی فیروز اور بخت بھائی کی شادی ساتھ کرکے دل نہیں بھرا آپ کا جواب میری اور اسفند کی شادی ساتھ کروانے کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔"

" چلو نہیں کرواتے ساتھ شادی لیکن یہ بھی تو پتا چلے، آخر کب کرو گے؟" اسے ٹھنڈا کرنے کو چوہدری حشمت ہاتھ اٹھا کر زمرد بیگم کو چپ رہنے کا اشارہ کر گئے۔

" جب کرنا ہوا بتادوں گا بابا جان، میں کوئی بھاگا جا رہا ہوں۔" نروٹھا انداز۔

" بخت ڈاکٹری کر رہا ہے، اسفند آرکیٹکٹ کا امتحان دے رہا ہے کسی کو پڑھائی کے ساتھ شادی کا مسئلہ نہیں ہوا، ایک تم ہی انوکھے ہو، جو پولیس کی معمولی سی نوکری کے لیے شادی کو ٹال رہے ہو۔" زمرد بیگم مزید چپ نہ رہ سکیں۔ اور معمولی نوکری کا طعنہ دینا جہانگیر کو گالی کی طرح لگا تھا۔

" اسی معمولی نوکری میں جب آپ کو اپنی پاور دکھاؤں گا تو آپ خود تعریف کریں گی۔ جس کسی کو بتائیں گی چوہدری جہانگیر کی ماں ہیں وہ آگے سے راستہ خود دے گا۔"

" خواب دیکھنا اچھا ضرور ہے لیکن اس کے پیچھے یوں پاگلوں کی طرح بھاگنا کسی طور مناسب نہیں ہے۔ مجھے تو تمہارے پیشے سے ہی اختلاف ہے، جس میں جائز، ناجائز اور حرام حلال میں تمیز کرنا مشکل ہے، رشوت عام ہے، خیر سے پولیس والے بن رہے ہو تو مظلوموں کی آہ مت لینا۔ ہماری دعا تمہارے ساتھ ہے، بیٹے ہو تم میرے اتنے

ہی عزیز ہو جتنے باقی کے تین بیٹے عزیز ہیں لیکن صائقہ کے معاملے میں تمہاری غیر ذمہ داری مجھے قطعاً پسند نہیں ہے، کتنی ہی بار میں نے تمہیں اسے جھڑکتے دیکھا ہے۔ اور اب شادی سے مسلسل انکار، تم چاہتے کیا ہو، کھل کے کہو گے۔" جہانگیر کے جی میں تو یہی آیا کہ کھل کے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیں لیکن اس سے پہلے ہی چوہدری حشمت بول پڑے۔

"کیا مسئلہ ہوگا، بچہ ابھی شادی کی ذمہ داری میں نہیں پڑنا چاہتا تو تم کیوں زبردستی کر رہی ہو۔"

"کیسی ذمہ داری چوہدری جی.....؟ کیا اس نے پولیس کی معمولی تنخواہ میں صائقہ اور اپنے بچوں کو پالنا ہے؟ یا اسے چونے، مٹی سے گھر بنانے کی فکر ستا رہی ہے جو یہ ٹال مٹول کر رہا ہے۔ حمیدہ (صائقہ کی ماں) کم عمری سے بیوگی کی زندگی جی رہی ہے۔ آئے دن اس کی طبیعت خراب رہنے لگی ہے۔ وہ کب تک جوان بیٹی کو لیے بیٹھی رہے گی۔ ہر بار میرا منہ تکتی ہے اور میں کوئی جواب نہیں دے پاتی، اسفند کے نکاح میں کیسی دکھی بیٹھی ہوئی تھی یہ دیکھ کر تو میرا کلیجہ منہ کو آگیا۔ کیا تھا جو جہانگیر بھی نکاح کروا کے اسے خوشی دے جاتا، ابھی بھی دیر نہیں ہوئی اسفند کے ساتھ اس کی بھی شادی ہو جائے گی تو حمیدہ کو بھی سکون ہو جائے گا کہ بیٹی اپنے گھر کی ہو گئی۔"

"بات تو یہ بھی ٹھیک کہہ رہی ہیں تمہاری بی جان۔ کیا کہتے ہو پھر تم....؟" زمرد بیگم کی بات سے متفق ہوتے چوہدری حشمت نے جہانگیر کی طرف دیکھا تو وہ جھنجلا گیا۔

"اسی لیے مجھے حویلی آنے کو دل نہیں چاہتا، کرواتے رہیں آپ لوگ شادی، جا رہا ہوں میں واپس ٹریننگ سینٹر۔" غصے سے واک آؤٹ کر گیا تھا۔

"جہانگیر!" پیچھے چوہدری حشمت آواز دیتے رہ گئے۔

"آپ بھی کمال کرتی ہیں بیگم، مہینوں بعد شکل دکھاتا ہے اور آپ اسے ہر بار ناراض کر کے بھیجتی ہیں۔ کہہ دیجیے حمیدہ سے صائقہ ہماری ہی بہو بنے گی، بھلے دیر سے ہی سہی، وہ تسلی رکھے۔ اور رابعہ کو بھی پیغام بھجوا دیجیے کہ اگلے ہفتے رخصتی کی تیاری کرے، ہم جہانگیر کو منا لیں ذرا، چھوٹے بھائی کی شادی میں نہیں ہوگا تو خاک ہمارا دل

لگے گا۔" چوہدری حشمت ایک ساتھ ساری باتیں کرتے جہانگیر کو منانے کے لیے اپنے کمرے سے نکل گئے تھے۔

" سر چڑھتا جا رہا ہے یہ لڑکا، جانے کیا سمائی ہوئی ہے اس کے دل میں، کتنا برا ہو گا صائقہ اور حمیدہ کا دل جب فریال اور اسفند کی رخصتی کا سنیں گی۔ یہ لڑکا ہر جگہ ذلیل کرنے کو پیدا ہوا ہے۔ ہر بات میں اپنی مرضی، جانے کن ہواؤں میں اڑ رہا ہے۔" زمرد بیگم جھلا کے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں ابھی انہیں رابعہ سے بھی رابطہ کرنا تھا۔

☆☆☆

" بھابی ڈال اور تھوڑا نیچے کرنا۔" فریال کا دل کیریوں پہ آیا ہوا تھا، صائقہ کو زمرد بیگم نے اپنے کام سے بلوا رکھا تھا، کام سے فارغ ہوئی تو فریال کو کیریاں توڑ کر کھانے کا خیال آیا تو صائقہ کو ڈال پکڑوا لے جھٹ درخت کے نیچے کرسی ڈال کے توڑنے کھڑی ہو گئی۔ لیکن کیریاں پہنچ سے دور تھیں۔ وہ اچک اچک کے توڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

" اور نہیں ہو رہا فریال۔" صائقہ نے معذوری ظاہر کی تو فریال جوش میں مزید اچکنے لگی۔

" یہ کیا ہو رہا ہے؟" اسفند کے بولنے کی دیر تھی فریال کرسی سمیت زمین بوس ہو چکی تھی۔ صائقہ نے تو منہ پہ ہاتھ رکھ کے ہنسی چھپائی تھی، دور سے آتی دیا اور فائزہ بھی یہ منظر دیکھ کے ہنس پڑی تھیں۔

" آپ کا بولنا ضروری تھا کیا؟" کہنی سہلاتی فریال تیکھی نظروں سے اسفند کو گھورنے لگی تھی۔

" جب اللہ نے اتنے لمبے ہاتھ نہیں دیے تو کوشش ہی کیوں کرتی ہو؟ شریر نظروں سے چڑا رہا تھا۔

" بھابی تم ہی اسے کوئی عقل سکھا دو، اتنی سمجھ بوجھ والی ہو۔" اسفند، صائقہ کو مخاطب کر گیا تو وہ ہولے سے مسکرا دی، گو کہ ابھی جہانگیر کے ساتھ کوئی قانونی رشتہ نہیں بنا تھا لیکن حویلی کے تمام لوگ اسے بہو اور بھابی کا درجہ ہی دیتے تھے۔

" بھابی کو مشورہ دینے کی بجائے یہ کیریاں توڑ کے دیں مجھے۔ نمک اور مرچ میں پہلے ہی لے آئی تھی، بس کیریاں ہاتھ نہیں آرہیں۔"

" کمال ہے، کیریوں کا پتا نہیں اور نمک، مرچ تیار ہیں۔" اسفند ہنس پڑے تھے۔ صائقہ بھی دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھی۔

" توڑتے ہیں یا نہیں؟" فریال نے اب کے آنکھیں دکھائیں تو اسفند سعادت مندی سے ڈنڈا اٹھا کر کیریاں توڑنے لگا۔

" واہ، واہ، ابھی سے حکم چلاؤ، ہمارے دیور پر۔" فائزہ نے آتے ہی کھینچائی کی۔

" دو تین دن میں رخصتی ہونے والی ہے، لڑکی اب تو نک کے گھر بیٹھ جاؤ۔" دیا نے بھی فریال کو شرمندہ کرنا چاہا۔ اسفند مسکراتے ہوئے اس کی درگت انجوائے کرنے لگا۔

" ہاں میں گھر بیٹھ جاؤں تاکہ میری جٹھانیاں، میری ساس کو ورغلا کر بری میں الٹے سیدھے کپڑے، جوتے رکھ دیں۔ نہ جی، سب کچھ خود دیکھ کے رکھواؤں گی۔ بی جان نے آج ہی دو جوڑے ناپ لے کر بھیجے ہیں میرے۔"

" تمہیں ہم ایسی لگتی ہیں۔ دیکھ رہی ہو صائقہ، بے چاری کب سے بی جان کے پاس بیٹھی تمہارے جوڑوں پر ہی گوٹے ٹانکتی رہی اور تم ہو کہ جٹھانیوں پہ شک کر رہی ہو۔"

" ہاں تو میں نے صائقہ بھابی کو کب کچھ کہا، مجھے تو پتا ہے، یہ کتنی معصوم ہیں، چالاکی کی امید تو مجھے آپ دونوں سے ہے۔" وہ چڑانے لگی تھی۔

"دیکھ رہے ہو اسفند، کیسی چنڈ دیورانی آرہی ہے ہماری۔" فائزہ نے کھینچائی کرتے صائقہ کا کام یاد دلا کے اسفند کو بھی گھسیٹ لیا۔

" آپ کی دیورانی کو ہی دیکھ رہا ہوں بھابی۔" اسفند کا شوخ جواب سب کو ہنسنے پہ مجبور کر کے فریال کا سرخی بخش گیا تھا۔

" بھابی کو مشورہ دینے کی بجائے یہ کیریاں توڑ کے دیں مجھے۔ نمک اور مرچ میں پہلے ہی لے آئی تھی، بس کیریاں ہاتھ نہیں آرہیں۔"

" کمال ہے، کیریوں کا پتا نہیں اور نمک، مرچ تیار ہیں۔" اسفند ہنس پڑے تھے۔ صائقہ بھی دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھی۔

" توڑتے ہیں یا نہیں؟" فریال نے اب کے آنکھیں دکھائیں تو اسفند سعادت مندی سے ڈنڈا اٹھا کر کیریاں توڑنے لگا۔

" واہ، واہ، ابھی سے حکم چلاؤ، ہمارے دیور پر۔" فائزہ نے آتے ہی کھینچائی کی۔

" دو تین دن میں رخصتی ہونے والی ہے، لڑکی اب تو نک کے گھر بیٹھ جاؤ۔" دیا نے بھی فریال کو شرمندہ کرنا چاہا۔ اسفند مسکراتے ہوئے اس کی درگت انجوائے کرنے لگا۔

" ہاں میں گھر بیٹھ جاؤں تاکہ میری جٹھانیاں، میری ساس کو ورغلا کر بری میں الٹے سیدھے کپڑے، جوتے رکھ دیں۔ نہ جی، سب کچھ خود دیکھ کے رکھواؤں گی۔ بی جان نے آج ہی دو جوڑے ناپ لے کر بھیجے ہیں میرے۔"

" تمہیں ہم ایسی لگتی ہیں۔ دیکھ رہی ہو صائقہ، بے چاری کب سے بی جان کے پاس بیٹھی تمہارے جوڑوں پر ہی گوٹے ٹانکتی رہی اور تم ہو کہ جٹھانیوں پہ شک کر رہی ہو۔"

" ہاں تو میں نے صائقہ بھابی کو کب کچھ کہا، مجھے تو پتا ہے، یہ کتنی معصوم ہیں، چالاکی کی امید تو مجھے آپ دونوں سے ہے۔" وہ چڑانے لگی تھی۔

"دیکھ رہے ہو اسفند، کیسی چنڈ دیورانی آرہی ہے ہماری۔" فائزہ نے کھینچائی کرتے صائقہ کا کام یاد دلا کے اسفند کو بھی گھسیٹ لیا۔

" آپ کی دیورانی کو ہی دیکھ رہا ہوں بھابی۔" اسفند کا شوخ جواب سب کو ہنسنے پہ مجبور کر کے فریال کا سرخی بخش گیا تھا۔

"کیریاں ٹوٹ گئیں تو چلتے بنیں خواتیں کی محفل سے۔ کیریاں دوپٹے میں سمیٹے فریال نے حکم صادر کیا تو اسفند مسکراتے ہوئے پلٹ گیا۔

"میں چلتی ہوں بھابی!" صائقہ کو جہانگیر کی بات یاد تھی تب ہی اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی جانا چاہ رہی تھی۔ آج بلاوے پر آئی تو جہانگیر نے گزرتے ہوئے ایک نظر ڈالی تھی اور اس ایک نظر میں ہی یہ بات درج تھی کہ پھر آگئی۔

"اتنی جلدی کیا ہے، ابھی رکو تو۔"

"کیا ہی اچھا ہوتا جو جہانگیر اور صائقہ کی بھی ساتھ شادی ہو جاتی۔" دیا کو افسوس ہوا۔ صائقہ سر جھکائے ناخن دیکھنے لگی تھی۔ اس نے اور حمیدہ نے جب یہ خبر سنی تھی تو اسے بھی عجیب لگا تھا۔ زمرد بیگم نے سجاؤ سے جہانگیر کی ٹریننگ کا حوالہ دے کے بات سنبھال لی تھی لیکن بات دل کو تو لگ ہی گئی تھی۔

"تم کیوں چپ چپ رہتی ہو اتنی، جا کے جہانگیر سے پوچھتی کیوں نہیں کہ بچپن سے اپنے نام پہ بٹھا رکھا ہے تو شادی کیوں نہیں کرتے، دیکھتی نہیں یہ فریال کیسے لڑتی ہے اسفند سے، حق جتاتی ہے۔ تم بھی جہانگیر کو اپنے ہونے کا احساس کیوں نہیں دلاتیں۔" فائزہ کو جانے کیوں وہ کچھ اداس لگی تھی۔ اس لیے صلاح دینے لگی، کیریاں چھیلتی فریال نے بھی اس کے پھیکے پڑتے چہرے کو محبت سے دیکھا تھا۔

"حق تو وہاں ہوتا ہے بھابی جہاں، محبت ہو۔ جہانگیر کو تو شاید محبت ہی نہیں ہے۔" عجب ٹوٹا ہوا لہجہ تھا۔

"لیکن تمہیں تو جہانگیر سے محبت ہے نا۔" دیا کو وہ بہت دلگرفتہ لگی۔ صائقہ کے چہرے پر دلسوز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"یہ لو، یہ کیوں آگئی، کیا بی جان نے شادی کا بلاوا بھیج دیا سب کو؟" فائزہ نے دبی آواز میں کہا تو سب اس کے اشارہ کرنے پر آنے والی عورتوں کو دیکھنے لگیں۔

نصیبن بڑا سا برقعہ سنبھالے چھوٹا سا بیگ گھسیٹے آ رہی تھی اور اس کے پیچھے ریشمی بلیک چادر جو تقریباً جسم سے ڈھلک کے ہاتھوں پر آگیا تھا، اس پر بلو دوپٹا سر پہ کچھ اس طرح جمایا گیا تھا کہ بالوں کی لٹیں آدھے سے زیادہ دوپٹے

سے جھانک رہی تھیں، صاف ظاہر تھا کہ آملہ اور ریٹھا سے دھلے بالوں کی نمائش جاری تھی۔ کڑھے ہوئے سوٹ، متوالی چال میں وہ نصیبن کے پیچھے پیچھے حویلی کی عمارت کو دیکھتے ہوئے آرہی تھی۔

" سلام چاچی!" نصیبن نے انہیں دیکھ لیا تھا وہ ان کے سامنے رکی تو فائزہ نے سلام داغ دیا جس کی سب نے تقلید کی۔

" وعلیکم السلام، وعلیکم السلام! کیسی ہو سب، بھئی واہ، حویلی کی چاروں بہوئیں ایک ساتھ، دھن ہو گئی میں تو۔" نصیبن کے کہنے کی دیر تھی اس کے پیچھے آنے والی نے ایک ایک کا چہرہ بغور دیکھا تھا۔ اور سب پر سے ہوتی اس کی نظر صائقہ کی گندمی رنگت کو دیکھتے کچھ استہزائیہ ہو کر اپنے دودھ جیسے ہاتھوں پر جم گئی تھیں۔ اسے اپنے حسن پہ بڑا گھمنڈ تھا، ستوان اونچی ناک کو نخوت سے پھلاتے اس نے ایک بار پھر حویلی کی عمارت کو دیکھا تھا۔

" سلام کر بھابیوں کو۔" نصیبن نے اسے پکڑ کے سامنے کیا تو اس نے مارے باندھے سلام علیکم کر دیا۔

" یہ میری بیٹی منزہ ہے، پہلے ملے ہو نا تم لوگ۔" نصیبن تعارف کراتے استفسار کر رہی تھیں۔

"جی چاچی لیکن کافی دنوں بعد آنا ہوا آپ کا۔" دیا نے بات سنبھالی، ورنہ منزہ کا نخوت بھرا انداز اسے بہت کھلا تھا۔

" ہاں بس دوسرے گاؤں سے آنا مشکل ہوتا ہے ابھی آپا نے اسفند کی شادی کا بلاوا بھیجا تو چلی آئی شرکت کرنے۔

" بہت اچھا کیا، بی جان اندر ہیں آپ جائیں۔" فائزہ نے آگے کا راستہ دکھایا تو دونوں ماں بیٹی جانے لگیں۔

" یہ اس کا انداز دیکھا تھا، حویلی کی بہوئیں سن کر کریلے جیسں منہ بنالیا، اس مچھیرے کی بیٹی کے ایسے تیور، حد ہے۔؟" فریال کو بھی اس کی نظریں چبھ گئی تھیں۔ چونکہ سب ہی ایک خاندان کی دور پرے کی رشتے دار تھیں اور حویلی میں آنے جانے کے باعث ایک دوسرے سے واقفیت تھی تو منزہ کو کافی عرصے بعد دیکھ کر سب کو پھر سے یاد آگئی۔

" نخوت بھرا انداز کیوں نہ ہو۔ خود کو کسی ریاست کی ملکہ سمجھتی ہے، بہت گھمنڈ ہے اپنے چٹے رنگ اور چال ڈھال پر بارہ جماعتیں کیا پڑھ لیں خود کو آکسفورڈ سے پڑھا لکھا سمجھتی ہے۔"

" چھوڑیں اس کا کیا ذکر، ایسی لڑکی، جس کے کردار کا پتا نہ ہو، پچھلی بار آئی تھی تو میں نے غلطی سے اسے کمپنی دینے کے خیال سے تھوڑی بات چیت کیا کرلی، توبہ میرے تو کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔ فیشن، بیوٹی ٹپس سے فارغ ہو کے کوئی دو سو لڑکوں کے نام تو گنوا چکی ہو گی جو اس پہ مرتا ہے۔ چال ڈھال سے ہی اندازہ ہے کہ خود سب کو لائن دیتی ہے۔ اور فخریہ انداز میں معاشقوں کی داستان سناتی ہے۔" دیا کو بھی یاد آگیا تو اس نے فائزہ کی بات کو بڑھاوا دیا۔

" یہ نصیبن لگتی کیا ہے بی جان کی۔" فریال کو یاد نہ آیا تو سوال کر بیٹھی۔

" بی جان کی کچھ نہیں لگتی۔ بابا جان کی دور کی بھابی ہیں۔ بس اسی بہانے آجاتی ہیں اکثر، اکیلی آتی تو اچھا تھا شادی میں، یہ کیا بیٹی کو اٹھا لائیں ساتھ۔" فائزہ کو اچھا نہ لگا۔

" چھوڑیں بھابی، شادی کے موقع پر تو ہر کسی کا آنا جانا ہوگا، بی جان کہہ رہی تھیں مہمانوں کے لیے کمرا بھی تیار کروانا ہے۔ میرے ذہن سے نکل گیا۔ میں ابھی دیکھتی ہوں۔" بات کرتے کرتے صائقہ کو یاد آیا تو وہ اندر کی طرف بھاگی۔

☆☆☆

" بس بھابی اسفند کی شادی میں شرکت نہ کرنے کا افسوس رہے گا۔ میں تو آج کل میں آنے ہی والی تھی حویلی، لیکن میں نہیں تو کیا ہوا میری بیٹی منزہ ہے نا، اسے چھوڑے جا رہی ہوں آپ لوگوں کے پاس۔ سارے کام دیکھ لے گی شادی کے، گاؤں میں کوئی بھی شادی ہو ہر گھر سے اس کا بلاوا آتا ہے، خوب رونق لگائے گی یہاں بھی۔" چوہدری حشمت اور زمرد بیگم کے سامنے نصیبن اور منزہ بیٹھی ہوئی تھیں۔

" ہاں ہاں کیوں نہیں۔" چوہدری حشمت نے منزہ کو دیکھا تو وہ بڑی باادب بنی سر جھکا گئی۔

" خیر سے سالوں کی دعا قبول ہوئی ہے، اللہ کے گھر سے عمرے کا بلاوا آیا ہے، بس فکر تھی تو اسی بات کی کہ منزہ کو کہاں چھوڑوں گی پھر بھائی حشمت کی یاد آئی تو پر سکون ہو گئی کہ حویلی سے محفوظ پناہ گاہ کیا ہو گی۔" نصیبن مدعا بیان کر گئیں تو زمرد بیگم چوہدری حشمت کی شکل دیکھنے لگیں۔

" آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے نہ بھائی صاحب؟"

" نہیں، نہیں اعتراض کیسا، منزہ بھی اپنی بچی ہے، تم آرام سے ہو آؤ عمرہ ادا کر کے۔"

نصیبن کے دلسوزی سے پوچھنے پر چوہدری حشمت نے ہامی بھر لی تو زمرد بیگم پہلو بدل کے رہ گئیں، انہیں منزہ کے رنگ ڈھنگ پسند نہیں تھے لیکن انہیں موقع ہی کہاں ملا تھا کہ وہ اپنی مرضی کر سکتیں۔

" زمرد بیگم! نصیبن بہن کو کھانا کھلا کے بھیجنا اور منزہ کے لیے کمرا تیار کر دو، نصیبن کے آنے تک یہ یہیں رہے گی۔" چوہدری حشمت کہتے ہوئے اٹھ گئے تھے اور اسی وقت جہانگیر دوست کی طرف جانے کا بتانے آئے تھے وہ نصیبن اور منزہ کو دیکھ کر چونک گئے۔

" بی جان میں دوست کی طرف جا رہا ہوں، کھانا دوستوں کے ساتھ باہر کھانے کا پلان ہے۔" اگلے ہی لمحے انہوں نے اپنے جانے کا بتایا تھا۔

" ہاں ٹھیک ہے۔ جاؤ، اللہ کی امان میں۔ نصیبن کو سلام تو کر دو۔" زمرد بیگم کے احساس دلانے پر جہانگیر نے مارے باندھے سلام کر دیا تھا۔ منزہ بے طرح چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔ ہینڈسم سے جہانگیر اسے بری طرح بھا گئے تھے۔

" وعلیکم السلام، یہ اپنا جہانگیر ہے نا، ماشاء اللہ کتنا بدل گیا ہے، بہت دنوں بعد دیکھا ہے اسے۔" نصیبن واری صدقے ہو رہی تھیں۔ اسی دم صائقہ کمرا تیار کر دینے کا مژدہ لیے چلی آئی تھی۔ جہانگیر نے ایک نظر اس پہ ڈالی تھی اور پلٹ گئے تھے۔ منزہ ہتک کے احساس سے سلگنے لگی تھی۔ وہ سامنے ہی تو بیٹھی ہوئی تھی، جہانگیر نے ایک کے بعد دوسری نگاہ ڈالنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اور وہ تو ایسی تھی کہ ہر سراہتی نگاہ کو حق سمجھ کے وصول کرتی تھی۔ دن میں دس بار لوگوں کے منہ سے اپنے حسن کے قصیدے جب تک نہ سن لیتی تب تک اسے چین نہیں پڑتا تھا۔ یہاں

وہ مکمل حشر سامانیوں کے ساتھ آئی تھی اور اسے قابل نظر تک نہیں سمجھا گیا تھا، یہ بات اسے آگ لگانے کو کافی تھی۔

" بی جان مہمانوں کے لیے کمرا تیار کر دیا ہے۔" صائقہ قریب آکے لب کشائی کر گئی تھی۔

" بہت اچھا کیا بیٹا۔ اسے تو جانتی ہی ہو گئی، جہانگیر کی منگ ہے میری تیسرے نمبر والی بہو۔" زمرد بیگم کے تعارف کرانے پر منزہ نے سر پاؤں تک اسے بغور دیکھا تھا، جو اسے ایک نظر کے قابل جانے بغیر چلا گیا وہ اس کی منگ میں دلچسپی نہ لیتی، ایسی کیا بات تھی۔

" دیکھ میں بہت عاجز ہو کے تجھے یہاں چھوڑے جا رہی ہوں، یہاں کسی کو تنگ مت کرنا، اور خبردار جو تو نے اس نکمے کو بتایا کہ تو یہاں موجود ہے اگر اللہ کا بلاوا نہ آتا تو میں کبھی تجھے یوں چھوڑ کے نہ جاتی، تجھ سے تو ڈر ہی لگا ہوا ہے جانے کب ہمارے منہ پہ کالک مل دے۔"

زمرد بیگم ذرا آگے پیچھے ہوئیں تو نصیبن جانے سے پہلے دبی آواز میں منزہ کی کلاس لینے لگیں۔

" ایسا کیا کر دیا ہے میں نے اماں جو تم اتنی باتیں سنا رہی ہو، اور اتنی ہی قابلِ بھروسہ نہیں ہوں تو یہاں لانے کی بجائے پل سے دھکا کیوں نہ لگا آئیں مجھے، حد ہو گئی۔" منزہ تلملا کے دوپٹہ جھٹک گئی۔

" حد تو تو نے کر رکھی ہے گاؤں بھر کے لڑکوں کو الو بنا کے، ہر دوسرا بندہ تو تیرا عاشق نکل آتا ہے۔" نصیبن نے دانت پیسے۔

" اب میں کیا کروں، اگر کوئی میرے عشق میں مرا جا رہا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے، میں سب کے دل کی مالک تھوڑی نہ ہوں۔" چمک کے بولتی خود کو، معصوم ثابت کر گئی۔

" ہاں تو سب کے دل کی مالک نہیں ہے اور وہ نکٹو، جس کے ساتھ تیرے خطوط پکڑے گئے، اس کے بارے میں کیا کہے گی، جس کی وجہ سے تیرا ابا تیری دو بار مار لگا چکا ہے۔" نصیبن نے لحاظ کیے بنا ہتھڑ لگا دیے۔ منزہ بدک کے دور ہو بیٹھی۔

" ہاں تو کیا ہوا کسی کو پسند کرنا کوئی جرم تھوڑی ہے، شادی کرنا چاہتا ہے وہ مجھ سے۔"

" تیرا ابا کبھی اس موچی کے بیٹے سے تیری شادی نہیں کرے گا۔"

"" ہاں، ابا خود تو جیسے ملک کا صدر لگا ہوا ہے نا، دیکھ اماں، میں کہہ رہی ہوں ابا کو سمجھا لے، ایسا نہ ہو، میں بھاگ جاؤں اس کے ساتھ۔"

" تو بھاگ کے تو دکھا، قبر سے ڈھونڈ نکالے گا تیرا ابا اور اس کے بعد جو تیرا حال ہو گا وہ الگ۔ دیکھ میری بات پلو سے باندھ لے، یہاں کا تو اسے نہیں بتائے گی، عمرہ سے آتے ہی تیرا باپ تجھے رخصت کرنے کی سوچ رہا ہے۔ بات کر رکھی ہے اس نے خاور سے۔"

" میں کسی قیمت پر نہیں کروں گی اس تندور والے سے شادی۔" صفا چٹا انکار تھا۔

" اس موچی کے نکھٹو بیٹے سے تو اچھا ہی ہے۔" لتاڑا گیا۔

" کیا نکھٹو نکھٹو لگا رکھا ہے تو نے، شہر میں بلڈنگ بنواتا ہے، تجھے کیا پتا اس کے کام کا، بس موچی کا بیٹا کہہ کہہ کے جان عذاب میں کر رکھی ہے میری۔"

" کیا نظر آتا ہے تجھے اس میں۔" نصیبن عاجز آ چکی تھی۔

" محبت میں کچھ نظر ہی کہاں آتا ہے اماں۔"

" جنم جلی، کلموہی، بڑی آئی محبت کرنے۔ اگر مجھے یہاں شکایت ملی تو دیکھنا پھر تو۔" دو ہتھڑ لگاتے نصیبن نے دانت پیستے ہوئے وارن دیا تھا، وہ تو خیر ہو زمرد بیگم آئیں تو اس کی کمر کو ہتھڑوں سے نجات ملی۔

☆☆☆

نصیبن چلی گئی تھی۔ مہمان سمجھ کر منزہ کی موجودگی کو سب نے بادلنخواستہ قبول کر لیا تھا۔ لیکن اس کے رنگ ڈھنگ دیکھ کے سب ہی کے منہ بگڑ جاتے تھے۔ عورتوں سے زیادہ دل اس کا مرد کی کمپنی میں لگتا تھا۔ زبردستی ہر

ایک کو مخاطب کر کے بات کرتی۔ کھانے کی میز میں عین مردوں کے سامنے والی کرسی کا انتخاب کرتی۔ شادی میں اس کے لشکارے مارتے فننگ کپڑوں کی وہ دھوم مچی کہ گاؤں کا ہر لڑکا اس کے نام کی آہیں بھرنے لگا، کچھ ادائیں اور نظروں کے کھیل میں ایسی مشتاق تھی کہ ساتھ بیٹھے بندے کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی اور وہ کام کر جاتی تھی۔

حویلی کی عورتیں سادہ تھیں، پڑھی لکھی ہونے کے باوجود ان میں ایسے ناز وادا نہیں تھے۔

اس وقت بھی نیچے عورتیں بیٹھی گانے گا کر رنگ جما رہی تھیں، اور اس شور ہنگامے سے بے زار جہانگیر پیچھے باغ کی طرف جا رہے تھے اور یہ منظر منزہ کی نظروں کی زد میں آگیا تھا، ویسے بھی جہانگیر نئے ٹارگٹ تھے، جس طرح ایک مرد کو فلرٹ کی عادت ہوتی ہے وہ بہت سوں کو اپنے پر فریب جال میں پھنسا کر خوش ہوتا ہے، سیم یہی منزہ کی فطرت تھی۔ اسے سراہتی نظروں، اور عشقیہ اظہار کی اتنی عادت پڑ گئی تھی کہ اگر کوئی اسے نظر انداز کرتا تھا تو اسے ہتک کا احساس ستانے لگتا تھا، اور جہانگیر نے اسے نظر انداز کر کے سوچنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ان کی طرف بڑھنے لگی تھی، اور اس کا کام تب تک تھا جب تک جہانگیر اس کی محبت میں آہیں نہیں بھرتے۔ اس کے بعد اس نے ہاتھ جھاڑ کے گزر جانا تھا اور کبھی پیچھے مڑ کے بھی نہیں دیکھنا تھا۔ کیونکہ محبت تو وہ بچی سرفراز سے کرتی تھی۔

اس موچی کے بیٹے کی چکنی چپڑی باتوں میں وہ ایسی پھنسی ہوئی تھی کہ یہ بھی بھول گئی، وہ دنیا کے لڑکوں کو الو بنانے والی خود اس کے ہاتھوں الو بن رہی ہے۔

☆☆☆

منزہ نے جہانگیر کا پیچھا لے لیا تھا، شادی میں مختلف حیلے بہانوں سے اس کے قریب آکر اپنے انداز وادا کا کھیل اس معصومیت سے کھیل گئی کہ جہانگیر اس کے دام میں الجھتے چلے گئے۔ ان کی بڑھتی نزدیکیوں کو دیکھ کے صائقہ کا چہرہ دھواں دھواں ہوتا تو منزہ کو بڑی تسکین ملتی تھی۔

جہانگیر جو صائقہ کی کم صورتی اور سادہ مزاجی کے باعث کبھی اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہو سکے وہ منزہ کی زلفوں کے پیچ و خم میں الجھتے چلے گئے۔ اسفند کی شادی بخیر و خوبی انجام پا گئی۔ فریال دلہن بن کے آ گئی۔

اسی رات جہانگیر اور منزہ کو زمرد بیگم نے الگ تھلگ گوشے میں ہاتھوں میں ہاتھ دیے بیٹھے دیکھا تو انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔

"جہانگیر!" زمرد بیگم کی آواز سے وہ ہڑبڑا کر اٹھے تھے۔ فائزہ بھی ان کے ساتھ تھی وہ بھی حیرانی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

" وہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی تو ہم باتیں....." وہ شاطر کھلاڑی تھی اور جہانگیر اناڑی۔ پہلے ہی سنبھل کے باتیں بنانے لگی لیکن زمرد بیگم نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ بولنے سے روک دیا۔

" ہم تم سے نہیں اپنے بیٹے سے پوچھ رہے ہیں، تمہاری بات ہی کیا، تم تو جہاں سے آئی ہو وہیں چلی جاؤ گی لیکن تم، جہانگیر تم کیسے بھول گئے کہ تمہاری رگوں میں حویلی کا خون دوڑ رہا ہے، تمہاری ایک منگ ہے۔ جسے دیکھنا تم گوارا نہیں کرتے اور یہاں، اس لڑکی...." زمرد بیگم کی آواز غم و غصے سے کانپنے لگی تھی۔

" تمہاری ماں تمہیں بطورِ امانت ہمارے پاس رکھوا گئی ہے اور تم ہماری حویلی میں ہی نقب زنی کرنے لگیں۔ اپنے کمرے میں جاؤ لڑکی۔" زمرد بیگم کے لفظوں کو بے عزتی جان کے اس نے جہانگیر کو دکھانے کے لیے موٹے موٹے آنسو آنکھوں میں بھر لیے تھے اور بھاگ کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ جہانگیر تڑپ ہی تو گئے۔ یہ سب دیکھ کر تڑپ تو صائقہ بھی گئی تھی لیکن اوٹ میں ہی رہی۔

اور جہانگیر کی یہ تڑپ کتنی شدید تھی اس کا احساس بھی چوہدری حشمت کی عدالت میں ہو گیا۔ زمرد بیگم کی شکایت پر جب اسے پیشی کے لیے بلایا گیا تو اس نے منزہ سے شادی کا اعلان کر کے حویلی کے در و دیوار ہلا دیے۔

"اس سے بھی پوچھو وہ بھی تم سے شادی کرنا چاہتی ہے یا ہزاروں کی طرح تمہیں بھی بے وقوف بنا رہی ہے۔"

"منزہ ایسی نہیں ہے بی جان!" شدید احتجاج ہوا تھا۔

جہانگیر جو صائقہ کی کم صورتی اور سادہ مزاجی کے باعث کبھی اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہو سکے وہ منزہ کی زلفوں کے پیچ و خم میں الجھتے چلے گئے۔ اسفند کی شادی بخیر و خوبی انجام پا گئی۔ فریال دلہن بن کے آ گئی۔

اسی رات جہانگیر اور منزہ کو زمرد بیگم نے الگ تھلگ گوشے میں ہاتھوں میں ہاتھ دیے بیٹھے دیکھا تو انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔

"جہانگیر!" زمرد بیگم کی آواز سے وہ ہڑبڑا کر اٹھے تھے۔ فائزہ بھی ان کے ساتھ تھی وہ بھی حیرانی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

" وہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی تو ہم باتیں....." وہ شاطر کھلاڑی تھی اور جہانگیر اناڑی۔ پہلے ہی سنبھل کے باتیں بنانے لگی لیکن زمرد بیگم نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ بولنے سے روک دیا۔

" ہم تم سے نہیں اپنے بیٹے سے پوچھ رہے ہیں، تمہاری بات ہی کیا، تم تو جہاں سے آئی ہو وہیں چلی جاؤ گی لیکن تم، جہانگیر تم کیسے بھول گئے کہ تمہاری رگوں میں حویلی کا خون دوڑ رہا ہے، تمہاری ایک منگ ہے۔ جسے دیکھنا تم گوارا نہیں کرتے اور یہاں، اس لڑکی...." زمرد بیگم کی آواز غم و غصے سے کانپنے لگی تھی۔

" تمہاری ماں تمہیں بطورِ امانت ہمارے پاس رکھوا گئی ہے اور تم ہماری حویلی میں ہی نقب زنی کرنے لگیں۔ اپنے کمرے میں جاؤ لڑکی۔" زمرد بیگم کے لفظوں کو بے عزتی جان کے اس نے جہانگیر کو دکھانے کے لیے موٹے موٹے آنسو آنکھوں میں بھر لیے تھے اور بھاگ کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ جہانگیر تڑپ ہی تو گئے۔ یہ سب دیکھ کر تڑپ تو صائقہ بھی گئی تھی لیکن اوٹ میں ہی رہی۔

اور جہانگیر کی یہ تڑپ کتنی شدید تھی اس کا احساس بھی چوہدری حشمت کی عدالت میں ہو گیا۔ زمرد بیگم کی شکایت پر جب اسے پیشی کے لیے بلایا گیا تو اس نے منزہ سے شادی کا اعلان کر کے حویلی کے در و دیوار ہلا دیے۔

"اس سے بھی پوچھو وہ بھی تم سے شادی کرنا چاہتی ہے یا ہزاروں کی طرح تمہیں بھی بے وقوف بنا رہی ہے۔"

"منزہ ایسی نہیں ہے بی جان!" شدید احتجاج ہوا تھا۔

"مجھے جیسی شریکِ سفر چاہیے وہ منزہ کی صورت میں مل گئی ہے۔ صائقہ سے شادی کبھی نہیں کرنا چاہتا تھا اور منزہ سے محبت کے بعد تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

جہانگیر کا اعلان حویلی میں صفِ ماتم بچھانے کے ساتھ صائقہ کی ماں کی بستر میں لگانے کے ساتھ ان کی جالے کر ٹلا۔ صائقہ مزید تنہا ہو گئی تو زمرد بیگم اور چوہدری حشمت اسے حویلی لے آئے، قاضی بلایا گیا لیکن جہانگیر عین نکاح کے وقت روپوش ہو گئے۔ ڈھنڈیا مچی، انہیں نہیں ملنا تھا وہ نہیں ملے، دلہن بنی صائقہ نکاح کے انتظار میں بیٹھی رہ گئی۔ بظاہر معصوم بنی بیٹھی منزہ استہزائیہ مسکراہٹ سجائے سارے منظر دیکھتی رہی۔

جہانگیر رات گئے لوٹے تھے، حویلی میں ہنگامہ ہوا، بے عزتی کرنے پر سوال پوچھے گئے، اور ان کا ایک ہی جواب کے منزہ کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کریں گے۔

سب کو نصیبن کا انتظار تھا کہ وہ آکر جلد سے جلد اپنی بیٹی کو یہاں سے لے جائے۔

دن گزرے لگے تھے، حویلی کی ٹینشن برقرار تھی۔ کبھی حویلی تو کبھی کھیتوں میں ان کی ملاقات ہوتی رہی اور منزہ ہر بار شد و مد سے یقین دلاتی رہی کہ وہ بھی جہانگیر کے عشق میں جان دینے کی حد تک سنجیدہ ہے۔ ان دونوں کے بیچ دیوار کھڑی کر کے حویلی والے ظلم کر رہے ہیں۔ صائقہ ان کی خوشیوں کی رکاوٹ ہے، جہانگیر تو پہلے ہی صائقہ سے بگڑے رہتے تھے اب تو منزہ نے قطرہ قطرہ نفرت انڈیل کر پکا کر دیا تھا۔

" اپنا تو ایک ہی وطیرہ ہے۔ مقابل دور تک نہ چھوڑو۔" جہانگیر اس کے لیے صرف ایک وقت گزارنے کا لمحہ تھے، اصل میں تو وہ یحییٰ کا انتظار کر رہی تھی نصیبن کے آنے سے پہلے اسے یحییٰ کے ساتھ اندرونِ سندھ کے لیے نکلنا تھا یحییٰ انہی تیاریوں میں تھا۔ اور وہ اس کے بلاوے کی منتظر۔

یحییٰ گاؤں میں آچکا تھا حویلی کا فون وقت بے وقت بجتا رہتا تھا۔ سب ہی گمنام کالز سے تنگ آرہے تھے جو اکثر رات کی تاریکی میں خاموش رہتا تھا۔

" تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" یحییٰ سے تفصیلی بات کر کے وہ نکل ہی رہی تھی جب جہانگیر چلے آئے۔ وہ ڈر سی گئی کہ کہیں پول تو نہیں کھل گیا لیکن جہانگیر کے چہرے سے کوئی تاثر نہ ملا تو وہ پرانا کھیل کھیلنے لگی۔

"انتظار کر رہی تھی کہ شاید اماں کی کال آجائے۔ اور میں اسے جلدی آنے کا کہوں۔"

" کیوں جلدی آکے کیا کریں گی وہ؟"

" مجھے یہاں سے لے جائیں گی۔" دکھی لہجہ۔

"تم یہاں سے جانا چاہتی ہو؟"

" نہ گئی تو، نکال دی جاؤں گی۔ صائقہ نے شام کو مجھے بہت جلی کٹی سنائی ہے۔ چوٹی سے پکڑ کے نکال باہر کرنے کی دھمکی دی ہے۔ میں نے تم سے محبت ضرور کی ہے جہانگیر لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی بھی آکے میری تذلیل کرے۔"

" اس کی یہ مجال کے وہ تم سے یہ سب کہے، ابھی اسے نکال باہر کرتا ہوں، تم دیکھنا۔" غصے سے آگے بڑھے تھے اور منزہ سامنے آکر جذباتی وار کرنے لگی۔

" تمہیں میری قسم جہانگیر تم اس سے کوئی بات نہیں کرو گے۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے، وہ منگ ہے تمہاری، میں تو یوں ہی تم دونوں کے بیچ آگئی۔ دیکھو نہ حویلی میں کوئی خوش نہیں مجھ سے کوئی بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ میں جاتی ہوں تو بھابیاں بہانے سے اٹھ جاتی ہیں۔"

" سب صائقہ کی حمایتی ہیں اس لیے، لیکن کوئی تمہیں پسند کرے یا نہ کرے تم یہیں رہو گی۔، ہم جلد ہی نکاح کر لیں گے۔ میری نوکری لگ جائے گی تو ہم شہر چلے جائیں گے۔ نصیب خالہ آئیں گی تو میں ان سے خود بات کروں گا، بھلے حویلی میں سب خلاف ہو جائیں لیکن میں تم سے ہی شادی کروں گا۔"

جہانگیر کے انتہا کو دیکھتے کبھی کبھی منزہ کو لگتا تھا کہ شاید زیادہ ہو گئی لیکن دل کے بہلاوے کے لیے چٹخارہ بھی ضروری تھا۔ اسے بھی مزا آرہا تھا۔

☆☆☆

" ہم سب جانتے ہیں، کہ تم جہانگیر کے ساتھ کھیل رہی ہو اگر مجھے ایک فیصد بھی یقین ہوتا کہ تم جہانگیر کے ساتھ مخلص ہو تو میں خود تم دونوں کی راہ سے ہٹ جاتی لیکن مجھے افسوس ہے جہانگیر تمہارے ہاتھوں بیوقوف بن رہے ہیں۔"

" ہاں بنا رہی ہوں میں بے وقوف، جاؤ جا کے بتا دو جہانگیر کو اگر وہ یقین کر لیں تو پھر آ کر میرے سامنے یہ بھاشن دینا۔" کچھ بھابیوں کا لعن طعن اور کچھ منزہ کی بڑھتی ہوئی حرکتوں نے صائقہ کو اس کے سامنے سوال کرنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ جسے منزہ نے دھڑلے سے مانتے چیلنج بھی کر دیا تھا۔

"کیوں کر رہی ہو تم یہ سب، کیوں میرا گھر بسنے سے پہلے ہی جلا رہی ہو۔ صحیح کہتے ہیں سب، تم جیسی بد کردار لڑکی کسی ایک کی نہیں ہو سکتی۔ اور تم نے خود قبول کر لیا۔"

"پہلے تو سوچا تھا سستے میں حویلی کی بہوؤں کو چھوڑ دوں گی، لیکن اب نہیں۔ پتا ہے کیوں، کیوں کہ مجھے تم لوگوں سے نفرت ہے۔ میں جب کبھی آتی تھی مچھیرے کی بیٹی کہہ کر سب گری نظر سے مجھے دیکھتے تھے حویلی کی بہوئیں اترا تی پھرتی ہیں جیسے حویلی کا نام نسب لے کر پیدا ہوئیں ہیں یا پھر قبر میں لے کر جائیں گی اور اب تم نے کردار کی بات کر کے مجھے جو گالی دی ہے، اصل میں وہ گالی نہیں ہے، میرے لیے اعزاز ہے، تم ہو کیا، عام سی شکل وصورت والی گنوار جسے اس کا منگیتر دیکھنا پسند نہیں کرتا اور ایک میں ہوں، جو عاشقوں کی لسٹ گنوانے لگوں تو صبح ہو جائے۔ وہ تو مجھے کہیں اور اڑان بھرنا ہے، ورنہ جہانگیر کو کبھی تمہارے لیے نہ چھوڑتی۔ لیکن اب بھی نہیں چھوڑوں گی، جاتے جاتے تمہارے لیے اتنی کڑواہٹ چھوڑ جاؤں گی کہ جہانگیر تمہارا نام سن کر نفرت سے تھوکنا پسند کرے گا اور تم محبت کا دم بھرتے، بھرتے قبر میں اتر جاؤ گی اور وہ تمہاری طرف دیکھے گا بھی نہیں، اپنا تو ایک ہی اصول ہے جو چیز میری نہیں اسے کسی دوسرے کے قابل بھی نہیں چھوڑتی۔ میں جہانگیر سے دل لگی کر رہی تھی۔ لیکن دیکھنا وہ ساری زندگی میرے نام پہ آہیں بھرتا رہے گا۔

" محفل کی شمع بننے کا شوق رکھنے والی کو کیا خبر کہ دل کے سلگتے دیئے میں محبت کا تیل کیسے ڈالتے ہیں۔ تم اپنی سی کر گزرو، باقی جو ہے، وہ میرا نصیب۔"

اس کے کھلے چیلنج پہ اپنی کہہ کے وہ پلٹ گئی تھی، آنکھوں میں آنسو آرہے تھے اور یہ کونسا نئی بات تھی۔ پہلے تو جہانگیر کی کج ادائی ہی رلاتی تھی اب تو اس کی بے وفائی اور دوسری لڑکی سے محبت کا بھی سامنا تھا، وہ اس کے سامنے اس اجنبی لڑکی سے محبت کی پینگیں بڑھا رہا تھا اور وہ کچھ کر نہیں پا رہی تھی، اپنا کھونا ہی مضبوط نہیں تھا وہ کب تک اس خود پرست حسینہ سے لڑ سکتی تھی۔

☆☆☆

"میں جا رہی ہو جہانگیر۔ کہاں یہ تو مجھے بھی پتا نہیں ہے۔ لیکن یہاں رہی تو تمہارے لیے مزید پریشانی کا باعث بنی رہوں گی۔ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کرنا۔ خود کو ایسی جگہ گم کروں گی کہ کسی کو جیتے جی میرا سراغ بھی نہ مل سکے۔ مجھ میں اب سکت نہیں رہی کہ حویلی والوں کے رحم و کرم میں پڑی رہوں اور صائقہ کے کوسنے اور بد دعائیں سہتی رہوں۔

تمہارے جانے کے بعد میرے ساتھ تمہارے اپنوں نے جو سلوک کیا اسے لفظوں میں بیان کرتے حیا کا سامنا ہے۔ میں قطعاً نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تمہارے اپنے تم سے چھوٹ جائیں، یا وہ تمہارے دشمن بن جائیں، اس لیے خاموشی سے تمہاری زندگی سے جا رہی ہوں، ان چند دنوں میں تم نے جتنی محبت دی اس کے سہارے ساری عمر گزار دوں گی۔ میرے جانے کے بعد تم پھر سے اپنوں کے ہو جانا۔ صائقہ سے شادی کر لینا، تاکہ اس کی بد دعائیں میرا پیچھا نہ کریں۔ میں تو تمہیں نہ پا سکی، صائقہ کی جیت ہو جائے۔ مجھے تم دونوں کے بیچ آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ میں تو اس وقت کو کوس رہی ہوں، جب سالوں بعد حویلی میں تمہیں دیکھ کے دل ہار بیٹھی۔ جانتی ہوں تم مجھے کبھی نہیں بھولو گے، میں بھی آخری سانس تک تمہیں یاد کروں گی۔ ساری زندگی افسوس رہے گا ہم ایک نہ ہو سکے۔

تمہاری منزہ

☆☆☆

منزہ نے اپنا کہا سچ کر دکھایا۔ جاتے جاتے وہ تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک گئی۔ یحی کا اشارہ مل گیا تھا، جہانگیر کسی کام سے شہر گئے ہوئے تھے اور منزہ ترپ کا پتا چل کے بُھر ہو گئی۔ حویلی لوٹنے کے بعد جہانگیر کو اپنے تکیہ کے نیچے سے یہ خط ملا تو وہ دیوانے سے ہو کر حویلی میں طوفانِ بد تمیزی مچا گئے۔

ہر ایک نے سمجھانے کی اپنی سی سعی کی کہ وہ اڑان بھرنے کے ارادے سے ہی آئی تھی لیکن وہ منزہ کے خلاف ایک بھی بات سننے کو تیار نہیں تھے۔ کھانا، پینا بند ہو چکا تھا۔ منزہ کے گاؤں بھی ہو آئے، وہاں سے بس ایک ہی نام ملا یحی سرفراز۔

ملی ہوئی معلومات کے مطابق یحی، منزہ پہ لٹو تھا، ممکن ہے، منزہ کو اسی نے اغوا کر لیا ہو۔ یہ خیال اتنا پکا ہو گیا کہ وہ تھانے میں رپورٹ بھی درج کر آئے۔

حویلی میں ان کی حالت سے پریشان تھے۔ سب نے صائقہ کو ایک بار پھر دلہن بنایا تاکہ نکاح کا فرض ادا ہو اور جہانگیر بھی منزہ کے خیال سے نکل آئیں۔

"تجھے کیا لگا تھا۔ منزہ کے جانے کے بعد تیرے خواب شرمندہ تعبیر ہوں گے۔ نہیں، یہ منزہ کا ہی حکم تھا کہ تجھ سے شادی کر لوں اور میں نے تجھ سے نکاح پڑھوالیا۔ لیکن تو ساری زندگی ترستی رہے گی۔ اسی طرح جس طرح میں منزہ کے لیے ترسوں گا۔ آج یا کل میں اس کا پتا تو لگا ہی لوں گا۔ اور اس کے بعد تجھے ایسی عبرتناک سزا دوں گا کہ جب تک جیے گی موت مانگے گی۔"

پہلی ہی رات کی دلہن کو روئی کی طرح دھن کے جہانگیر کرو فر سے کہہ کر اسے بیڈ سے نیچے دھکیل کر سو گئے تھے۔ اور صائقہ ساری رات اپنی چوٹوں کو سہلاتی، نیل کے نشانوں کو ہلکا کرنے کے لیے برف کا ٹکور کرتی رہیں تاکہ صبح حویلی والوں کو سچ کا علم نہ ہو سکے۔

لیکن سچائی بھی کبھی چھپی ہے۔ سب کیا صرار پر جھوٹ بول بول کر جب وہ تنگ آگئی تو زمرد بیگم کے گلے لگ کے ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی

اپنی زندگی میں داخل کرنے کی جہانگیر نے ایسی سزا دی تھی کہ ان کا دل پھٹنے لگا تھا۔

☆☆☆

اور جہانگیر نے اپنا کہا سچ کر دکھایا۔ معمولی سی پوسٹ کے ملتے ہی بڑے افسروں سے تعلق بنا کر انہوں نے یحی کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ یحی نے دو چھتر میں ہی سچ اگل دیا کہ منزہ ان کے ساتھ بھاگی تھی، اس کی دو بچیاں ہیں۔ گھر میں آگ لگ گئی تھی اور منزہ بیٹیوں کے ساتھ جل کے مر گئی۔

منزہ مر گئی جان کر انہوں نے یحی کو بھی جان سے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن عدالت سے سزا پا کے وہ رہا ہوتے ہی ایران

بھاگا تو پھر اس کا سراغ نہ مل سکا۔

" (گالی) کہتا ہے منزہ اس کے ساتھ بھاگی تھی۔ اغوا کر کے لے گیا اور اب جان سے مار کے اس پاکیزہ لڑکی پر الزام لگا رہا ہے۔" وہ نفرت سے سوچ کے رہ نہیں گئے تھے۔ منزہ کی موت کی خبر دیتے انہوں نے صائقہ کو بھی موت کے منہ میں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ صائقہ کا دایاں بازو ٹوٹ گیا تھا۔ پسلیوں میں ورم آگیا تھا، دنیا کے سامنے عزت دار بننے والے جہانگیر صائقہ کے ساتھ کس طرح جانوروں کا سلوک کرتے تھے یہ صرف وہی جانتی تھی۔

شاہ زر شمعون کے بعد شنائیہ کی پیدائش بھی عمل آپکی تھی تو فریال نے بھی سمہان آفندی کی صورت حویلی والوں کو جانشین دے دیا تھا۔ سب اپنے اپنے بچوں میں گم رہتی تھیں اور صائقہ اپنی خالی گود اور بیاہی ہونے کے باوجود اپنے ادھورے پن کو لے کے سسکتی رہتی تھیں۔ جہانگیر نے بیوی کا درجہ دینے کے لائق بھی نہیں سمجھا تھا۔

ابھی سب صائقہ کو منزہ کا غم کم ہونے کی آس تھمار ہے تھے کہ جہانگیر نے صہبا سے نکاح کر کے سب کو حیران کر دیا ۔ حویلی میں ہنگامہ ہوا۔ صائقہ کا مقدمہ لڑا گیا۔ لیکن جہانگیر تو جیتنے کے لیے ہی پیدا ہوئے تھے ،انہوں نے اپنا سامان سمیٹا، شہر کو اپنا مسکن بنالیا اور صائقہ تڑپتی رہ گئیں۔ سال بھر بعد ایشان جاہ کی پیدائش کی خبر آئی تو صائقہ کا ضبط جواب دے گیا۔ جہانگیر کے آنے پہ خوب لڑیں جھگڑیں اور ہمیشہ کی طرح اپنی چوٹوں کو سلاتے اس بار خوش نظر آئیں جس کا عقیدہ عیشال کی پیدائش پہ کھل گیا۔

جس طرح صائقہ کبھی جہانگیر کے دل پہ نہ چڑھ سکی تھیں اسی طرح عیشال کو بھی دیکھتے ان کا خون کھولنے لگتا تھا جو انکی مردانگی کے سوال پر انا کا نشان بن گئی تھی۔ اپنی اس کمزوری کو وہ عیشال سے نفرت کر کے چھپاتے تھے۔ منزہ کا برا کرنے والی کی بیٹی کو اپنا نام دینے کے سوا انہوں نے کچھ نہیں کیا تھا۔ عیشال بڑی ہو رہی تھی۔ مگر وہ سارے بچوں سے الگ تھی۔ انہیں حسرت سے دیکھتی تھی۔ صائقہ کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ کینسر کا موذی مرض جگر کو لگ گیا تھا۔ جو ان کی جان لے کر ٹلا۔ جہانگیر کی راہ تکنے والی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ وہ تو اتنے بے رحم ثابت ہوئے کہ جنازے کو کندھا دینے بھی نہ آئے۔ عیشال چھوٹی تھی لیکن سب دیکھ رہی تھی اور یہی احساس اس کے اندر بچپن سے کڑواہٹ بھرتا چلا گیا۔

☆☆☆

آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔ منزہ جیسے لوگوں کے لیے کہا گیا ہے۔ ہزاروں دلوں سے کھیل کر لطف لینے والی پھنسی بھی تھی تو بچی کے جال میں۔ جو پہلے سے جانے کتنی شادیاں بھگتا چکا تھا۔ جواری شرابی ہونے کے ساتھ عورتوں، بچوں کا بیوپاری بھی تھا۔ نکاح کر کے منزہ تو آسودہ ہو گئی تھی لیکن جلد ہی اس پہ کھل گیا کہ وہ کس چنگل میں پھنس گئی ہے۔ جیسے تیسے کر کے دو سال گزرا اور انوشا اور ماورا کی پیدائش عمل میں آئی۔ بچیوں کے بعد بچی مطمئن تھا کہ اب منزہ کا سودا باآسانی ہو جائے گا۔

منزہ کو بھلے جی کو پہچاننے میں غلطی ہوئی تھی لیکن وہ مزید اس کے ہاتھوں بیوقوف نہیں بن سکتی تھی۔ ایک دن گھر میں چالاکی سے آگ لگا کر وہ دونوں بچیوں کو لے کر نکل گئی تھی۔ در، در کی ٹھوکر کھاتے اسے اپنے وہ سارے گناہ ایک ایک کر کے یاد آرہے تھے جو اس نے کیے تھے۔ ماں، باپ تو اس کے غائب ہوے کا سن کر ہی ایئر پورٹ سے حویلی پہنچتے راستے میں حادثے کا شکار ہو کر چل بسے تھے۔ جاتی بھی تو کس کے پاس۔

زندگی میں جدوجہد کرتے اسے قدم قدم پہ جہانگیر کی یاد آتی تھی۔ فلرٹ تو اس نے بہت سوں سے کی تھی لیکن جہانگیر یاد رہ گئے تھے۔ وہ جہانگیر کی تصویر دیکھتے رو رہی تھیں جب ایک دن بچیوں نے پوچھ لیا کہ وہ اکثر کس کی تصویر دیکھ کے روتی ہیں۔ جی کا سایہ اپنی بیٹیوں سے دور رکھنے والی نے ولدیت کے خانے میں باپ کا نام ٹھیک لکھوانے کے بعد اصل شناخت چھپا کے جہانگیر کو باپ کا درجہ دے دیا۔

منزہ یکسر بدل گئی تھیں، جانِ محفل بننے والی نے گمنامی کی ایسی زندگی گزاری کہ مردہ سمجھنے والوں کو یقین آگیا کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہیں۔ کئی بار ذہن میں آیا حویلی جا کے اپنے کیے کی معافی مانگ آئیں، صائقہ کی موت کا پرسہ دے آئیں لیکن ہر بار ہمت ٹوٹ جاتی تھی۔ بیٹیوں کی پرورش انہوں نے اتنی ہی سخت کی جتنی اپنی باری میں کوتاہی محسوس ہوئی تھی اور ان سب کے باوجود ایشان جاہ کے روپ میں مجسم جہانگیر کو

روبرو دیکھ کر انہیں قدرت کے کھیل پر رشک آنے لگا تھا، جو کینسر صائقہ کے جگر کو کھا گیا وہی کینسر ان کی رگوں میں دوڑتے انہیں جیتے جی احساس دلا گیا کہ مکافاتِ عمل دیر سے صحیح لیکن آتا ضرور ہے۔

ماروا کو اکیلا چھوڑ جانے کی بے بسی میں وہ ایشان کو دیکھ کر خوش ہوئی تھیں لیکن صبا کے رویے کے بعد بھی انہیں جہانگیر پہ بھروسہ تھا۔ انہیں اپنی دل لگی اور جہانگیر کی محبت پہ آج بھی اتنا ہی بھروسہ تھا جتنا کبھی ماضی میں ہوتا تھا۔

وہ اچھی ماں تو ضرور بنیں، اس کے علاوہ انہوں نے کوئی بھی رشتہ خلوص سے نہیں نبھایا تھا۔ ہاں برا وقت آنے کے بعد انہیں جہانگیر سے محبت ضرور ہو گئی تھی لیکن اب یہ محبت کس کام کی تھی۔ وہ خائن تھیں۔ اپنے دوپل کو رنگین کرنے کے کھیل میں کئی زندگیوں سے کھیل گئی تھی۔ صائقہ مر گئی تھی۔ عیشال ساری زندگی جہانگیر کی جلی کٹی کی زد میں رہی تھی۔ اس کے قدم پڑنے کے بعد سے حویلی میں کچھ بھی پہلے جیسا نہ رہا تھا۔ حویلی کی عورتوں پہ منزہ جیسا سایہ نہ پڑے یہ جان کر عورتوں پہ سختی کر دی گئی تھی۔ جہانگیر کے طور طریقے دیکھ کر محبت و عشق کو ممنوع

قرار دے دیا گیا تھا۔ جہانگیر کی سرکشی حویلی میں جو بھونچال لا کر سب کو تماشا بنا گئی تھی اس کے بعد حویلی کسی تماشے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ سارے سبق حویلی والوں پہ لاگو تھے، جہانگیر کل کی طرح آج بھی خود کو حق بجانب سمجھتے خود غرض اور ظالم تھے۔

☆☆☆

حال کا سفر:

ڈائری پرے جھٹک کے ماورا ایک دم سے بیٹھتی چلی گئی تھی۔ تنہائی ملی تو وہ منزہ کی ڈائری نکال لائی اور اسے شروع کرنے سے پہلے اس کے وہم و گماں میں بھی نہیں تھا کہ منزہ اپنا اصل روپ لکھ کر خود کو اس کے سامنے ایکسپوز کر گئی ہیں۔ ڈائری کے ساتھ ایک اور پرچہ بھی ملا تھا، جس میں ماورا کو خاص ہدایت کی گئی تھی۔ لیکن اس وقت وہ ساری ہدایت کہیں بھول بھال گئی تھی۔ اگر اس نے خود منزہ کو ڈائری لکھتے نہیں دیکھا ہوتا تو ان کی رائٹنگ ہونے کے باوجود وہ اس سچائی کی داستاں کو جھٹلا دیتی۔

اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ ماں جو، ان کے لیے مثال تھی، وہ جہانگیر کو مہرہ بنا کر کسی صائقہ کی زندگی بھی پھونک سکتی تھی محض اپنے جذبے کی تسکین کے لیے.....!

جس تصویر کو باپ کی شبیہ سمجھتی رہی وہ باپ تھے ہی نہیں، وہ تو ان معصومین میں سے تھے جو منزہ کے ہاتھوں بے وقوف بن گئے۔ اور اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی ماورا کا نکاح ایشان جاہ سے کروانے کی خواہش، کیا انہیں اندازہ نہیں تھا کہ سچ کھلنے پر جہانگیر نے اسے بیٹے کی زندگی سے نکال پھینکا تو اس کا کیا ہوگا.....؟

ماورا عجیب دوراہے پہ آکھڑی ہوئی تھی اس نے تو منزہ کے لفظوں کو انمول جان کر ہی بنا سوچے سمجھے ایشان جاہ سے نکاح پڑھوالیا تھا اور اب جب ساری حقیقت اس کے سامنے آگئی تھی تو اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیسے ری ایکٹ

کرے۔ وہی جہانگیر اور ان کی فیملی جو اسے ظالم لگتی تھی اب وہ انتہائی معصوم لگ رہی تھی، چال تو منزہ چل گئی تھیں ان کے ساتھ اور جاتے جاتے ماورا کو بھی عجیب دوراہے پہ کھڑا کر گئی تھیں۔

وہ کس منہ سے ان سب کا سامنا کرتی، کیسے اپنے ماں کے کیے کی فرداً فرداً سب سے معافی مانگتی۔ منزہ یہ بہت بڑی ذمہ داری اس کے سر ڈال گئی تھیں۔ اور صائقہ کا کیا، اس سے کیسے معافی مانگتیں۔ خود منزہ تو مارے شرمندگی کے ساری عمر ان سب سے روپوشی کی زندگی گزار کر سفر آخرت کو روانہ ہو گئی تھیں اور اسے ان لوگوں کے بیچ لا کھڑا کر گئی تھیں۔

"تم تیار نہیں ہوئیں...؟"

دروازے پر کھٹکا ہوا تو اس نے سرعت سے ڈائری تکیہ کے نیچے چھپالی۔ آنے والا ایشان تھا جو اس سے سوال کر رہا تھا۔

"کک.... کہاں جانا ہے؟" وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بتایا تو تھا کہ صبح ہمیں حویلی کے لیے نکلنا ہے۔"

"حویلی.....!" وہ حویلی جہاں منزہ نے بے دردی سے کئی زندگیوں کو تماشا بنا دیا تھا۔ وہ کیسے سب کا سامنا کرے گی، کیسے ان سب کی نفرت بھری نگاہ کے حصار میں رہے گی۔ جاتے جاتے منزہ یہ کیسی مشکل اس کے لیے کھڑی کر گئی تھیں۔

"ہاں حویلی۔" ایشان جاہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نہیں جاؤں گی حویلی، مجھ میں ہمت نہیں۔" وہ ڈر کے بیڈ کراؤن سے لگ گئی تھی۔ ایشان جاہ کو اس کے انداز پر بے حد حیرت ہو رہی تھی۔

"ہمت نہیں۔ ماورا ہم بائی ایئر جا رہے ہیں اور پھر وہاں سے باقی کا راستہ گاڑی میں گزرے گا۔" وہ یہی سمجھا کہ وہ راستے کی طوالت کا سوچ کے ہمت کی بات کر گئی ہے۔ وہ عجیب صورتِ حال میں پھنس گئی تھی کہتی بھی تو کیا۔

اسی دم ایشان کے نمبر پہ کال آنے لگی تھی وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆

"اس سے پہلے کہ ہم رشتوں کا تقدس فراموش کر کے آپ کی طرح درندگی دکھائیں، حویلی سے چلے جائیں۔" کنپٹی سے لگا شاہ زر شمعون کا پسٹل اور اسفند کے ہاتھ میں ان کا گریبان ان کے آنکھوں میں خون اترتے دیکھ کر چوہدری جہانگیر کو بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ مزید رکنا بے کار ہے، ویسے بھی ان کا ٹارگٹ تو پورا ہو چکا تھا، سمہان آفندی اور عیشال خون میں لت پت پڑے تھے۔ حویلی کی عورتیں آہ و بکا کرتے بین کر رہی تھیں تو زمرد بیگم جہانگیر کو دہائی اپنی کوکھ کو کوس رہی تھیں تو لڑکیاں آنسو بہانے میں لگی ہوئی تھیں۔

" کوئی گاڑی نکالو!"

چوہدری فیروز اور چوہدری بخت سمہان اور عیشال کو ہاسپٹل لے جانے کے لیے چیخ رہے تھے۔ گارڈز میں افراتفری پھیل گئی تھی۔

"سمہان!" یہ کیا کیا جہانگیر.....؟" چوہدری حشمت بے یقینی کی نگاہ ڈال کر دیوار سے لگ گئے تھے۔ جہانگیر ان کے خون سے رنگین وجود پہ قہر بھری نگاہ ڈال کے پہلے کمرے اور پھر حویلی سے نکل گئے تھے۔

☆☆☆

" تم..... تم ٹھیک ہو..... تمہیں کچھ نہیں ہوا ہے نا....؟" ہنستا مسکراتا سمہان اس کے سامنے تھا، وہ بے یقینی سے اسے ٹٹول رہی تھی۔

" مجھے کیا ہونا ہے۔"

" وہ پپا نے گولی چلائی نا تم پر۔" وہ متفکر اس کا ہاتھ تھام گئی تھی۔

" ہاں تمہارے پپا نے چلائی۔" اس کے چہرے کا مسکراتا تاثر ایک دم سے سرد ہو کر غصیلا ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ پہ اپنے ہاتھ رکھتے وہ جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر نفرت بھری نگاہ ڈالتا پلٹ گیا تھا۔

" سمہان!" سختی سے چلاتی وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ اٹھتے ہی تکلیف کا شدید احساس لب بھینچ لینے پر مجبور کر گیا۔

" عیشال!" ندا اس کے قریب آ کے اس کا ہاتھ تھام گئی تھی۔ وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ منجمند ہوئے حواس کو قابو میں کرتے ارد گرد نظر ڈال کے سوچنے لگی کہ وہ کہاں ہے۔ سمہان کی نفرت بھری نظر کہاں گئیں۔ بایاں بازو پٹیوں میں جکڑے دیکھ کے وہ سارا منظر پھر سے اس کی آنکھوں کے سامنے چل کے اسے احساس دلا گیا کہ وہ خواب تھا۔

" شکر ہے تم ہوش میں آئیں۔"

" سمہان کہاں ہے ندا آپی....؟ مجھے اس کے پاس جانا ہے۔" خود پر سے چادر ہٹا کے وہ بے تابی سے اٹھنے کی کوشش میں کراہ کے بازو پکڑ گئی تھی۔

" کہاں جا رہی ہو؟ آرام کرو۔" ندا اسے جلدی سے پکڑ کے دوبارہ لٹانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

" بھاڑ میں جائے آرام، مجھے سمہان کے پاس جانا ہے، کہاں ہے وہ۔" وہ دیوانوں کی طرح اس کے نرغے سے نکلی جا رہی تھی، باہر موجود شاذمہ اور زرش تک اس کی آواز پہنچی تو وہ بھی ندا کی مدد کو آ گئی۔

" تم نہیں مل سکتی سمہان سے، سنبھالو خود کو۔" شاذمہ نے روہانسے لہجے میں کہتے ہوئے اسے بیڈ پہ دوبارہ بٹھایا تھا جو اس کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی۔

" کیوں نہیں مل سکتی اپنے سمہان سے....؟ کیا ہوا ہے اسے....؟" خوفزدہ ہو کے وہ تینوں کے چہرے باری باری دیکھ رہی تھی۔

" وہ زندہ ہے یا نہیں، بس یہ بتاؤ!" ان سب کے روتے چہرے اسے معاملے کی سنگینی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ چہرے پہ برفیلے تاثرات سپاٹ انداز لیے وہ ان سب کے چہرے دیکھ رہی تھی۔

" اس کی کنڈیشن ٹھیک نہیں ہے۔ ڈاکٹرز زیادہ پر امید نہیں ہیں۔" مزید کچھ چھپانا اس کی خود کی زندگی کو داؤ پہ لگانے کے مترادف تھا۔

اور وہی ہوا اس کے بپھرے وجود میں اسے زندہ جان کے ٹھہراؤ آگیا تھا۔

" اسے کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے اس سے ملنا ہے۔" وہ پھر سے اترنے لگی۔

"سمہان ایمرجنسی میں ہے۔ کسی کو ملنے کی اجازت نہیں ہے۔"

" مجھے اسے دیکھنا ہے ندا آپی، وہ میری وجہ سے ان حالوں کو پہنچا ہوا ہے، میری وجہ سے اذیت میں ہے۔ کتنا روکا تھا اس نے مجھے، کتنا بچنا چاہا تھا مجھ سے، لیکن میں نے اس کا پیچھا لے لیا تھا۔ اور جب وہ میرا ہو گیا تو اسے اس حال میں پہنچا دیا گیا۔"

بری طرح روتے وہ ندا کے گلے لگ گئی تھی۔ ندا خود آبدیدہ تھی۔ زرش اس کے گلے لگ کے رونے لگی تھی۔ کتنی خواہش تھی اسی کی کہ عیشال اس کی بھابی بنے، اور وہ بن بھی گئی تھی، ابھی تو اسے سمہان سے بہت سارا لڑنا تھا کہ اس نے اسے اندھیرے میں رکھا لیکن ابھی تو اس کی جان کے خود لالے پڑے تھے۔

" ویرے کے لیے دعا کرو عیشال۔ اسے کچھ نہ ہو۔"

" اگر سمہان کو کچھ ہوا نا تو حویلی سے لے کے چوہدری جہانگیر کے گھر تک آگ کی لکیر کھینچ دوں گی۔ چوہدری جہانگیر بھی یاد رکھیں گے عیشال ان کی بیٹی تھی۔ میرا فون کہاں ہے۔" رونا بھول کے سرد لہجے میں کہتے اسے اپنے فون کی پڑ گئی تھی۔

" شاید یمنی کے پاس ہو۔" شاذمہ نے اندازہ لگایا تھا۔

☆☆☆

" یس ڈیڈ ! ہم بس ایئر پورٹ کے لیے نکلنے ہی والے ہیں تھوڑی دیر میں۔" چوہدری جہانگیر کی آتی کال دیکھ کے ایشان جاہ کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

" کوئی ضرورت نہیں ہے حویلی آنے کی، میں دوپہر تک گھر پہنچ رہا ہوں۔"

" سب خیریت تو ہے ڈیڈ.....؟" ان کا غیر معمولی انداز اسے چونکا گیا۔

" سب ختم ہو گیا۔ سارے رشتے ناتے ختم کر کے آگیا ہوں حویلی سے۔"

"لیکن ڈیڈ بات کیا ہو گئی بتائیں گے آپ.... مجھے ٹینشن ہو رہی ہے۔" ان کا انداز بھی سمجھ نہیں ہو رہا تھا۔

" گھر آ کے بات ہو گی۔" چوہدری جہانگیر اپنی سی کہہ کر فون بند کر گئے تھے، ایشان جاہ کو ٹینشن لگ گئی تھی آخر ایسی کیا بات ہو گئی تھی۔

اور یہ ٹینشن اتنی بڑھی کہ وہ سمہان آفندی کا نمبر ملا گیا۔ اس کے نمبر پہ کال جا رہی تھی لیکن وہ پک نہیں کر رہا تھا، اتنا لاپرواتو وہ کبھی نہیں رہا تھا، ہر دوسری بیل پہ کال پک کر لینے کی عادت تھی اس کی۔

" سب خیر تو ہے.... یہ سمہان فون کیوں نہیں اٹھا رہا۔؟" پریشانی سے ٹہلتے وہ شاہ زر شمعون کا نمبر ڈائل کر گیا تھا۔ اسی لمحے سامنے سے صبا اور نرمین ایئر پورٹ جانے کے لیے تیار آ رہی تھیں تو ماورا بھی اپنے کمرے سے باہر آ گئی تھی۔

" کیا ہوا ایشان، کچھ پریشان لگ رہے ہو؟" صبا نے اس کے پیچھے کھڑی ماورا کو تنقیدی نظروں سے دیکھتے سوال کیا تھا۔

" جی وہ..... ہیلو ویرے شاہ! ..... حویلی میں کچھ ہوا ہے کیا ڈیڈ بھی واپس آ رہے ہیں۔ اور سمہان بھی فون ریسیو نہیں کر رہا۔" اس سے پہلے کہ صبا کو جواب دیتا شاہ زر شمعون نے کال پک کر لی تھی۔ اور وہ بے ساختہ اپنی

پریشانی کا اظہار کر گیا۔ چوہدری جہانگیر کے واپس آنے کا سن کے ماں بیٹی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں تو ماورا ابھی ایشان کی کال کی طرف متوجہ ہو گئی۔

" ایشان اسپیکر پہ ڈالو فون۔" صبا کی فرمائش پہ وہ اسپیکر آن کر گیا تھا۔

" کیا اب سمہان ایمرجنسی روم سے تمہاری کال ریسیو کرے گا؟ قاتل نے فخریہ انداز میں اقبالِ جرم نہیں کیا، کیا جو تم جلے پہ نمک چھڑکنے کو کال کر بیٹھے۔" اسپیکر سے آتی شاہ زر شمعون کی خونخوار آواز ایشان جاہ کے ساتھ سب کے اوسان خطا کر گئی۔

" یہ آپ کس لہجے میں بات کر رہے ہیں ویرے شاہ، ہوا کیا ہے، پلیز کچھ بتائیں گے؟" وہ عجیب سی صورتِ حال کا شکار تھا۔

"ایشان جاہ سننے کا حوصلہ ہے تو سنو! تمہارے باپ اور ہمارے نام نہاد چچا نے اپنی سگی بیٹی عیشال اور اپنے داماد سمہان پر گولیاں چلا کر انہیں موت کے گھاٹ اتارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، عیشال کو تو بازو میں گولی لگی ہے لیکن سمہان ایمرجنسی میں پڑا ہوا ہے، ڈاکٹرز غیر مطمئن ہیں اگر حویلی کے جاں نشین کو کچھ ہوا نا ایشان تو یاد رکھنا جو گولی حویلی میں اپنوں پر چل سکتی ہے، وہ شہر تک کیوں نہیں پہنچ سکتی۔"

شاہ زر شمعون کا نکلا ایک ایک حرف سب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا گیا۔

" ڈیڈ نے سمہان اور عیشال پہ گولی چلائی لیکن کیوں.....؟ اپنے خون پہ.....؟" اس کی دھمکی، لہجے کی نفرت سب بھول کے ایشان حیرت و صدمے سے چیخ اٹھا۔

" سمہان نے عیشال سے نکاح کر لیا ہے اور تمہارے والدِ محترم دوسری بیٹی سے نکاح کے ارادے سے آئے تھے اور اپنی خود غرضی دکھا گئے۔ بہتر ہو گا تم بھی نیچرل ری ایکٹ کرو، یوں انجان بن کے معصوم نہ بنو، حویلی کے ساتھ دشمنی کرنے کی تم باپ بیٹوں کی پرانی عادت ہے، باپ نے جو بیج بویا اس کا پھل ابھی حویلی کی عورتیں کاٹ ہی رہی تھیں کہ تم نے حویلی کی قابلِ نفرین عورت کی بیٹی سے نکاح کر کے سونے پہ سہاگا کر دیا۔ کیا اپنی پسند سے شادی کا

حق چوہدری جہانگیر اور ان کی اولاد اوپر سے لکھوا کے لائی ہے، حویلی والے کیا ان کا بھگتان بھگتنے کے لیے بیٹھے ہیں۔"

رشتوں کا مان، مروت، احترام کہیں نہیں بچا تھا۔ کل تک جہانگیر چچا کہلانے والے آج صرف چوہدری جہانگیر بن چکے تھے۔

اپنی کہہ کر شاہ زر شمعون نے فون بند کر دیا تھا۔ ایشان جاوا ایک دم سے سناٹے میں رہ گیا تھا، باقی سب بھی اسی حالت کا شکار تھے۔ حویلی کی قابلِ نفرین عورت سن کے ماورا ایجی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

" ڈیڈ نے عیشال اور سمہان پہ گولی چلائی، صرف اس لیے کہ سمہان نے عیشال سے نکاح کر لیا اور ڈیڈ نرمین کے لیے سمہان کو داماد بنانا چاہتے تھے لیکن اس سے کیا فرق پڑتا تھا، نکاح عیشال سے ہوتا یا نرمین سے، داماد تو وہ ان کا ہی کہلاتا، پھر ڈیڈ نے خونی رشتوں کے ساتھ اتنی سفاکیت کا مظاہرہ کیوں کیا۔ کانٹ بلیو دس.....!" بے یقینی سے بڑبڑاتے وہ صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

" اور یہ حویلی کی قابلِ نفرین عورت کون ہے جس کی بیٹی سے میں نے....." ذہن میں آئے خیالات کو لفظوں میں دہراتے اس کی نگاہ ماورا ایجی کی طرف اٹھی تھی۔ وہ بے ساختہ نگاہ پھیر گئی۔

" یہ ہے کیا، یہ سب....؟ میرا تو دماغ کام نہیں کر رہا۔" وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام گیا۔ صبا کو بھی معاملہ کچھ اور لگ رہا تھا، ایشان کا جھٹ پٹ نکاح اور اب اس کی ماں کا تعلق حویلی سے نکل آنا ان کے سامنے بہت سارے سوالات کو جنم دے گیا تھا۔

" تم کیوں حواس باختہ ہو رہے ہو۔ اچھا ہوا جو ڈیڈ نے دونوں کو جان سے مارنے کی کوشش کی، میں ہوتی تو میں بھی یہی کرتی لیکن اتنی گولی مارتی کہ کوئی زندہ نہ بچتا۔" سب سے پہلے نرمین کا نفرت بھرا ری ایکشن سامنے آیا تھا۔

" شٹ اپ نرمین، اسی نفرت کے بیچ آج وہ سب کچھ ہو گیا جو کسی صورت نہیں ہونا چاہیے تھا۔ مجھے ڈیڈ سے ایسے عمل کی قطعاً امید نہیں تھی۔ وہ اتنی سفاکیت کا مظاہرہ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ کیا کیا انہوں نے عیشال اور سمہان پہ گولی چلائی۔ یقین آئے بھی تو کس طرح۔ اف میرے اللہ.....!"

وہ خود کلامی کے ساتھ خود اذیتی کا شکار بھی ہو گیا تھا۔

☆☆☆

"چچی جان سمہان!" سب آئی سی یو کے باہر نزع کی حالت میں تھے۔ سب کی سوالیہ نظریں ہر آتے جاتے ڈاکٹر ،نرس پہ اٹھ رہی تھیں کہ شاید وہ آ کے کوئی امید افزا خبر سنائیں۔ شاہ زر شمعون دیوار سے سر ٹکائے کھڑا تھا۔ چوہدری بخت، چوہدری حشمت، چھوٹے بھائی کو حوصلہ دے رہے تھے۔ چوہدری اسفند مرد ہونے کے باوجود بیٹے کی تکلیف پہ آبدیدہ تھے۔

زمرد بیگم کو سب ساتھ لانے میں تعامل کر رہے تھے کیونکہ چوہدری حشمت حویلی میں تھے۔ نہ انہوں نے ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی تھی نہ سب نے افراتفری میں اصرار کیا۔ فائزہ اور دیاز مرد بیگم کے پاس بیٹھی فریال کو دلاسا دے رہی تھیں۔

ایسے میں عیشال بھی ندا اور زرش کے سہارے چلی آئی تو فریال اسے گلے لگا کہ زار و قطار رو پڑیں۔

"کہا بھی تھا اس سے چلا جائے حویلی سے دور، تمہارے ساتھ کہیں بھی زندگی کی شروعات کر لے، لیکن نہیں مانا، ہر بار یہی کہتا رہا، اپنوں سے بھاگ کے جاؤں گا بھی تو کہاں، اپنوں سے کیوں بھاگوں اور دیکھ لو، انہی اپنوں نے کیسے اسے موت کے منہ میں پہنچا دیا۔ میرا بیٹا بزدل نہیں ہے، چاہتا تو تمہارے باپ کے سینے میں بھی گولی اتار دیتا لیکن وہ محبت کرنے والا نفرت کے لپیٹے میں آگیا، اسے اتنا خوش میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ تمہارے ساتھ بہت سارا جینا چاہتا تھا عیشال، لیکن دیکھو تمہارے باپ نے کیا کیا سمہان کے ساتھ۔"

فریال بین کر کر کے رو رہی تھیں۔ سب کا کلیجہ پھٹ رہا تھا۔ شنائیہ بق دق رہ گئی تھی۔ اتنی گھٹن تو اسے کبھی سانس لینے پہ پابندی لگنے پر بھی نہیں ہوتی جتنی یہ سب دیکھ لینے کے بعد ہو رہی تھی۔

" اتنی درندگی۔ جہانگیر چچا اپنے کہلانے کے بھی حق دار نہیں ہیں، سمہان تو چلو بھتیجا تھا، ان کی منتخب کردہ بیٹی کو چھوڑ کر دوسری بیٹی سے نکاح کر گیا۔ سگی بیٹی پہ گولی چلاتے ان کے ہاتھ نہیں کانپے۔ سارے مناظر آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد بھی مجھے یقین نہیں آرہا، اپنے تو جان لٹا دیتے ہیں لیکن بد قسمتی سے ہم ایسے اپنوں کے درمیان ہیں جو کب ہماری جان لے لیں کچھ پتا نہیں۔ یہ حویلی ہے یا زندان شاہ.....!" ندا، شاہ زر شمعون کے سامنے آکر سوال کر رہی تھی، اس کی گلابی آنکھیں ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ ضبط کے کس منزل پر ہے۔

سفید آنچل اوڑھے ندا روتی ہوئی اس سے سوال کر رہی تھی۔ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے اپنے شانے سے لگا گیا تھا۔

سوالات تو اس کے اندر بھی اٹھ رہے تھے، داجان یہاں کیوں نہیں ہیں.....؟

انہوں نے چوہدری جہانگیر کو اتنی آسانی سے کیوں جانے دیا....؟

لیکن جواب وقت شاید ابھی نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

" باپ ہونے کا فرض تو آپ نے کبھی ادا نہیں کیا، شکر ہے کہ دشمن ہونے کا حق ادا کرتے آپ نے آج اس نام نہاد رشتے کو بھی ہمارے بیچ سے مٹا دیا۔ چوہدری جہانگیر، آپ کی بد قسمتی کہ آپ کی زہر بجھی گولی لگنے کے بعد بھی میں زندہ ہوں، اور انتظار کیجیے اس وقت کا جب میں اپنا تعارف کراتے آپ کا خلاف تھانے جاؤں گی تو آپ کی نام نہاد پوسٹ کے ہوتے آپ کے غرور و تکبر اور فرعونیت کے وہ بخیے ادھیڑوں گی کہ آپ جیسے مرد اولاد تو مانگیں گے لیکن ان کی دعا ہو گی کہ کبھی عیشال جیسی اولاد آپ جیسوں کے گھر پیدا نہ ہو، دوسروں کا پیچھا

کرنے والے کا جب کوئی دوسرا پیچھا لے لیتا ہے تو اسے چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ملتی۔ مصلہ بچھا کر بس دعا کیجیے کہ میرے سمہان کو کچھ نہ ہو،

ورنہ آپ کے ساتھ جو کچھ ہوگا وہ بس سوچ ہے آپ کی۔"

وہ راستے میں ہی تھے۔ جب اجنبی نمبر سے آئی کال پک کر گئے، نہ تو انہوں نے کبھی عیشال کا نمبر سیو رکھنے کی زحمت کی تھی، نہ عیشال کو پتا تھا کہ خانہ پری کے لیے باپ کا رکھا نمبر وہ کبھی یوں استعمال میں لائے گی۔ کال ریسیو کرتے ہی عیشال کا خونخوار لہجہ بتا رہا تھا کہ تقدس کی دیوار تو کہیں دور گر پڑی تھی۔ وہ اس کے لیے پیاسے ہوتے چوہدری جہانگیر بن گئے تھے، فقط اجنبی۔

اس کی جرأت پر ان کی آنکھیں لہو رنگ ہو گئی تھیں۔

"ساری زندگی ان کاؤنٹر کرنے والے کو اپنا نشانہ خطا ہو جانے پر ہمیشہ افسوس رہے گا۔"

اصلاح یا مکافاتِ عمل جیسے بول کچھ لوگوں کے کام نہیں آتے۔ شاید اللہ نے ایسوں سے ہدایت کی راہ ہی چھین لی ہوتی ہے۔ چوہدری جہانگیر کے جملے پر عیشال کے چہرے پر کڑوی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

" یہ افسوس اب ساری زندگی آپ کا پیچھا کرے گا۔"

☆☆☆

اتنے لوگوں کا جمگھٹا دیکھ کر آتے جاتے ڈاکٹرز اور نرس انہیں اسپتال کے رولز سمجھا رہے تھے لیکن سب ان سنی کیے پل پل گن رہے تھے۔

"پپا! اب تو ڈاکٹر کی دے ہوئے ٹائم کی مدت بھی گزر گئی ہے، ویرے نہیں اٹھا۔ ویرے کو کہیں اٹھ کر پھر سے بھاگ، بھاگ کے حویلی کے امور انجام دے، ایسے نہ کرے ہمارے ساتھ..... میرا اتنا پیارا ویرا ہے وہ تو..... اسے اٹھنے کو کہیں پپا..... میری بس ہو گئی ہے۔" زرش چوہدری اسفند سے لگی سسک رہی تھی۔ زمرد بیگم سوکھے ہونٹوں سے مصلے پر بیٹھی ہوئی تھیں تو سب ہی کے لب دعائیہ انداز میں ہل رہے تھے۔ عیشال دیوار سے لگی آنسو بہا رہی تھی۔

ایسے میں ڈاکٹر کہیں سے برآمد ہوا تھا۔ سب اس کی طرف لپکے تھے۔ اور سب کے بڑھتے قدم زمین میں جم سے گئے۔

"سوری.....! ہی از نو مور.....!"

"سمہان!" عیشال کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا تھا۔

جاری ہے

ریحانہ آفتاب

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

قسط # 29

"عیشال....!"

عیشال آنکھوں میں چھائے اندھیرے کے باعث گرنے ہی لگی تھی جب ندا نے اسے لپک کے تھام لیا تھا۔

"مبارک ہو عیشال۔"

جذبات سے عاری آنکھوں سے وہ شدید تعجب کے عالم میں ندا کو دیکھ رہی تھی۔

"سمہان مر گیا اور آپ مجھے مبارک باد دے رہی ہیں ندا آپی....؟" بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"اللہ نہ کرے کیسی بدفعالیں نکال رہی ہو۔ مریں سمہان کے دشمن۔" یمنیٰ جلدی سے آئی تھی۔ اس کی بات سنتے ہی بے ساختہ کہہ تھی۔

"ڈاکٹر نے کہا تا....؟" عیشال بدحواس ہو کے ایک ایک کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"ویرا آؤٹ آف ڈینجر ہے عیشال۔" زرش ایک دم آ کے اس سے لپٹ گئی تھی۔

"لیکن میں نے تو سنا...." وہ بے یقین سی تھی۔

"دماغ چل گیا ہے تمہارا۔ سمہان کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ ان شاء اللہ اسے جلد ہوش آ جائے گی، ڈاکٹر یہی کہہ کے گئے ہیں۔" ندا ایک ایک لفظ جما کے کہہ رہی تھی۔ شاذمہ، ماہم اور شنائیہ بھی اس کے قریب آ گئی تھیں۔ فریال، فائزہ اور دیا کے گلے لگی مردبیگم کا ہاتھ تھامے نم آنکھوں سے مسکرا رہی تھیں۔

"شکر ہے میرے مالک!" اسفند اوپر کی طرف دیکھتے آنسو صاف کر رہے تھے۔ فیروز اور بخت بھی شکر گزاری کے کلمات ادا کر رہے تھے تو شاہ زر شمعون کے اعصاب بھی پرسکون محسوس ہو رہے تھے۔ ان سب پہ ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر وہ حقیقت کی دنیا میں آ گئی تھی کہ جو کچھ اس کے امیجینیشن نے دیکھا وہ غلط تھا، حقیقت تو یہی تھی کہ سمہان آفندی زندہ تھا۔

"اللہ تیرا شکر!" وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی تھی، زرش کے ساتھ سب ہی اس سے لپٹ گئے تھے، سوائے شنائیہ کے، وہ محویت

زندگی دیکھی تھی اس کے بعد سمہان اور عیشال کا بچ جانا ہی کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔اور اب عیشال کا تڑپ کے رونا اس کا اپنا دل
گداز کر رہا تھا۔صاف ظاہر تھا دونوں میں کتنی محبت تھی، اسے بچانے کو سمہان جس طرح اسے پیچھے کر رہا تھا وہ بھی اس کی نظر میں تھ
لمبی سانس بھر کے اس نے نظر پھیری تھی، اس کی نظر غیر ارادی طور پہ شاہ زر شمعون کی طرف اٹھ گئی تھیں۔اور اس کا حلق تک کڑ
و گیا تھا۔

☆☆☆

رمین کا رو رو کے برا حال تھا۔صہبا الجھی ہوئی سی اسے چپ کروانے میں لگی ہوئی تھیں، جہانگیر فون نہیں اٹھا رہے تھے۔ان کا پار
ر ید چڑھ رہا تھا۔
میں نے کہا تھا مام، جلدی کریں ورنہ وہ عیشال جیت جائے گی لیکن میری کسی نے نہیں سنی۔بس تاریخ لیتے رہے۔ایشان کی باری
ں کیسے جھٹ پٹ ہو گیا سب، میری باری میں کچھ نہ ہو سکا۔میں کبھی معاف نہیں کروں گی آپ دونوں کو۔" نرمین روتی ہوئی چلی گئی
تھی۔
نرمین، سنو بیٹا!" صہبا پکار کے رہ گئی تھیں۔لیکن نرمین جا چکی تھی۔
یہ چل کیا رہا ہے، جہانگیر کے دماغ میں؟ سمہان اور عیشال پہ گولی چلا دی اور یہ مادرا کون ہے یہ لڑکی..... کیسے جانتے ہیں جہانگیر
سے جو راتوں رات اسے بہو بنا لائے۔یہ کون سی گتھی ہے جو سلجھ نہیں رہی۔" صہبا سر پکڑ گئی تھیں۔
اس کا جواب تو وہ لڑکی ہی دے سکتی ہے۔" کچھ ٹھان کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھیں، تیور خطرناک تھے۔

☆☆☆

باؤ کین ڈیڈ ڈو ویٹ....؟" ایشان الگ سر دونوں ہاتھوں میں تھامے بیٹھا تھا۔سوچ سوچ کے دماغ پھٹنے لگا تھا۔اس نے شاہ ز
شعون کو ایک نہیں کئی بار کال کر نے کی کوشش کی تھی، وہ اس سے تفصیلی بات کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اپنی بھڑاس نکال لینے کے بعد اب

مادرا سکی خاموشی سے اس کی حالت دیکھ رہی تھی۔ آج سے پہلے وہ حویلی اور اس کے لوگوں کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔ کبھی کسی سے نہیں ملی تھی۔ لیکن منزہ کی ڈائری پڑھ لینے کے بعد سے اس کے لیے سب کچھ سمجھ لینا مشکل نہیں رہا تھا۔ منزہ نے برسوں پہلے چوہدری جہانگیر کے دل میں حویلی والوں کے لیے جو نفرت کا بیج بویا تھا آج وہ بیج پوری طرح پھل دے گیا تھا۔ سگی بیٹی اور بھتیجے پہ گولیاں چلا کر انہیں جان سے مارنے کی کوشش کر کے انہوں نے ثابت کر دیا تھا وہ آج بھی منزہ کے پیٹرنزم میں جی رہے تھے۔ مادرا کو یہ سب بے حد عجیب لگ رہا تھا۔ ابھی وہ اپنی زندگی میں اچانک آنے والی تبدیلی کو ہی لے کر کچھ سوچنے کے قابل نہیں ہوئی تھی کہ منزہ کا ماضی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ بے حد سراسیمگی کا شکار ہو گئی تھی۔ شاہ زر شمعون کون تھا وہ نہیں جانتی تھی۔ لیکن وہ اسے جانتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ حویلی کی قابلِ نفرین عورت کی بیٹی تھی۔ اور وہ ان سب سے ملنے سے پہلے ہی ان سب کے لیے قابلِ نفرین ٹھہرا دی گئی تھی۔

ایشان جاہ کے ذہن میں بھی شاہ زر شمعون کا جملہ گونجا تو وہ ایک دم سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

''منزہ آنٹی کا کیا رشتہ ہے حویلی سے.....؟ تم جانتی ہو؟''

مادرا سکی اسی ایک لمحے کے آنے سے ڈر رہی تھی اور وہ لمحہ آ گیا تھا۔

''کون ہے ایشان جاہ یہ لڑکی..... کیا رشتہ ہے اس کی ماں کا حویلی والوں سے.....؟''

ابھی وہ کوئی جواب دے نہیں سکی تھی کہ صمبا دندناتی ہوئی اس کے سر پہ پہنچ گئی تھیں۔

''ایزی مما!'' ماں کو ہائپر دیکھ کے وہ تیزی سے کھڑا ہوا تھا۔ مادرا کے چہرے پر ایک دم سے سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ جو اس سے چھپی نہ رہ سکی۔

''ایزی.....؟ تم باپ بیٹا کیا کرتے رہے ہو، دیکھ لیا اس کا انجام.....؟ جہانگیر گئے تھے تمہاری شادی کی بات سب کو بتانے اور حویلی میں اپنوں کا قتل کر آئے۔'' برہم ہو کے۔

''قتل کی وجہ عیشال اور سمبان کا نکاح ہے، ڈیڈ نرمین کے لیے سمبان کو سوچے بیٹھے تھے۔ نرمین اور آپ نے ان پر برابر پریشر بنائے رکھا اور اب جب کہ یہ سب ہو گیا ہے تو آپ..... میں اس بحث میں قطعاً نہیں پڑنا چاہتا کہ ڈیڈ نے یہ سب کیوں اور کس کے لیے کیا..... جس کسی کی بھی محبت میں مبتلا ہو کے کیا ہو لیکن بہت غلط کیا انہوں نے۔ انہیں آنے دیں، تب ہی کوئی بات ہو سکتی ہے۔'' رسانیت سے ضبط کرتے گویا تھا۔

''ہاں انہیں آنے دو، لیکن اس سے پہلے مجھے اس لڑکی سے جاننا ہے کہ اس کا ماضی کیا ہے..... کہاں سے آئی ہیں یہ ماں، بیٹیاں..... آخر

لیک اٹ ایزی مام! ڈیڈ آئیں گے تو ہی کوئی بات ہوگی۔ آپ جائیں ابھی اپنے کمرے میں۔ یہ لڑکی اب میری بیوی ہے، بہتر ہوگا آپ
ں کے ساتھ اس قسم کا انداز نہ رکھیں۔'' دوٹوک لہجے میں کہہ کر وہ انہیں کمرے سے باہر کا راستہ دکھا گیا تھا۔
ہبا کھا جانے والی نظروں سے ماورا کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ چپکی بیٹھی ہوئی تھی۔
پلیز مام! بعد میں بات کرتے ہیں۔'' وہ اس وقت انہیں ماورا کے سامنے سے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔
ہبا نخوت بھری نظر ڈال کے پلٹ گئی تھیں۔
مام کے رویے کی معافی چاہتا ہوں، ایکچوئلی ٹینشن والی سچویشن ہے تو....'' اس کے گھبرائے انداز کو دیکھتے وہ صفائی دے رہا تھا۔
اٹ از اوکے۔'' وہ پھیکے چہرے کے ساتھ کہتے رخ موڑ گئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی جب حقیقت جہانگیر سمیت سب پر کھلے گی تو وہ کیا
کرے گی۔ اس کا ٹھکانہ کیا ہوگا۔

☆☆☆

سمہان ہوش میں آ گیا ہے داجان۔'' چوہدری حشمت کی کوئی کال نہیں آئی تھی لیکن سمہان کی زندگی کی نوید ملتے ہی اس نے سب سے پہلے
یں ہی کال کر کے خوشخبری سنائی تھی۔ فون ریسیو کر کے انہوں نے صرف ہنکارا بھرا تھا۔ سمہان کی زندگی کی نوید ملنے پر بھی کچھ کہنے کی
جائے ہنکارا بھر کے فون بند کر گئے تھے۔ شاہ زر شمعون کو سخت تعجب ہوا تھا، اس نے خود ہنکارا نہ سنا ہوتا تو اسے شک ہوتا کہ شاید انہوں نے
ں کی بات سنی ہی نہیں ہے۔ سمہان کو زندگی ملنے کی خبر سن کے اتنا سرد انداز.... وہ عجیب سی سوچ میں گھر گیا تھا۔
اکثر ملنے کی نوید دے رہا تھا۔ اس کا دھیان اس طرف تھا۔
آپ میں سے عیشال کون ہے، پیشنٹ سب سے پہلے اس سے ملنے کی خواہش کر رہا ہے۔ بے ہوشی میں بھی یہی ایک نام کئی بار لیا ہے اس
نے۔'' ڈاکٹر کہہ رہا تھا اور عیشال نم آنکھوں کے ساتھ سن رہی تھی۔ دل کہیں سجدہ ریز تھا تو دھڑکنیں مدھم۔
جاؤ اس کے پاس، فکرمند ہوگا تمہارے لیے۔'' فریال تیزی سے اس کے پاس آ کر اسے دروازے کی طرف دھکیل گئی تھیں۔ سب کے
ینے سے سکون کی سانس خارج ہوئی تھی۔
ل کو مضبوط کیے وہ دھیرے سے داخل ہوئی تھی وہ سامنے ہی تو مشینوں اور ڈرپ کے زیر اثر نظر آیا تھا۔ نظریں دروازے پر ہی ٹنگی ہوئی
تھیں۔ اور عیشال کو داخل ہوتے دیکھ کے ہی اس کی بے قرار نظروں کو قرار ملنے لگا تھا۔
یہاں آؤ!'' اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے وہ بے ساختہ پکارا اٹھا تھا۔

جکڑے سینے کو دیکھ کر متوحش ہونے لگیں۔

"ٹھیک ہو....؟" فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔لیکن تم یہ سب.....؟" اس کی اذیت محسوس کر کے وہ فکرمندی سے پٹی کو چھو کے رہ گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، کچھ نہیں ہوا مجھے۔" اس کا بازو نرمی سے تھام گیا تھا۔

"اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی کہہ رہے ہو کچھ نہیں ہوا.... سب میری وجہ سے ہوا۔اسی وقت کے خوف سے روکتے تھے نہ مجھے اور میں پاگل تمہاری جان پہ بنا گئی۔" روہانسی ہو کے رو پڑی تھی۔

"پاگل ہو۔اب رونے کی کیا ضرورت ہے۔دیکھو ابھی اس قابل نہیں ہوں کہ اٹھ کے تمہیں چپ کرا سکوں۔خود ہی چپ ہو جاؤ۔سن رہی ہو....؟" اس کے بازو کو ہلکا سا جھٹکا دیا تھا غلطی سے وہی زخمی بازو تھا، عیشال کی ہلکی سی سسکی نکل گئی۔

"کیا ہوا ہے....؟تم ٹھیک ہو...؟" وہ تشویش سے اس کے شانے کو دیکھ رہا تھا جو چادر میں چھپا ہوا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔کچھ نہیں ہوا۔" اسے مطمئن کرنے کو وہ مسکرانے لگی تھی۔

"سچ بتاؤ عیشال۔تم پر بھی گولی چلائی گئی....؟" لہجہ سرد ہو چلا تھا۔وہ بے چینی سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔عیشال فوراً اس حرکت سے باز رکھ گئی۔

"بس گولی بازو چھو کے گزر گئی تھی۔کچھ نہیں ہوا مجھے، دیکھو میں ٹھیک ہوں۔" ہشاش بشاش لہجہ دکھا کے وہ خود کو لاپرواظاہر کر رہی تھی۔سمہان غور اسے دیکھ رہا تھا۔

"شیور تم ٹھیک ہو؟" وہ بے یقینی سے اس کا ہاتھ تھام گیا تھا۔

"جب تم میری ڈھال کے بن کے کھڑے ہو تو مجھے کیا ہو سکتا ہے۔" مسکرا کے اس کے ہاتھ پہ گرفت بڑھا گئی تھی۔

"ایسے تھوڑی نہ یہ ہاتھ تھاما تھا۔" اتنے درد، اتنے اعصاب شکن جنگ کے بعد بھی ایک دوسرے کی صورت دیکھ کے وہ اپنی اپنی تکلیف بھول گئے تھے۔

"اپنا خون تو شاید میں معاف بھی کر دوں لیکن تم پر چلنے والی گولی کو کبھی نہیں بھولوں گا۔" چوہدری جہانگیر کا تصور کرتے اس کا چہرہ رنگ بدل گیا تھا۔

☆☆☆

''یہ سب کیا ہے جہانگیر.....؟ آپ، اپنوں پہ گولی چلا آئے۔''

''افسوس تو اس بات کا ہے دونوں ہی بچ گئے۔'' پھنکارتا ہوا لہجہ تھا۔

جہانگیر لوٹ آئے تھے۔ اور اب سب ان کو گھیرے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پہ ناقابلِ فہم تاثرات تھے۔

''ڈیڈ! آپ کو پتا ہے آپ کیا کر آئے ہیں.....؟ لیکن کیوں..... صرف اس لیے کہ سمہان نے نرمین کی بجائے عیشال سے نکاح کر لیا۔ سب آپ میرے لیے ناممکن کو ممکن بنا سکتے ہیں تو سمہان اور عیشال کے لیے اتنی نفرت کیوں ڈیڈ، انہوں نے کوئی غلط کام تو نہیں کیا۔ جب میں اپنی پسند کو اپنا سکتا ہوں تو، وہ دونوں کیوں نہیں؟'' ایشان جاہ سخت تعجب میں تھا، ڈھونڈے سے بھی ان کے چہرے پر ندامت اور افسوس کے رنگ نہیں مل رہے تھے۔

''تم ایشان جاہ ہو، میرے بیٹے، جہانگیر کی اولاد ہو تم، تمہیں ہر حق حاصل ہے۔ نرمین کی شادی بھی سمہان سے ہونی تھی لیکن یہ عیشال بیچ میں آ گئی تو کیسے چھوڑتا دونوں کو۔ میری بچی کا نصیب عیشال کے نصیب کے ساتھ کیسے جڑ سکتا ہے، کیسے.....؟'' چنگھاڑتے ہوئے آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔

''آپ نے بالکل ٹھیک کیا ڈیڈ میں آپ کی جگہ ہوتی تو میں بھی یہی کرتی۔'' نرمین نے سب سن کر اطمینان کا اظہار کیا تھا۔

''شٹ اپ نرمین!'' ایشان جاہ کا غصہ برقرار تھا۔

''یو شٹ اپ، تم تو بولو گے ہی، تمہیں جو مل گیا سب کچھ، خالی ہاتھ تو میں رہی نا۔'' ماورا کو نخوت سے دیکھتی وہ اسے جتا گئی تھی۔ ماورا چور سی ہو گئی تھی۔ ایشان جاہ لمبی سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

''جب موقع ملا میں بھی وہی کروں گی جو ڈیڈ نے کیا۔ شوٹ کر دوں گی دونوں کو۔'' نرمین بھڑک کے چلی گئی تھی۔

''یہ تو پاگل ہے، آپ تو عقل مند تھے ڈیڈ۔ کانٹ بلیو دس کہ یہ آپ کا ہی روپ ہے۔ آپ وہاں ہماری شادی کی خبر دینے گئے تھے اور یہ کر آئے۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا کیسے سب کچھ ٹھیک ہوگا۔''

''کچھ ٹھیک کرنا بھی نہیں ہے۔'' تنتنا کے کہتے وہ اٹھ کر چلے تھے۔ صبہا، ماورا کو گھورتی ان کے پیچھے چلی گئی تھیں۔

''اف! یہ ہو کیا رہا ہے؟'' ایشان جاہ سر تھام گیا تھا۔ ماورا کو صبہا کی نظروں سے خوف آ رہا تھا۔

☆☆☆

''داجان.....؟''

کہ اتنے سارے لوگ ہاسپٹل میں نہیں رہ سکتے تھے۔

"اتنی بڑی خوشی چھپائی مجھ سے۔ٹھیک ہو جاؤ پھر لڑتی ہوں ویرے، اور اس نے بھی بھابی بنتے ہی نند کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینکا۔"

تِ رخصت زرش سمہان سے لڑنے کے ساتھ عیشال کو دھمو کا جڑنا نہیں بھولی تھی۔

"آرام سے، لگی ہوئی ہے اسے۔" مسکراتے ہوئے بھی سمہان کو اس کی فکر ستانے لگی تھی۔

"اوہ ہاں۔" زرش احساس کر کے خود ہی عیشال کو ساتھ لگا گئی۔

"ٹھیک ہو جاؤ دونوں، پھر لڑتی ہوں دونوں سے۔ کتنی خواہش تھی میری کہ عیشال میری بھابی بنے، اور کیسے چپکے چپکے سب کر لیا۔ میں ہی جان رہی۔" زرش کی دہائی پہ اتنی تکلیف میں بھی سمہان آفندی مسکرا کے اسے اپنے پاس آنے کا اشارہ کر گیا تھا۔

"اب جلو تم بہن بھائی کا پیار دیکھ کے۔" اسے پرے کر کے زرش عیشال کو الگ کر کے سمہان کے پاس چلی گئی تھی۔ وہ مسکرا دی۔

"بس اسی لیے نہیں بتایا اپنی بہن کو خبر تھی خوشی چھپائے نہیں چھپے گی اس سے۔"

"یہ تو ہے، لیکن بتانا تو تھا نا ویرے۔" سمجھ کے بھی گلہ نہیں کم ہو رہا تھا۔

"میں تو بتانا چاہ رہا تھا لیکن عیشال نے ہی کہا نہ بتاؤ، سب کو خبر کر دے گی۔" "معصوم بن کے اس کے سر ڈال گیا تو زرش کا منہ حیرت سے کھل کے نظریں عیشال کا احاطہ کر گئیں۔ اس کی چالاکی پہ وہ مصنوعی خفگی سے گھور کے زرش کے سامنے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"اسے تو میں نند بن کے آپ ہی نبٹ لوں گی۔ بس آپ جلدی ٹھیک ہونے کی کریں۔ پھر دیکھ لیں گے مل کے اسے بھی۔" زرش شرارت سمجھ گئی تھی۔ لیکن اتنی تکلیف میں ہونے کے بعد بھی ان دونوں کے چہروں کی خوشی سب کے اطمینان کا باعث بن رہی تھی۔

عیشال کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ وہ ہاسپٹل میں رہنا چاہتی تھی۔ لیکن سمہان سمیت کوئی بھی اس حق میں نہیں تھا۔ ناچار وہ بھی سب کے ساتھ حویلی لوٹ رہی تھی۔ فریال کتنی ہی دیر اسے ساتھ لگائے روتی رہی تھیں۔

"میں زندہ ہوں مام۔" وہ الٹا انہیں دلاسا دے رہا تھا۔

"تمہیں زندہ رہنا ہے، تاکہ دشمن کے سینے پہ سانپ لوٹیں تمہیں زندہ دیکھ کے۔" فریال جہانگیر کا خیال کر کے تلخ ہو گئی تھیں۔

"ایسا ہی ہوگا، ان شاء اللہ! مارنے والے کو ساری زندگی اپنی گولی کے خالی جانے پہ افسوس رہے گا۔ بچانے والا بہت بڑا ہے۔" وثوق سے کہہ کے اس نے فریال کے ہاتھ کو تھپکی دی تھی۔

سب الوداعی کلمات ادا کر کے چلے گئے تھے۔ ہاسپٹل میں شاہ زر شمعون اس کے پاس رکا تھا۔ تب اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"دادا جان.....؟"

"کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی غیر موجودگی پر ہم سب کے ذہنوں میں سوال اٹھ رہے ہیں۔ پہلے ٹھیک ہو جاؤ پھر مل کے اس
وال کا جواب ڈھونڈیں گے۔" شاہ زر شمعون اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔

"ہوں!" وہ آنکھ موند گیا تھا۔

"جو ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن جہانگیر چچا نے جتنی گھٹیا حرکت کی اس کی امید تو شاید کسی کو نہیں تھی۔ مجھے ان سے کچھ نہیں کہنا، گلہ ہے تو
س تجھ سے...." سہمان آنکھیں کھول کر چونک کے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"مجھ سے گلہ کیوں بردو؟"

"تو نے مجھے بھی قابلِ بھروسہ نہیں سمجھا۔ اگر مجھے بتا دیتا تو ممکن ہے میں کچھ پلان کر لیتا اور یہ سب نہ ہوتا جو ہوا۔ اگر تجھے کچھ ہو جا
...میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔" اس سے دلی لگاؤ کو وہ بھی جانتا تھا۔ تب ہی اس کی دنگر فنگی پر اس کا ہاتھ تھام گیا۔

"غلطی ہو گئی، معاف کر دو بردو۔"

"جا کیا یاد کرے گا۔" مان سے اس کا ہاتھ دبایا تھا۔

سب کی محبت ساتھ تھی ایک ایک فرد نے محبت کا اظہار کیا تھا۔ لیکن چوہدری حشمت کی غیر موجودگی بہت سے سوالوں کو جنم دے رہی تھی
زمرد بیگم نے بھی اسے سوچنے سے منع کیا تھا لیکن سوچنے پر پابندی کب لگ سکتی تھی۔

☆☆☆

"یہ لڑکی ماورا کون ہے جہانگیر؟"

صبا، چوہدری جہانگیر کے پیچھے آئی تھیں اور آتے ہی سوال جڑ دیا تھا۔

"کیوں، تمہیں اس سوال سے کیا مطلب پیش آ گیا؟" وہ پلٹ کے ناگواری سے سوال کر گئے، صاف ظاہر تھا سوال کچھ خاص پسند نہیں آیا۔

"میرا جاننا ضروری ہے جہانگیر کے آخر اس لڑکی کی ماں حویلی والوں کے لیے قابلِ نفرین کیوں ہے؟" صبا کا سوال جہانگیر کو کھٹکنے پر مجبور
کر گیا تھا۔

"کس نے کہا تم سے یہ سب.....؟" وہ آگ بگولہ ہو گئے تھے۔

"ایشان نے حویلی کال کی تھی، انہیں سے خبر ملی۔"

تائیں مجھے جہانگیر کون ہے یہ لڑکی، جس سے پہلے آپ اور آپ کا بیٹا بدلا لینے چلے تھے اور اب اسے بیاہ کر گھر لے آئے۔ ایشان تو ج
ت میں پڑ گیا لیکن آپ..... آپ کیسے ایک پاؤں پر کھڑے ہو گئے اس شادی کو کروانے کے لیے، اور مجھے لگتا ہے نرمین اور سمہان کے
وہ اس گولی چلنے میں کہیں نہ کہیں اس لڑکی اور اس کی ماں کا بھی ہاتھ ہے، آخر کون ہے یہ لڑکی۔ کیا رشتہ ہے اس کی ماں کا حویلی والوں سے
..؟'' صبیا کی آواز تیز ہو گئی تھی اس کا احساس انہیں جہانگیر کی گھورتی نظروں سے بہت اچھی طرح ہو گیا تھا۔
پنی حد میں رہیں صبیا بیگم۔ جو بتانا ہو گا میں خود بتا دوں گا۔ آئندہ سے میں اس لہجے کو برداشت نہیں کروں گا۔''
ن کرنے والے انداز سے کہہ کے وہ واش روم میں بند ہو گئے تھے۔ صبیا کھڑی پیچ و تاب کھاتی رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

ہان اور عیشال کے نکاح کی حویلی میں ہر ایک کو خوشی ہوئی تھی۔ لیکن ہر کوئی اپنے اپنے تاثرات چھپائے چوہدری حشمت کی خاموشی
ران تھا۔ انہوں نے خود کو اپنے حجرے تک مقید کر لیا تھا۔ کھانے کے لیے بھی باہر نہیں آ رہے تھے۔ زمرد بیگم نے استفسار کی کوشش کی تھ
ن انہیں بھی واپس پلٹ جانے کو کہا گیا تھا۔ اس گوشہ نشینی کو کئی دن گزر گئے تھے۔ ہاسپٹل میں سمہان کا ٹریٹمنٹ جاری رہا اور اب اسے
چارج مل گئی تھی۔
اں سب اس کے زندہ سلامت لوٹ آنے پر خوش تھے وہیں وہ سب سے پہلے چوہدری حشمت سے ملنے کا خواہاں تھا لیکن سب نے سمجھ
کہ وہ اس وقت کسی سے بات کرنا نہیں چاہتے۔ کھانا تک حجرے میں کھا رہے ہیں، کسی کو جانے اور ملنے کی اجازت نہیں ہے۔ چوہدری
شمت کا ایسا انداز اور چوہدری جہانگیر کی طرف مکمل خاموشی جانے کس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ ایشان جاہ مسلسل حویلی والوں
ے رابطہ کرنے کی کوششوں میں تھا لیکن کوئی اس کی سننے کو تیار نہیں تھا۔
تم لوٹ آئے، یہی ہمارے لیے جینے کی وجہ ہے۔ کچھ مت سوچو، جب تمہارے لیے کسی کو سوچنے کی فرصت نہیں ہے تو تم کیوں انہیں سو
ے اپنی انرجی ضائع کر رہے ہو۔''
ہدری اسفند باپ تھے کہیں نہ کہیں چوہدری حشمت کی خاموشی انہیں بھی چبھ رہی تھی۔ فیروز اور بخت بھی ان کے ہمنوا باپ کی خاموشی
ران تھے، جہانگیر کی حرکت پہ وہ بھی اسفند جتنا غصہ رکھتے تھے۔ آج سمہان پہ گولی چلی تھی کل کو ان کی اولاد پر بھی گولی چل سکتی تھی
ہدری جہانگیر تو بس ایک خود غرض بندے کا نام تھا، جو اپنے مفاد کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے تھے۔ سب نے ہمیشہ ان کی حرکتوں کو نظ

ھے اس نے ان سب کا دل خراب کر دیا تھا۔ جو شخص سگی بیٹی پر گولی چلانے سے نہ چوکا وہ ان کا کیا ہوتا۔

ں نے چوہدری حشمت سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا، جواب میں اسفند نے اسے کچھ بھی سوچنے سے منع فرمایا تھا۔ لیکن اس کی ضد ک

یکھتے وہ بڑے بھائیوں سے صلاح مشورہ کرنے لگے تھے۔ شاہ زر شمعون بھی بات کرنے کا خواہاں تھا۔ چوہدری جہانگیر جس آسانی سے

ب کر کے نکل گئے تھے اس پہ اسے بھی اسے غصہ تھا کہ وہ اور ان کی فیملی چین سے زندگی بسر کر رہی تھی۔

روز اور بخت کی بھی یہی رائے تھی کہ اب بات کی جائے۔ سب اکھٹا ہو کر چوہدری حشمت کے حجرے میں چلے آئے تھے۔ سمہان کو آ

ے روک دیا گیا تھا، پہلے وہ سب اپنے طور بات کرنے کے خواہاں تھے۔

مجھے داجان سے ملنا ہے بروہ۔'' وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ جس میں اسے تکلیف کا سامنا بھی تھا۔ شاہ زر شمعون نے اسے اٹھنے سے

کا تھا۔

تو آرام کر، میں ہوں نا، تیرا مقدمہ لڑنے کے لیے وہاں۔ بھروسہ رکھا اپنے بروپہ۔ جب تک تیرے مجرم کو سزا نہیں مل جاتی تب تک چین

سے نہیں بیٹھوں گا۔''

چچا جان بڑے ہیں ہمارے، میں انہیں سزا دلوانے کے حق میں نہیں ہوں۔ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہی ہو جائے یہی بہت ہے۔'' ا

ل میں بھی وہ محبت کو فروغ دینے والا سمہان ہی تھا۔

میرا دل تیرے جتنا بڑا نہیں ہے۔ یہ گولی مجھ پر چلی ہوتی تو شاید میں بھی یہی کہتا لیکن تجھ پر گولی چلانے والے کو معاف کر دوں شاید ا

ہرا ظرف نہیں۔'' شاہ زر شمعون سچائی سے کہہ کر چلا گیا تھا۔ اور اب وہ ان کے درمیان ہوئی بات چیت جاننے کا منتظر تھا۔

☆☆☆

اسلام علیکم!''

ں سب کی آمد کو حیرت سے دیکھتے چوہدری حشمت جو نیم دراز کسی خیال میں گم تھے چونک کر اٹھ بیٹھے تھے۔

تم سب ایک ساتھ خیریت ہے؟'' بیٹوں سے ہوتے ان کی نظر شاہ زر شمعون پہ رکی تھیں۔

آپ کی گوشہ نشینی، میرے بیٹے، بہو پر گولی چلانے والے کا اتنی آسانی سے حویلی سے نکل جانا۔ سمہان کے لوٹ آنے پر اس سے نہ ملنا

ں سب کے بعد بہت ضروری ہو گیا ہے بابا جان کے ہم آپ سے آگے کے لائحہ عمل پہ بات کریں۔'' چوہدری اسفند بڑے تحمل سے اپ

تو یہ کہو نا، بیٹے پہ چلنے والی گولی کا احتساب کرنے آئے ہو۔" ایک تلخ مسکراہٹ ان کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔ ان سب کو کچھ عجیب لگا
تھا۔ شاہ زر چونکا تھا، اسفند کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن وہ اس وقت جذبات میں تھے اس لیے فیروز نے ہاتھ اٹھا کر انہیں بولنے سے روک دیا
تھا۔

"احتساب تو ہونا ہی چاہیے بابا جان۔ جہانگیر نے جو کچھ کیا اس میں ہم اپنے بچوں کو کھو سکتے تھے۔ سمہان اور عیشال کو کچھ ہو جاتا تو اس سے
جہانگیر کو کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا۔ لیکن انہیں زندہ جان کر وہ اب بھی ضرور تلملا رہا ہوگا، پھر سے انہیں نقصان پہنچانے کی
سوچ سکتا ہے۔ ہم آج تک دشمنوں کا مقابلہ کرتے آئے ہیں۔ جہانگیر نہ صحیح ہم نے اسے اپنا ہی سمجھا ہمیشہ تب ہی اسے یہاں سے نکل
جانے کا موقع ملا، ورنہ ہم اپنے بچوں پہ گولی چلانے والے کو کبھی آسانی سے جانے نہیں دیتے۔"

چوہدری فیروز کی بات کو چوہدری حشمت نے تحمل سے سنا تھا۔ ان کی بات کو چوہدری بخت نے آگے بڑھایا تھا۔

"اسفند اور بھائی فیروز کا کہنا بجا ہے بابا جان، جہانگیر اس بار حد سے گزر گیا ہے۔ اپنی من مانی کر کے اس نے ہمیشہ حویلی کی روایات کو توڑا
ہے۔ منزہ کی بیٹی کو بہو بناتے اس نے ہمیں کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔"

"روایات توڑنے والا ایک اکیلا جہانگیر کہاں ہے، حویلی میں بھی تو ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو عمرہ کے بہانے بالا ہی بالا بیٹے کا نکاح کر دیتے
ہیں، ہم سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کرتے، ہم ایک اکیلے جہانگیر کو کیسے مورد الزام ٹھہرائیں۔ نافرمان بیٹوں میں تو ہم خود کفیل ہیں۔"

چوہدری حشمت کی چبھتی نظریں چوہدری اسفند پر جمی ہوئی تھی۔ لہجے کی کڑواہٹ صاف ظاہر تھی۔ چوہدری اسفند صفائی کا حق رکھتے تھے اور
سبھوں نے اس کی کوشش بھی کی۔

"اس وقت صورتِ حال بہت عجیب ہو گئی تھی بابا جان، عیشال نے اللہ کے گھر ضد باندھ لی تھی، وہاں جا کر وہ نامراد لوٹتی شاید یہ اللہ کو بھی
منظور نہیں آتا تب ہی سمہان کا اچانک وہاں آنا اور سب کچھ ہو جانا، اسے میں اللہ کی ہی مرضی کہوں گا۔ ہمارا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔"

چوہدری حشمت گرجتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"کیسے عمل دخل نہیں تھا تم لوگوں کا۔ ایک پلان کے مطابق تم عیشال کو اپنی بی جان اور فریال کے ساتھ لے گئے۔ پیچھے پیچھے سمہان پہنچ گیا
اور نکاح کروا کے تم کہتے ہو پلان نہیں تھا۔" سخت برہمی سے سوال کر رہے تھے۔

"آپ اسے سچ ماننا نہیں چاہتے تو نہ مانیں بابا جان لیکن حقیقت یہی ہے جو میں نے آپ سب کو گوش گزار کیا۔" چوہدری اسفند تحمل سے ان
کی غلط فہمی دور کرنا چاہ رہے تھے۔

"ہماری ناک کے نیچے حویلی میں دونوں نے محبت کی پینگیں بڑھائیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ عیشال کی شادی رئیس میاں سے طے ہے اور

ھوں شکست کھا گئے۔"

کیسی شکست بابا جان، جب جہانگیر بھائی اپنے بچوں کے لیے زبردستی کر سکتے ہیں، دشمن کی بیٹی کو بہو بنا سکتے ہیں تو میں نے ان کی نظر انداز
ئی بچی کو بہو بنا کر کون سا گناہ کر دیا، کیا اس بچی کی محرومی کو بھول گئے آپ، جس کے ذمہ دار صرف سو کالڈ ان کا ڈیئر اسپشلسٹ جہانگیر
احب ہیں۔" چوہدری اسفند کو سخت گراں گزرا تھا کہ چوہدری حشمت، جہانگیر کے لیے تو کوئی بات ہی نہیں کر رہے۔
بڑا بھائی ہے تمہارا، تمیز سے بات کرو۔ رئیس میاں کی طرف ابھی ہماری جتنی جگ ہنسائی ہوگی، سوچ ہے تمہاری۔" چوہدری حشمت آگ
ولہ ہونے لگے تھے۔
اسفند مجھے بولنے دو۔" بخت نے انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا تو وہ لب بھینچ گئے۔ ورنہ درحقیقت انہیں چوہدری حشمت کی باتیں تکلیف
نچا رہی تھیں۔
ایک منٹ چچا جان، آپ کی بات کو کاٹنے کی گستاخی کی، معافی چاہتا ہوں۔" کافی دیر سے چپ بیٹھے شاہ زر شمعون نے انکساری سے کہا تھا
چوہدری بخت نے سر ہلا کر عندیہ دے دیا تھا۔ چوہدری حشمت بھنویں تان کے شاہ کو دیکھنے لگے تھے جیسے کہہ رہے ہوں اچھا تمہیں بھی بولنا
ہے۔ شاہ زر شمعون کا رخ ان کی طرف ہو گیا تھا۔
دا جان! میں ہوں یا سمہان، ہم نے آج تک حویلی کی ہر ایک روایات کی پاسداری کا اپنی جان سے بڑھ کے خیال رکھا، مجھے اچھی طرح
ہے، جب آپ نے عیشال سے میرا رشتہ طے کرنا چاہا تھا، تب بھی سمہان نے خود کو چھپائے رکھا، وہ تو عیشال تھی جس نے مجھ سے آ کر کہا
۔ وہ مجھے بھائی کا درجہ دیتی ہے۔ اور میرا بھی یہی موقف تھا، تب ہی میں نے آپ سے اس فیصلے کو بدلنے کی استدعا کی تھی اگر سمہان کے
ں میں آپ کی نافرمانی ہوتی تو کیا وہ اس وقت کھڑا نہیں ہو سکتا تھا.... ؟ وہ نہیں کھڑا ہوا، اس نے اپنی محبت سے نظر چرا کر آپ کے فیصلے پ
یک کہا، مجھے بھائی کہتا ہے اپنے بھائی تک کو ہوا نہیں لگنے دی کہ اس کے اندر کیسی اکھاڑ پچھاڑ چل رہی تھی اور جب اللہ کے گھر حاضری پر دو
نوں ایک ہو گئے تو اس میں بھی اللہ کی ہی رضا ہوگی۔ چلیں مان لیتے ہیں آپ سے پوشیدہ رکھ کر غلطی ہوئی۔ آپ اس کی جو سزا دیں اس پ
ید اسفند چچا، چچی جان یا دی جان سمیت سمہان اور عیشال کو بھی اعتراض نہیں ہوگا، ہم بھی آپ کے فیصلے کی تائید کریں گے، لیکن لگے
نوں جہانگیر چچا کا بھی فیصلہ سنا دیجیے۔ ہمارے اپنوں پر، حویلی پر گولی چلانے والا کون سی سزا کا مستحق ہے ہم سب بس یہ جاننے کے خاطر
ں آئے ہیں۔"
ے ہی مدلل انداز میں اپنا مطمعِ نظر پیش کرنے کے بعد وہ چوہدری حشمت کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
ری اسفند چچا جان کے تحفظات کے جہانگیر چچا پھر سے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے تو میں انہیں تسلی دے دوں چچا جان، سمہان پ

لا اس وقت کسی قدر جارحانہ موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ چوہدری حشمت کے چہرے پر جلال چھانے لگا۔
ٹھیک کہا تم نے، مجرم تو سب ہی ہیں۔ جنہوں نے عین شادی کے دنوں میں ہماری جگ ہنسائی کروانے کے انتظامات کروا رکھے ہیں۔''
ہدری اسفند بے چینی سے پہلو بدلتے ہیں۔ چوہدری حشمت، شاہ کی طرف دیکھتے ہیں۔
رہی تمہاری بات کہ جہانگیر کے معاملے پر ہم چپ ہیں تو ابھی ہم سوچ رہے ہیں کہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے، ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں
۔ حویلی میں فیصلے کرنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی ہے، رشتوں کا مان، عزت و احترام ختم ہوتا نظر آ رہا ہے ہمیں۔'' وہ شاہ زر شمعون کو س
نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جہانگیر کو دشمن کہنا اور دوسری بار معاف نہ کرنے کا کہنا، یہ دونوں باتیں انہیں بری طرح چبھ گئی تھیں۔
جاؤ تم سب، ہمیں اکیلا چھوڑ دو، ہم کچھ سوچ لیں گے تو بتا دیں گے تم سب کو۔ ابھی ہم کسی سے ملنا نہیں چاہتے، تمہاری بی جان سے بھ
یں جن کی وفاداری شوہر سے زیادہ بیٹے کے ساتھ رہی۔'' کینہ توز نظروں سے چوہدری اسفند کو دیکھتے وہ رخ موڑ گئے تھے۔
جاؤ یہاں سے سب۔'' تیز لہجے میں کہہ کر وہ انہیں نکل جانے کا کہہ رہے تھے۔
ہدری حشمت کے رویے سے سب کو ہی حیرت کے ساتھ دھچکا لگا تھا اور آج ایک بار پھر جہانگیر کی محبت کو دیکھتے انہیں پہلی بار ان کی
نصافی کھلنے لگی تھی۔ لیکن اس وقت مناسب یہی تھا کہ ان کی بات مان کر مزید بدمزگی سے بچا جاتا۔ سب ان کے حجرے سے اپنی اپ
وں میں گم نکل گئے تھے۔

☆☆☆

شادی کے بعد تو تم بالکل ہی بدل گئیں۔ نہ فون کرتی ہو، نہ ملنے آتی ہو۔ بات کیا ہے، سب ٹھیک ہے نا؟'' انوشا کی کال آئی تھی جس میں
را سے گلہ کر رہی تھی۔
سب ٹھیک ہے۔'' وہ مسکرا کر اسے مطمئن کر رہی تھی۔ کیا بتاتی کہ کس مشکل میں پڑ گئی ہے، اس کے قدم پڑتے ہی گھر میں ایک منحوسیت سی
ری ہو گئی تھی۔ چوہدری جہانگیر ساری مصروفیت ترک کر کے گھر میں موجود تھے۔ زیادہ کسی سے بات چیت نہیں کر رہے تھے۔ صبا آ
تے اسے سخت نظروں سے گھور رہی تھیں تو نرمین کا منہ ہی سیدھا نہیں ہوتا تھا، ایشان جاہ جہانگیر کے رویے اور حویلی کی ٹینشن میں پڑا ہ
۔ دوسری طرف ہر گھڑی منزہ کا خط اس کی آنکھوں کے سامنے پھڑ پھڑاتا تھا۔ جس میں خاص تاکید تھی کہ وہ جہانگیر تک پہنچا دیا جائے ا
را یہی سوچ کر ساکت ہو جاتی تھی کہ اس خط کے بعد اس کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے گا۔ وہ آج کل اسی ادھیڑ بن میں تھی۔

تھی۔ ماورا کی کے چہرے پہ ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"ہاں یہی ہمارا معاشرتی رویہ ہے کہ جو جیسا دکھتا ہے ہم اسے اسی طرح دیکھنے لگتے ہیں۔ جیسے ایشان جیسے لوگ بظاہر خطرناک لگتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں وہ اندر سے بھی اتنے ہی خطرناک ہوں گے۔ اور جنہیں ہم مظلوم اور معصوم سمجھ کے ساری عمر ان کے ساتھ گزار دیتے ہیں تب کہیں جا کے خبر ہوتی ہے کہ خطرناک تو اصل میں وہ لوگ ہوتے ہیں جو بظاہر معصوم نظر آتے ہیں۔"

ذہن میں منزہ آ گئی تھیں۔ ایک بیٹی سے ہٹ کر اسے منزہ کا کردار بہت عجیب لگا تھا۔ کتنی ہی جانوں کا خون ان پہ چڑھ گیا تھا، وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بظاہر بے زر نظر آنے والی اس کی ماں ماضی میں کہیں اتنے دلوں سے کھیل گئی محض اپنی انا کی تسکین کے لیے۔ دوسروں کو جاڑ کے بس تو وہ بھی نہیں سکی تھی۔ اور پھر مکافاتِ عمل کا حصہ بن گئی۔ اس مکافات کی چکی نے بہت باریک پیسا تھا انہیں، ان میں تو اتنی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ جیتے جی اپنے گناہ ہی بخشوا جاتیں حویلی والوں سے۔

"کس کی بات کر رہی ہو، میں کچھ سمجھی نہیں۔ کون خطرناک تھا جو بظاہر معصوم بنا رہا۔" انوشا کو سوال کھٹک گیا تھا۔

"کوئی نہیں، بس ایسے ہی کہہ رہی تھی۔" فوراً سر جھٹک کے اس کا دھیان بٹنے لگی۔

"یہ بتاؤ یاسر بھائی کیسے ہیں؟ سسرال تو تمہیں بھی خطرناک ہی ملا ہے۔" وہ مذاق اڑانے لگی تھی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ یہاں تو سب اچھے ہیں بس آپا کی وجہ سے تھوڑی ٹینشن ہوئی تھی۔ اب تو وہ بھی چلی گئیں تو یاسر، امی اور بھائی کا رویہ ٹھیک ہی ہے میرے ساتھ۔"

بھائی کا سن کے ماورا کا منہ کڑوا ہو گیا تھا۔

"اپنے اس جیٹھ سے بچ کے رہنا۔" وہ بولنے سے نہ چوکی۔ انوشا کو اسی گھر میں رہنا تھا اور ایسے میں ضروری تھا کہ وہ اسے اندھیرے میں نہ رکھتی، مبادا اس کا ہی کوئی نقصان ہو جاتا۔

"کیا مطلب....؟" انوشا حیران ہوئی۔

"کچھ اماں کی خواہش اور اس سے زیادہ تمہارے جیٹھ کی مہربانی نے مجھے راتوں رات ایشان سے شادی کرنے پہ مجبور کر دیا۔ ان جیسے خطرناک لوگ ہی تو ہماری زندگی کا رخ موڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔" وہ تلخ ہوئی۔

"کیا کہنا چاہ رہی ہو ماورا کھل کے کہو۔" انوشا کچھ پریشان ہوئی۔

"جب ایک لاوارث لڑکی کے کمزور دروازے کے باہر کوئی بھوکا بھیڑیا ساری رات غراتا رہے، دروازہ توڑنے کی کوشش کرتا رہے تو وہاں نیلے راتوں رات ہی ہوتے ہیں، میری بہن۔ اور میں ان سب کے لیے ایک طرح سے اس بھیڑیا کی شکر گزار بھی ہوں، جو نہ ہوتا تو شاید

"اوہ میرے اللہ! تو یہ وجہ تھی تمہارے آناً فاناً فیصلے کی؟ تم مجھے تو بتاتیں۔" انوشا شاکڈ ہونے کے ساتھ شرمسار تھی۔

"کیا بتاتی تمہیں.... بلکہ میں اچھی طرح جان گئی تھی کہ اماں کیوں مجھے بھی تمہاری طرح کہیں پابند کرنا چاہتی تھیں، انہیں خبر تھی ہر دروازے کے باہر ایک بھیڑیا بیٹھا ہوا ہے، ایشان اماں کی پسند تھا تو مجھے ماننا ہی پڑی، یہ سب تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ کل کو تم اپنی حفاظت کر سکو بھیڑیوں کو رشتوں کا تقدس بھی کہاں یاد رہتا ہے۔" انوشا کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

"میری فکر نہ کرو اماں نے میرے لیے جو فیصلہ کیا تھا مجھے ان کے یقین کو سچ ہوتے دیکھنے کی امید ہے۔ اور مجھے یقین ہے ایسا ہی ہوگا۔ ان شاء اللہ!"

اس کے یقین پر انوشا نے آمین کہا تھا ساتھ ہی وہ شرمسار بھی ہو گئی تھی۔

"آئم سوری ماورا۔"

"ارے سوری کس بات کی۔ تمہارے گھر آ کر ہی تو مجھ پر آگے کی منزل کا راستہ کھلا۔ ورنہ جانے کب تک بے وقوفی کرتی رہتی۔"

انوشا کو وہ اندر سے بڑی آسودہ لگی تھی۔

☆☆☆

"تمہاری خود کی حالت ٹھیک نہیں ہے، تم یہ کیا اٹھالاتی ہو ہر ایک گھنٹے بعد؟"

فریال، سمہان کی دوائیں نکال رہی تھیں۔ وہ شدت سے چوہدری حشمت کے حجرے سے سب کی واپسی کا منتظر تھا ایسے میں عیشال سوپ کی کٹورے اٹھا لائی تھی۔ اس کی حالت کے پیشِ نظر فریال نے اسے اپنے کمرے میں ہی رکھا ہوا تھا تاکہ کسی چیز کی ضرورت کے لیے اسے کسی کو آواز نہ دینا پڑے۔

فریال نے مڑ کر دیکھا تھا اور مسکراتے ہوئے عیشال کے ہاتھ سے ٹرے لے لی تھی۔

"ہاں تو اتنی اچھی، خیال رکھنے والی ملی ہے بیوی۔ جو اپنی بھی پروا نہیں کرتی۔ قدر کرو، میری بہو کی۔" فریال نے اسے بیڈ پہ بٹھا دیا تھا۔

"جی جی، وہی کر رہا ہوں، آپ کی بہو کی۔ جسے خود کے خیال کا احساس نہیں۔" جتا کے کہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں اب۔" عیشال خفت میں پڑ گئی تھی۔

"محبت کرنے والی بچی ہے۔ دوا لی تم نے؟" فریال نثار نظروں سے دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

وہ تفصیل بتا رہی تھی۔

''یہ تو ہے دیا بھابی اور بخت بھائی کے حویلی لوٹ آنے سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ بخت بھائی بھی سمہان کو اچھی طرح احتیاط کروا رہے ہیں۔ برسوں یہ لوگ بھی شہر میں حویلی سے دور رہے لیکن ان کے انداز میں اتنی سفاکی نہیں جتنی جہانگیر بھائی اور ان کی فیملی میں ہے۔'' فریال سر جھٹک گئیں۔ عیشال چوری ہو گئی تھی۔

''اوائیڈ کریں مام!'' سمہان کو اس کے چہرے کی بدلتی رنگت نظر آ گئی تھی۔

''جانتی ہوں سمہان کے ساتھ جو کچھ کیا میرے باپ نے ہی کیا لیکن ایک التجا ہے چچی جان، کبھی جہانگیر کی بیٹی سمجھ کے مجھ سے نفرت مت کیجیے گا۔'' ندامت سے کہہ رہی تھی۔

''پاگل ہو، تم سے کوئی کیوں نفرت کرنے لگا۔'' فریال اسے ساتھ لگا گئی تھیں۔

''اور کیا ہم نے نہیں دیکھا کہ یہ سفا کی صرف سمہان کے لیے کب تھی، ان کے ہاتھ تو تم پر گولی چلاتے بھی نہیں کانپے۔ وہ کسی کے سگے نہیں۔ تم بھی فضول باتیں سوچ کے اپنا آپ ہلکان مت کرو، تم ہماری اپنی ہو۔'' فریال کے جملوں کا عکس سمہان کے چہرے پر بھی پڑا تھا۔

''اچھا تم دونوں یہ سوپ ختم کرو، عیشال یہ دوائیں رکھی ہیں، سمہان کو دے دینا، میں تب تک کچن دیکھ لیتی ہوں بھابی لوگ اکیلی لگی ہوں گی۔'' انہیں ایک دوسرے کے ساتھ چھوڑ کے فریال ہدایت کر کے جانے لگی تھیں۔

''جی چچی جان۔'' وہ سعادت مندی سے سر ہلا گئی تھی۔

''مما، بروبا بر آ گیا ہو تو پلیز کہیے گا مجھ سے ملیں۔'' اس کا دھیان اسی طرف لگا ہوا تھا۔

''اچھا کہہ دیتی ہوں۔ لیکن تمہیں کوئی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے، حویلی میں سب تمہارے ساتھ ہیں۔'' فریال اپنی کہہ کے چلی گئی تھیں۔ عیشال غور سے اس کی شکل دیکھنے لگی تھی۔ چہرے پہ تھوڑی سی کمزوری کے ساتھ تفکر کے سائے تھے۔

''پریشان ہو؟''

''ہوں، ہاں، تھوڑا سا۔'' چونکا تھا۔

''داجان کی خاموشی تھوڑا تنگ کر رہی ہے بس۔''

''اس میں تنگ ہونے والی کیا بات ہے، چوہدری جہانگیر سے ان کی محبت کسی سے ڈھکی چھپی تھوڑی نہ ہے۔ کوئی دوسرا یہ حرکت کرتا تو ابھی تک اس کے سر میں دس گولیاں اتر چکی ہوتیں۔ لیکن معاملہ چوہدری جہانگیر کا ہے تو خاموشی بنتی ہے، اور امید رکھو فیصلہ بھی ان کے حق میں ہی ہوگا، مجرم ہم ہی ٹھہرائے جائیں گے۔''

"جتنا ہو چکا، بہت ہے اب اس سے زیادہ برا کیا کریں گے ہمارا، آنے وہ فیصلہ جو بھی آنا ہے، دیکھ لیں گے اسے بھی۔ تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں کوئی۔"

تحقاق سے کہتی وہ سوپ چمچے میں بھر کے اس کے منہ کے پاس لے آئی تھی۔ اس کے انداز کو دیکھتے اور اس کی باتوں کو سنتے اس کے لبوں پ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ نڈر تو وہ پہلے بھی بہت تھی اب تو اور ہی عالم تھا۔ بازو پہ گہرا زخم آیا تھا لیکن مجال ہے کہ اس نے زیادہ ہائے وائے کی ہو۔

"صحیح کہہ رہی ہو، ہمیں الگ کرنے کے لیے اور کیا کریں گے۔" وہ اتفاق کر گیا تھا۔

☆☆☆

"کام سے باہر جا رہا ہوں، کسی چیز کی ضرورت تو نہیں تمہیں؟" باہر جاتے ہوئے ایشان جاہ استفسار کر رہا تھا۔

"کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ جو خاموش بیٹھی ہوئی تھی چونک کر نفی میں سر ہلا گئی۔

"آئم سوری سچویشن کچھ ایسی ہو گئی کہ تم گھر میں بند ہو کے رہ گئی ہو، کہیں آؤٹنگ کے لیے نہیں جا پا رہیں۔" اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ گھر میں بور ہو رہی ہے۔

"مجھے آؤٹنگ کی عادت بھی نہیں ہے۔" وہ ہولے سے کہہ گئی۔

"لیکن مجھے تو ہے، ابھی کام سے جا رہا ہوں، لیکن چلو تم بھی ساتھ اسی بہانے کچھ آؤٹنگ ہو جائے گی۔ حالات تو جانے کب ٹھیک ہوں، پھر بھی کچھ پلان کر سکتے ہیں۔"

"آپ پریشان نہ ہوں، مجھے گھر میں رہنے کی عادت ہے، آپ ہو آئیں۔" وہ اس کا گلٹ دور کرنا چاہ رہی تھی۔

"شیور!"

"جی!" وہ مروتاً مسکرائی تھی۔ ایشان جاہ کو یہ تبدیلی خاصی اچھی لگی تھی، شاید اس کی طرف دیکھ کے پہلی بار اس کے لبوں پر مسکراہٹ آئی تھی ورنہ تو منہ ہی سیدھا نہیں ہوتا تھا۔

"اوکے! اپنا پسندیدہ فلیور ہی بتا دو، واپسی میں آئسکریم ہی لیتا آ جاؤں گا۔" نظریں اسی پر تھیں۔

"جو آپ کو پسند ہو لے آیئے گا۔"

رنہ تو اسے اب بھی اس سے تند و تیز لہجے کی امید تھی۔ ماورا سر جھکا گئی تھی۔

"میرا مقصد تمہیں شرمندہ کرنا نہیں تھا، تبدیلی اچھی لگی تو کہہ دیا۔ برا لگا تو سوری۔"

سے احساس ہو گیا تھا۔

"برا کیوں لگے گا۔" ماورا پھیکے سے مسکرائی تھی۔ پھر ایک دم سے سر اٹھا کے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی تھی۔

"اب سے کوشش کروں گی آپ کو خوشی دے سکوں۔ زندگی بہت چھوٹی سی ہے، کسی سے نفرت کر کے مرنے سے بہتر ہے اس سے محبت کرنے کی کوشش کی جائے جو آپ سے محبت کرتا ہے، نفرت کرنے والوں اور نفرت کو فروغ دینے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔" ایشان جاہ بق دق اسے دیکھنے لگا تھا۔ جیسے خواب دیکھ رہا ہو۔

"یقیناً میری باتیں آپ کو حیران کر رہی ہوں گی لیکن مجھے تھوڑا سا وقت دیجیے تا کہ میں اپنی ہمتیں مجتمع کر کے آپ کو سچ سے آگاہ کر سکوں کیونکہ میں آپ کے ساتھ کسی بھی رشتے کی شروعات سچ بتا کر کرنا چاہتی ہوں اس نکاح میں میری مرضی سے زیادہ اماں کا حکم اور آپ کی ضد کا عمل دخل رہا لیکن اب میں اس رشتے کو پوری ایمانداری کے ساتھ نبھانا چاہتی ہوں لیکن مجھے اس کے لیے تھوڑا وقت چاہیے۔ میں خود ہی سب کچھ آپ کو بتا دوں گی لیکن کچھ وقت کے بعد۔"

ندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں کے مترادف۔ ایشان جاہ کے لیے اس کے الفاظ ہی زندگی میں رنگ بھر گئے تھے وہ ان کے درمیان موجود رشتے کے لیے خود کو تیار کرنے کے لیے کچھ وقت مانگ رہی تھی، جانے کون سا سچ بتانے والی تھی۔ لیکن اس کے لیے تو یہی بہت تھا کہ وہ راضی ہو رہی تھی۔

"جتنا وقت چاہیے لے لو۔ تم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔" وہ مسکرا دیا تھا۔

"شکریہ!"

"چلتا ہوں۔" وہ جانے کے لیے پلٹ رہا تھا۔ جب پیچھے سے ماورا کی آواز نے ایک لمحے کے لیے اس کے قدم روک لیے۔

"واپسی کا انتظار رہے گا، آپ کے ساتھ کھانا کھاؤں گی۔"

"جلد لوٹ آؤں گا۔" اس پہ ایک گہری نظر ڈال کے وہ پلٹ گیا تھا۔

"جو کچھ میری ماں نے تمہارے باپ اور حویلی والوں کے ساتھ کیا اس کے ازالے کے لیے میں زمین میں رل بھی جاؤں تو بھی تم سب کے دکھوں کا ازالہ نہیں کر سکتی..... منزہ نے نفرت اور اپنی ذات کے گھمنڈ میں سب ختم کر دیا تھا اور اسی نفرت میں اپنا آپ بھی پھونک گئی، میں نفرت نہیں کرنا چاہتی، محبت کا جذبہ بہتر ہے، جس میں عزت ہے۔ نفرت کو کوئی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ منزہ نے جہانگیر کو استعمال کر

کا کرنا چاہتی ہوں، جہانگیر بے وقوف بن گئے، میں تمہیں بے وقوف نہیں بنانا چاہتی، تم سے سچی محبت کرنا چاہتی ہوں اور سب سے بڑھ
کے میں منزہ نہیں بننا چاہتی۔"

یشان جاہ کے نکل جانے کے بعد وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر منزہ کے لیے مغفرت کی دعا کرنے لگی تھی۔ بندوں نے تو معاف نہیں کیا تھا
انے اللہ بھی کرتا یا نہیں۔

آپ اتنی ظالم تو نہیں لگتی تھیں اماں۔"

ں کی یاد میں آنسو بوند بن کر بہہ نکلے تھے۔ اس کا ہاتھ بے ساختہ تکیہ کے نیچے موجود ڈائری کی طرف گیا تھا۔ ایشان گھر نہیں تھا اس کے لیے
چھا موقع تھا۔ وہ ڈائری سے ایک صفحہ نکال کر اپنے آنسو پونچھنے لگی تھی۔ آریا پارا اب ضروری ہو گیا تھا۔ وہ ڈر ڈر کے جینا نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ سمہان آفندی ضد کر کے کمرے سے نکل آیا تھا۔ سب کے ساتھ کھانا کھا کر کچھ مریض ٹائپ فیلنگ نہیں آ رہی تھی
سب نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ زمرد بیگم نے فوراً صدقہ دیا تھا۔ بلائیں لی تھی اور وہ ان کا ہاتھ چوم کے رہ گیا تھا۔

دی جان کو اپنے بچوں سے بہت محبت ہے۔"

اور دا جان کو.....؟" اس کی آنکھوں میں درج سوال کو دیکھ کے زمرد بیگم نظر چرا گئی تھیں چوہدری حشمت کے انداز سے تو وہ خود پریشان
تھیں، انہوں نے تو انہیں بھی مجرموں کی لسٹ میں ڈال دیا تھا۔ وہ بھی شریک جرم جو تھیں۔ ان سے بھی بول چال بند تھی۔ اس باعث انہیں
ی جہانگیر کے لیے بولنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ چوہدری حشمت نے اپنے حجرے میں ہی کھانا کھایا تھا۔ ان کی غیر موجودگی اور ان سے ہوئی
توں کے بعد سب کو تشویش لاحق ہو گئی تھی ایسے میں جب اس نے شاہ زر شمعون سب حقیقت جاننا چاہی تو اس کے چہرے پہ پھیلے انتشار پ
و مزید کچھ نہ پوچھ سکا۔

بعد میں تفصیل سے بات کرتا ہوں تجھ سے۔" شاہ زر شمعون نے جیسے ٹال تھا اور وہ کوئی بچہ تو تھا نہیں، سارا بچپن لڑکپن حویلی کی گہری گہری
توں میں نکل گیا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ سب کے درمیان بیٹھنے کی ضد لیے بیٹھا رہا تھا۔

بیٹھنے دیں ناسب کے ساتھ جانے پھر کبھی سب کے ساتھ بیٹھنا نصیب بھی ہو گا کہ نہیں۔"

''بس تھوڑی دیر، زیادہ دیر بیٹھے رہنا تمہارے لیے ٹھیک نہیں، آرام ضروری ہے۔'' چوہدری بخت تنبیہ کر رہے تھے۔

''گھر میں ڈاکٹر ہو تو گھر کسی ہاسپٹل سے کم نہیں لگتا تایا جان۔'' وہ اپنوں کے درمیان بات بے بات مسکرا رہا تھا۔ چوہدری حشمت کو سب سے زیادہ جاننے کا دعویٰ رکھنے والا شاید آنے والے حالات سے آگاہ ہو گیا تھا۔

چوہدری حشمت اپنے حجرے سے نکل آئے تھے۔ سب کو ہی ان کی آمد پہ حیرت ہوئی تھی، اور سمبان اپنے اندازوں کے یقین پر ایک مسکراہٹ سجا گیا تھا۔

''السلام علیکم بابا جان، داجان'' کی مشترکہ آواز گونجی تھی۔

''آئیں بابا جان!'' سب نے کھڑے ہو کر تعظیم دی تھی۔ سمبان بھی کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاہ نے اسے سہارا دیا تھا۔

''بیٹھ جائیں آپ سب۔'' چوہدری حشمت کے چہرے کی گہری سنجیدگی سب کو بیٹھنے پر مجبور کر گئی تھی۔ وہ خود بھی بیٹھ گئے تھے۔ سب پہ ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر انہوں نے آخر میں سمبان اور عیشال پر ایک نظر ڈالی تھی۔

'' جو کچھ ہوا کیوں ہوا.... کس لیے ہوا..... کون کون ملوث تھا ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے۔ ایسا نہ ہوتا تو شاید جہانگیر جذبات میں آ کر وہ سب نہ کرتا جو ہو گیا۔ ہمیں ہر حال میں حویلی کے اصول از بر یاد رہنے چاہیے۔ بہر حال اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے، سب کچھ پہلے جیسا ہو سکتا ہے۔'' سب ہی پوری توجہ سے ان کی باتوں کو سن رہے تھے جس میں انہوں نے بڑی صفائی سے جہانگیر کے عمل کو نکاح کا ری ایکشن دے کر ثابت کر دیا تھا کہ قصوروار کون ہے۔

''حویلی میں پھر سے سب کچھ ٹھیک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ابھی اور اسی وقت سمبان، عیشال کو طلاق دے دے۔''

ایسا کہتے ہوئے شاید ان کی زبان بھی نہیں کانپی لیکن سب کے دل ضرور کانپ گئے تھے۔ سمبان کو ایسے ہی کسی فیصلے کی توقع تھی تب ہی اس کے چہرے کا رنگ ضرور بدلا تھا لیکن اس فیصلے کو سن کر نہیں لفظ طلاق کو سن کر۔

''بات ابھی حویلی سے باہر نہیں نکلی ہے، ہم جہانگیر کو کسی نہ کسی طرح منا لیں گے، سمبان اور نرمین کی شادی ہو جائے گی، اور عیشال کی شادی بھی جلد ہی رئیس میاں سے کر دی جائے گی۔ انہیں کوئی سچ بتانے نہیں جائے گا۔ یوں بات دب جائے گی۔''

چوہدری حشمت جانے کیا کیا کہہ رہے تھے، سب کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

''میں اپنی بیوی کے متعلق ایسی کوئی بات برداشت نہیں کروں گا داجان، نہ ہی کسی میں اتنی طاقت ہے کہ وہ عیشال کو مجھ سے طلاق دلوا سکے ''۔

سمبان آفندی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ شاہ ایک بار پھر سہارا دینے کی کوشش کر بیٹھا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا تھا۔

ں گئی تھیں۔

یعنی تم بغاوت کر رہے ہو، حویلی کے اصولوں سے....؟" ان کا جلال چھلکنے لگا تھا۔

اگر اپنی بیوی کو طلاق نہ دینا اصولوں سے بغاوت ہے تو میں ایسی بغاوت ہر بار کروں گا۔" لہجہ دوٹوک تھا۔ سب کے حواس سن تھے وہ

لے جا رہا تھا۔

تم جانتے ہو، تم کیا کہہ رہے ہو۔ ہمارے ایک اشارے پر اس لڑکی کا ناخن نہیں ملے گا۔" عیشال کو دیکھ کر نخوت سے کہہ رہے تھے وہ سرد

گئی تھی۔ جہانگیر کے بعد ان کی آنکھوں میں بھی اسے وہی رنگ نظر آ رہے تھے۔

سبحان کے چہرے پہ ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

سبحان آفندی کو اپنی اور اپنی بیوی کی حفاظت کرنا آتی ہے داجان۔ اگر اس دن میں نے ایک اشارہ کیا ہوتا تو چوہدری جہانگیر زندہ بچ کر

پاتے، اس حویلی میں جتنے آپ کے وفادار ہیں، اتنے میرے جاں نثار بھی۔ لیکن کبھی نہیں سوچا تھا کہ حویلی سے مقابلے کے لیے انہیں

سامنے لاؤں گا۔ اپنی اور اپنی بیوی کی حفاظت خود بھی کر سکتا ہوں، زخمی ہوا ہوں، ابھی مرا نہیں۔"

سری بیوی جیسا استحقاق بھرا لفظ جہاں عیشال کو اس کے ساتھ کھڑا ہو کے اس کی آنکھیں نم کر گیا تھا وہیں چوہدری حشمت کا غصہ دو چند ہو گ

ابھی اور اسی وقت حویلی چھوڑ دو۔ باغیوں کے لیے اس حویلی میں کوئی جگہ نہیں ہے۔" چوہدری حشمت کا جلال دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

جی بہتر!" سبحان آفندی تابعدار تھا۔ عیشال کی طرف دیکھ رہا تھا جو اس کے ساتھ ہی آ کھڑی ہوئی تھی۔

جاؤ، سب سے مل لو۔ حویلی کی ایک بھی چیز اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔" عیشال ہکا بکا اس کا فرمان سن رہی تھی۔

یہ کیسا فیصلہ ہے داجان۔ جہاں مجرم پہ کوئی فرد جرم عائد نہیں کی گئی۔ وہ دشمن کی بیٹی کو بہو بنا لائیں ان کی کوئی پکڑ نہیں، انہیں اور ان کی آل

لاد کو سات خون معاف ہیں۔" شاہ زر شمعون کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ چوہدری حشمت کی بھنویں مزید چڑھ گئیں۔

شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے، بابا جان۔ جب جہانگیر کے لیے کوئی سزا نہیں الٹا آپ ہمارے بچوں کو سزا دے کر جہانگیر صاحب کو دوبارہ سے خوش

کرنے کا سوچ رہے ہیں تو ایسے غیر منصفانہ فیصلے پر ہم سب کا حویلی میں رہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ پھر ہم سب بھی حویلی چھوڑ دیتے ہیں۔

چوہدری اسفند سمیت سب ہی اس فیصلے سے بے حد دلبرداشتہ ہوئے تھے۔ سب کی ایک ہی رائے لگ رہی تھی جو اسفند کہہ رہے تھے۔

ٹھیک ہے پھر جس جس کو ہمارے فیصلے سے اعتراض ہے وہ سب چلے جائیں، ہم نہیں روکیں گے کسی کو۔" سرد مہری سی سرد مہری تھی۔

جاؤ فریال بیٹے، بہو کے ساتھ چلنے کی تیاری کرو۔" چوہدری اسفند گومگو کی کیفیت میں کھڑی فریال کو مخاطب کر گئے تھے۔ سب ہی ایک

یہ کس قسم کا فیصلہ ہے چوہدری صاحب، جہاں ایک طرف آپ اور آپ کا بیٹا جہانگیر ہے اور دوسری طرف ہم سب۔'' زمرد بیگم بھی
گواری کا اظہار کیے بنا نہیں رہ سکی تھیں۔
آپ بھی سب کے ساتھ جا سکتی ہیں۔'' زمرد بیگم ان کا فیصلہ سن کے ایک دم سناٹے میں رہ گئی تھیں۔
کوئی کہیں نہیں جائے گا۔ یہاں سے کوئی جائے گا تو صرف میں اور عیشال۔ بات میری اور عیشال کی ہے تو حویلی سے جائیں گے بھی
صرف ہم۔''
سمہان کی بات پہ سن ایک دوسرے کا پھر منہ دیکھنے لگے تھے۔ چوہدری حشمت اس پہ ایک سرد نظر ڈال کے چلے گئے تھے۔
لیکن سمہان.....!'' شاہ کو اس کا اکیلے جانے کا فیصلہ کسی طور پسند نہیں آیا تھا۔
اس حویلی میں تبدیلی لانے کی اشد ضرورت ہے برو، اگر سب داجان کو چھوڑ جائیں گے تو تبدیلی کا خواب، خواب ہی رہے گا۔ ایک
یشال کو تو میں نے بچا لیا، ابھی ہمیں بہت ساری عیشال کے لیے اسٹینڈ لینا ہے اور یہ سب اسی وقت ممکن ہوگا جب آپ سب یہاں رہ کر
سے ممکن بنائیں گے۔ سب پہ طائرانہ نگاہ ڈال گیا تھا۔ نظر ندا پہ رک گئی تھی۔ لڑکیاں تو باقاعدہ رونے لگی تھیں۔
آپ سب میرے بڑے ہیں، مجھے ہمیشہ آپ سب کی ضرورت رہے گی، آپ سب نے حویلی میں رہ کے جنگ جیتنی ہے۔ ناانصافی ہر بار
ویلی والوں کے ساتھ کیوں..... داجان میری جان مانگ لیتے تو میں وہ دے دیتا لیکن عیشال کو کسی صورت نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ فیروز
نت اور اسفند کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ سب ہی اس کی بات سے متفق نظر آ رہے تھے۔ جذبات میں آ کر وہ سب کو حویلی کے خلاف نہیں
کر رہا تھا بلکہ انہیں یہیں رہ کے حق کے لیے آواز اٹھانے کا کہہ رہا تھا۔
تمہاری طبعیت ٹھیک نہیں ہے، پھر جہانگیر کو پتا چلا تو وہ دوبارہ.....'' چوہدری اسفند اس کا ہاتھ تھام گئے تھے۔
پریشان نہ ہوں ڈیڈ، میں رشتے کا بھرم بس ایک بار نبھانے کا قائل ہوں، اب سے مجھ پر اور میری بیوی پر اٹھنے والے ہاتھ اور گولی کا
واب گولی سے دوں گا۔''
سب ہی ملول سے ان دونوں کے قریب آ گئے تھے۔ الوداعی کلمات ادا ہو رہے تھے۔
'بابا جان سے اس بے رحمانہ فیصلے کی امید نہیں تھی۔'' دیا، فائزہ، فریال کو سنبھال رہی تھیں۔
بہو کو ساتھ لے کر جا رہا ہوں، خود ہی تو کہتی تھیں لے جاؤ، اب لے جا رہا تو رو بھی رہی ہیں۔'' وہ ماں کو دلاسا دے رہا تھا۔
نائیہ بت بنی سب دیکھ رہی تھی، سب سن رہی تھی۔
تو جہاں رہے گا، ہم دو جسم ایک جان ہی رہیں گے، میری پگلی بہن کا خیال رکھنا۔'' انہیں سمہان کی گاڑی تک چھوڑتے شاہ جذباتی ہو رہ

یہ کس قسم کا فیصلہ ہے چوہدری صاحب، جہاں ایک طرف آپ اور آپ کا بیٹا جہانگیر ہے اور دوسری طرف ہم سب۔'' زمرد بیگم بھی
گواری کا اظہار کیے بنا نہیں رہ سکی تھیں۔
آپ بھی سب کے ساتھ جا سکتی ہیں۔'' زمرد بیگم ان کا فیصلہ سن کے ایک دم سناٹے میں رہ گئی تھیں۔
کوئی کہیں نہیں جائے گا۔ یہاں سے کوئی جائے گا تو صرف میں اور عیشال۔ بات میری اور عیشال کی ہے تو حویلی سے جائیں گے بھی
صرف ہم۔''
سمہان کی بات پہ سن ایک دوسرے کا پھر منہ دیکھنے لگے تھے۔ چوہدری حشمت اس پہ ایک سرد نظر ڈال کے چلے گئے تھے۔
لیکن سمہان.....!'' شاہ کو اس کا اکیلے جانے کا فیصلہ کسی طور پسند نہیں آیا تھا۔
اس حویلی میں تبدیلی لانے کی اشد ضرورت ہے برو، اگر سب داجان کو چھوڑ جائیں گے تو تبدیلی کا خواب، خواب ہی رہے گا۔ ایک
یشال کو تو میں نے بچا لیا، ابھی ہمیں بہت ساری عیشال کے لیے اسٹینڈ لینا ہے اور یہ سب اسی وقت ممکن ہوگا جب آپ سب یہاں رہ کر
سے ممکن بنائیں گے۔ سب پہ طائرانہ نگاہ ڈال گیا تھا۔ نظر ندا پہ رک گئی تھی۔ لڑکیاں تو باقاعدہ رونے لگی تھیں۔
آپ سب میرے بڑے ہیں، مجھے ہمیشہ آپ سب کی ضرورت رہے گی، آپ سب نے حویلی میں رہ کے جنگ جیتنی ہے۔ ناانصافی ہر بار
ویلی والوں کے ساتھ کیوں..... داجان میری جان مانگ لیتے تو میں وہ دے دیتا لیکن عیشال کو کسی صورت نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ فیروز
نت اور اسفند کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ سب ہی اس کی بات سے متفق نظر آ رہے تھے۔ جذبات میں آ کر وہ سب کو حویلی کے خلاف نہیں
کر رہا تھا بلکہ انہیں یہیں رہ کے حق کے لیے آواز اٹھانے کا کہہ رہا تھا۔
تمہاری طبعیت ٹھیک نہیں ہے، پھر جہانگیر کو پتا چلا تو وہ دوبارہ.....'' چوہدری اسفند اس کا ہاتھ تھام گئے تھے۔
پریشان نہ ہوں ڈیڈ، میں رشتے کا بھرم بس ایک بار نبھانے کا قائل ہوں، اب سے مجھ پر اور میری بیوی پر اٹھنے والے ہاتھ اور گولی کا
واب گولی سے دوں گا۔''
سب ہی ملول سے ان دونوں کے قریب آ گئے تھے۔ الوداعی کلمات ادا ہو رہے تھے۔
'بابا جان سے اس بے رحمانہ فیصلے کی امید نہیں تھی۔'' دیا، فائزہ، فریال کو سنبھال رہی تھیں۔
بہو کو ساتھ لے کر جا رہا ہوں، خود ہی تو کہتی تھیں لے جاؤ، اب لے جا رہا تو رو بھی رہی ہیں۔'' وہ ماں کو دلاسا دے رہا تھا۔
نائیہ بت بنی سب دیکھ رہی تھی، سب سن رہی تھی۔
تو جہاں رہے گا، ہم دو جسم ایک جان ہی رہیں گے، میری پگلی بہن کا خیال رکھنا۔'' انہیں سمہان کی گاڑی تک چھوڑتے شاہ جذباتی ہو رہ

بالکل ایک جان ہی رہیں گے۔'' وہ گرمجوشی سے اس کے شانے سے لگ گیا تھا۔

ایک دوسرے کا خیال رکھنا۔'' فریال بار بار تاکید کر رہی تھیں، زرش رو رہی تھی، اسے چپ کراتے عیشال سب سے الوداعی کلمات ادا کر
ی تھی۔

اڑی ڈرائیور چلا رہا تھا، ان کی گاڑی چلنے لگی تو اب کے جانثاروں سے بھری دو جیپ کھچا کھچ ان کے پیچھے چلنے لگی۔ سمہان نے انہیں
وکنے کی کوشش کی تھی۔

جب تک تو ٹھیک نہیں ہو جاتا انہیں ساتھ لے جا۔'' شاہ نے اسے روک دیا تھا۔

چلو جیسی تمہاری مرضی۔ چلتا ہوں۔'' گاڑی دھول مٹی اڑاتی نکل گئی تھی۔ اور سب کے ذہنوں کو جیسے جھنجھوڑ گئی تھی۔ وفاداری، جانثاری ک
یسا انعام انہیں برسوں یاد رہنا تھا۔

☆☆☆

تنے دن اس گھر میں رہنے کے بعد ماورا کو اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ جہانگیر کا بیشتر وقت اسٹڈی میں گزرتا تھا۔ ہاتھ میں موجود سرسراتے خط ک
لے کر وہ چل پڑی تھی، اسی خط کے بعد شاید اس کی زندگی کا کا فیصلہ ہونا تھا۔

ماورا ہوں، اندر آنے کی اجازت چاہتی ہوں۔'' دستک دینے کے ساتھ اس نے اپنا تعارف کرایا تھا اور خاطر خواہ اثر بھی ہوا۔ دروازہ فور
کھل گیا تھا۔ اور چوہدری جہانگیر کی شکل نظر آئی تھی۔

کوئی کام تھا بیٹا؟'' شفقت سی شفقت تھی۔

جی!'' ماورا نے خط والا ہاتھ اوٹ میں کر لیا تھا۔

آجاؤ!'' وہ پیچھے ہٹ کے اسے اندر آنے کا موقع دے کر ساری لائٹس آن کر گئے تھے۔

بیٹھو بیٹا، کچھ لوگی منگواؤں تمہارے لیے....؟'' انٹر کام اٹھا کر وہ استفسار کر رہے تھے۔

شکریہ کسی چیز کی ضرورت نہیں۔'' اس کا گلہ سوکھ رہا تھا۔ یہ جان کر کے وہ اپنوں پر گولی چلا آئے تھے اور خط پڑھنے کے بعد سب جان ک
ر شاید اسے بھی شوٹ ہی کر دیتے۔ یہ احساس ہی اسے خوف زدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ چاہتی تو خط پھاڑ کر پھینک دیتی لیکن ایسا کرنے
سے منزہ کی روح کو کبھی سکون نہیں ملتا۔ اپنی زندگی کو بچانے کے لیے وہ مری ہوئی ماں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر سکتی تھی۔ ساری زندگی

''کہو بیٹا۔'' وہ اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ لہجہ نرم تھا لیکن اس کی آنکھوں کی سرخی سے مادرا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔

''یہ اماں کا خط ہے، انہوں نے کہا تھا آپ کو دے دوں۔'' دوپٹے سے ہاتھ نکال کر خط ان کی طرف بڑھاتے وہ نظریں چرا گئی تھی۔

چوہدری جہانگیر بری طرح چونکے تھے۔ وہ مادرا کے ہاتھ میں موجود کاغذ کو بغور دیکھ رہے تھے اور لمحوں کے ہزاروں حصے میں انہوں نے خط تھام لیا تھا۔

''اور کوئی بات...؟'' شاید انہیں خط پڑھنے کی جلدی تھی تب ہی اس کے جانے کا انتظار کرنے لگے۔

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلا کے اٹھ گئی تھی۔

''دروازہ بند کرتی جانا۔'' پیچھے سے ہدایت نامہ ملا تھا۔

''جی۔'' مادرا نے پلٹ کے نہیں دیکھا تھا، کمرے سے نکل کے اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔

اس کے نکلتے ہی انہوں نے خط کھول لیا تھا۔

جہانگیر!

بہت بار کوشش کی کہ زندگی میں تم سے معافی مانگوں لیکن ہمت نہیں پڑی، برا تو میں نے جانے کتنوں کے ساتھ کیا لیکن تمہارے اور صائقہ کے ساتھ میں نے جو کیا وہ بالکل صحیح نہیں تھا۔ میری حقیقت وہی تھی جو تم نے ہر ایک سے سنا، میں آزاد تتلی تھی، ہر ایک کو اپنے ہجر میں آہیں بھرتے دیکھ کر خوش ہوتی تھی۔ یحییٰ سے محبت ہونے کے بعد بھی میری یہ عادت نہ بدلی جانے کیوں۔ شاید اس لیے کہ مجھے سراہے جانے کی عادت ہو گئی تھی یا شاید اس لیے کہ میں ایک کی ہو کر رہنے والی باوفا عورت ہی نہ تھی۔

یحییٰ کے ساتھ بھاگنے کا پلان بن گیا تھا لیکن اماں ابا نے مجھ پر سخت پہرے بٹھا رکھے تھے، وہ میری اس سے شادی نہیں کر رہے تھے انہیں دنوں اسفند کی شادی اور اماں، ابا عمرے کت باعث مجھے حویلی چھوڑ گئے۔

تم کو دیکھا، اچھے لگے لیکن تمہارا مجھ پر دھیان نہ دینا مجھے آگ لگا گیا اور میں ایک پلان کے تحت تم سے کھیلنے لگی، محبت تو مجھے یحییٰ سے تھی، تمہارے ساتھ تو میں اوروں کی طرح وقت گزار رہی تھی، اپنے حسن کو کیش کروا رہی تھی۔ تمہاری دیوانگی دیکھ کے کبھی کبھی لگتا تھا تمہیں سچ بتا دو لیکن پھر حویلی والوں کا ہمیں پکڑ لینا۔ صائقہ کا مجھے پیچھے ہٹ جانے کا بولا یہ سب مجھے اس کھیل کو جاری رکھنے پہ مجبور کر گیا۔ اور وہی ہوتا گیا جیسا میں چاہتی تھی۔ تم میرے دیوانے ہوتے گئے اور صائقہ کے خلاف۔ یحییٰ کا اشارہ ملا تو میں اس کے ساتھ بھاگ گئی لیکن جاتے جاتے بھی میں نے صائقہ کو مشقِ ستم بنا دیا۔

بھاگنے کے بعد ہی مجھے حمل گرا کہ دنیا کو بیوقوف بنانے والی یحییٰ کے ہاتھوں بیوقوف بن گئی کہ وہ لالچوں میں [illegible] کو بچوں کو جنم

یہ میں ہی جانتی ہوں لیکن یحییٰ اب میری عزت کا سودا کرنے لگا تھا، میں مشکل سے بچیوں کو لے کر بھاگ نکلی۔ ساری زندگی روپوشی کی
دگی گزارتے حویلی اور اس کے مکینوں کی بہت یاد آئی، صائقہ کی موت کی خبر ملی تو سمجھو میرا ضمیر زندہ ہو گیا۔ جو مرتے دم تک مجھے کچوکے
تا رہا۔ اپنے بچوں کو باپ کا نام ضرور دیا لیکن پہچان تمہاری دی۔ محبت نہیں تھی تم سے، لیکن یحییٰ کی اصلیت کے بعد صرف تم سے محبت کی
افی کے قابل نہیں ہوں، شاید میں نہ آتی تو تم صائقہ کے ساتھ ہنسی خوشی جیتے لیکن میرے سبز قدم صائقہ اس کی بیٹی کو مشقِ ستم بنا گئے۔
چاہتا کبھی تمہیں اپنی شکل نہیں دکھاؤں گی۔ لیکن قسمت دیکھو کہ ایشان گھر تک آ گیا، اس میں تمہاری شباہت دیکھ کے مجھے مکافاتِ عمل کا
ھ آئی، جو صائقہ کینسر سے مری وہی کینسر مجھے لے ڈوبا۔
ں بہت مجبور عورت بن کے زندگی جیتی رہی اپنے گناہوں کا بوجھ اتارتی رہی لیکن اپنی بچیوں کو منزہ جیسا بننے نہیں دیا۔ انوشا اپنے گھر کی
ئی ہے لیکن مجھے ماورا کی بہت فکر ہے۔ ایشان سے اس کی شادی کر دو گے تو مجھے لگے گا تم نے مجھے معاف کر دیا۔ چاہتی تو مرنے کے بعد
ی تم سے سچ چھپا لیتی لیکن اتنا بوجھ لے کے قبر میں بھی چین نہیں آئے گا۔ ایک التجا ہے میرے گناہوں کی سزا ماورا کو مت دینا۔ پہلے نہ سہی
ن بعد میں تم سے ہی محبت کی۔ لیکن کیا فائدہ ایسی محبت کا جو بہت سوں کو تماشا بنا گئی۔
ے معاف کر دینا جہانگیر، ابھی تو صائقہ سے بھی معافی مانگنا ہے۔ تم معاف کر دو گے تو وہ بھی کر دے گی۔

منزہ!

☆☆☆

یہ ہے حویلی اور یہ ہے حویلی والوں کے سوکالڈ فیصلے۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ اپنوں کے نام پر جونک جیسے رشتوں کو آپ لوگ اپنے کہتے ہیں
بھی یہاں نہ آتی۔ میں تو انجان تھی، آپ لوگ تو سب کچھ جانتے تھے پھر آپ لوگوں نے جانتے بوجھتے اپنی بیٹی کو اس زندان کے حوا
وں کر دیا....؟ ہے کوئی جواب آپ دونوں کے پاس.....؟ سگا باپ، سگا چچا گولی چلا رہا ہے۔ اور دادجان، طلاق کی بات کر کے پھ
ے شادیوں کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ یہ حویلی ہے یا کوئی جنگل.....؟"
یلی میں ہر کوئی غمزدہ تھا۔ دیا اور چوہدری بخت بھی چوہدری حشمت کے فیصلے سے غیر مطمئن تھے۔ ایسے میں شنائیہ آ کر بھڑاس نکالنے لگ
ی۔

س نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"شاہ ایسا نہیں ہے بیٹا ہم نے بہت سوچ سمجھ کر تمہاری اس سے شادی کی ہے۔" چوہدری بخت اسے سمجھا رہے تھے۔

"شاہ کیا ہے اور کیسا ہے یہ اب مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔" اس کا لہجہ ایک دم کڑوا ہو چلا تھا۔ "شمالی علاقہ جات" کے سارے منظر ایک کے بعد ایک کر کے سامنے آ گئے تھے۔ وہ قیدیوں کی سی زندگی۔ بھوک سے آنتوں میں مروڑ، وہ کتے کا ڈر اور وہ چاہ کر بھی ایسی ذلت وال قت نہیں بھول سکتی تھی۔

"میں کسی صورت اس رشتے کو قائم نہیں رکھوں گی۔ نہ ہی مجھے اس زندان جیسی حویلی میں رہنا ہے۔ یہاں انسان نہیں بھیڑ بکری رہتے ہیں س پر کب کتے چھوڑ دیے جائیں، کب گولیاں چلا جائیں کچھ پتا نہیں۔ میں جلد ہی خلع لینے والی ہوں، بس۔"

پنا فیصلہ سنا کر وہ رکی نہیں تھی۔ دیا اور چوہدری حشمت کو پہلے ہی کم ٹینشن تھی جواب وہ بھی دے گئی تھی۔

☆☆☆

جہانگیر ساکت نظروں سے خط کو دیکھ رہے تھے، یقین کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لفظ سامنے تھے، منزہ سچ درج کر گئی تھیں، ساری زندگی جو حبت ان کی رگوں سے خون نچوڑتا رہا وہ محبت تو کبھی منزہ کو تھی ہی نہیں اور اب..... انہیں اپنے آپ پر سخت حیرت ہو رہی تھی۔ اتنا سب کچھ پڑھ کے بھی انہیں منزہ سے نفرت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ تو اس کی بیٹی سے کیسے ہوتی۔ وہ بار بار خط کے الفاظ پڑھ رہے تھے۔

"ایسا نہیں ہو سکتا، منزہ ایسی ہو ہی نہیں سکتی۔" وہ انکاری تھے۔ ان کا فون کب سے مسلسل بج رہا تھا۔ اور وہ نظر انداز کر رہے تھے۔ لیکن کال مسلسل آ رہی تھی۔ غصیلی نظروں سے اسکرین کو دیکھتے انہوں نے آفیشل کال پک کر لی تھی۔

"جب فون ریسیو نہیں ہو رہا تو سمجھ لینا چاہیے کسی ضروری کام میں بزی ہوں گا۔"

"تمیز سے بات کرو جہانگیر۔ جنتے ہو کس سے بات کر رہے ہو؟" دوسری طرف برا منایا گیا۔

"اچھی طرح جانتا ہوں، ایک ایسے کٹھ پتلی سیاست دان سے جس کے بیک پر جہانگیر نہ ہو تو اس کی کرسی کا کوئی ضامن نہیں۔"

"تمہیں جہانگیر بھی ہم نے ہی بنایا ہے۔ یہ مت بھولو۔" گرج کر کہا گیا۔

"کیوں فون کیا ہے؟" غصے سے۔

"ضرورت ہے تمہاری، فوراً پہنچو، کسی کی زندگی کے دن ختم کرنے ہیں۔" حکم دیا گیا۔

"یہ مت بھولو، جہانگیر جو بنا سکتے ہیں وہ مٹا بھی سکتے ہیں۔" دھمکایا گیا۔

"جہانگیر ڈرنے والوں میں سے نہیں ہے۔" فون کاٹ دیا گیا تھا۔

وہ دوبارہ سے خط پر نظریں جما گئے تھے۔

☆☆☆

"یہ بنگلہ کس کا ہے؟"

وہ شہر کی طرف آ گئے تھے۔ اسے اندر جانے کا اشارہ کر کے سمہان محافظوں کو ان کی پوزیشن سمجھا رہا تھا۔ عیشال حیران سی فرنشڈ بنگلے کو دیکھ رہی تھی۔ سمہان آیا تو وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"تمہارا.....!" کمال سکون سے جواب آیا تھا۔

"رئیلی!" اس کی آنکھیں پھیلی تھیں۔ وہ سراثبات میں ہلا کر کھڑکیاں کھولنے لگا تھا۔

"ہٹو میں کرتی ہوں۔" وہ آگے بڑھ کے خود کرنے لگی تھی۔ کھڑکی سے ہرا بھرا لان نظر آیا تو وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"کمال ہے داجان نے حویلی سے نکل جانے کو کہا تو مجھے لگا تم مجھے لے کر کسی پہاڑ پر جا بسو گے، پھر تم لکڑیاں کاٹ کے انہیں شہر جا کے بیچ گے انہیں لکڑیوں سے میں کھانا پکا کر پتھر پہ بیٹھ کر تمہارا انتظار کروں گی۔ اور جب تم شام کو لکڑیاں بیچ کے پیسے میری مٹھی میں دو گے تو کل کے حساب کتاب کرتے ہم مل جل کے کیلے کے پتے پر کھانا کھائیں گے اور اسی پتھر پہ رات بھر چاند کو دیکھتے دیکھتے سو جائیں گے۔"

"پاگل نہ ہو تو۔" سمہان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ ہنستے ہنستے وہ سینہ پکڑ گیا تھا۔ ٹانکوں میں درد سا محسوس ہو رہا تھا۔

"کس نے بولا اتنا منہ پھاڑ کے قہقہہ لگانے کو۔" وہ جلدی سے اس کی پشت سہلانے لگی۔

"باتیں سُنی ہیں تم نے اپنی۔" وہ ہنسی پہ قابو پا چلا تھا۔

"ہاں تو مجھے کیا پتا تھا ماڈرن مجنوں ہے۔ جو سب کچھ بالا ہی بالا تیار کر جائے گا۔" فخریہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تو یہی وجہ تھی ان ساری غیر حاضری کی؟"

"ہوں کہہ سکتے ہیں۔ کچھ اور بھی سرپرائزز ہیں تمہارے لیے جو آہستہ آہستہ پتا لگتی رہیں گی۔ خبر ہو گئی تھی کہ یہ جنگجو کہیں ٹکنے نہیں دے گی اس لیے انتظام کر رکھا تھا تا کہ میری پگلی کو پہاڑ میں پتھروں پر نہ سونا پڑے۔"

محبت سے دیکھتے سر پہ چپت لگا گیا تھا۔

میں نہ روز یہاں واک کروں گی، اور ان سارے پھولوں میں سے روز ایک تمہارے سرہانے رکھ دوں گی۔'' وہ لان کے پھولوں کو دیکھتے
ہوئے کہہ رہی تھی۔

ٹھیک ہے جی!'' راضی بہ رضا تھا۔

اور یہاں اوپر بالکنی میں ہم روز شام کی چائے پیا کریں گے۔''

اس کا ہاتھ پکڑ کے بالکنی دکھانے لگی تھی۔

ڈن!''

تم خوش تو نہیں ہو گے، شاید میری ایکسائٹمنٹ تمہیں بری لگ رہی ہو۔'' دل ایک دم سے پیچھے کا سوچ کے اداس ہو گیا تھا۔

ہاں اداس تو ہوں، یہ سب تو یوں ہی بنایا تھا کہ حویلی کے باہر بھی ہمارا سب کچھ ہو گا خبر تھی کہ ایسے وقت کا آسرا ہو گا۔ میں تو تمہیں دربدری
سے بچانے کے لیے پیچھے پیچھے تھا کیا خبر تھی تم بھی مجھے حویلی سے دربدر کروا دو گی۔'' وہ مذاق مذاق میں کہہ گیا تھا لیکن عیشال کا دل اس
کے لیے اتنا گداز ہوا کہ اس کے شانے سے لگ کے آنسوؤں سے رونے لگی۔

پاگل ہو میں تو مذاق کر رہا تھا اس میں رونے کی کیا بات ہے۔'' بہلانے لگا تھا۔

تمہارے اپنے میری وجہ سے چھوٹ گئے، فریال چچی، چچا جان، دی جان، سب۔'' وہ رو رہی تھی۔

میری دنیا ہی وہی ہے جہاں تم ہو، باقی رہے سب تو، تم دیکھنا ایک دن سب ایک ہوں گے۔'' وہ پورے وثوق سے کہتے اسے چپ کروا رہا
تھا۔

میں لکڑیاں کاٹ کر نہیں لا رہا لیکن کھانا تم ہی پکاؤ گی رات کا۔ مجھے تو سوچ کر ہی ابھی سے بھوک لگ رہی ہے۔''

لکڑیوں کا خیال کر کے روتے روتے وہ خود بھی مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

دربدری جہانگیر تیزی سے نکل رہے تھے۔ سب کھانے کی میز پر موجود تھے۔ ماورا انہیں دیکھ کر سراسیمگی سے سر جھکا گئی تھی۔ یقیناً انہوں نے
خط پڑھ لیا تھا اور اب جانے ان کا کیا ری ایکشن آنا تھا۔

ڈیڈ میں آپ ہی کی طرف آنے کا سوچ رہا تھا، میں کچھ دنوں کے لیے حویلی جانا چاہ رہا تھا۔'' اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔

کیا سوچتی ہوگی کیسے لوگوں کے گھر آ گئی، کوئی خوشی ہی نہیں مل رہی۔" ماورا ایک دم سے چونک کے ان کی شکل دیکھنے لگی تھی۔ جہاں پہلے جیسے ہی تاثرات تھے اس کے لیے۔

"ایشان! ماورا تمہاری ذمہ داری ہے میں کبھی کوئی زیادتی برداشت نہیں کروں گا اس کے ساتھ، بہت خوش رکھنا ہے تم نے اسے۔"

"او کے ڈیڈ!"

وہ ہدایت کر رہے تھے اور ایشان جاوہامی بھر گیا تھا، صبا اور نرمین کے بگڑے منہ کو دیکھتے ماورا کو منزہ کا یقین یاد آ رہا تھا، تو ان کا یقین اتنا کامل تھا کہ سچ جان کے بھی جہانگیر کی محبت زندہ تھی۔

جانے منزہ نے ان کو چھوڑ کے کبھی جیسے انسان سے کیوں شادی کی، یہ وہ افسوس تھا جو ماورا کو ساری زندگی کے لیے کرنا تھا۔

"میں نکلتا ہوں، کچھ لوگوں کو میری شکل دیکھنے کی زیادہ ہی بے چینی لگی ہوئی ہے۔" وہ کچھ جھلائے ہوئے لگ رہے تھے جیسے بحالتِ مجبوری جا رہے ہوں۔

"او کے ڈیڈ، سی یو،"

"سی یو!" جہانگیر نکل گئے تھے۔

ان کے گاڑی میں بیٹھتے ہی محافظوں کی دیگوان کے پیچھے سفر کر رہی تھی، گلاسز آنکھوں پر چڑھائے وہ جیب سے منزہ کا خط نکال کر ریلیکس ہو کر بیٹھ گئے تھے، ان کے لفظ لفظ کو جانے کتنی ہی بار پھر سے دہرانے لگے۔ ہر بار نیا ہی لگ رہا تھا۔ آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔ گلاسز اتار کے سیٹ پہ رکھتے انہوں نے آنکھوں کی نمی صاف کی تھی۔ نظریں خط پر تھیں، گاڑی کو جھٹکا لگا تھا انہوں نے ایک لمحے کے لیے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا اور اگلے ہی پل بھڑکتا شعلہ ان کی گاڑی کو لپیٹ میں لے کے دھماکے سے اڑا گیا تھا۔ پیچھے موجود دیگو نے برقت بریک لگا کر خود کو بچایا تھا۔ جہانگیر کے جسم کے ٹکڑوں کے ساتھ خط بھی راکھ بن گئی تھی۔

"بند ہوتے دماغ کے ساتھ ایک ہی جملے کی بازگشت تھی جو بنا سکتا ہے وہ مٹا بھی سکتا ہے۔

تیسویں اور آخری قسط ان شاء اللہ اگلے ماہ

ریحانہ آفتاب

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

30ویں اور آخری قسط

شاہ زر شمعون شدید غصے میں اپنے فون کی اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ ایشان جاہ کی کال مسلسل آ رہی تھی۔ سمہان اور عیشال کے جانے کے بعد سے حویلی کے لوگوں پہ ویسے ہی مردنی سی چھائی ہوئی تھی، گو کہ سب دونوں کے پل پل سے واقف تھے۔ وہ دونوں اپنے گھر میں محفوظ مقام پر تھے لیکن چوہدری حشمت کی ناانصافی پر ہر کوئی اپنی جگہ چپ تھا۔ ادب آداب اتنا تھا کہ چاہ کر بھی سب کھل کے کچھ کہہ نہیں پا رہے تھے۔

شاہ بھی شدید دکھ کی کیفیت میں تھا۔ ایک جاں نثار کے ساتھ اس طرح کا سلوک، اس کے بھائی جیسا جگر حویلی سے یوں بے دخل کر دیا گیا تھا کہ وہ شدید رنج کی کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ چوہدری اسفند اور فریال نے بیٹے، بہو کے لیے حویلی میں کوئی ہنگامہ نہیں اٹھایا تھا بلکہ خاموشی سے یہ سخت فیصلہ تسلیم کر گئے تھے۔ اور اس سارے فساد کی جڑ چوہدری جہانگیر کے بیٹے کی کال پہ شاہ زر شمعون کا فون کھول رہا تھا۔

"اب کیا رہ گیا ہے کہنے سننے کو جو تم مسلسل کال کر رہے ہو؟ دشمنی نبھانے کی مزید کوئی کسر تمہارے والد نے چھوڑ دی ہے جو تم جلے پہ نمک چھڑکنے کی کوشش کر رہے ہو۔" کال پک کرتے ہی وہ شروع ہو چکا تھا۔

"ویرے! ڈیڈ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔" ایشان جاہ کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز سن کے ایک پل کو شاہ زر شمعون کو بھی اپنی سماعت پہ دھوکا ہوا تھا۔

"چوہدری جہانگیر نہیں رہے۔" حویلی والوں پر یہ خبر بجلی بن کے گری تھی۔

چوہدری حشمت کھڑے قد سے گر گئے تھے۔ کل تک سب کے دلوں میں ان کے لیے غم و غصہ پایا جاتا تھا۔ لیکن ان کی اتنی دردناک

''ساری زندگی ناانصافی کرنے والے کا ایسا انجام!'' زمرد بیگم ماں ہونے کے ناتے اوپر دیکھ کے شکوہ کر گئی تھیں۔ چوہدری حشمت کی حالت بگڑ گئی تھی۔ بخت انہیں فرسٹ ایڈ دے رہے تھے۔ انجکشن کو ہاتھ سے جھٹک کے وہ اٹھ بیٹھے تھے۔

''کچھ نہیں چاہیے مجھے، جشن مناؤ تم سب، تم سب کا مجرم دنیا سے اٹھ گیا۔'' اس حالت میں بھی وہ سب کو دوشی ٹھہرا کے غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ سب ہی ان کی دلی کیفیت کے پیشِ نظر سر جھکا گئے تھے۔ قدرت کے انصاف پر تو انہیں بھی یقین تھا لیکن کیا کرتے وہ سب جہانگیر جتنے بے حس تو کبھی نہیں رہے تھے، ان کی ایسی دردناک موت کا انہیں بھی افسوس تھا۔

''شاہ سب کے کراچی جانے کے انتظامات کرو۔'' چوہدری فیروز کی دھیمی ہدایت پر اس نے سر ہلا دیا تھا۔

''جی بہتر!''

☆☆☆

''کھانا لگ گیا ہے۔'' عیشال دستک دے کے سمہان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ دہلیز پہ کھڑے کھڑے ہی اس نے اطلاع دی تھی لیکن سمہان کو فون کان سے لگائے دیکھ کے کمرے میں دو قدم اندر آ کے اس کے فارغ ہونے کے انتظار میں وہ کمرے کی سجاوٹ کو دیکھنے لگی تھی۔ کمرا تو شاندار ہی تھا، خود اس کے استعمال میں جو کمرا تھا وہ بھی بہت اچھا تھا۔

وہ سرابتی نظروں سے اسے دیکھنے کو گردن موڑ گئی تھی، اس کے چہرے پہ درج گہری خاموشی پر عیشال اسے بغور دیکھنے لگی تھی۔

''ہوں، ٹھیک ہے بروہ۔'' اس پہ ایک اچٹتی نگاہ ڈال کے وہ فون کی طرف متوجہ تھا۔ اتنا تو اندازہ ہو گیا تھا کہ دوسری طرف شاہ تھا لیکن ایسی کیا سنجیدہ بات تھی کہ وہ ملول نظر آ رہا تھا۔

''یہاں آؤ!'' فون رکھ کے وہ بے ساختہ اسے پکار بیٹھا۔

''سب ٹھیک ہے سمہان؟'' وہ کچھ حیران پریشان سی قریب چلی آئی تھی۔

''میری بات کو بہت تحمل سے سننا۔'' اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لیتے وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' اس کے انداز پہ وہ تھوڑا گھبرا گئی تھی۔

''کوئی پریشر ہے تم پر حویلی کی طرف سے، مجھے چھوڑنے کے لیے؟'' وہ اسی گورکھ دھندے میں پھنسی ہوئی تھی۔

''کتنا ہی پریشر ہوتا تب بھی وہ نہیں ہوگا جو کچھ لوگوں کی خواہش رہی۔'' نفی میں سر ہلاتے وہ اس کے ڈر کو ختم کر گیا تھا۔ وہ قدرے

"پھر کیوں پریشان ہو؟" متعجب تھی۔

"چچا جہانگیر نہیں رہے؟" دھیمے سے اطلاع دی۔

"نہیں رہے مطلب....؟" وہ حیرانی سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"آفس جاتے ہوئے ان کی گاڑی کو اڑا دیا گیا۔ وہ موقع پر ہی...."

سمہان کہہ رہا تھا اور عیشال نکر نکر اس کی شکل دیکھنے لگی تھی۔ ایک لمحے کو احساسات جیسے برف بن گئے تھے۔ باپ کے ہوتے ساری زندگی یتیمی کاٹی، ان کا ہر دکھ، ہر کڑا لفظ سہا، ان کی خونی نظروں کا سامنا کیا، ان کے لگائے رکیک الزامات سہ کر گولی تک کھائی اور اب وہ نہیں رہے..... اتنے زور آور چوہدری جہانگیر اتنی جلدی چلے گئے۔

سے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ناانصافی کرنے والے کا ایسا انصاف۔

کچھ لوگ کیا اتنے بدنصیب ہوتے ہیں کہ موت انہیں معافی تلافی کا موقع ہی نہیں دیتی۔ توبہ کے خیال سے پہلے ہی ان پر زمین تنگ کر دی جاتی ہے؟

یسے بہت سے سوال عیشال جہانگیر کے اندر چکرانے لگے تھے وہ بیٹھے بیٹھے ایک دم سے لڑکھڑا گئی تھی۔

"سنبھالو خود کو۔"

بے نام آنسو خود بخود آنکھوں سے بہنے لگے تھے، نہ دکھ کا احساس تھا، نہ دشمنی کرنے والے کی موت پہ خوشی کا احساس، اسے تو بس ملال ہو رہا تھا۔

"کچھ لوگ کتنے بدنصیب ہوتے ہیں سمہان۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

"بھول جاؤ سب، اور چچا جان کی مغفرت کی دعا کرو بس۔ تیاری کر لو، ہم کراچی جا رہے ہیں۔" اس کے سر کو تھپتھپاتے وہ بھی ملول تھا۔ اسے بھی عیشال کے جملے سے مکمل اتفاق تھا، کچھ لوگ واقعی بہت بدنصیب ہوتے ہیں۔

☆☆☆

ہر گھڑی غرور و تکبر کے منبر پہ چڑھے رہنے والے چوہدری جہانگیر کے جسم کے جلے حصوں کو اکٹھا کر کے تابوت میں ڈال دیا گیا تھا۔

ایشان جاوہر ایک سے پرسہ لے رہا تھا۔ حویلی کے لوگوں کے آنے کی وجہ سے اس کی ذمہ داریاں بٹ گئی تھیں۔ ساری کدورت بھلا کے حویلی والے دلجوئی کر رہے تھے۔

صبا سفید لباس میں آنسو بہا رہی تھیں تو نرمین کی دنیا بھی اندھیر ہو گئی تھی۔ ماورا کو ایک دم سے چپ سی لگ گئی تھی۔ جو کچھ ہوا اس کا ذہن قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ جس جہانگیر پہ منزہ کو اتنا بھروسہ تھا وہ بھروسہ تو رہا تھا لیکن وہ خود نہیں رہے تھے۔ انوشا بھی یاسر کے ساتھ چلی آئی تھی۔ اور اب اسے ڈھارس دے رہی تھی۔

سمہان اور عیشال کی ایک ساتھ آمد کو نرمین، صبا اور چوہدری حشمت نے کینہ پرور نظروں سے دیکھا تھا لیکن ایشان جاہ سمیت سب ان کی طرف جس طرح بڑھے تھے اس نے سب پر واضح کر دیا تھا کہ وہ کتنے ہر دلعزیز تھے ان کی پشت پر کتنے دعا کرنے والے ہاتھ تھے، نرمین نے غم و غصے کا اظہار کرنا چاہا تھا لیکن ایشان کی تنبیہہ پر چپ رہ گئی تھی۔ عیشال اور سمہان کی زخمی حالت بھی نظروں میں تھی شاید تب ہی اسے تھوڑی ندامت بھی محسوس ہوئی۔ نفرت کا کھیل کھیل کے چوہدری جہانگیر کے جسم کی دھجیاں اڑ گئی تھیں اور وہ محبت کرنے والے زخم لے کے بھی انہیں آخری آرام گاہ تک چھوڑنے آئے تھے۔ جیت تو محبت کی ہی ہوئی تھی۔ نفرت تو مٹ گئی تھی۔ نرمین خاموشی سے اٹھ کے اندر چلی گئی تھی۔

بین اور سسکیوں میں جہانگیر کو ان کی منزل پہنچا دیا گیا تھا۔ چوہدری حشمت کو سکتہ سا لگ گیا تھا۔

گھر میں تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ان سے فارغ ہو کے حویلی والے ساتھ ہی تھے ماورا ان سب کے رکنے کے معاملات کو دیکھ رہی تھی۔ سب کی چبھتی نظروں کو وہ خود پہ بڑی اچھی طرح محسوس کر رہی تھی۔ منزہ جو کچھ کر گئی تھیں وہ اس سے زیادہ کی مستحق سمجھ رہی تھی خود کو۔ عیشال اور سمہان کو پہلی بار دیکھ کے اسے عیشال سے بے حد ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

''جہانگیر نہیں رہا، بخت بھی حویلی آ چکا ہے، بہتر ہو گا تم سب بھی حویلی آ کر رہو۔ یہاں اکیلے کیا کرو گے؟'' چوہدری حشمت ایشان سمیت صبا سے بھی مخاطب تھے۔ نرمین بھی آ بیٹھی تھی۔ سب دائرے کی صورت بیٹھے ہوئے تھے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں داجان، مجھے سوچنے کے لیے تھوڑا موقع دیں۔ ابھی تو افسوس کے لیے لوگ آئیں گے، ڈیڈ کے چہلم کے بعد ہی کسی نتیجے پر پہنچ سکوں گا۔'' ایشان جاہ نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے!'' چوہدری حشمت نے عندیہ دے دیا تھا، جہاں سب جہانگیر کے لیے اداس تھے وہیں سب کو ان کا فیصلہ بری طرح چبھا تھا۔ سمہان اور عیشال کو حویلی بدر کر کے وہ منزہ کی بیٹی کو حویلی میں جگہ دے رہے تھے۔ ان کی ناانصافی ایک بار پھر کھلی تھی سب کو

☆☆☆

سوئم کی تقریب اختتام پذیر ہو چکی تھی۔ ماورا سب کو دیکھ رہی تھی۔ اسے حویلی والوں کی کدورت کا سامنا تھا۔ ہو بہو منزہ کی شکل وصورت دیکھ کے سب کی تیوری پہ بل چڑھے تھے۔ صائقہ کی قاتلا کی بیٹی کو روبرو دیکھ کے وہ سب بمشکل خود پہ ضبط کر رہے تھے۔
اس وقت صرف فیملی کے ہی لوگ تھے۔ حویلی والے دسویں کے بعد جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ سمہان آفندی نے عیشال کو چلنے کا اشارہ کیا تھا۔

''ایک منٹ عیشال!'' ماورا کی پکار پہ وہ اٹھتے اٹھتے سمہان آفندی کو دیکھنے لگی تھی۔ سب ہی اس کی پکار پہ اسے چونک کے دیکھ رہے تھے۔ جانے وہ کیا کہنے کے لیے اسے روک گئی تھی۔ فریال ایک دم سے اٹھ کر عیشال کے پاس آگئی تھیں۔ سمہان بھی ساتھ ہی موجود تھا۔

''میں آپ سب سے کچھ کہنا چاہتی ہوں اور سب کچھ سننے کے لیے عیشال کی موجودگی بے حد ضروری ہے۔'' عیشال کو نظروں میں رکھتے گویا تھی۔ شنائیہ تخی سے سانس بھر کے رہ گئی تھی۔ جانے اور کیا کیا ڈرامہ دیکھنا باقی تھا۔ ایشان جاہ بھی چونک کے ماورا کو دیکھ رہا تھا۔ صبہا اور نرمین بھی متجسس ہو گئی تھی کہ اسے کیا کہنا ہے۔

''جانتی ہوں آپ سب کے لیے قابل نفرین ہوں۔ لیکن یہ سچ شاید حویلی والے جانتے ہیں۔ ایشان اور باقی سب نہیں۔'' ایشان جاہ پہ ایک نظر ڈال کے۔

''جانتی ہوں، میری ماں نے آپ سب کے ساتھ بہت برا کیا، لیکن ان سب میں نقصان ان کا بھی ہوا۔ وہ مجرم ہیں صائقہ کی، عیشال کی، وہ اب نہیں رہیں لیکن میری التجا ہے کہ آپ سب انہیں معاف کر دیں۔'' ایشان جاہ ماورا کو ٹھٹک کے دیکھ رہا تھا، وہ کس بات کی معافی مانگ رہی تھی۔

عیشال سن سی کھڑی تھی تب ہی سمہان آفندی اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑ کے اسے سب کے بیچ سے نکالے گیا تھا۔ فریال ساتھ انہیں چھوڑنے گئی تھیں۔

''تم دونوں کو ساتھ دیکھ کے دل کو سکون ملا ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہو۔ کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے عیشال، اللہ انصاف کرنے والا ہے۔ اور اس نے کر دیا۔ بس تم آگے بڑھ کے اپنی خوشیوں کو محسوس کرنا شروع کر دو۔'' فریال گم صم کھڑی اسے

"سبحان اس کا بہت خیال رکھنا اور اپنا بھی ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے لازم جانا۔" رخصت کرتے ان کی ہدایت ختم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ سر ہلا کے انہیں یقین دلا رہا تھا۔ عیشال تو کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں تھی۔

☆☆☆

"کون ہے یہ لڑکی، کیا رشتہ ہے اس کا آپ سب سے؟" صبہا بری طرح چونکیں تھیں۔ سب باخبر تھے کہ صبہا، جہانگیر کے اس پہلو سے بے خبر ہیں۔ ماورا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی، ایشان کی نظر اس کے پیچھے اٹھی تھیں اگلے ہی لمحے وہ کمرے میں پہنچ گیا تھا۔ ماورا خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے منزہ یاد آ رہی تھیں۔ ماں کی کوتاہیوں کو یاد کر کے ان کی سختی پہ افسوس ہو رہا تھا۔

"کس بات کی معافی مانگی ہے تم نے ماورا.....؟ کیسے جانتی ہو حویلی والوں کو؟" وہ حیرت سے سوال کر رہا تھا۔ ماورا کو پوری امید تھی کہ وہ اس سے سوال کرنے ضرور آئے گا۔

"اسے پڑھ لو، اور پڑھنے کے بعد بھی مجھ سے محبت جاری رکھ سکو تو بتا دینا، ورنہ میں خاموشی سے دور چلی جاؤں گی۔" ڈائری اس کے سامنے رکھتے نمناک آواز سے کہہ رہی تھی۔ ایشان جاہ اسے اور کبھی ڈائری کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کے تنہائی کی تلاش میں چل پڑی تھی۔ ابھی یہ سچ اسے انوشا کو بھی بتانا تھا۔

"ماورا! تم سچ کہہ رہی ہو؟" سب کچھ سن کے وہ بھی بے یقین تھی۔

"ہاں!"

"اور تم نے سب کچھ ایشان کو بھی بتا دیا ہے اگر اس نے کوئی غلط فیصلہ کر لیا تو کیا کرو گی؟ تمہیں اسے نہیں بتانا چاہیے تھا۔" انوشا افسوس کر رہی تھی۔

"منزہ نے جہانگیر کو دھوکا دیا انوشا، میں ایشان کے ساتھ دھوکے کی زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔" نم لیکن اٹل لہجہ تھا۔

☆☆☆

ی۔'' دسویں کے بعد سب لوٹ آئے تھے۔ چوہدری حشمت جہانگیر کے بعد چپ سے ہو گئے تھے لیکن ایسے وقت میں بھی وہ ملازم
کو حویلی میں ایشان جاہ اور باقی سب کے لیے کمرا تیار کرنے کا کہہ کر انہیں حیران کر گئے تھے۔ ایسے میں شاہ زر شمعون بولنے سے
ز نہیں آیا تھا جو چوہدری حشمت کو ذرا پسند نہ آیا ایسا ان کے اندازوں سے ظاہر تھا۔

ہم دیکھ رہے ہیں شاہ کے اب تمہیں ہمارے فیصلوں پر اعتراض ہونے لگا ہے۔'' ناگواری سے کہہ کے اسے دیکھنے لگے تھے۔

دا جان! آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر لیکن یہ انصاف نہیں ہے۔

انصاف کی بات ہم سے نہ کرو شاہ، ہمیں جو ٹھیک لگے گا ہم کریں گے۔ دیکھا نہیں بچی نے کیسے سب کے سامنے اپنی ماں کے
لناہوں کی معافی مانگی۔'' دوٹوک لہجہ تھا۔

اگر آپ کا دل اتنا ہی بڑا ہے آپ حویلی کا برا کرنے والوں کو معاف کر سکتے ہیں تو آپ سمہان اور عیشال کو کیوں معاف نہیں کر
ہے۔ وہ تو حویلی کے وفادار تھے۔'' وہ دونوں کا مقدمہ لڑ رہا تھا۔

وفادار ہوتے تو ہماری پیٹھ پہ اتنا بڑا چھرا نہ گھونپتے، سمہان نے ہمارا مان توڑا ہے، ہم اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ اب سے
ویلی کے سارے معاملات دیکھنے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔ اب ہم اس پر مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔'' حتمی لہجے میں کہہ کے
ہوں نے ہاتھ اٹھا دیا تھا۔ شاہ لب دبا کے رہ گیا۔

☆☆☆

وہ جب سے چوہدری جہانگیر کے سوئم سے لوٹی تھی چپ ہو گئی تھی۔ سمہان نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ پھر سے ہنسے بولے لیکن اسے
یک طرح کا صدمہ لگ گیا تھا، باپ کی شفقت تو کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی، یتیمی کا احساس بہت گہرا تھا۔ منزہ کی حقیقت جان کے
سے اپنی ماں کی تڑپ کا نئے سرے سے دکھ ہوا تھا۔ کیسے نامراد م ناشاد مر گئی۔

کیا ہو رہا ہے؟'' وہ اکیلی بیٹھی ہوئی تھی، جب سمہان بھی آ کے بیٹھ گیا۔

کچھ نہیں۔'' چونک کے پھیکے سے مسکرائی تھی۔

تم ڈاکٹر کے پاس گئے تھے۔ کہا بھی تھا مجھے ساتھ لے چلو۔''

کیا کہا ڈاکٹر نے؟'' تشویش تھی۔

آل از سیٹ!''

الحمدللہ! کچھ کھانے کو لاتی ہوں تمہارے لیے۔'' اٹھنے لگی تھی۔ سمہان نے ہاتھ پکڑ کے واپس بٹھالیا تھا۔

کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ پاس بیٹھو۔'' چپ چاپ بیٹھ گئی تھی۔

کب تک چلے گا ایسا؟'' سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔

کیا؟'' وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

یہی اداسی؟'' اس کے چہرے کی طرف دیکھ کے اشارہ کرتے۔ وہ پھیکے سے مسکرا دیتی ہے۔

چوہدری جہانگیر کبھی باپ لگے ہی نہیں، لیکن پتا نہیں کیوں ان کی موت، منزہ کی اصلیت، مادرا کی موجودگی یہ سب مل کے مجھے م
ں اذیت کو اور بڑھاوا دے رہی ہیں۔ سب نے اپنی اپنی مرضی سے زندگی جی لی، لیکن میری محروم ماں.....'' آنسو اس کے حلق
ں پھنسنے لگتا ہے۔

میری ماں کا کیا قصور تھا سمہان..... صرف محبت.....!'' وہ تڑپ کے سوال کر رہی تھی۔

زیادتی کرنے والے زندہ رہتے ہیں اور محبت کرنے والے کو سزا ملتی ہے۔'' تلخی سے گویا تھی۔

ر ہے تو ظالم بھی نہیں۔ اور ان کا انجام بھی ہم نے دیکھ لیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ مظلوم کے ساتھ سب کی ہمدردی ہوتی ہے۔ پریشا
ہو، تائی جان جہاں ہیں وہاں بہت خوش ہوں گی۔'' نرمی سے سہارا دے کے سمجھا رہا تھا اور وہ ضبط کرتے ہولے سے مسکرا
ئے اوپر دیکھنے لگی تھی۔

☆☆☆

بدری حشمت سے بات کرنے کے بعد شاہ بہت جھنجلا رہا تھا۔ ندا کا سفید آنچل اسے کچوکے لگانے لگا تھا۔ یمنیٰ، شاذمہ کی نظریں
وال کرنے لگی تھیں تو سمہان اور عیشال کے ساتھ ہوئی ناانصافی پہ اس کا دل ہی حویلی سے اٹھنے لگا تھا۔ وہ اپنے روم کی طرف جا
ہا تھا جب ملازم نے ایک لفافہ لا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"ٹھیک ہے، میں دیکھتا ہوں۔" لفافہ لے کے اسے جانے کا اشارہ کرتے وہ چلتے چلتے لفافہ کھولنے لگا تھا۔ چہرے پہ سوچ کی لکیریں تھیں اور یہ لکیریں پہلے حیرت اور بعد میں جلال میں بدل گئیں۔

شائیہ بیڈ پہ بیٹھی کلینزنگ کر رہی تھی۔ دھاڑ سے دروازہ کھول کے کوئی کمرے میں داخل ہوا تھا، شاہ کے علاوہ ایسی حرکت کون کر سکتا تھا۔ اسے زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی لیکن جب سے بازو سے پکڑ کے وہ بری طرح گھسیٹ کے اسے مقابل کھڑا کر گیا تو وہ ہرا کے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے ہی توازن سنبھال سکی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" وہ بری طرح چنگھاڑی تھی۔

"یہ بدتمیزی ہے تو پھر یہ کیا ہے؟" وہ اس کے سامنے پیپر لہرا گیا تھا۔ شائیہ نے ایک نظر پیپر کو دیکھا اور اس کے چہرے پہ اطمینان چھانے لگا۔

"تو مل گیا آپ کو؟ گڈ۔"

"جان لے لوں گا تمہاری لیکن وہ نہیں ہوگا جو تم چاہ رہی ہو۔" بازو پہ انگلیاں پیوست کیے اس کا جلال دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ شائیہ کی برداشت جواب دینے لگی تھی۔

"جتنا مرضی ٹارچر کر لیں لیکن اب وہ نہیں ہوگا، جو آپ چاہتے ہیں۔" جتا گئی تھی۔

"ہوگا وہ بھی نہیں جو تم چاہتی ہو۔" اشتعال میں پیپر پھاڑ کے اس کے چہرے پہ اڑا گیا تھا۔ وہ ہکا بکا ہو کے پیپر دیکھنے پہ مجبور تھی۔ خلع کا نوٹس اس نے ہوا میں اڑا دیا تھا۔

حویلی میں یہ بات پھیلتے ہی ایک بھونچال سا آ گیا تھا۔ لڑکیاں عیشال کے جانے کے بعد پہلے ہی سہمی ہوئی تھیں اب شائیہ کے فیصلے پر ہر کوئی اسے سمجھانے کو دوڑا چلا آ رہا تھا۔ لیکن اس کا ایک ہی جواب تھا کہ وہ کسی صورت شاہ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ سب نے سمجھا کے دیکھ لیا تھا لیکن اس کی ناں ہاں میں نہیں بدلی تھی۔

"مجھے نہیں رہنا تو نہیں رہنا، دنیا کی کوئی بھی طاقت میرا فیصلہ نہیں بدلوا سکتی۔" لہجہ اٹل تھا۔

☆☆☆

ٹر میں جانے کتنی ہی زندگیاں برباد کر گئے یہ ساری کہانی پڑھ کے بھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا لیکن اسے پھر یقین کرنا پڑا۔ عیشال سے جہانگیر کی نفرت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ برسوں کھوئی محبت ملی بھی تھی تو قبر کی مٹی کے روپ میں.....!

وہ جتنا سوچتا جا رہا تھا حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ دشمن کی بیٹی سے شادی کا طعنہ اسے شاہ نے دیا تھا تو کیا وہ سب واقف تھے ایک وہی انجان تھا؟ ایک ہی نہج پہ جانے وہ کب سے سوچ رہا تھا۔

ہلکے سے کھٹکے کے ساتھ ماورا داخل ہوئی تھی۔ ایشان جاہ کی نظر بے ساختہ اٹھی تھیں۔ وہ نظر چرا کے وارڈ روب تک بڑھ گئی تھی۔

"بات سنو!" وہ بے ساختہ پکارا اٹھا تھا۔ ۷۷۷۷

"جی!" وہ متوجہ تھی۔ ایشان چند قدم چل کے اس تک آیا تھا۔

"تم جانتی تھیں اس حقیقت کو.....؟ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" اسے خبر تھی ابھی کٹہرے میں کھڑا ہو کر ہر سوال کا جواب دینا لازم ہے۔

"پہلے نہیں جانتی تھی۔" اماں کے انتقال کے بعد انوشا کے گھر جا کے علم ہوا۔ یہ پڑھنے کے بعد میں نے آپ کو ہاں کے لیے کال کی تھی۔"

"یہ سب پڑھنے کے بعد ہاں کی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ سچ کھلنے کے بعد تمہارے لیے مشکل کھڑی ہو سکتی ہے؟"

"آسانی تو تب بھی نہیں تھی۔ پھر اماں کی خواہش تھی کہ میری شادی آپ سے ہو۔ انہیں دنیا میں سب سے زیادہ بھروسہ آپ کے والد پر تھا۔ جو شاید بے جا بھی نہیں تھا۔" اسے منزہ کا خط دینا، جہانگیر کی بے قراری یاد آ گئی تھی۔

"کیا اتنا ہی بھروسہ تم مجھ پہ نہیں کر سکتیں؟" بڑا ڈوب کے سوال ہوا تھا۔ ماورا ایک ٹک اسے دیکھنے لگی تھی۔

"سب جاننے کے بعد بھی؟" وہ بے یقین تھی۔

"ہاں، سب جاننے کے بعد بھی۔ کر سکو گی اتنا ہی بھروسہ مجھ پہ؟" وہ منتظر تھا۔

"کروں گی!" اعتماد دلایا گیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں مان رہ جانے کا رنگ تھا۔

☆☆☆

کے جو خلع کا نوٹس بھجوائے بیٹھی ہے۔" چوہدری حشمت کی بات ایک تماچے کی صورت لگی تھی۔

جہانگیر کی موت اور سمبان کی غداری کے بعد ہم بہت ٹوٹ گئے ہیں۔ ورنہ اس لڑکی کو زندان میں ساری عمر سڑنے کے لیے چھو
یتے۔ تمہیں جو سزا اس کے لیے مناسب لگے اسے دو، تاکہ پھر حویلی کی کوئی لڑکی طلاق اور خلع جیسے لفظ منہ سے نکالتے سوچے تو ا
ں روح کانپ جائے۔"

چوہدری حشمت کے الفاظ اس کی سماعتوں میں اودھم مچا رہے تھے۔ وہ سست قدموں سے اپنے کمرے کی طرف آ گیا تھا۔ سخت سے
خت سزا..... زندان میں ساری زندگی شنائیہ کو سڑتے دیکھنا شاید اس کے جرم کے آگے کم سزا تھی۔

ہمیں معاف کر دیجیے گا بھابی، آج کے بچے شرمندہ کر دیتے ہیں۔ بخت تو جان سے مارنے کے درپے ہیں شنائیہ کو۔"

یا، فائزہ کے سامنے شرمندہ تھیں۔

ویرے! کوئی بھی کام کرنے سے پہلے یہ ضرور جاننے کی کوشش کرنا کہ شنائیہ نے اتنا انتہائی فیصلہ کیوں کیا؟ کہیں اس میں آپ کی
ی غلطی تو نہیں..... اور یہ بات میں اس اونچی حویلی کے اکڑو مرد سے نہیں کہہ رہی جسے اپنی انا، عورت کے جذبات سے زیادہ ا
تی ہے۔ یہ بات میں اپنے ویرے سے کہہ رہی ہوں، اس ویرے سے جس کے سینے میں عورت کا درد سمجھنے کی صلاحیت ہے۔ ا
ھے امید ہے میرا ویر کبھی کسی کے ساتھ غلط نہیں کرے گا۔" ندا کہیں سے نکل آئی تھی۔

ر وہ جو واقعی بہت غصے میں کمرے کی جانب رواں دواں تھا، اس کے قدموں میں سستی آ گئی تھی۔ کاریڈور سے روم تک اس کے
انوں میں ندا کے الفاظ گونج رہے تھے۔ اور جب شنائیہ سامنے آئی تو اس کے ساتھ کیے اپنے سارے سلوک اسے ایک ایک کر کے
آنے لگے۔

ہاں میں جلد ہمیشہ کے لیے کراچی آ رہی ہوں۔ تم سے ملوں گی نائمہ۔ مما، پپا کے ساتھ نہیں اکیلی آؤں گی۔" وہ فون پہ اپ
وگرام سے آگاہ کر رہی تھی۔ کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو گردن موڑ کے دیکھنے لگی اور اسے دیکھ کے دوبارہ فون کی
رف متوجہ ہو گئی۔

بعد میں بات کرتی ہوں تم سے۔" فون بند کر کے بیڈ پہ بیٹھ گئی تھی۔ شاور زر شمعون کئی لمحے اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ پھر اپنی پسٹل
ال کے میز پہ رکھ دیا تھا۔

سچ کہوں تو خلع کا پیپر دیکھ کے جتنا غصہ آیا اس پہ تمہاری جان بھی لے لیتا تو غصہ نہ اترتا۔" شنائیہ چپ کر کے اسے اور گن کو دیکھ

'اپنی حد تک میں نے تمہیں سدھارنے کی ہر کوشش کر لی لیکن مجھے اعتراف ہے کہ تم واقعی ٹیڑھی پسلی ہو۔تم جان سے چلی جاؤ گی لیکن اس رنگ میں نہیں ڈھلو گی جس میں میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔چاہوں تو ابھی بھی زور زبردستی سے تمہاری ہر پلاننگ پہ پانی پھیر دوں اور کوئی مجھے نہیں روکے گا لیکن اب نہیں....." شنائیہ چونک کے اسے دیکھنے لگی تھی۔

'اس حویلی میں پہلے ہی عورتوں پہ بڑی سختی رہی ہے۔لیکن مجھے لگتا ہے کہ آج میں تم پر سختی کروں گا،زبردستی کروں گا تو کل کو اپنی بہنوں کے لیے کیسے آواز بلند کروں گا۔"

'بڑی جلدی اپنی بہنوں کے لیے آواز اٹھانے کا خیال آ گیا آپ کو ..... مجھ سے غیر انسانی سلوک روا رکھتے آپ کو خیال نہیں آیا کہ میں بھی انسان ہوں،کسی کی بہن بیٹی ہوں۔مجھے بھی تکلیف ہو گی؟" طنزیہ لب و لہجے میں سوال کر رہی تھی۔

'ہوں.....!" ایک بھرپور نظر اس پہ ڈال کے ہنکارا بھرا تھا۔

'ہو گیا احساس..... دیر سے ہی صحیح لیکن ہو گیا احساس کہ تمہیں زبردستی اپنائے رکھنے کی میری ساری کوشش بے کار ثابت ہوں گی۔یہ بھی جان گیا ہوں کہ زور زبردستی سے نہ تمہیں اپنا بنائے رکھ سکتا ہوں،نہ ہی تمہارے دل میں اپنی محبت پیدا کر سکتا ہوں۔"

شنائیہ چوہدری نے یوں دیکھا جیسے ہزار وولٹ کا جھٹکا لگا ہو۔

'تمہیں خلع لینے کی ضرورت نہیں ہے۔شام تک تیار رہنا،تمہیں خود کراچی چھوڑنے جاؤں گا،یہاں طلاق دی تو سب کو اعتراض ہو گا،تمہاری منزل پہ پہنچانے کے ساتھ تمہیں آزاد کرتا آؤں گا۔" اپنی بات کہہ کے وہ رکا نہیں تھا بلکہ کمرے سے نکل گیا تھا۔شنائیہ چوہدری بے یقینی سے بند دروازے کو دیکھتی رہی تھی۔

☆☆☆

'اتنی بڑی بات مجھ سے آج تک چھپی رہی۔جہانگیر کسی منزہ میں انوالور ہے اور میں ساری زندگی بے خبر رہی۔تو یہ وجہ تھی حویلی سے ان کی بے زاری کی،حویلی والوں نے انہیں ملنے نہیں دیا اور میں بے وقوف سمجھتی رہی کہ وہ میری محبت میں سب سے الگ رہتے ہیں۔"

حقیقت جان کے صبا کی حیرت کم نہیں ہو رہی تھی۔انہیں جہانگیر پہ اتنا غصہ تھا کہ انہوں نے عدت تک کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

ں گی۔ جینا حرام کردوں گی اس کا، نکال باہر کروں گی اسے۔'' صہبا، نرمین کے سامنے بھڑاس نکال رہی تھیں۔

پتا نہیں مما کیا ہو رہا ہے، میں تو بے زار ہو چکی ہوں ہر ایک چیز سے اس لیے میں یو ایس شفٹ ہو رہی ہوں۔ آپ ہی دیکھیں یہ د

ر۔'' بیزاری سے کہہ کے وہ جانے لگی تھی لیکن ایشان اور اس کے ساتھ کھڑی ماورا کو دیکھ کے رک گئی، ان کے تاثرات سے ظاہر

۔انہوں نے صہبا کی ساری باتیں سن لی ہیں۔ ماورا کا ہاتھ تھام کے وہ صہبا کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ ماورا کی نظریں جھکی ہوئی تھیں

ن ایشان جاہ صہبا کی نظروں سے نفرت کا اندازہ لگا رہا تھا۔

آپ ڈیڈ کو جن لفظوں میں یاد کرنا چاہیں کریں مام لیکن ماورا کے لیے کچھ بھی کہنے سے پہلے یہ یاد رکھیں کہ یہ میری بیوی ہے اور میں

ں کے لیے غلط باتیں برداشت نہیں کروں گا۔ اگر آپ کو اس کا وجود پسند نہیں ہے تو میں اسے لے کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔''

تم اس لڑکی کے لیے ماں کو چھوڑ دو گے؟'' صہبا بے یقین تھیں۔

آپ کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا لیکن آپ کو مشکل میں بھی نہیں دیکھ سکتا، آپ دل بڑا کر کے اسے قبول کر لیں گی تو مجھے کوئی گلہ نہیں

گا۔''

میں کبھی قبول نہیں کروں گی اسے۔'' صہبا حتمی لہجے میں کہہ کے چلی گئی تھیں۔

را سہمی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' اعتبار دلاتا لہجہ ماورا کو پرسکون کر گیا تھا۔

☆☆☆

تمہارا دماغ ٹھیک ہے شاہ، تم اپنی بیوی کو خود شہر چھوڑنے جا رہے ہو۔ کہاں گئی تمہاری انا، تمہاری غیرت؟'' جب سے سب نے

وہ شنائیہ چوہدری کو شہر چھوڑنے جا رہا ہے، سب میں ایک کھلبلی مچ گئی تھی۔ دیا اور بخت، شنائیہ سے نفرت کا اظہار کر گئے تھے جس

نے ان کا سر شرم سے جھکا دیا تھا۔

اپنا سوٹ کیس لیے تیار کھڑی تھی۔ لیکن کسی نے اس سے ملنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ سب کی ترحم افسوس بھری نظریں اس پر تھیں

کچھ کو اس کی بغاوت پر افسوس تھا تو کچھ کو اتنے اچھے کپل کے ٹوٹنے کا دکھ رلا رہا تھا۔

تم میں غیرت کی کمی ہے شاہ، ہم میں نہیں، ایسی نابنجار لڑکی کی لاش ہی اس حویلی سے باہر جائے گی۔'' ساتھ کھڑے محافظ سے گ

"داجان! میں اسے زبان دے چکا ہوں اور آپ کو پتا ہے شاہ اپنی زبان سے نہیں پھرتا۔" شاہ زر شمعون اس کے سامنے آ گیا تھا۔ چوہدری حشمت کی بندوق چپ رہنے پہ مجبور تھی۔

"اگر ایک جیتے جاگتے انسان کو زبردستی اپنے ساتھ باندھ کر اس کی زندگی تنگ کیے رکھنا غیرت کا نام ہے تو میں بے غیرت ہی ٹھیک ہوں۔ جانے دیں اسے.... زور زبردستی سے یہ یہاں رہے گی ضرور لیکن اس کا دل نہیں رہے گا۔ یہ میرے نکاح میں بندھی تو ضرور رہے گی لیکن اس رشتے کو کبھی دل سے قبول نہیں کر پائے گی۔ اور مجھے ایسی بیوی نہیں چاہیے داجان، جس کے دل میں میرے لیے محبت، عزت نہ ہو۔ جینے دیں اسے اپنی زندگی۔ کرنے دیں اسے من پسند بندے کا انتخاب، کیونکہ میں جانتا ہوں جس کے لیے دل دھڑکے وہ نہ ملے تو انسان کی ساری عمر کانٹوں پہ گزرتی ہے۔" سب حق دق اسے سن رہے تھے۔ اتنا ٹھنڈا لہجہ تو اس کا کبھی نہیں رہا تھا پھر اب کیا ہوا تھا.... شنائیہ چوہدری بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اس حویلی کو ہی آگ لگا دو، جہاں سب کو اپنی من مانی کرنی ہے۔" بندوق پھینک کے چوہدری حشمت قہر بھرے لہجے میں کہہ کے چلے گئے تھے۔ شاہ زر شمعون نے ملازم کو اس کا سوٹ کیس اٹھانے کا اشارہ کیا تھا وہ سوٹ کیس اٹھا کر گاڑی میں ڈالنے چلا گیا تھا۔

"چلو!" اسے ہدایت دے کے وہ اس سے پہلے آگے بڑھ گیا تھا اور وہ سب کی ترحم بھری نظروں کو دیکھتے اس کے پیچھے چلنے لگی تھی۔

"پوری کرلو اپنی ضد لیکن یاد رکھنا، اتنے اچھے شوہر کو کھو کر تم کبھی خوش نہیں رہو گی شنائیہ۔" دیا کا دل کٹ رہا تھا۔ ان سنی کیے وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

سفر شروع ہو چکا تھا۔ شاہ زر شمعون خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ شنائیہ کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کل تک اپنے ساتھ باندھے رکھنے کے لیے ہر حد تک جانے والا آج اسے خود آزاد کرنے جا رہا تھا۔ لیکن کیوں....؟ وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ اتنا متضحل اور تھکا ہوا تو وہ اسے کبھی نظر نہیں آیا تھا، جاہ و جلال کا نمونہ اتنا کمزور کیوں ہو گیا تھا؟

"جب اتنی آسانی سے چھوڑنے کو تیار ہو گئے تھے تو خلع کا انتظار کیوں کر رہے تھے؟" سپاٹ لہجے میں سوال ہوا تھا۔

"امید تھی اس کی نوبت نہیں آئے گی۔" اس کی طرف دیکھے بنا جواب دیا گیا۔

"کیوں.....؟ جو کچھ آپ نے میرے ساتھ کیا اس کے بعد آپ کو امید تھی کہ آپ کو کوئی ایوارڈ دوں گی؟" تلخی سے گویا ہوئی۔

"مجھے، میری ذات کو نظر انداز کرنے کے بعد کسی ایوارڈ کی گنجائش بچتی ہے؟" اپنے لیے استہزائیہ لہجہ تھا۔

"صرف آپ اور آپ کی ذات کو اہمیت نہیں دی یا کچھ اور بھی ہے؟" بغور دیکھ رہی تھی۔

"اور کیا رہتا ہے؟" حیرت سے سوال ہوا۔

"دل کا ذکر اب بھی نہیں کریں گے.....؟"

شاہ زر شمعون کی گردن جھٹکے سے اس کی طرف گھومی تھی۔ بے یقینی سے وہ اسے دیکھ رہا تھا، شنائیہ بہت اعتماد سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بول نہیں سکتے تھے، محبت کرتے ہیں مجھ سے اور آپ کی خواہش ہے کہ میں آپ کے رنگ میں ڈھل جاؤں؟"

"کوشش کی تھی اپنے مطابق ڈھالنے کی لیکن بھول گیا تھا کہ زور زبردستی سے جانوروں کو سدھایا جاتا ہے، لائف پارٹنر کو نہیں۔"

بولے سے شکست کا اعتراف ہوا۔

"میری ہر چیز پہ نظر رکھنا، میری ہر بات سے باخبر رہنا یوں ہی نہیں تھا۔ جانتی تھی آپ کے دل میں کیا چل رہا ہے، لیکن جب مما، پ نے زبردستی کی تو یہ بات اچھی نہیں لگی، اور سب سے بڑی بات کوئی سڑیل مجھ سے محبت کرتا ہے تو کرتا رہے مجھے تو ایسے بلا کو سے محبت نہیں کرنی تھی نا، جو انسان کو بھی سرکش گھوڑی سمجھ کے برتاؤ کرے۔"

"جاتو رہی ہو واپس، جی لینا اپنی مرضی سے زندگی، ڈھونڈ لینا اپنی پسند کا بندہ، کر لینا من پسند شخص سے محبت۔" مجروح مسکراہٹ سے نظریں سامنے جما گیا۔

"اور آپ کی وجہ سے جو میرے والدین، خاندان والے مجھے خود سے الگ کر گئے، میں تو اکیلی ہو گئی نا۔"

"ابھی وقتی غصہ ہے سب کا۔ تھوڑے وقت کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر مل لیں گے سب، میں بھی کوشش کروں گا کہ سب ک دل تمہاری طرف سے صاف کروں، کیونکہ زیادتی تو بہرحال ہوئی ہے تمہارے ساتھ۔"

"اوہ! بڑے انصاف پسند باتیں کر رہے ہیں۔" استہزائیہ لہجہ تھا۔

"انصاف پسند تو میری شخصیت کا خاصا تھا، بس تمہارے معاملے میں کب ظالم بن گیا، خبر نہیں ہوئی اور جب احساس ہوا تو ازالہ بھی تو کر رہا ہوں۔" احساس دلایا گیا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" وہ ریلکیس ہو کے بیٹھ گئی تھی۔

"مجھے نائمہ کی طرف چھوڑ دیجیے گا۔ اس کے کزن نے پرپوز کیا ہوا تھا، آج کل آیا ہوا ہے لندن سے، پہلے اس سے ملنا ہے۔" س

"ہبتر!" شاہ زر شمعون کے ہاتھ کی رگیں اسٹیئرنگ پہ سختی سے ابھری تھیں۔

"ہبتر!" تیز آواز سے وہ چیخ اٹھی تھی۔ شاہ چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"شرم نام کی چیز ہے آپ میں..... بیوی کسی غیر مرد سے ملنے کی بات کر رہی اور آپ کو کوئی فرق ہی پڑتا۔"

"بیوی کی خوشی اہم ہے۔ وہ جس کے ساتھ خوش رہے۔" درد چھپائے ہولے سے اعتراف ہوا۔

"گاڑی واپس حویلی لیں۔"

"کیوں؟" اس حکمِ شاہی پہ وہ اسے دیکھنے لگا تھا۔

"جب تک مقابلہ کر رہے تھے، مقابلہ کیا۔ لیکن جب آپ نے سرینڈر کر دیا ہے تو میں کیوں ہواؤں سے لڑتی رہوں۔"

"سمجھا نہیں۔" حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔

"سمجھدار ہوتے تو اتنی بے وقوفی کرتے۔" تعریف پہ لب بھینچ گیا۔

"سمجھاؤ! اب یہ فیصلے میں ترمیم کیوں۔ تم تو حویلی میں رہنا نہیں چاہتی تھیں۔"

"محبت ہو گئی ہے آپ جیسے سڑیل سے۔" لب دبا گئی تھی۔ وہ بے حد چونک کے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"تمہارے مطابق نہیں ہوں۔ مشکل ہو گی۔"

"بنا لوں گی اپنے مطابق..." یقین سے کہا گیا۔

"اتنا یقین کیسے؟" اعصاب پرسکون ہونے لگے تھے۔ نظر بھر کے دیکھا۔

"جو شخص محبت کی انتہا پہ جا کے اپنائے رکھنے کی ہر حد سے گزر جائے، اور پھر اپنی شکست محبت کے آگے تسلیم کر لے۔ سب کی مخالفت کے باوجود مجھے خود چھوڑنے جا رہا اس سے زیادہ میری خوشی کی فکر کسے ہو گی۔ اور میرے پیرنٹس نے ہمیشہ کہا کہ انہوں نے میرے لیے بہت اچھا انتخاب کیا ہے، اسے غلط کیسے مان لوں؟"

"اور وہ لندن والا....!"

"جلن ہوئی؟" شوخی سے سوال ہوا۔

"ہاں ہوئی۔" مان لیا گیا تھا۔

"ہاں تو ہم جا رہے ہیں نا لندن منی مون ٹرپ پہ، شمالی علاقہ جات جیسے منی مون پہ لعنت بھیج کے۔"

"اب سے زور زبردستی کرنے سے پہلے یاد رکھیے گا، جواب بھرپور ملے گا۔ ہار نہیں مانوں گی۔ گھٹنے آپ کو ہی ٹیکنے پڑیں گے۔"

"جان چکا ہوں۔ شکست تسلیم کی ہے۔"

"محبت سے نہیں منوا سکتے تھے؟" گلہ ہوا۔

"نہیں آتی محبت کرنا، تم سکھا دو۔"

"محبت کرنا نہیں آتی۔ دھمکانا، ڈرانا تو آتا ہے نا، وہی کریں، آپ کو سوٹ کرتا ہے۔" منہ بنا کے رخ پھیر گئی تھی۔

"سیکھنے کے اسکیل بہت اچھے ہیں مجھ میں۔" اگلے ہی لمحے اسے بازو سے کھینچ کے اپنے حصار میں لے لیا گیا تھا۔

☆☆☆

"بروا ویز گریٹ نیوز! کانگریٹس!"

سبحان آفندی فون کان سے لگائے خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ عیشال کتاب بند کیے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"بھابی بیگم کو بھی میری طرف سے بہت مبارک باد دینا۔ رئیلی ہیپی فار یو! بڑی تبدیلی آ گئی ہے۔ مزاج میں اوہو....! نظر آ رہا ہے بھابی بیگم کی صحبت کا اثر ہے۔" جانے شاہ زر شمعون نے کیا کہا تھا کہ وہ چھیڑنے لگا۔ چند ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس نے فون بند کر دیا تھا۔

"کیا ہوا؟" سوال ہوا۔

"بروا اور شائیہ جی کا گرینڈ ریسپشن ہے اگلے ماہ، دونوں بہت خوش ہیں۔"

"ماشاءاللہ! یہ تو اچھی خبر ہے۔ ورنہ خلع کی خبر پہ تو ٹینشن ہو گئی تھی۔" اسے بھی سکون ہوا۔

"ہاں یہ تو ہے، شکر ہے بھابی بیگم کو عقل آئی اور بڑو کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ محبت میں سختی نہیں چلتی۔ اب خوش تو ہونا ہے انہوں نے۔"

"حویلی میں سب خوش ہوں گے۔" یاسیت سے سوچنے لگی۔

"ہاں!" اس کی اداسی بھانپ گیا تھا۔

ہارا۔ایویں بھرم ختم نہیں ہوتے تمہارے۔آفیسر بن کے تو مزید دبنگ بن جاؤ گی۔''اس کا موڈ چینج کرنے کو چھیڑ رہا تھا۔

ہوں، بعد میں پڑھوں گی، ابھی میرا دل نہیں۔''اٹھ کے چلی گئی تھی۔سمہان غور سے اسے جاتے دیکھنے لگا۔

وکچن کے کیبنٹ کھولے سامان نکالنے لگی تھی لیکن ذہن الجھا ہوا تھا کچھ نہیں مل رہا تھا۔تھک کے اس نے اپنی خالی ہتھیلی پہ نظریں

ادی تھیں۔شاہ اور شنائیہ کی رخصتی کا سن کے دل سے ایک ہوک اٹھی تھی۔سب سے الگ وہ دونوں محروم زندگی گزارنے پہ مجبور تھے

سمہان کی محبت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا لیکن ان کے بیچ کی دیوار ابھی بھی قائم تھی کہ وہ اصولوں کا پکا بندہ ہر کچھ پروپر کرنے کی

واہش مند تھا۔

اداس ہوگئی ہو؟'' اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔وہ چونک کے پھر سے چیزیں دیکھنے لگی۔

نہیں ڈنر کی تیاری کرنے لگی تھی۔''

اس کی ضرورت نہیں ہے، آج ہم اپنی مسز کو باہر ڈنر دیں گے۔''

کیا ضرورت ہے اس کی، میں کچھ بنالوں گی گھر میں۔''

گھر میں بور جو ہو جاتی ہوگی اکیلی۔''

ہوں! تھوڑی بہت۔تم نے جب سے آفس جوائن کیا ہے، دن بھرا کیلے، حویلی سے کسی کی کال آجاتی ہے تو بات ہو جاتی ہے ورنہ

پ۔''

تب ہی تو کہہ رہا آج ہم باہر ڈنر کریں گے۔ساتھ ٹائم اسپینڈ کریں گے۔کچھ دنوں سے تمہیں ٹائم نہیں دے پا رہا تھا۔''

او کے!'' ہتھیار ڈال دیتی ہے۔تاثرات چھپانے کو نظریں چرا کے ادھر ادھر دیکھنے لگتی ہے۔

کیا ہوا ہے عیشال، اپ سیٹ کیوں....؟''اس کا چہرہ اٹھا کے آنکھوں میں دیکھتے سوال ہوا تھا۔

نہیں تو۔'' پھیکی مسکراہٹ سے ٹال گئی تھی۔

رسپشن کا سن کے اپ سیٹ ہوگئی ہو؟'' اس کے اداس چہرے کو دیکھتے سوال کیا۔

کیا میرے نصیب میں کوئی خوشی نہیں سمہان....؟تم مل گئے یہ سب سے بڑی خوشی ہے لیکن اس خوشی کو میں پروپر انجوائے کر

پاتی ہوں۔یوں سب سے الگ ہو کے قیدیوں سی زندگی جی کے نہیں۔''الجھن بتائی گئی۔

خواہش تو میری بھی یہی ہے کہ تمہیں بہت اسپیشل فیل کروا کے اپنی زندگی میں شامل کروں، سب کی دعاؤں کے ساتھ تمہیں

ں کوئی ہرج نہیں۔"

نہیں۔ مجھے بھی سر اٹھا کے تمہاری زندگی میں شامل ہونا ہے۔ چوری چھپے نہیں۔" سختی سے اس کی تائید کر گئی تھی۔ وہ ہولے سے مسک

ا تھا۔

پھر میری اس فائٹر پہ اداسی نہیں سجتی۔" اس کی ناک کو ہولے سے انگلی سے مس کر گیا تھا۔

نہیں ہوں اداس۔ بولو کس رنگ کا ڈریس پہنوں؟" موڈ بدل کے۔

تم پہ ہر رنگ سجتا ہے۔"

کیا آسان حل نکالا ہے شاپنگ مزید نہ کروانے کا؟" تیکھی نظروں سے گھور رہی تھی۔

کیوں نہیں کرواؤں گا شاپنگ، کماکس کے لیے رہا ہوں۔ لکڑی نہیں کاٹ رہا لیکن انجینئرنگ کی فیلڈ سے بھی مشینیں بہت کچھ د

ی ہیں۔" مسکراتے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔

یہ تو ہے۔" وہ ہنس پڑی تھی۔

☆☆☆

شن کے دن قریب آ رہے تھے۔ سب ہی خوشی خوشی تیاری میں لگے ہوئے تھے۔ شائیہ نے کھلے دل سے معافی مانگ لی تھی۔ ش

نے اپنی غلطیوں کا کھلے دل سے اعتراف کیا تھا اور سب نے انہیں دعاؤں سے نوازا تھا۔ اس کی سربلندی کے لیے شاہ کا اعتراف

ائیہ کی نظروں میں اسے مزید بااعتبار ثابت کر گیا تھا۔

ب خوش تھے لیکن سب کو سمہان اور عیشال کی کمی بے حد محسوس ہو رہی تھی۔ حویلی کے بیشتر معاملات الٹ پلٹ کا شکار تھے۔ حسا

تاب میں گڑبڑ ہونے لگی تھی۔ حویلی سے باہر کے معاملات رکے ہوئے تھے۔ جس سے نقصان ہو رہا تھا۔

یہ سب ہو کیا رہا ہے، کیوں ہو رہی ہے گڑبڑ۔" حساب کتاب پھیلائے چوہدری حشمت شاہ زر شمعون پہ غصہ ہو رہے تھے۔

یہ سارے معاملات ہمیشہ سے سمہان دیکھتا آ رہا ہے داجان۔" وہ ہولے سے انہیں جھنجوڑ گیا تھا۔ ایک پل کو چوہدری حشم

ب سے رہ گئے۔

داجان میں گاؤں کے معاملات ہی دیکھتا رہا ہوں شروع سے۔شہر کے دیکھنے لگوں گا تو یہاں کا کام متاثر ہوگا۔'' بڑی صفائی سے
ں نے جتادیا تھا کہ وہ سمبان کا گیپ پورا نہیں کرے گا۔اس کا خلاء وہ خود ہی پورا کرے گا۔
پھر کون دیکھے گا۔ بند کردو سب،اور پھینک دو یہ سارے رجسٹر۔'' غصے سے سب کچھ پرے دھکیل گئے تھے۔
ں کے حکم کی تعمیل کرتا شاہ سب سمیٹ لے گیا تھا۔
ہدری حشمت اپنے بستر پہ لیٹ گئے تھے۔انہیں سمبان آفندی یاد آرہا تھا۔اس کا بھاگ بھاگ کے ہر کام کرنا ذہن کے پردوں
ں رہا تھا۔چوہدری جہانگیر کے بعد وہ ویسے ہی ٹوٹ گئے تھے،رہی صحیح کسر سمبان کی دوری پوری کررہی تھی۔لیکن انا اتنی تھی کہ اسے
بھی نہیں سکتے تھے۔حویلی میں نقصان ہورہا تھا اس کی کمی تھی۔وہ ہوتا تو کاروبار کو کوئی فرق نہ پڑتا۔لیکن وہ نہیں تھا یہی تو کمی تھی
ذہنی دباؤ اور جذباتی احساسات کا وار اتنا کاری ہوا کہ معمولی بخار نے بگڑ کے انہیں بستر سے لگا دیا۔ساتھ ہی فالج کے اٹیک نے
یں توڑ کے رکھ دیا تھا۔دایاں حصہ مفلوج ہوگیا تھا۔جلد سے جلد اچھے ٹریٹمنٹ نے انہیں کافی فائدہ پہنچایا تھا۔اور وہ اب حویلی
ٹ آئے تھے۔سمبان تک بات گئی تو وہ ان کی ناراضگی کی پروا کیے بنا عیشال کے ساتھ چلا آیا۔
تمہیں حویلی میں داخل کس نے ہونے دیا۔بستر سے لگا ہوں ابھی مرا نہیں جو باغیوں کو گھسنے دوں۔'' انہیں دیکھتے ہی جلال سے
ائے تھے۔عیشال تو سہم کے سمبان کی اوٹ میں ہوگئی تھی۔
بس کردیں چوہدری جی،اس نفرت کے کھیل کو۔'' زمرد بیگم نے لب لشائی کی تھی۔نافرمان بیٹے کی عبرتناک موت نے انہیں چپ
ر دیا تھا لیکن سمبان کے لیے وہ میدان میں آگئی تھیں۔سب آس سے انہیں دیکھ رہے تھے اور چوہدری حشمت مجرموں کو۔
آیا تو جانے کے ارادے سے تھا،آپ کی عیادت کے بعد چلا جاتا لیکن اب آپ کی نفرت دیکھ کے آپ سے ضد باندھ لی ہے
جان۔زندہ تو اب اس حویلی سے نہیں جاؤں گا داجان کیونکہ میرا اصل آپ لوگ ہیں۔آپ چاہیں تو ہمیں مار کے نکال سکتے
ں۔'' اپنی پسٹل نکال کے ان کے سامنے رکھتے جیسے اس نے اپنی اور عیشال کی زندگی داؤ پہ لگادی تھی۔
سمبان!'' فریال خوف سے چلائیں تھیں۔
اپنے وفاداروں کو حکم دیں داجان،باغیوں کو موت کے گھاٹ اتار دے۔'' شاہ اسی وقت داخل ہوا تھا،اسے خبر ملی تھی ان دونوں کی
مد کی۔اور اب اندر کا منظر اسے خوفزدہ کرگیا تھا۔کیا رشتے ایک بار پھر امتحان گاہ پہ آگئے تھے۔
کوئی مزاحمت نہیں کرے گا۔'' شاہ پہ ایک نظر ڈال کے۔'' یہ صرف داجان اور میرے بیچ کی بات ہے۔میں نے اپنا اور عیشال کا

وفاداروں کی کیا ضرورت ہے ابھی ہمارے ہاتھوں میں اتنی جان ہے کہ باغیوں کی جان خود لے سکیں۔'' چوہدری حشمت نے
رجتے ہوئے بائیں ہاتھ سے اس کا رکھا ہوا پسٹل اٹھالیا تھا۔ سب کی جان حلق میں آ گئی تھی۔
میری خوش قسمتی کہ اپنوں کی گولی جسم کو چھوئے۔ دشمنوں کو اتنا اختیار نہیں دیتا۔'' مطمئن مسکراہٹ کے عیشال کو دیکھ رہا تھا۔
اس طرح نہ تم خوش جی سکو گی نہ میں۔ ساتھ مرتو خوشی سے سکو گی نا۔ کہیں میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کر رہا یہ سب کہ
گے۔'' عیشال کانفی میں ہلتا سر اور اس کے بازو پہ دباؤ سمہان کو اس کا عندیہ دے گیا تھا۔
چلیں داجان، اب تو میری بیوی کی مرضی بھی شامل ہو گئی۔ اب کوئی غم نہیں۔'' اپنی موت کا ہتھیار انہیں سونپ کے وہ مطمئن ان کی
رت کو چیلنج کر گیا تھا۔ چوہدری حشمت اسے غور سے دیکھنے لگے تھے۔ ان کے سامنے اونچا لمبا سمہان کی جگہ چھوٹا سا سمہان آ گیا تھا
حساب کتاب کا رجسٹر بغل میں دبائے ان کی انگلی پکڑے چل رہا تھا۔
پتا ہے داجان، جب میں بڑا ہو جاؤں گا تو آپ کو حویلی کی کوئی ٹینشن لینے نہیں دوں گا۔'' وہ چھوٹا سا سمہان انہیں چلتے ہوئے کہہ
یا تھا جب وہ ایک جگہ غصہ کر کے اس کے ساتھ لوٹے تھے۔ اور اس نے اپنا کہا بڑا ہو کے سچ کر دکھایا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں
ید کچھ ماہ اور گزرتے تو بہت سے معاملات کو تالا لگ جانا تھا۔ اور ایسا وفادار تو سالوں میں پیدا ہوتا ہے جو اپنی جان ہتھیلی میں رکھ
ے ان کے سامنے مطمئن تھا۔
ں کے اطمینان کو دیکھتے انہوں نے گن اٹھالی تھی۔
داجان پلیز!'' شاہ کی جان پہ بن گئی تھی۔ سب کی سہمی نظروں کا سامنا تھا۔ اسفند کو بھی اپنے خون اور اپنے باپ کے بیچ آنا مناسب
لگا، وہ چپ چاپ دل پکڑے کھڑے تھے۔
روکیں بابا جان کو۔'' فریال تڑپ رہی تھیں۔
سمہان کا فیصلہ درست ہے۔ آزمانے دو اسے زندگی اور موت کے کھیل کو، جیت گیا تو خوشی اس کا مقدر ہو گی ورنہ مرتو وہ ویسے بھی
ئے گا سب سے الگ۔''
بدری حشمت ان غداروں کو دیکھ رہے تھے جو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے خود موت کو منہ لگانے آئے تھے۔ ان کے ہاتھ کانپنے لگے
ا۔ پسٹل ایک طرف رکھ کے انہوں نے منہ پھیر لیا تھا۔
اکیلا چھوڑ دو سب ہمیں۔'' حکم ہوا تھا لیکن سب اپنی جگہ سے ہل نہ سکے۔ سمہان کئی ثانیے کھڑا رہا لیکن جب ان کی بوڑھی آنکھوں

ایک بار آپ نے میری بہادری پر منہ مانگا انعام دینے کی بات کی تھی داجان، یاد ہے آپ کو؟'' چوہدری حشمت اس کی سرگوشی
پ رہے تھے۔ انہیں اچھی طرح یاد تھا۔
مجھے معافی دے دیں، جان مانگ لیں لیکن عیشال کو نہیں چھوڑ سکتا، آپ کی یہ باغی زندگی ہے میری۔'' سب کی آنکھیں دلسوز
سوس کر کے ڈبڈبا گئی تھیں۔
اور یہ باغی بھی ایسی باغی ہے جو میری طرح حویلی کے بنا کھل کے مسکرانا بھول گئی ہے۔ ہم دونوں آپ سب سے دور رہ کے خوش
یں رہ سکیں گے داجان۔ اس انعام میں ہمیں معافی دے دیں۔ وعدہ کرتا ہوں پھر کبھی آپ کے حکم کے خلاف نہیں چلوں گا۔''
ٹھیک ہے۔ دے دی معافی لیکن میری ایک شرط ہے۔'' ابھی سب خوش نہیں ہوئے تھے کہ شرط پہ اٹک گئے۔
جی!'' عیشال کو چھوڑنے کے علاوہ اسے سب منظور تھا۔
شاہ کے ساتھ تمہاری بھی ریسپشن رکھ رہے ہیں ہم۔ نکاح اپنی مرضی سے کیا تھا، رخصتی ہماری مرضی سے ہوگی'' سب کو حیرت آمیز
ئی ہوئی تھی وہ تو مارے جذبات کے ان کے شانے سے لگ گیا۔ آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

یلی میں جیسے بہار اتر آئی تھی۔ ہر ایک کھلے چہرے سے ریسپشن کی تیاری کر رہا تھا اور سب نے طے کیا تھا کہ ماضی کے گڑے
ردے کو اکھاڑنے کی بجائے ایشان کی نسبت سے ماورا کو منزہ کی سزا نہ دی جائے، اس نے جس دلسوزی سے ماں کے کیے کی معافی
لی تھی اس پر سب کا دل پسیج گیا تھا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔
ب نے کھلے دل سے معاف کر کے انہیں ریسپشن پہ انوائیٹ کیا تھا، ایشان نے یقین دلایا تھا کہ وہ صبیحا اور ماورا کو لے کے ضرور
ئے گا، نرمین یو ایس جا چکی تھی۔ اور اب اس کا وہیں شادی کرنے کا ارادہ تھا۔
ج ان چاروں کی ایٹن تھی اور حویلی میں ایک رنگ امڈ آیا تھا۔ صدقہ خیرات کرتے خزانوں کے منہ کھل گئے تھے۔ ہر کوئی اپنی اپنی
اط سے بڑھ کے وار رہا تھا۔
ہدری حشمت وہیل چیئر میں براجمان پوتے اور پوتوں کی رسم کے لیے اسٹیج پر آنے لگے تو دونوں دولہوں نے اٹھ کر فوراً ان کی چیئ

"پپی ؟" ابٹن کی رسم کے دوران زرد رنگوں میں سجی عیشال سے ہولے سے دریافت کیا۔

"ٹوچ پپی!" اپنی انگلی میں لگی ابٹن اس کے چہرے پہ لگاتے کھلکھلائی تھی۔

"اب نہیں چھوڑتا۔" اور اس نے سزا کے طور پہ سارا وقت وہ انگلی تھامے ہی رکھی۔

رکوئی زرق برق لباس میں خوش تھا، وہیں سفید آنچل میں دھیمے سے ہنستی ندا کو دیکھ کے سمہان آفندی کی نظریں اس کے چہرے پہ جم گئی تھیں۔

"ایک ضروری کال کر کے آیا۔" عیشال کے کان میں سرگوشی کر کے انگلی چھوڑ کے وہ اٹھ گیا تھا۔

"کہاں، ابھی تو کہہ رہے تھے انگلی نہیں چھوڑو گے۔" چڑائی۔

"آ کے دوبارہ پکڑ لوں گا، پکے کاغذ ہیں میرے پاس۔" وہ استحقاق سے کہہ کے چلا گیا تھا۔

ابٹن سے لتھڑے ہاتھوں کو دیکھتے شنائیہ ٹشو کے لیے نظریں دوڑا رہی تھی۔ اس کی تلاش دیکھ کے شاہ زر شمعون نے اپنا رومال نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"الجھن ہو رہی ہو گی تمہیں، تم ان چیزوں کی عادی جو نہیں ہو، مٹھائی کھا کے ویسے ہی طبیعت خراب ہو جائے گی تمہاری۔ مما سے کہتا ہوں، تمہیں اٹھانے کی کریں اس ہنگامے سے۔" اس کی نازک مزاجی کو مدِ نظر رکھ کے کہہ گیا۔ منگنی کا منظر بھولا نہیں تھا۔

"کیوں اٹھانے کی کریں، ابھی میں انجوائے کر رہی ہوں، شادی کی رسمیں کوئی بار بار تھوڑی ہوتی ہیں۔ کوئی الجھن نہیں۔" وہ مزے سے کہہ گئی۔

"وہ منگنی میں تو....!" حیران ہوا۔

"تب اور اب میں فرق ہے۔ اب دل سے قبول کیا ہے تو سب کچھ اچھا لگ رہا ہے۔"

"سب کچھ!" شوخی سے سوال ہوا۔

"آپ بھی!" اس کے بازو پہ خفیف سا کہنی مار گئی۔

"کہاں چلے گئے تھے؟" سمہان لوٹ کے آیا تو شاہ نے سوال کیا۔

"ضروری کام تھا بروہ۔" وہ مطمئن ہو کے بیٹھ گیا تھا۔

راس کا ضروری کام بھی جلد کھل گیا، جب رات سب چائے کافی کے دور کو انجوائے کرتے ہال میں بیٹھے ہوئے تھے۔

داجان! ایک التجا تھی۔"

ہدری حشمت اب کافی حد تک سنبھل گئے تھے۔ وہیل چیئر کے ساتھ وہ بھی ان کے درمیان تھے۔

کہو، تمہاری باتیں غیر اہم تو کبھی نہیں ہوئیں، پھر آج کے خاص موقع پر کیسے ہوگی۔" وہ متوجہ تھے۔

جب آپ نے سب کی سزا ختم کر دی ہے تو ایک سزا اور ختم کر دیں۔" التجائیہ لہجہ تھا۔

ہم سمجھیں نہیں۔"

زندگی کی خوشیوں پر ندا آپی کا بھی اتنا ہی حق ہے، جتنا ہم سب کا۔ پلیز اپنی سزا واپس لے لیں۔ اچھا لڑکا دیکھ کے ان کی شادی

ردیں۔"

ول میں ایک لمحے کو خاموشی طاری ہوگئی تھی۔ چوہدری حشمت بھی چپ سے رہ گئے تھے۔ شاہ زر شمعون نے ممنونیت سے سمہان کی

یکھا تھا، ایویں تو وہ اسے عزیز نہیں تھا۔

جہانگیر کے گزرنے اور تمہارے حویلی چھوڑنے کے بعد سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہم نفرت کو نہیں نفرت ہمیں کھاتی ہے اور

رت بنا دیتی ہے۔ محبت کا رنگ ایسا ہے جو دلوں پہ اپنا نقش چھوڑتی ہے، مرنے کے بعد بھی انسان کو زندہ رکھتی ہے۔ ٹھیک ہے خ

ردی ندا کی سزا بھی۔ کوئی اچھا لڑکا ملا تو ہم شادی کر دیں گے ندا کی۔" خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ ندا کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

"ایک اچھا لڑکا ہے داجان، آپ کہیں تو میں کل ہی اسے اس کی فیملی سمیت بلا لوں؟" اس نے جیسے کچھ غیر متوقع کہہ دیا تھا ندا ایک

م سے بے چین ہوگئی تھی۔

جب تمہیں لڑکا پسند ہے، تو بلا لو اسے فیملی سمیت۔" عندیہ ملنے پہ فریال فائزہ کے ساتھ لپٹ گئی تھیں۔

مبارک ہو بھابی بیگم"

تمہیں بھی بہت مبارک ہو۔" ان کی نم آنکھوں کو دیا نے قریب آ کے پونچھا تھا۔

بیٹی کی خوشی مبارک بھابی۔"

تمہیں بھی۔" تینوں گلے مل گئی تھیں۔ دور سے دیکھتی صبیحا کو اپنے اکیلے پن کا خوب احساس ہوا تھا کہ انہوں نے کبھی اپنا پن دکھا

ب تھا۔ لیکن سب کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب صبیحا نے زرد آنچل میں لپٹی عیشال کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔

اب مت رو، ہم سب بہت خوش رہیں گے۔ نفرت کر کے کچھ نہیں ملتا۔ جیت محبت کی ہوتی ہے۔"

☆☆☆

مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی سمہان کہ تم میری زندگی مشکل کر دو گے۔ میں ساری زندگی راحیل کے نام پہ گزار دوں گی لیکن پلیز
ت کرو، روک دو داجان کو۔ یہ سزا میرے لیے راحت ہے لیکن جو تم کرنے چلے ہو اس میں سراسر میری موت ہے۔ عیشال پلیز
سے سمجھاؤ۔" دونوں ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جب ندا چلی آئی تھی۔ عیشال بھی الجھن میں پڑ گئی تھی۔ ندا کا کلسنا دل میں چبھ رہا تھا
حیل کے ساتھ ہوئی درندگی نظروں کے سامنے چلنے لگی تھی۔
اپنے ویر پہ بھروسہ نہیں آپ کو....؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
تم پر بھروسہ ہے، لیکن میرے لیے بہت مشکل ہے سمہان۔ تم نے یہ بات داجان سے کی ہی کیوں؟" غصہ ہوئی۔
آپ کے سر پہ یہ سفید آنچل اچھا نہیں لگتا۔"
اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو پھر اسی سفید کفن میں مجھے قبر میں اترتا دیکھو گے۔" حتمی لہجے پہ سمہان اس کی شکل غور سے دیکھنے
اچہرے پہ دبی دبی مسکراہٹ تھی۔
تم چڑا رہے ہو؟" جھنجلائی۔
میں نے بہت اچھے لڑکے کا انتخاب کیا ہے آپ کے لیے، کل مل لیں اس سے، اگر پسند نہ آئے تو بتا دیجیے گا میں داجان کو منع کر دوں
ا۔ اب تو ٹھیک ہے؟" اسے غصے سے نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔
تم میرے لیے کوئی شہزادہ ہی لے آؤ، میرا انکار ابھی بھی ہے، کل بھی ہوگا۔" ندا غصے سے بھری چلی گئی تھی۔
جب آپی نہیں چاہتیں تو مت کرو سمہان۔" وہ سائیڈ لے گئی۔
نہیں۔ شادی تو ان کی کروا کے رہوں گا۔" لہجہ ہٹ دھرم تھا۔

☆☆☆

را کو آنے والے مہمانوں کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ اور اس کی تیاری میں حویلی کی تینوں بہوؤں کا ہاتھ تھا، ماورا نیل پینٹ لگا رہی تھی
شائیہ بلشر لگا رہی تھی تو عیشال اس کے بالوں کی اچھی سی چوٹی بنا رہی تھی۔

"بھابیاں تیار کر رہی ہیں اور نند کے مزاج ہی نہیں مل رہے۔" شائیہ ساتھ چھیڑ رہی تھی، کل رخصتی تھی اس لیے دونوں ابھی تک زر
باس میں تھیں۔ ماورا مسکرا کے دیکھ رہی تھی۔

"ایسی بھابیاں قسمت والیوں کو ملتی ہیں۔" ندا نے محبت سے تینوں کو دیکھا تھا۔ عیشال کو اس کی آنکھوں کی نمی دکھ دے رہی تھی۔ و
پھی طرح اس کے جذبات سے آگاہ تھی اور پکا ارادہ کر چکی تھی کہ سمہان کو اس زبردستی کے رشتے سے روکے گی۔

"لیڈیز کر دیا، ہماری بہنا کو تیار؟" سمہان خود چلا آیا تھا۔ ندا نے ایک زخمی نظر دال کے نظر پھیر لی تھی۔

"ہاں جی ہو گئیں آپ کی بہن تیار۔" ماورا نے ندا کا رخ اس کی طرف کیا تھا۔

"چلیں! مہمان آ چکے ہیں۔" وہ کہہ کے پلٹ گیا تھا۔ تینوں کی مدعیت میں ندا مہمانوں کے سامنے آئی تھی۔

"بیٹھو بیٹا!" شاید لڑکے کی ماں تھی جس نے آگے بڑھ کے ندا کو تھاما تھا۔ لڑکے کی اتنی تعریف سن کے عیشال کو یونہی اسے دیکھنے
وق ہوا تھا۔

"یہ میرا بیٹا ہے۔" خاتون اشارہ کر رہی تھیں۔ ندا کے ساتھ عیشال نے بھی گردن گھمائی تھی اور ندا جیسے بے ہوش ہونے لگی تھی
عیشال کا سر بھی چکرانے لگا تھا۔

"سمہان!" مہمانوں کے جاتے ہی ندا اسے پکار کے رہ گئی تھی۔

"حکم ندا جی!" پرانے انداز میں سر خم کر گیا۔

"سمہان یہ....!" عیشال بھی بھاگتی ہوئی چلی آئی تھی۔

"آیئے آیئے آپ کی ہی کمی تھی۔" شوخ ہوا۔

"ابٹن میں بھی بھاگ دوڑ چین سے ایک کونے میں نہیں بیٹھا جاتا آپ سے۔" محبت سے دیکھتے کھینچائی کر رہا تھا۔

"یہ یہ راحیل تھا نا....؟" اس کی بات نظر انداز کر کے سوال کیا۔

"راحیل ہی تھا۔" پرسکون انداز۔

"لیکن وہ تو.... تم خود اس کی لاش کو ٹھکانے لے گئے تھے۔" بے یقین تھی۔ ندا کا بھی یہی حال تھا۔ سب کی موجودگی میں ایک نظ

گیا تو اسی ارادے سے تھا لیکن جب گاڑی میں اسے ڈالا تو احساس ہوا کہ اس کی سانسیں چل رہی ہیں تب خاموشی سے اسے
پتال میں داخل کر دیا، اس کا علاج کرواتا رہا، اور ٹھیک ہونے کے بعد اس سے پوچھا اب کیا چاہتا ہے اور اسکا ایک ہی جواب
..... لیکن حالات ایسے نہیں تھے کہ اسے پھر سے سامنے لاتا، مناسب موقع کی تلاش میں تھا اور آج مل گیا۔ داجان کو بھی سچ بتا
ہے۔ انہیں شادی کی تاریخ دینے میں کوئی اعتراض نہیں۔ اب بتائیں ندا جی اب بھی کرنی ہے شادی یا میں منع کر دوں راحیل
..؟'' سب کچھ بتا کے شوخی سے سوال کیا۔ ندا سے کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
ویر ہونے کا حق ادا کر دیا تم نے۔ عیشال یہ بہت انمول بھائی ہے میرا۔ خوش رکھنا اسے، خوش رہو۔'' ندا اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ
کے چلی گئی تھی۔
تم نے مجھے بھی نہیں بتایا۔ اور میں جانے کیا کچھ کہتی رہی تمہیں۔'' گلہ کر رہی تھی۔
آپ کا تو کام ہی مجھے برا بھلا کہنا ہے۔'' چڑا رہا تھا۔
رئیلی سمہان! پراؤڈ آف یو۔'' عقیدت مندی سے گویا تھی۔
تھینکس زندگی!'' محبت سے مسکرایا تھا۔
داور ایشان بھی اسے سراہ رہے تھے۔
ندا کے لیے بہت فکر مند تھا لیکن خبر نہیں تھی کہ اس کا دوسرا ویر کوئی سرپرائز دے گا۔ تو سچ مچ میرا جگر ہے۔'' شاہ اسے خود سے بھینچ
ا۔
ٹوگڈ سمہان!'' ایشان جاہ بھی سراہ کے رہ گیا۔
حویلی کی ہر بہن اور ماں کے لیے ہم نے مل کے اچھے فیصلے کرنے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہم مرد تو اپنی مرضی کرتے پھریں ا
ری مائیں، بہنیں کلس کلس کے جیتی رہیں۔''
ایسا ہی کریں گے ان شاء اللہ!'' دونوں نے تعاون کی یقین دہانی کروائی تھی۔
رانے حویلی میں آ کر خود کو بے حد ہلکا محسوس کیا تھا، محبت بھری فضا اسے اچھی لگ رہی تھی۔ حویلی کی در و دیواروں کو دیکھتے، یہاں
تے پھرتے اسے منزہ کی یاد آئی تھی کہ ان کے قدم بھی یہاں پڑے ہوں گے۔ لیکن وہ کتنی بدقسمت تھیں کہ اپنے لیے نفرت کا انتخا
گئیں۔ عیشال کے ساتھ ہوئی زیادتی پر اس کا دل رویا تھا، صائقہ کی محرومی پہ دل دکھا تھا لیکن اس کے معافی مانگنے پر عیشال نے

☆☆☆

نچ سال بعد:

کعبہ شریف کی ٹھنڈی فرش پہ چند چھوٹے چھوٹے قدم بھاگ دوڑ رہے تھے۔ شنائیہ انہیں پکڑنے کو باکان ا
کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ عیشال، سمہان آفندی کے ساتھ بیٹھی اس منظر کو محبت سے دیکھ رہی تھی۔ بالآخر اس کی پکڑ میں چھو
ٹے ہاتھ آ ہی گئے تھے لیکن کچھ اب بھی مچل رہے تھے۔
ماورا! تم بھی آ کے قابو میں کروان بدمعاشوں کو۔ مجھ اکیلی کو دیکھ کے تگنی کا ناچ نچا رہے ہیں۔'' اور ماورا جو ایشان کے ساتھ طواف
سے فارغ ہو کے سیلفی لینے لگی تھی اس کی پکار پہ چلی آئی۔
جی بھابی!'' دونوں مل کے بچوں کو قابو کرنے لگی تھیں۔
یہ عیشال کتنی مست بیٹھی ہے، ذرا فکر نہیں اپنے چھوٹو کی۔ پکڑو اپنا مال۔'' شنائیہ نے اس کا گل گوتھنا شہرون اس کے حوالے کیا
ں کی بجائے وہ سمہان کی گود میں چڑھ گیا۔
آپ دونوں جو ہیں سنبھالنے کے لیے، بیٹھنے دیں نا عیشال کو میرے پاس۔'' سمہان سائیڈ لے گیا۔
تم تو بولو گے میرے بھائی۔'' شنائیہ چڑا کے اپنی بیٹی کو شاہ کی طرف روانہ کر چکی تھی۔
کیا پلان ہے؟ روضہ رسولؐ پر کب حاضری دینی ہے؟'' ایشان قریب آ کے اپنے ٹوئنس کو اٹھا گیا تھا۔
آج ہی نکلتے ہیں، کیوں برو؟''
ہاں، آج ہی نکلتے ہیں۔'' شاہ کی مکمل حمایت حاصل تھی۔
چلیں پھر لنچ کر کے تھوڑی دیر آرام کر لیتے ہیں۔''
ہاں چلو!!'' سب اٹھ گئے تھے۔
ایک منٹ، میں ابھی آئی۔ بھابی شہرون کو پکڑنا۔'' بیٹے کو ماورا کی گود میں تھماتے وہ سمہان کا ہاتھ پکڑ کے کعبہ کے قریب چلی آئی تھ

وئی اسپیشل دعا مانگتی ہوگی۔'' سب نے محبت سے انہیں دیکھا تھا۔

برؤز!'' ایشان ہنکارا بھر کے رہ گیا۔

یسا ویسا!'' شنائیہ بھی مسکرائی تھی۔

ی ان کی محبت کی کہانی سن کے تو مجھے بھی بڑا مزا آیا تھا۔ٹرولور'' ماورا ہنسی تھی۔

ن دونوں کی محبت بھری بساط نے ہی تو حویلی کی کئی بازیوں کو جیت میں بدل دیا۔ بہت کچھ تبدیل کر دیا ہے۔ دونوں کی ایک

یت تھی صرف اپنے لیے نہیں، انہوں نے سب کی زندگیوں میں آسانی لانے کی کوشش کی۔'' شاہ کی نظروں کے سامنے ند

ن آنچل اور سہاگن روپ آ گیا تھا۔

تو ہے۔ اللہ انہیں نظرِ بد سے بچائے۔'' شنائیہ دعا گو تھی۔

مین!'' سب نے یک زبان کہا تھا۔

کچھ خاص مانگنا ہے؟'' سمہان آفندی سرگوشی کر رہا تھا۔

عدہ کیا تھا تم اپنے محبوب کے ساتھ دوبارہ تیرے گھر آؤں گی۔ تو نے قبولیت بخشی۔ تیرے در پہ شکرانے کے کئی نفل ادا کر کے بھ

میں مزید ادائیگی کی تڑپ ہے۔ اپنے محبوب کے ساتھ تیرے محبوب کے روضے پہ جا رہی ہوں، میرا دامن ہمیشہ میرے محبوب ک

محبت سے پر رکھنا! دعا گو ہوں تو ہر بار اپنے محبوب کے گھر مجھے میرے محبوب کے ساتھ بلائے گا!'' بند آنکھوں سے اس کے لب

ر رہے تھے سمہان آفندی اپنے حصار میں لیے اسے محبت سے دیکھ رہا تھا۔

اختتام

ریحانہ آفتاب